امام ابوداؤد سلیمان ابن اشعث سجستانی

ترجمہ

ابوالعلاء محمد محی الدین جہانگیر

ادام اللہ تعالیٰ معالیہ وبارک ایامہ ولیالیہ

شارح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی

دامت برکاتہم العالیہ

شبیر برادرز
اردو بازار ○ لاہور

طالب دعا زوہیب حسن عطاری

خوشخبری

مسلک اہلسنت و جماعت کے عقائد و نظریات۔۔۔

بد مذہبوں کے باطلہ عقائد اور ان کے رد۔۔۔

اہلسنت پر کیئے جانے والے اعتراضات کے جوابات پر مشتمل

کتب و رسائل، آڈیو ویڈیو بیانات اور والپیپر حاصل کرنے کے لئے

تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن کریں

https://t.me/tehqiqat

شرح ابوداؤد شریف

تصنیف

امام ابوداؤد سلیمان ابن اشعث سجستانی

شارح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی

دامت برکاتہم العالیہ

ترجمہ و تخریج

ابو العلاء محمد محی الدین جہانگیر

ادام اللہ تعالیٰ معالیہ وبارک ایامہ ولیالیہ

3

شبیر برادرز

زبیدہ سنٹر ۴۰، اردو بازار لاہور

فون: 042-37246006

شرح ابوداؤد شریف

مترجم	ابوالعلاء محمد محی الدین جہانگیر
شارح	علامہ محمد لیاقت علی رضوی
باہتمام	ملک شبیر حسین
سن اشاعت	ستمبر 2016ء
سرورق	اے ایف ایس ایڈورٹائزر، لاہور
طباعت	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
ہدیہ	روپے

شبیر برادرز

زبیدہ سنٹر، ۴۰۔ اردو بازار لاہور

فون: 042-37246006

تنبیہ

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کردی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

مقدمہ رضویہ

الحمد لله الّذِی أوضح وُجوہ معالم الدّین وأفضح وُجوہ الشّک بکشف النقاب عَن وَجہ الْیَقِین بالعلماء المستنبطین الراسخین والفضلاء المحقِقِین الشامخین الّذین نزہوا کلَام سید المرسلین ممیزین عَن زیف المخلطین المدلسین وَرفعوا منارہ بِنصب العلائم وأسندوا عمدہ بأقوی الدعائم حَتّی صَار مَرفُوعا بِالْبِنَاءِ العالی المشید وبالأحکام الموثق المدمج المؤکّد مسلسلا بسلسة الحفظ والاسناد غیر مُنقَطع وَلَا واہ إِلَی یَوْم التناد وَلَا مَوْقُوف علی غَیرہ من المبانی وَلَا معضل مَا فِیہِ من المعَانِی (وَالصَّلَاة) علی من بعث بِالدّینِ الصَّحِیح الحسن وَالحق الصریح السّنَن الخالی عَن الْعِلَل القادحۃ والسالم من الطعْن فِی أدلته الراجحۃ محمّد المستأثر بالخصال الحمیدۃ والمجتبی المختَص بالخلال السعیدۃ وعَلی آلہ وَصَحبہ الکِرَام مؤیدی الدّین ومظہری الإِسْلَام وعَلی التَّابِعین بِالخیرِ وَالإِحْسَان وعلی عُلَمَاء الأمۃ فِی کل زمَان مَا تغرد قمری علی الْورْد والبان وناح عندلیب علی نور الأقحوان (وَبعد) فَإِن عانی رَحمۃ ربہ الْغنی محمّد لیاقت علی الرضوی الحنفی عَاملہ ربہ ووالدیہ بلُطفِہِ الخفی یقُول أَن السّنۃ إِحْدَی الحجَج القاطعۃ وأوضح المحجۃ الساطعۃ وَبهَا ثُبوت أَکثر الأَحکَام وَعَلَیْهَا مدَار الْعلمَاء الأَعْلَام وَکیف لَا وَهِی القَوْل وَالْفِعْل من سید الأَنَام فِی بَیَان الحلَال وَالحرَام الّذین عَلَیْهِما مَبْنِیّ الإِسْلَام فصرف الاعمار فِی اسْتِخْرَاج کنوزہا من أہم الأُمُور وتوجیہ الأفکار فِی استکشاف رموزہا من تعمیر العمور لَهَا منقبۃ تجلت عَن الحسن والبہا ومرتبۃ جلت بالبہجۃ والسنا وَهِی أنوار الْهِدَایَۃ ومطالعہا ووسائل الدِّرَایَۃ وذرائعہا وَهِی من مختارات الْعُلُوم عینهَا وَمن متنقدات نقود المعارف فضہا وعینها ولولاہا لما بَان الخطأ عَن الصَّوَاب وَلَا تمیز الشَّرَاب من السراب وَلَقَد تصدت طَائِفَۃ من السّلف الکِرَام ممن کساہم الله تَعَالَی جلابیب الْفَهم والأفہام ومکنہم من انتقاد الأَلْفَاظ الفصیحۃ المؤسسۃ علی المعَانِی الصَّحِیحَۃ وأقدرہم علی الحفظ بالحفاظ من المتون والألفاظ إِلَی جمع سنَن من سنَن سید المرسلین ہادیۃ إِلَی طرائق شرائع الدّین وَتَدْوِین مَا تفرق مِنْهَا فِی أقطار بِلَاد المسلمین بتفرق الصَّحَابَۃ وَالتَّابِعین الحاملین والفقہاء مذاہب الاربعۃ۔

کتاب السنن اہل فن کی نظر میں

کتاب السنن کی اہمیت وافادیت اہل فن کے نزدیک مسلم ہے، امام ابوداؤد نے سب سے پہلے اپنی اس تالیف کو اپنے استاذ امام احمد بن حنبل پر پیش کیا، تو انہوں نے انتہائی خوشی کا اظہار فرمایا اور بہت پسند کیا، خطیب بغدادی فرماتے ہیں: ''كان أبو داؤد قد سكن البصرة، وقدم بغداد غير مرة، وروى كتابه المصنف في السنن بها ونقله عنه أهلها، ويقال: إنه عرضه على أحمد بن حنبل فاستجاده واستحسنه'' (تاریخ بغداد ۹/۵۶)، ابوداؤد نے بصرہ میں سکونت اختیار فرمائی، اور بغداد کئی بار تشریف لئے آئے، اور وہاں پر اپنی سنن کی روایت کی، اہل بغداد نے آپ سے سنن کو نقل کیا، کہا جاتا ہے کہ آپ نے کتاب السنن بہت پہلے تصنیف فرمائی، اور احمد بن حنبل پر پیش کیا جسے آپ نے پسند فرمایا، اور داد تحسین دی۔ (تاریخ بغداد ۹/۵۶)

محدث زکریا الساجی فرماتے ہیں: ''كتاب الله عز وجل أصل الاسلام، وكتاب السنن لأبي داؤد عهد الاسلام''۔ (کتاب اللہ اصل دین اسلام ہے، اور سنن ابوداؤد اسلام کا عہد)

سنن کی افادیت کے بارے میں ابوداؤد کے شاگرد حافظ محمد بن مخلدم ۳۳۱ھ فرماتے ہیں: ''لما صنف كتاب السنن وقرأه على الناس صار كتابه لأهل الحديث كالمصحف يتبعونه ولا يخالفونه وأقر له أهل زمانه بالحفظ والتقدم فيه'' (تہذیب الکمال ۱۱/۳۶۵) جب امام ابوداؤد نے سنن کو تالیف کر کے لوگوں پر پڑھا تو یہ اہل حدیث کے نزدیک مصحف کی حیثیت اختیار کر گئی، وہ اس کی اتباع کیا کرتے تھے اور اس کی مخالفت نہیں کرتے تھے، اہل عصر نے آپ کے حفظ حدیث اور اس میں تقدم کا اعتراف کیا۔

سنن کے بارے میں حافظ ابن حزم ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ: حافظ سعید بن سکن صاحب الصحیح ۳۵۳ھ کی خدمت میں اصحاب حدیث کی ایک جماعت حاضر ہوئی، اور عرض کیا کہ ہمارے سامنے احادیث کی بہت سی کتابیں آگئی ہیں، آپ اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی کچھ ایسی کتابوں کی طرف کریں جن پر ہم اکتفا کر سکیں تو حافظ ابن السکن نے یہ سن کر کچھ جواب نہیں دیا، بلکہ اٹھ کر سیدھے گھر تشریف لے گئے، اور کتابوں کے چار بستہ لا کر اوپر تلے رکھ دیئے، اور فرمانے لگے: ''هذه قواعد الاسلام: ''كتاب مسلم، وكتاب البخاري، وكتاب أبي داود، وكتاب النسائي''۔ ''یہ اسلام کے بنیادی مراجع ہیں۔'' صحیح مسلم، صحیح بخاری، سنن ابوداؤد، سنن نسائی''

اور امام خطابی (م ۳۸۸ھ) کہتے ہیں: ''إن كتاب السنن لأبي داؤد كتاب شريف لم تصنف في علم الدين كتاب مثله، وقد رزق القبول من الناس كافة فصار حكما بين فرق العلماء وطبقات الفقهاء على اختلاف مذاهبهم فلكل فيه ورود، ومنه شرب، وعليه معول أهل العراق، وأهل مصر، وبلاد المغرب، وكثير من مدن

اقطار الأرض، فأما أهل خراسان فقد أولع أكثرهم بكتاب محمد بن إسماعيل ومسلم بن الحجاج ومن نحا نحوهما في جمع الصحيح على شرطهما في السبك والانتقاد". (ابوداؤد کی کتاب السنن محترم کتاب ہے، علم دین میں اس کے مثل کوئی کتاب تصنیف نہیں کی گئی، سارے لوگوں کے یہاں یہ مقبول ہے، اور تمام مذاہب کے فقہاء، اور علماء کے یہاں اس کو حکم کا درجہ حاصل ہے، ہر ایک کے لئے یہ مرجع ہے، جس سے وہ سیراب ہوتا ہے، عراق، مصر اور بلاد مغرب نیز سارے دنیا کے ممالک کا اس پر دارومدار ہے، اہل خراسان کی اکثریت بخاری و مسلم اور ان کے نقش قدم پر اور ان کی شرطوں کے مطابق احادیث صیحہ کے جامعین سے زیادہ شغف رکھتے ہیں)۔

امام حاکم نیشاپوری نے سنن ابی داؤد کو صحیح کہا ہے۔

امام ابوداؤد کا اپنا بیان ہے کہ میرے خیال میں قرآن پاک کے بعد جتنا اس کتاب سنن ابی داؤد کو سیکھنا لوگوں پر لازم ہے، اتنا کسی اور چیز کا نہیں، اگر کوئی شخص اس کتاب کے علاوہ کوئی اور علم نہ سیکھے تو وہ خاسر نہیں ہوگا، اور جو اس کو دیکھے سمجھے اور اس میں غور کرے گا تو اس کو اس کی قدر معلوم ہو جائے گی۔

مزید فرماتے ہیں: "وقد جمع أبو داؤد في كتابه هذا من الحديث في أصول العلم وأمهات السنن وأحكام الفقه مانعلم متقدما سبقه إليه ومتأخر ألحقه فيه" (ابوداؤد نے اس کتاب میں اصول علم اور سنن کے بنیادی مسائل، اور فقہی احکام اس طرح جمع کر دیے ہیں کہ نہ تو کسی متقدم نے ایسا کیا، اور نہ ہی کوئی بعد کا آدمی ایسا کر سکا)۔

کتاب السنن کا منہج اور مؤلف کی شرط

امام ابوداؤد نے اہل مکہ کے نام اپنے مکتوب میں کتاب السنن کے منہج اور طریقہ تالیف پر مفصل روشنی ڈالی ہے ذیل میں ہم اس کے کچھ فقرات آپ کے منہج وطریقہ تالیف کو بیان کرنے کے لئے نقل کر رہے ہیں:

۱۔ میں نے ہر باب میں صرف ایک یا دو حدیثیں نقل کی ہیں، گو اس باب میں اور بھی صحیح حدیثیں موجود ہیں، اگر ان سب کو میں ذکر کرتا تو ان کی تعداد کافی بڑھ جاتی، اس سلسلہ میں میرے پیش نظر صرف قرب منفعت رہا ہے۔

۲۔ اگر کسی روایت کے دو یا تین طرق سے آنے کی وجہ سے میں نے کسی باب میں اسے مکرر ذکر کیا ہے تو اس کی وجہ صرف سیاق کلام کی زیادتی ہے، بسا اوقات بعض سندوں میں کوئی لفظ زائد ہوتا ہے جو دوسری سند میں نہیں ہوتا، اس زائد لفظ کو بیان کرنے کے لئے میں نے ایسا کیا ہے۔

۳۔ بعض طویل حدیثوں کو میں نے اس لئے مختصر کر دیا ہے کہ اگر میں انہیں پوری ذکر کرتا تو بعض سامعین (وقراء) کی نگاہ سے اصل مقصد اوجھل رہ جاتا، اور وہ اصل نکتہ نہ سمجھ پاتے، اس وجہ سے میں نے زوائد کو حذف کر کے صرف اس ٹکڑے کو ذکر کیا ہے، جو اصل مقصد سے مناسبت ومطابقت رکھتا ہے۔

۴۔ کتاب السنن میں میں نے کسی متروک الحدیث شخص سے کوئی روایت نہیں نقل کی ہے، اور اگر صحیح روایت کے نہ ہونے کی وجہ سے اگر کسی باب میں کوئی منکر روایت آئی بھی ہے، تو اس کی نکارت واضح کر دی گئی ہے۔

۵۔میری اس کتاب میں اگر کوئی روایت ایسی آئی ہے جس میں شدید ضعف پایا جاتا ہے تو اس کا یہ ضعف بھی میں نے واضح کر دیا ہے، اور اگر کسی روایت کی سند صحیح نہیں اور میں نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے تو وہ میرے نزدیک صالح ہے، اور نسبتہً ان میں بعض بعض سے اصح ہیں۔

۶۔اس کتاب میں بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جو غیر متصل، مرسل اور مدلس ہیں، بیشتر محدثین ایسی روایتوں کو مستند و معتبر مانتے ہیں اور ان پر متصل ہی کا حکم لگاتے ہیں۔

۷۔میں نے کتاب السنن میں صرف احکام کی حدیثوں کو شامل کیا ہے اس میں زہد اور فضائل اعمال وغیرہ سے متعلق حدیثیں درج نہیں کیں، یہ کتاب کل چار ہزار آٹھ سو احادیث پر مشتمل ہے، جو سب کی سب احکام کے سلسلہ کی ہیں۔

احادیث سنن ابی داؤد صحت وضعف کے اعتبار سے

حافظ ابو عبداللہ محمد بن اسحاق بن مندہ کا بیان ہے: ''ابوداؤد اور نسائی دونوں کی شرط ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی روایت کی تخریج کر سکتے ہیں جن کے متروک ہونے پر علماء کا اجماع نہ ہو بشرطیکہ حدیث کی سند متصل ہو اس میں انقطاع اور ارسال واقع نہ ہو''۔

(شروط ابن مندہ)

اس سلسلہ میں خود امام ابوداؤد فرماتے ہیں: ''میں نے اپنی کتاب میں کوئی ایسی روایت ذکر نہیں کی ہے جس کے متروک ہونے پر لوگوں کا اتفاق ہو''۔

آپ کے اس بیان میں صراحت ہے کہ کتاب ''السنن'' میں ضعیف احادیث موجود ہیں، بلکہ ایسی روایات بھی ہیں جو بہت زیادہ کمزور ہیں، اور ان کے ضعف کو انہوں نے کھول کر بیان کر دیا ہے۔

احادیث سنن ابی داؤد بقاعی کی نظر میں

امام بقاعی ابوداؤد کے مذکورہ بالا قول: (جو ان کے مکتوب بنام اہل مکہ میں موجود ہے) کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ان کے اس قول کی رو سے سنن میں وارد احادیث کی پانچ قسمیں بنتی ہیں:

۱۔صحیح جس سے انہوں نے صحیح لذاتہ مراد لیا ہوگا۔

۲۔صحیح کے مشابہ جس سے ان کی مراد صحیح لغیرہ ہوگی۔

۳۔درجہ صحت کے قریب غالباً اس سے وہ حسن لذاتہ مراد لیتے ہوں گے۔

۴۔جس میں شدید ضعف ہو۔

۵۔ان کے اس قول: ''وماسکتت عنہ فھو صالح'' (جن احادیث پر میں نے سکوت اختیار کیا ہے وہ صالح ہیں) سے سنن میں وارد احادیث کی ایک پانچویں قسم ان احادیث کی سمجھی جاتی ہے جو بہت زیادہ کمزور نہ ہوں، اس قسم کی روایتیں اگر تائید وتقویت سے محروم ہوں تو وہ صرف اعتبار کے قبیل سے ہیں۔

۶۔لیکن اگر انہیں کسی کی تائید وتقویت مل جائے تو بحیثیت مجموعی وہ ''حسن لغیرہ'' کے درجہ پر آجاتی ہیں، اور استدلال

واحتجاج کے لائق بن جاتی ہیں، اس طرح ایک چھٹی قسم بھی وجود میں آجاتی ہے۔

احادیث سنن ابی داؤد امام ذہبی کی نظر میں

امام ذہبی کا بیان ہے کہ ابوداؤد کی کتاب میں وارد احادیث کے مختلف درجے ہیں، آپ نے ابن داسہ کا یہ قول نقل کیا کہ ''میں نے ابوداؤد کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے اپنی سنن میں صحیح اور اس سے قریب کی احادیث ذکر کی ہیں، اور اگران میں شدید ضعف ہے تو میں نے اس کو بیان کر دیا ہے''، ذہبی کہتے ہیں: ''میں کہتا ہوں: امام رحمہ اللہ نے اپنے اجتہاد کے مطابق اسے پورا پورا بیان کیا اور شدید ضعف والی احادیث کو جس کا ضعف قابل برداشت نہیں تھا بیان کر دیا، اور قابل برداشت خفیف ضعف سے اغماض برتا، تو ایسی حالت میں آپ کے کسی حدیث پر سکوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حدیث آپ کے یہاں حسن کے درجے کی ہو، بالخصوص جب ہم حسن کی تعریف پر اپنی جدید اصطلاح کا حکم لگائیں جو سلف کے عرف میں صحیح کی اقسام میں سے ایک قسم کی طرف لوٹتی ہے، اور جمہور علماء کے یہاں جس پر عمل واجب ہوتا ہے، یا جس سے امام بخاری بے رغبتی برتتے ہیں اور امام مسلم اسے لے لیتے ہیں، وبالعکس، تو یہ مراتب صحت کے ادنی مرتبہ میں ہے، اور اگر اس سے بھی نیچے گر جائے تو احتجاج واستدلال کی حد سے خارج ہو جاتی، اور حسن اور ضعیف کے درمیان متجاذب قسم بن جاتی ہے، تو ابوداؤد کی کتاب السنن میں:

۱- سب سے اونچا درجہ ان روایات کا ہے جن کی تخریج بخاری ومسلم دونوں نے کی ہے، اور جو تقریباً نصف کتاب پر مشتمل ہے۔

۲- اس کے بعد وہ حدیثیں ہیں جن کی تخریج بخاری ومسلم (شیخین) میں سے کسی ایک نے کی، اور دوسرے نے نہیں کی ہے۔

۳- پھر اس کے بعد وہ روایات ہیں جن کو بخاری ومسلم (شیخین) نے روایت نہیں کیا، اور وہ جید الاسناد ہیں اور علت وشذوذ سے محفوظ ہیں۔

۴- پھر وہ روایات ہیں جس کی اسناد صالح ہے، اور علماء نے ان کو دو یا اس سے زیادہ ضعیف طرق سے آنے کی وجہ سے قبول کرلیا ہے کہ ان میں سے ہر سند دوسرے کے لئے تقویت کا باعث ہے۔

۵- پھر اس کے بعد وہ احادیث ہیں جن کی سندوں کا ضعف رواۃ کے حفظ میں کمی کی وجہ سے ہے، ایسی احادیث کو ابوداؤد قبول کر لیتے ہیں اور اکثر اس پر سکوت اختیار فرماتے ہیں۔

۶- ان کے بعد سب سے آخری درجہ ان احادیث کا ہے جن کے رواۃ کا ضعف واضح ہوتا ہے، ایسی روایتوں پر وہ عام طور سے خاموش نہیں رہتے ہیں، ان کا ضعف ذکر کر دیتے ہیں۔

۷- اور اگر کبھی خاموش رہتے بھی ہیں تو اس کی وجہ اس کے ضعف کی شہرت ونکارت ہوتی ہے، واللہ اعلم''

(السیر ۱۳/ ۲۱۴-۲۱۵)

سکوت ابی داؤد پر حافظ ابن حجر کی رائے

امام ابوداؤد کا بعض احادیث پر سکوت کبھی اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ حدیث زیادہ ضعیف نہیں ہوتی، اور کبھی ضعیف روایت پر وہ اس لئے سکوت فرماتے ہیں کہ اس روایت کا ضعف بہت مشہور ومعروف ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: اس سے ان لوگوں کے طریقہ کا ضعف ظاہر ہوتا ہے جو امام ابوداوٗد کی ہر اس حدیث کو لائق استدلال جانتے ہیں جس پر آپ نے سکوت اختیار کیا ہے، آپ ابن لہیعہ، صالح مولیٰ توأمہ، عبداللہ بن محمد بن عقیل، موسیٰ بن وردان، سلمہ بن فضل اور دلہم بن صالح جیسے کمزور راویوں کی حدیثوں کی تخریج کرتے ہیں، اور ان پر سکوت اختیار کرتے ہیں، لہٰذا ناقد حدیث کے لئے قطعاً یہ روا نہیں کہ وہ ان روایتوں پر سکوت کے معاملے میں امام ابوداوٗد کی تقلید کرے اور احتجاج واستدلال میں ان کی متابعت کرے، بلکہ ایسی روایتوں کے متعلق اس کا وطیرہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ خود ان میں غور کرے اور دیکھے کہ کیا ان کا کوئی متابع موجود ہے جس سے ان کو تائید وتقویت ملتی ہو، یا وہ منفرد وغریب ہیں تاکہ اس کے بارے میں توقف کیا جائے، خاص کر جب وہ اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی روایت کے مخالف ہوں تو وہ یقیناً اپنے درجے سے گر کر منکر کے قبیل سے ہو جائیں گی۔

ابوداوٗد نے بسا اوقات ان سے بھی زیادہ ضعیف راویوں مثلاً حارث بن وجیہ، صدقہ دقیقی، عثمان بن واقد عمری، محمد بن عبدالرحمن بیلمانی، ابو جناب کلبی، سلیمان بن ارقم اور اسحاق بن عبداللہ بن فروہ جیسے متروکین کی روایتوں کی تخریج کی ہے۔

اسی طرح اس کتاب میں بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جن کی سندیں منقطع ہیں، یا ان کے رواۃ مدلس ہیں، اور وہ طریق حسن سے روایت کرتے ہیں یا ان کے رواۃ کے ناموں میں ابہام ہے ایسی تمام روایتوں پر محض اس وجہ سے حسن کا حکم لگانا کہ امام ابوداوٗد نے ان پر کوئی کلام نہیں کیا ہے درست نہیں، کیوں کہ:

۱۔ وہ کبھی اس لئے بھی سکوت اختیار کرتے ہیں کہ وہ اس سے پہلے راوی پر خود اپنی اس کتاب میں تفصیل سے کلام کر چکے ہوتے ہیں، بنابریں وہ سابقہ کلام پر اکتفا کرتے ہیں اس کے اعادہ کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

۲۔ کبھی آپ کا سکوت غفلت ونسیان کے سبب ہوتا ہے۔

۳۔ اور کبھی اس لئے ہوتا ہے کہ راوی کا ضعف بہت واضح ہوتا ہے اس کے متروک الحدیث ہونے پر ائمہ میں اتفاق پایا جاتا ہے جیسے ابوالحویرث اور یحییٰ بن العلاء وغیرہم۔

۴۔ اور کبھی جو لوگ امام ابوداوٗد سے روایت کرتے ہیں ان کے اختلاف کے سبب ایسا ہوتا ہے اور ایسا بہت ہے، مثال کے طور پر ابوالحسن بن العبد کا روایت کردہ نسخہ ہے، اس کے بہت سے راویوں اور سندوں میں کلام ہے جو لؤلؤی کے نسخہ میں نہیں ہے گو یہ نسخہ اس سے مشہور ہے۔

۵۔ اور کبھی سنن کے علاوہ دوسری تصنیفات میں اس حدیث کے ضعف پر تفصیلی گفتگو کرتے ہیں اور سنن میں سکوت اختیار کرتے ہیں۔

سنن ابی داوٗد کی خصوصیات

سنن ابی داوٗد کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ صرف احکام ومسائل سے متعلق روایات پر مشتمل ہے، امام صاحب سے پہلے اس قسم کی کتابیں لکھنے کا رواج نہ تھا، بلکہ ان کا تعلق احکام، تفسیر وقصص، اخبار ومواعظ اور ادب وزہد وغیرہ سے تھا، یعنی وہ جوامع اور مسانید تھیں جیسا کہ "رسالہ مکیہ" میں امام صاحب نے خود ہی ذکر کیا ہے، اور آپ نے ایک انوکھی راہ اختیار کی ہے، لہٰذا اپنی

اسی خصوصیت کی بناء پر یہ کتاب ائمہ اور علماء آثار کی توجہات کا مرکز بن گئی، جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فأما السنن المحضة فلم يقصد أحد منهم جمعها واستيفائها ولم يقدر على تلخيصها واختصار مواضعها من اثناء تلك الأحاديث الطويلة كما حصل لأبي داؤد، لهذا حل كتابه عند أئمة أهل الحديث وعلماء الأثر محل العجب فضربت فيه اكباد الابل ودامت إليه الرحل"

(تہذیب الاسماء واللغات ج2 ص227).

رہ گیا سنن یعنی احادیث احکام کا معاملہ تو ان کی بھرپور جمع وتدوین، اور طویل احادیث سے ان کی تلخیص واختصار کا کام ابو داؤد کے علاوہ کسی اور نے اس کا ارادہ نہیں کیا، اس لئے ائمہ اہل حدیث اور علمائے حدیث وأثر کے یہاں یہ حیران کن تالیف ہے، جس کے حصول کے لئے اسفار ورحلات کا تسلسل برابر قائم رہا۔

۲۔ فقہی احادیث کا جتنا بڑا ذخیرہ اس کتاب میں موجود ہے، وہ صحاح میں سے کسی دوسری کتاب میں نہیں، حافظ ابو جعفر بن زبیر غرناطی (م ۸۰۷ھ) صحاح ستہ کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ولأبي داؤد في حصر أحاديث الأحكام واستيعابها ماليس لغيره (تہذیب الأسماء واللغات ج2 ص227) ابو داؤد نے احادیث احکام کے حصر واستیعاب کا جو کام کیا ہے، وہ دوسروں نے نہیں کیا ہے۔

اور اسی وجہ سے یہ کتاب فقہاء ومجتہدین کا معتمد علیہ مأخذ رہی ہے۔

۳۔ جامع ترمذی کی طرح سنن ابی داؤد کی بھی اکثر وبیشتر روایات ائمہ مجتہدین، تابعین وتبع تابعین، اور فقہاء امت میں معمول بہا رہی ہیں، خصوصاً امام مالک رحمہ اللہ، امام سفیان ثوری رحمہ اللہ، امام اوزاعی رحمہ اللہ وغیرہ محدثین وفقہاء کے مسالک ومذاہب کے لئے یہ کتاب اصل وبنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔

علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ یہ فقہاء ومجتہدین کے اختلاف میں حکم اور حجت ہے: "وعليه معول أهل العراق ومصر والمغرب وكثير من أقطار الأرض" (معالم السنن ج۱ ص۶)

۴۔ کتاب السنن میں صحیح الاسناد قوی، متصل اور مرفوع احادیث کا خاص اہتمام کیا گیا ہے، اس کی صحت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ امام صاحب نے پہلے پانچ لاکھ احادیث جمع کی تھیں، اور پھر ان میں سے چار ہزار آٹھ سو احادیث کا انتخاب کیا، جو ایک مبسوط مجموعہ کی شکل میں ہمارے سامنے ہے، امام صاحب کے اپنے بیان کے مطابق آپ نے اپنے علم وتیقن سے صحیح بلکہ اصح روایات نقل کرنے کی کوشش فرمائی ہے، اور ہمیشہ ان احادیث کو ترجیح دی ہے، جو سند کے اعتبار سے بلند اور اعلی درجہ کی ہیں۔

علامہ خطابی فرماتے ہیں: "حكي لنا عن أبي داؤد أنه قال: ماذكرت في كتابي حديثا اجتمع الناس على تركه".

۵۔ سنن ابی داؤد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ امام صاحب ایک ہی سند اور ایک ہی متن میں متعدد اسانید اور مختلف متون کو جمع فرماتے ہیں، اور ہر حدیث کی سند اور الفاظ کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔

۶۔ روایتوں کے تکرار سے کوئی کتاب خالی نہیں، لیکن امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے تکرار سے حتی الامکان احتراز اور کثرت طرق

کونظر انداز اور طویل احادیث کو مختصر کر دیا ہے، تکرار سے اس وقت کام لیتے ہیں، جب اس روایت میں کوئی خاص بات یا نئے مسئلہ کا استنباط مقصود ہو۔

۷۔آپ نے روایت میں جامعیت کے ساتھ حسن ترتیب و تالیف کو بھی ملحوظ رکھا ہے، علامہ خطابی فرماتے ہیں: ''لم یصنف فی علم الدین کتاب مثل کتاب أبي داؤد أحسن وضعاً''۔

۸۔ضرورت کے مطابق بعض مقامات پر اسماء وکنی کے علاوہ رواۃ کے القاب کی وضاحت کردی ہے، اسی طرح رواۃ کی ثقاہت وعدم ثقاہت یعنی جرح وتعدیل کو بیان کرتے ہوئے روایات کے حسن وقبح اور صحت وسقم کی بھی وضاحت کی ہے۔

۹۔امام صاحب رحمہ اللہ نے غریب اور شاذ روایات کے بجائے مشہور اور معمول بہ روایات کے جمع کرنے کا خاص خیال رکھا ہے۔

۱۰۔سنن میں ایک ثلاثی روایت بھی ہے۔

سنت کا لغوی معنی

۱۔امام لغت مطرزی متوفی ۶۱۰ھ "لفظ سنن" کے تحت لکھتے ہیں:

"السنة" الطريقه ومنها الحديث في مجوس هَجَر "سنوا بهم سنة اهل الكتاب" اى اسلكوا بهم طريقهم يعني عاملوهم معاملة هؤلاء في اعطاء الامان باخذ الجزية منهم. (المُغرِب، ج:۱،ص:۲۱۷)

"سنت" طریقہ کے معنی میں ہے اسی معنی میں مجوسِ ہجر کے بارے میں حدیث ہے "سنّوا بہم سنۃ اہل الکتاب" ان مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب جیسا طریقہ اختیار کرو یعنی جزیہ لے کر امن دینے کا جو معاملہ اہل کتاب کے ساتھ کرتے ہو یہی معاملہ ان مجوسیوں کے ساتھ کرو۔

۲۔امام محی الدین ابوزکریا نووی متوفی ۶۷۶ھ لفظ "السنۃ" کے تحت رقمطراز ہیں:

"سنة النبي صلى الله عليه وسلم أصلها الطريقه، وتطلق سنة صلى الله عليه على الأحاديث المروية عنه صلى الله عليه وسلم، وتطلق السنة على المندوب، قال جماعة من أصحابنا في أصول الفقه: السنة، والمندوب، والتطوع، والنفل، والمرغب، والمستحب كلها بمعنى واحد وهو ما كان فعله راجحاً على تركه ولا اثم على تركه" (تهذيب الاسماء واللغات، ج:۳،ص:۱۵۶)

سنت کا اصل معنی طریقہ ہے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ اصطلاحاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث پر بولا جاتا ہے نیز سنت کا اطلاق امر مستحب پر بھی ہوتا ہے ہمارے شوافع فقہائے اصول کی ایک جماعت کا قول ہے کہ سنت، مندوب، تطوع، نفل، مرغب، اور مستحب یہ سب الفاظ ایک معنی میں ہیں یعنی وہ فعل جس کا کرنا نہ کرنے پر راجح ہے اور اسے چھوڑ دینے پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

۳۔ماہر لغت ابن المنظور متوفی ۷۱۱ھ اپنی گرانقدر تصنیف "لسان العرب" میں لکھتے ہیں:

وقد تکرر فی الحدیث ذکر السنة وما تصرف منها والأصل فیه الطریقة والسیرة واذا اطلقت فی الشرع فانما یراد بها ما أمر به النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونهی عنه وندب الیه قولاً وفعلاً مما لم ینطق به الکتاب العزیز ولهذا یقال فی أدلة الشرع الکتاب والسنة أی القرآن والحدیث

(فصل السین حرف النون، ج:۱۷، ص:۸۹)

سنت اوراس کے مشتقات کا ذکر حدیث میں بار بار آیا ہے، اس کا اصل معنی طریقہ اور چال چلن کے ہے، اور شرع میں جب یہ لفظ بولا جاتا ہے تواس سے مراد وہ کام لیا جاتا ہے جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، یا جس سے منع کیا، یا جس کی اپنے قول وفعل کے ذریعہ دعوت دی جن کے بارے میں کتاب عزیز نے (صراحت) سے کچھ نہیں کہا ہے، اسی بناء پر دلائل شرعیہ (کے بیان) میں کہا جاتا ہے "الکتاب والسنة" یعنی "قرآن وحدیث"۔

علامہ ابن المنظور کے کلام میں "ما أمر به النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونهی عنه" عام ہے جس میں امر وجوبی، وغیر وجوبی اور نہی تحریمی وغیر تحریمی سب داخل ہوں گی۔

۴۔ المعجم الوسیط مادہ سنن میں ہے:

السَّنَن' الطریقة والمثال یقال بنوا بیوتهم علی سنن واحد... والسنة الطریقة والسیرة حمیدة کانت او ذمیمة، وسنة اللہ حکمه فی خلیقته، وسنة النبی صلی اللہ علیه وسلم: ما ینسب الیه من قول او فعل او تقریر، "وفی الشرع" العمل المحمود فی الدین مما لیس فرضاً ولا واجباً" (ص:۴۵۶)

سنن طریقہ اور مثال کے معنی میں ہے اسی معنی میں بولا جاتا ہے "بنوا بیوتهم علی سنن واحد" یعنی اپنے گھروں کو ایک طریقہ اور ایک نمونہ پر بنایا۔۔۔ اور سنت بمعنی طریقہ اور طرز زندگی ہے یہ طریقہ خواہ محمود ہو یا مذموم، اور "سنت اللہ" کا معنی اللہ کا اپنی مخلوق کے متعلق فیصلے کے ہیں، اور سنت رسول سے مراد وہ قول وفعل اور تقریر ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہیں، اور فقہ میں یہ لفظ دین میں اس پسندیدہ عمل پر بولا جاتا ہے جو فرض واجب نہیں ہیں۔

حدیث کا لغوی معنی

۱۔ لسان العرب میں ہے: الحدیث نقیض القدیم ... والحدیث کون الشیء لم یکن، ... والحدیث الجدید من الاشیاء، والحدیث الخبر یأتی علی القلیل والکثیر والجمع أحادیث

(ج:۲، ص:۴۳۶، ۴۳۸ فصل الحاء حرف الثاء)

حدیث قدیم کا نقیض (یعنی مقابل مخالف) ہے، حدیث شی کا ہو جانا جو پہلے نہیں تھی، بمعنی جدید اور نئی، بمعنی خبر خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر، اور جمع احادیث ہے۔

۲۔ ابن سیدہ متوفی ۴۵۸ھ المخصص میں لکھتے ہیں: الحدیث الخبر، وقال سیبویه: والجمع أحادیث

(ج:۳، ص:۳۲۳).

حدیث کے معنی خبر کے ہیں اور سیبویہ نے کہا ہے کہ اس کی جمع احادیث ہے۔

۳-علامہ قاضی محمد اعلیٰ متوفی ۱۱۹۱ھ کشاف اصطلاحات الفنون میں لکھتے ہیں:

الحدیث لغۃ ضد القدیم ویستعمل في قلیل الکلام و کثیرہ (۲۷۹)

حدیث قدیم کا ضد ہے، اور کلام قلیل وکثیر میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

۴-علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۳ھ لکھتے ہیں: کل کلام یبلغ الانسانَ من جھۃ السمع او الوحي في یقظتہ أو منامہ یقال لہ حدیث. قال عزّ و جلّ: "وَاِذْاَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حدیثًا

(التحریم: ۳، مفردات الفاظ القرآن، ص: ۱۲۴)

ہر وہ کلام جو انسان تک پہنچتا ہے کان کی جانب سے یا وحی کی جانب سے بیداری یا خواب کی حالت میں اسے حدیث کہا جاتا ہے۔ اللہ عزّ وجلّ کا ارشاد ہے: واذ أسرّ النبيّ "الآیۃ اور جب کہ نبی نے اپنی بعض بیوی سے ایک بات۔

علمائے لغت کی مندرجہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا کہ "حدیث" از روئے لغت، جدید، غیر موجود کا وجود میں آجانا، خبر اور کلام یعنی بات کے معنی میں بولا جاتا ہے۔

سنت وحدیث کی اس لغوی معنوی تحقیق کے بعد ان ہر دو کی اصطلاحی تعریف ملاحظہ کیجئے، جس کے تحت علمائے حدیث، علمائے اصول فقہ، اور فقہ حنفی کی الگ الگ تعریفات نقل کی جارہی ہیں؛ تاکہ مسئلہ زیر بحث میں ہر جماعت وطبقہ کی اصطلاحات سامنے رہیں اور خلط مبحث سے بچا جاسکے۔ سب سے پہلے حدیث کی تعریف محدثین کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے۔

حدیث محدثین کی اصطلاح میں

شیخ ابوالفیض محمد بن محمد فارسی حنفی المعروف بہ فصیح ہروی متوفی ۸۳۷ھ اپنی مفید تصنیف جواہر الاصول میں حدیث کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

۱-"الحدیث، وھو في اللغۃ ضد القدیم، ویستعمل في قلیل الکلام و کثیرہ، وفي اصطلاحھم: قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحکایۃ فعلہ وتقریرہ والسنۃ ترادفہ عندھم" (ص: ۱۰)

لغت میں حدیث قدیم کا ضد ہے، اور تھوڑی وزیادہ بات پر بھی حدیث کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، اور محدثین کی اصطلاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل وتقریر کی حکایت وبیان حدیث ہے، ان حضرات کے نزدیک سنت، حدیث کے مترادف ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ صحیح بخاری کے باب الحرص علی الحدیث کے تحت لکھتے ہیں:

۲-"المراد بالحدیث في عرف الشرع ما یضاف الی النبي صلی اللہ علیہ وسلم و کأنہ أرید بہ مقابلۃ القرآن لأنہ قدیم" (فتح الباری، ج:۱، ص:۲۵۷)

حدیث سے مراد شرعی ودینی عرف واصطلاح میں وہ امور ہیں، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہیں، "ما یضاف الی

النبی میں حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جس عموم کی جانب اشارہ کیا تھا، ان کے تلمیذ رشید حافظ سخاوی نے اپنی ذکر کردہ تعریف میں اسی کی تشریح وتوضیح کی ہے۔"واللہ اعلم"

۳۔ حافظ سخاوی متوفی ۹۰۲ھ "حدیث" کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں: "الحديث" لغة ضد القديم، واصطلاحاً: ما أضيف الى النبي صلى الله عليه وسلم قولاً له أو فعلاً أو تقريراً أو صفة حتى الحركات والسكنات في اليقظة والمنام، فهو أعم من السنة ... وكثيراً ما يقع في كلام أهل الحديث - ومنهم الناظم - مايدل لترادفهما" (فتح المغیث، ج:۱، ص:۹)

حدیث لغت میں حادث ونوپید کے معنی میں ہے اور اصطلاح محدثین میں حدیث وہ سب چیزیں ہیں جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب منسوب ہیں (یعنی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول، یا فعل، یا آپ کا کسی امر کو ثابت اور برقرار رکھنا، یا آپ کی صفات؛ حتی کہ بیداری اور نید میں آپ کی حرکت وسکون (یہ سب حدیث ہیں لہٰذا اس تعریف کی رو سے یہ سنت سے عام ہے، (جبکہ) علمائے حدیث (جن میں ناظم یعنی الفیۃ الحدیث کے مصنف حافظ عراقی متوفی ۸۰۶ھ بھی ہیں) کا کلام کثرت سے یوں واقع ہوا ہے، جو حدیث وسنت کے ترادف اور ایک ہونے کو بتارہا ہے۔

عبدالحی فرنگی محلی متوفی ۱۳۰۴ھ حدیث کی تعریف پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۴-واختلف عباراتهم في تفسير الحديث، فقال بعضهم: ما أضيف الى رسول الله صلى الله عليه وسلم قولاً أو فعلاً أو تقريراً، أو الى الصحابي، أو الى التابعي، وحينئذ فهو مرادف السنة، وكثيراً ما يقع في كلام الحفاظ مايدل على الترادف. وزاد بعضهم أو صفة، وقيل زوياء أيضاً بل الحركات والسكنات النبوية في المنام واليقظة أيضاً، وعلى هذا فجو أعم من السنة

(ظفر الامانی مع تعلیق علامہ شیخ ابوغدہ، ص:۲۴)

حدیث کی تفسیر وتعریف میں حضرات محدثین کی عبارتیں مختلف ہیں، بعض محدثین یوں تعریف کرتے ہیں وہ قول یا فعل یا تقریر جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہیں یا صحابی یا تابعی کی طرف ان کی نسبت ہے (وہ حدیث ہے) اس تعریف کی رو سے حدیث، سنت کے مرادف ہوگی اور حفاظ حدیث کے بکثرت کلام وتصرفات دونوں کے مرادف ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

اور بعض محدثین نے حدیث کی تعریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات، اور خوابوں کا بھی؛ بلکہ بحالت نوم یا بیداری آپ کے حرکات وسکنات کا اضافہ کیا ہے؛ لہٰذا ان کی تعریف کے لحاظ سے حدیث میں سنت کے اعتبار سے وسعت وعمومیت ہوگی۔

سنت محدثین کی اصطلاح میں

حافظ الدنیا ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

۱-والمراد "بالكتاب" القرآن المتعبد بتلاوته، و"بالسنة" ما جاء عن النبي صلى الله عليه وسلم من أقواله وأفعاله وتقريره وما هَمّ بفعله، والسنة في أهل اللغة الطريقة وفي اصطلاح الأصوليين

والمحدثين ما تقدم. (کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ج:۱۳، ص:۳۰۶)

"الکتاب" سے مراد قرآن ہے جس کی تلاوت کو عبادت گذاری ٹھہرایا گیا ہے، اور "السنۃ" سے مراد نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے اقوال، افعال، تقریر اور وہ چیزیں ہیں جن کے کرنے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصد وارادہ فرمایا، اور سنت اصل لغت میں طریقہ کے معنی میں ہے اور علمائے اصول اور علمائے حدیث کی اصطلاح میں یہی ہے جس کا اوپر بیان ہوا۔

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ حضرات محدثین اور اصولیین سنت کے اصطلاحی معنی میں متفق ہیں۔

۲۔ علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی بعینہ انہی الفاظ میں سنت کی تعریف ذکر کی ہے

(دیکھیے عمدۃ القاری، ج:۲۵، ص:۲۳ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ کی ابتدائی سطور)

۳۔ حافظ السخاوی متوفی ۹۰۲ھ نے اپنی نہایت مفید ومحققانہ تصنیف "فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث للعراقی" میں سنت کی تعریف یہ کی ہے "السنن المضافۃ للنبي صلی اللہ علیہ وسلم قولاً لہ أو فعلاً أو تقریراً، وکذا وصفاً وأیاماً"

(ج:۱، ص:۱۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب قول، فعل، تقریر، نیز آپ کی صفات وایام سنت ہیں۔ حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ جنھوں نے سنت کی تعریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور آپ سے متعلق تاریخ وواقعات کو بھی شامل کیا ہے، الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ انھوں نے یہی تعریف حدیث کی بھی کی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث وسنت ان کے نزدیک ایک ہی ہیں۔

حدیث وسنت کو ایک معنی میں استعمال کی چند مثالیں

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ فرنگی محلی دونوں حضرات نے صراحت کی ہے کہ ائمہ حدیث کے کلام اور تصرفات سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث وسنت ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں، یعنی ان میں باہم نسبت تساوی کی ہے، تباین یا عام، خاص کی نسبت نہیں، ذیل میں اس کی چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں:

۱۔ امام ابوداؤد سجستانی متوفی ۲۷۵ھ اہل مکہ کے نام اپنے مشہور رسالہ ومکتوب میں اپنی سنن کے بارے میں لکھتے ہیں:

"فان ذکر لک عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم سنۃ لیس مما خرجتہ فاعلم أنہ حدیث واہ"

(رسالۃ الامام ابوداود السجستانی الی اہل مکۃ فی وصف سننہ مع تعلیق شیخ عبدالفتاح ابوغدہ، ص:۳۴)

"اگر تم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کوئی سنت ذکر کی جائے، جس کی تخریج میں نے (اس کتاب میں) نہیں کی ہے تو جان لو کہ یہ حدیث ضعیف ہے"

امام ابوداؤد کی اس عبارت میں سنت وحدیث کا مرادف وہم معنی ہونا بالکل ظاہر ہے۔

۲۔ امام حافظ ابوبکر محمد بن موسیٰ حازمی متوفی ۵۸۴ھ ناسخ ومنسوخ کے موضوع پر اپنی نہایت مفید کتاب "الاعتبار في الناسخ والمنسوخ من الآثار" میں کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

لہذا کتاب أذکر فیہا ما انتہیت الی معرفتہ من ناسخ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومنسوخہ (خطبۃ الکتاب، ص: ۳) اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ناسخ ومنسوخ حدیثوں کا ذکر کروں گا، جن کی معرفت تک میں پہنچ سکا ہوں، اسی خطبۂ کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

والما أوردنا نبذۃ منہا لیعلم شدۃ اعتناء الصحابۃ بمعرفۃ الناسخ والمنسوخ في کتاب اللہ وسنۃ نبیہ صلی اللہ علیہ اذ شأنہما واحدۃ" (ص: ۵)

میں نے یہ چند روایتیں پیش کی ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ قرآن وسنت میں ناسخ ومنسوخ کی معرفت کا صحابہ کرام کو کس درجہ اہتمام تھا کیونکہ دونوں کی صفت (وجوب عمل میں) ایک ہے۔ پہلی عبارت میں حدیث ناسخ ومنسوخ کا اور دوسری عبارت میں ناسخ ومنسوخ سنت کا لفظ استعمال کیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام حازمی حدیث وسنت کو ایک معنی میں لیتے ہیں۔

۳۔ سنت کی لغوی تحقیق میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت تہذیب الاسماء والصفات کے حوالہ سے اوپر ذکر کی جا چکی ہے۔

وتطلق سنتہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الأحادیث المرویۃ عنہ صلی اللہ علیہ وسلم.

اور سنت رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اطلاق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث پر ہوتا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے سنت وحدیث کا ایک ہونا بالکل ظاہر ہے۔

۴۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ حدیث وخبر کے درمیان فرق کے قول کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن ثم قیل لمن یشتغل بالتواریخ وما شاکلہا الأخباري، ولمن یشتغل بالسنۃ النبویۃ المحدث، وقیل بینہما عموم وخصوص مطلقاً فکل حدیث خبر من غیر عکس (نزہۃ النظر مع نور القمر، ص: ۲۷)

اسی فرق کی بناء پر جو شخص تاریخ یا تاریخ جیسے امور میں اشتغال رکھتا ہے اسے اخباری (مورخ) کہا جاتا ہے اور جو سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں مشغول رہتا ہے اسے محدث کہا جاتا ہے، اور کہا گیا ہے کہ خبر وحدیث میں عموم وخصوص کی نسبت ہے۔ لہٰذا ہر حدیث خبر ہے اور ہر خبر حدیث نہیں ہے۔ اس عبارت میں ایک جگہ سنت اور دوسری جگہ حدیث کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک دونوں ایک ہیں۔

بغرض اختصار صرف چار مثالوں پر اکتفاء کیا گیا ورنہ علمائے حدیث کے کلام سے دونوں کے مترادف ہونے کی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

عام طور پر متاخرین محدثین حدیث وسنت کی اوپر مذکور یہی تعریف کرتے ہیں، اور اپنے کلام میں عام طور پر دونوں کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں جیسا کہ اوپر کی بیان کردہ تفصیلات سے معلوم ہو چکا ہے۔

ایک قدیم اصطلاح: علامہ محمد بن جعفر کتانی متوفی ۱۳۴۵ھ اپنی مشہور اور نہایت مفید تصنیف "الرسالۃ المستطرفۃ لبیان مشہور کتب السنۃ المشرفۃ" میں کتب سنن کے تعارف میں لکھتے ہیں:

"ومنها كتب تعرف بالسنن وهي في اصطلاحهم الكتب المرتبة على الأبواب الفقهية من الايمان والطهارة والزكاة الى آخرها وليس فيها شيء من الموقوف لأن الموقوف لا يسمّى في اصطلاحهم سنة ويسمى حديثا" (ص:۲۹)

اوران کتب حدیث میں بعض وہ ہیں جو سنن سے معروف ہیں اور سنن ان کی اصطلاح میں ابواب فقہیہ پر مرتب کتابیں ہیں یعنی ایمان، طہارت، صلاۃ، زکوۃ الی آخرہ یعنی اسی ترتیب پر پوری کتاب مرتب ہوتی ہے۔ اور سنن کی کتابوں میں موقوف روایتیں نہیں ہیں؛ کیونکہ ان کی اصطلاح میں موقوف کو سنت نہیں کہا جاتا ہے، بلکہ حدیث کہا جاتا ہے۔

سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ نے بھی اس اصطلاح کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

السلف أطلقوا الحديث على أقوال الصحابة والتابعين لهم باحسان وآثارهم وفتاواهم (خلاصہ، ص: ۳۳ ملا علی کی شرح شرح نخبۃ الفکر کے صفحہ ۱۵۳ پر "خبر، حدیث اور اثر" کے بیان میں کتاب کے محقق نے خلاصہ کی یہ عبارت اپنی تعلیق میں نقل کی ہے)

ائمہ سلف نے "حدیث" کا اطلاق صحابہ اور تابعین کے اقوال، آثار اور ان کے فتاویٰ پر کیا ہے۔

غالباً اسی اصطلاح کے مطابق امام عبدالرحمن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ نے امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی علوم میں جامعیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

الناس على وجوه، فمنهم من هو امام في السنة و امام في الحديث، ومنهم من هو امام في السنة وليس بامام في الحديث، ومنهم من هو امام في الحديث ليس بامام في السنة، فأما من هو امام في السنة و امام في الحديث فسفيان الثوري (تقدمۃ الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم، ص: ۱۱۸)

علماء متعدد صفات کے حامل ہیں، ان میں بعض وہ ہیں جو سنت میں امام ہیں اور حدیث میں بھی امام ہیں، اوران میں بعض وہ ہیں جو سنت میں امام ہیں اور حدیث میں امام نہیں ہیں، اوران میں بعض وہ ہیں جو حدیث میں امام ہیں سنت میں امام نہیں ہیں تو جو سنت اور حدیث دونوں میں امام ہیں وہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یعنی سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ احادیث مرفوعہ اور صحابہ و تابعین سے منقول آثار اور فتاویٰ سب میں امام و پیشوا تھے۔

متقدمین ائمہ حدیث کی سنت وحدیث کے بارے میں فرق کی یہ ایک اصطلاح تھی؛ لیکن متاخرین کے یہاں اس اصطلاح کا استعمال نہیں ہے۔ متقدمین ائمہ حدیث اگرچہ سنت وحدیث کے درمیان اصطلاحی طور پر یہ فرق کرتے ہیں؛ لیکن عام طور پر وہ شریعت میں صحابہ کے قول کو بھی حجت مانتے ہیں؛ اس لئے اس اصطلاحی فرق سے ان کی حجیت میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

ایک اور اصطلاح: بہت سے اصولیین اور بعض محدثین بھی سنت وحدیث میں اصطلاحی طور پر یہ فرق کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل، تقریر اور طریق صحابہ سب پر سنت کا لفظ بولتے ہیں، اور حدیث وخبر کا اطلاق صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل پر کرتے ہیں۔

مولانا عبدالحئی فرنگی محلی لکھتے ہیں:

ذکر ابن مَلَک في "شرح منار الأصول" أنّ سنة تطلق علی قول رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وفعله، وسکوته وطریقة الصحابة، والحدیث والخبر مختصان بالأول.

سنت کا اطلاق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل، سکوت، اور طریقۂ صحابہ پر کیا جاتا ہے اور حدیث وخبر پہلے (یعنی قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ خاص ہیں۔ (ظفر الامانی، ص: ۲۴-۲۵)

محقق علاء الدین عبدالعزیز بخاری متوفی ۷۳۰ھ اصول بزدوی کی عبارت "تمسکاً بالسنة والحدیث" کے تحت لکھتے ہیں:

السنة أعم من الحدیث لأنها تتناول الفعل والقول، والحدیث مختص بالقول" الخ

(کشف الاسرار، ج:۱، ص:۵۹)

"سنت"، "حدیث" سے عام ہے کیونکہ سنت فعل وقول (سب کو) شامل ہے اور حدیث قول کے ساتھ خاص ہے۔ یہی تفصیل تلویح اور عضدی میں بھی ہے۔

لفظ سنت وحدیث کے درمیان استعمال کا یہ فرق بھی بس اصطلاح ہی کی حد تک ہے، جس سے ان کی حجیت قطعاً متاثر نہیں ہوگی؛ کیونکہ جو حضرات سنت کو عام معنی یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کے معنی میں لیتے ہیں وہ تو اسے حجت مانتے ہی ہیں اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو حدیث سے تعبیر کرتے ہیں اور سنت کا اطلاق اس پر نہیں کرتے ہیں وہ بھی اس حدیث قولی کو حجت قرار دیتے ہیں۔

سنت علمائے اصول کی اصطلاح میں

علمائے اصول جن کا موضوع احکام شرعی کے اصول وماخذ کا بیان، اور کتاب وسنت کے نصوص سے اخذ معانی وغیرہ کے قواعد وضوابط کی تنقیح وتدوین ہے، جب وہ اپنے موضوع کے مطابق فقہی احکام کے دوسرے مصدر وماخذ کی حیثیت سے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں تو اپنے فن کے تحت سنت کی تعریف بھی بیان کرتے ہیں بطور نمونہ اصول فقہ کی مستند ومعروف چند کتابوں سے یہ تعریف نقل کی جارہی ہے۔

۱۔ قاضی بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ "منہاج الوصول الی علم الاصول" میں لکھتے ہیں:

الکتاب الثاني في السنة: وهو قول الرسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم او فعله الخ.

کتاب ثانی سنت کے بیان میں اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل ہے۔

شیخ جمال الدین اسنوی متوفی ۷۷۲ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

أقول: السنة لغة هي العادة والطریقة قال اللّٰہ تعالی: "قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ" ای طرق، وفي الاصطلاح تطلق علی ما یقابل الفرض من العبادات، وعلی ما صدر من النبي صلی اللّٰہ علیہ

وسلم من الأفعال أو الأقوال ليست للاعجاز وهذا هو المراد ههنا، ولما كان التقرير عبارة من الكف عن الانكار والكف فعل كما تقدم استغنى المصنف عنه بهأي عن التقرير بالفعل"

(نہایۃ السول فی شرح منہاج الوصول الی علم الاصول علی الہامش التقریر والحبیر، ج:۲،ص:۵۲)

میں کہتا ہوں کہ سنت لغت میں عادت اور طریقہ کے معنی میں ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قد خلت الخ یعنی تحقیق کہ تم سے پہلے طریقے گذر چکے ہیں، لہٰذا زمین میں گھوم پھر (کر انہیں دیکھ لو) (آیت میں مذکور لفظ سُنَن بمعنی) طریقے ہے، اور اصطلاح میں (۱) ان عبادتوں پر سنت کا اطلاق ہوتا ہے جو فرض کے مقابل ہیں، (۲) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ان افعال واقوال پر ہوتا ہے جو (صراحتاً) قرآن میں نہیں ہیں، اور اس جگہ یہی دوسرا اصطلاحی معنی مراد ہے، اور جب انکار سے رکنے کو تقریر سے تعبیر کیا جاتا ہے تو "کف" یعنی رکنا (ایک) فعل ہے اس لئے قول کے ساتھ فعل کے ذکر کے بعد تقریر کے ذکر کی مصنف نے ضرورت نہیں سمجھی۔

۲-امام ابواسحاق الشاطبی متوفی ۷۹۰ھ لکھتے ہیں:

ويطلق لفظ السنة على ما جاء منقولا عن النبي صلى الله عليه وسلم على الخصوص بما لم ينص عليه في الكتاب العزيز بل انما نص عليه من جهته عليه الصلوٰة والسلام كان بياناً لما في الكتاب، أولاً، ويطلق أيضاً في مقابلة البدعة، فيقال: "فلان على سنة اذا عمل على وفق ما عمل عليه النبي صلى الله عليه وسلم، كان ذلک مما نص عليه في الكتاب أولاً، ويقال: فلان على بدعة" اذا عمل على خلاف ذلک، وكأن هذا الاطلاق انما اعتبر فيه عمل صاحب الشريعة فأطلق عليه لفظ السنة من تلک الجهة، وان كان العمل بمقتضى الكتاب.

ويطلق أيضا لفظ السنة على ما عمل عليه الصحابة وجد ذلک في الكتاب أو السنة أو لم يوجد لكونه اتباعاً لسنة ثبتت عندهم لم تنقل الينا، أو اجتهاداً مجتمعاً عليه منهم أو من خلفائهم... واذا جمع ما تقدم تحصل منه في الاطلاق أربعة أوجه، قوله عليه الصلاة والسلام، وفعله، واقرارة- وكل ذلک اما متلقى بالوحي أو بالاجتهاد، وهذه ثلاثة، والرابع ما جاء عن الصحابة أو الخلفاء. (الموافقات، ج:۴، ص:۳تا۶)

اور لفظ سنت ان امور پر بولا جاتا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو کر آئے ہیں بالخصوص وہ امور جو قرآن مجید میں منصوص نہیں ہیں؛ بلکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی جانب سے مذکور ہیں، پھر وہ امور قرآن کی مراد کا بیان وتفسیر ہوں، یا ایسے نہ ہوں۔

اور سنت کا لفظ بدعت کے مقابلہ میں بھی بولا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے فلاں سنت پر ہے؛ جبکہ اس کا عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے موافق ہو، خواہ یہ عمل ان اعمال میں سے ہو جن کی قرآن میں صراحت کی گئی ہے، یا ایسا نہ ہو، اور کہا جاتا ہے فلاں بدعت پر ہے؛ جبکہ اس کا وہ عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے موافق نہ ہو، گویا اس اطلاق میں صاحب شریعت (صلی اللہ علیہ وسلم)

کے عمل کا اعتبار کیا گیا ہے، اور اسی لحاظ سے اس پر سنت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اگر چہ وہ عمل بتقاضائے کتاب الٰہی ہو۔

نیز لفظ سنت کا اطلاق صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے عمل پر بھی ہوتا ہے قرآن وحدیث میں اس کے وجود سے ہم واقف ہوں یا نہ ہوں؛ کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کا یہ عمل یا تو سنت کی اتباع میں ہوگا جو ان کے نزدیک ثابت تھی اور ہم تک نہیں پہنچی یا ان کے اجماعی اجتہاد یا خلفاء کے اجتہاد کی بناء پر ہوگا... ان مذکورہ صورتوں کو جمع کیا جائے تو سنت کے اطلاق کی چار صورتیں نکلیں گی: (۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول، (۲) آپ کا فعل، (۳) آپ کا اقرار واثبات اور یہ سب یا تو وحی سے حاصل شدہ ہوں گی یا اجتہاد سے یہ تین قسمیں ہوئیں، (۴) اور چوتھی قسم صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین یا خلفاء رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین سے ثابت شدہ امور ہیں۔

محقق ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ نے اصول فقہ میں اپنی مشہور وکثیر الفائدہ تصنیف "التحریر" میں سنت کی تعریف یہ کی ہے: "وفي الاصول قوله عليه السلام و فعله و تقريره وفي فقه الحنفية: ما واظب على فعله مع ترک بلا عذر ليلزم كونه بلا وجوب، ومالم يواظبه مندوب و مستحب" (التقریر والتحبیر شرح التحریر، ج:۲، ص:۲۲۳)

سنت اصول فقہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر کو کہتے ہیں، اور فقہ حنفی مین جس فعل پر آپ نے مواظبت فرمائی ہے بغیر عذر کے کبھی کبھار ترک کے ساتھ (ترک بلا عذر کی قید اس لئے ہے) تاکہ لازم ہو جائے کہ اس فعل پر ہمیشگی بطور وجوب کے نہیں تھی (کیونکہ بلا عذر ترکِ فعل کی واجب میں رخصت واجازت نہیں)

اس تعریف کا صاف مطلب یہ ہے کہ فقہائے اصول جب فقہ کے ادلہ اربعہ کے ضمن میں سنت کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی تعریف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل سے کرتے ہیں تو یہی سنت ان کے نزدیک مسائل کے لئے دلیل وحجت ہوتی ہے اور عبادات کے مراتب کی تعیین کے وقت بالخصوص فقہائے احناف فرض وواجب کے بعد اور نفل سے پہلے جب لفظ سنت کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی تعریف ما واظب علی فعلہ الخ یا الطريقة المسلوكه في الدين سے کرتے ہیں تو اس سنت کا ان کے نزدیک احکام شرعی کی حجت ودلیل ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے؛ بلکہ یہ تو اس حکم شرعی کا عرفی نام ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مع المواظبۃ بترک ما سے ثابت ہوا ہے۔

حضرات صحابہ کرام وکبار تابعین کے عہد میں حدیث

قرآن مجید میں اللہ تعالٰی فرماتا ہے "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (احزاب:۲۱) نیز فرمایا "اَطِيْعُوا اللهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ"

اس کے علاوہ بار بار اتباع رسول ﷺ کا حکم دیا گیا اور رسول ﷺ کے امر کی مخالفت کرنے والوں کو عذاب الیم سے ڈرایا گیا۔

ان تمام ارشادات ربانی کا مفاد یہ ہے کہ صحابہ کرام سے لے کر قیامت تک ہر مومن رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال اور احوال مقدسہ کو پوری طرح پیش نظر رکھے اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ وہ اقوال وافعال واحوال مبارکہ محفوظ ہوں۔

اسی لئے تقریباً دس ہزار صحابہ کرام نے احادیث مقدسہ اپنے سینوں میں ضبط کر کے تابعین کو پہنچائیں اور تابعین نے تبع تابعین کواوراسی طرح سنن مقدسہ واحادیث کریمہ کی نعمت عظمیٰ ہم تک پہنچی۔

ان صحابہ کرام میں جن حضرات کواس بات کا اندیشہ تھا کہ اگرانہوں نے اکثارفی الروایۃ سے کام لیا تو وہ خطا میں واقع ہو جائیں گے۔انہوں نے قلت روایت کواختیارکیااورجنہیں یہ اندیشہ نہ تھاانہوں نے اکثارفی الروایۃ پرعمل کیا۔درحقیقت ہردوگروہ کا طرزعمل اس حکمت ایزدی کے موافق تھا کہ خاصانِ بارگاہِ رسالت روایت حدیث میں محتاط رہیں اوررسول اللہ ﷺ کی احادیث مقدسہ کی تبلیغ بھی ہو جائے۔مقلین صحابہ کرام میں خلفائے راشدین حضرت ابوبکرصدیق متوفی ۱۳ھ، حضرت عمر فاروق متوفی ۲۳ھ، حضرت عثمان غنی متوفی ۳۵ھ، حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم متوفی ۴۰ھ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مکثرین صحابہ کرام میں سے بعض کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۰ھ

(۴) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما متوفی ۷۴ھ

(۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی ۹۳ھ

(۶) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا متوفیہ ۴۹،۵۷،۵۸،۵۹ھ

(۷) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ متوفی ۴۶،۷۴،۶۴ھ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت حدیث میں سب سے اعلیٰ مرتبہ پانے والے تابعین کرام میں بعض کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں

(۱) سعید بن مسیب متوفی ۹۳ھ

(۲) حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ

(۳) محمد بن سیرین متوفی ۱۱۰ھ

(۴) عروہ بن زبیر متوفی ۹۴ھ

(۵) سیدنا علی بن الحسین (زین العابدین سجاد) متوفی ۹۴ھ

(۶) مجاہد متوفی ۱۰۴ھ

(۷) قاسم بن محمد بن ابوبکر متوفی ۱۰۶ھ

(۸) ہمام بن منبہ متوفی ۱۳۱ھ

(۹) سالم بن عبداللہ بن عمر متوفی ۱۰۶ھ

(۱۰) نافع مولیٰ ابن عمر متوفی ۱۱۷ھ

(۱۱) سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ

(۱۲) ابن شہاب زہری متوفی ۱۲۴ھ

(۱۳) عکرمہ مولیٰ ابن عباس متوفی ۱۰۵ھ

(۱۴) عطا ابن رباح متوفی ۱۱۵ھ

(۱۵) قتادہ بن دعامہ متوفی ۱۱۷ھ

(۱۶) عامر الشعبی متوفی ۱۰۴ھ

(۱۷) ابراہیم نخعی متوفی ۹۶ھ

(۱۸) یزید بن ابی حبیب متوفی ۱۲۸ھ

جن تابعین کرام نے صحابہ کرام سے احادیث نبویہ کو روایت کیا وہ مختلف شہروں اور مرکزی علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ مثلاً مدینہ منورہ میں چار سو چوراسی تابعین کے حالات طبقات ابن سعد وغیرہ کتب تاریخ وسیر میں ملتے ہیں۔ اسی طرح مکہ مکرمہ میں ایک سو اکتیس اور کوفہ میں چار سو تیرہ، بصرہ میں ایک سو چونسٹھ تابعین کرام کے اعداد وشمار، ان کے مفصل حالات بالخصوص علم حدیث سے ان کے شغف کا تذکرہ کتب فن میں موجود ہے۔

تدوین حدیث

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین دنیا سے بکثرت تشریف لے جانے لگے اور تابعین کرام کے جس مقدس گروہ کو سنن کریمہ و احادیث نبویہ کی یہ امانت پہنچی تھی اس کے بعد اہل بصیرت حضرات کو اس زمانہ کے حالات کے پیش نظر یہ خطرہ محسوس ہوا کہ اگر کتابی صورت میں تدوین احادیث کا کام نہ کیا گیا تو اس نعمت عظمیٰ سے ہم محروم ہو جائیں گے۔ اس لئے انہوں نے کتابوں کی صورت میں حدیثیں جمع کرنے کا تہیہ کر لیا۔ چنانچہ خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک سے تدوین حدیث کا باقاعدہ کام شروع ہوا۔ ان مؤلفین میں ربیع بن صبیح متوفی ۱۶۰ھ، موسیٰ ابن عقبہ متوفی ۱۴۱ھ، امام اعظم ابوحنیفہ ۱۵۰ھ، امام مالک ۱۷۹ھ، ابن جریج ۱۵۶ھ، امام ابو یوسف ۱۸۲ھ، امام محمد ۱۸۹ھ، امام اوزاعی ۱۵۶ھ، سفیان ثوری ۱۶۱ھ، حماد بن سلمہ بن دینار ۱۷۶ھ اور ان کے علاوہ دیگر محدثین کبار نے کتابوں کی صورت میں احادیث جمع کیں اور دوسری صدی کے اواخر تک کتب احادیث کے مجموعے بکثرت مرتب ہو گئے۔

تیسری صدی کے اوائل میں مسدد بن مسرہد متوفی ۲۱۸ھ، اسد بن موسیٰ البصری متوفی ۲۱۲ھ، نعیم بن حماد الخزاعی متوفی ۲۲۸ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ، عثمان بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۹ھ، ابوبکر بن ابی شیبہ ۲۳۵ھ نے مختلف موضوعات مثلاً سیرت، احکام، مغازی پر احادیث کے مجموعے مرتب کئے ان میں سے بعض مؤلفین کی تصانیف موجود نہیں لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ وہ ضائع ہو گئیں بلکہ ان کا پورا مواد ان کے ہم عصروں اور ان کے بعد آنے والوں نے اپنی کتابوں میں شامل کر لیا اور لوگ ان سے بے نیاز ہوتے چلے گئے۔ اسی صدی میں امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ، امام مسلم متوفی ۲۶۱ھ،

امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ، امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، امام نسائی ۳۰۳ھ، امام ابن ماجہ ۲۷۳ھ نے صحاح، جوامع اور سنن تالیف فرمائیں اور تدوین حدیث کا کام نہایت خوش اسلوبی سے پایہ تکمیل کو پہنچا۔

ہم ان صحابہ کرام وتابعین عظام واجلۂ محدثین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس احسانِ عظیم کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث مقدسہ کو کتابی صورت میں مدون کر کے امت مسلمہ کے لئے ہدایت کا ایک روشن مینار قائم کر دیا اور حق کو باطل سے ممتاز کر کے سنن نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے انوار سے ہر مومن کے دل کو منور فرمایا۔

ضرورتِ حدیث

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید ایسی جامع کتاب ہے جس میں عقائد واعمال، عبادات واخلاق، حلت وحرمت کے احکام اور بنی نوع انسان کی تمام جسمانی اور روحانی ضرورتوں کے پورا ہونے اور دونوں جہان کی فوز وفلاح حاصل کرنے کے اصول موجود ہیں لیکن یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ ان اصولوں کی ایسی تشریحات جو پیش آنے والی ضروریات کے تمام جزئیات پر منطبق ہو جائیں قرآن مجید میں مذکور نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب تک وہ تشریحات سامنے نہ آئیں اس وقت تک قرآنی اصول کے مطابق عمل نہیں ہوسکتا اور کوئی شخص اپنی زندگی کو اصول قرآنیہ کے مطابق بسر نہیں کرسکتا۔ معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کو بحیثیت مسلمان ہونے کے حدیث کی اشد ضرورت ہے۔

استدراک

اگر اس مقام پر یہ شبہ وارد کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو کتاب مفصل قرار دیا ہے اور اس کے حق میں "تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ" فرمایا ہے تو ایسی صورت میں یہ کہنا کہ اصول قرآنیہ کے لئے قرآن کے علاوہ کسی تشریح کی ضرورت ہے کیونکر صحیح ہوگا؟

تو ہم جواباً عرض کریں گے کہ قرآن مجید میں جہاں تبیان وتفصیل اور بیان وغیرہ کے الفاظ وارد ہیں ان کا یہ مطلب نہیں کہ اصول قرآن کی وہ تمام تشریحات قرآن مجید میں بیان کر دی گئی ہیں جو ہر شخص کے لئے قیامت تک پیش آنے والے تمام واقعات کی جزئیات کو حاوی ہوں۔ کیونکہ یہ مطلب قرآن مجید کی روشنی میں غلط ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے "اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ" قرآن مجید میں ارشاد فرمایا اور نماز اور زکوٰۃ کے بنیادی اصول بھی قرآن مجید ہی میں بیان فرمائے لیکن اصولوں کی تشریحات مثلاً ارکان صلوٰۃ کی ترتیب، تعدادِ رکعت، مقادیر زکوٰۃ اور ان کے شرائط ودیگر احکام تفصیلیہ قرآن مجید میں کہیں مذکور نہیں۔ اب اگر "تَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ" اور "تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ" کا یہی مطلب لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید ہی میں تمام مسائل جزئیہ کی تفصیلات وتشریحات کھلے طور پر بیان فرما دی ہیں تو یہ بات بالکل خلاف واقع ہوگی جو کذب محض ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے قطعاً پاک ہے۔ معلوم ہوا کہ تفصیل وتبیان سے احکام جزئیہ کی لفظی تفصیل وتشریح مراد نہیں بلکہ وہ معنوی تشریح مراد ہے جو الفاظ قرآن کے نزول کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ان کے نورِ نبوت کی روشنی میں عطا فرمائی۔ قرآن مجید کی آیات مخاطب کے لئے اس قدر روشن، مفصل اور واضح ہیں جس کے بارے میں کسی قسم کا اشتباہ پیدا نہیں ہوتا اور جس کو اس کلام پاک کا مخاطب کیا گیا ہے وہ مکمل شرح وبسط کے ساتھ اسے سمجھتا ہے۔

قرآن کا مخاطب

قرآن کریم کا بالواسطہ مخاطب ہر وہ شخص ہے جو احکام خداوندی کا مکلف ہے اور بلا واسطہ اس کے مخاطب صرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جس مخاطب کے لئے ہم نے قرآن مجید کو "تِبيانًا لِكُلِّ شَىْءٍ" مانا ہے۔ اس سے ہماری مراد مخاطب بلا واسطہ ہے۔

ہمارے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو اصول بیان فرمائے ہیں وہ سب بلکہ جملہ آیاتِ قرآنیہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں بیان وتبیان اور تفصیل کا حکم رکھتی ہیں اور قرآن مجید کا ایک لفظ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اس طرح نازل نہیں ہوا کہ اس کو سن کر مرادِ الٰہی کے سمجھنے میں رسول اللہ ﷺ کو کسی قسم کا کوئی اشتباہ واقع ہوا ہو۔ یہ نہیں کہ ہر شخص قرآن سن کر مرادِ الٰہی کی تفصیلات وتشریحات کو بخوبی سمجھ لے۔ بلکہ دوسروں کے لئے ان تشریحات کا سمجھانا اور کتاب اللہ کی تعلیم دینا رسول اللہ ﷺ کا منصب ہے۔ اسی لئے ارشاد فرمایا

"يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ" (س: آل عمران، آیت: ۱۶۴)
تلاوتِ آیات کے بعد تعلیم کتاب کے معنی صرف یہ ہیں کہ اصول قرآنیہ اور آیاتِ کتاب کی تفصیل وتشریح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے۔

نیز فرمایا "وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ" (س: النحل، آیت: ۴۴) "اور ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا تا کہ آپ بیان کر دیں لوگوں کے لئے اس چیز کو جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔"

جب ذکر اور "مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ" سے کتاب اللہ ہی مراد ہے جسے کتاب مفصل اور "تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" فرمایا گیا تو مفصل کی تفصیل اور تبیان کا بیان کیونکر ممکن ہوگا؟ جو چیز ہر شے کا بیان کرنے والی ہو اس کا بیان تحصیل حاصل نہیں تو اور کیا ہے؟ ثابت ہوا کہ قرآن مجید کا "تِبيانًا لِكُلِّ شَىْءٍ" اور کتاب مفصل ہونا رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات سے ہے۔ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ قرآن مجید کا دوسروں کے لئے تبیان وتفصیل نہ ہونا اس لئے نہیں کہ قرآن ناقص ہے بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ لوگ اس نورِ نبوت سے محروم ہیں جس کا ہونا "تِبيانًا لِكُلِّ شَىْءٍ" کے لئے ضروری ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

آیت قرآنیہ "وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا" (س: انعام، آیت: ۱۱۴) میں "اِلَيْكُمْ" سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن سب کے لئے مفصل ومبین ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بالواسطہ مخاطبین مراد ہیں جو ان لوگوں میں شامل ہیں جن کے متعلق "لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ" فرمایا گیا۔ معلوم ہوا کہ ان کے حق میں کتاب کا مفصل ہونا بلا واسطہ نہیں بلکہ بواسطۂ رسول کریم ﷺ ہے۔

خلاصہ یہ کہ آیات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوگئی کہ تعلیم کتاب اور "مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ" کا بیان وظائف نبوت سے ہے اور اسی بیان اور تعلیم اور تشریح کو سنت اور حدیث سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کی ضرورت اس قدر اہم ہے کہ اس کے بغیر قرآن کا سمجھنا ممکن

ہے نہ اس پر عمل کرنا۔

حجیتِ حدیث

اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو واجب القبول اور واجب العمل قرار دیا وہی ہمارے لئے حجت شرعیہ ہے۔ قرآن مجید میں صاف مذکور ہے "مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا" (الحشر:٦) رسول تمہیں جو کچھ دے دیں وہ لو اور جس چیز سے وہ روک دیں اس سے رک جاؤ۔ عہدِ رسالت سے لے کر آج تک امت مسلمہ اس امر پر متفق ہے کہ اس آیت میں لفظ "ما" اپنے عموم پر ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کے تمام ارشادات شامل ہیں۔ بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس اُمّ یعقوب آئیں اور انہوں نے دریافت کیا کہ کیا آپ نے گوندھنے اور گوندھوانے والی اور پیشانی کے بال اکھاڑنے والی اور اپنے دانتوں کو کشادہ کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس پر کیوں لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی اور جو کتاب اللہ میں ملعون ہے۔ اُمّ یعقوب نے کہا میں نے سارا قرآن پڑھا ہے اس میں کہیں میں نے وہ بات نہیں پائی جو آپ فرمارہے ہیں۔ عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا اگر تم اسے پڑھتیں تو ضرور پالیتیں۔ کیا تم نے قرآن میں یہ نہیں پڑھا۔ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ اُمّ یعقوب بولیں کیوں نہیں! یہ آیت تو میں نے قرآن میں ضرور پڑھی ہے۔ عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے ان کاموں سے منع فرمایا ہے یعنی وہ "ما نھاکم" میں داخل ہیں اور بحکم خداوندی "فانتھوا" ان سے بچنا ضروری ہے۔ دیکھئے بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۱۵، مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۰۵ "اصح المطابع"

معلوم ہوا کہ عہد رسالت ہی سے اس آیت کریمہ کے یہ معنی سمجھ لئے گئے تھے کہ کسی حکم شرعی کی دلیل قرآن مجید کے صریح الفاظ ہی نہیں بلکہ رسول کریم ﷺ کے ارشادات بھی حجت شرعیہ ہیں۔ نیز ارشادِ ربانی ہے "فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا" (النساء:٦٥) اس آیت کریمہ میں واضح طور پر موجود ہے کہ ہر اختلاف میں رسول اللہ ﷺ کو حکم بنانا اور حضور ﷺ کے ہر فیصلہ کو بدل و جان تسلیم کرنا مدار ایمان ہے۔ "مَا قَضَيْتَ" میں "ما" اپنے عموم پر ہے۔ حضور ﷺ کا ہر فیصلہ حضور کی سنت اور حدیث ہے جسے تسلیم کر لینے پر اللہ تعالیٰ نے ہمارے مومن ہونے کو موقوف فرمایا جو چیز ایمان کا موقوف علیہ ہو اس کے حجت ہونے میں کسی مومن کو کلام نہیں ہوسکتا۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ" (نور:٦٣) یعنی ان لوگوں کو ڈرنا چاہئے جو رسول اللہ ﷺ کے امر کی مخالفت کرتے ہیں یہ کہ انہیں کوئی فتنہ پہنچے یا وہ دردناک عذاب میں مبتلا ہو جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کے امر کی مخالفت کرنے والوں کو ڈرانا اور ان کے حق میں وعید شدید نازل فرمانا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ امر رسول اللہ ﷺ قولی ہو یا فعلی بہر صورت واجب القبول اور حجت شرعیہ ہے۔

(مقالات کاظمی، جلد اول)

ضعیف احادیث کا کلی انکار ایک فتنہ ہے

ضعیف حدیث کا مطلقاً انکار آج کے دور کا ایک بڑا فتنہ ہے۔اور منکرین حدیث کا نیا روپ بھی۔دوراول میں اس فتنے کا وجود نہ ہونے کے برابر تھا۔لیکن آج اس فتنے کو ہوا دینے والے جگہ جگہ موجود ہیں۔خصوصاً ناصر الدین البانی صاحب نے اس فتنہ کو ہوا دے کر شعلہ بنایا اور اس کی فکر سے متاثر ہو کر آج عام کر دیا گیا ہے۔ان متاثرین میں ماہنامہ ''الحدیث'' کے مدیر زبیر علی زئی صاحب نے اس فتنہ کو اور ہوا دی۔''الحدیث'' کے آخری صفحہ پر مستقل یہ بات لکھی ہوتی ہے کہ ہمارا عزم ''ضعیف ومردود روایات سے کلی اجتناب''اورزبیر صاحب نے ناصر الدین البانی کی تقلید میں سنن اربعہ میں سے ضعیف روایات کو اکھٹا کر کے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔جس کا نام ہے''انوار الصحیفه فی الاحادیث الضعیفه من السنن الاربعة''

پھر اس کی تقلید میں ماہنامہ ''ضرب حق'' کے مدیر سبطین شاہ آف سرگودھا نے بھی یہی عزم ظاہر کیا۔چنانچہ ماہنامہ ضرب حق کے آخری صفحہ پر مستقل لکھا ہوتا ہے۔''ضعیف احادیث سے قطعی اجتناب'' ان کی دیکھا دیکھی دیگر کئی لوگوں نے البانی سے متاثر ہو کر ضعیف احادیث کا مطلقاً انکار شروع کر دیا۔اور یوں یہ منکرین حدیث کا نیا روپ ہمارے سامنے آیا۔اوران کا طریقہ واردات بالکل پرانے منکرین حدیث جیسا ہے۔کیونکہ وہ مطلقاً حدیث کا انکار کرتے تھے اور جب اپنی بات کا ثبوت دینا ہوتا تو اپنے مطلب کی روایات کو دلیل بنا کر پیش کر دیتے۔بالکل اسی طرح یہ گروہ بھی ضعیف احادیث کا کلی انکار بھی کرتا ہے۔اور اپنی بات کا ثبوت دینے کے لئے طرح طرح کے بہانے بنا کر ضعیف احادیث بھی پیش کرتا ہے۔حالانکہ یہ گروہ شروع ہی سے مختلف نام تبدیل کرتا رہا۔کبھی یہ سلفی بنا تو کبھی توحیدی۔کبھی وہابی تو کبھی نام تبدیل کروا کر اہل حدیث،اور کبھی محمدی۔الغرض گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا یہ گروہ آج ایک نئے روپ میں لوگوں کے سامنے ظاہر ہو رہا ہے اور وہ ہے''ضعیف احادیث سے کلی انکار کا روپ''لوگوں کو یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ ضعیف روایات اور مردود وموضوع روایات میں کوئی فرق نہیں۔حالانکہ اہل سنت وجماعت کے سلف صالحین، محدثین ومحققین کا یہ طریقہ کار نہیں رہا۔ضعیف احادیث کا کلی انکار کرنا،انکار احادیث کا دروازہ کھولنا ہے اور منکرین احادیث کی کھلم کھلا حمایت کرنی ہے۔محدثین کرام رحمہم اللہ کا امت محمدیہ پر یہ احسان ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول وفعل اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر سنت کو پہلے اپنے سینوں میں محفوظ کیا پھر اس کو سفینہ میں درج کر کے تمام امت کے لئے شریعت پر عمل کرنے کا راستہ آسان کر دیا۔اس راہ میں انہوں نے جو جانفشانیاں اٹھائی ہیں،اس کا اس زمانے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ایک ایک حدیث کے لئے راتوں اور دنوں کا سفر کیا،خشکی کا سفر کیا،بیابان کی خاک چھانی سمندروں کو پار کیا۔مال لٹایا،فاقہ کیا،تو کیا یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلط سلط باتوں کو جمع کرنے کے لئے یہ محنت ومشقت اٹھاتے تھے؟(معاذ اللہ) یہ لوگ تو متقی،پرہیزگار،موحد، سچے عاشق رسول تھے اوران کی محبت میں دیوانے تھے۔اخلاص کے پیکر تھے۔ان محدثین کے بارے میں یہ تصور بھی ہمارے لئے گناہ ہے کہ انہوں نے جان بوجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب جھوٹی باتوں کو اپنی کتابوں میں درج کیا۔جبکہ انہی محدثین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے''جس نے میرے اوپر جان بوجھ کر جھوٹ گڑھا،اس کا ٹھکانہ جہنم ہے''تو کیا امام بخاری،امام

مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ رحمہم اللہ اور ان جیسے دوسرے محدثین کے بارے میں یہ لب کشائی جائز ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کی طرف منسوب جو جھوٹی باتیں تھی۔ اسی کو اپنی کتابوں میں درج کر کے اتنے بڑے گناہ کا کام کیا۔ معاذ اللہ یقیناً نہیں۔ حالانکہ انہی محدثین نے احادیث کے درجے قائم کئے۔ لیکن ضعیف احادیث روایات کے بارے میں کیا منہج تھا۔ آئندہ صفحات میں اسی کو واضح کیا جائے گا تاکہ آج کے اس فتنہ سے بچا جاسکے۔ جو سلف کے نام پر دھبہ لگا رہے ہیں۔ محدثین نے یہ درجے صرف حدیث کو سمجھنے کے لئے کئے۔ اور جھوٹی روایات کو بالکل الگ کر دیا مگر آج کے یہ نااہل لوگ ضعیف روایات کو جھوٹی روایات کے ساتھ ملا رہے ہیں۔ حالانکہ محدثین کے نزدیک احادیث کو قبول کرنے کا الگ الگ پیمانہ ہے۔ جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں۔ اگر کسی محدث کے نزدیک ایک روایت صحیح نہیں، تو دوسرے محدث کی شرط پر صحیح ہے تو کیا جس محدث کے نزدیک وہ حدیث صحیح نہیں، تو کیا وہ مردود ہے؟

بہر حال ہماری گزارش یہ ہے کہ ضعیف احادیث کا کلی انکار کرنا اور ان کو احادیث کی فہرست سے خارج کر دینا اور ان کو مردود قرار دینا، یہ اسلاف کی طرز اور ان کے عمل کے خلاف ہے۔ یہ حدیث دوستی نہیں، حدیث دشمنی ہے۔ یہ دین نہیں، بے دینی ہے۔ یہ سلفیت نہیں، رافضیت ہے۔ یہ سنت نہیں، بدعت ہے۔ یہ راستہ مومنین کا نہیں بلکہ منکرین حدیث کا ہے۔ یہ طریقہ محدثین کا نہیں، بلکہ آج کے نام نہاد سلفیوں اور البانیوں کا ہے۔ اسلاف کا طریقہ ہے کہ وہ ضعیف احادیث کو قبول کرتے تھے اور اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اصول ہے کہ اگر کوئی راوی ظاہر العدالۃ ہے۔ تو اس کی روایت قبول کی جائے گی۔ خواہ اس سے روایت کرنے والے کئی ہوں یا ایک۔ تو اس کی بنیاد پر قرآن کی یہ آیت ہے۔ ''اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو'' (پارہ 26، سورۃ الحجرات آیت 6)

اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص فسق سے محفوظ ہو تو اس کی بات کو قبول کیا جائے گا۔ یہیں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ بہت سی وہ روایتیں جن پر محدثین ضعف کا حکم لگاتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے ہاں وہ صحیح ہیں۔ اب نئے نام نہاد محققین دیگر محدثین کے فیصلے کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے مسائل کو جانچنا شروع کر دیتے ہیں اور ان کے مسائل کے دلائل قوی اور صحیح ہوتے ہیں۔ راقم چونکہ جامع ترمذی کی شرح ''فیوض النبوی'' کے نام سے لکھ رہا ہے اس لئے جامع ترمذی ہی سے اس کی چند مثالیں دیتا ہوں۔ کہ سلف صالحین کا ضعیف روایات پر عمل تھا۔

1 ......عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ قال سالت رسول اللہ ﷺ عن صید البازی؟

یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ سے باز کے شکار کردہ جانور کے بارے میں پوچھا کہ اس کا کھانا حلال ہے یا نہیں۔ فقال ما امسک علیک فکل۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو کچھ وہ تمہارے لئے پکڑ رکھے اسے کھالو' امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ہم بواسطہ مجالد عن الشعبی کی سند سے جانتے ہیں۔ والعمل علی هذا عند اهل العلم یعنی اس حدیث پر اہل علم کا عمل ہے۔ (جامع ترمذی مترجم 1/734 طبع فرید بک اسٹال لاہور)

حالانکہ مجالد ضعیف راوی ہے۔ جیسا کہ زبیر علی زئی صاحب (مدیر ماہنامہ الحدیث) نے بھی انوار الصحیفہ صفحہ نمبر 102 برقم 2827 میں لکھا مجالد ضعیف قال الہیثمی وضعفہ الجمہور (مجمع الزوائد 9/416)

اس روایت پر اہل علم کا عمل ہے سے ثابت ہوا کہ اہل علم ضعیف روایتوں کو قبول کرتے اور اس کی بنیاد پر عمل بھی کرتے تھے۔ یہ اہل علم صحابہ و تابعین، محدثین و فقہاء ہیں۔

2.....امام ترمذی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عن ابی واقد اللیثی قال قدم النبی ﷺ المدینة وهم یجبون اسنمة الابل ویقطعون الیات الغنم قال ماقطع من البهیمة وحیة فهو میتة

ترجمہ: حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مدینہ تشریف لے آئے۔ وہاں کے لوگ زندہ اونٹوں کے کوہان، زندہ دنبوں کی چکیاں کاٹتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ زندہ جانور سے جو حصہ کاٹا جائے وہ مردار ہے۔

(جامع ترمذی 1/739، مترجم طبع فرید بک اسٹال لاہور)

اس سند میں عبدالرحمن بن عبداللہ بن دینار القرشی مولیٰ ابن عمر ہیں۔ جن کے بارے میں ابن حجر عسقلانی تقریب التہذیب 1/577 برقم 3927 میں فرماتے ہیں۔ صدوق، یخطی اسی طرح تہذیب الکمال 209/17 برقم 3866 میں ہے۔

عن یحیی بن معیض فی حدیثه عندی ضعف

یحییٰ بن معین فرماتے ہیں۔ اس حدیث میں ضعف ہے۔ اسی میں ابوحاتم فرماتے ہیں ولا یحتج بہ اس سے حجت نہ پکڑی جائے اور ابن عدی فرماتے ہیں۔ اس کی بعض روایتیں منکر ہیں۔ ابن جوزی نے اسے ''الضعفاء'' صفحہ 94 میں لکھا۔ اسی طرح ابن حبان نے ''المجروحین'' 2/51,52 لکھا۔ اب محدثین کی اصطلاح کے اعتبار سے یہ حدیث ضعیف ہے۔ مگر امام ترمذی فرماتے ہیں۔ والعمل علیٰ ہذا عند اہل العلم یعنی اہل علم (فقہاء و محدثین) کا اسی پر عمل ہے (جامع ترمذی 1/739)

3.....امام ترمذی روایت کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

من ملک ذارحم محرم فهو حر

یعنی جو شخص اپنے محرم رشتہ دار کی غلامی میں آجائے، آزاد ہو جائے گا۔ (جامع ترمذی 1/685)

اب اس روایت کے بارے میں امام ترمذی ہی فرماتے ہیں۔ وہو حدیث خطاء عند اہل الحدیث یعنی محدثین کے نزدیک اس روایت میں خطاء ہے (دیکھئے جامع ترمذی 1/685 باب ماجاء فی من ملک ذا محرم)

اسی روایت کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں ''لا یصح'' یہ صحیح نہیں ہے۔ امام بخاری کے استاد علی بن مدینی فرماتے ہیں ''ہو حدیث منکر'' یہ حدیث منکر ہے۔ امام نسائی فرماتے ہیں ''حدیث منکر'' یہ حدیث منکر ہے۔ (التلخیص الحبیر 4/508، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

لیکن ابن اثیر فرماتے ہیں:

والذی ذھب الیہ اکثر اھل العلم من الصحابۃ والتابعین والیہ ذھب ابو حنیفۃ واصحابہ واحمد ان من ملک ذا رحم محرم عتق علیہ ذکرا او انثیٰ (النہایۃ فی غریب الاثر 2/504)

یعنی اس حدیث پر اکثر اہل علم صحابہ وتابعین کا عمل ہے۔ اور اسی کے قائل امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب ہیں۔ اور یہی مذہب امام احمد کا بھی ہے۔ ان حضرات کے یہاں کوئی شخص اپنے کسی رشتہ دار محرم کا مالک ہوجاتا ہے تو وہ محرم آزاد ہوجائے گا خواہ وہ محرم مذکر ہو یا مونث۔ ذرا اندازہ لگائیں۔ جو حدیث امام بخاری، امام مدینی، امام نسائی کے نزدیک ضعیف ہو، مگر ان سے پہلے لوگوں جن میں صحابہ وتابعین وفقہاء ومحدثین کا اس حدیث پر عمل ہے۔ یہ ہے سلف کا طریقہ ضعیف حدیث کے بارے میں۔ جامع ترمذی کے حوالے سے ایک خاص بات یہ ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کسی حدیث کے بارے میں اگر یہ فیصلہ کریں کہ یہ حدیث محدثین کے ہاں ضعیف ہے۔ اور پھر یہ کہیں کہ اسی پر اہل علم کا عمل ہے تو گویا یہ امام ترمذی کی طرف سے اس حدیث کی تصحیح ہے۔ یعنی امام ترمذی اصول محدثین پر اس کو ضعیف کہہ رہے ہیں۔ ورنہ حقیقت کے اعتبار سے وہ حدیث ان کے نزدیک پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ وتابعین اس پر عمل کیوں کرتے جس طرح امام ترمذی محدثین کی اصطلاح کے اعتبار سے ضعیف حدیث کو ذکر کرتے ہیں پھر یہ کہہ کر کہ اس پر اہل علم، صحابہ وتابعین، فقہاء ومحدثین کا عمل ہے۔ اس حدیث کی صحت کا اشارہ کرتے ہیں۔ اس طرح امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ اپنی اپنی کتاب میں یہی طرز اختیار کرتے ہیں۔ یعنی یہ حضرات عام طور پر انہی حدیثوں کو ذکر کرتے ہیں۔ جس پر دور اول میں مسلمانوں کا عمل رہا ہو۔ ان کتابوں میں گنتی کی چند ہی روایتیں ایسی ہوں گی۔ جو سنداً ضعیف ہوں مگر ان پر عمل کرنا جائز نہ ہو ابن ماجہ میں کچھ ایسی روایتیں ضرور ہیں۔ جن پر محدثین نے شدید جرح کی ہے۔ امام ابوداؤد اپنی کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں۔

واما ھذا المسائل مسائل الثوری ومالک والشافعی فھذہ الاحدیث اصولھا

ترجمہ: اور امام ثوری، امام مالک، اور امام شافعی کے جو مسائل ہیں تو یہ احادیث اس کی اصل ہیں۔

(رسالہ ابی داؤد صفحہ 28 طبع بیروت)

امام ابوداؤد کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میری کتاب میں جو حدیثیں ہیں۔ عام طور پر ان ائمہ کرام کے مذہب کی بنیاد انہیں احادیث پر ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگرچہ سنن ابوداؤد کی کچھ حدیثیں اصول محدثین کے مطابق ضعیف بھی ہوں تو ان ائمہ کرام نے ان احادیث پر اپنے قول اور اپنے فقہ کی بنیاد رکھی ہے۔ یعنی یہ تمام احادیث ان ائمہ کرام کے یہاں معمول بہا ہیں۔ جب ان ائمہ نے ان کو احکام میں قبول کیا ہے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ان ائمہ کرام کے نزدیک فی الاصل یہ احادیث ضعیف ان معنی میں نہیں ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نہیں ہیں۔ بلکہ محض اصول محدثین پر ضعیف ہیں۔ جو احادیث کے اصول پر ضعیف ہوں۔ ان کا ترک کرنا کسی امام کے ہاں ضروری نہیں۔ لیکن یہ کہ ان ائمہ کرام کو خود ان کا ضعف اسناداً واضح ہو کر اس کی نسبت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا درست نہ ہو۔

امام ابوداؤد اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں۔

والاحادیث التی وضعتھا فی کتاب السنن اکثرھا مشاھیر

ترجمہ: میں نے اپنی سنن کی کتاب میں جو احادیث داخل کی ہیں، ان میں اکثر مشہور ہیں (رسالہ ابی داؤد ص29)

یہاں مشہور سے مراد یہ ہے کہ ان پر ائمہ فقہاء کا عمل ہے۔ اگر چہ وہ اصطلاحاً ضعیف ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں

''امام ابوداؤد نے جن احادیث کو ذکر کر کے ان پر سکوت اختیار کیا ہے وہ چار قسم ہیں۔

1.....بعض وہ جو بخاری ومسلم کی شرط پر ہیں یا ان میں موجود ہیں۔

2.....بعض وہ جو حسن لذاتہ کی قبیل سے ہیں

3.....بعض وہ جو حسن لغیرہ ہیں اور یہ دونوں زیادہ ہیں

4.....بعض وہ جو ضعیف ہیں پھر فرماتے ہیں

وقیل ھذا الاقسام عندہ تصلح للاحتجاج بھا

ترجمہ: اور یہ تمام قسمیں (امام ابوداؤد) کے نزدیک قابل احتجاج ہیں (النکت علی کتاب ابن الصلاح 1/435)

ان تمام دلائل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ محدثین کے نزدیک ضعیف حدیث سے حجت پکڑی جاتی تھی۔ اسی وجہ سے ان محدثین نے ضعیف احادیث کو اپنی کتابوں میں داخل کیا۔ مگر آج ان ضعیف احادیث کو ان البانیوں اور اصل میں منکرین حدیثوں نے ان احادیث کو ترک کر وا رکھا ہے۔ جو سلف کا طریقہ نہیں، بلکہ نئی بدعت ہے۔ یہ دراصل خود بدعتی ہیں مگر دوسروں کو بدعتی بدعتی کہتے تھکتے نہیں۔ خوب جان لو کہ مطلقاً کلی طور پر ضعیف حدیث کا انکار دورِ جدید کا فتنہ ہے۔ محدث شام شیخ عبدالفتاح ابوغدہ فرماتے ہیں:

''محدثین، ائمہ متقدمین اپنی کتابوں میں ضعیف احادیث بھی ذکر کیا کرتے تھے تاکہ ان پر بھی عمل ہو جائے اور ان سے مسائل شرعیہ میں دلیل پکڑی جائے۔ ضعیف احادیث سے ان کو پرہیز نہ تھا۔ اور نہ وہ ان احادیث ضعیفہ کو منکر اور پس پشت ڈالنے والی بات کرتے تھے جیسا کہ آج بعض مدعیوں کا دعویٰ ہے (ظفر الامانی ص176)

ابن عبدالبر، کتاب ''التمہید'' 1/58 میں فرماتے ہیں:

''ورب حدیث ضعیف الاسناد صحیح المعنی

یعنی بہت ساری احادیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہوتی ہیں مگر معنی کے اعتبار سے صحیح ہوتی ہیں۔

حدیث کا معنی ہی تو اصل ہے۔ سند تو محض حدیث تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ اگر ذریعہ خراب ہے اور اصل صحیح ہے۔ تو اصل کو اختیار میں کون سی چیز مانع ہے۔ اور محض ذریعہ کی خرابی کی وجہ سے اصل ہی کو چھوڑ دیا جائے اور اس کا انکار کیا جائے۔ یہ کون سی عقل مندی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ سے بڑا محدث ان نام نہاد سلفیوں اور البانیوں کے نزدیک اور کوئی نہیں۔ آیئے ذرا ان کی کتب

میں ضعیف احادیث کی کیا حیثیت ہے دیکھتے ہیں۔

صحیح بخاری کے سوا باقی ساری کتب ضعیف احادیث سے بھری پڑی ہیں۔ اور اس سے تو ان کو بھی انکار نہیں، یہاں تک کہ "ادب المفرد" کے دو حصے کر دیئے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تو صحیح بخاری میں بھی ضعیف راویوں سے روایتیں ہیں۔ کچھ تعلیقا، فضائل اور ترغیب وترہیب کے باب میں۔ اس کی مثال حاضر ہے۔

1......ایک راوی ہے۔ اسدی بن زید بن الجمال۔ جس سے امام بخاری نے "صحیح بخاری باب یدخل الجنۃ سبعون الفا بغیر حساب برقم 6541 مطبوعہ قاہرہ" میں ایک روایت لی ہے۔ یہ راوی ضعیف ہے۔

2......امام نسائی فرماتے ہیں۔ متروک الحدیث (کتاب الضعفاء والمتروکین برقم 54)

3......امام ذہبی نے مغنی فی الضعفاء 1/90 برقم 747 میں بحوالہ یحییٰ بن معین کذاب اور متروک لکھا

4......امام دارقطنی نے ضعفاء میں شمار کیا۔ (کتاب الضعفاء والمتروکین)

5......علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں "کذب، دارقطنی نے اسے ضعیف قرار دیا"۔ (تہذیب التہذیب، 1/301، برقم 628)

6......ابن شاہین نے کذاب لکھا۔ (تاریخ اسماء الضعفاء والکذابین ابن شاہین 1/47، برقم 3)

7......ابن حبان نے مجروحین 1/180 میں لکھا

8......یحییٰ بن معین نے کذاب کہا۔ (تاریخ ابن معین روایۃ الدوری برقم 1914)

9......ابن ابی حاتم رازی نے کذاب لکھا۔ (الجرح والتعدیل 2/318 برقم 1204)

10......امام ابن جوزی نے الضعفاء والمتروکین 1/124 برقم 432 کے تحت کذاب، متروک لکھا

11......امام عقیلی نے بھی الضعفاء للعقیلی 1/28 میں کذاب لکھا

12......ابن عدی نے الکامل فی الضعفاء 1/400 کذاب، متروک لکھا

13......سوالات لابن الجنید لابی ذکریا یحییٰ بن معین 1/292 برقم 79 کذب لکھا۔ اب اتنا سخت ضعیف راوی ہے لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں اس سے روایت لے رہے ہیں۔ اب ذرا سنئے غیر مقلدین کی بھی، لکھتے ہیں "بفرض تسلیم اگر یہ ایسے ہی ہیں، جیسا کہ معترض نے لکھا ہے تو ہم کو مضر نہیں۔ اس لئے کہ امام بخاری نے جس حدیث کو اسید بن زید سے روایت کیا ہے وہ بطور متابعت کے ہے۔ (دفاع صحیح بخاری ص 452 مطبوعہ گوجرانوالہ)

آخر متابعت میں بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے اس ضعیف راوی کو اہمیت دی۔ یہی ہم بھی سمجھا رہے ہیں۔ کہ ضعیف روایات کو متقدمین نے یکسر چھوڑ نہیں دیا تھا۔ جیسا کہ آج کل کے جاہل لوگوں کا وطیرہ بن چکا ہے۔ ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری 1/99 میں، باب وجوب الصلوٰۃ فی الثیاب قائم کیا پھر فرماتے ہیں:

ویذکر عن سلمۃ بن اکوع ان النبی ﷺ قال یزرہ ولو بشوکۃ فی اسنادہ نظر

یعنی سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کی جاتی ہے کہ نبی ﷺ بٹن لگایا کرتے تھے، اگرچہ کانٹا ہی کیوں نہ ہو، اور اس کی سند میں نظر ہے۔ امام بخاری کے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے۔ مگر استدلال فرمار ہے ہیں۔ طوالت کے خوف اتنا ہی کافی ہے ورنہ صحیح بخاری میں بھی فضائل، مناقب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ضعیف راویوں کی روایتوں سے استدلال فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ متقدمین ضعیف روایتوں سے استدلال فرماتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اصلا حاروایت ضعیف ہوتی ہے۔ اور اس کا مضمون خلاف قیاس ہوتا ہے۔ تو ایسی صورت میں تمام فقہاء خصوصا ائمہ اربعہ قیاس کے مقابلے میں اس ضعیف روایت پر عمل کرتے ہیں جیسا کہ ابن قیم صاحب نے اعلام الموقعین 25/1 میں لکھا۔ اب ان نئے منکرین حدیث نے کہا کہ یہ ضعیف حدیث ہے لہٰذا اس کو چھوڑ دینا چاہئے اور چھوڑ دیا، اور اپنے قیاس پر عمل کرلیا اور اس کا نام اہل حدیث رکھ لیا۔ اب ان منکرین حدیث کا دوسرا روپ بھی دیکھئے۔ کہ جب اپنے مطلب کی روایت ہو، خواہ وہ ضعیف ہو، اس کو راجح کہہ کر قبول کر لیتے ہیں۔ اور دنیا میں ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ ہم صحیح وحسن احادیث پر عامل ہیں۔ ان لوگوں کا ضعیف احادیث پر عمل دیکھئے۔

1 ...... امام ترمذی رحمہ اللہ نے جامع ترمذی میں حضور ﷺ کا قول نقل کیا۔ ''جو شخص وضو کرتے وقت بسم اللہ نہیں پڑھتا، اس کا وضو نہیں'' (جامع ترمذی 90/1 مترجم)

یہ روایت ضعیف ہے۔ اس بارے میں جتنی روایتیں ہیں وہ بھی سب ضعیف ہیں، جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے ''بلوغ المرام ص 11، امام زیلعی نے نصاب الرایہ 4/1، حافظ ابن رشد نے بدایۃ المجتہد 17/1، اور عبدالرحمن مبارک پوری غیر مقلد نے تحفۃ الاحوذی 35/1 میں لکھا۔ مگر اس کے باوجود غیر مقلدین نے مولانا عبدالرحمن مبارک پوری کا یہ فیصلہ آنکھیں بند کر کے قبول کرلیا۔

لاشک فی ان ھذا الحدیث نص علی ان التسمیۃ رکن للوضوء

یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حدیث نص ہے۔ کہ بسم اللہ پڑھنا، وضو کا رکن ہے۔ (تحفۃ الاحوذی 38/1)

اب اس حدیث کو قبول کرتے ہوئے غیر مقلدین نے بسم اللہ پڑھنے کو وضو کا فرض مانا ہے۔ حالانکہ ان کے اصول کے مطابق فرض تو دور کی بات، اس روایت پر ان کے ہاں عمل کرنا ہی جائز نہیں ہونا چاہئے۔ مگر کیا کیا جائے، ہے جو اپنے مطلب کی روایت۔

2 ...... غیر مقلدین اونچی آواز میں آمین کہنے کے بارے میں اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے آمین کہنا چھوڑ دیا۔ حالانکہ رسول اللہ جب غیر المغضوب علیھم والاالضالین پڑھتے تو آمین بھی اتنی زور سے کہتے۔ کہ پہلی صف والے سنتے اور مسجد گونج اٹھتی۔ یہ روایت سنن ابن ماجہ 278/1 برقم 853 ہے۔ اس کو ناصر الدین البانی نے ضعیف کہا ہے۔ اس کا ایک راوی بشر بن رافع پر امام بخاری، امام احمد، امام یحیٰی بن معین، امام نسائی اور دیگر محدثین نے سخت جرحیں کی ہیں اور جمہور کے نزدیک یہ راوی ضعیف ہے۔ مگر غیر مقلدین کے عوام اور ان کے محدثین ومحققین نے اس ضعیف حدیث کو قبول کیا ہے کیونکہ اپنے مطلب کی ہے۔

3 ...... غیر مقلدین ظہر کی نماز سارا سال اول وقت میں پڑھتے ہیں۔ جامع ترمذی 292/1 برقم 55 ایک روایت ہے۔ یہ

ضعیف روایت ہے۔ اس کو ناصر الدین البانی نے بھی ضعیف کہا ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی حکیم بن جبیر ہے۔ محدثین نے اس پر سخت کلام کیا ہے۔ امام احمد، امام بخاری، امام نسائی، امام دارقطنی، امام شعبہ، ابن مہدی، امام جوزجانی نے ضعیف، متروک الحدیث، کذاب وغیرہ قرار دیا ہے (دیکھئے: میزان الاعتدال 584/1 برقم 2215)

مگر ان سخت جرحوں کے باوجود بھی غیر مقلدین کا اس روایت پر عمل وفتویٰ ہے۔ کیونکہ اپنے مطلب کی ہے لہٰذا ان تمام دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ احادیث ضعیف کا مطلقاً انکار کرنا، انکار حدیث ہے اور سلف صالحین، متقدمین و متاخرین، محدثین، مفسرین، فقہاء کرام اور علماء اہل سنت کا یہ طریقہ نہیں تھا جو آج بزعم خود اہل حدیث کہلوانے والوں کا ہے۔ ان کا یہ طریقہ کہ مطلق ضعیف احادیث کا انکار، دراصل منکرین کا نیا روپ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حق واضح ہو جانے کے بعد اس کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد لیاقت علی رضوی

كِتَابُ الزَّكٰوةِ
یہ کتاب زکوٰۃ کے بیان میں ہے

زکوٰۃ کا لغوی وشرعی معنی کا بیان

زکوٰۃ کا لغوی معنی ہے۔ بڑھنا، زیادہ ہونا۔ جب کھیتی بڑھ جائے تو اسے "زکا الزرع" کہا جاتا ہے۔ جبکہ فقہاء کے عرف میں زکوٰۃ اس کام کا نام ہے کہ جس کے ذریعے مالی حق کے واجب کو ادا کیا جاتا ہے۔ جبکہ اس کے وجوب کا اعتبار سال کے گزرنے اور نصاب کے پورا ہونے کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیونکہ نصاب ہی کو وجوب کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے۔ اور نصاب صفات اعمال سے ہے جبکہ صفات اعیان سے نہیں ہے۔ اور اس کا اطلاق ادا کردہ مال پر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: " وَآتُوا الزَّكَاةَ"۔ اس کا ادا کرنا صرف عین ہی صحیح ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۴۴، بیروت)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ زکوٰۃ وہ مخصوص مال ہے۔ اور یہی اس کا سبب ہے۔ یعنی وہ مال نامی خواہ بطور حقیقت بڑھنے والا ہو یا حکمی طور پر بڑھنے والا ہو۔ اسی وجہ سے اس کی اضافت کرتے ہوئے اس کو زکوٰۃ کا مال کہا گیا ہے۔ جبکہ فقہاء کے عرف میں نفس مال کے دینے کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ اور اس کی لغوی مناسبت یہی ہے کہ مزکی اس کا سبب تب بنتا ہے جب مال بڑھ کر اس کو حاصل ہو جائے۔ (فتح القدیر، ج ۳، ص ۴۶۱، بیروت)

علامہ علی بن محمد الزبیدی بغدادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ زکوٰۃ کا لغوی معنی مال کا بڑھنا ہے۔ اور یہی بڑھنا ہی اس کا سبب ہے کیونکہ دنیا میں پیچھے رہ جانے والا مال بڑھ جاتا ہے اور آخرت میں اس کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ طہارت سے عبارت ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى" یعنی انسان کو گناہوں سے پاک کرنا ہے۔ جبکہ اصطلاح شرع میں معلوم مال کی مخصوص مقدار کو ادا کرنا ہے۔ اور اہل اصول محققین کے نزدیک یہ مزکی کے فعل سے عبارت ہے۔ مال مؤدی سے عبارت نہیں۔ (جوہرہ نیرہ، ج ۱، ص ۴۴۵، بیروت)

علامہ طیبی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ زکوٰۃ کے لفظی معنی ہیں طہارت و برکت اور بڑھنا اصطلاح شریعت میں زکوٰۃ کہتے ہیں اپنے مال کی مقدار متعین کے اس حصہ کو جو شریعت نے مقرر کیا ہے کسی مستحق کو مالک بنا دینا زکوٰۃ کے لغوی معنی اور اصطلاحی معنی دونوں کو سامنے رکھ کر یہ سمجھ لیجیے کہ یہ فعل یعنی اپنے مال کی مقدار متعین کے ایک حصہ کا کسی مستحق کو مالک بنا دینا ہے۔ اور مال کے باقی ماندہ حصے کو پاک کر دیتا ہے اس میں حق تعالیٰ کی طرف سے برکت عطا فرمائی جاتی ہے اور اس کا وہ مال نہ صرف یہ کہ دنیا میں بڑھتا اور زیادہ ہوتا ہے بلکہ اخروی طور پر اللہ تعالیٰ اس کے ثواب میں اضافہ کرتا ہے اور اس کے مالک کو گناہوں اور دیگر بری خصلتوں مثلاً

بخل وغیرہ سے پاک وصاف کرتا ہے اس لیے اس فعل کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔

زکوٰۃ کو صدقہ بھی اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ فعل اپنے مال کا ایک حصہ نکالنے والے کے دعویٰ ایمان کی صحت وصداقت پر دلیل ہوتا ہے۔ (شرح مشکوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ)

زکوٰۃ کی تعریف کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اصطلاح شرع میں آزاد، عاقل، بالغ، مسلم جب مالک نصاب تام ہو جائے جس پر ایک سال گزر جائے اس مال کو اللہ کی رضا کے لئے مصرف تک پہنچانا تا کہ اس سے فرض ساقط ہو جائے اور اس میں زکوٰۃ ادا کرنے والے کو فائدہ یعنی ثواب اور جس کو ادا کی اس کو فائدہ یعنی دنیاوی نفع حاصل ہو جائے۔

تاج الشریعہ فرماتے ہیں۔ سال گزرنے والے نصابی مال کا فقیر کو دینا زکوٰۃ کہلاتا ہے۔ کیونکہ اس کے وجوب کو صفات فعل کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے۔

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ صاحب تنویر الابصار زکوٰۃ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ زکوٰۃ شارع کی مقرر کردہ حصہ کا فقط رضائے الٰہی کے لئے کسی مسلمان فقیر کو اس طرح مالک بنانا کہ ہر طرح سے مالک نے اس شے سے نفع حاصل نہ کرنا ہو بشرطیکہ وہ مسلمان ہاشمی نہ ہو اور نہ ہی اس کا مولیٰ ہو۔ (درمختار، ج ۱، ص ۱۲۹، مجتبائی دہلی)

علامہ نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ امام ابوالحسن واحدی علیہ الرحمہ نے کہا ہے۔ زکوٰۃ مال کو پاک کرتی ہے اس کی اصلاح کرتی ہے اس کا فرق کرتی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اس کی اصل زیادتی ہے جس طرح کہا ہے اس نے زراعت کی تو اس میں زیادتی ہوتی ہے یعنی جس طرح زراعت میں ترقی ہوتی ہے اس کے دانے بڑھتے جاتے ہیں جو زیادہ ہو جاتے ہیں۔ اور یہاں زکوٰۃ سے مراد بھلائی میں زیادتی ہے۔ اور اسی لوگوں میں جو سب سے زیادہ نیک ہوتا ہے وہی مزکی یعنی تذکیہ نفس والا ہے۔

(مجموع، ج ۵، ص ۲۸۸، بیروت)

زکوٰۃ کو زکوٰۃ کہنے کی وجہ

زکوٰۃ کا لغوی معنی طہارت، افزائش (یعنی اضافہ اور برکت) ہے۔ چونکہ زکوٰۃ بقیہ مال کے لئے معنوی طور پر طہارت اور افزائش کا سبب بنتی ہے اسی لئے اسے زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ (الدرالمختار ورد المحتار، کتاب الزکوٰۃ، ج ۳، ص ۲۰۳ ملخصا)

زکوٰۃ کی اقسام

زکوٰۃ کی بنیادی طور پر 2 قسمیں ہیں۔ (۱) مال کی زکوٰۃ (۲) افراد کی زکوٰۃ (یعنی صدقہ فطر)

مال کی زکوٰۃ کی مزید دو قسمیں ہیں: (1) سونے، چاندی کی زکوٰۃ۔

(2) مال تجارت اور مویشیوں، زراعت اور پھلوں کی زکوٰۃ (یعنی عشر)۔

(ماخوذ از بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الزکوٰۃ، ج ۲، ص ۷۵)

بنی ہاشم سے مراد حضرت علی وجعفر وعقیل اور حضرت عباس وحارث بن عبدالمطلب کی اولادیں ہیں۔ ان کے علاوہ جنہوں نے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت نہ کی مثلاً ابولہب کہ اگر چہ یہ کافر بھی حضرت عبدالمطلب کا بیٹا تھا مگر اس کی اولادیں بنی ہاشم میں شمار نہ ہوں گی۔ (بہار شریعت، ج۱، حصہ ۵، ص ۹۳۱)

فرضیت زکوٰۃ کی تاریخی حیثیت

صدقہ فطر ۲ ہجری میں واجب کیا گیا تھا زکوٰۃ کی فرضیت کے بارے میں اگر چہ علماء کے یہاں اختلافی اقوال ہیں مگر صحیح قول یہ ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہو گیا تھا مگر اس حکم کا نفاذ مدینہ میں ہجرت کے دوسرے سال رمضان کی پہلی تاریخ کو ہوا ہے گویا زکوٰۃ یکم رمضان ۲ ہجری میں فرض قرار دی گئی اور اس کا اعلان کیا گیا۔

اجتماعی طور پر یہ مسئلہ ہے کہ زکوٰۃ انبیاء کرام علیہم السلام پر فرض و واجب نہیں ہے البتہ جس طرح سابقہ تمام امتوں پر نماز فرض تھی اسی طرح امت محمدی سے پہلے ہر امت پر زکوٰۃ فرض تھی ہاں زکوٰۃ کی مقدار اور مال کی تحدید میں اختلاف ضرور رہا ہے لیکن یہ بات طے ہے کہ زکوٰۃ کے بارے میں اسلامی شریعت کے احکام بہت آسان اور سہل ہیں جب کہ سابقہ انبیاء کی شریعتوں میں اتنی آسانی نہیں تھی۔

زکوٰۃ ادا کرنے کی فضیلت کا بیان

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ صدقے کو قبول کرتا ہے اور داہنے ہاتھ میں لے کر اس کی پرورش کرتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے کے بچے کو پالتا ہے یہاں تک کہ ایک لقمہ بڑھتے بڑھتے احد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے اس کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے (أَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ) 9۔ التوبہ: 104) (يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ، (البقرۃ:276) یعنی وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے صدقات لیتا سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کی مثل منقول ہے کئی اہل علم اس اور اس جیسی کئی احادیث جن میں اللہ کی صفات کا ذکر ہے جیسے کہ اللہ کا ہر رات کو دنیا کے آسمان پر اترنا وغیرہ علماء کہتے ہیں کہ ان (کے متعلق) روایات ثابت ہیں ہم ان پر ایمان لاتے ہیں اور وہم میں مبتلا نہیں ہوتے پس یہ نہیں کہا جاتا کہ کیسے؟

اس کی کیفیت کیا ہے وغیرہ وغیرہ اسی طرح مالک بن انس سفیان بن عیینہ اور عبداللہ بن مبارک کا بھی یہی کہنا ہے کہ ان احادیث پر صفات کی کیفیت جانے بغیر ایمان لانا ضروری ہے اہل سنت والجماعت کا یہی قول ہے لیکن جہمیہ ان روایات کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تشبیہ ہے اللہ نے قرآن میں کئی جگہ اپنے ہاتھ وسماعت اور بصیرت کا ذکر کیا ہے جہمیہ ان آیات کی تاویل کرتے ہوئے ایسی تفسیر کرتے ہیں جو علماء نے نہیں کی وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا پس ان کے نزدیک ہاتھ کے معنی قوت کے ہیں۔

اسحاق بن ابراہیم کہتے ہیں کہ تشبیہ تو اس صورت میں ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس کا ہاتھ کسی ہاتھ جیسا یا کسی کے ہاتھ کے مثل ہے یا اس کی سماعت کسی سماعت سے مماثلت رکھتی ہے پس اگر کہا جائے کہ اس کی سماعت فلاں کی سماعت جیسی ہے تو یہ تشبیہ ہے لہٰذا اگر

وہی کہے جو اللہ نے کہا ہے کہ ہاتھ سماعت بصر اور یہ نہ کہے کہ اس کی کیفیت کیا ہے یا اس کی سماعت فلاں کی سماعت کی طرح ہے تو یہ تشبیہ نہیں ہو سکتا اللہ کی یہ صفات اسی طرح ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے وصف میں فرمادیا کہ (لَیْسَ کَمِثْلِهِ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِیعُ الْبَصِیرُ) کوئی چیز اس کی مثل نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 646)

منکرین زکوٰۃ کے لئے وعید کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سونے اور چاندی (کے نصاب) کا مالک ہو اور اس کا حق یعنی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس کے لیے آگ کے تختے بنائے جائیں گے (یعنی تختے تو سونے اور چاندی کے ہوں گے مگر انہیں آگ میں اس قدر گرم کیا جائے گا کہ گویا وہ آگ ہی کے تختے ہوں گے اسی لئے آپ نے آگے فرمایا کہ وہ تختے دوزخ کی آگ میں گرم کیے جائیں گے اور ان تختوں سے اس شخص کے پہلو، اس کی پیشانی اور اس کی پیٹھ داغی جائے گی پھر ان تختوں کو (اس بدن سے) جدا کیا جائے اور آگ میں گرم کر کے پھر لایا جائے گا (یعنی جب وہ تختے ٹھنڈے ہو جائیں گے تو انہیں دوبارہ گرم کرنے کے لیے آگ میں ڈالا جائے گا اور وہاں سے نکال کر اس شخص کے بدن کو داغا جائے گا) اور اس دن کی مقدار کہ جس میں یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا پچاس ہزار سال کی مقدار ہوگی یہاں تک کہ بندوں کا حساب کتاب ختم ہو جائے گا اور وہ شخص جنت یا دوزخ کی طرف اپنی راہ دیکھے گا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ عذاب تو نقدی یعنی سونے چاندی کے بارے میں ہوگا اونٹ کی زکوٰۃ نہ دینے والوں کا کیا حشر ہوگا؟

آپ نے فرمایا جو شخص اونٹ کا مالک ہو اور اس کا حق یعنی زکوٰۃ ادا نہ کرے، اور اونٹوں کا ایک حق یہ بھی ہے کہ جس روز انہیں پانی پلایا جائے ان کا دودھ دوہا جائے تو قیامت کے دن اس شخص کو اونٹوں کے سامنے ہموار میدان میں منہ کے بل اوندھا ڈال دیا جائے گا اور اس کے سارے اونٹ گنتی اور موٹاپے میں پورے ہوں گے۔ مالک ان میں سے ایک بچہ بھی کم نہ پائے گا یعنی اس شخص کے سب اونٹ وہاں موجود ہوں گے۔ حتی کہ اونٹوں کے سب بچے بھی ان کے ساتھ ہوں گے پھر یہ کہ وہ اونٹ خوب فربہ اور موٹے تازے ہوں گے تاکہ اپنے مالک کو روندتے وقت خوب تکلیف پہنچائیں چنانچہ وہ اونٹ اس شخص کو اپنے پیروں سے کچلیں گے اور اپنے دانتوں سے کاٹیں گے جب ان اونٹوں کی جماعت روند کچل اور کاٹ کر چلی جائے تو دوسری جماعت آئے گی یعنی اونٹوں کی قطار روند کچل کر چلی جائے گی تو اس کے پیچھے دوسری قطار آئے گی اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہے گا اور جس دن یہ ہوگا اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہوگی یہاں تک کہ بندوں کا حساب کتاب کر دیا جائے گا اور وہ شخص جنت یا دوزخ کی طرف اپنی راہ دیکھے گا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! گائے اور بکریوں کے مالک کا کیا حال ہوگا؟ آپ نے فرمایا جو شخص گائیوں اور بکریوں کا مالک ہو اور ان کا حق یعنی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اسے ہموار میدان میں اوندھے منہ ڈال دیا جائے گا اور اس کی گائیوں اور بکریوں کو وہاں لایا جائے گا جن میں سے کچھ کم نہیں ہوگا ان میں سے کسی گائے بکری کے سینگ نہ مڑے ہوں گے نہ ٹوٹے ہوں گے اور نہ وہ منڈی یعنی بلا سینگ ہوں گی یعنی ان سب کے سروں پر سینگ ہوں گے جو ٹوٹے ہوئے نہ ہوں گے اور سالم ہوں گے۔ تاکہ وہ اپنے سینگوں سے خوب مار سکیں چنانچہ وہ گائیں اور بکریاں اپنے سینگوں سے اپنے مالک کو ماریں گی اور اپنے کھروں سے

کچلیں گی اور جب ایک قطار اسے مار کچل کر چلی جائے گی تو دوسری قطار آئے گی اور اپنا کام شروع کردے گی اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا اور جس دن یہ ہوگا اس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہوگی یہاں تک کہ بندوں کا حساب کتاب کیا جائے گا اور وہ شخص جنت یا دوزخ کی طرف اپنی راہ دیکھے گا صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! گھوڑوں کے بارے میں کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا گھوڑے تین قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ گھوڑے جو آدمی کے لیے گناہ کا سبب ہوتے ہیں اس شخص کے گھوڑے جنہیں اس کے مالک اظہار فخر وغرور اور مالداراور ریاء کے لیے اور مسلمانوں سے دشمنی کے واسطے باندھے۔

چنانچہ وہ گھوڑے اپنے مالک کے لیے گناہ کا سبب بنتے ہیں اور وہ گھوڑے جو آدمی کے لیے پردہ ہوتے ہیں اس شخص کے گھوڑے ہیں جنہیں اس کے مالک نے خدا کی راہ میں کام لینے کے لیے باندھا اور ان کی پیٹھ اور ان کی گردن کے بارے میں وہ خدا کے حق کو نہیں بھولا چنانچہ وہ گھوڑے اپنے مالک کے لیے پردہ ہیں اور وہ گھوڑے جو آدمی کے لیے ثواب کا سبب وذریعہ بنتے ہیں اس شخص کے گھوڑے ہیں جنہیں ان کا مالک خدا کی راہ میں لڑنے کے لیے مسلمانوں کے واسطے باندھے اور چراگاہ وسبزہ میں رکھے چنانچہ جب وہ گھوڑے چراگاہ وسبزہ سے کچھ کھاتے ہیں تو جو کچھ انہوں نے کھایا یعنی گھاس وغیرہ کی تعداد کے بقدر اس کے لیے نیکیاں لکھی جاتی ہیں یہاں تک کہ ان گھوڑوں کی لید اور ان کے پیشاب کے بقدر بھی اس کے لیے نیکیاں لکھی جاتی ہیں کیونکہ لید اور پیشاب بھی گھوڑے کی زندگی کا باعث ہیں اور گھوڑے رسی توڑ کر ایک یا دو میدان دوڑتے پھرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے قدموں کے نشانات اور ان کی لید جو وہ اس دوڑنے کی حالت میں کرتے ہیں کی تعداد کے برابر اس شخص کے لیے نیکیاں لکھتا ہے اور جب وہ شخص ان گھوڑوں کو نہر پر پانی پلانے کے لیے لے جاتا ہے اور وہ نہر سے پانی پیتے ہیں اگرچہ مالک کا ارادہ ان کو پانی پلانے کا نہ ہو، اللہ تعالیٰ گھوڑوں کے پانی پینے کے بقدر اس شخص کے لیے نیکیاں لکھتا ہے۔

صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اچھا گدھوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گدھوں کے بارے میں مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا لیکن تمام نیکیوں اور اعمال کے بارے میں یہ آیت جامع ہے (فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (99۔الزلزال:7۔8) یعنی جو شخص ایک ذرہ کے برابر نیکی کا عمل کرے گا اسے دیکھے گا اور جو شخص ایک ذرہ کے برابر برائی کا عمل کرے گا اسے دیکھے گا۔ (یعنی مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے کو نیک کام کے لیے جانے کے واسطے اپنا گدھا دے گا تو ثواب پائے گا اور اگر برے کام کے لیے دے گا تو گناہگار ہوگا) مسلم۔

قیامت کے دن کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر بتائی گئی ہے لیکن اس کا تعلق کافروں کے ساتھ ہے یعنی قیامت کا دن کافروں کو پچاس ہزار سال کے بقدر دراز معلوم ہوگا بقیہ گناہگاروں کو ان کے گناہ کے بقدر دراز محسوس ہوگا اگر کسی کے گناہ کم اور ہلکے ہوں گے تو اسے وہ دن اسی اعتبار سے کم دراز محسوس ہوگا اور اگر کسی کے گناہ زیادہ اور شدید نوعیت کے ہوں گے تو اسے وہ دن بھی اس کے اعتبار سے دراز محسوس ہوگا یہاں تک کہ خدا کے نیک بندوں یعنی مومنین وکاملین کو وہ پورا دن صرف دو رکعت نماز کے بقدر معلوم ہوگا گویا جتنی دیر میں دو رکعت نماز پڑھی جاتی ہے انہیں وہ دن صرف اتنے عرصہ کے بقدر محسوس ہوگا۔

فیری سبیلہ اما الی الجنۃ الخ اور وہ جنت یا دوزخ کی طرف اپنی راہ دیکھے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس شخص کے نامہ

اعمال میں اس ترک زکوۃ کے گناہ کے علاوہ اور کوئی گناہ نہیں ہوگا اور مذکورہ عذاب کہ جس میں اسے مبتلا کیا جائے گا اس کے اس گناہ کو دور کردے گا تو اس کے بعد وہ جنت میں چلا جائے گا اور خدانخواستہ اگر اس کا نامہ اعمال میں ترکِ زکوۃ کے علاوہ اور گناہ بھی ہوں گے یا یہ کہ مذکورہ عذاب کے بعد بھی ترک زکوۃ کا گناہ اس سے دور نہیں ہوگا تو پھر وہ دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔

حتی یقضی بین العباد میں اس طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن میدان حشر میں دوسری مخلوق خدا تو حساب کتاب میں مشغول ہوگی مگر وہ لوگ جنہوں نے زکوۃ ادا نہیں کی تھی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

ومن حقها حلبها یوم وردها اونٹوں کا ایک حق یہ بھی ہے الخ۔ اونٹ والوں کا یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اونٹوں کو تیسرے دن یا چوتھے دن پانی کی جگہ پانی پلانے لے جاتے ہیں چنانچہ عرب میں ایک یہ معمول بھی تھا کہ جس جگہ پانی پلانے کے لیے اونٹ لائے جاتے تھے وہاں لوگ جمع ہو جاتے تھے اونٹ والے اپنے اونٹوں کو وہاں پانی پلانے لاتے اور وہیں اونٹوں کا دودھ نکال کر وہاں جمع لوگوں کو پلا دیا کرتے چنانچہ اس کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ اگرچہ اونٹوں کا واجب حق تو صرف یہی ہے کہ ان کی زکوۃ ادا کی جائے مگر ان کے اور دوسرے حقوق میں سے ایک مستحب حق یہ بھی ہے کہ جس دن اونٹ پانی پینے جائیں اس دن کا دودھ جو غرباء و مساکین کو پلایا جائے لہٰذا یہ فعل اگرچہ مستحب ہے لیکن ازراہ مروت و ہمدردی اور بربنائے ادائے شکر حق گویا واجب کا حکم رکھتا ہے اسی لیے اس کے بارے میں اتنی اہمیت کے ساتھ بیان فرمایا گیا چنانچہ حدیث کے ظاہر الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حق کی عدم ادائیگی کی صورت میں عذاب بھی ہو سکتا ہے۔

ولا یرید ان یسقیها (اگرچہ مالک کا ارادہ ان کو پانی پلانے کا نہ ہو) مطلب یہ ہے کہ مالک گھوڑے کو پانی پلانے کا ارادہ نہ رکھے بلکہ اس کے ارادہ وقصد کے بغیر گھوڑا پانی پیے تو اس کے بارے میں مذکورہ ثواب بیان کیا گیا ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر مالک خود ارادہ وقصد کر کے گھوڑے کو پانی پلائے گا تو اس کا کیا کچھ ثواب اسے ملے گا گھوڑوں کے بارے میں صحابہ کے سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب دیا اس کا اسلوب پہلے جوابات کے اسلوب سے مختلف ہے اس موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب کا جو اسلوب اختیار فرمایا ہے اسے جواب علی اسلوب الحکیم کہتے ہیں گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کرنے والے صحابہ سے فرمایا کہ گھوڑوں کا جو حق واجب ہے یعنی زکوۃ وغیرہ صرف اس کے بارے میں مت پوچھو کہ ان گھوڑوں کی وجہ سے ان کے پالنے والے سعادت و نیک بختی اور بھلائی کے کیسے کیسے مقام حاصل کرتے ہیں اور انہیں ان گھوڑوں سے کیا نفع پہنچتا ہے اسی طرح دوسرا پہلو بھی کہ ان پالنے والوں کو کیسے کیسے گناہ ملتے ہیں اور انہیں کیا نقصان پہنچتا ہے۔

اسی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

(۱) وہ گھوڑے جو اپنے مالک کے لیے گناہ کا سبب ہوتے ہیں اس کی تشریح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ اس سے وہ گھوڑے مراد ہیں جنہیں ان کے مالک نے اظہار فخر اور ریاء کے لیے باندھ رکھا ہو یعنی گھوڑے رکھنے سے اس کی غرض صرف یہ ہو کہ لوگ اس کی حشمت و ثروت دیکھیں اور جانیں کہ یہ مجاہد ہے حالانکہ واقعہ میں وہ مجاہد نہیں ہے نیز فخر یہی مراد ہے کہ وہ گھوڑا اس نیت سے پالے کہ میں اپنے سے کمتر لوگوں پر اپنی بڑائی جتاؤں اور ان کے سامنے فخر کا اظہار کروں۔

(۲) وہ گھوڑے جو اپنے مالک کے لیے پردہ ہوتے ہیں اس کی وضاحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ اس سے وہ گھوڑے مراد ہیں جنہیں ان کے مالک نے اس لیے باندھا ہے تاکہ وہ خدا کی راہ میں کام آئیں یہاں خدا کی راہ سے مراد جہاد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ گھوڑوں کو رکھنے اور باندھنے کا مقصد اظہار فخر وغرور اور ریا نہ ہو بلکہ انہیں اچھی ونیک نیت سے رکھے مثلاً گھوڑے اس مقصد کے لیے پالے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری اور اچھے ونیک مقاصد کے لیے کام آئیں یا ان سے اپنی سواری مقصود ہو کہ اپنی مشروع ومباح ضرورتوں کے وقت ان پر سوار ہو سکے نیز یہ کہ اپنے فقر واحتیاج کی پردہ پوشی کرے جیسا کہ روایت میں فرمایا گیا ہے کہ بطور ''تغنیا وتعففا'' یعنی دوسروں سے مستغنی رہنے اور دوسروں کے آگے اپنی احتیاج وضرورت کے اظہار سے بچنے کے لیے گھوڑا رکھنا چاہیے مثلاً تجارتی مقصد کے لیے عزیز واقارب اور دوست واحباب کے یہاں جانے کے لیے کھیت کھلیان میں آنے جانے کے واسطے یا اسی قسم کے دوسرے مقاصد کے وقت اگر گھوڑے کی ضرورت ہو تو کسی دوسرے کی طرف دیکھنا نہ پڑے بلکہ اپنا گھوڑا ہو تو وہ کام آئے اور غیروں کے آگے اظہار ضرورت کی شرمندگی سے بچائے۔ اسی لیے اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کو اپنے مالک کے لیے پردہ قرار دیا ہے کہ ایک طرف تو گھوڑا اپنے مالک کے فقر واحتیاج کے لیے پردہ پوش ہوتا ہے بایں طور کہ گھوڑے کی وجہ سے دوسروں کی نظروں میں اس کے مالک کا وقار اور برہم قائم رہتا ہے اور اس کی عزت بنی رہتی ہے۔ دوسری طرف گھوڑی کا مالک اپنی ضرورت وحاجت کے وقت کسی دوسرے شخص کے آگے اظہار حاجت اور دست سوال دراز کرنے سے بچا رہتا ہے۔

اس موقع پر راہ خدا سے یہ مفہوم اس لیے مراد لیا گیا ہے تاکہ ایک ہی عبارت میں تکرار لازم نہ آئے کیونکہ تیسری قسم کے ضمن میں مذکورہ راہ خدا سے مراد جہاد ہی ہے۔

اسی ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کے مالک کا ایک وصف یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان کی پیٹھ اور ان کی گردن کے بارے میں وہ خدا کے حق کو نہیں بھولا۔

چنانچہ اس ارشاد گرامی میں پیٹھ کے بارے میں اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اس گھوڑے پر اچھے اور نیک کاموں کی خاطر سوار ہوا اور اگر کسی نے اس سے اپنی سواری کے لیے یا گھوڑیوں پر چھوڑنے کے لیے اس کا گھوڑا مانگا تو اس نے اس کی ضرورت پوری کی۔ اسی طرح گردن کے بارے میں حق یہ ہے کہ ان کی زکوٰۃ ادا کی۔ مگر حضرات شوافع کی طرف سے اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مالک نے اپنے گھوڑے کی خبر گیری کی بایں طور کہ ان کے گھاس دانہ میں کوئی کمی نہیں کی انہیں ان کی پوری خوراک مہیا کی اور انہیں اگر کوئی مرض لاحق ہو یا کوئی تکلیف ہوئی تو اسے فوراً دور کیا۔

منکرین زکوٰۃ کے فتنہ سے اعلان جنگ کا بیان

1556 - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ الثَّقَفِيُّ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاسْتُخْلِفَ أَبُو بَكْرٍ بَعْدَهُ، وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ، قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِأَبِي بَكْرٍ: كَيْفَ تُقَاتِلُ

النَّاسَ. وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ، حَتّٰى يَقُولُوا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. فَمَنْ قَالَ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. عَصَمَ مِنِّیْ مَالَهٗ وَنَفْسَهٗ. اِلَّا بِحَقِّهٖ وَحِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ؟، فَقَالَ اَبُو بَكْرٍ: وَاللّٰهِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ. فَاِنَّ الزَّكٰوةَ حَقُّ الْمَالِ، وَاللّٰهِ. لَوْ مَنَعُوْنِیْ عِقَالًا كَانُوا يُؤَدُّونَهٗ اِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهٖ.. فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: فَوَاللّٰهِ، مَا هُوَ اِلَّا اَنْ رَاَيْتُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ شَرَحَ صَدْرَ اَبِیْ بَكْرٍ لِلْقِتَالِ، قَالَ: فَعَرَفْتُ اَنَّهُ الْحَقُّ.

قَالَ اَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ رَبَاحُ بْنُ زَيْدٍ وَرَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ. عَنِ الزُّهْرِیِّ بِاِسْنَادِهٖ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ: عِقَالًا. وَرَوَاهُ ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ، قَالَ: عَنَاقًا.

قَالَ اَبُو دَاوُدَ: قَالَ شُعَيْبُ بْنُ اَبِیْ حَمْزَةَ، وَمَعْمَرٌ، وَالزُّبَيْدِیُّ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، فِیْ هٰذَا الْحَدِيْثِ: لَوْ مَنَعُوْنِیْ عَنَاقًا، وَرَوٰى عَنْبَسَةُ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ الزُّهْرِیِّ فِیْ هٰذَا الْحَدِيْثِ. قَالَ: عَنَاقًا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کر دیا گیا اور عربوں میں سے کچھ لوگوں نے کفر اختیار کیا' تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ رضی اللہ عنہ ایسے لوگوں کے ساتھ کیسے جنگ کریں گے جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ اس وقت تک جنگ کروں جب تک وہ یہ اعتراف نہیں کر لیتے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے' جو شخص یہ اعتراف کر لے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں وہ اپنے مال اور اپنی جان کو مجھ سے محفوظ کر لے گا' البتہ اس کے حق کا معاملہ مختلف ہے اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو گا''۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں اس شخص کے ساتھ ضرور جنگ کروں گا' جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرے گا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے کوئی ایسی رسی نہ دیں جو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کیا کرتے تھے' تو اس کی عدم ادائیگی پر بھی میں ان کے ساتھ جنگ کروں گا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! میں نے یہ بات دیکھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو شرح صدر عطا کیا ہے اور مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ یہی درست ہے۔

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ زہری کے حوالے سے منقول ہے۔

بعض راویوں نے یہاں لفظ ''رسی'' نقل کیا ہے اور بعض راویوں نے ''بکری کا بچہ'' نقل کیا ہے۔

1556- اسنادہ صحیح. اللیث: ھو ابن سعد، وعقیل: ھو ابن خالد الاموی، والزھری: ھو محمد بن مسلم. واخرجہ البخاری (1399)، ومسلم (20)، والترمذی (2790)، والنسائی فی "الکبری" (2235) و (1348) و (3419) و (3421) و (4284) و (4285) من طرق عن الزھری، بہ. واخرجہ النسائی (3420) و (3422) و (3423) من طریق سعید بن المسیب، عن ابی ھریرۃ، بہ. وھو فی "مسند احمد" (67)، و "صحیح ابن حبان" (217).

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ زہری کے حوالے سے منقول ہے' جس میں یہ الفاظ ہیں: ''اگر وہ مجھے بکری کا بچہ دینے سے انکار کریں''۔

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ زہری کے حوالے سے منقول ہے' جس میں ''بکری کا بچہ'' کا لفظ منقول ہے۔

راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ کے نام کے بارے میں مورخین میں اختلاف ہے۔آپ کا نام کفر میں عبدالشمس اور اسلام میں عبدالرحمن ابن صخر دوسی ہے، کسی نے عمر بن عامر، کسی نے عبداللہ بن عامر بھی لکھا خیبر کے سال اسلام لائے، چار سال سفر و حضر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سایہ کی طرح رہے، آپ کو بلی بڑی پیاری تھی، حتی کہ ایک بار اپنی آستین میں بلی لیے ہوئے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ابو ہریرہ یعنی بلیوں والے ہو، تب آپ اس کنیت سے مشہور ہو گئے، مدینہ منورہ میں ۵۷ھ میں وفات ہوئی، جنت البقیع میں دفن ہوئے ۷۸ سال عمر ہوئی، غضب کا حافظہ تھا، آپ سے چار ہزار تین سو چونسٹھ حدیثیں مروی ہیں۔قبول اسلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام عمیر رکھا۔ ہریرہ، ہرہ (بلی) کی تصغیر ہے۔آپ کو بلیوں سے بہت انس تھا اس لیے اس کنیت سے مشہور ہوئے۔غزوہ خیبر کے موقع پر مدینہ آ کر اسلام قبول کیا اور زندگی کا بیشتر حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گزارا۔حدیث کے سب سے بڑے راوی ہیں اور سلطان الحدیث کہلاتے ہیں۔حضرت عمر کے زمانے میں مدینے میں گوشہ نشین ہو گئے اور یہیں بعض روایات کے مطابق ۷۸ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

(مرآۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح مفتی احمد یار خان نعیمی جلد 1 صفحہ 25 نعیمی کتب خانہ گجرات)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ان کا اصل نام عبدالشمس تھا۔سورج کا بندہ، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبدالرحمن رکھا لیکن شہرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کے نام سے ہوئی۔ یہ سن سات ہجری میں ایمان لے کر آئے ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے سے تین سال قبل۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر میں تشریف لے گئے تھے، اس وقت یہ ایک وفد کے ساتھ مدینہ منورہ اسلام قبول کرنے آئے تھے۔انہیں پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر کے لیے تشریف لے گئے ہیں تو یہ بھی وہاں پہنچ گئے اور وہاں پہنچ کر انہوں نے اسلام قبول کیا ہے۔

دو قسم کے بندے

جب اللہ پاک نے دین کا کام کسی بندے سے لینا ہوتا ہے تو اللہ پاک خود اس کے اسباب پیدا فرما دیتے ہیں۔اللہ پاک کا معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ دو قسم کا ہے۔ایک تو یہ کہ بندہ خود اللہ پاک کی طرف آئے اور دوسرا یہ کہ اللہ پاک خود بندہ کو اپنی طرف کھینچتے ہیں، چاہے وہ محنت کرے یا نہ کرے۔ جب اللہ پاک کو اس سے دین کا کام لینا ہوتا ہے تو اسباب خود بخود بنتے چلے جاتے ہیں۔اللہ پاک اس کی طبیعت اور مزاج ہی ایسا بنا دیتے ہیں کہ وہ دین کا کام کرتا ہی کرتا ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی انہیں اشخاص میں سے ہیں جن سے اللہ پاک نے اپنے دین کا کام لینا تھا۔

۵۳۷۴ احادیث یاد تھیں:

عجیب بات یہ ہے کہ صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) ایسے بھی ہیں جو مکہ مکرمہ میں اسلام لے کر آئے، جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ اسلام قبول کرنے کے بعد تیرہ سال مکے میں رہے، مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں بھی دس سال اسلام کی حالت میں رہے۔ اتنے عرصے میں ان کی احادیث چند سو ہیں یعنی بہت کم احادیث انہوں نے نقل کی ہیں لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ نے سن سات ہجری میں اسلام قبول کیا ہے اور پانچ ہزار تین سو چوہتر احادیث ان سے مروی ہیں۔ اتنی احادیث کسی بھی صحابی سے مروی نہیں البتہ یہ بات تو خود فرمایا کرتے تھے کہ کسی کو مجھ سے زیادہ احادیث یاد نہیں تھیں، البتہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو مجھ سے زیادہ یاد تھیں وہ لکھ لیا کرتے تھے میں لکھا نہیں کرتا تھا اور مجھ سے زیادہ ان کے علاوہ اور کسی کو بھی یاد نہیں تھیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی احادیث کتابوں میں اتنی ملتی ہی نہیں ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کتابوں میں اتنی ملتی ہیں کہ کوئی حدوحساب ہی نہیں۔ اس کی وجہ علمائے کرام نے یہ لکھی ہے کہ اصل میں اللہ پاک نے ان سے یہ کام لینا تھا، اس لیے مدینہ منورہ میں جو علم کا مرکز تھا وہیں انہوں نے قیام کیا اور وہیں بیٹھ گئے۔ دنیا بھر سے لوگ آتے اور علم دین حاصل کرتے اور دنیا کے ہر خطے میں پہنچتے اور پہنچاتے۔ البتہ حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ جو تھے ان کو اللہ پاک نے مصر پہنچادیا، مصر میں احادیث حاصل کرنے کے لیے کوئی جاتا ہی نہیں تھا اس لیے ان کی احادیث لوگوں تک اتنی نہیں پہنچی ہیں۔

کثرت روایت کی دو وجہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی کثرت روایت کی دو وجہ تھیں۔ ایک وجہ اختیاری تھی اور دوسری وجہ غیر اختیاری تھی۔

پہلی وجہ اختیاری وجہ تو یہ بیان کرتے تھے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اکثر کام کاج کرتے تھے، بازاروں میں جاتے تھے، کھیتوں میں کام کرتے تھے اور میں بھوکا آدمی مسجد نبوی میں پڑا رہتا تھا، کئی کئی دن فاقے میں گزر جاتے، اس حال میں میں نے حدیث شریف کا علم حاصل کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ دنیا کے کام کاج میں نہیں لگے کہ انہیں علم دین حاصل کرنا مقصود تھا اور بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسے تھے جن کا کام ہی علم دین حاصل کرنا تھا۔ وہ دنیا کا کام کاج کوئی نہیں کرتے تھے بس لوگ ہی ان کے کھانے اور پینے کا انتظام کیا کرتے تھے، کوئی اپنا کھجور کا خوشہ توڑ کر لے آیا اور مسجد نبوی میں لٹکا دیا۔ ان بے چاروں نے اسے کھا کر اپنا گزارا کر لیا، کھانا ان کو ملتا نہیں تھا مہینوں گزر جاتے دو تین کھجور کھا کر پانی پی کر۔ بس اسی طرح ان کا گزارا ہوا کرتا تھا۔

جو حضرات بازاروں میں تجارت کرنے والے تھے وہ تو تجارت کیا ہی کرتے تھے یہ حضرات جنہوں نے اپنے آپ کو دین کے حصول کے لیے وقف کر دیا تھا ان کو کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی باتیں نہیں کہیں بلکہ اللہ پاک کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جنت کی بشارتیں سنایا کرتے تھے۔ احادیث کی کتابوں میں آتا ہے کہ یہ غریب قسم کے لوگ تھے ان کے پاس پہننے کو کپڑا نہیں ہوا کرتا تھا، یعنی ایک چادر ہے وہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک آرہی ہے باقی سارا جسم ان کا ننگا ہے۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ

ہم مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضور ﷺ تشریف لائے ہم ایک دوسرے کے اندر اس طرح گھس کر بیٹھے ہوئے تھے کہ ہمارا ستر تو چھپا ہوا تھا مگر باقی جسم جو ہے وہ بھی نظر نہ آئے کیونکہ اس حالت میں شرم سی آتی ہے تو اس طرح ایک دوسرے سے خود کو چھپا رکھا تھا تا کہ لوگوں کو نظر نہ آئے۔ حضور ﷺ نے ہمیں دیکھا تو فرمایا: کہ دائرہ بنالو جب ہم نے دائرہ بنالیا تو ہم سب کے جسم نظر آنے لگے ستر تو چھپا تھا لیکن باقی جسم نظر آنے لگا۔ جب حضور ﷺ نے ان کی یہ حالت دیکھی تو آپ ﷺ نے یہ بھی نہیں کہا کہ جاؤ بازار میں جا کر کماؤ بلکہ فرمایا: اللہ پاک تمہیں جنت عطا فرمائیں گے اور دنیا کے مال داروں سے پانچ سو سال پہلے تم لوگ جنت میں جاؤ گے۔ معلوم ہوا کہ علم یکسوئی چاہتا ہے۔

دوسری وجہ غیر اختیاری

ایک وجہ یہ تھی ان کی علم کے حاصل ہونے کی دوسری وجہ تھی اللہ پاک کے نبی ﷺ کی دعا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جو یاد کرتا ہوں بھول جاتا ہوں، آپ کی حدیث سینے سے نکل جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اچھا ایسا کرو کپڑا بچھاؤ! میں نے کپڑا بچھا دیا اور حضور ﷺ نے کچھ پڑھا اور کپڑے کو ہاتھ لگایا اور فرمایا: اس چادر کو اپنے سینے سے لگالو، میں نے ایسا ہی کیا۔ فرماتے ہیں: اس دن کے بعد سے میں کبھی حدیث نہیں بھولا۔ معلوم ہوا کہ یہ چیز تھی غیر اختیاری، ہر آدمی اپنی کوشش سے حاصل نہیں کر سکتا۔ اللہ پاک ہمیں ان کی نقل کی ہوئی احادیث پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محدث حاکم و ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

مشہور محدث امام حاکم نے اپنی کتاب، المستدرک، میں حضرت ابو ہریرہ کی مدح و توصیف میں ایک نہایت قیمتی فصل منعقد کر کے بکثرت احادیث نقل کی ہیں جن سے ان کی عظمت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے، امام حاکم نے اس فصل کو اپنے استاد محترم ابو بکر کے مندرجہ ذیل نظریات پر ختم کیا ہے چنانچہ ابو بکر فرماتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کو رد کرنے کے لئے وہ شخص گفتگو کرتا ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے اندھا کر دیا ہو اور وہ احادیث کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہو یا تو وہ شخص فرقہ جہمیہ معطلہ میں سے ہوگا جو اپنے نظریے کے خلاف ابو ہریرہ کی مرویات سن کر ان کو گالیاں دیگا اور ادنیٰ درجے کے لوگوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کریگا کہ یہ حدیث قابل احتجاج نہیں ہیں۔

یا وہ شخص خارجی ہوگا جس کے نزدیک ساری امت محمدی واجب القتل ہے اور کسی خلیفہ اور امام کی اطاعت ضروری نہیں ایسا شخص جب اپنے گمراہانہ عقائد کے خلاف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ احادیث کو دیکھے گا اور کسی دلیل اور برہان سے ان کا جواب نہ دے سکے گا تو فی الفور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے لگے گا۔

یا وہ شخص قدریہ (منکرین تقدیر) میں سے ہوگا جن کا اسلام اور اہل اسلام سے کچھ تعلق نہیں اور جو تقدیر کا عقیدہ رکھنے والے مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں ایسا شخص جب اثبات تقدیر کے مسئلہ سے متعلق ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ احادیث دیکھے گا تو اپنی بر کفر عقیدے کی تائید و حمایت میں اسے کوئی دلیل نہ ملے گی تو وہ کہے گا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات استناد و احتجاج

کے قائل نہیں۔

یادہ شخص جاہل ہوگا جو جہالت کے باوجود فقہ دانی کا مدعی ہے اس شخص نے جس امام کی تقلید کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالا ہوا ہے جب اس کے خلاف ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات دیکھے گا تو ان کی تردید کرنے لگے گا اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مطعون ٹھہرائے گا۔ لیکن جب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ احادیث اس کے امام کے مسلک سے ہم آہنگ ہونگی تو اس وقت وہ ان کو اپنے مخالفین کی تردید میں استعمال کریگا۔ (المستدرک ج ۳ ص ۵۰۶)

اکابر صحابہ جنہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی

امام حاکم فرماتے ہیں کہ مندرجہ ذیل اکابر صحابہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ زید بن ثابت، ابو ایوب انصاری، ابن عباس، ابن عمر، عبداللہ بن زبیر، ابی بن کعب، جابر، عائشہ، مسور بن مخرمہ، عقبہ بن حارث، ابوموسیٰ اشعری، انس بن مالک، سائب بن زید، ابورافع مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوعمامہ بن سہل، ابوطفیل، ابونضرہ غفاری، ابورہم غفاری، شداد بن الہاد، ابوحدرد، عبداللہ بن حدرد اسلمی، ابورزین عقیلی، واثلہ بن اسقع، قبیصہ بن ذویب، عمرو بن الحمق، حجاج اسلمی، عبداللہ بن عقیل، الاغرالجہنی، شرید بن سوید رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے صحابہ کی تعداد اٹھائیس تک پہنچ گئی تھی جہاں تک تابعین کا تعلق ہے ان میں کوئی بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب وتلامذہ سے بڑھ کر عالم اور مشہور تر نہ تھا ان کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ ان سب کا ذکر طوالت کا موجب ہے، خداوند کریم ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ان کے صحابہ، تابعین اور سب ائمہ دین کی مخالفت سے محفوظ رکھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کی برکت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ فاقوں کی وجہ سے بھوک کی شدت سے تنگ آکر رستے میں بیٹھ گئے لیکن خودداری کی وجہ سے کسی سے بھی سوال نہ کیا اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا حضرت ابو ہریرہ نے اس خیال سے ان سے بات کی کہ شاید وہ کھانے کا کہہ دیں لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بات کا جواب دیا اور اپنے گھر کی طرف چلے گئے۔

کچھ دیر بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ گزرے تو حضرت ابو ہریرہ نے ان سے بھی کوئی بات کی اور وہ بھی ان کی بات کا جواب دے کر گھر تشریف لے گئے اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور حضرت ابو ہریرہ کا چہرہ دیکھ کر ماجرا سمجھ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنے ساتھ گھر لے آئے، گھر میں کہیں سے دودھ کا پیالہ ہدیہ آیا ہوا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے فرمایا کہ جاؤ اصحاب صفہ کو بلالاؤ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں خیال آیا کہ ایک پیالہ دودھ ہے تو اسے کون کون پی لے گا اور میرے حصے میں تو کچھ بھی نہیں آئے گا کیونکہ اصحاب صفہ مہمان ہونگے تو پہلے ان کو ہی پلایا جائے گا لیکن بھوک پر حکم مقدم تھا چنانچہ اصحاب صفہ کو بلالائے اللہ کے نبی نے حضرت ابو ہریرہ کو حکم دیا

کہ سب کو دودھ پلاؤ حضرت ابوہریرہ نے باری باری سب کو دودھ پلایا اور سب نے سیر ہو کر پیا جب سب لوگ پی چکے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالے پر ہاتھ رکھا اور مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ابوہریرہ اب تو میں اور تم ہی باقی ہیں بیٹھو اور پیو، حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے خوب دودھ پیا اللہ کے نبی نے فرمایا کہ اور پیو میں نے اور پیا اللہ کے نبی نے فرمایا کہ اور پیو میں نے اور پیا اور یہاں تک کہ میرا پیٹ بھر گیا میں نے کہا کہ اللہ کے نبی بس اب گنجائش نہیں رہی میں نے سیر ہو کر پی لیا لیے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھی اور باقی دودھ پی لیا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کی برکت تھی کہ ایک پیالہ اتنے لوگوں کو کافی آ گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ماں کے لیے دعا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی مستجاب الدعوات تھے۔ ضرورتیں پوری کرنے، مصیبتیں ٹالنے، بیماروں کو شفاء دینے، حقائق منکشف کرنے برکات کے نزول کے لیے اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبول ہونے والی دعاؤں کی ایک کڑی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ماں کے لیے دعا تھی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ماں اپنی قوم کے جاہلانہ مذہب ہی پر ڈٹی ہوئی تھیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ انھیں بت پرستی سے روکتے تھے اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے تھے مگر وہ صاف انکار کر دیتی تھیں۔ ایک دن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کے منافی کلمات کہے۔ یہ بات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ وہ بہت روئے اور اشک بار حالت ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہیں اپنی والدہ کی نادانی اور جہالت کی روداد سنائی اور درخواست کی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ کرم فرمائے اور میری ماں کو ہدایت عطا فرمائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اللھم اھد أم ابی ھریرۃ

''اے اللہ! ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت عطا فرما'' ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا سنی تو خوشی سے جھوم اٹھے۔ جلدی جلدی گھر آئے۔ دروازہ کھولنے کے لیے دستک دی۔ ان کی ماں نے ان کے قدموں کی آہٹ سے انہیں پہچان لیا اور کہا:

ابوہریرہ! ابھی اپنی جگہ ٹھہرو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پانی گرنے کی آواز سنی ان کی ماں غسل کر رہی تھیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دروازے پر کھڑے انتظار کرتے رہے۔ ان کی ماں غسل سے فارغ ہوئیں لباس بدل کر جلدی سے آئیں اور دروازہ کھولتے ہی کہنے لگیں: ابوہریرہ!'' میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔۔ اور میں گواہی دیتی ہوں کہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں''

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ ان پر فرط مسرت کی ایسی حالت چھا گئی کہ پلکوں پر خوشی کے آنسو چمک اٹھے۔۔ وہ گھر میں بھی داخل نہ ہوئے۔ وہیں دروازے ہی سے الٹے پاؤں پلٹ گئے۔ خوشی کے آنسوؤں سے چھلکتی ہوئی آنکھیں

لے کر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا:

یارسول اللہ! خوش ہو جائیں۔ اللہ نے آپ کی دعا قبول فرما کر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ماں کو ہدایت نصیب فرمادی ہے۔ یہ خبر سن کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی باغ باغ ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ سے زیادہ دعائیں سمیٹنے کے آرزومند رہتے تھے۔ عرض کیا: یارسول اللہ! دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور میری ماں کو تمام مسلمانوں کا محبوب بنادے اور تمام مسلمانوں کی محبت ہمارے دل میں سما جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

"اے اللہ! اپنے تمام مومنوں بندوں کے دلوں میں اپنے اس چھوٹے سے بندے ابو ہریرہ اور اس کی ماں کی محبت ڈال دے اور ان کے قلوب تمام مومنین کی محبت سے سرشار کردے"۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں: "کوئی ایسا مومن پیدا نہیں ہوا جس نے مجھے دیکھا ہو یا میرا نام سنا ہو اور اس کا دل میری محبت سے سرشار نہ ہوا ہو۔" (صحیح مسلم)

منکر زکوٰۃ سے زکوٰۃ وصول کرنے میں فقہاء کے مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جس نے زکوٰۃ کا انکار کیا وہ اسی طرح جیسے اس نے قرآن وسنت کا انکار کیا ہے اور ان دونوں یعنی قرآن وسنت کا انکار کرنا کفر ہے۔

اور اگر کوئی اس کے وجوب کے انکار کا عقیدہ رکھتا ہے تب امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کی زکوٰۃ مقرر کرے اور اس سے وصول کرے۔ البتہ زکوٰۃ سے زیادہ وصول نہ کرے۔ اور اکثر اہل علم یعنی حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی اور اُن کے اصحاب کا یہی قول ہے۔

حضرت اسحٰق بن راہویہ اور حضرت ابو بکر عبد العزیز علیہما الرحمہ نے کہا ہے کہ جب وہ اپنا مال چھپائے تا کہ زکوٰۃ ادا نہ کرنی پڑے حتیٰ کہ امام پر ظاہر ہو جائے تو وہ ان سے زکوٰۃ وصول کرے گا۔ (المغنی، ج ۲، ص ۴۳۳، بیروت)

مرتد کی سزا قرآن، سنت، اجماع اور عقل کی روشنی میں

۴۔ عن انس ان علیا اتی بناس من الزط یعبدون وثنا فاحرقهم، فقال ابن عباس رضی الله عنهما انما قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من بدل دینه فاقتلوه (سنن نسائی ص: ۱۶۹، ج: ۲، مسند احمد ص: ۳۲۲، ج: ۱)

ترجمہ: "حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرت علی کے پاس زط (سوڈان) کے کچھ لوگ لائے گئے جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گئے تھے اور وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے، آپ نے ان کو آگ میں جلا دیا، اس پر حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "جو شخص اسلام چھوڑ کر مرتد ہو جائے، اس کو قتل کردو۔"

۵۔ "عن ابی موسی رضی الله عنه قال اقبلت الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال: ولکن اذهب انت یا ابا موسی او یا عبد الله بن قیس الی الیمن، ثم اتبعه معاذ بن جبل، فلما قدم علیه القی له وسادة قال: انزل و اذا

رجل عنده موثق قال: ماھذا؟ قال: کان یھودیاً فاسلم ثم تھود، قال: اجلس! قال: لا اجلس حتی یقتل، قضاء اللہ ورسولہ ثلث مرات فامر بہ فقتل الخ"

(بخاری ص: ۱۰۲۳، ج: ۲، مسلم ص: ۱۲۱، ج: ۲، ابوداؤد ص: ۲۴۲، ج: ۲، نسائی ص: ۱۶۹، ج: ۲، سنن کبریٰ بیہقی ص: ۱۹۵، ج: ۸)

ترجمہ: "حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا: ابوموسیٰ یا عبداللہ بن قیس! یمن جاؤ، اس کے بعد آپ نے معاذ بن جبل کو بھی میرے پیچھے یمن بھیج دیا، حضرت معاذ یمن پہنچے اور ان کے بیٹھنے کے لئے مسند لگائی گئی تو انھوں نے دیکھا کہ (حضرت ابوموسیٰ کے پاس) ایک آدمی بندھا ہوا ہے، حضرت معاذ نے پوچھا: اس کا کیا قصہ ہے؟ فرمایا: یہ شخص پہلے یہودی تھا، پھر اسلام لایا اور اب مرتد ہوگیا ہے، آپ نے فرمایا: جب تک اس کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے مطابق قتل نہیں کر دیا جاتا، میں نہیں بیٹھوں گا، انھوں نے تین بار یہ جملہ ارشاد فرمایا، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ نے اس کے قتل کا حکم دیا، جب وہ قتل ہوگیا تو حضرت معاذ تشریف فرما ہوئے۔"

۶۔ "عن عبداللہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل دم رجل مسلم یشھد ان لا الٰہ الا اللہ وانی رسول اللہ الا باحدی ثلاث: الثیب الزانی، والنفس بالنفس، والتارک لدینہ المفارق للجماعۃ"۔

(ابوداؤد ص: ۲۴۲، ج: ۲، نسائی ص: ۱۶۵، ج: ۲، ابن ماجہ ص: ۱۸۲، سنن کبریٰ بیہقی ص: ۱۹۴، ج: ۸، ترمذی ص: ۲۵۹، ج: ۱، مسلم ص: ۵۹، ج: ۲)

ترجمہ: "حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دے، اس کا خون بہانا جائز نہیں، سوائے ان تین آدمیوں کے: ایک وہ جو شادی شدہ ہو کر زنا کرے، دوسرا وہ جو کسی کو ناحق قتل کر دے اور تیسرا وہ جو اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے"۔

۷۔ "عن حارثۃ بن مضرب انہ اتی عبداللہ فقال: ما بینی وبین احد من العرب حنۃ، وانی مررت بمسجد لبنی حنیفۃ، فاذا ھم یومنون بمسیلمۃ، فارسل الیھم عبداللہ فجیئ بھم فاستتابھم، غیر ابن النواحۃ، قال لہ: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: لولا انک رسول لضربت عنقک، فانت الیوم لست برسول، فامر قرظۃ بن کعب فضرب عنقہ فی السوق، ثم قال: من اراد ان ینظر الی ابن النواحۃ قتیلا بالسوق"۔ (ابوداؤد ص: ۲۴، ج: ۲)

ترجمہ: "حارثہ بن مضرب سے مروی ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی خدمت میں حاضر ہوا، (اور آپ نے فرمایا کہ) میرے اور عرب کے درمیان کوئی عداوت نہیں ہے، پھر فرمایا: میں مسجد بنو حنیفہ کے پاس سے گزرا، وہ لوگ مسیلمہ کذاب کے ماننے والے تھے، حضرت عبداللہ نے ان کی طرف قاصد بھیجا، تاکہ ان سے توبہ کا مطالبہ کرے، پس سب سے توبہ کا مطالبہ کیا گیا، سوائے ابن نواحہ کے، آپ نے اس سے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم سے یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ اگر تو قاصد نہ ہوتا تو میں تمہیں قتل کر دیتا، (اس لئے کہ وہ مرتد ہونے کے علاوہ مرتد مسیلمہ کا قاصد تھا، ناقل) پس آج تم قاصد نہیں ہو، اس کے بعد آپ نے (حاکم کوفہ) قرظہ بن کعب کو حکم دیا کہ اس کو

قتل کر دیا جائے، چنانچہ بازار ہی میں اس کو قتل کر دیا گیا، اور فرمایا: جو ابن نواحہ کو دیکھنا چاہے، وہ بازار میں قتل شدہ موجود ہے۔"

۸۔ "عن بهز بن حكيم عن ابيه عن جده معاوية بن حيده قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من بدل دينه فاقتلوه، ان الله لا يقبل توبة عبد كفر بعد اسلامه" (مجمع الزوائد، ص: ۲۶۱، ج: ۶)

ترجمہ: "حضرت معاویہ بن حیدہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنا دین تبدیل کرے، اس کو قتل کر دو، بے شک اللہ تعالیٰ اس بندے کی توبہ قبول نہیں کرتے، جو اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو جائے۔"

۹۔ "عن معاذ بن جبل ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال له حين بعثه الى اليمن: ايما رجل ارتد عن الاسلام فادعه، فان تاب، فاقبل منه، وان لم يتب، فاضرب عنقه، وايما امرأة ارتدت عن الاسلام فادعها، فان تابت، فاقبل منها، وان ابت فاستتبها" ۔ (مجمع الزوائد: ۲۶۳، ج: ۶)

ترجمہ: "حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن بھیجا تو فرمایا: جو شخص اسلام لانے کے بعد مرتد ہو جائے، اسے اسلام کی دعوت دو، اگر توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول کرلو، اور اگر توبہ نہ کرے تو اس کی گردن اڑا دو، اور جونسی عورت اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے، اسے بھی دعوت دو، اگر توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول کرلو، اگر توبہ سے انکار کرے تو برابر توبہ کا مطالبہ کرتے رہو (یعنی اس کو قتل نہ کرو)۔"

۱۰۔ "عن جرير قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: اذا ابق العبد الى الشرك فقد حل دمه"۔

(ابوداؤد، ص: ۲۴۳، ج: ۲، مشکوٰۃ، ص: ۳۰۷)

ترجمہ: "حضرت جریر سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ جب کوئی بندہ اسلام سے کفر کی طرف واپس لوٹ جائے، اس کا قتل کرنا حلال ہو جاتا ہے۔"

۱۱۔ "عن الحسن رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من بدل دينه فاقتلوه"۔

(نسائی ص: ۱۶۹، ج: ۲)

ترجمہ: "حضرت حسن سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اسلام چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرلے، اس کو قتل کر دو۔"

۱۲۔ "عن زيد بن اسلم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من غيّر دينه فاضربوا عنقه"۔

(موطا امام مالک ص: ۶۴۰، جامع الاصول ص: ۴۷۹، ج: ۳)

ترجمہ: "حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اسلام چھوڑ کر دوسرا دین اپنائے، اس کی گردن کاٹ دو"۔

امام مالک اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"قال مالک و معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما نری واللہ اعلم من غیر دینہ فاضربوا عنقہ، وانہ من خرج من الاسلام الی غیرہ، مثل الزنادقۃ واشباھھم، فان اولئک اذا ظھر علیھم قتلوا، ولم یستتابوا، لانہ لایعرف توبتھم، وانہ کانوا یسرون الکفر ویعلنون الاسلام فلا اری یستتاب ھؤلاء ولایقبل منھم قولھم، واما من خرج من الاسلام الی غیرہ واظھر ذلک فانہ یستتاب، فان تاب، والاقتل، ذلک لو ان قوما کانوا علی ذلک رایت ان یدعوا الی الاسلام ویستتابوا، فان تابوا قبل ذلک منھم، وان لم یتوبوا قتلوا، ولم یعن بذلک فیما نری، واللہ اعلم، من خرج من الیھودیۃ الی النصرانیۃ ولا من النصرانیۃ الی الیھودیۃ، ولا من یغیر دینہ من اھل الادیان کلھا الا الاسلام فمن خرج من الاسلام الی غیرہ واظھر ذلک فذلک الذی عنی بہ"۔ (موطاامام مالک ص:۶۴۰)

یعنی امام مالک سے ارتداد کی تعریف میں منقول ہے کہ کوئی شخص اسلام سے نکل کر کسی دوسرے مذہب میں داخل ہوجائے تو اس کی گردن کاٹ دی جائے، جیسے کوئی زندیق ہوجائے، ایسے لوگوں کے بارہ میں اصول یہ ہے کہ جب زندیق پر غلبہ وتسلط حاصل ہوجائے تو اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے، کیونکہ ان لوگوں کی سچی توبہ کا اندازہ نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ یہ لوگ کفر کو چھپاتے ہیں اور اسلام کا اظہار کرتے ہیں، پس میرا (امام مالک) خیال یہ ہے کہ ان کے کفر کی بنا پر ان کو قتل کردیا جائے، ہاں اگر کوئی اسلام سے نکل کر مرتد ہوجائے تو اس سے توبہ کرائی جائے، توبہ کرلے توفبہا ورنہ اسے قتل کردیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: "من بدل دینہ فاقتلوہ" کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب کو اختیار کرلے وہ مرتد ہے، لہٰذا وہ شخص مرتد نہیں کہلائے گا جو اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین پر تھا، اور اس نے اپنا وہ مذہب چھوڑ کر کوئی دوسرا دین ومذہب اختیار کرلیا، لہٰذا نہ تو اس سے توبہ کرائی جائے گی اور نہ ہی اس کو قتل کیا جائے گا، مثلاً: اگر کوئی یہودی، نصرانی بنجائے یا کوئی نصرانی، مجوسی بن جائے، خواہ وہ ذمی ہی کیوں نہ ہو، نہ تو اس سے توبہ کرائی جائے گی اور نہ ہی اس کو قتل کیا جائے گا۔

۱۳- "عن عبدالرحمن بن محمد بن عبداللہ بن عبدالقاری رحمہ اللہ، عن ابیہ انہ قال: قدم علی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، رجل من قبل ابی موسی الاشعری، فسالہ عن الناس فاخبرہ؟ ثم قال لہ عمر بن الخطاب: ھل کان فیکم من مغربۃ خبر؟ فقال نعم، رجل کفر بعد اسلامہ، قال: فما فعلتم بہ؟ قال: قربناہ فضربنا عنقہ، فقال عمر: افلا حبستموہ ثلاثا، واطعمتموہ کل یوم رغیفا، واستتبتموہ لعلہ یتوب ویراجع امر اللہ؟ ثم قال عمر اللھم انی لم احضر، ولم آمر، ولم ارض اذ بلغنی"۔

(موطاامام مالک ص:۶۴۰، جامع الاصول ص:۷۹۴، ج:۳)

ترجمہ: "حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالقاری سے مروی ہے کہ حضرت عمر کی خلافت کے دور میں حضرت ابوموسیٰ کی جانب سے یمن کا ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا، آپ نے پہلے تو وہاں کے لوگوں کے حالات معلوم کئے، پھر اس

سے پوچھا کہ وہاں کی کوئی نئی یا انوکھی خبر؟ اس نے کہا: جی ہاں! ایک آدمی اسلام لایا تھا، مگر بعد میں وہ مرتد ہو گیا، آپ نے فرمایا: پھر تم لوگوں نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ انھوں نے عرض کیا: ہم نے اس کو پکڑ کر اس کی گردن اڑا دی، آپ نے فرمایا: تم نے پہلے اسے تین دن تک قید کر کے اس سے توبہ کا مطالبہ کیوں نہ کیا؟ ممکن ہے وہ توبہ کر لیتا؟ پھر فرمایا: اے اللہ! نہ میں وہاں حاضر تھا، نہ میں نے اس کے قتل کا حکم دیا اور جب مجھے اس کی اطلاع ملی تو میں ان کے اس فعل پر راضی بھی نہیں ہوں۔"

گویا مرتد کے قتل سے پہلے استحباباً اس کو توبہ کا ایک موقع ملنا چاہئے تھا، چونکہ مرتد کو وہ موقع نہیں دیا گیا، تو حضرت عمر نے ترک مستحب کی اس بے احتیاطی کو بھی برداشت نہیں کیا اور اس سے برأت کا اظہار فرمایا۔

امام ترمذی مرتد کی سزا کے بارے فقہائے امت کا مذہب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والعمل علی هذا عند اهل العلم فی المرتد، واختلفوا فی المرأة اذا ارتدت عن الاسلام، فقالت طائفة من اهل العلم تقتل، وهو قول الاوزاعی واحمد واسحق، وقالت طائفة منهم تحبس ولا تقتل، وهو قول سفیان الثوری وغیره من اهل الکوفة" (ترمذی ابواب الحدود باب ما جاء فی المرتد، ص: ۱۷۰، ج: ۱)

ترجمہ: "مرتد مرد کے بارے میں اہل علم کا یہی موقف ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے، ہاں اگر کوئی خاتون مرتد ہو جائے تو امام اوزاعی، احمد اور اسحق کا موقف یہ ہے کہ اسے بھی قتل کیا جائے، لیکن ایک جماعت کا خیال ہے کہ اسے قتل نہ کیا جائے، بلکہ قید کر دیا جائے، اگر توبہ کر لے تو فبہا، ورنہ زندگی بھر اسے جیل میں رکھا جائے۔ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا بھی یہی مسلک ہے۔"

چنانچہ ائمہ اربعہ: امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل بالاتفاق اس کے قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے تو مستحب یہ ہے کہ اس کو تین دن کی مہلت دی جائے، اس کے شبہات دور کئے جائیں، اس کو توبہ کی تلقین کی جائے اور دوبارہ اسلام کی دعوت دی جائے، اگر اسلام لے آئے تو فبہا، ورنہ اسے قتل کر دیا جائے،

قتل مرتد میں ائمہ اربعہ کی تصریحات کا بیان

فقہ حنفی:

چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے:

"واذا ارتد المسلم عن الاسلام والعیاذ بالله عرض علیه الاسلام فان کانت له شبهة کشفت عنه ویحبس ثلاثة ایام فان اسلم والا قتل (ہدایہ اولین ص: ۵۸۰، ج: ۱)

ترجمہ: "اور جب کوئی مسلمان نعوذ باللہ! اسلام سے پھر جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے، اس کو کوئی شبہ ہو تو دور کیا جائے، اس کو تین دن تک قید رکھا جائے، اگر اسلام کی طرف لوٹ آئے تو ٹھیک، ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔"

فقہ شافعی:

فقہ شافعی کی شہرۂ آفاق کتاب المجموع شرح المہذب میں ہے:

"اذا ارتد الرجل وجب قتله، سواء كان حرا او عبدا وقد انعقد الاجماع على قتل المرتد"

(المجموع شرح المہذب ،ص:۲۲۸،ج:۱۹)

ترجمہ:"اور جب آدمی مرتد ہوجائے تو اس کا قتل واجب ہے، خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، اور قتل مرتد پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔"

فقہ حنبلی: فقہ حنبلی کی معرکۃ الآراء کتاب المغنی اور الشرح الکبیر میں ہے:

"واجمع اهل العلم على وجوب قتل المرتد، وروى ذلك عن ابى بكر وعمر وعثمان وعلى ومعاذ وابى موسى وابن عباس وخالد (رضى الله عنهم) وغيرهم، ولم ينكر ذلك فكان اجماعا"۔

(المغنی مع الشرح الکبیر ،ص:۷۴،ج:۱۰)

ترجمہ:"قتل مرتد کے واجب ہونے پر اہل علم کا اجماع ہے، یہ حکم حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، معاذ، ابوموسیٰ، ابن عباس، خالد اور دیگر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے اور اس کا کسی صحابی نے انکار نہیں کیا، اس لئے یہ اجماع ہے۔"

فقہ مالکی

فقہ مالکی کے عظیم محقق ابن رشد مالکی کی مشہور زمانہ کتاب "بدایۃ المجتہد" میں ہے:

"والمرتد اذا ظفر به قبل ان يحارب فاتفقوا على انه يقتل الرجل لقوله عليه الصلوٰة والسلام: "من بدل دينه فاقتلوه" (بدایۃ المجتہد ص:۳۴۳،ج:۲)

ترجمہ:"اور مرتد جب لڑائی سے قبل پکڑا جائے تو تمام علمائے امت اس پر متفق ہیں کہ مرتد کو قتل کیا جائے گا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:"جو شخص اپنا مذہب بدل کر مرتد ہو جائے، اس کو قتل کردو۔"

عام طور پر اسلام دشمن عناصر، ملاحدہ اور زنادقہ سیدھے سادے مسلمانوں اور سادہ لوح انسانوں کو ذہنی تشویش اور شکوک و شبہات میں مبتلا کرنے اور انہیں اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ سوچنے کی بات ہے کہ ایک انسان اپنا آبائی مذہب تبدیل کرنے پر کیوں مجبور ہوتا ہے؟ یقیناً اس کو اپنے دین ومذہب میں کوئی کمی کوتاہی یا نقص نظر آیا ہوگا، جب ہی تو وہ اس انتہائی اقدام پر مجبور ہوا ہے؟ لہٰذا جب کوئی شخص غور وفکر کے بعد اسلام کو اپنا سکتا ہے تو دلائل و براہین کی روشنی میں وہ اس کو چھوڑنے کا حق بھی رکھتا ہے، پس اس کی تبدیلی مذہب پر قدغن کیوں لگائی جاتی ہے؟

بظاہر یہ سوال معقول نظر آتا ہے، جبکہ حقائق اس سے یکسر مختلف ہیں، چنانچہ اگر اس پر غور کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ ارتداد کی وجہ اسلام میں کسی قسم کا نقص یا کمی کوتاہی نہیں ہے؛ بلکہ اس کے پیچھے اسلام دشمنوں کی ایک منظم سازش ہے، اور وہ یہ کہ اسلام دشمنوں کی روز اول سے یہ سعی وکوشش رہی ہے کہ کسی طرح حق کے متلاشیوں کو جادۂ مستقیم سے بچلا کر ضلال وگمراہی کے گہرے غاروں

میں دھکیل دیا جائے، چنانچہ شروع میں تو انھوں نے مکمل کر اپنے اس مشن کو نبھانے کی کوشش کی، مگر جب ماہتاب نبوت، آفتاب نصف النہار بن کر چمکنے لگا اور اس کی چکا چوند روشنی کے سامنے باطل نہ ٹھہر سکا تو ائمہ کفر وضلال نے ردائے نفاق اوڑھ کر اس کے خلاف زیرِ زمین سازشوں کا جال بننا شروع کر دیا۔

چنانچہ صبح کو وہ اپنے آپ کو مسلمان باور کراتے تو شام کو اسلام سے بیزاری کا سوانگ رچا کر مسلمانوں کو اسلام سے بدظن کرنے کی سازش کرتے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

"وقالت طائفة من اهل الكتاب آمنوا بالذى انزل على الذين آمنوا وجه النهار واكفروا آخره لعلهم يرجعون" (آل عمران:۷۲)

ترجمہ: "اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے (حق سے پھیرنے کی یہ سازش تیار کی اور آپس میں) کہا کہ تم (ظاہری طور پر) ایمان لے آؤ اس (دین وکتاب) پر جو اتارا گیا ایمان والوں پر دن کے شروع میں اور اس کا انکار کر دو اس کے آخری حصہ میں، تا کہ اس طرح یہ لوگ پھر جائیں (دین وایمان سے)۔"

گویا وہ یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ اگر اسلام میں کوئی کشش یا صداقت ہوتی تو سوچ سمجھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے اس سے باہر کیوں آتے؟ یقیناً جو لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد اسے خیر باد کہہ رہے ہیں، انھوں نے ضرور اس میں کوئی کمی، کجی یا کمزوری دیکھی ہوگی؟

حالانکہ جن لوگوں نے اسلامی احکام وآداب کا مطالعہ اور غور وفکر کر کے اسے قبول کیا اور نبی امی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا، تاریخ گواہ ہے کہ ان میں سے کبھی کسی نے اس سے بیزاری تو کیا اس پر سوچا بھی نہیں، جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث "ہرقل" میں حضرت ابوسفیان اور ہرقل کے مکالمہ میں اس کی وضاحت وصراحت موجود ہے، چنانچہ جب ہرقل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ ملنے پر ابوسفیان سے، جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے حریف تھے، یہ پوچھا کہ:

"هل يرتد احد منهم عن دينه بعد ان يدخل فيه سخطة له؟ قال: لا"

ترجمہ: "ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا کہ کیا اسلام قبول کرنے والوں میں سے کوئی اس کو ناپسند کر کے یا اس سے ناراض ہو کر مرتد بھی ہوا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: نہیں۔"

پھر اسی حدیث کے آخر میں ہرقل نے اپنے ایک ایک سوال اور ابوسفیان کے جوابات کی روشنی میں اس کی وضاحت کی کہ میں اپنے سوالوں اور تیرے جوابات کی روشنی میں، جن نتائج پر پہنچا ہوں، وہ یہ ہیں کہ:

"وسألتك هل يرتد احد منهم عن دينه بعد ان يدخل فيه سخطة، فزعمت ان لا، وكذلك الايمان اذا خالط بشاشة القلوب" (بخاری، ص:۶۵۳، ج:۲)

ترجمہ: "اور میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ کیا اسلام قبول کرنے والوں میں سے کوئی شخص اسلام سے ناراض ہو کر یا اس

سے متنفر ہو کر کبھی مرتد ہوا ہے؟ تو آپ نے کہا تھا کہ ایسا نہیں ہوا، تو سنو! یوں ہی ہے کہ شرح صدر کے ساتھ جب ایمان کسی کے دل میں اتر جاتا ہے تو نکلا نہیں کرتا۔"

چونکہ اسلام جبر و تشدد کا مذہب نہیں اور نہ ہی کسی کو جبراً وقہراً اسلام میں داخل کیا جاتا ہے، بلکہ قرآن وحدیث میں وضاحت و صراحت کے ساتھ یہ بات مذکور ہے کہ جو شخص دل وجان سے اسلام قبول نہ کرے، نہ صرف یہ کہ اس کا اسلام معتبر نہیں، بلکہ ایسا شخص قرآنی اصطلاح میں منافق ہے اور منافق جہنم کے نچلے درجے کی بدترین سزا کا مستحق ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

"ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار" (النساء:۱۴۵)

ترجمہ: "بے شک منافق ہیں سب سے نیچے درجہ میں دوزخ کے۔"

اسی لئے جبراً وقہراً اسلام میں داخل کرنے کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا گیا:

"لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی" (البقرہ:۲۵۶)

ترجمہ: "دین اسلام میں داخل کرنے کے لئے کسی جبر واکراہ سے کام نہیں لیا جاتا، اس لئے کہ ہدایت، گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔"

لیکن اس کا یہ معنی بھی نہیں کہ جو شخص برضا ورغبت اسلام میں داخل ہو جائے اور اسلام قبول کرلے، اسے مرتد ہونے کی بھی اجازت دے دی جائے، یہ بالکل ایسے ہے جیسے ابتداءً فوج میں بھرتی ہونے کے لئے کوئی جبر اور زبردستی نہیں کی جاتی لیکن اگر کوئی شخص اپنی رضا ورغبت سے فوج میں بھرتی ہو جائے تو اب اسے اپنی مرضی سے فوج سے نکلنے یا فوجی نوکری چھوڑنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ اگر فوج کا یہ قانون جائز ہے تو اسلام کا یہ دستور کیونکر جائز نہیں؟

اس کے علاوہ عقل وشعور کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جو شخص اپنی مرضی اور رضا ورغبت سے اسلام میں داخل ہو جائے اسے اسلام سے برگشتگی اور مرتد ہونے کی اجازت نہیں دی جانی چاہئے، کیونکہ بالفرض اگر نعوذ باللہ! کسی کو اسلام یا اسلامی تعلیمات میں کوئی شک وشبہ تھا تو اس نے اسلام قبول ہی کیوں کیا تھا؟ لہٰذا ایسا شخص جو اپنی مرضی اور رضا ورغبت سے اسلام میں داخل ہو چکا ہے، اب اسے مرتد ہونے کی اس لئے اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ اسلام چھوڑ کر نہ صرف اپنے دین و مذہب کو بدلتا ہے، بلکہ اس قبیح اور بدترین فعل کے ذریعہ وہ دین وشریعت، اسلامی تعلیمات، اسلامی معاشرہ کو داغ دار کرنے، اسلامی تعلیمات کو مطعون و بدنام کرنے اور نئے مسلمان ہونے والوں کی راہ روکنے کی بدترین سازش کا مرتکب ہوا ہے، اس لئے اسلام قبول کرنے سے پہلے اس کی مثال کھلے کافر کی تھی، لیکن اب اس کی حیثیت اسلام کے باغی کی ہے، اور دنیا کا مسلمہ اصول ہے کہ جو شخص کسی ملک کا شہری نہ ہو اور وہ اس ملک کے قوانین کو تسلیم نہ کرے تو اسے اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، لیکن جب کوئی شخص کسی ملک کی شہریت اپنا لے تو اسے اس ملک کے شہری قوانین کا پابند کیا جائے گا، چنانچہ اگر کوئی خود سر کسی ملک کی شہریت کا دعویدار بھی ہو اور اس کے احکام وقوانین اور اصول و ضوابط کے خلاف اعلانِ بغاوت بھی کرے تو اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی ملک، اس کے قوانین وضوابط یا کسی ملک کے سربراہ سے بغاوت کی پاداش میں سزائے موت کا مستحق ہے، تو کیا وجہ ہے کہ اسلام، اسلامی قوانین اور پیغمبر اسلام

سے بغاوت کا مرتکب سزائے موت کا مستحق نہ ہو؟

اگر دیکھا جائے اور اس کا بغور جائزہ لیا جائے تو سزائے ارتداد کا یہ اسلامی قانون عین فطرت ہے، جس میں نہ صرف مسلمانوں کا، بلکہ اسلامی مملکت کے تمام شہریوں کا بھی فائدہ ہے۔ اس لئے کہ دین اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے اور اس دین و مذہب میں دنیا کی فوز و فلاح اور نجات آخرت کا مدار ہے، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

۱- "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا" (المائدہ:۳)

ترجمہ: "آج کے دن میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔"

۲- "و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ، و ھو فی الآخرۃ من الخاسرین" (آل عمران:۸۵)

ترجمہ: "اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین و مذہب کو اپنائے گا، اللہ کے ہاں اسے قبولیت نصیب نہیں ہوگی اور وہ آخرت میں خسارہ میں ہوگا۔"

لہٰذا جو شخص اسلام قبول کرنے کے بعد ارتداد کا مرتکب ہوا ہے، اس کی مثال اس باؤلے کتے یا ہلکے انسان کی ہے جسے اپنا ہوش ہے اور نہ دوسروں کا، اگر کوئی "عقل مند" اس کی جان پر ترس کھا کر اسے چھوڑ دے تو بتلایا جائے کہ وہ انسانیت کا دوست ہے یا دشمن؟ ٹھیک اسی طرح مرتد کی جان بخشی کرنا بھی معاشرہ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے، اور اس کی ہلاکت اسلامی معاشرہ کے لئے امن و عافیت اور سکون و اطمینان کا ذریعہ ہے۔

"تمام مہذب ملکوں، حکومتوں اور مہذب قوانین میں باغی کی سزا موت ہے، اور اسلام کا باغی وہ ہے جو اسلام سے مرتد ہو جائے، اس لئے اسلام میں مرتد کی سزا موت ہے، لیکن اس میں بھی اسلام نے رعایت دی ہے، دوسرے لوگ باغیوں کو کوئی رعایت نہیں دیتے، گرفتار ہونے کے بعد اگر اس پر بغاوت کا جرم ثابت ہو جائے تو سزائے موت نافذ کر دیتے ہیں، وہ ہزار معافی مانگے، توبہ کرے اور قسمیں کھائے کہ آئندہ بغاوت کا جرم نہیں کروں گا، اس کی ایک نہیں سنی جاتی اور اس کی معافی ناقابل قبول سمجھی جاتی ہے، اسلام میں بھی باغی یعنی مرتد کی سزا قتل ہے، مگر پھر بھی اسے اتنی رعایت ہے کہ تین دن کی مہلت دی جاتی ہے، اس کو تلقین کی جاتی ہے کہ توبہ کر لے، معافی مانگ لے، تو سزا سے بچ جائے گا، افسوس ہے کہ پھر بھی اسلام میں مرتد کی سزا پر اعتراض کیا جاتا ہے۔

اگر امریکا کے صدر کا باغی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کرے اور اس کی سازش پکڑی جائے تو اس کی سزا موت ہے اور اس پر کسی کو اعتراض نہیں، روس کی حکومت کا تختہ الٹنے والا پکڑا جائے یا جنرل ضیاء الحق کی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والا پکڑا جائے تو اس کی سزا موت ہے اور اس پر دنیا کے کسی مہذب قانون اور کسی مہذب عدالت کو کوئی اعتراض نہیں، لیکن تعجب ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باغی پر اگر سزائے موت جاری کی جائے تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ سزا نہیں ہونی چاہئے، اسلام تو باغی مرتد کو پھر بھی رعایت دیتا ہے کہ اسے تین دن کی مہلت دی جائے، اس کے شبہات دور کئے جائیں اور کوشش کی جائے کہ وہ دوبارہ مسلمان ہو جائے، معافی مانگ لے تو کوئی بات نہیں، اس کو معاف کر دیا جائے گا، لیکن اگر تین دن کی مہلت اور کوشش کے بعد بھی وہ

اپنے ارتداد پر اڑا رہے، توبہ نہ کرے تو اللہ کی زمین کو اس کے وجود سے پاک کر دیا جائے، کیونکہ یہ ناسور ہے، خدانخواستہ کسی کے ہاتھ میں ناسور ہو جائے تو ڈاکٹر اس کا ہاتھ کاٹ دیتے ہیں، اگر انگلی میں ناسور ہو جائے تو انگلی کاٹ دیتے ہیں اور سب دنیا جانتی ہے کہ یہ ظلم نہیں، بلکہ شفقت ہے، کیونکہ اگر ناسور کو نہ کاٹا گیا تو اس کا زہر پورے بدن میں سرایت کر جائے گا، جس سے موت یقینی ہے، پس جس طرح پورے بدن کو ناسور کے زہر سے بچانے کے لئے ناسور کو کاٹ دینا ضروری ہے اور یہی دانائی اور عقلمندی ہے، اسی طرح ارتداد بھی ملت اسلامیہ کے لئے ایک ناسور ہے، اگر مرتد کو توبہ کی تلقین کی گئی، اس کے باوجود اس نے اسلام میں دوبارہ آنے کو پسند نہیں کیا تو اس کا وجود ختم کر دینا ضروری ہے، ورنہ اس کا زہر رفتہ رفتہ ملت اسلامیہ کے پورے بدن میں سرایت کر جائے گا۔ الغرض مرتد کا حکم ائمہ اربعہ کے نزدیک اور پوری امت کے علماء اور فقہاء کے نزدیک یہی ہے جو میں عرض کر چکا ہوں اور یہی عقل و دانش کا تقاضا ہے اور اسی میں امت کی سلامتی ہے۔" (تحفہ قادیانیت، ج:۱، ص:۶۶۵، ۶۶۶)

ان مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوا ہوگا کہ اسلام اور اسلامی آئین، ہر غیر مسلم و کافر کے درپے نہیں، بلکہ اسلامی آئین و دستور صرف اور صرف ان فتنہ پردازوں کا راستہ روکتا ہے اور انہیں کڑی سزا کا مستحق گردانتا ہے جو معاشرہ کے امن و امان کے دشمن اور اسلام سے بغاوت کے مرتکب ہوں، بایں ہمہ اسلام اور اسلامی آئین ایسے لوگوں کو بھی فوراً کیفر کردار تک نہیں پہنچاتا، بلکہ انہیں اپنی اصلاح کا موقع فراہم کرتا ہے، اگر وہ سدھر جائیں تو فبہا، ورنہ اس بدترین سزا کے لئے تیار ہو جائیں، اس کے باوجود بھی اگر کوئی بدنصیب اس سے فائدہ نہ اٹھائے اور اپنی جان کا دشمن بنا رہے تو اس میں اسلام کا کیا قصور ہے؟

جیسا کہ ارتداد و مرتد کی تعریف کے ذیل میں پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ جو شخص اسلام لانے کے بعد اسلام کو چھوڑ کر کوئی بھی دوسرا دین و مذہب اختیار کر لے، وہ مرتد ہے، اور مرتد کی سزا قتل ہے۔

اس پر یہود و نصاریٰ اور قادیانیوں کے علاوہ دوسرے ملاحدہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر دوسرے مذاہب کے پیروکار اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو سکتے ہیں، تو ایک مسلمان اپنا مذہب تبدیل کیوں نہیں کر سکتا؟ اگر کسی یہودی اور عیسائی کے مسلمان ہونے پر قتل کی سزا لاگو نہیں ہوتی تو ایک مسلمان کے یہودیت یا عیسائیت قبول کرنے پر اسے کیوں واجب القتل قرار دیا جاتا ہے؟ اسی طرح اگر کوئی ہندو یا قادیانی، مسلمان ہو سکتا ہے تو ایک مسلمان نعوذ باللہ! قادیانی یا ہندو کیوں نہیں بن سکتا؟

عام طور پر ارباب کفر و شرک اس سوال کو اس رنگ آمیزی سے بیان کرتے ہیں کہ ایک سیدھا سادا مسلمان نہ صرف اس سے متاثر ہوتا ہے؛ بلکہ سزائے ارتداد کو نعوذ باللہ! غیر معقول و غیر منطقی اور آزادی اظہار رائے اور آزادی مذہب کے خلاف سمجھنے لگتا ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ اس مغالطہ کے جواب میں بھی چند معروضات پیش کر دی جائیں:

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ یہودی، عیسائی یا دوسرے مذاہب کے لوگ اپنا مذہب بدلیں تو ان پر سزائے ارتداد کیوں جاری نہیں کی جاتی؟ اصولی طور پر ہم اس سوال کا جواب دینے کے مکلف نہیں ہیں؛ بلکہ ان مذاہب کے ذمہ داروں، بلکہ ٹھیکے داروں کا فرض ہے کہ وہ اس کا جواب دیں۔

تاہم قطع نظر اس کے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا یہ طرز عمل صحیح ہے یا غلط؟ اتنی بات تو سب کو معلوم ہے کہ دنیائے عیسائیت و

یہودیت اگر اپنے مذہب کے معاملہ میں تنگ نظر نہ ہوتی تو آج دنیا بھر کے مسلمان اور امت مسلمہ ان کے ظلم وتشدد کا نشانہ کیوں ہوتے؟

اس سے ذرا اور آگے بڑھیے تو اندازہ ہوگا کہ انبیائے بنی اسرائیل کا قتل ناحق ان کی اسی تنگ نظری کا شاخسانہ اور تشدد پسندی کا منہ بولتا ثبوت ہے، ورنہ بتلایا جائے کہ حضرات انبیائے کرام کا اس کے علاوہ کون سا جرم تھا؟ صرف یہی ناں کہ وہ فرماتے تھے کہ پہلا دین وشریعت اور کتاب منسوخ ہوگئی ہے اور اب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہمارے ذریعے نیا دین اور نئی شریعت آئی ہے اور اسی میں انسانیت کی نجات اور فوز وفلاح ہے۔

اسی طرح یہودیوں اور عیسائیوں پر فرض ہے کہ وہ بتلائیں کہ حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا علیہما السلام کو کیوں قتل کیا گیا؟ ان معصوموں کا کیا جرم تھا؟ اور کس جرم کی پاداش میں ان کا پاک وپاکیزہ اور مقدس لہو بہایا گیا؟

اس کے علاوہ یہ بھی بتلایا جائے کہ حضرت عیسیٰ عزجل تعالیٰ روح اللہ کے قتل اور ان کے سولی پر چڑھائے جانے کے منصوبے کیوں بنائے گئے؟

مسلمانوں کو تنگ نظر اور سزائے ارتداد کو ظلم کہنے والے پہلے ذرا اپنے دامن سے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اور لاکھوں مسلمانوں کے خون ناحق کے دھبے صاف کریں اور پھر مسلمانوں سے بات کریں۔

یہ بات تو طے شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت وراہنمائی کے لئے حضرات انبیائے کرام عزجل تعالیٰ اور رسل عزجل تعالیٰ بھیجنے کا سلسلہ شروع فرمایا، جس کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی تو اس کی انتہا یا تکمیل واختتام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ہوئی۔

سوال یہ ہے کہ ان تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے دین وشریعت اور کتب کی کیفیت یکساں تھی یا مختلف؟

اگر بالفرض تمام انبیائے کرام کی شریعتیں ابدی وسرمدی تھیں تو ایک نبی کے بعد دوسرے نبی اور ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی؟

مثلاً اگر حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت ابدی وسرمدی تھی اور اس پر عمل نجات آخرت کا ذریعہ تھا تو اس وقت سے لے کر آج تک تمام انسانوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت کا تابع ہونا چاہئے تھا، اگر ایسا ہے تو پھر یہودیت وعیسائیت کہاں سے آگئی؟

لیکن اگر بعد میں آنے والے دین، شریعت، کتاب اور نبی کی تشریف آوری سے، پہلے نبی کی شریعت اور کتاب منسوخ ہوگئی تھی۔ جیسا کہ حقیقت بھی یہی ہے۔ تو دوسرے نبی کی شریعت اور کتاب کے آجانے کے بعد سابقہ شریعت اور نبی کی اتباع پر اصرار و تکرار کیوں کیا جاتا ہے؟

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جب دوسرا نبی، شریعت اور کتاب آگئی اور پہلا دین، شریعت اور کتاب منسوخ ہوگئی، تو اس منسوخ شدہ دین، شریعت، کتاب اور نبی کے احکام پر عمل کرنا یا اس پر اصرار کرنا خود بہت بڑا جرم اور اللہ تعالیٰ سے بغاوت کے مترادف ہے۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کسی ملک کے قانون میں ترمیم کردی جائے یا اس کو سرے سے منسوخ کردیا جائے اور اس کی جگہ دوسرا جدید آئین وقانون نافذ کردیا جائے، اب اگر کوئی عقلمند اس نئے آئین وقانون کی بجائے منسوخ شدہ دستور وقانون پر عمل کرتے ہوئے نئے قانون کی مخالفت کرے، تو اسے قانون شکن کہا جائے گا یا قانون کا محافظ وپاسبان؟

لہٰذا اگر کسی ملک کا سربراہ ایسے عقل مند کو رائج ونافذ جدید آئین وقانون کی مخالفت اور اس سے بغاوت کی پاداش میں باغی قرار دے کر اُسے بغاوت کی سزا دے، تو اس کا یہ فعل ظلم وتعدی ہوگا یا عدل وانصاف؟ کیا ایسے موقع پر کسی عقل مند کو یہ کہنے کا جواز ہوگا کہ اگر جدید آئین وقانون کو چھوڑنا بغاوت ہے تو منسوخ شدہ آئین وقانون کو چھوڑنا کیونکر بغاوت نہیں؟ اگر جدید آئین سے بغاوت کی سزا موت ہے تو قدیم ومنسوخ شدہ آئین کی مخالفت پر سزائے موت کیونکر نہیں؟

زکوٰۃ کا ادا کرنا زکوٰۃ کا حق ہے

1557 - حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ، وَسُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ، قَالَا: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ هٰذَا الْحَدِيثَ قَالَ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ: إِنَّ حَقَّهُ أَدَاءُ الزَّكَاةِ، وَقَالَ: عِقَالًا

❁ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ زہری کے حوالے سے منقول ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''بے شک اس کا حق زکوٰۃ کی ادائیگی ہے'' اور اس روایت میں راوی نے ''رسی'' کا لفظ نقل کیا ہے۔

زکوٰۃ کے تین پہلو ہیں

زکوٰۃ میں نیکی اور افادیت کے تین پہلو ہیں:۔ (۱) ایک یہ کہ مومن بندہ جس طرح نماز کے قیام اور رکوع وسجود کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی بندگی اور تذلل ونیازمندی کا مظاہرہ جسم وجان اور زبان سے کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا ورحمت اور اس کا قرب اس کو حاصل ہو، اسی طرح زکوٰۃ ادا کر کے وہ اس کی بارگاہ میں اپنی مالی نذر اسی غرض سے پیش کرتا ہے اور اس بات کا عملی ثبوت دیتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اسے اپنا نہیں بلکہ خدا کا سمجھتا اور یقین کرتا ہے، اور اس کی رضا وقرب حاصل کرنے کے لیے اس کو قربان کرتا اور نذرانہ پیش کرتا ہے، زکوٰۃ کا شمار ''عبادات'' میں اسی پہلو سے ہے، دین وشریعت کی خاص اصطلاح میں ''عبادات'' بندے کے ان اعمال کو کہا جاتا ہے جن کا خاص مقصد وموضوع اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی عبدیت اور بندگی کے تعلق کو ظاہر کرنا اور اس کے ذریعہ اس کا رحم وکرم اور اس کا قرب ڈھونڈھنا ہو۔ (۲) دوسرا پہلو زکوٰۃ میں یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ کے ضرورت مند اور پریشان حال بندوں کی خدمت واعانت ہوتی ہے، اس پہلو سے زکوٰۃ اخلاقیات کا نہایت ہی اہم باب ہے۔ (۳) تیسرا پہلو اس میں افادیت کا یہ ہے کہ حبِ مال اور دولت پرستی جو ایک ایمان کش اور نہایت مہلک روحانی بیماری ہے، زکوٰۃ اس کا علاج اور اس کے گندے اور زہریلے اثرات سے نفس کی تطہیر اور تزکیہ کا ذریعہ ہے، اسی بناء پر قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے: ترجمہ: ''اے نبی! آپ مسلمانوں کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے جس کے ذریعہ ان کے قلوب کی تطہیر اور ان کے نفوس کا تزکیہ ہو''۔ (سورہ توبہ ۱۰۳) دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:۔ ''اور اس آتشِ دوزخ سے وہ نہایت متقی بندہ دور رکھا جائے گا جو اپنا

مال راہِ خدا میں اس لیے دیتا ہو کہ اس کی روح اور اس کے دل کو پاکیزگی حاصل ہو" (سورۃ اللیل) اور زکوٰۃ کا نام غالباً اسی پہلوے زکوٰۃ رکھا گیا ہے کیونکہ زکوٰۃ کے اصل معنی ہی پاکیزگی کے ہیں۔

بَابُ مَا تَجِبُ فِيْهِ الزَّكَاةُ

باب: کون سی چیز میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے

زکوٰۃ ہر آزاد، مسلمان، عاقل، بالغ پر واجب ہے جبکہ وہ نصاب تام کا مالک ہو جائے اور اس پر ایک سال گزر جائے اور اس کا وجوب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے ہے "وَآتُوا الزَّكَاةَ" اور نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ تم اپنے اموال سے زکوٰۃ دو☆۔ اور اسی پر امت کا اجماع ہے۔☆ (ترمذی، ابن حبان، مستدرک)

اور واجب سے مراد فرض ہے کیونکہ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اور حریت کی شرط اس لئے ہے کہ ملکیت نصاب اسی کے ساتھ مکمل ہوتی ہے۔ عقل اور بلوغ کی دلیل ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اور اسلام کی شرط اس لئے ہے کہ زکوٰۃ عبادت ہے جو کسی کافر سے ثابت نہیں ہوتی۔ اور ملکیت نصاب کی مقدار ضروری ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اسی (نصاب) کو سبب قرار دیا ہے۔ اور سال کا گزرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس کا بڑھنا اتنی مدت میں متحقق ہوتا ہے۔ لہٰذا شریعت نے اس کو ایک سال کے ساتھ بیان کیا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کسی مال پر زکوٰۃ نہیں حتیٰ کہ اس پر سال گزر جائے۔ اور اس دلیل کی بناء پر بھی کہ بڑھنے کی طاقت (ایک سال) ہی دینے والا ہے۔ اس لئے کہ سال مختلف فصلوں کو شامل ہوتا ہے۔ اور عام طور پر ان فصلوں کی قیمتوں میں فرق ہوتا ہے۔ لہٰذا حکم کا دار و مدار بھی (سال) ہوگا۔

پھر (فقہاء) نے فرمایا: کہ اس کو فوری طور پر ادا کرنا واجب ہے۔ کیونکہ امر کے اطلاق کا تقاضہ یہی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ تاخیر سے واجب ہے۔ کیونکہ ساری عمر اس کی ادائیگی کا وقت ہے۔ لہٰذا غفلت کی صورت میں نصاب ہلاک ہونے کے بعد وہ ضامن نہ ہوگا۔ (ہدایہ اولین، کتاب زکوٰۃ، لاہور)

قرآن کے مطابق فرضیت زکوٰۃ کا بیان

(۱) وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (البقرہ، ۴۳)

اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

(۲) وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا (مریم، ۵۵)

اور اپنے گھر والوں کو (ف) نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا اور اپنے رب کو پسند تھا۔

(۳) اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (حج، ۴۱)

وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں قابو دیں۔ تو نماز برقائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور بھلائی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں

اور اللہ ہی کے لئے سب کاموں کا انجام ہے۔

(۴) وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ (النور، ۵۶)

اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اس امید پر کہ تم پر رحم ہو۔

(۵) اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ (نمل، ۳)

وہ جو نماز برپا رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فرضیت زکوٰۃ کا بیان

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال و زر دیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو قیامت کے دن اس کا مال و زر گنجے سانپ کی شکل میں تبدیل کیا جائے گا جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے پھر وہ سانپ اس شخص کے گلے میں بطور طوق ڈالا جائے گا اور وہ سانپ اس شخص کی دونوں باچھیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں تیرا مال ہوں، تیرا خزانہ ہوں اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی (وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ) (3۔آل عمران:180) وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں یہ گمان نہ کریں الی آخر الآیہ

(بخاری، کتاب الزکوٰۃ)

امام بخاری و مسلم علیہما الرحمہ اپنی اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو (امیر یا قاضی بنا کر) یمن بھیجا تو ان سے فرمایا کہ تم اہل کتاب میں سے ایک قوم (یہود و نصاریٰ) کے پاس جا رہے ہو لہٰذا (پہلے تو تم) انہیں اس بات کی گواہی دینے کی دعوت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اگر وہ دعوت کو قبول کر لیں تو پھر تم انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ اسے مان جائیں تو پھر اس کے بعد انہیں آگاہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے (یعنی ان لوگوں سے جو مالک نصاب ہوں) لی جائے گی اور ان کے فقراء کو دے دی جائے گی۔ اگر وہ اسے مان جائیں تم یہ یاد رکھنا کہ ان سے زکوٰۃ میں اچھا مال لینے سے پرہیز کرنا یعنی چھانٹ کر اچھا مال نہ لینا بلکہ ان کے مال کو تین حصوں میں تقسیم کرنا اچھا، برا، درمیانہ لہٰذا زکوٰۃ میں درمیانہ مال لینا نیز تم (زکوٰۃ لینے میں غیر قانونی سختی کر کے یا ان سے ایسی چیزوں کا مطالبہ کر کے جو ان پر واجب نہ ہوں اور یا انہیں زبان یا ہاتھ سے ایذاء پہنچا کر) ان کی بددعا نہ لینا کیونکہ مظلوم کی دعا اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس دعا کی قبولیت کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم، کتب الزکوٰۃ)

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا امانتداری کے ساتھ زکوٰۃ وصول کرنے والا اللہ کی راہ میں لڑنے والے کے برابر ہے۔ یہاں تک یہ لوٹ کر اپنے گھر آئے۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الزکوٰۃ)

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

وفات کے بعد جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گے اور عرب کے کچھ لوگوں نے اسلام سے روگردانی کی تو (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جنگ کرنے کا ارادہ کیا اس پر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ آپ ان لوگوں سے کیونکر جنگ کرتے ہیں جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک وہ یہ شہادت نہ دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں جس نے یہ شہادت دے دی اس نے مجھ سے اپنے جان و مال کو بچالیا الا یہ کہ اسلام کا حق اس کا خون چاہتا ہو اور اس کا حساب کتاب اللہ کے ذمہ ہوگا (یہ سن کر) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم میں ان لوگوں سے ضرور جنگ کروں گا جنہوں نے نماز اور زکوۃ کے درمیان تفریق کردی، حالانکہ زکوۃ مال کا حق ہے۔ بخدا اگر ان لوگوں نے مجھ سے اونٹ کی ایک رسی بھی جسے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے روکی تو میں ان سے جنگ کروں گا اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کے بعد جلد ہی مجھے محسوس ہوا کہ اللہ نے جنگ کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا ہے اور میں سمجھ گیا کہ وہ (اپنے فیصلہ میں) حق بجانب ہیں ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابوعبیدہ معمر المثنی نے کہا ہے کہ عقال ایک سال کا صدقہ ہے اور عقالان دو سال کا صدقہ۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو رباح بن زید نے بطریق معمر، زہری سے اس کی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے اس میں عقالاً ہے اور اس کو ابن وہب نے یونس سے روایت کرتے ہوئے عناقاً کہا ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ شعیب بن ابی حمزہ، معمر اور زبیدی نے زہری سے اس حدیث میں کہا ہے کہ اگر بکری کا ایک بچہ بھی نہ دیں گے (تب بھی میں ان سے جنگ کروں گا) اور عنبہ نے بواسطہ یونس زہری سے اس حدیث میں لفظ عناقاً ذکر کیا ہے۔ (سنن ابوداود، کتاب الزکوۃ)

تفاسیر قرآنی کے مطابق فرضیت زکوۃ کا بیان

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا۔ (النساء، ۷۷)

کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن سے کہا گیا اپنے ہاتھ روک لو۔ اور نماز قائم رکھو اور زکوۃ دو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا۔ تو اُن میں بعضے لوگوں سے ایسا ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرے یا اس سے بھی زائد۔ اور بولے اے رب ہمارے تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا تھوڑی مدت تک ہمیں اور جینے دیا ہوتا تم فرمادو کہ دنیا کا برتنا تھوڑا ہے۔ اور ڈر والوں کے لئے آخرت اچھی اور تم پر تاگے برابر ظلم نہ ہوگا۔ (کنزالایمان)

صدرالا فاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مشرکین مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو بہت ایذائیں دیتے تھے ہجرت سے قبل اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جماعت نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ہمیں کافروں سے لڑنے کی اجازت دیجئے انہوں نے ہمیں بہت ستایا ہے اور بہت ایذائیں دیتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ اُن کے ساتھ جنگ کرنے سے ہاتھ روکو، نماز اور زکوۃ جو تم پر فرض ہے وہ ادا کرتے رہو۔ فائدہ۔ اس سے ثابت ہوا کہ نماز و زکوۃ جہاد سے پہلے فرض ہوئیں۔

(خزائن العرفان، نساء ۷۷)

امام جصاص رحمہ اللہ ان تمام آیات واحادیث سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ مال میں فرض کیا گیا حق زکوٰۃ ہی ہے۔تمام مال خرچ کرنا فرض نہیں ہے۔اور یہ کہ کنز وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی جاتی۔

فرماتے ہیں کہ صحابہ میں حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمن بن عوف جیسے افراد بھی تھے جن پر فراخی ظاہراً نظر آتی تھی اور وہ بڑے مال ودولت والے تھے۔اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے حالات کا علم ہونے کے باوجود انہیں تمام مال نکالنے کا حکم نہ دیا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام کا تمام سونا چاندی خرچ کرنا فرض نہیں ہے۔اس میں سے فرض صرف زکوٰۃ ہے۔ہاں اگر ایسے حالات ہوں جن میں ایک دوسرے سے ہمدردی کرنا اور صدقہ خیرات کرنا لازم ٹھہرے جیسا کہ مجبور، بھوکے، لاچار، بے لباس اور ایسی میت پر صدقہ کرنا جس کے پاس کفن دفن کے لئے کچھ نہ ہو۔کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ بنت قیس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں۔اور یہ آیت تلاوت کی: لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (البقرة:177)

نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق ومغرب (کو قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر اور روز آخرت پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جب عہد کرلیں تو اس کو پورا کریں اور سختی اور تکلیف میں اور (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو (اللہ سے) ڈرنے والے ہیں۔(احکام القرآن، البقرہ،۱۷۷)

امام ابوبکر جصاص حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے پاس احد پہاڑی جتنا سونا ہوتا اور تین دن گزرنے کے بعد بھی اس میں سے کچھ میرے پاس رہ جائے۔الا یہ کہ مجھے صدقہ وصول کرنے والا ہی کوئی نہ ملے یا میں اسے اپنے قرض ادا کرنے تک رکھ لوں۔

اس حدیث کے بارے میں امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ اس میں یہ ذکر ہوا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کرنا اپنے لئے منتخب نہیں فرمایا بلکہ اسے خرچ کرنا پسند کیا۔مگر خرچ نہ کرنے والوں پر کوئی وعید ذکر نہیں کی۔

پھر حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت نقل کرتے ہیں کہ اہل صفہ میں سے ایک شخص فوت ہوئے تو ان کے پاس سے ایک دینار نکلا۔نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک داغ آگ کا۔

مذاہب اربعہ کے مطابق فرضیت زکوٰۃ کا بیان

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ اسلام کے پانچ ارکانوں میں سے ایک رکن ہے۔اور اس کی فرضیت قرآن وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔قرآن سے اس کا ثبوت یہ ہے کہ "تم زکوٰۃ ادا کرو" اور حدیث معاذ رضی اللہ عنہ

کہ تم اس وقت تک ان سے جہاد کرو حتیٰ کہ وہ زکوٰۃ ادا کریں۔ اور اسی پر تمام امت کا اجماع ہے کہ زکوٰۃ فرض ہے۔
(المغنی، ج ۲، ص ۴۳۳، بیروت)

علامہ شرف الدین نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ اسلام کے ارکین میں سے رکن اور اس کے فرائض میں سے فرض ہے۔ اس کی فرضیت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان "تم نماز قائم اور زکوٰۃ ادا کرو"۔ (البقرہ ۴۳) اور حدیث سے ثبوت اس طرح ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کر کہ اس میں کسی کو شریک نہ ٹھہرا اور تو نماز قائم کرے اور فرض زکوٰۃ ادا کرے۔ (الخ، بخاری) اس حدیث میں زکوٰۃ کے لئے فرضیت کا لفظ بھی ذکر کیا گیا ہے اور نماز کے عطف کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ فرض ہے اور اس کی فرضیت میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ (مجموع، ج ۵، ص ۲۸۹، بیروت)

علامہ شہاب الدین قرافی مالکی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ زکوٰۃ فرض ہے اس کا معنی یہ ہے مال کو پاک کرنا ہے۔ اور اس کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہے:

"خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

(التوبہ، ۱۰۳)

اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل کرو جس سے تم انھیں ستھرا اور پاکیزہ کر دو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بیشک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔ (ذخیرہ، ج ۵، ص ۳، بیروت)

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ کتاب اللہ سے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرض ہے۔ اور اس کی فرضیت پر امت کا اجماع ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اقدس سے لے کر آج کے دن تک اس کا کسی ایک نے بھی انکار نہیں کیا۔ فقہاء بہت سے مقامات پر وجوب کا لفظ فرض کے لئے استعمال کرتے ہیں اور اس کا حکم یہ ہوتا ہے کہ ان احکام کا ثبوت بہت سی احادیث سے ہوتا ہے۔ البتہ بعض احکام اخبار احاد سے بھی ثابت ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان دونوں الفاظ کا یعنی فرض اور واجب کا ایک دوسرے کے مقام پر مجازی طور بولا جاتا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۴۴، بیروت)

حولانِ حول کے معنی ومفہوم کا بیان

وجوب زکوٰۃ کے لیے ضروری ہے کہ مال پر سال گزر جائے، اسے فقہی اصطلاح میں حولانِ حول کہتے ہیں۔ شریعت کی رو سے جس دن کوئی بالغ مسلمان مرد یا عورت زندگی میں پہلی بار مندرجہ بالا تفصیل کے مطابق کم از کم نصاب کا مالک ہو جائے تو اسلامی کیلنڈر کی اسی تاریخ سے وہ صاحبِ نصاب قرار پاتا ہے۔ لیکن اس پر اسی دن سے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی تاوقتیکہ اس نصاب پر اس کی ملکیت میں پورا ایک قمری سال گزر جائے، سال کے اختتام پر اسی قمری تاریخ پر اسے زکوٰۃ دینی ہوگی۔ اور سال بھر کم نصاب کا ملکیت میں رہنا ضروری نہیں ہے بلکہ سال کی ابتدا اور انتہا پر اگر اس کے پاس نصاب کی مقدار مال ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: والشرط تمام النصاب فی طرفی الحول کما سیاتی، ترجمہ: اور تمام نصاب کا سال کی

ابتداء اورآخر میں (ملک میں ہونا) شرط ہے۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد:3،ص:173)

اور یہ امر پیش نظر رہے کہ سال بھر کے دوران صاحب نصاب کی ملکیت میں کم از کم نصاب کا رہنا ضروری ہے، ہر مال پر (خواہ وہ نقد رقم ہو یا سونا چاندی کی صورت میں ہو یا صنعت وتجارت کا مال ہو) سال گزرنا زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے شرط نہیں ہے، اگر مال کے ہر جز پر سال گزرنے کی شرط کو لازمی قرار دیا جائے تو تاجر حضرات کے لیے زکوٰۃ کا حساب نکالنا(Assessment) تقریباً ناممکن العمل ہوجائے، کیونکہ مال کی آمدوخرچ کا سلسلہ روز جاری رہتا ہے، بلکہ تنخواہ دارآدمی بھی ہر ماہ کی تنخواہ سے کچھ پس انداز کرتا ہے، لہٰذا مال کے ہر حصے کی مدت الگ ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا تشریح کی روشنی میں زکوٰۃ کی تشخیص کی مقررہ تاریخ سے چند دن قبل بھی اگر مال، صاحب نصاب کی ملکیت میں آجائے تو اسے پہلے سے موجودہ مال میں شامل کر کے کل مالیت پر زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔ نقد مال اور دراہم ودنانیر خرچ کے لیے بھی ہوں توان پر زکوٰۃ واجب ہے۔

علامہ علاؤالدین حصکفی لکھتے ہیں: (وثمنية المال كالدارهم والدنانير) لتعينهما للتجارة باصل الخلقة فتلزم الزكوة كيف امسكهما ولو للنفقة۔

اور مال کا ثمن ہونا جیسے دراہم ودنانیر کیونکہ یہ دونوں اپنی اصل تخلیق کے اعتبار سے تجارت کے لیے متعین ہیں، ان کو کیسے ہی اپنے پاس رکھا ہوا ہو، خواہ ذاتی خرچ کے لیے ہو۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد:3،ص:173)

نصاب کی اقسام کا بیان

نصاب کی دو قسمیں ہیں۔ نامی یعنی بڑھنے والا مال اور غیر نامی یعنی نہ بڑھنے والا مال پھر نامی کی دو قسمیں ہیں حقیقی اور تقدیری حقیقی کا اطلاق تو تجارت کے مال اور جانور پر ہوتا ہے کیونکہ تجارت کا مال نفع سے بڑھتا ہے اور جانور بچوں کی پیدائش سے بڑھتے ہیں۔ تقدیری کا اطلاق سونے چاندی پر ہوتا ہے کہ یہ چیزیں بظاہر تو نہیں بڑھتیں لیکن بڑھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں نصاب غیر نامی کا اطلاق مکانات اور خانہ داری کے ان اسباب پر ہوتا ہے جو ضرورت اصلیہ کے علاوہ ہوں۔

نصاب نامی اور غیر نامی میں فرق

نصاب نامی اور غیر نامی میں فرق یہ ہے کہ نصاب نامی کے مالک پر تو زکوٰۃ فرض ہوتی ہے نیز اس کے لیے دوسرے زکوٰۃ، نذر اور صدقات واجبہ کا مال لینا درست نہیں ہوتا اور اس کے لیے صدقہ فطر دینا اور قربانی کرنا واجب ہوتا ہے۔ نصاب غیر نامی کے مالک پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی مگر اس کے لیے بھی زکوٰۃ نذر اور صدقہ واجبہ کا مال لینا درست نہیں ہوتا نیز اس پر بھی صدقہ فطر دینا اور قربانی کرنا واجب ہوتا ہے۔

زکوٰۃ فرض ہونے کی شرائط درج ذیل ہیں

1۔ مسلمان ہونا: زکوٰۃ مسلمان پر فرض ہے، کافر اور مرتد پر نہیں۔ 2۔ بالغ ہونا: زکوٰۃ بالغ مسلمان پر فرض ہے، نابالغ زکوٰۃ کی فرضیت کے حکم سے مستثنیٰ ہے۔ 3۔ عاقل ہونا: زکوٰۃ عاقل مسلمان پر فرض ہے، دیوانے پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ 4۔ آزاد ہونا: زکوٰۃ آزاد و خود مختار پر فرض ہے، غلام پر نہیں۔ 5۔ مالک نصاب ہونا: شریعت کے مقرر کردہ نصاب سے کم مال کے مالک پر زکوٰۃ

فرض نہیں ہے۔ 6۔ مال کا صاحبِ نصاب کے تصرف میں ہونا: مال صاحبِ نصاب کے تصرف میں ہوتو تب ہی اس پر زکوٰۃ فرض ہے مثلاً کسی نے اپنا مال زمین میں دفن کر دیا اور جگہ بھول گیا اور پھر برسوں بعد وہ جگہ یاد آئی اور مال مل گیا، تو جب تک مال نہ ملا تھا اس زمانہ کی زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ وہ اس عرصہ میں نصاب کا مالک تو تھا مگر قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے پورے طور پر مالک نہ تھا۔

7۔ صاحبِ نصاب کا قرض سے فارغ ہونا: مثلاً کسی کے پاس مقررہ نصاب کے برابر مال تو ہے مگر وہ اتنے مال کا مقروض بھی ہے تو اس کا مال قرض سے فارغ نہیں ہے لہٰذا اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

8۔ نصاب کا حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہونا: حاجتِ اصلیہ سے مراد یہ ہے کہ آدمی کو زندگی بسر کرنے میں بعض بنیادی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے جیسے رہنے کے لئے مکان، پہننے کے لئے بلحاظ موسم کپڑے اور دیگر گھریلو اشیائے ضرورت جیسے برتن، وغیرہ۔ اگر چہ یہ سب سامان زکوٰۃ کے مقررہ نصاب سے زائد مالیت کا ہی ہو مگر اس پر زکوٰۃ نہیں ہوگی کیونکہ یہ سب مال و سامان حاجتِ اصلیہ میں آتا ہے۔

9۔ مالِ نامی ہونا: یعنی مال بڑھنے والا ہو خواہ حقیقتاً بڑھنے والا مال ہو جیسے مالِ تجارت اور چرائی پر چھوڑے ہوئے جانور یا حکماً بڑھنے والا مال ہو جیسے سونا چاندی۔ یہ ایسا مال ہے جس کی قیمت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اس کے بدلے دیگر اشیاء خریدی جاسکتی ہیں۔ لہٰذا سونا چاندی جس حال میں بھی ہو خواہ زیورات اور برتنوں کی شکل میں ہو یا زمین میں دفن ہو ہر حال میں یہ مالِ نامی یعنی بڑھنے والا مال ہے اور ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔

10۔ مالِ نصاب کی مدت: نصاب کا مال پورا ہوتے ہی زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی بلکہ ایک سال تک وہ نصاب ملک میں باقی رہے تو سال پورا ہونے کے بعد اس پر زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ (شرنبلالی، نورالایضاح، 146 سرخسی، المبسوط، 2: 172)

زکوٰۃ کو فوری طور پر ادا کرنے میں صاحبین کے اختلاف کا بیان:

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ امام کرخی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ جب زکوٰۃ ادا کرنا ممکن و آسان ہو تو تاخیر کرنے والا گناہگار ہوگا۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ جو شخص کسی عذر کے بغیر زکوٰۃ کو ادا کرنے میں تاخیر کرے گا اس کی گواہی قبول نہ کی جائے۔ اور حج کی تاخیر اور زکوٰۃ کی تاخیر میں فرق یہ کیا ہے کہ زکوٰۃ فقراء کا حق ہے جس کی وجہ سے تاخیر گناہ ہے جبکہ حج خالص اللہ کے لئے ہے۔

حضرت ہشام نے امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت کی ہے کہ زکوٰۃ میں تاخیر کرنے والا گناہگار نہ ہوگا بلکہ حج میں تاخیر کرنے والا گناہگار ہوگا۔ کیونکہ زکوٰۃ غیر مؤقت ہے جبکہ حج نماز کی طرح مؤقت ہے۔ کیونکہ وہ مستقبل میں فوت ہوسکتا ہے۔ اس مسئلہ کے دلائل اصول فقہ کی کتب میں ملاحظہ فرمائیں۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۵، ۴، بیروت)

فقہ شافعی کے مطابق غلام پر زکوٰۃ فرض نہ ہونے کا بیان

علامہ شرف الدین نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ غلام پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ اور اس میں غلام اور مکاتب دونوں شامل ہیں۔ کیونکہ وہ دونوں مالک کی ملکیت نہیں رکھتے اور ان کے مالک کی ملکیت ان کے مالک کو حاصل ہے لہٰذا وہ زکوٰۃ ادا کرے گا۔

اس بارے میں دو اقوال ہیں ایک قدیم قول ہے کہ وہ ملکیت نہیں رکھتا جبکہ جدید قول کے مطابق وہ ملکیت رکھنے والا ہے۔ البتہ قول قدیم کی دلیل یہ ہے اگر اس کی ملکیت تسلیم بھی کر لی جائے تو وہ ضعیف ہے۔ کیونکہ جس طرح اپنے اقارب (باپ وغیرہ) آزاد نہیں کرا سکتا اور اسی طرح اپنے اقارب کو نفقہ نہیں دے سکتا۔ لہٰذا یہ اس کی ملکیت کے ضعف کا بیان ہے۔ (مجموع، ج ۵، ص ۲۹۰، بیروت)

فقہ حنفی کے مطابق غلام پر زکوٰۃ فرض نہ ہونے کا بیان:

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف کا قول کہ آزاد پر زکوٰۃ فرض ہے اس میں مراد یہ ہے کہ مکاتب احتراز کیا جائے۔ کیونکہ وہ مال کی ملکیت نہیں رکھتا۔ اور اس کے مال کی ملکیت اس کا مالک رکھتا ہے اور مال اس کے ہاتھ میں نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس پر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔ اور اسی طرح مقروض کے مال سے احتراز ہے کیونکہ اس کی ملکیت ناقصہ ہے۔ البتہ مصنف نے ملک سے مراد ملکیت کاملہ کی قید بیان فرمائی ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۴۴، بیروت)

نابالغ کے مال سے زکوٰۃ دینے میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے (یعنی شعیب سے) اور وہ اپنے دادا (یعنی حضرت عبداللہ) سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد کرتے ہوئے فرمایا۔ خبردار! جو شخص کسی یتیم کا نگہبان ہو اور وہ یتیم بقدر نصاب مال کا مالک ہو تو اس نگہبان کو چاہئے کہ وہ اس مال سے تجارت کرے بغیر تجارت اس مال کو نہ رکھ چھوڑے کہ اسے زکوٰۃ ہی کھا جائے (یعنی زکوٰۃ دیتے ہوئے پورا مال ہی صاف ہو جائے) اس روایت کو ابوداؤد و ترمذی نے نقل کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ اس روایت کی اسناد میں کلام کیا گیا ہے کیونکہ روایت کے ایک راوی مثنیٰ بن صباح ضعیف ہیں۔

حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد رحمہم اللہ کا مسلک تو یہ ہے کہ نابالغ کے مال میں بھی زکوٰۃ فرض ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ نابالغ خواہ یتیم ہو۔ بہرصورت اس کے مال میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے کیونکہ ایک دوسری روایت میں یہ ارشاد گرامی ہے کہ تین اشخاص کو مکلف کرنے سے قلم روک لیا گیا (یعنی ان تینوں کو شریعت نے مکلف قرار نہیں دیا ہے) ایک تو سونے والا شخص جب تک کہ وہ جاگے نہیں۔ دوسرا نابالغ جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے اور تیسرا دیوانہ جب تک کہ اس کی دیوانگی ختم نہ ہو جائے۔ اس روایت کو ابوداؤد و نسائی اور حاکم نے نقل کیا ہے نیز حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ سے سوال کیا گیا کہ بچوں اور مجانین کے مال سے زکوٰۃ ہوگی یا نہیں تو آپ نے فرمایا ہاں ان کے مال سے بھی زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ (المدونہ الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۴۹، بیروت)

یتیم کے مال سے زکوٰۃ سے متعلق فقہی مذاہب کا بیان

عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ خطبہ میں فرمایا جو کسی مالدار یتیم کا والی ہو تو اسے چاہئے کہ اس مال سے تجارت کرتا رہے اور یوں ہی نہ چھوڑ دے ایسا نہ ہو کہ زکوٰۃ دیتے دیتے اس کا مال ختم ہو جائے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث اسی سند سے مروی ہے اور اس کی اسناد میں کلام ہے اس لئے کہ مثنیٰ بن

صباح ضعیف ہیں بعض راوی یہ حدیث عمرہ بن شعیب سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب نے خطبہ پڑھا الخ اور پھر یہ حدیث بیان کرتے ہیں اہل علم کا اس بارے میں اختلاف ہے کئی صحابہ کرام کے نزدیک یتیم کے مال پر زکوۃ ہے ان صحابہ کرام میں حضرت عمر علی، عائشہ اور ابن عمر شامل ہیں۔

امام شافعی احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے اہل علم کی ایک جماعت کے نزدیک یتیم کے مال میں زکوۃ نہیں سفیان ثوری اور عبداللہ بن مبارک کا بھی یہی قول ہے عمرو بن شعیب عمر بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عاصی ہیں شعیب نے اپنے دادا عبداللہ بن عمرو سے احادیث سنی ہیں یحییٰ بن سعید نے عمرو بن شعیب کی حدیث میں کلام کیا ہے اور فرمایا وہ ہمارے نزدیک ضعیف ہیں جس نے بھی انہیں ضعیف کہا ہے اس کے نزدیک ضعف کی وجہ یہ ہے کہ عمرو بن شعیب اپنے دادا عبداللہ بن عمرو کے صحیفہ سے روایت کرتے ہیں لیکن اکثر علماء محدثین عمرو بن شعیب کی حدیث کو حجت تسلیم کرتے ہیں جن میں احمد اور اسحاق بھی شامل ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 624)

بچے کے مال سے زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ کا بیان

علامہ علی بن سلطان حنفی ملا علی قاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مصنف کی یہ قید بیان کرنا کہ زکوٰۃ آزاد پر فرض ہے اس سے مدبر، ام ولد اور مکاتب سے احتراز ہے۔ اور مکلف کی قید سے یہ بیان کیا ہے کہ بچے اور مجنون پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

حضرت امام مالک وامام شافعی اور امام احمد علیہم الرحمہ نے کہا ہے کہ ان دونوں پر زکوٰۃ لازم ہے کیونکہ جس طرح ان پر بیوی پر نفقہ، فطرانہ اور عشر وغیرہ واجب ہیں اسی طرح زکوٰۃ بھی لازم ہے۔

امام ترمذی علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ اور دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے خطاب فرمایا کہ تم میں جو یتیم کا ولی ہو تو اس میں بقیہ کھانے کے لئے جاری کرے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے صغیر کے مال سے وجوب سے قول بیان کیا ہے۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے موطا میں حضرت عبدالرحمن بن قاسم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور میری خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ولایت میں یتیم تھے تو وہ ہمارے مالوں سے زکوٰۃ نکالا کرتیں تھیں۔

فقہاء احناف کی دلیل اس مسئلہ میں یہ ہے۔

ولنا ما روى أبو داؤد، والنسائي، وابن ماجه، والحاكم وقال: على شرط مسلم، أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قال: رُفِعَ القلمُ عن ثلاثة: عن النائمِ حتى يستيقظَ، وعن الصبيِّ حتى يَحْتَلِمَ، وعن المجنونِ حتى يَعْقِلَ۔

اس سے ہمارا استدلال یہ ہے کہ سونے والے جاگنے تک اور بچے کے بالغ ہونے تک اور مجنون کے عقل مند ہونے تک ان سے احکام شرعیہ کا تکلف اٹھالیا گیا ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ میں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے

فرمایا: یتیم کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے۔
امام بیہقی علیہ الرحمہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: جس یتیم کے مال کا ولی ہوتو اسے چاہیے کہ اس میں سالوں کا حصہ رکھے اور جب وہ بالغ ہو جائے تو وہ اس کو اطلاع کرے کہ اس پر اتنی مقدار میں زکوٰۃ ہے اگر وہ چاہے تو ادا کرے اور نہ چاہے تو ترک کرے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح روایت کی گئی ہے۔
ائمہ ثلاثہ کی استدلال کردہ روایت کا جواب یہ ہے کہ پہلے نمبر پر جو حدیث بیان ہوئی ہے حضرت امام احمد حنبل کے نزدیک اس کی سند صحیح نہیں ہے اور امام ترمذی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ اور دوسری دلیل میں انہوں نے حضرت عمر وعلی رضی اللہ عنہما کا قول پیش کیا ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے معارض ہے۔ اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول صحیح اور ترجیح یافتہ قرار پائے گا کیونکہ زکوٰۃ کی شرائط میں نیت ضروری ہے اور بچے اور مجنون کی نیت ثابت نہ ہوگی۔ اور ولی کی نیت اس لئے معتبر نہ ہوگی کیونکہ عبادات واجبہ میں غیر کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ (قاعدہ فقہیہ)
(شرح الوقایہ، ج ا، ص ۳۶۰، مکتبہ مشکوٰۃ الاسلامیہ)

عبادات واجبہ میں غیر کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جاتا قاعدہ فقہیہ

اس قاعدے کی وضاحت یہ ہے کہ وہ عبادات جن کی شرعی حیثیت واجب ہے ان میں غیر کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اور اس فقہی قاعدے کی مثالیں مشہور ہیں۔ جس طرح کسی شخص پر روزہ واجب ہے جس طرح نذر کا روزہ ہے تو وہ کسی دوسرے شخص کی نیت پورا نہ ہوگا۔ اسی طرح کسی شخص پر دو رکعت نماز واجب ہے تو وہ کسی دوسرے شخص کے نیت کرنے سے ادا نہ ہوگی۔ اسی طرح زکوٰۃ کے مسائل میں سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہے کہ اگر کسی دوسرے شخص نے زکوٰۃ اپنے مال سے اس طرح ادا کی کہ وہ اس میں نیت دوسرے کی زکوٰۃ کی ادائیگی کی کرے یا دوسرا شخص اپنا مال خرچ کرتے ہوئے اس کی نیت کرے تو اس طرح زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

مکاتب پر عدم زکوٰۃ کے بیان مذاہب اربعہ کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ مکاتب پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ کیونکہ اپنی قوت بازو کا تو مالک ہے لیکن وہ اپنی گردن یعنی آزادی کا مالک نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی گردن کا مالک اس کا مالک ہے۔ اور رقبہ یعنی عدم آزادی کا معدوم ہونا یہ آزادی کے منافی ہے۔ اور یہی زکوٰۃ کے وجوب کا بھی منافی ہے۔ اور اسی طرح ہر وہ غلام جو کلی طور پر آزادی کی ملکیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اس کی ملکیت ناقص ہے۔ اور یہی وجوب زکوٰۃ کو مانع ہے۔
علامہ ابن منذر نے کہا ہے۔ کہ اہل علم نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ مکاتب پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ وہ آزاد ہو جائے۔ اور یہ قول حضرت جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کا ہے اور حضرت عطاء اور حضرت مسروق رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے اسی طرح حضرت امام شافعی، ثوری، امام مالک، امام احمد بن حنبل علیہم الرحمہ کا قول بھی یہی ہے۔ جبکہ ابوثور، ابوعبید اور ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۴، ص ۱۵، حقانیہ ملتان)

قرض والے پر زکوٰۃ سے متعلق فقہی بیان

اور جس شخص کا قرض کسی دوسرے آدمی پر ہے پس اس نے قرض کے کئی سالوں کا انکار کر دیا۔ اور اس پر دلیل قائم ہوئی تو وہ شخص گزرے دنوں کی زکوٰۃ ادا نہ کرے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے گواہ ہو گئے یعنی مدیوں نے لوگوں کے سامنے قرض کا اقرار کر لیا۔ اور یہ مسئلہ مال ضمار کا ہے۔ مال ضمار میں امام زفر علیہ الرحمہ اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے۔ اور مال ضمار ان اموال میں سے ہے جو مفقود ہو گیا اور وہ غلام جو بھاگ گیا ہے اور وہ جانور و غلام جو بھٹک کر گم ہو گئے ہیں۔ اور اسی طرح وہ مال جو کسی نے غصب کر لیا ہو۔ اس شرط کے ساتھ کہ غاصب پر گواہ نہ ہوں۔ اور وہ مال جو سمندر میں گر گیا ہو اور وہ مال جس کو جنگل میں دفن کیا ہو۔ اور پھر وہ اس کی جگہ بھول گیا ہو۔ اور وہ مال جس کو بادشاہ نے مالک سے الگ کر دیا ہو۔ البتہ بھاگے ہوئے غلام، گم شدہ غلام اور غصب کئے ہوئے غلام کی طرف سے فطرانہ واجب ہونا اسی اختلاف کی بنیاد پر ہے۔ امام شافعی اور امام زفر علیہما الرحمہ کے نزدیک صدقہ فطر کا سبب ثابت ہے۔ اور قبضے کا فوت ہونا وجوب فطرانہ میں خلل انداز نہیں۔ جس طرح مسافر کا مال ہے۔ جبکہ ہماری دلیل حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔ مال ضمار میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور اس دلیل کی وجہ سے بھی کہ زکوٰۃ کا سبب وہ مال ہے جو نامی ہو اور نمو صرف تصرف کی قدرت سے ثابت ہوتی ہے۔ اور مال ضمار پر تصرف کی قدرت نہیں ہے۔ جبکہ مسافر کو اپنے نائب کے واسطے سے تصرف کی قدرت حاصل ہے۔ اور وہ مال جس کو کمرے میں دفن کیا وہ نصاب زکوٰۃ ہے۔ کیونکہ اسے حاصل کرنا آسان ہے۔ اور جو مال زمین یا باغ میں کیا گیا ہے تو اس کے بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

اور اگر قرض کسی مقر قرض دار پر ہو چاہے وہ مال دار ہو یا تنگ دست ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ کیونکہ وہ ابتدائی طور پر یا کسی بھی وصولی ذریعے سے قرض وصول کر سکتا ہے۔

اور اگر قرض کسی ایسے شخص پر ہو جو انکار کرنے والا ہے۔ اور اس پر گواہ موجود ہوں یا قاضی کو اس قرض کا علم ہو تو اسی دلیل کی بنیاد پر جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور اگر قرض کسی ایسے شخص مقر پر ہو جو غریب ہو تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ بھی زکوٰۃ نصاب ہوگا۔ اس لئے کہ قاضی کو اس شخص کو مفلس قرار دینا صحیح نہیں۔ جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک ایسے شخص کے قرض پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ قاضی کے مفلس کرنے سے امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک افلاس ثابت ہو جاتا ہے۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ ثبوت افلاس میں امام محمد علیہ الرحمہ کے ساتھ ہیں۔ اور وجوب زکوٰۃ میں امام اعظم علیہ الرحمہ ہیں۔ کیونکہ اس میں فقراء کی رعایت ہے۔

(ہدایہ اولین، کتاب زکوٰۃ، لاہور)

قرض کی وجہ سے سقوط زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قرض جب کسی شخص کے سارے نصاب یا اس کے نصاب میں بعض کو گھیرے ہوئے ہو تو اس جس قدر قرض مال کو گھیرے ہوئے ہے اس مقدار کے مطابق اس سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

حضرت امام احمد علیہ الرحمہ سے ایک روایت یہ ہے کہ قرض کی وجہ سے ظاہری اموال سے بھی زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے۔ فقہاء

شوافع میں سے حضرت علامہ نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔
اس مسئلہ شوافع کے تین اقوال ہیں۔(۱) مقروض پر علی الاطلاق زکوٰۃ واجب ہے۔(۲) اس زکوٰۃ بالکل واجب نہیں ہے۔
(۳) باطنی مالوں یعنی نقد رقم، سونا، چاندی اور تجارت کے مالوں میں نہیں ہے۔ جبکہ ظاہری مالوں جس طرح گھاس کھانے والے مویشی ہیں اور زرعی پیداوار ہے۔ ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔ فقہاء احناف کے نزدیک جس شخص کا قرض تمام مال کو گھیرنے والا ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (المغنی، ج ۳، ص ۵۰ ۳، شرح المہذب ج ۶، ص ۳۵۰، ہدایہ، بیروت)

مال زکوٰۃ کے لئے کامل ملکیت ہونے کا بیان

ابھی پہلے زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط بیان کرتے ہوئے یہ شرط بھی بیان کی گئی تھی کہ مال میں اس کی ملکیت پوری طرح اور کامل ہو۔ لہٰذا اس کامل ملکیت سے مراد یہ ہے کہ مال کا اصل مالک بھی ہو اور وہ مال اس کے قبضہ وقدرت میں بھی ہو جو مالک ملک اور قبضہ میں نہ ہو یا ملک میں ہو قبضے میں نہ ہو یا قبضہ میں ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ لہٰذا مکاتب کے کمائے ہوئے مال میں زکوٰۃ نہیں نہ خود مکاتب پر نہ اس کے مولیٰ پر اس لیے کہ وہ مال مکاتب کی ملکیت میں نہیں گو اس کے قبضہ میں ہے اسی طرح مولی کے قبضہ میں نہیں ہے گو ملک میں ہے۔

اسی طرح ضمار میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی کیونکہ وہ مال ملکیت میں تو ہوتا ہے مگر قبضہ میں نہیں ہوتا۔ مال ضمار اس کو کہتے ہیں جو اپنی رسائی سے باہر ہو اس کی کئی قسمیں ہوتی ہیں (۱) وہ مال جو جاتا رہے یعنی گم ہو جائے (۲) وہ مال جو جنگل میں دفن کر دیا گیا ہو مگر وہ جگہ کہ جہاں اسے دفن کیا گیا تھا بھول جائے (۳) وہ مال جو دریا میں غرق ہو گیا، (۴) وہ مال جسے کوئی شخص زبردستی چھین لے مگر اس کا کوئی گواہ نہ ہو (۵) وہ مال جو کسی ظالم نے ڈنڈے کے زور پر لے لیا۔(۶) وہ مال جو کسی نے بطور قرض لیا اور بعد میں قرضدار قرض کا منکر ہو گیا اور کوئی تمسک یا گواہی اس کی نہ ہو۔

مال ضمار میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے

علامہ محمد امین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ اس میں اصل علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ مال ضمار پر زکوٰۃ نہیں، مال ضمار وہ کہ ملکیت ہونے کے باوجود اس سے انتفاع ممکن نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم) درمختار، کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی)

پس مال ضمار کی یہ دو قسمیں ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی مال ہاتھ لگ جائے تو اس مال میں پچھلے دنوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی ہاں اگر وہ مال ہاتھ لگ جائے جو جنگل میں نہ ہو بلکہ گھر میں دفن کر کے اس کی جگہ بھول گیا تھا تو جب بھی وہ مال نکلے گا اس میں پچھلے دنوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اسی طرح قرض کے اس مال میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی جس سے قرض دار انکار نہ کرتا ہو خواہ وہ قرضدار تونگر ہو یا مفلس اور یا اگر انکار کرتا ہو تو کوئی تمسک یا گواہی ہو یا خود قاضی یہ جانتا ہو کہ اس نے اتنا مال قرض لیا تھا لیکن اس مال میں زکوٰۃ اس تفصیل کے ساتھ واجب ہوگی کہ۔

(۱) اگر وہ قرض مال تجارت کے بدلہ میں ہو تو جب نصاب کا پانچواں حصہ وصول ہو جائے تو پچھلے دنوں کی زکوٰۃ ادا کرے

(۲) اگر وہ قرض مال تجارت کے بدلہ میں نہ ہو مثلاً گھر کے پہننے کے کپڑے فروخت کیے یا خدمت کا غلام فروخت کیا یا رہائش کا

مکان فروخت کیا اور ان کی قیمت خریدنے والے کے ذمہ قرض رہی تو اس میں پچھلے دنوں کی زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی جب کہ بقدر نصاب وصول ہو جائے۔

(۳) اگر قرض اس چیز کے بدلہ میں ہو جو مال نہیں ہے جیسے مہر، وصیت اور بدل خلع وغیرہ تو اس میں زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی جب کہ بقدر نصاب وصول ہو جائے اور اس پر پورا ایک سال گزر جائے یعنی اس میں پچھلے دنوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی بلکہ صرف اسی سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی جس میں وہ مال پر قابض رہا لیکن یہ حکم اسی شخص کے بارے میں ہے جو پہلے سے صاحب نصاب نہ ہو اگر پہلے سے صاحب نصاب ہوگا تو یہ مال اس کے حق میں بمنزلہ مال مستفاد کے ہوگا، پہلے مال کے ساتھ اس مال کی بھی زکوٰۃ واجب ہوگی اور ایک سال کا گزرنا شرط نہیں ہوگا۔

مال ضمار کی زکوٰۃ میں فقہی مذاہب کا بیان

علامہ علی بن سلطان ملا علی قاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت امام حسن بصری اور حضرت امام مالک کے نزدیک مال ضمار میں زکوٰۃ اس سال کی ہوگی جس سال وہ ان کے پاس آیا ہے۔

حضرت امام شافعی اور امام زفر علیہما الرحمہ کے نزدیک سابقہ سالوں کی زکوٰۃ بھی واجب ہوگی۔ کیونکہ وجوب زکوٰۃ ملکیت کی وجہ سے ہے ملکیت بالید اگرچہ حاصل نہ ہو۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ابن سبیل (مسافر) پر زکوٰۃ لازم ہے۔ کہ جب وہ اپنے مال تک پہنچے گا تو وہ اس کی زکوٰۃ ادا کرے گا اور اسی طرح مغصوب کی زکوٰۃ کا مسئلہ ہے۔ حالانکہ ملکیت بالید اس سے بھی معدوم ہے۔

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ علامہ ابن جوزی نے آثار الانصاف میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے کہ مال ضمار میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ نے اسی کو اپنایا ہے۔ اور یہ دلیل بیان کی ہے کہ حکم زکوٰۃ مال میں نماء کے پیش نظر ہے جو مال ضمار کی صورت میں معدوم ہے اور رہی بات ابن سبیل کی تو اس کو نماء کی صورت حاصل ہے۔ لہٰذا اس کا مال بالید ملکیت کی طرح ہوا۔ (شرح الوقایہ، ج ۱، ص ۳۶۳، مشکوٰۃ الاسلامیہ)

پانچ سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ واجب نہ ہونے کا بیان

1558 - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلٰى مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ، عَنْ اَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ، يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ فِيمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُوْنَ خَمْسِ اَوَاقٍ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ صَدَقَةٌ

❀❀ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''پانچ سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی۔ پانچ اوقیہ سے کم (چاندی میں) زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی اور پانچ وسق سے کم (اناج) میں زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی''۔

شرح

عمرو بن یحیی، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عبدالعزیز کی عمرو بن یحییٰ سے مروی حدیث کے مثل اور یہ انہیں سے کئی سندوں سے مروی ہے اسی پر اہل علم کا عمل ہے کہ پانچ اوسق سے کم غلے وغیرہ پر زکوۃ نہیں اور ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور پانچ اوسق تین سو صاع ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع پانچ اور ایک تہائی رطل کا ہے اور اہل کوفہ کا صاع آٹھ رطل کا ہے اور پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوۃ نہیں اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور پانچ اوقیہ دو سو درہم ہوئے اور پانچ اونٹوں سے کم پر زکوۃ نہیں ہے پھر جب پچیس اونٹ ہو جائیں تو ایک سال کی اونٹنی اور اگر اس سے کم ہوں ہر پانچ پر ایک بکری زکوۃ ادا کرنا ہوگی۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 610)

راوی حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ

نام ونسب

سعد نام، ابوسعید کنیت خاندان خدرہ سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے سعد بن مالک بن سنان بن عبید بن ثعلبہ بن الجبر (خدرہ) ابن عوف بن حارث بن خزرج والدہ کا نام انیسہ بنت ابی حارثہ تھا، وہ قبیلہ عدی بن نجار سے تھیں۔ دادا (سنان) شہید کے لقب سے مشہور اور رئیس محلہ تھے چاہ بصہ کے قریب اجرد نام قلعہ ان کی ملکیت تھا، اسلام سے پیشتر قضا کی۔

باپ نے ہجرت سے چند سال قبل عدی بن نجار میں ایک بیوہ سے نکاح کیا تھا جو پہلے عمان اوہی کی زوجیت میں تھیں، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ انہی کے بطن سے تولد ہوئے یہ ہجرت سے ایک برس پیشتر کا واقعہ ہے۔

اسلام

مدینہ میں تبلیغ اسلام کا سلسلہ بیعت عقبہ سے جاری تھا، خود انصار داعی اسلام بن کر توحید کا پیغام اپنے قبیلوں کو پہنچاتے تھے۔ مالک بن سنان نے اسی زمانہ میں اسلام قبول کیا، شوہر کے ساتھ بیوی بھی اسلام لائیں، اس لئے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے مسلمان ماں باپ کے دامن میں تربیت پائی۔

غزوات اور دیگر حالات

ہجرت کے پہلے برس مسجد نبوی کی تعمیر شروع ہوئی حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے اس نیک کاموں میں شرکت کی (مسند احمد بن حنبل: ۵/۳) غزوہ احد میں باپ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں گئے اس وقت ۱۳ برس کا سن تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر سے پاؤں تک دیکھا کمسن خیال کر کے واپس کیا، مالک نے ہاتھ پکڑ کر دکھایا کہ ہاتھ تو پورے مرد کے ہیں تاہم آپ نے اجازت نہ دی۔

اس معرکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک زخمی ہوا تو مالک نے بڑھ کر خون پونچھا اور ادب کے خیال سے زمین پر پھینکنے کے بجائے پی گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کسی شخص کو ایسے شخص کے دیکھنے کی خواہش ہو جس کا خون میرے خون سے آمیز

ہوا ہوتو مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کو دیکھے اس کے بعد نہایت جانبازانہ لڑکر شہادت حاصل کی۔

باپ نے کوئی جائداد نہیں چھوڑی تھی، ان کی شہادت سے بیٹے پر کوہ الم ٹوٹ پڑا، فاقہ کشی کی نوبت آگئی، پیٹ پر پتھر باندھا، ماں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ، آج انہوں نے فلاں شخص کو دیا ہے تم کو بھی کچھ دیں گے، پوچھا گھر میں ہے، وہاں کیا دھرا تھا، اس لئے خدمت اقدس میں پہنچے اس وقت آپ خطبہ دے رہے تھے کہ جو شخص ایسی حالت میں صبر کرے خدا اس کو غنی کردے گا، یہ سن کر دل میں کہا میری یاقوتہ (اونٹنی کا نام تھا) موجود ہے پھر مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ سوچ کر چلے آئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو کچھ نکلا تھا پورا ہوکر رہا، رازق عالم نے باب رزق کھول دیا، یہاں تک کہ تمام انصار سے دولت وثروت میں بڑھ گئے۔

احد کے بعد مصطلق کا غزوہ پیش آیا، اس میں شریک ہوئے اس کے بعد غزوۂ خندق ہوا، اس وقت وہ پندرہ سال کے تھے، عمر کی طرح ایمان کا بھی شباب تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میدان میں دادشجاعت دی۔

صفر ۸ھ میں عبداللہ بن غالب لیثی لشکر لے کر فدک روانہ ہوئے یہ بھی ساتھ تھے عبداللہ نے تمام لشکر کو تاکید کی کہ خبردار متفرق نہ ہونا اور اس مصلحت کے لئے برادری قائم کرنے کی ضرورت ہوئی حویصہ جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے ان کے بھائی بنائے گئے برادری کا نتیجہ عمدہ صورت میں نمودار ہوا۔ (طبقات ابن سعد، صفحہ:۹۱، حصہ مغازی)

ربیع الثانی ۹ھ میں علقمہ بن مجزز ایک سریہ کے ساتھ بھیجے گئے یہ بھی فوج میں تھے عبداللہ بن حذافہ نے اسی غزوہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو آگ میں کودنے کا حکم دیا تھا، لیکن دراصل ان کا یہ منشا نہ تھا، وہ نہایت خوش مزاج آدمی تھے طبیعت مذاق کی عادی تھی لوگوں نے اس کو صحیح سمجھ کر کودنا چاہا تو خود روکا کہ میں تم سے مذاق کررہا تھا۔ (مسند:/ ۶۷، وابن سعد)

اسی سلسلہ میں ایک سریہ جس میں ۳۰ آدمی شامل تھے اور دارقطنی کی روایت کے بموجب ابوسعید رضی اللہ عنہ اس کے امیر تھے کسی مقام کی طرف روانہ ہوا، ایک جگہ پڑاؤ تھا، قریب کے گاؤں والوں سے کہلا بھیجا کہ ہم تمہارے مہمان ہیں، انہوں نے ضیافت کرنے سے انکار کیا، اتفاق سے سردار قبیلہ کو بچھو نے ڈنک مارا، لوگوں نے بہت علاج کیا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا، بعض نے مشورہ دیا کہ صحابہ کے پاس جاؤ ان کو شاید کچھ علاج معلوم ہو؛ چنانچہ وہ لوگ آئے اور واقعہ بیان کیا، بعض روایتوں میں تصریح ہے کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں جھاڑ سکتا ہوں لیکن ۳۰ بکری اجرت ہوگی انہوں نے منظور کرلیا، آپ نے جاکر سورہ الحمد پڑھی، اور زخم پر تھوک دیا، وہ شخص بالکل اچھا ہوگیا اور بے تکلف چلنے پھرنے لگا اور ان لوگوں نے بکریاں لے کر مدینہ کا رخ کیا، سب کو تردد تھا کہ ان کا لینا جائز ہے کہ نہیں، آخر یہ رائے ٹھہری کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا جائے آپ نے پورا واقعہ سن کر تبسم کیا اور فرمایا تم کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ رقیہ کا کام دیتی ہے؟ پھر کہا تم نے ٹھیک کیا، اس کو تقسیم کرلو اور میرا بھی حصہ لگانا۔

(بخاری:۱/ ۲۵۱)

ان غزوات کے علاوہ حدیبیہ، خیبر، فتح مکہ، حنین، تبوک اور طاؤس میں بھی ان کی شرکت کا پتہ چلتا ہے، لیکن چونکہ ان میں ان کا کوئی قابل ذکر کام نہیں ہے، صحیح بخاری کی روایت کے مطابق عہد نبوت کے ۱۲ غزوات میں ان کو شرف شرکت حاصل تھا۔

عہد نبوت کے بعد مدینہ ہی میں قیام رہا، عہد فاروقی وعثمانی میں فتویٰ دیتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جنگ نہروان پیش آئی اس میں نہایت جوش سے حصہ لیا، (مسند: ۳/۵۶) فرماتے تھے کہ ترکوں کی بہ نسبت خوارج سے لڑنا زیادہ ضروری جانتا ہوں (مسند: ۳۳) یزید کے مطالبہ بیعت کے وقت جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے مدینہ چھوڑنے کا ارادہ فرمایا تو اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بھی یہ خیرخواہانہ مشورہ دیا تھا کہ آپ یہیں تشریف رکھیں، (تاریخ الخلفاء، سیوطی) مگر حضرت امام حسین علیہ السلام نے نہ مانا۔

۶۱ھ میں یزید کی بداعمالیوں کی وجہ سے اہل حجاز نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں پر جو رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی کے بیٹے تھے، بیعت کی، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بھی ان میں تھے۔

۶۳ھ میں اہالیان حرم رسول اللہ ﷺ نے علانیہ یزید سے فسخ بیعت کر کے حضرت عبداللہ ابن حنظلہ الغسیل انصاری کے ہاتھ پر بیعت کی، لشکر شام سے مقابلہ پیش آیا، جس میں اہل مدینہ کو ہزیمت ہوئی؟ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نہایت جانبازی سے لڑکر مارے گئے اس وقت عجیب تشویش اور اضطراب کا عالم تھا، مدینہ کا گلی کوچہ خون سے لالہ زار تھا مکان لوٹے جارہے تھے، عورتیں بے ناموس کی جارہی تھیں اور وہ مقام جس کو رسول اللہ ﷺ نے مکہ کی طرح حرام کیا تھا، اہل شام کے ہاتھوں قتل وغارت گری کا مرکز بنا ہوا تھا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ بے حرمتی دیکھی نہیں جاتی تھی اس لئے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ پہاڑ کے ایک کھوہ میں چلے گئے تھے، لیکن یہاں بھی پناہ نہ تھی، ایک شامی بلائے بے درماں کی طرح پہنچ گیا اور اندر اتر کر تلوار اٹھائی انہوں نے بھی دھمکانے کی خاطر تلوار کھینچ لی وہ آگے بڑھا، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ خدری نے یہ دیکھ کر تلوار رکھدی اور یہ آیت پڑھی: "لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ (مائدہ: ۲۸)" (اگر تم مجھے مارنے کو ہاتھ بڑھاؤ گے تو میں تمہارے مارنے کو تیار نہ ہوں گا، کیوں کہ میں خدائے رب العالمین کا خوف کرتا ہوں) شامی یہ سن کر پیچھے ہٹا اور کہا خدا کے لئے بتایئے آپ کون ہیں، فرمایا ابوسعید خدری، بولا، رسول اللہ ﷺ کے صحابی، کہا ہاں یہ سن کر غار سے نکل کر چلا گیا۔ (اصابہ: ۳/۸۵، وطبری: ۴۱۸، حالات ۶۳ھ)

غار سے مکان آئے تو یہاں عام داروگیر تھی، شامی ابن دبجہ کے پاس پکڑ لے گئے اس نے یزید کی خلافت پر بیعت لی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو معلوم تھا انہوں نے جا کر کہا میں نے سنا ہے آپ نے دو امیروں کی بیعت کی ہے؟ فرمایا: ہاں پیشتر ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے کی تھی پھر شامی پکڑ لے گئے اور یزید کی بیعت کی، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا اسی کا مجھے خوف تھا، کہا بھائی؟ کیا کرتا؟ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ انسان کے شب وروز کسی امیر کی بیعت میں گذرنے چاہئیں، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا لیکن میں دو امیروں کی بیعت پسند نہیں کرتا۔

وفات

۷۴ھ میں جمعہ کے دن وفات پائی، بقیع میں دفن کئے گئے، اس وقت بہت مسن تھے، ہاتھوں میں رعشہ تھا، لوگوں نے عمر کا

تخمینہ ۷۴ سال کیا ہے؛ لیکن علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ ۸۶ برس کی عمر تھی اور یہی صحیح ہے۔ (مسند: ۳/۸۶)

اولاد

دو بیویاں تھیں، ایک کا نام زینب بنت کعب بن عجزہ تھا جو بعض کے نزدیک صحابیہ تھیں دوسری اُمّ عبداللہ بنت عبداللہ مشہور تھیں اور قبیلہ اوس کے خاندان معاویہ سے تھیں اولاد کے نام یہ ہیں عبدالرحمن، حمزہ، سعید۔

حلیہ

حلیہ یہ تھا، مونچھیں باریک کٹی ہوئی، داڑھی میں زرد خضاب۔

علم وفضل

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اپنے عہد کے سب سے بڑے فقیہ تھے (اصابہ، جلد ۳، تذکرہ ابوسعید خدری) قرآن مجید ایک قاری سے پڑھا تھا، انصار کے کئی حلقہ درس قائم تھے جن میں علمائے انصار درس دیتے تھے، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی طالب علمی کا ابتدائی زمانہ تھا، لوگوں کے پاس بدن کے کپڑے تک نہ تھے، ایک دوسرے کی آڑ میں چھپ چھپ کر بیٹھتے تھے ایک روز رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اس وقت قاری قرأت کررہا تھا آپ کو دیکھ کر خاموش ہوگیا آپ سب کے پاس بیٹھ گئے اور اشارہ کیا کہ لوگ دائرہ کی شکل میں بیٹھیں؛ چنانچہ سب حلقہ باندھ کر بیٹھ گئے، اس تمام جماعت میں صرف حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ پہچانتے تھے۔ (مسند: ۳/۶۳)

حدیث وفقہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے سیکھی تھی خلفائے اربعہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایتیں کیں۔ کثرت سے حدیثیں یاد تھیں، ان کی مرویات کی تعداد ۱۱۷۰ ہے ان صحابہ اور ممتاز تابعین کے نام نامی جنہوں نے ان سے سماع حدیث کیا تھا یہ ہیں:

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، انس بن مالک رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابن زبیر رضی اللہ عنہ، جابر رضی اللہ عنہ، ابوقتادہ رضی اللہ عنہ، محمود بن لبیہ رضی اللہ عنہ، ابوالطفیل رضی اللہ عنہ، ابوامامہ رضی اللہ عنہ بن سہل، سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ، طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ، عطاء، مجاہد، ابوعثمان، نہدی، عبید بن عمیر، عیاض بن ابی سرح، بشر بن سعید، ابونضرہ، سعید بن سیرین عبداللہ بن محریز، ابوالمتوکل ناجی وغیرہم۔

آپ کا حلقہ درس آدمیوں سے ہر وقت معمور رہتا تھا، جو لوگ کوئی خاص سوال کرنا چاہتے تو بہت دیر سے موقع ملتا۔ (مسند: ۳/۳۵)

اوقات درس کے علاوہ بھی اگر کوئی شخص کچھ دریافت کرنا چاہتا تو جواب سے مشرف فرماتے ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹے علی اور غلام عکرمہ کو بھیجا کہ ابوسعید رضی اللہ عنہ سے حدیث سن کر آؤ، اس وقت وہ باغ میں تھے، ان لوگوں کو دیکھ کر ان کے پاس آکر بیٹھے اور حدیث بھی بیان کی۔ (مسند: ۳/۹۰، ۹۱)

روایت حدیث کے ساتھ سماع کی نوعیت بھی ظاہر فرمادیتے تھے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کسی سے ایک حدیث سنی تھی، وہ ابوسعید رضی اللہ عنہ سے راوی تھا، ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کو لے کر ان کے پاس گئے اور پوچھا اس شخص نے فلاں حدیث آپ سے سنی ہے کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث سنی تھی؟ فرمایا بصر عینی وسمع اذنی یعنی میری آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا۔ (مسند: ۳/۹۰،۹۱)

ایک راوی قزعہ کو ایک حدیث بہت پسند آئی، انہوں نے بڑھ کر پوچھا کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کو سنا تھا، اس سوال پر حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا فرمایا تو کیا میں بے سنے بیان کر رہا ہوں، ہاں میں نے سنا تھا۔

جس حدیث کے الفاظ پر اعتماد نہ ہوتا اس کے بیان میں احتیاط کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک حدیث، روایت کی، لیکن رسول اللہ ﷺ کا نام نہیں لیا، ایک شخص نے پوچھا یہ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے؟ فرمایا میں بھی جانتا ہوں۔ (مسند: ۲۹)

اخلاق وعادات

نہایت حق گو تھے، فرمایا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حق گوئی کی تاکید کرتے سنا تھا، لیکن کاش نہ سنا ہوتا، (مسند: ۵) ایک مرتبہ اس حدیث کا جس میں حق گوئی کی تاکید تھی، ذکر چھیڑا تو رو کر کہا کہ حدیث تو ضرور سنی، لیکن عمل بالکل نہ ہوسکا۔ (مسند: ۶۱)

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں بہت سی نئی باتیں پیدا ہوگئی تھیں، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سفر کر کے ان کے پاس گئے اور تمام خرابیاں گوش گذار کیں۔ (مسند: ۸۴)

ایک مرتبہ انہی سے انصار کے متعلق گفتگو آئی تو کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو تکلیفوں پر صبر کرنے کا حکم دیا، امیر نے کہا تو صبر کیجئے۔

ایک مرتبہ مروان سے فضیلت صحابہ رضی اللہ عنہم کی حدیث بیان کی وہ بولا کیا جھوٹ بکتے ہو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بھی اس کے تخت پر بیٹھے تھے، ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا ان سے پوچھو، لیکن یہ کیوں بتائیں گے ایک کو صدقہ کی افسری سے معزولی ہونے کا خوف ہوگا دوسرے کو ڈر ہوگا کہ جنبش لب سے ریاست قوم چھنتی ہے، یہ سن کر مروان نے مارنے کو درہ اٹھایا، اس وقت دونوں بزرگوں نے ان کی تصدیق کی۔

اسی طرح مروان نے عید کے دن منبر نکلوایا اور نماز سے قبل خطبہ پڑھا ایک شخص نے اٹھ کر ٹوکا کہ دونوں باتیں خلاف سنت ہیں، بولا کہ اگلا طریقہ متروک ہو چکا ہے، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا چاہے کچھ ہو مگر اس نے اپنا فرض ادا کر دیا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جو شخص امر منکر دیکھے تو اس کو ہاتھ سے دفع کرنا چاہیے اگر اس پر قدرت نہ ہو تو زبان سے اور یہ بھی نہیں تو کم از کم دل سے ضرور برا سمجھے۔ (مسند: ۳/۱۰)

امر بالمعروف کے ولولہ کا یہ حال تھا کہ یہی مروان ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا تھا کہ ایک جنازہ سامنے سے گذرا، اس میں ابوسعید رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے دیکھا تو دونوں جنازہ کے لئے نہیں اٹھے، فرمایا: اے امیر! جنازہ کے لئے اٹھ کیونکہ رسول اللہ ﷺ اٹھا کرتے تھے یہ سن کر مروان کھڑا ہو گیا۔ (مسند: ۳/۱۰)

جب مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما مدینہ کے حاکم مقرر ہوئے تو عید الفطر میں دریافت فرمایا کہ نماز اور خطبہ میں آنحضرت ﷺ کا عمل کیا تھا، فرمایا خطبہ سے قبل نماز پڑھاتے تھے؛ چنانچہ مصعب رضی اللہ عنہ نے اس دن اسی قول پر عمل کیا۔

(مسند:۳/۴۷،۹۷)

ایک مرتبہ شہر بن حوشب کو سفر طور کا خیال دامن گیر ہوا، وہ ملاقات کو آئے، ابوسعید رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا تین مسجدوں کے علاوہ اور کسی مقدس مقام کے لئے شد رحال کی ممانعت ہے۔ (مسند:۹۳)

ابن ابی صعصہ ازنی کو جنگل پسند تھا ان کو ہدایت کی کہ وہاں زور سے اذان دیا کریں کہ تمام جنگل نعرہ تکبیر سے گونج اٹھے۔

نہی عن المنکر کی یہ کیفیت تھی کہ ان کی بہن متواتر بغیر کچھ کھائے پیے روزے رکھتی تھیں، آنحضرت ﷺ نے ایسے روزوں کی ممانعت فرمائی ہے، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ ان کو ہمیشہ منع کرتے تھے۔

سنت کے پورے متبع تھے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مسجد میں نماز پڑھایا کرتے تھے وہ ایک مرتبہ بیمار ہو گئے یا کسی سبب سے نہ آسکے تو ابوسعید رضی اللہ عنہ خدری نے امامت کی ان کے طریقہ نماز سے لوگوں نے اختلاف کیا، انہوں نے منبر کے پاس کھڑے ہو کر کہا میں نے جس طرح رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے اس طرح پڑھائی باقی تمہارے طریقہ کی مخالفت تو اس کی مجھے بالکل پرواہ نہیں۔

مزاج میں بردباری اور تحمل تھا، ایک مرتبہ پاؤں میں درد ہوا پیر پر پیر رکھے لیٹے تھے کہ آپ کے بھائی نے آکر اسی پاؤں پر ہاتھ مارا جس سے درد بڑھ گیا، انہوں نے نہایت نرم لہجہ میں کہا تم نے مجھے تکلیف پہنچائی، جانتے تھے کہ درد ہے جواب ملا ہاں لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس طرح لیٹنے سے ممانعت فرمائی ہے۔

مگر ناحق باتوں پر غصہ بھی آجاتا تھا، ایک مرتبہ حج پر جارہے تھے ایک درخت کے نیچے قیام ہوا، ابن صیاد بھی جس کے دجال ہونے میں خود آنحضرت ﷺ کو شبہ تھا اسی درخت کے نیچے ٹھہرا تھا، ان کو برا معلوم ہوا، لیکن خاموش رہے، اس نے خود اپنی مظلومیت کی داستان سنائی ان کو رحم آگیا؛ مگر جب اس نے ایک خلاف واقعہ دعویٰ کیا تو بگڑ کر فرمایا: تبا لک سائر الیوم۔

سادگی اور بے تکلفی فطرت ثانیہ تھی، ایک جنازہ میں بلائے گئے سب سے اخیر میں پہنچے لوگ بیٹھ چکے تھے ان کو دیکھ کر اٹھے اور جگہ خالی کردی، فرمایا یہ مناسب نہیں انسان کو کشادہ جگہ میں بیٹھنا چاہیے چنانچہ سب سے الگ کھلی جگہ پر جا کر بیٹھے۔

ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے یارانہ تھا، ایک مرتبہ انہوں نے آواز دی یہ چادر اوڑھے نکل آئے، ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا ذرا باغ تک چلیے، آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں؛ چنانچہ یہ ساتھ ہولیے۔ (مسند:۳/۶۰) اس واقعہ میں یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ تابعی اور وہ صحابی ہیں اس کے ماسوا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو شرف تلمذ بھی حاصل ہے۔

یتیموں کی پرورش کرتے تھے، لیث اور سلیمان بن عمرو بن عبد العتواری انہیں کے تربیت یافتہ تھے۔ (مسند:۳/۶۰)

ہاتھ میں چھڑی لیتے تھے، پتلی چھڑیاں زیادہ پسند تھیں، کھجور کی شاخیں لاتے اور ان کو سیدھا کر کے چھڑی بناتے، یہ بھی رسول اللہ ﷺ کا اتباع تھا۔ (مسند:۳/۶۰)

اونٹوں کے نصاب میں بکری کو بطور زکوٰۃ کیوں دیا جاتا ہے:

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ زکوٰۃ میں اصل یہ ہے کہ ہر قسم کی زکوٰۃ اس قسم سے دی جاتی ہے۔ اور اونٹوں کی زکوٰۃ میں ایک بکری یا بکریوں کو بطور زکوٰۃ دینا واجب ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ خلاف قیاس بھی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس خلاف نص ہے۔ لہٰذا نص کے ہوتے ہوئے کسی قسم کے قیاس کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ (اگر فقہ حنفی محض قیاس یا قرآن وسنت کے خلاف ہوتی تو اس کے مطابق اونٹوں کی زکوٰۃ میں بکری کبھی واجب نہ ہوتی۔ فقہ حنفی سمجھ نہ آنے والوں کو غور کرنا چاہیے)۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۱۷۱، بیروت)

پانچ اونٹوں سے کم میں عدم وجوب زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ:

فقہاء احناف کے نزدیک پانچ اونٹوں سے کم میں کوئی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ یہی قول حضرت علی، حضرت ابوسعید خدری، شعبی، طاؤس، شہر بن حوشب، عمر بن عبدالعزیز، حکم بن عینیہ اور سلمان بن موسیٰ دمشقی کا ہے۔

حضرت امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام حسن کا قول بھی یہی ہے کہ پانچ سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

(البنایہ شرح الہدایہ، ۴، ص ۱۴۱، حقانیہ ملتان)

سال کے اکثر سائمہ ہونے میں وجوب زکوٰۃ میں فقہی مذاہب

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ سال کے اکثر حصے میں چرنے والے اونٹ پر زکوٰۃ ہے۔ اس مسئلہ میں ہمارا مذہب اور حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا مذہب ایک ہی ہے جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب تک وہ تمام سال کا سائمہ نہیں ہے اس پر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ سائمہ ہونا شرط ہے اور یہ اسی طرح شرط ہے جس ملک نصاب کے لئے سال کی شرط ہے۔ کیونکہ سائمہ ہونے کی صورت میں چارہ ساقط ہو جاتا ہے لیکن جب وہ چارہ کھائے گا تو اس سے حکم سائم ہونا ساقط ہو جائے گا جس کی بنیاد پر زکوٰۃ اس پر فرض ہوئی تھی۔

ہماری دلیل نص کا عموم ہے۔ اور ماشیت کا نصب ہے اور سوم کے نام کے جہاں اطلاق کا تعلق ہے تو سوم چارہ کو ساقط کرنے والا نہیں ہے اور نہ چارہ سوم کو ساقط کرنے والا ہے بلکہ چارہ تو سوم کی مدد کرنے والا ہے یعنی کچھ تو وہ چرنے سے پیٹ بھر کر آیا ہے اور کچھ چارے سے پیٹ بھر لے گا۔ لہٰذا امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل کے مطابق چارہ سوم کو ساقط کرنے والے کا حکم صحیح نہیں ہے بلکہ احناف وحنابلہ کا موقف صحیح ہے۔ (المغنی، ج ۲، ص ۴۳۵، بیروت)

پانچ اوقیہ چاندی پر زکوٰۃ ہونے کا بیان

اواق اوقیہ کی جمع ہے ایک اوقیہ چالیس درہم یعنی ساڑھے دس تولہ (122.47 گرام) کے برابر ہوتا ہے اس طرح پانچ اوقیہ دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ تقریباً 216,1/2 گرام کے برابر ہوئے جو چاندی کا نصاب زکوٰۃ ہے اس مقدار سے کم چاندی میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے گویا جو شخص دوسو درہم کا مالک ہوگا وہ بطور زکوٰۃ پانچ درہم ادا کرے گا۔

یہ تو درہم کا نصاب تھا چاندی اگر سکہ کے علاوہ کسی دوسری صورت میں ہو مثلاً چاندی کے زیورات و برتن ہوں یا چاندی کے سکے ہوں تو اس کو بھی اسی پر قیاس کی جائے اور اسی طرح اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔

وسق اور صاع سے متعلق حکم کا بیان

ایک وسق آٹھ صاع کے برابر، ایک صاع آٹھ رطل کے برابر اور ایک رطل چونتیس تولہ ڈیڑھ ماشہ کے برابر ہوتا ہے حساب سے پانچ وسق انگریزی اسی طولی کے سیر کے حساب پچیس من ساڑھے بارے سیر (نو کوئنٹل چوالیس کلوگرام) کے برابر ہوتے ہیں گویا پچیس من 12.1/2 سیر یا اس سے زائد کھجوروں میں دسواں حصہ زکوٰۃ کے طور پر نکالا جائے گا اس مقدار سے کم اگر کھجوریں پیدا ہوں تو اس حدیث کے بموجب اس میں زکوٰۃ کے طور پر دسواں حصہ واجب نہیں ہوگا چنانچہ حضرت امام شافعی اور حنفیہ میں سے حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک زمین کی پیداوار میں کوئی نصاب مقرر نہیں ہے جس قدر بھی پیداوار ہو اس کا دسوں حصہ زکوٰۃ میں نکالنا واجب ہے مثلاً اگر دس سیر پیداوار ہو تو اس میں سے ایک سیر زکوٰۃ کے طور پر نکالا جائے اور اگر دس ہی چھٹانک پیدا ہو تو اس سے بھی ایک چھٹانک نکالا جائے زمین کی دوسری پیداوار مثلاً گیہوں جو چنا وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔

زمین کی پیداوار کے عشر کے بارے میں حنفیہ کا فتویٰ امام اعظم ہی کے قول پر ہے۔ یہ حدیث چونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ کے مسلک کے بظاہر خلاف معلوم ہوتی ہے اس لیے ان کی طرف سے اس حدیث کی توجیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حدیث میں کھجور سے مراد وہ کھجوریں ہیں جو تجارت کے لیے ہوں کیونکہ اس وقت عام طور پر کھجوروں کی خرید و فروخت وسق کے حساب سے ہوتی تھی اور ایک وسق کھجور کی قیمت چالیس درہم ہوتی تھی اس حساب سے پانچ وسق کی قیمت دوسو درہم ہوئے جو مال تجارت میں زکوٰۃ کے لیے متعین نصاب ہے۔

ایک درہم تین تین ماشہ ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی کے برابر ہوتا ہے اس طرح دوسو میں چھ سوتیس ماشہ یعنی ساڑھے باون تولہ تقریباً ساڑھے دوسو سولہ گرام چاندی ہوئی۔ لہٰذا دوسو درہم کی زکوٰۃ کی چالیسویں حصہ کے مطابق پانچ درہم ہوئے جو پندرہ ماشہ چھ رتی یعنی ایک تولہ میں ماشہ چھ رتی کے برابر ہوتے ہیں۔ اسی طرح درہم کے علاوہ چاندی کے زیورات یا برتن وغیرہ کی صورت میں ساڑھے باون تولہ یعنی ساڑھے دوسو سولہ گرام ہو تو اس کی زکوٰۃ کے طور پر چالیسواں حصہ ایک تولہ تین ماشہ چھ رتی یعنی ساڑھے پندرہ گرام چاندی یا اتنی ہی چاندی کی قیمت زکوٰۃ کے طور پر ادا کی جائے گی۔

اور اگر چاندی سکے کی شکل میں ہو اور ایک سکہ بارے ماشہ اور قیمت کے اعتبار سے ایک روپیہ کا ہو تو اس حساب سے ساڑھے باون تولہ چاندی کے ساڑھے باون روپے ہوئے لہٰذا ان کی زکوٰۃ کے طور پر اسی چاندی کے روپے کے حساب سے یعنی وہی بارے ماشہ والا ایک روپیہ پانچ آنے واجب ہوں گے اور اگر سکہ ساڑھے گیارہ ماشہ اور قیمت کے اعتبار سے ایک روپیہ کا ہو تو اس حساب سے ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت چون روپے بارہ آنے چھ صحیح چھ بٹا تیس پائی کے برابر ہوگی جس پر زکوٰۃ واجب ہوگی لہٰذا اس میں سے اس چاندی کے روپے کے حساب سے یعنی وہی ساڑھے گیارہ ماشہ والا ایک روپیہ پانچ آنے دس پائی اور بتیس بٹا تیس

پائی بطور زکوٰۃ نکالنا ہوگا۔ مذکورہ بالا تفصیل کو حسب ذیل جدول سے سمجھئے۔

تعداد درہم	تعین زکوٰۃ	وزن چاندی	تعین زکوٰۃ
۲۰۰ درہم	۵ درہم	ساڑھے ۵۲ تولہ	ایک تولہ تین ماشہ چھ رتی
سکہ بارہ ماشہ والا		زکوٰۃ	
سکہ ساڑھے گیارہ ماشہ والا		قیمتی۔۔قابل اصلاح	

نصاب کا یہ سارا حساب سمجھنے کے لیے لکھا گیا ہے۔ اگر نصاب سے زیادہ روپے ہوں تو اس کا سیدھا حساب یہ ہے کہ ڈھائی روپیہ فی سیکڑا یعنی ہر سو روپیہ میں ڈھائی روپے کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

اگرچہ حدیث میں سونے کا نصاب ذکر نہیں کیا گیا لیکن اس کے بارے میں بھی جانتے چلئے کہ سونے کا نصاب بیس مثقال یعنی ساڑھے ساتھ تولہ تقریباً ساڑھے ستائس گرام ہے اس سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اگر اس مقدار میں یا اس سے زائد مقدار میں سونا ہو تو موجودہ مقدار کا چالیسواں حصہ یا اس حصہ کی قیمت زکوٰۃ کے طور پر ادا کی جائے گی۔

اگر سونا اور چاندی دونوں مجموعی اعتبار سے بقدر نصاب ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی مثلاً کسی شخص کے پاس سوا چھبیس تولہ چاندی ہو اور اسی کے ساتھ سوا چھبیس تولہ چاندی کی قیمت کے بقدر سونا بھی ہو تو وہ شخص صاحب نصاب کہلائے گا اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس سوا چھبیس تولہ چاندی کی قیمت کے بقدر تجارت کا مال ہو اور اسی کے ساتھ سوا چھبیس تولہ چاندی کی قیمت کے بقدر نقد روپیہ ہو تو وہ بھی صاحب نصاب کہلائے گا اور اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

سونا اور چاندی کسی بھی شکل وصورت میں ہوں خواہ وہ گنی اور ڈلی کی صورت میں ہوں یا پترے ہوں خواہ زیورات کی شکل میں ہوں یا برتنوں کی صورت میں ہوں بہر صورت ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ گوٹہ کناری اور کمخواب وغیرہ میں جو چاندی ہوتی ہے اس کی مقدار کا بھی اندازہ کرایا جائے اگر وہ مقدار نصاب کو پہنچے تو اس کی زکوٰۃ بھی ادا کی جائے موتی، مونگا، یاقوت اور دوسرے جواہرات میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی خواہ لاکھوں روپیہ کی قیمت ہی کے کیوں نہ موجود ہوں ہاں اگر جواہرات تجارت کے مقصد سے ہوں گے تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

1559 - حَدَّثَنَا اَيُّوبُ بْنُ مُحَمَّدٍ الرَّقِّيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ، حَدَّثَنَا اِدْرِيسُ بْنُ يَزِيدَ الْاَوْدِيُّ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ الْجَمَلِيِّ، عَنْ اَبِي الْبَخْتَرِيِّ الطَّائِيِّ، عَنْ اَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، يَرْفَعُهُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ زَكَاةٌ، وَالْوَسْقُ: سِتُّونَ مَخْتُومًا.

قَالَ اَبُو دَاوُدَ: اَبُو الْبَخْتَرِيِّ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ اَبِي سَعِيدٍ،

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مرفوع حدیث کے طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''پانچ وسق سے کم (اناج) میں زکوٰۃ نہیں ہوتی''۔

راوی بیان کرتے ہیں: ایک وسق سات مختوم (صاع) کا ہوتا ہے۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ابوبختری نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے (احادیث کا) سماع نہیں کیا ہے۔

شرح

عبداللہ ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صدقہ فطر ایک صاع غلہ ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع خشک انگور یا ایک صاع پنیر سے دیا کرتے تھے پھر ہم اسی طرح صدقہ فطر ادا کرتے رہے یہاں تک کہ امیر معاویہ مدینہ آئے اور انہوں نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا میرے خیال میں گیہوں کے دو شامی مد ایک صاع کھجور کے برابر ہیں راوی کہتے ہیں لوگوں نے اس پر عمل شروع کر دیا لیکن میں اسی طرح دیتا رہا جس طرح پہلے دیا کرتا تھا امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر بعض اہل علم کا عمل ہے کہ ہر چیز سے ایک صاع صدقہ فطر ادا کیا جائے امام شافعی احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے بعض صحابہ وغیرہ کا کہنا ہے کہ ہر چیز کا ایک صاع لیکن گیہوں کا نصف صاع ہی ہوگا سفیان ثوری ابن مبارک اور اہل کوفہ کے نزدیک گیہوں کا نصف صاع صدقہ فطر میں دیا جائے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 655)

اناج اور پھل کی زکوٰۃ کا بیان

زکوٰۃ بعض فصلوں پر واجب ہے جنہیں رکھا یا ذخیرہ کیا جا سکتا ہے۔ اناج میں جو اور گیہوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔ پھل میں کھجور (تازہ اور خشک) اور کشمش پر زکوٰۃ ادا کرنا چاہیے۔ البتہ، اس میں وہ اناج اور پھل شامل نہیں ہیں جو اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو کھلانے کے لئے استعمال کرتا ہو۔ یہ حکم کسان پر لاگو ہوتا ہے جو فصل کاٹتا ہے اور پھل اور اناج بیچتا ہے جو وہ اپنے یا اپنے گھر کے استعمال کے لئے نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "... جس دن اسے کاٹو اس کا حق ادا کرو..." (الانعام:۱۴۱)

سالم بن عبداللہ بن عمر نے اپنے والد سے بیان کیا کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ زمین جسے آسمان (بارش کا پانی) یا چشمہ سیراب کرتا ہے۔ یا وہ خود بخود نمی سے سیراب ہو جاتی ہو تو اس کی پیداوار سے دسواں حصہ لیا جائے اور وہ زمین جسے کنویں سے پانی کھینچ کر سیراب کیا جاتا ہو تو اس کی پیداوار سے بیسواں حصہ لیا جائے۔" (صحیح بخاری جلد ۲، ۱۴۸۳)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔" (صحیح بخاری جلد ۲، ۱۴۸۴) (ایک وسق ۶۰ صاع ہے اور پانچ وسق تقریباً ۶۱۸ کلوگرام ہے)

دولت جس پر زکوٰۃ کی ضرورت نہیں ہے۔ کھجور، کشمش، گیہوں اور جو کے علاوہ پھل، سبزیاں اور اناج دیگر پیداوار پر زکوٰۃ کی ضرورت کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چار چیزوں کو چھوڑ کر کسی پر زکوٰۃ وصول نہیں کیا۔ لیکن اس میں سے کچھ حصہ غریب اور پڑوس کو دینے کی ترجیح کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اے ایمان والو! اپنی کمائی میں سے ستھری چیزیں خرچ کرو اور اس چیز میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہے..." (البقرۃ:۲۶۷)

1560 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قُدَامَةَ بْنِ اَعْيَنَ. حَدَّثَنَا جَرِيرٌ. عَنِ الْمُغِيرَةِ. عَنْ اِبْرَاهِيمَ. قَالَ: الْوَسْقُ: سِتُّونَ صَاعًا مَخْتُومًا بِالْحَجَّاجِيِّ

⊛⊛ابراہیم نخعی فرماتے ہیں: ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔جن پر حجاجی مہر لگی ہوئی ہو۔

راوی حدیث ابراہیمؒ بن یزید النخعی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب

ابراہیم نام، ابوعمران کنیت، نسب نامہ یہ ہے، ابراہیم بن یزید بن اسود بن عمرو بن حارثہ ابن سعد بن مالک بن نخع نخعی، نخع قبیلہ مذحج کی ایک شاخ تھا اور کوفہ میں آباد تھا۔

فضل وکمال

فضل وکمال کے لحاظ سے ابراہیم نخعی کوفہ کے ممتاز ترین تابعین میں تھے ان کا گھرانا علم وعمل کا گہوارہ تھا، ان کے چچا علقمہ اور ماموں اسود دونوں کوفہ کے ممتاز محدثین میں تھے، ابراہیم نے انہی کے دامن میں پرورش پائی، علقمہ کا حلقہ درس اتنا وسیع تھا کہ محمد بن سیرین جیسے اکابر اس میں شریک ہوتے تھے، ابراہیم بھی اسی حلقہ کے فیض یافتہ تھے۔(ابن سعد:۶/ ۱۹)

اس کے علاوہ علقمہ اور اسود کے سلسلہ سے ابراہیم کو اس عہد کی بڑی بڑی ممتاز ہستیوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا تھا؛ چنانچہ بچپن میں وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آتے جاتے تھے، ابومعشر کا بیان ہے کہ ابراہیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواج (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کے پاس آتے جاتے تھے، ایوب نے اعتراض کیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ بچپن میں بلوغ کے پہلے اپنے چچا اور ماموں علقمہ اور اسود کے ساتھ حج کو جاتے تھے اور ان لوگوں کو اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عقیدت ورادت اور اُن کی مجلسوں میں ان صاحبوں کی آمد ورفت تھی۔ (تہذیب التہذیب الاسمارق اول:۱/ ۱۰۴) گو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابراہیم کا سماع ثابت نہیں ہے، لیکن ان کی جیسی برگزیدہ ہستیوں کی مجلس میں شریک ہوجانا ہی حصولِ برکت وسعادت کے لیے کافی تھا۔

ان بزرگوں کے فیضِ صحبت نے ابراہیم کا دامن دولتِ علم سے مالا مال کردیا تھا اور وہ اپنے عہد کے ممتاز ترین علماء میں شمار ہوتے تھے، امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق جلالت اور فقہی کمال پر سب کا اتفاق ہے، ابوزرعہ نخعی کہتے ہیں کہ وہ اعلام اہل اسلام میں ایک علم تھے (تہذیب الاسماء، ق۱:۱/ ۱۰۴) ان کو حدیث وفقہ دونوں علوم میں بڑی دست گاہ حاصل تھی۔

حدیث

حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے، حافظ ذہبی ان کو دوسرے طبقہ کے حفاظ میں شمار کرتے ہیں، حدیث میں انہوں نے اپنے دونوں ماموں اسود اور عبدالرحمن بن یزید اور مسروق علقمہ، ابومعمر، ہمام، ابن حارث، قاضی شریح اور سہم بن منجاب وغیرہ سے استفادہ کیا تھا اور اعمش، منصور، ابن عون، زبید الیمامی، حماد بن سلیمان اور مغیرہ بن مقسم ضبی وغیرہ ان کے زمرہ تلامذہ میں تھے۔(تہذیب التہذیب:۱/ ۱۷۷)

حدیث میں ان کے معلومات اس قدر وسیع تھے کہ اعمش کا بیان ہے کہ میں نے جب کبھی ابراہیم کے سامنے کوئی حدیث بیان

کی تو انہوں نے اس حدیث کے بارہ میں میری معلومات میں اور اضافہ کر دیا (ابن سعد: ۶/ ۱۸۹) ابن معین ان کی مرسل حدیثوں کو امام شعبی کی مرسل روایات سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب: ۱/ ۱۷۷)

روایت بالمعنی

روایت حدیث میں الفاظ کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے اور بالمعنی روایت کافی سمجھتے تھے۔ (ابن سعد: ۶/ ۱۹)

انتساب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں احتیاط

لیکن اسی کے ساتھ وہ روایت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منسوب کرنے میں بڑے محتاط تھے اور مرفوع روایات کے حفظ کے باوجود انہیں روایت نہ کرتے تھے، ابو ہاشم کا بیان ہے کہ میں نے ابراہیم سے پوچھا، آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث نہیں پہنچی ہے، جس کو آپ ہم سے بیان کریں، جواب دیا کیوں نہیں، لیکن عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ رضی اللہ عنہ، علقمہ اور اسود سے روایت کرنا اپنے لیے زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے۔ (ایضا)

فقہ

ابراہیم کا خاص فن فقہ تھا، اس فن کے وہ امام تھے، اُن کے فقہی کمال پر سب کا اتفاق ہے۔ (تہذیب الاسماء، ق ۱: ۱/ ۱۰۴)

حافظ ذہبی انہیں فقیہ عراق اور امام نووی فقیہ کوفہ لکھتے ہیں، امام شعبی نے ان کی وفات کے وقت کہا کہ ابراہیم نے اپنے بعد اپنے سے بڑا عالم اور اپنے سے بڑا فقیہ نہیں چھوڑا، لوگوں نے کہا حسن بصری اور ابن سیرین بھی نہیں، شعبی نے جواب دیا نہ صرف حسن بصری اور ابن سیرین؛ بلکہ اہل بصرہ کوفہ، حجاز اور شام میں کوئی بھی نہیں۔ (تہذیب الاسماء، ق ۱: ۱/ ۱۰۲)

بڑے بڑے علماء فقہی مسائل کے سائلین کو ان کے پاس بھیج دیتے تھے، سعید بن جبیر کے پاس جب کوئی فتویٰ پوچھنے کے لیے آتا تو اس سے کہتے ابراہیم کی موجودگی میں مجھ سے پوچھتے ہو (ابن سعد: ۶/ ۱۸۹) ابووائل کے پاس جب کوئی مستفتی جاتا تو اس کو ابراہیم کے پاس بھیج دیتے اور اس سے کہہ دیتے کہ وہ جو جواب دیں مجھے بتانا۔ (ایضا: ۱۹)

اظہار علم سے احتراز

ان کمالات کے باوجود وہ علم کا اظہار کرنا اچھا نہ سمجھتے تھے؛ چنانچہ بغیر سوال کیے ہوئے کبھی خود سے کوئی علمی تذکرہ نہ کرتے تھے (تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۶۴) اور سوالات سے بھی گھبراتے تھے زبید کا بیان ہے کہ جب کبھی میں نے ابراہیم سے کسی چیز کے متعلق کچھ پوچھا تو ان میں ناگواری کے آثار نظر آئے۔ (طبقات ابن سعد: ۶/ ۱۸۹)

ذمہ داری کا احساس اور احتیاط

اس کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ وہ علم کی بڑائی ذمہ داری محسوس کرتے تھے؛ چنانچہ فرماتے تھے کہ ایک زمانہ وہ تھا جب لوگ قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے ڈرتے تھے اور اب یہ زمانہ ہے کہ جس کا دل چاہتا ہے مفسر بن بیٹھا ہے، مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میں علم کے متعلق ایک کلمہ بھی منہ سے نہ نکالوں، جس زمانہ میں فقیہ ہو وہ بہت ہی بُرا زمانہ ہے (طبقات کبریٰ امام شعرانی: ۱/ ۳۶) میں نے ایسے

لوگوں کو بھی دیکھا ہے کہ جب وہ مجمعوں میں ہوتے تھے تو اپنی بہترین احادیث بھی نہ بیان کرتے تھے۔

اس ذمہ داری اور احتیاط کی وجہ سے مسائل کے جوابات میں بڑے محتاط تھے، اعمش کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ابراہیم سے کہا کہ میں چند مسائل آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں، فرمایا میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ میں کسی شے کے متعلق کہوں کہ وہ اس طرح ہے اور وہ اس کے خلاف ہو۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ وہ شہرت اور ریاء کو سخت ناپسند کرتے تھے؛ چنانچہ فرماتے تھے کہ جو شخص علم کا ایک کلمہ بھی اس نیت سے منہ سے نکالتا ہے کہ اس سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے تو وہ اس کے وسیلہ سے سیدھا جہنم میں گرتا ہے، نہ کہ جس کی شروع سے آخر تک یہی نیت ہو۔ (طبقات کبری امام شعرانی:۱/۳۶)

استفادہ کے مخصوص اوقات

لیکن اس احتیاط کے باوجود انہوں نے اپنی ذات سے استفادہ کا دروازہ بند نہیں کر دیا تھا، وہ مسائل بتاتے تھے اور اس کے لیے خاص اوقات مقرر تھے جن میں ہر شخص مسائل پوچھ سکتا تھا اور آپ اس کے جواب دیتے تھے، حسن بن عبید اللہ کا بیان ہے کہ میں نے ابراہیم سے کہا کہ آپ ہم لوگوں سے حدیث نہ بیان کریں گے، جواب دیا کیا تم چاہتے ہو کہ میں فلاں شخص کی طرح ہو جاؤں، اگر تم کو اس کی خواہش ہے تو قبیلہ کی مسجد میں آیا کرو وہاں جب کوئی شخص کچھ پوچھے گا تو تم بھی جواب سن لو گے۔

(ابن سعد:۶/۱۹۰)

تحریر پر حفاظ کو ترجیح

بعض قدماء اور اسلاف کی طرح ابراہیم کو علم سفینہ سے زیادہ علم سینہ پر اعتماد تھا؛ چنانچہ وہ لکھتے نہ تھے، فضیل کا بیان ہے کہ میں نے ابراہیم سے کہا کہ میں نے مسائل کو کتاب میں جمع کیا تھا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اوس کو مجھ سے چھین لیا انہوں نے کہا کہ جب انسان لکھ لیتا ہے تو اس پر اس کو اعتماد ہو جاتا ہے اور جب انسان علم کی جستجو کرتا ہے تو خدا اس کو بقدر کفایت علم عطا فرماتا ہے۔ (ایضا:۱۸۹)

فضائل اخلاق

اس علم کے ساتھ وہ عمل اور فضائل اخلاق کی دولت سے بھی مالا مال تھے۔

عبادت وریاضت

نہایت عابد وزاہد اور متورع تھے، راتوں کی تنہائی میں لوگوں کی آنکھوں سے چھپ کر عبادت کرتے تھے، طلحہ کا بیان ہے کہ جب لوگ سو جاتے تھے، اس وقت ابراہیم ایک عمدہ حلہ پہن کر خوشبو لگا کر مسجد چلے جاتے تھے، صبح تک وہیں رہتے، صبح کو حلہ اتار کر پھر معمولی لباس پہن لیتے تھے (ابن سعد:۶/۱۹۳) عبادت کے اثر سے بالکل چور اور خستہ ہو جاتے تھے، اعمش کا بیان ہے کہ ابراہیم اکثر نماز پڑھ کر ہمارے یہاں آتے تھے، دن چڑھے تک یہ حال رہتا تھا کہ بیمار معلوم ہوتے تھے۔ (ایضا:۱۹۵)

ایک دن ناغہ دے کر پابندی کے ساتھ روزہ رکھتے تھے۔(ایضا:۱۹۲)

صحت عقیدہ

عقیدہ میں سلف کے عقائد سے سرمو تجاوز کرنا پسند نہ کرتے تھے؛ چنانچہ ارجاء کا عقیدہ رکھنے والوں کے جو کوئی اہم شے نہیں ہے بعض تابعین بھی اس عقیدہ کے تھے، سخت خلاف تھے، فرماتے تھے ارجاء بدعت ہے، تم لوگ ہمیشہ اس سے بچتے رہو، مرجہ کے پاس نہ بیٹھو ان کے پاس آنے والوں میں جس کے خیالات میں ارجاء کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نظر آتا ان کو آنے سے منع کردیتے۔
(ایضا:۱۹۰،۱۹۱)

انتہائی احتیاط

صلحاء اور خیار امت سے طلب دعا کی ممانعت نہیں ہے اور اس پر صحابہ اور تابعین کا عمل بھی رہا ہے، لیکن چونکہ اس سے بعض بدعات کا دروازہ کھلتا ہے اور عوام کے عقیدوں میں اس سے ضعف پیدا ہوتا ہے، اس لیے اسے بھی پسند نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے درخواست کی کہ ابو عمران دعا کیجئے کہ خدا مجھے شفا عطا فرمائے، ان کو یہ درخواست گراں گزری اور اس شخص سے کہا کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حذیفہ سے مغفرت کی دعا کی درخواست کی انہوں نے دعا کے بجائے کہا کہ خدا تمہاری مغفرت نہ فرمائے، یہ سن کر وہ شخص الگ ہٹ گیا تھوڑی دیر کے بعد حذیفہ نے اس کو بلا کر دعا کی کہ خدا تم کو حذیفہ رضی اللہ عنہ کی جگہ داخل کرے اس دعا کے بعد اس شخص کو بلا کر پوچھا کہ اب تم راضی ہو، تم میں سے بعض اشخاص ایک شخص کے پاس اس عقیدہ کے ساتھ جاتے ہیں کہ اس نے تمام مراتب حاصل کرلیے ہیں اور وہ کوئی بلند ہستی بن گیا ہے یہ واقعہ سنا کر ابراہیم نے سنت کا تذکرہ کرکے اس کی پابندی کی تلقین کی اور بدعتوں کا ذکر کرکے ان سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔(ابن سعد:۶/۱۹۳)

مسامحت

لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں میں سخت گیر نہ تھے اور ان میں سختی ناپسند کرتے تھے؛ بلکہ ایک دن آپ کے یہاں دو آدمی آئے، ان میں سے ایک کا بند کھلا ہوا تھا اور دوسرے کے بال گندھے ہوئے تھے، فرقد سنجی نے ابراہیم سے کہا کہ ابو عمران اس شخص کو بند کھولنے اور اس شخص کو بال گوندھنے سے منع نہیں کرتے، ابراہیم نے کہا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم میں بنی اسد کی سنگدلی پیدا ہوگئی ہے یا بنی تمیم کی سختی، ان میں سے ایک شخص کو گرمی معلوم ہورہی تھی، اس نے بند کھول دیا اور دوسرا شخص نماز کے وقت بال کھول دیتا ہے۔(ایضا:۱۹۳)

اختلاف صحابہ میں سکوت

صحابہ کرام کے اختلافات پر تنقید اظہار رائے اور فریقین میں سے کسی ایک کی جانب داری ناپسند کرتے تھے اور ان مسائل میں سکوت سے کام لیتے تھے، ان کے ایک شاگرد نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اختلاف کے بارہ میں سوال کیا، انہوں نے کہا نہ میں سبائی ہوں نہ مرجی، اسی طرح ایک مرتبہ ایک اور شخص نے ان سے کہا مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبت ہے، انہوں نے کہا اگر علی رضی اللہ عنہ تمہارا یہ خیال سنتے تو تم کو

سزا دیتے، اگر تم کو اس قسم کی باتیں کرنی ہیں تو میرے پاس نہ بیٹھا کرو، فرماتے تھے مجھ کو عثمان رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبت ہے، لیکن میں آسمان سے منہ کے بل گرنا پسند کرتا ہوں اور یہ گوارانہیں ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی قسم کا سوئے ظن رکھوں۔ (ابن سعد: ۶/ ۱۹۲)

تواضع وخاکساری

ابراہیم بایں جلالتِ شان نہایت خاموش، عزلت نشین، بے تکلف اور سادہ مزاج تھے، تواضع اور خاکساری کا یہ حال تھا کہ ٹیک لگا کر بیٹھنے تک کا امتیاز بھی گوارانہ تھا (تہذیب التہذیب: ۱/ ۱۷۷ تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۶۴) کبھی کبھی حصول اجر کے لیے دوسروں کا بوجھ تک اٹھالیتے تھے، اعمش کا بیان ہے کہ میں نے بسا اوقات ابراہیم کو بوجھ اٹھائے ہوئے دیکھا ہے، وہ کہتے تھے کہ میں حصولِ اجر کے لیے ایسا کرتا ہوں۔ (ایضا: ۱۹۴)

ہیبت

لیکن اس خاکساری کے باوجود لوگوں کے دلوں پر ان کی ہیبت چھائی رہتی تھی مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ حکام اور امراء کی طرح ابراہیم سے ڈرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۶۴)

سلاطین اور امراء سے تعلقات

سلاطین اور امراء کے ساتھ ابراہیم کے دوستانہ تعلقات تھے اور دونوں میں باہم ہدایا وتحائف کا تبادلہ ہوا کرتا تھا، اکثر ممتاز امراء ان کی خدمت کیا کرتے تھے۔ (ابن سعد: ۶/ ۱۵۳) یہ اس کو قبول کرنے میں مضائقہ نہ سمجھتے تھے اور اسے برا سمجھتے تھے کہ خدا کسی کی کوئی شے عطا فرمائے اور وہ اس سے انکار کرے۔ (ایضا: ۱۹۴) لیکن وہ ہدایا لینے کے ساتھ ان کا بدلہ بھی کرتے تھے۔ (ایضا: ۱۹۴)

ظالم امراء کی مخالفت

البتہ ظالم اور جفا کار امراء کے سخت خلاف رہتے تھے، اسی لیے ان میں اور حجاج میں کبھی نہ بنتی تھی وہ آپ کا سخت دشمن تھا، ابراہیم اسے بہت برا بھلا کہا کرتے تھے اس پر لعنت بھیجنے میں بھی مضائقہ نہ سمجھتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے حجاج اور اس کے جیسے دوسرے ظالموں پر لعنت بھیجنے کے بارہ میں سوال کیا، آپ نے جواب دیا، خدا خود قرآن میں فرماتا ہے: أَلا لعنة الله على الظالمين حجاج کی موت پر اس قدر مسرور ہوئے کہ سجدہ میں گر پڑے اور آنکھوں سے اشک مسرت رواں ہوگئے۔ (ایضا)

وفات

حجاج کی موت کے چند مہینے بعد بیمار پڑے، دم آخر نہایت مضطرب وبے قرار تھے، لوگوں نے اس کا سبب پوچھا، فرمایا اس سے زیادہ خطرہ کا وقت کون ہوگا کہ خدا کا قاصد جنت یا دوزخ کا پیام لے کر آئے گا، میں اس پیام کے مقابلہ میں قیامت تک موجودہ صورت کا قائم رہنا پسند کرتا ہوں، (ابن خلکان: ۱/ ۳) اسی علالت میں آغاز ۹۶ھ میں انتقال کیا، باختلاف رائے انتقال کے وقت انچاس یا پچاس یا اس سے کچھ اوپر عمر تھی۔ (ابن سعد: ۶/ ۱۹۹)

حلیہ ولباس

ابراہیم نہایت خوش لباس تھے، رنگین اور بیش قیمت پوشاک پہنتے تھے، زعفرانی اور سرخ رنگ کا لباس استعمال کرنے میں بھی مضائقہ نہ سمجھتے تھے، جاڑوں کے لباس میں سمور کی سنجاف لگی ہوتی تھی، سمور کی ٹوپی دیتے تھے، عمامہ بھی باندھتے تھے، لوہے کی انگوٹھی پہنتے تھے، اس کا نقش 'باب اللہ ونحن له' تھا۔ (ابن سعد: ۶/۱۹۶، ۱۹۷)

امام شعرانی کا بیان ہے کہ اپنے کو چھپانے کے لیے رنگین کپڑے پہنتے تھے تاکہ یہ نہ معلوم ہو کہ قراء کی جماعت سے ہیں یا دنیا داروں کی۔ (طبقات امام شعرانی: ۱/۳۶)

حکیمانہ اقوال

آپ کے بعض اقوال نہایت حکیمانہ اور پُر موعظت ہیں، فرماتے تھے کہ (۱) انسان چالیس سال تک جس سیرت پر قائم رہے، پھر وہ نہیں بدل سکتی (۲) ایمان کے بعد آدمی کو سب سے بڑی دولت تکلیفوں پر صبر کی عطا کی گئی ہے، اسی لیے بیماری کا حال بیان کرنا بھی پسند نہ کرتے تھے، فرماتے تھے کہ جب مریض سے اس کی حالت پوچھی جائے تو اس کو چاہیے کہ پہلے اچھا کہے اس کے بعد اصل حالت بیان کرے کہ شکوہ غم بھی شانِ صبر کے خلاف ہے۔ (۳) انسان کے لیے یہ معصیت کافی ہے کہ لوگ دنیا یا دین کے معاملہ میں اس پر انگشت نمائی کریں۔ (طبقات امام شعرانی: ۱/۳۶)

تحفے کی صورت میں زکوٰۃ دینا

اگر کوئی شادی وغیرہ کے موقع پر کپڑے یا تحفے دینے میں زکوٰۃ کی نیت کرنا چاہے تو اگر لینے والا مستحق زکوٰۃ ہے تو زکوٰۃ کی نیت سے دے سکتے ہیں، زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (فتاویٰ امجدیہ ج ۱ ص ۳۸۷)

زکوٰۃ کی رقم سے اناج خرید کر دینا

اگر کھانا پکا کر یا اناج خرید کر غریبوں میں تقسیم کیا اور دیتے وقت انہیں مالک بنا دیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی مگر کھانا پکانے پر آنے والا خرچ شامل زکوٰۃ نہیں ہوگا بلکہ پکے ہوئے کھانے کے بازاری دام (یعنی قیمت) زکوٰۃ میں شمار ہوں گے اور اگر محض دعوت کے انداز میں بٹھا کر کھلا دیا تو مالک نہ بنانے کی وجہ سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ مخرجہ، ج ۱۰ ص ۲۶۲)

محتاجوں کو کم قیمت میں اناج بیچ کر زکوٰۃ کی نیت کرنا کیسا؟

اگر اناج خرید کر مستحقین زکوٰۃ کو کم قیمت میں بیچیں اور جتنی رقم کم کی گئی اسے زکوٰۃ میں شمار کریں تو ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی کیونکہ یہ صورت رعائت کی ہے، مالک بنانا نہیں پایا گیا۔ اس کے بجائے عاقل وبالغ مستحقین زکوٰۃ کو اناج اصل قیمت مثلاً 50 روپے کلو ہی بیچا جائے اور جتنی رعائت مقصود ہو مثلاً پانچ روپے تو اتنی رقم اپنے پاس سے زکوٰۃ کے طور پر دے کر اس کا قبضہ ہو جانے کے بعد قیمت کے طور پر واپس لی جائے۔ اب فی کلو پانچ روپے بطور زکوٰۃ ادا ہو گئے اس کو جمع کر کے زکوٰۃ میں شمار کر لیں۔ (ماخوذ فتاویٰ رضویہ مخرجہ ج ۱۰ ص ۷۲)

حدیث کے حجت ہونے کا بیان

1561 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيُّ، حَدَّثَنَا صُرَدُ بْنُ أَبِي الْمَنَازِلِ، قَالَ: سَمِعْتُ حَبِيبًا الْمَالِكِيَّ، قَالَ: قَالَ رَجُلٌ لِعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ: يَا أَبَا نُجَيْدٍ، إِنَّكُمْ لَتُحَدِّثُونَنَا بِأَحَادِيثَ مَا نَجِدُ لَهَا أَصْلًا فِي الْقُرْآنِ، فَغَضِبَ عِمْرَانُ، وَقَالَ لِلرَّجُلِ: أَوَجَدْتُمْ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمًا، وَمِنْ كُلِّ كَذَا وَكَذَا شَاةً شَاةً، وَمِنْ كُلِّ كَذَا وَكَذَا بَعِيرًا كَذَا وَكَذَا، أَوَجَدْتُمْ هَذَا فِي الْقُرْآنِ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَعَنْ مَنْ أَخَذْتُمْ هَذَا؟ أَخَذْتُمُوهُ عَنَّا، وَأَخَذْنَاهُ عَنْ نَبِيِّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَذَكَرَ أَشْيَاءَ نَحْوَ هَذَا

❀❀ حبیب مالکی بیان کرتے ہیں: ایک شخص نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابونجید! آپ لوگ ہمیں کچھ ایسی احادیث بیان کرتے ہیں: جن کی اصل ہمیں قرآن میں نہیں ملتی' تو حضرت عمران رضی اللہ عنہ غصے میں آ گئے انہوں نے اس شخص سے فرمایا: کیا تمہیں (قرآن میں) یہ ملتا ہے کہ ہر چالیس درہموں میں سے ایک درہم دینا ہے یا اتنی اتنی بکریوں میں سے ایک بکری دینی ہے یا اتنے اتنے اونٹوں میں سے اتنے اونٹ دینے ہیں کیا تمہیں یہ باتیں قرآن میں ملتی ہیں؟ اس نے جواب دیا: جی نہیں۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: پھر تم نے یہ حکم کہاں سے حاصل کیا ہے تم لوگوں نے یہ حکم ہم سے حاصل کیے ہیں اور ہم نے یہ حکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیے ہیں (راوی بیان کرتے ہیں:) انہوں نے اس کی مانند کچھ اور چیزوں کا بھی ذکر کیا۔

راوی حدیث حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں عراق کے والی (وائسرائے) زیاد بن ابیہ کو بڑے وسیع اختیارات حاصل تھے، وہ نہ صرف عراق کے داخلی نظم ونسق اور امن وامان کا ذمہ دار تھا بلکہ اس بات کا بھی مجاز تھا کہ بعض صوبوں کے گورنر اپنی صوابدید کے مطابق مقرر کر سکے۔ ایک مرتبہ خراسان کے گورنر کی جگہ خالی ہوئی تو اس نے بصرہ میں مقیم ایک معمر صحابی کو بلا بھیجا۔ جب وہ تشریف لائے تو زیاد نے ان کی حد سے زیادہ تعظیم وتکریم کی اور ان سے درخواست کی کہ وہ خراسان کی گورنری قبول فرمائیں۔ انہوں نے زیاد کی پیشکش کا شکریہ ادا کیا لیکن اسے قبول کرنے سے معذرت کر دی۔ زیاد نے بہت اصرار کیا لیکن وہ اپنے انکار پر قائم رہے۔ یہ خبر عامۃ الناس میں پھیلی تو انہیں بڑی حیرت ہوئی۔ کچھ لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا: اے رسول اللہ کے صحابی! آپ نے خراسان کا گورنر بننے سے کیوں انکار کیا، آپ کے اس منصب پر فائز ہونے سے یہ صوبہ خیر و برکت سے معمور ہو جاتا۔ انہوں نے جواب دیا: تم حیران ہو کہ میں نے اتنا بڑا عہدہ قبول نہیں کیا لیکن مجھے یہ ہرگز پسند نہیں کہ میں تو اس کی تپش میں نماز پڑھوں اور تم لوگ اس کی ٹھنڈک میں سجدہ ریز ہو۔ مجھے یہ خوف دامن گیر ہوا کہ میں نے تو دشمنوں کے خلاف جان کی بازی لگائی ہو اور عین اس وقت میرے نام زیاد کا کوئی ناجائز حکم پہنچے۔ اگر اس صورت میں اس کی تعمیل کروں تو میری آخرت برباد ہو جائے اور اگر تعمیل نہ کروں اور واپس آ جاؤں تو میری گردن مار دی جائے۔ یہ صحابی رسول جنہوں نے محض خوف آخرت سے اتنا بڑا عہدہ مسترد کر دیا، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما تھے۔

سیّدنا حضرت ابونجید عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کا شمار بڑے عظیم المرتبت صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق بنو

کعب سے تھا جو مرالظہر ان اوراس کے قرب وجوار میں آباد تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

عمران رضی اللہ عنہ بن حصین رضی اللہ عنہ بن عبید بن خلف بن عبدنہم بن حذیفہ بن جہمہ بن غاضرہ بن حبیشہ بن کعب

ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت عمران رضی اللہ عنہ اپنے والد اور ہمشیرہ کے ساتھ سنہ ہجری کی ابتداء میں سعادت اندوزِ اسلام ہوئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت سرور عالم ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے جاچکے تھے۔ لیکن محدث ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں جو روایت نقل کی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اصحاب ہجرت نبوی سے پہلے کسی وقت مکہ مکرمہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے، اس میں بھی حضرت عمران رضی اللہ عنہ کو تقدم حاصل ہے۔ اس روایت کے مطابق حضرت عمران رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے بعد مشرکین قریش کی ایک جماعت ان کے والد حصین بن عبید رضی اللہ عنہ کے پاس گئی۔ حصین اپنے قبیلے کے سر برآوردہ لوگوں میں سے تھے اور قریش کے نزدیک ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ انہوں نے حصین سے کہا کہ آپ ہماری طرف سے محمد (ﷺ) کے پاس جایئے اور ان سے کہیے کہ وہ ہمارے معبودوں کی توہین کرنا ترک کردیں۔ حصین مشرکین قریش کے ساتھ حضور ﷺ کی قیام گاہ پر گئے اور دروازے کے قریب بیٹھ گئے۔ ان سے پہلے حضرت عمران رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ چکے تھے اور اس وقت بارگاہ رسالت میں حاضر تھے۔ حضور ﷺ نے حصین کو دیکھا تو فرمایا: شیخ کے لئے جگہ چھوڑ دو۔ حصین حضور ﷺ کے قریب چلے گئے اور آپ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا: اے ابن عبدالمطلب! یہ کیا باتیں ہیں جو ہم سن رہے ہیں، آپ ہمارے معبودوں کی مذمت کرتے ہیں، حالانکہ آپ کے والد بڑے احتیاط پسند اور بھلے آدمی تھے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ''تم بتاؤ کہ کتنے معبودوں کی پرستش کرتے ہو؟''

حصین نے جواب دیا: آٹھ کی، سات معبود زمین پر ہیں اور ایک آسمان پر ہے۔

حضور ﷺ نے پوچھا: اچھا تو جب تم پر مصیبت آتی ہے تب کس کو پکارتے ہو۔

حصین نے کہا: آسمان والے معبود کو۔

حضور ﷺ نے پھر دریافت فرمایا: اور جب تمہارے مال پر تباہی آجائے تب کس کو پکارتے ہو۔

حصین نے کہا: آسمان والے خدا کو۔

حضور ﷺ نے فرمایا: وہ اللہ تو تنہا تمہاری فریاد سنتا ہے اور تم اس کے ساتھ شرک کرتے ہو۔ جب تم لوگ اس کو مصیبت کے وقت پکارتے ہو تو امن کی حالت میں غیروں کو معبود بنا کر کیوں پکارتے اور پوجتے ہو۔ شاید تم سمجھتے ہو کہ اللہ تم سے راضی ہے اس لیے امن کی حالت میں اس کو پکارنے کی ضرورت نہیں یا تم ڈرتے ہو کہ اللہ کا قہر و غضب تم پر نہ نازل ہوجائے، اس لیے مصیبت میں اس کو یاد کرلیتے ہو۔

حصین نے کہا: دونوں میں سے ایک بات بھی نہیں۔

اس طرح کچھ اور سوال و جواب ہوئے یہاں تک کہ حصین لاجواب ہوگئے۔

علم و فضل کے اعتبار سے حضرت عمران رضی اللہ عنہ نہایت بلند مرتبے پر فائز تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے عبقری

کی نگاہ مردم شناس نے انہیں لوگوں کو فقہ کی تعلیم دینے کے لئے منتخب کیا۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے ان سے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیں کیا اس صورت میں عورت کو مطلقہ سمجھا جائے گا یا نہیں؟ حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس طرح طلاق دینے والا گناہ کا مرتکب ہوا لیکن عورت مطلقہ ہوگئی۔ وہ شخص اب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے حضرت عمران رضی اللہ عنہ کے جواب کی تصدیق چاہی۔

انہوں نے نہ صرف حضرت عمران رضی اللہ عنہ کے جواب سے اتفاق کیا بلکہ ساتھ ہی دعا کی کہ الٰہی! ہماری جماعت میں ابو نجید جیسے بہت سے آدمی پیدا فرمادے۔ (مستدرک حاکم)

حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بصری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں علم وفضل کے اعتبار سے حضرت عمران رضی اللہ عنہ کا درجہ سب سے بلند تھا۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے بہتر اور فاضل شخص کوئی ہمارے یہاں نہیں آیا۔

علم حدیث میں حضرت عمران رضی اللہ عنہ کو درجہ تبحر حاصل تھا لیکن روایت میں بہت محتاط تھے۔ اس لیے مرویات کی تعداد صرف ایک سوتیس ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بہت سے ایسے اصحاب رسول کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے نزدیک صحیح احادیث بیان کرتے ہیں، ان کی نیت بھی نیک ہوتی ہے پھر بھی الفاظ کا ردوبدل ہوجاتا ہے۔ میں بھی ڈرتا ہوں کہ حدیث بیان کرتے ہوئے کہیں الفاظ میں کمی بیشی یا ردوبدل نہ ہوجائے۔ اسی لیے میں حدیث بیان کرنے میں احتیاط کرتا ہوں، حالانکہ چاہوں تو دودن تک مسلسل احادیث بیان کرتا رہوں اور ان میں سے کسی ایک کا بھی اعادہ نہ ہو۔

حضرت عمران رضی اللہ عنہ کو جس درجہ میں کوئی حدیث یاد ہوتی، حدیث بیان کرنے سے پہلے یا بعد اس کا ذکر بھی کردیتے۔ اگر حدیث کے الفاظ کے بارے میں یقین کامل ہوتا تو کہتے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے۔ اگر شک ہوتا تو کہتے: جہاں تک میرا خیال (یا حافظہ) ہے میں نے صحیح بیان کی۔

حضرت عمران رضی اللہ عنہ کو تفقہ فی الدین میں جو کمال حاصل تھا اس کی بنا پر نہ صرف بصرہ بلکہ باہر کے لوگ بھی ان سے مسائل پوچھنے آتے تھے اور مطمئن ہوکر لوٹتے تھے۔

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاستیعاب'' میں لکھا ہے کہ حضرت عمران رضی اللہ عنہ فضلاء اور فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار ہوتے تھے۔

حضرت عمران رضی اللہ عنہ اپنے ہر قول وفعل میں اسوۂ نبوی ﷺ کو پیش نظر رکھتے تھے۔ اہل سیر نے ان کی کثرت عبادت کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔ نہایت استغراق اور محویت کے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے۔ اکثر ساری ساری رات عبادتِ الٰہی میں گز رجاتی تھی۔ روزے بھی کثرت سے رکھتے تھے۔ معاشی حیثیت سے آسودہ حال تھے لیکن زندگی سادہ بسر کرتے تھے ایسی کہ جس پر نہ فقر وعسرت کا گمان ہو اور نہ امارت اور دولت مندی کا...... دنیوی زیب وزینت سے طبعاً نفرت کرتے تھے لیکن رسول اکرم ﷺ کی اس حدیث مبارک کے پیش نظر کہ اللہ کسی بندہ پر احسان واکرام کرتا ہے تو اس کا ظاہری اثر بھی اس پر ہونا چاہئے، کبھی کبھار قیمتی لباس بھی پہن لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ خلاف عادت خز کی چادر اوڑھ کر باہر نکلے، یہ بہت قیمتی ہوتی ہے۔ خیال ہوا کہ

اتنی قیمت چادر دیکھ کر لوگ کچھ اور نہ سوچیں، خود ہی فرمانے لگے: لوگو! تم مجھے اتنی قیمتی چادر اوڑھے ہوئے دیکھ کر تعجب کرو گے اور کہو گے کہ یہ کیا نئی بات ہے لیکن میں نے جو کچھ کیا ہے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق کیا ہے۔ پھر مذکورہ حدیث پڑھی اور وضاحت کردی کہ آسودہ حالی میں اگر انسان کبھی کبھی قیمتی کپڑا بھی پہن لے تو یہ اتباع سنت ہے۔

احترام نبوی ﷺ کی انتہا یہ تھی کہ جس ہاتھ سے سرور عالم ﷺ کی بیعت کی تھی ساری عمر اس کو کبھی اعضائے اسفل سے مس نہ ہونے دیا۔

کثرت عبادت، عشق رسول اللہ ﷺ اور پاکبازانہ زندگی نے حضرت عمران رضی اللہ عنہ کو خاصانِ خدا میں شامل کر دیا تھا۔ صحیح مسلم میں خود ان سے روایت ہے کہ فرشتے ہر روز مجھے سلام کرتے تھے، مجھے تیس برس سے بواسیر کا عارضہ تھا۔ میں نے اس سے تنگ آ کر مسوں کو داغنا شروع کر دیا تو فرشتوں نے سلام کرنا چھوڑ دیا اور جب میں نے یہ فعل ترک کر دیا تو وہ مجھے پھر سلام کرنے لگے۔

طبقات ابن سعد میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرشتے حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے مصافحہ کیا کرتے تھے۔ جب انہوں نے داغ لگوایا تو وہ مصافحہ سے رک گئے۔

ترمذی شریف میں روایت ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کے اہل خانہ کسی سلام کرنے والے کو تو نہیں دیکھتے تھے مگر "السلام علیکم یا عمران! السلام علیکم یا عمران" کی آوازیں برابر گھر میں سنائی دیتی تھیں۔

ان سے ملتی جلتی ایک روایت "مستدرک حاکم" میں بھی موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ جس شخص سے فرشتے مصافحہ کریں یا جس کو سلام کریں وہ یقیناً مقربین بارگاہِ الٰہی ہی میں سے ہوسکتا ہے۔

حضرت عمران رضی اللہ عنہ کی صحت اکثر خراب رہتی تھی۔ پہلے بواسیر تھی پھر استسقاء کا عارضہ لاحق ہوگیا۔ لوگوں نے بارہا داغے جانے کا مشورہ دیا لیکن وہ رسول اللہ ﷺ سے اس کی ممانعت سن چکے تھے اور پھر ذاتی تجربہ بھی تھا کہ بواسیر کے مسوں کو داغنے پر فرشتوں نے سلام اور مصافحہ ترک کر دیا تھا اس لیے پیٹ کو داغنے پر رضامند نہ ہوتے تھے۔ جب تکلیف حد سے زیادہ ہوگئی یہاں تک کہ پیٹ میں شگاف ہوگیا تو ابن زیاد اور دوسرے لوگوں کے بے حد اصرار سے طوعاً و کرہاً راضی ہوگئے۔ مرض میں پھر بھی تخفیف نہ ہوئی اور زندگی سے مایوسی ہوگئی تو اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق بہت سی وصیتیں کیں کہ جنازہ کے پیچھے آگ نہ جلانا، قبر زمین سے چار بالشت اونچی مربع رکھنا، جنازہ یہود کی طرح آہستہ آہستہ نہیں بلکہ جلدی جلدی لے چلنا، مالِ متروکہ کے بارے میں اپنی وصیت میں یہ شرط بھی رکھی کہ جو عورت میری موت پر نالہ و شیون کرے، اس کو متروکہ املاک سے کچھ بھی نہ دیا جائے، دوسرے اعزہ کو بھی رونے پیٹنے کی سختی سے ممانعت کی۔ ان وصیتوں کے بعد اس آفتاب رشد و ہدایت نے ۵۲ ہجری میں پیک اجل کو لبیک کہا اور خاک بصرہ نے اس کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ متعدد فرزند اپنی یادگار میں چھوڑے ان میں سے محمد رحمۃ اللہ علیہ اور نجید رحمۃ اللہ علیہ نے علم و فضل کے اعتبار سے بڑی شہرت پائی۔

حضور ﷺ نے ان کے چہرے پر تغیر کے آثار دیکھے تو فرمایا: اے حصین! اسلام قبول کر، محفوظ رہے گا۔ حصین نے عرض کیا: میری برادری بڑی وسیع ہے میں اس کا سامنا کیسے کروں گا؟

حضور ﷺ نے فرمایا: یہ دعا مانگ

''اے اللہ! میں تجھ ہی سے ہدایت چاہتا ہوں تو میرے امر کی اصلاح فرما اور مجھ کو ایسا علم فراوانی سے عطا فرما جو میرے لیے نفع مند ہو۔''

حضرت حصین رضی اللہ عنہ نے یہ دعا مانگی تو ان کے آئینہ دل سے کفر کا زنگ آناً فاناً کافور ہو گیا اور وہ اسی وقت سعادت اندوزِ ایمان ہو گئے، یہ دیکھتے ہی حضرت عمران رضی اللہ عنہ فرطِ مسرت سے بیخود ہو کر اپنے باپ کی طرف لپکے اور ان کے سر ہاتھوں اور پاؤں کو چومنے لگے۔

یہ منظر دیکھ کر سرورِ عالم ﷺ چشم پرآب ہو گئے اور فرمایا: ''حصین جب اس مجلس میں وارد ہوئے تو کافر تھے اس لیے عمران نے ان کی طرف التفات کیا نہ ان کی تعظیم بجالائے، اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شرفِ ایمان سے بہرہ ور کیا ہے تو عمران اپنے والد کے حق کی ادائیگی میں مشغول ہو گئے ہیں۔

جب حضرت حصین رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت ﷺ سے اٹھنے کا ارادہ کیا تو حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ اٹھو اور حصین کی قیام گاہ تک ان کی مشایعت کرو۔

وہ باہر نکلے تو قریش نے ان کو بالکل بدلا ہوا پایا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے ہیں۔ اب انہوں نے حصین رضی اللہ عنہ سے بات کرنا بھی گوارا نہ کیا اور انہیں چھوڑ کر مارِدم بریدہ کی طرح پیچ و تاب کھاتے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمران رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ روایت اس طرح نقل کی ہے: ''عمران روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے والد حصین سے پوچھا: تم موجودہ حالت میں کتنے خداؤں کی پوجا کرتے ہو۔ میرے والد نے جواب دیا: سات خداؤں کی جن میں سے چھ تو زمین میں ہیں اور ایک آسمان میں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: اچھا تو ان میں سے اپنی محبت اور خوف کے لئے تم نے کس کو بنا رکھا ہے۔ انہوں نے جواب دیا: آسمان والے کو۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: حصین اگر تم اسلام قبول کر لیتے تو میں تم کو دو کلمے ایسے تعلیم کرتا جو تمہارے لیے بڑے سودمند ہوتے۔ جب حصین حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو وہ بات یاد دلائی اور عرض کیا: یارسول اللہ! جن دو کلموں کا آپ ﷺ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا اب وہ مجھے بتا دیجیے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا یہ پڑھ لیا کر اللھم الھمنی رشدی واعذنی من شر نفسی

(اے اللہ میرے مقدر کی ہدایت میرے دل میں ڈال دے اور میرے نفس کے فریب سے مجھے بچا لے)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بعض وجوہ کی بناء پر ہجرت نہ کر سکے اور انہوں نے مستقل سکونت اپنے وطن ہی میں رکھی لیکن وہ حضور ﷺ کی زیارت اور فیضان سے سعادت اندوز ہونے کے لئے اکثر مدینہ منورہ آتے جاتے رہتے تھے۔ انہیں بعض غزوات میں بھی سرورِ عالم ﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔

حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''اِصابہ'' میں لکھا ہے کہ فتح مکہ میں وہ اس شان سے شریک ہوئے کہ بنوکعب کا علم ان کے ہاتھ

میں تھا۔ فتح مکہ کے بعد انہوں نے حنین اور طائف کے معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ (۶ یا ۷ ہجری میں) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک مہم پر گئے تو حضرت عمران رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ انہیں سرورِ عالم ﷺ سے بے انتہا عقیدت اور محبت تھی۔ جب تک سرورِ عالم ﷺ اس عالم میں رونق افروز رہے، حضرت عمران رضی اللہ عنہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد مدینہ منورہ آکر حضور ﷺ کے جمالِ جہاں آرا سے اپنی آنکھیں روشن کرتے رہے۔ ۱۱ ہجری میں حضور ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت عمران رضی اللہ عنہ کے لیے دنیا اندھیر ہوگئی اور وہ دل شکستگی کے عالم میں گوشہ نشین ہوگئے۔ دن رات عبادتِ الٰہی کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔ چند سال بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بصرہ آباد ہوا تو انہوں نے ترکِ وطن کر کے بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔

ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں فقہ کی تعلیم کے لیے سرکاری طور پر مامور فرمایا۔ فقہ کی تعلیم کے علاوہ حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے حدیث کی اشاعت کے لیے بھی مستقل حلقۂ درس قائم کیا۔ یہ حلقۂ درس بصرہ کی جامع مسجد میں تھا جہاں وہ لوگوں کو باقاعدگی سے حدیثیں سنایا کرتے تھے۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہ کے ایک ہمعصر ہلال بن سیاف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے کسی کام سے بصرہ جانا پڑا، مسجد میں دیکھا کہ لوگ ایک سفید ریش بزرگ کے گرد حلقہ باندھے بیٹھے ہیں اور وہ بزرگ ٹیک لگائے بڑے لطف وانبساط کے ساتھ حدیثیں بیان کررہے ہیں۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں تو جواب ملا کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دورِ خلافت میں بڑے بڑے ہنگامے اٹھے لیکن حضرت عمران رضی اللہ عنہ یکسر غیر جانبدار رہے اور کسی ہنگامے یا خانہ جنگی میں مطلق کوئی حصہ نہ لیا۔

بنوامیہ کے دور میں انہیں زیاد بن ابیہ کی طرف سے خراسان کی گورنری کا عہدہ پیش کیا گیا لیکن انہوں نے اسے قبول نہ کیا، البتہ زیاد کے بعد اس کے بیٹے عبداللہ نے محصل خراج کا عہدہ پیش کیا تو اسے مخلوقِ خدا کی خیر خواہی کے خیال سے قبول کرلیا۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "مستدرک" میں لکھا ہے کہ جب وہ تحصیل خراج کی خدمت انجام دے کر واپس آئے تو بالکل خالی ہاتھ تھے۔ عبیداللہ نے پوچھا: خراج کی رقم کیا کی؟ انہوں نے جواب دیا کہ جس طریقے سے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں وصول ہوتا تھا میں نے بھی اسی طریقے سے وصول کیا اور جن مدوں پر عہدِ رسالت میں صرف ہوتا تھا، انہی پر صرف کردیا۔ ان کا جواب سن کر عبیداللہ خاموش ہوگیا۔

مسند احمد رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ خراسان کی گورنری کو ٹھکرانے کے بعد حضرت عمران رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ حکم بن عمرو غفاری نے یہ عہدہ قبول کرلیا ہے۔ انہوں نے حکم بن عمرو کو بلا کر فرمایا: تم نے یہ عہدہ قبول کر کے بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر لی ہے، اپنے فرائض بڑی احتیاط سے انجام دینا اور ہر حالت میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام کو پیشِ نظر رکھنا، کسی ناجائز حکم پر عمل نہ کرنا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں کسی بندہ کی اطاعت جائز نہیں...... ان نصائح سے حضرت عمران رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ حکم رضی اللہ عنہ بن عمرو کہیں زیاد کی اطاعت کے جوش میں احکامِ الٰہی سے غافل نہ ہوجائیں۔

حدیث شریف کی تشریعی حیثیت کا بیان

عقل انسانی اگر وحی ربانی سے روشن نہ ہو، اور اس کی تائید وحی منزل سے نہ کی جائے تو اس کے بس میں نہیں ہے کہ بطور خود "کلام اللہ" سے شریعت کی جملہ تفصیلات اور تمام تر احکامات کا فہم و ادراک کر سکے؛ اس لیے مکمل طور پر شریعت اسلامی کو جاننے کے لیے ازبس ضروری ہے کہ حامل وحی الٰہی، اور خدائے علیم و خبیر کے فرستادہ "کلام اللہ کے شارح پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا سہارا لیا جائے؛ تاکہ ان کے شرح و بیان سے باری تعالیٰ کی مراد کو سمجھا، اور قرآن محکم سے احکام کی تفصیلات کو اخذ کیا جا سکے، لہٰذا اگر حدیث کی حجیت کو تسلیم نہیں کیا جائے گا تو ان کی استعانت سے کلام اللہ کی مراد کی تعیین اور احکام و مسائل کی تفصیل کیوں کر درست ہوگی؟

حدیث پاک کی اسی ہمہ گیر اہمیت اور تشریعی حیثیت کی بناء پر، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کی اتباع اور پیروی کا اس قدر تاکید اور کثرت سے حکم دیا ہے کہ اس کا شمار آسان نہیں ہے، جس کے مجموعہ سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اسلامی شریعت میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دلیل و حجت کی حیثیت حاصل ہے، اس موقع پر طوالت سے بچنے کے لیے صرف تین احادیث نقل کی جارہی ہیں؛ جبکہ کسی دعویٰ کے اثبات میں ایک دلیل کافی ہوتی ہے:

(۱) عن المقدام بن معدی کرب رضی اللّٰہ عنہ، عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ قال: الا ھل عسی رجل یبلغہ الحدیث عنی و ھو متکیٔ علی أریکتہ، فیقول: بیننا و بینکم کتاب اللّٰہ، فما وجدنا فیہ حلالاً استحللناہ، و ما وجدنا فیہ حراماً حرّمناہ، و إنّ ما حرّم رسول اللّٰہ کما حرّم اللّٰہ"

(رواہ الائمۃ ابوداؤد، والترمذی، وابن ماجہ، والدارمی واللفظ لہم سوی ابی داؤد)

غور سے سنو! بیشک قریب ہے کہ ایک مرد کو میری جانب سے حدیث پہنچے گی، اور وہ اپنے آراستہ تخت پر ٹیک لگائے ہوگا، تو کہے گا کہ ہمارے، تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے؛ لہٰذا اس میں جس چیز کو ہم حلال پائیں گے اسے حلال باور کریں گے، اور اس میں جس چیز کو ہم حرام پائیں گے اسے حرام سمجھیں گے؛ حالانکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کو حرام ٹھہرایا ہے اس کی حرمت اللہ تعالیٰ کے حرام قرار دینے کی طرح ہے۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے یہ حدیث ان الفاظ میں روایت کی ہے۔

عن المقدام بن معدی کرب رضی اللّٰہ عنہ، عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ قال: ألا انی أوتیت الکتاب و مثلہ معہ، ألا یوشک رجل شبعان علی أریکتہ یقول، علیکم بھذا القرآن، فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ، و ما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ، الحدیث (کتاب الاطعمۃ فی باب النھی عن أکل السباع)

بغور سنو! بیشک مجھے (اللہ کی جانب سے) کتاب دی گئی ہے، اور کتاب کے ساتھ اسی جیسی (حدیث و سنت بھی دی گئی ہے) خبردار رہو! قریب ہے کہ آسودہ حال شخص اپنی مزین سریر پر (ٹیک لگائے) کہے گا اسی قرآن کو لازم پکڑو، لہٰذا اس میں جو چیز حلال سے پاؤ اسے حلال قرار دو، اور اس میں جو چیز از قبیل حرام پاؤ اسے حرام ٹھہراؤ۔

حضرت مقدام رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث پاک درج ذیل باتوں پر مشتمل ہے:

(الف) قرآن مجید کی طرح احادیث بھی منجانب اللہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دی گئی ہیں۔
(ب) قرآن حکیم کی طرح احادیث بھی احکام میں حجت ہیں۔
(ج) قرآن مقدس کی طرح احادیث مبارکہ پر بھی عمل لازم ہے۔
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پاک حجیت حدیث کے اثبات میں بالکل صریح ہے؛ کیوں کہ اس حدیث کے جملہ "أوتیت الکتاب ومثلہ معہ" میں "الکتاب" سے قرآن مجید، اور "مثلہ" سے حدیث ہی مراد ہے، اس حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا ہے کہ آپ کی حدیث سے اعراض جائز نہیں ہے؛ کیونکہ حدیث سے اعراض قرآن مجید سے اعراض کے مرادف ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَمَا آتاکم الرسول فخذوہ ومانہاکم عنہ فانتھوا" رسول اللہ تم سے جو بیان کریں اس پر عمل کرو اور جس کام سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔

(۲) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ، أنّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطب الناس فی حجۃ الوداع فقال فی خطبتہ: یا أیہا الناس، انی ترکتُ فیکم ما إن اعتصمتم بہ فلن یَضِلّوا أبداً: کتاب اللہ، وسنۃ نبیہ " (رواہ الحاکم فی المستدرک فی کتاب العلم من طریق ابی أویس عن ثور بن زید الدّیلی، عن عکرمۃ، عن ابن عباس قال الحاکم: قد احتج البخاری بأحادیث عکرمۃ، واحتج مسلم بأبی أویس، وسائر رواتہ متفق علیہم۔ روافقہ الذہبی فی "تلخیصہ" علی ذلک، وقال: لہ أصل فی "الصحیح" انتہی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے "حجۃ الوداع" میں لوگوں سے خطاب کیا تو اپنے خطبہ میں فرمایا: اے لوگو بیشک میں نے چھوڑی ہے تمہارے درمیان ایسی چیز کہ اگر تم اسے پکڑے رہوگے تو کبھی راہ سے نہیں ہٹو گے (وہ چیز) اللہ کی کتاب، اور اللہ کے نبی کی حدیث ہے۔

امام بیہقی نے "المدخل" میں اسی کے ہم معنی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، جس کے آخر میں یہ زیادتی ہے "لن یفترقا حتی یردوا علی الحوض" (مفتاح السنۃ ص ۷)

یعنی قرآن وحدیث کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ ایک ہی ساتھ قیامت میں حوض پر پہنچیں گے۔

یہ حدیث پاک صاف بتارہی ہے کہ "کلام اللہ" اور "حدیث رسول اللہ" دونوں توام (جڑواں) ہیں، کبھی بھی ایک دوسرے سے الگ اور جدا نہیں ہوں گے، اسلامی شرائع واحکام کی تکمیل ان دونوں کے بغیر نہیں ہوسکتی ہے، ان دونوں کو دلیل راہ بنائے بغیر منزل مقصود تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ حدیث پاک ہی سے قرآن حکیم کے مقاصد کی تفصیل اور اس کے احکام کی تکمیل ہوتی ہے، درحقیقت حدیث، اللہ کے کلام قرآن محکم کا بیان وشرح ہے، تو ایک کو دوسرے سے علیحدہ کیسے کیا جاسکتا ہے!

قرآن وحدیث کا یہ ربط باہمی صاف بتارہا ہے کہ دین اسلام میں حدیث رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی حیثیت تشریعی اور حجت ودلیل ہی کی ہے؛ کیونکہ جب حدیث پاک کتاب الٰہی کا بیان اور اس کی شرح ہے، اور بلا ریب قرآن کی حیثیت تشریعی ہے، تو بغیر کسی تردد کے اس کے بیان وشرح کی حیثیت بھی تشریعی ہی ہوگی، یہی عقیدہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے لے کر آج تک امت کا ہے۔

(۳) عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: نضر اللہ امرأ أسمع منا حدیثا فحفظہ حتی یبلغہ غیرہ فانہ رب حامل فقہ لیس بفقیہ، ورب حامل فقہ الی من ھو أفقہ منہ

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۳، مسند الانصار، وقال البیہقی: ہذا الحدیث متواتر، مفتاح الجنۃ ص ۵)

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ شاد ماں و بارونق بنائے اس آدمی کو جس نے مجھ سے حدیث سنی پھر اسے محفوظ کیا یہاں تک کہ دوسرے کو پہنچا دیا؛ اس لیے کہ بہت سے حاملِ فقہ، فقیہ نہیں ہوتے، اور بہت سے حاملِ فقہ اس کو پہنچاتے ہیں جو اس حاملِ فقہ سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔

یہ مبارک حدیث زید بن ثابت کے علاوہ، عبداللہ بن مسعود، جبیر بن مطعم وغیرہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے، حدیث پاک کو براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر اسے محفوظ رکھنے پھر اس کی تبلیغ وتحدیث پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے یہ مسرت خیز دعا کیا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ حدیث رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی شان انتہائی بلند اور اس کا فائدہ نہایت عظیم ہے؟ ورنہ یہ دعا کیوں دی جاتی!

حدیث پاک کی یہ عظمتِ شان اور فائدۂ بیکراں اس کے سوا اور کیا ہے کہ یہ دین میں حجت اور احکامِ شریعت کی دلیل و بیان ہے۔ جیسا کہ خود اس حدیث کے آخری جزء "رُبَّ حامل فقہ لیس بفقیہ الخ" سے ظاہر ہے۔

کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بابرکت فرمان ہمیں یہ احساس نہیں دلا رہا ہے کہ سامع حدیث کو بعد والوں تک اسے پہنچانے پر مامور کیے جانے کا مقصد بس یہی ہے کہ یہ بعد والے بھی اس فقہ اور حکم شرعی پر عمل کریں جس پر یہ حدیث مشتمل ہے؟ اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے؛ جبکہ حدیث دلیل وحجت ہو اور شریعت کے احکام اس سے ثابت ہوتے ہوں۔

ایک مردِ مومن جس کے سر میں تھوڑی سی بھی عقل ہے کیا یہ وہم وگمان کرسکتا ہے کہ پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث پاک کو جو دوسروں کو سنانے کا حکم فرمایا ہے تو یہ احادیث (حاشا وکلاّ) ان دل بہلانے والی باتوں اور قصے، کہانیوں کی طرح ہیں جنھیں چوپال اور بیٹھکوں میں سنایا جاتا ہے؟ (حاشا وکلاّ) کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے بہت ہی بلند وبالا ہیں، اور آپ کی شانِ عصمت سے دور اور بہت دور ہے کہ اپنی امت کو بے فائدہ اور عبث کام کا حکم دیں؛ اس لیے لامحالہ حدیث کی تبلیغ وتحدیث کا حکم اور اس پر یہ دعا محض اسی بناء پر ہے کہ یہ دین اسلام میں حجت ہے۔ ہماری اس بات کی تائید امام مطلبی محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ رحمہ اللہ کے قول سے ہوتی ہے؛ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مروی اس حدیث کے تحت امام شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فلما ندب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی استماع مقالتہ وحفظھا، وأدائھا دل علی أنہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یأمر أن یؤدی عنہ الا ما تقوم بہ الحجۃ علی من أدی الیہ لأنہ انما یؤدی عنہ حلال یؤتی، وحرام یجتنب، وحد یقام ومال یؤخذ ویعطی، ونصیحۃ فی دین ودنیا، ودل علی أنہ قد یحمل الفقہ غیر فقیہ یکون لہ حافظا ولا یکون فیہ فقیھا" (الرسالۃ ص ۴۰۲ ونقلہ الامام السیوطی عن البیہقی فی مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ ص ۵)

پس جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وحدیث کو سننے، اسے محفوظ کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کا حکم دیا، تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم بتارہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بات کو دوسروں تک پہنچانے کا حکم اسی صورت میں دیں گے کہ جس کو یہ پہنچائی گئی ہے، اس پر اس سے حجت قائم ہورہی ہے؛ کیونکہ آپ کی جانب سے جو بات پہنچائی گئی ہے (وہ مشتمل ہوگی) حلال پر جو استعمال کیا جائے گا، یا حرام پر جس سے بچا جائے گا، یا حدو ممانعت پر کہ ٹھہرا جائے گا، یا مال پر جو لیا دیا جائے گا یا دین ودنیا کی خیر خواہی پر، اور آپ کا یہ فرمان یہ (بھی) دلالت کر رہا ہے کہ کبھی فقہ کا حامل غیر فقیہ ہوتا ہے، اس کا حافظ تو ہوتا ہے، اس میں فقیہ نہیں ہوتا۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے اصول فقہ کی اپنی نادر و بے مثال تصنیف "الرسالۃ" میں یہ حدیث خبر آحاد کی حجیت میں نقل کی ہے اور اس پر یہ تعلیق اور شرح درج فرمائی ہے، جس سے صاف طور پر معلوم ہورہا ہے کہ حدیث مبارک "نضّر الله امرأ سمع منا حديثا الخ" حجیت حدیث کی ایک روشن دلیل ہے۔

زکوٰۃ دراہم کا بیان

امام قدوری علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ زائد پر کچھ واجب نہیں۔ حتیٰ کہ چالیس تک پہنچ جائیں تو اس پر ایک درہم ہوگا۔ پھر ہر چالیس دراہم پر ایک درہم ہوگا۔ یہ امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ہے جبکہ صاحبین نے کہا ہے کہ دوسو سے زائد پر زکوٰۃ اسی حساب کے مطابق ہوگی۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول بھی یہی ہے۔ کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ والی روایت میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔ اور جو دوسو سے زائد ہو اس میں اسی کے حساب سے زکوٰۃ ہے۔ (سنن ابوداود) کیونکہ زکوٰۃ نعمت مال کے شکرانے کے لئے واجب ہوئی ہے اور ابتداء میں نصاب کی شرط ثبوت غناء کے لئے ہے۔ اور سوائم کے اندر نصاب کے بعد حصوں سے بچنے کے لئے ہے۔ اور سیّدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے۔ کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والی روایت میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔ کسور سے کچھ نہ پکڑو۔ (سنن دارقطنی) اور حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی روایت میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔ چالیس سے کم پر صدقہ نہیں ہے۔ (سنن نسائی، ابن حبان، مستدرک) کیونکہ شرعی طور پر حرج کو دور کیا گیا ہے۔ حالانکہ کسور واجب کرنے کی وجہ سے حرج ہوگا۔ کیونکہ کسور سے واقف ہونا متعذر ہے۔ اور دراہم میں وزن سبعہ معتبر ہے۔ اور وزن سبعہ یہ ہے کہ دس دراہم سات مثقال کے وزن کے برابر ہوں۔ اسی قیاس کے مطابق سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دفتر میں اجراء حکم تھا۔ اور اسی حکم کو باقی رہنے دیا گیا۔ (ہدایہ اولین، کتاب زکوٰۃ، لاہور)

سونے اور چاندی میں کھوٹ ملی ہوئی ہو حکم زکوٰۃ

اگر سونا اور چاندی میں کھوٹ ملا ہوا ہو تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر چاندی میں کھوٹ ملا ہوا ہو اور چاندی غالب ہو تو وہ چاندی کے حکم میں ہے اور سونے میں کھوٹ ملا ہوا اور سونا غالب ہو تو سونے کے حکم میں ہے اور اگر ان دونوں میں ملا ہوا کھوٹ غالب ہو تو یہ دونوں اسباب تجارت کی مانند ہیں پس اگر ان میں تجارت کی نیت کی ہو تو قیمت کے لحاظ سے زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر تجارت کی نیت نہ کی ہو تو ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ درہموں اور روپیوں میں کھوٹ ملا ہوا ہو تو اگر چاندی غالب ہے تو وہ خالص درہموں اور روپیوں یعنی چاندی کے حکم میں ہیں، اور اگر کھوٹ اور چاندی برابر برابر ہوں تب بھی مختار یہ ہے کہ زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر

کھوٹ غالب ہوتو وہ چاندی کے حکم میں نہیں ہے پس اگر وہ سکہ رائج الوقت ہیں یا سکہ تو اب نہ رہے لیکن ان میں تجارت کی نیت کی ہوتو ان کی قیمت کے اعتبار سے زکوۃ دی جائے گی، اور اگر ان درہموں کا رواج نہیں رہا ہوتو ان میں زکوۃ واجب نہیں لیکن اگر بہت ہوں اور ملاوٹ سے چاندی الگ ہوسکتی ہو اور ان میں اتنی چاندی ہو کہ دوسو درہم کی مقدار ہو جائے یا کسی دوسرے مال، چاندی سونا یا اسباب تجارت کے ساتھ مل کر نصاب ہو جائے تب بھی زکوۃ واجب ہوگی، اور اگر چاندی اس سے جدا نہ ہوسکتی ہو تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے کھوٹے درہموں میں جو اس وقت سکہ رائج ہوں ہر حال میں زکوۃ واجب ہوگی خواہ ان میں چاندی مغلوب ہی ہو اور الگ نہ ہوسکتی ہو اور خواہ ان میں تجارت کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو کیونکہ ان میں نیت تجارت کا ہونا شرط نہیں ہے ملاوٹ کے سونے کا بھی وہی حکم ہے جو ملاوٹ کی چاندی کا بیان ہوا ہے۔

اور اگر سونا اور چاندی آپس میں ملے ہوئے ہوں تو اگر چاندی مغلوب ہو اور سونا غالب ہو خواہ وزن کے اعتبار سے غالب ہو یا قیمت کے اعتبار سے تو وہ سونے کے حکم میں ہے اور اگر چاندی غالب ہو لیکن سونا اپنے نصاب کو پہنچ جائے تب بھی وہ کل سونے کے حکم میں ہے اور اس کل میں سونے کی زکوۃ واجب ہوگی اور اگر سونا نصاب کو نہ پہنچے لیکن چاندی نصاب کو پہنچ جائے تو کل میں چاندی کی زکوۃ واجب ہوگی، اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ مخلوط سونا قیمت میں چاندی سے کم ہو ورنہ کل میں سونے کی زکوۃ واجب ہوگی جاننا چاہئے کہ سونا اور چاندی کے مخلوط ہونے کی بارہ صورتیں مرتب ہوئیں یعنی سونا غالب ہو اور سونا اور چاندی بقدرِ نصاب ہوں، یا سونا غالب ہو اور فقط سونا بقدرِ نصاب ہو، یا چاندی غالب ہو اور ہر ایک بقدرِ نصاب ہو، یا چاندی غالب ہو اور فقط سونا بقدرِ نصاب ہو یا دونوں برابر ہوں اور ہر ایک بقدرِ نصاب ہو، یا دونوں برابر ہوں اور فقط سونا بقدرِ نصاب ہو (ان چھ صورتوں میں حکم سونے کا ہوگا اور سونے کی زکوۃ واجب ہوگی) یا چاندی غالب ہو اور فقط چاندی بقدرِ نصاب ہو (ان صورت میں حکم چاندی کا ہوگا اور چاندی کی زکوۃ واجب ہوگی)، یا سونا غالب ہو اور دونوں میں سے کوئی بقدرِ نصاب نہ ہو، یا چاندی غالب ہو اور دونوں میں سے کوئی بقدرِ نصاب نہ ہو، یا دونوں برابر ہوں اور بقدرِ نصاب نصاب نہ ہو (ان صورتوں میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی یا سونا غالب ہو اور فقط چاندی بقدرِ نصاب ہو یا دونوں برابر ہوں اور فقط چاندی بقدرِ نصاب ہو (یہ دونوں صورتیں ناممکن ہیں کیونکہ سونا بہت قیمتی چیز ہے) ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ سونا یا چاندی سے الگ الگ نصاب پورا نہیں ہوتا لیکن دونوں کو ملا کر نصاب پورا ہو جاتا ہے تو اس کا حکم جیسا کہ آگے آتا ہے یہ ہے کہ سونے کی زکوۃ واجب ہوگی۔ (زبدۃ الفقہ)

کھوٹ ملے ہوئے سونے چاندی کا حکم

اگر سونے یا چاندی میں کھوٹ شامل ہو سونا چاندی خالص نہ ہو مثلاً سونے میں تانبا یا پیتل ملا ہوا ہو اور چاندی میں ایلومینیم ملا ہوا ہو تو اس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں: (۱) سونا اور چاندی زیادہ ہے اور کھوٹ کم ہے۔ (۲) سونا، چاندی اور کھوٹ برابر برابر ہیں۔ (۳) سونا اور چاندی کم ہے اور کھوٹ زیادہ ہے۔

ان صورتوں میں زکوۃ کا حکم یہ ہے کہ پہلی دونوں صورتوں میں جبکہ سونا چاندی کھوٹ سے زیادہ ہوں یا کھوٹ کے برابر ہو تو یہ کھوٹ بھی سونا چاندی کے حکم میں ہوگی۔ اور زکوۃ کی فرضیت میں سونے چاندی کے نصاب کو دیکھا جائے گا۔

تیسری صورت میں جبکہ کھوٹ سونے چاندی پر غالب ہوتو وہ سونا چاندی بھی عروض یعنی سامان تجارت کے حکم میں ہوگا۔ سامان تجارت پر زکوٰۃ واجب ہونے کا جونصاب ہے وہی نصاب اس صورت میں معتبر ہوگا۔

بَابُ الْعُرُوضِ إِذَا كَانَتْ لِلتِّجَارَةِ هَلْ فِيهَا مِنْ زَكَاةٍ

باب: سامان جب تجارت کے لیے ہو تو کیا اس پر زکوٰۃ لازم ہوتی ہے

1562 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ دَاوُدَ بْنِ سُفْيَانَ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ مُوسَى أَبُو دَاوُدَ، حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ، حَدَّثَنِي خُبَيْبُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِيهِ سُلَيْمَانَ، عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ، قَالَ: أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِي نُعِدُّ لِلْبَيْعِ

❁❁ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اما بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حکم دیا تھا کہ ہم ہر اس چیز میں سے زکوٰۃ ادا کریں جسے ہم نے تجارت کے لیے تیار رکھا ہو۔

راوی حدیث حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ

نام ونسب

سمُرہ نام، ابوعبدالرحمان کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے: سمرہ بن جندب بن ہلال بن حریج بن مراہ بن حزن بن عمرو بن جابر بن ذو الریاستین خشین بن لای بن عاصم (عصیم) ابن شمخ بن فزارہ بن ذبیان بن بغیض بن ریث بن غطفان۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کے باپ ان کی صغرسنی میں فوت ہوئے، ماں ان کو لے کر مدینہ آئیں اور انصار میں نکاح کا پیام دیا، لیکن شرط یہ پیش کی کہ شوہر پر میری اور سمرہ دونوں کی کفالت ضروری ہوگی مری بن شیبا بن ثعلبہ نے اس کو منظور کیا اور عقد ہوگیا، سمرہ رضی اللہ عنہ نے انہی کے ظلِ عاطفت میں تربیت پائی۔

اسلام

ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔

غزوات

کم سنی کی وجہ سے بدر میں شرکت نہ کی، احد میں انصار کے لڑکے معائنہ کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو جنگ کے قابل سمجھ کر میدان میں جانے کے اجازت دیدی اور سمرہ رضی اللہ عنہ کو واپس کر دیا، سمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا آپ ان کو اجازت دیتے ہیں حالانکہ میں ان سے طاقتور ہوں، اور یقین نہ ہو تو کشتی لڑا کر دیکھ لیجیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کشتی کا حکم دیا جس میں سمرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مقابل کو اٹھا کر دے پٹکا آپ نے یہ دیکھ کر ان کو بھی میدان

جنگ میں جانے کی اجازت دے دی۔

احد کے بعد تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

عہد نبوی مدینہ میں بسر کیا، بعد میں بصرہ کی سکونت اختیار کی ۵۰ ھ میں جب مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ والی کوفہ کا انتقال ہو گیا، اور زیاد بن سمیہ بصرہ کے ساتھ کوفہ کا بھی والی ہو گیا تو اس نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا وہ بصرہ اور کوفہ میں ٦،٦ ماہ رہتا تھا حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بھی دونوں جگہ قیام فرماتے وہ بصرہ آتا تو یہ کوفہ اور وہ کوفہ پہنچتا تو یہ بصرہ چلے جاتے تھے۔

زیاد کا عہد حکومت ہر حیثیت سے یادگار رہے گا، اس کے عہد میں امن وامان کا اس درجہ اہتمام تھا کہ کسی قسم کی شورش بصرہ اور کوفہ میں نشوونما نہ پاسکی، انقلاب پسندوں کا ایک گروہ جو زمانہ قدیم سے موجود تھا، اُس نے ایک مرتبہ سر اٹھایا تو اچھی طرح اس کی سرکوبی کی گئی۔

خوارج جن کا ظہور جناب امیر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں ہوا، نہایت مفسد اور شورہ پشت تھے باوجود اس کے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے جنگ نہروان میں ان کو شکست ہوئی اور ان کے بڑے بڑے بہادر مارے گئے، لیکن پھر بھی پورے طور پر ان کا استیصال نہ ہوسکا، وقتاً فوقتاً سرکشی کرتے اور علم بغاوت بلند کرتے تھے، بصرہ اور کوفہ ان کے مرکز تھے، زیاد کو ان کے قلع قمع کرنے کی بڑی فکر تھی، حسن اتفاق سے سمرہ رضی اللہ عنہ بھی اس کے ہم خیال تھے اس بناء پر سمرہ رضی اللہ عنہ نے خوارج کے قتل کا بالکل تہیہ کرلیا، (طبری: ۷/۹۱)

صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں:

كان إذا أتي بواحد منهم قتله، ويقول: شر قتلى تحت أديم السماء، يكفرون المسلمين، ويسفكون الدماء (اسد الغابہ، باب سمرۃ بن معیر: ۱/۴۷۹)

سمرہ رضی اللہ عنہ کے پاس جو خارجی آتا قتل کراتے اور کہتے کہ آسمان کے نیچے یہ سب سے بدتر مقتول ہیں کیونکہ مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں اور خونریزی کرتے ہیں۔

خوارج اسی شدت اور عداوت کی وجہ سے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کو برا کہتے اور اُن کی روش پر اعتراض کرتے تھے ان کے مقابلہ میں فضلائے بصرہ کا ایک گروہ جس میں ابن سیرین اور حسن بصری بھی شامل تھے، ان کی تعریف کرتا اور ان کی طرف سے جواب دیتا تھا۔

رمضان ۵۳ھ میں جب زیاد نے وفات پائی تو نظام حکومت میں بھی کچھ تغیر ہوا، بصرہ اور کوفہ دو جداگانہ صوبے قرار پائے اور دونوں کے الگ الگ والی مقرر ہوئے، حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بصرہ کے والی مقرر ہوئے جو کم وبیش ایک سال تک اس منصب پر رہے اور ۵۴ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے معزول ہوئے۔

وفات

۵۴ھ میں انتقال کیا، جسم میں سردی سماگئی تھی، علاج کے لئے گرم پانی کی دیگ پر عرصہ تک بیٹھے رہے، لیکن کوئی فائدہ نہیں

ہوا، آخر اس نے مرض الموت کی صورت اختیار کرلی ایک روز شدت سے سردی محسوس ہوئی، آتش دانوں میں آگ جلوا کر چاروں طرف رکھوائی؛ لیکن کچھ افاقہ نہ ہوا، فرمایا کیا بتلاؤں کہ پیٹ کی کیا حالت ہے، غرض اس بے چینی میں دیگ پر بیٹھے اور کھولتے پانی میں گر کر انتقال فرما گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ، ابومحذورہ رضی اللہ عنہ اور سمرہ رضی اللہ عنہ سے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ تم تینوں میں سب کے بعد مرنے والا آگ میں جل کر مرے گا؛ چنانچہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی وفات سے اس پیشنگوئی کی تصدیق ہوگئی۔

اولاد

اولاد کی صحیح تعداد معلوم نہیں دولڑکوں کے نام یہ ہیں، سلیمان، سعد۔

فضل وکمال

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ فضلائے صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھے اور باوجودیکہ عہد نبوت میں صغیر السن تھے، سینکڑوں حدیثیں یاد تھیں، استیعاب میں ہے۔ کان من الحفاظ المکثرین عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وہ حدیث کے حافظ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کثیر روایت کرتے تھے۔

تہذیب التہذیب میں ہے کہ ان کی احادیث کا ایک بڑا نسخہ ان کے بیٹے کے پاس تھا۔ (تہذیب:۴/۱۹۸)

سیرین کہتے ہیں کہ یہ رسالہ علم کے بہت بڑے حصہ پر مشتمل تھا۔ (اسد الغابہ:۲/۳۵۴)

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کو احادیث یادرکھنے میں خاص اہتمام تھا، حافظہ غیر معمولی تھا جس بات کا ارادہ کرتے یاد ہوجاتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دوجگہ ٹھہرا کرتے تھے، ایک تکبیر کے بعد جب سبحانك اللھم پڑھتے، دوسرے "ولا الضالین" کے بعد جب آمین کہتے یہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کو یاد تھا اور وہ اس پر عامل بھی تھے، حضرت عمران رضی اللہ عنہ بن حصین جوان سے معمر تھے بھول گئے تھے، سمرہ رضی اللہ عنہ نے نماز میں اس پر عمل کیا تو معترض ہوئے حضرت ابی بن رضی اللہ عنہ کعب کو مدینہ خط لکھا گیا انہوں نے جواب دیا سمرہ کو ٹھیک یاد ہے۔ (مسند:۵)

اسی طرح خطبہ میں ایک حدیث روایت کی، ثعلبہ بن عباد عبدی موجود تھے، کہتے ہیں کہ جب دوبارہ بیان کی تو الفاظ میں کہیں بھی تفاوت نہ تھا (ایضا) بایں ہمہ قوت حفظ روایت حدیث میں محتاط تھے، مسند احمد میں ہے:

إِنَّهُ لَيَمْنَعُنِي أَنْ أَتَكَلَّمَ بِكَثِيرٍ مِمَّا كُنْتُ أَسْمَعُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ هَاهُنَا مَنْ هُوَ أَكْبَرُ مِنِّي وَكُنْتُ لَيَالَئِذٍ غُلَامًا وَإِنِّي كُنْتُ لَأَحْفَظُ مَا أَسْمَعُ مِنْهُ

(مسند احمد، باب ومن حدیث سمرۃ بن جندب عن النبی، حدیث نمبر:۱۹۳۴۷)

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کچھ سنا ہے؛ لیکن اس کو بیان کرنے میں اکابر صحابہ کا ادب مانع ہوتا ہے یہ لوگ مجھ سے عمر میں بڑے ہیں، میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لڑکا تھا تاہم جو کچھ سنتا تھا یاد رکھتا تھا۔

کبھی کبھی احادیث روایت کرتے اور کسی کو کوئی شبہ ہوتا تو اس کا جواب دیتے تھے، ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک

معجزہ کوسنا اور پوچھا کہ کیا کھانا زیادہ ہوگیا تھا؟ بولے تعجب کی کیا بات ہے؟ لیکن وہاں (آسمان) کے سوا اور کہیں سے نہیں بڑھا تھا۔ (مسند:۱۸)

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح سے روایتیں کی ہیں، کتابوں میں ان کی سند سے کل (۱۲۳) حدیثیں مندرج ہیں، راویوں کے نام حسب ذیل ہیں:

حضرت عمران رضی اللہ عنہ بن حسین، شعبی، ابن ابی لیلی، علی بن ربیعہ، عبداللہ بن بریدہ، حسن بصری، ابن سیرین، مطرف بن شخیر، ابو العلاء، ابورجاء، قدامہ بن دبرہ، زید بن عقبہ، ربیع بن عمیلہ، ہلال بن لیاف ابو نضرۃ العبدی، ثعلبہ بن عباد۔

اخلاق

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ میں بہت سی اخلاقی خوبیاں تھیں، وہ نہایت امانت دار، راست گو اور بہی خواہ اسلام تھے۔ (استیعاب:۲/۵۷۹)

پچھنا لگانا آنحضرت ﷺ کی سنت ہے اس پر عملدرآمد کرتے تھے۔ (مسند:۵/۱۸)

عرب میں احنف نامی ایک شخص نے ایک خاص قسم کی تلوار تھی، سمرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی نقل بنوائی ان کے شاگردوں میں ابن سیرین نے بھی اس کی نقل لی تھی۔

آنحضرت ﷺ نماز میں جیسا کہ آپ نے اوپر پڑھا، دو جگہ سکوت کرتے تھے، حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کا بھی اس پر عمل تھا۔

مال تجارت کی زکوۃ کا بیان

مال تجارت کے سامان میں زکوۃ واجب ہے۔ خواہ سامان کسی طرح کا بھی ہو اس شرط کے ساتھ کہ اس کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کو پہنچنے والی ہو۔ اس لئے کہ مال تجارت کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سامان کی قیمت لگائی جائے پھر ہر دوسو دراہم میں سے پانچ دراہم زکوۃ ادا کرے۔ (سنن ابوداؤد) کیونکہ بندہ جب تجارت کرتا ہے تو یہ تجارت کرنا سامان کے لئے طلب نمو ہے۔ لہٰذا یہ طلب نمو شریعت والے طلب نمو کی طرح ہو گیا۔ اور تجارت کی نیت اس لئے شرط ہے تاکہ نامی ہونا ثابت ہو جائے۔

اس کے بعد صاحب قدوری نے کہا ہے۔ کہ سامان کی قیمت ایسی نقدی سے لگائی جائے جس سے مسکینوں کو فائدہ ہو۔ فقراء کے حق میں احتیاط کی وجہ سے یہ حکم ہے۔ مصنف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ یہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ سے روایت ہے جبکہ مبسوط میں مالک کو اختیار دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ چیزوں کی قیمت کا اندازہ کرنے میں دونوں نقد برابر ہیں۔ اور زیادہ نفع بخش تفسیر یہ ہے کہ ایسی نقدی کے ساتھ قیمت لگائے جس کے ساتھ اندازہ کرنے میں نصاب برابر ہو جائے۔ اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ وہ سامان کی قیمت اسی نقدی کے ساتھ لگائے جس نقدی سے اس نے خریداری کی تھی۔ لیکن شرط یہ کہ ثمن نقدی

سے دی ہو۔ کیونکہ مالیت کو پہچاننے میں یہ سب سے زیادہ وسیع ہے۔اور اگر اس نے سامان نقدی کے سوا کسی دوسری چیز سے خریداری کر کے لیا ہے تو پھر اس طرح کی نقدی سے اندازہ کرے جو سب زیادہ چلنے والی ہو۔اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ ہر حالت میں غالب نقدی کے ساتھ قیمت کا اندازہ کیا جائے گا۔جس طرح غصب شدہ اور ہلاک شدہ سامان میں کیا جاتا ہے۔(ہدایہ اولین، کتاب زکوٰۃ، لاہور)

نیت تجارت کی صراحت ودلالت کا بیان

علامہ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں:

نیت تجارت کبھی صراحۃً ہوتی ہے کبھی دلالۃً صراحۃً یہ کہ عقد کے وقت ہی نیت تجارت کر لی خواہ وہ عقد خریداری ہو یا اجارہ۔ثمن روپیہ اشرفی ہو یا اسباب میں سے کوئی شے۔دلالۃً کی صورت یہ ہے کہ مال تجارت کے بدلے کوئی چیز خریدی یا مکان جو تجارت کے لئے ہے اس کو کسی اسباب کے بدلے کرایہ پر دیا تو یہ اسباب اور وہ خریدی ہوئی چیز تجارت کے لئے ہے اگرچہ صراحۃً تجارت کی نیت نہ کی۔یونہی اگر کسی سے کوئی چیز تجارت کے لئے قرض لی تو یہ بھی تجارت کے لئے ہے مثلاً دوسو درم کا مالک ہے اور من بھر گیہوں قرض لئے تو اگر تجارت کے لئے نہیں لئے تو زکوٰۃ واجب نہیں کہ گیہوں کے دام انہیں دوسو سے مجرا کئے جائیں گے تو نصاب باقی نہ رہی اور اگر تجارت کے لئے ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی کہ ان گیہوں کی قیمت دوسو پر اضافہ کریں اور مجموعہ سے قرض مجرا کریں تو دوسو سالم رہے لہٰذا زکوٰۃ واجب ہوئی۔

جس عقد میں تبادلہ ہی نہ ہو جیسے ہبہ، وصیت، صدقہ یا تبادلہ ہو مگر مال سے تبادلہ نہ ہو جیسے مہر، بدل خلع، بدل عتق ان دونوں قسم کے عقد کے ذریعہ سے اگر کسی چیز کا مالک ہوا تو اس میں نیت تجارت صحیح نہیں یعنی اگرچہ تجارت کی نیت کرے زکوٰۃ واجب نہیں۔یونہی اگر ایسی چیز میراث میں ملی تو اس میں بھی نیت تجارت صحیح نہیں۔

مورث کے پاس تجارت کا مال تھا۔اس کے مرنے کے بعد وارثوں نے تجارت کی نیت کی تو زکوٰۃ واجب ہے۔یونہی چرائی کے جانور وراثت میں ملے تو زکوٰۃ واجب ہے چرائی پر رکھنا چاہتے ہوں یا نہیں۔نیت تجارت کے لئے یہ شرط ہے کہ وقت عقد نیت ہو اگرچہ دلالۃً تو اگر عقد کے بعد نیت کی، زکوٰۃ واجب نہ ہوئی۔یونہی اگر رکھنے کے لئے کوئی چیز لی اور یہ نیت کی کہ نفع ملے گا تو بیچ ڈالوں گا تو زکوٰۃ واجب نہیں۔تجارت کے لئے غلام خریدا تھا پھر خدمت لینے کی نیت کر لی پھر تجارت کی نیت کی تو تجارت کا نہ ہوگا جب تک ایسی چیز کے بدلے نہ بیچے جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔(عالمگیری۔درمختار، کتاب زکوٰۃ، بیروت)

مال تجارت (عروض) میں زکوٰۃ:

سونے، چاندی اور مویشیوں کے علاوہ جو مال ہو وہ سامانِ تجارت میں شامل ہے۔

مال تجارت سے کیا مراد ہے:

مال تجارت (عروض) سے مراد ہر وہ مال ہے جو اس نیت سے خریدا ہو کہ اسے تجارت میں لگائیں گے یا آگے فروخت کریں گے۔اور یہ نیت ابھی تک برقرار ہو۔

لہٰذا وہ مال جو آگے بیچنے کے ارادے سے نہیں خریدا بلکہ گھریلو ضروریات کے لیے خریدا ہے، (جیسے پہننے کے لیے کپڑا، گھر میں پکانے کے لیے چاولوں کا ٹرک، یا رہائشی مکان تعمیر کرنے کے لیے پلاٹ خریدا) تو یہ مال مال تجارت نہیں کہلائے گا۔

ایسا مال جو آگے بیچنے کی نیت سے نہیں خریدا بلکہ گھریلو ضروریات کے لیے خریدا تھا بعد میں اسے بیچنے کا ارادہ کر لیا تب بھی وہ مال مال تجارت نہیں بنے گا۔ اس لیے کہ جب اسے خریدا تھا اس وقت بیچنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

لیکن یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ ایسا مال محض بیچنے کے ارادے سے تو مال تجارت نہیں بنتا لیکن اگر کوئی شخص (بالفعل) تجارت شروع کردے یعنی ارادے کے بعد کسی سے سودا وغیرہ طے کرلے اور اسے بیچ دے تو یہ مال مال تجارت (عروض) بن جائے گا۔ چنانچہ حاصل ہونے والی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اس کے برعکس جو مال تجارت کی نیت سے خریدا تھا اور اسی نیت کی وجہ سے مال تجارت (عروض) بن چکا تھا، لیکن اب اسے آگے بیچنے کا ارادہ ترک کردیا۔ مثلاً کوئی پلاٹ یا فلیٹ آگے بیچنے کی نیت سے خریدا تھا مگر اب اسے اپنی رہائش میں استعمال کرنے کا ارادہ کرلیا تو وہ مال بھی مال تجارت نہیں رہے گا۔ صرف ارادے سے ہی اس کی مال تجارت ہونے کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔

مال تجارت میں نصاب زکوٰۃ:

مال تجارت (عروض) خواہ کسی قسم کا ہو (کپڑا ہو یا اناج، جنرل اسٹور کا سامان ہو یا اسٹیشنری کا سامان، مشینری ہو یا بجلی کا سامان) اگر سونے کے نصاب (ساڑھے سات تولہ) یا چاندی کے نصاب (ساڑھے باون تولہ) میں سے کسی ایک کی بازاری قیمت کے برابر ہو تو اس مال پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔

پھر حولان حول (سال گزرنے) کی شرط کے ساتھ اس کا ادا کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ نیت اور تملیک پائی جائے تو ادائیگی صحیح ہو جاتی ہے۔

مال تجارت کے نصاب پر سال پورا ہو جائے تو اس کی زکوٰۃ نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ کل مال تجارت کی بازاری قیمت لگائی جائے اور اس کل قیمت کا ڈھائی فیصد (چالیسواں حصہ) رقم زکوٰۃ کے مستحق کو دے دی جائے یا کل رقم کے اڑھائی فیصد کے برابر وہی مال تجارت مستحق کو دیدیا جائے۔

ضروری وضاحت مال تجارت میں خود دکان کی قیمت اور اس میں موجود فرنیچر کی قیمت، اسی طرح کارخانے میں مشینری کی قیمت کو شمار نہیں کیا جائے گا۔

وجہ صاف ظاہر ہے کہ خود دکان اور اس میں فرنیچر اور فیکٹری کی مشین چونکہ آگے بیچنے کی نیت سے نہیں خریدی لہٰذا وہ مال تجارت میں شامل نہیں ہوگی۔

بلکہ اس نظر سے دیکھا جائے کہ یہ دکان فرنیچر اور مشینری وغیرہ روزگار کا آلہ اور ذریعہ ہیں تو یہ حاجت اصلیہ میں شامل ہونگے اور زکوٰۃ فرض ہونے کے لیے مال کا حاجت اصلیہ سے زائد ہونا ضروری ہے۔ لیکن اگر کسی نے فرنیچر کی دکان بنائی یا ایسی دکان جس میں کارخانے کی مشینری فروخت ہوتی ہو تو اب یہ چیزیں مال تجارت میں شامل ہونگی۔ کیونکہ ایسی دکانوں میں فرنیچر یا مشینری بیچنے کے ارادے سے خرید کر رکھی جاتی ہے۔

مال تجارت کی زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مال تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے۔اور ابن منذر نے کہا ہے کہ اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔اوراس کی روایت حضرت عمر بن خطاب، ابن عباس رضی اللہ عنہم سے ہے۔

فقہاء سبعہ سے بھی اسی طرح روایت ہے اور وہ حضرت سعید بن مسیب، قاسم بن محمد، عروہ بن زبیر، ابوبکر بن عبدالرحمن بن حرب، خارجہ بن زید، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، سلمان بن یسار، طاؤس، حسن بصری، اور ابراہیم نخعی، اوزاعی، ثوری، حضرت امام شافعی،، امام احمد اور امام اسحاق وغیرہ تمام کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہے۔

حضرت امام مالک اور ربیعہ نے کہا ہے کہ مال تجارت میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔(البنائیہ شرح الہدایہ، ۴ص، ۱۰۲، حقانیہ ملتان)

کمپنی اور مشترک کاروبار کے حصہ داروں کی زکوٰۃ:

مشترکہ تجارت اور کمپنی فیکٹری وغیرہ کے حصہ داروں کی زکوٰۃ مجموعہ رقم اور مال پر واجب نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ ہر حصہ دار کی زکوٰۃ اس کے حصہ کے حساب سے ادا کرنا واجب ہوگا؛ لہٰذا جس کا حصہ نصاب کو پہنچے گا؛ اس پر اپنے حصہ کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگا اور جس کا حصہ نصاب کو نہیں پہنچتا ہے اور اسکے پاس اس کے علاوہ اتنا مال نہیں ہے جس کو ملا کر نصاب مکمل ہوسکتا ہے تو ایسے حصہ دار پر زکوٰۃ ہی واجب نہیں ہے اور جس کے پاس شرکت کے حصہ کے علاوہ اتنا مال ہے جس کو ملا کر نصاب مکمل ہوجاتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے؛ لیکن وہ اپنے حصہ کی زکوٰۃ اپنے طور پر نکالا کریگا۔(ایضاح النوادر: ۱/ر، ناشر: مکتبۃ الاصلاح، مرادآباد)

شیئرز کی زکوٰۃ کے بارے میں فقہی دلائل:

ملوں اور کمپنیوں کے شیئرز پر بھی زکوٰۃ فرض ہے؛ بشرطیکہ شیئرز کی قیمت بقدر نصاب ہو یا اس کے علاوہ دیگر مال مل کر شیئر ہولڈر مالک نصاب بن جاتا ہو؛ البتہ کمپنیوں کے شیئرز کی قیمت میں؛ چونکہ مشینری اور مکان اور فرنیچر وغیرہ کی لاگ بھی شامل ہوتی ہے جو درحقیقت زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے؛ اس لیے اگر کوئی شخص کمپنی سے دریافت کر کے جس قدر رقم اس کی مشینری اور مکان اور فرنیچر وغیرہ میں لگی ہوئی ہے، اُس کو اپنے حصے کے مطابق شیئرز کی قیمت میں سے کم کر کے باقی کی زکوٰۃ دے تو یہ بھی جائز اور درست ہے۔سال کے ختم پر جب زکوٰۃ دینے لگے اس وقت جو شیئرز کی قیمت ہوگی وہی لگے گی۔(درمختار وشامی)

پراویڈنٹ فنڈ جو ابھی وصول نہیں ہوا اُس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے؛ لیکن ملازمت چھوڑنے کے بعد جب اس فنڈ کا روپیہ وصول ہوگا، اس وقت اس روپیہ پر زکوٰۃ فرض ہوگی، بشرطیکہ یہ رقم بقدر نصاب ہو یا دیگر مال کے ساتھ مل کر بقدر نصاب ہوجاتی ہو وصولیابی سے قبل کی زکوٰۃ پراویڈنٹ کی رقم پر واجب نہیں، یعنی پچھلے سالوں کی زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

صاحب نصاب اگر کسی سال کی زکوٰۃ پیشگی دے دے تو یہ بھی جائز ہے؛ البتہ اگر بعد میں سال پورا ہونے کے اندر مال بڑھ گیا تو اس بڑھے ہوئے مال کی زکوٰۃ علیحدہ دینا ہوگی۔(درمختار وشامی)

شیرز کی زکوٰۃ کے سلسلہ میں عام طور پر یہ بحث کی جاتی تھی کہ شیرز کی نوعیت صنعتی ہے یا تجارتی؟ اگر اس کی نوعیت صنعتی ہو یعنی اس کے ذریعہ مشنریز اور آلات خرید کئے جاتے ہوں اور پھر ان سے مال تیار کیا جاتا ہو تو اصولی طور پر مشنریز کی صورت میں

جو سرمایہ محفوظ ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہونی چاہیے؛ البتہ جو حصص تجارت میں مشغول کئے جائیں ان پر زکوٰۃ واجب ہونی چاہیے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج کل حصص بجائے خود ایک تجارت بن گئے ہیں اور بڑے پیمانے پر اس کی خرید وفروخت عمل میں آتی ہے؛ اسی لیے عصرِ حاضر کے محقق علماء نے شیرز کو مطلق ایک تجارت تسلیم کیا ہے اور یہی موجودہ ماہرینِ اقتصادیات کی رائے ہے؛ لہٰذا شیرز بجائے خود سامانِ تجارت ہے اور اس میں زکوٰۃ واجب ہے، جن لوگوں نے اس نیت سے حصص خریدے ہوں کہ حصص کو باقی رکھتے ہوئے کمپنی جو نفع دے اس سے استفادہ کرنا ہے، ان کو تو زکوٰۃ حصص کی اصل قیمت کے لحاظ سے ادا کرنی ہوگی، جو خود کمپنی کو تسلیم ہو اور جن لوگوں نے حصص اس مقصد کے لیے خرید کیا ہو کہ قیمت بڑھنے کے بعد اسے فروخت کردیں گے ان لوگوں کو موجودہ مارکٹ کی قیمت کے لحاظ سے حصص کی زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے، مثلاً کمپنی کے نزدیک اس کی قیمت پچیس روپے ہے اور بازار میں اس وقت یہ حصص ڈھائی سو روپے کے حساب سے فروخت کئے جارہے ہیں تو پہلی صورت میں پچیس روپے کے حساب سے اور دوسری صورت میں ڈھائی سو روپے کے حساب سے قیمت لگا کر زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ (جدید فقہی مسائل)

باونڈز کی زکوٰۃ کا بیان:

باونڈز اصل میں قرض کی سند اور اس کی دستاویز ہے؛ گو آج کل باونڈز کی بھی خرید وفروخت ہونے لگی ہے؛ مگر شرعاً یہ ناجائز اور حرام ہے، فقہ کی اصطلاح میں باونڈز کی حیثیت دین قوی کی ہے، اس لیے قرض کی وصولی کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرنی ہوگی، سود کی شکل میں جو رقم حاصل ہو وہ تو حرام ہونے کی وجہ سے کل کی کل واجب التصدق ہے؛ لیکن اگر اس شخص نے صدقہ نہ کیا ہو تو پھر اس کا حکم بھی زکوٰۃ کے باب میں دوسرے اموالِ حرام کا سا ہوگا، مال حلال کے ساتھ اس طرح مل جائے کہ سودی رقم کا حساب بھی محفوظ نہ رہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے کے مطابق دوسرے اموال کے ساتھ ملا کر اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(جدید فقہی مسائل)

انعامی باؤنڈز کی خرید وفروخت کے عدم جواز کا بیان:

پرائز بونڈ خواہ بینک کے جاری کردہ ہوں یا کسی اور سرکاری یا غیر سرکاری ادارہ کے یہ درحقیقت سود اور جوئے کی ایسی مرکب شکلیں ہیں جو اسلامی شریعت کی رو سے قطعاً ناجائز ہیں۔ ان پرائز بونڈز میں سود تو اس لیے ہے کہ انعامی بونڈز کی رقم بینک یا کسی بھی متعلقہ ادارہ کے ذمہ قرض ہے اور انعامی بونڈز رکھنے والوں کو بصورت انعام جو کچھ ملتا ہے وہ اسی قرض پر ملتا ہے جو کہ جملہ انعامی بونڈز رکھنے والوں سے مشروط ہے اور قرض پر ہر قسم کا مشروط نفع شریعت کی رو سے سود ہے۔

اور اگر اس نفع کو صرف انعام بھی تصور کرلیا جائے تو بھی اس کا حصول جائز نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے قرض دے کر ہدیہ تک لینے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح پرائز بونڈز کے انعام میں بھی جوا شامل ہے بایں معنیٰ کہ پرائز بونڈز کے حصہ داران زائد رقم وصول کرنے کی غرض سے رقم جمع کراتے ہیں لیکن یہ زائد رقم قرعہ اندازی اور اس میں نام آنے کے ساتھ مشروط ہے، اس لیے غیر یقینی طور پر تردد میں رہتے ہیں کہ نام آئے گا یا نہیں کیونکہ زائد رقم کے ملنے اور نہ ملنے کے امکانات برابر ہیں اور اسی کو شرعی اصطلاح میں قمار (جوا) کہتے ہیں۔

کاروباری نقطہ نظر سے جس کاروبار میں نفع نہ ہو وہ نقصان ہے تو جن انعامی بونڈز رکھنے والوں کے نام نہیں آتے وہ گویا نقصان میں ہیں اور نفع نقصان کے درمیان معلق رہنے والا معاملہ شرعاً جوا کہلاتا ہے کہ یا تو اصل رقم سے زائد رقم مل جائے گی اور یا اصل تو محفوظ رہیگی لیکن جس نفع کی لالچ میں بونڈز خریدے تھے کم از کم وہ نفع حاصل نہیں ہوا۔

اس لئے پرائز بونڈز کی خرید وفروخت کرنا اور اس سے ملنے والا انعام یا نفع از روئے شریعت ناجائز اور حرام ہے۔ فقط واللہ اعلم (جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی)

پرائز بونڈ پر جو رقم ملتی ہے وہ جوا ہے اور سود بھی، جوا اس طرح ہے کہ بونڈ خریدنے والوں میں سے کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کو اس بونڈ کے بدلے میں دس روپے ہی ملیں گے یا مثلاً پچاس ہزار۔ اور سود اس طرح ہے کہ پرائز بونڈ خرید کر اس شخص نے متعلقہ ادارے کو دس روپے قرض دیئے اور ادارے نے اس روپے کے بدلے اس کو پچاس ہزار دس روپے واپس کئے، اب یہ زائد رقم جو انعام کے نام پر اس کو ملی ہے، خالص سود ہے۔ (یوسف لدھیانوی)

انعامی باؤنڈز کی خرید وفروخت کے جواز کا بیان:

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک انعامی باؤنڈز کی بیع جائز ہے۔ اور حکومت کی طرف سے اس کو خریدنے کی ترغیب کے لئے جو انعام جاری کیا جاتا ہے۔ وہ بھی جائز ہے۔ کیونکہ اس انعام پر ربو یا قمار کی تعریف صادق نہیں آتی۔ مودودی اور مولوی مزمل نے اس پر مصنوعی انداز فکر سے گفتگو کی ہے انہوں نے پہلے اس کو ناجائز فرض کر لیا ہے۔ پھر اس کے بعد زبردستی قمار کے معنی پہنا کر ناجائز بنا دیا ہے۔ (شرح صحیح مسلم، ج۴، ص ۱۱۴، فرید بک سٹال لاہور)

انعامی باؤنڈز کی خرید وفروخت میں مصنف کا نظریہ:

ہمارے نزدیک حکومتی انعامی باؤنڈز کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے جواز میں سعیدی صاحب نے جتنے دلائل ذکر کیے ہیں۔ ان سے جواز کی قطعیت یا اباحت ثابت نہیں ہوتی۔ اور جہاں دیوبندی مکتب فکر کا نظریہ ہے وہ واقعی مصنوعی انداز فکر ہے۔ لیکن دلائل شرعیہ سے ہم اس کے عدم جواز کے قائل ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس بیع کو اگر ہم اسلامی احکام میں بیان کردہ بیوع جو جائز ہیں ان میں کسی جزی پر منطبق کریں تو اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ سے اس میں اشتباہ پڑ گیا اور شریعت نے اشتباہ سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کو خود سنا ہے اور اسے یاد رکھا ہے کہ جو چیز تم کو شک میں ڈالے اس کو چھوڑ دو اور اس چیز کی طرف میلان رکھو جو تم کو شک میں نہ ڈالے کیونکہ حق دل کے اطمینان کا باعث ہے اور باطل شک وتردد کا موجب ہے) (مشکوۃ المصابیح)

ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ شبہات میں پڑنے سے بچو اور جو چیزیں شبہات میں مبتلا کرنے والی ہوں ان سے اجتناب کرو بعض علماء کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ از قسم اقوال واعمال جس چیز کی حلت وحرمت کے بارے میں تمہارا ضمیر شک میں مبتلا ہو جائے تو اس چیز کو چھوڑ کر اس چیز کو اختیار کرلو جس کے بارے میں تمہارا ضمیر کسی شک میں مبتلا نہ ہو کیونکہ انسان کا ضمیر چونکہ غلط

راہنمائی نہیں کرتا اس لئے کسی چیز کے بارے میں ضمیر کا شک میں مبتلا ہونا اس چیز کے غلط اور باطل ہونے کی علامت ہے اور کسی چیز کے بارے میں ضمیر کا مطمئن ہوجانا اس چیز کے صحیح اور حق ہونے کی علامت ہے گویا کسی چیز کے صحیح یا غلط ہونے اور اس کے حلال یا حرام ہونے کی پہچان کے لئے یہ ایک قاعدہ اور کسوٹی ہے تاہم یہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ یہ بات ہر شخص کو حلال نہیں ہوتی بلکہ یہ وصف خاص ان صالح انسانوں کو نصیب ہوتا ہے جن کے ذہن وفکر اور جن کے دل ودماغ تقویٰ وایمان داری اور راستبازی وحق پسندی کے جوہر سے معمور ہوتے ہیں۔

قرض پر قیاس کرنے کی وجہ سے انعامی باؤنڈز کی ممانعت:

انعامی باؤنڈز کی صرف ایک ہی صورت بن سکتی ہے کہ اس کو قرض پر قیاس کیا جائے۔ اور یہ کہا جائے کہ حکومت لوگوں سے قرض لے کر مختلف کاروبار پر خرچ کرتی ہے۔ اور تمام کے مال کو بعینہ واپس کرتی ہے۔ جبکہ بعض کو بطور انعام اصل رقم سے زائد دیتی ہے اور یہی زیادہ دینا غلط ہے۔ کیونکہ ہر وہ شخص جو باؤنڈز خریدتا ہے وہ اس توقع یا امید پر خریدتا ہے کہ اس کو اصل رقم سے زائد رقم ملے گی اور یہی سود ہے۔

علامہ سعیدی صاحب کی تحقیق ہے کہ سود کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی۔ یہ ابتدائی معاملہ ہے جبکہ انتہائی معاملہ جو مقام مسبب پر ہے اور جس پر حکم کا اطلاق ہونا ہے اگر اس دیکھا جائے تو اس پر سود کی تعریف بھی صادق آجائے گی۔ اور اس قاعدہ فقہیہ بھی صادق آئے گا۔ اور یہ اعتراض بھی دور ہوجائے گا کہ آپ خریدنے والے کی نیت تو نہیں جانتے کہ وہ زیادہ کی نیت کررہا ہے یا نہیں تو اس کا جواب بڑا آسان ہے اگر حکومت اعلان کردے کہ کسی باؤنڈز خریدنے والے کو اصل رقم سے زائد رقم نہ ملے گی۔ تو اس وقت حال اسی بات پر دلالت کرے گا۔ کہ لوگوں کا باؤنڈز کو خریدنا یہ اصل سے رقم سے زائد وصول کرنے کے ساتھ بطور حکم متعین ہو گیا۔ اور فقہی قاعدے کے مطابق حال بھی اسی طرح دلالت کرنے والا ہے جس طرح قول دلالت کرتا ہے۔ اور قاعدہ حسب ذیل ہے۔

صاحب اصول کرخی لکھتے ہیں۔

حال اسی طرح دلالت کرتا ہے جس طرح قول دلالت کرتا ہے۔ قاعدہ فقہیہ:

ان للحالۃ من الدلالۃ کما للمقالۃ۔ (الاصول)

بے شک حال اسی طرح دلالت کرتا ہے جس طرح قول دلالت کرتا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غیر شادی شدہ لڑکی سے مشورہ کئے بغیر اس کا نکاح نہ کیا جائے اور کنواری کا نکاح اسکی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کنواری کی اجازت کس طرح ہے؟ فرمایا: اسکی خاموشی۔ (مسلم ج ۱ ص ۴۵۵ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حال بھی ایسی ہی دلالت کرتا ہے جس طرح قول دلالت کرتا ہے، اسی وجہ سے کنواری لڑکی کے سکوت کو اجازت کے قائم مقام کیا گیا ہے کہ وہ شادی بیاہ کے تمام معاملات کو دیکھتے ہوئے اور گھر میں اس بیاہ سے پہلے گھر والوں

اور والدین کے مشوروں کے سننے کے باوجود اس نے انکار نہیں کیا تھی کہ وہ تمام شادی کے ابتدائی معاملات کو خوشی سے نمٹاتی رہی اور ابتدائی تمام مراحل و مراسم میں اس کا سکوت اس بات کی دلیل ہے کہ وہ تمام معاملات پر راضی ہے اور اسکی یہی حالت اسی طرح دلیل ہے جس طرح کسی سے نکاح کے بارے میں اس کا قول معتبر ہوتا ہے۔

انعامی باؤنڈز کو خریدنے میں لوگوں کا حال یعنی اصل رقم سے زائد وصول کرنے کا حال اسی طرح دلالت کرنے والا ہے۔ جس طرح وہ کسی کو رقم قرض دیکر اس سے زائد رقم کا مطالبہ کرتے ہیں۔

جہاں تک لوگوں کے خریدنے کو ہم انعام کی قید سے مقید کر رہے ہیں تو اس سلسلے میں بھی ہمارے پاس دلیل موجود ہے۔ کہ بہت سے مواقع ہیں جہاں فقہاء احناف کے اصول کے مطابق بھی مفہوم مخالف جائز ہے۔ اور یہاں مفہوم مخالف اعتبار کرنے سے یعنی اصل رقم سے زائد رقم نہ ملنے کا اعلان لوگوں کے عمل کو قلعی کھولنے والا ہے۔ اور لوگوں کے فعل کا بطور حقیقت اس طرح اظہار ہوگا کہ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ یقیناً ہر شخص انعامی باؤنڈز انعام کی خاطر خریدنے والا ہے۔ اور جس کا نام انعام ہے جبکہ اصل میں وہ سود ہے۔

قاعدہ فقہیہ مفہوم مخالف اگرچہ حجت علی الاطلاق نہیں تاہم اپنی شرائط واقسام کے ساتھ یہ حجت ہوتا ہے:

امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک مفہوم مخالف کی کوئی قسم معتبر نہیں۔ (شرح نووی مسلم، ج ۱، ص ۴۸۵، قدیمی کتب خانہ کراچی)

مفہوم مخالف کی تعریف:

مسکوت عنہ کا حکم نفی اور اثبات میں مذکور کے خلاف ہو اور وہ حکم مسکوت عنہ کے لئے منطوق کے خلاف ثابت ہوگا اس کو دلیل خطاب کہتے ہیں

وہ مواقع جہاں مفہوم مخالف بالکل معتبر نہیں ہوتا:

۱۔ قتل اولاد:

ترجمہ: اپنی اولاد کو تنگی رزق کی وجہ سے قتل مت کرو۔ (بنی اسرائیل) اس آیت میں اپنی اولاد کو رزق کی تنگی کی وجہ سے قتل کرنے کی ممانعت کا بیان ہے، تو کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ قتل اولاد کی ممانعت تو خوف رزق کی وجہ سے ہے لہٰذا اگر رزق کی تنگی کی وجہ نہ ہو تو پھر اولاد کو قتل کر دیا جائے گا، تو اس کا جواب یہی ہے کہ یہاں مفہوم مخالف بالکل معتبر نہیں ہے کیونکہ یہ نص کے خلاف ہے۔

مفہوم مخالف کے معتبر ہونے کی شرائط:

۱۔ مفہوم مخالف اس وقت حجت ہوگا جب کوئی حجت جو اس سے معارض ہو مضبوط یا موافق نہ ہو۔

۲۔ منطوق سے اظہار احسان یا امتنان مقصود نہ ہو، جس طرح قرآن میں آیا ہے۔ ترجمہ: وہ ذات جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کر دیا تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ (نحل ۱۴)

اس آیت میں گوشت کو لفظ "تازہ" کے ساتھ مقید کیا گیا ہے یہ وہ موقع ہے جہاں پر اللہ تعالیٰ کے احسانات کا ذکر ہے اس لئے اس گوشت کو تازہ کی صفت سے موصوف کیا ہے لہٰذا یہاں پر مفہوم مخالف کا اعتبار کرتے ہوئے یہ معنیٰ ہرگز نہیں ہوگا کہ باسی گوشت کھانے کی ممانعت ہے کیونکہ یہاں سے مراد اظہار احسان مقصود ہے۔

۳۔ وہ مفہوم مخالف کسی حکم خاص یا واقعہ خاصہ سے متعلق سوال کا جواب نہ ہو۔ جس طرح قرآن میں آیا ہے۔ ترجمہ: اے ایمان والو؛ دگنا چوگنا کر کے سود نہ کھاؤ۔ (آل عمران ۱۳۰) اس حکم کا مفہوم مخالف تو یہ ہوگا کہ اگر سود دگنا یا چوگنا نہ کیا جائے تو پھر اس کو کھانا چاہیے حالانکہ سود کسی طرح بھی جائز نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر حکم ایک خاص واقعہ کی طرف منسوب ہے جواب جائز نہیں

۴۔ اگر منطوق میں صفت کا ذکر تبعاً ہو تو مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوگا، جیسا کہ قرآن میں آیا ہے۔ ترجمہ: تم اپنی بیویوں سے مباشرت نہ کرو، جب تم مساجد میں معتکف ہو۔ (البقرہ، ۱۸۷) اس آیت میں مساجد کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے کیونکہ حالت اعتکاف میں علی الاطلاق جماع منع ہے۔

۵۔ سیاق کلام سے عموم کا قصد ظاہر نہ ہو اور اگر سیاق کلام سے عموم ظاہر ہو تو پھر وہاں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوگا، اس کی مثال یہ ہے۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہر موجود پر قادر ہے۔ (حشر ۶) اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے اور یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ معدوم پر قادر نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ معدوم اور ممکن پر بھی قادر ہے۔

۶۔ مفہوم مخالف مراد لینے سے اصل یعنی منطوق باطل نہ ہو۔

۷۔ جب منطوق سے کسی صفت سے تعظیم کا قصد وارادہ نہ ہو جیسے رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے کہ جو عورت اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے وہ خاوند کے سوا کسی اور پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے۔

اس حدیث میں اللہ اور آخرت پر ایمان کی قید محض اس حکم کی تعظیم واحترام کے لئے ہے لہٰذا اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں۔

۸۔ منطوق میں جو قید لگائی گئی ہو وہ اکثر واغلب نہ ہو، اور اگر منطوق کی قید اکثر واغلب ہوئی تو مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوگا اسکی مثال یہ ہے۔

ترجمہ: اور جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو ان کی پہلے والی لڑکیاں جن کی تمہارے ہاں پرورش ہوئی۔ (وہ بھی تم پر حرام ہیں)۔ (النساء ۲۳) اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ بیوی کی وہ پہلی لڑکیاں جو کسی دوسرے خاوند سے ہیں جن کی پرورش بھی سابقہ خاوند کے ہاں ہوئی وہ حلال ہوں۔

مفاہیم مخالفہ کا اعتبار:

ا۔ مفہوم صفت:

جب ذات کی کسی ایک صفت پر حکم کو معلق کیا جائے جیسے "خودرو گھاس کھانے والی بکریوں پر زکوۃ ہے" اس کا مفہوم مخالف یہ

ہے کہ جن بکریوں کو کاٹ کر یا خرید کر گھاس کھلائی جائے ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ یہ وصف عام ہے علت ہو یا نہ ہو۔

۲۔ مفہوم علت:

جب کسی چیز کی علت پر حکم کو معلق کیا جائے جیسے ''شراب نشہ آور ہونے کی وجہ سے حرام کی گئی ہے'' اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ شراب اپنے اور وصف مثلاً مخصوص رنگ یا بو کی وجہ سے حرام نہیں کی گئی۔ یہ وصف خاص ہے۔

۳۔ مفہوم شرط:

یہاں شرط سے مراد شرط شرعی ہے جس کا وجود مشروط پر موقوف ہوتا ہے اور مشروط میں داخل اور موثر نہ ہو جیسے استقبال قبلہ نماز کے لیے شرط ہے۔ اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ کسی اور جانب نماز پڑھنا شرط نہیں ہے اور اسی طرح شرط سے مراد شرط لغوی مراد نہیں ہے جس طرح کوئی شخص کہے کہ اگر تم میری عزت کرو گے تو میں تمہاری عزت کروں گا۔

۴۔ مفہوم عدد:

جب حکم کو کسی عدد پر معلق کیا جائے اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اس سے کم یا زیادہ پر حکم معلق نہیں ہوگا جیسے قرآن میں آیا ہے۔

ترجمہ: اور طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض روک رکھیں۔ (البقرہ ۲۲۸) اس مفہوم مخالف یہ ہے کہ مطلقہ کی عدت نہ تو دو حیض ہے اور نہ ہی چار حیض ہے۔

۵۔ مفہوم غایت:

جب کسی چیز کی انتہاء پر حکم کو معلق کیا جائے اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اس بیان کردہ غایت کے علاوہ میں یہ حکم معتبر نہ ہوگا جیسے قرآن میں ہے۔ ترجمہ: اپنے چہروں کو دھوؤ اور کہنیوں تک ہاتھوں کو دھوؤ۔ (مائدہ ۶) اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ کہنیوں کے بعد کندھوں تک ہاتھوں کو دھونا وضو میں فرض نہیں ہے۔

۶۔ مفہوم لقب:

جب کسی حکم کو علم شخصی یا علم نوعی پر معلق کیا جائے جیسے ''زید کھڑا ہے'' اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ کوئی اور شخص نہیں کھڑا۔ اور ایسے ہی ''بکریوں میں زکوٰۃ ہے'' اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ بکریوں کے علاوہ اور کسی جانور پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

۷۔ مفہوم حصر:

جب کسی چیز کے حکم کو حصر کے ساتھ محصور کیا جائے جیسے ''زید کے سوا کوئی اور شخص کھڑا نہیں ہوا''۔

۸۔ مفہوم زماں:

جب کسی حکم کو زمانے کے ساتھ معلق کیا جائے جیسے قرآن میں آیا ہے ترجمہ: حج معروف مہینوں میں ہے۔ (البقرہ ۱۹۷) اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ ان مہینوں کے علاوہ حج نہیں ہے۔

۹۔ مفہوم مکاں:

جب کسی حکم کو مکاں کے ساتھ معلق کیا جائے جیسے" میں زید کے سامنے بیٹھا" یعنی اس کے پیچھے نہیں بیٹھا۔

(ارشاد الفحول ص ۱۷۰، مطبوعہ مصر)

انعامی باؤنڈز کو مفہوم غایت پر اگر منطبق کیا جائے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ابتدائی طور پر اگرچہ اس پر سود کی تعریف صادق نہیں آتی لیکن انتہائی اعتبار سے اس پر سود کی تعریف صادق آتی ہے۔ اور یہی حکم ممانعت ہے۔

باؤنڈز کی اباحت پر فتویٰ:

شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ علامہ مفتی محمد عبدالعلیم سیالوی مدظلہ العالی لکھتے ہیں۔ باؤنڈز کی بیع جائز ہے۔ اور باؤنڈز کا لین دین قرض نہیں تجارت ہے۔ اس میں قمار و سود نہیں ہے۔ شریعت کے مطابق جائز ہے۔ (فتاوی دارالعلوم جامعہ نعیمیہ لاہور، ص ۲۱۵)

زکوٰۃ کی ادائیگی میں اقتران نیت سے متعلق مذاہب اربعہ

ہمارے نزدیک زکوٰۃ کی ادائیگی میں نیت کا اقتران شرط ہے۔ کہ اس میں امام اوزاعی کے سوا فقہاء احناف کے اجماع بھی ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک اقتران نیت ادائیگی کے وقت شرط ہے اور حضرت امام احمد علیہ الرحمہ کے نزدیک نیت کا ملا ہوا ہونا مستحب ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ۴، ص ۲۷، حقانیہ ملتان)

تمام مال صدقہ کرنے والے کی زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم

اگر کوئی شخص اپنا تمام مال خدا کی راہ میں خیرات کر دے اور زکوٰۃ کی نیت نہ کرے تو اس کے ذمہ زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے یعنی اس پر زکوٰۃ کا مطالبہ باقی نہیں رہتا بشرطیکہ اس نے وہ مال کسی اور واجب کی نیت سے نہ دیا ہو وہاں اگر کسی شخص نے پورا مال تو نہیں بلکہ تھوڑا سا بغیر نیت زکوٰۃ خدا کی راہ میں خیرات کر دیا تو حضرت امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک اس مال کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی مگر حضرت امام ابو یوسف کے ہاں اس مال کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کا بھی یہی قول منقول ہے اور اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔

تمام مال صدقہ کرنے سے سقوط زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ

ہمارے نزدیک جس نے تمام مال صدقہ کر دیا تو اس کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ اور فقہاء احناف کی اس مسئلہ میں دلیل استحسان ہے۔ جبکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ساقط نہ ہو۔

حضرت امام زفر، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد علیہم الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے جس طرح قیاس چاہتا ہے کہ اس سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ۴ ص، ۲۸، حقانیہ ملتان)

کافر پر وجوب زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ

وجوب زکوٰۃ کے شرائط میں سے ایک شرط اسلام ہے، حنفی، شافعی اور حنبلی مذہب کے نظریہ کے مطابق کافر پر زکوٰۃ واجب نہیں

چاہے کافر اصلی ہو یا مرتد ہو۔ (مذاہب اربعہ، جزیری)

مالکیوں کے الفاظ یوں نقل کرتے ہیں کہ کافر پر زکات اسی طرح واجب ہے جس طرح مسلمان پر واجب ہے بغیر کسی فرق کے۔ وہ کہتے ہیں کہ مالکیوں کی دلیل یہ ہے کہ اسلام زکات کے وجود کی شرط نہیں ہے بلکہ اسلام زکات کے صحیح ہونے کی شرط ہے لہٰذا ان کی نظر میں کافر پر زکات واجب ہے، ہر چند اسلام کے بغیر صحیح نہیں ہے۔ لیکن قرطبی کے بہ قول، امام مالک کا کوئی قول اہل ذمہ پر زکات واجب ہونے کے سلسلہ میں نقل نہیں ہوا ہے۔ لہٰذا سمجھ میں یہی آتا ہے کہ مالکیوں کا فتویٰ یہی ہے کہ کافر سے زکوٰۃ وصول کرنا ضروری نہیں ہے۔

بعض افعال میں نیت کے ساتھ وجود فعل کا ہونا ثبوت حکم کے لئے ضروری ہے

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس سے یہ مسئلہ حاصل ہوا ہے۔ کہ بعض اعمال ایسے ہیں جن کا تعلق جوارح کے ساتھ ہے جو صرف نیت سے ثابت نہیں ہوتے ہیں اور بعض اعمال ایسے ہیں جن کا تعلق تروک (کاموں کو ترک کرنے) کے ساتھ ہے جو صرف نیت سے ثابت ہوتے نہیں ہوتے بلکہ افعال کو ترک کرنا ضروری ہوتا ہے۔

جبکہ تجارت پہلی قسم میں سے ہے۔ اس میں صرف نیت ہی کافی نہیں ہوگی بلکہ اس کے خلاف کا ترک بھی ضروری ہے۔ اور اس کی مثال جس طرح سفر، افطار اور اسلام اور سلامتی ہے۔ اور سلامتی یہ ہے جب تک کوئی شخص عمل نہیں کرے گا ثابت نہ ہوگا۔ اور ان کی ضدیں ثابت ہو جاتی ہیں۔ اور اسی طرح جب کسی کے پاس سائمہ جانور ہو تو وہ صرف نیت سے سائمہ نہ ہوگا بلکہ عمل ضروری ہے لہٰذا جن میں نیت صحیح ہے اس میں کسی چیز کا عموم نہیں ہے۔ (فتح القدیر، ج ۳، ص ۲۹۵، بیروت)

خدمتگار باندی، غلام میں زکوٰۃ نہ ہونے کی دلیل کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے (دوسری سند) اور ہم نے سلیمان بن حرب نے بیان کیا کہا کہ ہم سے وہیب بن خالد نے بیان کیا کہا کہ ہم سے خثیم بن عراک بن مالک نے بیان کیا انہوں نے اپنے باپ سے بیان کیا اور ان سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان پر نہ اس کے غلام میں زکوٰۃ فرض ہے اور نہ گھوڑے میں۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑے، غلام اور باندیوں میں زکوٰۃ نہیں ہے مگر غلام اور باندی کی طرف سے صدقہ فطر دینا چاہیے۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ)

گھوڑوں کی زکوٰۃ میں ابن منذر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ اگر تجارت کے لیے ہوں تو ان میں زکوٰۃ ہے۔ اصل یہ ہے کہ زکوٰۃ ان ہی جنسوں میں لازم ہے جن کا بیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا۔ یعنی چوپایوں میں سے اونٹ گائے اور بیل بکریوں میں اور نقد مال سے سونے چاندی میں اور غلوں میں سے گیہوں اور جو اور جوار اور میووں میں سے کھجور اور سوکھی انگور میں بس ان کے سوا اور کسی مال میں زکوٰۃ نہیں گو وہ تجارت اور سوداگری ہی کے لیے ہو اور ابن منذر نے جو اجماع اس کے خلاف پر نقل کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ جب ظاہریہ اور اہلحدیث اس مسئلہ میں مختلف ہیں تو اجماع کیوں کر ہو سکتا ہے۔ اور ابوداؤد کی حدیث اور

دار قطنی کی حدیث کہ جس مال کو ہم بیچنے کے لیے رکھیں اس میں آپ نے زکوٰۃ کا حکم دیا یا کپڑے میں زکوٰۃ ہے ضعیف ہے۔ حجت کے لیے لائق نہیں۔

اور آیت قرآن خذ من اموالھم صدقۃ میں اموال سے وہی مال مراد ہیں جن کی زکوٰۃ کی تصریح حدیث میں آئی ہے۔ یہ شوکانی (غیر مقلد) کی تحقیق ہے اس بنا پر جواہر موتی مونگا یاقوت الماس اور دوسری صدہا اشیائے تجارتی میں جیسے گھوڑے، گاڑیاں، سن ہیں، کاغذ میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ جبکہ ائمہ اربعہ اور جمہور علماء اموال تجارتی میں وجوب زکوٰۃ کی طرف گئے ہیں لہٰذا زکوٰۃ ان میں واجب ہے۔

مال تجارت کی زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ کا بیان

اموال زکوٰۃ کی چوتھی قسم اموال تجارت ہیں۔ یعنی جو سامان بھی تجارت کے لیے ہو اس میں سے زکوٰۃ نکالی جائے۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یامرنا ان نخرج الصدقۃ من الذی نعد للبیع۔

(سنن ابی داؤد، الزکاۃ، باب العروض اذا کانت للتجارۃ ھل فیھا زکاۃ؟ ح:1562)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم فرمایا کرتے تھے کہ ہم ہر اس سامان میں سے زکوٰۃ نکالیں، جو تجارت کے لیے تیار کریں۔ یہ روایت سنداً ضعیف ہے، اس لیے بعض اہل علم نے سامان تجارت میں زکوٰۃ کے عائد ہونے کی نفی کی ہے، لیکن علماء کی اکثریت نے سامان تجارت کو اموال ہی میں شمار کر کے تجارتی سامان میں بھی زکوٰۃ کا اثبات کیا ہے اور یہی بات راجح ہے۔

چنانچہ آزاد محقق ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔ ائمہ اربعہ اور ساری امت کا (سوائے چند شاذ لوگوں کے) اس بات پر اتفاق ہے کہ سامان تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے۔ خواہ تاجر مقیم ہوں یا مسافر، ارزانی کے وقت سامان خرید کر نرخوں کے گراں ہونے کا انتظار کرنے والے تاجر ہوں۔ تجارت کا مال نئے یا پرانے کپڑے ہوں، یا کھانے پینے کا سامان۔ ہر قسم کا غلہ، پھل فروٹ، سبزی، گوشت وغیرہ۔ مٹی، چینی دھات وغیرہ کے برتن ہوں یا جاندار چیزیں غلام، گھوڑے، خچر اور گدھے وغیرہ۔ گھر میں پلنے والی بکریاں ہوں یا جنگل میں چرنے والے ریوڑ، غرض تجارت کے ہر قسم کے مال میں زکوٰۃ فرض ہے۔ علاوہ ازیں شہری اموال تجارت بیشتر اموال باطنہ ہیں، جبکہ (مویشی) جانوروں کی اکثریت اموال ظاہرہ ہیں۔ (القواعد النورانیہ الفقہیہ، ص: 90-89 طبع مصر)

مال تجارت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ

اموال تجارت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ سال بسال جتنا تجارتی مال دکان، مکان یا گودام وغیرہ میں ہو، اس کی قیمت کا اندازہ کر لیا جائے۔ علاوہ ازیں جتنی رقم گردش میں ہو اور جو رقم موجود ہو، اس کو بھی شمار کر لیا جائے۔ نقد رقم، کاروبار میں لگا ہوا (یعنی زیر گردش) سرمایہ اور سامان تجارت کی تخمینی قیمت، سب ملا کر جتنی رقم ہو، اس پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے۔

تاہم کوئی تجارتی مال اس طرح کا ہے کہ وہ اکٹھا خریدا، پھر وہ سال یا دو سال فروخت نہیں ہوا، تو اس مال کی زکوٰۃ اس کے

فروخت ہونے پر صرف ایک سال کی ادا کی جائے گی۔ ورنہ عام مال جو دکان میں فروخت ہونے پر صرف ایک سال کی ادا کی جائے گی۔ ورنہ عام مال جو دکان میں فروخت ہوتا رہتا ہے اور نیا اسٹاک رہتا ہے، وہاں چونکہ فرداً فرداً ایک ایک چیز کا حساب مشکل ہے، اس لیے سال بعد سارے مال کی بہ حیثیت مجموعی قیمت کا اندازہ کر کے زکوٰۃ نکالی جائے۔

اگر کوئی رقم کسی کاروبار میں منجمد ہوگئی ہو، جیسا کہ بعض دفعہ ایسا ہو جاتا ہے اور وہ رقم دو تین سال یا اس سے زیادہ دیر تک پھنسی رہتی ہے، یا کسی ایسی پارٹی کے ساتھ آپ کو سابقہ پیش آ جاتا ہے کہ کئی سال آپ کو رقم وصول نہیں ہوتی تو ایسی ڈوبی ہوئی رقم کی زکوٰۃ سال بہ سال دینی ضروری نہیں۔ جب رقم وصول ہو جائے، اس وقت ایک سال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے، وہ جب بھی وصول ہو۔

نقدی اموال پر زکوٰۃ کا بیان

مسلمان تاجر کی ملکیت میں جو بھی مال ہے، یعنی نقد رقم، بینک اکاؤنٹ، بانڈز، ڈیپازٹس، سونا چاندی اور مالِ تجارت وغیرہ، سب کی مالیت پر زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے کی غرض سے سونا، چاندی اور مالِ تجارت کی وہ قیمت معتبر ہے جو وجوبِ زکوٰۃ کے وقت ہوگی، یعنی قیمتِ خرید کا اعتبار نہیں ہے۔ لہٰذا احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان تاجر کو وجوبِ زکوٰۃ کی مقررہ تاریخ پر اپنے مالِ تجارت کی محتاط اسٹاک چیکنگ اور صحیح قیمت کا تعین (Valuation) کرنا چاہیے۔

مال کی قیمت کا تعین (Valuation)

سونا چاندی اور مالِ تجارت کی قیمتِ خرید کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ موجودہ بازاری قیمتِ فروخت (Market Value) کا اعتبار ہوگا۔ سونا چاندی کی اشیا اور زیورات میں غالب جز کا اعتبار ہوگا، یعنی سونے کا زیور جتنے قیراط (مثلاً 24 یا 22 یا 20 Carat وغیرہ) کا ہوگا، اُسی کی قیمت لگائی جائے گی۔

صنعت کاروں کی تشخیص کا فقہی مفہوم

وہ کارخانہ جو پیداواری مقاصد کے لیے استعمال ہو رہا ہے تو اس کے جامد اثاثہ جات (Fixed Assets) یعنی زمین، عمارت، متعلقہ تنصیبات اور اس مشینری کی قیمت پر جو صنعتی پیداواری مقاصد میں استعمال ہو رہی ہے، زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی۔ البتہ مسلمان صنعت کار کو اپنے دیگر تمام اموال کے ساتھ کارخانے میں موجود تمام خام مال (Raw Material) تیار مال (Finished Goods) اور مارکیٹ میں کریڈٹ پر دیے ہوئے تمام مال کی بازاری قیمت فروخت (Market Value) نکال کر اس پر زکوٰۃ دینی ہوگی۔

صنعتی و کاروباری مقصد میں استعمال ہونے والی اشیاء کی زکوٰۃ کا حکم

فرض کریں کہ ایک ٹرانسپورٹر ہے اور اس کی ٹیکسیاں، کاریں، بسیں اور کنٹینرز وغیرہ ہیں، جن کو وہ کرائے اور کاروبار میں استعمال کرتا ہے، ان کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں بلکہ ان کے کرائے سے حاصل ہونے والی آمدنی سے جو رقم سال کے آخر میں بچ رہے گی، اس

پر زکوۃ ہے۔اور یہی چیزیں اگر کسی تاجر کے شوروم میں ہیں اور وہ ان کا کاروبار کرتا ہے،تو ان کی موجودہ بازاری قیمت پر زکوۃ ہے۔اسی طرح فرض کریں کہ ٹیکسٹائل میں لومز ہیں یا گارمنٹس فیکٹری میں سلائی کی مشینیں ہیں اور وہ اس کارخانے میں صنعتی مقصد کے لیے استعمال ہو رہی ہیں،تو ان کی مالیت پر زکوۃ نہیں ہے، جب کہ یہی لومز یا مشینیں اگر تاجر کے شوروم میں ہیں اور برائے فروخت ہیں تو ان کی موجودہ بازاری قیمت پر زکوۃ ہے۔

تشخیصِ زکوۃ کے وقت واجب الادا قرض کا مسئلہ

تاجر حضرات کا اکثر مارکیٹ میں لین دین جاری رہتا ہے، کسی سے کچھ لینا ہے اور کسی کو کچھ دینا ہے، تجارت سے ہٹ کر بعض اوقات لوگوں کا شخصی لین دین بھی ہوتا ہے۔لہٰذا تشخیص زکوۃ کے وقت واجب الوصول (Receivable) رقم کو اپنی مالیت میں جمع کرکے اس سے واجب الادا (Payable) رقم کو منہا کر دیا جائے۔اس کے بعد جو مجموعی مالیت بنے گی اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔

طویل المیعاد (Long Term) قرضوں اور صنعتی قرضوں کا مسئلہ

ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن کا قرض، بعض صنعتی اور تجارتی قرضوں کی ادائیگی فی الفور لازم نہیں ہوتی بلکہ وہ پانچ، دس، پندرہ سال یا اس سے بھی زائد مدت پر محیط ہوتے ہیں، ماہانہ یا سالانہ اقساط واجب الادا ہوتی ہیں۔فوری ادائیگی کا نہ قرض خواہ مطالبہ کرتا ہے اور نہ مقروض فرد فوری طور پر قرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے۔اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ وہ اپنی ملکیت میں رقم ہونے کے باوجود مقررہ اقساط سے زیادہ ادا نہیں کرتا، ورنہ یہ سوال زیر بحث آنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ ایسے قرضوں کے بارے میں ہمارے فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ یہ وجوبِ زکوۃ اور ادائیگی میں مانع نہیں ہیں۔اس کی ایک مثال فقہاء نے بیوی کے مہر مؤجل کی دی ہے کہ بیوی مطالبہ نہیں کرتی اور شوہر کا عمل اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ سرِ دست ادا نہیں کرنا چاہتا، لہٰذا شوہر تشخیص زکوۃ کے وقت ایسے دین مہر کو اپنی کل مالیت سے منہا نہ کرے۔میعادی قرضوں کی نوعیت بھی اس سے مختلف نہیں ہے، اسی طرح طویل المدتی صنعتی قرضوں کا معاملہ ہے، ایک طرف تو ان قرضوں کے مقابل اتنی یا اس سے زیادہ مالیت کے اثاثے موجود ہوتے ہیں، صنعت بیمار قرار پاتی ہے۔لیکن صنعت کار کی مالی صحت پر اس کے اثرات مرتب نہیں ہوتے، اس کے بنگلے، ذاتی اثاثے، جائیدادیں، کاریں، غیر ملکی مہنگے سفر پوری شان کے ساتھ قائم و دائم رہتے ہیں۔ان کے اور ان کے اہل وعیال کی بود و باش اور رہن سہن انتہائی تمول کی سطح پر نظر آتے ہیں۔کچھ ہمارے ملکی قوانین، انکم ٹیکس وغیرہ کے پیچیدہ قوانین، بیوروکریسی کے لامحدود صوابدیدی اور انضباطی اختیارات، ایسی وجوہ ہیں کہ کالے دھن اور سفید دھن کا مسئلہ آج تک حل نہیں ہو پایا۔ہمارے اہل ثروت اور صنعت کاروں کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ معاملہ شفاف رکھنا چاہیے اور طویل المدتی قرضوں کو منہا کیے بغیر اپنی پوری مالیت پر زکوۃ ادا کرنی چاہیے تا کہ کل قیامت کے دن اپنے ہی جمع کردہ مال سے نہ داغے جائیں۔(زکوۃ کی اہمیت، مفتی منیب الرحمن)

بَابُ الْكَنْزِ مَا هُوَ؟ وَزَكَاةِ الْحُلِيِّ

باب: "کنز" کیا ہے اور زیورات کی زکوٰۃ (کا حکم)

کنگن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہیں

1563 - حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ، وَحُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ، الْمَعْنَى، أَنَّ خَالِدَ بْنَ الْحَارِثِ، حَدَّثَهُمْ، حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ امْرَأَةً أَتَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهَا ابْنَةٌ لَهَا، وَفِي يَدِ ابْنَتِهَا مَسَكَتَانِ غَلِيظَتَانِ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ لَهَا: أَتُعْطِينَ زَكَاةَ هَذَا؟، قَالَتْ: لَا. قَالَ: أَيَسُرُّكِ أَنْ يُسَوِّرَكِ اللَّهُ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سِوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ؟، قَالَ: فَخَلَعَتْهُمَا، فَأَلْقَتْهُمَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَتْ: هُمَا لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلِرَسُولِهِ

عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: ایک عورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی اس کی بیٹی کے ہاتھ میں سونے کے بنے ہوئے دو موٹے کنگن تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے دریافت کیا: کیا تم اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو۔ اس نے عرض کی: جی نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے عوض میں تمہیں آگ سے بنے ہوئے دو کنگن پہنائے؟ راوی بیان کرتے ہیں: اس عورت نے وہ دونوں کنگن اتارے انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھتے ہوئے عرض کی: یہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔

راوی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

نام ونسب

عبداللہ نام، ابومحمد اور ابوعبدالرحمان کنیت، والد کا نام عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور والدہ کا نام ریطہ بنت منبہ تھا، شجرۂ نسب یہ ہے: عبداللہ بن عمرو بن العاص بن وائل بن ہاشم بن سعید بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی القرشی۔

اسلام

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔

(اسد الغابہ: ۳/ ۲۳۳)

مصاحبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

وہ دربارِ نبوت میں اکثر حاضر رہتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ فیض ترجمان سے جو کچھ سنتے اس کو لکھ لیتے تھے، ایک مرتبہ قریش کے چند بزرگوں نے ان کو اس سے منع کیا اور کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ غیظ وانبساط میں خدا جانے کیا کچھ فرماتے

ہیں، آپ سب کو قلمبند نہ کیا کیجئے (مسند احمد: ۲/ ۱۹۲) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے جب حضور ﷺ کو یہ بات بتلائی تو آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے ان دو ہونٹوں کے درمیان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا، سوتم لکھتے رہو۔ (سنن ابی داؤد، ۲، : ۵۱۳)

رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت سے جو وقت بچتا تھا وہ تمام تر یاد حق میں صرف ہوتا تھا، دن عموماً روزوں میں بسر ہوتا اور رات عبادت میں گذر جاتی تھی، رفتہ رفتہ یہ مشغلہ اس قدر بڑھا کہ اہل وعیال اور تمام دنیاوی تعلقات سے کنارہ کش ہو گئے، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے دربار نبوت میں ان کی اس راہبانہ زندگی کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے ان کو بلا کر اپنے والد کی اطاعت کی تاکید کی اور فرمایا عبداللہ روزے رکھو اور افطار کرو، نمازیں پڑھو اور آرام کرو، نیز بیوی بچوں کا حق ادا کرو، یہی میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے سے اعراض کرے گا وہ میری امت سے نہیں ہے۔ (مسند احمد: ۲/ ۵۸)

غزوات

عہد نبوت کے بعد غزوات میں شریک تھے، جہاد وفوج کشی کے موقع پر عموماً سواری و بار برداری کا اہتمام ان کے سپرد ہوتا تھا، ایک مرتبہ عمرو بن حویش نے ان سے پوچھا" ابو محمد! ہم لوگ ایسی جگہ رہتے ہیں جہاں درہم و دینار کا چلن نہیں، مویشی اور جانور ہمارے مال واسباب ہیں، ہم آپس میں بکریوں کے عوض اونٹ، گائے کے بدلے گھوڑے اور گھوڑوں کے عوض اونٹ ادھار خرید و فروخت کرتے ہیں، اس میں کوئی مضائقہ تو نہیں؟ فرمایا: تم ایک واقف کار شخص کے پاس آئے، ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو شتر سواروں کی ایک فوج مرتب کرنے کا حکم دیا، چنانچہ میرے اہتمام میں جس قدر اونٹ تھے ایک ایک کر کے سب پر لوگوں کو میں نے سوار کرایا، تاہم کچھ لوگ ایسے رہ گئے جن کے پاس کوئی سواری نہ تھی، میں نے بارگاہِ نبوت میں عرض کیا" یارسول اللہ! تمام سواریاں تقسیم ہو گئیں، لیکن پھر بھی ایک جماعت ایسی رہ گئی جس کو کوئی سواری نہ مل سکی، ارشاد ہوا" ایک اونٹ کے عوض صدقہ کے دو دو، تین تین اونٹوں کا وعدہ کر کے کچھ اونٹوں کو خرید لو" چنانچہ اس طرح میں نے حسب ضرورت اونٹ فراہم کر لیے۔

(اسد الغابہ: ۳/ ۲۴۴)

جنگ یرموک

یرموک کی عظیم الشان جنگ میں نہایت جانبازی کے ساتھ سرگرمِ پیکار تھے، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس جنگ میں اپنا علمِ قیادت ان کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ (اسد الغابہ: ۳/ ۲۴۴)

واقعہ صفین

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے، اس لیے جب واقعہ صفین پیش آیا تو انہوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج میں شریک ہونے پر مجبور کیا؛ لیکن درحقیقت وہ اس خانہ جنگی سے سخت متنفر تھے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جنگ میں عملاً کوئی حصہ نہیں لیا اور بار ہا اپنے والد کو اس سے کنارہ کش ہونے کا مشورہ دیا۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۳۶)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے سرگرم پیکار تھے، وہ شہید ہوئے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی یاد آگئی اور اپنے والد سے مخاطب ہو کر کہا" کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ افسوس! ابن سمیہ کو گروہ باغی قتل کرے گا؟" حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر کہا آپ نہیں سنتے، عبداللہ کیا کہہ رہے ہیں، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تاویل کرتے ہوئے کہا، یہ ہمیشہ ایک نیا طرفہ لے کر آتے ہیں، کیا عمار رضی اللہ عنہ کو ہم نے قتل کیا ہے؟ درحقیقت ان کے قتل کی ذمہ داری اس پر ہے جو ان کو اپنے ساتھ لایا۔ (مسند احمد: ۲/۱۶۱)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ پر دو آدمیوں نے ایک ساتھ حملہ کیا تھا، وہ دونوں جھگڑتے ہوئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں آئے؛ کیونکہ ان میں سے ہر ایک اس کارنامہ کو تنہا اپنی طرف منسوب کرتا تھا، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ حاضر دربار تھے، انہوں نے کہا" تم میں سے کسی کو بخوشی اپنا دعویٰ تسلیم کر لینا چاہئے، کیونکہ میں نے رسالت پناہ ﷺ سے سنا ہے عمار رضی اللہ عنہ کو گروہ باغی قتل کرے گا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے برہم ہو کر ان کے والد سے کہا عمرو تم اپنے اس مجنوں کو مجھ سے الگ نہیں کرو گے؟ اور خود ان سے کہا" اگر ایسا ہے تو تم کیوں میرے ساتھ ہو؟ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں صرف اس لیے آپ کے ساتھ ہوں کہ رسول خدا ﷺ نے مجھے ہدایت فرمائی تھی کہ جب تک زندہ رہنا اپنے باپ کے مطیع وفرمان بردار رہنا۔ (مسند احمد: ۲۰۶)

گو اس خانہ جنگی میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا دامن قتل وخونریزی سے ملوث نہیں ہوا تاہم وہ اس شرکت پر بھی سخت نادم وپشیمان تھے، نہایت حسرت وافسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے" میں اور صفین میں، اور مسلمانوں کی خونریزی، کاش! اس سے بیس سال پہلے میں دنیا سے اُٹھ گیا ہوتا۔ (اسد الغابہ: ۳/۲۳۴)

اعتذار

حضرت رجاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی ﷺ میں ایک مرتبہ میں ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو آتے ہوئے دیکھ کر کہا، کیا تمہیں اس شخص سے آگاہ نہ کروں جو آسمان والوں کے نزدیک دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہے؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں؟ فرمایا وہ یہ ہے جو تمہارے سامنے ٹہل رہا ہے، واقعہ صفین کے بعد سے اس کی مجھ سے کوئی گفتگو نہیں ہوئی، حالانکہ اس کی خوشنودی میرے نزدیک تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہے، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا، کیا آپ ان سے مل کر عذرخواہی نہ کریں گے؟" بولے کیوں نہیں دوسرے روز ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر عذرخواہی کے لیے تشریف لے گئے، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو ان سے ملنے میں پس وپیش تھا، لیکن حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اصرار کے بعد اندر آنے کی اجازت حاصل کی اور واقعہ صفین میں اپنی شرکت کی عذرخواہی کرتے ہوئے کہا" رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق میں اپنے والد کی اطاعت پر مجبور تھا، لیکن خدا کی قسم! میں نے اس جنگ میں نہ تو اپنی تلوار برہنہ کی، نہ نیزہ سے کسی کو زخمی کیا اور نہ کوئی تیر

چلایا۔(اسد الغابہ:۳/ ۲۳۴)

وفات

۶۵ھ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فسطاط میں وفات پائی، لوگوں نے ان کو گھر ہی میں دفن کر دیا، کیونکہ اس زمانہ میں مروان بن الحکم اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی فوجوں میں نہایت شدید جنگ ہو رہی تھی، اور جنازہ کا عام قبرستان تک پہنچانا سخت دشوار تھا۔(تذکرۃ الحفاظ:۳۶)

حلیہ

قدر بلند و بالا، پیٹ بھاری، رنگ سرخ، اخیر عمر میں سر اور داڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے۔

علم وفضل

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنے علم وفضل کے لحاظ سے طبقہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں خاص امتیاز رکھتے تھے، انہوں نے اپنی مادری زبان کے علاوہ عبرانی میں بھی مخصوص دستگاہ حاصل کی تھی اور توریت وانجیل کا نہایت غور سے مطالعہ کیا تھا، احادیث نبوی ﷺ کا جس قدر ذخیرہ ان کے پاس تھا، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تک کو اعتراف تھا کہ "عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو مجھ سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں؛ کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتے تھے لکھ لیتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔(تذکرۃ الحفاظ:۳۶)

مجموعہ حدیث کے پہلے مدون

انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات وملفوظات کا ایک مجموعہ جمع کیا تھا، جس کا نام صادقہ رکھا تھا، چنانچہ جب ان سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاتا جس کے متعلق انہیں زبانی کچھ یاد نہ ہوتا تو وہ اس میں دیکھ کر جواب دیتے تھے، ابوقبیل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے پوچھا کہ قسطنطنیہ پہلے فتح کیا جائے گا یہ رومیہ؟ ان کو زبانی یاد نہ تھا، انہوں صندوق منگا کر ایک کتاب نکالی اور اس کو ایک نظر دیکھ کر فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے لکھ رہے تھے کہ کسی نے یہی سوال کیا، ارشاد ہوا کہ "ہرقل کا شہر (یعنی قسطنطنیہ) پہلے فتح کیا جائے گا" (مسند احمد:۲/ ۱۷۶)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس مجموعہ کو نہایت عزیز رکھتے تھے، مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور بستر کے نیچے سے ایک کتاب نکال کر دیکھنے لگا، انہوں نے منع کیا، میں نے کہا آپ تو مجھ کو کسی چیز سے منع نہ فرماتے تھے، یہ کیا ہے؟ فرمایا "یہ وہ صحیفہ حق ہے جس کو میں نے تنہا رسول اللہ ﷺ سے سن کر جمع کیا تھا" پھر فرمایا اگر یہ صحیفہ اور قرآن اور وھط کی جاگیر مجھ کو دے دی جائے تو پھر مجھ کو دنیا کی کچھ پرواہ نہ ہو۔(اسد الغابہ:۳/ ۲۳۴)

مرویات کی تعداد

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد سات سو (۷۰۰) ہے، جس میں ۱۷ بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں،

ان متفق علیہ حدیثوں کے علاوہ ۸ بخاری میں ہیں اور ۲۰ مسلم میں۔(تہذیب:۲۰۸)

حلقۂ درس

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا، لوگ دور دراز ممالک سے سفر کر کے تحصیل حدیث کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور وہ جہاں پہنچ جاتے تھے، شائقین علم کا ایک مجمع ان کے گرد و پیش ہو جاتا تھا، ایک نخعی شیخ کا بیان ہے کہ، ایک مرتبہ میں ایلیاء کی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص میرے پہلو میں آ کر کھڑا ہوا، نماز کے بعد لوگ ہر طرف سے اس کے پاس سمٹ آئے، دریافت سے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ یہی ہیں۔

(مسند احمد:۲/۱۹۸)

وہ اپنے تلامذہ کے ساتھ نہایت محبت کے ساتھ پیش آتے تھے، ایک دفعہ ان کے گرد بہت بڑا مجمع تھا، ایک شخص اس کو چیرتا ہوا آگے بڑھا، لوگوں نے روکا تو فرمایا اس کو آنے دو، غرض وہ ان کے پاس آ کر بیٹھا اور بولا کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی فرمان یاد ہو تو بیان کیجیے، فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مسلم وہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو خدا کی منع کی ہوئی باتوں کو چھوڑ دے۔(مسند احمد:۲/۱۹۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے خرمن علم سے اہل بصرہ نے زیادہ خوشہ چینی کی؛ کیونکہ ان کے حلقۂ درس میں نسبۃ بصرہ والوں کا زیادہ ہجوم رہتا تھا۔(تذکرۃ الحفاظ:۳۶)

ارباب علم کی قدر شناسی

وہ اپنے ذی علم معاصرین کی نہایت عزت کرتے تھے، ایک مرتبہ ان کے سامنے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا گیا تو بولے، تم لوگوں نے ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا جس کو میں اس دن سے بہت دوست رکھتا ہوں جس دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو اور سب سے پہلے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔

(مسلم باب مناقب عبداللہ بن مسعود)

اخلاق

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنے زہد و تقویٰ اور کثرت عبادت کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتے تھے، طبیعت فطرۃ رہبانیت کی طرف مائل تھی، دن عموماً روزوں میں بسر ہوتا اور رات عبادت میں گذر جاتی تھی، آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے بلا کر فرمایا، عبداللہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے عہد کیا ہے کہ تمام عمر دن کو روزے رکھو گے اور رات عبادت میں صرف کرو گے بولے ہاں، یا رسول اللہ (بابی انت وامی) فرمایا کہ "تم اس کی طاقت نہیں رکھتے، روزہ رکھو اور افطار کرو، نماز پڑھو اور آرام کرو، مہینہ میں صرف تین روزے رکھا کرو؛ کیونکہ ہر نیکی کا معاوضہ دس گناہ ہوتا ہے، لیکن اس کا ثواب تمام عمر روزہ رکھنے کے برابر ہے" عرض کیا "یا رسول اللہ! میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں" ارشاد ہوا کہ ایک دن روزہ رکھو اور دو دن افطار کرو، بولے میں اس سے بھی زیادہ رکھ سکتا ہوں، حکم ہوا کہ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار، داؤد علیہ السلام کا یہی طریقہ تھا اور یہ روزوں کی بہترین صورت ہے،

عرض کیا میں اس سے بھی بہتر روزے رکھ سکتا ہوں، ارشاد ہوا کہ، اس سے بہتر کوئی روزہ نہیں۔ (بخاری باب صوم الدہر)

اسلام کا مطمح نظر رہبانیت نہیں، بلکہ انسان کے تمام فطری تعلقات کو خوشگوار بنانا ہے اس بنا پر نبی کریم ﷺ بھی کبھی عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے جاتے اوران کو تاکید فرماتے کہ شوقِ عبادت میں حقوقِ عباد کو بھول نہ جائیں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے میرے گھر پر تشریف لاکر فرمایا کہ روزے رکھو اور افطار کرو، نمازیں پڑھو اور آرام کرو، کیونکہ تمہارے جسم کا تمہاری آنکھوں کا، تمہارے اہل وعیال کا اور تمہارے دوستوں کا تم پر حق ہے، میں نے عرض کیا داؤد علیہ السلام کا روزہ کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ نصف عمر۔ (بخاری باب حق الجسم فی الصوم)

غرض انہوں نے تمام عمر روزوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کی پیروی کی، اور رات کا اکثر حصہ عبادت میں بسر کیا، تلاوت کا اس قدر شوق تھا کہ ہر تیسرے روز قرآن ختم کر لیتے تھے، لیکن اخیر عمر میں جب کہ قویٰ مضمحل ہو گئے تو اس قدر سخت ریاضت دشوار گذرنے لگی فرمایا کرتے تھے، کاش! میں رسول اللہ ﷺ کی اجازت قبول کر لیتا۔ (بخاری باب حق الجسم فی الصوم)

ذریعہ معاش

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو اپنے والد سے وراثت میں بہت بڑی دولت اور بہت سے خدم وحشم ملے تھے، طائف میں وہط کے نام سے ان کی ایک جاگیر تھی جس کی قیمت کا سرسری تخمینہ دس لاکھ درہم تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۳۶) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہاں زراعت ہوتی تھی، (اسد الغابہ: ۳/ ۲۳۴) ایک مرتبہ عنبسہ بن ابی سفیان سے اس کے متعلق کچھ جھگڑا پیدا ہو گیا تھا، یہاں تک کہ دونوں طرف سے کشت وخون کی تیاریاں ہو گئی تھیں، خالد بن العاص رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو سمجھانے کے لیے آئے تو انہوں نے جواب دیا" کیوں تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔ (مسند احمد: ۱/ ۲۰۶)

کنز کے معنی ومفہوم کا بیان

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ کنز کا معنی ہے مال کو اوپر تلے رکھنا، مال جمع کر کے اس کی حفاظت کرنا، خزانہ کو کنز کہتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال جمع کرنے اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے کی مذمت فرمائی ہے۔ (المفردات ج۲ ص۷۰)

زیورات کی زکوٰۃ فقہی مذاہب اربعہ کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت زینب کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ ارشاد کرتے ہوئے فرمایا کہ اے عورتوں کی جماعت، تم اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو اگرچہ وہ زیور ہی کیوں نہ ہو اس لیے کہ قیامت کے دن تم میں اکثریت دوزخیوں کی ہوگی۔ (ترمذی)

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد مکرم سے اور وہ اپنے جد محترم سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن دو عورتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں ان دونوں نے اپنے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنے ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کڑوں کو دیکھ کر فرمایا کہ کیا تم ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو! ان دونوں نے کہا کہ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ کیا تم یہ بات پسند کرتی ہو کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہیں آگ کے دو کڑے پہنائے۔ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر اس سونے کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔

اکثریت دوزخیوں کی ہوگی کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کی اکثریت چونکہ دنیا اور دنیا کی چیزوں کی محبت میں گرفتار ہوتی ہے ہے جس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی بلکہ خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کا ان میں جذبہ بھی نہیں ہوتا اس لیے عورتوں کی اکثریت کو دوزخی فرمایا گیا ہے چنانچہ عورتوں کو آگاہ فرمایا گیا کہ اگر تم دوزخ کی ہولناکیوں سے بچنا چاہتی ہو تو دنیا کی محبت اور دنیاوی عیش وعشرت کی طمع وحرص سے باز آؤ۔ خدا نے تمہیں جس قدر مال دیا ہے اس پر قناعت کرو اور اس میں سے زکوٰۃ و صدقہ نکالتی رہو تا کہ قیامت کے دن خدا کی رحمت تمہارے ساتھ ہو اور تم دوزخ میں جانے سے بچ جاؤ۔

عورتوں کے زیور کی زکوٰۃ کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا تو مسلک یہ ہے کہ مطلقاً زیور میں زکوٰۃ واجب ہے جب کہ وہ حد نصاب کو پہنچتا ہو حضرت امام شافعی کا پہلا قول بھی یہی ہے حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد فرماتے ہیں کہ عورتوں کے ان زیورات میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے جن کا استعمال مباح ہے لہٰذا جن زیورات کا استعمال حرام ہے ان حضرات کے نزدیک بھی ان میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، حضرت امام شافعی کا آخری قول بھی یہی ہے حضرت امام اعظم کے مسلک کی دلیل بھی یہی حدیث ہے جس سے مطلقاً زیورات میں زکوٰۃ کا وجوب ثابت ہو رہا ہے۔

استعمال کے زیورات پر زکوٰۃ کا فقہی بیان

سونا اور چاندی از روئے شریعت خلقی طور پر ((In Born)) مال ہیں، لہٰذا یہ کسی بھی ہیئت ((Form,Shape)) میں ہوں، ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ مثلاً برتن، مالیاتی سکے ((Coins)) سونے یا چاندی کی ڈلی ((Gold Bullion))، استعمال کے زیورات وغیرہ۔

عن أم سلمة قالت: كنت البس وضاحا من ذهب، فقلت: يا رسول الله، اكنز هو؟ فقال: ما بلغ ان تؤدي زكاته فزكي فليس بكنز۔ ترجمہ: حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں سونے کے اوضاح (ایک خاص زیور کا نام ہے) پہنتی تھی، میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! کیا یہ بھی اُس کنز میں شامل ہے (یعنی جس پر سورۃ توبہ آیت: 34۔ 35 میں عذابِ جہنم کی وعید آئی ہے)؟۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب سونے کے زیورات اتنی مقدار کو پہنچ جائیں کہ ان پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے اور پھر ان کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو ان پر کنز کا اطلاق نہیں ہوتا۔

(سنن ابی داؤد، جلد 2، رقم الحدیث: 1559، مطبوعہ موسسہ الریان، بیروت، مؤطا امام مالک)

ان احادیث مبارکہ سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ استعمال کے زیورات پر بھی زکوٰۃ واجب ہے، کیونکہ دونوں خواتین نے سونے کے زیورات پہن رکھے تھے۔

اگر سونا یا چاندی مخلوط ((Mixed)) ہو اور کسی اور چیز کی ملاوٹ اس میں ہو تو غالب جز کا اعتبار ہوگا، یعنی اگر شئے مخلوط میں غالب مقدار سونا ہے تو اسے سونا قرار دے کر ان کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی ورنہ نہیں اور موجود بازاری قیمتِ فروخت کا اعتبار ہوگا، قیمتِ

خرید کا نہیں۔سونے کے زیورات کووزن کرتے وقت نگینوں کا وزن منہا ہوجائے گا،البتہ ہیرے ((Diamond)) اور دوسرے قیمتی پتھر مثلاً زمرد، عقیق، یاقوت وغیرہ اگر تجارت کے لیے ہیں تو ان پر زکوٰۃ ہے، ذاتی استعمال میں ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ ہاں اگر اولاد کو مالک بنادیا ہے اور زیورات مقدار نصاب سے کم ہیں اور بیٹا یا بیٹی صاحب نصاب نہیں ہیں تو ان پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی۔

سونے چاندی کے کامل نصابوں کا بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی آفندی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کسی کے پاس سونا بھی ہے اور چاندی بھی اور دونوں کی کامل نصابیں ہیں تو یہ ضروری نہیں کہ سونے کو چاندی یا چاندی کو سونا قرار دے کر زکوٰۃ ادا کرے بلکہ ہر ایک کی زکوٰۃ علیحدہ علیحدہ واجب ہے ہاں زکوٰۃ دینے والا اگر صرف ایک چیز سے دونوں نصابوں کی زکوٰۃ ادا کرے تو اسے اختیار ہے مگر اس صورت میں یہ واجب ہوگا کہ قیمت وہ لگائے جس میں فقیروں کا زیادہ نفع ہے مثلاً ہندوستان میں روپے کا چلن بہ نسبت اشرفیوں کے زیادہ ہے تو سونے کی قیمت چاندی سے لگا کر چاندی زکوٰۃ میں دے اور اگر دونوں میں سے کوئی بقدر نصاب نہیں تو سونے کی قیمت کی چاندی یا چاندی کی قیمت کا سونا فرض کر کے ملائیں پھر اگر ملانے پر بھی نصاب نہیں ہوئی تو کچھ نہیں اور اگر سونے کی قیمت کی چاندی' چاندی میں ملائیں تو نصاب ہوجاتی ہے اور چاندی کی قیمت کا سونا سونے میں ملائیں تو نہیں ہوتی یا بالعکس تو واجب ہے کہ جس میں نصاب پوری ہو وہ کریں اور اگر دونوں صورتوں میں نصاب ہوجاتی ہے تو اختیار ہے جو چاہیں کریں مگر جب کہ ایک صورت میں نصاب پر پانچواں حصہ بڑھ جاتا ہے تو جس میں پانچواں حصہ بڑھ جائے وہی کرنا واجب ہے مثلاً سوا چھبیس تولے چاندی ہے اور پونے چار تولے سونا۔اگر پونے چار تولے سونے کی چاندی سوا چھبیس تولے آتی ہے اور سوا چھبیس تولے چاندی کا پونے چار تولے سونا آتا ہے تو سونے کو چاندی یا چاندی کو سونا جو چاہیں تصور کریں۔

اور اگر پونے چار تولے سونے کے بدلے ۲۷ تولے چاندی آتی ہے اور سوا چھبیس تولے چاندی کا پونے چار تولے سونا نہیں ملتا تو واجب ہے کہ سونے کو چاندی قرار دیں کہ اس صورت میں نصاب ہوجاتی ہے بلکہ پانچواں حصہ زیادہ ہوتا ہے اور اس صورت میں نصاب بھی پوری نہیں ہوتی۔یونہی اگر ہر ایک نصاب سے کچھ زیادہ ہے تو اگر زیادتی نصاب کا پانچواں حصہ ہے تو اس کی بھی زکوٰۃ دیں اور اگر ہر ایک میں زیادتی پانچویں حصہ نصاب سے کم ہے تو دونوں کو ملائیں اگر مل کر بھی کسی کی نصاب کا پانچواں حصہ نہیں ہوتا تو اس زیادتی پر کچھ نہیں اور اگر دونوں میں نصاب یا نصاب کا پانچواں حصہ ہو تو اختیار ہے مگر جبکہ ایک میں نصاب ہو اور دوسرے میں پانچواں حصہ تو وہ کریں جس میں نصاب ہو اور اگر ایک میں نصاب یا پانچواں حصہ ہوتا ہے اور دوسرے میں نہیں تو وہی کرنا واجب ہے جس سے نصاب ہو یا نصاب کا پانچواں حصہ۔(درمختار، ردالمحتار، وغیرہما)

فقہ شافعی وحنبلی کے مطابق زیورات والی عورت کا زکوٰۃ لینا

جب کوئی عورت زیور کی مالکہ ہو تو اور اس کے علاوہ اس کے پاس کچھ نہیں تو وہ اس سے غنی اور مالدار نہیں بن جاتی، چاہے یہ زیور سونے یا چاندی کا ہو اور زکاۃ کے نصاب کو بھی پہنچتا ہو، بلکہ یہ فقیر اور محتاج ہی رہے گی، اور اس وصف کی بنا پر وہ زکاۃ لینے کی

مستحق ہے، شافعیہ اور حنابلہ نے اسی کو بیان کیا اور صراحت کی ہے۔
شافعی فقیہ الرملی کا کہنا ہے کہ عورت کا وہ زیور جو اس کے لائق ہے اور عادتاً زیبائش کے لیے جس کی وہ محتاج اور ضرورتمند ہوتی ہے وہ اس کے فقر میں مانع نہیں" (نھایۃ المحتاج للرملی (6 / (150)
یعنی وہ فقیر ہی رہے گی اور فقر کے وصف کی بنا پر زکاۃ لینے کی مستحق ٹھرے گی۔
اور فقہ حنبلی کی کتاب "کشاف القناع" میں ہے: یا اس کے پاس استعمال کے لیے زیور ہو جس کی وہ ضرورتمند ہے تو یہ اس کے زکاۃ لینے میں مانع نہیں (کشاف القناع (1 / (587)
یعنی وہ فقیر اور محتاج ہی رہے گی، اور باوجود اس کے کہ اس کی زیبائش کی ضرورت کے لیے اس کے پاس زیور ہے وہ زکاۃ لینے کی مستحق ہے، اور اس طرح اس سے فقر کا وصف زائل نہیں ہوتا۔

زیورات کی زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حضرت امام مالک، امام احمد بن حنبل، اور ایک قول کے مطابق حضرت امام شافعی علیہم الرحمہ کے نزدیک زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ جبکہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اور امام شافعی کے راجح قول کے مطابق زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے۔
جن کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہے ان کی موافقت میں حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور تابعین کرام میں سے حضرت سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، عطاء، مجاہد، عبداللہ بن شداد، جابت بن زید، ابن سیرین، میمون بن مہران، زہری، ثوری، اور اصحاب رائے کا نظریہ یہی ہے کہ زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے۔
(المغنی، ۲، ص، ۲۲۳، بیروت)
علامہ ابواسحاق شیرازی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے عورتوں کے زیورات میں زکوٰۃ کے مسئلہ پر استخارہ کیا تو انہوں نے وجوب زکوٰۃ کا حکم سمجھا ہے۔ لہٰذا ان کا مؤقف احادیث کے موافق ہے کہ زیورات پر زکوٰۃ واجب ہے۔
(المہذب ج ۶، ص، ۳۳، بیروت)

1564 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى، حَدَّثَنَا عَتَّابٌ يَعْنِي ابْنَ بَشِيرٍ، عَنْ ثَابِتِ بْنِ عَجْلَانَ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أَلْبَسُ أَوْضَاحًا مِنْ ذَهَبٍ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَكَنْزٌ هُوَ؟ فَقَالَ: مَا بَلَغَ أَنْ تُؤَدَّى زَكَاتُهُ، فَزُكِّيَ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ

❁❁ سیدہ اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں سونے کا ہار پہنا کرتی تھی میں نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا یہ ''کنز'' شمار ہو گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو (سونا) اس حد تک پہنچ جائے کہ اس میں زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہو جائے اور پھر زکوٰۃ ادا کر دی جائے' تو وہ کنز شمار نہیں ہوگا۔

راویہ حدیث حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

ہند نام، اُمّ سلمہ کنیت، قریش کے خاندان مخزوم سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے ہند بنت ابی امیہ سہیل بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم، والدہ بنو فراس سے تھیں اور ان کا سلسلہ نسب یہ ہے، عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ بن مالک بن جذیمہ بن علقمہ بن جذل الطعان ابن فراس بن غنم بن مالک بن کنانہ،

ابو امیہ (حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے والد) مکہ کے مشہور مخیر اور فیاض تھے، سفر میں جاتے تو تمام قافلہ والوں کی کفالت خود کرتے تھے اسی لیے زاد الراکب کے لقب سے مشہور تھے۔ (اصابہ ج8 ص240) حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے انہی کی آغوش تربیت میں نہایت ناز ونعمت سے پرورش پائی۔

نکاح کا بیان

عبداللہ بن عبدالاسد سے جو زیادہ تر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہیں، اور جو اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے، نکاح ہوا،

اسلام کا بیان

آغاز نبوت میں اپنے شوہر کے ساتھ ایمان لائیں،

ہجرت حبشہ کا بیان

اور ان ہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی، حبشہ میں کچھ زمانہ تک قیام کر کے مکہ واپس آئیں اور یہاں سے مدینہ ہجرت کی، ہجرت میں ان کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اہل سیر کے نزدیک وہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔

ہجرت مدینہ کا بیان

ہجرت کا واقعہ نہایت عبرت انگیز ہے، حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کے ہمراہ ہجرت کرنا چاہتی تھیں (انکا بچہ سلمہ بھی ساتھ تھا) لیکن (حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے) قبیلہ نے مزاحمت کی تھی، اس لیے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ ان کو چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تھے، اور یہ اپنے گھر واپس آ گئیں تھیں (ادھر سلمہ رضی اللہ عنہ کو ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے خاندان والے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے چھین لے گئے) اس لیے اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو اور بھی تکلیف تھی، چنانچہ روزانہ گھبرا کر گھر سے نکل جاتیں اور

ابطح میں بیٹھ کر رویا کرتیں۔ سات آٹھ دن تک یہی حالت رہی اور خاندان کے لوگوں کو احساس تک نہ ہوا۔ ایکدن ابطح سے ان کے خاندان کا ایک شخص نکلا اور اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو روتے دیکھا تو اسکا دل بھر آیا گھر آ کر لوگوں سے کہا کہ "اس غریب پر ظلم کیوں کرتے ہو، اس کو جانے دو اور اسکا بچہ اسکے حوالے کر دو، "روانگی کی اجازت ملی تو بچے کو گود میں لے کر اونٹ پر سوار ہو گئیں اور مدینہ کا راستہ لیا، چونکہ وہ بالکل تنہا تھیں، یعنی کوئی مرد ساتھ نہ تھا، تنعیم میں عثمان بن طلحہ (کلید بردار کعبہ) کی نظر پڑی، بولا" کدھر کا قصد ہے؟" کہا" مدینے کا" پوچھا کوئی ساتھ بھی ہے، کہا" خدا اور یہ بچہ، "عثمان نے کہا" یہ نہیں ہوسکتا تم تنہا کبھی نہیں جاسکتیں" یہ کہکر اونٹ کی مہار پکڑی اور مدینہ کی طرف روانہ ہوا، راستہ میں جب کہیں ٹھہرتا تو اونٹ کو بٹھا کر کسی درخت کے نیچے چلا جاتا، اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اتر پڑتیں، روانگی کا وقت آتا تو اونٹ پر کجاوہ رکھ کر پرے ہٹ جاتا اور اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہتا کہ" سوار ہو جاؤ" حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایسا شریف آدمی کبھی نہیں دیکھا، غرض مختلف منزلوں پر قیام کرتا ہوا۔ مدینہ لایا، قبا کی آبادی پر نظر پڑی تو بولا" اب تم اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ، وہ یہیں مقیم ہیں" یہ ادھر روانہ ہوئیں، اور عثمان نے مکہ کا راستہ لیا، (زرقانی ج3ص272،273)

قبا پہنچیں تو لوگ ان کا حال پوچھتے تھے اور جب یہ اپنے باپ کا نام بتاتیں تو ان کو یقین نہیں آتا تھا (یہ حیرت ان کے تنہا سفر کرنے پر تھی، شرفا کی عورتیں اسطرح باہر نکلنے کی جرأت نہیں کرتی تھیں) اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا مجبوراً خاموش ہوتی تھیں، لیکن جب کچھ لوگ حج کے ارادہ سے مکہ روانہ ہوئے اور انہوں نے اپنے گھر رقعہ بھجوایا تو اس وقت لوگوں کو یقین ہوا کہ وہ واقعی ابوامیہ کی بیٹی ہیں، ابوامیہ قریش کے چونکہ نہایت مشہور اور معزز شخص تھے، اسلیے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھی گئیں۔ (مسند ابن حنبل ج6ص307)

وفات ابوسلمہ رضی اللہ عنہ، نکاح ثانی اور خانگی حالات کا بیان

کچھ زمانہ تک شوہر کا ساتھ رہا، حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بڑے شہسوار تھے، بدر اور احد میں شریک ہوئے، غزوہ احد میں چند زخم کھائے، جنکے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے، جمادی الثانی سن چار ہجری میں ان کا زخم پھٹا اور اسی صدمہ سے وفات پائی۔ (زرقانی ج3ص273) حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں اور وفات کی خبر سنائی، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود انکے مکان پر تشریف لائے، گھر میں کہرام مچا تھا، حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں، "ہائے غربت میں یہ کیسی موت ہوئی" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" صبر کرو، ان کی مغفرت کی دعا مانگو، اور یہ کہو کہ خداوندا! ان سے بہتر ان کا جانشین عطا کر" اسکے بعد ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر تشریف لائے اور جنازہ کی نماز نہایت اہتمام کے ساتھ پڑھائی گئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نو تکبیریں کہیں، لوگوں نے نماز کے بعد پوچھا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپکو سہو تو نہیں ہوا؟ فرمایا یہ ہزار تکبیروں کے مستحق تھے، وفات کے وقت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دست مبارک سے آنکھیں بند کیں، اور ان کی مغفرت کی دعا مانگی،

ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں، وضع حمل کے بعد عدت گزر گئی تو حضرت ابوبکر رضی

اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا، لیکن حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے انکار کر دیا، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لے کر پہنچے، حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا مجھے چند عذر ہیں (1) میں سخت غیور ہوں۔ (2) صاحب عیال ہوں (3) میرا سن زیادہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان زحمتوں کو گوارہ فرمایا، حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو اب عذر کیا ہو سکتا تھا؟

اپنے لڑکے سے (جنکا نام عمر تھا) کہا اٹھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح کراؤ۔ (سنن نسائی ص 511) شوال سن چار ہجری کی اخیر تاریخوں میں یہ تقریب انجام پائی، حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی موت سے جو شدید صدمہ ہوا تھا، خداوند تعالیٰ نے اس کو ابدی مسرت میں تبدیل کر دیا، سنن ابن ماجہ میں ہے،

جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو میں نے وہ حدیث یاد کی جسکو وہ مجھ سے بیان کیا کرتے تھے تو میں نے دعا شروع کی اور جب میں یہ کہنا چاہتی کہ خداوندا! مجھے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر کون مل سکتا ہے لیکن میں نے دعا کو پڑھنا شروع کیا تو ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے جانشین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دو چکیاں، گھڑا، اور چمڑے کا تکیہ جس میں خرمے کی چھال بھری تھی، عنایت فرمایا، یہی سامان اور بیبیوں کو بھی عنایت ہوا تھا، (مسند ج6 ص295)

بہت حیادار تھیں، ابتدا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکان پر تشریف لاتے تو حضرت اُمّ سلمہ فرط غیرت سے لڑکی (زینب) کو گود میں بٹھا لیتیں، آپ یہ دیکھ کر واپس جاتے، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو جو حضرت اُمّ سلمہ کے رضاعی بھائی تھے، معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے، اور لڑکی کو چھین لے گئے، (ایضا)

لیکن بعد میں یہ بات ختم ہو گئی، اور جسطرح دوسری بیبیاں رہتی تھیں وہ بھی رہنے لگیں، نکاح سے قبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کا ذکر کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بڑا رشک ہوا، ابن سعد میں ان سے جو روایت منقول ہے اس میں یہ فقرہ بھی ہے" یعنی مجھکو سخت غم ہوا،" (ج8 ص24)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بیحد محبت تھی، یہی وجہ ہے کہ ایک موقع پر جب تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو (سوا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ عرض کرنا تھا، تو انہوں نے حضرت اُمّ سلمہ کو ہی اپنا سفیر بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، صحیح بخاری میں ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے دو گروہ تھے، ایک میں حضرت عائشہ، حفصہ، صفیہ، سودہ رضی اللہ عنہن شامل تھیں، دوسرے میں حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اور باقی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تھیں۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ اس لیے لوگ ان ہی کی باری میں ہدیہ بھیجتے تھے، حضرت اُمّ سلمہ کی جماعت نے ان سے کہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح ہم بھی سب کی بھلائی کی خواہاں ہیں، اس بنا پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم جسکے بھی مکان میں ہوں۔ لوگوں کو ہدیہ بھیجنا چاہیے، حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے یہ شکایت کی تو آپ نے دو مرتبہ اعراض فرمایا، تیسری مرتبہ کہا" ام سلمہ رضی اللہ عنہا! عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں مجھے اذیت

نہ پہنچاؤ، کیونکہ ان کے سوا تم میں کوئی بیوی ایسی نہیں ہے، جسکے لحاف میں میرے پاس وحی آئی ہو، (صحیح بخاری ج1 ص532) "حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا" میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اذیت پہنچانے سے پناہ مانگتی ہوں۔"

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شب باش ہوتے تو ان کا بچھونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جائماز کے سامنے بچھتا تھا (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ سامنے ہوتی تھیں۔) (مسند ج6 ص322)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال کا بہت خیال رکھتی تھیں، حجرت سفینہ رضی اللہ عنہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور غلام ہیں، دراصل حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے، ان کو آزاد کیا تو اس شرط پر کہ جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تم پر ان کی خدمت لازمی ہوگی (ایضاً ص316)

عام حالات کا بیان

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے مشہور واقعات زندگی یہ ہیں، غزوہ خندق میں اگرچہ وہ شریک نہ تھیں، تاہم اس قدر قریب تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو اسطرح سنتی تھیں فرماتی ہیں کہ مجھے وہ وقت خود یاد ہے کہ جب سینۂ مبارک غبار سے اٹا ہوا تھا اور آپ لوگوں کو اینٹیں اٹھا اٹھا کر دیتے اور اشعار پڑھ رہے تھے کہ دفعتہً عمار بن یاسر پر نظر پڑی فرمایا" (افسوس) ابن سمیہ! تجھکو ایک باغی گروہ قتل کرے گا،" (ایضاً ص289)

محاصرہ بنوقریظہ سن پانچ ہجری میں یہود نے گفتگو کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا، اثنائے مشورہ میں ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ کے اشارے سے بتلایا کہ تم لوگ قتل ہو جاؤ گے، لیکن بعد میں اس کو افشائے راز سمجھ کر اس قدر نادم ہوئیکہ مسجد کے ستون سے اپنے آپکو باندھ لیا، چند دنوں تک یہی حالت رہی پھر توبہ قبول ہوئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں تشریف فرما تھے کہ صبح کو مسکراتے ہوئے اٹھے تو بولیں" خدا آپکو ہمیشہ ہنسائے، اس وقت ہنسنے کا کیا سبب ہے؟" فرمایا" ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول ہوگئی" عرض کی" تو کیا میں ان کو یہ مژدہ سنا دوں" فرمایا" ہاں اگر چاہو" حضرت اُمّ سلمہ اپنے حجرہ کے دروازہ پر کھڑی ہوئیں اور پکار کر کہا" ابولبابہ مبارک ہو تمھاری توبہ قبول ہوگئی، "اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام مدینہ امنڈ آیا۔ (زرقانی ج2 ص153 و ابن سعد ج2 ق1 ص54)

اسی سن میں آیت حجاب نازل ہوئی اس سے پیشتر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بعض دور کے اعزہ و اقارب کے سامنے آیا کرتی تھیں، اب خاص خاص اعزہ کے سوا سب سے پردہ کرنے کا حکم ہوا۔ حضرت ابن اُمّ کلثوم قبیلہ قریش کے ایک معزز صحابی اور بارگاہ نبوی کے مؤذن تھے اور چونکہ نابینا تھے، اس لیے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں میں آیا کرتے تھے، ایکدن آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُمّ سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا" ان سے پردہ کرو" بولیں" وہ تو نابینا ہیں" فرمایا" تم تو نابینا نہیں ہو، تم تو انہیں دیکھتی ہو" (مسند ج6 ص296)

صلح حدیبیہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں، صلح کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لوگ حدیبیہ میں قربانی کریں، لیکن لوگ اس قدر دل شکستہ تھے کہ ایک شخص بھی نہ اٹھا یہاں تک کہ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے، تین دفعہ بار بار کہنے

پر بھی ایک شخص بھی آمادہ نہ ہوا، (چونکہ معاہدہ کی تمام شرطیں بظاہر مسلمانوں کے سخت خلاف تھیں اس لیے تمام لوگ رنجیدہ اور غصہ سے بیتاب تھے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی، انھوں نے عرض کی" آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کریں اور احرام اتارنے کے لیے بال منڈوائیں" آپ نے باہر آ کر قربانی کی اور بال منڈوائے اب جب لوگوں کو یقین ہوگیا کہ اس فیصلہ میں تبدیلی نہیں ہوسکتی تو سب نے قربانیاں کیں اور احرام اتارا، ہجوم کا یہ حال تھا کہ ایکدوسرے پر ٹوٹا پڑتا تھا اور عجلت اس قدر تھی کہ ہر شخص حجامت بنانے کی خدمت انجام دے رہا تھا،

(صحیح بخاری ج6 ص380)

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا یہ خیال علم النفس کے ایک بڑے مسئلہ کو حل کرتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور کی فطرت شناسی میں ان کو کس درجہ کمال حاصل تھا، امام الحرمین فرمایا کرتے تھے کہ صنف نازک کی پوری تاریخ اصابت رائے کی ایسی عظیم الشان مثال نہیں پیش کرسکتی۔ (زرقانی ج3 ص272)

غزوہ خیبر میں شریک تھیں، مرحب کے دانتوں پر جب تلوار پڑی تو کڑکڑاہٹ کی آواز ان کے کانوں میں آئی تھی،

(استیعاب ج2 ص803)

سن نو ہجری میں ایلاء کا واقعہ پیش آیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو تنبیہ کی تو حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی آئے وہ ان کی عزیز ہوتی تھیں، ان سے بھی گفتگو کی، حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا،

(صحیح بخاری ج2 ص730)

عمر رضی اللہ عنہ تم ہر معاملہ میں دخل دینے لگے یہاں تک کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ازواج کے معاملات میں بھی دخل دیتے ہو۔"

چونکہ جواب نہایت خشک تھا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ چپ ہو گئے اور اٹھ کر چلے آئے، رات کو یہ خبر مشہور ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کو طلاق دے دی صبح کو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور تمام واقعہ بیان کیا جب حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا تو آپ مسکرائے،

حجۃ الوداع میں جو سن دس ہجری میں ہوا۔ اگرچہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا علیل تھیں، تاہم ساتھ آئیں، نبہا (غلام) اونٹ کی مہار تھامے تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب غلام کے پاس اس قدر مال موجود ہو کہ وہ اس کو ادا کر کے آزاد ہوسکتا ہو تو اس سے پردہ ضروری ہوجاتا ہے، (مسند ج6 ص308 وص289)

طواف کے متعلق فرمایا کہ جب نماز فجر ہو، تم اونٹ پر سوار ہو کر طواف کرو چنانچہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا، (صحیح بخاری ج1 ص219، 220)

سن 11 ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہوئے، مرض نے طول کھینچا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں منتقل ہو گئے، حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اکثر آپکو دیکھنے کے لیے جایا کرتی تھیں، ایکدن طبیعت زیادہ

علیل ہوئی تو اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا چیخ اٹھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا کہ مسلمانوں کا شیوہ نہیں، (طبقات ج2ق2ص13)
ایک دن مرض میں اشتداد ہوا تو ازواج نے دوا پلانی چاہی، چونکہ گوارہ نہ تھی، آپ نے انکار فرمایا، لیکن جب غشی طاری ہوگئ تو
حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس نے دوا پلا دی (صحیح بخاری ج2ص641 طبقات ج2ق2ص32)
(بعض روایتوں میں ہے کہ ان دونوں نے اسکا مشورہ دیا تھا) اسی زمانہ میں ایک روز حضرت اُمّ سلمہ اور اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہما نے جو
حبشہ ہو آئی تھیں، وہاں کے عیسائی معبدوں کا (جو غالبا رومن کیتھولک گرجے ہونگے) اوران کے مجسموں اور تصویروں کا تذکرہ کیا،
آپ نے فرمایا۔ ان لوگوں میں جب کوئی نیک مرتا ہے تو اسکے مقبرہ کو عبادت گاہ بنا لیتے ہیں، اور اسکا بت بنا کر اس میں کھڑا کرتے
ہیں، قیامت کے روز خدائے عزوجل کی نگاہ میں یہ لوگ بدترین مخلوق ہوں گے، (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

وفات سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے باتیں کی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
اسی وقت بیتابانہ پوچھنے لگیں، لیکن حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے توقف کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد
پوچھا۔ (طبقات ج2ق2ص40)

سن اکسٹھ ہجری میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی، حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے خواب میں دیکھا کہ نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں، سر اور ریش مبارک غبار آلود ہے پوچھا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا حال ہے،
ارشاد ہوا، "حسین (رضی اللہ عنہ) کے مقتل سے واپس آرہا ہوں" حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا بیدار ہوئیں تو آنکھوں سے آنسو
جاری تھے (صحیح ترمذی ص224) اسی حالت میں زبان سے نکلا اہل عراق نے حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، خدا ان کو قتل کرے اور حسین
رضی اللہ عنہ کو ذلیل کیا خدا ان لوگوں پر لعنت کرے، (مسند ج6ص98)

سن تریسٹھ ہجری میں واقعہ حرہ کے بعد شامی لشکر مکہ گیا، جہاں ابن زبیر رضی اللہ عنہما پناہ گزیں تھے، چونکہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ایسے لشکر کا تذکرہ فرمایا تھا، بعض کو شبہ ہوا، اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا بولیں نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ ایک شخص مکہ میں پناہ لے گا، اسکے مقابلہ میں جو لشکر آئے گا بیاباں میں وہیں دھنس جائے
گا۔ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا جو لوگ جبراً شریک کیئے گئے ہوں گے وہ بھی؟ فرمایا ہاں وہ بھی لیکن قیامت میں ان کی نیتوں
کے مطابق اٹھیں گے (حضرت ابوجعفر رضی اللہ عنہ) فرماتے تھے کہ یہ واقعہ مدینہ کے میدان میں پیش آئے گا۔
(صحیح بخاری ج2ص493،494)

وفات کا بیان

جس سال حرہ کا واقعہ ہوا (یعنی سن 63ہجری) اسی سال حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا اس وقت 84
برس کا سن تھا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھی اور البقیع میں دفن کیا (زرقانی ج3ص276) اس زمانہ میں ولید بن
عتبہ (ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا پوتا) مدینہ کا گورنر تھا، چونکہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی تھی کہ وہ میرے جنازہ کی نماز نہ
پڑھائے، اس لیے وہ جنگل کی طرف نکل گیا اور اپنے بجائے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔ (طبری کبیر ج3ص2443)

اولاد کا بیان

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر سے جو اولاد ہوئی اسکے نام یہ ہیں۔ سلمہ رضی اللہ عنہ، حبشہ میں پیدا ہوئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لڑکی امامہ سے کیا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح انہوں نے ہی کیا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں فارس وبحرین کے حاکم تھے، دُرّہ، ان کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے، حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جو کہ ازواج مطہرات میں داخل تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ درہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں؟ فرمایا یہ کیسے ہوسکتا ہے، اگر میں نے اس کو پرورش بھی کیا ہوتا تو بھی وہ کسی طرح میرے لیے حلال نہ تھی، کیونکہ وہ میرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہے۔ (صحیح بخاری ج2 ص764)

زینب رضی اللہ عنہا پہلے برہ نام تھا، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رکھا۔ (زرقانی ج3 ص272)

حلیہ کا بیان

اصابہ میں ہے،" یعنی حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نہایت حسین تھیں۔ بن سعد (ابن سعد ج8 ص66) نے روایت کی ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے حسن کا حال معلوم ہوا تو سخت پریشان ہوئیں، مگر یہ واقدی کی روایت ہے جو چنداں قابل اعتبار نہیں۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے بال نہایت گھنے تھے۔ (مسند ج6 ص389)

فضل وکمال کا بیان

علمی حیثیت اگرچہ تمام ازواج بلند مرتبہ تھیں، تاہم حضرت عائشہ اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہما کا ان میں کوئی جواب نہیں تھا، چنانچہ محمود بن لبید کہتے ہیں، (طبقات ابن سعد ج6 ص317)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج احادیث کا مخزن تھیں، تاہم عائشہ اور اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہما کا ان میں کوئی حریف مقابل نہ تھا۔ مروان بن حکم ان سے مسائل دریافت کرتا اور اعلانیہ کہتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے ہوتے ہوئے ہم دوسروں سے کیوں پوچھیں،" (مسند ج6 ص317)

حضرت ابو ہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما دریائے علم ہونے کے باوجود ان کے دریائے فیض سے مستغنی نہ تھے، (ایضاً ص312) تابعین کرام کا ایک بڑا گروہ ان کے آستانہ فضل پر سر بر تھا۔

قرآن اچھا پڑھتیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز پر پڑھ سکتی تھیں، ایک مرتبہ کسی نے پوچھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر قرأت کرتے تھے؟ بولیں ایک ایک آیت الگ الگ کرکے پڑھتے تھے اسکے بعد خود پڑھ کر بتلا دیا۔

(ایضاً ص300، 301)

حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا ان کا کوئی حریف نہ تھا، ان سے 378 روائتیں مروی ہیں۔ اس بنا پر وہ محدثین صحابہ رضی اللہ عنہم کے تیسرے طبقہ میں شامل ہیں۔

حدیث سننے کا بڑا شوق تھا۔ ایک دن بال گوندوا رہی تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے

زبان مبارک سے ایھا الناس (لوگو!) کا لفظ نکلا تو فوراً بال باندھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں، اور کھڑے ہو کر پورا خطبہ سنا۔

(ایضاً ص301)

مجتہد تھیں

صاحب اصابہ نے ان کے تذکرہ میں لکھا ہے، "یعنی وہ کامل العقل اور صاحب الرائے تھیں۔" (اصابہ ج8 ص241)

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ ان کے فتاوی اگر جمع کیئے جائیں تو ایک چھوٹا سا رسالہ تیار ہو سکتا ہے،

(اعلام الموقعین ج1 ص13)

انکے فتاوی کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ عموماً متفق علیہ ہیں اور یہ ان کی دقیقہ رسی اور نقطہ چینی کا کرشمہ ہے، ان کی نکتہ چینی پر ذیل کے واقعات شاہد ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے، مروان نے پوچھا آپ یہ نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ بولے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی پڑھتے تھے، چونکہ انہوں نے یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سلسلہ سے سنی تھی، مروان نے ان کے پاس تصدیق کیلئے آدمی بھیجا، انہوں نے کہا مجھکو اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث پہنچی ہے۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آدمی گیا اور ان کو یہ قول نقل کیا تو بولیں، "یعنی خدا عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی مغفرت کرے انہوں نے بات نہیں سمجھی،" (مسند احمد ج6 ص299، یہ واقعہ صحیح بخاری میں بھی ہے ج2 ص239)

کیا میں نے ان سے یہ نہیں کہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔"

(مسند احمد ج6 ص303)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ رمضان میں جنابت کا غسل فوراً صبح اٹھ کر کرنا چاہیے، ورنہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے، ایک شخص نے جا کر حضرت اُمّ سلمہ و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے جا کر پوچھا دونوں نے کہا کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں صائم ہوتے تھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سنا تو رنگ فق ہو گیا، اسی خیال سے رجوع کیا اور کہا کہ میں کیا کروں فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے اسی طرح بیان کیا تھا، لیکن ظاہر ہے کہ حضرت اُمّ سلمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کو زیادہ علم ہے۔ (مسند احمد ج6 ص306، 307) (اسکے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا فتوی واپس لے لیا)۔

(ایضاً ص306)

ایک مرتبہ چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اندرونی زندگی کے متعلق کچھ ارشاد کیجیے، فرمایا "آپ کا ظاہر و باطن یکساں تھا۔" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ سے واقعہ بیان کیا، فرمایا تم نے بہت اچھا کیا، (ایضاً ص309)

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا جواب صاف دیتی تھیں اور کوشش کرتی تھیں کہ سائل کی تشفی ہو جائے، ایک دفعہ کسی شخص کو مسئلہ بتایا، وہ ان کے پاس سے اٹھ کر دوسری ازواج کے پاس گیا۔ سب نے ایک ہی جواب دیا، واپس آ کے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو یہ خبر سنائی تو بولیں، نعم واشفیک اذ راظہر دمیں تمھاری تشفی کرنا چاہتی ہوں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکے

متعلق یہ حدیث سنی ہے، (ایضاً ص 297)

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو حدیث وفقہ کے علاوہ اسرار کا بھی علم تھا، اور یہ وہ فن تھا جس کے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ عالم خصوصی تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے تو بولیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بعض صحابی ایسے ہیں جنکو نہ میں اپنے انتقال کے بعد دیکھونگا نہ وہ مجھکو دیکھیں گے، حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ گھبرا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے یہ حدیث بیان کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور کہا، "خدا کی قسم اسچ سچ کہنا کیا میں انہی میں ہوں۔" حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا نہیں لیکن تمھارے علاوہ میں کسی کو مستثنیٰ نہیں کروں گی، (مسند احمد ص 307 ج6)

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے جن لوگوں نے علم حدیث حاصل کیا ان کی ایک بڑی جماعت ہے ہم صرف چند ناموں پر اکتفا کرتے ہیں۔

عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، ہند رضی اللہ عنہا بنت الحارث الفراسیہ، صفیہ رضی اللہ عنہا بنت شیبہ، عمر رضی اللہ عنہ، زینب رضی اللہ عنہا (اولاد حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا) مصعب رضی اللہ عنہ بن عبداللہ (برادرزادہ) مبہان (غلام مکاتب) عبداللہ بن رافع، نافع رضی اللہ عنہ، شعبہ، پسر شعبہ رضی اللہ عنہ، ابوبکر رضی اللہ عنہ، خیرۃ والدۂ حسن بصری، سلیمان رضی اللہ عنہ بن یسار، ابوعثمان رضی اللہ عنہ الہندی، حمید رضی اللہ عنہ، ابوسلمہ رضی اللہ عنہ، سعید بن مسیب، ابووائل، صفیہ بنت محصی، شعبی، عبدالرحمان، ابن حارث بن ہشام، عکرمہ، ابوبکر بن عبدالرحمان، عثمان بن عبداللہ ابن موہب، عروہ بن زبیر، کریب مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ، قبیصہ بن زدیب رضی اللہ عنہ، نافع مولا ابن عمر یعلیٰ بن مالک،

اخلاق وعادات کا بیان

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ ایک ہار پہنا جس میں سونے کا کچھ حصہ شامل تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض کیا تو اس کو توڑ ڈالا۔ (ایضاً ج6 ص 319، 323) ہر مہینے میں تین دن (دوشنبہ، جمعرات اور جمعہ) روزہ رکھتی تھیں، (ایضاً ص389) ثواب کی متلاشی رہتیں، ان کے پہلے شوہر کی اولاد ان کے ساتھ تھی، اور وہ نہایت عمدگی سے ان کی پرورش کرتی تھیں، اس بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پوچھا کہ مجھکو اسکا کچھ ثواب بھی ملے گا۔ اپ نے فرمایا" ہاں"

(صحیح بخاری ج1 ص 198)

اچھے کاموں میں شریک ہوتی تھیں، آیت تطہیر انہی کے گھر میں نازل ہوئی تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بلا کر کمبل اڑھایا اور کہا" خدایا! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے ناپاکی کو دور کر اور انہیں پاک کر" حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ دعا سنی تو بولیں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بھی ان کے ساتھ شریک ہوں ارشاد ہوا۔ تم اپنی جگہ پر ہو اور اچھی ہوں۔ (صحیح ترمذی ص 530)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پابند تھیں، نماز کے اوقات میں بعض امراء نے تغیر وتبدل کیا یعنی مستحب اوقات چھوڑ

دیے تو حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو تنبیہ کی اور فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر جلد پڑھا کرتے تھے اور تم عصر جلد پڑھتے ہو۔ (مسند ج6 ص289)

ایک دن ان کے بھتیجے نے دو رکعت نماز پڑھی، چونکہ سجدہ گاہ غبار آلود تھی، وہ سجدہ کرتے وقت مٹی جھاڑتے تھے، حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے روکا کہ یہ فعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روش کے خلاف ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام نے ایک دفعہ ایسا کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا، ترب وجهك لله! یعنی تیرا چہرہ خدا کی راہ میں غبار آلود ہو۔ (ایضاً ج6 ص301)

فیاض تھیں، اور دوسروں کو بھی فیاضی کی طرف مائل کرتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت عبدالرحمان بن عوف نے آ کر کہا اماں! میرے پاس اس قدر مال جمع ہو گیا ہے کہ اب بربادی کا خوف ہے، فرمایا بیٹا! اس کو خرچ کرو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہت سے صحابہ ایسے ہیں کہ جو مجھکو میری موت کے بعد پھر نہ دیکھیں گے! (ایضاً ص290)

ایک مرتبہ چند فقراء جن میں عورتیں بھی تھیں، ان کے گھر آئے اور نہایت الحاح سے سوال کیا، اُمّ الحسن بیٹھی تھیں، انہوں نے ڈانٹا لیکن حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہمکو اسکا حکم نہیں ہے۔ اسکے بعد لونڈی کو کہا کہ ان کو کچھ دیکر رخصت کرو۔ کچھ نہ ہو تو ایک ایک چھوہارا ان کے ہاتھ پر رکھ دو، (استیعاب ج2 ص803)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو جو محبت تھی اسکا یہ اثر تھا کہ آپکے موئے مبارک تبرکا رکھ چھوڑے تھے۔ جن کی وہ لوگوں کو زیارت کراتی تھیں، (مسند احمد ج6 ص296) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے اس قدر محبت تھی کہ ایک مرتبہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اسکا کیا سبب ہے کہ ہمارا قرآن میں ذکر نہیں۔ تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور یہ آیت پڑھی

"ان المسلمين والمسلمات والمومنين والمومنات" (ایضاً ص301)

مناقب کا بیان

ایک مرتبہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی تھیں، حضرت جبرئیل آئے اور باتیں کرتے رہے، ان کے جانے کے بعد آپ نے پوچھا "انکو جانتی ہو؟" بولیں دحیہ رضی اللہ عنہ تھے، لیکن جب آپ نے اس واقعہ کو اور لوگوں سے بیان کیا تو اس وقت معلوم ہوا کہ وہ جبرئیل تھے، (صحیح مسلم ج2 ص241 مطبوعہ مصر) (غالباً یہ نزول حجاب سے قبل کا واقعہ ہے۔)

شرح حدیث

حضرت خالد بن اسلم نے بیان کیا کہ ہم عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ ایک اعرابی نے آپ سے پوچھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر بتلائیے "جو لوگ سونے اور چاندی کا خزانہ بنا کر رکھتے ہیں۔" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کا جواب دیا کہ اگر کسی نے سونا چاندی جمع کیا اور اس کی زکوۃ نہ دی تو اس کے لیے ویل (خرابی) ہے۔ یہ حکم زکوۃ کے احکام نازل ہونے سے پہلے تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے زکوۃ کا حکم نازل کر دیا تو اب وہی زکوۃ مال و دولت کو پاک کر دینے والی ہے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث، ۱۴۰۴)

اس مال سے متعلق یہ آیت نہیں ہے وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ (التوبہ:34) معلوم ہوا کہ اگر کوئی مال جمع کرے تو گنہگار نہیں بشرطیکہ زکوٰۃ دیا کرے۔ گو تقویٰ اور فضیلت کے خلاف ہے۔ یہ ترجمہ باب خود ایک حدیث ہے۔ جسے امام مالک نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے موقوفاً نکالا ہے اور ابوداؤد نے ایک مرفوع حدیث نکالی جس کا مطلب یہی ہے۔ حدیث لیس فیما دون خمس اواق صدقۃ یہ حدیث اس باب میں آتی ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث سے دلیل لی کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کی جائے وہ کنز نہیں ہے۔ اس کا دبانا اور رکھ چھوڑنا درست ہے کیونکہ پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں بموجب نص حدیث زکوٰۃ نہیں ہے۔ پس اتنی چاندی کا رکھ چھوڑنا اور دبانا کنز نہ ہوگا اور آیت میں سے اس کو خاص کرنا ہوگا اور خاص کرنے کی وجہ یہی ہوئی کہ زکوٰۃ اس پر نہیں ہے تو جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی وہ بھی کنز نہ ہوگا کیونکہ اس پر بھی زکوٰۃ نہیں رہی۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے پانچ اوقیوں کے دو سو درہم ہوئے یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی۔ یہی چاندی کا نصاب ہے اس سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

کنز کے متعلق بیہقی میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے: کل ما ادیت زکوته وان کان تحت سبع ارضین فلیس بکنز و کل مالا تودی زکوته فهو کنز وان کان ظاهرا علی وجه الارض (فتح الباری)

یعنی ہر وہ مال جس کی تو نے زکوٰۃ ادا کر دی ہے وہ کنز نہیں ہے اگرچہ وہ ساتویں زمین کے نیچے دفن ہو اور ہر وہ مال جس کی زکوٰۃ نہیں ادا کی وہ کنز ہے اگرچہ وہ زمین کی پیٹھ پر رکھا ہوا ہو۔

آپ کا یہ قول بھی مروی ہے ما ابالی لو کان لی مثل احد ذهبا اعلم عدده ازکیه واعمل فیه بطاعة الله تعالٰی (فتح) یعنی مجھ کو کچھ پروا نہیں جب کہ میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو اور میں زکوٰۃ ادا کر کے اسے پاک کروں اور اس میں اللہ کی اطاعت کے کام کروں یعنی اس حالت میں اتنا خزانہ بھی میرے لیے مضر نہیں ہے۔ (فتح الباری شرح البخاری)

ہم سے علی بن ابی ہاشم نے بیان کیا' انہوں نے ہشیم سے سنا' کہا کہ ہمیں حصین نے خبر دی' انہیں زید بن وہب نے کہا کہ میں مقام ربذہ سے گزر رہا تھا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ دکھائی دیئے۔ میں نے پوچھا کہ آپ یہاں کیوں آ گئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں شام میں تھا تو معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے میرا اختلاف (قرآن کی آیت) "جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے" کے متعلق ہو گیا۔ معاویہ کا کہنا یہ تھا کہ یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور میں یہ کہتا تھا کہ اہل کتاب کے ساتھ ہمارے متعلق بھی یہ نازل ہوئی ہے۔ اس اختلاف کے نتیجہ میں میرے اور ان کے درمیان کچھ تلخی پیدا ہو گئی۔ چنانچہ انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ (جو ان دنوں خلیفۃ المسلمین تھے) کے یہاں میری شکایت لکھی۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے لکھا کہ میں مدینہ چلا آؤں۔ چنانچہ میں چلا آیا۔ (وہاں جب پہنچا) تو لوگوں کا میرے یہاں اس طرح ہجوم ہونے لگا جیسے انہوں نے مجھے پہلے دیکھا ہی نہ ہو۔ پھر جب میں نے لوگوں کے اس طرح اپنی طرف آنے کے متعلق عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر مناسب سمجھو تو یہاں کا قیام چھوڑ کر مدینہ سے قریب ہی کہیں اور جگہ الگ قیام اختیار کر لو۔ یہی بات ہے جو مجھے یہاں (ربذہ) تک لے آئی ہے۔ اگر وہ میرے اوپر ایک حبشی کو بھی امیر مقرر کر دیں تو میں اس کی بھی سنوں گا اور اطاعت کروں گا۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث، ۱۴۰۷)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بڑے عالی شان صحابی اورزہد درویشی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے ایسی بزرگ شخصیت کے پاس خواہ مخواہ لوگ بہت جمع ہوتے ہیں۔ حضرت معاویہ نے ان سے یہ اندیشہ کیا کہ کہیں کوئی فساد نہ اٹھ کھڑا ہو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو وہاں سے بلا بھیجا تو فوراً چلے آئے۔ خلیفہ اور حاکم اسلام کی اطاعت فرض ہے۔ ابوذر نے ایسا ہی کیا۔ مدینہ آئے تو شام سے بھی زیادہ ان کے پاس مجمع ہونے لگا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی وہی اندیشہ ہوا جو معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہوا تھا۔ انہوں نے صاف تو نہیں کہا کہ تو مدینہ سے نکل جاؤ مگر اصلاح کے طور پر بیان کیا۔ ابوذر نے ان کی مرضی پا کر مدینہ کو بھی چھوڑا۔ اور ربذہ نامی ایک گاؤں میں جا کر رہ گئے اور تادم وفات وہیں مقیم رہے۔ آپ کی قبر بھی وہیں ہے۔

امام احمد اور ابویعلی نے مرفوعاً نکالا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر سے فرمایا تھا جب تو مدینہ سے نکالا جائے گا تو کہاں جائے گا؟ تو انہوں نے کہا شام کے ملک میں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تو وہاں سے بھی نکالا جائے گا؟ انہوں نے کہا کہ میں پھر مدینہ شریف میں آجاؤں گا۔ آپ نے فرمایا جب پھر وہاں سے نکالا جائے گا تو کیا کرے گا۔ ابوذر نے کہا میں اپنی تلوار سنبھال لوں گا اور لڑوں گا۔ آپ نے فرمایا بہتر بات یہ ہے کہ امام وقت کی بات سن لینا اور مان لینا۔ وہ تم کو جہاں بھیجیں چلے جانا۔ چنانچہ حضرت ابوذر نے اسی ارشاد پر عمل کیا اور دم نہ مارا اور آخر دم تک ربذہ ہی میں رہے۔

جب آپ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو آپ کی بیوی جو ساتھ تھیں اس موت غربت کا تصور کر کے رونے لگیں۔ کفن کے لیے بھی کچھ نہ تھا۔ آخر ابوذر کو ایک پیش گوئی یاد آئی اور بیوی سے فرمایا کہ میری وفات کے بعد اس ٹیلے پر جا بیٹھنا کوئی قافلہ آئے گا وہی میرے کفن کا انتظام کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اچانک ایک قافلہ کے ساتھ ادھر سے گزرے اور صورت حال معلوم کر کے رونے لگے پھر کفن دفن کا انتظام کیا۔ کفن میں اپنا عمامہ ان کو دے دیا (رضی اللہ عنہم)

علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: و فی ہذا الحدیث من الفوائد غیر ماتقدم ان الکفار مخاطبون بفروع الشریعة لاتفاق ابی ذر و معاویة ان الایہ نزلت فی اہل الکتاب و فیہ ملاطفة الائمة للعلماء فان معاویة لم یجسر علی الانکار علیہ حتی کاتب من ہو اعلی منہ فی امرہ و عثمان لم یحنق اعلی ابی ذر مع کونہ کان مخالفا لہ فی تاویلہ فیہ التحذیر من الشقاق والخروج علی الائمة والترغیب فی الطاعة لاولی الامر و امر الافضل بطاعة المفضول خشیة المفسدة و جواز الاختلاف فی الاجتہاد و الاخذ بالشدة فی الامر بالمعروف وان ادی ذالک الی فراق الوطن و تقدیم دفع المفسدة علی جلب المنفعة لان فی بقاء ابی ذر بالمدینة مصلحة کبیرة من بث عملہ فی طالب العلم و مع ذالک فرجع عند عثمان دفع مایتوقع عند المفسدة من الاخذ بمذہبہ الشدید فی ہذہ المسئلة و لم یامرہ بعد ذالک بالرجوع عنہ لان کلا منہما کان مجتہدا۔

یعنی اس حدیث سے بہت سے فوائد نکلتے ہیں حضرت ابوذر اور حضرت معاویہ یہاں تک متفق تھے کہ یہ آیت اہل کتاب کے حق میں نازل ہوئی ہے پس معلوم ہوا کہ شریعت کے فروعی احکامات کے کفار بھی مخاطب ہیں اور اس سے یہ بھی نکلا کہ حکام اسلام کو علماء کے ساتھ مہربانی سے پیش آنا چاہیے۔ حضرت معاویہ نے یہ جسارت نہیں کی کہ کھلم کھلا حضرت ابوذر کی مخالفت کریں بلکہ یہ

معاملہ حضرت عثمان تک پہنچا دیا جو اس وقت مسلمانوں کے خلیفہ برحق تھے اور واقعات معلوم ہونے پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوئی سختی نہیں کی حالانکہ وہ ان کی تاویل کے خلاف تھے۔ اس سے یہ بھی نکلا کہ اہل اسلام کو باہمی نفاق و شقاق سے ڈرنا ہی چاہیے اور ائمہ برحق پر خروج نہ کرنا چاہیے بلکہ اولوالامر کی اطاعت کرنی چاہیے اور اجتہادی امور میں اس سے اختلاف کا جواز بھی ثابت ہوا اور یہ بھی کہ امر بالمعروف کرنا ہی چاہیے خواہ اس کے لیے وطن چھوڑنا پڑے اور فساد کی چیز کو دفع ہی کرنا چاہیے اگرچہ وہ نفع کے خلاف بھی ہو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا' اس میں بڑی مصلحت تھی کہ یہ یہاں مدینہ میں رہیں گے تو لوگ ان کے پاس بکثرت علم حاصل کرنے آئیں گے اور اس مسئلہ متنازعہ میں ان سے اسی شدت کا اثر لیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو اس شدت سے رجوع کرنے کا بھی حکم نہیں فرمایا۔ اس لیے کہ یہ سب مجتہد تھے اور ہر مجتہد اپنے اپنے اجتہاد کا خود ذمہ دار ہے۔ (فتح الباری شرح البخاری)

رکاز کی زکوٰۃ کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اگر جانور کسی کو زخمی کر دے تو معاف ہے اگر کنواں کھدوانے میں کوئی مر جائے تو معاف ہے اگر کان کھدوانے میں کوئی مر جائے تو معاف ہے اور رکاز میں پانچواں حصہ واجب ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 295)

کوئی جانور یعنی گھوڑا، بیل اور بھینس وغیرہ اگر کسی شخص کو زخمی کر دے کوئی چیز ضائع کر دے یا کسی کو جان ہی سے مار ڈالے اور اس موقعہ پر جانور کے ساتھ کوئی یعنی اس کا مالک وغیرہ نہ ہو اور یہ کہ دن کا وقت ہو تو جانور کا زخمی کرنا یا کسی چیز کو ضائع کر دینا معاف ہے یعنی اس کے مالک پر اس کا کوئی بدلہ اور جرمانہ نہیں ہوگا۔ ہاں اگر جانور اس حال میں کسی کو زخمی کرے یا کوئی چیز ضائع کر دے کہ اس پر کوئی سوار ہو یا اس کے ساتھ کوئی ہانکنے والا اور کھینچنے والا ہو تو ایسی صورت میں جانور کے مالک پر بدلہ اور جرمانہ واجب ہوگا کیونکہ اس میں کوتاہی اور لاپرواہی کو دخل ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی جانور رات کے وقت چھوٹ کر کسی کو زخمی کر دے یا کوئی چیز تلف کر دے تو اس کے مالک پر اس کا تاوان آئے کیونکہ رات میں جانوروں کو باندھا جاتا ہے مگر اس نے جانور کو نہ باندھ کر لاپرواہی اور کوتاہی کا ثبوت دیا اس بارے میں مذکورہ حدیث اگرچہ عام ہے اور اس میں کوئی قید اور تخصیص نہیں ہے مگر دوسری احادیث اور دیگر دلائل کے پیش نظر مذکورہ قیود کو ذکر کیا گیا ہے۔ والبیر جبار (اگر کنواں کھدوانے میں کوئی مر جائے تو معاف ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص کنواں کھدوانا چاہتا ہے اور اس نے کنواں کھودنے کے لئے کسی مزدور کی خدمات حاصل کی ہیں اب اگر وہ مزدور کنواں کھودتے ہوئے گر کر یا دب کر مر جائے تو کنواں کھدوانے والے پر کوئی تاوان یعنی خون بہا وغیرہ واجب نہیں۔ اس طرح اگر کوئی شخص اپنی زمین میں یا کسی ایسی افتادہ زمین میں کہ جس کے مالک کا کوئی پتہ نہ ہو کنواں کھدوائے اور اس کنویں میں کوئی آدمی یا جانور گر کر مر جائے تو اس صورت میں بھی اس پر کوئی تاوان نہیں آئے گا ہاں اگر کنواں راستے میں یا کسی دوسرے کی زمین میں مالک کی اجازت کے بغیر کھدوایا جائے اور اس کنویں میں کوئی آدمی یا جانور گر کر مر جائے تو اس صورت میں کنوا کھودنے والے کے عاقلہ پر تاوان یعنی خون بہا واجب ہوگا یہی

حکم اس شخص کے بارے میں لاگو ہوگا جو سونا چاندی، فیروزہ یا مٹی نکلوانے کے لئے زمین کے کسی حصے کو کھدوائے گا۔ عاقلہ کسے کہتے ہیں" عاقلہ" ایک فقہی اصطلاح ہے اس کے معنی مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ کسی شخص سے کوئی جرم سرزد ہوجاتا ہے مثلاً وہ شکار پر بندوق چلاتا ہے اور اتفاق سے بغیر کسی قصد وارادہ کے اس کی گولی شکار کی بجائے کسی انسان کو ہلاک کر دیتی ہے یا مذکورہ بالا صورت کے مطابق کوئی شخص راستہ میں کنوا کھدوا دیتا ہے اور اس کنویں میں گر کر کوئی مرجاتا ہے تو جس شخص کی گولی سے کوئی خون ہوجائے یا جس شخص کے کھودے ہوئے کنویں میں کوئی گر کر مرجائے اس کے ساتھی اور رفیق" عاقلہ" کہلاتے ہیں فرض کیجئے وہ شخص فوج میں یا پولیس میں ملازم ہے تو اس کے ساتھی فوجی یا سپاہی عاقلہ کہلائیں گے اور اگر وہ کہیں ملازم نہ ہو تو پھر اس کے قبیلہ اور خاندان والے اس کے عاقلہ کہلائیں گے۔ عاقلہ پر تاوان کیوں؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غلطی تو اس شخص کی ہے مگر جرمانہ اور تاوان اس کے ساتھیوں یا اس کے اہل خاندان اور قبیلہ والوں پر کیوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس شخص سے کسی غلطی کا ارتکاب ہوگیا اور اس غلطی میں بھی اس کے قصد وارادہ کو کوئی دخل نہیں تھا تو اگرچہ اس پر کوئی جرمانہ کیوں نہ کر دیا جائے مگر ہوسکتا ہے کہ وہ اس غلطی پر پشیمان و نادم نہ ہو اور اس کی لاپرواہی اور کوتاہی آئندہ کسی اور بڑے حادثے کا ذریعہ بن جائے اس لئے ضروری ہوا کہ جرمانہ اور تاوان ان لوگوں پر لازم کیا جائے جو اس کے قریب رہنے والے ہوں اور اس سے متعلق ہوں تا کہ وہ اس پر پوری طرح کنٹرول کرسکیں اور آئندہ کے لئے اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہونے دیں۔ حدیث میں مذکور رکاز سے کیا مراد ہے؟

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں جس رکاز کا ذکر کیا گیا ہے اس سے کان (معدن) مراد ہے لیکن اہل حجاز" رکاز" سے زمانہ جاہلیت کے دفینے (زمین دوز کئے ہوئے خزانے) مراد لیتے ہیں جہاں تک حدیث کا ظاہر مفہوم اور اس کا سیاق و سباق ہے اس کے پیش نظر وہی معنی زیادہ مناسب اور بہتر معلوم ہوتے ہیں جو حضرت امام اعظم نے مراد لئے ہیں پھر یہ کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد گرامی بھی" رکاز" کے اسی معنی کی وضاحت کرتا ہے۔

چنانچہ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب دریافت کیا گیا کہ رکاز وہ سونا اور چاندی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں اس کی تخلیق کے وقت ہی پیدا فرمایا ہے۔ کان میں سے نکلنے والی چیزوں کی قسمیں اس موقع پر یہ بھی جان لیجئے کہ جو چیزیں کان سے برآمد ہوتی ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) وہ چیزیں جو منجمد ہوں اور آگ میں ڈالنے سے نرم ہوجائیں نیز منقش کئے جانے کے قابل ہوں یعنی جو سکے وغیرہ ڈھالنے کے کام آسکتی ہوں جیسے سونا، چاندی، لوہا اور رانگا وغیرہ۔ (۲) وہ چیزیں جو منجمد نہیں ہوتیں جیسے پانی، تیل، رال اور گندھک وغیرہ۔ (۳) وہ چیزیں جو آگ میں ڈالنے سے نرم نہ ہوتی ہوں اور نہ سکے وغیرہ کے لئے ڈھالی جاسکتی ہوں جیسے پتھر، چونا، ہڑتا اور یاقوت وغیرہ، چنانچہ ان تینوں اقسام میں سے صرف پہلی قسم میں زکوۃ کے طور پر خمس یعنی پانچواں حصہ نکالنا واجب ہے اور اس کے لئے ایک سال گزرنا شرط نہیں ہے حضرت امام شافعی کے نزدیک معدنیات میں سے صرف سونے چاندی میں زکوۃ واجب ہوتی ہے دوسری معدنیات مثلاً لوہے، رانگ وغیرہ میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی۔

زینت اختیار کرنے کے لیے انگوٹھیاں تیار کرنے کا بیان

1565 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِدْرِيسَ الرَّازِيُّ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ الرَّبِيعِ بْنِ طَارِقٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ، أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ، أَخْبَرَهُ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ، أَنَّهُ قَالَ: دَخَلْنَا عَلَى عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَى فِي يَدَيَّ فَتَخَاتٍ مِنْ وَرِقٍ، فَقَالَ: مَا هَذَا يَا عَائِشَةُ؟. فَقُلْتُ: صَنَعْتُهُنَّ أَتَزَيَّنُ لَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ: أَتُؤَدِّينَ زَكَاتَهُنَّ؟. قُلْتُ: لَا. أَوْ مَا شَاءَ اللَّهُ. قَالَ: هُوَ حَسْبُكِ مِنَ النَّارِ.

۞۞ عبداللہ بن شداد بیان کرتے ہیں: ہم نبی اکرم ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے بتایا: ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ میرے ہاں تشریف لائے' تو آپ ﷺ نے میرے ہاتھ میں چاندی کی بنی ہوئی انگوٹھیاں ملاحظہ فرمائیں۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا: اے عائشہ! یہ کس لیے ہیں؟ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میں نے یہ اس لیے تیار کروائی ہیں تاکہ آپ ﷺ کے لیے زینت اختیار کروں! نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا: تم نے ان کی زکوۃ ادا کی ہے؟ میں نے عرض کی: جی نہیں (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں:) جو بھی اللہ کو منظور تھا وہ کہا۔ تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جہنم میں (جانے کے لیے) یہ تمہارے لیے کافی ہیں۔

راوی حدیث عبداللہ بن شداد

ابوالولید، عبداللہ بن شداد بن ھاد، اسامہ بن عمرو بن عبداللہ بن جابر بن بشر بن عتوارہ بن عامر بن مالک بن لیث، کوفہ کے رہنے والے تھے۔ آپ، امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی تھے اور آپ کی والدہ سلمی بنت عمیس خثعمی، اسماء بنت عمیس کی بہن تھیں۔ اس بناء پر یہ عبداللہ بن جعفر اور محمد بن ابوبکر کے خالہ زاد بھائی اور عمارہ کی ماں کے بھائی تھے۔

ابن سعد اپنی طبقات جلد ۶ صفحہ ۸۶ پر ان کے متعلق لکھتے ہیں بڑے ثقہ، فقیہ کثیر الحدیث تھے ان کی حدیثیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں۔ عبداللہ جنگ دجیل میں شہید ہوئے یہ بہت ہی موثق، فقیہ، کثیر الحدیث تھے۔ یہ جنگ ۸۱ ہجری میں واقع ہوئی، صحاح ستہ کے مصنفین اور دوسرے تمام اہل سنت نے عبداللہ بن شداد کی روایت سے استدلال کیا ہے۔

ابواسحاق شیبانی، معبد بن خالد اور سعد بن ابراہیم نے ان سے حدیث نقل کی ہے اور جو حدیثیں انہوں نے ان سے نقل کی ہیں وہ سب صحاح ستہ اور تمام مسانید کی کتابوں میں موجود ہیں۔

سونے چاندی کی زکوۃ کا بیان

سونا اور چاندی جب بقدر نصاب ہوں ان میں زکوۃ فرض ہو جاتی ہے سونے کا نصاب بیس مثقال ہے یعنی ساڑھے سات تولہ اور چاندی کا نصاب دوسو درم یعنی ساڑھے باون تولہ۔ اعشاری نظام کی جو تفصیل سرکاری طور پر حکومت کی جانب سے جاری کی

گئی ہے، اس کے مطابق سونے کا نصاب ۸۷،۴۷۹ گرام ہے اور چاندی کا نصاب ۶۰۷،۳۵۰ گرام ہے۔ سونے چاندی کی زکوٰۃ میں وزن کا اعتبار ہے، قیمت کا لحاظ نہیں، وزن میں بقدرِ نصاب نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں، قیمت جو کچھ بھی ہو، مثلاً سات تولے سونے یا کم کا زیور یا برتن بنا ہو کہ اس کی کاریگری کی وجہ سے قیمت میں ساڑھے سات تولہ تک پہنچتا یا اس سے بھی زائدہ ہوتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں کہ وزن ساڑھے سات تولہ کامل نہ ہوا یا ساڑھے سات تولہ ہارتے (کھوٹے) سونے کا مال ہے کہ قیمت میں سات تولہ سونے سے بھی کم ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے کہ نصاب کا وزن پورا ہے۔ (درمختار، فتاویٰ رضویہ)

عورت کو ماں باپ کے یہاں سے جو زیور ملتا ہے اس کی مالک عورت ہی ہوتی ہے، اس کی زکوٰۃ شوہر کے ذمہ ہرگز نہیں اگرچہ وہ کثیر مال رکھتا ہو اور شوہر نہ دے تو اس کے نہ دینے سے اس پر کچھ وبال بھی نہیں، یوں ہی شوہر نے وہ زیور جو کہ عورت کو دیا اس کی ملک کر دیا، اس پر بھی یہی حکم ہے، ہاں اگر شوہر نے اپنی ہی ملک میں رکھا اور عورت کو صرف پہننے کے لے دیا تو بے شک اس کی زکوٰۃ مرد کے ذمہ ہے جبکہ خود یا دوسرے مال سے مل کر بقدرِ نصاب ہو اور حاجت اصلیہ سے زائد بھی۔ (فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

1566 - حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عُمَرَ بْنِ يَعْلَى، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ نَحْوَ حَدِيثِ الْخَاتَمِ، قِيلَ لِسُفْيَانَ كَيْفَ تُزَكِّيهِ، قَالَ: تَضُمُّهُ إِلَى غَيْرِهِ

⊛⊛ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے جس میں انگوٹھی والی روایت کا ذکر ہے۔ سفیان سے دریافت کیا گیا: اس کی زکوٰۃ آپ کیسے ادا کریں گے؟ انہوں نے فرمایا: اسے دوسرے (مالِ زکوٰۃ) میں شامل کر کے (پھر زکوٰۃ ادا کی جائے گی)۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی آفندی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ جو ہم [illegible] ے زکوٰۃ میں قیمت کا اعتبار نہیں، یہ اسی صورت میں ہے کہ اس جنس کی زکوٰۃ اسی جنس سے ادا کی جائے اور اگر سونے کی زَ [illegible] ندی سے یا چاندی کی زکوٰۃ سونے سے ادا کی جائے تو اب ضرور قیمت کا اعتبار ہوگا، مثلاً سونے کی زکوٰۃ میں چاندی کی کوئی چیز دی جس کی قیمت ایک اشرفی ہے تو ایک دینا قرار پائے گا اگرچہ وزن میں وہ چاندی کی چیز پندرہ روپیہ بھر بھی نہ ہو۔ (ردالمحتار)

سونا چاندی جبکہ بقدرِ نصاب ہوں تو ان کی زکوٰۃ چالیسواں حصہ ہے یعنی ان کی قیمت لگالیں اور پھر 2/12 فیصد کے حساب سے زکوٰۃ میں دے دیں خواہ وہ ویسے ہی ہوں یا ان کے سکے جیسے روپے اشرفیاں (اگرچہ پاک و ہند بلکہ بیشتر ممالک میں یہ سکے اب نہیں پائے جاتے) یا ان کی بنی ہوئی چیز ہو، خواہ اس کا استعمال جائز ہو جیسے عورت کے لیے زیور، مرد کے لیے چاندی کی ایک نگ کی ایک انگوٹھی ساڑھے چار ماشے سے کم کی، یا ناجائز ہو جیسے سونے چاندی کے برتن، گھڑی، سرمہ دانی، سلائی کہ ان کا استعمال مرد و عورت سب کے لیے حرام ہے۔ غرض جو کچھ ہو، زکوٰۃ سب کی واجب ہے۔ (درمختار وغیرہ)

اگر سونے چاندی میں کھوٹ ہو اور غالب سونا چاندی ہے تو اس سب کو سونا چاندی قرار دیں، کھوٹ کا کوئی اعتبار نہیں اور کل پر زکوٰۃ واجب ہے، یونہی اگر کھوٹ آدھوں آدھ یعنی سونے چاندی کے برابر ہے تب بھی کھوٹ کا لحاظ نہ کیا جائے گا اور زکوٰۃ کل پر واجب ہوگی۔ اور اگر کھوٹ غالب ہو مگر اس میں سونا چاندی اتنی مقدار میں ہے کہ جدا کریں تو نصاب کو پہنچ جائے یا وہ تو نصاب کو نہیں

پیسہ مگر اس کے پاس اور مال ہے کہ اس سے مل کر نصاب ہو جائے گا تو ان صورتوں میں زکوٰۃ واجب ہے۔(درمختار)
یہ تو صحیح ہے کہ براوقت کہہ کر نہیں آتا اور ضرورتیں بھی آدمی سے چمٹی رہتی ہیں مگر گھر میں جو آدمی کھانے پہننے والے ہوں، ان کی ضروریات کالحاظ تو شریعت مطہرہ نے پہلے ہی فرمالیا ہے۔ سال بھر کے کھانے پینے پہننے اور تمام مصارف سے جو بچا اور سال بھر رہا اسی کا تو چالیسواں حصہ فرض ہوا ہے اور وہ بھی اس لیے کہ مسلمان کو آخرت میں عذاب سے نجات ملے اور دنیا میں بھی مال میں ترقی ہو، برکت ہو، یہ خیال کرنا کہ زکوٰۃ سے مال گھٹے گا، نری ایمان کی کمزوری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ زکوٰۃ دینے سے مال میں ترقی اور افزونی ہوتی ہے۔ تو جسے وہ بڑھائے وہ کیونکر گھٹ سکتا ہے، یہ خیال کہ اگر اس وقت سو روپیہ میں سے ڈھائی روپیہ زکوٰۃ میں اٹھا دیں گے تو آئندہ سال بچے کیا کھائیں گے، محض شیطانی وسوسہ ہے۔ (فتاویٰ رضویہ وغیرہ)۔
موتی وغیرہ جس کے پاس ہوں اور تجارت کے لیے نہ ہو تو ان کی زکوٰۃ واجب نہیں مگر جب نصاب کی قیمت کے ہوں تو زکوٰۃ لے نہیں سکتا۔ (درمختار)۔ روپیہ کہیں جمع ہو، کسی کے پاس امانت ہو، مطلقاً اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (فتاویٰ رضویہ) ہاں بقدر نصاب ہونا زکوٰۃ کے لیے شرط ہے اور انعامی بانڈ جو خرید کر بحفاظت رکھ لے جاتے ہیں وہ بھی نوٹوں کی مانند ہیں اور زکوٰۃ ان پر واجب ہے بشرطیکہ وہ کارآمد ہیں۔
عورت اور شوہر کا معاملہ دنیا کے اعتبار سے کتنا ہی ایک ہو مگر اللہ عزوجل کے حکم میں وہ جدا جدا ہیں، جب عورت کے پاس زیور زکوٰۃ کے قابل ہے اور قرض عورت پر نہیں، شوہر پر ہے تو عورت پر زکوٰۃ ضرور واجب ہے، یونہی ہر سال تمام پر زیور کے علاوہ جو روپیہ یا زکوٰۃ کی کوئی چیز عورت کے ملک میں ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے، عورت ادا کرے گی۔ (فتاویٰ رضویہ)
اگر عورت کے پاس روپیہ ہے اگرچہ بظاہر اور آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں تو اسی روپیہ سے زکوٰۃ ادا کرے اور اگر نقد روپیہ کی کوئی سبیل نہیں تو زیور بیچے اور زکوٰۃ نکالے، زیور کچھ حاجتِ اصلیہ سے تو ہے نہیں اور زکوٰۃ دینے میں خرچ کی تکلیف نہ سمجھے بلکہ زکوٰۃ کا نہ دینا ہی تکلیف کا باعث ہوتا ہے، نحوست اور بے برکتی لاتا ہے اور زکوٰۃ دینے سے مال بڑھتا ہے اللہ تعالیٰ برکت و فراغت دیتا ہے، یہ قرآن حکیم میں اللہ کا وعدہ ہے، اللہ سچا اور اس کا وعدہ سچا۔ (فتاویٰ رضویہ وغیرہ)
جو زیور کسی نے اپنے بچوں کو ہبہ کر دیا اس کی زکوٰۃ نہ اس پر ہے نہ بچوں پر، اس پر اس لیے نہیں کہ اب یہ مالک نہیں اور بچوں پر اس لیے نہیں کہ وہ بالغ نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ)
شوہر اگر اس کو ہر سال کے ختم پر زکوٰۃ ادا کرنے کے واسطے روپیہ اس شرط پر دینا چاہتا ہے کہ وہ یہ روپیہ اپنے فرض واجب الادا یعنی مہر نکاح میں وضع کرتی رہے تو اس طرح لینا دینا دونوں جائز ہیں اور دونوں ہوں مگر نصاب سے کم زکوٰۃ ہے یا نہیں۔
اگر کسی کے پاس قیمت کی چاندی یا چاندی کی قیمت کا سونا فرض کر کے ملائیں، اگر ملانے اور قیمت لگانے پر بھی نصاب نہیں ہوتا تو کچھ نہیں ورنہ زکوٰۃ ادا کریں، البتہ قیمت لگانے میں اس کا لحاظ ضروری ہے کہ قیمت وہ لگائیں جس میں فقیروں کا زیادہ نفع ہو۔
(درمختار وغیرہ)
دوسری چاندی کے علاوہ دوسری دھات کے سکے جیسا کہ اب عام طور پر تمام ملکوں میں رائج ہیں اگر 200 درہم یعنی 52

1/2 2 تولے چاندی کی قیمت کے ہوں تو ان کی زکوٰۃ واجب ہے اگرچہ تجارت کے لیے نہ ہوں اور اگر چلن اٹھ گیا ہو تو جب تک تجارت کے لیے نہ ہوں زکوٰۃ واجب نہیں، یونہی نوٹ کی بھی زکوٰۃ واجب ہے جب تک ان کا رواج اور چلن ہو کہ یہ بھی پیسوں کے حکم میں ہیں اور ان سے بھی دنیا بھر میں لین دین ہوتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

سونے کے عوض سونا اور چاندی کے عوض چاندی زکوٰۃ میں دی جائے جب تو نرخ کی کوئی حاجت ہی نہیں، وزن کا چالیسواں حصہ دیا جائے گا، ہاں اگر سونے کے بدلے چاندی یا چاندی کے بدلے سونا یا مقدار واجب کی بازاری قیمت دینا چاہیں تو نرخ کی ضرورت ہوگی اور نرخ نہ بنوانے کے وقت کا معتبر ہے نہ زکوٰۃ ادا کرتے وقت کا اگر ادا سال تمام سے پہلے یا بعد ہو بلکہ جس وقت یہ مالک نصاب ہوا تھا وہ ماہ عربی و تاریخ وقت جب آئیں گے اس پر زکوٰۃ کا سال تمام ہوگا اور اسی وقت کا نرخ لیا جائے گا، قیمت لگا کر اب ڈھائی روپیہ فی سینکڑہ ادا کر دیں کہ اس میں فقیر کا زیادہ نفع ہے اور دینے والے کو بھی حساب کی آسانی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

بَابٌ فِي زَكَاةِ السَّائِمَةِ

باب: کھلی جگہ پر چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ کا حکم

1567 - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، قَالَ: أَخَذْتُ مِنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَنَسٍ كِتَابًا، زَعَمَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَتَبَهُ لِأَنَسٍ، وَعَلَيْهِ خَاتِمُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ بَعَثَهُ مُصَدِّقًا، وَكَتَبَهُ لَهُ، فَإِذَا فِيهِ: هٰذِهِ فَرِيضَةُ الصَّدَقَةِ الَّتِي فَرَضَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ، الَّتِي أَمَرَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ بِهَا نَبِيَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَمَنْ سُئِلَهَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ عَلَى وَجْهِهَا فَلْيُعْطِهَا، وَمَنْ سُئِلَ فَوْقَهَا فَلَا يُعْطِهِ، فِيمَا دُونَ خَمْسٍ وَعِشْرِينَ مِنَ الْإِبِلِ الْغَنَمُ فِي كُلِّ خَمْسِ ذَوْدٍ شَاةٌ، فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا وَعِشْرِينَ فَفِيهَا بِنْتُ مَخَاضٍ إِلَى أَنْ تَبْلُغَ خَمْسًا وَثَلَاثِينَ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهَا بِنْتُ مَخَاضٍ، فَابْنُ لَبُونٍ ذَكَرٌ، فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَثَلَاثِينَ، فَفِيهَا بِنْتُ لَبُونٍ إِلَى خَمْسٍ وَأَرْبَعِينَ، فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَأَرْبَعِينَ، فَفِيهَا حِقَّةٌ طَرُوقَةُ الْفَحْلِ إِلَى سِتِّينَ، فَإِذَا بَلَغَتْ إِحْدَى وَسِتِّينَ، فَفِيهَا جَذَعَةٌ إِلَى خَمْسٍ وَسَبْعِينَ، فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَسَبْعِينَ، فَفِيهَا ابْنَتَا لَبُونٍ إِلَى تِسْعِينَ، فَإِذَا بَلَغَتْ إِحْدَى وَتِسْعِينَ، فَفِيهَا حِقَّتَانِ طَرُوقَتَا الْفَحْلِ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ، فَإِذَا زَادَتْ عَلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ، فَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ بِنْتُ لَبُونٍ، وَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ، فَإِذَا تَبَايَنَ أَسْنَانُ الْإِبِلِ فِي فَرَائِضِ الصَّدَقَاتِ، فَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ الْجَذَعَةِ، وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ جَذَعَةٌ، وَعِنْدَهُ حِقَّةٌ، فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ، وَأَنْ يَجْعَلَ مَعَهَا شَاتَيْنِ إِنِ اسْتَيْسَرَتَا لَهُ، أَوْ عِشْرِينَ دِرْهَمًا، وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ الْحِقَّةِ، وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ حِقَّةٌ وَعِنْدَهُ جَذَعَةٌ، فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ، وَيُعْطِيهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِينَ دِرْهَمًا أَوْ شَاتَيْنِ، وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ الْحِقَّةِ، وَلَيْسَ عِنْدَهُ حِقَّةٌ وَعِنْدَهُ ابْنَةُ لَبُونٍ، فَإِنَّهَا تُقْبَلُ،

قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ: مِنْ هَاهُنَا لَمْ اَضْبِطْهُ، عَنْ مُوسٰى، كَمَا اُحِبُّ، وَيَجْعَلُ مَعَهَا شَاتَيْنِ اِنِ اسْتَيْسَرَتَا لَهُ، اَوْ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا، وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ بِنْتِ لَبُوْنٍ وَلَيْسَ عِنْدَهُ اِلَّا حِقَّةٌ فَاِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ.

قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ: اِلٰى هَاهُنَا، ثُمَّ اَتْقَنْتُهُ: وَيُعْطِيهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا اَوْ شَاتَيْنِ، وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ ابْنَةِ لَبُوْنٍ، وَلَيْسَ عِنْدَهُ اِلَّا بِنْتُ مَخَاضٍ، فَاِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ وَشَاتَيْنِ اَوْ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا، وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ ابْنَةِ مَخَاضٍ، وَلَيْسَ عِنْدَهُ اِلَّا ابْنُ لَبُوْنٍ ذَكَرٌ، فَاِنَّهُ يُقْبَلُ مِنْهُ، وَلَيْسَ مَعَهُ شَيْءٌ، وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ عِنْدَهُ اِلَّا اَرْبَعٌ، فَلَيْسَ فِيْهَا شَيْءٌ، اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ رَبُّهَا. وَفِيْ سَائِمَةِ الْغَنَمِ اِذَا كَانَتْ اَرْبَعِيْنَ، فَفِيْهَا شَاةٌ اِلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ، فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ، فَفِيْهَا شَاتَانِ اِلٰى اَنْ تَبْلُغَ مِائَتَيْنِ، فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى مِائَتَيْنِ، فَفِيْهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ اِلٰى اَنْ تَبْلُغَ ثَلَاثَ مِائَةٍ، فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى ثَلَاثِ مِائَةٍ، فَفِيْ كُلِّ مِائَةِ شَاةٍ شَاةٌ، وَلَا يُؤْخَذُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ، وَلَا ذَاتُ عَوَارٍ مِنَ الْغَنَمِ، وَلَا تَيْسُ الْغَنَمِ، اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ الْمُصَدِّقُ، وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُفْتَرِقٍ، وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ، وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيْطَيْنِ، فَاِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ، فَاِنْ لَّمْ تَبْلُغْ سَائِمَةُ الرَّجُلِ اَرْبَعِيْنَ، فَلَيْسَ فِيْهَا شَيْءٌ، اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ رَبُّهَا وَفِي الرِّقَةِ رُبْعُ الْعُشْرِ، فَاِنْ لَّمْ يَكُنِ الْمَالُ، اِلَّا تِسْعِيْنَ وَمِائَةً، فَلَيْسَ فِيْهَا شَيْءٌ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ رَبُّهَا

حماد بیان کرتے ہیں: میں نے ثمامہ بن عبداللہ بن انس سے وہ تحریر حاصل کی جس کے بارے میں انہوں نے یہ بتایا تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ خط حضرت انس رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا' اور اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر لگائی تھی اس وقت جب انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا' اور انہیں یہ تحریر لکھ کر دی تھی اس میں یہ تحریر تھا:

"زکوٰۃ کی فرضیت کے بارے میں یہ وہ حکم ہے' جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر لازم قرار دیا ہے' جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا تھا مسلمانوں میں سے جس سے بھی اس کے مطابق مطالبہ کیا جائے وہ ادائیگی کرے گا' اور جس سے اس کی زیادہ ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے وہ اضافی ادائیگی نہیں کرے گا۔

پچیس سے کم اونٹوں میں بکری کی شکل میں ادائیگی کی جائے گی، ہر پانچ اونٹوں میں ایک بکری کی ادائیگی لازم ہوگی جب ان کی تعداد پچیس ہو جائے' تو ان میں ایک بنت مخاض کی ادائیگی لازم ہوگی یہ حکم پینتیس تک ہے اگر ان میں بنت مخاض نہ ہو' تو ابن لبون مذکر ادا کیا جائے گا' جب یہ چھتیس تک پہنچ جائیں' تو پینتالیس 45 تک میں ایک بنت لبون کی ادائیگی ہوگی جب یہ چھیالیس تک پہنچ جائیں' تو ساٹھ تک میں ایک حقہ کی ادائیگی لازم ہوگی' جسے جفتی کے لیے دیا جاسکے جب یہ اکسٹھ تک پہنچ جائیں' تو پچھتر 75 تک میں ایک جذعہ کی ادائیگی ہوگی جب یہ چھہتر 76 تک پہنچ جائیں' تو نوے تک میں دو بنت لبون کی ادائیگی لازم ہوگی جب یہ اکیانوے 91 ہو جائیں' تو پھر ایک سو بیس 120 تک میں دو حقہ کی ادائیگی لازم ہوگی جنہیں جفتی کے لیے دیا جاسکے۔ جب یہ ایک سو بیس 120 سے زیادہ ہو جائیں' تو

ہر چالیس میں ایک بنت لبون کی اور ہر پچاس میں ایک حقہ کی ادائیگی میں لازم ہو گی۔ جب زکوۃ کی ادائیگی میں اونٹوں کی عمریں مختلف ہوں' تو جس شخص کے ذمے جذعہ کی ادائیگی اور اس کے پاس جذعہ موجود نہ ہو بلکہ اس کے پاس حقہ موجود ہو' تو وہی اس سے وصول کی جائے گی اور وہ شخص اس کے ہمراہ دو بکریاں دے گا۔ یا بیس درہم دے گا ان میں سے جو بھی آسان ہو اور جس شخص کے ذمہ حقہ کی ادائیگی ہو' اور اس کے پاس حقہ موجود نہ ہو بلکہ اس کے پاس جذعہ موجود ہو' تو اس سے جذعہ وصول کیا جائے گا' اور زکوۃ وصول کرنے والا شخص اسے بیس درہم یا دو بکریاں ادا کرے گا' جس شخص کے ذمے حقہ کی ادائیگی ہے اور اس کے پاس حقہ نہ ہو بلکہ اس کے پاس بنت لبون ہو' تو اس سے وہی وصول کی جائے گی"۔

(امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:) یہاں سے موسیٰ نامی راوی سے' روایت کے الفاظ میں اس طرح محفوظ نہیں رکھ سکا جس طرح میری خواہش تھی (تاہم اس میں یہ الفاظ ہیں:)

وہ اس کے ہمراہ دو بکریاں دے گا یا بیس درہم دے گا یا جو بھی اس کے لیے آسان ہو اور جس شخص کے ذمے بنت لبون کی ادائیگی ہو اور اس کے پاس صرف حقہ ہو' تو اس سے وہی قبول کی جائے گی۔

(امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:) یہاں سے آگے روایت کے الفاظ مجھے صحیح یاد ہیں۔

"تو زکوۃ وصول کرنے والا شخص اسے بیس درہم یا دو بکریاں دے گا' اور جس شخص کے ذمے بنت لبون کی ادائیگی ہو اور اس کے پاس صرف بنت مخاض ہو' تو اس سے وہی قبول کی جائے گی اور دو بکریاں' یا بیس درہم قبول کیے جائیں گے' اور جس شخص کے ذمے بنت مخاض کی ادائیگی ہو لیکن اس کے پاس صرف ابن لبون مذکر ہو' تو اس سے وہی قبول کیا جائے گا' اور اس کے ہمراہ کوئی ادائیگی لازم نہیں ہو گی' جس شخص کے پاس صرف چار اونٹ ہوں' تو ان میں کوئی ادائیگی لازم نہیں ہو گی البتہ اگر ان کا مالک چاہے (تو ویسے صدقہ کے طور پر کوئی چیز دے سکتا ہے)

چرنے والی بکریوں میں (زکوۃ کا حکم یہ ہے) کہ جب ان کی تعداد چالیس ہو' تو ایک سو بیس تک میں ایک بکری کی ادائیگی لازم ہو گی۔ جب وہ ایک سو بیس سے زیادہ ہو جائیں' تو دو سو تک میں دو بکریوں کی ادائیگی لازم ہو گی۔ جب وہ دو سو سے زیادہ ہو جائیں' تو تین سو تک میں تین بکریوں کی ادائیگی لازم ہو گی۔ جب وہ تین سو سے زیادہ ہو جائیں' تو ہر سو بکریوں میں ایک بکری کی ادائیگی لازم ہو گی۔

زکوۃ میں کوئی بوڑھا، عیب دار جانور وصول نہیں کیا جائے گا' اور نہ ہی جفتی والا نر جانور وصول کیا جائے گا' البتہ اگر زکوۃ وصول کرنے والا شخص چاہے' تو لے سکتا ہے۔ زکوۃ سے بچنے کے لیے متفرق مال کو اکٹھا نہیں کیا جائے گا' اور اکٹھے مال کو متفرق نہیں کیا جائے گا' اور جو بھی مال دو آدمیوں کے درمیان مشترکہ ہو' تو ان دونوں سے برابری کی سطح پر وصولی کی جائے گی اگر کسی شخص کے پاس چرنے والی بکریاں چالیس تک نہ ہوں' تو ان میں کوئی ادائیگی لازم نہ ہو گی البتہ اگر ان کا مالک چاہے (تو صدقہ کے طور پر کوئی ادائیگی کر سکتا ہے)

چاندی میں چالیسویں حصے کی ادائیگی لازم ہوگی اگر مال صرف ایک سو نوے درہم ہو تو اس میں کوئی ادائیگی لازم نہیں ہوگی البتہ اگر اس کا مالک چاہے (تو صدقہ کے طور پر کوئی چیز دے سکتا ہے)"۔

حضرت حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ

اس نام کے دو بزرگ اس عہد میں مشہور ہوئے اور دونوں کی امامت فی الحدیث اور جلالتِ شان پر علماء کا اتفاق ہے، حماد بن زید حصول علم کے بعد دولت بینائی سے محروم بھی ہو گئے تھے، اس کے باوجود انہوں نے وہ مقام پیدا کیا تھا کہ بڑے بڑے آئمہ حدیث ان سے استفادہ کو باعثِ فخر جانتے تھے۔

نام ونسب

حماد نام اور ابو اسمٰعیل کنیت تھی، والد کا نام زید تھا (العبر فی خبر من غبر: ۱/۲۷۴) جریر بن حازم کے خاندان کے غلام تھے، ان کے دادا درہم بجستان کی جنگ میں گرفتار کر کے غلام بنا لئے گئے تھے۔

ولادت

ان کی ولادت اپنے وطن بصرہ میں ۹۸ھ میں ہوئی۔

شیوخ

حماد بن زید نے جن علمی سرچشموں سے استفادہ کیا، ان میں سے چند ممتاز اسمائے گرامی یہ ہیں۔ انس بن سیرین رضی اللہ عنہ، ابو عمران الجونی ثابت البنانی، عبدالعزیز بن صہیب، عاصم الاحول محمد بن زیاد القرشی، سلمہ بن دینار، صالح بن کیسان، عمرو بن دینار، ہشام بن عروہ اور عبیداللہ بن عمر (العبر فی خبر من غبر: ۱/۲۷۴)

تلامذہ

حماد بن زید کے منبع فیض سے جو تشنگانِ علم سیراب ہوئے اس میں جلیل القدر اتباع تابعین کی بھی ایک بڑی تعداد شامل ہے کچھ ممتاز نام درج ذیل ہیں:

عبدالرحمٰن بن مہدی، علی بن مدینی (تہذیب التہذیب: ۳/۹) عبداللہ بن مبارک، ابن وہب، یحییٰ بن سعید القطان، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، مسلم بن ابراہیم، مسدد، سلیمان بن حرب، عمرو بن عوف، ابوالاشعث احمد بن المقدام۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۱/۲۰۲)

علم وفضل

حماد بن زید کو مشہور تابعی ایوب سختیانی کی خدمت میں بیس سال تک رہنے کی سعادت نصیب ہوئی، (تہذیب التہذیب: ۳/۹) یحییٰ کہتے ہیں کہ اس طویل مدت میں سوائے حماد کے ایوب سختیانی کا کوئی اور شاگرد حدیثوں کی کتابت نہیں کرتا تھا، ابن خثیمہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن عمر سے دریافت کیا، کیا حماد لکھنا بھی جانتے تھے؟ فرمایا:

انا رایتہ واتیتہ یوم مطر فرایتہ یکتب ثم ینفخ فیہ لیجفہ (تہذیب الاسماء: ۱/۱۶۷)

ایک مرتبہ بارش کے دن میں حماد کے پاس آیا تو میں نے خود دیکھا کہ وہ لکھتے جاتے تھے اور پھر پھونک مار کر اس کو خشک کرتے تھے:

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتداء سے نابینا نہیں تھے؛ بلکہ ان کی بینائی ایک عمر کے بعد جاتی رہی تھی، مگر انہوں نے اپنی نابینائی کا اثر اپنے علم وفضل پر نہیں ہونے دیا، بعض لوگ ان کی نابینائی کی وجہ سے ان کے حفظ وثقاہت پر کلام کرتے ہیں، مگر حافظ ذہبی جیسے مستند محقق نے انہیں "الامام الحافظ المجود شیخ العراق" کے الفاظ سے ذکر کیا ہے (تذکرۃ الحفاظ:۱/۲۰۶) علامہ نووی لکھتے ہیں کہ وہ امام عالی مقام ہیں جن کی جلالتِ شان اور بلندی مرتبت پر سب کا اتفاق ہے (تہذیب الاسماء واللغات:۱/۱۶۷) علامہ ابن سعد فرماتے ہیں کہ حماد ثقہ قابلِ اعتماد، برہانِ حق اور کثیر الحدیث تھے۔ (تہذیب التہذیب:۳/۱۰)

ائمہ علم کا اعتراف

تمام معاصر ائمہ حدیث نے ان کے فضل وکمال کا اعتراف کیا ہے، ابن مہدی کا بیان ہے کہ اپنے اپنے زمانہ کے ائمہ چار ہیں کوفہ میں ثوری، حجاز میں مالک، شام میں اوزاعی اور بصرہ میں حماد بن زید (تہذیب التہذیب:۳/۱۰) یحییٰ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے حماد سے زیادہ حافظِ روایت کسی کو نہیں دیکھا (العبر:۱/۲۷۴) فطر بن حماد بیان کرتے ہیں کہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے اہلِ بصرہ میں صرف حماد بن زید کو دریافت کیا (تہذیب التہذیب:۳/۱۰) ابنِ معین کا قول ہے کہ اتقان فی الحدیث میں حماد بن زید کے مرتبہ کا کوئی نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبل ان کا ذکر بہت ہی عظمت اور عزت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے؛ چنانچہ امام موصوف ہی کے الفاظ ہیں کہ:

هو من ائمة المسلمين من اهل الدين هو احب اليّ من حماد بن سلمه (تذکرۃ الحفاظ:۱/۲۰۶)

وہ مسلمانوں کے امام اور بڑے دیندار ہیں اور وہ مجھے حماد بن سلمہ سے بھی زیادہ پسند اور محبوب ہیں۔

ابن مہدی کا ایک دوسرا قول ہے کہ میں نے حماد سے بڑا عالم سنت کسی کو نہیں دیکھا اور نہ علم میں حماد، مالک اور سفیان سے افضل واعلیٰ کسی کو پایا، ایک روایت میں ابن مہدی کے الفاظ اس طرح نقل کئے گئے ہیں کہ میں نے حماد سے بڑا کوئی عالم دیکھا ہی نہیں، یہاں تک کہ سفیان اور مالک کو بھی حماد سے بڑا عالم نہیں پایا۔

ابوعاصم بیان کرتے ہیں کہ حماد بن زید کی حیات میں ان کی سیرت واخلاق کے لحاظ سے دنیا میں ان کا کوئی مثل موجود نہ تھا (تہذیب التہذیب:۳/۱۰)

محمد بن مصطفیٰ کا بیان ہے کہ انہوں نے بقیہ کو کہتے ہوئے سنا: ما رایت فی العراق مثل حماد بن زید (ایضاً)

میں نے عراق میں حماد بن زید، جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔

وکیع بن جراح کہتے تھے کہ ہم لوگ علم وفضل میں حماد کو مسعر بن کدام سے تشبیہ (تذکرۃ الحفاظ:۱/۲۰۷) دیا کرتے تھے، عبداللہ بن معاویہ کہتے ہیں کہ ہم نے حماد بن زید سے بھی حدیثیں سنی ہیں اور حماد بن سلمہ سے بھی، لیکن دونوں میں وہی فرق ہے جو دینار اور درہم میں ہوتا ہے۔ (تہذیب التہذیب:۳/۱۱)

حافظہ

قوتِ حافظہ کے لحاظ سے بھی حماد بن زید معاصر ائمہ وعلماء میں خصوصی امتیاز رکھتے تھے، عجلی کہتے ہیں کہ حماد بن زید کو چار ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں اور ان کے پاس کوئی کتاب نہ تھی (تذکرۃ الحفاظ:۱/۲۰۷) ابن عیینہ کا بیان ہے کہ سفیان ثوری کو اکثر میں نے ان کے سامنے دوزانو بیٹھے دیکھا ہے۔ (تہذیب التہذیب:۳/۱۰)

احتیاط

بایں ہمہ علم وفضل حماد بن زید روایتِ حدیث میں بہت احتیاط برتتے تھے یعقوب بن شیبہ کا بیان ہے کہ حماد بن زید، حماد بن سلمہ اور دوسرے بہت سے ائمہ ثقات سے زیادہ قابل وثوق ہیں، مگر ان میں کمزوری یہ تھی کہ وہ اسانید کو مختصر کر دیتے تھے اور کبھی مرفوع کو موقوف بنا دیتے تھے، وہ غایت احتیاط کی بنا پر بڑے شکی ہو گئے تھے، بڑے عظیم المرتبت تھے، ان کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی جس کی طرف وہ رجوع کر سکتے، اس وجہ سے کہیں وہ مرفوع حدیث کو موقوف بیان کرتے اور کبھی واقعی مرفوع حدیث بیان کرتے وقت بھی خوف سے لرزاں رہتے تھے۔ (تہذیب التہذیب:۳/۱۱)

فقہ

حماد بن زید حدیث کے ساتھ فقہ میں بھی بلند وممتاز مقام رکھتے تھے، ابواُسامہ کہا کرتے تھے: کنت اذا رایت حماد بن زید قلت ادبه کسری و فقهه عمر رضی الله عنه (تذکرۃ الحفاظ:۱/۲۰۷)
تم جب حماد کو دیکھو گے تو کہو گے کہ ان کو کسریٰ نے ادب اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فقہ سکھایا ہے۔ ابن مہدی بیان کرتے تھے کہ میں نے بصرہ میں حماد بن زید سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔ (تہذیب التہذیب:۳/۱۰)

فہم ودانش

دنیوی امور میں بہت سوجھ بوجھ رکھتے تھے، خالد بن فراش کا بیان ہے کہ حماد بن زید عقلائے روزگار اور دانشورانِ زمن میں سے تھے (تذکرۃ الحفاظ:۱/۲۰۶) ابن الطباع کا قول ہے کہ میں نے حماد بن زید سے بڑا عقلمند کوئی نہیں دیکھا۔ (ایضا)

وفات

رمضان ۱۷۹ھ میں بصرہ میں علم وفضل کی یہ شمع فروزاں گل ہوگئی۔ (العبر فی خبر من غبر:۱/۲۷۴)

حضرت ثمامہ کی روایت اور وسیلہ کی دعا کا بیان

حسن بن محمد، محمد بن عبداللہ انصاری ابوعبداللہ بن مثنی ثمامہ بن عبداللہ بن انس حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب کبھی قحط پڑتا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت عباس بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگتے تھے کہ اے اللہ ہم تجھے تیرے رسول کا واسطہ دیا کرتے تھے اور تو پانی برساتا تھا اور اب ہم تجھے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کا واسطہ دیتے ہیں لہٰذا تو پانی برسا چنانچہ خوب بارش ہوتی تھی۔ (بخاری، رقم الحدیث ۹۵۴)

اونٹوں میں زکوٰۃ کی تفصیل کا بیان

صاحب ہدایہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پانچ سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔لہٰذا جب وہ پانچ ہو جائیں اور وہ سائمہ ہوں اور ان پر سال گزر گیا تو ان پانچ سے نو (۹) تک ایک بکری (زکوٰۃ) ہوگی۔اگر وہ دس ہو جائیں تو چودہ تک دو بکریاں ہیں۔اور اگر وہ پندرہ ہو جائیں تو انیس تک تین بکریاں ہیں۔اگر وہ بیس ہو جائیں تو چوبیس تک چار بکریاں ہیں۔جب وہ پچیس ہو جائیں تو پینتیس (۳۵) تک ان میں ایک بنت مخاض ہے۔بنت مخاض اس مادہ بچے کو کہتے ہیں جو عمر کے دوسرے سال میں ہو۔جب وہ چھتیس (۳۶) ہو جائیں تو پینتالیس (۴۵) تک ان میں ایک بنت لبون ہے۔اور بنت لبون وہ مادہ بچہ ہے جو عمر کے تیسرے سال میں ہو۔اور جب وہ چھیالیس (۴۶) ہو جائیں تو ساٹھ تک ان میں ایک حقہ ہے اور حقہ وہ مادہ بچہ ہے جو عمر کے چوتھے سال میں ہو اور جب وہ اکسٹھ (۶۱) ہو جائیں تو نوے (۹۰) تک ان میں دو بنت لبون ہیں۔اور جب وہ اکانوے (۹۱) ہو جائیں تو ایک سو بیس (۱۲۰) تک دو حقے ہیں۔انہی دلائل کی وجہ سے جو رسول اللہ ﷺ سے مشہور ہوئے ہیں۔

جب وہ ایک سو بیس سے زیادہ ہو جائیں تو فریضہ نئے سرے سے شمار کیا جائے گا۔لہٰذا پانچ زیادہ ہونے پر ایک بکری دو حقوں کے ساتھ ہوگی۔اور دس میں دو بکریاں جبکہ پندرہ میں تین بکریاں ساتھ ہوں گی۔اور بیس میں چار بکریاں جبکہ پچیس سے لے کر ایک سو پچاس تک ایک بنت مخاض ہوگا۔اور ایک سو پچاس میں تین حقے ہوں گے۔پھر نئے سرے سے زکوٰۃ کا فریضہ شمار کیا جائے گا۔پانچ میں ایک بکری دس میں دو بکریاں اور پندرہ میں تین بکریاں اور بیس میں چار بکریاں اور پچیس میں ایک بنت مخاض اور چھتیس میں ایک بنت لبون ہوگا۔جب وہ ایک سو چھیانوے (۱۹۶) ہو جائیں تو دو سو تک ان میں چار حقے ہوں گے۔پھر زکوٰۃ کا فریضہ اسی طرح نئے سرے سے شمار کیا جائے گا جس طرح ایک سو پچاس کے بعد پچاس میں شمار کیا گیا ہے۔اور یہ ہمارے نزدیک ہے۔

(ہدایہ اولین، کتاب زکوٰۃ، لاہور)

1568 - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ، عَنْ سُفْيَانَ بْنِ الْحُسَيْنِ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَتَبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابَ الصَّدَقَةِ فَلَمْ يُخْرِجْهُ إِلَى عُمَّالِهِ حَتَّى قُبِضَ، فَقَرَنَهُ بِسَيْفِهِ، فَعَمِلَ بِهِ أَبُو بَكْرٍ حَتَّى قُبِضَ، ثُمَّ عَمِلَ بِهِ عُمَرُ حَتَّى قُبِضَ، فَكَانَ فِيهِ: فِي خَمْسٍ مِنَ الْإِبِلِ شَاةٌ، وَفِي عَشْرٍ شَاتَانِ، وَفِي خَمْسَ عَشْرَةَ ثَلَاثُ شِيَاهٍ، وَفِي عِشْرِينَ أَرْبَعُ شِيَاهٍ، وَفِي خَمْسٍ وَعِشْرِينَ ابْنَةُ مَخَاضٍ إِلَى خَمْسٍ وَثَلَاثِينَ، فَإِنْ زَادَتْ وَاحِدَةً، فَفِيهَا ابْنَةُ لَبُونٍ إِلَى خَمْسٍ وَأَرْبَعِينَ، فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةً، فَفِيهَا حِقَّةٌ إِلَى سِتِّينَ، فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةً، فَفِيهَا جَذَعَةٌ إِلَى خَمْسٍ وَسَبْعِينَ، فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةً، فَفِيهَا ابْنَتَا لَبُونٍ إِلَى تِسْعِينَ، فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةً، فَفِيهَا حِقَّتَانِ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ، فَإِنْ كَانَتِ الْإِبِلُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ، فَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ، وَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ ابْنَةُ لَبُونٍ، وَفِي الْغَنَمِ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ شَاةً شَاةٌ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ، فَإِنْ زَادَتْ وَاحِدَةً، فَشَاتَانِ إِلَى مِائَتَيْنِ، فَإِنْ زَادَتْ وَاحِدَةً عَلَى الْمِائَتَيْنِ فَفِيهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ إِلَى ثَلَاثِ مِائَةٍ، فَإِنْ كَانَتِ

الْغَنَمُ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ، فَفِيْ كُلِّ مِائَةِ شَاةٍ شَاةٌ. وَلَيْسَ فِيْهَا شَيْءٌ حَتّٰى تَبْلُغَ الْمِائَةَ. وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ، وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ مَخَافَةَ الصَّدَقَةِ. وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيطَيْنِ، فَاِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ. وَلَا يُؤْخَذُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ، وَلَا ذَاتُ عَيْبٍ قَالَ: وَقَالَ الزُّهْرِيُّ: اِذَا جَاءَ الْمُصَدِّقُ قُسِّمَتِ الشَّاءُ اَثْلَاثًا. ثُلُثًا شِرَارًا. وَثُلُثًا خِيَارًا. وَثُلُثًا وَسَطًا. فَاَخَذَ الْمُصَدِّقُ مِنَ الْوَسَطِ. وَلَمْ يَذْكُرِ الزُّهْرِيُّ الْبَقَرَ.

❁❁ سالم اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں:

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے بارے میں تحریر لکھوادی تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنے اہل کاروں کو نہیں دے پائے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس پر عمل کرتے رہے یہاں تک کہ ان کا بھی انتقال ہو گیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر عمل کرتے رہے یہاں تک ان کا بھی انتقال ہو گیا اس تحریر میں یہ موجود تھا:

پانچ اونٹوں میں ایک بکری کی ادائیگی لازم ہوگی، دس میں دو بکریوں کی ہوگی، پندرہ میں تین بکریوں کی ادائیگی لازم ہوگی، بیس میں چار بکریوں کی ہوگی اور پچیس میں ایک بنت مخاض کی ادائیگی لازم ہوگی اور یہ حکم 35 تک کے لئے ہے اگر 35 سے ایک بھی زیادہ ہو جائے' تو 45 تک میں ایک بنت لبون کی ادائیگی لازم ہوگی۔ اگر اس سے ایک بھی زیادہ ہو جائے' تو 60 تک میں ایک حقہ کی ادائیگی لازم ہوگی اور اگر ایک بھی زیادہ ہو جائے' تو 75 تک میں ایک جذعہ کی ادائیگی لازم ہوگی۔ اگر ایک بھی زیادہ ہو جائے' تو 90 تک میں دو بنت لبون کی ادائیگی لازم ہوگی اور اگر ایک سے زیادہ ہو جائے' تو 120 تک میں دو حقہ تک کی ادائیگی لازم ہوگی اگر اونٹ اس بھی زیادہ ہوں' تو ہر پچاس میں ایک حقہ کی اور ہر چالیس میں ایک بنت لبون کی ادائیگی لازم ہوگی۔ بکریوں میں سے ہر 40 بکریوں میں ایک بکری کی ادائیگی لازم ہوگی یہ حکم 120 تک کے لیے ہے اور اگر 120 سے ایک بھی زیادہ ہو جائے' تو 200 تک میں 2 بکریوں کی ادائیگی لازم ہوگی اگر 200 سے ایک بھی زیادہ ہو جائے' تو 300 تک میں 3 بکریوں کی ادائیگی لازم ہو گی اگر بکریاں اس سے زیادہ ہوں' تو ہر ایک سو بکریوں میں ایک بکری کی ادائیگی لازم ہوگی اور بکریوں میں کوئی ادائیگی اس وقت تک لازم نہیں ہوگی جب تک وہ ایک سو تک نہیں پہنچ جاتیں۔

زکوٰۃ سے بچنے کے لیے جمع مال کو الگ نہیں کیا جائے گا' اور الگ مال کو جمع نہیں کیا جائے گا' اور جو چیزیں دو آدمیوں کی مشترکہ ملکیت ہوں' تو ان دونوں سے برابری کی سطح پر وصولی کی جائے گی زکوٰۃ میں بوڑھا یا عیب دار جانور وصول نہیں کیا جائے گا۔

زہری بیان کرتے ہیں: جب زکوٰۃ وصول کرنے والا آئے' تو بکریوں کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا جائے ایک حصہ ہلکی قسم کی بکریوں کا ہو ایک حصہ بہتر قسم کی بکریوں کا ہو اور ایک حصہ درمیانی قسم کی بکریوں کا ہو پھر زکوٰۃ وصول کرنے والا شخص درمیانی قسم کی بکریاں وصول کر لے"۔

زہری نے گائے کے بارے میں کچھ ذکر نہیں کیا۔

راوی حدیث سالم بن عبداللہ

نام ونسب

سالم نام، ابوعمر کنیت، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نامور فرزند حضرت عبداللہ کے خلف الصدق تھے، دادھیال کی طرح ان کا ننہال بھی روشن وتاباں تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یزدگرد شاہنشاہ ایران کی جو لڑکیاں گرفتار ہوئی تھیں، ان میں سے ایک عبداللہ کو دی گئی تھی، سالم اسی کے بطن سے تھے، اس طرح ان کی رگوں میں ایران کے شاہی خاندان کا خون بھی شامل تھا۔ (تہذیب التہذیب: ۳/ ۴۳۸)

فضل وکمال

سالم کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ان بزرگوں میں تھے جو علم وعمل کا پیکر اور زہد وورع کی تصویر تھے، ان کی تعلیم وتربیت نے انہیں بھی اپنا مثنیٰ بنادیا تھا، ارباب سیر کا متفقہ بیان ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی تمام اولادوں میں سب سے زیادہ ان سے مشابہ عبداللہ تھے اور عبداللہ کی اولادوں میں اُن کے مشابہ سالم تھے (ابن سعد: ۵/ ۱۴۵) اس طرح سالم گویا عمر فاروق کا نقش ثانی تھے۔

ان کا شمار مدینہ کے ان تابعین میں تھا جو اقلیم وعمل دونوں کے فرماں روا تھے علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ سالم فقیہ، حجت اور ان مخصوص علماء میں تھے، جن کی ذات علم وعمل دونوں کی جامع تھی (تذکرہ الحفاظ: ۱/ ۷۷) امام نووی لکھتے ہیں کہ سالم کی امامت، جلالت، زہد وورع اور علوئے مرتبت پر سب کا اتفاق ہے۔ (تہذیب الاسماء، جلد اول، ق اول، ص ۲۷)

تفسیر

تفسیر، حدیث، فقہ جملہ فنون میں ان کو یکساں درک تھا، لیکن شدت احتیاط کی وجہ سے قرآن کی تفسیر نہ بیان کرتے تھے (ابن سعد: ۵/ ۱۴۸) اسی لیے مفسر کی حیثیت سے انہوں نے کوئی خاص شہرت نہیں حاصل کی۔

حدیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حدیث کے رکن اعظم تھے، سالم نے زیادہ تر انہی کے خرمن سے خوشہ چینی کی تھی، ان کے علاوہ اکابر صحابہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وغیرہ سے بھی استفادہ کیا تھا (تہذیب التہذیب: ۳/ ۴۳۷) ان بزرگوں کے فیض سے ان کا دامنِ علم نہایت وسیع ہوگیا تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ سالم ثقہ، کثیر الحدیث اور عالی مرتبہ لوگوں میں تھے۔ (ابن سعد: ۵/ ۱۴۸)

تلامذہ

حدیث میں عمرو بن دینار، امام زہری، موسیٰ بن عقبہ، حمید الطویل، صالح بن کیسان، عبیداللہ بن عمرو بن دینار، امام

زہری، موسیٰ بن عقبہ، حمید الطویل، صالح بن کیسان، عبید اللہ بن عمرو بن حفص، ابوواقد لیثی، عاصم بن عبداللہ، عبداللہ بن ابی بکر، اور ابوقلابہ جرمی جیسے اکابر محدثین ان کے تلامذہ میں تھے۔ (تہذیب التہذیب: ۳/ ۴۳۷)

فقہ

سالم کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا، اس میں وہ امامت کا درجہ رکھتے تھے، بعض ائمہ جن میں ایک ابن مبارک بھی ہیں ان کو مدینہ کے مشہور سات فقہا میں شمار کرتے تھے۔ (تہذیب الاسماء، جلد اول، ق اول، ص: ۲۰۸) گو ساتویں فقیہ کی تعیین میں اختلاف ہے، مختلف اشخاص نے اپنی اپنی نظر و بصیرت کے مطابق مختلف نام لیے ہیں، لیکن بہر حال اس زمرہ میں سالم کا نام بھی لیا جاتا ہے، ان کے فقہی کمالات کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ مدینہ کی صاحب افتا جماعت کے وہ ممتاز رکن تھے۔ (اعلام الموقعین: ۱/ ۲۵)

زہد و تقویٰ

سالم علم کے ساتھ عمل کے بھی اسی درجہ پر تھے، امام مالک فرماتے تھے کہ سالم کے زمانہ میں ان سے زیادہ زہد و ورع میں سلف صالحین سے مشابہ کوئی نہ تھا (تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۷۷) امام نووی اور حافظ ذہبی وغیرہ جملہ ارباب سیر ان کے زہد و ورع پر متفق البیان ہیں۔

صحت عقیدہ

عقائد میں وہ سلف صالحین کے سادہ اور بے آمیز عقیدہ کے پابند تھے اور بعد میں جو نکتہ آفرینیاں ہوئیں انہیں سخت ناپسند کرتے تھے؛ چنانچہ قدریوں پر جو قدر کی بنا پر خیر و شر کا عقیدہ رکھتے ہیں لعنت بھیجتے تھے۔ (ابن سعد: ۵/ ۱۴۷)

شدت احتیاط

وہ ہر چیز میں انتہائی احتیاط برتتے تھے، جس بات میں جھوٹ کا خفیف سا شائبہ بھی نکلتا اسے پسند نہ کرتے تھے، اس زمانہ میں ایک کپڑا ست گزا مشہور تھا جو سات گز سے کچھ کم ہوتا تھا، لیکن عرف عام میں وہ، ست گزا ہی کہلاتا تھا، مروان بن جبیر بزاز کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سالم کپڑا خریدنے کے لیے آئے میں نے ان کے سامنے ست گزا پھیلا دیا، وہ سات گز سے کچھ کم تھا، فرمایا تم نے تو سات گز کہا تھا، میں نے کہا ہم لوگ اسی کو ست گزا کہتے ہیں فرمایا جھوٹ ایسا ہی ہوتا ہے۔ (ابن سعد: ۵/ ۱۴۷)۔

خون مسلم کی حرمت

آپ کے نزدیک مسلمان کا خون اتنا محترم تھا کہ مجرم مسلمان پر بھی ہاتھ نہ اٹھاتے تھے، ایک مرتبہ حجاج نے آپ کو ایک ایسے شخص کے قتل کا حکم دیا، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کے معاونین میں تھا، آپ تلوار لے کر مجرم کی طرف بڑھے اور پاس جا کر اس سے پوچھا تم مسلمان ہو، اس نے کہا ہاں، مسلمان ہوں، لیکن آپ کو جو حکم دیا گیا ہے، اسے پورا کیجئے، آپ نے پوچھا تم نے آج صبح کی نماز پڑھی ہے اس نے کہا ہاں پڑھی ہے، یہ سن کر سالم لوٹ گئے اور حجاج کے سامنے تلوار پھینک کر کہا یہ شخص مسلمان ہے، آج صبح تک اس نے نماز پڑھی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے صبح کی نماز پڑھ لی وہ خدا کے حفظ و امان

میں آگیا، حجاج نے کہا ہم اس کو صبح کی نماز کے لیے تھوڑے ہی قتل کرتے ہیں؛ بلکہ اس لیے قتل کرتے ہیں کہ وہ قاتلین عثمان کے معاونوں میں ہے، فرمایا اس کے لیے اور لوگ موجود ہیں جو عثمان کے خون کا انتقام لینے کے ہم سے زیادہ حق دار ہیں، سالم کے والد حضرت عبداللہ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا سالم نے سمجھ داری کا کام کیا۔ (ایضا:۵:۱۴۵)

امراء کی دولت سے بے نیازی

آپ غیر خدا کے سامنے کسی حاجت کو پیش کرنا پسند نہ کرتے اور امراء کی دولت اور اُن کی داد ودہش سے اتنے بے نیاز تھے؛ کہ ان کی درخواست پر بھی کبھی خواہش کا اظہار نہ کرتے تھے، ہشام بن عبدالملک آپ کو بہت مانتا تھا اور اتنا احترام کرتا تھا کہ آپ نہایت معمولی اور موٹے جھوٹے لباس میں بے محابا اس کے دربار میں چلے جاتے تھے اور وہ اسی لباس میں آپ کو تخت شاہی پر ساتھ بٹھاتا تھا (تذکرۃ الحفاظ:۱/۷۷) ایک مرتبہ وہ حج کے لیے آیا خانہ کعبہ میں دونوں کی ملاقات ہوئی، ہشام نے آپ سے درخواست کی آپ کی جو ضروریات ہوں انہیں بیان کیجئے، آپ نے فرمایا خدا کے گھر میں کسی غیر سے نہ مانگوں گا۔
(ابن خلکان:۱/۱۹۸)

> یلو موننی فی سالم والو مھمو جلدۃ بین العین والانف سالم
>
> لوگ مجھے سالم کے معاملہ میں ملامت کرتے ہیں اور میں ان کو ملامت کرتا ہوں سالم آنکھ اور ناک کے درمیانی چمڑے کی طرح عزیز ہیں۔

وفات

ذی الحجہ ۱۰۶ میں مدینہ میں وفات پائی، ہشام بن عبدالملک نے جو حج سے فراغت کے بعد مدینہ آیا ہوا تھا نماز جنازہ پڑھائی، جنازہ میں خلقت کا اتنا ہجوم تھا کہ بقیع کے میدان میں نماز پڑھائی گئی۔ (ابن سعد:۵/۱۴۸)

حلیہ ولباس وغیرہ

سالم کی زندگی نہایت سادہ تھی، اس میں تکلف وتصنع کا گذر نہ تھا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ان کی زندگی نہایت خشک اور سادہ تھی، صوف کا لباس پہنتے تھے، پورے لباس کی قیمت دو درہم سے زیادہ نہ ہوتی تھی، غذا میں صرف روٹی اور روغن زیتون ہوتا تھا (تذکرۃ الحفاظ:۱/۷۷) فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی زندگی بھی یہی تھی، گوشت بہت کم کھاتے تھے اور لوگوں کو منع کرتے تھے کہ گوشت کم کھایا کرو اس میں شراب کی جیسی تیزی ہوتی ہے۔ (ابن خلکان:۱/۱۹۸)

لیکن اس غذا کے باوجود جسم سرسبز وشاداب تھا، ایک مرتبہ ہشام نے حج کے موقعہ پر جبکہ لباس میں صرف احرام ہوتا ہے، ان کے جسم کی تازگی دیکھ کر پوچھا ابوعمیر کیا کھاتے ہو انہوں نے کہا روٹی اور روغن زیتون، اس نے کہا یہ غذا کیسے کھائی جاتی ہے، فرمایا اسے ڈھک کر رکھ دیتا ہوں، جب بھوک معلوم ہوتی ہے، اس وقت کھا لیتا ہوں۔ (ابن سعد:۱۴۷)

اولاد

اپنے بعد کئی اولادیں یادگار چھوڑیں، عمر، ابوبکر، عبداللہ، عاصم، جعفر، عبدالعزیز، فاطمہ اور حفصہ۔

1569 - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ الْوَاسِطِيُّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ حُسَيْنٍ بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ، قَالَ: فَإِنْ لَمْ تَكُنْ ابْنَةُ مَخَاضٍ، فَابْنُ لَبُونٍ، وَلَمْ يَذْكُرْ كَلَامَ الزُّهْرِيِّ.

⊛⊛ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے' تاہم اس میں یہ الفاظ ہیں:

''اگر بنت مخاض نہ ہو' تو ابن لبون (کو وصول کیا جائے گا)''

اس روایت میں زہری کا کلام منقول نہیں ہے۔

پچیس اونٹوں پر ایک بنت مخاض ہونے کا بیان

پچیس اونٹ ہوں تو ایک بنت مخاض یعنی اونٹ کا بچہ مادہ جو ایک سال کا ہو چکا دوسرے برس میں ہو۔ پینتیس تک یہی حکم ہے یعنی وہی بنت مخاض دیں گے۔ چھتیس سے پینتالیس تک میں ایک بنت لبون یعنی اونٹ کا مادہ بچہ جو دو سال کا ہو چکا اور تیسرے برس میں ہے۔ چھیالیس سے ساٹھ تک میں حقہ یعنی اونٹنی جو تین برس کی ہو چکی چوتھی میں ہو۔ اکسٹھ سے پچھتر تک میں جذعہ یعنی چار سال کی اونٹنی جو پانچویں میں ہو۔ چھہتر سے نوے تک میں دو بنت لبون۔ اکانوے سے ایک سو بیس تک میں دو حقہ اس کے بعد ایک سو پینتالیس تک دو حقہ اور ہر پانچ میں ایک بکری مثلاً ایک سو پچیس میں دو حقہ ایک بکری اور ایک سو تیس میں دو حقہ دو بکریاں وعلیٰ ہذا القیاس پھر ایک سو پچاس میں تین حقہ۔

اگر اس سے زیادہ ہوں تو اس میں ویسا ہی کریں جیسا شروع میں کیا تھا یعنی ہر پانچ میں ایک بکری اور پچیس میں بنت مخاض' چھتیس میں بنت لبون' یہ ایک سو چھیاسی بلکہ ایک سو پچانوے تک کا حکم ہو گیا یعنی اتنے میں تین حقہ اور ایک بنت لبون پھر ایک سو چھیانوے سے دو سو چار تک چار حقہ اور یہ بھی اختیار ہے کہ پانچ بنت لبون دیدیں۔ پھر دو سو کے بعد وہی طریقہ برتیں جو ایک سو پچاس کے بعد ہے یعنی ہر پانچ میں ایک بکری پچیس میں بنت مخاض چھتیس میں بنت لبون پھر دو سو چھیالیس سے دو سو پچاس تک پانچ حقہ وعلیٰ ہذا القیاس۔ اونٹ کی زکوٰۃ میں جس موقع پر ایک یا دو یا تین یا چار سال کا اونٹ کا بچہ دیا جاتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ مادہ ہو نر دیں تو مادہ کی قیمت کا ہو ورنہ نہیں لیا جائے گا۔ (درمختار، کتاب زکوٰۃ، مطبوعہ بیروت)

اونٹوں کے نصاب زکوٰۃ کا بیان

1570 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ أَخْبَرَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: هٰذِهِ نُسْخَةُ كِتَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي كَتَبَهُ فِي الصَّدَقَةِ، وَهِيَ عِنْدَ آلِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: أَقْرَأَنِيهَا سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، فَوَعَيْتُهَا عَلَى وَجْهِهَا، وَهِيَ الَّتِي انْتَسَخَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَسَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ، قَالَ: فَإِذَا كَانَتْ إِحْدَى وَعِشْرِينَ وَمِائَةً، فَفِيهَا ثَلَاثُ بَنَاتِ لَبُونٍ حَتَّى تَبْلُغَ تِسْعًا وَعِشْرِينَ وَمِائَةً، فَإِذَا كَانَتْ ثَلَاثِينَ وَمِائَةً، فَفِيهَا بِنْتَا لَبُونٍ وَحِقَّةٌ حَتَّى تَبْلُغَ تِسْعًا وَثَلَاثِينَ وَمِائَةً، فَإِذَا كَانَتْ أَرْبَعِينَ وَمِائَةً، فَفِيهَا حِقَّتَانِ وَبِنْتُ لَبُونٍ حَتَّى تَبْلُغَ تِسْعًا وَأَرْبَعِينَ وَمِائَةً، فَإِذَا كَانَتْ

خَمْسِينَ وَمِائَةً، فَفِيهَا ثَلَاثُ حِقَاقٍ حَتَّى تَبْلُغَ تِسْعًا وَخَمْسِينَ وَمِائَةً، فَإِذَا كَانَتْ سِتِّينَ وَمِائَةً، فَفِيهَا أَرْبَعُ بَنَاتِ لَبُونٍ حَتَّى تَبْلُغَ تِسْعًا وَسِتِّينَ وَمِائَةً، فَإِذَا كَانَتْ سَبْعِينَ وَمِائَةً، فَفِيهَا ثَلَاثُ بَنَاتِ لَبُونٍ وَحِقَّةٌ حَتَّى تَبْلُغَ تِسْعًا وَسَبْعِينَ وَمِائَةً، فَإِذَا كَانَتْ ثَمَانِينَ وَمِائَةً، فَفِيهَا حِقَّتَانِ وَابْنَتَا لَبُونٍ حَتَّى تَبْلُغَ تِسْعًا وَثَمَانِينَ وَمِائَةً، فَإِذَا كَانَتْ تِسْعِينَ وَمِائَةً، فَفِيهَا ثَلَاثُ حِقَاقٍ وَبِنْتُ لَبُونٍ حَتَّى تَبْلُغَ تِسْعًا وَتِسْعِينَ وَمِائَةً، فَإِذَا كَانَتْ مِائَتَيْنِ، فَفِيهَا أَرْبَعُ حِقَاقٍ أَوْ خَمْسُ بَنَاتِ لَبُونٍ، أَيُّ السِّنَّيْنِ وُجِدَتْ أُخِذَتْ، وَفِي سَائِمَةِ الْغَنَمِ. فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ سُفْيَانَ بْنِ حُسَيْنٍ وَفِيهِ: وَلَا يُؤْخَذُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ، وَلَا ذَاتُ عَوَارٍ مِنَ الْغَنَمِ، وَلَا تَيْسُ الْغَنَمِ، إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْمُصَدِّقُ

ابن شہاب بیان کرتے ہیں: یہ نبی اکرم ﷺ کی اس تحریر کی نقل ہے جو آپ ﷺ نے زکوۃ کے بارے میں تحریر کروائی تھی اور یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے خاندان کے پاس موجود تھی۔

ابن شہاب کہتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے سالم نے یہ تحریر مجھے پڑھائی تھی اور میں نے اسے محفوظ کر لیا تھا یہ وہی تحریر ہے جس کی ایک نقل عمر بن عبدالعزیز نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے صاحب زادے عبداللہ اور ان کے صاحب زادے سالم سے حاصل کی تھی اس کے بعد راوی نے پوری حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:

''جب وہ 121 ہو جائیں تو ان میں تین بنت لبون کی ادائیگی لازم ہوگی یہ حکم 129 تک میں ہے جب وہ 130 ہو جائیں تو ان میں 2 بنت لبون اور حقہ کی ادائیگی لازم ہوگی یہ حکم 139 تک میں ہے جب وہ 140 ہو جائیں تو ان میں 2 حقہ اور ایک بنت لبون کی ادائیگی لازم ہوگی جب تک وہ ایک سو انچاس 149 تک نہیں پہنچ جاتے جب وہ 150 ہو جائیں تو ان میں 3 حقہ کی ادائیگی لازم ہوگی یہ حکم اس وقت ہے جب تک وہ 159 نہیں ہو جاتے جب وہ 160 ہو جائیں تو ان میں چار بنت لبون کی ادائیگی لازم ہوگی یہ حکم 169 تک کے لیے ہے جب وہ 170 ہو جائیں تو ان میں 3 بنت لبون اور ایک حقہ کی ادائیگی لازم ہوگی یہ حکم 179 تک ہے جب وہ 180 ہو جائیں تو ان میں دو حقہ اور 2 بنت لبون کی ادائیگی ہوگی یہ حکم 189 تک ہے جب ان کی تعداد 190 تک ہو جائے تو ان میں 3 حقہ اور ایک بنت لبون کی ادائیگی ہوگی یہ حکم ایک سو ننانوے تک ہے جب وہ 200 ہو جائیں تو ان میں چار حقہ یا پانچ بنت لبون کی ادائیگی لازم ہوگی جس بھی عمر کے جانور میسر ہوں انہیں حاصل کر لیا جائے گا۔

چرنے والی بکریوں کے بارے میں حکم یہ ہے''۔

اس کے بعد راوی نے سفیان بن حسین کی نقل کردہ روایت کی مانند روایت نقل کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:

''زکوۃ میں بوڑھی یا عیب دار بکری کو وصول نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی بکرے کو وصول کیا جائے گا البتہ اگر زکوۃ وصول کرنے والا شخص چاہے (تو وصول کر سکتا ہے)''۔

امام محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ بن شہاب الزہری

نام ونسب

محمد بن مسلم بن عبيد الله بن عبد الله بن شهاب بن عبد الله بن الحارث بن زهرة القرشي الزهري، أبو بكر المدني طبقه: 4—من التابعين

میلاد

سب سے صحیح روایت کے مطابق آپ رحمہ اللہ 50ھ کو پیدا ہوئے۔

وفات

17 رمضان المبارک، 124ھ شغب نامی جگہ پر وفات پائی۔

ان کے شاگرد امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ الزہری نے 124ھ کو وفات پائی۔ (دیکھیں التاریخ الکبیر للبخاری: 220/1)۔ ابن سعد، خلیفہ بن خیاط، اور الزبیر وغیرہم کا بھی یہی قول ہے۔

روی لہ: آپ کی روایات تمام کتب صحاح، سنن، مسانید، معاجم، متدرکات، مستخرجات، جوامع، تواریخ اور ہر قسم کی کتب حدیث میں شامل ہیں۔

نوٹ: امام ابن شہاب الزہری حدیث کے ایسے ستونوں میں سے ہیں جن کی احادیث دنیا کی ہر حدیث کی کتاب میں پائی جاتی ہیں۔ مجھے نہیں لگتا کہ کوئی ایسی حدیث کی کتاب بھی ہوگی جس میں ابن شہاب کی روایت نہ ہو۔

شیوخ واساتذہ

زہری نے کئی صحابہ کرام سے روایات لی ہیں جن میں: جابر بن عبداللہ، سہل بن سعد، انس بن مالک، سائب بن یزید، محمود بن الربیع، محمود بن لبید، ابو الطفیل عامر، مالک بن اوس بن الحدثان، وغیرہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ اور کئی کبار تابعین مثلاً سعید بن المسیب، عروہ بن الزبیر، ابوادریس الخولانی، سالم بن عبداللہ، ابوسلمہ بن عبدالرحمن، طاوس وغیرہ سے آپ نے شرف تلمذ حاصل کیا۔

تلامذہ: میں عطاء بن ابی رباح (جوان سے عمر میں بڑے تھے)، امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز، عمرو بن دینار، عمرو بن شعیب، قتادہ بن دعامہ، زید بن اسلم، منصور بن المعتمر، ایوب سختیانی، یحییٰ بن سعید الانصاری، ابوالزناد، صالح بن کیسان، عقیل بن خالد، ابن جریج، عبدالعزیز بن الماجشون، معمر بن راشد، ابوعمرو الاوزاعی، شعیب بن ابی حمزہ، مالک بن انس، لیث بن سعد، فلیح بن سلیمان، ابن ابی ذئب، محمد بن اسحاق بن یسار، ہشیم بن بشیر، سفیان بن عیینہ اور خلق کثیر شامل ہیں۔

فائدہ: عموماً امام سفیان بن عیینہ اور امام سفیان الثوری کے شیوخ تقریباً ایک ہی ہوتے ہیں کیونکہ دونوں ہم عصر تھے۔ لیکن اس مسئلے میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ امام زہری سے صرف امام سفیان بن عیینہ ہی روایت کرتے ہیں، امام سفیان الثوری کی زہری سے کوئی روایت مروی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ امام سفیان الثوری کے پاس اتنے اخراجات نہیں تھے کہ

وہ زہری کے پاس جا کر ان سے علم حاصل کرتے۔ چنانچہ امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی بیان کرتے ہیں کہ الثوری سے پوچھا گیا کہ آپ امام زہری سے روایت کیوں نہیں کرتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: "لم تکن عندی دراہم ولکن قد کفانا معمر الزہری" یعنی کیونکہ میرے پاس اتنے پیسے نہیں تھے لیکن معمر ہمیں زہری کے متبادل کے طور پر کفایت کر گئے۔ (مقدمہ الجرح والتعدیل: 76/1، واسنادہ صحیح)۔

امام زہری رحمہ اللہ زبردست ثقہ امام، حافظ، اور فقیہ تھے۔ آپ کی جلالت اور اتقان پر امت کا اتفاق ہے۔ آپ کے فضائل، مناقب، اور سیرۃ کو ایک مختصر سے مضمون میں بیان کرنا ناممکن امر ہے، اس لیے ہم ذیل میں صرف ائمہ نقاد کے چند اقوال ہی پر اکتفاء کریں گے۔

1۔ امام ابن شہاب الزہری خود فرماتے ہیں: "ما استعدت حديثا قط، و لا شككت في حديث إلا حديثا احدا، فسألت صاحبي، فإذا هو كما حفظت" (جب کوئی حدیث ایک بار مجھ پر پڑھی جاتی) میں نے کبھی اس حدیث کے دہرائے جانے کا سوال نہیں کیا، اور نہ ہی مجھے کبھی کسی حدیث کے بارے میں شک ہوا سوائے ایک حدیث کے، تو میں اس کے متعلق اپنے ساتھی سے پوچھا، تو وہ حدیث ویسے ہی نکلی جیسے میں نے اسے یاد کیا تھا۔

(العلل لعبداللہ بن احمد: 160، وحلیۃ الاولیاء: 3/363، واسنادہ صحیح)

حکیم بن حکیم بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن شہاب سے کہا کہ ربیعہ بن ابی عبدالرحمن کہتے ہیں کہ سعید بن المسیب نے یہ کہا ہے۔ تو زہری نے کہا: "أوهم ربيعة أنا كنت أحفظ لحديث سعيد بن المسيب من ربيعة" ربیعہ کو غلطی لگی ہے، میں سعید بن المسیب کی حدیث کا ربیعہ سے زیادہ حافظ ہوں۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر: 55/326، واسنادہ حسن)

امام ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ میں نے ابن شہاب الزہری سے ایک حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: "ما بقي أحد فيما بين المشرق والمغرب أعلم بهذا مني" مشرق اور مغرب کے لوگوں میں سے کوئی ایسا شخص نہیں بچا ہے جو اس حدیث کو مجھ سے زیادہ جانتا ہو۔ (ایضا)

2۔ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (المتوفی 101) فرماتے ہیں: "عليكم بابن شهاب هذا فانكم لا تلقون أحدا أعلم بالسنة الماضية منه" تم پر ضروری ہے کہ تم اس ابن شہاب کو لازمی پکڑو کیونکہ ان سے زیادہ ماضی کی سنت کو جاننے والا تم نے نہیں پایا ہوگا۔ (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: 8/72 واسنادہ صحیح)۔

3۔ امام عمرو بن دینار رحمہ اللہ (المتوفی 126) فرماتے ہیں: "مَا رَأَيتُ أَحَدًا أَبصرِ بِحَدِيثٍ مِنَ الزُّهرِيِّ" میں نے زہری سے زیادہ حدیث کی بصیرت رکھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ (طبقات الکبری لابن سعد: 1/174، اسنادہ صحیح)

4۔ امام سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف رحمہ اللہ (المتوفی 125۔127) فرماتے ہیں: "ما أرى أحدا بعد رَسُولِ اللهِ صَلى اللهُ عَلَيهِ وسَلم جمعَ ما جمعَ ابنُ شِهاب" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس نے ابن شہاب جیسا کچھ جمع کیا۔ (التاریخ الکبیر للبخاری: 1/220، اسنادہ صحیح)

5۔امام ایوب سختیانی رحمہ اللہ (المتوفی 131) فرماتے ہیں:"ما رأیت أحدا أعلم من الزهري، فقال له صخر بن جويرية: ولا الحسن: قال: ما رأیت أحدا أعلم من الزهري" میں نے کسی کو زہری سے زیادہ اعلم نہیں دیکھا، تو صخر بن جویریہ نے ان سے کہا: حسن البصری بھی نہیں؟ انہوں نے اپنا قول دہراتے ہوئے فرمایا: میں نے کسی کو زہری سے زیادہ اعلم نہیں دیکھا۔(العلل لعبداللہ بن احمد:3/313، اسنادہ صحیح)۔

6۔امام دارالہجرہ مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ (المتوفی 179) فرماتے ہیں:"أول من أسند الحديث ابن شهاب الزهري" سب سے پہلے جس نے حدیث کی سند (پردھیان) دیا وہ ابن شہاب الزہری تھے۔

(مقدمہ الجرح والتعدیل:1/20، اسنادہ صحیح)

7۔امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ (المتوفی 198) فرماتے ہیں:"مَا أَحَدٌ أَعْلَمَ بِالسُّنَّةِ منه" سنت کو زہری سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں ہے۔(الکامل لابن عدی:1/139، اسنادہ حسن)

8۔قاسم بن ابی سفیان المعمری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سفیان بن عیینہ سے پوچھا:"أيهما أفقه أو أعلم إبراهيم النخعي أو الزهري قال الزهري" ابراہیم النخعی اور زہری میں سے کون زیادہ بڑا فقیہ اور عالم ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا:" زہری زیادہ بڑے ہیں"۔(تاریخ دمشق لابن عساکر:55/355، اسنادہ حسن)

9۔امام محمد بن سعد کاتب الواقدی رحمہ اللہ (المتوفی 230) فرماتے ہیں:"كَانَ الزُّهْرِيُّ ثِقَةً كَثِيرَ الحَدِيثِ وَالعِلْمِ وَالرِّوَايَةِ فَقِيهًا جَامِعًا" (طبقات الکبری لابن سعد:1/185)

10۔امام احمد بن حنبل الشیبانی رحمہ اللہ (المتوفی 241) فرماتے ہیں:"الزُّهْرِيُّ أَحْسَنُ النَّاسِ حَدِيثًا وَأَجْوَدُ النَّاسِ إِسْنَادًا" زہری لوگوں میں سب سے زیادہ اچھی حدیث والے، اور اسناد میں سب سے زیادہ اجود تھے۔

(الکامل لابن عدی:1/139، اسنادہ حسن)

11۔امام ابوالحسن العجلی رحمہ اللہ (المتوفی 261) فرماتے ہیں:"تَابِعِيٌّ ثِقَةٌ" (کتاب الثقات للعجلی:2/253)

12۔امام ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ (المتوفی 264) سے پوچھا گیا:"أي الاسناد أصح؟ قال الزهري عن سالم عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى الله عليه وسلم صحيح" کون سی اسناد سب سے زیادہ صحیح ہے؟ انہوں نے فرمایا، زہری عن سالم عن ابیہ عن النبی ﷺ سب سے زیادہ صحیح ہے۔۔۔۔(اور پھر دو مزید اسانید بیان کیں)۔

(الجرح والتعدیل ابن ابی حاتم:2/26)

13۔امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی 275) فرماتے ہیں:"الزهري احب إلى من الاعمش، يحتج حديثه، واثبت اصحاب انس الزهري" زہری مجھے اعمش سے بھی زیادہ پسند ہیں، ان کی حدیث سے حجت پکڑی جاتی ہے اور انس رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے زہری سب سے زیادہ ثبت (ثقہ) ہیں۔(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم:8/74)

14۔امام ابوعبدالرحمن النسائی رحمہ اللہ (المتوفی 303) فرماتے ہیں:"أحسن أسانيد تروى عن رسول الله

(صلى الله عليه وسلم) أربعة منها الزهري عن علي بن الحسين عن حسين بن علي عن علي بن أبي طالب عن رسول الله (صلى الله عليه وسلم) والزهري عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود عن ابن عباس عن عمر عن النبي (صلى الله عليه وسلم) " سب سے بہترین اسانید جو رسول اللہ ﷺ سے روایت کی جاتی ہیں چار ہیں جن میں: زہری عن علی بن الحسین عن حسین بن علی عن علی بن ابی طالب عن رسول اللہ ﷺ، اور زہری عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود عن ابن عباس عن عمر عن النبی ﷺ شامل ہیں۔ (آپ نے مزید دو اسانید بھی بیان کیں)۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر: 55/339، اسنادہ حسن)۔

15۔ امام ابن حبان البستی رحمہ اللہ (المتوفی 354) فرماتے ہیں: " رأى عشرة من أصحاب رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ من أحفظ أهل زمانه وأحسنهم سياقا للمتون الأخبار وَكَانَ فقيها فاضلا "

(الثقات لابن حبان: 5/349)۔

16۔ امام شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ (المتوفی 748) نے سیر اعلام النبلاء میں 24 صفحات پر مشتمل امام زہری کی تفصیلی سیرۃ لکھی، اور فرمایا: " الإِمَامُ، العَلَمُ، حَافِظُ زَمَانِه " (5/326)

17۔ حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ (المتوفی 852) فرماتے ہیں: " الفقيه الحافظ متفق على جلالته وإتقانه وثبته " آپ فقیہ اور حافظ تھے، اور آپ کی جلالت، اتقان وثبت پر امت کا اتفاق ہے۔ (التقریب التہذیب: 6296)

امام زہری کی مراسیل

چونکہ امام زہری کبار تابعین میں سے نہیں تھے اس لئے ان کی مراسیل (وہ روایات جو انہوں نے براہ راست نبی سے روایت کیں) باقیوں کی نسبت زیادہ ضعیف اور متکلم فیہ ہیں۔

1۔ احمد بن سنان روایت کرتے ہیں کہ امام یحیٰی بن سعید القطان زہری کی مراسیل کو کچھ نہیں سمجھتے تھے اور فرماتے تھے: " هُوَ بِمَنْزِلَةِ الرِّيح " یعنی ان کی مراسیل ہوا کی طرح ہیں۔ (المراسیل لابن ابی حاتم: 1/3، واسنادہ صحیح)۔

2۔ امام یحیٰی بن معین فرماتے ہیں: " مَرَاسِيلُ الزُّهرِيِّ لَيْسَ بِشَيءٍ " زہری کی مراسیل کچھ چیز نہیں ہیں۔

(المراسیل لابن ابی حاتم: 1/3، واسنادہ صحیح)

3۔ احمد بن ابی شریح بیان کرتے ہیں کہ امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " يقولون نحابي ولو حابينا لحابينا الزهري وإرسال الزهري ليس بشيء وذاك إنا نجده يروي عن سليمان بن أرقم " لوگ کہتے ہیں کہ ہم طرف داری کرتے ہیں، اگر ہمیں کسی کی طرف داری کرنی ہوتی تو ہم زہری کی طرف داری کرتے، لیکن زہری کا ارسال کچھ نہیں ہے، کیونکہ ہم انہیں سلیمان بن ارقم (متروک) سے بھی روایت کرتا پاتے ہیں۔

(تاریخ دمشق لابن عساکر: 55/369، واسنادہ صحیح الی احمد بن ابی شریح)۔

4۔ امام شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"قُلْتُ: مَرَاسِيْلُ الزُّهْرِيِّ كَالْمُعْضَلِ، لِأَنَّهُ يَكُوْنُ قَدْ سَقَطَ مِنْهُ اثْنَانِ. وَلَا يَسُوْغُ أَنْ نَظُنَّ بِهٖ أَنَّهُ أَسْقَطَ الصَّحَابِيَّ فَقَطْ. وَلَوْ كَانَ عِنْدَهٗ عَنْ صَحَابِيٍّ لَأَوْضَحَهُ. وَلَمَا عَجِزَ عَنْ وَصْلِهٖ. وَلَوْ أَنَّهُ يَقُوْلُ: عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ عَدَّ مُرْسَلَ الزُّهْرِيِّ كَمُرْسَلِ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَعُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، وَنَحْوِهِمَا. فَإِنَّهُ لَمْ يَدْرِ مَا يَقُوْلُ. نَعَمْ. مُرْسَلُهٗ كَمُرْسَلِ قَتَادَةَ، وَنَحْوِهٖ"

میں کہتا ہوں کہ زہری کی مراسیل معضل روایت کی طرح ہیں کیونکہ اس میں انہوں نے دو راویوں کو سقط کیا ہوگا، اور یہ جائز نہیں کہ ہم یہ خیال کریں کہ انہوں نے صرف صحابی کا نام ہی سقط کیا ہوگا۔ اگر زہری نے کوئی روایت براہ راست کسی صحابی سے روایت کی ہوتی تو وہ اسے بیان کر دیتے اور اس روایت کو متصل بنانے سے عاجز نہ ہوتے اگرچہ انہوں نے عن بعض اصحاب النبی ﷺ بھی کہا ہوتا۔ جو بھی زہری کی مرسل کو سعید بن المسیب اور عروہ بن الزبیر جیسے کبار تابعین کی مرسل کے برابر گنتا ہے تو اس کو خود نہیں پتہ کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ ہاں البتہ زہری کی مرسل قتادہ جیسے (صغار تابعین) کے جیسی ہے۔

(سیر اعلام النبلاء: 339/5)

ابوجعفر الطحاوی فرماتے ہیں: "وهذا الحديث أيضا لم يسمعه الزهري من عروة إنما دلس به" اس حدیث میں بھی زہری نے عروہ سے نہیں سنا، کیونکہ انہوں نے تدلیس کی ہے۔ (شرح معانی الآثار 72/1 رقم 429)

مال زکوٰۃ میں مال کو الگ یا اکٹھا نہ کرنے کا بیان

1571- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ. قَالَ: قَالَ مَالِكٌ: وَقَوْلُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: لَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ، وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ. هُوَ أَنْ يَكُوْنَ لِكُلِّ رَجُلٍ أَرْبَعُوْنَ شَاةً. فَإِذَا أَظَلَّهُمُ الْمُصَدِّقُ جَمَعُوْهَا. لِئَلَّا يَكُوْنَ فِيْهَا إِلَّا شَاةٌ. وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ. أَنَّ الْخَلِيْطَيْنِ إِذَا كَانَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةُ شَاةٍ وَشَاةٌ. فَيَكُوْنُ عَلَيْهِمَا فِيْهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ. فَإِذَا أَظَلَّهُمَا الْمُصَدِّقُ فَرَّقَا غَنَمَهُمَا. فَلَمْ يَكُنْ عَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا إِلَّا شَاةٌ. فَهٰذَا الَّذِيْ سَمِعْتُ فِيْ ذٰلِكَ.

⊛⊛ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا: جدا مال کو اکٹھا نہیں کیا جائے گا اور اکٹھے مال کو جدا نہیں کیا جائے گا"۔

اس کی صورت یہ ہے کہ (دو شراکت داروں میں) ہر ایک کے پاس 40 بکریاں ہوں جب زکوٰۃ وصول کرنے والا شخص ان کے پاس آئے تو وہ ان بکریوں کو اکٹھا کر لیں تا کہ انہیں صرف ایک بکری ادا کرنی پڑے اور اکٹھے مال کو جدا نہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ 2 شراکت داروں میں سے ہر ایک کے پاس ایک سو ایک، ایک سو ایک بکریاں ہوں تو اب ان دونوں پر تین بکریوں کی ادائیگی لازم ہوگی جب زکوٰۃ وصول کرنے والا ان کے پاس آئے تو وہ انہیں جدا کر لیں اور اس طرح ان میں سے ہر ایک کو ایک بکری ادا کرنی پڑے گی۔

(امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں) میں نے اس بارے میں یہی سنا ہے۔

امام مالک بن انس رحمہ اللہ

ولادت سنہ ۹۳ھ وفات سنہ ۱۷۹ھ

آپ اُمت میں امام دارالہجرت کے لقب سے مشہور ہیں، دراز قامت، فربہ جسم، زردی مائل سفید رنگ، کشادہ چشم، بلند ناک اور خوبصورت تھے، آپ کی پیشانی کی طرف سر پر بال کم تھے، ریش مبارک دراز اور گھنی تھی، مونچھ منڈانے کو مثلہ فرماتے تھے، صرف لب کا بالا حصہ ترشوا لیتے تھے اور دونوں طرف کے بال چھوڑتے تھے، اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تقلید فرماتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حالات میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ کسی معاملہ میں متفکر ہوتے تو اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی مونچھوں کے دوطرفہ بال دراز تھے، آپ خوش پوشاک تھے، آپ کا نسب غیمان بن خثیل پر پہنچتا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اصابہ میں اس کو بصیغہ تصغیر خائے معجمہ کے ساتھ ضبط کیا ہے اور دارقطنی نے جیم کے ساتھ، خثیل، عمرو بن الحارث کے فرزند تھے اور حارث کا لقب ذواصبح تھا؛ اسی لحاظ سے آپ کو اصبحی کہتے ہیں۔

آپ تبع تابعین کے طبقہ میں تھے، آپ کے شیوخ اور تلامذہ کا کیا پوچھنا نووی تہذیب الاسماء میں لکھتے ہیں کہ امام کے شیوخ کی تعداد نوسو تھی، جن میں تین سو تابعین اور چھ سو تبع تابعین تھے، سفیان رحمہ اللہ فرماتے تھے، رجال کی چھان بین کرنے والا مالک رحمہ اللہ سے بڑھ کر کوئی شخص نہیں ہے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ مالک رحمہ اللہ کو جب حدیث کے کسی ٹکڑے میں شک پڑ جاتا تھا تو پوری کی پوری حدیث ترک کر دیتے تھے، وہب بن خالد کہتے ہیں کہ مشرق ومغرب کے درمیان احادیث نبویہ کے بارے میں قابل اطمینان شخص مالک سے بڑھ کر نہیں ہے، ترمذی صحیح اسناد کے ساتھ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ دور دور کا سفر کریں گے؛ لیکن عالم مدینہ سے بڑھ کر عالم انھیں کہیں میسر نہ آئے گا۔

سفیان بن عیینہ کے نزدیک اس حدیث کا مصداق امام مالک رحمہ اللہ تھے، خلف بن عمر کہتے ہیں: میں امام مالک رحمہ اللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ مدینہ کے قاری ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ کو ایک پرچہ دیا، امام نے اسے پڑھا اور اپنی جانماز کے نیچے رکھ لیا جب وہ کھڑے ہوئے تو میں بھی ان کے ساتھ ہی چلنے لگا، فرمایا بیٹھ جاؤ اور وہ پرچہ مجھے دیا، کیا دیکھتا ہوں کہ اس میں یہ خواب لکھا ہوا تھا کہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد جمع ہیں اور آپ سے کچھ مانگ رہے ہیں، آپ نے فرمایا ہے کہ میں نے اس منبر کے نیچے ایک بہت بڑا خزانہ دفن کیا ہے اور مالک رحمہ اللہ سے کہہ دیا ہے وہ تمھیں تقسیم کردیں گے، اس لیے مالک رحمہ اللہ کے پاس جاؤ، لوگ یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے بتاؤ مالک رحمہ اللہ تقسیم کریں گے یا نہیں کسی نے جواب دیا جس بات کا مالک کو حکم دیا گیا ہے وہ ضرور اسے پورا کریں گے، اس خواب سے مالک رحمہ اللہ پر گریہ طاری ہو گیا اور اتنا روئے کہ میں تو انھیں روتا ہی چھوڑ آیا۔

عبدالرحمن بن مہدی کہتے ہیں کہ ہم مالک رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر تھے ایک شخص آیا اور بولا میں چھ ماہ کی مسافت سے ایک مسئلہ پوچھنے کے لیے آیا ہوں، فرمایا کہو کیا ہے؟ اس نے بیان کیا، آپ نے فرمایا مجھے اچھی طرح معلوم نہیں، وہ حیران ہو کر بولا اچھا تو اپنے شہر والوں سے کیا کہوں، فرمایا کہہ دینا کہ مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی لاعلمی کا اقرار کیا ہے، آپ کی ہمشیرہ سے پوچھا گیا،

مالک رحمہ اللہ گھر میں کیا کرتے ہیں، فرمایا تلاوت قرآن آپ کی محفل ایسی بارعب تھی کہ بادشاہوں اور سلاطین کو تاب سخن نہ تھی ایک خاموشی کا عالم رہا کرتا تھا۔ (تہذیب ۱۰/۱۳)

محدثین کے نزدیک اصح الاسانید میں بحث ہے، مشہور یہ ہے کہ جس کے راوی مالک نافع سے اور نافع ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہوں وہ اسناد سب سے صحیح ہے، امام زہری رحمہ اللہ جو آپ کے شیوخ میں شامل تھے وہ بھی آپ سے مستفید تھے، لیث ابن مبارک، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ جیسے مشاہیر آپ کے زمرۂ تلامذہ میں داخل تھے، امام شافعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: اگر مالک رحمہ اللہ وسفیان رحمہ اللہ نہ ہوتے تو حجاز کا علم ختم ہو جاتا، آپ کے حفظ کا یہ عالم تھا کہ جو بات ایک مرتبہ سن لیتے پھر کبھی نہ بھولتے، حدیث روایت کرنے کے لیے جب بیٹھتے تو پہلے وضو کرتے اچھی پوشاک پہنتے خوشبو لگاتے ریشِ مبارک میں کنگھی کرتے، لوگوں نے اس تجمل کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی توقیر کرتا ہوں۔

عبداللہ بن المبارک روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام مالک رحمہ اللہ نے درسِ حدیث شروع کیا تو اثناء درس میں آپ کا رنگ بار بار متغیر ہو جاتا تھا؛ مگر آپ نے نہ درسِ حدیث بند کیا نہ آپ سے حدیث کی روایت کرنے میں کسی قسم کی لغزش واقع ہوئی، فارغ ہونے کے بعد میں نے مزاجِ مبارک دریافت کیا تو فرمایا کہ اثناء درس میں تقریباً دس بار بچھو نے ڈنک مارا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے یہ صبر اپنی شجاعت واستقامت جتنے کے لیے نہیں کیا؛ بلکہ صرف حدیثِ پیغمبر کی تعظیم کے لیے کیا ہے۔ (بستان المحدثین)

یافعی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے عشق تھا؛ حتی کہ آپ اپنے ضعف وپیری کے باوجود مدینہ میں سوار نہ ہوتے اور فرمایا کرتے تھے کہ جس شہر میں آپ کا جسدِ مبارک مدفون ہو اس میں، میں ہرگز سوار ہونے کی طاقت نہیں رکھتا۔

ایک مرتبہ ہارون رشید مدینہ طیبہ آیا اس کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے کتاب مؤطا تالیف فرمائی ہے اور آپ لوگوں کو اُس کی تعلیم بھی دیتے ہیں، ہارون رشید نے اپنے وزیر جعفر برمکی کو آپ کی خدمت میں بھیجا کہ وہ سلام عرض کریں اور یہ عرض کریں کہ آپ مؤطا لاکر مجھے سنادیں، برمکی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور امیر المؤمنین کا سلام پہنچا کر اس کی درخواست پیش کی، امام نے جواب دیا میرا اُن سے سلام کہنا اور کہہ دینا کہ علم خود کسی کے پاس نہیں آیا کرتا، لوگ اس کے پاس آیا کرتے ہیں، جعفر واپس آیا اور امام مالک رحمہ اللہ کا فرمان عرض کر دیا، اتنے میں امام عالی مقام بھی خود تشریف لے آئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے، ہارون رشید نے کہا: میں نے آپ کے پاس ایک پیغام بھیجا تھا آپ نے میرا حکم نہیں مانا؟ امام مالک رحمہ اللہ نے سند کے ساتھ وہ روایت سنائی جس میں زید فرماتے ہیں کہ نزولِ وحی کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زانوئے مبارک میرے زانو پر تھا صرف کلمہ غیر اولی الضرر نازل ہوا تھا کہ اس کے وزن سے میرا زانو چور چور ہو جانے کے قریب ہو گیا تھا، اس کے بعد فرمایا کہ جس قرآن کا ایک حرف حضرت جبرئیل علیہ السلام پچاس ہزار سال کی مسافت سے لے کر آئے ہوں (حضرت استاد مرحوم فرماتے تھے کہ اس حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں کی مسافت کا پچاس ہزار سال کی مدت ہونا ائمہ کے درمیان بھی مشہور تھا) کیا میرے لیے زیبا نہیں کہ میں بھی اس کی عزت واحترام کروں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت وبادشاہت سے نوازا ہے؛ اگر سب سے پہلے آپ ہی اس

علم کی مٹی خراب کریں گے تو خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کہیں آپ کی عزت برباد نہ کر دے، یہ سن کر وہ موطا سننے کے لیے آپ کے ساتھ ہوگیا، امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے ساتھ اس کو مسند پر بٹھالیا، جب موطا پڑھنے کا ارادہ کیا تو اس نے کہا: آپ ہی مجھے پڑھ کر سنائیے، امام نے فرمایا: عرصہ ہوا میں خود پڑھ کر سنانا چھوڑ چکا ہوں اس نے کہا اچھا تو اور لوگوں کو باہر ہی نکال دیجئے تاکہ میں خود آپ کو سنادوں، امام نے فرمایا علم کی خاصیت یہ ہے کہ اگر خاص لوگوں کی رعایت سے عام لوگوں کو اس سے محروم کر دیا جاتا ہے تو پھر خواص کو بھی اس سے نفع نہیں ہوتا، اس کے بعد آپ نے معن بن عیسیٰ کو حکم دیا کہ وہ قرأت شروع کر دیں، جب انھوں نے قرأت شروع کی تو امام نے ہارون رشید سے کہا: اے امیر المؤمنین! اس شہر میں اہل علم کا دستور یہ ہے کہ وہ علم کے لیے تواضع کرنا پسند کرتے ہیں، ہارون یہ سن کر مسند سے اُتر آیا اور سامنے آبیٹھا اور موطا سننے لگا۔

ایک مرتبہ جعفر بن سلیمان سے کسی نے شکایت کردی کہ امام صاحب آپ کی خلافت کے مخالف ہیں، اس نے آپ کے ستر کوڑے لگانے کا حکم دیدیا، اس کے بعد آپ کی عزت اور بڑھتی گئی گویا یہ کوڑے، آپ کا زیور بن گئے، منصور جب مدینہ آیا تو اس نے انتقام لینے کا ارادہ کیا، امام مالک رحمہ اللہ نے قسم کھا کر فرمایا میں تو اس کا ایک ایک کوڑا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی خاطر معاف کر چکا ہوں، مؤرخین کہتے ہیں کہ یہ سزا آپ کو اس جرم میں دی گئی تھی کہ آپ نے کوئی فتویٰ ان کی غرض کے موافق نہیں دیا تھا۔ (شذرات الذہب)

ذہبی کا بیان ہے پانچ باتیں جیسی امام مالک رحمہ اللہ کے حق میں جمع ہوگئی ہیں، میرے علم میں کسی اور شخص میں جمع نہیں ہوئیں:

(۱) اتنی دراز عمر اور ایسی عالی مسند (۲) ایسی عمدہ فہم اور اتنا وسیع علم (۳) آپ کے حجت اور صحیح الروایۃ ہونے پر ائمہ کا اتفاق (۴) آپ کی عدالت، اتباع سنت اور دینداری پر محدثین کا اتفاق (۵) فقہ اور فتویٰ میں آپ کی مسلمہ مہارت۔ (تذکرۃ الحفاظ)

ائمہ اربعہ میں صرف ایک آپ ہیں جن کی تصنیف فنِ حدیث کے متعلق امت کے ہاتھ میں موجود ہے، بقیہ جو تصانیف دوسرے ائمہ کی طرف منسوب ہیں وہ ان کے شاگردوں کی جمع کردہ ہیں؛ حتی کہ مسند امام احمد بھی گو اس کی تسوید خود امام موصوف نے کی ہے؛ مگر اس کی موجودہ ترتیب خود امام کی نہیں ہے۔ (بستان المحدثین)

ہارون رشید کے نام بیس صفحات پر آپ کا جو خط ہے قابل دید ہے، افسوس ہے کہ یہاں اس کا خلاصہ بھی درج نہیں کیا جاسکتا اور جو خود ہی خلاصہ ہو اُس کا خلاصہ اور کیا کیا جاسکتا ہے، مطرف بن عبداللہ منجملہ آپ کے نصیحت آمیز کلمات کے نقل کرتے ہیں کہ بیکار اور غلط باتوں کے پاس پھٹکنا بربادی ہے، غلط بات زبان پر لانا سچائی سے دوری کی بنیاد ہے؛ اگر انسان کا دین و مروت بگڑنے لگے تو دنیا بہت بھی جمع ہوجائے؛ پھر بھی کس کام کی ہے، ابن وہب کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ علم آئندہ اور گھٹے گا بڑھے گا نہیں اور ہمیشہ انبیاء علیہ السلام اور کتب سماویہ کے نزول کے بعد گھٹا ہی کرتا ہے، سلف میں علم ہدایت کے علوم ہی کا نام تھا، اس لحاظ سے اس مقولہ کے صدق میں کیا تردد ہے۔ (تذکرہ)

قعنبی نقل کرتے ہیں کہ میں مرض الوفات میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا سلام کر کے بیٹھ گیا دیکھا تو امام رو رہے تھے،

میں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کیسے نہ روؤں اور مجھ سے زیادہ رونے کا اور کون مستحق ہوسکتا ہے؟ میری آرزو ہے کہ جو مسئلہ بھی میں نے اپنی رائے سے بتایا ہے ہر مسئلہ کے بدلہ میرے ایک کوڑا مارا جائے، کاش میں نے اپنی رائے سے ایک مسئلہ بھی نہ بتایا ہوتا، مجھے گنجائش تھی کہ اس کے جو جوابات مجھ سے پہلے دیئے جاچکے تھے اُن ہی پر سکوت کر لیتا، ماہِ ربیع الاوّل میں آپ کا انتقال ہوا اور جس تمنا میں عمر گذاری تھی آخر وہ پوری ہوئی یعنی دیارِ حبیب کی خاک پاک نے ہمیشہ کے لیے آپ کو اپنی آغوش میں لے لیا، آپ سرزمینِ مدینہ ہی میں آسودۂ خواب ہیں۔

فقہ مالکی

امام مالک رحمہ اللہ کی فقہ میں اہلِ مدینہ کے تعامل کو خاص اہمیت حاصل ہے، اُن کے نزدیک مدینہ مہبطِ وحی ہے، اس کا تعامل حجت ہونا چاہیے، حافظ ابو عمر دراوردی سے نقل کرتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ جب یہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر کا عمل اسی مسئلہ پر دیکھا ہے تو اُس سے اُن کی مراد ربیعۃ بن ابی عبدالرحمٰن اور ابن ہرمز ہوتے ہیں۔ (جامع بیان العلم: ۲/۱۴۹)

فقہ مالکی کا زیادہ چرچا اہلِ مغرب اور اندلس میں ہے، ابنِ خلدون اس کی وجہ یہ لکھتا ہے کہ اہلِ مغرب اور اندلس کا سفر اکثر حجاز ہی کی جانب ہوا کرتا تھا اس زمانہ میں مدینہ طیبہ علم کا گہوارہ بن رہا تھا؛ یہیں سے نکل کر علم عراق پہنچا ہے، ان کے راستہ میں عراق نہ پڑتا تھا اس لیے ان کے علم کا ماخذ صرف علماء مدینہ تھے، علماء مدینہ میں امام مالک رحمہ اللہ کا رتبہ معلوم ہے اس لیے مغرب اور اندلس کے اصحاب کا علم امام مالک رحمہ اللہ علیہ اور اُن کے بعد اُن کے تلامذہ میں منحصر ہوگیا تھا، ان ہی کے وہ مقلد تھے اور جن کا علم انھیں نہیں پہنچا ان کے وہ مقلد بھی نہیں تھے۔

مال کا چالیسواں حصہ زکوۃ ہونے کا بیان

1572 - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ، وَعَنِ الْحَارِثِ الْأَعْوَرِ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، - قَالَ زُهَيْرٌ: أَحْسَبُهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَنَّهُ قَالَ: هَاتُوا رُبْعَ الْعُشُورِ، مِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ، وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ شَيْءٌ حَتَّى تَتِمَّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ، فَإِذَا كَانَتْ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ، فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ، فَمَا زَادَ فَعَلَى حِسَابِ ذَلِكَ، وَفِي الْغَنَمِ فِي أَرْبَعِينَ شَاةً شَاةٌ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ إِلَّا تِسْعٌ وَثَلَاثُونَ، فَلَيْسَ عَلَيْكَ فِيهَا شَيْءٌ، - وَسَاقَ صَدَقَةَ الْغَنَمِ مِثْلَ الزُّهْرِيِّ - قَالَ: وَفِي الْبَقَرِ فِي كُلِّ ثَلَاثِينَ تَبِيعٌ، وَفِي الْأَرْبَعِينَ مُسِنَّةٌ، وَلَيْسَ عَلَى الْعَوَامِلِ شَيْءٌ - وَفِي الْإِبِلِ فَذَكَرَ صَدَقَتَهَا كَمَا ذَكَرَ الزُّهْرِيُّ - قَالَ: وَفِي خَمْسٍ وَعِشْرِينَ خَمْسَةٌ مِنَ الْغَنَمِ، فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيهَا ابْنَةُ مَخَاضٍ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ بِنْتُ مَخَاضٍ، فَابْنُ لَبُونٍ ذَكَرٌ إِلَى خَمْسٍ وَثَلَاثِينَ،

1572- اسنادہ حسن من جهة عاصم بن ضمرة فهو صدوق والحارث الاعور وان كان ضعيفاً متابع، وقد حسنه الحافظ في "الفتح" 3.327/ زهير: هو ابن معاوية الجعفي، وابو اسحاق: هو عمرو بن عبد الله السبيعي. واخرجه ابن ماجه (1790) والنسائي في "الكبرى" (2268) و (2269) من طريقين عن ابي اسحاق، به. مختصراً بذكر زكاة الدراهم، اي: الفضة. وهو في "مسند احمد" (711).

فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةً، فَفِيهَا بِنْتُ لَبُونٍ إِلَى خَمْسٍ وَأَرْبَعِينَ. فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةً. فَفِيهَا حِقَّةٌ طَرُوقَةُ الْجَمَلِ إِلَى سِتِّينَ - ثُمَّ سَاقَ مِثْلَ حَدِيثِ الزُّهْرِيِّ - قَالَ: فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةً يَعْنِي وَاحِدَةً وَتِسْعِينَ، فَفِيهَا حِقَّتَانِ طَرُوقَتَا الْجَمَلِ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ. فَإِنْ كَانَتِ الْإِبِلُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ، فَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ، وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ، وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُفْتَرِقٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ، وَلَا تُؤْخَذُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ، وَلَا ذَاتُ عَوَارٍ، وَلَا تَيْسٌ، إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْمُصَدِّقُ، وَفِي النَّبَاتِ مَا سَقَتْهُ الْأَنْهَارُ، أَوْ سَقَتِ السَّمَاءُ الْعُشْرُ، وَمَا سَقَى الْغَرْبُ فَفِيهِ نِصْفُ الْعُشْرِ. وَفِي حَدِيثِ عَاصِمٍ. وَالْحَارِثِ: الصَّدَقَةُ فِي كُلِّ عَامٍ. قَالَ زُهَيْرٌ: أَحْسَبُهُ قَالَ مَرَّةً. وَفِي حَدِيثِ عَاصِمٍ: إِذَا لَمْ يَكُنْ فِي الْإِبِلِ ابْنَةُ مَخَاضٍ، وَلَا ابْنُ لَبُونٍ، فَعَشَرَةُ دَرَاهِمَ أَوْ شَاتَانِ.

﴿﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: (زہیر نامی راوی کہتے ہیں: میرا خیال ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:)

''(زکوٰۃ میں) چالیسواں حصہ ادا کرو ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم ادا کرو تم پر کوئی اس وقت تک لازم نہیں ہوگی جب تک 200 درہم پورے نہیں ہوتے جب 200 درہم ہو جائیں' تو ان میں پانچ درہم کی ادائیگی لازم ہوگی اور جو مزید ہوں گے تو اسی حساب سے ادائیگی کی جائے گی۔ بکریوں میں ہر چالیس بکریوں میں ایک بکری کی ادائیگی ہوگی اگر صرف 39 بکریاں ہوں' تو تم پر کوئی ادائیگی لازم نہیں ہوگی''۔

اس کے بعد راوی نے بکریوں کی زکوٰۃ کے بارے میں زہری کی نقل کردہ روایت کی مانند روایت نقل کی ہے' جس میں یہ الفاظ ہیں:

''گائے میں ہر 30 میں ایک تبیع اور ہر 40 میں ایک مسنہ کی ادائیگی لازم ہوگی' اور (کھیتی باڑی یا گھر بار کے) کام کاج میں استعمال ہونے والے جانوروں پر کوئی زکوٰۃ لازم نہیں ہوگی''۔

اس کے بعد راوی نے اونٹوں کی زکوٰۃ کے بارے میں زہری کی روایت کی مانند روایت نقل کی ہے' جس میں یہ الفاظ ہیں:

''25 اونٹوں میں 5 بکریوں کی ادائیگی لازم ہوگی جب ایک بھی اونٹ زیادہ ہو جائے' تو ان میں ایک بنت مخاض کی ادائیگی لازم ہوگی اگر بنت مخاض نہ ہو' تو ابن لبون مذکر کی ادائیگی لازم ہوگی یہ حکم 35 تک کے لیے ہے' جب ایک بھی زیادہ ہو جائے' تو 45 تک میں ایک بنت لبون کی ادائیگی لازم ہوگی جب ایک بھی زیادہ ہو جائے' تو 60 تک میں ایک حقہ کی ادائیگی لازم ہوگی جو جفتی کے قابل ہو''۔

اس کے بعد راوی نے زہری کی روایت کی مانند روایت نقل کی ہے' جس میں یہ الفاظ ہیں:

''جب ایک بھی زیادہ ہو جائے یعنی 91 ہو جائیں' تو ان میں دو حقہ کی ادائیگی لازم ہوگی جنہیں جفتی کے لیے دیا جا سکے اور یہ حکم 120 تک کے لیے ہے' جب اونٹ اس سے زیادہ ہو جائیں' تو ہر 50 میں ایک حقہ کی ادائیگی لازم ہو

گی۔ زکوٰۃ سے بچنے کے لیے اکٹھے مال کو الگ نہیں کیا جائے گا' اور الگ مال کو اکٹھا نہیں کیا جائے گا۔ زکوٰۃ میں بوڑھے یا عیب دار جانور یا نر جانور کو وصول نہیں کیا جائے گا' البتہ اگر زکوٰۃ وصول کرنے والا چاہے (تو ایسا کوئی جانور وصول کرسکتا ہے)

زرعی پیداوار میں جو نہروں کے ذریعے یا بارش کے ذریعے سیراب ہوتی ہے اس میں عشر کی ادائیگی لازم ہوگی اور جسے ڈول کے ذریعے سیراب کیا جاتا ہے اس میں نصف عشر کی ادائیگی لازم ہوگی"۔

عاصم اور حارث کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "ہر سال زکوٰۃ لازم ہوگی"۔

زہیر کہتے ہیں: میرا خیال ہے روایت میں یہ الفاظ ہیں: "ایک مرتبہ"۔

عاصم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "جب اونٹوں میں بنت مخاض نہ ہو یا ابن لبون نہ ہو' تو پھر 10 درہم یا 2 بکریاں ادا کی جائیں گی"۔

گائے میں زکوٰۃ کا بیان

تیس گایوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ لہٰذا جب وہ تیس ہوجائیں اور وہ سائمہ ہوں اور ان پر ایک سال گزر گیا تو ان میں ایک تبیع (بچھڑا) یا تبیعہ (بچھڑی) واجب ہے۔ اور تبیع یا تبیعہ وہ بچہ ہے جو عمر کے دوسرے سال میں ہو۔ اور چالیس میں ایک مسن یا مسنہ واجب ہے۔ اور مسن یا مُسنہ وہ بچہ ہے جو عمر کے تیسرے سال میں ہو۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اسی طرح حکم دیا تھا۔ (سنن دار قطنی)

جب وہ چالیس سے زیادہ ہوجائیں تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ساٹھ تک یہی مقدار واجب ہے۔ لہٰذا ایک زائد میں ایک مسنہ کا چالیسواں حصہ واجب ہے۔ اور دو زیادہ ہوجائیں تو مسنہ کا بیسواں حصہ واجب ہے۔ اور جب تین زیادہ ہوجائیں تو چالیسویں کے تین حصے واجب ہیں۔

اور یہ روایت امام محمد علیہ الرحمہ کی اصل سے ہے اس لئے کہ معافی نص سے خلاف قیاس ثابت ہوئی ہے کیونکہ یہاں کوئی نص نہیں ہے۔ اور امام حسن بن زیاد علیہ الرحمہ نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ زائد میں کچھ واجب نہیں ہے۔ حتیٰ کہ وہ پچاس تک پہنچ جائیں اور پچاس پر ایک مکمل مسنہ واجب ہوگا۔ اور مسنہ کی چوتھائی قیمت یا تبیع کی تہائی قیمت واجب ہوگی۔ کیونکہ نصاب کی اساس یہی ہے اور دونوں عقود کے درمیان معافی ہے۔ اور ہر عقد میں واجب ہے۔

حضرت امام ابویوسف اور امام محمد علیہما الرحمہ کے نزدیک کچھ واجب نہیں ہے یہاں تک کہ ان کی تعداد ساٹھ کو پہنچ جائے۔ اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: کہ اوقاص بقر (دو دہائیوں کے درمیان گائے کی تعداد) سے کچھ زکوٰۃ نہ لینا۔ علماء نے بھی اوقاص کا معنی یہی بیان کیا ہے کہ جو تعداد چالیس اور ساٹھ کے درمیان میں ہو۔ ہم احناف اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ اوقاص سے مراد نہایت چھوٹے بچے ہیں۔ اور اس کے بعد ساٹھ میں دو تبیع یا دو تبیعہ ہیں۔ اور ستر میں ایک مسنہ اور ایک تبیع ہے اور اسی (۸۰) میں دو مسنہ ہیں اور

نوے (۹۰) میں تین تبیعہ ہیں اور ایک بیس (۱۲۰) میں دو تبیعہ اور ایک مسنہ ہے۔ اور اسی حساب کے مطابق قیاس کرتے جائیں گے۔ لہٰذا ہر دہائی پر تبیع سے مسنہ کی طرف اور مسنہ سے تبیع کی طرف فرض تبدیل ہوتا جائے گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

گائے کے ہر تیس پر ایک تبیع یا تبیعہ ہے اور ہر چالیس پر مسن یا مسنہ ہے۔

بھینس اور گائے دونوں برابر ہیں کیونکہ بقر کے لفظ کا اطلاق دونوں کو شامل ہے اور بھینس بھی ایک قسم کی گائے ہے البتہ ہمارے شہروں میں چونکہ بھینس بہت کم تعداد میں ہوتی ہے اس لئے لوگوں کے خیالات بھینس کی طرف جلد جانے والے نہیں ہیں۔ اور اسی دلیل کے پیش نظر کہ جب کسی نے قسم کھائی ''وہ بقر کا گوشت نہیں کھائے گا'' تو وہ بھینس کا گوشت کھانے سے حانث نہ ہوگا۔

(ہدایہ اولین، کتاب زکوٰۃ، لاہور)

گائے اور بیل کی زکوٰۃ میں فقہی تصریحات کا بیان

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں عامل بنا کر یمن بھیجا تو انہیں یہ حکم دیا کہ وہ زکوٰۃ کے طور پر ہر تیس گائے میں سے ایک برس کا بیل یا ایک برس کی گائے لیں اور ہر چالیس گائے میں سے دو برس کی گائے یا دو برس کا بیل وصول کریں۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارمی)

گائے کے نصاب میں زکوٰۃ کے طور پر بیل دینے کے لیے فرمایا گیا ہے چنانچہ گائے کی زکوٰۃ کے طور پر نر اور مادہ دونوں برابر ہیں چاہے گائے دی جائے اور چاہے بیل دیدیا جائے جیسا کہ آگے آنے والی روایت میں اس کی وضاحت بھی ہے چنانچہ گائے اور بکری کی زکوٰۃ کے طور پر مادہ ہی دینا ضروری نہیں ہے اونٹوں کے برخلاف کہ ان میں مادہ ہی دینا افضل ہے لیکن گائے اور بکری میں اس کی کوئی قید اور تخصیص نہیں ہے۔

علامہ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ اگر گائے یا بیل چالیس سے زائد ہوں تو اس زائد مقدار میں اس وقت تک کوئی چیز واجب نہیں ہوتی جب تک کہ تعداد ساٹھ تک نہ پہنچ جائے جب تعداد ساٹھ ہو جائے گی تو ان میں دو تبیعے یعنی ایک ایک برس کے دو بیل یا اتنی ہی عمر کی دو گائیں دینی ہوں گی پھر اس کے بعد ہر چالیس میں ایک مسنہ اور یعنی دو برس کی گائے یا بیل دینا ہوگا اور ہر تیس میں ایک ایک تبیعہ واجب ہوگا مثلاً جب ستر ہو جائیں تو ایک مسنہ اور ایک تبیعہ، اسی ہو جائیں تو دو مسنہ نوے ہو جائیں تو تین تبیعے اور جب سو ہو جائیں تو دو تبیعے اور ایک مسنہ واجب ہو جائے گا۔ اسی طرح ہر تیس میں ایک تبیعہ اور ہر چالیس میں ایک مسنہ کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

علامہ ابن حجر کا قول ہے اگر گائے یا بیل چالیس سے زائد مقدار میں ہوں تو اس وقت تک کوئی چیز واجب نہیں ہوتی جب تک کہ تعداد ساٹھ تک نہ پہنچ جائے حنفیہ میں سے صاحبین کا یہی مسلک ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ چالیس سے جو تعداد بھی زائد ہوگی اس کا بھی حساب کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے گی تا کہ تعداد ساٹھ تک پہنچ جائے جب تعداد ساٹھ تک پہنچ جائے گی تو دو تبیعے واجب ہو جائیں گے باقی حساب مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق ہوگا۔ لہٰذا اگر چالیس سے ایک بھی گائے یا بیل زائد ہوگا تو مسنہ کا چالیسواں حصہ یا ایک تبیعہ کا تیسواں حصہ یعنی ان کی قیمت کا چالیسواں یا تیسواں حصہ دینا ضروری ہوگا اسی طرح

جو مقدار بھی زائد ہوگی اس کا اسی کے مطابق حساب کی جائے گا حنفیہ میں صاحب ہدایہ اور ان کے متبعین کی رائے میں حضرت امام صاحب کا یہی قول معتبر ہے۔

حدیث کے آخر جملے ولیس علی العوامل شئی (کام کاج کے جانوروں میں کچھ بھی واجب نہیں ہے) کا مطلب یہ ہے کہ جو جانور کام کاج کے ہوں اور ضروریات میں استعمال ہوتے ہوں جیسے بیل ہل جوتنے یا کنویں سے پانی کھینچنے یا بار برداری کے کام لیے ہوں تو اگرچہ ان کی تعداد بقدر نصاب ہی کیوں نہ ہو لیکن ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ یہی حکم اونٹ وغیرہ کے بارے میں بھی ہے چنانچہ حضرت امام اعظم حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے۔ لیکن حضرت امام مالک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسے جانوروں میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

انعام ثلاثہ کی زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ

علامہ عبدالرحمن جزیری لکھتے ہیں۔ مالکی مذہب کے علاوہ دیگر تمام مذاہب اس امر پر متفق ہیں کہ سائمہ (چرنے والے جانور) اور نصاب کی شرط کے ساتھ تین قسم کے حیوانات میں زکات واجب ہے وہ یہ ہیں (اونٹ، گائے (بھینس بھی شامل ہے) بھیڑ (بکری بھی شامل ہے) مگر مالکی مذہب میں سائمہ (چرنے) کی شرط نہیں ہے، اس نظریہ کے مطابق زکات ان تین قسموں میں واجب ہے چاہے سائمہ ہوں یا غیر سائمہ۔

سبھی مذاہب اس بات پر متفق القول ہیں کہ گھوڑا، خچر اور گدھے میں زکات واجب نہیں ہے، مگر یہ کہ مال التجارۃ (تجارت کے مال) کا جز وقرار پائیں۔ مگر حنفی مذہب گھوڑے اور گھوڑی میں دو شرط کے ساتھ زکات واجب جانتے ہیں شرط اول سائمہ ہو (چرنے والے) شرط دوم نسل بڑھانے کے لئے گلہ کی دیکھ بھال کی جارہی ہو۔ (مذاہب اربعہ، ص ۱۶۰، ج ۱، بیروت)

گائے کے نصاب ساٹھ میں زکوٰۃ پر مذاہب اربعہ

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ فقہاء احناف کے نزدیک جب گائے کی تعداد ساٹھ کو پہنچ جائے تو اس میں دو تبیع یا تبیعہ ہیں۔ حضرت امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد علیہم الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ اور محیط برہانی میں بھی اسی طرح ہے اور جوامع الفقہ میں امام اعظم رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ۴، ص ۲۵، حقانیہ ملتان)

بکریوں میں زکوٰۃ کی تفصیل کا بیان

چالیس سائمہ بکریوں سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ جب وہ چالیس چرنے والی ہو جائیں تو ایک سو بیس (۱۲۰) تک ان پر ایک بکری ہے جبکہ ان پر ایک سال گزر جائے۔ جب ان پر ایک بکری زائد ہوئی تو دو سو (۲۰۰) تک دو بکریاں ہیں۔ جب دو سو سے ایک بکری زائد ہوئی تو چار سو (۴۰۰) تک تین بکریاں ہیں۔ اور جب چار سو ہو جائیں تو ان میں چار بکریاں ہیں۔ (اس کے بعد) ہر سو پر ایک بکری ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خطوط میں یہی بیان ہوا ہے۔ اور اسی پر اجماع کا انعقاد ہوا ہے۔ (بخاری، ترمذی)

ضأن اور معز دونوں برابر ہیں۔ اس لئے کہ لفظ غنم دونوں کو شامل ہے۔ اور نص لفظ غنم کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔ اور اس کی زکوٰۃ میں ثنیٰ کو لیا جائے گا۔ اور ضأن میں جذعہ نہیں لیا جائے گا مگر وہ روایت جو امام حسن نے امام اعظم سے روایت کی ہے۔ اور ثنیٰ اس بچے کو کہتے ہیں جو ایک سال کا ہو اور جزعہ وہ بچہ جس پر سال کا اکثر حصہ گزر چکا ہو۔ اور سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ضأن کا جذعہ لیا جائے گا۔ اور صاحبین کا قول بھی یہی ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک ہمارا حق جذعہ اور ثنیٰ ہے اور یہ دلیل بھی ہے کہ جذعہ سے قربانی ادا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ بھی جائز ہوئی اور اس کی دلیل حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے موقوفا اور مرفوعا حدیث وارد ہوئی ہے۔ زکوٰۃ نہیں وصول کی جائے گی مگر ثنیٰ میں یا اس سے زیادہ میں۔ کیونکہ واجب درمیانے درجے کا ہوتا ہے۔ اور جذعہ چھوٹوں میں شمار ہوتا ہے اور اسی وجہ سے معز کا جذعہ زکوٰۃ میں جائز نہیں۔ جبکہ جذعہ کی قربانی کا حکم نص سے ثابت ہوا ہے۔ اور روایت کردہ جذعہ سے مراد اونٹ کا جذعہ ہے۔ (ابوداؤد، مستدرک، مسند احمد بن حنبل)

اور بکری کی زکوٰۃ میں نر اور مادہ کا (بطور زکوٰۃ) لینا جائز ہے۔ اس لئے کہ لفظ شاۃ دونوں کو شامل ہے۔ اور بے شک نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ چالیس بکریوں پر ایک بکری ہے۔ اور اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔
(ہدایہ اولین، کتاب زکوٰۃ، لاہور)

مختلف جانوروں کے نصاب زکوٰۃ کا فقہی بیان

حضرت انس کے بارے میں مروی ہے کہ جب امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق نے انہیں بحرین جو بصرہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے بھیجا تو انہیں یہ ہدایت نامہ تحریر فرمایا۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمن و رحیم ہے یہ اس صدقہ فرض (زکوٰۃ) کے بارے میں ہدایت نامہ جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمانوں پر فرض کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے نافذ کرنے کے بارے میں اپنے رسول ﷺ کو حکم فرمایا۔ لہٰذا جس شخص سے قاعدہ کے مطابق زکوٰۃ کا مطالبہ کیا جائے تو وہ ادائیگی کرے اور جس شخص سے شرعی مقدار سے زیادہ مطالبہ کیا جائے وہ زائد مطالبہ کی ادائیگی نہ کرے زکوٰۃ کا نصاب یہ ہے کہ چوبیس اور چوبیس سے کم اونٹوں کی زکوٰۃ میں بکری ہے اس طرح کہ ہر پانچ اونٹ پر ایک بکری ہے یعنی پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے اور پانچ سے نو تک ایک بکری دس سے چودہ تک دو بکریاں پندرہ سے انیس تک تین بکریاں اور بیس سے چوبیس تک چار بکریاں واجب ہوگی۔ پچیس سے پینتیس تک میں ایک ایسی اونٹنی جو ایک سال کی ہو چھتیس سے پینتالیس تک ایک اونٹنی جو دو سال کی ہو۔ چھیالیس سے ساٹھ تک میں ایک ایسی اونٹنی جو چار سال کی ہو اور اونٹ سے جفتی کے قابل ہو، اکسٹھ سے پچھتر تک میں ایک اونٹنی جو اپنی عمر کے چار سال ختم کر کے پانچویں سال میں داخل ہو گئی اور چھہتر سے نوے تک میں دو ایسی اونٹنیاں جو دو سال کی ہوں اکیانوے سے ایک سو بیس تک میں دو ایسی اونٹنیاں جو تین تین سال کی ہوں اور اونٹ سے جفتی کے قابل ہوں اور جب تعداد ایک سو بیس سے زائد ہو تو اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ ان زائد اونٹنیوں میں ہر چالیس کی زیادت پر دو برس کی اونٹنی اور ہر پچاس کی زیادت پر پورے تین برس کی اونٹنی واجب ہوگی اور جس کے پاس صرف چار ہی اونٹ ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہاں اگر وہ شخص چاہے تو صدقہ نفل کے طور پر کچھ دے دے جب پانچ اونٹ ہوں گے تو اس پر زکوٰۃ کے طور پر ایک بکری واجب ہو جائے گی اور جس

شخص کے پاس اتنے اونٹ ہوں کہ ان میں زکوٰۃ کے طور پر ایسی اونٹنی واجب ہوتی ہو جو چار برس پورے کر کے پانچویں سال میں لگ گئی ہو یعنی اکسٹھ سے پچھتر تک کی تعداد میں اور اس کے پاس چار برس کی اونٹنی نہ ہو کہ جسے وہ زکوٰۃ کے طور پر دے سکے بلکہ تین برس کی اونٹنی موجود ہوں تو اس سے تین ہی برس کی اونٹنی زکوٰۃ میں قبول کی جا سکتی ہے مگر زکوٰۃ دینے والا اس تین برس کی اونٹنی کے ساتھ ساتھ اگر اس کے پاس موجود ہوں تو دو بکریاں ورنہ بصورت دیگر تیس درہم ادا کرے اور کسی شخص کے پاس اونٹوں کی ایسی تعداد ہو جس میں تین برس کی اونٹنی واجب ہوتی ہو یعنی چھیالیس سے ساٹھ تک کی تعداد اور اس کے پاس تین برس کی کوئی اونٹنی زکوٰۃ میں دینے کے لیے نہ ہو بلکہ چار برس کی اونٹنی ہو تو اس سے چار برس والی اونٹنی ہی لے لی جائے البتہ زکوٰۃ دینے والا دو بکریاں یا بیس درہم بھی اس کے ساتھ دے دے اور اگر کسی شخص کے پاس اتنی تعداد میں اونٹ ہوں کہ جن میں دو برس کی اونٹنی واجب ہوتی ہو جیسے چھتیس سے پینتالیس تک کی تعداد اور اس کے پاس دو برس کی اونٹنی کے بجائے تین برس کی اونٹنی ہو تو اس سے تین برس کی اونٹنی ہی لے لی جائے مگر زکوٰۃ وصول کرنے والا اسے بیس درہم یا دو بکریں واپس کر دے اور اگر کسی شخص کے پاس اتنی تعداد میں اونٹ ہوں جنمیں دو برس کی اونٹنی واجب ہوتی ہو اور وہ اس کے پاس نہ ہو بلکہ ایک برس کی اونٹنی ہو تو اس سے ایک برس کی اونٹنی ہی لے لی جائے اور وہ زکوٰۃ دینے والا اس کے ساتھ بیس درہم یا دو بکریاں بھی دے اور اگر کسی شخص کے پاس اتنی تعداد میں اونٹ ہوں کہ جن میں ایک برس کی اونٹنی واجب ہوتی ہو جیسے بیس سے پچیس تک کی تعداد، اور ایک برس کی اونٹنی اس کے پاس نہ ہو بلکہ دو برس کی اونٹنی اس کے پاس ہو تو اس سے وہی دو برس والی اونٹنی لے لی جائے مگر زکوٰۃ وصول کرنے والا اس کو دو بکریاں یا بیس درہم واپس کر دے اور اگر اس کے پاس دینے کے قابل ایک برس کی اونٹنی نہ ہو اور نہ دو برس کی اونٹنی ہو بلکہ دو برس کا اونٹ ہو تو وہ اونٹ ہی لے لیا جائے مگر اس صورت میں کوئی اور چیز واجب نہیں نہ تو زکوٰۃ لینے والا کچھ واپس کرے گا اور نہ زکوٰۃ دینے والا کچھ اجر دے گا اور چرنے والی بکریوں کی زکوٰۃ کا نصاب یہ ہے کہ جب بکریوں کی تعداد چالیس سے ایک سو بیس تک ہو تو ایک واجب ہوتی ہے اور ایک سو بیس سے زائد ہوں تو دو سو تک کی تعداد پر دو بکریاں واجب ہوتی ہیں اور جب دو سو سے زائد ہوں تو تین سو تک تین بکریاں واجب ہوتی ہیں اور جب تین سو سے زائد ہو جائیں تو پھر یہ حساب ہوگا کہ ہر سو بکریوں میں ایک بکری واجب ہوگی۔

جس شخص کے پاس چرنے والی بکریاں چالیس سے ایک بھی کم ہوں گی تو ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی ہاں اگر بکریوں کا مالک چاہے تو صدقہ نفل کے طور پر کچھ دے سکتا ہے۔ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ زکوٰۃ میں خواہ اونٹ ہو یا گائے اور بکری بڑھیا اور عیب دار نہ جائے اور نہ بوک (بکرا) دیا جائے ہاں اگر زکوٰۃ وصول کرنے والا کسی مصلحت کے تحت بوک لینا چاہے تو درست ہے اور متفرق جانوروں کو یکجا نہ کیا جائے اور نہ زکوٰۃ کے خوف سے جانوروں کو علیحدہ علیحدہ کیا جائے نیز جس نصاب میں دو آدمی شریک ہوں تو انہیں چاہئے کہ وہ دونوں برابر تقسیم کر لیں اور چاندی میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ کے طور پر دینا فرض ہے اگر کسی کے پاس صرف ایک سو نوے درہم ہوں (یعنی نصاب شرعی کا مالک نہ ہو) تو اس پر کچھ فرض نہیں ہے ہاں اگر وہ صدقہ نفل کے طور پر کچھ دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ (بخاری)

گزشتہ صفحات میں ایک حدیث گزر چکی ہے جس میں یہ فرمایا گیا ہے جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ تم زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو

خوش کرو اگرچہ وہ تمہارے ساتھ ظلم ہی کا معاملہ کیوں نہ کریں۔ اسی طرح ایک حدیث اور گزر چکی ہے جس میں بیان کیا گیا تھا کہ کچھ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے زیادتی کرتے ہیں یعنی مقدار واجب سے زیادہ مال لیتے ہیں تو کیا ہم ان کی طرف سے زیادہ طلب کے جانے والے مال کو چھپا دیں یعنی وہ انہیں نہ دیں تو اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا تھا۔

لیکن یہاں فرمایا گیا ہے کہ جس شخص سے زیادہ مطالبہ کیا جائے وہ ادائیگی نہ کرے۔ لہٰذا بظاہر ان روایتوں میں تعارض اور اختلاف معلوم ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت زکوٰۃ وصول کرنے والے صحابہ تھے ظاہر ہے نہ تو وہ ظالم تھے اور شرعی مقدار سے زیادہ کا مطالبہ کرتے تھے اور نہ صحابہ کے بارے میں ایسا تصور کیا جاسکتا تھا لوگ اپنے گمان اور خیال کے مطابق یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے ساتھ ظلم وزیادت کا معاملہ ہوتا ہے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کے پیش نظر یہی حکم دیا کہ انہیں بہرصورت خوش کیا جائے اور وہ جو کچھ مانگیں اسے دینے میں تامل نہ کیا جائے اور یہاں حضرت ابوبکر کے ارشاد میں زکوٰۃ وصول کرنے والوں سے صحابہ مراد نہیں ہیں بلکہ دوسرے لوگ مراد ہیں اور ظاہر ہے کہ صحابہ کے علاوہ دوسرے لوگوں سے ایسی باتوں کا صدور ممکن تھا اس لیے حضرت ابوبکر نے یہ تحریر فرمایا کہ زائد مطالبہ کی ادائیگی نہ کی جائے۔ اس وضاحت سے احادیث میں جو بظاہر تعارض نظر آرہا تھا وہ ختم ہو گیا۔

فاذا زادت علی عشرین ومائۃ الخ (اور جب تعداد ایک سو بیس سے زائد ہو الخ) قاضی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عدد مذکور سے متجاوز ہونے کی صورت میں استقرار اور حساب پر دلالت کرتی ہے یعنی جب اونٹ ایک سو بیس سے زائد ہوں تو ان کی زکوٰۃ کا حساب از سر نو شروع نہ کیا جائے بلکہ ایسی صورت میں ہر چالیس کی زیادتی پر دو برس کی اونٹنی اور ہر پچاس کی زیادتی پر تین برس کی اونٹنی کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جانی چاہیے۔

چنانچہ اکثر ائمہ کا یہی مسلک ہے مگر حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ از سر نو حساب شرع کیا جائے گا چنانچہ جب اونٹوں کی تعداد ایک سو بیس سے متجاوز ہو جائے تو اس وقت دو حقے یعنی تین برس کی دو اونٹنیاں اور ایک بکری واجب ہوگی اور اسی طرح چوبیس کی تعداد تک ہر پانچ پر ایک بکری واجب ہوتی چلی جائے گی پھر پچیس اور پچیس کے بعد بنت مخاض ایک سال کی اونٹنی واجب ہو جائے گی اسی طرح آخر تک پہلی ترتیب کے مطابق حساب کیا جائے گا امام نخعی اور امام ثوری کا یہی قول ہے ان حضرات کی دلیل یہ ارشاد گرامی ہے کہ جب اونٹوں کی تعداد ایک سو سے زائد ہو جائے تو اس کا حساب از سر نو شروع کیا جائے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

اونٹوں کی زکوٰۃ کے بارے میں اتنی بات اور جان لیجئے کہ ان کی زکوٰۃ کے طور پر مادہ یعنی اونٹنی یا اس کی قیمت واجب ہوتی ہے جب کہ گائے اور بکری کی زکوٰۃ میں نر اور مادہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ ان کی زکوٰۃ کے طور پر نر یا اس کی قیمت اور مادہ یا اس کی قیمت دونوں ہی دیئے جاسکتے ہیں۔

مالم یکن عندہ بنت مخاض علی وجہا (اور اگر اس کے پاس دینے کے قابل ایک برس کی اونٹنی نہ ہو) ابن مالک نے

اس کی وضاحت کے سلسلے میں فرمایا ہے کہ اس کے تین معنی ہو سکتے ہیں۔(۱) اس کے پاس سرے سے ایک برس کی اونٹنی موجود ہی نہ (۲) ایک برس کی اونٹنی موجود تو ہو مگر تندرست نہ ہو بلکہ بیمار ہو اس صورت میں بھی گویا وہ نہ ہونے ہی کے درجہ میں ہوگی۔ (۳) ایک برس کی اونٹنی تو موجود ہو مگر اوسط درجہ کی نہ ہو بلکہ نہایت قیمتی اور اعلیٰ درجے کی ہو ملحوظ رہے کہ زکوٰۃ میں اوسط درجہ کا مال دینے کا حکم ہے۔

بہر کیف ان میں سے کوئی صورت ہو اس کا حکم یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایسی صورت میں ابن لبون یعنی دو برس کا اونٹ زکوٰۃ کے طور پر دیا جائے گا پھر اس کی وضاحت بھی فرما دی کہ ابن لبون کے ساتھ مزید کچھ لینا دینا واجب نہیں ہے جیسا کہ اونٹنیوں کے بارے میں حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص پر زکوٰۃ کے طور پر دینے کے لیے دو برس کی اونٹنی واجب ہو اور اس کے پاس دو برس کی اونٹنی موجود نہ ہو بلکہ تین برس کی اونٹنی ہو تو زکوٰۃ وصول کرنے والا اس سے وہی تین برس کی اونٹنی لے گا مگر وہ زکوٰۃ دینے والے کو دو بکریاں بیس درہم واپس کرے گا تا کہ زکوٰۃ دینے والے کو دو برس کی اونٹنی کی بجائے تین برس کی اونٹنی دینے کی صورت میں نقصان گھاٹا نہ ہو جیسے اس کے برعکس صورت بھی بیان کی گئی ہے کہ اگر زکوٰۃ دینے والا تین برس کی اونٹنی کی بجائے جو اس پر واجب ہے مگر موجود نہیں ہے دو برس کی اونٹنی دے تو اس کے ساتھ دو بکریاں یا بیس درہم مزید دے تا کہ زکوٰۃ کے مال میں نقصان نہ رہ جائے بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ فضیلت تانیث عمر کی زیادتی کا بدل ہو جاتی ہے۔

اگرچہ چرنے والی کی قید صرف بکری کے نصاب میں زکوٰۃ میں لگائی گئی ہے لیکن اس کا تعلق ہر جانور سے ہے یعنی خواہ بکری ہو یا اونٹ اور یا گائے ان میں زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی جب کہ وہ سال کے اکثر حصے یعنی نصف سال سے زیادہ جنگل میں چریں اگر ان میں سے کوئی بھی جانور ایسا ہو جسے سال کے اکثر حصے میں گھر سے چارہ کھلایا جاتا ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

بکریوں کا نصاب چالیس بیان کیا گیا ہے یعنی اگر چالیس سے کم بکریاں ہوں گی تو ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی جب چالیس بکریاں ہوں گی تو ایک بکری زکوٰۃ کے طور پر واجب ہو جائے گی اور اگر چالیس سے بھی زائد ہوں تو ایک سو بیس تک ایک ہی بکری واجب رہے گی اسی طرح تین سو تک کی تعداد کے نصاب زکوٰۃ کو بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے کہ جب تعداد تین سو سے تجاوز ہو جائے تو پھر یہ حساب ہوگا کہ ہر سو بکری پر ایک بکری واجب ہوگی یعنی تین سو تک تو تین بکریاں ہوں گی تین سو کے بعد چار سو بکریاں اس وقت واجب ہوں گی جب کہ تعداد پورے چار سال ہو جائے چنانچہ اکثر ائمہ وعلماء کا یہی مسلک ہے لیکن حسن بن صالح کا قول اس بارے میں یہ ہے کہ تین کے بعد اگر ایک بکری بھی زائد ہوگی تو چار بکریاں واجب ہو جائیں گی۔

ولا ذات عوار (اور عیب دار نہ دی جائے) زکوٰۃ میں عیب دار مال نہ لینے کا حکم اس صورت میں ہے جب کہ پورا مال یا کچھ مال ایسا ہو جس میں کوئی عیب وخرابی نہ ہو اگر پورا ہی مال عیب دار ہو تو پھر اس میں سے اوسط درجے کا دیکھ کر دیا جائے گا۔

زکوٰۃ میں بوک (بکرا) لینے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ بکریوں کے ساتھ بوک افزائش نسل کے لیے رکھا جاتا ہے اگر بوک لے لیا جائے گا تو بکریوں کے مالک کو نقصان ہوگا یا وہ اس کی وجہ سے پریشانی میں مبتلا ہو جائے گا یا پھر بوک لینے سے اس لیے منع فرمایا گیا ہے کہ اس کا گوشت بدمزہ اور بدبودار ہوتا ہے۔

مختلف مقامات پر موجود جانوروں کی زکوٰۃ میں فقہ شافعی وحنفی کا اختلاف:

ولا یجمع بین متفرق الخ (اور متفرق جانوروں کو یکجانہ کیا جائے الخ) اس جملے کا مطلب سمجھنے سے پہلے مسئلہ کی حقیقت جان لیجیے تاکہ مفہوم پوری طرح ذہن نشین ہو جائے مسئلہ یہ ہے کہ آیا زکوٰۃ گلہ یعنی مجموعہ پر ہے یا اشخاص یعنی مال کے مالک کا اعتبار ہوتا ہے؟

حضرت امام شافعی تو فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ گلہ کے اعتبار سے دینی ہوتی ہے ان کے ہاں مالک کا اعتبار نہیں ہوتا جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے ہاں گلہ کا اعتبار نہیں ہوتا مالک کا اعتبار ہوتا ہے۔اس مسئلہ کو مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ ایک شخص کے پاس اسی بکریاں ہیں مگر وہ بکریاں ایک جگہ یعنی ایک گلہ ریوڑ میں نہیں ہیں بلکہ الگ الگ دو گلوں میں ہیں تو چونکہ امام شافعی کے نزدیک زکوٰۃ گلہ پر واجب ہوتی ہے اس لیے ان کے مسلک کے مطابق ان دونوں گلوں میں سے دو بکریاں وصول کی جائیں گی لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق دونوں گلوں سے ایک ہی بکری وصول کی جائے گی کیونکہ اگرچہ وہ اسی بکریاں دو گلوں میں تقسیم ہیں مگر ملکیت میں چونکہ ایک شخص کی ہیں اس لیے اس حساب کے مطابق کہ چالیس سے ایک سو بیس تک کی تعداد میں ایک ہی بکری واجب ہوتی ہے اس شخص سے بھی ایک ہی بکری وصول کی جائے گی۔

دوسری مثال یہ ہے کہ دو اشخاص کی اسی بکریاں ہیں جو ایک ہی گلہ میں ہیں تو امام شافعی کے مسلک کے مطابق اس گلہ میں سے ایک ہی بکری لی جائے گی اور امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق اس گلہ میں سے دو بکریاں لی جائیں گی کیونکہ وہ اسی بکریاں اگرچہ ایک ہی گلہ میں ہیں لیکن مالک اس کے دو الگ الگ اشخاص ہیں اور وہ دونوں اتنی اتنی بکریوں (یعنی چالیس چالیس) کے مالک ہیں کہ ان کی الگ الگ تعداد پر ایک بکری واجب ہوتی ہے۔

اس مسئلہ کو ذہن میں رکھ کر اب سمجھئے کہ حدیث کے اس جملے ولا یجمع بین متفرق الخ کا مطلب امام شافعی کے ہاں تو یہ ہے کہ اس ممانعت کا تعلق مالک سے ہے کہ اگر مثال کے طور پر چالیس بکریاں اس کی ہوں اور چالیس بکریاں کسی دوسرے کی ہوں اور یہ دونوں تعداد الگ الگ ہوں تو ان بکریوں کو جو الگ الگ اور متفرق ہیں زکوٰۃ کم کرنے کے لیے یکجانہ کیا جائے یعنی مالک یہ سوچ کر کہ اگر یہ بکریاں الگ الگ دو گلوں میں ہوں گی تو ان میں سے دو بکریاں دینی ہوں گی اور اگر ان دونوں گلوں کو ملا کر ایک گلہ کر دیا جائے تو پھر ایک ہی بکری دینی ہوگی ان کو یکجانہ کرے۔

اسی طرح ولا یفرق بین مجتمع اور نہ جانوروں کو علیحدہ علیحدہ کیا جائے میں اس ممانعت کا تعلق بھی مالک سے ہے کہ مثلاً اگر اس کے پاس بیس بکریاں ہوں جو کسی دوسرے شخص کی بکریوں کے گلے میں ملی ہوئی ہوں تو مالک اپنی ان بکریوں کو اس گلے سے الگ نہ کرے یہ سوچ کر کہ اگر یہ بکریاں اس گلے میں رہیں گی تو زکوٰۃ دینی ہوگی اور اگر ان بکریوں کو اس گلے سے الگ کر دیا جائے تو زکوٰۃ سے بچ جاؤں گا۔

حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس ممانعت کا تعلق ساعی یعنی زکوٰۃ وصول کرنے والے سے ہے کہ وہ زکوٰۃ لینے کے لیے متفرق بکریوں کو یکجانہ کرے مثلاً دو الگ الگ اشخاص کے پاس اتنی اتنی بکریاں ہوں کہ جو علیحدہ علیحدہ تو حد نصاب کو نہ پہنچتی ہوں اور

ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوتی ہو جیسے دونوں کے پاس بیس بیس بکریاں ہوں مگر جب دونوں کی بکریاں یکجا ہو جائیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہو جائے لہٰذا زکوٰۃ وصول کرنے والے کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ وہ زکوٰۃ لینے کی وجہ سے ان بکریوں کو یکجا کر دے اسی طرح دوسری ممانعت کا تعلق بھی زکوٰۃ وصول کرنے والے ہی سے ہے کہ زکوٰۃ لینے کے لیے علیحدہ علیحدہ جانوروں کو یکجا نہ کرے مثلاً اگر کسی شخص کے پاس اسی بکریاں اس طرح ہوں کہ چالیس تو ایک جگہ ہیں اور چالیس دوسری جگہ ہیں تو زکوٰۃ وصول کرنے والا ان دونوں جگہوں کی بکریوں کو دو الگ الگ نصاب قرار دے کر اس شخص سے دو بکریاں وصول نہ کرے بلکہ دونوں جگہوں کی بکریوں کو ایک ہی نصاب قرار دے اور قاعدہ کے مطابق ایک ہی بکری وصول کرے کیونکہ بکریاں اگرچہ الگ الگ ہیں لیکن ملکیت میں ایک ہی شخص کے ہیں لہٰذا دونوں جگہ کی مجموعہ بکریوں پر کہ جن کی تعداد اسی ہے ایک ہی بکری واجب ہوگی۔

وما كان من خليطين (جس نصاب میں دو آدمی شریک ہوں) اس جملے کی وضاحت بھی ایک مسئلہ سمجھ لینے پر موقوف ہے مسئلہ یہ ہے کہ مثلاً دو سو بکریاں ہیں جس میں دو آدمی شریک ہیں اس حساب سے کہ ایک آدمی کی تو ان میں سے چالیس بکریاں ہیں اور دوسرا آدمی ایک سو ساٹھ بکریوں کا مالک ہے اب سوال یہ ہے کہ ان بکریوں پر زکوٰۃ کے طور پر تو بکریاں واجب ہوں مگر وہ دو بکریاں ان دونوں سے وصول کس حساب سے ہوں گی، ظاہر ہے کہ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ پہلے شخص پر تو اس کے حصے کے پیش نظر ایک بکری کا دو خمس واجب ہو اور باقی دوسرے شخص پر واجب ہو بلکہ یہ ہوگا کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا تو قاعدہ کے مطابق دونوں شخصوں سے ایک ایک بکری وصول کرے گا مگر اس صورت میں پہلے شخص کو نقصان ہوگا کیونکہ ان مشترک بکریوں میں اس کا حصہ صرف چالیس بکریاں ہیں اسے بھی ایک ہی بکری دینی پڑی۔ اور دوسرے شخص نے بھی ایک بکری دی جس کا حصہ ایک سو ساٹھ بکریاں ہیں (اسی کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا تو دونوں سے ایک ایک بکری وصول کرے گا لیکن پھر بعد میں دونوں کو چاہئے کہ وہ اپنے اپنے حصے کے مطابق حساب کر لیں یعنی پہلا شخص کہ جس کی چالیس بکریاں ہیں دوسرے شخص کہ جس کی ایک سو ساٹھ بکریاں ہیں۔ اپنی دی ہوئی بکری کے تین خمس وصول کرے اس حساب سے چالیس بکریوں کے مالک پر اس کے حصہ کے مطابق دو خمس پڑیں گے اور باقی ایک سو ساٹھ بکریوں کے مالک پر اس کے حصے کے مطابق پڑ جائیں گے۔ چنانچہ ارشاد گرامی فانهما يتراجعان بالسوية، (انہیں چاہئے کہ وہ دونوں برابر برابر تقسیم کر لیں) کے یہ معنی ہیں۔

دراہم ودنانیر پر زکوٰۃ ونصاب زکوٰۃ کا بیان

1573 - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْمَهْرِيُّ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ، وَسَمَّى آخَرَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ، وَالْحَارِثِ الْأَعْوَرِ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَعْضِ أَوَّلِ هَذَا الْحَدِيثِ، قَالَ: فَإِذَا كَانَتْ لَكَ مِائَتَا دِرْهَمٍ، وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ، فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ، وَلَيْسَ عَلَيْكَ شَيْءٌ - يَعْنِي - فِي الذَّهَبِ حَتَّى يَكُونَ لَكَ عِشْرُونَ دِينَارًا، فَإِذَا كَانَ لَكَ عِشْرُونَ دِينَارًا، وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ، فَفِيهَا نِصْفُ دِينَارٍ، فَمَا زَادَ، فَبِحِسَابِ ذَلِكَ، قَالَ: فَلَا أَدْرِي أَعَلِيٌّ يَقُولُ: فَبِحِسَابِ ذَلِكَ، أَوْ رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَيْسَ فِي

مَالٍ زَكَاةٌ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ. إِلَّا أَنَّ جَرِيرًا، قَالَ ابْنُ وَهْبٍ يَزِيدُ فِي الْحَدِيثِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. لَيْسَ فِي مَالٍ زَكَاةٌ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ

⊛⊛ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے اس کا کچھ حصہ وہ ہے جو پہلے ذکر ہو چکا ہے (تاہم اس روایت میں یہ الفاظ ہیں:)

''جب تمہارے پاس 200 درہم ہوں اور ان پر ایک سال گزر جائے تو ان میں پانچ درہموں کی ادائیگی لازم ہوگی اور سونے میں تم پر کوئی ادائیگی لازم نہیں ہوگی جب تک تمہارے پاس 20 دینار نہیں ہوتے اگر تمہارے پاس 20 دینار ہوں اور ان پر ایک سال گزر جائے تو ان میں نصف دینار کی ادائیگی لازم ہوگی جو اس سے زائد ہوں گے وہ اسی حساب سے ہوں گے''۔

راوی کہتے ہیں: مجھے نہیں معلوم ''وہ اسی حساب سے ہوں گے'' کے الفاظ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہیں یا یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

''مال میں زکوٰۃ اس وقت تک لازم نہیں ہوتی جب تک ایک سال نہیں گزر جاتا''۔

ایک اور روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ منقول ہیں ''مال میں زکوٰۃ اس وقت تک لازم نہیں ہوتی جب تک اس پر ایک سال نہیں گزر جاتا''۔

دوسو دراہم پر زکوٰۃ ہونے کا بیان

دوسو دراہم سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ اوقیہ سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ (سنن دارقطنی) اور ایک اوقیہ چالیس دراہم کا ہوتا ہے۔ لہٰذا جب دوسو ہو جائیں اور ان پر سال گزر جائے تو ان پر پانچ دراہم واجب ہیں۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ وہ ہر دوسو پر پانچ دراہم وصول کریں۔ (سنن دارقطنی) اور ہر بیس مثقال سونے میں نصف مثقال وصول کریں۔

دوسو دراہم کے نصاب زکوٰۃ ہونے کا بیان

حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے گھوڑوں اور غلاموں میں زکوٰۃ معاف رکھی ہے یعنی اگر غلام تجارت کے لیے نہ ہوں تو ان میں نہیں ہے اور گھوڑوں کی زکوٰۃ کے بارے میں ائمہ کا جو اختلاف ہے اسے بیان کیا جا چکا ہے تم چاندی کی زکوٰۃ ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم کے حساب سے ادا کرو جب کہ چاندی بقدر نصاب دوسو درہم ہو کیونکہ ایک سو نوے درہم یعنی دوسو درہم سے کم چاندی میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے جب دوسو درہم چاندی ہو تو اس میں سے پانچ درہم زکوٰۃ کے طور پر دینا واجب ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد) ابوداؤد نے حارث اعور سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ زہیر نے جو حارث سے روایت نقل کرتے ہیں کہا کہ میرا گمان ہے کہ حارث نے یہ کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ تم ہر سال ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم یعنی چالیسواں حصہ ادا کروں اور تم پر اس وقت تک

کچھ واجب نہیں جب تک کہ تمہارے پاس دوسو درہم پورے نہ ہوں جب دوسو درہم پورے ہوں تو ان میں بطور زکوٰۃ پانچ درہم واجب ہوں گے اور جب دوسو درہم سے زائد ہوں گے تو ان میں اسی حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اواق اوقیہ کی جمع ہے ایک اوقیہ چالیس درہم یعنی ساڑھے دس تولہ (122.47 گرام) کے برابر ہوتا ہے اس طرح پانچ اوقیہ دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ تقریباً 216,1/2 گرام کے برابر ہوئے جو چاندی کا نصاب زکوٰۃ ہے اس مقدار سے کم چاندی میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے گویا جو شخص دوسو درہم کا مالک ہوگا وہ بطور زکوٰۃ پانچ درہم ادا کرے گا۔

یہ تو درہم کا نصاب تھا چاندی اگر سکہ کے علاوہ کسی دوسری صورت میں ہو مثلاً چاندی کے زیورات و برتن ہوں یا چاندی کے سکے ہوں تو اس کو بھی اسی پر قیاس کی جائے اور اسی طرح اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔

کرنسی نوٹ پر حکم زکوٰۃ کا بیان

نوٹ پر حکم زکوٰۃ میں نصاب سونے کا ہوگا یا چاندی کا نصاب ہوگا۔ اگر چاندی کا نصاب بنایا جائے تو اس میں فقراء کا زیادہ نفع ہے۔ کیونکہ چاندی کی صورت میں نہایت تھوڑے نصاب کی صورت میں صاحب نصاب ہونا پایا جاتا ہے۔

اور اگر سونے کا نصاب بنایا جائے تو یہ نصاب اتنا زیادہ ہے کہ چاندی کی بہ نسبت بہت کم لوگ اس نصاب کے مطابق صاحب نصاب بن سکیں گے۔

اس میں بین الاقوامی زر کی صورت میں دیکھا جائے تو سونا ہی ہے جس کی ضمانت پر لین دین ہوتا ہے اور نصاب ہونے میں اصل اعتبار بھی اسی کا کیا جائے گا۔

موجودہ کرنسی نوٹ کی زکوٰۃ کے مسئلہ میں غیر مقلدین کا نظریہ

رفیق طاہر لکھتا ہے۔ کرنسی جو آجکل رائج ہے یہ اپنی کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ آپکے پاس پانچ ہزار کا نوٹ بھی ہو کل کلاں حکومت اعلان کردے کہ ہم نے یہ نوٹ منسوخ کر دیا ہے اس کی جگہ نیا نوٹ رائج کر دیا گیا ہے آپ کے پانچ ہزار کے نوٹ کی حیثیت ردی کاغذ کے ٹکڑے سے زیادہ نہیں! شریعت ایسی کرنسی کو مانتی ہے جو ڈی ویلیو نہیں ہوسکتی ، جو اپنی حیثیت اپنے اندر رکھتی ہے، کوئی خارجی امر اس پر اثر انداز نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے شرع نے سونے اور چاندی کے سکوں یعنی درہم و دینار کو معیار بنایا ہے۔ اور سونے چاندی کے سوا دنیا کی تمام تر کرنسیاں خواہ وہ پیپر کرنسی ہو ، چپ کرنسی ہو ، یا الیکٹرانک کرنسی ، سب اسی پر پرکھی جائیں گی۔ یعنی جس شخص کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت موجود ہوگی اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

دوسو دراہم سے زائد میں نصاب زکوٰۃ کا بیان

امام قدوری علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ زائد پر کچھ واجب نہیں۔ حتیٰ کہ چالیس تک پہنچ جائیں تو اس پر ایک درہم ہوگا۔ پھر ہر چالیس دراہم پر ایک درہم ہوگا۔ یہ امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ہے جبکہ صاحبین نے کہا ہے کہ دوسو سے زائد پر زکوٰۃ اسی حساب کے مطابق ہوگی۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول بھی یہی ہے۔ کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ والی روایت میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔ اور جو دوسو سے زائد ہو اس میں اسی کے حساب سے زکوٰۃ ہے۔ (سنن ابوداؤد) کیونکہ زکوٰۃ نعمت مال کے

شکرانے کے لئے واجب ہوئی ہے اور ابتداء میں نصاب کی شرط ثبوت غناء کے لئے ہے۔ اور سوائم کے اندر نصاب کے بعد حصوں سے بچنے کے لئے ہے۔ اور سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے۔ کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والی روایت میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔ کسور سے کچھ نہ پکڑو۔ (سنن دارقطنی) اور حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی روایت میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔ چالیس سے کم پر صدقہ نہیں ہے۔ (سنن نسائی، ابن حبان، مستدرک) کیونکہ شرعی طور پر حرج کو دور کیا گیا ہے۔ حالانکہ کسور واجب کرنے کی وجہ سے حرج ہوگا۔ کیونکہ کسور سے واقف ہونا متعذر ہے۔ اور دراہم میں وزن سبعہ معتبر ہے۔ اور وزن سبعہ یہ ہے کہ دس دراہم سات مثقال کے وزن کے برابر ہوں۔ اسی قیاس کے مطابق سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دفتر میں اجراء حکم تھا۔ اور اسی حکم کو باقی رہنے دیا گیا۔

دراہم ودنانیر ملا کر نصاب زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ

فقہاء احناف کے نزدیک اگر وہ چاہے تو دراہم کو دنانیر کے ساتھ ملائے اور اگر وہ چاہے تو دنانیر کو دراہم کے ساتھ ملائے اور نصاب زکوٰۃ بنا کر اس سے زکوٰۃ ادا کرے۔ اسی طرح امام اوزاعی، امام ثوری اور امام احمد سے ایک روایت ہے۔

صاحبین نے کہا ہے ان کے اجزاء کو ملایا جائے گا۔ اور اسی طرح امام مالک اور امام احمد علیہم الرحمہ سے ایک روایت ہے۔ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ سے ضم کی روایت نہیں بیان کی گئی۔ اور امام احمد سے ایک روایت اسی طرح بھی بیان کی گئی ہے۔ ابوثور، ابوداؤد اور دوسرے فقہاء اس جانب گئے ہیں کہ قیمت کو ملایا جائے گا۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ۴، ص ۱۰۸، حقانیہ ملتان)

گھوڑے اور غلام کی زکوٰۃ کا بیان

1574 - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ، عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَام، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَدْ عَفَوْتُ عَنِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيقِ، فَهَاتُوا صَدَقَةَ الرِّقَةِ، مِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمًا، وَلَيْسَ فِي تِسْعِينَ وَمِائَةٍ شَيْءٌ، فَإِذَا بَلَغَتْ مِائَتَيْنِ، فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ الْأَعْمَشُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، كَمَا قَالَ أَبُو عَوَانَةَ، وَرَوَاهُ شَيْبَانُ أَبُو مُعَاوِيَةَ، وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ،

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَى حَدِيثَ النُّفَيْلِيِّ، شُعْبَةُ، وَسُفْيَانُ وَغَيْرُهُمَا عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ عَلِيٍّ لَمْ يَرْفَعُوهُ، أَوْقَفُوهُ عَلَى عَلِيٍّ

❁❁ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''میں نے گھوڑے اور غلام کی زکوٰۃ معاف کردی ہے' تو تم چاندی کی زکوٰۃ لے آؤ جو ہر 40 درہم میں سے ایک درہم ہوگی اور 190 درہموں میں کوئی ادائیگی لازم نہیں ہوگی جب وہ 200 ہو جائیں گے تو ان میں 5 درہموں کی ادائیگی

لازم ہوگی"۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ روایت اعمش نے ابواسحاق کے حوالے سے اسی طرح نقل کی ہے' جس طرح ابوعوانہ نے بیان کی ہے۔

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے منقول ہے' تاہم ان راویوں نے اسے مرفوع حدیث کے طور پر نقل نہیں کیا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر موقوف روایت کے طور پر نقل کیا ہے۔

گھوڑوں کی زکوٰۃ کے نصاب کا بیان

جب گھوڑے سائمہ ہوں خواہ مذکر ہوں یا مؤنث ہوں تو ان کے مالک کو اختیار اگر چاہے تو ہر گھوڑے کی زکوٰۃ ایک دینار دے اور اگر چاہے تو ان کی قیمت شمار کرتے ہوئے ہر دوسو درہم پر پانچ درہم دے۔ یہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے اور امام زفر علیہ الرحمہ کا بھی یہی قول ہے جبکہ صاحبین نے کہا ہے کہ گھوڑوں میں زکوٰۃ ہی نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان پر اس کے غلام اور اس کے گھوڑے کی زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر سائمہ گھوڑے میں ایک دینار یا دس دراہم ہیں۔ اور صاحبین کی روایت کردہ حدیث کی تاویل یہ ہے کہ اس سے غازی گھوڑا مراد ہے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے دینا یا قیمت کے درمیان اختیار روایت کیا گیا ہے۔

اکیلے مذکر گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اس لئے کہ صرف مذکر گھوڑوں سے نسل نہیں بڑھتی۔ اور ایک روایت کے مطابق تنہا گھوڑیوں کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت کے مطابق یہ بیان کیا گیا ہے کہ صرف گھوڑیوں میں زکوٰۃ واجب ہے۔ کیونکہ گھوڑا ادھار مانگ کر نسل بڑھائی جاسکتی ہے۔ جبکہ گھوڑوں میں ایسا نہیں ہوتا اور امام اعظم رضی اللہ عنہ سے ایک روایت صرف گھوڑوں کے بارے میں وجوب زکوٰۃ کا ہے۔ اور خچروں اور گدھوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خچروں اور گدھوں کی زکوٰۃ کے بارے میں مجھ پر کچھ نازل نہیں ہوا۔ اور مقادیر کا ثبوت سماعی ہے لیکن جب خچر اور گدھے تجارت کے لئے ہیں۔ اس لئے کہ اس صورت میں زکوٰۃ مالیت سے متعلق ہوگی۔ جیسا کہ دوسرے تجارت کے مالوں میں ہوا کرتا ہے۔

گھوڑوں کی زکوٰۃ میں فقہی اختلاف کا بیان؟

دراصل اس عبارت کے مفہوم کے تعین میں یہ اختلاف اس لیے واقع ہوا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جو جنگل میں چرتے ہیں پھر گھوڑے کا مالک اس بارے میں مختار ہے کہ چاہے تو وہ ان کی زکوٰۃ میں ہر گھوڑے پیچھے ایک دینار دے چاہے ان کی قیمت متعین کر کے ہر دوسو درہم میں سے پانچ درہم زکوٰۃ ادا کرے جیسا کہ زکوٰۃ کا حساب ہے۔

حضرت امام شافعی اور صاحبین کے ہاں گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ ان حضرات کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مسلمانوں پران کے گھوڑے اور غلام میں صدقہ واجب نہیں ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ کی طرف سے دلیل کے طور پر یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ ہر گھوڑے پیچھے کہ جو جنگل میں چرے ایک دینار ہے۔

جہاں تک تعین قیمت پر زکوٰۃ کا تعلق ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت عمر فاروق سے منقول ہے حضرت شافعی بطور دلیل جو حدیث پیش کرتے ہیں اس کے بارے میں حضرت امام اعظم کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ اس کا تعلق غازی ومجاہد کے گھوڑے سے ہے اسی طرح غلام سے مراد غلام ہے جو خدمت کے لیے رکھ چھوڑا ہو۔

وہ گھوڑے جو اپنے مالک کے لیے ثواب کا ذریعہ بنتے ہیں اس کی تشریح آپ نے یہ فرمائی کہ اس سے وہ گھوڑے مراد ہیں جسے اس کے مالک نے مسلمانوں کے لیے خدا کی راہ میں باندھا ہے یہاں راہ خدا سے مراد جہاد ہی ہے یعنی اس نے اس مقصد کے لیے گھوڑے پال رکھے ہیں تا کہ جب جہاد کا وقت آئے تو اس پر سوار ہو کر دشمنان اسلام سے نبرد آزما ہو یا بوقت ضرورت دوسرے مسلمانوں کو دے تا کہ وہ اس پر سوار ہو کر جہاد کریں۔

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ گھوڑوں کی زکوٰۃ والے مسئلہ میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ اور صاحب "الاسراء" نے بھی اس کو راجح قرار دیا ہے۔ جبکہ شمس الائمہ اور صاحب تحفہ نے امام اعظم علیہ الرحمہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ اور اس بات پر اجماع کیا ہے کہ امام صاحب گھوڑوں سے جبراً زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم نہیں دیتے۔ اور کتب ستہ میں یہ حدیث موجود ہے کہ مسلمان کے غلام اور گھوڑے پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ البتہ امام مسلم نے یہ زیادہ کیا ہے۔ کہ سوائے فطرانے کے زکوٰۃ نہیں ہے۔ (فتح القدیر، ج ۴، ص ۲۵، بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان پر اس کے گھوڑے اور غلام کی زکوٰۃ واجب نہیں۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث ۱۴۶۳)

گھوڑوں کی زکوٰۃ میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جو جنگل میں چرتے ہیں پھر گھوڑے کا مالک اس بارے میں مختار ہے کہ چاہے تو وہ ان کی زکوٰۃ میں ہر گھوڑے پیچھے ایک دینار دے چاہے ان کی قیمت متعین کر کے ہر دو سو درہم میں سے پانچ درہم زکوٰۃ ادا کرے جیسا کہ زکوٰۃ کا حساب ہے۔

اور امام نخعی سے روایت کیا گیا ہے کہ جو روضہ میں ہے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ اور شمس الائمہ سرخسی نے اس کو اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد علیہم الرحمہ کے نزدیک گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اور انہوں نے حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضیٰ سے روایت کیا ہے اور امام طحاوی نے اسی اختیار کیا ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ گھوڑوں کی زکوٰۃ میں لوگوں کا اختلاف ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ گھوڑوں

میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی لکھتے ہیں۔ کہ فقہاء حنابلہ کہتے ہیں کہ خلفاء راشدین ان سے صدقہ لیتے تھے۔ (البنایہ شرح الہدایہ، ۴،ص،۲۵، حقانیہ ملتان)

چالیس اونٹوں پر ایک بنت لبون ہونے کا بیان

1575 - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، أَخْبَرَنَا بَهْزُ بْنُ حَكِيمٍ، ح وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَأَخْبَرَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فِي كُلِّ سَائِمَةِ إِبِلٍ فِي أَرْبَعِينَ بِنْتُ لَبُونٍ، وَلَا يُفَرَّقُ إِبِلٌ عَنْ حِسَابِهَا مَنْ أَعْطَاهَا مُؤْتَجِرًا -قَالَ ابْنُ الْعَلَاءِ مُؤْتَجِرًا بِهَا- فَلَهُ أَجْرُهَا، وَمَنْ مَنَعَهَا فَإِنَّا آخِذُوهَا وَشَطْرَ مَالِهِ، عَزْمَةً مِنْ عَزَمَاتِ رَبِّنَا عَزَّ وَجَلَّ، لَيْسَ لِآلِ مُحَمَّدٍ مِنْهَا شَيْءٌ

بہز بن حکیم اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:
"چرنے والے اونٹوں میں سے ہر 40 میں ایک بنت لبون کی ادائیگی لازم ہوگی اور ان کے حساب کے لیے انہیں الگ نہیں کیا جائے گا' جو شخص اجر کے حصول کی نیت کرتے ہوئے انہیں ادا کرے گا (یہاں ایک راوی نے لفظ مختلف ذکر کیا ہے) اسے اس کا اجر ملے گا' اور جو شخص ادائیگی سے انکار کرے گا' تو ہم اس سے وصول کرلیں گے' اور اور اس کا نصف مال بھی لیں گے' یہ ہمارے پروردگار کا مقرر کردہ لازمی حکم ہے محمد ﷺ کی آل کے لیے اس میں سے کچھ نہیں ہے"۔

تیس گائے میں ایک تبیع یا تبیعہ ہونے کا بیان

1576 - حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ مُعَاذٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا وَجَّهَهُ إِلَى الْيَمَنِ أَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنَ الْبَقَرِ مِنْ كُلِّ ثَلَاثِينَ تَبِيعًا، أَوْ تَبِيعَةً، وَمِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ مُسِنَّةً، وَمِنْ كُلِّ حَالِمٍ -يَعْنِي مُحْتَلِمًا- دِينَارًا، أَوْ عَدْلَهُ مِنَ الْمَعَافِرِ -ثِيَابٌ تَكُونُ بِالْيَمَنِ-.

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب نبی اکرم ﷺ نے انہیں یمن بھیجا تو انہیں یہ حکم دیا کہ وہ ہر 30 گائے میں ایک تبیع یا ایک تبیعہ وصول کریں اور ہر 40 میں ایک مسنہ وصول کریں اور ہر بالغ شخص سے ایک دینار یا اس کے برابر معافر وصول کریں یہ ایک کپڑا تھا جو یمن میں پایا جاتا تھا۔

1577 - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَالنُّفَيْلِيُّ، وَابْنُ الْمُثَنَّى، قَالُوا: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ مُعَاذٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ.

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے۔

1578 - حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَبِي الزَّرْقَاءِ حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي

وَائِلٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: بَعَثَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ، فَذَكَرَ مِثْلَهُ، لَمْ يَذْكُرْ ثِيَابًا تَكُونُ بِالْيَمَنِ، وَلَا ذَكَرَ - يَعْنِي - مُحْتَلِمًا.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ جَرِيرٌ، وَيَعْلَى، وَمَعْمَرٌ، وَشُعْبَةُ، وَأَبُو عَوَانَةَ، وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، قَالَ: قَالَ يَعْلَى، وَمَعْمَرٌ، عَنْ مُعَاذٍ مِثْلَهُ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن بھیجا' اس کے بعد راوی نے حسب سابق حدیث ذکر کی ہے' تاہم اس میں یہ الفاظ مذکور نہیں ہیں۔

''یہ ایک کپڑا تھا جو یمن میں پایا جاتا تھا''۔

اور نہ ہی اس راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: ''اس سے مراد بالغ شخص ہے''۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ مسروق کے حوالے سے منقول ہے اور ایک سند کے ساتھ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے اس کی مانند منقول ہے۔

راوی حدیث حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

نام ونسب اور ابتدائی حالات

معاذ نام، ابوعبدالرحمن کنیت، امام الفقہاء کنز العلماء اور عالم ربانی القاب، قبیلہ خزرج کے خاندان ادی بن سعد سے تھے، نسب نامہ یہ ہے: معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس بن عائذ بن عدی بن کعب بن عمرو بن ادی بن سعد بن علی بن اسد بن ساردۃ بن یزید بن جشم بن خزرج اکبر۔

سعد بن علی کے دو بیٹے تھے سلمہ اور ادی، سلمہ کی نسل سے بنوسلمہ ہیں، جن میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو بن حرام مشہور صحابہ رضی اللہ عنہم گذرے ہیں ان لوگوں کے ماسوا اور بھی بہت سے بزرگوں کو اس خاندان سے انتساب تھا، لیکن سلمہ کے دوسرے بھائی ادی کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت صرف ایک فرزند تھا جس کی وفات پر خاندان ادی کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہوگیا۔

امام سمعانی نے کتاب الانساب میں حسین بن محمد بن (کتاب الانساب ورق ۲۳) طاہر کو اسی ادی کی طرف منسوب کیا ہے؛ لیکن یہ صحیح نہیں، تمام موثق روایتوں سے ثابت ہے کہ اسلام کے زمانہ میں اس خاندان میں صرف دو شخص باقی تھے، ایک حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور دوسرے ان کے صاحبزادے عبدالرحمن۔

بنوادی کے مکانات ان کے بنواعمام (بنوسلمہ) کے پڑوس میں واقع تھے، مسجد قبلتین جہاں تحویل قبلہ ہوا تھا، یہیں واقع تھی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا گھر بھی یہیں تھا۔

اسلام

طبیعت فطرۃً اثر پذیر واقع ہوئی تھی؛ چنانچہ نبوت کے بارہویں سال جب مدینہ میں اسلام کی دعوت شروع ہوئی تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس کے قبول کرنے میں ذرہ بھی پس وپیش نہ کیا، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ داعی اسلام رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صدق دل سے توحید کا اقرار کیا اس وقت ان کا سن ۱۸ سال کا تھا۔

حج کا موسم قریب آیا تو حضرت مصعب رضی اللہ عنہ مکہ روانہ ہوئے، اہل مدینہ کی ایک جماعت جس میں مسلم اور مشرک دونوں شامل تھے ان کے ہمراہ ہوئی، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں نے کبھی نہ دیکھا تھا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت تشریف لائے اور اس جماعت سے بیعت لی۔

یہ جماعت مکہ سے مدینہ واپس ہوئی، تو آفتاب اسلام کی روشنی گھر گھر پھیل گئی، یثرب تمام مطلع انوار ہوگیا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کمسن تھے، مگر جوش ایمان کا یہ عالم تھا کہ بنوسلمہ کے بت توڑے جانے لگے تو بت شکنوں کی جماعت میں وہ سب کے پیش پیش تھے، بت کا کسی کے گھر میں موجود ہونا اب ان کے لئے سخت تکلیف دہ تھا، بنوسلمہ کے اکثر گھر ایمان کی روشنی سے منور ہو چکے تھے، لیکن اب بھی کچھ لوگ ایسے باقی تھے جن کا نفس آبائی مذہب چھوڑنے سے اعراض کرتا تھا، عمرو رضی اللہ عنہ بن جموح بھی انہی لوگوں میں تھے جو اپنے قبیلہ کے سردار اور نہایت معزز شخص تھے، انہوں نے لکڑی کا ایک بت بنا رکھا تھا، جس کا نام مناۃ تھا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور کچھ دوسرے نوجوان رات کو ان کے گھر پہنچے وہ بےخبر سور ہے تھے، ان لوگوں نے بت کو اٹھا کر محلہ کے ایک گڑھے میں پھینک دیا کہ آنے جانے والے اس کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں، صبح کو بت کی تلاش کے لئے نکلے تو اپنے معبود کو ایک گڑھے میں اوندھا پڑا دیکھ کر عمرو کا غیظ وغضب اختیار سے باہر ہوگیا، بہر حال اس کو اٹھا کر گھر لائے، نہلایا، خوشبو لگائی اور اس کی اصل جگہ پر رکھ دیا اور نہایت طیش میں کہا کہ جس شخص نے یہ حرکت کی ہے اگر مجھے اس کا نام معلوم ہوجائے تو بری طرح خبر لو؛ لیکن جب پھر یہی واقعہ کئی مرتبہ لگاتار پیش آیا تو کفر سے بیزار ہوکر اسلام کے حلقہ میں داخل ہوگئے۔

تعلیم وتربیت

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ابتدا ہی سے ہونہار تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو وہ آپ کے دامن سے وابستہ ہوگئے اور چند ہی دنوں میں فیض نبوت کے اثر سے اسلام کی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ بن گئے اور ان کا شمار صحابہ کے برگزیدہ افراد میں ہونے لگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے اس قدر محبت تھی کہ بسا اوقات ان کو اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھاتے تھے اور اسرار وحکم کی تلقین کرتے تھے، ایک مرتبہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یا معاذ بن جبل! انہوں نے کہا لبیک یارسول اللہ وسعدیک آپ نے پھر ان کا نام پکارا، انہوں نے پھر اسی ادب اور محبت بھرے الفاظ سے جواب دیا، اسی طرح تین مرتبہ آپ نے ان کا نام لیا، اور وہ اسی طرح برابر لبیک کہتے رہے، پھر ارشاد فرمایا کہ جو شخص صدق دل سے کلمہ توحید پڑھ لے اس پر دوزخ حرام ہوجاتی ہے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ کیا میں لوگوں کو یہ بشارت سنادوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایانہیں ورنہ لوگ عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔(بخاری:۱/۲۴،باب من ترک بعض الاختیار مخافۃ ان یقصر فہم بعض الناس)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر شفقت نبوی کا یہ حال تھا کہ وہ خود کوئی سوال نہ کرتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑے یا عصا سے ان کی پشت پر آہستہ سے ٹھوکر دی،اور فرمایا جانتے ہو بندوں پر خدا کا کیا حق ہے؟" عرض کیا" اللہ اور رسول کو زیادہ معلوم ہے، فرمایا" یہ کہ بندے اس کی عبادت کریں اور شرک سے اجتناب کریں" تھوڑی دور چل کر پھر پوچھا کہ" خدا پر بندوں کا کیا حق ہے؟" پھر عرض کی کہ" خدا اور رسول کو معلوم ہے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہ وہ ان کو جنت میں داخل کرے۔(مسند احمد:۵/۲۳۸)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ہمیشہ شفقت نبوی سے سرفراز رہتے تھے،ان کو اٹھتے بیٹھتے،حامل نبوت سے تعلیم ملتی تھی،ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دروازہ پر کھڑا دیکھا تو ایک چیز کی تعلیم دی،ایک اور مرتبہ لطف وکرم سے فرمایا کہ میں تمہیں جنت کا ایک دروازہ بتاؤں؟ گذارش کی ارشاد ہو،فرمایا لا حول ولا قوۃ الا باللہ (مسند احمد:۵/۲۲۸) پڑھ لیا کرو۔

تعلیم زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی تھی،مذہبی،اخلاقی،علمی عملی ہر قسم کی تعلیم سے وہ بہرہ ور ہوئے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں تھے،ایک روز صبح کے وقت جب لشکر اسلام منزل مقصود کی طرف روانہ ہو رہا تھا،حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھے،پوچھا ایسا عمل بتائیے جو مجھ کو جنت میں داخل کرے اور دوزخ سے بچائے،فرمایا تم نے بہت بڑی بات پوچھی؛لیکن جس کو خدا توفیق دے اس پر آسان بھی ہے،شرک نہ کرو عبادت کرو،نماز پڑھو،زکوٰۃ دو،رمضان میں روزے رکھو،حج کرو،پھر فرمایا خیر کے کچھ دروازے ہیں میں تم کو بتاتا ہوں،روزہ جو سپر کا حکم رکھتا ہے،صدقہ جو آتش معصیت کو پانی کی طرح بجھا دیتا ہے اور نماز جو رات کے حصوں میں پڑھی جاتی ہے،پھر یہ آیت تلاوت فرمائی،تَتَجَافٰی جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (یعلمون تک) پھر فرمایا کہ اسلام کے سر اور عمود اور چوٹی کی خبر دیتا ہوں سر اور پاؤں تو نماز ہے اور کوہان کی چوٹی جہاد۔

پھر ارشاد ہوا کہ ان تمام باتوں کی بیخ وبن صرف ایک چیز ہے،زبان اس کو روکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ کیا جو کچھ ہم بولتے ہیں اس پر مواخذہ ہوگا،آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثکلتک امک یا معاذ! بہت سے لوگ صرف اسی کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔(مسند احمد:۵/۲۳۱)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس باتوں کی وصیت کی تھی شرک نہ کرنا،خواہ تم کو کوئی اس کے عوض قتل کردے یا جلادے،فرض نماز قصداً کبھی نہ ترک کرنا،کیونکہ جو شخص قصداً نماز چھوڑتا ہے،خدا اس کی ذمہ داری سے بری ہوجاتا ہے،شراب نہ پینا کیونکہ یہ تمام فواحش کی بنیاد ہے،معصیت میں مبتلا نہ ہونا،کیونکہ مبتلائے معصیت پر خدا کا غصہ حلال ہوجاتا ہے،لڑائی سے نہ بھاگنا اگرچہ تمام لشکر خاک وخون میں لوٹ چکا ہو،موت عام ہو(بیماری آئے) تو ثابت قدم رہنا،اپنی اولاد کے ساتھ سلوک کرنا ان کو ہمیشہ ادب دینا اور خدا سے خوف دلانا۔(مسند:۵/۲۳۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ چیزوں کی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو تاکید کی تھی اور فرمایا تھا کہ جو ان کو عمل میں لائے،خدا اس کا ضامن ہوتا ہے،مریض کی عیادت،جنازہ کے ساتھ جانا،غزوہ کے لئے نکلنا،حاکم کی تعزیر یا توقیر کے لئے جانا،گھر میں بیٹھ رہنا

جس میں وہ تمام لوگوں سے محفوظ ہو جائے اور دنیا سے سلامت رہے۔ (مسند:۵/۲۴۱)

اخلاقی تعلیم ان الفاظ میں دی، معاذ! ہر برائی کے پیچھے نیکی کرلیا کرو نیکی اس کو مٹادے گی اور لوگوں کے سامنے اچھے اخلاق ظاہر کرو۔ (مسند:۵/۲۲۸)

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اتق دعوۃ المظلوم فان لیس بینھا و بین اللہ حجاب یعنی مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہو، کیونکہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔ (بخاری)

یمن کا حاکم مقرر کر کے بھیجا تو فرمایا، معاذ! خبردار عیش و تنعم سے علیحدہ رہنا، کیونکہ خدا کے بندے عیش پرست اور تنعم پسند نہیں ہوتے۔ (مسند:۵/۲۴۳)

اجتماعی زندگی کی تلقین اس طرح کی: انسان کا بھیڑیا شیطان ہے، جس طرح بھیڑیا اس بکری کو پکڑتا ہے جو گلہ سے دور ہوتی ہے، اسی طرح شیطان اس انسان پر قابو پالیتا ہے جو جماعت سے الگ ہوتا ہے، خبردار! خبردار! متفرق نہ ہونا؛ بلکہ جماعت کے ساتھ رہنا۔ (مسند:۵/۲۳۸)

اشاعتِ اسلام کے متعلق فرمایا، معاذ! اگر تم ایک مشرک کو بھی مسلمان کرلو، تو تمہارے لئے دنیا کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ (مسند:۵/۲۳۸)

غرض یہ پاکیزہ خیالات اور اعلیٰ تعلیمات جس بزرگ کے رگ و پے میں سرایت کرگئی تھیں وہ جماعت انصار کا وہ "نوجوان" تھا جس کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرد نہیں؛ بلکہ ایک امت کہا کرتے تھے۔

غزوات اور عام حالات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف لا کر مواخاۃ کی تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا مہاجری بھائی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو تجویز فرمایا۔

۲ھ میں غزوۂ بدر پیش آیا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اس میں شریک تھے اور اس وقت ان کا سن ۲۱ سال کا تھا، بدر کے علاوہ تمام غزوات میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے شرف شرکت حاصل کیا۔

ان فضائل کے ماسوا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قرآن حفظ کیا تھا۔

امامت مسجد

بنوسلمہ نے اپنے محلے میں ایک مسجد بنالی تھی جس کے امام حضرت معاذ رضی اللہ عنہ تھے ایک دن عشا کی نماز میں انہوں نے سورۂ بقرہ پڑھی، پیچھے صفوں میں ایک شخص تھا جو دن بھر کھیت میں کام کرنے کی وجہ سے بالکل تھکا ہوا تھا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی نماز ابھی ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ وہ نیت توڑ کر چل دیا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو کہا کہ وہ منافق ہے، اس کو یہ نہایت ناگوار گذرا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر شکایت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: افتان انت ؟ کیا لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرو گے؟

اس کے بعد فرمایا کہ چھوٹی سورتیں پڑھا کرو، کیونکہ تمہارے پیچھے صفوں میں بوڑھے ضعیف اور ارباب حاجت سبھی قسم کے لوگ ہوتے ہیں، تم کو ان سب کا خیال کرنا چاہیے۔ (بخاری:۱/۹۸)

امارت یمن اور اشاعت اسلام

۹ھ میں آنحضرت ﷺ غزوہ تبوک سے تشریف لائے تھے کہ رمضان میں ملوک حمیر (یمن) کا قاصد اہل یمن کے قبول اسلام کی خبر لے کر مدینہ پہنچا، اب آنحضرت ﷺ نے یمن کی امارت کے لئے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو تجویز فرمایا۔

اس سے پیشتر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی جائداد قرض میں بیع ہوچکی تھی، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بہت فیاض تھے اور خوب خرچ کرتے تھے اور لازماً اس کا بار جائداد پر پڑ رہا تھا، قرض خواہوں نے زیادہ تنگ کیا تو کچھ دنوں گھر میں چھپ رہے، وہ لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ معاذ رضی اللہ عنہ کو بلوائیے آپ نے آدمی بھیج کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بلوایا، قرض خواہوں نے شور مچایا کہ ہمارا ابھی فیصلہ ہونا چاہیے، لیکن جائداد سے قرض بہت زیادہ ہوچکا تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنا حصہ نہ لے گا، اس پر خدا رحم کرے گا، چنانچہ کچھ لوگوں نے اپنا حصہ چھوڑ دیا، لیکن کچھ لوگ بضد رہے، آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی کل جائداد ان لوگوں پر تقسیم کردی؛ لیکن قرض اب بھی ادا نہ ہوا، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس سے زیادہ نہیں مل سکتا، اسی کو لیجاؤ، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اب بالکل مفلس تھے، آنحضرت ﷺ کو ان کا بہت خیال تھا، فرمایا کہ گھبرانا نہیں، خدا اس کی جلد تلافی کردیگا۔

فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو امارت یمن کے لئے منتخب فرمایا اگرچہ ان کی قابلیت پر آپ کو ہر طرح کا اطمینان تھا، تاہم امتحان لے لینا مناسب تھا، پوچھا "فیصلہ کس طرح کروگے"؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قرآن مجید سے فیصلہ کرونگا، فرمایا اگر اس میں نہ ملے کہا کہ سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا، فرمایا اور اس میں بھی نہ ہو، کہا میں خود اجتہاد کرونگا، آنحضرت ﷺ نہایت مسرور ہوئے اور فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے رسول کو اس چیز کی توفیق دی جس کو اس کا رسول پسند کرتا ہے۔

امتحان ہوچکا تو اہل یمن کو ایک فرمان لکھوایا، جس میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے رتبہ کی طرف ان الفاظ میں اشارہ تھا:

انی بعثت لکم خیر اھلی

میں اپنے لوگوں میں سے بہترین کو تمہارے لئے بھیجتا ہوں۔

اس میں یہ بھی تحریر تھا کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور دوسرے آدمیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور صدقہ اور جذبہ کی رقمیں وصول کرکے ان کے پاس جمع کرنا اور معاذ بن رضی اللہ عنہ جبل کو سب پر امیر بناتا ہوں، ان کو راضی رکھنا، ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے ناخوش ہوجائیں۔

یہ تمام مراحل طے ہوگئے تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یمن کے سفر کی تیاری کی اور سوار ہوکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور لوگ بھی ساتھ تھے، روانگی کا وقت آیا تو کچھ دور تک خود سرکار دوعالم رضی اللہ عنہ نے مشایعت کی، حضرت

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اونٹ پر سوار تھے اور شہنشاہ مدینہ اونٹ کے ساتھ پا پیادہ چل رہے تھے اور باہم گفتگو کا سلسلہ جاری تھا، جس کے ایک ایک نقرہ سے شفقت ومحبت کا اظہار ہورہا تھا، فرمایا معاذ! تم پر قرض بہت ہے اگر کوئی ہدیہ لائے تو قبول کر لینا، میں تم کو اس کی اجازت دیتا ہوں، وداع کا وقت آیا تو حضرت سرور کائنات رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا شائد اب تم سے ملاقات نہ ہو، اب مدینہ واپس آؤ گے تو میرے بجائے میری قبر ملے گی، یہ سنا تھا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں ابل پڑیں اور زار وقطار رونے لگے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہ رؤو، رونا شیطانی حرکت ہے، رخصت ہونے لگے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، حفظك الله من بين يديك ومن خلفك وعن يمينك وعن شمالك ومن فوقك ومن تحتك وادرأعنك شرور الانس والجن، یعنی جاؤ، خدا تم کو ہر قسم کے آفات سے محفوظ رکھے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی طرف (مسند: ۵/ ۲۳۵) نہایت حسرت سے دیکھا اور کہا کہ میں متقیوں کو اچھا سمجھتا ہوں خواہ کوئی ہوں (یہ غالباً خلفاء کی طرف اشارہ تھا)

رسول اللہ ﷺ سے رخصت ہو کر یمن روانہ ہو گئے، جب یمن پہنچے تو سپیدۂ صبح نمودار (مسند: ۵/ ۲۳۱) تھا رسول اللہ ﷺ کا رسول کسی دنیاوی فرمانروا کا نائب نہ تھا، ظاہری شان وشوکت سے اس کا جلوس بالکل خالی تھا، خدم وحشم، نقیب وچاؤش خیل وسپاہ میں سے ایک چیز بھی اس کے ساتھ نہ تھی، تاہم اسلام وایمان کا نور چہرہ مبارک پر چمک رہا تھا اور زبان ولب نعرہ تکبیر بلند کر رہے تھے، جس کو ہوا کی موجیں اڑا اڑا کر اہل یمن کے کانوں تک پہنچا رہی تھیں، غرض اس شان وشوکت سے رسول اللہ ﷺ کا رسول پہنچا تو قصر کفر کی بنیادیں ہل گئیں اور کفرستان یمن نعرہ توحید سے گونج اٹھا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ملک یمن کے صرف امیر ہی نہ تھے؛ بلکہ محکمۂ مذہبی کے بھی انچارج تھے، ایک طرف اگر وہ صوبۂ یمن کے والی وگورنر تھے تو دوسری طرف دین اسلام کے مبلغ ومعلم بھی اس لئے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ عدالت وقضاء کے فرائض کے علاوہ مذہبی خدمات بھی انجام دیتے تھے؛ مثلاً لوگوں کو قرآن مجید پڑھانا اور اسلام کے احکام کی تعلیم وتلقین کرنا۔

قبیلہ خولان کی ایک عورت ان کے پاس آئی، اس کے ۱۲ بیٹے تھے، جن میں سب سے چھوٹا بھی بے داڑھی مونچھ کے نہ تھا شوہر کو گھر میں تنہا چھوڑ کر ان سب کو اپنے ساتھ لائی تھی ضعف کا یہ حال تھا کہ دو بیٹے اس کے بازو پکڑے ہوئے تھے آکر پوچھا آپ کو یہاں کس نے بھیجا ہے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے، اس نے کہا تو آپ رسول اللہ ﷺ کے فرستادہ ہیں؟ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں، کیا آپ بتائیں گے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں جو جی چاہے پوچھو، اس نے کہا یہ بتائیے کہ شوہر کا بیوی پر کیا حق ہے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا حتی الامکان خدا سے ڈرے اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرے اس نے کہا آپ کو خدا کی قسم ٹھیک ٹھیک بتائیے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کیا اتنے پر تم راضی نہیں وہ بولی کہ لڑکوں کا باپ بہت بوڑھا ہے میں اس کا حق کس طرح ادا کروں؟ حضرت معاذ نے کہا جب یہ بات ہے تو تم ان کے حق سے کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتیں، اگر جذام نے ان کا گوشت پھاڑ دیا ہو اور اس میں سے خون اور پیپ بہہ رہا ہو اور تم اپنا منہ اس میں لگا دو تب بھی حق نہ ادا ہوگا۔ (مسند: ۵/ ۲۳۹)

یمن کا ملک آنحضرت ﷺ نے پانچ حصوں پر تقسیم کردیا تھا،صنعاء،کندہ،حضرموت،جند،زبید،(رمعہ،عدن اور ساحل تک اس میں شامل تھے) یمن کا صدر مقام جند تھا اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یہیں رہتے تھے،باقی چار حصوں میں حسب ذیل حضرات حاکم تھے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن سعید صنعاء

حضرت مہاجر رضی اللہ عنہ بن ابی امیہ کندہ

حضرت زیاد رضی اللہ عنہ بن لبید حضرموت

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری زبید اور ساحل

یہ چاروں بزرگ اپنے اپنے علاقوں سے صدقہ اور جزیہ وغیرہ کی رقمیں وصول کرکے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیتے تھے،خزانہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اپنے ماتحت عمال کے علاقوں میں دورہ کرتے تھے،اُن کے فیصلوں کی دیکھ بھال کرتے تھے اور ضرورت کے وقت خود مقدمہ کی سماعت کرتے تھے؛چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے علاقہ میں جاکر ایک مقدمہ کا فیصلہ کیا تھا،دورہ میں خیموں میں قیام فرماتے تھے؛چنانچہ یہاں بھی آپ کے لئے خیمہ ہی نصب کیا گیا اور آپ اس میں فروکش ہوئے اور اس کے قریب ہی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بھی ایک خیمہ میں مقیم ہوئے۔(بخاری:۲/۶۳۳)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ صدقات کی تحصیل اس فرمان کے مطابق کرتے تھے جو رسول اللہ ﷺ کو لکھوا کر عطا فرمایا تھا،یہ فرمان تاریخ کی کتابوں میں بتمامہا (طبری:۴/۱۷۱۸) مذکور ہے،اس میں غنیمت،خمس،صدقات،جزیہ اور بہت سے مذہبی احکام کی تفصیل ہے،حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ اس پر عمل کیا۔

ایک مرتبہ گایوں کا ایک گلہ ایک شخص لے کر آیا،گائیں تعداد میں ۳۰ سے کم تھیں،رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا تھا کہ ایک بچہ لینا،اس لئے حضرت معاذ نے کہا کہ میں تاوقتیکہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھ نہ لوں اس پر کچھ نہ لوں گا،کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق مجھ سے کچھ نہیں فرمایا،اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ عہد نبوت کے عمال دنیاوی حکومتوں کے امراء وعمال کی طرح جبار اور ظالم نہیں ہوتے تھے،راعی اور رعایا کے جو تعلقات اسلام نے بیان کئے ہیں ان کی ہمیشہ نگہداشت کرتے تھے اور راعی پر شریعت کی طرف سے جو ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں وہ ان پر نہایت شدت سے عمل درآمد کرتے تھے۔

فیصلوں میں بھی اس کی رعایت رکھی جاتی تھی کہ رعایا کی حق تلفی نہ ہو عمال کی عدالتوں میں حق وصداقت کو غلبہ ہوتا تھا،ایک یہودی مرگیا،ورثہ میں صرف ایک بھائی تھا جو مسلمان ہوچکا تھا،حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی عدالت میں مرافعہ (اپیل) ہوا،تو انہوں نے بھائی کو ترکہ دلوایا۔(مسند:۵/۲۳۰)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حکومت یمن میں ۲ برس رہی ۹ھ میں وہ عامل بنا کر یمن بھیجے گئے تھے اور ۱۱ھ میں خود ہی اپنی مرضی سے واپس آگئے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یمن میں بیت المال کے روپیہ سے تجارت کی تھی اس سے جو منافع تھا اس سے اپنا قرض پورا کیا، (استیعاب ابن عبدالبر) اس کے ماسوا ہدیہ کی رقم بھی رسول اللہ ﷺ کے حکم سے قبول کی تھی؛ چنانچہ جب یمن سے روانہ ہوئے تو ۳۰ راس ان کے ساتھ تھیں، یہ سب گو ایک طرح سے خود امیر وقت کے اشارہ کے مطابق ہوا تھا، لیکن چونکہ کوئی تصریحی حکم نہ تھا، اس لئے بیت المال کے سرمایہ سے اتنا فائدہ اٹھانا بھی کھٹکتا تھا۔

یمن سے واپسی

گورنری کی میعاد ختم کر کے مدینہ منورہ واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو چکا تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت تھا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ مال و متاع کے ساتھ آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ ان کے گذر اوقات کے بقدر علیحدہ کر کے بقیہ سارا سامان ان سے وصول کر لیا جائے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے حاکم بنا کر بھیجا تھا، اگر ان کی مرضی ہوگی اور میرے پاس لائیں گے تو لے لوں گا، ورنہ ایک حبہ نہ لونگا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ صاف جواب ملا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا خیال ظاہر کیا، انہوں نے کہا کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے صرف اس لئے بھیجا تھا کہ وہاں رہ کر اپنے نقصان کو پورا کرلوں، میں کچھ بھی نہ دونگا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو کر واپس چلے آئے، تاہم وہ اپنے خیال پر قائم تھے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے گو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے انکار کر دیا؛ لیکن آخر تائید غیبی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت کی، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ پانی میں غرق ہو رہے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آکر نکالا اور اس مصیبت سے نجات دی سو کے اٹھے تو سیدھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور خواب بیان کر کے کہا کہ جو آپ نے کہا تھا مجھے منظور ہے وہاں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور خواب کا پورا واقعہ سنا کر قسم کھائی کہ جو کچھ ہے سب لاکر دونگا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تم سے کچھ نہ لونگا، میں نے تم کو ہبہ کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا اب اپنے پاس رکھو، اب تمہیں اجازت مل گئی۔

شام کی روانگی

یہ مراحل طے ہو گئے تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے شام کا قصد کیا اور اپنے اہل وعیال کو لے کر وہیں سکونت پذیر ہو گئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انتقال کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے فتوحات اسلامی کا سیلاب بلاد شام سے گذر رہا تھا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بھی فوج میں شامل تھے اور میدانوں میں داد شجاعت دیتے تھے۔

سفارت

رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کی خوبی دیکھئے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بیک وقت مختلف کاموں اور گوناگوں فرائض کے انجام دینے

کی قابلیت پیدا ہوگئی تھی، یہیں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ مفتی شرع بھی تھے، مجلس ملکی کے ممبر بھی، جامع حمص میں قرآن وحدیث کے معلم بھی تھے اور صوبہ یمن کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سلطنت کا سب سے بڑا صوبہ تھا حاکم وقت بھی، اسلام کے سفیر بھی تھے اور میدانِ جنگ میں غازی وشجاع ومجاہد بھی۔

سفارت کا منصب تفویض ہوا تو نہایت خوش اسلوبی سے متعلقہ فرائض انجام دیئے، شام کے ایک شہر فحل میں ۱۴ھ میں معرکہ کی تیاریاں ہوئیں تو رومی صلح پر آمادہ ہوئے اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سپہ سالار لشکر اسلام کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ کسی شخص کو سفیر بنا کر ہمارے پاس بھیجے، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو تجویز کیا، حضرت معاذ رومی لشکر میں پہنچے تو وہاں نہایت ساز وسامان سے دربار آراستہ کیا گیا تھا، ایک خیمہ نصب تھا جس میں دیبائے زریں کا فرش بچھا ہوا تھا، معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ تکلفات دیکھے تو باہر کھڑے ہوگئے، ایک عیسائی نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ گھوڑا میں تھام لیتا ہوں، آپ اندر تشریف لے جائیں، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جن کی بزرگی اور تقدس کا عیسائیوں تک میں چرچا تھا، فرمایا کہ میں اس فرش پر جو غریبوں کا حق چھین کر تیار کیا گیا ہے بیٹھنا پسند نہیں کرتا، یہ کہہ کر زمین پر بیٹھ گئے، عیسائیوں نے افسوس کیا ہم آپ کی عزت کرنا چاہتے تھے؛ لیکن آپ کو خود اس کا خیال نہیں، یہ سننا تھا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو غصہ آگیا گھٹنوں کے بل کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ جس کو تم عزت سمجھتے ہو اس کی مجھے حاجت نہیں، اگر زمین پر بیٹھنا غلاموں کا شیوہ ہے تو مجھ سے بڑھ کر خدا کا کون غلام ہوسکتا ہے، رومی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی اس آزادی اور بے پروائی پر سخت متحیر تھے؛ یہاں تک کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ مسلمانوں میں تم سے بھی بڑھ کر کوئی ہے انہوں نے کہا! "معاذ اللہ یہی بہت ہے کہ میں سب سے بدتر ہوں" رومی خاموش ہوگئے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کچھ دیر انتظار کرکے ترجمان سے فرمایا کہ رومیوں سے کہو کہ اگر وہ کوئی معاملہ کی گفتگو کرنا چاہتے ہیں تو ٹھہروں ورنہ جاتا ہوں، رومیوں نے کہا ہمارا آپ سے یہ سوال ہے کہ ہمارے ملک پر کیوں حملہ کیا گیا؟ حبشہ کا ملک عرب سے قریب ہے، فارس کا بادشاہ فوت ہو چکا ہے اور سلطنت کی باگ ایک عورت کے ہاتھ میں ہے، ان ملکوں کو چھوڑ کر تم نے ہماری ہی طرف کیوں رخ کیا، حالانکہ ہمارا بادشاہ، تاجدارانِ روئے زمین کا شاہنشاہ ہے اور تعداد میں ہم آسمان کے ستاروں اور زمین کے ذروں کے برابر ہیں، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا ہمیں تم سے جو کچھ کہنا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ مسلمان ہوجاؤ، ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھو، شراب چھوڑ دو، سور کا گوشت چھوڑ دو، اگر تم ایسا کروگے تو ہم تمہارے بھائی ہیں اور اگر اسلام منظور نہیں تو جزیہ دو اور اس سے بھی اگر انکار ہے تو اعلان جنگ کرتا ہوں، اگر تم آسمان کے ستاروں اور روئے زمین کے ذروں کے برابر ہو تو ہم کو قلت وکثرت کی قطعی پرواہ نہیں۔

اور ہاں تم کو اس پر ناز ہے کہ تمہارا شہنشاہ تمہاری جان اور مال کا مالک ہے لیکن ہم نے جس کو بادشاہ بنایا ہے، وہ اپنے آپ کو ہم پر ترجیح نہیں دے سکتا، اگر وہ زنا کا مرتکب ہو تو اسے درے لگائے جائیں اور چوری کرے تو اس کے ہاتھ کاٹے جائیں وہ پردے میں نہیں بیٹھتا اپنے کو ہم سے بڑا نہیں سمجھتا، مال ودولت میں بھی اس کو ہم پر کوئی ترجیح نہیں، رومیوں نے ان باتوں کو بڑے غور سے سنا اور اسلام کی تعلیم پر پیراوان دین حنیف کے طور وطریق پر نہایت حیرت زدہ ہوئے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا

ہم آپ کو بلقاء کا ضلع اور ردون کا وہ حصہ جو آپ کے علاقہ سے متصل ہے دیتے ہیں، آپ آپ لوگ اس ملک کو چھوڑ کر فارس جائیے، چونکہ یہ کوئی خرید وفروخت کا معاملہ نہ تھا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب نفی میں دیا اور اٹھ کر وہاں سے چلے آئے۔

فوجی خدمات

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اگرچہ اپنے عہد کے تمام غزوات میں بڑے بڑے عہدوں پر مامور ہوئے، تاہم دو موقعوں پر ان کو نہایت ممتاز فوجی عہدے تفویض ہوئے ایک مرتبہ سفارت سے واپس آئے تو لڑائی کی تیاریاں شروع ہوئیں، اس موقع پر ان کو جو امتیاز حاصل ہوا، وہ یہ تھا کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کو میمنہ کا افسر بنایا۔

جنگ یرموک میں بھی جو ۱۵ھ میں ہوئی تھی اور نہایت معرکہ کی تھی، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو میمنہ کے ایک حصہ کا افسر بنایا گیا، عیسائیوں کا حملہ اس زور وشور کا تھا کہ مسلمانوں کا میمنہ ٹوٹ کر فوج سے علیحدہ ہو گیا تھا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ حالت دیکھی تو نہایت استقلال اور ثابت قدمی کا ثبوت دیا گھوڑے سے کود پڑے اور کہا میں پیدل لڑونگا، اگر کوئی بہادر اس گھوڑے کا حق ادا کر سکے تو گھوڑا حاضر ہے، ان کے بیٹے بھی میدان میں موجود تھے بولے یہ حق میں ادا کرونگا، کیونکہ میں سوار ہو کر اچھا لڑ سکتا ہوں، غرض دونوں باپ بیٹے رومی فوج کو چیر کر اندر گھس گئے اور اس دلیری سے لڑے کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں پھر سنبھل گئے۔

مجلس شوریٰ کی رکنیت

مجلس شوریٰ کی باضابطہ شکل اگرچہ عہد فاروقی میں عالم وجود میں آئی؛ لیکن اس کا خاکہ عہد صدیقی میں تیار ہو چکا تھا، چنانچہ ابن سعد کی روایت کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جن لوگوں سے سلطنت کے مہمات امور میں مشورہ لیتے تھے ان میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا نام نامی بھی داخل تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں مجلس شوریٰ کا باقاعدہ انعقاد کیا، تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اس زمانہ میں بھی اس کے رکن تھے۔

(کنز العمال: ۳/۱۳۴، بحوالہ ابن سعد، جلد ۳)

افواجِ شام کی سپہ سالاری

عہد فاروقی میں ملک شام کی تمام فوج حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت تھی ۱۸ھ میں نہایت زور شور سے شام میں طاعون نمودار ہوا، جو طاعون عمواس کے نام سے مشہور ہے، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اسی میں وفات پائی، انتقال کے قریب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بنایا اور چونکہ نماز کا وقت آچکا تھا، حکم دیا کہ وہی نماز پڑھائیں ادھر نماز ختم ہوئی، اُدھر انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کچھ دنوں سپہ سالاری کے منصب پر فائز رہے۔

وفات

وبا اسی طرح زوروں پر تھی اور لوگ سخت پریشان تھے، حضرت عمرو بن عاص نے کہا کہ یہاں سے ہٹ چلو، یہ بیماری نہیں بلکہ آگ ہے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے سنا تو نہایت برہم ہوئے کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا جس میں عمرو رضی اللہ عنہ کو

سخت وسست کہا، اس کے بعد فرمایا کہ یہ وباء بلاء نہیں خدا کی رحمت ہے، نبی کی دعوت ہے اور صالحین کے اٹھنے کی ساعت ہے، میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا تھا کہ مسلمان شام میں ہجرت اختیار کریں گے، شام اسلام کے علم کے نیچے آجائے گا، پھر ایک بیماری پیدا ہوگی، جو پھوڑے کی طرح جسم کو زخمی کرے گی جو اس میں مرے گا شہید ہوگا اور اس کے اعمال پاک ہوجائیں گے، الٰہی اگر میں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے تو یہ رحمت میرے گھر میں بھیج اور مجھ کو اس میں کافی حصہ دے۔

تقریر ختم کر کے اپنے بیٹے کے پاس آئے جن کا نام عبدالرحمن رضی اللہ عنہ تھا، دعا قبول ہوچکی تھی، دیکھا تو بیٹا اسی بیماری میں مبتلا تھا، باپ کو دیکھ کر کہا "اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ" یہ موت جو حق ہے، خدا کی طرف سے ہے، شک کرنے والوں میں نہ ہوجیے، حضرت معاذ نے جواب دیا "سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ" تو انشاء اللہ مجھے صابروں میں پائے گا، حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے انتقال کیا، بیٹے کے فوت ہونے سے پہلے دو بیویاں اسی بیماری میں مرچکی تھیں، اب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ تنہارہ گئے تھے، ساعت مقررہ آئی تو خدا کا بندہ خاص بھی دائرۂ رحمت میں شامل ہوا، داہیں ہاتھ کی کلمہ والی انگلی میں پھوڑا نکلا (مسند: ۵/ ۴۱) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نہایت خوش تھے، فرماتے تھے کہ تمام دنیا کی دولت اس کے سامنے ہیچ ہے تکلیف اس قدر تھی کہ بے ہوش ہوہوجاتے تھے باایں ہمہ جب ہوش آتا تو کہتے "خدایا مجھ کو اپنے غم میں غمگین کر؛ کیونکہ میں تجھ سے نہایت محبت رکھتا ہوں اور اس کو تو خوب جانتا ہے" پھر بے ہوش ہوجاتے جب افاقہ ہوتا تو پھر یہی فرماتے وفات کی رات بھی عجیب رات تھی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نہایت بے چین تھے بار بار پوچھتے تھے "دیکھو صبح ہوئی" لوگ کہتے کہ ابھی نہیں جب صبح ہوئی اور خبر کی گئی تو فرمایا، اس رات سے خدا کی پناہ جس کی صبح جہنم میں داخل کرتی ہو، مرحبا اے موت! مرحبا! تو اس دوست کے پاس آئی جو فاقہ کی حالت میں ہے، الٰہی میں تجھ سے جس قدر خوف کرتا تھا، تجھ کو خوب معلوم ہے، آج میں تجھ سے بڑی امیدیں رکھتا ہوں میں نے کبھی دنیا اور درازی عمر کو اس لئے پسند نہیں کیا کہ درخت بونے اور نہر کھودنے میں وقت صرف کرتا؛ بلکہ اس لئے چاہتا تھا کہ فضائح وفواحش سے دور رہوں، کرم وجود کو فروغ دوں اور ذکر کے حلقوں میں علماء کے پاس بیٹھوں وفات کا وقت قریب پہنچا تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ گریہ وبکا میں مشغول تھے لوگوں نے تسلی دی کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں اس کے ماسوا فضائل ومناقب سے ممتاز ہیں، آپ کو رونے کی کیا ضرورت؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے نہ موت کی گھبراہٹ ہے اور نہ دنیا چھوڑنے کا غم، مجھے عذاب وثواب کا خیال ہے، اسی حالت میں روح مطہر جسم سے پرواز کرگئی اور خالق کون ومکاں کا پیارا اپنے محبوب آقا کے جوار رحمت میں پہنچ گیا۔

وفات کے وقت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی عمر شریف ۳۶ سال کی تھی اور ۱۸ھ تھا، وفات بھی نہایت مبارک خط میں واقع ہوئی، بیت المقدس اور دمشق کے درمیان غور نامی ایک صوبہ تھا جس میں بیسان ایک مشہور شہر تھا، جو نہر اردن کے قریب واقع تھا، اسی میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی، شہر کے مشرقی طرف وہ مقدس مقام واقع تھا جہاں سے حضرت عیسیٰ آسمان پر اٹھالئے گئے تھے، مدفن کے لئے وہی مقام تجویز ہوا اور نعش مبارک وہیں سپرد خاک کی گئی۔

حلیہ

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا حلیہ یہ تھا رنگ سپید، چہرہ رشن، قد دراز، آنکھیں سرگیں اور بڑی بڑی ابرو پیوستہ، بال سخت گھونگھر والے، آگے دانت صاف اور چمکدار، بات کرنے میں دانت کی چمک ظاہر ہو جاتی تھی جس کو ان کا ایک عقیدت کیش "نور" اور "موتی" سے تعبیر کرتا ہے آواز بہت پیاری اور گفتگو نہایت شیریں تھی حسن ظاہر کے لحاظ سے وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں ممتاز تھے۔

اولاد

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا سن ہی کیا تھا وفات کے وقت وہ شباب کی دوسری منزل پر تھے تاہم صاحب اولاد تھے اگرچہ بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ لم یولد لہ قط یعنی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سرے سے اولاد ہی نہیں ہوئی، لیکن مستند ذرائع سے ان کے ایک بیٹے کا پتہ چلتا ہے، جن کا نام عبدالرحمن تھا، صاحب استیعاب کا بیان ہے کہ یہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ یرموک میں شریک تھے اور ۱۸ھ میں طاعون عمواس میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے پیشتر وفات پائی۔

ازواج کی تفصیل اگرچہ نامعلوم ہے، لیکن اتنا پتہ چلتا ہے کہ طاعون عمواس میں ان کی دو بیویوں نے وفات پائی۔

علم و فضل

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جن علوم میں کمال تھا وہ قرآن، حدیث، اور فقہ ہیں، قرآن دانی کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ خود حامل قرآن نے ان کی مدح فرمائی ہے؛ چنانچہ ایک حدیث جو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص کے ذریعہ سے مروی ہے ہمارے اس قول کی تصدیق کرتی ہے اس حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں چار بزرگوں سے قرآن پڑھنے کی تاکید فرمائی تھی، اس میں سے ایک حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بھی تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں وہ قرآن کے حافظ ہو چکے تھے۔

حدیث

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اگرچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو روایت حدیث کی بہت کم ضرورت پڑتی تھی کہ خود حامل نبوت سامنے تھا، تاہم اس زمانہ میں بھی متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں؛ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا واقعہ اسد الغابہ میں مذکور ہے، لیکن چونکہ وہ احادیث کی روایت میں، بہت محتاط تھے اور نیز اس لئے بھی کہ آنحضرت ﷺ کے اخیر زمانہ سے لے کر اپنی وفات تک بڑے بڑے کاموں کے انجام دینے کے لئے برابر مدینہ سے باہر رہے اس لئے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے "حدیث او چنداں باقی نماند" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو تعلیم و روایت حدیث کے لئے شام بھیجا تھا اور وہیں ان کا ۱۸ھ میں عین عالم شباب میں انتقال ہو گیا۔

تاہم روایت حدیث کا سلسلہ زندگی کی اخیر سانس تک جاری تھا، عمواس کے طاعون میں جب انگلی کی سوزش ان کو بستر مرگ پر

تڑپا رہی تھی زبان مبارک اس فرض کی ادائیگی میں مصروف تھی۔ (مسند:۵/۲۳۳)

چنانچہ وفات کے وقت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور کچھ اور لوگ پاس بیٹھے تھے وفات کا وقت قریب آیا تو فرمایا پردہ اٹھاؤ میں حدیث بیان کرونگا جس کو اب تک میں نے اس لئے مخفی رکھا تھا کہ لوگ تکیہ کر بیٹھیں گے، اس کے بعد ایک حدیث بیان کی۔ (مسند:۵/۳۲۶)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایتیں اگرچہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے کم ہیں تاہم ان کا شمار راویانِ حدیث کے تیسرے طبقہ میں ہے ان کی احادیث کی مجموعی تعداد (۱۵۷) ہے جس میں دو حدیثوں پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے۔

تلامذہ حدیث کی تعداد کثیر تھی اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک بڑا طبقہ ان سے حدیث کی روایت کرتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ابوقتادہ رضی اللہ عنہ انصاری، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ابوامامہ رضی اللہ عنہ باہلی، ابولیلیٰ انصاری رضی اللہ عنہ، ابو لطفیل رضی اللہ عنہ۔

تلامذہ خاص میں حسب ذیل حضرات شامل ہیں، ابن عدی، ابن ابی اوفی اشعری، عبدالرحمن بن سمرة بعثی، جابر بن انس رضی اللہ عنہ، ابو ثعلبہ خشنی، جابر بن سمرة السوائی، مالک بن میجا مر، عبدالرحمن بن غنم، ابومسلم خولانی، ابو عبداللہ صنابحی، ابو وائل، مسروق، جنادہ بن ابی امیہ، ابوادریس خولانی، جبیر بن نفیر، اسلم مولی حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اسود بن ہلال، اسود بن یزید وغیرہم

فقہ

خود عہد نبوی میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا شمار اکابر فقہاء میں تھا، اس سے بڑھ کر شرف اور کیا ہوسکتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے فقیہ ہونے کی شہادت دی اور فرمایا

اعلمهم بالحلال والحرام معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ

ہمارے صحابہ میں حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر ان کے متعلق کہا لولا معاذ لھلک عمر یعنی اگر معاذ رضی اللہ عنہ نہ ہوں تو عمر ہلاک ہوجائے، اس سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے رتبہ اجتہاد و درجۂ استنباط پر کافی روشنی پڑتی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے علاوہ اور بھی متعدد مرتبہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے فقیہ ہونے کا اعلان کیا چنانچہ جب جابیہ میں خطبہ دیا تو فرمایا:

من اراد أن يسأل عنه الفقه فليأت معاذا

یعنی جسے فقہ سیکھنا ہو وہ معاذ کے پاس جائے

طلب علم اور شوق تحصیل

ان اوراق کو پڑھ کر تم کو تعجب ہوگا کہ ان کو یہ فضل وکمال کا منصب کیونکر ہاتھ آیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو ان کا فطری

شوق اور طبعی ذکاوت وذہانت جس کا ہر موقع پر اظہار ہوتا تھا دوسرے خود معلم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے جوہر قابل اور مستند طالب علم کی طرف جوش التفات وعنایت خاص، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے تھے، اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر مجلس تعلیم وتربیت کی ایک درسگاہ ہوتی تھی، اس لئے ان کو اکثر اوقات اس سے استفادہ کا موقع حاصل ہوتا تھا۔

حضرت معاذ بسا اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تنہا ہوتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے اوقات خاص میں ان کو مختلف مسائل تعلیم کیا کرتے تھے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ حضرت معاذ کو کوئی مسئلہ پوچھنے کی ضرورت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوجاتے اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ رکھتے تو وہ آپ کی تلاش میں دور تک نکل جاتے؛ چنانچہ ایک مرتبہ کاشانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ آپ کہیں تشریف لے گئے ہیں تلاش کے لئے نکلے تو راستہ میں لوگوں سے پوچھتے جاتے تھے کہ حضور کدھر تشریف لے گئے ہیں، آخر ایک جگہ آپ کو پالیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے نماز پڑھ رہے تھے وہ بھی پیچھے کھڑے ہوگئے اور نماز کی نیت باندھ لی، اس دن آپ نے دیر تک نماز ادا فرمائی، فارغ ہوئے تو معاذ نے پوچھا کہ "حضور نے بڑی لمبی نماز پڑھی"؟ فرمایا" یہ ترغیب وترہیب کی نماز تھی میں نے خدا سے تین باتوں کی درخواست کی تھی جس میں دو کے متعلق رضامندی ظاہر ہوئی اور ایک کی نسبت میں روک دیا گیا، میں نے یہ چاہا تھا کہ میری امت غرق ہونے سے محفوظ رہے تو یہ درخواست منظور کرلی گئی، ایک یہ خواہش کی تھی کہ غیر مسلم دشمن اسلام پر غالب نہ آسکے تو وہ بھی پوری کی گئی، ایک تمنا یہ تھی کہ مسلمانوں میں اختلاف وتفریق نہ پڑنے پائے تو اس کو مسترد کردیا گیا۔ (مسند:۵/۲۴۰)

غزوۂ تبوک سے مراجعت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا اور خالی پاکر حضرت معاذ نے پوچھا کہ مجھ کو وہ عمل بتایئے جو میرے دخول جنت کا سبب بنے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سوال سے نہایت مسرور ہوئے اور فرمایا: بخ لقد سألت عن عظیم یعنی تم نے بہت بڑی بات پوچھی (مسند:۵/۲۳۷)

اس کے ساتھ ہی یہ بھی خوف لگا رہتا تھا کہ کہیں اور لوگ خلل انداز نہ ہوں؛ کیونکہ شمع نبوت کے گرد ہر وقت پروانوں کا ہجوم رہتا تھا؛ چنانچہ اسی روایت میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی فرما ہی رہے تھے کہ کچھ لوگ آتے دکھائی دیئے مجھ کو ڈر لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ میری طرف سے منعطف نہ ہوجائے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ فلاں بات جو آپ نے فرمائی تھی اس کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیان فرمایا۔ (مسند:۵/۲۳۷)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ایسے موقع کی ہر وقت تلاش رہتی تھی، موقع ملنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فوراً سوال کرتے تھے، لیکن پاس نبوت ضروری تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج پہچان کر سوال کی جرأت کرتے تھے، غزوۂ تبوک سے قبل لوگ طلوع آفتاب کے وقت سواریوں پر سو رہے تھے اور اونٹ ادھر ادھر راستہ میں چر رہے تھے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مصروف خواب تھے اور ناقۂ مبارک چرنے اور کھانے میں مشغول، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اونٹ نے ٹھوکر کھائی، انہوں نے اس کی مہار کھینچی تو اور متوحش ہوا، اس کے بدکنے سے رسول

اللہ ﷺ کا اونٹ بھی بدکا، آنحضرت ﷺ خواب سے بیدار ہوئے مڑکر پیچھے دیکھا تو معاذ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی قریب نہ تھا، آپ نے پکارا معاذ رضی اللہ عنہ! انہوں نے کہا حضور آپ ﷺ نے فرمایا میرے قریب آجاؤ، حضرت معاذ اس قدر قریب آگئے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت معاذ کے اونٹ بالکل برابر ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا دیکھو لوگ کس قدر دور ہیں، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا سب لوگ سور ہے ہیں اور جانور چر رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا میں بھی سورہا تھا، آپ ﷺ کا رخ اور التفات دیکھا تو کہا یا رسول اللہ! آپ اجازت دیں تو ایسے امر کی نسبت سوال کروں جس نے مجھ کو غمگین مریض اور سقیم بنا دیا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو چاہو پوچھ سکتے ہو۔ (مسند: ۵/۲۴۵)

ایک اور سفر میں جیسا کہ آپ کہیں اوپر پڑھ چکے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو تین دفعہ پکارا اور ہر دفعہ انہوں نے ادب سے جواب دیا، چنانچہ تیسری دفعہ ان کو پکارا تو فرمایا کہ: کلمہ لا الہ الا اللہ کا قائل جنت میں داخل ہوگا، اگرچہ وہ گنہگار ہو، حضرت معاذ نے اس کا اعلان کرنا چاہا تو فرمایا ایسا نہ کرو لوگ عمل چھوڑ بیٹھیں گے۔

طبیعت تلاش اور کرید کی عادی تھی، ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے ایک خاص مسئلہ دریافت کیا تھا، آپ نے اس کا جواب مرحمت فرمایا، ایک ظاہر بیں کے لئے وہ جواب بالکل کافی تھا، لیکن حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، پوچھا یا رسول اللہ ﷺ یہ حکم اس شخص کے لئے خاص ہے، یا تمام مسلمانوں کے لئے ہے آپ نے فرمایا نہیں عام ہے۔ (مسند: ۲۴۴)

منصب تعلیم

تحصیل علم میں جدوجہد اور مسائل میں غور و خوض کا مرحلۂ دشوار گذار طے ہوا تو منزل مقصود سامنے تھی، یعنی یہ کہ فیض تربیت سے وہ فقیہ امام مجتہد اور معلم سب بن گئے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک ہی میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ مسند ارشاد پر متمکن ہو چکے تھے ۸ھ میں کہ فتح مکہ ہوا تو آنحضرت ﷺ ان کو مکہ میں چھوڑ گئے کہ یہیں رہ کر لوگوں کو فقہ و سنت کی تعلیم دیں۔

(طبقات ابن سعد، صفحہ ۹۹، قسم اول، مغازی)

۹ھ میں والی یمن بنا کر بھیجا، تو فصل قضایا کے علاوہ اہل یمن کی تعلیم بھی انہی کے ذمہ کی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی منصب افتا پر سرفراز تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اہل شام کو تعلیم کی ضرورت تھی، یزید بن ابی سفیان والی شام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ کچھ لوگوں کو اس غرض کے لئے یہاں بھیجیے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ وغیرہ کو بلایا اور شام جانے کی ہدایت کی حضرت معاذ نے فلسطین میں سکونت اختیار کی اور تعلیم میں مشغول ہوئے، تمام ملک شام میں صرف دو صحابی تھے جن کی ذات علوم و فنون کا مرکز بنی ہوئی تھی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ان میں سے ایک تھے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی سکونت اگرچہ علاقہ فسلطین میں محدود تھی؛ لیکن اشاعت علوم کا دائرہ غیر محدود تھا، فلسطین سے متجاوز ہو کر دمشق اور حمص تک میں ان کے حلقۂ درس قائم تھے اور خود حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ان مقامات میں جا کر درس دیا تھا طریقہ یہ تھا کہ مجلس میں چند صحابہ رضی اللہ عنہم کسی مسئلہ پر مباحثہ کرتے، حضرت معاذ خاموش بیٹھے رہتے، جب معاملہ طے نہ ہوتا تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اس کا فیصلہ کرتے تھے۔

ابوادریس خولانی ایک مرتبہ جامع دمشق میں گئے تو دیکھا کہ ایک خوبصورت نوجوان بیٹھا ہے اور اس کے گرد لوگ جمع ہیں جب کسی چیز میں اختلاف ہوتا ہے تو اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ ان کو تسلی بخش جواب دیتا ہے پوچھا کون ہے؟ لوگوں نے کہا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل ہیں۔ (مسند:۵/ ۲۳۳)

ابومسلم خولانی جامع حمص میں آئے تو دیکھا کہ ایک حلقہ قائم ہے جس میں ۳۲ صحابہ رضی اللہ عنہم بیٹھے ہیں اور سب سن کہولت کو پہنچ چکے ہیں، ان میں ایک نوجوان بھی ہے جب کسی مسئلہ میں اختلاف رائے ہوتا ہے تو نوجوان سے فیصلہ کراتے ہیں معلوم ہوا کہ یہ نوجوان معاذ بن جبل ہیں۔ (مسند:۵/ ۲۳۷)

غرض حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے درس وافادہ کا سلسلہ حمص تک وسیع تھا، شہروں کی جامع مسجدیں درسگاہ کا کام دیتی تھیں، وہ مختلف شہروں میں دورہ کرتے تھے اور جہاں جاتے تھے فیض و برکت کا سرچشمہ جاری ہوجاتا تھا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں صرف تین عالم ہیں، جن میں ایک شام میں اقامت پذیر ہے، یہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ تھا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما لوگوں سے پوچھتے تھے کہ جانتے ہو عقلاء کون ہیں؟ لوگ لاعلمی ظاہر کرتے تو فرماتے معاذ بن رضی اللہ عنہ جبل اور ابودرداء رضی اللہ عنہ عقلاء سے مقصود ظاہر ہے کہ علمائے شریعت ہیں۔

مجتہد کے لئے سب سے زیادہ ضروری اصابت رائے ہے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اس درجہ صائب الرائے تھے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے بعض موقعوں پر ان کی رائے کو پسند فرمایا۔

پڑھ چکے ہیں کہ یمن روانہ کرتے وقت آنحضرت ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ "مقدمہ آئے گا تو کیونکر فیصل کروگے؟" حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کتاب اللہ سے آپ نے فرمایا اگر اس میں نہ پاؤ، تو عرض کی سنت رسول اللہ ﷺ سے پھر فرمایا اگر اس میں بھی نہ پاؤ تو عرض کی کہ "اجتہاد کرونگا" یہ سن کر آنحضرت ﷺ اس قدر خوش ہوئے کہ ان کے سینہ پر اپنا دست مقدس پھیرا اور فرمایا خدا کا شکر ہے جس نے تم کو اس بات کی توفیق دی جس کو میں پسند کرتا ہوں، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے جواب سے گویا اصول فقہ کا یہ پہلا اصول مرتب ہوا کہ احکام اسلامی کے یہ تین بہ ترتیب ماخذ ہیں اول کتاب الٰہی پھر حدیث نبوی اور اس کے بعد قیاس

شروع زمانہ میں جو لوگ دیر میں پہنچتے اور کچھ رکعتیں چھوٹ جاتیں تو وہ نمازیوں سے اشارہ سے پوچھ لیتے کہ کتنی رکعتیں ہوئیں اور وہ اشارہ سے جواب دیدیتے، اس طرح لوگ فوت شدہ رکعتیں پوری کر کے صف نماز میں مل جاتے تھے، ایک دن جماعت ہورہی تھی اور لوگ قعدہ میں تھے کہ معاذ رضی اللہ عنہ آئے اور دستور کے خلاف قبل اس کے کہ رکعتیں پوری کرتے جماعت کے ساتھ قعدہ میں شریک ہوگئے، آنحضرت ﷺ نے سلام پھیرا تو حضرت معاذ نے اٹھ کر بقیہ رکعتیں پوری کیں، آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو فرمایا: قد سن لکم فھکذا فاصنعوا یعنی معاذ رضی اللہ عنہ نے تمہارے لئے ایک طریقہ نکالا ہے تم بھی ایسا ہی کرو (مسند:۵/ ۲۴۶، ۲۳۳) یہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے لئے کتنی قابل فخر مزیت ہے کہ ان کی سنت تمام مسلمانوں کے لئے واجب العمل قرار پائی اور آج تک اسی پر عمل درآمد ہے اور دنیا کے سارے مسلمان اسی کے مطابق اپنی فوت شدہ رکعتیں ادا کرتے

ہیں۔

نماز اور روزہ کے تین دور انہوں نے جس طرح قائم کئے ہیں، (مسند:۵/۲۴۶) وہ بھی ان کے تفقہ پر شاہد عدل ہے اسی بناء پر ان کے اجتہادات جہاں دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف تھے وہاں صحت اور یقین بھی انہی کو حاصل تھا۔

جماع کی ایک صورت خاص میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی نہایت متردد تھے مگر عام صحابہ رضی اللہ عنہم کی تردید نہ کرسکتے تھے، لیکن حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب سے اختلاف تھا، آخر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کیا اور اسی پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوگیا۔(ایضا:۵/۱۱۵)

اسی طرح ایک مرتبہ، ایک اور پیچیدہ صورت پیدا ہوئی، ایک حاملہ عورت کا شوہر دو برس غائب تھا لوگوں کو شبہہ ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ موجود تھے، بولے کہ عورت کے رجم کا آپ کے بے شک حق ہے لیکن بچہ کے رجم کرنے کے کیا معنی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت چھوڑ دیا اور فرمایا وضع حمل کے بعد سنگسار کیا جائے، لڑکا پیدا ہوا تو خوبی قسمت سے اپنے باپ کے بالکل مشابہ نکلا، باپ نے دیکھا تو قسم کھا کر کہا کہ یہ تو میرا بیٹا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی تو فرمایا کہ معاذ رضی اللہ عنہ کا مثل عورتیں نہ پیدا کریں گی، اگر معاذ رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ (کنزالعمال:۷/۸۶، بحوالہ صحیح بخاری ومسلم)

قدرت نے جس فیاضی سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو کمالات عطا فرمائے تھے اس کا اعتراف طبقہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہر کہ ومہ کو تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے عجزت النساء ان یلدن مثل معاذ رضی اللہ عنہ یعنی معاذ رضی اللہ عنہ جیسا شخص پیدا کرنے سے عورتیں عاجز ہیں۔

وہ خلافت کے مستحق تھے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے بعد کس کو خلیفہ بنایا جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مختصر تقریر فرمائی جس کا ایک فقرہ یہ تھا کہ اگر معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل زندہ ہوتے تو ان کو خلیفہ بناتا، خدا پوچھتا تو کہتا کہ اس شخص کو خلیفہ بنا کر آیا ہوں جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، یأتی معاذ یوم القیامة رتوة بین العلماء۔

اخلاق وعادات

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے مناقب ومحامد کا ایک ایک باب پڑھ چکے اس سے ان کی اخلاقی خصوصیات معلوم ہوگئی ہونگی، ایک مسلمان کا سب سے بڑا وصف خالق کائنات کے ساتھ والہانہ لگاؤ اور اس کی اطاعت وعبادت ہے، چنانچہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ دوسرے تربیت یافتگان نبوت کی طرح پچھلی پہر رات سے اٹھ کر اس کاروبار میں مصروف ہو جاتے تھے، یہ اسی عشق الٰہی ومحبت خداوندی کا اثر تھا کہ جب عمواس میں طاعون کی وبا پھیلی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ وبن العاص نے آبادی چھوڑ کر میدان

میں نکل جانے کی صلاح دی تو ان کو اس تجویز سے سخت تکلیف ہوئی اور فرمایا کہ یہ رحمتِ الٰہی ہے، اے خدا اپنی اس رحمت کو تو میرے گھر بھیج۔

حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حب الٰہی کے بعد حب رسول کا درجہ ہے، سُن چکے ہیں کہ وہ جب کبھی آپ نہ پاتے تو کس طرح بے تابانہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں نکل جاتے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ سفر میں آپ جب کہیں اترتے تھے تو مہاجرین کو اپنے قریب اتارتے تھے؛ چنانچہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سفر میں تشریف لے گئے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ہمراہ تھے، ایک جگہ ان کے ساتھ منزل کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع سے جن میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی تھے اٹھ کر کہیں چلے گئے، معاذ رضی اللہ عنہ کو بڑی پریشانی ہوئی، شام تک انتظار کرتے رہے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ آئے تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں نکل گئے، راستہ میں آواز معلوم ہوئی، دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، معاذ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ ان لوگوں نے کہا کہ آج آپ ہم میں تشریف نہ رکھتے تھے، ہم کو خوف ہوا کہ خدانخواستہ کوئی ضرر نہ پہنچا ہو، اس لئے اس وقت آپ کو ڈھونڈنے نکلے ہیں۔(مسند:۵/۲۳۲)

ادب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بے حد ادب کرتے تھے، ایک بار یمن سے آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ یمن میں میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے کو سجدہ کرتے ہیں کیا ہم آپ کو سجدہ نہ کریں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی انسان کے لئے سجدہ جائز کرتا تو عورت سے کہتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس محبت وجان نثاری کی بناء پر ان سے نہایت محبت کرتے تھے، ایک بار حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ مجھ کو تم سے بہت محبت ہے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا! میں بھی آپ کو نہایت محبوب رکھتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں ایک وصیت کرتا ہوں اس کو کبھی ترک نہ کرنا، یہ کہہ کر ایک دعا بتائی جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ہر نماز کے بعد ہمیشہ پڑھتے رہے۔

(اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ)۔(مسند:۵/۲۴۵، وادب المفرد:۱۳۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت کا اس قدر خیال تھا کہ اپنے تلمیذ خاص صنابحی کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے وصیت کی، صنابحی پر یہ اثر تھا کہ انہوں نے اپنے شاگرد ابوعبدالرحمن حبلی کو اور حبلی نے عقبہ بن مسلم کو اس کے پڑھنے کی وصیت کی تھی۔

(مسند:۵/۲۴۵)

مذکورہ بالا واقعات تمام تر عہد نبوت سے تعلق رکھتے ہیں اور اس عہد میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی محبت کا جو حال تھا وہ اوپر گذر چکا؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ان کی کیا کیفیت تھی اس کا بیان اب سننا چاہیے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت معاذ کا اضطرار اور اضطراب قابل دید تھا، یمن سے واپس ہوکر آئے تو مدینہ منورہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا سے محروم ہو چکا تھا، اس لئے انہوں نے مدینہ منورہ کو چھوڑ کر شام میں سکونت اختیار کی۔
شام میں بھی محبوب کا فراق چین نہ لینے دیتا تھا ۱۶ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس تشریف لے گئے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے درخواست کی آج اذان دیجئے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا میں تو ارادہ کر چکا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دونگا لیکن آج آپ کا ارشاد بجالاتا ہوں، اذان دینی شروع کی تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد مبارک یاد آگیا اوران پر رقت طاری ہوگئی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تو روتے روتے بیتاب ہو گئے۔

امر بالمعروف

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے امر بالمعروف میں کبھی لومۃ لائم کی پرواہ نہ کی، شام گئے تو دیکھا کہ شامی وتر نہیں پڑھتے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حاکم شام تھے، ان سے پوچھا کہ ان کے وتر نہ پڑھنے کا کیا سبب ہے؟ امیر کو معلوم نہ تھا، پوچھا کیا وتر واجب ہے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں۔ (مسند: ۵/ ۲۴۲)

جود

نہایت فیاض تھے؛ چنانچہ اسی سخاوت کی بدولت ان کی تمام جائیداد بیع ہوگئی اسلام کو ان کی سخاوت سے بڑا فائدہ پہنچا۔

صدق

راست گفتاری ان کی مسلم تھی اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی صداقت کی تصدیق فرمائی تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث بیان کی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر پوچھا کہ آپ نے معاذ رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا تھا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مسند: ۲۴۳) **صدق معاذ! صدق معاذ! صدق معاذ!**
کینہ وحسد سے مبرا تھے، اقران اور ہمعصر اکثر حسد کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، چند باکمال ایک زمانہ میں موجود ہوں تو کبھی ایک دوسرے کو اچھا نہ کہے گا؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس قسم کے رکیک و باطل خیالات سے پاک کر دیا تھا وہ ہمعصروں اور ہمسروں کی قابلیت کا اعتراف کرتے تھے اور وقت پر اس کو ظاہر بھی کر دیتے تھے۔
حضرت معاذ کی وفات کا وقت آیا تو تمام لوگ رو رہے تھے کہ علم اٹھا جا رہا ہے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا فرمایئے آپ کے بعد کس سے پڑھیں انہوں نے کہا ذرا مجھے اٹھا کے بٹھا دو، بیٹھ گئے تو فرمایا" سنو علم وایمان اٹھ نہیں سکتے وہ بدستور رہیں گے، جو جستجو کرے گا پائے گا (تین مرتبہ فرمایا) علم چار آدمیوں سے سیکھو یعنی ابودرداء رضی اللہ عنہ، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے۔ (مسند: ۵/ ۲۴۳)

احکام زکوٰۃ کا بیان

زکوٰۃ ہر مسلمان، عاقل، بالغ، آزاد اور صاحب نصاب شخص پر واجب ہے جب نصاب پورا ہونے کے بعد اس پر ایک سال کا

عرصہ گزر جائے۔

سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے اور چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے ہے۔ سونا چاندی میں چالیسواں حصہ نکال کر بطور زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے یہ ضروری نہیں کہ سونا چاندی کی زکوٰۃ میں سونا چاندی ہی دی جائے بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ بازار کے بھاؤ سونے چاندی کی قیمت لگا کر روپیہ زکوٰۃ میں دیں۔ اگر کسی کے پاس تھوڑی چاندی اور تھوڑا سونا ہے اور سونا چاندی میں سے کوئی بھی الگ سے بقدر نصاب نہیں تو ایسی صورت میں دونوں کو ملا کر ان کی مجموعی قیمت نکالی جائے گی اور جس نصاب (سونا یا چاندی) کو بھی وہ پہنچے اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

جن زیورات کی مالک عورت ہو خواہ وہ میکے سے لائی ہو یا اس کے شوہر نے اس کو زیورات دیکر مالک بنا دیا ہو تو ان زیورات کی زکوٰۃ عورت پر فرض ہے اور جن زیورات کا مالک مرد ہو یعنی عورت کو صرف پہننے کے لئے دیا گیا ہے مالک نہیں بنایا تو ان زیورات کی زکوٰۃ مرد کے ذمہ ہے عورت پر نہیں۔

تجارتی مال اور سامان کی قیمت لگائی جائے گی اس سے اگر سونے یا چاندی کا نصاب پورا ہو تو اس کے حساب سے زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

اگر سونا چاندی نہ ہو، نہ مال تجارت ہو بلکہ صرف نوٹ اور روپے ہوں تو کم سے کم اتنے روپے پیسے اور نوٹ ہوں کہ بازار میں ان سے ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکتی ہو تو وہ صاحب نصاب ہے اور اس شخص کو نوٹ اور روپے پیسوں کی زکوٰۃ، کل چالیسواں حصہ نکالنا فرض ہے۔

اگر شروع سال میں نصاب پورا تھا اور آخر سال میں بھی نصاب پورا رہا۔ درمیان سال میں کچھ دنوں مال گھٹ کر نصاب سے کم رہ گیا تو یہ کمی کچھ اثر نہ کرے گی بلکہ اس شخص کو پورے مال کی زکوٰۃ دینا پڑے گی۔

روپے پیسوں کی زکوٰۃ میں روپے پیسے ہی دینا ضروری نہیں بلکہ جتنے روپے زکوٰۃ کے نکلتے ہیں اگر ان کا غلہ، کپڑا، کتابیں یا کوئی بھی سامان خرید کر مستحق زکوٰۃ کو دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

کرایہ پر اٹھانے کے لئے دیگیں، موٹریں، بسیں، ٹرک اسی طرح دیگیں، دریاں، گدے، کرسیاں، میزیں، پلنگ، مسہریاں یا کرایہ پر اٹھانے کے لئے مکانات اور دکانوں سے حاصل شدہ آمدنی اگر بقدر نصاب ہو اور اس پر سال گزر جائے تو پھر اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

میاں بیوی ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ یونہی کوئی شخص اپنے والدین، اوپر تک اور اپنی اولاد کو نیچے تک زکوٰۃ، عشر، فطرانہ اور فدیہ کفارہ کی رقم یا جنس وغیرہ نہیں دے سکتا۔ ان کے علاوہ غریب رشتہ داروں مثلاً بہن بھائی اور ان کی اولاد، چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ اور ان کی اولاد اگر غریب و مستحق ہوں تو ان کو زکوٰۃ و عشر فطرانہ، فدیہ وغیرہ دینا دوگنا ثواب ہے۔ اوّل فرض ادا کرنے کا دوم صلہ رحمی اور رشتہ داری کا لحاظ کرنے کا جب یہ تسلی ہو جائے کہ یہ شخص غریب و مستحق ہے اس کو بقدر ضرورت دیدیں۔ دیتے وقت یہ بتانا ضروری نہیں کہ یہ زکوٰۃ و عشر وغیرہ ہے بلکہ نہ بتانا بہتر ہے تاکہ اس کی عزت و نفس مجروح نہ ہو۔

زکوۃ وصدقات میں افضل یہ ہے کہ پہلے اپنے اقرباء کو دے پھران کی اولاد، پھر دوسرے رشتہ داروں کو پھر پڑوسیوں کو پھر اپنے پیشہ والوں کو پھر اپنے گاؤں اور شہر کے رہنے والوں کو۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب زکوۃ، مطبوعہ، بیروت وغیرہ)

دودھ پلانے والا جانور زکوۃ میں وصول نہ کرنے کا بیان

1579 - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ هِلَالِ بْنِ خَبَّابٍ، عَنْ مَيْسَرَةَ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفَلَةَ، قَالَ: سِرْتُ - أَوْ قَالَ: أَخْبَرَنِي مَنْ سَارَ - مَعَ مُصَدِّقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنْ لَا تَأْخُذَ مِنْ رَاضِعِ لَبَنٍ، وَلَا تَجْمَعَ بَيْنَ مُفْتَرِقٍ، وَلَا تُفَرِّقَ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ وَكَانَ إِنَّمَا يَأْتِي الْمِيَاهَ حِينَ تَرِدُ الْغَنَمُ، فَيَقُولُ: أَدُّوا صَدَقَاتِ أَمْوَالِكُمْ، قَالَ: فَعَمَدَ رَجُلٌ مِنْهُمْ إِلَى نَاقَةٍ كَوْمَاءَ - قَالَ: قُلْتُ: يَا أَبَا صَالِحٍ مَا الْكَوْمَاءُ؟ قَالَ: عَظِيمَةُ السَّنَامِ -. قَالَ: فَأَبَى أَنْ يَقْبَلَهَا، قَالَ: إِنِّي أُحِبُّ أَنْ تَأْخُذَ خَيْرَ إِبِلِي، قَالَ: فَأَبَى أَنْ يَقْبَلَهَا، قَالَ: فَخَطَمَ لَهُ أُخْرَى دُونَهَا، فَأَبَى أَنْ يَقْبَلَهَا، ثُمَّ خَطَمَ لَهُ أُخْرَى دُونَهَا فَقَبِلَهَا، وَقَالَ: إِنِّي آخِذُهَا وَأَخَافُ أَنْ يَجِدَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ لِي: عَمَدْتَ إِلَى رَجُلٍ فَتَخَيَّرْتَ عَلَيْهِ إِبِلَهُ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ هُشَيْمٌ، عَنْ هِلَالِ بْنِ خَبَّابٍ، نَحْوَهُ، إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: لَا يُفَرَّقُ

❁❁ سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں: میں روانہ ہوا؟ (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں:) مجھے اس شخص نے یہ بات بتائی کہ جو نبی اکرم ﷺ کی طرف سے زکوۃ وصول کرنے والے شخص کے ساتھ روانہ ہوا تھا نبی اکرم ﷺ کے تحریری حکم نامے میں یہ بات موجود تھی۔

''تم دودھ پلانے والا جانور وصول نہ کرنا اور الگ مال کو اکٹھا نہ کرنا اور اکٹھے مال کو الگ نہ کرنا'' زکوۃ وصول کرنے والا وہ شخص اس پانی پر آیا جہاں بکریاں آ کر پانی پیتی تھیں اس نے کہا: تم لوگ اپنے مال کی زکوۃ ادا کرو۔ راوی کہتے ہیں: ان میں سے ایک شخص اپنی موٹی تازی اونٹنی کی طرف بڑھا۔

راوی بیان کرتے ہیں: میں نے اپنے استاد سے دریافت کیا: لفظ قوماء کا کیا مطلب ہے اس نے جواب دیا: جس کی کوہان اونچی ہو۔ راوی بیان کرتے ہیں: زکوۃ وصول کرنے والے نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اس نے کہا: میں یہ چاہتا ہوں کہ تم میرا سب سے بہتر اونٹ وصول کرو تو زکوۃ وصول کرنے والے نے اسے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ راوی کہتے ہیں: اس شخص نے اس سے کم تر اونٹنی اسے دی تو زکوۃ وصول کرنے والے نے اسے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا پھر اس نے اس سے بھی کم تر اونٹنی اسے دی تو زکوۃ وصول کرنے والے نے اسے قبول کر لیا۔ اس نے کہا: میں اسے وصول تو کر رہا ہوں لیکن مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں نبی اکرم ﷺ مجھ پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے یہ نہ فرمائیں: تم اس شخص کا سب سے بہترین اونٹ لے آئے ہو۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے تاہم اس میں یہ الفاظ ہیں: ''اسے جدا نہ کیا جائے''۔

زکوٰۃ سے بچنے کے لیے مال اکٹھا نہ کرنے کا بیان

1580 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّازُ، حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي لَيْلَى الْكِنْدِيِّ، عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفَلَةَ، قَالَ: أَتَانَا مُصَدِّقُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخَذْتُ بِيَدِهِ، وَقَرَأْتُ فِي عَهْدِهِ: لَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُفْتَرِقٍ، وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ، خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ، وَلَمْ يَذْكُرْ: رَاضِعَ لَبَنٍ

❀❀ سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کا زکوٰۃ وصول کرنے والا ہمارے پاس آیا میں نے اس کا ہاتھ پکڑا تو اس کے پاس موجود تحریری حکم نامے میں یہ تحریر تھا۔

''زکوٰۃ سے بچنے کے لیے الگ مال کو اکٹھا نہ کیا جائے اور اکٹھے مال کو الگ نہ کیا جائے''۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس راوی نے اس میں ''دودھ پلانے والے جانور'' کا ذکر نہیں کیا۔

زکوٰۃ میں تملیک کو رکن قرار دینے کا حکم

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ صاحب ہدایہ کا یہ کہنا کہ زکوٰۃ ادا کرنے میں تملیک فقیر وغیرہ رکن ہے۔ اور مسجد کو زکوٰۃ دینے میں تملیک حاصل نہ ہوگی لہٰذا زکوٰۃ مسجد کو نہ دی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان ''إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ'' میں لام احناف کے نزدیک معاقبت کے لئے ہے۔ جبکہ یہاں لام تملیک کے لئے ہونا چاہیے۔

اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ بابرتی حنفی لکھتے ہیں۔ کہ یہاں عاقبت بمعنی مقبوض ہے۔ اور مقبوض سے ہی ملکیت ثابت ہو گی۔ کیونکہ ابتدائی طور پر وہ مستحق نہیں لیکن جب ملکیت حاصل ہوئی تو ان کے لئے تملیک ثابت ہوئی۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۲۰۴، بیروت)

ہمارے دور کے نام نہاد سکالرز اور مغربی روشن خیالی کے دلدادہ لوگوں کو صاحب ہدایہ کی اس عبارت کی تملیک کو رکن کیوں قرار دیا ہے۔ بہت تحفظات کرتے ہیں۔ انہیں شاید بھی معلوم نہیں کہ کہاں صاحب ہدایہ کا علمی مقام جو فقہ میں کوہ ہمالیہ ہے۔ اور کہاں یہ مغربی چیونٹیاں جنہیں آج تک اپنی بل کا تعین کرنا بھی نہیں آیا کیونکہ یہ اتنے آوارہ و آزاد خیال ہیں کہ ایک گھر کو بھی انتہاء پسندی اور قید جانتے ہیں۔ دنیا کی ساری قیود ان کو برداشت ہیں جبکہ مذہبی قیود پر حملہ کرتے ہوئے لوگوں میں آزاد خیالی کے نام سے حیوانیت کی طرف بڑی تیزی سے لے کر جا رہے ہیں۔

علامہ نظام الدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اور زکوٰۃ کی رقم سے مسجد کی تعمیر جائز نہیں اور اسی طرح پلوں کی تعمیر، کنوؤں کی کھدائی، راستوں کی درستگی، نہروں کی کھدائی اور حج اور جہاد کے لیے (زکوٰۃ کی رقم کا براہِ راست استعمال) جائز نہیں ہے، (اسی طرح) ہر اُس کام کے لیے جس میں تملیک نہیں پائی جاتی (زکوٰۃ کی رقم کا استعمال) جائز نہیں ہے، (زکوٰۃ کی رقم کو) میت کے کفن دفن اور اُس کے قرض کی ادائیگی کے لیے (براہِ راست استعمال کرنا) جائز نہیں ہے۔ تبیین میں اسی طرح ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری جلد 1، ص 188، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ مسجد کی تعمیر یا کفن میت پر زکوٰۃ نہیں لگتی اور حیلہ یہ ہے کہ فقیر کو زکوٰۃ دی جائے، پھر اسے ان کاموں میں خرچ کرنے کا کہا جائے، کیا اس فقیر کے لئے اس دینے والے کے حکم کی خلاف ورزی جائز ہے، میری نظر سے نہیں گزرا۔ ہاں ظاہر یہی ہے کہ فقیر اس کے خلاف کرسکتا ہے۔ (درمختار، ج ا، ص ۱۴۱، باب المصرف، مجتبائی دہلی)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ صاحب نہر نے اس پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ حرمت تملیک کا تقاضہ یہی ہے کہ وہ خلاف ورزی کرسکتا ہے۔ رحمتی نے فرمایا: ظاہر یہی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں اس لیے کہ اس نے فقیر کو اپنے مال کی زکوٰۃ دے کر اسے مالک بنادیا اور ساتھ شرط فاسد کا اضافہ کردیا حالانکہ ہبہ اور صدقہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتے۔

(ردالمحتار، کتاب الزکوٰۃ، باب المصرف، مصطفی البابی مصر)

پھر جب صریح شرط باوجود خلوص نیت اداء زکوٰۃ میں خلل انداز نہیں تو ایسا برتاؤ جو بظاہر معنی شرط پر دلالت کرے مثلاً جب یہاں رہے تو دے اور نہ رہے تو نہ دے، بدرجہ اولی باعث خلل نہ ہوگا۔

علامہ علی بن عثمان زیلعی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

اگر کسی کا فقیر پر قرض تھا معاف کرکے قرض سے اسے بری کردیا تو اس قرض کی زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی کیونکہ ہلاک ہونے والے مال کی طرح ہے اور اگر کچھ معاف کیا تو مذکورہ دلیل کی بنا پر اتنے حصہ کی زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی لیکن باقی حصہ کی زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی اگرچہ وہ ساقط ہونیوالے حصہ کو باقی کی زکوٰۃ میں شمار کرے کیونکہ ساقط ہونے والا مال نہیں اور باقی رہنے والے کا مال ہونا ممکن ہے اور بقیہ حصہ اس سے بہتر ہے لہٰذا اس سے اسقاط جائز نہ ہوگا۔ (تبیین الحقائق، کتاب الزکوٰۃ، الامیریہ مصر)

مساجد کی تعمیر و مصارف پر زکوٰۃ خرچ کرنا

مساجد کی تعمیر اور مصارف جاریہ پر زکوٰۃ و فطرہ کی رقم خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ بعض لوگ ان مقاصد کے لیے حیلہ کا سہارا لیتے ہیں، یہ حیلہ کا غلط استعمال ہے اور اس سے منشائے شریعت کو باطل کرنا مقصود ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری ج 12 ص 326 پر لکھتے ہیں:

کسی خفیہ طریقہ سے مقصود حاصل کرنے کو حیلہ کہتے ہیں، علما کے نزدیک اس کی کئی اقسام ہیں:

(1) اگر جائز طریقے سے کسی کا حق (خواہ اللہ کا حق ہو جیسے زکوٰۃ یا بندے کا حق) باطل کیا جائے یا کسی باطل (مثلاً سود، رشوت، پگڑی وغیرہ) کو حاصل کیا جائے تو یہ حیلہ حرام ہے۔ (2) اگر جائز طریقے سے کسی حق کو حاصل کیا جائے یا کسی ظلم یا باطل کو دفع کیا جائے تو حیلہ مستحب یا واجب ہے۔ (3) اگر جائز طریقے سے کسی ضرر سے محفوظ رہا جائے تو یہ حیلہ مباح ہے۔ (4) اگر جائز طریقے سے کسی مستحب کو ترک کرنے کا حیلہ کیا جائے تو یہ مکروہ ہے۔

ہسپتالوں میں زکوٰۃ سے نادار مریضوں کا علاج

رفاہی ادارے جو مریضوں کے علاج کے لیے زکوٰۃ کی رقم جمع کرتے ہیں، وہ اگر حدود شرع میں رہ کر زکوٰۃ خرچ کرنا چاہتے ہیں تو اس کی چند صورتیں یہ ہیں۔

(1) جتنی مالیت کی دوانادار مستحق زکوٰۃ کی ملک میں دے دی جائے گی وہ جائز ہے، اتنی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (2) ڈاکٹر کی فیس، بیڈ کے کرائے، ایکسرے، میڈیکل ٹیسٹ وغیرہ پر جو خرچ آئے، وہ مریض خود ادا کرے اور استحقاق کے تعین کے بعد شعبۂ زکوٰۃ سے مریض کو ان مصارف کے عوض کل یا گنجائش کے تناسب سے جتنی رقم دی جاسکتی ہے، دے دی جائے (3) زکوٰۃ و فطرہ یعنی صدقات واجبہ کی رقم صرف مستحق مریضوں کو دی جائے، غیر مسلم نادار مریضوں کے لیے الگ سے ویلفیئر فنڈ قائم کیا جائے جو عطیات پر مشتمل ہو۔ چند سال پیشتر جب مرکزی زکوٰۃ کونسل کے ایک رکن نے ایک رفاہی ادارے کا معائنہ کیا تھا تو انہوں نے زکوٰۃ کے حوالے سے بہت سے ناقص پہلوؤں کی نشاندہی بھی کی تھی۔

حیلے سے زکوٰۃ کو ساقط کرنے میں فقہی حنفی پر غیر مقلدین کے توہمات

غیر مقلدین احادیث کے ظاہری مفہوم سے بھی عاجز ہیں اور قرآن وسنت کے احکام کو بالائے طاق رکھتے ہوئے فقہاء احناف اور دیگر فقہاء پر اعتراض کرنا اپنا منشور سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ذیل میں حیلہ سے متعلق مختلف پہلوؤں پر بغیر کسی تعصب وحسد بازی کے بحث کی گئی ہے۔ قارئین انصاف پسندی کا مطالعہ کریں اور غیر مقلدین کی جہالتوں سے بھی واقف ہو جائیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں (زکوٰۃ) کا حکم نامہ لکھ کر بھیجا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض قرار دیا تھا کہ متفرق صدقہ کو ایک جگہ جمع نہ کیا جائے اور نہ مجتمع صدقہ کو متفرق کیا جائے زکوٰۃ کے خوف سے۔

اس میں یہ بھی تھا کہ جو مال جدا جدا دو مالکوں کا ہو وہ اکٹھا نہ کریں اور جو مال اکٹھا ہو (ایک ہی مالک کا) وہ جدا جدا نہ کیا جائے۔

بعض روایات میں غنم اور ابل کے لفظ بھی آتے ہیں یعنی بکری یا اونٹ میں سے زکوٰۃ لیتے وقت ان کی پرانی حالت کو باقی رکھا جائے اصل میں جس حساب سے زکوٰۃ لی جاتی ہے اس کے پیش نظر بعض اوقات اگر جانور مختلف لوگوں کے ہیں اور الگ الگ رہتے ہیں تو بعض صورتوں میں زکوٰۃ ان پر زیادہ ہو سکتی ہے اور انہیں اکٹھا کرنے سے زکوٰۃ میں کمی ہو سکتی ہے۔ اس کے برخلاف یکجا ہونے میں زکوٰۃ میں اضافہ ہو جاتا ہے اور متفرق کرنے میں کمی ہو سکتی ہے۔ اس حدیث میں اس کمی اور زیادہ کی بنا پر رد کا گیا ہے۔

طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے کہ ایک دیہاتی (ثمام بن ثعلبہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حال میں حاضر ہوا کہ اس کے سر کے بال پریشان تھے اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کتنی نمازیں فرض کی ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ وقت کی نمازیں۔ سوا ان نمازوں کے جو تم نفلی پڑھو۔ اس نے کہا مجھے بتائیے کہ اللہ تعالیٰ نے کتنے روزے فرض کیے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کے مہینے کے روزے سوا ان کے جو تم نفلی رکھو۔ اس نے پوچھا مجھے بتائیے کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کتنی فرض کی ہے؟ بیان کیا کہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے مسائل بیان کئے۔ پھر اس دیہاتی نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو یہ عزت بخشی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فرض کیا ہے اس میں نہ میں کسی قسم کی زیادتی کروں گا اور نہ کمی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس نے صحیح کہا ہے تو جنت میں جائے گا

اور بعض لوگوں نے کہا کہ ایک سو بیس اونٹوں میں دو حصے تین تین برس کی دو اونٹنیاں جو چوتھے برس میں لگی ہوں زکوٰۃ میں لازم آتی ہیں پس مگر کسی نے ان اونٹوں کو عمداً تلف کر ڈالا (مثلاً ذبح کر دیا) اور کوئی حیلہ کیا تو اس کے اوپر سے زکوٰۃ ساقط ہوگی۔

غیر مقلد کہتے ہیں کہ جو کوئی زکوٰۃ سے بچنے کے لیے اس قسم کے حیلے کرے گا تو زکوٰۃ اس پر سے ساقط نہ ہوگی۔ حنفیہ نے ایک اور عجیب حیلہ لکھا ہے یعنی اگر کسی عورت کو اس کا خاوند نہ چھوڑتا ہو اور وہ اس کے ہاتھ سے تنگ ہو تو خاوند کے بیٹے سے اگر زنا کرائے تو خاوند پر حرام ہو جائے گی۔ امام شافعی کا مناظرہ اس مسئلہ میں امام محمد سے بہت مشہور ہے۔ اہل حدیث کے نزدیک یہ حیلہ چل نہیں سکتا کیوں کہ ان کے نزدیک مصاہرت کا رشتہ زنا سے قائم نہیں ہو سکتا۔

غیر مقلد (جبکہ خاتمہ اہل تشیع کے ساتھ ہوا) مولوی وحید لکھتا ہے۔ حیلہ کہتے ہیں ایک پوشیدہ تدبیر سے اپنا مقصود حاصل کرنے کو۔ اگر حلہ کر کے حق کا ابطال یا باطل کا اثبات کے لئے کیا جائے تب تو یہ حلہ حرام ہوگا۔ اور اگر حق کا اثبات اور باطل کا ابطال کیا جائے تو وہ واجب یا مستحب ہوگا اور اگر کسی آفت سے بچنے کے لیے کیا جائے تو مباح ہوگا اگر ترک مستحب کے لیے کیا جائے تو مکروہ ہوگا۔ اب علماء میں اختلاف ہے کہ پہلی قسم کا حیلہ کرنا صحیح ہے یا غیر صحیح اور نافذ ہے یا غیر نافذ اور ایسا حیلہ کرنے سے آدمی گنہگار ہوگا یا نہیں۔ جو لوگ صحیح اور جائز کہتے ہیں وہ حضرت ایوب علیہ السلام کے قصہ سے حجت لیتے ہیں کہ انہوں نے سو لکڑیوں کے بدل سو جھاڑوں کے تنکے لے کر مار دیے اور قسم پوری کر لی اور اس حدیث سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ناتواں شخص کے لیے جس نے زنا کاری کی تھی یہ حکم دیا کہ کھجور کی ڈالی لے کر جس میں سو شاخیں ہوں ایک ہی بار اس کو مار دو اور اس حدیث سے کہ ردی کھجور کے بدل بیچ کر پھر روپے کے بدل عمدہ کھجور لے لے۔ جو لوگ ناجائز کہتے ہیں وہ اصحب سبت اور یہود کی حدیث سے کہ چربی ان پر حرام کر دی گئی تھی تو بیچ کر اس کی قیمت کھائی اور بخش کی حدیث لعن اللہ المحلل و المحلل لہ سے دلیل لیتے ہیں اور حنفیہ کے یہاں بہت سے شرعی حیلے منقول ہیں بلکہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ان حیلوں میں ایک خاص کتاب لکھی ہے۔ تاہم محققین انصاف پسند حنفی علمائے کرام کہتے ہیں کہ صرف وہی حیلے جائز ہیں جو احقاق حق کے قصد سے کئے جایں۔ مولانا وحید الزماں مرحوم کہتے ہیں کہ قول محقق اس باب میں یہ ہے کہ ضرورت شرعی سے یا کسی مسلمان کی جان اور عزت بچانے کے لیے حیلہ کرنا درست ہے، لیکن جہاں یہ بات نہ ہو بلکہ صرف اپنا فائدہ کرنا منظور ہو اور دوسرے مسلمان بھائی کا اس سے نقصان ہوتا ہو تو ایسا حیلہ کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ جیسے ایک بخیل کی نقل ہے کہ وہ سال بھر کی زکوٰۃ بہت سے روپے اشرفیاں نکال کر ایک مٹی کے گھڑے میں بھرتا اور اوپر سے اناج وغیرہ ڈال کر ایک فقیر کو دے دیتا پھر وہ گھڑا قیمت دے کر اس فقیر سے خرید لیتا وہ یہ سمجھتا کہ اس میں غلہ ہی غلہ ہے اور غلہ کے نرخ سے تھوڑی سی زائد قیمت پر ان ہی کے ہاتھ بیچ ڈالتا ایسا حیلہ کرنا بالاتفاق حرام اور ناجائز ہے۔ اس کتاب میں جائز اور ناجائز حیلوں پر بہت ہی لطیف اشارات ہیں جن کو بنظر غور و بنظر انصاف مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اللھم ارنا الحق حقا۔ آمین

ترک حیلہ میں امام بخاری کا مؤقف

فی ترک الحیل و أن لکل امرءٍ مانوی فی الأیمان وغیرھا.

کیوں کہ یہ حدیث ہے کہ ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی وہ نیت کرے قسم وغیرہ میں یہ حدیث عبادات اور معاملات سب کو شامل ہے۔( ) ہم سے ابوالنعمان نے بیان کیا، کہا ہم سے حماد بن زید نے بیان کیا، ان سے یحییٰ بن سعید انصاری نے، ان سے محمد بن ابراہیم تیمی نے، ان سے علقمہ بن وقاص لیثی نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے خطبہ میں سنا انہوں نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا اے لوگو! اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی وہ نیت کرے گا پس جس کی ہجرت اور اس کے رسول کی طرف ہوا سے ہجرت (کا ثواب ملے گا) اور جس کی ہجرت کا مقصد دنیا ہوگی کہ جسے وہ حاصل کرلے یا کوئی عورت ہوگی جس سے وہ شادی کرلے تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہوگی جس کے لیے اس نے ہجرت کی ہے۔

اس حدیث سے امام بخاری نے حیلوں کے عدم جواز پر دلیل لی ہے کیوں کہ حیلہ کرنے والوں کی نیت دوسری ہوتی ہے اس لیے حیلہ ان کے لیے کچھ مفید نہیں ہوسکتا۔

سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک نذر کے بارے میں سوال کیا جو ان کی والدہ پر تھی اور ان کی وفات نذر پوری کرنے سے پہلے ہی ہوگئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو ان کی طرف سے پوری کر۔ اس کے باوجود بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب اونٹ کی تعداد بیس ہوجائے تو اس میں چار بکریاں لازم ہیں۔ پس اگر سال پورا ہونے سے پہلے اونٹ کو ہبہ کردے یا اسے بیچ دے۔ زکوۃ سے بچنے یا حیلہ کے طور پر تاکہ زکوۃ اس پر ختم ہوجائے تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی۔ یہی حال اس صورت میں ہے اگر اس نے ضائع کردیا اور پھر مر گیا تو اس کے مال پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔

اس حدیث سے امام بخاری نے یہ نکالا کہ جب مرجانے سے سنت ساقط نہ ہوئی اور ولی کو اس کے ادا کرنے کا حکم دیا گیا تو زکوۃ بطریق اولیٰ مرنے سے یا حیلہ کرنے سے ساقط نہ ہوگی اور یہی بات درست ہے۔ حنفیہ کا کہنا یہ ہے کہ صاحب زکوۃ کے مرنے سے وارثوں پر لازم نہیں کہ اس کے ذمہ جو زکوۃ واجب تھی وہ اس کے کل میں سے ادا کریں۔ حنفیہ کا یہ مسئلہ صریح حضرت سعد کی حدیث کے خلاف ہے کیوں کہ حضرت سعد کی ماں مرگئی تھیں مگر جو ان کے ذمہ نذر رہ گئی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اس کے ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ یہی حکم زکوۃ میں بھی ہونا چاہیے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کنواری لڑکی سے اجازت لی جائے گی۔ میں نے پوچھا کہ کنواری لڑکی شرمائے گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی خاموشی ہی اجازت ہے اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ کوئی شخص اگر کسی یتیم لڑکی یا کنواری لڑکی سے نکاح کا خواہش مند ہو۔ لیکن لڑکی راضی نہ ہو اس پر اس نے حیلہ کیا اور دو جھوٹے گواہوں کی گواہی اس کی دلائی کہ اس نے لڑکی سے شادی کرلی ہے پھر جب وہ لڑکی جوان ہوئی اور اس نکاح سے وہ بھی راضی ہوگئی اور قاضی نے اس جھوٹی شہادت کو قبول کرلیا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ سارا ہی جھوٹ اور فریب ہے۔ تب بھی اس سے جماع کرنا جائز ہے۔

ان جملہ احادیث بالا سے حضرت امام بخاری نے بعض الناس کے ایک نہایت ہی کھلے ہوئے غلط فیصلے کی تردید فرمائی

ہے۔ جیسا کہ روایات کے ذیل میں تشریح ہے۔ فقہاء کی ایسی ہی حیلہ بازیوں کی قلعی کھولنا یہاں کتاب الحیل کا مقصد ہے جیسا کہ بنظر انصاف مطالعہ کرنے والوں پر ظاہر ہوگا۔

کتنے ہی علمائے احناف حق پسند ایسے بھی ہیں جو ان حیلہ سازیوں کو تسلیم نہیں کرتے وہ یقیناً ان سے مستثنیٰ ہیں۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

توہمات غیر مقلدین کے اعتراضات کے جوابات

سب سے پہلے ہم عرض کریں گے کہ غیر مقلدین کا مبلغ علم کس قدر ہوتا ہے۔ یہ بات بڑی وضاحت سے معلوم ہو چکی ہے کہ یہ لوگ ائمہ وفقہاء کے مذاہب پڑھتے نہیں اور ان کے دلائل کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے اور نہ ان کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقیہ جب دلائل جمع کرتا ہے تو اس میں فتویٰ اور جو دلیل اس فتویٰ کے خلاف ہوتی ہے اسے بھی جمع کر کے بعد اس کا رد وابطال کرتا ہے تا کہ احقاق حق روز روشن کی طرح واضح ہو جائے۔ جدت پسند غیر مقلدین نے حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ پر اعتراض کرتے ہوئے فقہ حنفی کو دیکھے، سمجھے بغیر ہی عداوت کے تیر چلانے شروع کر دیئے ہیں۔ ہم ذیل امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کا مذہب لکھ رہے تا کہ کسی عام آدمی کو اس معاملے میں احناف سے متعلق غلط فہمی نہ ہو۔

صحیح بخاری شریف میں اوّل تا آخر کہیں اس حکایت کا پتا نہیں کہ امام ابو یوسف اس کے عامل تھے امام اعظم مصدق ہوئے، امام بخاری نے صرف اس قدر لکھا کہ بعض علماء کے نزدیک اگر کوئی شخص سال تمام سے پہلے مال کو ہلاک کر دے یا دے ڈالے یا بیچ کر بدل لے کہ زکوٰۃ واجب نہ ہونے پائے تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا، اور ہلاک کر کے مر جائے تو اس کے مال سے کچھ نہ لیا جائے گا، اور سال تمام سے پہلے اگر زکوٰۃ ادا کر دے تو جائز و روا ہو۔

بعض لوگوں نے اس شخص کے بارے میں کہا جس کے پاس اونٹ ہوں وُہ ڈرتا ہے کہ کہیں اس پر صدقہ لازم نہ ہو جائے پس وُہ زکوٰۃ سے فرار اور حیلہ کرتے ہوئے ایک دن پہلے اس کی مثل اونٹوں سے بیچ دیتا ہے یا بکری یا گائے یا دراہم کے عوض بیچ دیتا ہے تو اب اس پر کوئی شئے لازم نہیں، اور وُہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر مالک نے اپنے اونٹ کی زکوٰۃ سال گزرنے سے ایک دن یا سال پہلے زکوٰۃ دے دی تو ادا ہو جائیں گی۔

پہلی دونوں کتب کی عبارت یہ ہے (ثبوتِ شفعہ کے بعد اسقاط کے لیے حیلہ کرنا بالاتفاق مکروہ ہے) مثلاً شفیع کے لیے یہ کہنا کہ وُہ چیز آپ مجھ سے خرید لیں۔ اسے بزازی نے ذکر کیا (لیکن ابتداعدمِ ثبوت کے لیے حیلہ کرنا امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ نہیں۔ اور امام محمد کے ہاں مکروہ ہے۔ شفعہ میں امام ابو یوسف کے قول پر فتوی ہے) سراجیہ میں اس قید کا اضافہ ہے کہ بشرطیکہ پڑوسی اس کے محتاج نہ ہو۔ اشباہ نے اسے پسند کیا ہے اور زکوٰۃ، حج اور آیت سجدہ میں (اس کی ضد) بھی کراہت پر فتویٰ ہے۔ (جوہرہ)

فتویٰ حیلہ اسقاطِ زکوٰۃ کے عدمِ جواز پر ہے اور یہی امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے، اور اسی پر اعتماد ہے۔ (غمز عیون البصائر، الفن الخامس من الاشباہ والنظائر)

ان دونوں کی عبارت یہ ہے: اسقاط شفعہ زکوٰۃ کے لیے حیلہ امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ نہیں لیکن امام محمد کو اس میں اختلاف ہے پہلے (شفعہ) میں پہلے امام (ابو یوسف) کے قول پر اور دوسرے (زکوٰۃ) میں دوسرے امام (محمد) کے قول پر فتوی ہے۔ (شرح الوقایہ، ۴، ص ۴۰۷، بیروت)

حیلہ شرعی کے معنی ومفہوم کا بیان

حیلہ کے اصل معنی معاملات کی تدبیر میں مہارت کے ہیں "اَلْحَذَقُ فِیْ تَدْبِیْرِ الْاُمُوْرِ" (الاشباہ) شریعت کی اصطلاح میں حرمت ومعصیت سے بچنے کے لیے ایسی خلاصی کی راہ اختیار کرنے کا نام ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہو (المبسوط) حیلہ کے تعلق سے احناف کے نقطۂ نظر کا انصاف اور حقیقت پسندی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے اور صرف حیلہ کی تعبیر پر توجہ مرکوز نہ رکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ فن احناف کے یہاں کمال ذکاوت، امت کو حرام سے بچانے کی سعی اور شریعت کی حدود اربعہ میں رہتے ہوئے انسانیت کو حرج سے بچانے کے محمود جذبات کا عکاس ہے، علامہ سرخسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فَالْحَاصِلُ اَنَّ مَا یَتَخَلَّصُ بِهِ الرَّجُلُ مِنَ الْحَرَامِ اَوْ یَتَوَصَّلُ بِهِ اِلَی الْحَلَالِ مِنَ الْحِیَلِ فَهُوَ حَسَنٌ وَاِنَّمَا یُکْرَهُ ذٰلِکَ اَنْ یَحْتَالَ فِیْ حَقٍّ لِرَجُلٍ حَتّٰی یُبْطِلَهٗ اَوْ فِیْ بَاطِلٍ حَتّٰی یُمَوِّهَهٗ فَمَا کَانَ عَلٰی هٰذَا السَّبِیْلِ فَهُوَ مَکْرُوْهٌ وَمَا کَانَ عَلَی السَّبِیْلِ الَّذِیْ قُلْنَا اَوَّلًا فَلَا بَأْسَ بِهٖ"۔ (المبسوط)

حاصل یہ ہے کہ وہ حیل جن کے ذریعہ انسان حرام سے خلاصی یا حلال تک رسائی کا خواہاں ہو بہتر ہے، ہاں کسی کے حق کا ابطال یا باطل کی ملمع سازی مقصود ہو تو ناپسندیدہ ہے؛ غرض یہ ہے کہ یہ صورت درست نہیں ہے اور پہلے ذکر کی گئی صورت درست ہے۔

اس وضاحت کے بعد کسی صاحب انصاف کے لیے احناف کے نقطۂ نظر سے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی، اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ہمارے فقہاء کرام نے عام طور پر عبادات میں حیلہ سے گریز کیا ہے، ابوبکر خصاف کی تالیف "کتاب المحیل والمخارج" میں عبادات میں صرف چند حیلہ ذکر کئے گئے ہیں؛ اگر کسی شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگئی ہو اور کوئی مستحق زکوٰۃ اس مقروض کو اپنی زکوٰۃ دے دے اور پھر اس سے وہی رقم بطور ادائے قرض کے وصول کرلے۔ (ہندیہ، کتاب الحیل فی مسائل الزکاۃ)

اسی طرح اگر میت کی تدفین میں زکوٰۃ خرچ کرنے پر مجبور ہو تو یوں کرے کہ متوفی کے ولی جو صاحبِ نصاب کو زکوٰۃ دے دے اور وہ اسے کفن میں خرچ کردے (هندیہ، کتاب الحیل مسائل الزکاۃ) مسجد کی تعمیر کرنی ہو تو اس علاقہ کے فقراء کو زکوٰۃ دے دے کہ بطورِ خود مسجد تعمیر کرلیں، نیز یہ احتیاط بھی برتے کہ خاص تعمیر کے لیے نہ دے، بلکہ کہے کہ یہ تمہارے لیے صدقہ ہے۔

(هندیہ، کتاب الحیل فی مسائل الزکاۃ)

غور کیجئے کہ حیلہ کی ان صورتوں میں کہیں تحریم حلال اور فرائض وواجبات سے پہلو تہی کا کوئی جذبہ نظر آتا ہے؟ خود امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے طلاق وغیرہ کے مسائل میں جو حیلے منقول ہیں اور جو ان کی حیرت انگیز اور تعجب خیز ذکاوت کا ثبوت ہیں وہ بالکل اسی نوع کے ہیں اور حیلہ کے ناقدین جیسے ابن تیمیہ نے بھی اس کی داد دی ہے۔ (اعلام الموقعین)

علامہ ابن قیم جو حیلہ کے زبردست ناقد ہیں؛ انہوں نے اعلام الموقعین میں حیلہ کی تین قسمیں بیان کی ہیں، ایک وہ جس کا مقصد ظلم کو قبل از وقت روکنا ہو، دوسرے یہ کہ جو ظلم ہو چکا ہو اس کو دفع کیا جائے، تیسرے جس ظلم کو دفع کرنا ممکن نہ ہو اس کے مقابلہ میں اس طرح عمل کیا جائے، خود ابن قیم کا بیان ہے کہ پہلی دونوں صورتیں جائز ہیں اور تیسری صورت میں تفصیل ہے (اعلام الموقعین) پس حیلہ کا اگر صحیح مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے تو یہ عین رحمت ہے اور دین کے مزاج "یسر" اور "رفع حرج" کے عین مطابق ہے اور اس باب میں فقہائے احناف کی ذکاوت وفطانت ایک نا قابل انکار حقیقت ہے۔

حیلہ کے باطل طریقے میں امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کا موقف

یہ حیلہ دو طور پر ہے: اوّل: یہ کہ نماز روزے وغیرہ جس قدر ذمہ میت ہوں سب کے کفارے میں خود قرآن مجید ہی مسکین کو دے دیا جائے یعنی مصحف مبارک ہی کو اُن فرائض کا معاوضہ وکفارہ بنالیا جائے، یہاں جہاں اسی طرح کرتے ہیں اُن کا خیال ہے کہ قرآن بے بہا چیز ہے اُس کی قیمت کا کون اندازہ کرسکتا ہے تو اگر لاکھوں کفارے ہوں ایک مصحف میں سب ادا ہو جائیں گے، ولہٰذا انہیں میت کی عمر اور اس کی قضا نمازوں روزوں کا حساب کرنے کی بھی حاجت نہیں ہوتی کہ حساب تو جب کیجئے کہ کچھ کمی کا احتمال ہو اور جہاں ہر طرح یقیناً زیادہ ہی چیز جارہی ہے وہاں حساب کس لئے۔ یہ طریقہ یقیناً قطعاً باطل ومہمل ہے شرع مطہر نے کفارے میں مال معین فرمایا ہے کہ ہر نماز ہر روزے کے عوض نیم صاع گندم یا ایک صاع جو یا اُن کی قیمت۔ اور اس سے مقصود شرع اِدھر نفع رسانی مساکین ہے اُدھر اپنی رحمتِ کاملہ سے ترکِ فرائض پر مال جرمانہ لے کر ان شاء اللہ بندہ تارک کو مطالبہ سے سبکدوش فرمانا، ولہٰذا ہر نماز روزہ کے ایک مقدار مال معین فرمائی کہ جرم کم وزائد میں امتیاز رہے، جس نے تھوڑے چھوڑے ہیں تھوڑا مال دے کر پاک ہوجائے، جس نے زیادہ چھوڑے اس پر اُسی حساب سے جرمانہ بڑھتا جائے، مصحف شریف میں دو لحاظ ہیں: ایک کاغذ وسیاہی وجلد کا اعتبار، اس لحاظ سے وہ ایک مال ہے اسی لحاظ سے اس کی بیع وشرا ہوتی ہے، بایں معنی اس کی قیمت وہی ہے جتنے پر بازار میں ہدیہ ہو، روپیہ دو روپیہ یا دس پندرہ جو حیثیت ہو اسی لحاظ سے وہ کفارے میں دیا جاسکتا ہے تو بازار کے بھاؤ سے جتنے داموں پر ہدیہ ہو اُسی قدر مال دینا ٹھہرے گا، اور کفارہ ادا ہوا تو صرف اُتنے ہی نماز روزوں کا ادا ہوگا جو ان داموں کے مقابل ہوں مثلاً روپے کے پانچ صاع گیہوں آتے ہیں اور یہ مصحف شریف کہ دیا گیا دو روپے ہدیہ کا تھا تو گویا دس • صاع گیہوں دئے گئے صرف بیس • نمازوں یا بیس • روزوں کا عوض ہوئے، دو چار روپے مالیت کی چیز سے عمر بھر کی نمازوں کا کفارہ کیونکر ادا ہوسکتا ہے۔ دوسرا لحاظ اُس کلام کریم کا اعتبار ہے جو اُس میں لکھا ہے اصلاً مال نہیں بلکہ وُہ اس احد صمد جل وعلا کی صفت قدیمہ کریمہ اُس کی ذات پاک سے قائم اور اُس کے کرم سے ہمارے ورقوں، ہمارے سینوں، ہماری زبانوں، ہماری آنکھوں، ہمارے کانوں، ہمارے دلوں پر کتابت وحفظ وتلاوت ونظر وسماعت وفہم میں متجلی ہے، فللوجهه الكريم الحمد كما ينبغي لجلاله وعظم جوده وافضاله،

عوام نے سچ کہا کہ وُہ بے بہا ہے اور غلط سمجھا کہ اُس کی قیمت حد سے سوا ہے بلکہ وُہ بے بہا بایں معنیٰ ہے کہ تقویم ومالیت سے پاک ودورا ہے بایں معنیٰ وہ کفارہ نہیں ہوسکتا کہ کفارہ مال سے ہوتا ہے اور وہ مال نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، ج۱۰، ص۵۱۳، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

زکوۃ کے لیے معتاق اناق کا بیان

1581 - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ زَكَرِيَّا بْنِ إِسْحَاقَ الْمَكِّيِّ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي سُفْيَانَ الْجُمَحِيِّ، عَنْ مُسْلِمِ بْنِ ثَفِنَةَ الْيَشْكُرِيِّ - قَالَ الْحَسَنُ: رَوْحٌ يَقُولُ: مُسْلِمُ بْنُ شُعْبَةَ قَالَ: اسْتَعْمَلَ نَافِعُ بْنُ عَلْقَمَةَ أَبِي عَلَى عِرَافَةِ قَوْمِهِ، فَأَمَرَهُ أَنْ يُصَدِّقَهُمْ، قَالَ: فَبَعَثَنِي أَبِي فِي طَائِفَةٍ مِنْهُمْ، فَأَتَيْتُ شَيْخًا كَبِيرًا يُقَالُ لَهُ: سِعْرُ بْنُ دَيْسَمٍ، فَقُلْتُ: إِنَّ أَبِي بَعَثَنِي إِلَيْكَ - يَعْنِي - لِأُصَدِّقَكَ، قَالَ: ابْنُ أَخِي، وَأَيَّ نَحْوٍ تَأْخُذُونَ؟ قُلْتُ: نَخْتَارُ، حَتَّى إِنَّا نَتَبَيَّنَ ضُرُوعَ الْغَنَمِ، قَالَ: ابْنُ أَخِي، فَإِنِّي أُحَدِّثُكَ أَنِّي كُنْتُ فِي شِعْبٍ مِنْ هَذِهِ الشِّعَابِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَنَمٍ لِي، فَجَاءَنِي رَجُلَانِ عَلَى بَعِيرٍ، فَقَالَا لِي: إِنَّا رَسُولَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْكَ لِتُؤَدِّيَ صَدَقَةَ غَنَمِكَ، فَقُلْتُ: مَا عَلَيَّ فِيهَا؟ فَقَالَا: شَاةٌ، فَأَعْمَدُ إِلَى شَاةٍ قَدْ عَرَفْتُ مَكَانَهَا مُمْتَلِئَةٍ مَحْضًا وَشَحْمًا، فَأَخْرَجْتُهَا إِلَيْهِمَا، فَقَالَا: هَذِهِ شَاةُ الشَّافِعِ، وَقَدْ نَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَأْخُذَ شَافِعًا، قُلْتُ: فَأَيَّ شَيْءٍ تَأْخُذَانِ؟ قَالَا: عَنَاقًا جَذَعَةً، أَوْ ثَنِيَّةً، قَالَ: فَأَعْمَدُ إِلَى عَنَاقٍ مُعْتَاطٍ، وَالْمُعْتَاطُ الَّتِي لَمْ تَلِدْ وَلَدًا، وَقَدْ حَانَ وِلَادُهَا، فَأَخْرَجْتُهَا إِلَيْهِمَا، فَقَالَا: نَاوِلْنَاهَا، فَجَعَلَاهَا مَعَهُمَا عَلَى بَعِيرِهِمَا، ثُمَّ انْطَلَقَا، قَالَ أَبُو دَاوُدَ، رَوَاهُ أَبُو عَاصِمٍ، عَنْ زَكَرِيَّا، قَالَ أَيْضًا: مُسْلِمُ بْنُ شُعْبَةَ، كَمَا قَالَ رَوْحٌ.

❀❀ مسلم بن شعبہ بیان کرتے ہیں: نافع بن علقمہ نے میرے والد کو ان کی قوم کا نگران مقرر کیا اور انہیں یہ ہدایت کی کہ وہ ان سے زکوۃ وصول کریں۔ راوی کہتے ہیں: میرے والد نے مجھے کچھ لوگوں کے پاس بھیجا میں ایک عمر رسیدہ صاحب کے پاس آیا جن کا نام سعر بن دیسم تھا میں نے کہا: میرے والد نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے' تا کہ میں آپ سے زکوۃ وصول کروں۔ انہوں نے کہا: اے میرے بھتیجے! تم کس قسم کی وصولی کرنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: ہم منتخب کرتے ہیں یہاں تک کہ ہم بکریوں کے تھنوں کا بھی جائزہ لیتے ہیں ان صاحب نے کہا: اے میرے بھتیجے میں تمہیں یہ بتاتا ہوں میں نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس میں اپنی بکریوں کے ساتھ ایک گھاٹی میں رہتا تھا دو آدمی اونٹ پر سوار ہو کر میرے پاس آئے انہوں نے مجھ سے کہا: ہم اللہ کے رسول کے تمہاری طرف نمائندے ہیں تا کہ تم اپنی بکریوں کی زکوۃ ادا کرو۔ میں نے دریافت کیا: ان میں مجھ پر کیا ادائیگی لازم ہو گی ان دونوں نے کہا: ایک بکری' تو میں ایک ایسی بکری کی طرف بڑھا جس کے بارے میں مجھے پتہ تھا کہ وہ دودھ اور چربی سے بھری ہوئی ہے میں نے وہ نکال کر انہیں دی تو ان دونوں نے کہا: یہ حاملہ بکری ہے نبی اکرم ﷺ نے ہمیں اس سے منع کیا ہے کہ ہم حاملہ بکری وصول کریں میں نے دریافت کیا: پھر آپ دونوں کس طرح کی بکری وصول کریں گے ان دونوں نے جواب دیا: جذعہ یا ثنیہ۔ راوی کہتے ہیں: میں ایک معتاط اناق کی طرف بڑھا (راوی کہتے ہیں:) معتاط اس بھیڑ کو کہتے ہیں' جس نے کسی بچے کو جنم نہ دیا ہو لیکن وہ بچہ پیدا کرنے کی عمر تک پہنچ چکی ہو میں نے وہ نکال کر ان دونوں کو دی تو ان دونوں نے کہا: یہ ہمیں دے دو پھر ان

دونوں نے اسے اپنے اونٹ پر رکھا اور چلے گئے۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ابوعاصم نے یہ روایت اپنی سند کے ساتھ نقل کی ہے۔

تین کاموں کے سبب ایمان ذائقہ کا چکھ لینے کا بیان

1582 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُونُسَ النَّسَائِيُّ، حَدَّثَنَا رَوْحٌ، حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ إِسْحَاقَ بِإِسْنَادِهِ بِهٰذَا الْحَدِيثِ قَالَ مُسْلِمُ بْنُ شُعْبَةَ: قَالَ فِيهِ: وَالشَّافِعُ الَّتِي فِي بَطْنِهَا الْوَلَدُ

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَقَرَأْتُ فِي كِتَابِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَالِمٍ بِحِمْصَ عِنْدَ آلِ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ الْحِمْصِيِّ، عَنِ الزُّبَيْدِيِّ، قَالَ: وَأَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ جَابِرٍ، عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْغَاضِرِيِّ، مِنْ غَاضِرَةِ قَيْسٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثٌ مَنْ فَعَلَهُنَّ فَقَدْ طَعِمَ طَعْمَ الْإِيمَانِ: مَنْ عَبَدَ اللّٰهَ وَحْدَهُ وَأَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَعْطَى زَكَاةَ مَالِهِ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهُ، رَافِدَةً عَلَيْهِ كُلَّ عَامٍ، وَلَا يُعْطِي الْهَرِمَةَ، وَلَا الدَّرِنَةَ، وَلَا الْمَرِيضَةَ، وَلَا الشَّرَطَ اللَّئِيمَةَ، وَلٰكِنْ مِنْ وَسَطِ أَمْوَالِكُمْ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَسْأَلْكُمْ خَيْرَهُ، وَلَمْ يَأْمُرْكُمْ بِشَرِّهِ

❀❀ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے' تاہم اس میں یہ الفاظ ہیں:

''شافع'' اس بکری کو کہتے ہیں' جس کے پیٹ میں بچہ موجود ہو۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں نے حمص میں عبداللہ بن سالم کی تحریر میں پڑھا یہ تحریر آل عمر بن حارث کے پاس موجود تھی اور زبیدی کے حوالے سے منقول تھی وہ کہتے ہیں: یحییٰ بن جابر نے جبیر بن نفیر کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن معاویہ غاضری رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کیا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جو شخص تین کام کر لے وہ ایمان کا ذائقہ چکھ لیتا ہے' جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے (اور اس بات کا قائل ہو) کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے اور جو شخص ہر سال اپنی خوشی کے ساتھ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے وہ بوڑھا' خارش زدہ' بیمار یا کم تر قسم کا جانور نہ دے بلکہ درمیانی قسم کا مال ادا کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں سے سب سے بہتر کا طلب گار نہیں ہے اور نہ ہی وہ تمہیں سب سے برا دینے کا حکم دیتا ہے''۔

شرح

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" جس آدمی میں یہ تین چیزیں ہوں گی وہ ان کی وجہ سے ایمان کی حقیقی لذت سے لطف اندوز ہوگا، اول یہ کہ اسے اللہ اور اس کے رسول کی محبت دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ ہو، دوسرا یہ کہ کسی بندہ سے اس کی محبت محض اللہ (کی خوشنودی) کے لئے ہو۔ تیسرے یہ کہ جب اسے اللہ نے کفر کے اندھیرے سے نکال کر ایمان و اسلام کی روشنی سے نواز دیا ہے تو اب وہ اسلام سے پھر جانے کو اتنا ہی برا جانے جتنا آگ میں ڈالے جانے کو۔

(صحیح البخاری و صحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 7)

کمال ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مومن کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت اس درجہ رچ بس جائے کہ ان کے ماسوا تمام دنیا اس کے سامنے کم تر ہو۔ اس طرح یہ شان بھی مومن کامل ہی کی ہوسکتی ہے کہ اگر وہ کسی سے محبت کرتا ہے تو محض اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے اور اگر کسی سے بغض وعداوت رکھتا ہے تو وہ بھی اللہ کی راہ میں غرض کہ اس کا جو بھی عمل ہو صرف اللہ کے لئے ہو اور اس کے حکم کی تکمیل میں ہو۔ ایسے ہی ایمان کا پختگی کے ساتھ دل میں بیٹھ جانا اور اسلام پر پختگی کے ساتھ قائم رہنا اور کفر وشرک سے اس درجہ بیزاری ونفرت رکھنا کہ اس کے تصور وخیال کی گندگی سے بھی دل پاک وصاف رہے، ایمان کے کامل ہونے کی دلیل ہے۔ اسی لئے اس حدیث میں فرمایا گیا کہ ایمان کی حقیقی دولت کا مالک اور اس پر جزاء وانعام کا مستحق تو وہی آدمی ہے جو ان تینوں اوصاف سے پوری طرح متصف ہو اور ایمان کی حقیقی لذت کا ذائقہ وہی چکھ سکتا ہے جس کا دل ان چیزوں کی روشنی سے منور ہو۔

اللہ کی راہ میں اچھا مال خرچ کرنے کا بیان

ومالکم الا تنفقون فی سبیل اللہ وللہ میراث السموات والارض لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجة من الذین انفقو من بعد وقاتلوا وکلاو عداللہ الحسنی واللہ بما تعملون خبیر۔ (الحدید۔۱۰)

اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ سب آسمان وزمین آخر میں اللہ کا رہ جائے گا برابر نہیں ہیں تم میں وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے (اللہ کے راستے میں مال) خرچ کیا اور قتال کیا یہ لوگ درجہ میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور (اللہ کے راستے میں) لڑے اور اللہ تعالیٰ نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خوب خبر رکھتے ہیں۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں کونسی چیز اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے روک رہی ہے حالانکہ تم لوگ مرنے والے ہو اور تم اپنے مال اپنے پیچھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے اور یہ مال بھی اللہ ہی کی طرف لوٹ جائے گا۔ وللہ میراث السمٰوات والارض کا مطلب یہ ہے کہ آسمان وزمین بھی اللہ ہی کی طرف لوٹیں گے کیونکہ جو کچھ ان دونوں میں ہے وہ تو ختم ہو جائے گا تو جس طرح میراث اس کے مستحق کی طرف لوٹتی ہے اسی طرح یہ بھی اللہ کی طرف لوٹیں گے۔ (تفسیر القرطبی)

مالک بن اوس بن حدثان فرماتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ شام سے واپس تشریف لائے تو مسجد میں داخل ہوئے میں بیٹھا ہوا تھا آپ نے ہمیں سلام کیا پھر ایک ستون کے پاس جا کر دو رکعت نماز پڑھی اور انہیں خوب لمبا کیا پھر آپ نے الھکم التکاثر پوری سورۃ پڑھی نماز کے بعد لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے اور کہنے لگے۔ اے ابوذر! حضور اکرم ﷺ سے سنی ہوئی کوئی حدیث شریف سنائیے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے اپنے محبوب ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا اونٹ میں صدقہ ہے گائے میں صدقہ ہے، کپڑوں میں صدقہ ہے، جس شخص نے سونا چاندی جمع کئے اور نہ وہ کسی مقروض کو دیئے اور نہ اللہ کے راستے میں خرچ کئے تو اسے اس سونے چاندی سے (قیامت کے دن) داغا جائے گا۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ والذین

یکنزون الذھب۔۔۔ الی آخرہ (مکمل آیت اور ترجمہ اوپر گزر چکا ہے) (ابن عساکر)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا ان کے پاس کچھ مال آیا ان کے ساتھ ان کی باندی تھی وہ اس مال کو ضروریات میں خرچ کرتی رہی یہاں تک کہ اس کے پاس سات درہم باقی رہ گئے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے اسے حکم دیا کہ ان کے سکے خرید لو۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا آپ یہ سات درہم بچا کر رکھ لیں شاید آپ کو ان کی ضرورت پڑے یا آپ کے پاس کوئی مہمان آجائے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے دوست حضرت محمد ﷺ نے مجھے یہ وصیت فرمائی تھی کہ جو سونا اور چاندی (کسی تھیلی میں) گرہ لگا کر رکھا جائے وہ اپنے مالک کے لئے انگارہ ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے راستے میں بانٹ دے۔ (مسند احمد۔ الطبرانی)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے خود بھی جہاد نہیں کیا اور نہ کسی مجاہد کو سامان جہاد فراہم کیا اور نہ کسی مجاہد کے پیچھے اس کے گھر والوں کی بھلائی کے ساتھ دیکھ بھال کی تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت سے پہلے کسی سخت مصیبت میں مبتلا فرمادیں گے۔ (ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ)

اسلم بن عمران رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ منورہ سے قسطنطنیہ پر حملے کے لئے روانہ ہوئے۔ ہمارے امیر لشکر حضرت عبدالرحمن بن خالد بن ولید تھے (لڑائی کے وقت) رومی لشکر اپنے شہر کی دیوار سے چپکا ہوا تھا۔ مسلمانوں میں سے ایک مجاہد نے دشمنوں پر (تنہا) حملہ کردیا یہ دیکھ کر لوگ شور کرنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ شخص اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے (حالانکہ قرآن مجید میں تو آیا ہے کہ لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کہ اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ آیت تو ہم انصار کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی مدد فرمائی اور اسلام کو غالب فرمادیا تو ہم نے کہا کہ ہم (کچھ عرصہ) اپنے مال اور کاروبار کی اصلاح کے لئے گھروں میں رک جاتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں بتادیا گیا کہ ہاتھوں سے خود کو ہلاک کرنا یہ ہے کہ ہم جہاد چھوڑ کر اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں اور اپنے اموال کی اصلاح کرتے رہیں۔ ابوعمران کہتے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہمیشہ جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ آپ قسطنطنیہ میں دفن ہوئے (ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن حبان۔ حاکم)

اور بعض مفسرین کے نزدیک خود کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں ڈالنے کا مطلب جہاد میں مال خرچ نہ کرنا ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللہِ۔ (اللہ کے راستے میں خرچ کرو) کی تفسیر فرماتے کہ تم میں سے کوئی بھی یہ نہ کہے کہ میں خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں پاتا بلکہ اگر کوئی آدمی صرف تیر کا پیکان ہی پائے تو وہی جہاد میں دے دے اور جہاد میں خرچ کرنا چھوڑ کر خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ (سنن الکبری۔ بیہقی)

فصل

جہاد میں اپنے اوپر اور اپنی سواری پر اور دوسرے مجاہدین پر مال خرچ کرنا یا اس مال سے اسلحہ اور جہادی ضرورت کا دوسرا سامان خریدنا یا مجاہدین اور ان کے پیچھے ان کے گھر والوں کے کھانے پینے کا بندوبست کرنا بلند ترین عبادات اور عظیم ترین صدقات

میں ہے ہے اور یہ عمل اللہ تعالیٰ کے قرب کا بہت ہی بڑا ذریعہ ہے اسی لئے شیطان جتنی کوشش اور محنت جہاد میں خرچ کرنے سے روکنے میں لگاتا ہے اور کسی جگہ خرچ کرنے سے روکنے کے لئے نہیں لگاتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ (جہاد میں) خرچ کرنے کی بدولت ایک مومن کو کتنا بڑا اجر، کتنا عظیم ثواب اور کیسے درجات نصیب ہوتے ہیں اور وہ کتنی سخت وعیدوں اور عذاب سے بچ جاتا ہے۔ ایک طرف شیطان اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ کوئی مسلمان جہاد میں مال خرچ نہ کرے دوسری طرف انسان کا طبعی بخل، اور خرچ نہ کرنے کی عادت، اور جہاد میں خرچ کرنے کے عظیم فضائل سے ناواقفیت بھی اس کی مدد کرتی ہے۔ خصوصا اس دور میں جبکہ جہاد کے نشانات مٹتے جا رہے ہیں اور لوگ جہاد کو بھولتے جا رہے ہیں ہمارے شہروں (دمشق) وغیرہ میں تو اب جہاد رہا ہی نہیں جبکہ دوسرے شہروں میں حقیقی جہاد بہت کم پایا جاتا ہے چنانچہ ملعون دشمن کے مقابلے میں جہاد کے لئے اللہ کی تائید کے بغیر کچھ مال نکالنا ممکن ہی نہیں رہا کیونکہ شیطان انسانوں کو فقر وفاقے سے ڈراتا ہے اور بے حیائی میں لگاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا سچا فرمان ہے: وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ. (تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو وہ ضرور بدلہ دیتا ہے اور وہ سب سے بہترین روزی دینے والا ہے) (سورۃ سبا۔ ۳۹)

بعض اوقات ایک انسان جہاد میں نکلنے کے بارے میں شیطان پر غلبہ پالیتا ہے اور اس کی باتوں میں نہیں آتا لیکن یہی انسان جہاد میں مال خرچ کرنے کے بارے میں شیطان کی باتوں میں آجاتا ہے کیونکہ شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ خود بھی جہاد میں چلا گیا اور سارا مال بھی لے گیا تو پھر اگر تو واپس آگیا تو لوگوں کا محتاج بن کر پھرتا رہے گا جہاد کے دوران تو زخمی اور بیمار بھی ہو سکتا ہے اس لئے خود اگر جانا چاہتا ہے تو چلا جا لیکن اپنا مال پیچھے چھوڑ جا شیطان کا یہ وسوسہ اسی آدمی کے دل پر زیادہ اثر کرتا ہے جس کے دل میں واپس آنے کا چور چھپا ہوا ہوتا ہے اور وہ غیر محسوس دنیا کی محبت اور شہادت کے خوف میں مبتلا ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ شہادت پانے کا پکا عزم کر کے نکلتا تو واپسی کا خیال ہی اس کے دل میں نہ آتا ہمارے اسلاف شہادت کے شوق میں اور اللہ سے ملاقات کی محبت میں جہاد کے وقت اپنی تلواروں کے نیام توڑ ڈالتے تھے کیونکہ ان کے دل میں واپس آنے اور زندہ رہنے کا خیال تک نہیں ہوتا تھا کیونکہ وہ لوگ شہادت کی عظمت اور لذت سے واقف تھے۔ اسلاف ہی میں سے کسی کا واقعہ ہے کہ ایک بار میدان جہاد میں جب لشکر آمنے سامنے آگئے تو شیطان انہیں وسوسے ڈالنے شروع کئے۔ پہلے ان کے دل میں بیوی کی یاد اس کا حسن وجمال اس سے قرب کے لمحات اور اس سے جدائی کے غم کو جگایا پھر عیش وآرام والی زندگی مال واسباب یاد دلائے۔ قریب تھا کہ ان کے دل میں بزدلی اور دنیا کی محبت پیدا ہو جاتی اور میدان جنگ سے پیچھے ہٹنے کا ارادہ کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی۔ انہوں نے اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرمایا: اے نفس اگر آج میں میدان جنگ سے پیچھے ہٹا تو میری بیوی پر طلاق ہے اور میرے غلام اور باندیاں آزاد اور تمام مال فقیروں اور مسکینوں کے لئے صدقہ ہے اے نفس کیا تو آج میدان جنگ سے بھاگ کر ایسی زندگی گزارنے کے لئے تیار ہے جس میں نہ بیوی ہو گی نہ مال واسباب۔ ان کے نفس نے کہا اگر ایسا ہے تو پھر میں پیچھے ہٹنے کو پسند نہیں کرتا۔ انہوں نے فرمایا۔ تو پھر چل آگے بڑھ۔ بعض مرتبہ شیطان یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ اگر تو جہاد میں مال بھی خرچ کرنے کے لئے ساتھ لے گیا اور تو مارا گیا تو تیری اولاد اور گھر والے دوسروں کے محتاج بن کر رہ جائیں گے۔ اس لئے اپنا مال پیچھے والوں کے لئے چھوڑ جاؤ ان کے

لئے اتنا صدمہ کافی ہے کہ تم جارہے ہو۔اب انہیں مال سے تو محروم نہ کرو۔ یہ وسوسہ ان لوگوں کے دل پر زیادہ اثر کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر مکمل یقین اور اعتماد نہیں رکھتے اور انہیں اس بات کا بھروسہ نہیں ہوتا کہ بندوں کی روزی کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہوئی ہے ورنہ جو شخص اس بات کا یقین رکھتا ہو کہ اصل رازق تو اللہ ہے میں تو اپنے اہل وعیال تک روزی پہنچانے کا ایک واسطہ ہوں اس پر شیطان کا وسوسہ اثر انداز نہیں ہوتا۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے سفر سے پہلے اپنی بیوی سے پوچھا کہ تمہارے لئے اور تمہارے بچوں کے لئے کتنا خرچہ کافی ہوگا تاکہ میں سفر سے پہلے اس کا انتظام کردوں۔ان کی بیوی نے کہا اے حاتم میں نے تمہیں کبھی بھی اپنا روزی دینے والا رازق نہیں سمجھا۔میں تو تمہیں روزی کھانے والا سمجھتی ہوں تمہیں جہاں جانا ہے خوشی سے چلے جاؤ (اور ہماری پرواہ نہ کرو ہمارا رازق تو ہمیشہ موجود رہنے والا ہے)۔

☆ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو سابقین کے امام اور امت میں سب سے افضل ہیں ان کا واقعہ بھی مشہور ہے کہ انہوں نے (غزوہ تبوک کے موقعہ پر) اپنا مال حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا جس پر حضور اکرم ﷺ نے پوچھا اے ابوبکر اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا۔فرمانے لگے ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔(سنن دارمی)

☆ یہی حال ان کی صاحبزادی اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تھا ایک بار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت میں ایک لاکھ درہم بھیجے انہوں نے وہ سارے بانٹ دیئے اور ایک درہم تک ان میں سے نہیں بچایا۔(المستدرک)

مال خرچ کرنے اور اسے بچا کر نہ رکھنے کے سلف صالحین کے واقعات بے شمار ہیں اگر ان کا کچھ حصہ بھی ذکر کیا جائے تو یہ باب بہت لمبا ہو جائے گا۔

خود حضور اکرم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ کوئی چیز بھی اگلے دن کے لئے ذخیرہ کر کے نہیں رکھتے تھے۔

(ابن حبان۔موارد الظمآن)

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے دو ایسے بندوں سے (ان کے مرنے کے بعد) گفتگو فرمائی جنہیں اس نے (دنیا میں) خوب مال واولاد عطاء فرمائی تھی۔اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک سے فرمایا۔۔کیا میں نے تمہیں کثرت سے مال واولاد عطاء نہیں فرمائی تھی۔اس نے کہا اے میرے رب آپ نے عطاء فرمائی تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم نے اس کا کیا کیا۔اس نے کہا اس خوف سے کہ میری اولاد فقیر اور محتاج نہ ہو جائے۔میں وہ سارا مال اپنی اولاد کے لئے چھوڑ آیا ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تجھے حقیت کا حال کا علم ہو جائے تو تھوڑا ہنسے گا اور زیادہ روئے گا۔یاد رکھ تو اپنی اولاد کے بارے میں جس چیز (یعنی فقر وفاقہ) سے ڈرتا تھا وہ میں نے ان پر اتار دیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے دوسرے سے یہی گفتگو فرمائی۔۔۔اور پوچھا تم نے اپنے مال واولاد کا کیا کیا؟ اس نے کہا میں نے اپنی اولاد کے بارے میں آپ کے فضل وکرم پر یقین رکھتے ہوئے وہ سارا مال آپ کے کاموں میں خرچ کردیا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تمہیں حقیقت حال کا علم ہو جائے تو تم زیادہ ہنسوگے اور تھوڑا روؤگے۔تو نے اپنی اولاد کے بارے میں جس چیز (یعنی میرے فضل

وکرم) کا یقین رکھا تھا وہ میں نے ان پر اتار دیا ہے۔(المعجم الصغیر للطبرانی)

☆ ایسا ہی واقعہ امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے گیارہ بیٹوں کو بلایا پھر اپنا سارا مال جمع کر کے بیویوں کو ان کا شرعی حصہ دینے کے بعد ہر بیٹے کو صرف ایک دینار ملا۔ مسلمہ بن عبد الملک نے ان سے کہا اے امیر المؤمنین آپ اپنے بیٹوں کا معاملہ میرے سپرد کر دیں۔ عمر بن عبد العزیز نے فرمایا میرے بیٹے اگر صالحین میں سے ہوئے تو اللہ تعالیٰ صالحین کا خود متولی ہے اور اگر یہ صالحین میں سے نہ ہوئے تو پھر میں اللہ کی نافرمانی میں ان کی مددیوں کروں۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے ایک بیٹے نے اللہ کے راستے میں سو گھڑ سواروں کو مکمل سامان جہاد دے کر سو گھڑوں پر سوار کیا (یعنی ان کے مال میں اتنی برکت ہوگئی) جبکہ مسلمہ بن عبد الملک نے مرتے وقت اپنے ہر بیٹے کے لئے گیارہ ہزار دینار چھوڑے لیکن ان کے ایک بیٹے کو دیکھا گیا کہ وہ حمام میں پانی گرم کرنے کی (معمولی) نوکری کر رہا تھا۔ (یعنی مسلمہ کی اولاد پر فقر وفاقہ نازل ہوگیا۔(قرطبی)

☆ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے جب آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا: رب کعبہ کی قسم وہ لوگ بہت گھاٹے میں پڑنے والے ہیں۔ ابوذر فرماتے ہیں کہ میں آکر بیٹھ گیا ابھی میں نے قرار نہیں پکڑا تھا کہ میں کھڑا ہو گیا اور میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں اللہ کے رسول وہ کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ زیادہ مالدار لوگ ہیں (جو بہت گھاٹے میں پڑ گئے ہیں) مگر وہ لوگ جو آگے پیچھے دائیں بائیں (یعنی ہر نیکی کے کام میں) خوب خرچ کرتے ہیں اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔(بخاری۔مسلم)

اس موضوع پر احادیث بہت زیادہ ہیں اور ان سب کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے وعدوں پر یقین رکھتا ہو اور اسے اللہ تعالیٰ پر توکل نصیب ہو اور اسے اللہ کی طرف سے بدلہ ملنے کا یقین ہو وہ اگر اپنا سارا مال بھی خرچ کر دے تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ البتہ وہ اللہ تعالیٰ کے دربار سے اجر وثواب کے خزانے اور بہترین بدلہ لوٹ لیتا ہے۔

جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا واقعہ گزر چکا ہے۔ (کہ سارا مال خرچ کرنے کے باوجود فقر وفاقے میں مبتلا نہیں ہوئے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا مقام ضرور پالیا) مگر یہ نعمت بڑے خوش نصیب لوگوں کو نصیب ہوتی ہے ہاں اگر کسی شخص کا یقین اور توکل کمزور (یا اسے کوئی عذر) ہو تو اسے چاہئے کہ کچھ مال اپنے اہل وعیال کے لئے بھی رکھ لے۔ (اور باقی خرچ کر دے)۔

☆ ایک روایت میں ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا یہ میری توبہ کا ایک حصہ ہے کہ میں اپنا سارا مال اللہ اور اس کے رسول کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اپنا کچھ مال روک لو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔(بخاری۔مسلم)

☆ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تم اپنے ورثاء کو غنی چھوڑ دو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں ایسے فقر میں چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں سے مانگتے پھریں۔(بخاری مسلم)

حضرات صحابہ کرام کے بارے میں تو توکل اور یقین کے کمزور ہونے کا وہم بھی نہیں کیا جا سکتا (یہ حضرات تو ایمان ویقین اور توکل کے بلند مینار تھے) حضور اکرم ﷺ نے ان میں سے بعض حضرات کو جو یہ حکم دیا کہ وہ اپنا کچھ مال پیچھے چھوڑ جائیں تو یہ امت کی تعلیم کے لئے تھا۔ تاکہ امت میں کمزور لوگ ان کی اقتدا کر سکیں اور مضبوط ایمان والے لوگ حضرت صدیق اکبر کی پیروی کر سکیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم تو ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پا لو گے۔ لیکن جو شخص استطاعت ہوتے ہوئے نہ ہی سارا مال خرچ کرے اور نہ کچھ مال بلکہ بخل کرتا ہے تو ایسا شخص قرآنی فیصلے کے مطابق اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں ڈالنے والا ہے اور اس بارے میں اس کے لئے کوئی چھوٹ نہیں ہے۔

وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ. (احزاب۔۴)

اور اللہ تعالیٰ تو سچی بات فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

(جہاد میں مال خرچ کرنا ایک عظیم عبادت ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے مختصر طور پر کچھ فضائل بیان فرمائے ہیں لیکن اگر ان فضائل کو تفصیل سے لکھا جائے تو اس کے لئے سینکڑوں صفحے درکار ہیں ویسے ایک مسلمان کے لئے تو قرآن مجید کی ایک آیت اور حضور اکرم ﷺ کی ایک حدیث ہی کافی ہے جس مسلمان کے دل میں تھوڑا سا بھی ایمان ہو وہ جہاد میں خرچ کرنے کے ان فضائل کو پڑھ کر پیچھے رہنے یا محروم رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا کیونکہ یہ مسلمان جانتا ہے کہ یہ مال بہت گھٹیا اور حقیر چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا بہت ہی انمول اور قیمتی تحفہ ہے اب اگر اس حقیر سے مال کو خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا جیسی نعمت عظمیٰ نصیب ہوتی ہو تو کون سا مسلمان ایسا ہے جو اس سے محروم ہونا گوارہ کرے گا۔ یہ گندا اور حقیر مال جسے حدیث شریف میں مردار جانور سے تشبیہ دی گئی ہے اگر خرچ کر کے جہنم سے نجات مل سکتی ہے تو کون مسلمان ایسا ہوگا جو یہ سودا نہیں کرنا چاہے گا پھر ایک سچے مسلمان کے دل میں اس بات کا یقین بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزی کی مقدار مقدر ہے اور ہر کسی کا رازق خود اللہ تعالیٰ ہے۔ اب اس یقین کے بعد پھر اس بات کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی کہ مسلمان مال کو بچا بچا کر رکھے اور اپنی تجوریوں اور بینک اکاونٹوں کا پیٹ بھرتا بھرتا مر جائے اور قیامت کے دن یہی مال اس کے جسم کو داغنے کا سبب بنے اور اسی مال کی پائی پائی کا حساب دینے کے لئے اسے حشر کی خوفناک گرمی اور ذلت میں کھڑا ہونا پڑے۔

ایک مومن کی سوچ تو یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مال مجھے میرے فائدے کے لئے دیا ہے اور اس مال سے فائدہ مجھے تبھی ملے گا جب میں اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دوں گا۔ تب یہ مال قبر کے عذاب اور آخرت کی رسوائی سے بھی بچائے گا اور اس مال کی بدولت جنت کی انمول نعمت بھی ملے گی اور قیامت کے دن مجھے اس مال کا حساب دینا نہیں لینا ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے راستے میں خرچ کرنے والوں کو لاکھوں کروڑوں گنا بڑھا کر اجر و بدلہ دے گا۔ مگر آج کے مسلمان کا ذہن اب بدل چکا ہے کیونکہ کافروں نے محنت کر کے اور شیطان نے وسوسے ڈال کر مال کی اہمیت دلوں میں اتنی زیادہ بڑھا دی ہے کہ اب تو مال ہی کے گرد زندگیاں گھوم رہی ہیں اور مال کو معاشرے کے جسم کا خون سمجھا جا رہا ہے۔ کافروں نے صدیوں کی محنت کے بعد دنیا پر ایسا معاشی نظام مسلط کر دیا ہے جس نے ہر شخص کو مال کا حریص اور لالچی بنا دیا ہے اور تو اور شائد آج کتوں کو بھی انسانوں کی حرص

اور لالچ دیکھ کر شرم آتی ہوگی۔ ہر شخص آج پیسے کے پیچھے دوڑ رہا ہے جبکہ پیسہ کسی کے ہاتھ میں ٹھہرنے اور کسی کے ساتھ وفا کا دم بھرنے کے لئے تیار نہیں ہے مالدار بھی ڈر رہے ہیں کہ مال کم نہ ہو جائے۔ غریب بھی ڈر رہے ہیں کہ مزید غربت کا منہ نہ دیکھنا پڑے ہر مالدار مزید مال کے چکر میں اور ہر غریب مالدار بننے کے چکر میں دن رات اپنا ایمان اور اپنا آرام تباہ کر رہا ہے۔

مال کا بھوت سروں پر ایسا سوار ہوا ہے کہ اب انسانی قدریں بھی اس کے سامنے پامال ہو رہی ہیں اور معاشرے کی ترتیب اور تقسیم مال کی بنیاد پر ہو رہی ہے اور ہر چیز کو خریدا جا رہا ہے اور ہر چیز کو بیچا جا رہا ہے ایسے دردناک حالات میں جبکہ غریبوں کے لئے عزت کے ساتھ جینا دو بھر کر دیا گیا ہے۔ جہاد میں خرچ کرنے کی صدائیں عجیب تر معلوم ہوتی ہیں آج جبکہ مال کی خاطر ایمان کو فروخت کر دیا جاتا ہے اس وقت یہ آواز لگانا کہ مال دو ایمان کے اعلیٰ مراتب حاصل کرو بہت عجیب سا لگتا ہے لیکن حقیقت میں یہ کچھ بھی عجیب نہیں ہے اسلام ہر دور میں الحمدللہ اپنی اصل شکل کے ساتھ کچھ لوگوں کے دلوں اور ان کے اعمال میں محفوظ رہتا ہے اور یہ اس وقت تک رہے گا جب تک قیامت قائم ہونے کا وقت نہیں آجاتا۔ آج بھی الحمدللہ ان مسلمانوں کی کمی نہیں ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں پر یقین رکھتے ہیں اور اسلام کے ایک ایک حکم پر مرمٹنا اپنی سعادت سمجھتے ہیں ایسے مسلمانوں کو یہ بات اچھی طرح سے سمجھنی چاہئے کہ جہاد کے لئے خرچ کرنے کی اس قدر تاکید قرآن مجید میں کیوں آئی ہے۔ اور جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خاطر خود چندہ فرمانے کی تکلیف کس طرح گوارہ فرمائی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا سارا سامان کیوں عطاء فرما دیا؟ آج اگر مسلمان ان سوالوں پر غور کریں اور ان کے جواب تک پہنچ جائیں تو اللہ کی قسم اسلامی جہاد بہت مضبوط ہو سکتا ہے۔ پھر کسی جگہ مجاہدین کو اسلحے کی کمی در پیش نہیں آئے گی۔ کسی شہید کے ورثاء لاوارثوں والی زندگی نہیں گزاریں گے، مجاہدین کو بار بار اپنے حملے روکنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اور دنیا میں کفر کو دندناتے پھرنے کا موقع نہیں ملے گا کیا کبھی آپ نے سوچا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کی سوئی تک اٹھا کر کیوں دے دی تھی کیا کبھی آپ نے غور کیا کہ حضرات فقہاء کرام نے آخر یہ کیوں لکھ دیا کہ اگر مسلمان بھوکے مر رہے ہوں تب بھی مجاہدین کو کمک پہنچانا ان بھوکوں کو کھانا کھلانے سے زیادہ اہم ہے؟ اللہ کے لئے تھوڑا سا غور کیجئے ہمارے دشمنوں نے اس نکتے پر بہت پہلے غور کر لیا تھا چنانچہ آج وہ محفوظ ہیں۔ مطمئن ہیں اور جہاں چاہتے ہیں وار کرتے ہیں مگر ہم نے اس نکتے کو بھلا دیا ہم تو یہ مسئلہ پوچھتے رہ گئے کہ مجاہدین کو زکوٰۃ لگتی ہے یا نہیں۔ ہم نے اپنی تجوریاں بھریں اور ہم بینکوں کے پیٹ بھرتے رہ گئے ہم نے اپنے کپڑوں، جوتوں، زیورات اور شادیوں پر پیسے اڑائے ہم اپنے شوق پر مال قربان کرتے رہے چنانچہ ہم ذلیل وخوار ہو گئے کمزور ہو گئے اور اپنے دفاع کے لئے اپنے ہی دشمنوں سے بھیک مانگنے پر مجبور ہو گئے اور اپنی روزی کے لئے اپنے دشمنوں کے جوتے صاف کرنے کی ذلت ہمیں سہنی پڑی۔ اللہ کے لئے اے مسلمانو! اب بھی غور کر لو یاد رکھو جب تک دنیا میں اسلام اور قرآن کو عزت اور مقام نہیں ملتا ہم جتنے خوبصورت کپڑے پہن لیں اور جتنی بڑی کوٹھی بنا لیں ہم عزت نہیں پا سکتے بلکہ ہم مزید ذلیل اور بزدل ہوتے جائیں گے۔

یاد رکھو! اگر اللہ کی شریعت ہمارے ملکوں پر اور اللہ کی ساری زمین پر نافذ نہ ہوئی تو ہم قیامت کے دن مجرم اٹھائیں جائیں گے کیونکہ اللہ کا دین دنیا میں غالب ہونے کے لئے آیا ہے۔ ذلیل ہونے کے لئے نہیں۔ اللہ کے لئے اپنی ذمہ داری کو سمجھو۔ تم

انسانوں کی غلامی کے لئے پیدا نہیں ہوئے۔تم مالدار کہلانے اور بننے کے لئے بھی پیدا نہیں ہوئے۔تم تو پوری انسانیت کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں لانے کے لئے بھیجے گئے ہو۔مگر تم اپنی اس ذمہ داری کو بھول کر بنیوں کی طرح نوٹ گننے، زیادہ سے زیادہ ذخیرہ کرنے اور اونچی سے اونچی عمارت بنانے اور مسلمانوں پر اپنے مال کا رعب جمانے میں لگ گئے۔

اللہ سے ڈرو! موت کا وقت قریب تر ہے۔قرآن مجید کی دعوت دنیا کے کونے کونے تک پہنچانا تمہاری ذمہ داری ہے۔اللہ کی شریعت نافذ کرنا تمہاری ذمہ داری ہے۔اپنے مسلمانوں پر فوقیت حاصل کرنے اور ان پر اپنے مال کا رعب ڈالنے کا بھوت دماغ سے نکال کر کافروں کو خاک چٹانے کی تدبیر کرو۔کیونکہ اسی کے لئے تم بھیجے گئے ہو۔اب تک جو غفلت ہوگئی اس پر توبہ استغفار کرو اور اللہ کے راستے پر اپنی جان اور اپنا مال قربان کرنے کا پکا عزم کرو اور نام ونمود اور نمائش پر مال خرچ کرنے اور اپنے مال سے اسلام دشمن کافروں کو فائدہ پہنچانے سے بچو۔ممکن ہے اللہ تعالیٰ تم سے کوئی بڑا کام لے لے اور تمہارے نصیب جاگ جائیں اور تمہاری جان اور تمہارا مال اس کے پاک راستے میں قبول کرلیا جائے۔

مال میں برکت کی دعا کرنے کا بیان

1583 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَنْصُورٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا أَبِي، عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَعْدِ بْنِ زُرَارَةَ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، قَالَ: بَعَثَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُصَدِّقًا، فَمَرَرْتُ بِرَجُلٍ، فَلَمَّا جَمَعَ لِي مَالَهُ لَمْ أَجِدْ عَلَيْهِ فِيهِ إِلَّا ابْنَةَ مَخَاضٍ، فَقُلْتُ لَهُ: أَدِّ ابْنَةَ مَخَاضٍ، فَإِنَّهَا صَدَقَتُكَ، فَقَالَ: ذَاكَ مَا لَا لَبَنَ فِيهِ، وَلَا ظَهْرَ، وَلَكِنْ هَذِهِ نَاقَةٌ فَتِيَّةٌ عَظِيمَةٌ سَمِينَةٌ، فَخُذْهَا، فَقُلْتُ لَهُ: مَا أَنَا بِآخِذٍ مَا لَمْ أُومَرْ بِهِ، وَهَذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْكَ قَرِيبٌ، فَإِنْ أَحْبَبْتَ أَنْ تَأْتِيَهُ، فَتَعْرِضَ عَلَيْهِ مَا عَرَضْتَ عَلَيَّ فَافْعَلْ، فَإِنْ قَبِلَهُ مِنْكَ قَبِلْتُهُ، وَإِنْ رَدَّهُ عَلَيْكَ رَدَدْتُهُ، قَالَ: فَإِنِّي فَاعِلٌ، فَخَرَجَ مَعِي وَخَرَجَ بِالنَّاقَةِ الَّتِي عَرَضَ عَلَيَّ حَتَّى قَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهُ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، أَتَانِي رَسُولُكَ لِيَأْخُذَ مِنِّي صَدَقَةَ مَالِي، وَايْمُ اللَّهِ مَا قَامَ فِي مَالِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا رَسُولُهُ قَطُّ قَبْلَهُ، فَجَمَعْتُ لَهُ مَالِي، فَزَعَمَ أَنَّ مَا عَلَيَّ فِيهِ ابْنَةُ مَخَاضٍ، وَذَلِكَ مَا لَا لَبَنَ فِيهِ، وَلَا ظَهْرَ، وَقَدْ عَرَضْتُ عَلَيْهِ نَاقَةً فَتِيَّةً عَظِيمَةً لِيَأْخُذَهَا فَأَبَى عَلَيَّ، وَهَا هِيَ ذِهْ قَدْ جِئْتُكَ بِهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ خُذْهَا، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ذَاكَ الَّذِي عَلَيْكَ، فَإِنْ تَطَوَّعْتَ بِخَيْرٍ آجَرَكَ اللَّهُ فِيهِ، وَقَبِلْنَاهُ مِنْكَ، قَالَ: فَهَا هِيَ ذِهْ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَدْ

1583- اسناده حسن. محمد بن اسحاق حسن الحديث، وقد صرح بالتحديث. ابراهيم: هو ابن سعد بن ابراهيم الزهري. واخرجه احمد (21279)، وابن خزيمة (2277)، وابن حبان (3269)، والحاكم/3991-400، والبيهقي/964-97، والضياء في "المختارة" (1254-1256) من طريق محمد بن اسحاق، بهذا الاسناد. واخرجه ابن خزيمة (2380) من طريق محمد بن سلمة، عن محمد بن اسحاق، عن عبد الله بن ابي نجيح، عن عبد الرحمن بن ابي عمرة، عن عمارة بن عمرو، به

جِئْتُكَ بِهَا فَخُذْهَا. قَالَ: فَأَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْضِهَا. وَدَعَا لَهُ فِي مَالِهِ بِالْبَرَكَةِ

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا میرا گزر ایک شخص کے پاس سے ہوا۔ جب اس نے اپنا مال میرے سامنے اکٹھا کیا' تو میرے حساب سے اس پر صرف ایک بنت مخاض کی ادائیگی لازم ہوتی تھی میں نے اسے کہا: تم ایک بنت مخاض ادا کردو تمہاری زکوٰۃ یہی ہے اس نے کہا: یہ تو ایک ایسا جانور ہے' جو دودھ بھی نہیں دیتا اور اس پر سواری بھی نہیں کی جاسکتی یہ ایک جوان موٹی تازی اونٹنی ہے تم اسے وصول کرلو میں نے اس سے کہا: میں اس چیز کو وصول نہیں کروں گا' جس کے بارے میں مجھے حکم نہیں دیا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے قریب ہی موجود ہیں اگر تم چاہو' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہ پیش کش کرو جو تم نے میرے سامنے کی ہے اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے قبول کرلیں گے تو میں بھی قبول کرلوں گا' اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبول نہیں کریں گے تو میں بھی قبول نہیں کروں گا اس نے کہا: میں ایسا کروں گا پھر وہ میرے ساتھ روانہ ہوا وہ اپنی اس اونٹنی کو ساتھ لے کر چلا جس کی پیشکش اس نے مجھے کی تھی ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: اے اللہ کے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد میرے پاس آیا تاکہ مجھ سے میرے مال کی زکوٰۃ وصول کرے اللہ کی قسم! اس سے پہلے نہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود اور نہ ہی ان کا کوئی قاصد میرے مال کے لیے تشریف لائے میں نے اپنا سارا مال اس کے سامنے جمع کیا' تو اس کا یہ خیال تھا کہ اس مال میں مجھ پر ایک بنت مخاض کی ادائیگی لازم ہوتی ہے یہ ایک ایسا جانور ہے' جو دودھ بھی نہیں دیتا اور اس پر سواری بھی نہیں کی جاسکتی' تو میں نے اسے ایک موٹی تازی جوان اونٹنی کی پیشکش کی تاکہ یہ اسے وصول کرلے' تو اس نے میری بات کو تسلیم نہیں کیا وہ اونٹنی یہاں موجود ہے یارسول اللہ! میں اسے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے قبول کرلیجیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: ''تم پر وہی چیز لازم ہے (جو اس نے بیان کی ہے) البتہ اگر تم نفلی طور پر بھلائی کرنا چاہو' تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اجر دے گا' اور ہم اسے تم سے قبول کرلیں گے''۔ اس شخص نے عرض کی: یارسول اللہ! یہ یہاں موجود ہے میں اسے لے کر آیا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے قبول کرلیجیے۔ راوی کہتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبضے میں لینے کا حکم دیا اور اس شخص کے مال میں برکت کی دعا کی۔

برکت کی دعا کا بیان

حضرت سائب بن یزید رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ" میری خالہ مجھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئیں، انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (یہ) میرا بھانجا بیمار ہے۔" چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا کی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی پی لیا۔ اس کے بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک کے پیچھے کھڑا ہو کر مہر نبوت کو دیکھنے لگا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں کے درمیان تھی اور دلہن کے پلنگ کی گھنڈی کی طرح (چمک رہی تھی۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 447)

وضو کے پانی" سے یا تو یہ مراد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو فرمانے کے بعد جو پانی برتن میں باقی رہ گیا تھا حضرت سائب رضی اللہ عنہ نے اسے پی لیا یا اس سے مراد یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرما رہے تھے تو جو پانی آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کے اعضاء وضو سے گرتا جاتا تھا حضرت سائب رضی اللہ عنہ حصول برکت وسعادت کے خاطر اسے پیتے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ورسالت کے منصب سے سرفراز فرما کر جب دنیا میں مبعوث کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی حقانیت وصداقت کی دلیل کے طور پر جہاں اور بہت سی نشانیاں اور معجزے دیئے وہیں ایک بڑی نشانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں کے درمیان "مہر نبوت" بھی ثبت فرمائی چنانچہ حضرت سائب اسی مہر نبوت کی مقدار اور اس کی ہیت بیان فرمارہے ہیں کہ وہ چھپر کھٹ کی گھنڈی کی طرح تھی۔ اس نشانی کو "مہر نبوت" اس لئے کہا جاتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کے انبیاء پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو کتابیں نازل کی گئی تھیں ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور بعثت کی خبر دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ علامت بتائی گئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اس مہر نبوت کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہچانے گئے کہ آپ ہی وہی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی بعثت کی خبر پہلے کتابوں میں دی گئی ہے چنانچہ یہ "مہر نبوت" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی علامت قرار دی گئی اس کے علاوہ علماء کرام نے اس کی وجہ تسمیہ اور بھی لکھی ہیں مگر یہاں طوالت کی وجہ سے سب کو ذکر نہیں کیا جارہا۔

مہر نبوت کے بارے میں علماء کرام لکھتے ہیں کہ اس کے اندرونی حصہ پر وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ کے الفاظ مرقوم تھے اور اندرونی حصے پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی تَوَجَّهْ حَيْثُ مَا كُنْتَ فَإِنَّكَ مَنْصُوْرٌ یعنی جدھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ ہوں گے ہماری مدد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہوگی "مہر نبوت" کے ظاہر ہونے کے وقت میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ بعض حضرات نے تو یہ کہا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک شق کر کے سیا گیا تو اس کے بعد یہ نمودار ہوئی بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے فوراً بعد یہ مہر ظاہر ہوئی اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مہر سمیت ہی پیدا ہوئے تھے۔

مظلوم کی بددعا سے بچنے کا بیان

1584 - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ إِسْحَاقَ الْمَكِّيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ صَيْفِيٍّ، عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ، فَقَالَ: إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا أَهْلَ كِتَابٍ، فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذَلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذَلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ، تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ، وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذَلِكَ، فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ

❀❀ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کیا تو ارشاد فرمایا: تم اہل کتاب سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی طرف جارہے ہو تم انہیں اس بات کی گواہی دینے کی طرف دعوت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے

علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں اگر وہ اس بارے میں تمہاری اطاعت کر لیتے ہیں' تو تم انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر روزانہ پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور اگر وہ اس بارے میں بھی تمہاری اطاعت کر لیتے ہیں' تو تم انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مال میں ان پر زکوۃ لازم کی ہے' جو ان کے خوشحال لوگوں سے وصول کی جائے گی اور ان کے غریبوں کو لوٹا دی جائے گی اور اگر وہ اس بارے میں بھی تمہاری اطاعت کر لیں' تو تم ان کے عمدہ مال وصول کرنے سے بچنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

نام ونسب

عبداللہ نام، ابوالعباس کنیت، والد کا نام عباس رضی اللہ عنہ اور والدہ کا نام اُمّ الفضل لبابہ تھا، شجرہ نسب یہ ہے: عبداللہ بن العباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف القرشی الہاشمی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور اُمّ المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ کے خواہر زادہ تھے، کیونکہ ان کی والدہ حضرت اُمّ الفضل حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن تھیں۔

ولادت

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہجرت سے تین سال قبل مکہ کی اس گھاٹی میں تولد پذیر ہوئے جہاں مشرکین قریش نے تمام خاندان ہاشم کو محصور کر دیا تھا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان کو بارگاہ نبوت میں لے کر آئے تو آپ نے منہ میں لعاب دہن ڈال کر دعا فرمائی۔ (اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما)

اسلام

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بظاہر فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا، لیکن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہ نے ابتداہی میں داعی توحید کو لبیک کہا تھا، ابن سعد کی روایت ہے کہ اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے بعد عورتوں میں ان کا ایمان سب پر مقدم تھا، اس بنا پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یوم ولادت ہی سے توحید کی لوریوں میں پرورش پائی اور ہوش سنبھالنے کے ساتھ وہ قدرۃً ایک پرجوش مسلم ثابت ہوئے، امام بخاری ترجمۃ الباب میں فرماتے ہیں:

کان ابن عباس مع امه من المستضعفين ولم يكن مع ابيه على دين قومه وقال الاسلام يعلو ولا يعلى۔

(بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۸۰)

ابن عباس رضی اللہ اپنی ماں کے ساتھ ضعفائے اسلام میں تھے جو اپنی مجبوریوں کے باعث مکہ میں رہ گئے تھے، وہ اپنے والد کے ساتھ اپنی قوم کے مذہب پر نہ تھے وہ کہا کرتے تھے کہ اسلام سربلند رہے گا، مغلوب نہ ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جب یہ آیت تلاوت فرماتے:

" اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ "(النساء:۹۸)
تو فرماتے کہ میں بھی اپنی والدہ کے ساتھ ان لوگوں میں شامل تھا جن کو خدا نے معذور قرار دیا ہے۔(بخاری:۲/۶۶۰)

ہجرت

حضرت عباس رضی اللہ عنہ ۸ ھ میں فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے، اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے، (اسد الغابہ تذکرہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت گیارہ برس سے زیادہ نہ تھی، لیکن وہ اپنے والد کے حکم سے اکثر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتے تھے، ایک روز انہوں نے واپس آکر بیان کیا، میں نے رسول اللہ کے پاس ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کو میں نہیں جانتا ہوں، کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کون تھے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے ان کو بلا کر فرطِ محبت سے اپنے آغوش عاطفت میں بٹھایا، اور سر پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی، اے خدا اس میں برکت نازل فرما اور اس سے علم کو روشنی پھیلا۔ (اصابہ تذکرہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما)

عہد طفولیت ومصاحبت رسول ﷺ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما گو فطرۃً ذہین، سلیم الطبع، متین اور سنجیدہ تھے، تاہم انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت کا جو زمانہ پایا وہ درحقیقت ان کا عہد طفولیت تھا، جس میں انسان کو کھیل کود سے دل آویزی ہوتی ہے، فرماتے ہیں کہ میں لڑکوں کے ساتھ گلیوں میں کھیلتا پھرتا تھا، ایک روز رسول اللہ ﷺ کو پیچھے آتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے ایک گھر کے دروازہ میں چھپ گیا، لیکن آپ ﷺ نے آکر مجھے پکڑ لیا اور سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا، جا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلا لا وہ نبی کریم ﷺ کے کاتب تھے، میں دوڑ کر ان کے پاس گیا اور کہا چلیے رسول اللہ ﷺ آپ کو یاد فرماتے ہیں، کوئی خاص ضرورت ہے۔ (مسند:۱/۲۹۱)

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ تھیں اور ان کو نہایت عزیز رکھتی تھیں، اس لیے وہ اکثر ان کی خدمت میں حاضر رہتے، کبھی کبھی رات کے وقت بھی ان ہی کے گھر سو رہتے تھے، اس طرح ان کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے مستفیض ہونے کا بہترین موقع میسر تھا، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رات کے وقت اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ کے پاس سو رہا تھا، آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور چار رکعت نماز پڑھ کر استراحت فرما ہوئے، پھر کچھ رات باقی تھی کہ بیدار ہوئے اور مشکیزہ کے پانی سے وضو کر کے نماز پڑھنے لگے میں بھی اُٹھ کر بائیں طرف کھڑا ہو گیا، آپ ﷺ نے میرا سر پکڑ کر مجھے داہنی طرف کر لیا۔ (بخاری:۱/۹۸)

اسی سلسلہ میں بارہا خدمت گذاری کا شرف بھی حاصل ہوا، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے بیدار ہوئے، انہوں نے وضو کے لیے پانی لا کر رکھ دیا، آپ ﷺ نے وضو فرما کر پوچھا، پانی کون لایا تھا؟ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا نام لیا، نبی کریم ﷺ نے خوش ہو کر دعائیں دیں اور فرمایا

اللھم فقھه فی الدین وعلمه التاویل " یعنی اے خدا! اس کو مذہب کا فقیہ بنا اور تاویل کا طریقہ سکھا۔

(مسند احمد:۱/۳۲۸)

ایک دفعہ وہ نماز میں نبی کریم ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے، آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اپنے برابر کھڑا کر لیا، لیکن وہ پیچھے کو کھڑے رہ گئے، نبی کریم ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کے برابر کھڑا ہونا کسی کے لیے مناسب ہے، حالانکہ آپ رسول خدا ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ازدیاد علم وفہم کی دعا فرمائی۔ (مسند احمد: ۱/ ۲۳۰، ومستدرک: ۳/ ۳۵)

خلفائے راشدین کا عہد

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صرف تیرہ برس کے تھے کہ حضرت سرور کائنات ﷺ نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی، سوا دو برس کے بعد خلیفہ اول نے بھی داغ مفارقت دیا، خلیفہ دوم یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے تو وہ سن شباب کو پہنچ چکے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جوہر قابل پا کر خاص طور سے اپنے دامن تربیت میں لے لیا اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی علمی صحبتوں میں شریک کیا، یہاں تک کہ لوگوں کو اس پر رشک ہوتا تھا، صحیح بخاری میں خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھ کو شیوخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے، اس پر بعض بزرگوں نے کہا کہ آپ اس نوعمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں اور ہمارے لڑکوں کو جوان کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے۔ (بخاری: ۲/ ۶۱۵)

محدث ابن عبدالبر استیعاب میں تحریر فرماتے ہیں

"کان عمر یحب ابن عباس ویقربه"

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو محبوب رکھتے تھے اور ان کو تقرب دیتے تھے، بسا اوقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کا جواب دینا چاہتے؛ لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے علم سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ہے تم اپنے نفس کو حقیر نہ بناؤ، (ایضا: ۱/ ۶۵۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر پیچیدہ اور مشکل مسائل ان سے حل کراتے تھے اور ان کی فطری ذہانت وطباعی سے خوش ہو کر داد دیتے تھے، انشا اللہ علم وفضل کے بیان میں اس کی تفصیل آئے گی۔

خلیفہ ثالث کے عہد میں عبداللہ بن ابی سرح والئ مصر کے زیر اہتمام ۲۷ھ میں افریقہ پر فوج کشی ہوئی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ سے چل کر اس مہم میں شریک ہوئے اور ایک سفارت کے موقع میں جرجیر شاہِ افریقہ سے مکالمہ ہوا، اس کو ان کی ذہانت وطباعی سے نہایت حیرت ہوئی اور بولا میں خیال کرتا ہوں کہ آپ "حَبرِ عرب" (عرب کے کوئی عالم متبحر) ہیں۔ (اصابہ تذکرہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما)

امارت حج

چونکہ ۳۵ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے اس لیے اس سال وہ خود امارتِ حج کا فرض انجام نہ دے سکے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بلا کر فرمایا، خالد بن عاص کو میں نے مکہ کا والی مقرر کیا ہے، میں ڈرتا ہوں کہ امارتِ حج

کے فرائض انجام دینے پر شاید ان کی مزاحمت کی جائے اور اس طرح خانہ خدا میں فتنہ وفساد اٹھ کھڑا ہو اس لیے میں تم کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجتا ہوں۔ (طبری واقعات ۳۵ھ)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس خدمت کو سرانجام دے کر واپس آئے تو مدینہ نہایت پر آشوب ہو رہا تھا، خلیفہ ثالث شہید ہو چکے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بار خلافت اٹھانے پر لوگ مجبور کر رہے تھے انہوں نے ان سے مشورہ طلب کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: خلافت کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ میں خیال کرتا ہوں کہ اس حادثہ عظیم کے بعد کوئی شخص اس بار کو اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا یہ ضرور ہے کہ اب جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی اس پر خونِ ناحق کا اتہام لگایا جائے گا، تاہم لوگوں کو اس وقت آپ کی ضرورت ہے۔

غرض اہل مدینہ کے اتفاقِ عام سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے اور نئے سرے سے ملکی نظم ونسق کا اہتمام شروع ہوا، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ سردست موجودہ عمال وحکام برقرار رکھے جائیں؛ لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سختی کے ساتھ اس سے انکار کیا تو انہوں نے دوسرے روز اپنی رائے واپس لے لی اور کہا امیر المومنین میں نے رائے دینے کے بعد غور کیا تو آپ ہی کا خیال انسب نظر آیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فوراً اصل حقیقت کو تاڑ گئے اور بولے میرے خیال میں مغیرہ کی پہلی رائے خیر خواہی پر مبنی تھی، لیکن دوسری دفعہ انہوں نے آپ کو دھوکہ دیا۔

حضرت علی نے پوچھا رضی اللہ عنہ خیر خواہی کیا تھی؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: آپ جانتے ہیں کہ معاویہ اور ان کے احباب دنیا دار ہیں، اگر آپ ان کو برطرف کردیں گے تو وہ تمام ملک میں شورش وفتنہ پردازی کی آگ بھڑکا دیں گے اور اہل شام وعراق کو خلیفہ ثالث کے انتقام پر اُبھار کر آپ کے خلاف کھڑا کردیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ تمہاری رائے مصالح دنیاوی کے لحاظ سے نہایت صائب ہے؛ تاہم میرا ضمیر اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں جن لوگوں کی بداعمالیوں سے واقف ہوں ان کو اپنے عہدوں پر برقرار رہنے دوں، خدا کی قسم میں کسی کو نہ رہنے دوں گا، اگر سرکشی کریں گے تو تلوار سے فیصلہ کروں گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میری بات مانیے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جایئے یا اپنی جاگیر پر ینبع چلے جایئے، لوگ تمام دنیا کی خاک چھان ماریں گے، لیکن آپ کے سوا کسی کو خلافت کے لائق نہ پائیں گے، خدا کی قسم اگر آپ ان مصریوں کا ساتھ دیں گے تو کل ضرور آپ پر عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا اتہام لگایا جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اب کنارہ کش ہونا میرے امکان سے باہر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بجائے شام کا والی مقرر کرنا چاہا، لیکن انہوں نے انکار کیا، اور بار بار یہی مشورہ دیا کہ آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کو برقرار رکھ کر اپنا طرفدار بنالیجیے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے برہم ہو کر نہایت سختی سے انکار کردیا اور فرمایا خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ (طبری صفحہ ۳۰۸۵)

غرض اس تشدد آمیز طرزِ عمل پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ واقعہ بن کر سامنے آیا، تمام ملک میں جناب امیر رضی اللہ عنہ کے خلاف مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی، ایک طرف حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مطالبہ اصلاح وانتقام کا علم بلند کر کے بصرہ پر قبضہ کرلیا اور دوسری طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام میں ایک عظیم الشان جنگ کی تیاریاں شروع کردیں۔

جنگ جمل

حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ کو محفوظ رکھنے کے خیال سے ایک فوج گراں کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے، لیکن وہ پہلے داعیانِ اصلاح کے قبضہ میں آچکا تھا، اس لیے طرفین نے میدان ذی قار میں صف آرائی کی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جناب امیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے اہل حجاز کی افسری پر مامور ہوئے اور جنگ شروع ہونے پر نہایت شجاعت وجانبازی کے ساتھ نبرد آزما ہوئے، یہاں تک کہ حامیانِ عرشِ خلافت کی فتح پر اس افسوس ناک خانہ جنگی کا خاتمہ ہوا۔

ولایت بصرہ

بصرہ پر دوبارہ قبضہ ہونے کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہاں کے گورنر بنائے گئے اور زیاد ان کے مشیر اور بیت المال کے مہتمم مقرر ہوئے۔

معرکہ صفین

جنگ جمل کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے معرکہ صفین پیش آیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بصرہ سے ایک جماعت فراہم کر کے جناب امیر رضی اللہ عنہ کی حمایت میں میدانِ جنگ میں پہنچے اور نہایت جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرمِ کارزار ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو میسرہ کا افسر مقرر فرمایا تھا۔

چونکہ دونوں طرف سے روزانہ تھوڑی تھوڑی فوجیں نکل کر معرکہ آرا ہوتی تھیں، اس لیے اس جنگ کا سلسلہ طویل عرصہ تک قائم رہا، لیکن رفتہ رفتہ حامیانِ خلافت کا پلہ بھاری ہونے لگا یہاں تک کہ ایک روز شامی فوجوں نے شکست کے خوف سے اپنے نیزوں پر قرآن مجید بلند کر کے صلح کی دعوت دی، گو جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے چاہنے والوں نے اپنی فوج کو اس دامِ تزویز سے محفوظ رکھنے کی بے پناہ کوشش کی تاہم مخالف کا جادو چل چکا تھا، ایک بڑی جماعت نے دعوتِ قرآن کو تسلیم کرنے پر اصرار کیا۔

ثالثی اور اس کا حشر

غرض جنگ ملتوی ہوگئی اور مسئلہ خلافت کا فیصلہ دو حکم پر محمول ہوا، شامیوں نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو حکم مقرر کیا اور اہل عراق کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہوا، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ثالث بنانا چاہتے تھے؛ لیکن لوگوں نے اس پر اعتراض کیا اور کہا آپ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک ہی ہیں حکم کو غیر جانبدار ہونا چاہیے۔

دونوں فریق کے اتفاق سے دومۃ الجندل حکمین کے لیے مقامِ اجلاس قرار پایا اور ہر ایک نے اپنے حکم کے ساتھ چار ہزار آدمیوں کی جمعیت ساتھ کردی، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو فوج گئی تھی اس کے افسر شریح بن ہانی اور مذہبی نگران حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نہایت نیک طینت وسادہ مزاج تھے وہ جب تخلیہ میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کسی فیصلہ پر متفق ہوکر باہر تشریف لائے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا، خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ عمرو نے آپ کو دھوکہ دیا ہوگا اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان میں سبقت نہ کیجئے گا وہ نہایت چالاک ہیں، کیا عجب ہے کہ آپ کے بیان کی مخالفت کر بیٹھیں، بولے، ہم دونوں ایک ایسی رائے پر متحد ہوئے ہیں کہ اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں، غرض دوسرے روز مسجد میں مسلمانوں کا مجمع ہوا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اصرار پر کھڑے ہوکر یہ متفق علیہ فیصلہ سنایا۔

صاحبو! ہم نے علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کر کے پھر نئے سرے سے مسلمانوں کو مجلسِ شوریٰ کے انتخاب کا حق دیا وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ نہایت صحیح ثابت ہوا، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے قرار داد سے منحرف ہوکر کہا، صاحبو! بیشک علی رضی اللہ عنہ کو جیسا کہ ابوموسیٰ نے معزول کیا، میں بھی معزول کرتا ہوں؛ لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس منصب پر قائم رکھتا ہوں؛ کیونکہ وہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اس خلاف بیانی پر ششدرہ گئے، چلا کر کہنے لگے یہ کیا غداری ہے؟ یہ کیا بے ایمانی ہے؟ افسوس! ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے عمرو کی غداری سے ڈرایا تھا؛ لیکن میں نے اس پر اطمینان رکھا، مجھے کبھی یہ گمان نہ تھا کہ وہ مسلمانوں کی خیر خواہی پر کسی چیز کو ترجیح دیں گے، غرض اسی ثالثی نے گتھی کو سلجھانے کے بجائے اور زیادہ الجھادیا، جناب امیر رضی اللہ عنہ کے اعوان وانصار میں تفریق واختلاف کی ہوا چل گئی اور ایک بڑی جماعت نے لشکر حیدری سے کنارہ کش ہوکر خارجی فرقہ کی بنیاد ڈالی، اس کا عقیدہ تھا کہ معاملاتِ دین میں حکم مقرر کرنا کفر ہے، اس بنا پر دونوں حکم اور ان کے انتخاب کرنے والے کافر ہیں۔ (یہ تمام واقعات طبری سے ماخوذ ہیں)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو خارجیوں کے پاس بھیجا کہ بحث ومباحثہ سے ان کی ضلالت دور کردیں، لیکن قلوب تاریک ہوچکے تھے، آنکھوں پر ضلالت وگمراہی کا پردہ پڑ چکا تھا، اس لیے ارشاد وہدایت کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔

معرکہ نہروان

خارجیوں نے نہروان میں مجتمع ہوکر عملاً سرکشی اختیار کی اور تمام ملک میں قتل وغارتگری کا بازار گرم کردیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ دوبارہ شام پر فوج کشی کے خیال سے روانہ ہوچکے تھے، ان سرکشوں کا حال سن کر نہروان کی طرف پلٹ پڑے، حضرت عبداللہ

بن عباس رضی اللہ عنہما گورنری کے عہد پر بصرہ پہنچ گئے تھے، وہ وہاں سے تقریباً سات ہزار کی جمعیت فراہم کرکے مقام نخیلہ میں افواجِ خلافت سے مل گئے اور نہروان پہنچ کر نہایت بہادری و پامردی کے ساتھ سرگرم پیکار ہوئے۔ (تاریخ الطوال)

ایران کی حکومت

جنگِ نہروان نے گو خارجیوں کا زور توڑ دیا تھا تاہم ان کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے فارس، کرمان اور ایران کے دوسرے اضلاع میں پھیل کر ایک عام شورش برپا کردی اور ذمیوں کو بھڑکا کر آمادہ بغاوت کردیا، چنانچہ ایران کے اکثر صوبوں میں عمال نکال دیئے گئے، اور مجمیوں نے خراج ادا کرنے سے قطعاً انکار کردیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام عمال کو بلا کر اس شورش کے متعلق مشورہ طلب کیا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں ایران میں تسلط قائم کرنے کا ذمہ لیتا ہوں؛ چونکہ بصرہ ایران کے باغی اضلاع سے بلکل متصل تھا اور وہ ایک عرصہ سے وہاں کامیابی کے ساتھ گورنری کے فرائض انجام دے رہے تھے، اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور ان کو تمام ایران کا حاکم اعلی بنا دیا۔ (تاریخ طبری: ۳۴۴۹)

بغاوت کا استیصال

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بصرہ پہنچ کر زیاد بن ابیہ کو ایک زبردست جمعیت کے ساتھ ایران کی بغاوت فرو کرنے پر مامور فرمایا، چنانچہ انہوں نے بہت جلد کرمان، فارس اور تمام ایران میں امن وسکون پیدا کردیا۔ (ایضا)

مکہ میں عزلت نشینی

ایک روایت کے مطابق ۴۰ھ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی ہی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بصرہ کے عہد امارت سے مستعفی ہو کر مکہ میں عزلت نشینی اختیار کرلی، وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ابوالاسود دئلی قاضی بصرہ میں باہم مخالفت تھی، ابوالاسود نے بارگاہ خلافت میں ان کی شکایت لکھی کہ انہوں نے بیت المال میں تصرف بے جا کیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے جواب طلب کیا تو انہوں نے لکھا:

ان الذی بلغک و باطل و انی لما تحت یدی ضابط قائم لدو لد حافظ فلا تصدق الظنون

آپ کو جو خبر ملی ہے وہ قطعاً غلط ہے، میرے قبضہ میں جو کچھ ہے میں اس کا محافظ و نگہبان ہوں، آپ ان بدگمانیوں کو باور نہ فرمائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں ان سے بیت المال کا تمام و کمال حساب طلب کیا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ ناگوار گذرا، انہوں نے برداشتہ خاطر ہو کر لکھا۔

فهمت تعظيمك مرزأة ما بلغك أني رزأته من مال أهل هذا البلد فابعث إلى عملك من أحببت فإني ظاعن عنه والسلام (تاریخ طبری: ذکر ما کان فیما من الاحداث)

میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس شکایت کو کہ میں نے اس شہر والوں کے مال میں کچھ خورد برد کیا ہے، زیادہ اہمیت دینا چاہتے ہیں، اس لیے آپ اپنے کام پر جس کو چاہے بھیج دیجئے میں اس سے کنارہ کش ہوتا ہوں۔

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب زیادہ باز پرس کی تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ ابھی میں نے اپنا پورا حق نہیں لیا ہے اور بیت المال سے ایک بڑی رقم لے کر مکہ چلے گئے۔

لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک بصرہ کی گورنری پر مامور تھے، البتہ جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی تو انہوں نے بطور حفظ ما تقدم پہلے ہی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر جان و مال کی امان حاصل کی اور مکہ جا کر گوشہ نشین ہو گئے۔

(طبری ذکر بیعت حسن بن علی رضی اللہ عنہ)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ جانے سے منع کرنا

۶۰ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد جب یزید مسند نشین حکومت ہوا تو شیعان علی مرتضیٰ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو اس انقلاب سے فائدہ اٹھانے پر ابھارا اور کوفہ آنے کی دعوت دی، چنانچہ وہ مدینہ سے مکہ آئے اور یہاں سے عازم کوفہ ہوئے۔

چونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کوفیوں کی غداری کا دیرینہ تجربہ رکھتے تھے، اس لیے انہوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو بہ اصرار کوفہ جانے سے منع کیا اور کہا:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ: اے ابن عم میں اپنے دل کو مطمئن کرنا چاہتا ہوں؛ لیکن وہ نہیں ہوتا، اس طریقہ سے جانے میں مجھ کو تمہاری ہلاکت وتباہی کا خوف ہے، اہل عراق نہایت غدار ہیں، تم ان کے قول وقرار پر اعتبار نہ کرو، تم اہل حجاز کے سردار ہو، اس لیے کوفہ جانے سے یہاں مقیم رہنا زیادہ مناسب ہے، ہاں اگر اہل کوفہ درحقیقت تمہارے عقیدت کیش ہیں تو ان کو لکھو کہ وہ پہلے اپنے ملک سے دشمن کو نکال باہر کریں، پھر ان کے پاس جاؤ، اگر یہ منظور نہ ہو تو یمن کی راہ لو، وہاں بہت سے قلعے اور گھاٹیاں ہیں، ملک نہایت وسیع وفراخ ہے اور تمہارے والد کا اثر بھی خاصہ ہے، علاوہ ازیں دشمن کے دور ہونے کے باعث لوگوں سے مراسلت ومکاتبت کر سکتے ہو اور تمام ملک میں اپنے داعی پھیلا سکتے ہو، مجھے امید ہے کہ اس طرح زیادہ آسانی واطمینان کے ساتھ تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ: اے ابن عم! خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ آپ میرے سچے خیر خواہ مہربان ہیں؛ لیکن اب سفر کوفہ کی تیاریاں ہو چکی ہیں اور میں نے وہاں جانے کا عزم مصمم کر لیا ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اگر تم جاتے ہو تو خدارا بیوی، بچوں کو ساتھ نہ لے جاؤ، خدا کی قسم مجھے خطرہ ہے کہ کہیں تم بھی اس طرح نہ شہید کیے جاؤ جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی عورتوں اور بچوں کے سامنے ذبح کیے گئے۔

لیکن مشیت الٰہی میں کس کو دخل تھا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ضد واصرار کے باوجود حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے تمام خاندان کے ساتھ راہی کوفہ ہوئے اور میدان کربلا نے وہ خونیں منظر پیش کیا جس سے جگر پاش پاش ہوتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے خاندان کی تباہی کا جو روح فرسا صدمہ ہوا ہوگا اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ وہ

بیس سال سے گوشہ نشین تھے؛ لیکن اس واقعہ کے بعد تمام دنیا ان کے سامنے تیرہ وتار تھی، بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ (اسد الغابہ: ۳/۱۹۵) شاید اسی جگر خراش سانحہ کا اثر ہو۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی بیعت سے انکار

اسی سال حضرتِ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے مکہ میں خلافت کا دعویٰ کیا، چونکہ حجاز وعراق میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے معتقدین کی ایک بڑی جماعت تھی، اس لیے انہوں نے ان سے بیعت کے لیے بے حد اصرار کیا اور بصورتِ انکار آگ میں جلا دینے کی دھمکی دی، لیکن وہ تمام جھگڑوں سے کنارہ کش ہو چکے تھے، اس بنا پر انہوں نے نہایت سختی سے انکار کیا اور ابو طفیل کو کوفہ بھیج کر اپنے معتقدین سے مدد طلب کی۔

ابو طفیل کا بیان ہے کہ ہم کوفہ سے چار ہزار جان نثاروں کی ایک جماعت لے کر نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے غلاف کعبہ تھام کر پناہ حاصل کی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مکان کے ارد گرد لکڑیوں کا انبار لگایا جا چکا تھا، ہم نے ان سے کہا اگر آپ اجازت دیجیے تو اس شخص سے مخلوقِ الٰہی کو نجات دیں، بولے نہیں یہ حرم ہے، یہاں کشت وخون جائز نہیں، تم صرف میری حفاظت کرو اور مجھے پناہ دو۔ (اسد الغابہ: ۳/۱۹۵)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما درحقیقت بنو امیہ کی بہ نسبت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے، ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا، کیا آپ ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے لڑ کر حرم الٰہی کو حلال کرنا چاہتے ہیں؟ بولے معاذ اللہ! حرم میں خونریزی کرنا تو صرف بنو امیہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی قسمت میں لکھا ہے، میں خدا کی قسم کبھی ایسی جرأت نہ کروں گا، میں نے کہا لوگ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں، معلوم نہیں ان کو خلافت کا دعویٰ کس بنا پر ہے؟ فرمایا، کیوں نہیں ان کے والد زبیر رضی اللہ عنہ حواری رسول ﷺ تھے، ان کے نانا ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے رفیق غار تھے، ان کی ماں اسماء رضی اللہ عنہ ذات النطاق تھیں، ان کی خالہ عائشہ رضی اللہ عنہا اُمّ المومنین تھیں، ان کے والد کی پھوپھی خدیجہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی حرم محترم تھیں، اور ان کی دادی صفیہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی پھوپھی تھیں، پھر وہ ایک خود بھی پاک باز مومن اور قاریِ قرآن ہیں، خدا کی قسم! اگر وہ میرے ساتھ کوئی احسان کریں گے تو ایک رشتہ دار کا احسان ہوگا اور اگر وہ میری پرورش کریں گے تو یہ اپنے ایک ہمسر محترم کی پرورش ہوگی۔ (بخاری: ۲/۶۷۲)

طائف منتقل ہونا

لیکن اس دلی ہمدردی وجانبداری کے باوجود انکار بیعت سے جو مخالفت پیدا ہو گئی تھی، اس کی بنا پر مکہ میں ان کا رہنا خطرہ سے خالی نہ تھا، اس لیے کوفی معاونین کی حفاظت میں مکہ سے طائف منتقل ہو گئے اور بقیہ زندگی کے دن وہیں پورے کیے۔

وفات

۶۸ھ میں پیمانۂ حیات لبریز ہو گیا، ایک روز سخت بیمار ہوئے، بسترِ علالت کے ارد گرد احباب ومعتقدین کا ہجوم تھا، بولے میں ایک ایسی جماعت میں دم توڑوں گا جو روئے زمین پر خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب، مشرف ومقرب ہے، اس لیے اگر میں

تم لوگوں میں مردوں تو یقیناً تم ہی وہ بہتر جماعت ہو، غرض ہفت روزہ علالت کے بعد طائر روح نے قفسِ عنصری چھوڑا، محمد بن حنیفہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور سپرد خاک کر کے کہا، خدا کی قسم! آج دنیا سے حبر امت اُٹھ گیا، غیب سے ندا آئی۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً (فجر:۲۸)

یعنی اے نفسِ مطمئن اپنے خدا کی طرف خوشی خوشی لوٹ آ (بخاری:۲/۶۷۲)

علم وفضل

فضل وکمال کے اعتبار سے ابن عباس رضی اللہ عنہما اس عہد مبارک کے ممتاز ترین علماء میں تھے ان کی ذات ایسی زندہ کتاب خانہ تھی، جس میں تمام علوم ومعارف بہ ترتیب جمع تھے، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، شاعری، وغیرہ کوئی ایسا علم نہ تھا جس میں ان کو یدِ طولیٰ حاصل نہ رہا ہو۔

تفسیر

بالخصوص قرآن پاک کی تفسیر وتاویل میں جو مہارت اور آیات قرآنی کے شانِ نزول اور ناسخ ومنسوخ کے علم میں جو وسعت ان کو حاصل تھی وہ کم کسی کے حصہ میں آئی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو علم وفضل میں ان کے ہمسر تھے، فرماتے تھے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قرآن کے کیا اچھے ترجمان ہیں، شقیق تابعی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حج کے موسم میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے خطبہ دیا اور اس میں سورۂ نور کی تفسیر بیان کی میں کیا بتاؤں وہ کیا تفسیر تھی، اس سے پہلے نہ میرے کانوں نے سنی تھی، نہ آنکھوں نے دیکھی تھی، اگر اس تفسیر کو فارس اور روم والے سن لیتے تو پھر اسلام سے ان کو کوئی چیز نہ روک سکتی۔

(مستدرک حاکم:۳/۵۳۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی علمی مجلسوں میں یہ برابر شریک ہوتے تھے اور قرآن پاک کے فہم میں وہ اکثر بڑے بڑے صحابہ سے بازی لے جاتے تھے، ایک دن فاروق اعظم کے حلقۂ مجلس میں اکابر صحابہ کا مجمع تھا، ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کا مطلب پوچھا:

"أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ" (البقرۃ:۲۶۶)

کیا تم میں سے کوئی اس کو پسند کرے گا کہ اس کا کھجور اور انگور کا ایک باغ ہو جس کے نیچے نہریں رواں ہوں، اس کے لیے ہر قسم کے پھل اس میں موجود ہوں، اور اس شخص پر بڑھاپا آگیا ہو اور اس کے ناتواں بچے ہوں، اب حالت میں اس باغ میں ایسا بگولہ آیا، جس میں آگ بھری تھی، اس نے باغ کو جلادیا، اسی طریقہ سے اللہ تمہارے لیے کھول کھول کر نشانیاں بیان کرتا ہے، شاید تم بچو۔

لوگوں نے کہا واللہ اعلم! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بے معنی جواب پر غصہ آگیا، بولے اگر نہیں معلوم تو صاف صاف کیوں

نہیں کہتے کہ نہیں معلوم، ابن عباس رضی اللہ عنہما جھجکتے ہوئے بولے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، فرمایا تم اپنے کو چھوٹا نہ سمجھو جو دل میں ہو بیان کرو، کہا اس میں عمل کی مثال دی گئی ہے، جواب گو صحیح تھا، تاہم ناکافی تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیسا عمل؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے زیادہ نہ بتاسکے، تب خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اس میں اس دولت مند کی تمثیل ہے جو خدا کی اطاعت بھی کرتا ہے، لیکن اس کو شیطانی وسوسہ گناہوں میں مبتلا کردیتا ہے، اور اس کے تمام اچھے اعمال برباد ہوجاتے ہیں۔ (بخاری جلد، کتاب التفسیر باب قولہ ایود احدکم ان تکون لہ جنۃ الخ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی ذہانت اور ذکاوت کی وجہ سے ان کو شیوخ بدر کے ساتھ مجلسوں میں شریک کرتے تھے، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس سے شکایت پیدا ہوئی، انہوں نے کہا کہ ان کو ہمارے ساتھ مجلسوں میں کیوں شریک کرتے ہو، ان کے برابر تو ہمارے لڑکے ہیں، فرمایا تم لوگ ان کا مرتبہ جانتے ہو، اس کے بعد ان کی ذہانت کا مشاہدہ کرانے کے لئے ایک دن ان کو بلا بھیجا اور لوگوں سے پوچھا کہ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ (جب خدا کی نصرت اور فتح آگئی تو اے پیغمبر توبہ اور استغفار کرنا) کے بارہ میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے کہ اس کے کیا معنی ہیں؟ کسی نے جواب دیا کہ نصرت و فتح پر ہم کو خدا کی حمد و ثناء کا حکم دیا گیا ہے، کوئی خاموش رہا، پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ! تمہارا بھی یہی خیال ہے، انہوں نے کہا نہیں پوچھا پھر کیا ہے؟ عرض کیا اس میں آنحضرت ﷺ کی وفات کا اشارہ ہے، حضرت عمر نے فرمایا جو تم کہتے ہو یہی میرا بھی خیال ہے۔ (بخاری: ۱۱/ ۷۴۳، کتاب التفسیر، باب قولہ فسبح بحمد ربک الخ)

درحقیقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی فہم تفسیر قرآن میں ایسی دقیقہ رس تھی کہ وہاں تک مشکل سے دوسروں کا خیال پہنچ سکتا تھا؛ چنانچہ اس سورہ کا مقصد خاص محرمان اسرار کے علاوہ عام لوگ کم سمجھ سکتے تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم میں مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ گئی کہ اس میں خدا نے فتح ونصرت اور اسلام کی مقبولیت کے ایفائے عہد پر حمد وثناء کا حکم دیا ہے، لیکن مقرب بارگاہ رسالت، محرم اسرار نبوت، ثانی اثنین فی الغار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے جوئے اشک رواں ہوگئی کہ اس کی صبح وصل کا نور چھپتا ہوا اور شام فراق کی تاریکی چھاتی ہوئی نظر آگئی تھی۔ (بخاری)

بظاہر اس سورہ کو آنحضرت ﷺ کی وفات سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا؛ لیکن اگر انسان کے مقصدِ حیات کو پیش نظر رکھ کر اس کی ترتیب اور اس کے معنی پر غور کیا جائے تو مطلب واضح ہوجاتا ہے، دنیا میں انسان ایک نہ ایک مقصد لے کر آتا ہے، اور اس کے حصول کے بعد اس کے آنے کا مقصد پورا ہوجاتا ہے، پھر قیام کی ضرورت باقی نہیں رہتی، آنحضرت ﷺ دین الہی کی تبلیغ کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے وہ پوری ہوچکی تو خدا نے فرمایا کہ جب خدا کی مدد اور اس کی فتح آچکی اور تم نے دیکھ لیا لوگ جوق درجوق خدا کے دین میں داخل ہورہے ہیں تو اب تم خدا کی تحمید وتقدیس کرو، اس سے مغفرت چاہو وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے، یعنی خدا کو کچھ کام تمہارے ذریعہ لینا تھا وہ لے چکا اب تم کو اس سے ملنے کی تیاری کرنی چاہیے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تفسیر میں ہمیشہ عام، جامع اور قرینِ عقل شق کو اختیار کرتے تھے، سورۂ کوثر کی تفسیر خود آنحضرت ﷺ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور متعدد اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعہ سے منقول ہے، حضرت انس رضی اللہ

عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سورۂ کوثر کے نزول کے وقت پوچھا جانتے ہو کوثر کیا چیز ہے، لوگوں نے عرض کیا خدا اور اس کا رسول خوب جانتا ہے، فرمایا خدا نے مجھ سے ایک نہر کا وعدہ کیا ہے جس میں بیشمار بھلائیاں ہیں، قیامت کے دن اس حوض پر میری امت آئے گی (مسلم) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کوثر سے مراد نہر لیتے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما "خیر کثیر" مراد لیتے ہیں (بخاری کتاب التفسیر انا اعطینک الکوثر) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تفسیر سے عطیہ الٰہی کی وسعت اور عظمت بہت بڑھ جاتی ہے، اور دوسری تفسیریں بھی اس کے تحت میں آجاتی ہیں، اور قرآن پاک کے سلسلہ کلام کا بھی یہی اقتضا ہے کہ کوثر سے مراد "خیر کثیر" لیا جائے، تاکہ اس کے بعد کفار سے برأت (قل یاایھا الکافرون) اور فتح ونصرت (فتح مکہ) کی بشارت اسی سلسلہ میں داخل ہو جائے۔

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ (شوریٰ:۲۳)

فرمادیں اے محمد ﷺ: تبلیغ رسالت کے عوض میں تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا، صرف یہ کہ قرابت داری کی محبت ملحوظ رکھو۔

عام مفسرین "قربیٰ" سے مراد خاص نبی کریم ﷺ کے اہل بیت لیتے ہیں، لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما قریش کے تمام قبائل کو اس میں شامل کرتے ہیں، ایک مرتبہ کسی نے ان سے "مودۃ فی القربی" کی تفسیر پوچھی، سعید بن جبیر بولے اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی قرابت ہے، یعنی آپ کے اہل بیت کی قرابت، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا تم نے جلد بازی سے کام لیا، قریش کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس سے نبی کریم ﷺ کی قرابت نہ رہی ہو، اس آیت میں یہ سب شامل ہیں۔ (ایضاً باب قولہ تعالیٰ قل لا الخ)

تفسیر قرآن اور فہم قرآن کے فطری ملکہ کے علاوہ شانِ نزول اور ناسخ ومنسوخ کے بارہ میں اس قدر حاضر المعلومات تھے کہ بمشکل کوئی ایسی آیت نکل سکے گی جس کے تمام جزئیات اور ماله وما علیہ سے پوری ان کو واقفیت نہ ہو۔

لَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (نساء:۹۴)

اے مسلمانو! (اظہار اسلام کے لیے) جو تم کو سلام کرے، اس کو تم خواہ مخواہ نہ کہو تو مسلمان نہیں ہے۔

بظاہر یہ ایک عام حکم ہے اس کی تفسیر بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ممنونِ احسان ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ کسی غزوہ میں ایک شخص کچھ مال غنیمت لیے ہوئے تھا، مسلمانوں کا سامنا ہوا تو اس نے سلام کیا، ان لوگوں نے (شبہ میں) مار ڈالا، اور مال غنیمت چھین لیا، اس پر یہ حکم نازل ہوا۔ (بخاری باب قولہ تعالیٰ، لاتقولوا، مسند احمد بن حنبل: ۱/۲۲۹)

اسی طریقہ سے اس آیت:

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ (حجر:۲۴)

ہم نے تم میں سے بعض ان لوگوں کو جو آگے بڑھ کر کھڑے ہوتے ہیں جان لیا ہے اور ان کو بھی جو پیچھے کھڑے ہوتے ہیں۔

کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ایک خوبصورت عورت جماعت کی نماز میں شریک ہوتی تھی، بعض محتاط اشخاص اگلی صف میں چلے جاتے تھے کہ اس پر نظر نہ پڑے اور بعض دیکھنے کی نیت سے پیچھے رہتے تھے اور رکوع میں بغل کے راستہ سے نظر ڈال لیتے

تھے، ان کی اس خیانت پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مسند احمد بن حنبل: ۱/ ۳۰۵)

قرآن مجید کا یہ حکم:

"لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ" (آل عمران: ۱۸۸)

اور جو لوگ اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں اور جو نہیں کیا ہے اس پر تعریف چاہتے ہیں تو ایسے لوگوں کی نسبت ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے، بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

بظاہر انسانی فطرت کے کس قدر خلاف ہے، کیونکہ ہر شخص اپنے کیے پر خوش ہوتا ہے اور جو نہیں کرتا ہے اس پر بھی تعریف کا خواہاں رہتا ہے، اگر بہت بلند اخلاق کا شخص ہے تو زیادہ سے زیادہ وہ یہ کہ دوسرا جذبہ اس میں نہ ہوگا، اس تہدیدی حکم کے استفسار کے لیے مروان نے اپنے دربان کو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا کہ ان سے جا کر پوچھو کہ ہم میں سے کون ایسا ہے، جس کے دل میں یہ جذبہ نہ ہو، اس حکم کے مطابق تو ہم سب عذاب میں مبتلا ہوں گے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ اس کو ہم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں، یہ ایک خاص موقعہ پر اہل کتاب کے بارہ میں نازل ہوئی تھی، پھر یہ آیت۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ (آل عمران: ۱۸۷)

جب خدا نے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی ہے یہ وعدہ لیا کہ وہ اسے لوگوں کو کھول کھول کے سنائیں گے۔

تلاوت کر کے کہا کہ ان کو یہ حکم ملا تھا، مگر انہوں نے بالکل اس کے برعکس عمل کیا، ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ان سے کسی بات کے متعلق استفسار فرمایا، انہوں نے اصل جواب جو ان کی کتاب میں تھا چھپا ڈالا اور اپنے حسب منشاء دوسرا فرضی جواب دے کر نبی کریم ﷺ پر ظاہر کیا کہ انہوں نے اصل جواب دیا ہے اور پھر اس فعل پر نبی کریم ﷺ سے خوشنودی کے طالب ہوئے اور اپنی اس چالاکی پر شاداں وفرحاں ہوئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں (جیسا کہ اہل کتاب اپنی چالاکی پر خوش ہوئے تھے) اور جو نہیں کیا ہے اس پر تعریف کے خواہاں ہوتے ہیں

(جیسا کہ یہ لوگ نبی کریم ﷺ کی خوشنودی کے خواہاں ہوئے تھے) تو ایسے لوگوں کے لیے عذاب سے چھٹکارا نہیں ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (مسند احمد بن حنبل: ۱/ ۲۹۸)

ذیل کے واقعہ سے ان کی فراست، طباعی، دقیقہ سنجی، اور قوت استنباط کا اندازہ ہوگا، ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع میں سوال کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے اخیر عشرہ کی ایک طاق رات ہے، تم لوگ اس سے کون سی طاق رات سمجھتے ہو؟ کسی نے ساتویں کسی نے پانچویں، کسی نے تیسری بتائی، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا تم کیوں نہیں بولتے، عرض کیا اگر آپ فرماتے ہیں تو مجھ کو کیا عذر ہو سکتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے بولنے ہی کے لیے تمہیں بلایا ہے، کہا میں اپنی ذاتی رائے دوں گا، فرمایا ذاتی رائے تو پوچھتا ہی ہوں، کہا میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات کے عدد کو بہت اہمیت دی ہے، چنانچہ فرمایا ہے کہ سات آسمان، سات زمین، ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا ہے کہ

ہم نے زمین کو پھاڑا اوراس میں غلہ، انگور، شاخ، زیتون، کھجور، کے درخت، گنجان باغ، اور میوے اُگائے، یہ بھی سات باتیں ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جواب سن کر فرمایا کہ تم لوگ اس بچہ سے بھی گئے گذرے ہوئے، جس کے سر کے گوشہ بھی ابھی درست نہیں ہوئے، یہ جواب کیوں نہ دیا، (مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۵۳۹) گو بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی سات کی تعیین کی تھی، لیکن کسی استدلال کے ساتھ نہیں، سبھوں نے ایک ایک طاق رات اپنے اپنے قیاس وفہم کے مطابق لی، کسی نے سات کی شب بھی لی، لیکن ابن عباس نے قرآن سے اس کی تائید پیش کی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تفسیر میں نہایت دلیری سے کام لیتے تھے، بعض محتاط صحابہ رضی اللہ عنہم اس دلیری کو ناپسند کرتے تھے، لیکن بالآخران کو بھی ان کی مہارت تفسیر کا اعتراف کرنا پڑا۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص آیا، وراس نے آیت "کانتا رتقا ففتقنا" کا مطلب پوچھا، انہوں نے امتحان کی غرض سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بھیج دیا کہ ان سے پوچھ کر بتاؤ، اس نے جاکر پوچھا، انہوں نے بتایا کہ آسمان کا فتق یہ ہے کہ پانی نہ برسائے زمین کا فتق یہ ہے کہ نباتات نہ اگائے، سائل نے واپس آکر یہ جواب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو سنایا انہوں نے کہا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو نہایت سچا علم مرحمت ہوا ہے، مجھ کو تفسیر قرآن میں ان کی دلیری پر حیرت ہوتی تھی؛ لیکن اب معلوم ہوا کہ درحقیقت علم ان ہی کا حصہ ہے، (اصابہ: ۹۶/۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کے بعد قرآن کے سائلین کو خود جواب نہ دیتے تھے، بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بھیج دیتے تھے، ایک مرتبہ عمرو بن حبشی نے ایک آیت کے متعلق ان سے استفسار کیا، انہوں نے کہا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھو، قرآن کے جاننے والے جو لوگ باقی رہ گئے ہیں، ان میں سب سے زیادہ معلومات وہی رکھتے ہیں۔ (کتاب الناسخ والمنسوخ ابوجعفر نحاس)

علوم قرآنی میں علم النسخ کی اہمیت بالکل عیاں ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس بحر زخار کے بھی شناور تھے، اور تمام ناسخ اور منسوخ احکام ان کے ذہن میں مستحضر تھے، یہ اس علم کو اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ بغیر اس پر حاوی ہوئے وعظ کی لب کشائی کی اجازت نہ دیتے تھے، ایک مرتبہ کسی راستہ سے گذر رہے تھے، ایک اور واعظ وعظ کہہ رہا تھا، اس سے پوچھا ناسخ منسوخ جانتے ہو کسے کہتے ہیں، اس نے کہا نہیں، فرمایا: تو تم خود بھی ہلاک ہوئے اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا۔ (کتاب الناسخ والمنسوخ ابوجعفر نحاس)

گو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قرآن کی تعلیم میں بخل نہ کرتے تھے، اوران کا دروازہ ہر طالب قرآن کے لیے کھلا ہوا تھا، تاہم وہ اس نکتہ سے بھی بے خبر نہ تھے کہ جب کثرت سے قرآن کی اشاعت ہوگی اور ہر کس وناکس فہم قرآن کا مدعی ہوجائے گا تو امت میں اختلاف کا دروازہ کھل جائے گا، ان کی اس نکتہ رسی کا اعتراف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی کرنا پڑا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں سارے ممالک محروسہ میں حافظ قرآن مقرر کردیے تھے کہ وہ مسلمانوں کو قرآن کی تعلیم دیں، ایک دن ابن عباس ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، حاکم کوفہ کا خط آیا کہ کوفہ والوں نے اتنا اتنا قرآن پڑھ لیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ مژدہ سنکر تکبیر کا نعرہ لگایا، لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما بولے کہ اب ان میں اختلاف کا تخم پڑ گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غصہ سے پوچھا تم کو کیسے معلوم ہوا، اس واقعہ کے بعد یہ گھر چلے آئے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں ان کا کہنا کھٹکتا رہا، چنانچہ آدمی بھیج کران کو بلا بھیجا، انہوں نے عذر کردیا، دوبارہ پھر آدمی بھیجا کہ تم کو آنا ہوگا، اس تاکید پر یہ چلے آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے پوچھا تم نے کوئی رائے ظاہر کی تھی، انہوں نے کہا پناہ بخدا اب میں کبھی دوبارہ کوئی خیال نہ ظاہر کروں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں طے کر چکا ہوں کہ جو تم نے کہا تھا اس کو کہلوا کر رہوں گا، اس اصرار پر انہوں نے کہا کہ آپ نے جب کہا کہ میرے پاس خط آیا ہے کہ کوفہ والوں نے اتنا اتنا قرآن یاد کرلیا، اس پر میں نے کہا کہ ان لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ تم نے کیسے جانا، انہوں نے سورۂ بقرہ کی یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ. وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ. وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ. وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ (بقرہ: ۲۰۲ تا ۲۰۶)

اے محمد لوگوں میں سے بعض ایسے آدمی بھی ہیں جن کی باتیں تم کو دنیاوی زندگی میں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنی دلی باتوں پر خدا کو گواہ بناتا ہے، حالانکہ وہ دشمنوں میں بڑا جھگڑالو ہے اور جب وہ تمہارے پاس لوٹ کر جائے تو ملک میں پھرے تاکہ اس میں فساد پھیلائے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا اور جب اس سے کہا جائے کہ خدا سے ڈرو تو اس کو عزت نفس گناہ پر آمادہ کرے، ایسے شخص کے لیے جہنم کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی رضا جوئی کے لیے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ بندوں پر شفقت کرنے والا ہے۔

یہ آیتیں سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم نے سچ کہا۔

(مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۵۴۰ شرط شیخین)

حدیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مخصوص صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہیں جو علم حدیث کے اساطین سمجھے جاتے ہیں، اگر حدیث کی کتابوں سے ان کی روایتیں علیحدہ کرلی جائیں تو اس کے بہت سے اوراق سادہ رہ جائیں گے، ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۲۶۶۰ ہے، ان میں ۷۵ متفق علیہ ہیں، یعنی بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں، ان کے علاوہ ۱۸ روایتوں میں بخاری منفرد ہیں اور ۴۹ میں مسلم۔ (تہذیب الکمال: ۲۰۲)

ان کی روایات کی کثرت اور معلومات کی وسعت خود ان کی ذاتی کاوش و جستجو کا نتیجہ ہیں، گو بہت سی روایتیں براہِ راست خود زبانِ وحی والہام سے لی ہیں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر ۱۴، ۱۵ سال سے زائد نہ تھی، ظاہر ہے کہ اس عمر میں علم کا اتنا سرمایہ کہاں سے حاصل کرسکتے تھے، ان کے ذوقِ علم اور تلاش و جستجو کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک انصاری سے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب زندہ ہیں چلو ان سے تحصیل علم کریں، انہوں نے کہا ابن عباس رضی اللہ عنہ! مجھ کو تم پر حیرت ہوتی ہے، تم دیکھتے ہو کہ لوگ علم میں خود

تمہارے محتاج ہیں، پھر تم دوسروں کے پاس جاتے ہو، یہ جواب سن کر ان کو چھوڑ دیا اور تنہا جہاں کہیں سراغ ملتا کہ فلاں شخص نے نبی کریم ﷺ سے کوئی حدیث سنی ہے، فوراً مشقت اٹھا کر اس کے پاس پہنچتے اور اطلاع دیتے وہ گھر سے نکل آتا اور کہتا کہ تم نے نبی کریم ﷺ سے کوئی حدیث سنی ہے، وہ کہتا: اے ابن عم رسول ﷺ! آپ نے کیوں زحمت گوارا کی، کسی دوسرے کو بھیج دیا ہوتا، کہتے نہیں یہ میرا فرض تھا، اس طریقہ سے عرب کے گوشہ گوشہ سے ایک ایک دانہ چن چن کر خرمنِ علم کا انبار لگایا، جب ان کے فضل وکمال کا چرچا زیادہ ہوا، اس وقت ان انصاری نے جنہوں نے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا تھا، ندامت کے ساتھ اقرار کیا، ابن عباس رضی اللہ عنہما ہم سے زیادہ عقل مند تھے۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ فضائل ابن عباس رضی اللہ عنہما سعی ابن عباس رضی اللہ عنہما فی طالب العلم)

ابوسلمہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے تھے کہ جس شخص کے متعلق مجھ کو پتہ چلتا کہ اس نے نبی کریم ﷺ سے کوئی حدیث سنی ہے تو میں خود اس کے مکان پر جا کر حاصل کرتا؛ حالانکہ اگر میں چاہتا تو راوی کو اپنے یہاں بلوا سکتا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۱/۵)

ابورافع رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے غلام تھے، اس لیے ان کو نبی کریم ﷺ کے افعال دیکھنے اور اقوال سننے کا زیادہ موقع ملتا تھا، ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس کاتب لے کر آتے اور پوچھتے کہ نبی کریم ﷺ نے فلاں فلاں دن کیا کیا، ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے اور کاتب قلمبند کرتا جاتا۔ (اصابہ: ۴/۹۶)

اسی تلاش وجستجو نے ان کو اقوال وافعال نبوی کا سب سے بڑا حافظ بنا دیا تھا، اکثر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو عمر اور مرتبہ میں ان سے کہیں زیادہ تھے، ان کے مقابلہ میں اپنے قصور علم کا اعتراف کرنا پڑتا تھا، یہ فتویٰ دیتے تھے کہ حائضہ طواف رخصت کیے بغیر لوٹ جائے، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انصاری کاتب وحی کو معلوم ہوا تو انہوں نے پوچھا تم حائضہ عورت کو یہ فتویٰ دیتے ہو، انہوں نے کہا ہاں، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا یہ فتویٰ نہ دیا کرو، انہوں نے کہا میں تو یہی دوں گا، اگر آپ کو شک ہے تو فلاں انصاریہ سے جا کر پوچھ لیجئے کہ اس کو یہ حکم دیا تھا یا نہیں، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جا کر پوچھا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ صحیح نکلا، چنانچہ ہنستے ہوئے واپس آئے اور بولے تم نے سچ کہا تھا۔ (مسند احمد بن حنبل: ۱/۲۲۶)

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ان میں اور مسور بن مخرمہ میں محرم کے سر دھونے کے بارہ میں اختلاف ہوا، یہ کہتے تھے محرم سر دھو سکتا ہے، مخرمہ اس کے خلاف تھے، اس پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عبداللہ بن حنین کو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس تحقیق کے لیے بھیجا، یہ اس وقت کپڑا آڑ کیے ہوئے کنوئیں پر نہا رہے تھے، عبداللہ نے سلام کیا، انہوں نے پوچھا کون؟ کہا میں ہوں عبداللہ بن حنین، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا ہے کہ نبی کریم ﷺ احرام کی حالت میں کس طرح سر دھوتے تھے، ابوایوب رضی اللہ عنہ نے عملاً نقشہ کھینچ کر بتا دیا۔ (ابوداؤد کتاب المناسک باب المحرم یغسل راسہ)

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نبی کریم ﷺ کے کسی قول وفعل کے بارہ میں اختلاف ہوتا تو وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف رجوع کرتے، اس بارہ میں کہ نبی کریم ﷺ نے کہاں سے احرام باندھا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بہت اختلاف ہے، سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ ابوالعباس مجھ کو حیرت ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم

میں آپ کے احرام باندھنے کی جگہ کی تعیین میں بہت زیادہ اختلاف ہے، انہوں نے کہا میرے معلومات اس بارہ میں سب سے زیادہ ہیں، چونکہ نبی کریم ﷺ نے ایک ہی حج کیا ہے، اس لیے لوگوں میں اختلاف پیدا ہوگیا، اس کا سبب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ نے ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد احرام باندھا اور لبیک کہنا شروع کیا، جو لوگ اس وقت موجود تھے انہوں نے اسی کو یاد رکھا، پھر جب آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہوئے اور وہ چلی تو پھر آپ نے لبیک کہا، اس وقت جو لوگ موجود تھے وہ یہ سمجھے کہ آپ نے یہیں ابتدا کی ہے، چنانچہ وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہوکر چلے اسی وقت سے لبیک کہنا شروع کیا، اس کے بعد جب آپ ﷺ بلندی پر چڑھے اس وقت سے کہنا شروع کیا، لیکن میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ نے مسجد میں احرام باندھا، اس کے بعد جب اونٹنی چلی تب، اور جب بلند مقام پر چڑھے تب دونوں مرتبہ لبیک کہا۔ (ابوداؤد کتاب المناسک باب وقت الاحرام)

روایتوں میں احتیاط

عموماً کثیر الروایت راویوں کے متعلق یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ وہ روایت کرنے میں محتاط نہیں ہوتے اور رطب و یابس کا امتیاز نہیں رکھتے، لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ذات اس سے مستثنیٰ اور اس قسم کے شکوک و شبہات سے ارفع و اعلیٰ تھی، وہ حدیث بیان کرتے وقت اس کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے کہ کوئی غلط روایت نبی کریم ﷺ کی جانب نہ منسوب ہونے پائے، جہاں اس قسم کا کوئی خفیف سا بھی خطرہ ہوتا، وہ بیان نہ کرتے تھے، چنانچہ اکثر کہا کرتے تھے کہ ہم اس وقت تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتے تھے، جب تک جھوٹ کا خطرہ نہ تھا، لیکن جب سے لوگوں نے ہر قسم کی رطب و یابس حدیثیں بیان کرنا شروع کردیں، اس وقت سے ہم نے روایت ہی کرنا چھوڑ دیا، (مسند دارمی باب فی الحدیث عن الثقات)

لوگوں سے کہتے کہ تم کو قال رسول اللہ کہتے وقت یہ خوف نہیں معلوم ہوتا کہ تم پر عذاب نازل ہوجائے، یا زمین شق ہوجائے اور تم اس میں سما جاؤ، (ایضاً باب ما یتقی من تفسیر حدیث النبی ﷺ) اسی احتیاط کی بنا پر فتویٰ دیتے تو نبی کریم ﷺ کا نام نہ لیتے تھے، (مسند احمد ابن حنبل جلد ا صفحہ ۳۵۰) کہ آپ کی طرف نسبت کرنے کا بار نہ اٹھانا پڑے۔

حلقہ درس

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا حلقہ درس بہت وسیع تھا، سینکڑوں طلب گار روزانہ ان کے خرمنِ کمال سے خوشہ چینی کرتے تھے، ان کی زندگی کا ہر لمحہ درس و تدریس کے لیے وقف تھا، کبھی کوئی شخص ان کے چشمہ فیض سے ناکام واپس نہ ہوا، اس عام فیض کے علاوہ بعض مجلسیں خصوصیت کے ساتھ درس و تدریس اور علمی مذاکروں کے لیے مخصوص تھیں اور ان میں باقاعدہ ہر علم و فن کی جدا جدا تعلیم ہوتی تھی، ابوصالح تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف ایک ایسی علمی مجلس دیکھی کہ اگر سارا قریش اس پر فخر کرے تو بھی بجا ہوگا، اس مجلس کا یہ حال تھا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مکان کے سامنے آدمیوں کا اتنا اژدحام تھا کہ ان کی کثرت سے آمد و رفت مشکل تھی، میں نے جاکر اس اژدحام کی اطلاع دی تو مجھ سے پانی مانگا، میں پانی لایا، انہوں نے وضو کیا، وضو کرکے بیٹھ گئے، پھر مجھ سے کہا جاؤ قرآن کے جس شعبہ کے متعلق جو سائل ہوں ان کو اطلاع دو، میں نے

اطلاع دی، دیکھتے دیکھتے سائلوں سے سارا گھر اور تمام حجرے بھر گئے، جس نے جو سوال کیا اس کے سوال سے زیادہ اس کو جواب دے کر رخصت کیا، پھر مجھ سے کہا جاؤ حرام وحلال اور فقہ کے سائلوں کو بلاؤ میں نے ان لوگوں کو اطلاع دی، چنانچہ ان کا جم غفیر آیا اور جن کو جو سوالات کرنا تھے پیش کیے، فرداً فرداً سب کو نہایت تشفی بخش اوران کے سوالات سے زیادہ جواب دے کر رخصت کیا، پھر فرمایا کہ اب تمہارے دوسرے بھائیوں کی باری ہے، اس کے بعد فرائض وغیرہ کے سائلوں کو بلایا، ان کی تعداد بھی اتنی بڑی تھی کہ پورا گھر بھر گیا، ان کے پیشروؤں کی طرح ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دے کر فارغ ہوئے تو مجھ سے کہا عربی زبان، شعروشاعری اورادب وانشاء کے سائلوں کو بلاؤ، چنانچہ میں نے اطلاع دی، یہ لوگ آئے، ان کے ہجوم کا بھی وہی حال تھا، ان لوگوں نے جو سوالات کیے، ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دیئے، ابوصالح یہ واقعہ بیان کر کے کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کی اتنی بڑی مجلس نہیں دیکھی تھی۔ (مستدرک حاکم: ۳/۵۳۸)

درس کے ان مستقل حلقوں کے علاوہ کبھی کسی نماز کے بعد تقریر اور خطبہ کے ذریعہ سے تعلیم دیتے، عبداللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عصر کے بعد ہم لوگوں کے سامنے تقریر کی اور اتنی دیر تک کرتے رہے کہ آفتاب غروب ہوگیا اور تارے نکل آئے، لوگوں نے نماز نماز کی آوازیں بلند کرنا شروع کیں، ایک تمیمی نے مسلسل نماز کہنا شروع کیا، ابن عباس رضی اللہ عنہما جھنجھلا کر بولے "لاام لک" تو مجھ کو سنت کی تعلیم دیتا ہے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر، عصر اور مغرب وعشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھتے تھے، عبداللہ بن شقیق کے دل میں یہ بات کھٹکتی رہی، انہوں نے جا کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں صحیح ہے۔

(مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین وقصرہا، باب الجمع بین الصلوتین فی الحضر)

حضر کے علاوہ سفر میں بھی ان کا یہ چشمہ فیض جاری رہتا تھا، چنانچہ جب چند دنوں کے لیے حج کی غرض سے مکہ معظمہ تشریف لے جاتے تھے، اس وقت بھی ان کی قیامگاہ طالبانِ علم کی درسگاہ بن جاتی۔ (استیعاب: ۱/۳۵۳)

ترجمان کا تقرر

اسلامی فتوحات کے بعد جب اسلام عرب کے حدود سے نکل کر ایران ومصر وغیرہ میں پھیلا تو وہ قومیں اسلام کے حلقہ اثر میں آئیں جن کی زبان عربوں سے جدا تھی، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی آسانی کے لیے مخصوص ترجمان رکھے کہ ان کو سوال میں زحمت نہ ہو۔ (مسلم: ۱)

تلامذہ

ان کی اس فیض رسانی وعلم وعرفان کی بارش نے ان کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع کر دیا تھا، جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے، مشہور تلامذہ اور شاگردوں کی مختصر فہرست یہ ہے۔

بیٹوں میں محمد اور علی، پوتوں میں محمد بن علی، بھائیوں میں کثیر، بھتیجوں میں عبداللہ بن عبیداللہ، اور عبداللہ بن معبد، عام لوگوں میں عبداللہ بن عمر، ثعلبہ بن حکم، مسور بن مخرمہ، ابوالطفیل، ابوامامہ بن سہل، سعید بن مسیب، عبداللہ بن حارث، عبداللہ بن عبداللہ،

عبداللہ بن شداد، یزید بن اصم، ابوسلمہ بن عبدالرحمن، ابوحمزہ ضبعی، ابومجلز لاحق بن حمید، ابورجاء عطاردی، قاسم بن محمد، عبید بن اسباق، علقمہ بن وقاص، علی بن حسین، عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ، عکرمہ، عطاء، طاؤس، کریب، سعید بن جبیر، مجاہد، عمرو بن دینار، ابوالجوزاء، اوس بن عبداللہ ربعی، ابوالشعثاء، جابر بن زید، بکر بن عبداللہ مزنی، حصین بن جندب، حکم بن اعرج، ابوالجویرہ، حطان بن خفاف، حمید بن عبدالرحمن بن عوف، رفیع ابوالعالیہ، مقسم، ابوصالح السمان، سعد بن ہشام، سعید بن ابوالحسن بصری، سعید بن حویرث، سعید بن ابی ہند، ابوالحباب سعید بن یسار، سلیمان بن یسار، ابوزمیل سماک بن ولید، سنان بن سلمہ، صہیب، طلحہ بن عبداللہ بن عوف، عامر الشعبی، عبداللہ بن ابی ملیکہ، عبداللہ بن کعب بن مالک، عبداللہ بن عبید، عبید بن حنین، عبدالرحمن بن مطعم، عبدالرحمن بن وعلہ، عبدالعزیز بن رفیع، عبدالرحمن بن عاص نخعی، عبیداللہ بن عبداللہ بن ابی ثور، عبیداللہ بن یزید المکی، علی بن ابوطلحہ، عمرو بن مرہ، عمرو بن میمون، عمران بن حطان، عمار بن ابی عمار، محمد بن عباد بن جعفر، مسلم بن صبیح، سلم القریر، موسیٰ بن سلمہ، میمون بن مہران جزری، نافع بن جبیر بن مطعم، ناعم، نضر بن انس، یحیٰ بن یعمر، ابوالبختری الطائی، ابوالحسن الاعرج، یزید بن ہرمز، ابوحمزہ قصاب، ابوالزبیر مکی، ابوعمر البہرانی، ابوالمتوکل الناجی، ابونضرہ العبدی، فاطمہ بنت حسین، محمد بن سیرین وغیرہم۔ (تہذیب التہذیب)

فقہ وفرائض

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ فقہ کی سنگ بنیاد ہیں، اس کی تشریح کے لیے ایک دفتر چاہئے، اس لیے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں، تاہم ان کی فقہ دانی کا سرسری اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ابوبکر محمد بن موسیٰ خلیفہ مامون الرشید کے پرپوتے نے جو اپنے زمانہ کے امام تھے، ان کے فتاویٰ ۲۰ جلدوں میں جمع کیے تھے۔ (اعلام الموقعین: ۱/ ۱۳)

مکہ میں فقہ کی بنیاد ان ہی نے رکھی، وہ تمام فقہاء جن کا سلسلہ مکہ کے شیوخ تک پہنچتا ہے، وہ سب بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کے خوشہ چین تھے، ایک فقیہ ومجتہد کے لیے قیاس ناگزیر ہے، کیونکہ وقتاً فوقتاً بہت سے ایسے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں جو حضرت حامل شریعت علیہ السلام کے عہد میں نہ تھے اور ان کے متعلق کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے، ایسے وقت میں مجتہد کا یہ فرض ہے کہ وہ منصوصہ احکام اور ان میں علت مشترک نکال کر ان پر قیاس کرکے حکم صادر کرے، ورنہ فقہ کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہوجائے گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وہ پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے، اگر اس سے جواب مل جاتا تو فبہا، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف رجوع کرتے، اگر اس سے بھی مقصد برآری نہ ہوتی، تو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا فیصلہ دیکھتے، اگر اس سے بھی عقدہ حل نہ ہوتا تو، پھر اجتہاد کرتے، (اعلام الموقعین: ۱/ ۱۳) مگر اسی کے ساتھ قیاس بالرائے کو برا سمجھتے تھے، چنانچہ وہ اس کی مذمت میں کہتے ہیں کہ جو شخص کسی مسئلہ میں ایسی رائے دیتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں نہیں ہے، تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب وہ خدا سے ملے گا تو اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا۔

(اعلام الموقعین: ۱/ ۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں کچھ لوگ مرتد ہوگئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو زندہ جلادیا، ابن عباس رضی اللہ عنہما کو معلوم ہوا تو کہا اگر ان کی جگہ میں ہوتا تو جلانے کی بجائے قتل کی سزا دیتا؛ کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ

جو شخص مذہب تبدیل کرے اس کو قتل کردو، پھر فرمایا کہ: جو عذاب خدا کا مخصوص ہے اس کو تم لوگ نہ دو، یعنی آگ میں کسی کو نہ جلاؤ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فرمایا ابن عباس رضی اللہ عنہما پر افسوس ہے۔ (مستدرک حاکم: ۳/۵۳۹)

فقہ کے ساتھ ساتھ فرائض میں بھی درک تھا، اگرچہ وہ اس فن میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے برابر نہ تھے، تاہم عام صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی اس فن میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، عبیداللہ بن عبداللہ کا بیان ہے کہ حساب اور فرائض میں ابن عباس رضی اللہ عنہما ممتاز درجہ رکھتے تھے۔

(اسد الغابہ: ۳/۱۹۳)

دیگر علوم

ان مذہبی علوم کے علاوہ ان تمام علوم میں جو اس زمانہ میں لازمہ شرافت سمجھے جاتے تھے کافی دستگاہ اور ناقدانہ نظر رکھتے تھے، اوپر گذر چکا ہے کہ مذہبی علوم کے علاوہ ان کے حلقہ درس میں عربی شعروشاعری اور ادب وانشاء کے طالبین بھی آتے تھے، عربوں میں شاعری لازمہ شرافت تھی، بالخصوص قریش کی آتش بیانی مشہور تھی، ابن عباس رضی اللہ عنہما نہ صرف سخن سنج تھے، بلکہ خود بھی اشعار کہتے تھے، ابن رشیق نے ان کے یہ چند اشعار کتاب العمدہ میں نمونہ کے طور پر نقل کیے ہیں۔

اذا طارقات الهم ضاجعت الفتى واعمل فكر الليل والليل عاكر

جب رات کے آنے والے غم کسی جواں مرد کے ساتھ ہم خواب ہوتے ہیں اور شب کے آخر حصہ میں تفکرات اپنا عمل کرتے ہیں۔

وباكرني في صاحبة لم يجد بها سواى ولا من نكبة الدهر ناصر

اور وہ صبح کو میرے پاس اسی حالت میں اپنی حاجت لے کر آتا ہے کہ اس میں اور اس کی زمانہ کی بدبختیوں میں اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔

فرجت بمالي همه من مقامه و نالله هم طروق مسام

تو میں اپنے مال کے ذریعہ اس کا غم دور کرتا ہوں اور اس کے رات کی آنے والی تفکرات دور ہو جاتے ہیں۔

و كان له فضل علي بظنه بي الخير اني للذي ظن شاكر

اور میں اسی کا ممنون ہوں کیونکہ وہ میرے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے اور جو شخص میرے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے اس کا میں مشکور ہوتا ہوں۔

شعر گوئی کے ساتھ فصیح وبلیغ بھی تھے، اگرچہ خطیب کی حیثیت سے انہوں نے کوئی شہرت نہیں حاصل کی؛ تاہم ان کی روزانہ کی گفتگو بھی ادب کی چاشنی سے خالی نہ ہوتی تھی، مسروق کا بیان ہے کہ جب ابن عباس رضی اللہ عنہما گفتگو کرتے تھے تو فصیح ترین آدمی معلوم ہوتے تھے۔ (کتاب العمدہ: ۵)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان میں اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں جو گفتگو ہوئی ہے، وہ حسن بیان کا ایک دل

آویزنمونہ ہے۔(استیعاب:۱/ ۳۸۴)

معاویہ رضی اللہ عنہ: اجرک اللہ اباالعباس فی ابی محمد الحسن بن علی

معاویہ رضی اللہ عنہ: ابوالعباس خداتمہیں ابی محمد الحسن بن علی کی موت پر اجر دے۔ فقال ابن عباس رضی اللہ عنہ: اناللہ وانا الیہ راجعون وغلبہ البکاء فردہ ثم قال لا یسد داللہ مکانہ حفرتک ولا یزید موتہ فی اجلک واللہ لقداصبنا بمن ہواعظم منہ فقد فما اصنیعا واللہ بعدہ

ابن عباس رضی اللہ عنہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھااورآنسوضبط کر کے بولے، خدا کی قسم ان کی موت سے تمہاری قبر پر نہ ہوجائے گی اور نہ ان کی موت سے تمہاری زندگی میں کچھ اضافہ ہوگا، خدا کی قسم ہم کو ان سے بڑے کی موت کا صدمہ اٹھانا پڑا، خدا کی قسم اس کے بعد ہمارا کیا چارہ تھا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ: کم کانت سنہ معاویہ رضی اللہ عنہ: کتنی عمر تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ: مولدہ اشہر من ان تتعرف سنہ

ابن عباس رضی اللہ عنہما: ان کی ولادت اتنی مشہور ہے کہ تم کو ان کی عمر معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ: احسبہ ترک اولادا صفارا

معاویہ رضی اللہ عنہ: میرا خیال ہے کہ انہوں نے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ: کان کانتا صغیرا فکسر ولئن اختار اللہ لابی محمد ما عندہ وقبضہ الی رحمتہ لقد ابقی اللہ اباعبداللہ وفی مثلہ الخلف الصالح

ابن عباس رضی اللہ عنہ: ہم سب چھوٹے تھے، پھر بڑے ہوئے، اگر خدانے ابومحمد حسن رضی اللہ عنہ کو اپنی رحمت کی طرف بلالیا اور ابھی اس نے ابوعبداللہ (حسین رضی اللہ عنہ) کو زندہ رکھا ہے اور ان کے ایسے لوگ خلف صالح ہوتے ہیں۔

تقریر اس قدر شیریں ہوتی تھی کہ بے ساختہ سننے والوں کی زبانوں سے مرحبا نکل جاتا، ہم نے مستدرک حاکم کے حوالہ سے اوپر کہیں نقل کیا ہے کہ شقیق بیان کرتے تھے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ حج کے موسم میں سورۂ نور کی تفسیر اس اچھوتے انداز سے بیان کی تھی کہ اس سے بہتر نہ میرے کانوں نے سنی تھی، نہ آنکھوں نے دیکھی تھی اگر اس کو فارس وروم سن لیتے تو پھر ان کو اسلام سے کوئی چیز نہ روک سکتی، ابن ابی شیبہ کی روایت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ ایک شخص بولا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی شیریں بیانی اور حلاوت پر میرا بے اختیار دل چاہتا تھا کہ ان کا سر چوم لوں۔ (اصابہ بحوالہ ابن ابی شیبہ تذکرہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جامعیت

اوپر کی تفصیل سے ان کی جامعیت کا اندازہ ہوا ہوگا، عبداللہ بن عبداللہ کے اس تبصرہ سے اس کا پورا اندازہ ہوگا وہ کہا کرتے تھے کہ اس زمانہ کے علوم میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا، معاملہ فہمی اور اصابت رائے میں وہ سب پر فائق تھے، نسب دانی اور تاویلِ قرآن کے بڑے ماہر تھے، احادیث نبوی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کا ان سے زیادہ کوئی واقف

کارنہ تھا،شعروشاعری،ادب،تفسیر،حساب اور فرائض میں ممتاز درجہ رکھتے تھے اوران سب میں ان کی رائے بے نظیر ہوتی تھی،ان کے علمی مذاکرے کے دن مقرر تھے،کسی دن فقہ کا درس دیتے تھے،کسی دن تاویل قرآن پر روشنی ڈالتے،کسی دن مغازی کے واقعات کا تذکرہ کرتے،کسی دن ایام عرب کی داستان سناتے،کسی دن شعروشاعری کا چرچا ہوتا،غرض ان کا چشمہ معرفت فیض ہر دن نئے رنگ سے اُبلتا تھا،میں نے کسی بڑے سے بڑے عالم کونہیں دیکھا جوتھوڑی دیر کے لیے ان کی صحبت میں بیٹھا ہواوران کے کمال علم کے سامنے اس کی گردن نہ جھک گئی ہو،کسی علم کے متعلق کوئی سوال بھی کرتا اس کواس کا جواب ضرور ملتا۔

(اسد الغابہ:۳/ ۱۹۳، ۱۹۴)

معاصرین کا اعتراف

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں گوعمر میں بہت چھوٹے تھے مگران کا علم سب سے بڑا تھا،ان کے تمام معاصرین جن میں سے بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم تک تھے ان کے فضل وکمال کے معترف تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ابن عباس رضی اللہ عنہما ادھیڑ عمر والوں میں نوجوان ہیں،ان کی زبان سائل اوران کا ذہن رسا ہے،مجاہد تابعی کہتے تھے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فتاوی سے بہتر کسی شخص کا فتوی نہیں دیکھا،علاوہ اس شخص کے جوقال رسول اللہ کہتا ہے،طاؤس کہتے تھے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے پانچ سواصحاب رضی اللہ عنہم کودیکھا ہے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مباحثہ کرتے اور دونوں میں اختلاف رائے ہوتا توآخر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی رائے پر فیصلہ ہوتا۔

عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے تھے کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے زیادہ سنت کا عالم،ان سے زیادہ صائب الرائے،ان سے بڑا دقیق النظر کسی کونہیں دیکھا،حضرت عمر رضی اللہ عنہ باوجود اپنے ملکہ اجتہاد اور مسلمانوں کی خیرخواہی کے ابن عباس رضی اللہ عنہما کومشکلات کے لیے تیار کرتے تھے،قاسم بن محمد کا بیان ہے کہ ہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مجلس میں کبھی کوئی باطل تذکرہ نہیں سنااوران سے زیادہ کسی کا فتوی سنت نبوی ﷺ کے مشابہ نہیں دیکھا۔

(یہ تمام اقوال استیعاب سے منقول ہیں:۱/ ۳۸۴)

طاؤس تابعی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ بہت رہا کرتے تھے،ابوسلیم نے ان پر اعتراض کیا کہ نبی کریم ﷺ کے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کوچھوڑ کرتم اس چھوکرے سے کیوں چمٹے رہتے ہو؟انہوں نے کہا میں نے نبی کریم ﷺ کے ستر اصحاب رضی اللہ عنہم کودیکھا ہے جب وہ کسی مسئلہ میں گفتگو کرتے تھے توآخر میں ان کوابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کے قول کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا،(اسد الغابہ:۳/ ۱۹۴)حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا انتقال ہواتوحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا آج اس امت کا عالم اُٹھ گیا،امید ہے کہ خدا ابن عباس رضی اللہ عنہما کوان کا قائم مقام بنائے گا،(اصابہ:۴/ ۹۲)مشہور عالم صحابی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک دن میرے والد کے پاس بیٹھے ہوئے تھے،جب وہ اُٹھ کر چلے تو میرے باپ نے کہا کہ ایک دن یہ شخص اس امت کا حبر (زبردست عالم) ہوگا،(اصابہ:۴/ ۹۸)حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی

یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے کثرت علم کی وجہ سے حبر الامہ کہلانے لگے۔

معاصرین کی عزت

اس ذاتی علم وفضل کے باوجود دوسرے علماء کی بڑی عزت کرتے تھے، اور ان سے نہایت تواضع اور انکسار سے پیش آتے تھے، ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سوار ہوئے، تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے احتراماً ان کی رکاب تھام لی، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابن عم رسول ایسا نہ کیجئے، فرمایا ہم کو اپنے علماء کا ایسا ہی احترام کرنا چاہئے، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ چوم کر کہا ہم کو اپنے نبی کے اہل بیت کا ایسا ہی احترام کرنا چاہئے۔ (مستدرک حاکم فضائل ابن عباس رضی اللہ عنہما)

بدعت سے نفرت

عقیدہ کی صحت مذہب کی روح ہے، اس میں جہاں رخنہ پیدا ہوا، مذہب کی بنیادیں ہل جاتی ہیں، تقدیر کا مسئلہ مذہب میں ایسا نازک اور پیچیدہ ہے کہ اس میں ادنےٰ افراط وتفریط سے عظیم الشان فتنوں کا دروازہ کھل جاتا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم کے آخر زمانہ میں نومسلم عجمیوں کے ذریعہ سے خیر وشر اور قضاء وقدر کی بحث عراق میں پیدا ہو چلی تھی، ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو معلوم ہوا کہ ایک شخص تقدیر کا منکر ہے، اس وقت ان کی آنکھوں کی بصارت زائل ہو چکی تھی پھر بھی لوگوں سے کہا کہ مجھ کو اس شخص تک پہنچادو، لوگوں نے پوچھا آپ اس کے ساتھ کیا طرزِ عمل اختیار کریں گے؟ بولے اگر ہوسکا تو اس کی ناک کاٹ ڈالوں گا اور اگر گردن ہاتھ میں آگئی تو اس کو توڑ دوں گا، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ میں بنوفہر کی عورتوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ خزرج کا طواف کر رہی ہیں اور سب کی سب اعمال شرک میں مبتلا ہیں، تقدیر کا انکار اس امت کا پہلا شرک ہے، میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ایسے لوگوں کی بُری رائے یہیں تک نہ محدود رہے گی، بلکہ جس طرح انہوں نے خدا کو شر کی تقدیر سے معطل کر دیا ہے، اسی طرح اس کی خیر کی تقدیر سے منکر ہو جائیں گے۔ (مسند احمد بن حنبل: ۱/ ۳۳۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غیر معمولی شیفتگی اور گرویدگی تھی، آپ کی وفات کے موقع کے ایک واقعہ کو یاد کرتے تو روتے روتے بیقرار ہو جاتے ہیں، سعید بن جبیر تابعی روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا، پنجشنبہ کا دن کون پنجشنبہ اتنا کہنے پائے تھے، ابھی مبتدا کی خبر نہ نکلی تھی کہ زار وقطار رونے لگے اور اس قدر روئے کہ سامنے پڑے ہوئے سنگ ریزے ان کے آنسوؤں سے تر ہو گئے، ہم لوگوں نے کہا ابوالعباس رضی اللہ عنہ پنجشنبہ کے دن میں کیا خاص بات تھی، بولے اس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری نے شدت پکڑی تھی، آپ نے فرمایا، لاؤ میں تم لوگوں کو ایک پرچہ پر لکھ دوں کہ گمراہی سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاؤ، اس پر لوگ جھگڑنے لگے، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جھگڑا مناسب نہیں ہے اور کہنے لگے کہ (بیماری کی تکلیف سے) ہذیان ہو گیا ہے اور آپ سے بار بار پوچھتے تھے کہ یہ حکم آپ حواس کی حالت میں دے رہے ہیں، یا ہذیان ہے، آپ نے فرمایا میرے پاس سے ہٹ جاؤ میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف مجھے لے جانا چاہتے ہو۔ (مسند احمد بن حنبل: ۱/ ۳۳۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ ان کی خالہ تھیں، یہ ان کے پاس بہت رہا کرتے تھے، اکثر راتوں کو بھی رہ جاتے تھے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گذاری کا بھی انہیں موقع ملتا رہتا تھا، ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں تشریف فرما تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کے لیے وضو کا پانی رکھا، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کے لیے وضو کا پانی رکھا ہے، آپ نے دعا دی خدایا ان کو دین میں سمجھ اور قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرما۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جائے ضرورت سے فارغ ہوکر تشریف لائے، تو ایک طشت پانی ڈھکا ہوا رکھا دیکھا پوچھا کس نے رکھا ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا میں نے، فرمایا: خدایا ان کو قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرما، (مستدرک حاکم: ۳/ ۵۳۴، ۵۳۵) کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ان سے کام لیا کرتے تھے، ایک دفعہ یہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا، سمجھ گئے کہ میرے پاس آرہے ہیں، بچپن کا زمانہ تھا بھاگ کے ایک مکان کے دروازے کی آڑ میں چھپ رہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پشت سے آکر پکڑ لیا اور فرمایا جاؤ معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلا لاؤ، معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت آپ کے کاتب تھے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جاکر کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہاری ضرورت ہے، فوراً چلو۔

(مستدرک حاکم: ۳/ ۵۳۴، ۵۳۷ بشرط شیخین)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا احترام کرتے تھے کہ نماز میں بھی آپ کے برابر کھڑا ہونا گستاخی سمجھتے تھے، ایک مرتبہ آخر شب میں نماز کے لیے کھڑے ہوئے، ابن عباس رضی اللہ عنہما آکر پیچھے کھڑے ہوگئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے برابر کرلیا، اس وقت تو یہ ساتھ کھڑے ہوگئے، مگر جیسے ہی آپ نے نماز شروع کی ابن عباس رضی اللہ عنہما ہٹ کر اپنی جگہ پر آگئے، نماز ختم کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ میں نے تم کو اپنے ساتھ کھڑا کیا تھا تم پیچھے کیوں ہٹ گئے، عرض کیا کسی کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ کھڑا ہوکر نماز پڑھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معقول عذر پر خوش ہوئے اور ان کے لیے فہم وفراست کی دعا فرمائی۔ (ایضا)

امہات المومنین کا احترام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس غیر معمولی عقیدت کا فطری اقتضا یہ تھا کہ وہ امہات المومنین کے ساتھ بھی اس عزت وتکریم سے پیش آتے تھے، جب حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور لوگ مقام سرف میں جنازہ کی شرکت کے لیے جمع ہوئے تو انہوں نے کہا کہ: لوگو یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم کا جنازہ ہے، نعش آہستہ اٹھاؤ ہلنے نہ پائے۔

(مسلم کتاب الرضاع باب جواز ہبتہا الفرتہا)

یہ احترام حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ کی ذات کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بلکہ تمام امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے ساتھ وہ اسی

تعظیم سے پیش آتے تھے، البتہ خاندانی مناقشوں کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کچھ بدمزگی ہوگئی تھی، مگر ان کی وفات سے پہلے خود ان کے دردولت پر حاضر ہوکر صفائی کرلی۔

ذکوان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حاجب بیان کرتے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مرض الموت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما آئے اور حضوری کی اجازت چاہی میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جاکر عرض کیا، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے عبداللہ بن عبدالرحمن ان کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے بھی کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما آنے کی اجازت چاہتے ہیں، بولیں ان کو آنے کی ضرورت نہیں عبداللہ بن عبدالرحمن نے کہا، اماں: ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ کے سعادت مند بیٹے ہیں، وہ سلام کرتے ہیں اور رخصت کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں ان کو اجازت دیجئے، فرمایا خیر اگر تم چاہتے ہو تو بلالو، چنانچہ ان کو باریابی کی اجازت مل گئی، بیٹھنے کے بعد عرض کیا، آپ کو بشارت ہو (یعنی نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچا چاہتی ہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں فرمایا، تم کو بھی بشارت ہو، اس خوش آیند سلسلہ کلام کے بعد ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ اب آپ کے اور آنحضرت ﷺ اور آپ کے اعزہ واحباب سے ملنے میں صرف روح کو جسم کا ساتھ چھوڑنے کی دیر ہے، آپ نبی کریم ﷺ کی محبوب ترین بیوی تھیں اور آنحضرت ﷺ ہمیشہ طیب ہی چیز کو محبوب رکھتے تھے، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل بیان کیے۔ (مسند احمد بن حنبل: ۱/ ۲۷۶)

زکوٰۃ کی وصولی میں زیادتی کرنا گناہ ہے

1585 - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ سِنَانٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْمُعْتَدِي الْمُتَعَدِّي فِي الصَّدَقَةِ كَمَانِعِهَا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

"زکوٰۃ کی وصولی میں زیادتی کرنے والا زکوٰۃ نہ دینے والے کی مانند ہے"۔

شرح

انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زکوۃ لینے میں زیادتی کرنے والا زکوۃ نہ دینے والے کی طرح ہے اس باب میں ابن عمر ام سلمہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث اس سند سے غریب ہے اس لئے کہ احمد بن حنبل نے سعد بن سنان کے متعلق کلام کیا ہے لیث بن سعد سے بھی ایسی ہی روایت ہے وہ یزید بن ابی حبیب سے وہ سعد بن سنان سے اور وہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے سنا کہ صحیح نام سنان بن سعد ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ زکوۃ میں زیادتی کرنے والا زکوۃ نہ دینے والے کی طرح ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پر اتنا ہی گناہ ہے جتنا گناہ زکوۃ نہ دینے والے پر ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 629)

ظالم عاشر کی مذمت کا بیان

علامہ بدر الدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عاشرین پر لعنت کی ہے۔اس حدیث کو ظلم پر محمول کیا جائے گا یعنی وہ عاشرین جو لوگوں سے ظلم کے ساتھ مال میں زیادتی کرتے ہیں اور عشر زیادہ وصول کرتے ہیں وہ لعنت کے مستحق ہیں۔(البنایہ شرح الہدایہ، ۴، ص ۱۱۰، حقانیہ ملتان)

راوی حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ

حضرت انس بن مالک بن نضر رضی اللہ عنہ مدینہ کے باشندہ اور خزرجی ہیں،ابوحمزہ ان کی کنیت ہے ان کو ان کی والدہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ میں اس وقت پیش کیا تھا جب وہ بارہ سال کے تھے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بصرہ کی سکونت اس مقصد سے اختیار کر لی تھی کہ وہاں کے لوگوں کو دین کی تعلیم دیں گے اور بصرہ ہی میں ۹۱ھ میں انتقال کیا،اس وقت ان کی عمر ۱۰۳ سال تھی بصرہ میں فوت ہونے والے صحابہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ آخری صحابی ہیں۔ ابن عبدالبر نے نقل کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کی تعداد سو تھی،اور یہی قول زیادہ صحیح ہے بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ان کی اولاد کی تعداد اسی تھی جن میں اٹھتر بیٹے تھے اور دو بیٹیاں۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ نے جو روایت نقل کی ہے (اور جس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اولاد کی تعداد ۱۲۵ بیان ہوئی ہے) وہ نہ صرف ان روایتوں کے خلاف پڑتی ہے (کہ جن میں ان کی اولاد کی تعداد ایک سو یا اسی بیان کی گئی ہے) بلکہ مذکورہ بالا حدیث کے بھی مخالف نظر آتی ہے،کیونکہ اس حدیث کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بلا واسطہ اور بالواسطہ اولاد کی مجموعی تعداد سو یا سو سے کچھ متجاوز تھی نہ کہ یہ تعداد صرف ان کی بلا واسطہ اولاد کی ہے۔واللہ اعلم۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ روایت نقل کی ہے جو انہوں نے اس دن کے کافی عرصہ بعد بیان کی تھی اور جس میں انہوں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میری اولاد کی اولاد کے علاوہ جو اولاد بلا واسطہ میری صلب سے مجھ کو عطا کی ہے۔وہ تعداد میں ایک سو پچیس ہیں،جن میں دو لڑکیوں کے علاوہ باقی سب لڑکے ہیں اور (میرے مال میں بہتات و برکت کا یہ عالم ہے کہ) میرے باغات سال میں دو مرتبہ پھل دیتے ہیں۔نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ایک صاحبزادے نے بیان کیا کہ والد محترم حضرت انس رضی اللہ عنہ کی صلبی اولاد میں سے جن کو میں نے دفنایا ہے۔ان کی تعداد سو کے قریب ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مال و منال اور اولاد اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتیں ہیں بشرطیکہ وہ یاد الٰہی سے غفلت کا موجب اور گناہ و معصیت کا باعث نہ ہوں۔

اور امام نووی لکھتے ہیں: یہ (حضرت انس رضی اللہ عنہ کا اس قدر کثیر الاولاد ہونا اور کثیر المال ہونا) ہی دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ایک اعجاز ہے۔نیز یہ حدیث ان حضرات کے حق میں جاتی ہے جو فقیر و مفلس پر غنی و مالدار کی فضیلت کے قائل ہیں۔لیکن دوسرے حضرات کی طرف سے اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے۔کہ اس معاملہ کی خصوصی نوعیت ہے اور وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا فرمائی اور اس دعا کی وجہ سے ان کے مال میں برکت ہوئی،اور جب برکت الٰہی کا دخل ہوا تو اس مال کا وہ پہلو جاتا رہا جس کو شریعت کی نظر میں "فتنہ" کہا جاتا ہے لہٰذا وہ مال حضرت انس رضی اللہ عنہ

کے حق میں نہ تو تقصیر اور برائی کا باعث بنا اور نہ دنیا سے تعلق رکھنے والی کسی چیز کی دعا مانگے تو اس دعا میں طلب برکت کو بھی شامل کرے یعنی اللہ سے اس چیز کو مانگنے کے ساتھ یہ بھی دعا مانگے کہ اللہ، اس چیز میں برکت عطا فرما اور مجھ کو اس کے فتنہ و آفات سے محفوظ رکھ۔

بَابُ رِضَا الْمُصَدِّقِ

باب: زکوٰۃ وصول کرنے والے کو راضی (مطمئن) کرنا

1586 - حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ بْنُ حَفْصٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ، الْمَعْنَى، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ رَجُلٍ، يُقَالُ لَهُ: دَيْسَمٌ، وَقَالَ ابْنُ عُبَيْدٍ مِنْ بَنِي سَدُوسٍ، عَنْ بَشِيرِ ابْنِ الْخَصَاصِيَةِ - قَالَ ابْنُ عُبَيْدٍ فِي حَدِيثِهِ: وَمَا كَانَ اسْمُهُ بَشِيرًا، وَلَكِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمَّاهُ بَشِيرًا - قَالَ: قُلْنَا: إِنَّ أَهْلَ الصَّدَقَةِ يَعْتَدُونَ عَلَيْنَا، أَفَنَكْتُمُ مِنْ أَمْوَالِنَا بِقَدْرِ مَا يَعْتَدُونَ عَلَيْنَا؟ فَقَالَ لَا.

❀❀ دیسم بن عبید بیان کرتے ہیں: حضرت بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ عنہ جن کا نام بشیر نہیں تھا' لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بشیر رکھا تھا۔ہم نے ان سے کہا: زکوٰۃ وصول کرنے والے ہمارے ساتھ زیادتی کرتے ہیں' تو کیا ہم اپنے مال میں اتنا کچھ چھپالیا کریں جتنی وہ ہمارے ساتھ زیادتی کرتے ہیں' تو حضرت بشیر بن خصافیہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی نہیں۔

حضرت بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

حضرت بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے مسلمان ہونے کو کہا اور اس کے بعد دریافت فرمایا: "تمہارا کیا نام ہے؟" میں نے کہا: "نذیر (ڈرانے والا)"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں بلکہ تم بشیر (خوشی کی بات سنانے والا) ہو"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے صفہ (چبوترہ) پر ٹھہرا دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی ہدیہ آتا تو اس میں ہم کو بھی شریک کرتے اور اگر صدقہ آتا تو سارا ہم لوگوں کو دے دیتے اور خود شرکت نہ فرماتے۔

ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے۔ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہولیا آپ جنت البقیع (ایک قبرستان کا نام ہے) تشریف لے گئے وہاں پہنچ کر آپ نے کہا: "السلام علیکم اے ایمان والی جماعت! ایک دن ہم بھی تم سے آملیں گے اور اس میں کوئی شک نہیں ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور ہم سب اسی کی طرف لوٹ جائیں گے تم نے خیر کثیر حاصل کر لی اور بڑے فتنہ و فساد سے بچ نکلے"۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: "کون؟" میں نے عرض کیا: "بشیر" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تمام قبیلہ ربیعہ میں سے جن کا یہ کہنا ہے کہ اگر وہ نہ ہوتے تو تمام مخلوق سمیت زمین پلٹ جاتی اللہ تمہارے کان اور تمہارے دل اور تمہاری آنکھ کو اسلام کے لئے قبول فرمالے"۔ میں نے کہا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے

منظور ہے۔"
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: "میرے پیچھے پیچھے کیوں آئے؟" میں نے عرض کیا: "میں ڈرا خدانخواستہ آپ کہیں مبتلائے زحمت نہ ہوجائیں یا کوئی کیڑا مکوڑہ نہ کاٹ کھائے"۔ ابن عساکر کی دوسری روایت میں اور طبرانی اور بیہقی میں اس طرح ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم اللہ کا شکر کیوں ادا نہیں کرتے جس نے اس پوری قوم ربیعہ میں سے جن کا خیال ہے کہ اگر وہ نہ ہوتے تو تمام لوگوں سمیت زمین پلٹ جاتی، تمہاری پیشانی کو اسلام کی طرف کھینچ لیا۔ (منتخب:5/146)

عاشر وعشر کے بارے میں فقہی تصریحات کا بیان

(۱) عاشر اُس کو کہتے ہیں جسے بادشاہِ اسلام نے راستہ پر اس لئے مقرر کیا ہو کہ جو تاجر لوگ مال لے کر گزریں ان سے صدقات وصول کرے اور وہ اس لئے مقرر کیا جاتا ہے تاکہ وہ اس کے عوض میں تاجروں کو چوروں اور ڈاکوں سے بچائے اور امن دے پس اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان کی حفاظت پر قادر ہو اس لئے بادشاہ ان سے جو مال لیتا ہے وہ ان اموال کی حفاظت کے لئے لیتا ہے۔

(۲) عاشر کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ آزاد، مسلمان اور غیر ہاشمی ہو پس عاشر کا غلام اور کافر ہونا درست نہیں ہے، اور ہاشمی کے لئے اگر بادشاہ بیت المال سے کچھ مقرر کردے یا ہاشمی تبرع کے طور پر اس خدمت کو انجام دے اور اس کا معاوضہ عشر و زکوٰۃ سے نہ لے تو اس کو مقرر کرنا جائز ہے۔

(۳) مال دو قسم کا ہوتا ہے اول ظاہر اور وہ مویشی ہیں اور وہ مال ہے جس کو تاجر لے کر عاشر کے پاس سے گزرے دوم اموال باطن ہیں وہ سونا چاندی اور تجارت کا وہ مال ہے جو آبادی میں اپنی جگہوں میں ہو عاشر اموال ظاہر کا صدقہ لیتا اور ان اموال باطن کا صدقہ بھی لیتا ہے جو تاجر کو ساتھ ہوں۔

(۴) صدقہ وصول کرنے کی ولایت کے لئے کچھ شرطیں ہیں اول یہ کہ بادشاہ اسلام کی طرف سے چوروں اور ڈاکوں سے حفاظت پائی جائے، دوم یہ کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو، سوم مال کا ظاہر ہونا اور مالک کا موجود ہونا پس اگر مالک موجود ہے اور مال گھر میں ہے تو عاشر اس سے زکوٰۃ نہیں لے گا۔

(۵) شرع میں عاشر کا مقرر کرنا جائز و درست ہے حدیث شریف میں جو عاشر کی مذمت آئی ہے وہ اس عاشر کے متعلق ہے جو لوگوں کے مال ظلم سے لیتا ہے۔

(۶) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس کے مال کو سال پورا نہیں ہوا، یا یہ کہ اس کے ذمہ قرضہ ہے یا یہ کہے کہ میں نے زکوٰۃ دیدی ہے، یا یہ کہے کہ میں نے دوسرے عاشر کو دیدی ہے اور جس کو وہ دینا بتاتا ہے وہ واقعی عاشر ہے، اگر وہ ان تمام صورتوں میں اپنے بیان پر حلف اٹھائے تو اس کا قول مان لیا جائے گا اور اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ دوسرے عاشر کی رسید دکھائے، اگر سائمہ جانوروں کے متعلق بیان کرے کہ ان کی زکوٰۃ اس نے اپنے شہر کے فقیروں کو دیدی ہے تو اس کا قول نہیں مانا جائے گا بلکہ اس سے دوبارہ وصول کی جائیگی خواہ بادشاہِ اسلام کو اس کی ادائگی کا علم بھی ہو کیونکہ یہ اموالِ ظاہرہ میں سے ہے جس کی زکوٰۃ لینے کا حق بادشاہ

ہی کو ہے اس کو خود تقسیم کر دینے کا اختیار نہیں ہے اگر صاحب مال یہ کہے کہ یہ مال تجارت کا نہیں ہو تو اس کا قول مانا جائے گا۔

(۷) جن امور میں مسلمانوں کا قول مانا جاتا ہے ذمی کافر کا قول بھی مانا جائیگا کیونکہ اس کے مال میں بھی وہ تمام شرطیں پائی جانی ضروری ہیں جو زکوٰۃ میں ہیں اور اس سے زکوٰۃ کا ہی دو چند لیا جاتا ہے لیکن ذمی کافر اگر یہ کہے کہ میں نے فقرا کو دیدیا ہے تو اس کا قول نہیں مانا جائے گا اس لئے کہ اہل ذمہ کے فقرا اس کا مصرف نہیں ہیں اور مسلمانوں میں صرف کرنے کا اس کو اختیار نہیں ہے۔

(۸) کافر حربی کا قول کسی بات میں نہیں مانا جائے گا اور اس سے عشر لیا جائے گا لیکن اگر وہ باندیوں کو ام ولد اور غلاموں کو اپنی اولاد بتائے تو اس کا قول مانا جائے گا کیونکہ نسب جس طرح دارالسلام میں ثابت ہوتا ہے دارالحرب میں بھی ثابت ہوتا ہے اور بیٹے کی ماں ہونا نسب کے تابع ہے اس صورت میں باندی اور غلام مال نہ رہیں گے

(۹) عاشر مسلمانوں سے مال کا چالیسواں حصہ لیگا اور ذمی کافروں سے مسلمانوں کی نسبت دوگناہ یعنی بیسواں حصہ لے گا اور حربی کافروں سے دسواں حصہ لیگا بشرطیکہ ان تینوں میں سے ہر ایک کا مال بقدر نصاب ہو اور کافر بھی مسلمانوں سے خراج لیتے ہیں ذمی و حربی کافروں سے جو کچھ لیا جائے گا وہ جزیہ کے مصارف میں صرف کیا جائے گا، اگر حربی کافر ہمارے تاجروں سے کم وبیش لیتے ہوں تو ان سے بھی اس قدر لیا جائے اور اگر وہ کچھ نہ لیتے ہوں تو ہم بھی کچھ نہ لیں گے، اگر مسلماں وں کا سارا مال لیتے ہوں تو ان کا بھی سارا مال لیا جائے گا لیکن اس قدر چھوڑ دیا جائے گا کہ جس سے وہ اپنے ملک میں واپس پہنچ جائیں، اور اگر وہ ان کا لینا یا نہ لینا معلوم نہ ہو تو ان سے عشر مذکور یعنی دسواں حصہ ہی لیا جائے گا

(۱۰) اگر کوئی شخص باغیوں کے عاشر کے پاس سے گزرا اور اس نے عشر لے لیا پھر وہ شخص بادشاہ کے عاشر کے پاس سے گزرا تو اس سے دوبارہ عشر لیا جائے گا کیونکہ باغیوں کے عاشر کے پاس جانا اس کا قصور ہے لیکن بادشاہ کے باغی لوگ کسی شہر پر غالب ہوجائیں اور وہاں کے لوگوں سے چرنے والے جانوروں کی زکوۃ لیں یا مال والا شخص اُن کے پاس سے گزرنے پر مجبور ہو اور وہ اس سے عشر وصول کرلیں تو اب اس شخص یا ان لوگوں پر کچھ واجب نہیں ہوگا کیونکہ بادشاہ نے ان کی حفاظت نہیں کی اور بادشاہ جو مال لیتا ہے ان کی حفاظت کی وجہ سے لیتا ہے پس قصور اُس کا ہے نہ کہ مالوالوں کا اہل حرب کے غالب آنے کی صورت میں بھی یہی حکم ہے جو باغیوں کا بیان ہوا ہے

(۱۱) امانت کے مال میں سے عشر نہیں لیا جائے گا اور اسی طرح مالِ مضاربت میں بھی عشر نہیں لیا جائے گا، ماذون غلام کی کمائی میں بھی یہی حکم ہے کہ عشر نہیں لیا جائے گا لیکن ماذون غلام کا آقا اس کے ساتھ ہو تو اس سے عشر لیا جائے گا

(۱۲) اگر کوئی شخص عاشر کے پاس سے ایسی چیز لے کر گزرا جو بہت جلد خراب ہوجاتی ہے مثلاً سبزیاں، دودھ، کھجوریں، تازہ پھل وغیرہ تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس سے عشر نہیں لیں گے اور صاحبین کے نزدیک عشر لیں گے، لیکن اگر عامل کے ساتھ فقراء ہوں یا اپنے عملہ کے لئے لے لیا تو امام صاحب کے نزدیک یہ بھی جائز ہے اور اگر مالک عشر میں قیمت دیدے تو بھی بالاتفاق لے لینا جائز ہے۔

عاملین زکوٰۃ کو خوش رکھنے کا بیان

حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" تمہارے پاس ایک چھوٹا سا قافلہ آئے گا (یعنی زکوٰۃ وصول کرنے کے عامل آئیں گے) جو مبغوض ہوں گے (یعنی طبعی طور پر تم ان سے متنفر ہوں گے کیونکہ وہ ان کا مال لینے آئیں گے) لہذا جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم انہیں مرحبا کہو اور ان کی خدمت میں زکوٰۃ کا مال حاضر کردو گویا ان کے اور ان کی طلب کردہ چیز یعنی زکوٰۃ کے درمیان کوئی چیز حائل و مانع نہ رکھو۔ لہذا اگر وہ زکوٰۃ لینے کے بارہ میں عدل سے کام لیں گے تو یہ اپنے لئے کریں گے کہ عدل کا ثواب پائیں گے اور اگر ظلم کا معاملہ کریں گے تو اس کا وبال ان پر ہوگا تم تو زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو راضی کرو اور جان لو کہ تمہاری طرف سے پوری زکوٰۃ کی ادائیگی ہی ان کی رضامندی ہے نیز حائل وصول کرنے والے کو چاہئے کہ وہ تمہارے لئے دعا کرے۔ (ابوداؤد، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 278)

وان ظلموا اور اگر ظلم کا معاملہ کریں گے۔ کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے کے معاملہ میں اگرچہ تم اپنے گمان وطبیعت کے مطابق یہی کیوں نہ جانو کہ عامل تمہارے ساتھ ظلم کر رہا ہے پھر بھی ان کو راضی کرو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر بفرض محال وہ ظلم بھی کریں تو تم ان کی رضا کا پھر بھی خیال کرو، اس صورت میں کہا جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ بطور مبالغہ کے ارشاد فرمایا ہے تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ عامل کو راضی کرنے کی کتنی اہمیت ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص حقیقۃً اور واقعۃً ظلم ہی کرے تو اس کو راضی کرنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے۔ وارضوھم کا مطلب جیسا کہ خود حدیث میں بیان کیا گیا ہے یہ ہے کہ تم زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو خوش و راضی کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑو بایں طور کہ زکوٰۃ کا جو مال تم پر شرعی طور پر واجب ہے اس کی ادائیگی میں خیانت اور کوتاہی کا معاملہ نہ کرو بلکہ انہیں پوری زکوٰۃ ادا کرو۔ اگرچہ ادائیگی زکوٰۃ کا اصل فریضہ مال ادا کرتے ہی پورا ہو جاتا ہے پھر بھی زکوٰۃ وصول کرنے والے کو خوش کرنا ادائیگی زکوٰۃ کا جزو کمال ہے لہذا اس بارہ میں بھی احتیاط رکھنے کی ضرورت ہے۔ جو شخص زکوٰۃ وصول کرنے جائے اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ زکوٰۃ دینے والے کے حق میں رحمت و برکت اور خیر و بھلائی کی دعا کرے۔

وصول زکوٰۃ کے لیے عاملین کے تقرر کا بیان

عہد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں زکوٰۃ کی وصولی کے لئے خاص افراد مقرر کئے جاتے تھے۔ ہر علاقہ کا الگ الگ نمائندہ ہوتا تھا۔ یہ نمائندے زکوٰۃ کی وصولی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر کے پابند ہوا کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں خاص طور پر حکم دیا کرتے تھے کہ مالداروں سے زکوٰۃ وصول کر اس علاقے کے حاجت مندوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے اور اس کے بعد جو رقم یا غلے بچ جائیں، انہیں مدینہ پہنچا دیا جائے۔ حضرت معاذ بن جبل کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن بھیجا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مال زکوٰۃ کی وصولی کے لئے ایک خاص علاقہ کی طرف روانہ کیا اور ابن لتبیہ کو اسی کام پر مامور کیا۔ امام نووی اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس مال ہوتا ہے، مگر انہیں یہ معلوم نہیں کہ اس کے حقوق کیا ہیں، کچھ ایسے لوگ ہیں جن کو ان حقوق کا پتہ ہوتا ہے مگر ادائیگی میں بخالت سے کام لیتے ہیں، لہذا ایک ایسے شخص کو مقرر کرنا ضروری ہے جو ہر طرح کے لوگوں سے زکوٰۃ کا مال وصول کر کے حکومت یا متعلقہ ادارے کے سپرد کر دے (المجموع 6/167)

گزشتہ توضیحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ زکوٰۃ کی حکمت کے دو بنیادی پہلو ہیں۔ایک کا تعلق فرد سے ہے اور دوسرے کا تعلق حکومت، سماج اور معاشرے سے ہے۔دوسرا پہلو جس کا تعلق حکومتی ادارے سے ہے، کے لئے ضروری ہے کہ اس کی وصولی کے لئے خاص ادارہ ہو، جس کے تحت زکوٰۃ وصول کرنے والے مقرر کئے جائیں۔قرآن کریم نے حکومتی ادارے کے تحت زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو ''عاملین'' سے خطاب کیا ہے اور مستحقین زکوٰۃ کی آٹھ قسموں میں ایک قسم ''عاملین'' کا بھی شمار کیا ہے۔عہد حاضر میں تقریبا اسلامی ریاستیں ناپید ہیں، بالخصوص ہندوستان، یورپ، اور امریکہ جیسے ملکوں میں اسلامی ریاست کا کوئی نام ونشان بھی نہیں، ایسی صورت میں مسلم رفاہی تنظیمیں، اسلامی مدارس زکوٰۃ کی وصولی اور اس کی تقسیم سے متعلق اسلامی ریاست کے قائم مقام ہیں۔رفاہی تنظیمیں جن کے مقاصد زکوٰۃ وصول کرکے اس کے اصل مستحقین تک پہنچانا ہے اور اسلامی مدارس جن کا مقصد مسکین طلبہ کے لئے اسباب تعلیم مہیا کرنا ہے۔اگر زکوٰۃ کی وصولی کے لئے اپنے نمائندے یا چندہ کنندگان مقرر کرتے ہیں تو ان کی حیثیت ''عاملین'' کی ہوگی۔اس میں شک نہیں کہ ''عاملین'' کا شمار آٹھ مستحقین میں ہوتا ہے، تاہم اسے کتنی اجرت ملنی چاہئے، اس بارے میں فقہائے کرام کے مختلف نظریات ہیں۔جمہور فقہاء کا ماننا ہے کہ اس کی محنت کے مطابق ادارہ اس کی اجرت مقرر کرے جسے تنخواہ کی شکل میں ادا کیا جاسکتا ہے۔چندہ کنندگان کی حیثیت جب ''عاملین'' کی ہے تو جمہور کی رائے کے مطابق کمیشن مقرر کرنا یا فیصد پر چندہ کرنا درست نہیں ہوگا۔امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''عاملین'' کے لئے آٹھواں حصہ مقرر کرتے ہیں لہٰذا ان کی رائے کے مطابق آٹھواں حصہ ہی چندہ کنندگان کا حق ہوگا۔کمیشن یا فیصد کے طور پر اسے کم یا زیادہ لینا درست نہیں ہوگا۔

عہد حاضر میں اسلام اور کفر کی جنگ کے تیور بدل چکے ہیں۔کسی زمانہ میں میدان کارزار میں ہل من مبارز کا نعرہ بلند کرنا اسلامی جہاد کی بڑی علامت تھی، مگر عہد حاضر میں سنجیدگی، متانت، دانشمندی اور شعور کے ساتھ عصری وسائل کا استعمال کرکے مخالفین کے حملوں کا ترکی بہ ترکی جواب دینا اسلامی جہاد کی علامت ہے۔ٹی وی، ریڈیو، انٹرنیٹ، انٹرنیٹ کے مختلف شعبے مثلا یوٹیوب، فیس بک، ٹیوٹر، اخبارات وغیرہ کے ذریعہ اسلام اور اسلامی عقیدے کا دفاع کرنا بھی اسلامی جہاد کی علامت ہے، لہٰذا ان مقاصد کے لئے زکوٰۃ کا مال خرچ کرنا میدانِ کارزار میں لڑنے والوں پر خرچ کرنے کے مترادف ہے۔

بلاشبہ مدارس زکوٰۃ کے مستحق ہیں مگر صرف مدارس کو ہی زکوٰۃ کا مستحق ماننا عصر حاضر کی حقیقتوں سے آنکھ چرانا ہے۔قرآن کریم نے مستحقین زکوٰۃ کی فہرست میں ''فی سبیل اللہ'' کا تذکرہ بھی کیا ہے۔اکثر مفسرین نے اس سے مراد میدان جہاد میں لڑنے والے غازی مراد لیا ہے، جبکہ بعض مفسرین مثلا امام رازی نے ''فی سبیل اللہ'' کے مفہوم میں بعض علماء سے وسعت نقل کیا ہے۔جس کے دائرہ میں ہر وہ کام جو دین اسلام کی ترویج واشاعت کے لئے کیا جائے، وہ فی سبیل اللہ کے ضمن میں شمار کیا جائے گا۔عہد حاضر کے محقق علامہ یوسف قرضاوی نے ''فی سبیل اللہ'' کے مفہوم میں امام رازی کی وسعت کے علاوہ ایک دلچسپ توضیح کی ہے۔ان کا ماننا ہے کہ ''فی سبیل اللہ'' سے مراد جہاد ہی ہے مگر یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ جہاد صرف شمشیر وسنان کے ذریعہ میدان کارزار میں ہی لڑنے کا نام نہیں بلکہ قلم وقرطاس کے ذریعہ اسلام کا جو کام بھی کیا جائے گا، وہ جہاد کی وسیع تعریف میں داخل مانا جائے گا۔اس کے تحت علامہ قرضاوی نے عہد حاضر میں ''فی سبیل اللہ'' کے مصرف کے تحت ثقافتی معرکے، تربیتی کیمپس، جدید ذرائع ابلاغ، اخبارات کی

نشرواشاعت، دعوت وتبلیغ کے مراکز کا قیام، میڈیا سینٹر کی تاسیس اوران اداروں کو چلانے کے لئے باصلاحیت افراد کا انتخاب، جن کے مقاصد صرف اور صرف اسلام کی بالادستی ہو، پر زکوٰۃ سے حاصل شدہ مال کو خرچ کرنا اولیٰ قرار دیا ہے۔
(ملخصا فقہ الزکوۃ 681-2/679)

زکوٰۃ کے مال کی وصولی اوراس کی تقسیم سے متعلق امانت داری سب سے پہلے شرط ہے جو شخص وصولی کے کام پر مقرر ہے اور جوادارے یا تنظیمیں زکوٰۃ کے مال وصول کر کے مستحقین تک پہنچانے کی ذمہ داری نبھارہی ہیں، ان کے لئے امانت دار ہونا نہایت ضروری ہے۔ جوادارے یا چندہ کنندگان امانت داری سے کام نہیں لیتے، وہ سخت عذاب کے مستحق ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے جن صحابہ کرام کوزکوٰۃ کی وصولی پر مقرر کیا تواس کے ساتھ امانت داری کی بھی خاص نصیحت کی اور خیانت کے بدلے جہنم کی دردناک سزا کی خبردی۔ چندہ کنندگان عام طور پر تحفے تحائف کے نام پراپنے لئے مال زکوٰۃ کا کچھ حصہ رکھ لیتے ہیں۔ عہد رسول میں بھی ایک مرتبہ ابن لتبیہ نامی شخص نے ایساہی کیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے پرزور تقریر کی اور فرمایا کہ اگرتم، لوگوں کی نگاہ میں اتنے ہی محبوب ہوتوگھر میں بیٹھے رہنا چاہئے، پھر دیکھتے ہیں کتنے تحفے تحائف تم وصولتے ہو، غرض کہ تحفے تحائف کے نام پر زکوٰۃ کے مال میں خیانت کرنا سنگین جرم ہے، چندہ کنندگان اور چندہ اکٹھا کرنے والے اداروں کواس کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔

زکوٰۃ کی مروج وصولی کا طریقہ اہل اسلام میں جس طریقے پر عام ہے، وہ شرعاً صحیح ودرست ہے۔ البتہ وصولی کرنے والوں پر واجب ہے کہ مال زکوٰۃ کو یا مال صدقۂ فطر یا کسی دوسرے مد کا چندہ ہو، مسئلہ امانت کا پاس رکھتے ہوئے اس تک پہنچائیں، جس کے نام پر وصول کیا گیا ہے۔ خوداپنی جانب سے اس میں کوئی تصرف نہ کریں، اس لئے اہل مدارس کو چندہ وصول کرنے پر ایسے لوگوں کا انتخاب کرنا چاہئے جومسئلہ امانت سے واقف ہوں اور دل میں خوف الٰہی رکھتے ہوں، نیز صدقات واجبہ اور نافلہ میں فرق وامتیاز بھی سمجھتے ہوں۔

مذہب اسلام میں زکوٰۃ کا نظام نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ فرائض اسلام میں سب سے اہم فریضہ نماز ہے۔

قرآن حکیم اوراحادیث کریمہ کے بعد اکثر مقامات پر زکوٰۃ کا ذکر دیکھا گیا۔ یہ واضح اشارہ ہے کہ بدنی عبادت کے بعد مالی عبادت کواہمیت حاصل ہے۔ نظام زکوٰۃ میں سب سے بڑی حکمت فقرائے مسلمین کی اقتصادی مسائل کی اصلاح ہے۔

عہد رسالت ﷺ اور عہد صحابہ میں زکوٰۃ کی وصولی پر عمال کا تقرر ہوتا رہا، وہی حضرات زکوٰۃ وفطرے کی رقوم وصول کرتے، پھرامیر المومنین یا امیر المومنین کے مقرر کردہ محافظ کے پاس جمع کرتے، اس کے بعد مستحقین میں وہ تقسیم ہوجاتی۔ بعد کے ادوار میں شرعی ضرورت وحاجات کے پیش نظر حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں مصارف زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے مصارف میں بھی حیلہ شرعی کر کے استعمال کی راہیں نکالی گئیں۔ لیکن ضرورت وحاجت کا تحقق صاحب نظر علماء کی تعیین وتشخیص سے ہوتا رہا ہے۔

عہد حاضر میں چندہ کنندگان کی حیثیت زکوٰۃ دینے والوں اور مدارس ومساجد کی انتظامیہ کے وکیل کی ہوا کرتی ہے اور انہیں دیا جانے والا کمیشن بسلسلۂ وصولی ان کی محنت ومشقت کی اجرت ہے۔

شرعی ضرورت وحاجت کا تحقق اس طور پر ہو کہ زکوٰۃ وفطرے کے رقوم کے علاوہ دوسری رقوم کی دستیابی ناممکن یا حد درجہ

دشوار ہو، جس سے دینی وشرعی ضرورت وحاجت کو پورا کیا جائے، گو بعد حیلہ شرعیہ مدارس کے علاوہ دوسرے مصارف میں بھی استعمال جائز ہوگا۔لیکن اصحاب نظر اہل تقویٰ علمائے دین کی متفقہ آراء سے دینی وشرعی ضرورت کا متعین ومحقق ہونا امر لازمی ہے۔

1587 - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، وَيَحْيَى بْنُ مُوسَى، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ أَيُّوبَ بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ، إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أَصْحَابَ الصَّدَقَةِ يَعْتَدُونَ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَفَعَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے تاہم اس میں یہ الفاظ ہیں: ہم نے عرض کی: یارسول اللہ! زکوٰۃ وصول کرنے والے ہمارے ساتھ زیادتی کرتے ہیں۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) امام عبدالرزاق نے یہ روایت معمر کے حوالے سے مرفوع حدیث کے طور پر نقل کی ہے۔

شرح

نفسیاتی بات یہ ہے کہ جس شخص کے پاس سے مال جاتا ہے اس کے دل میں کچھ نہ کچھ تنگی ہوتی ہے اسی لئے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کی طرف سے بھی زکوٰۃ دینے والوں کے دل میں کچھ اچھے خیالات نہیں ہوتے۔اسی لئے آپ نے ان دیہاتیوں سے فرمایا کہ اپنے مال سے نفسیاتی اور طبعی طور پر محبت ہونے کی وجہ سے اگرچہ تم یہی سمجھو اور تمہارا گمان یہی ہو کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے ہمارے ساتھ ظلم کا معاملہ کررہے ہیں مگر تم اس صورت میں بھی انہیں راضی اور خوش کرنے کی کوشش کرو۔

خیار مصدق میں مذاہب اربعہ کا بیان

جب گائے کی تعداد ایک بیس ہوجائے تو ہمارے نزدیک مالک کو اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو تین مسنات دے اور اگر چاہے تو چار اتبعہ دے۔اور حضرت امام احمد علیہ الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔حضرت امام مالک اور شوافع میں سے بعض فقہاء نے کہا ہے۔مصدق کے لئے اختیار ہے۔(البنائیہ شرح الہدایہ، ۴، ص ۴۵، حقانیہ ملتان)

ناپسند عاملین زکوٰۃ سے واسطہ پڑنے کا بیان

1588 - حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَا: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ، عَنْ أَبِي الْغُصْنِ، عَنْ صَخْرِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ جَابِرِ بْنِ عَتِيكٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: سَيَأْتِيكُمْ رُكَيْبٌ مُبْغَضُونَ، فَإِنْ جَاءُوكُمْ، فَرَحِّبُوا بِهِمْ، وَخَلُّوا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَبْتَغُونَ، فَإِنْ عَدَلُوا فَلِأَنْفُسِهِمْ، وَإِنْ ظَلَمُوا، فَعَلَيْهَا وَأَرْضُوهُمْ، فَإِنَّ تَمَامَ زَكَاتِكُمْ رِضَاهُمْ، وَلْيَدْعُوا لَكُمْ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: أَبُو الْغُصْنِ هُوَ ثَابِتُ بْنُ قَيْسِ بْنِ غُصْنٍ

عبدالرحمن بن جابر اپنے والد کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

"عنقریب کچھ ناپسندیدہ سوار تمہارے پاس آئیں گے جب وہ تمہارے پاس آئیں، تو تم انہیں خوش آمدید کہنا اور وہ

جو طلب کریں انہیں لینے دینا اگر وہ انصاف سے کام لیں گے تو یہ ان کے اپنے حق میں ہوگا' اور اگر وہ ظلم کریں گے تو اس کا وبال ان پر ہوگا تم انہیں راضی کر دینا کیونکہ ان کی رضامندی تمہاری زکوٰۃ کی تکمیل کا حصہ ہے اور انہیں چاہئے کہ وہ تمہارے لیے دعا کریں''۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ابو غصن نامی راوی ثابت بن قیس غصن ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ معروف صحابی حضرت سیّدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام الانصاری کے صاحب زادے ہیں۔آپ کے والد حضرت عبداللہ انصاری غزوہ احد میں شہید ہوئے۔حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ ہجرت مدینہ سے تقریباً پندرہ سال پہلے مدینہ منورہ، جواس وقت یثرب کہلاتا تھا، میں پیدا ہوئے۔ان کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔

آپ کم عمری میں اسلام لائے اور بے شمار غزوات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا۔چناں چہ غزوہ خندق کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم غزوہ خندق میں خندق کھود رہے تھے کہ ایک سخت قسم کی چٹان سامنے آگئی۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے یہ چٹان نہیں ٹوٹی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر صورت حال عرض کر دی گئی۔تمام بات سماعت فرمانے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اترتا ہوں، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے (تو ہم نے دیکھا کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شکمِ مبارک پر (بھوک کی شدت کی وجہ سے) پتھر بندھا ہوا تھا۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خود ہماری یہ کیفیت تھی کہ ہم نے بھی تین دن سے کوئی چیز نہیں چکھی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال کو ہاتھ میں لے کر اس چٹان پر مارا تو وہ چٹان ریت کا ڈھیر ہوگئی۔

اس جاں نثار صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بھوک نہ دیکھی گئی، اپنا فاقہ بھول گئے اور بے تاب و بے قرار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:

یارسول اللہ! مجھے گھر جانے کی اجازت دیجیے، چناں چہ گھر آکر اہلیہ سے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی حالت میں دیکھا ہے کہ صبر نہ ہوسکا، تمھارے پاس کھانے کو کچھ ہے؟ اہلیہ نے کہا: اور تو کچھ نہیں، البتہ میرے پاس کچھ جو ہیں اور بکری کا ایک بچہ ہے، چناں چہ انھوں نے بکری کا وہ بچہ ذبح کیا اور ان کی اہلیہ محترمہ نے جو پیسے، گوشت کو پکنے کے لیے ہانڈی میں رکھنے کے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خدمت اقدس میں عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! مختصر سا کھانا ہے، آپ تشریف لے چلیں یا ایک دو آدمی آپ کے ساتھ ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کتنا کھانا ہے؟

جب انھوں نے تفصیل بتلائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا خاصا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ جب تک میں نہ آجاؤں، اہلیہ سے کہہ دو کہ نہ ہانڈی چولہے سے اتارے اور نہ ہی روٹیاں تنور میں لگائے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اعلان فرما دیا کہ جابر کی دعوت ہے، سب چلیں۔حضرت جابر□

بھاگے بھاگے گھر پہنچے اور اطلاع دی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہیں تشریف لارہے۔ بل کہ تمام مہاجرین وانصار کو بھی اپنے ساتھ لارہے ہیں۔ وہ بھی صحابیہ تھیں، بجائے پریشان ہونے کے انھوں نے حضرت جابر سے پوچھا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے کھانے کے متعلق پوچھ لیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! پوچھ تو لیا تھا۔ یہ سن کر کمال اطمینان سے کہنے لگیں، پھر پریشانی کس بات کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اور اللہ تعالیٰ کے اعتماد پر تمام لوگوں کو لے کر تشریف لارہے ہیں۔ اتنے میں بیت جابر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی تشریف آوری سے بقعہ نور بن چکا تھا۔ صحابہ کرام ﷺ کو ترتیب سے بیٹھنے کا حکم فرما کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہنڈیا کی جانب تشریف لے گئے، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست اقدس سے روٹیاں توڑنے اور ان پر بوٹیاں رکھنے لگے، اور ہانڈی سے گوشت اور تنور سے روٹی لے کر ان کو ڈھانک دیتے تھے اسی طرح برابر آپ صلی اللہ علیہ وسلم روٹی کے ٹکڑے کر کر کے دیتے رہے اور ہانڈی میں سے چمچ بھر بھر کر لیتے رہے، یہاں تک کہ سب نے خوب پیٹ بھر کے کھانا کھایا اور کھانا کچھ بچ بھی گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر کی اہلیہ سے فرمایا: یہ تم خود بھی کھاؤ اور محلے پڑوس میں بھی ہدیہ بھیجو۔ (صحیح بخاری)

یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے عشق رسالت اور ان کی اہلیہ محترمہ کے ذات نبی وکلام نبی پر غیر متزلزل اعتماد ہی کا کرشمہ تھا کہ وہ کھانا تمام اہل محلہ نے بھی کھایا اور پھر بھی کھانا ویسے کا ویسا موجود تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے معجزانہ طور پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ، جو بہ ظاہر مالی تنگ دستی کا شکار تھے، مگر دلی طور پر رب وہاب نے انھیں فیاضی سے خوب خوب نواز رکھا تھا، کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیا۔ سچ ہے رحمت پروردگار "بہا" یعنی معاوضہ نہیں "بہانہ" ڈھونڈتی ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سات بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے اور غزوہ احد میں والد گرامی کی شہادت کے بعد ان کی کفالت کی تمام تر ذمے داری اور والد محترم کے ذمے واجب الادا قرضوں کی ادائی کا بوجھ ان کے ناتواں کندھوں پر آ گیا تھا۔ بہنوں کی کفالت کی غرض سے انھوں نے اپنے سے عمر میں کافی بڑی ایک خاتون سے شادی کر لی، تاکہ وہ ان کی بہنوں کا خیال رکھ کر والدین کی کمی کا احساس نہ ہونے دے۔ ان کے والد کے ذمے واجب الادا قرضوں کی ادائی میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاونت فرمائی اور یہ بھی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا کہ کھجوروں کے ایک ہی ڈھیر میں اللہ تعالیٰ نے وہ برکت عطا فرمائی کی، تمام قرض خواہوں کا قرضہ ادا ہو گیا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے 1500 کے قریب احادیث روایت کی گئی ہیں، یوں ان کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جن سے کثیر تعداد میں احادیث مروی ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل العمری کی بشارت کے بہ موجب تقریباً چورانوے سال کی عمر پائی اور 78ھ میں وفات پائی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی وفات کسی بدخواہ کے زہر دینے سے ہوئی، مستند تاریخ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم!!

انھیں ابتدا میں بغداد کے قریب مدائن شہر میں دریائے دجلہ کے قریب دفن کیا گیا تھا، بعد ازاں شاہ فیصل شاہ عراق کے حکم پر ان کے جسد خاکی کو سلمان پارک منتقل کیا گیا، اس کی وجہ کیا ہوئی؟ یہ بھی ایک ایمان افروز واقعہ ہے، ملاحظہ فرمائیے!

یہ 1932ء کی بات ہے کہ عراق کے اس وقت کے بادشاہ شاہ فیصل کو خواب میں صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کی زیارت ہوئی، جو رازدانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہلاتے تھے۔ انھوں نے بادشاہ سے کہا:

"اے بادشاہ! میری اور جابر بن عبداللہ کی قبر میں دجلہ کا پانی داخل ہو گیا ہے، لہٰذا ہماری قبر کشائی کر کے ہمیں کسی اور جگہ منتقل کر دو۔"

خواب سے بیدار ہو کر صبح ہی بادشاہ نے اس حکم پر عمل کیا اور ان دونوں اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قبریں سیکڑوں لوگوں کی موجودگی میں کھولی گئیں، حاضرین میں مفتی اعظم فلسطین، مصر کے بادشاہ شاہ فاروق اور دیگر اہم افراد بھی شامل تھے۔ یہ دیکھ کر تمام عوام وخواص حیرت سے بت بنے رہ گئے کہ اتنا طویل ترین عرصہ بیت جانے کے باوجود ان دونوں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اجسام حیرت انگیز طور پر تروتازہ تھے اور یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ابھی ابھی دفنائے گئے ہوں۔ ان کے کفن تک سلامت تھے اور یوں لگتا تھا جیسے وہ خود بھی زندہ اور گہری نیند میں ہوں۔ ان دونوں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھیں بھی کھلی ہوئی تھیں اور ان سے ایک عجیب سی روشنی خارج ہو رہی تھی، جسے دیکھنے والوں کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ ہزاروں لوگوں نے ان بزرگوں کی زیارت کی اور دنیا پر ایک بار پھر یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ والوں کی نرالی شان ہوتی ہے۔ بادشاہ نے ان اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک اجسام کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کے بالکل قریب سلمان پارک نامی جگہ پر دوبارہ دفنا دیا۔

خارجیوں کے عشر وصول کرنے کا بیان

اور اگر کوئی ایسی جگہ رہتا ہے جہاں خارجی مسلط ہیں اور وہ خارجیوں کے عاشر کے پاس سے گزرا۔ اور خارجیوں کے عاشر نے اس سے عشر وصول کر لیا ہے۔ تو دوبارہ اس سے صدقہ وصول کیا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اہل عدل کے عاشر کے پاس سے گزرے اور جب وہ کسی خارجی عاشر کے پاس سے گزرا ہے تو اس میں قصور اس کا ہے۔ (ہدایہ، کتاب زکوۃ، لاہور)

خارجیوں کی تعریف وبغاوت کا بیان

امام محمد بن عبدالکریم شہرستانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ ہر وہ شخص جو عوام کی متفقہ مسلمان حکومتِ وقت کے خلاف مسلح بغاوت کرے اسے خارجی کہا جائے گا؛ خواہ یہ خروج و بغاوت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں خلفائے راشدین کے خلاف ہو یا تابعین اور بعد کے کسی بھی زمانہ کی مسلمان حکومت کے خلاف ہو۔ (الملل والنحل، ص ۱۴۴)

علامہ نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ خوارج بدعتیوں کا ایک گروہ ہے۔ یہ لوگ گناہِ کبیرہ کے مرتکب کے کافر اور دائمی دوزخی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے مسلم اُمراء و حکام پر طعن زنی کرتے ہیں اور ان کے ساتھ جمعہ اور عیدین وغیرہ کے اجتماعات میں شریک نہیں ہوتے۔ (نووی، روضۃ الطالبین، 10: 51)

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ وہ ایسے لوگ ہیں جو دین سے خارج ہو گئے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو بدعات کا ارتکاب کرتے تھے (یعنی وہ اُمور جو دین میں شامل نہ تھے ان کو دین میں شامل کرتے تھے)۔ (دینِ اسلام سے نکل جانے اور)

بہترین مسلمانوں کے خلاف (مسلح بغاوت اور دہشت گردی کی) کارروائیاں کرنے کی وجہ سے اُنہیں خوارج کا نام دیا گیا۔
(عمدۃ القاری،84:24)

علامہ ابنِ نجیم حنفی، خوارج کی تعریف یوں کرتے ہیں: خوارج سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس طاقت اور (نام نہاد دینی) حمیت ہو اور وہ حکومت کے خلاف بغاوت کریں۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ وہ کفر یا نافرمانی کے ایسے باطل طریق پر ہے جو ان کی خود ساختہ تاویل کی بنا پر حکومت کے ساتھ قتال کو واجب کرتی ہے۔ وہ مسلمانوں کے قتل اور ان کے اموال کو لوٹنا جائز سمجھتے ہیں۔
(البحر الرائق،234:2)

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔ خوارج، خارجۃ کی جمع ہے جس کا مطلب ہے: گروہ۔ وہ ایسے لوگ ہیں جو بدعات کا ارتکاب کرتے۔ ان کو (اپنے نظریہ، عمل اور اِقدام کے باعث) دینِ اسلام سے نکل جانے اور خیارِ اُمت کے خلاف (مسلح جنگ اور دہشت گردی کی) کارروائیاں کرنے کی وجہ سے یہ نام دیا گیا۔ (فتح الباری،283 :12)

حافظ ابن کثیر نے بھی اس آیت کی تفسیر میں جو حدیث بیان فرمائی ہے، اس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل زیغ۔ جو متشابہات کی پیروی کرتے ہیں۔ سے مراد خوارج ہیں (ابن کثیر تفسیر القرآن العظیم،347 :1)

مفسر شہیر امام خازن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر لباب التاویل میں اہلِ زَیغ کی تفسیر فرماتے ہوئے جن گمراہ فرقوں کا نام لیا ہے ان میں خوارج کا نام بھی شامل ہے (خازن، لباب التأویل،217 :1)

ابوحفص الحنبلی نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی جو مفصل روایت بیان فرمائی ہے، وہ بڑی ہی فکر انگیز، حقیقت کشا اور قابلِ غور ہے۔ یہ روایت اہلِ زَیغ کی اصلیت اور ان کے باطنی انجام کو پوری طرح بے نقاب کر دیتی ہے۔ ابو حفص الحنبلی مذکورہ آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ (آیت مذکورہ میں اہل زَیغ سے) مراد خوارج ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ جب بھی یہ آیت کریمہ تلاوت کرتے تو فرماتے: میں نہیں سمجھتا کہ اہل زیغ سے خوارج کے علاوہ کوئی اور گروہ بھی مراد ہو سکتا ہے۔ ابو غالب روایت کرتے ہیں: میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دمشق کی جامع مسجد کی طرف چل رہا تھا اور وہ دراز گوش پر سوار تھے۔ جب وہ مسجد کے دروازے کے قریب پہنچے تو حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: خوارج دوزخ کے کتے ہیں۔ انہوں نے یہ تین بار فرمایا۔ پھر انہوں نے ان کی حقیقت سے پردہ اٹھایا اور بتایا: آسمان کے نیچے یہ بدترین لوگ ہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے انہیں قتل کیا اور وہ بھی خوش نصیب ہیں جو ان کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ یہ بتا کر ابوامامہ رونے لگ گئے۔ ان کی بدنصیبی پر بہت ہی افسردہ ہوئے اور بتایا: یہ مسلمان تھے لیکن اپنی کرتوتوں سے کافر ہو گئے۔ پھر یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی جس میں اہل زیغ کا ذکر ہے۔ ابوغالب روایت کرتے ہیں: میں نے ابوامامہ سے پوچھا: کیا یہی (خوارج) وہ (اہل زیغ) لوگ ہیں؟ بولے: ہاں! میں نے پوچھا: آپ اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں یا ان کے بارے میں آپ نے یہ سب کچھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا ہے؟ انہوں نے فرمایا: اگر ایسی بات ہو تب تو میں بڑی جسارت کرنے والا کہلاؤں گا۔ میں نے ایک، دو یا سات بار نہیں بلکہ بار ہا یہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، اگر یہ بات سچی نہ ہو تو میرے دونوں کان بہرے ہو جائیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات تین بار فرمائے۔ (اللباب فی علوم الکتاب، 437 :3)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو امام سیوطی نے بھی اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل زیغ سے خوارج مراد لیے ہیں۔ (سیوطی، الدر المنثور، 148 :2)

النحاس نے بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ذکر کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اہل زیغ، خوراج ہی ہیں۔ (النحاس، معانی القرآن، 349 :1)

خوارج رسوائی اور مستحق لعنت ہیں:

جس دن کئی چہرے سفید ہوں گے اور کئی چہرے سیاہ ہوں گے، تو جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا:) کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ تو جو کفر تم کرتے رہے تھے سو اس کے عذاب (کا مزہ) چکھ لوo (آل عمران، 106 :3)

امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے آیت مذکورہ کے ذیل میں حدیث روایت کی ہے:

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم: أَنَّهُمُ الْخَوَارِجُ.

(ابن أبي حاتم، تفسیر القرآن العظیم، 594:2)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس (آیت میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جانے والوں) سے خوارج مراد ہیں۔

حافظ ابن کثیر نے بھی آیت مذکورہ کے تحت اس سے خوارج ہی مراد لیے ہیں۔ (ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، 347 :1) یہ قول ابن مردویہ نے حضرت ابوغالب اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے مرفوعاً روایت کیا ہے، امام احمد نے اسے اپنی مسند میں، امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں ابوغالب کے طریق سے روایت کیا ہے۔ امام سیوطی کا بھی یہی موقف ہے۔ انہوں نے بھی اس آیت میں مذکور لوگوں سے خوارج ہی مراد لیے ہیں۔ (سیوطی، الدر المنثور، 148 :2)

خارجیوں کے بارے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ خارجی تمام مخلوق خدا سے زیادہ شریر ہیں کیونکہ یہ لوگ ان آیات کو جو کافروں کے متعلق نازل ہوتیں انہیں مومنوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۱۰۲۴، وزارت تعلیم اسلام آباد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان لوگوں کے احوال کو صحیح طور پر بیان فرما دیا ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں۔ کہ مشرکین اور کافروں کے عقائد کے متعلق جو آیات بتوں کو خطاب کرتے نازل ہوئی ہیں ان لوگوں نے اللہ کی مقدس مخلوق انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام پر انہی آیات کو چسپان کر دیا اور بتوں کے متعلق شرک ہونے والے عناصر کا رخ نیک لوگوں کی طرف کر دیا اس طرح یہ لوگ، مشرکین کو مشرک کہنے کی بجائے مسلمانوں کو مشرک بنانے میں لگ گئے۔ ان لوگوں کا جب ایک گمراہ امام چلا، بس پھر کیا تھا کہ سارا گمراہانہ ٹولہ اسی کی راہ لیتے ہوئے اس کے پیچھے ہو لیا، اور اسی نقطہ پر جا پہنچا جہاں گمراہوں کا امام شیطان پہنچا تھا۔ کیونکہ اللہ

کے نبیوں علیہم السلام اور ولیوں سے مخالفت کا سب سے پہلے قدم اٹھا کر اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے انکار کر کے غیر اللہ سمجھ کر دشمنی کا بیج بویا تھا۔ اسی کے بوئے ہوئے بیج کا اثر بدعقیدہ لوگوں کی سرشت میں بس چکا ہے۔

حضرت ابوامامہ نے جب دمشق کے سرحد منصوبہ پر ان کے سر لٹکے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا: یہ بدترین جہنمی کتے ہیں آسمان کے نیچے تمام قتلوں سے بہتر ان کا قتل ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

"یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ۔

جس دن کچھ منہ اونجالے ہوں گے اور کچھ منہ کالے تو وہ جن کے منہ کالے ہوئے کیا تم ایمان لا کر کافر ہوئے تو اب عذاب چکھو اپنے کفر کا بدلہ۔

وَ اَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۔

اور وہ جن کے منہ اونجالے ہوئے وہ اللہ کی رحمت میں ہیں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے تو انہوں نے فرمایا: میں نے ایک بار یا دو بار یا تین مرتبہ یا چار مرتبہ نہیں بلکہ میں نے سات مرتبہ سنا ہے جو میں نے تم کو حدیث بیان کی ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ (جامع ترمذی، ج ۲، ص ۱۲۴، فاروقی کتب خانہ ملتان)

خارجی آیات کے مفاہیم کو بدلتے ہیں:

حضرت ابویحییٰ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ ایک خارجی نے صبح کی نماز میں یہ آیت پڑھی اور فی الحقیقت آپ کی طرف (یہ) وحی کی گئی ہے اور اُن (پیغمبروں) کی طرف (بھی) جو آپ سے پہلے (مبعوث ہوئے) تھے کہ (اے انسان!) اگر تُو نے شرک کیا تو یقینا تیرا عمل برباد ہو جائے گا اور تُو ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا مزید بیان کیا: پھر اس سورت کو چھوڑ کر اس نے دوسری سورت کی یہ آیت پڑھ ڈالی پس آپ صبر کیجئے، بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے، جو لوگ یقین نہیں رکھتے کہیں آپ کو کمزور ہی نہ کر دیں۔ (خوارج ان آیات قرآنی کو چن چن کر نماز میں پڑھتے تھے جن سے بزعم خویش ان بدبختوں کے معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص شان کا کوئی شائبہ پیدا ہوتا تھا۔ یہ ان کی گستاخانہ سوچ اور بدبختی تھی)۔

(رَوَاهُ ابن ابی شَیبَة، الحدیث رقم 49: اخرجہ ابن ابی شیبۃ فی المصنف، 7/ 55، الرقم: 37891.)

آج کل کے خارجی بھی آیات کے مفاہیم کو تبدیل کرتے ہوئے کبھی رسول اللہ ﷺ کے علم پر بحث کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہیں غیب کا علم نہیں دیا گیا۔ کبھی آپ ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے پر بحث، کبھی حیات مصطفیٰ ﷺ پر بحث، کبھی آپ ﷺ پر درود بھیجنے پر بحث کرتے ہیں۔ مختلف آیات ڈھونڈ کر مقام نبوت مصطفیٰ ﷺ کو کم کرنے کی ناپاک جسارت کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں اور لوگوں کو تبلیغ اسلام کے نام ان کے دلوں سے رسول اللہ ﷺ کی محبت نکالنے میں اپنی زندگیاں برباد کر دیتے ہیں۔

خلفاء راشدین کے خلاف خارجیوں کا فتویٰ:

خوارج حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں لڑنے کے لئے پیش پیش تھے۔ جونہی آپ رضی اللہ عنہ نے خون خرابے سے بچنے کے لئے تحکیم یعنی ثالثی کے راستے کو اپنایا تو وہ پُر اَمن مصالحت اور ثالثی کے عمل کو رَد کرتے ہوئے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے نکل گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ کافر کہنے لگے اور واضح طور پر باغی اور دہشت گرد گروہ تیار کر کے نام نہاد جہاد کے نام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امت مسلمہ کے خلاف برسرِ پیکار ہو گئے۔ اپنے منظم ظہور کے وقت انہوں نے یہ نعرہ لگایا تھا: لَا حُکْمَ إِلاَّ لِلّٰہِ. اللہ کے سوا کوئی حکم نہیں کر سکتا۔

خوارج کے اس عمل سے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آگاہی ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کَلِمَةُ حَقٍّ أُرِيْدَ بِهَا بَاطِلٌ. (مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، 2: 749، رقم 1066)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دشمن خارجی:

حضرت امام مسلم علیہ الرحمہ روایت کرتے ہیں۔ کہ وہ (حضرت زید بن وہب) اس لشکر میں تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خوارج سے جنگ کے لئے گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں ایک گروہ ظاہر ہوگا وہ ایسا (خوبصورت) قرآن پڑھے گا کہ ان کے پڑھنے کے سامنے تمہارے قرآن پڑھنے کی کوئی حیثیت نہ ہوگی، ان کی نمازوں کے سامنے تمہاری نمازوں کی کچھ حیثیت نہ ہوگی، ان کے روزوں کے سامنے تمہارے روزوں کی کوئی حیثیت نہ ہوگی۔ وہ یہ سمجھ کر قرآن پڑھیں گے کہ وہ ان کے حق میں ہے حالانکہ وہ ان کے خلاف حجت ہوگا۔ نماز ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی اور وہ اسلام سے ایسے خارج ہوں گے جیسے تیر شکار سے خارج ہو جاتا ہے۔ جو لشکر ان کی سرکوبی کے لیے جا رہا ہوگا اگر وہ اس ثواب کو جان لے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر کیا ہے تو وہ باقی اعمال کو چھوڑ کر اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک ایسا آدمی ہوگا جس کے شانہ میں ہڈی نہیں ہوگی اور اس کے شانہ کا سر عورت کے پستان کی طرح ہوگا جس پر سفید رنگ کے بال ہوں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (اپنے لشکر سے) فرمایا: تم معاویہ اور اہلِ شام کی طرف جاتے ہو مگر ان خوارج کو چھوڑ جاتے ہو تا کہ یہ تمہارے پیچھے تمہاری اولاد اور تمہارے اَموال کو ایذا دیں، بخدا! مجھے امید ہے کہ یہ وہی قوم ہے جس نے ناحق خون بہایا اور لوگوں کی چراگاہوں یعنی اَموال کو لوٹ لیا، تم اللہ کا نام لے کر ان سے قتال کے لیے روانہ ہو جاؤ۔

حضرت سلمہ بن کہیل کہتے ہیں: پھر مجھ سے (اس کے راوی) زید بن وہب نے ایک ایک منزل کا تذکرہ کیا اور بیان کیا کہ جب ہم جا کر ان سے ملے تو ہمارا ایک پل سے گزر ہوا، اس وقت خوارج کا سپہ سالار عبداللہ بن وہب راسبی تھا، اس نے حکم دیا کہ اپنے نیزے پھینک دو اور تلواریں میان سے نکال لو کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ یہ تم پر اس طرح حملہ کریں گے جس طرح یومِ حروراء میں کیا تھا۔ چنانچہ وہ پھرے، انہوں نے اپنے نیزے پھینک دیے اور تلواریں سونت لیں، لوگوں نے ان پر اپنے نیزوں سے حملہ کیا اور بعض نے بعض کو قتل کرنا شروع کر دیا، اس روز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے صرف دو آدمی شہید ہوئے۔ حضرت علی رضی

اللہ عنہ نے فرمایا: ان میں ایسی ناقص آدمی کو تلاش کرو، انہوں نے اسے ڈھونڈا لیکن وہ نہ ملا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود اٹھے اور وہاں گئے جہاں ان کی لاشیں ایک دوسرے پر پڑی تھیں، آپ نے فرمایا: ان لاشوں کو اٹھاؤ۔ تو اس (علامت والے مطلوب) شخص کو زمین پر لگا ہوا پایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ اکبر، اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تک صحیح احکام پہنچائے۔ عبیدہ سلمانی کھڑے ہوئے اور کہا: امیر المؤمنین! اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ کیا آپ نے خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی تھی؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں اللہ رب العزت کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تین مرتبہ حلف لیا اور آپ نے تین مرتبہ قسم کھائی۔

بعض روایات میں اس ناقص بازو والے شخص کی علامات بھی بیان کی گئی ہیں کہ وہ شخص سیاہ رنگ کا ہوگا اور اُس کا ہاتھ بکری کے تھن یا عورت کے پستان کے سر کی طرح ہوگا۔ جب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ گروہ خوارج کا قلع قمع کر چکے تو فرمایا: اس نشانی والے آدمی کو تلاش کرو۔ انہوں نے اسے ڈھونڈا مگر وہ نہ ملا، فرمایا: اس کو پھر جا کر تلاش کرو، بخدا نہ میں نے جھوٹ بولا ہے نہ مجھے جھوٹ بتایا گیا ہے، یہ بات انہوں نے دو یا تین بار کہی، حتیٰ کہ لوگوں نے اسے ایک کھنڈر میں ڈھونڈ لیا اور اس کی لاش لا کر حضرت علی کے سامنے رکھ دی۔ اِس واقعے کے راوی عبید اللہ کہتے ہیں: میں اس سارے معاملہ میں ان کے پاس موجود تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ان خوارج کے بارے میں ہی تھا۔ (مسلم، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، 749:2، رقم 1066)

خارجیوں کے بارے میں احکام کا بیان

خارجیوں پر لعنت کی گئی ہے۔ سورۃ الرعد میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْأَرْضِ ۙ أُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْءُ الدَّارِ ۝ الرعد، 13: 25

اور زمین میں فساد انگیزی کرتے ہیں، انہی لوگوں کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے برا گھر ہے ۝

یہ آیت صراحتاً بتا رہی ہے کہ زمین میں فساد پھیلانے والے خارجی ہیں۔ اس کی تائید درج ذیل روایت سے ہوتی ہے، جسے امام قرطبی نے بیان کیا ہے:

1. وقال سعد بن أبي وقاص: والله الذي لا إله إلا هو! إنهم الحرورية. قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، 9: 314

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، فساد انگیزی کرنے والوں سے مراد الحروریہ یعنی خوارج ہیں۔

2۔ انسانی جان کی ہلاکت اور اموال و املاک کی تباہی فساد فی الارض ہے، جیسا کہ ابو حفص الحنبلی کی درج ذیل روایت سے عیاں ہوتا ہے:

قال وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْأَرْضِ إما بالدعاء إلى غير دين الله، وإما بالظلم كما في النفوس والأموال وتخريب البلاد. (ابو حفص الحنبلی، اللباب فی علوم الکتاب، 9: 425)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اور زمین میں فساد انگیزی کرتے ہیں)۔ یا تو اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور طرف جبراً دعوت دینے سے

یا لوگوں کی جان و مال پر ظلم سے اور ملک میں تخریب کاری سے۔

علامہ ابو حفص کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ جان و مال لوٹنے کے علاوہ اسلام سے ہٹ کر اپنے خود ساختہ عقائد کی طرف جبراً دعوت دینا بھی فساد فی الارض کے زمرے میں آتا ہے۔

3۔امام رازی نے بھی التفسیر الکبیر (9: 176) میں اسی معنی کو نقل فرمایا ہے۔

6)) خوارج حسن عمل کے دھوکے میں رہتے ہیں خوارج نماز، روزے اور تلاوت قرآن جیسے اعمال کی ادائیگی میں بظاہر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی آگے نظر آتے تھے۔(اس پر آئندہ صفحات میں احادیث مبارکہ آئیں گی۔) یہی حالت دور حاضر کے خوارج کی ہے۔وہ بھی بظاہر شکل وصورت اور حسن عمل میں بڑے نیک، پرہیزگار اور پابندِ شریعت نظر آتے ہیں مگر باطن میں اعتقادی اور تشدد پسندانہ فتنوں کا شکار ہیں جن سے امت مسلمہ کو نقصان ہو رہا ہے اور باہمی خون خرابے سے اس کی قوت وشوکت متاثر ہو رہی ہے۔

1۔سورۃ الکہف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۞ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۞ الکہف، 18:103، 104

فرما دیجیے: کیا ہم تمہیں ایسے لوگوں سے خبردار کر دیں جو اعمال کے حساب سے سخت خسارہ پانے والے ہیں ۞ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری جدوجہد دنیا کی زندگی میں ہی برباد ہو گئی اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم بڑے اچھے کام انجام دے رہے ہیں ۞

امام طبری نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں درج ذیل روایات نقل کی ہیں:

اس آیت میں ان اہل کتاب کا ذکر ہے جو اپنا سماوی دین چھوڑ کر کفر کی راہ پر چل نکلے اور دین میں باطل بدعات کو شامل کر لیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ ان خسارہ پانے والوں سے مراد خوارج ہیں کیونکہ جب ابن الکواء خارجی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: أنت وأصحابک (تو اور تیرے ساتھی)۔

ایک روایت میں ہے جسے حضرت ابو طفیل بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن الکواء نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا (اعمال کے حساب سے سخت خسارہ پانے والوں) سے کون لوگ مراد ہیں تو آپ نے فرمایا: اے اہلِ حروراء! تم مراد ہو۔(طبری، جامع البیان، 33: 16، 34)

خارجیوں کی علامات

1۔وہ کفار کے حق میں نازل ہونے والی آیات کا اطلاق مومنین پر کریں گے۔(بخاری، 2539: 6)

2۔مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔(بخاری، کتاب التوحید، 2702: 6، رقم 6995)

3۔غیر مسلم اقلیتوں کے قتل کو حلال سمجھیں گے۔(المستدرک، 166: 2، رقم 2657)

4۔ عبادت میں بہت متشدد اور غلو کرنے والے ہوں گے۔ (ابویعلی، المسند، 90 :1، رقم 90)
5۔ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو دائمی جہنمی اور اس کا خون اور مال حلال قرار دیں گے۔

دور حاضر کے خارجی

ہمارے دور میں بھی بعض وہم پرست لوگوں کا گروہ ہے جس کی تعداد میں اب کچھ اضافہ بھی ہو رہا ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں پر آئے دن شرک وبدعت کے فتوے لگاتے رہتے ہیں۔ اور وہم میں یہ لوگ اس حد تک گر جاتے ہیں کہ ذرا ذرا سی باتوں کو شرک سمجھ بیٹھتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر کسی نے کوئی عام گھریلو استعمال کی چیز بھی کسی نے کسی سے مانگی تو فوراً ٹوک دیتے ہیں کہ خبردار اللہ کے سوا کسی مت مانگو ورنہ شرک ہو جائے گا۔

اور غالی تو ہم پرست وہ لوگ ہیں جو عبادات کو بھی شرک وبدعت کہنے سے نہیں گھبراتے ان کے دلوں سے خوف خدا اس قدر دور ہو چکا ہے۔ کہ شرعی احکام کا لحاظ کیے بغیر مسلمانوں پر شرک کا فتویٰ لگانے میں بہادر ہیں حتیٰ ایسے لوگوں کے نزدیک نماز جمعہ کے بعد کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنا، اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنا، محفل میلاد کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنا وغیرہ وہ کام ہیں جن کے بجالانے پر اجر وثواب مرتب ہوتا ہے۔ اس کو بھی بدعت کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم نص قرآن سے ثابت ہے۔ اور اس وقت میں عموم ہے۔ جو اپنی اصل پر ہی رہے گا۔

اور صلوٰۃ وسلام کی ممانعت پر قرآن کی نص اور حدیث صحیح سے کوئی نص تو در کنار کسی ضعیف حدیث سے بھی حکم ممانعت نہیں دیکھا سکتے۔ اور محض نفسانی خواہشات اور شیطان کی اتباع نے انہیں مقام نبوت ﷺ کا دشمن بنا رکھا ہے۔ اسی طرح روضہ رسول ﷺ کی حاضری کو خود ان خارجیوں میں بعض نے جائز کہا ہے اور بعض نے (نعوذ باللہ) حرام کہا ہے جیسے ابن تیمیہ وغیرہ کی طرح غیر مستند محقق بھی شامل ہیں۔

اہل سنت کی علامات وحقانیت کا بیان

مشہور محدث ومحقق امام سخاوی علیہ الرحمہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ کثرت سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا اہل سنت (یعنی سنی) ہونے کی علامت ہے۔ (القول البدیع، فضائل اعمال)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ قیامت کے بعض چہرے چمکتے ہوں گے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جن قیامت کے دن اہل سنت کے چہرے چمکتے ہوں گے۔ (مسند ابویعلی)

جمہور مفسرین کے نزدیک سفیدی سے مراد نور ایمان کی سفیدی ہے یعنی مومنین کے چہرے نور ایمان سے منور ہوں گے اور سیاہی سے مراد کفر کی سیاہی ہے یعنی کافروں کے چہروں پر کفر کی قدورت چھائی ہوگی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے اہل سنت وجماعت مراد لئے ہیں۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہود اکہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے پس ایک فرقہ جنتی ہے باقی ستر دوزخی ہیں اور نصرانی بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے پس ایک فرقہ جنتی ہے اور اکہتر دوزخ میں ہوں گے۔ اور مجھے قسم ہے اس

ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوجائے گی پس ایک فرقہ جنتی ہے جبکہ ۷۲ فرقے دوزخ میں ہوں گے۔عرض کیا گیا یارسول اللہ ﷺ وہ ایک فرقہ کون سا ہوگا؟ فرمایا: وہ جماعت ہے۔

(سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۲۸۷،قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس سے پہلی حدیث میں سواد اعظم سے مراد اہل سنت و جماعت ہے اور یہ حدیث اہل سنت و جماعت والوں کے لئے معیار عظمت ہے نیز اس حدیث سے اہل سنت و جماعت مراد لینا کسی دلیل کا محتاج نہیں کیونکہ اہل سنت و جماعت کے سوا باقی بہتر فرقے اکٹھے کر لیے جائیں تو وہ اس کا دسواں حصہ بھی نہیں بنتے۔امام المحدثین امام جلال الدین علیہ الرحمہ ''اتمام الدرایہ'' میں فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنھم اور تمام ائمہ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔عقائد اور دوسرے مسائل میں بھی ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ عنہ اہل سنت کے امام ہیں اور طریقت میں سید الطائفہ حضرت جنید علیہ الرحمہ امام ہیں۔(انجاح الحاجہ، ج ۲، ص ۲۸۳،قدیمی کتب خانہ کراچی)

1589 - حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ يَعْنِي ابْنَ زِيَادٍ، ح وحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ سُلَيْمَانَ، وَهَذَا حَدِيثُ أَبِي كَامِلٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ هِلَالٍ الْعَبْسِيُّ، عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: جَاءَ نَاسٌ يَعْنِي مِنَ الْأَعْرَابِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: إِنَّ نَاسًا مِنَ الْمُصَدِّقِينَ يَأْتُونَا فَيَظْلِمُونَا، قَالَ: فَقَالَ: أَرْضُوا مُصَدِّقِيكُمْ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَإِنْ ظَلَمُونَا؟ قَالَ: أَرْضُوا مُصَدِّقِيكُمْ، زَادَ عُثْمَانُ: وَإِنْ ظُلِمْتُمْ، قَالَ أَبُو كَامِلٍ فِي حَدِيثِهِ: قَالَ جَرِيرٌ: مَا صَدَرَ عَنِّي مُصَدِّقٌ بَعْدَ مَا سَمِعْتُ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا وَهُوَ عَنِّي رَاضٍ

۞۞ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کچھ دیہاتی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے عرض کی: زکوٰۃ وصول کرنے والے لوگ ہمارے پاس آتے ہیں اور ہمارے ساتھ زیادتی کر جاتے ہیں' تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو راضی کرو ان لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ! اگر وہ ہم پر ظلم کریں' تو بھی؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو راضی کرو۔

عثمان نامی راوی نے یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں: ''اگرچہ تم پر ظلم کیا جائے''۔

ابوکامل نے اپنی روایت میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب سے میں نے نبی اکرم ﷺ کی زبانی یہ بات سنی ہے اس کے بعد جب بھی زکوٰۃ وصول کرنے والا شخص میرے پاس سے واپس جاتا ہے' تو وہ مجھ سے راضی ہوتا ہے (یعنی مطمئن ہوتا ہے)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بڑے خوبصورت تھے اور بہت دل آویز شخصیت کے مالک تھے، جو بھی ان کے حسن و جمال کو دیکھتا انگشت بدنداں رہ جاتا، لوگ آپ کو یوسف امت کہا کرتے تھے، جب آپ اسلام قبول کرنے کے لیے آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لیتے ہوئے نماز، زکوۃ کے ساتھ ساتھ یہ شرط بھی عائد کی کہ حضرت جریر ہر مسلمان کے ساتھ خلوص اور

خیر خواہی برتیں گے، شاید اس میں ان کے ظاہری جمال کی وجہ سے ان کی روحانی اور نفسیاتی تربیت کا بھی پہلو نکلتا، بہر حال آپ نے ساری زندگی اس عہد کو نبھایا، اپنا نقصان کر لیتے لیکن کسی مسلمان کے مفاد پر کوئی آنچ نہ آنے دیتے، ایک مرتبہ آپ کا غلام ایک نہایت قیمتی اور اصیل عربی نسل کا گھوڑا 300 درہم میں خرید کے لے آیا، یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس کے مالک نے اپنی کس مجبوری کی وجہ سے وہ گھوڑا استے داموں بیچ دیا، آپ نے گھوڑے کا قد کاٹھ اور خوبصورتی دیکھی تو بجائے خوش ہونے کے پریشان ہو گئے، گھوڑے کے مالک کا پتہ معلوم کیا اور خود اسکے گھر تشریف لے گئے، اور اس سے فرمایا کہ تیرا گھوڑا کسی طرح بھی 800 درہم سے کم قیمت کا نہیں ہے لیکن شاید تم نے کسی مجبوری کی وجہ سے اسے کم قیمت میں بیچ دیا، لیکن میں تیری مجبوری کا فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا اس لیے میں تمہیں پوری قیمت دوں گا، اور اسے 500 درہم اور دے کر جذبہ خیر خواہی کی ایک عظیم مثال قائم کردی۔

بَابُ دُعَاءِ الْمُصَدِّقِ لِأَهْلِ الصَّدَقَةِ

باب: زکوٰۃ وصول کرنے والے کا زکوٰۃ دینے والے کے لیے دعا کرنا

1590 - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ النَّمَرِيُّ، وَأَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ، الْمَعْنَى، قَالَا: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى، قَالَ: كَانَ أَبِي مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَاهُ قَوْمٌ بِصَدَقَتِهِمْ، قَالَ: اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ فُلَانٍ، قَالَ: فَأَتَاهُ أَبِي بِصَدَقَتِهِ، فَقَالَ: اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ أَبِي أَوْفَى

❀❀ حضرت عبداللہ بن ابواوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میرے والد بیعت الرضوان کے موقع پر موجود افراد میں سے ایک ہیں جب کوئی قوم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی زکوٰۃ لے کر آتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے:

"اے اللہ! آل فلاں پر رحمت نازل کر"۔

راوی بیان کرتے ہیں: جب میرے والد اپنی زکوٰۃ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی:

"اے اللہ! آل ابواوفیٰ پر رحمت نازل کر"۔

عامل زکوٰۃ کو ہدیہ یا تحفہ نہ دینے کا بیان

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ازد کے ایک شخص کو کہ جس کا نام ابن لتبیہ تھا زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر فرمایا چنانچہ جب وہ شخص زکوٰۃ وصول کر کے مدینہ واپس آیا تو مسلمانوں سے کہنے لگا کہ اتنا مال تو تمہارا ہے یعنی یہ مال زکوٰۃ میں وصول ہوا ہے اس کے مستحق تم ہو اور یہ اتنا مال تحفہ کے طور پر مجھے دیا گیا ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

1590- اسناده صحيح. ابو الوليد الطيالسي: هو هشام بن عبد الملك. واخرجه البخاري (1497) من طريق حفص بن عمر، بهذا الاسناد. واخرجه البخاري (4166) و (6332) و (6359)، ومسلم (1078)، وابن ماجه (1796)، والنسائي في "الكبرى" (2251) من طرق عن شعبة، بهذا الاسناد وهو في "مسند احمد" (1911)، و "صحيح ابن حبان" (917) و (3274).

نے یہ سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں پہلے تو آپ نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور اس کے بعد فرمایا کہ بعد ازاں! میں تم سے چند آدمیوں کو ان امور کے لئے مقرر کرتا ہوں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے حاکم بنایا چنانچہ تم میں سے ایک شخص جسے میں نے زکوۃ وصول کرنے پر مقرر کیا ہے اپنا کام کر کے آتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ تمہارے لئے ہے اور یہ مال مجھے تحفہ میں دیا گیا ہے اور اس سے پوچھو تو وہ شخص اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر کیوں نہیں بیٹھا رہا کہ تحفہ دینے والے اسے گھر ہی بیٹھے تحفہ بھیج دیتے تب وہ دیکھتا کہ اس کے پاس تحفہ بھیجا جاتا ہے یا نہیں؟ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! یاد رکھو تم میں سے جو شخص کوئی بھی چیز لے گا اسے وہ قیامت کے دن رسوائی وذلت کے طور پر اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے لائے گا اگر وہ اونٹ ہوگا کہ جس کو اس نے بغیر استحقاق لیا ہوگا تو اس کی آواز ہوگی اگر وہ بیل ہوگا تو اس کی آواز ہوگی اور اگر وہ بکری ہوگی تو اس کی آواز ہوگی یعنی وہ دنیا میں جو بھی چیز بغیر استحقاق کے لے گا وہی چیز قیامت کے دن اس کی گردن پر سوار ہوگی اور بولتی ہوگی اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں دست مبارک اتنے اونچے اٹھائے کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کی سفیدی دیکھی پھر فرمایا: اے پروردگار! تو نے جو کچھ فرمایا میں نے لوگوں تک پہنچا دیا ہے اے پروردگار میں نے لوگوں تک پہنچا دیا۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 275)

اور خطابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "وہ شخص اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر کیوں نہیں بیٹھا رہا اور تب وہ دیکھتا کہ اس کے پاس تحفہ بھیجا جاتا ہے یا نہیں؟ کے بارہ میں فرمایا ہے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کسی حرام کام کے لئے جس چیز کو وسیلہ بنایا جائے گا تو وہ وسیلہ بھی حرام ہوگا نیز اگر کسی ایک عقد (معاملہ) کو دوسرے عقد (مثلاً خرید وفروخت، ہبہ اور نکاح وغیرہ) سے متعلق کیا جائے تو اس وقت دیکھا جائے گا کہ آیا ان معاملوں کا علیحدہ علیحدہ حکم ان کے ایک ساتھ متعلق ہونے کے حکم کے مطابق ہے یا نہیں! اگر ہے تو درست ہوگا اور اگر نہیں ہے تو درست نہیں ہوگا۔ (شرح السنہ)

ارشاد گرامی "وہ دیکھتا کہ اس کے پاس تحفہ بھیجا جاتا ہے یا نہیں" کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کو تحفہ تحائف کی پیش کش اس کی ذات کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس کے عہدہ کی وجہ سے ہے اگر وہ زکوۃ وصول کرنے کے لئے عامل مقرر نہیں کیا جاتا بلکہ وہ اپنے گھر بیٹھا رہتا ہے تو اسے کوئی تحفہ کیوں دیتا؟" اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر عامل کو اس کا کوئی عزیز ودوست تحفہ دے تو دیکھا جائے کہ اگر اس کے لئے اس تحفہ کی پیش کش اس کے عامل ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس کے عہدہ کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے تعلقات اور دیرینہ مراسم کی وجہ سے ہے اور یہ ہمیشہ کا معمول ہے تو وہ تحفہ اس کے لئے جائز ہوگا اور اگر تحفہ کی پیش کش محض اس کے عہدے کی وجہ سے ہوگی تو وہ تحفہ اس کے لئے جائز نہیں ہوگا جیسا کہ قاضی ودیگر حکام کے بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی قاضی وحاکم کی دعوت کی جائے یا اسے کوئی تحفہ دیا جائے تو وہ اسے اس وقت قبول کر سکتا ہے جب کہ وہ یہ جانے کہ یہ پیش کش میرے موجود عہدہ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اپنے ذاتی تعلقات کی وجہ سے اور ہمیشہ کے معمول کے مطابق ہے۔

مگر ابن ملک یہ فرماتے ہیں کہ عامل (حاکم) کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کا تحفہ قبول کرے کیونکہ تحفہ کی پیش کش کا واحد پس منظر اس کی یہ خواہش ہی ہوتی ہے کہ عامل زکوۃ میں سے کچھ حصہ چھوڑ دے (اور حاکم اس کے ساتھ غیر قانونی رعایت کا

معاملہ کرے) اور یہ مطلقا جائز نہیں ہے۔

خطابی رحمہ اللہ اس حدیث سے دو قاعدے اور شرعی اصول ثابت کر رہے ہیں پہلا قاعدہ اور شرعی اصول یہ بیان فرمار ہے ہیں کہ اگر کسی حرام چیز کے حصول کی خاطر کسی مباح اور جائز چیز کو وسیلہ اور ذریعہ بنایا جائے گا تو وہ مباح و جائز چیز بھی ایک حرام مقصد کا وسیلہ ہونے کی وجہ سے حرام ہو جائے گی۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ کوئی شخص ناجائز نفع اور سود حاصل کرنے کے لئے کسی شخص کو قرض دیتا ہے ظاہر ہے کہ قرض دینا ایک جائز فعل ہے مگر چونکہ قرض دینے والے نے سود حاصل کرنے کے لئے قرض دیا ہے اس لئے اس کا قرض دینا بھی حرام ہو جائے گا، اسی طرح گھر ہے کہ کوئی شخص اسے اس لئے بطور رہن وگروی لے کہ اس میں بغیر کرایہ کے سکونت اختیار کرے یا جانور کہ اسے رہن لیا جائے اور پھر بغیر معاوضہ کے اس پر سواری کرے یا اس سے دوسرا فائدہ حاصل کرے۔

دوسرا قاعدہ اور شرعی اصول یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر دو الگ الگ عقد (معاملوں) کو ایک دوسرے کے ساتھ متعلق کیا جائے تو اس وقت یہ دیکھا جائے گا کہ ان دونوں معاملوں کے ایک متعلق ہونے کے حکم کے مطابق ہے یا نہیں۔ یعنی اگر وہ معاملے الگ الگ جائز ہو سکتے ہیں تو دونوں ایک دوسرے کے ساتھ متعلق ہو کر بھی جائز رہیں گے اور اگر دونوں معاملے الگ الگ درست نہیں ہوتے ہیں تو دونوں ایک دوسرے کے ساتھ متعلق ہو کر بھی درست نہیں ہوں گے مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے کو دس روپے کی چیز سو روپے میں فروخت کرے تا کہ وہ اسے ایک ہزار روپیہ قرض دے اور اس قرض کا نفع (سود) اس چیز کی قیمت کے طور پر وصول کرے یعنی جیسے اس صورت میں نو روپے قرض دینے والے کو مل گئے جو اس کے قرض کا نفع ہو گیا یہ صورت جائز نہیں ہے کیونکہ اگر وہ دس روپے کی چیز سو روپیہ کی بیچتا اور خریدار کو قرض کا لالچ نہ ہوتا تو وہ ہرگز اتنی زائد قیمت پر نہ لیتا۔ اور جہاں دو معاملے ایسے ہوں کہ اگر ایک کو دوسرے سے الگ کر دیں تو بھی جائز اور درست ہوں جیسے اس صورت مذکورہ میں دس روپے کی چیز دس ہی روپے میں بیچی جاتی اور ایک ہزار روپے قرض بھی دیتا تو چونکہ یہ دونوں معاملے الگ الگ جائز ہوئے اس لئے ایک دوسرے سے متعلق یک جا ہو کر بھی درست ہوں گے۔ خطابی نے حدیث سے جو یہ دو قاعدے مستنبط کئے ہیں ان میں سے پہلا قاعدہ تو بلا اختلاف سب کے ہاں قابل قبول ہے اس لئے کہ تمام ائمہ کے مسلک میں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ وسائل وذرائع چونکہ مقاصد ہی کے حکم میں ہوتے ہیں اس لئے نیکی کا وسیلہ بھی نیکی ہی ہوگا اور برائی کا وسیلہ بھی برائی ہوگا۔

لیکن دوسرا قاعدہ امام مالک اور امام احمد کے ہاں تو قابل قبول ہے کیونکہ وہ ہر اس حیلہ (تدبیر) کو ناجائز قرار دیتے ہیں جس کے ذریعہ سے ربوا (سود) وغیرہ کی حرمت سے بچ جائے گا مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی اس دوسرے قاعدہ کو نہیں مانتے کیونکہ ان حضرات کے ہاں حیلہ مباح ہے۔ تاہم اتنی بات ملحوظ رہے کہ اگرچہ امام اعظم ابوحنیفہ اس قاعدہ کے قائل نہیں ہیں لیکن اس قاعدہ کی جو مثال بیان کی گئی ہے وہ صورت امام صاحب کے نزدیک بھی ایک دوسرے شرعی قاعدہ کے مطابق جائز نہیں ہے چونکہ امام صاحب کے نزدیک حیلہ کی بعض صورتیں درست ہیں اس مناسبت سے کہا گیا ہے کہ وہ خطابی کے ذکر کردہ دوسرے قاعدہ کے قائل نہیں ہیں۔

بَابُ تَفْسِيرِ أَسْنَانِ الْإِبِلِ

باب: اونٹوں کی عمر کی وضاحت

1590/1 - قَالَ أَبُو دَاوُدَ: سَمِعْتُهُ مِنَ الرِّيَاشِيِّ، وَأَبِي حَاتِمٍ، وَغَيْرِهِمَا، وَمِنْ كِتَابِ النَّضْرِ بْنِ شُمَيْلٍ، وَمِنْ كِتَابِ أَبِي عُبَيْدٍ وَرُبَّمَا ذَكَرَ أَحَدُهُمُ الْكَلِمَةَ قَالُوا: يُسَمَّى الْحُوَارُ ثُمَّ الْفَصِيلُ، إِذَا فَصَلَ، ثُمَّ تَكُونُ بِنْتُ مَخَاضٍ لِسَنَةٍ إِلَى تَمَامِ سَنَتَيْنِ، فَإِذَا دَخَلَتْ فِي الثَّالِثَةِ، فَهِيَ ابْنَةُ لَبُونٍ، فَإِذَا تَمَّتْ لَهُ ثَلَاثُ سِنِينَ، فَهُوَ حِقٌّ وَحِقَّةٌ إِلَى تَمَامِ أَرْبَعِ سِنِينَ، لِأَنَّهَا اسْتَحَقَّتْ أَنْ تُرْكَبَ، وَيُحْمَلَ عَلَيْهَا الْفَحْلُ، وَهِيَ تَلْقَحُ، وَلَا يُلْقِحُ الذَّكَرُ حَتَّى يُثَنِّيَ، وَيُقَالُ لِلْحِقَّةِ: طَرُوقَةُ الْفَحْلِ، لِأَنَّ الْفَحْلَ يَطْرُقُهَا إِلَى تَمَامِ أَرْبَعِ سِنِينَ، فَإِذَا طَعَنَتْ فِي الْخَامِسَةِ، فَهِيَ جَذَعَةٌ حَتَّى يَتِمَّ لَهَا خَمْسُ سِنِينَ، فَإِذَا دَخَلَتْ فِي السَّادِسَةِ، وَأَلْقَى ثَنِيَّتَهُ، فَهُوَ حِينَئِذٍ ثَنِيٌّ حَتَّى يَسْتَكْمِلَ سِتًّا، فَإِذَا طَعَنَ فِي السَّابِعَةِ سُمِّيَ الذَّكَرُ رَبَاعِيًا، وَالْأُنْثَى رَبَاعِيَةً إِلَى تَمَامِ السَّابِعَةِ، فَإِذَا دَخَلَ فِي الثَّامِنَةِ، وَأَلْقَى السِّنَّ السَّدِيسَ الَّذِي بَعْدَ الرَّبَاعِيَةِ، فَهُوَ سَدِيسٌ وَسَدَسٌ إِلَى تَمَامِ الثَّامِنَةِ، فَإِذَا دَخَلَ فِي التِّسْعِ وَطَلَعَ نَابُهُ، فَهُوَ بَازِلٌ، أَيْ بَزَلَ نَابُهُ - يَعْنِي طَلَعَ - حَتَّى يَدْخُلَ فِي الْعَاشِرَةِ، فَهُوَ حِينَئِذٍ مُخْلِفٌ، ثُمَّ لَيْسَ لَهُ اسْمٌ، وَلَكِنْ يُقَالُ: بَازِلُ عَامٍ، وَبَازِلُ عَامَيْنِ، وَمُخْلِفُ عَامٍ، وَمُخْلِفُ عَامَيْنِ، وَمُخْلِفُ ثَلَاثَةِ أَعْوَامٍ إِلَى خَمْسِ سِنِينَ، وَالْخَلِفَةُ: الْحَامِلُ قَالَ أَبُو حَاتِمٍ: وَالْجَذُوعَةُ: وَقْتٌ مِنَ الزَّمَنِ لَيْسَ بِسِنٍّ، وَفُصُولُ الْأَسْنَانِ عِنْدَ طُلُوعِ سُهَيْلٍ،

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَأَنْشَدَنَا الرِّيَاشِيُّ

إِذَا سُهَيْلٌ آخِرَ اللَّيْلِ طَلَعْ ۔۔۔ فَابْنُ اللَّبُونِ الْحِقُّ، وَالْحِقُّ جَذَعْ

لَمْ يَبْقَ مِنْ أَسْنَانِهَا غَيْرُ الْهُبَعْ وَالْهُبَعُ: الَّذِي يُولَدُ فِي غَيْرِ حِينِهِ

❁❁ (امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: درج ذیل وضاحت) ریاشی اور ابوحاتم اور ان کے علاوہ دیگر حضرات سے سنی ہے اس کے علاوہ نضر بن شمیل اور ابوعبید کی کتابوں سے بھی نوٹ کی ہے بعض اوقات ان میں سے کسی ایک نے کوئی ایک کلمہ ذکر کیا یہ حضرات یہ کہتے ہیں: (اونٹ کے بچے کو) حوار کہا جاتا ہے پھر فصیل ہوتا ہے جب وہ (دودھ) چھوڑ دیتا ہے پھر ایک سال کی عمر سے لے کر دو سال پورے ہونے تک بنت مخاض ہوتی ہے جب تیسرے سال میں داخل ہو جائے تو وہ بنت لبون ہوتی ہے جب تین سال پورے ہو جائیں تو وہ حقہ ہوتی ہے اور چار سال پورے ہونے تک وہ حقہ رہتی ہے کیونکہ اب وہ اس بات کی مستحق ہے کہ اس پر سواری کی جائے اور اس کے ساتھ نر جانور جفتی کر سکے یہ حاملہ ہو سکتی ہے لیکن نر جانور اس وقت تک حاملہ نہیں کر سکتا جب اس کے اگلے دانت گر نہیں جاتے حقہ کہا جاتا ہے کیونکہ نر جانور چار سال مکمل ہونے تک اس کے ساتھ جنسی عمل کر سکتا ہے جب وہ پانچویں سال میں داخل ہو جائے تو اسے جذعہ کہتے ہیں: یہاں تک کہ وہ پورے پانچ سال کی ہو جائے جب وہ چھٹے سال میں

شروع ہوجائے اور اپنے اگلے دو دانت گرا دے تو اس وقت اسے ثنی کہا جاتا ہے چھ سال پورے ہونے تک یہی نام ہے' جب وہ ساتویں سال میں شروع ہوجائے' تو نر کو رباعی اور مادہ کو رباعیہ کہتے ہیں: اور یہ سات سال پورے ہونے تک کہا جاتا ہے' جب وہ آٹھویں سال میں شروع ہوجائے اور چھٹا دانت گرا دے جو رباعیہ کے بعد ہوتا ہے' تو اسے سدیس یا سدس کہتے ہیں: یہ لفظ آٹھ سال پورے ہونے تک استعمال ہوتا ہے' جب وہ نویں سال میں داخل ہوجائے اور اس کے اطراف کے دانت نکل آئیں' تو اسے بازل کہتے ہیں: کیونکہ اس کے اطراف کے دانت نمایاں ہوجاتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ دسویں سال میں داخل ہوجائے' تو اسے مخلف کہا جاتا ہے اس کے بعد اونٹوں کا کوئی باقاعدہ نام نہیں ہے صرف یہ کہا جاتا ہے ایک سال کا بازل یا دو سال کا بازل یا ایک سال کا مخلف، دو سال کا مخلف، تین سال کا مخلف ایسا پانچ سالوں تک ہوتا ہے۔ لفظ خلفہ کا مطلب حاملہ جانور ہے۔

امام ابوحاتم کہتے ہیں: جذعہ سے تعلق وقت سے ہے' سال سے نہیں ہے۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ریاشی نے ہمیں ایک شعر بھی سنایا تھا۔

''جب رات کے ابتدائی حصے میں سہیل ستارا نکلتا ہے' تو ابن لبون حق ہوجاتا ہے اور حق جذعہ ہے''۔

سال کے اعتبار سے اونٹوں کے ناموں میں کوئی اونٹ باقی نہیں رہا۔ صرف ایک لفظ رہ گیا ہے ھبع اس اونٹ کو کہتے ہیں: جو اپنے مخصوص وقت کے علاوہ پیدا ہوا ہو۔

اُونٹ کی زکوٰۃ

اُونٹ کی زکوٰۃ کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے: ☆ کم از کم 5 اونٹوں پر نصاب پورا ہوتا ہے، پانچ سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

☆ 5 سے 25 تک کی زکوٰۃ اس طرح دیں گے کہ ہر 5 کے بدلے ایک سالہ بکری یا بکرا دیں گے۔ ایک نصاب سے دوسرے نصاب کی درمیانی تعداد شامل زکوٰۃ نہیں ہوگی مثلاً پانچ کے بعد اگر ایک، دو، تین یا چار اونٹ زائد ہوں اُن کی زکوٰۃ نہیں دی جائے گی بلکہ دس اونٹ پورے ہونے پر دی جائے گی۔

☆ 25 سے 35 تک ایک سالہ مادہ اونٹنی جو دوسرے برس میں ہو، دی جائے گی۔

☆ 36 سے 45 تک مادہ اونٹنی جو دو سال کی ہو کر تیسرے برس میں ہو، دی جائے گی۔

☆ 46 سے 60 تک مادہ اونٹنی جو تین سال کی ہو کر چوتھے برس میں ہو، دی جائے گی۔

☆ 61 سے 75 تک مادہ اونٹنی جو چار سال کی ہو کر پانچویں برس میں ہو، دی جائے گی۔

☆ 76 سے 90 تک 2 مادہ اونٹنیاں جو دو سال کی ہو کر تیسرے برس میں ہوں، دی جائیں گی۔

☆ 91 سے 120 تک 2 مادہ اونٹنیاں جو تین سال کی ہو کر چوتھے برس میں ہوں، دی جائیں گی۔

☆ 121 سے 145 تک 2 مادہ اونٹنیاں جو تین سال کی ہو کر چوتھے برس میں ہوں اور ہر پانچ پر ایک سالہ بکری یا بکرا دیا جائے۔ مثلاً 125 پر 2 اونٹنیوں کے ساتھ ایک بکری، 130 پر 2 اونٹنیوں کے ساتھ دو بکریاں، 135 پر 2 اونٹنیوں کے ساتھ تین

بکریاں، 140 میں 2اونٹنیوں کے ساتھ چار بکریاں۔

☆145 میں 2مادہ اونٹنیاں جوتین سال کی ہوکر چوتھے برس میں ہوں اور ایک اونٹ کا بچہ جوایک سال کا ہوکر دوسرے برس میں ہو، دیا جائے گا۔

☆150 اونٹوں پر 3مادہ اونٹنیاں جوتین سال کی ہوکر چوتھے برس میں ہوں، دی جائیں گی۔

☆150 سے 170 تک 3مادہ اونٹنیاں جوتین سال کی ہوکر چوتھے برس میں ہوں، دی جائیں گی اور ہر پانچ پر ایک سالہ بکری یا بکرا دیا جائے۔مثلاً 155 پر 3اونٹنیوں کے ساتھ ایک بکری، 160 پر اونٹنیوں کے ساتھ دو بکریاں، علی ھذا القیاس۔

☆175 سے 185 تک 3مادہ اونٹنیاں جوتین سال کی ہوکر چوتھے برس میں ہوں، دی جائیں گی اور ایک سالہ اونٹنی جو دوسرے سال میں ہو دی جائے گی۔

☆186 سے 195 تک 3مادہ اونٹنیاں جوتین سال کی ہوکر چوتھے برس میں ہوں، دی جائیں گی اور ایک اونٹنی جو دو سال کی ہوکر تیسرے سال میں ہو، دی جائے گی۔

بَابُ اَيْنَ تُصَدَّقُ الْاَمْوَالُ

باب: اموال کی زکوٰۃ کہاں ادا کی جائے

1591 - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِي عَدِيٍّ، عَنِ ابْنِ اِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا جَلَبَ، وَلَا جَنَبَ، وَلَا تُؤْخَذُ صَدَقَاتُهُمْ اِلَّا فِي دُورِهِمْ.

ﷺ عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''جلب اور جنب کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور لوگوں کی زکوٰۃ صرف ان کے محلوں میں ہی وصول کی جائے گی''۔

جلب اور جنب کے معنی ومفہوم کا بیان

"جلب اور جنب" یہ ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا زکوٰۃ دینے والوں کی قیام گاہوں سے کہیں دور ٹھہرے اور ان کو یہ حکم دے کہ وہ اپنی زکوٰۃ کا مال جیسے مویشی لے کر یہاں آجائیں۔اور "جنب" یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والے اپنے زکوٰۃ دینے والے اپنے زکوٰۃ کے مال جیسے مویشیوں کو لے کر اپنی قیامگاہوں سے کہیں دور چلے جائیں اور زکوٰۃ وصول کرنے والے کو اس مشقت میں مبتلا کریں

1591- صحیح لغیرہ، وھذا اسناد حسن، محمد بن اسحاق صرح بالتحدیث. عند احمد (7024) وغیرہ. ابن ابی عدی: ھو محمد بن ابراھیم السلمی. واخرجہ ابن ابی شیبۃ 12/ 235، واحمد فی "مسندہ" (6692) و (7024)، وابن الجارود فی "المنتقی" (345) و (1052)، وابن خزیمۃ (2280)، والبیھقی 8/ 29، والبغوی فی "شرح السنۃ" (2542) من طرق عن محمد بن اسحاق، بھذا الاسناد. واخرجہ احمد فی "مسندہ" (7012)

کہ وہ ان کے پاس پہنچ کر زکوٰۃ وصول کرے۔ لہٰذا یہ دونوں ہی ممنوع و مکروہ ہیں۔

گھوڑ دوڑ میں "جلب" یہ ہے کہ گھوڑ دوڑ میں شریک ہونے والا کوئی سوار کسی دوسرے شخص کو اس مقصد سے اپنے گھوڑے کے پیچھے لگالے کہ وہ اس کے گھوڑے کو ڈانٹتا اور جھڑکتا رہے تاکہ وہ آگے بڑھ جائے۔ اور "جنب" یہ ہے کہ اپنے گھوڑے کے پہلو بہ پہلو ایک دوسرا گھوڑا رکھے تاکہ جب سواری کا گھوڑا تھک جائے تو اس گھوڑے پر سوار ہو جائے، یہ دونوں باتیں بھی ممنوع ہیں۔

خوشدلی سے زکوٰۃ دیجئے

حضرت سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پاک، صاحب لولاک، سیاح افلاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "جو ایمان کے ساتھ ان پانچ چیزوں کو بجالایا جنت میں داخل ہوگا، جس نے پانچ نمازوں کی ان کے وضو اور رکوع اور سجود اور اوقات کے ساتھ پابندی کی اور رمضان کے روزے رکھے اور جس نے استطاعت ہونے پر حج کیا اور خوش دلی سے زکوٰۃ ادا کی۔" (مجمع الزوائد، کتاب الایمان، فیما بنی علیہ الاسلام، رقم ۱۳۹، ج ۱، ص ۲۰۵)

1592 - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي، يَقُولُ: عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ فِي قَوْلِهِ: لَا جَلَبَ، وَلَا جَنَبَ، قَالَ: أَنْ تُصَدَّقَ الْمَاشِيَةُ فِي مَوَاضِعِهَا، وَلَا تُجْلَبَ إِلَى الْمُصَدِّقِ، وَالْجَنَبُ، عَنْ غَيْرِ هَذِهِ الْفَرِيضَةِ أَيْضًا، لَا يُجْنَبُ أَصْحَابُهَا، يَقُولُ: وَلَا يَكُونُ الرَّجُلُ بِأَقْصَى مَوَاضِعِ أَصْحَابِ الصَّدَقَةِ فَتُجْنَبُ إِلَيْهِ، وَلَكِنْ تُؤْخَذُ فِي مَوْضِعِهِ

❁❁ عمرو بن اسحاق روایت کے ان الفاظ کی وضاحت کرتے ہیں "جلب اور جنب کی کوئی حیثیت نہیں ہے" وہ کہتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ جانوروں کی زکوٰۃ ان جانوروں کے مخصوص مقام پر ہی وصول کی جائے گی انہیں کھینچ کر زکوٰۃ وصول کرنے والے کی طرف نہیں لے جایا جائے گا' اور اس فرض کے بارے میں جنب یہ ہے کہ ان کے مالکان کو الگ نہیں کیا جائے گا زکوٰۃ وصول کرنے والے کو اس بات کا حق نہیں ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والوں کی جگہ سے دور جا کر بیٹھ جائے اور پھر جانوروں کو اس کی طرف لایا جائے بلکہ ان کی زکوٰۃ ان کے مخصوص مقام پر ہی وصول کی جائے گی۔

جانوروں کی زکوٰۃ

ہر قسم کے جانور کی زکوٰۃ نہیں دیں گے اس میں تفصیل یہ ہے کہ جو جانور تجارت کی غرض سے خریدے گئے ہیں، وہ مال تجارت ہیں اور ان کی زکوٰۃ ان کی قیمت کے حساب سے دی جائے گی۔

جو جانور سال کا اکثر حصہ جنگل میں چر کر گزارہ کرتے ہوں اور چرانے سے مقصود صرف دودھ اور بچے لینا اور فربہ کرنا ہے، یہ سائمہ کہلاتے ہیں ان کی زکوٰۃ دینا ہوگی۔

جو جانور اگرچہ جنگل میں چرتے ہوں لیکن اس سے مقصود بوجھ لادنا یا ہل وغیرہ کے کام میں لانا یا سواری میں استعمال کرنا یا ان کا گوشت کھانا ہو تو یہ جانور سائمہ نہیں ہیں، ان کی زکوٰۃ دینا واجب نہیں ہے۔

جن جانوروں کو گھر پر چارہ کھلاتے ہوں ان کی بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔"

(ماخوذ از الدر المختار ورد المحتار، کتاب الزکوٰۃ، باب السائمۃ، ج ۳، ص ۲۳۲، ۲۳۴)

نوٹ: جانوروں کی زکوٰۃ کے مصارف بھی وہی ہیں جو سونے چاندی اور کرنسی نوٹوں وغیرہ کے ہیں۔

تجارت کے لئے جانور خرید کر چرانا شروع کر دیا تو۔اگر جانور تجارت کے لئے خریدا تھا مگر بعد میں چرانا شروع کر دیا تو اگر اسے سائمہ بنانے کی نیت کر لی تو اب سال شروع ہو جائے گا اور اگر نیت نہیں کی تھی تو مال تجارت ہی رہے گا۔

(الفتاوی الھندیۃ، کتاب الزکوٰۃ، الباب الثانی، الفصل الاول، ج ۳، ص ۱۷۷)

بَابُ الرَّجُلِ يَبْتَاعُ صَدَقَتَهُ

باب: کسی شخص کا اپنے کیے ہوئے صدقے کو خرید لینا

1593 - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَمَلَ عَلٰى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللهِ، فَوَجَدَهُ يُبَاعُ، فَاَرَادَ اَنْ يَبْتَاعَهُ، فَسَاَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: لَا تَبْتَعْهُ، وَلَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ

✿✿ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اللہ کی راہ میں ایک گھوڑا صدقہ کر دیا پھر انہوں نے اس گھوڑے کو فروخت ہوتے ہوئے پایا تو اسے خریدنے کا ارادہ کیا انہوں نے اس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اسے نہ خریدو اور اپنے کیے ہوئے صدقے کو واپس نہ لو۔

صدقہ کرنے کی حکایت کا بیان

ایک سبق اموز حکایت حدیث بالا کی روشنی میں جو یہ نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ حلال مال اچھی جگہ ہی خرچ ہوتا ہے۔اس سلسلے میں ایک سبق آموز حکایت سنیے شیخ علی متقی عارف باللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک متقی و صالح شخص کسب معاش کرتے تھے اور ان کا معمول تھا کہ جو کچھ کماتے پہلے تو اس میں ایک تہائی اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے پھر ایک تہائی اپنی ضروریات پر صرف کرتے اور ایک تہائی اپنی کسب معاش کے ذریعے میں لگا دیتے ایک دن ان کے پاس ایک دنیادار شخص آیا اور کہنے لگا کہ شیخ! میں چاہتا ہوں کہ کچھ مال اللہ کی راہ میں خرچ کروں، لہٰذا آپ مجھے کسی مستحق کا پتہ دیجیے انہوں نے کہا پہلے تو حلال مال حاصل کرو اور پھر اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو، وہ مستحق شخص ہی کے پاس پہنچے گا۔دنیادار شخص نے اسے مبالغہ پر محمول کیا، شیخ نے کہا اچھا تم جاؤ تمہیں جو شخص بھی ایسا ملے جس کے تمہارے دل میں جذبہ ترحم پیدا ہو اسے صدقہ کا مال دے دینا، چنانچہ وہ شخص جب شیخ کے پاس سے اٹھ کر آیا تو اس نے ایک بوڑھے اندھے کو دیکھا جس کے لئے اس کے دل میں جذبہ ترحم پیدا ہوا اور یہ سمجھ کر کہ صدقہ کے مال کا اس بے چارے سے زیادہ کون مستحق ہو سکتا ہے؟ اپنے کمائے ہوئے مال میں سے اسے کچھ حصہ خیرات کر دیا۔

جب دوسرے دن وہ ضعیف و نابینا شخص کے پاس سے گزرا تو اس نے سنا کہ وہ اپنے پاس کھڑے ہوئے ایک دوسرے شخص

سے کل کا واقعہ بیان کر رہا تھا کہ کل میرے پاس سے ایک مالدار شخص گزرا اس نے مجھ پر ترس کھا کر اتنا مال مجھے دیا جسے میں نے فلاں بدکار شخص کے ساتھ شراب نوشی میں لٹا دیا۔ وہ دنیا دار یہ سنتے ہی شیخ کے پاس آیا اور ان سے پورا ماجرا بیان کیا، شیخ نے یہ واقعہ سن کر اپنی کمائی میں سے ایک درہم اسے دیا اور کہا کہ اسے رکھو اور یہاں سے نکلتے ہی سب سے پہلے تمہاری نظر جس پر پڑے اسے یہ درہم بطور خیرات دے دینا چنانچہ وہ شیخ کا دیا ہوا درہم لے کر گھر سے باہر نکلا تو اس کی نظر سب سے پہلے ایک اچھے شخص پر پڑی جو بظاہر کھاتا پیتا معلوم ہو رہا تھا پہلے تو وہ دیتے ہوئے جھجکا مگر چونکہ شیخ کا حکم تھا اس لئے مجبوراً وہ درہم اس شخص کو دے دیا۔

اس شخص نے وہ درہم لے لیا اور اپنے پیچھے مڑ کر چل دیا، اس کے ساتھ ساتھ وہ مالدار بھی چلا اس نے دیکھا وہ شخص ایک کھنڈر میں داخل ہوا اور وہاں سے دوسری طرف نکل کر شہر راہ پکڑی، مالدار بھی اس کے پیچھے کھنڈر میں داخل ہوا وہاں اسے کوئی چیز نظر نہ آئی البتہ اس نے ایک مرا ہوا کبوتر دیکھا وہ پھر اس شخص کے پیچھے پیچھے ہو لیا، پھر اسے قسم دے کر پوچھا کہ بتاؤ تم کون ہو؟ اور کس حال میں ہو؟ اس نے کہا کہ میں ایک غریب انسان ہوں، میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں وہ بہت بھوکے تھے جب مجھ سے ان کی بھوک کی شدت نہ دیکھی گئی اور انتہائی اضطراب و پریشانی کے عالم میں میں ان کے لئے کچھ انتظام کرنے کی خاطر گھر سے نکل کھڑا ہوا تو میں سرگرداں پھر رہا تھا کہ مجھے یہ مرا ہوا کبوتر نظر آیا مرتا کیا نہ کرتا؟ میں نے یہ کبوتر اٹھا لیا اور اسے لے کر اپنے گھر کی طرف چلا تاکہ اس کے ذریعے بھوک سے بلکتے بچوں کو کچھ تسکین دلاؤں مگر جب اللہ نے تمہارے ذریعے یہ درہم مجھے عنایت فرما دیا تو یہ کبوتر جہاں سے اٹھایا تھا وہیں پھینک دیا۔ اب اس مالدار کی آنکھ کھلی اور اسے معلوم ہوا کہ شیخ کا وہ قول مبالغہ پر محمول نہیں تھا بلکہ حقیقت یہی ہے کہ حلال مال اچھی جگہ اور حرام مال بری جگہ خرچ ہوتا ہے۔

کھیت کا نقصان اور صدقہ کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے یا کھیت بوتا ہے اور پھر انسان یا پرند اور چرند مالک کی مرضی کے بغیر اس میں سے کچھ کھاتے ہیں تو یہ نقصان مالک کے لئے صدقہ ہو جاتا ہے۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے یہ الفاظ بھی ہیں کہ اور اس میں سے جو کچھ چوری ہو جاتا ہے وہ مالک کے لئے صدقہ ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 400)

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کے درخت کا پھل وغیرہ یا اس کی کھیتی میں سے اگر کوئی چرند پرند کسی بھی طرح یا کسی بھی سبب سے کچھ کھا لیتے ہیں تو مالک کو وہی ثواب ملتا ہے جو اللہ کی راہ میں اپنا مال خیرات کرنے کا ثواب ہوتا ہے گویا اس ارشاد گرامی کے ذریعے مالک کو نقصان مال پر تسلی دلائی جا رہی ہے کہ وہ ایسے موقع پر صبر کرے کیونکہ اس نقصان کے بدلے میں اسے بہت زیادہ ثواب ملتا ہے۔ ایک اشکال اور اس کا جواب اس موقع پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اعمال کا ثواب تو نیت پر موقوف ہے اور ظاہر ہے کہ صورت مذکورہ میں مالک کی طرف سے نیت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو پھر ثواب کیسے ملتا ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ کھیتی کا مقصود اصلی مطلقاً نوع انسانی وحیوانی کی حیات و بقاء ہے یعنی کاشتکار کسان جب کھیت میں بیج ڈالتا ہے۔ یا درخت کا کوئی پودا لگاتا ہے تو اس کے پیش نظر کسی فرد کی تخصیص کے بغیر

مطلقا نوع انسانی وحیوانی کی ضروریات زندگی کی تکمیل کی نیت ہوتی ہے۔اب اس کھیت یا درخت سے انسان وحیوان کا جو فرد بھی فائدہ اٹھائے گا خواہ وہ ناجائز طریقہ سے فائدہ اٹھایا جائز طریقے سے اس کی اجمالی نیت کا تعلق اس سے ہوگا، یہ الگ بات ہے کہ جو شخص ناجائز طریقے سے فائدہ اٹھائے گا وہ اپنے جرم کی سزا پائے گا۔مگر مالک کے حق میں اس کی اجمالی نیت کافی ہو جائے گی کیونکہ حصول ثواب کے لئے اجمالی نیت کافی ہے اس کے مالک کو نقصان کے بدلے میں صدقہ کا ثواب مل جائے گا۔

صدقات نافلہ کا بیان

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔مال وزر میں زکوۃ کے علاوہ اور حق بھی ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پوری آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔نیکی یہی نہیں ہے کہ اپنے منہ کو مشرق ومغرب کی طرف متوجہ کروالخ۔(ترمذی، ابن ماجہ، دارمی، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 413)

مطلب یہ ہے کہ مال کی زکوۃ دینا تو فرض ہے ہی کہ وہ ضرور دینی چاہئے۔مگر زکوۃ کے علاوہ کچھ اور نفل صدقات بھی مستحب ہیں کہ ان کا دیا جانا بھی بہت زیادہ ثواب کا باعث ہے اور وہ صدقات یہ ہیں کہ سائل اور قرض مانگنے والے کو محروم ومایوس نہ کیا جائے گھر گرہستی کا سامان مثلا ہانڈی ودیگچی اور پیالہ وغیرہ یا اور ایسا وہ سامان جو اپنے قبضے وملکیت میں ہو اگر کوئی عاریۃ مانگے تو اسے دینے میں دریغ نہ کیا جائے کسی کو پانی، نمک اور آگ لینے سے منع نہ کیا جائے۔وغیرہ وغیرہ۔"حق" سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کو مذکورہ آیت میں بیان کیا گیا ہے، یعنی اپنے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافر کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کا معاملہ کرنا اور غلام کو آزاد کرنے کے لیے مال خرچ کرنا وغیرہ، مذکورہ بالا آیت پوری پوری یوں ہے۔

آیت (لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَکُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلٰکِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَالۡمَلٰٓئِکَةِ وَالۡکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَی الۡمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنَ وَابۡنَ السَّبِیۡلِ وَالسَّآئِلِیۡنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّکٰوةَ۔البقرۃ:177)

نیکی یہی نہیں ہے کہ تم مشرق ومغرب کو قبلہ سمجھ کر ان کی طرف منہ کرلو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر اور فرشتوں پر اور اللہ کی کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں۔اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں کے چھڑانے میں خرچ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت بطور استنباط تلاوت فرمائی کہ اس میں حق تعالیٰ نے پہلے تو ان مومنین کی تعریف بیان فرمائی ہے جو اپنے رشتہ داروں، یتیموں اور مساکین وغیرہ پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اس کے بعد نماز پڑھنے والوں اور زکوۃ دینے والوں کی تعریف بیان کی لہذا اس سے معلوم ہوا کہ مال خرچ کرنا زکوۃ دینے کے علاوہ ہے جو صدقہ نفل کہلاتا ہے۔گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا تھا کہ مال وزر کے بارے میں زکوۃ کے علاوہ اور بھی حق یعنی صدقات نافلہ ہیں وہ اس آیت سے ثابت ہوا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے صدقات نافلہ کو ذکر کیا اس کے بعد صدقہ واجب یعنی زکوۃ کا ذکر کیا گیا۔

بَابُ صَدَقَةِ الرَّقِيْقِ

باب: غلام کی زکوٰۃ

1594 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَمُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَيَّاضٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ، عَنْ رَجُلٍ، عَنْ مَكْحُولٍ، عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيْسَ فِي الْخَيْلِ وَالرَّقِيقِ زَكَاةٌ، إِلَّا زَكَاةُ الْفِطْرِ فِي الرَّقِيقِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''گھوڑے اور غلام میں زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی البتہ غلام میں صدقہ فطر لازم ہوتا ہے''۔

1595 - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي عَبْدِهِ، وَلَا فِي فَرَسِهِ صَدَقَةٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''مسلمان پر اس کے غلام اور گھوڑے میں زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی''۔

گھوڑوں کی زکوٰۃ سے متعلق حکم کا بیان

امام ابوالحسن فرغانی حنفی لکھتے ہیں۔ جب گھوڑے اور گھوڑیاں تمام کے تمام جنگل میں چرنے والے ہوں اور ان پر ایک سال کا عرصہ بھی گزر گیا ہو۔ تو (زکوٰۃ دیتے وقت) ان کے مالک کو یہ اختیار ہے۔ کہ وہ اگر چاہے تو ہر گھوڑے کی طرف سے ایک دینار زکوٰۃ دے دے اور اگر چاہے تو ان گھوڑوں کی قیمت لگوا کر ہر دوسو درہم سے پانچ درہم زکوٰۃ کے دے دے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف گھوڑوں میں زکوٰۃ نہیں۔ (یعنی جب ان کے ساتھ گھوڑیاں نہ ہوں) اور امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گھوڑوں' خچروں اور گدھوں میں (بطور زکوٰۃ) کوئی شئے بھی (واجب) نہیں ہوتی۔ مگر صرف اس صورت میں کہ جب وہ تجارت کے لئے ہوں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اونٹ بکری اور گائے کے چھوٹے بچوں میں زکوٰۃ نہیں ہوتی۔ مگر صرف اس صورت میں کہ جب ان کے ساتھ بڑے (جانور) ہوں اور حضرت امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان میں انہی میں سے ایک بطور زکوٰۃ واجب ہوگا۔ اور جس آدمی پر (یعنی گائے کا دو سالہ بچہ ہو) مگر وہ نہ مل رہا ہو تو زکوٰۃ وصول کرنے والا اس سے اعلیٰ لے لے اور جو کچھ زکوٰۃ کی مقدار سے زائد ہو وہ اسے واپس کر دے۔ یا پھر اس سے اس سے کم درجہ کا جانور لے لے اور اس کے ساتھ (زکوٰۃ کی مقدار کے حساب سے جو دام) زائد (بنتے ہوں وہ) بھی لے لے۔ زکوٰۃ میں قیمتوں کا دینا جائز ہے اور کام میں استعمال کئے جانے والے اور بوجھ اٹھانے والے اور گھروں پر چارہ کھانے والے

(گھوڑوں) پرزکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اورزکوٰۃ لینے والا نہ انتہائی اعلیٰ درجہ کا مال لے اور نہ ہی انتہائی ردی (بیکار قسم کا) مال لے بلکہ درمیانے درجہ کا مال لے۔

اگر کسی آدمی کے پاس ایک (قسم کے مال کا) نصاب رہا پھر اس نے سال کے دوران ہی اس طرح کا ہی کچھ اور مال بھی کمالیا تو وہ اس مال کو بھی اپنے مال کے ساتھ ملا کر تمام کے تمام مال کی (اکٹھی) زکوٰۃ دے گا اور س آئمہ (یعنی جنگل میں چرنے والے) جانور وہ ہیں۔ جو سال کا زیادہ حصے باہر چرنے پر اکتفاء کرتے ہوں۔ اب اگر اس نے چھ ماہ یا اس سے زیادہ ان جانوروں کو گھر پر چارہ کھلایا تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک زکوٰۃ نصاب میں ہے نہ کہ عفو میں (یعنی عمدہ مال میں) اور امام محمد اور امام زفر رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان دونوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور جب زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد مال تباہ ہوگیا تو ایسے آدمی سے فریضہ زکوٰۃ گر جائے گا۔ اور اگر اس نصاب کا مالک ہونے کی صورت میں سال گزرنے سے قبل ہی زکوٰۃ ادا کردی تو بھی جائز ہے۔ (ہدایہ، کتاب زکوٰۃ، لاہور)

فصلان، حملان اور عجاجیل کا معنی

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ فصلان یہ فصیل کی جمع ہے۔ فصیل اونٹنی کے اس کو بچے کو کہتے ہیں جو ابھی تک ابن مخاص نہ ہو۔ اور عجاجیل یہ عجول کی جمع ہے اس کا معنی ہے گائے کا بچہ یعنی بچھڑا ہے۔ اور حملان یہ حمل کی جمع ہے۔ بکری کے بچے کو حمل کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر، ۴، ص ۳۲، بیروت)

گھوڑوں کی زکوٰۃ میں فقہی اختلاف کا بیان؟

دراصل اس عبارت کے مفہوم کے تعین میں یہ اختلاف اس لیے واقع ہوا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جو جنگل میں چرتے ہیں پھر گھوڑے کا مالک اس بارے میں مختار ہے کہ چاہے تو وہ ان کی زکوٰۃ میں ہر گھوڑے پیچھے ایک دینار دے چاہے ان کی قیمت متعین کرکے ہر دو سو درہم میں سے پانچ درہم زکوٰۃ ادا کرے جیسا کہ زکوٰۃ کا حساب ہے۔

حضرت امام شافعی اور صاحبین کے ہاں گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ ان حضرات کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادگرامی ہے کہ مسلمانوں پر ان کے گھوڑے اور غلام میں صدقہ واجب نہیں ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ کی طرف سے دلیل کے طور پر یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ ہر گھوڑے پیچھے کہ جو جنگل میں چرے ایک دینار ہے۔

جہاں تک تعین قیمت پر زکوٰۃ کا تعلق ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت عمر فاروق سے منقول ہے حضرت شافعی بطور دلیل جو حدیث پیش کرتے ہیں اس کے بارے میں حضرت امام اعظم کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ اس کا تعلق غازی و مجاہد کے گھوڑے سے ہے اسی طرح غلام سے مراد غلام ہے جو خدمت کے لیے رکھ چھوڑا ہو۔

وہ گھوڑے جو اپنے مالک کے لیے ثواب کا ذریعہ بنتے ہیں اس کی تشریح آپ نے یہ فرمائی کہ اس سے وہ گھوڑے مراد ہیں جسے اس کے مالک نے مسلمانوں کے لیے خدا کی راہ میں باندھا ہے یہاں راہ خدا سے مراد جہاد ہی ہے یعنی اس نے اس مقصد کے

لیے گھوڑے پال رکھے ہیں تا کہ جب جہاد کا وقت آئے تو اس پر سوار ہو کر دشمنان اسلام سے نبرد آزما ہو یا بوقت ضرورت دوسرے مسلمانوں کو دے تا کہ وہ اس پر سوار ہو کر جہاد کریں۔

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ گھوڑوں کی زکوٰۃ والے مسئلہ میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔اور صاحب ''الاسرار'' نے بھی اس کو راجح قرار دیا ہے۔جبکہ شمس الائمہ اور صاحب تحفہ نے امام اعظم علیہ الرحمہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔اور اس بات پر اجماع کیا ہے کہ امام صاحب گھوڑوں سے جبراً زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم نہیں دیتے۔اور کتب ستہ میں یہ حدیث موجود ہے کہ مسلمان کے غلام اور گھوڑے پر زکوٰۃ نہیں ہے۔البتہ امام مسلم نے یہ زیادہ کیا ہے۔کہ سوائے فطرانے کے زکوٰۃ نہیں ہے۔(فتح القدیر، ج ۴،ص ۲۵، بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان پر اس کے گھوڑے اور غلام کی زکوٰۃ واجب نہیں۔(صحیح بخاری، رقم الحدیث ۱۴۶۳)

گھوڑوں کی زکوٰۃ میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جو جنگل میں چرتے ہیں پھر گھوڑے کا مالک اس بارے میں مختار ہے کہ چاہے تو وہ ان کی زکوٰۃ میں ہر گھوڑے پیچھے ایک دینار دے چاہے ان کی قیمت متعین کر کے ہر دو سو درہم میں سے پانچ درہم زکوٰۃ ادا کرے جیسا کہ زکوٰۃ کا حساب ہے۔

اور امام نخعی سے روایت کیا گیا ہے کہ جو روضہ میں ہے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔اور شمس الائمہ سرخسی نے اس کو اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد علیہم الرحمہ کے نزدیک گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔اور انہوں نے حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضیٰ سے روایت کیا ہے اور امام طحاوی نے اسی اختیار کیا ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ گھوڑوں کی زکوٰۃ میں لوگوں کا اختلاف ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی لکھتے ہیں۔کہ فقہاء حنابلہ کہتے ہیں کہ خلفاء راشدین ان سے صدقہ لیتے تھے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ، ۴،ص ۲۵، حقانیہ ملتان)

علوفہ وسائمہ کی تعریف کا بیان

اگر سال کا اکثر حصہ مفت چر کر گزارا کریں تو سائمہ کہلاتے ہیں۔ان پر مقرر شرح سے سال گزرنے پر زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔اگر سال کا اکثر حصہ قیمتی چارہ ڈالا جائے تو علوفہ کہلاتے ہیں ان پر زکوٰۃ نہیں۔

عوامل وحوامل کی زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ

جو جانور کام کاج کے ہوں اور ضروریات میں استعمال ہوتے ہوں جیسے بیل ہل جوتنے یا کنویں سے پانی کھینچنے یا بار برداری

کے کام لیے ہوں تو اگرچہ ان کی تعداد بقدر نصاب ہی کیوں نہ ہو لیکن ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ یہی حکم اونٹ وغیرہ کے بارے میں بھی ہے چنانچہ حضرت امام اعظم حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے۔ لیکن حضرت امام مالک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسے جانوروں میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

علوفہ کی زکوٰۃ میں فقہی مذاہب اربعہ

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ علوفہ جانور میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اور یہی فقہاء احناف کا مذہب ہے۔ اور اسی طرح حضرت عطاء، حسن، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، سعید بن جبیر، لیث بن سعد، امام شافعی، امام احمد، ابوثور، ابوعبید، ابن منذر علیہم الرحمہ کا قول ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ سے روایت ہے اور قتادہ، مکحول اور امام مالک علیہم الرحمہ نے کہا ہے کہ اس میں زکوٰۃ واجب ہے۔ اور ان کی دلیل نص کا ظاہری حکم یعنی ''ان کے اموال سے صدقہ پکڑیں'' ہے۔

ہم احناف اور ہمارے مؤید فقہاء کی دلیل سنن ابوداؤد کی حدیث ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔ حوامل، عوامل اور ہل چلانے والے بیل میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (البنایہ شرح الہدایہ، ۴، ص، ۶۸، حقانیہ ملتان)

عفو کی زکوٰۃ میں ائمہ احناف کے اختلاف کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ اگر کسی شخص کا عفو ہلاک ہوگیا اور باقی نصاب رہ گیا تو اس کی صورت مسئلہ یہ ہوگی کہ ایک شخص کے پاس نو (۹) اونٹ ہیں یا اس کے پاس ایک سوبیس (۱۲۰) بکریاں ہیں۔ تو سال کے بعد چار اونٹ یا آٹھ بکریاں ہلاک ہوگئیں تو ان کی ہلاکت کے باوجود شیخین کے نزدیک زکوٰۃ کچھ بھی ساقط نہ ہوگی۔ بلکہ پوری زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی۔

جبکہ امام محمد اور امام زفر علیہما الرحمہ کے نزدیک پہلے چار اونٹوں میں اور دوسرے نصاب میں بکریوں کے دوثلث سے زکوٰۃ ساقط ہوجائے۔

نصاب زکوٰۃ کے بارے نص کے بیان کی وجہ سے ان میں سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی۔ کیونکہ فقہاء کے ہاں یہ اصول مسلمہ ہے کہ جب کسی نص کے معارض قیاس آجائے تو اس کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ اور نصاب زکوٰۃ میں جانوروں کے تعین میں نصوص واضح ہیں۔ اسی بناء پر فقہاء نے کہا ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کے پاس چالیس اونٹ ہوں اور سال کے بعد ان میں سے بیس ہلاک ہوگئے تو امام صاحب علیہ الرحمہ کے نزدیک اس پر چار بکریوں کی زکوٰۃ ہوگی۔ گویا آپ کے نزدیک سال ان بیس پر گزرا ہے۔ جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کی زکوٰۃ ایک بنت لبون ہوگی۔ اور نصف اس سے ساقط ہوجائے گی۔ اور حضرت امام ابویوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک بیس کے چھتیس حصے بنائے جائیں گے اور پھر بنت لبون کے اتنے ہی حصے بنائے جائیں۔ اور پھر اس میں سے سولہ حصے ساقط ہوجائیں گے۔ کیونکہ چالیس میں سے چار حصے وہ ہوں گے جو عفو ہیں جن کو ہالک کی

طرف پھیرا جائے گا۔اور باقی چھتیس میں وجوب رہ گیا۔لہٰذا وجوب کی وہی مقدار ہوگی جس میں وہ باقی رہا ہے۔واللہ اعلم۔

(فتح القدیر، ج ۴،ص ۵۴، بیروت)

سال سے پہلے ادائیگی زکوٰۃ میں فقہ مالکی وحنفی کا اختلاف

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عباس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ جلدی ادا کردینے کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کی اجازت دے دی۔(ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)

حنفیہ اور اکثر ائمہ کے نزدیک یہ بات جائز اور درست ہے کہ مال پر سال پورا ہونے سے پہلے ہی زکوٰۃ ادا کردی جائے بشرطیکہ زکوٰۃ دینے والا نصاب شرعی کا مالک ہو۔

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔اگر کسی نے دو سال قبل زکوٰۃ ادا کردی تو ہمارے نزدیک اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے۔جبکہ صاحب ''اسرار'' نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ان کی دلیل یہ ہے کہ حولان حول نصاب کے لئے ہے اور شرط مشروط سے مقدم ہوتی ہے۔اور مشروط کو شرط پر مقدم کرنا جائز نہیں۔جیسا نصاب کو مقدم کرنا ہے۔جبکہ ائمہ احناف کی دلیل یہ ہے کہ اس نے وجوب سبب کے بعد ادا کی ہے اور یہ اسی طرح جیسے کسی نے اول وقت میں نماز پڑھ لی۔اور مسافر روزے دار ہوگیا۔اور اسی طرح یہاں حولان حول کی شرط وجوب ادا کے لئے ہے۔جبکہ ہماری بحث جواز سے متعلق ہے۔وجوب سے متعلق ہی نہیں اور اسی طرح ہوگیا جس طرح زخم کے بعد اس کا کفارہ ادا کرنا ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۳،ص، بیروت)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔احناف کی دلیل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ سال سے قبل زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم منصوص ہے اور نص وہی ہے۔(جسے ہم ابوداؤد، ترمذی وغیرہ کتب احادیث کے حوالے سے اوپر ذکر چکے ہیں۔لہٰذا نص کے ہوتے ہوئے کسی قسم کے قیاس یا کسی نحوی، صرفی، لغوی قاعدے کا اعتبار ہرگز نہ کیا جائے گا)۔اور اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ حول صفت واقع ہے۔تو یاد رہے کہ حول کا شروع بھی وہ جس پر حال گزرے لہٰذا وہ بھی حول ہے۔اور نیکی میں سبقت کا حکم بھی موجود ہے۔لہٰذا حول کا اسناد کے شروع کی جانب کیا جائے گا۔(فتح القدیر، ج ۴،ص، بیروت)

اتمام سال سے قبل زکوٰۃ کی ادائیگی میں مذاہب اربعہ

ہمارے نزدیک سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ دینا جائز ہے اور وہ ادا ہوجائے گی۔حضرت امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق اور ابوثور کا قول بھی یہی ہے۔

حضرت حسن بصری نخعی، زہری، اوزاعی، ثوری، شعبی، مجاہد، حاکم ابن ابی لیعلی، سعید بن جبیر، حسن بن حی علیہم الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک سال سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

(البنائیہ، ۴،ص ۸۲، حقانیہ)

بَابُ صَدَقَةِ الزَّرْعِ

باب: کھیتی کی زکوٰۃ

1596 - حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ الْهَيْثَمِ الْأَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْأَنْهَارُ وَالْعُيُونُ، أَوْ كَانَ بَعْلًا الْعُشْرُ، وَفِيمَا سُقِيَ بِالسَّوَانِي، أَوِ النَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ

سالم بن عبداللہ اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

"جو زمین بارش، دریا اور چشموں سے سیراب ہوتی ہو یا (زمین کے اندر موجود پانی) سے سیراب ہوتی ہو اس میں عشر کی ادائیگی لازم ہوگی اور جنہیں اونٹوں کے ذریعے (پانی لاکر) سیراب کیا جاتا ہے یا ڈول کے ذریعے سیراب کیا جاتا ہے ان میں نصف عشر کی ادائیگی لازم ہوگی"۔

شرح

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے خواہ وہ کم ہو یا زیادہ ہو۔ اور اسی طرح خواہ اسے جاری پانی یا بارش کے پانی سے سیراب کیا گیا ہو۔ جبکہ نرکل، ایندھن اور گھاس میں نہیں۔ اور صاحبین نے کہا عشر صرف ان میں واجب ہے جن کا پھل باقی رہتا ہے۔ اس شرط کے ساتھ کہ وہ پانچ وسق ہو جائے۔ اور ایک وسق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع سے ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک سبزیوں میں عشر نہیں ہے۔ یہاں اختلاف دو جگہوں میں ہے۔ (۱) نصاب کی شرط لگانے میں ہے۔ (۲) بقاء کی شرط لگانے میں ہے۔ پہلی صورت میں صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ وسق سے کم پر صدقہ نہیں ہے۔ (بخاری) لہٰذا عشر بھی زکوٰۃ ہی ہے۔ پس اس میں ثبوت غناء کے لئے نصاب شرط ہوگا۔ اور حضرت سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمین نے جو کچھ نکالا ہے اس میں عشر ہے۔ (مشکوٰۃ) اس میں کسی قسم کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔ اور صاحبین کی بیان حدیث کی تاویل یہ ہے کہ زکوٰۃ تجارت ہے۔ اس لئے کہ لوگ اوساق کے ساتھ خرید و فروخت کرتے ہیں۔ اور ایک وسق کی قیمت چالیس دراہم تھی اور اس میں مالک کا اعتبار نہیں ہے۔ لہٰذا اس کی صفت یعنی غناء کا اعتبار کس طرح کیا جائے؟ اور اسی دلیل کی وجہ سے سال گزرنے کی شرط بھی نہیں ہے۔ اس لئے سال کا گزرنا نمو حاصل کرنے کے لئے تھا۔ یہ تو سارے کا سارا نمو (بڑھوتی) ہے۔ اور صاحبین کی دلیل دوسری شرط میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ سبزیوں میں صدقہ نہیں ہے (سنن دار قطنی) اور جب زکوٰۃ کی نفی ہوئی تو عشر ہی متعین ہو گیا۔ اور امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل وہی حدیث ہے جسے روایت کر چکے ہیں۔ اور صاحبین کی بیان کردہ حدیث اس صدقہ پر محمول ہے جس کو عاشر وصول کرتا ہے۔ اور روایت میں امام اعظم علیہ الرحمہ بھی اسی سے استدلال فرماتے ہیں۔ اور اس دلیل کی وجہ سے بھی زمین سے نمو ایسی چیز سے حاصل ہوتا ہے جو باقی

رہنے والی ہی نہیں ہے۔اور سبب بھی یہی یعنی زمین کا نامی ہونا ہے۔اور اس میں خراج بھی اسی وجہ سے واجب ہے۔اور ایندھن،نرکل (بانس) کی لکڑی اور گھاس کا حکم تو عرف عام کے مطابق باغات میں نہیں لگائی جاتیں۔بلکہ ان کو باغات سے اکھاڑا جاتا ہے یہاں تک کہ اگر مالک اس کو نرکل کا کھیت یا ایندھن کے درختوں کا باغ یا گھاس اگانے ہی جگہ بنالے۔تو اس میں عشر واجب ہوگا۔اور یہاں نرکل سے مراد فارسی نرکل ہے۔البتہ گنے اور چرائتہ ان دونوں میں عشر واجب ہے۔کیونکہ ان دونوں سے زمین کی پیداوار مقصود ہوتی ہے۔بہ خلاف کھجور کی شاخوں اور بھوسے کے کیونکہ ان میں مقصود چھوارہ اور دانہ ہوتا ہے۔بھوسہ اور شاخیں غیر مقصود ہوتی ہیں۔(ہدایہ اولین، کتاب زکوٰۃ، لاہور)

1597 - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فِيمَا سَقَتِ الْأَنْهَارُ وَالْعُيُونُ الْعُشْرُ، وَمَا سُقِيَ بِالسَّوَانِي فَفِيهِ نِصْفُ الْعُشْرِ

⊛⊛ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''جس زمین کو دریا یا چشمے کے ذریعے سیراب کیا جاتا ہے اس میں عشر کی ادائیگی لازم ہوگی اور جسے اونٹوں کے ذریعے سیراب کیا جاتا ہے اس میں نصف عشر کی ادائیگی لازم ہوگی''۔

زمینی پیداوار میں قید وسق میں مذاہب اربعہ

غلہ اور پھلوں کے نصاب عشر میں ائمہ کا اختلاف ہے۔حضرت امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک پانچ وسق کو نصاب قرار دیا گیا ہے۔جبکہ حضرت امام اعظم کے نزدیک وسق کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ زمینی پیداوار میں جس بھی پھل اور سبزیاں ہیں ان کی مقدار کے مطابق ان میں عشر یا نصف عشر دینا واجب ہے۔(المغنی، ج ۲، ص ۲۹۰، بیروت)

1598 - حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ خَالِدٍ الْجُهَنِيُّ، وَحُسَيْنُ بْنُ الْأَسْوَدِ الْعَجَلِيُّ قَالَا: قَالَ وَكِيعٌ: الْبَعْلُ الْكَبُوسُ الَّذِي يَنْبُتُ مِنْ مَاءِ السَّمَاءِ قَالَ: ابْنُ الْأَسْوَدِ، وَقَالَ يَحْيَى يَعْنِي ابْنَ آدَمَ: سَأَلْتُ أَبَا إِيَاسٍ الْأَسَدِيَّ، عَنِ الْبَعْلِ، فَقَالَ: الَّذِي يُسْقَى بِمَاءِ السَّمَاءِ وَقَالَ: النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ: الْبَعْلُ: مَاءُ الْمَطَرِ

⊛⊛ وکیع کہتے ہیں: ''بعل کبوس'' سے مراد وہ پیداوار ہے' جو بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہے۔

یحییٰ بن آدم کہتے ہیں: میں نے ابوایاس اسدی سے بعل کے بارے میں دریافت کیا' تو انہوں نے فرمایا: وہ (کھیت) جسے بارش کے پانی سے سیراب کیا جائے۔

نضر بن شمیل کہتے ہیں: بعل سے مراد بارش کا پانی ہے۔

امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ 129ھ 196ھ

دوسری صدی ہجری میں جن ممتاز تبع تابعین نے توحید وسنت کے اشاعت وترویج اور شرک بدعت کی تردید وبیخ کنی میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ان میں امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ (196ھ) کا نام بھی آتا ہے۔امام وکیع بن الجراح رحمۃ

اللہ علیہ کی تصانیف کے سلسلہ میں ارباب سیر اور تذکرہ نگاروں نے خاموشی اختیار کی ہے لیکن ان کے علم وفضل، عدالت وثقاہت، ذہانت وفطانت اور زہد وورع کا اعتراف کیا ہے۔ امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ کے علوئے مرتبت اور جلالت شان کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ:

محدث امام علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ (م 234ھ) امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ (م 181ھ) امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ (م 233ھ) اور امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ (م 204ھ) جیسے مشاہیر ائمہ کرام ان کے تلامذہ میں شامل ہیں۔

امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ (129ھ) میں پیدا ہوئے۔ مگر امام ابوبکر خطیب رحمۃ اللہ علیہ بغدادی (م 463ھ) نے امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے۔

ولدت ستۃ ثمان وعشرین مائۃ میری ولادت 128ھ میں ہوئی۔

امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کا مولف کوفہ ہے یہاں ان کے والد الجراح بن ملیح رحمۃ اللہ علیہ بیت المال کے نگران تھے۔ امام وکیع ابن الجراح رحمۃ اللہ علیہ نے جن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ ان کی فہرست حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م 852ھ) نے تہذیب التہذیب میں درج کی ہے۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ (م 157ھ) اور امام سفیان رحمۃ اللہ علیہ بن سعید ثوری (م 161ھ) کے نام بھی آپ کے اساتذہ کی فہرست میں شامل ہیں۔

امام ابوبکر خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (م 463ھ) لکھتے ہیں کہ: امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (م 150ھ) اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ (م 183ھ) سے بھی حدیث کی سماعت کی تھی۔ اور ان کا شمار امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (م 150ھ) کے تلامذہ میں کیا ہے۔

امام وکیع ابن الجراح نے اپنے استاذ امام سفیان بن سعید ثوری رحمۃ اللہ علیہ (م 161ھ) کے انتقال کے بعد مسند درس کو زینت بخشی، جس وقت آپ نے درس کا آغاز کیا۔ اس وقت آپ کی عمر 33 سال تھی۔ امام وکیع ابن الجراح رحمۃ اللہ علیہ جہاں بھی جاتے ان کا حلقہ درس مرجع خلائق بن جاتا۔ طالبین کا جم غفیر ان کے اردگرد جمع ہوجاتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م 852ھ) نے ابوہشام رفائی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ابوہشام رفائی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

دخلت مسجد حرام فاذا عبید اللہ بن موسیٰ یحدث والناس حولہ کثیر فطفت اسبوعا ثم جئت فاذا عبید اللہ قاعد وحدہ فقلت ما ہذا فقال قدم الشیی فاخذھم یعنی وکیعا

ایک مرتبہ میں مسجد حرام میں گیا تو عبید اللہ بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث کا درس دیتے دیکھا۔ ان کے اردگرد طلباء کا ہجوم تھا۔ پھر ایک ہفتہ طواف کے بعد جو دیکھا تو عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ تن تنہا بیٹھے تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہوا؟ انہوں نے کہا ایک اژدھا آگیا ہے جو پورے حلقے کو نگل گیا ہے۔ اُن کی مراد امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔

آپ کے تلامذہ کی فہرست بھی بہت طویل ہے۔

امام علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ (م 234ھ) عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ (م 181ھ) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

(م204ھ) یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ(م233ھ) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ(م241ھ) امام قتیبہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ (م240ھ) اور ابوبکر بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ(م235ھ) جیسے ممتاز محدثین کرام اور ائمہ عظام شامل ہیں۔ امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ کے علم وفضل اور تبحر علمی کا اعتراف ارباب سیر اور آپ کے تلامذہ نے کیا ہے۔

امام ابوبکر خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ(م463ھ) نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ(م241ھ) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مارأیت أحدا أوعی للعلم ولا أحفظ من وکیع

میں نے علم، حفظ، اسناد، اور ساتھ ہی ساتھ ورع وتقویٰ میں امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ کا مثل کسی کو نہیں دیکھا۔

اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ(م241ھ) کا دوسرا قول یہ ہے: مارأت عیني مثل وکیع قطّ یحفظ الحدیث، ویذاکر بالفقه فیحسن، مع ورع واجتهاد،

میری آنکھوں نے امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کا مثل نہیں دیکھا وہ حدیث کے بڑے اچھے حافظ تھے۔ فقہ بھی بہترین پڑھاتے تھے۔ تقویٰ اور اجتہاد میں بھی ممتاز تھے۔

علامہ عبدالحیٔ بن عماد الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ(1089ھ) امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

ما کان بالکوفة في زمان وکیع أفقه ولا أعلم بالحدیث من وکیع عبقریا

وکیع رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں کوفہ میں ان سے بڑا فقیہ اور حدیث کو ان سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں تھا۔ امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ عبقری وقت تھے۔

علامہ عبدالرحمٰن بن جوزی رحمۃ اللہ علیہ(م597ھ) فرماتے ہیں۔ ووکیع فی زمانہ کالأوزاعی فی زمانہ

امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کی ان کے زمانہ میں وہی حیثیت تھی۔ جو امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی ان کے وقت میں تھی۔

علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ(م230ھ) لکھتے ہیں کہ: امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ ثقہ۔ بلند مرتبہ عالم، کثیر الحدیث اور حجت تھے۔

اللہ تعالیٰ نے امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ کو غیر معمولی قوت حافظہ سے نوازا تھا۔ علامہ ابوبکر خطیب رحمۃ اللہ علیہ بغدادی (م463ھ) نے ان کے حافظے[1] کے بارے میں ان کا اپنا قول نقل کیا ہے۔ کہ امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں۔

ما نظرت فی کتاب منذ خمس عشرة إلا فی صحیفة یوما، فنظرت فی طرف منه، ثم أعدته مکانه

میں نے گذشتہ 15 سال کے عرصہ میں سوائے ایک دن کے کبھی کتاب کھول کر نہیں دیکھی۔ اور اس ایک مرتبہ میں بھی بہت سرسری طور پر دیکھا۔ اور کتاب کو پھر اس کی جگہ رکھ دیا۔

اس قوت حافظہ کا نتیجہ تھا کہ درس کے وقت کبھی کتاب سامنے نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ زبانی حدیث کا درس دیتے تھے۔ طالب علمی کے زمانہ میں انہوں نے کبھی بھی حدیثوں کو قلمبند نہیں کیا۔ بلکہ گھر آکر لکھتے تھے خود فرماتے ہیں۔

ما کتبت عن سفیان الثوري حدیثا قط، کنت أحفظه فإذا رجعت إلی المنزل کتبته.

میں نے امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے درس کے وقت کبھی حدیث نہیں لکھی بلکہ اس کو دماغ میں محفوظ کر لیتا۔ پھر گھر جا کر لکھتا تھا۔

امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ قوت حافظہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر معاصی سے اجتناب کیا جائے تو حافظہ قائم رہتا ہے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م852ھ) نے آپ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

ترك المعاصي، ما جربت مثله للحفظ.

معاصی سے اجتناب سے بڑھ کر قوت حافظہ کے لئے کوئی چیز میرے تجربہ میں نہیں آئی۔"

امام وکیعؒ علمی کمالات کے ساتھ اخلاقی فضائل سے بھی آراستہ تھے۔ دنیاوی دولت اور وجاہت سے ہمیشہ کنارہ کش رہے۔ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (م463ھ) لکھتے ہیں کہ خلیفہ ہارون الرشید نے آپ کو قضاء کا عہدہ پیش کیا۔ لیکن آپ نے معذرت کر دی۔

امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی نہایت سادہ طریقہ سے بسر ہوئی۔ حالانکہ صاحب ثروت تھے، ہمیشہ روزہ سے رہتے۔ آپ کی شب بیداری اور عبادت گزاری کا رنگ پورے گھر پر چڑھا ہوا تھا۔ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (م463ھ) نے ان کے صاحبزادہ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ ابن وکیع کا یہ قول نقل کیا ہے۔

كان أبي يصلي الليل فلا يبقى في دارنا أحد إلا صلى، حتى إن جارية لنا سوداء لتصلي

میرے والد جب رات میں نماز پڑھتے تھے۔ تو ہمارے گھر میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں رہتا تھا۔ جو نماز نہ پڑھتا ہو۔ حتیٰ کہ ہماری سیاہ فام لونڈی بھی نماز پڑھتی تھی۔

امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے صاحبزادے سفیان بن وکیع رحمۃ اللہ علیہ امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کے شب و روز کے معمولات کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

میرے والد صائم الدہر تھے۔ صبح سویرے بیدار ہو جاتے فجر کی نماز کے بعد مجلس درس شروع ہو جاتی، دن نکلنے تک اس میں مشغول رہتے۔ پھر گھر جا کر ظہر کی نماز تک قیلولہ فرماتے، اس کے بعد ظہر کی نماز ادا کرتے۔ پھر عصر تک طلباء کو قرآن کا درس دیتے، اور پھر مسجد آ کر عصر کی نماز پڑھتے۔ اور اس سے فارغ ہو کر پھر درس قرآن شروع ہو جاتا۔ اور شام تک مذاکرہ میں منہمک رہتے۔ پھر گھر تشریف لا کر افطار فرماتے۔ اس سے فارغ ہو کر نماز پڑھتے۔

امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ منصب امامت واجتہاد پر فائز تھے۔ لیکن فتویٰ امام ابوحنیفہ (م150ھ) کے مسلک کے مطابق دیتے تھے۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ حنفی مسلک کی طرف مائل تھے۔ آپ کے شاگرد یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ (م233ھ) کا قول خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (م463ھ) نے تاریخ بغداد میں نقل کیا ہے۔

كان وقيع يفتي بقول أبي حنيفة وكان قد سمع منه كثيرا

امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ اور انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

سے کافی سماعت بھی کی تھی۔

امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ بن الجراح کی تصانیف کے بارے میں ارباب سیر کی مختلف آراء ہیں۔علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ(م748ھ) نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ(م241ھ) کا یہ قول نقل کیا ہے۔ علیکم بمصنفات وکیع

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ(م853ھ) اور امام ابوبکر خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ(م463ھ) نے بھی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ(م241ھ9 کا یہ قول اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

امام عبدالرحمٰن بن جوزی رحمۃ اللہ علیہ (م597ھ) لکھتے ہیں کہ: صنف التصانیف الکثیرۃ انہوں نے بکثرت کتابیں تصنیف کیں۔

لیکن حاجی خلیفہ مصطفیٰ رحمۃ اللہ علیہ بن عبداللہ (م1067ھ) نے کشف الظنون اور علامہ یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے معجم المطبوعات میں امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں کیا۔فہرست ابن ندیم میں آپ کی ایک تصنیف "کتاب السنن" کا نام ملتا ہے۔

امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ نے 68 سال کی عمر میں (196ھ) میں مکہ اور کوفہ کے درمیان انتقال کیا۔

1۔تہذیب التہذیب ج11 ص124۔123۔2۔صفوۃ الصفوۃ ابن جوزی ج3 ص104۔3۔تاریخ بغداد ج2 ص462۔4۔ایضا5۔تاریخ بغداد ج13 ص471۔6۔تہذیب التہذیب ج11 ص129۔7۔تہذیب التہذیب ج11ص 125۔8۔تاریخ بغداد 135۔ص474۔9۔ایضا ص474۔10۔شذرات الذہب ج1 ص350۔11۔صفوۃ الصفوۃ ج3 ص 102۔12۔طبقات ابن سعد ج6 ص 275۔13۔تاریخ بغداد ج3ص 475۔14۔ایضا ص475۔15۔تاریخ بغداد ج13 ص462۔16۔ایضا ص471۔17۔تاریخ بغداد ج3 ص471۔18۔ایضا ص471۔19۔ تذکرۃ الحفاظ ج1ص 218۔20۔تہذیب التہذیب ابن حجر ج11 ص126۔تاریخ بغداد خطیب بغدادی ج3 ص 476۔21۔صفوۃ الصفوۃ ج2 ص104۔22۔الفہرست ص317۔23۔تہذیب التہذیب ج11 ص127۔

عشر کے نصاب میں فقہاء کے مذاہب کا بیان

غلہ اور پھلوں کی زکوۃ (عشر) کے نصاب میں ائمہ کا اختلاف ہے۔امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل حدیث مذکور کی روشنی میں غلہ اور پھلوں کے لیے پانچ وسق (بتیس من) کو نصاب قرار دیتے ہیں۔جس شخص کے کھیتوں اور باغات سے پانچ وسق یا اس سے زائد پیداوار حاصل ہو جائے اس پر عشر واجب ہوگا جس شخص کی پیداوار پانچ وسق سے کم ہو اس پر عشر واجب نہیں ہوگا۔اس کے برخلاف امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زمین کی پیداوار کے لیے کوئی نصاب مقرر نہیں ہے۔غلہ پھل اور سبزیوں کی زمین سے جس قدر پیداوار بھی حاصل ہو اس پر عشر یا نصف عشر دینا واجب ہوگا۔

عشر کے نصاب میں ائمہ ثلاثہ کے موقف کا بیان

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: امام مالک، امام ثوری، امام اوزاعی، امام ابن ابی لیلیٰ، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد اور تمام اہل علم کا قول یہ ہے کہ پھلوں اور غلہ میں زکوۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب ان کی مقدار پانچ وسق کو پہنچ جائے البتہ امام ابوحنیفہ

اور مجاہد کہتے ہیں کہ قلیل اور کثیر سب میں زکوۃ واجب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالعموم فرمایا ہے: جس زمین کو بارش سیراب کرے اس میں عشر ہے اور چونکہ زمین کی پیداوار میں سال گزرنے کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے اس لیے اس کا کوئی نصاب مقرر نہیں اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ وسق سے کم میں زکوۃ نہیں ہے یہ حدیث خاص ہے اور امام ابوحنیفہ کی پیش کردہ حدیث عام ہے جس کی اس حدیث سے تخصیص کرنا واجب ہے۔

(المغنی ج ۲ ص ۲۹۶ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

عشر کے نصاب میں امام ابوحنیفہ کے موقف کا بیان

امام ابوحنیفہ کا نظریہ یہ ہے کہ زرعی پیداوار کا کوئی نصاب نہیں ہے اور زمین سے جس قدر بھی پیداوار حاصل ہو اس پر عشر یا نصف عشر واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(آیت) "کلوا من ثمرہ اذا اثمر واتوا حقہ یوم حصادہ"۔ (الانعام: ۱۴۱)

ترجمہ: درخت کا پھل جب پھل دے تو اس سے کھاؤ اور اس کی کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔

اس آیت سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پھلوں سے زکوۃ ادا کرنے کے لیے پھلوں کا کوئی نصاب نہیں بیان کیا' اس سے معلوم ہوا کہ درخت کے پھلوں پر مطلقاً عشر واجب ہے' خواہ ان کی مقدار کثیر ہو یا قلیل' نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(آیت) "یایھا الذین امنوا انفقوا من طیبت ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض"۔ (البقرہ: ۲۶۷)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی کمائی سے اچھی چیزوں کو خرچ کرو اور جو کچھ زمین سے ہم نے تمہارے لیے نکالا ہے اس میں (اللہ کی راہ میں خرچ کرو)

امام ابوحنیفہ استدلال یوں ہے کہ اس آیت میں "ما" عام ہے جس کا تقاضا ہے: زمین سے ہم نے جو بھی تمہارے لیے نکالا ہے اس میں سے خرچ کرو اور پانچ وسق والی حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد سے قرآن مجید کے عام کو خاص نہیں کیا جاسکتا کیونکہ خبر واحد ظنی ہے اور قرآن مجید کو عموم قطعی ہے اور ظنی دلیل سے قطعی کی تخصیص کرنا صحیح نہیں ہے۔

خبر واحد سے قرآن مجید کے عام کو خاص نہ کرنا' امام ابوحنیفہ کا مشہورہ قاعدہ ہے' اور یہ انتہائی دقت نظر اور باریک بینی پر مبنی ہے' اس قاعدہ میں فرق مراتب ملحوظ رکھا گیا ہے اور قرآن مجید سے ثابت شدہ چیز کو حدیث شریف سے ثابت شدہ چیز پر ترجیح اور فوقیت دی گئی ہے۔ فقہ حنیفہ کے متعدد احکام اس قاعدہ پر موقوف ہیں اور یہ صرف فقہ حنفی کی خصوصیت ہے جب کہ دیگر ائمہ ثلاثہ اس اصول کو پیش نظر نہیں رکھتے اور قرآن مجید کے عموم قطعی کی احادیث غیر متواترہ سے تخصیص کر کے قرآن مجید کو حدیث کے تابع کر دیتے ہیں' اسی وجہ سے وہ آیت کریمہ "اخرجنا لکم من الارض" کی پانچ وسق والی حدیث سے تخصیص کر دیتے ہیں۔

علامہ وشتانی ملکی لکھتے ہیں:

ہم آیت کریمہ کے عموم کے مقابلہ میں پانچ وسق والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور قرآن کریم کے عموم کی خبر واحد سے تخصیص کرنے میں اختلاف ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۳ ص ۱۱' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت)

قرآن مجید کے علاوہ احادیث صحیحہ میں بھی زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم عام ہے امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو زمین بارش یا چشموں سے سیراب ہو یا دریائی پانی سے سیراب ہو اس پر عشر (۱۰-۱) ہے اور جس زمین کو کنویں کے پانی سے اونٹوں کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس پر نصف عشر ہے (یعنی ۲۰-۱)۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلیل اور کثیر کا فرق کیے بغیر مطلقاً زمین سے حاصل شدہ پیداوار پر عشر یا نصف عشر کا حکم عائد فرمایا اور یہ حدیث عموم قرآن کے مطابق ہے نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس زمین کو دریا یا بارش سیراب کرے اس پر عشر (۱۰-۱) ہے اور جس زمین کو کنویں کے پانی سے اونٹوں کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس پر نصف عشر (۲۰-۱ بیسواں حصہ) ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۱۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

امام ابوداؤد نے بھی اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ان دونوں روایات کو ذکر فرمایا ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۲۰ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس زمین کو بارش یا چشمے سیراب کریں اس میں عشر ہے اور جس کو اونٹوں کے ذریعہ کنویں سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۱۳۱ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کے بعد امام ابن ماجہ نے حضرت جابر کی حدیث کو بھی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

امام عبدالرزاق بن ہمام نے اپنی ''مصنف'' میں اس مضمون کی انیس احادیث روایت کی ہیں ہم ان میں سے چند کا ذکر کر رہے ہیں۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ معمر نے کہا: میں نے تمام (معتبر) لوگوں کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھا ہوا فرمان دیکھا کہ جس زمین کو رسیوں اور ڈولوں کے ذریعہ کنویں کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے (معمر کہتے ہیں کہ میرے علم میں اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے) اور جس زمین کو بارش یا دریائی پانی سے سیراب کیا جائے اس میں عشر ہے معمر کہتے ہیں کہ میرے علم میں اس بات میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ (المصنف ج ۴ ص ۱۳۴ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۰ھ)

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی اپنی ''سنن'' میں روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۴ ص ۱۳۰ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس زمین کو دریائی پانی بارش اور چشمے سیراب کریں اس میں عشر ہے اور جس کو رسیوں کے ذریعہ کنویں کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

(المصنف ج ۴ ص ۱۳۴ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۰ھ)

عاصم بن ضمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس زمین کو بارش سیراب کرے اس میں عشر ہے اور جس زمین کو ڈول کے ذریعہ کنوئیں سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

(المصنف ج ٤ ص ١٣٣ مطبوعہ اسلامی بیروت الطبعۃ الاولیٰ، ١٣٩٠ھ)

مجاہد بیان کرتے ہیں: زمین جس چیز کو بھی نکالے خواہ قلیل ہو یا کثیر اس میں عشر یا نصف عشر ہے (المصنف ج ٤ ص ١٣٩ مطبوعہ اسلامی بیروت الطبعۃ الاولیٰ، ١٣٩٠ھ)

حماد کہتے ہیں: ہر وہ چیز جس کو زمین نکالے اس میں عشر ہے یا نصف عشر ہے۔

(المصنف ج ٤ ص ١٣٩ مطبوعہ اسلامی بیروت الطبعۃ الاولیٰ، ١٣٩٠ھ)

ابراہیم کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کو زمین نکالے اس میں زکوۃ ہے۔ (المصنف ج ٤ ص ١٣٩ مطبوعہ اسلامی بیروت الطبعۃ الاولیٰ، ١٣٩٠ھ)

ائمہ ثلاثہ جو پانچ وسق سے کم میں زکوۃ کو واجب نہیں قرار دیتے قرآن کریم کی عمومی آیت اور ان تمام احادیث اور آثار کے تارک ہیں اور عمومی دلائل کے پیش نظر ان کا نظریہ صحیح نہیں ہے۔

پانچ وسق والی احادیث کی احناف یہ توجیہ کرتے ہیں کہ یہ احادیث اموال تجارت پر محمول ہیں کیونکہ اس وقت پانچ وسق (بارہ سو کلو گرام) دو سو درہم کے برابر ہوتے تھے اس لیے فرمایا کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب:

عشری اور خراجی اراضی کی تعریفات کا بیان

جو زمین عشری ہو اس سے عشر (زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ) لیا جاتا ہے اور جو زمین خراجی ہو اس سے خراج لیا جاتا ہے' عشر کی ادائیگی عبادت ہے اور یہ صرف مسلمانوں سے وصول کیا جاتا ہے' اور خراج اصالۃً غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے اور اس کی مختلف پیداوار کے اعتبار سے ادائیگی کی مختلف شرح ہے جس کی تفصیل ان شاء اللہ عنقریب آ رہی ہے' اگر مسلمان کسی خراجی زمین کو خرید لے تب بھی اس سے حسب سابق خراج ہی وصول کیا جائے گا' عشری اور خراجی زمین کے بیان میں علامہ المرغینانی لکھتے ہیں:

ہر وہ زمین جہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہو جس زمین کو جنگ فتح کر کے مال غنیمت حاصل کرنے والوں (مجاہدین) میں تقسیم کر دیا ہو وہ زمین عشری ہے اور ہر وہ زمین جس کو جنگ سے فتح کیا گیا ہو اور وہاں کے رہنے والوں کو اسی زمین پر برقرار رکھا گیا ہو وہ زمین خراجی ہے اور اسی طرح اس زمین کا حکم ہے جہاں کے رہنے والوں سے صلح کر کے اس پر قبضہ کیا ہو' اور مکہ مکرمہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جنگ اور غلبہ سے فتح کیا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہیں رہنے دیا اور ان پر خراج مقرر نہیں کیا' اور ''جامع صغیر'' میں مذکور ہے کہ ہر وہ زمین جس کو جنگ سے فتح کیا گیا ہو اور اس میں دریاؤں کا پانی پہنچتا ہو تو وہ خراجی زمین ہے اور اگر اس تک دریاؤں کا پانی نہ پہنچتا ہو اور اس زمین سے چشمہ نکالا جائے تو وہ عشری زمین ہے' کیونکہ عشر کا تعلق اس زمین سے ہوتا ہے جس میں نشوونما ہو' اور نشوونما کا تعلق اس زمین کے پانی سے ہے اس لیے عشر کے پانی یا خراج کے پانی سے سیرابی کا اعتبار کیا جائے گا۔

جس شخص نے کسی غیر آباد زمین کو آباد کیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس زمین کے عشری یا خراجی ہونے میں اس کے قرب کا

اعتبار کیا جائے گا' اگر وہ خراجی کے قریب ہے تو خراجی ہے اور اگر عشری زمین کے قریب ہے تو عشری ہے' اور امام محمد نے کہا: اگر اس نے اس زمین میں کنواں کھود کر اس کے پانی کو سیراب کیا ہے یا اس زمین کے چشمہ سے اس کو سیراب کیا ہے یا ان بڑے بڑے دریاؤں سے اس کو سیراب کیا ہے جن کا کوئی مالک نہیں ہے تو وہ زمین عشری ہے' اسی طرح اگر اس زمین کو بارش کے پانی سے سیراب کیا ہے تو بھی وہ زمین عشری ہے اور اگر اس زمین کو عجمیوں کی کھودی ہوئی نہروں سے سیراب کیا ہے تو وہ زمین خراجی ہے۔

(ہدایہ اولین ۵۹۱۔۵۹۰ مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

خراج کی مقدار کا بیان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کو فتح کرنے کے بعد جریب (تیس گز زمین) پر ایک صاع (چار کلو گرام غلہ) اور ایک درہم مقرر کیا تھا بہ شرطیکہ اس زمین میں پانی پہنچتا ہو' اور جس زمین میں ککڑی' خربوزے اور بینگن وغیرہ سبزیوں کی کاشت ہو اس میں ہر جریب پر پانچ درہم مقرر کیے اور جس انگور کی بیلیں لگی ہوں یا کھجور کے درخت ہوں اس میں ہر جریب پر دس درہم مقرر کیے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی جماعت کے سامنے یہ شرح مقرر کی اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا' اس لیے اس پر اجماع ہو گیا' نیز اس لیے کہ کاشتکاری میں کم و بیش مشقت ہوتی ہے' انگوروں کی بیل لگانے میں سب سے کم مشقت اور غلہ اگانے میں سب سے زیادہ مشقت ہے اور سبزیوں کی کاشت میں درمیانی مشقت ہے اور مشقت کے فرق کی وجہ سے وظیفہ خراج میں بھی تفریق کی گئی اور انگوروں کی بیل میں سب سے زیادہ یعنی دس درہم فی جریب وظیفہ مقرر کیا گیا اور غلہ کی کھیتی باڑی میں سب سے کم یعنی ایک صاع غلہ اور ایک درہم فی جریب مقرر کیا گیا اور سبزیوں کی کاشت میں درمیان وظیفہ یعنی پانچ درہم فی جریب مقرر کیا گیا' ان کے علاوہ زراعت کی دیگر اجناس مثلاً زعفران اور باغات (جن کے گرد چار دیواری ہو) میں کاشتکاری کی مشقت کے اعتبار سے خراج مقرر کیا جائے گا اور یہ امام کے اجتہاد پر موقوف ہے' ہمارے مشائخ نے یہ کہا ہے کہ ان زمینوں سے پیداوار کے نصف سے زیادہ خراج نہ لیا جائے کیونکہ کاشتکار نصف پیداوار سے زیادہ ادا کرنے کا متحمل نہیں ہوگا' اگر کاشتکار امام کے مقرر کردہ خراج کو ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھے تو پھر امام کو اس کی مقدار میں کمی کر دینی چاہیے۔ (ہدایہ اولین ۵۹۲۔۵۹۱ مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

ایک درہم ۳۰٦ گرام چاندی کے برابر ہے اور پانچ درہم ۱۵٫۳ گرام چاندی کے برابر ہیں اور دس درہم ۳۰٫٦ گرام چاندی کے برابر ہیں۔

اراضی پاکستان کے عشری ہونے کا بیان

علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جو زمینیں پاکستان کے زمینداروں کی ملکیت میں ہیں ان پر قطعیت کے ساتھ عشری یا خراجی ہونے کا حکم لگانا بہت مشکل ہے' کیونکہ جب سلاطین اسلام نے ابتداء ہندوستان کے اس حصہ کو فتح کیا تھا تو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان سلاطین نے کون سی صورت اختیار کی تھی' بعض صورتیں عشری زمین کی ہیں اور بعض خراجی زمین کی' اور جو زمینیں مسلمانوں کے زیر تصرف ہوں اور ان کے متعلق عشری یا خراجی ہونا یقینی اور متحقق نہ ہو ان کو عشری زمین پر محمول کیا جائے گا۔

علامہ شمس الدین سرخسی لکھتے ہیں:

ہر وہ شہر جس کے رہنے والے بہ خوشی مسلمان ہوئے اس کی زمین عشری ہے' کیونکہ مسلمانوں کے مسلمانوں پر وظیفہ (زمین کا محصول) مقرر کرنے کی ابتداء خراج سے نہیں کی جائے گی تاکہ مسلمان کو ذلت سے محفوظ رکھا جائے' لہٰذا ان پر عشر ہوگا۔

(المبسوط ج ۳ ص ۷ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۳۹۸ھ)

لہٰذا جب پاکستان بنا اور مسلمان مسلمانوں پر حاکم ہوئے تو یہاں کے کاشتکاروں سے زمین میں زراعت کرنے کے وظیفہ کی ابتداء بھی عشر سے کیا جائے گی نہ کہ خراج سے' کیونکہ عشر اصالۃ مسلمانوں کا فریضہ ہے اور خراج اصالۃ کافروں پر ہے۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

زمین وظیفہ (محصول یا ٹیکس) کی ادائیگی سے خالی نہیں ہیں اور یہ وظیفہ یا عشر ہوگا یا خراج اور مسلمانوں کے زیر تصرف زمین میں عشر سے ابتداء کرنا اولیٰ ہے کیونکہ عشر میں عبادت کا معنی ہے' خراج میں ذلت کا معنی ہے۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۵۷ مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید کراچی' ۱۴۰۰ھ)

اسی طرح حکومت پاکستان نے جو زمینیں مسلمانوں کو الاٹ کردیں یا ان کو بہ طور عطیہ دیں' یا کسی کارگزاری یا خدمت کے معاوضہ میں دیں وہ بھی عشری ہیں' علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

جس زمین کو مال غنیمت حاصل کرنے والوں (مجاہدین) کے غیر میں ہماری حکومت تقسیم کرے اور وہ بھی عشری ہے کیونکہ مسلمان پر ابتداء خراج مقرر نہیں کیا جاتا۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۵۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۰۷ھ) (تفسیر تبیان القرآن، سورہ بقرہ، لاہور)

1599 - حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ سُلَيْمَانَ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ يَعْنِي ابْنَ بِلَالٍ، عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ، فَقَالَ: خُذِ الْحَبَّ مِنَ الْحَبِّ، وَالشَّاةَ مِنَ الْغَنَمِ، وَالْبَعِيرَ مِنَ الْإِبِلِ، وَالْبَقَرَةَ مِنَ الْبَقَرِ،

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: شَبَرْتُ قِثَّاءَةً بِمِصْرَ ثَلَاثَةَ عَشَرَ شِبْرًا، وَرَأَيْتُ أُتْرُجَّةً عَلَى بَعِيرٍ بِقِطْعَتَيْنِ قُطِعَتْ وَصُيِّرَتْ عَلَى مِثْلِ عِدْلَيْنِ

❀❀ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن بھیجا تو ارشاد فرمایا:

''اناج (کی زکوۃ) میں سے اناج، بکریوں کی زکوۃ میں سے بکری، اونٹوں کی زکوۃ میں سے اونٹ اور گائیوں کی زکوۃ میں گائے وصول کرنا''۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں نے مصر میں ایک تیرہ بالشت کی ککڑی کو ناپا تھا' اور میں نے ایک نارنگی دیکھی جسے دو

1599- اسنادہ ضعیف لانقطاعہ، فان عطاء بن یسار لم یدرک معاذ بن جبل۔ ابن وھب: ھو عبد اللہ۔ واخرجہ ابن ماجہ (1814) من طریق عمرو بن سوّاد المصری، عن عبد اللہ بن وھب، بھذا الاسناد

ٹکڑوں میں کاٹ کر اونٹ پر رکھا گیا تھا اور وہ دونوں ٹکڑے برابر کے تھے۔

عشر یعنی کھیتی اور پھلوں کی زکوٰۃ کا بیان

اگر زمین ایسی ہو جس کو بارش کے پانی نے سیراب کیا ہو یا ندی، نالوں اور نہروں کے جاری پانی سے بغیر آلات کے سیراب ہوئی ہو تو اس میں عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہے، اور اگر چرس یا رہٹ وغیرہ آلات کے ذریعہ پانی دیا ہو، یا پانی مول لے کر سیراب کیا ہو تو اُس زمین کی پیداوار میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ واجب ہے اگر سال کا کچھ حصہ ندی نالوں وغیرہ سے پانی دیا اور کچھ آلات یعنی چرس اور رہٹ وغیرہ سے دیا تو سال کے نصف سے زیادہ حصہ میں جس طرح پانی دیا جائے گا اس کا اعتبار کیا جائے گا اور اگر دونوں طرح برابر پانی دیا ہو تو بیسواں حصہ واجب ہے کھیتی کے اخراجات مثلاً کام کرنے والوں کی مزدوری بیلوں وغیرہ کا خرچہ، نہروں کی کھدائی، محافظ کی اجرت اور بیج وغیرہ اس میں سے وضع نہیں کئے جائیں گے بلکہ ان کو منہا کئے بغیر کل آمدنی میں سے دسواں یا بیسواں حصہ لیا جائے گا۔

خراجی پانی وہ ہے جن پر پہلے کفار کا قبضہ تھا پھر مسلمانوں نے ان سے بزور دستی لے لیا ہو اس کے علاوہ سب پانی عشری ہیں، دریاؤں اور بارشوں کا پانی تو عشری ہے ہی کنوئیں اور چشمے وغیرہ جن کو اسلام کے غلبہ کے بعد مسلمانوں نے بنایا ہو یا جن کا کچھ حال معلوم نہ ہو وہ سب اسلامی ہوں گے اور ان کا پانی عشری ہوگا۔

اگر کسی شخص نے عشری زمین اجارہ پر دی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک عشر مالک پر واجب ہوگا اور صاحبین کے نزدیک مستاجر پر واجب ہوگا بعض کے نزدیک صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے اور متاخرین کی ایک جماعت نے امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیا ہے پس اگر مالک زمین کی پوری اجرت لیتا ہو اور مستاجر کے پاس بہت کم بچے تو امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا اور عشر مالک زمین سے لیا جائے اور اگر مالک کم اجرت لے اور مستاجر کے پاس زیادہ بچے تو فتویٰ صاحبین کے قول پر دیا جائے اور عشر مستاجر سے لیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

اگر کسی مسلمان نے زمین مانگ کر زراعت کی تو زمین مانگ کر لینے والے پر عشر واجب ہوگا اور اگر کافر کو زمین مانگی ہوئی دی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک مالک زمین پر عشر واجب ہوگا اور صاحبین کے نزدیک اس کافر پر عشر واجب ہے امام صاحب سے بھی ایک روایت میں اسی طرح ہے لیکن امام محمد کے نزدیک ایک عشر واجب ہوگا اور امام ابویوسف کے نزدیک دو عشر واجب ہوں گے۔

اگر زمین مزارعت (کھیتی کی شرکت) پر دی تو صاحبین کے قول کے بموجب کاشتکار اور زمیندار دونوں پر اپنے اپنے حصہ کے مطابق عشر واجب ہوگا اسی پر فتویٰ ہے۔

اگر عشری زمین کو کوئی شخص غصب کر کے اس میں کھیتی کرے، پھر اس میں زراعت سے کچھ نقصان نہ ہو تو زمین کے مالک پر عشر واجب نہ ہوگا بلکہ غاصب پر واجب ہوگا اور اگر زراعت سے اس میں نقصان ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک زمین کے مالک پر عشر واجب ہوگا صاحبین کے نزدیک پیداوار میں ہے۔

عشری زمین جس میں زراعت تھی اور وہ تیار ہو چکی تھی، اگر اس کو مالک نے مع زراعت کے فروخت یا فقط زراعت بیچی تو بیچنے

والے پر عشر واجب ہوگا خریدار پر نہ ہوگا اور اگر زمین بیچی اور زراعت ابھی سبز تھی اگر خریدار نے اس کو اسی وقت جدا کر دیا تو عشر بیچنے والے پر ہوگا اور اگر پکنے تک اس کو رکھا تو عشر خریدار پر واجب ہوگا یعنی اگر صرف کھیتی بیچی اور وہ پک چکی ہے یا ابھی نہیں پکی لیکن خریدار نے مالک زمین کی اجازت سے پکنے تک بدستور رہنے دیا تو عشر خریدار پر ہے اور اگر زمین کھیتی کے بغیر بیچی اور اس کو خریدار کے سپرد کر دیا اور فصل کے لئے تین مہینے ابھی باقی ہیں تو عشر خریدار پر ہے ورنہ بائع پر ہے، اور اگر زمین کو کھیتی کے ساتھ بیچا اور وہ کھیتی ابھی کچی (سبز) ہے تو ہر حال میں خریدار پر عشر ہے، اور اگر دانہ بن چکا تھا اور کھیتی پک چکی تھی تو عشر بائع پر ہے اور اگر خریدار نے کسی دوسرے کے ہاتھ بیچ دیا اور اس نے تیسرے کے ہاتھ بیچ دیا یہاں تک کہ زراعت کا وقت جاتا رہا تو عشر کسی پر لازم نہیں ہوگا۔

جس زمین کا کوئی مالک نہ ہو یعنی سرکاری زمین ہو اور وہ حکومت کو اس کا محصول دیتے ہوں تو ان پر عشر واجب نہیں ہے۔

اگر عشری اناج کو بیچا تو صدقہ وصول کرنے والے کو اختیار ہے کہ خریدار سے اس کا عشر لے یا بائع سے لے۔

عشر کے واجب ہونے کا وقت امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ ہے کہ جب کھیتی اُگ جائے اور پھل ظاہر ہو جائیں اور امام ابو یوسف کے نزدیک کھیتی یا پھل پکنے کے وقت ہے اور امام محمد کے نزدیک کاٹ کر اور روند کر دانے نکالنے کے وقت ہے (امداد الفتاوی میں فتوی کے لئے امام ابو یوسف کا قول اختیار کیا گیا ہے) اگر اپنی زمین کا عشر زراعت کرنے سے پہلے یا بیج بونے کے بعد اگنے سے پہلے ادا کر دیا تو جائز نہیں اور اگر بونے اور اگنے کے بعد ادا کیا تو جائز ہے اگر پھلوں کا عشر پھلوں کے ظاہر ہونے کے بعد دیا تو جائز ہے اور اگر پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے دیا تو جائز نہیں ہے۔

اگر عشر ادا کرنے سے پہلے اس کی پیداوار کھائے تو اس کے عشر کا ضمان دیگا عشر جدا کرنے کے بعد باقی مال کا کھانا حلال ہے، اسی طرح اگر کل پیداوار کا عشر ادا کرنے کا ارادہ ہے تب بھی کھانا حلال ہے اور اگر دستور کے موافق تھوڑا سے کھالے تو اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔

اگر فصل کٹنے کے بعد اس کے فعل کے بغیر کچھ پیداور تلف یا چوری ہوگئی تو جس قدر باقی ہے اس میں عشر واجب ہوگا ضائع شدہ میں واجب نہیں، اگر سب پیداوار ہلاک ہو جائے تو کل کا عشر ساقط ہو جائے گا، اگر مالک خود ہلاک کر دے تو عشر ضامن ہوگا اور وہ اس کے ذمہ قرض ہو جائے گا اور اگر مالک کے علاوہ کوئی اور شخص ہلاک کر دے تو مالک اس سے ضمان لے گا اور اس میں سے عشر ادا کریگا۔

مرتد ہونے سے عشر ساقط ہو جاتا ہے۔ (کیونکہ مرتد واجب القتل ہے)۔

اگر مالک وصیت کئے بغیر مر جائے تب بھی عشر ساقط ہو جائے گا جبکہ اس نے پیداوار کو خود تلف کر دیا ہو اور اگر کوئی شخص جس پر عشر تھا مر گیا اور اناج موجود ہے تو اس میں سے عشر لیا جائے گا بخلاف زکوۃ کے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

جو کھیت بارش، نہر، نالے کے پانی سے (قیمت ادا کئے بغیر) سیراب کیا جائے، اس میں عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہے،

جس کھیت کی آبپاشی ڈول (یا اپنے ٹیوب ویل) وغیرہ سے ہو، اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ واجب ہے،

اگر (نہر یا ٹیوب ویل وغیرہ کا) پانی خرید کر آبپاشی کی ہو یعنی وہ پانی کسی کی ملکیت ہے اس سے خرید کر آبپاشی کی، جب بھی

نصف عشر واجب ہے،

اگر وہ کھیت کچھ دنوں بارش کے پانی سے سیراب کر دیا جاتا ہے اور کچھ ڈول (یا اپنے ٹیوب ویل) وغیرہ سے، تو اگر اکثر بارش کے پانی سے کام لیا جاتا ہے اور کبھی کبھی ڈول (یا اپنے ٹیوب ویل) وغیرہ سے تو عشر واجب ہے ورنہ نصف عشر واجب ہے۔

(درمختار ورد المختار، کتاب الزکوۃ، باب العشر، ج ۳، ص ۳۱۶)

اور اگر مزارع سے مراد وہ ہے کہ جس کو مالک زمین نے زمین اجارہ پر دی مثلاً فی ایکڑ پچاس ہزار روپیہ تو اس صورت میں عشر مزارع پر ہوگا مالک زمین پر نہیں۔ (ماخوذ از بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۸۴)

زمین کی تین اقسام ہونے کا بیان

زمین تین قسم کی ہے۔ (۱) عشری (۲) خراجی (۳) نہ عشری نہ خراجی۔ اول وسوم دونوں کا حکم ایک ہے یعنی عشر دینا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی زمینیں خراجی نہ سمجھی جائیں گی جب تک کسی خاص زمین کی نسبت خراجی ہونا دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو لے۔ عشری ہونے کی بہت سی صورتیں ہیں مثلاً مسلمانوں نے فتح کیا اور زمین مجاہدین پر تقسیم ہوگئی یا وہاں کے لوگ خود بخود مسلمان ہوگئے جنگ کی نوبت نہ آئی۔ یا عشری زمین کے قریب پڑتی (غیر مزروعہ زمین) تھی اسے کاشت میں لایا یا اس پڑتی کو کھیت بنایا جو عشری وخراجی دونوں سے قرب وبعد کی یکساں نسبت رکھتی ہے یا اس کھیت کو عشری پانی سے سیراب کیا یا خراجی وعشری دونوں سے یا مسلمان نے اپنے مکان کو باغ یا کھیت بنالیا اور اسے عشری پانی سے سیراب کرتا ہے یا عشری وخراجی دونوں سے یا عشری زمین کافر ذمی نے خریدی، مسلمان نے شفعہ میں اسے لے لیا یا بیع فاسد ہوگئی یا خیار شرط یا خیار رویت کی وجہ سے واپس ہوئی یا خیار عیب کی وجہ سے قاضی کے حکم سے واپس ہوئی۔

اور بہت صورتوں میں خراجی ہے۔ مثلاً فتح کر کے وہیں والوں کو احسان کے طور پر واپس دی یا دوسرے کافروں کو دے دی یا وہ ملک صلح کے طور پر فتح کیا گیا یا ذمی نے مسلمان سے عشری زمین خرید لی یا خراجی زمین مسلمان نے خریدی یا ذمی نے بادشاہ اسلام کے حکم سے بنجر کو آباد کیا یا بنجر زمین ذمی کو دیدی گئی یا اسے مسلمان نے آباد کیا اور وہ خراجی زمین کے پاس تھی یا اسے خراجی پانی سے سیراب کیا۔ خراجی زمین اگرچہ عشری پانی سے سیراب کی جائے خراجی ہی رہے گی اور خراجی وعشری دونوں نہ ہوں مثلاً مسلمانوں نے فتح کر کے اپنے لئے قیامت تک کے لئے باقی رکھی یا اس زمین کے مالک مر گئے اور زمین بیت المال کی ملک ہوگئی۔

خراج دو قسم ہے۔ خراج مقاسمہ کہ پیداوار کا کوئی حصہ آدھا یا تہائی یا چوتھائی وغیرہا مقرر ہو جیسے حضور اقدس ﷺ نے یہود خیبر پر مقرر فرمایا تھا اور خراج مؤظف کہ ایک مقدار لازم کر دی جائے خواہ روپے مثلاً سالانہ دو روپیہ بیگھہ یا کچھ اور جیسے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مقرر فرمایا تھا۔ اگر معلوم ہو کہ سلطنت اسلامیہ میں اتنا خراج مقرر تھا تو وہی دیں بشرطیکہ خراج موظف میں جہاں جہاں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مقدار منقول ہے اس پر زیادت نہ ہو اور جہاں منقول نہیں اس میں نصف پیداوار سے زیادہ نہ ہو۔ یونہی خراج مقاسمہ میں نصف سے زیادت نہ ہو اور یہ بھی شرط ہے کہ زمین اتنا دینے کی طاقت بھی رکھتی ہو۔

اگر معلوم نہ ہو کہ سلطنت اسلام میں کیا مقرر تھا، تو جہاں جہاں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مقرر فرما دیا ہے وہ دیں اور جہاں مقرر نہ

فرمایا ہو نصف دیں۔ (فتاویٰ رضویہ)

بَابُ زَكَاةِ الْعَسَلِ

باب: شہد کی زکوٰۃ

1600 - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي شُعَيْبٍ الْحَرَّانِيُّ، حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ أَعْيَنَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ الْمِصْرِيِّ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: جَاءَ هِلَالٌ أَحَدُ بَنِي مُتْعَانَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعُشُورِ نَحْلٍ لَهُ، وَكَانَ سَأَلَهُ أَنْ يَحْمِيَ لَهُ وَادِيًا، يُقَالُ لَهُ: سَلَبَةُ، فَحَمَى لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ الْوَادِي، فَلَمَّا وَلِيَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَتَبَ سُفْيَانُ بْنُ وَهْبٍ، إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ يَسْأَلُهُ عَنْ ذَلِكَ، فَكَتَبَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: إِنْ أَدَّى إِلَيْكَ مَا كَانَ يُؤَدِّي إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عُشُورِ نَحْلِهِ، فَاحْمِ لَهُ سَلَبَةَ، وَإِلَّا، فَإِنَّمَا هُوَ ذُبَابُ غَيْثٍ يَأْكُلُهُ مَنْ يَشَاءُ

⊛⊛ عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: بنو متعان سے تعلق رکھنے والا ہلال نامی ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے شہد کا عشر لے کر حاضر ہوا اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''سلبہ'' نامی وادی اسے عطا کر دیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ وادی اسے عطا کر دی جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو سفیان بن وہب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور ان سے اس بارے میں دریافت کیا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا اگر یہ تمہیں اپنے شہد کا عشر اسی طرح ادا کرتا رہے' جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کرتا تھا تو تم ''سلبہ'' نامی وادی کو اس کے لیے رہنے دینا' ورنہ یہ شہد کی مکھیاں ہیں جو چاہے ان (کا شہد) کھا سکتا ہے۔

شرح

اور شہد جب عشری زمین سے حاصل کیا گیا تو اس میں عشر واجب ہے۔ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ شہد میں کچھ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ وہ حیوان سے بنا ہے لہٰذا وہ ریشم کی طرح ہو گیا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا شہد میں عشر واجب ہے۔ کیونکہ شہد کی مکھی پھلوں اور شگوفوں کو چوستی ہے اور ان دونوں میں عشر واجب ہے۔ پس اس میں بھی عشر ہوگا۔ جو ان دونوں سے پیدا ہوا ہے۔ بہ خلاف ریشم کے کیڑوں کے کیونکہ پتیاں کھاتے ہیں اور پتیوں میں عشر نہیں ہوتا۔ پھر حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک شہد میں عشر واجب نہیں ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو۔ اس لئے حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ اس میں نصاب کا اعتبار نہیں کرتے۔ اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ شہد میں پانچ وسق کی قیمت کا اعتبار کرتے ہیں۔ جس طرح وہ انہیں حاصل ہے اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ شہد میں کچھ واجب نہیں ہے۔ حتیٰ کہ وہ دس مشکیزوں کی مقدار کو پہنچ جائے۔ اور اس کی دلیل بنی شبابہ والی حدیث ہے۔ کیونکہ وہ لوگ اسی طرح کرتے تھے اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے یہ روایت بھی ہے کہ شہد جب پانچ من ہو جائے تو اس میں عشر واجب ہے۔ اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ

کے نزدیک پانچ فرق ہے اور ایک فرق میں چھتیس (۳۶) رطل ہوتے ہیں۔ کیونکہ فرق کا معیاری پیمانہ ہے۔ گنے کے بارے میں بھی یہی حکم ہے اور جو پھل اور شہد پہاڑوں میں پائے جائیں ان میں بھی عشر واجب ہے۔ اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ ان میں عشر نہیں ہے۔ کیونکہ سبب معدوم ہے یعنی زمین نامی نہ پائی گئی۔ اور ظاہر الروایت کی دلیل یہ ہے کہ مقصود حاصل ہے اور وہ پیداوار کا ہونا ہے۔

شہد کی زکوٰۃ کے بارے میں فقہی اختلاف کا بیان:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کی زکوٰۃ کے بارے میں فرمایا کہ ہر دس مشک میں ایک مشک بطور زکوٰۃ واجب ہے (ترمذی اور امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کی اسناد میں کلام کیا گیا ہے نیز اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر احادیث جو نقل کی جاتی ہیں وہ صحیح نہیں۔

شہد کی زکوٰۃ کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے حضرت امام شافعی تو فرماتے ہیں کہ شہد میں زکوٰۃ نہیں ہے مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک شہد میں زکوٰۃ واجب ہے خواہ کم مقدار میں ہو یا زیادہ مقدار میں ہو بشرطیکہ عشری زمین میں نکلا ہو۔ ان کی دلیل یہ ارشاد گرامی ہے کہ زمین کی ہر پیداوار میں عشر ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت بلال رضی اللہ عنہ شہد کا دسواں حصہ لے کر خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور انہوں نے درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنگل کہ جس کا نام سلبہ تھا وہ میرے واسطے مقرر فرما دیں (تاکہ کوئی دوسرا شخص وہاں سے شہد کا چھتہ نہ توڑ سکے) چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ جنگل ان کے واسطے متعین فرما دیا جس وقت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو سفیان بن وھب نے ان کو تحریر فرمایا اور بذریعہ تحریر دریافت فرمایا کہ وہ جنگل بلال رضی اللہ عنہ کے پاس رہے یا نہ رہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا اگر وہ تجھ کو شہد کا دسواں حصہ ادا کرتے رہیں یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حصہ ادا کرتے تھے اگر تم کو بھی بلال اسی قدر حصہ ادا کرتے رہیں وہ جنگل بلال کے پاس ہی رہنے دو اور اگر وہ اس قدر حصہ ادا نہ کریں تو بارش کی مکھیاں شہد دیتی ہیں جس شخص کا دل چاہے وہ اس کو کھائے۔

(سنن نسائی، کتاب الزکوٰۃ)

شہد کی زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ کا بیان

حنفی اور حنبلی مذاہب میں شہد میں ۱۰ فیصد زکات واجب ہے، مالکی اور شافعی مذہب شہد میں زکات کے قائل نہیں ہیں۔ قرضاوی تمام مذاہب کے نظریوں کو بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں شہد مال ہے اور اس کے ذریعہ تجارت کی جاتی ہے لہٰذا اس میں زکات واجب ہے۔ (عبدالرحمن جزیری، ابن رشد، محمد جواد مغنیہ، الفقہ علی المذاہب الخمسہ)

1601 - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ، حَدَّثَنَا الْمُغِيْرَةُ، وَنَسَبَهُ اِلٰى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ الْمَخْزُوْمِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ اَبِي، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، اَنَّ شَبَابَةَ بَطْنٌ مِّنْ فَهْمٍ فَذَكَرَ نَحْوَهُ، قَالَ: مِنْ كُلِّ عَشْرِ قِرَبٍ قِرْبَةٌ، وَقَالَ سُفْيَانُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الثَّقَفِيُّ: قَالَ: وَكَانَ يَحْمِي

لَهُمْ وَادِيَيْنِ زَادَ فَأَدَّوْا إِلَيْهِ مَا كَانُوا يُؤَدُّونَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَمَى لَهُمْ وَادِيَيْهِمْ.

عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: فہم قبیلے سے تعلق رکھنے والے شبابہ (کے خاندان کے افراد) اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے جس میں یہ الفاظ ہیں: ہر دس مشکیزوں میں سے ایک مشکیزہ (اس کی زکوٰۃ) ادا کی جائے گی۔

سفیان بن عبداللہ نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے انہیں دو وادیاں عطا کی تھیں انہوں نے یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں:

''وہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی وہی ادائیگی کرتے رہے جو وہ نبی اکرم ﷺ کو کرتے رہے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ دونوں وادیاں ان کے لیے رہنے دی تھیں''۔

1602 - حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْمُؤَذِّنُ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ بَطْنًا مِنْ فَهْمٍ بِمَعْنَى الْمُغِيرَةِ، قَالَ: مِنْ عَشْرِ قِرَبٍ قِرْبَةٌ، وَقَالَ: وَادِيَيْنِ لَهُمْ

عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: فہم قبیلے کی ایک شاخ نے (اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:) دس مشکیزوں میں سے ایک مشکیزہ (زکوٰۃ کے طور پر ادا کیا جاتا تھا)۔

اس راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: ''ان لوگوں کے لیے دو وادیاں تھیں''۔

شرح

شہد کی زکوٰۃ کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے حضرت امام شافعی تو فرماتے ہیں کہ شہد میں زکوٰۃ نہیں ہے مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک شہد میں زکوٰۃ واجب ہے خواہ کم مقدار میں ہو یا زیادہ مقدار میں ہو بشرطیکہ عشری زمین میں نکلا ہو۔ ان کی دلیل یہ ارشاد گرامی ہے کہ" زمین کی ہر پیداوار میں عشر ہے۔

جو چیزیں ایسی ہوں کہ ان کی پیداوار سے زمین کا نفع حاصل کرنا مقصود نہ ہو ان میں عشر نہیں جیسے ایندھن، گھاس، بید، سرکنڈا، جھاؤ (وہ پودا جس سے ٹوکریاں بنائی جاتی ہیں)، کھجور کے پتے وغیرہ، ان کے علاوہ ہر قسم کی ترکاریوں اور پھلوں کے بیج کہ ان کی کھیتی سے ترکاریاں مقصود ہوتی ہیں بیج مقصود نہیں ہوتے اور جو بیج دوا کے طور پر استعمال ہوتے ہیں مثلاً کندر، میتھی اور کلونجی وغیرہ کے بیج، ان میں بھی عشر نہیں ہے۔ اسی طرح وہ چیزیں جو زمین کے تابع ہوں جیسے درخت اور جو چیز درخت سے نکلے جیسے گوند اس میں عشر واجب نہیں۔

البتہ اگر گھاس، بید، جھاؤ (وہ پودا جس سے ٹوکریاں بنائی جاتی ہیں) وغیرہ سے زمین کے منافع حاصل کرنا مقصود ہو اور زمین ان کے لئے خالی چھوڑ دی تو ان میں بھی عشر واجب ہے۔ کپاس اور بینگن کے پودوں میں عشر نہیں مگر ان سے حاصل کپاس اور بینگن

کی پیداوار میں عشر ہے۔(درمختار، کتاب الزکوۃ، باب العشر، ج ۳ص ۳۱۵، الفتاوی الھندیہ، کتاب الزکوۃ، الباب السادس فی زکوۃ زرع، ج ۱ص ۱۸۶)

بَابٌ فِي خَرْصِ الْعِنَبِ

باب: (درخت پر لگے ہوئے) انگوروں کا اندازہ لگانا

1603 - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ السَّرِيِّ النَّاقِطُ، حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مَنْصُورٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ عَتَّابِ بْنِ أَسِيدٍ، قَالَ: أَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُخْرَصَ الْعِنَبُ، كَمَا يُخْرَصُ النَّخْلُ، وَتُؤْخَذُ زَكَاتُهُ زَبِيبًا، كَمَا تُؤْخَذُ زَكَاةُ النَّخْلِ تَمْرًا۔

❁❁ حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ انگوروں کا اسی طرح اندازہ لگایا جائے جس طرح کھجوروں کا اندازہ لگایا جاتا ہے اور پھر ان کی زکوۃ کشمش کی شکل میں وصول کر لی جائے جس طرح کھجوروں کی زکوۃ خشک کھجور کی شکل میں وصول کی جاتی ہے۔

انگوروں کے اندازہ سے متعلق فقہی مذاہب کا بیان

دراصل یہ زکوۃ وصول کرنے والوں سے خطاب ہے کہ جب تم زکوۃ کی مقدار متعین کرلو تو اس مقدار متعین میں سے دو تہائی تو لے لو اور ایک تہائی ازراہ احسان و مروت مالک کے لئے چھوڑ دو تا کہ وہ اس میں اپنے ہمسایوں اور راہ گیروں کو کھلائے حضرت امام اعظم اور حضرت امام مالک کا یہی مسلک ہے اگرچہ حضرت امام شافعی کا پہلا قول بھی یہی ہے مگر ان کا بعد کا قول یہ ہے کہ زکوۃ کی مقدار واجب میں سے کچھ حصہ بھی نہ چھوڑا جائے۔ اس حدیث کی تاویل وہ یہ کرتے ہیں کہ اس کا تعلق خیبر کے یہودیوں سے تھا، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں سے مساقات (بٹائی) پر معاملہ کر رکھا تھا کہ آدھی کھجوریں وہ رکھا کریں اور آدھی کھجوریں دربار نبوت میں بھیج دیا کریں اس لئے آپ نے وہاں کی کھجوروں کا اندازہ کرنے والے کو یہ حکم دیا تھا کہ پہلے تمام کھجوروں میں سے ایک تہائی یا ایک چوتھائی ان یہودیوں کے لئے ازراہ احسان چھوڑ دیا جائے پھر باقی کھجوروں کو نصف تقسیم کر دیا جائے ایک حصہ یہودیوں کو دے دیا جائے اور ایک دربار نبوت میں بھیج دیا جائے۔

جامع ترمذی یہی روایت اس طرح ہے۔ عتاب بن اسید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خارص کو لوگوں کے پھلوں اور انگوروں کا اندازہ کرنے کے لئے بھیجا کرتے تھے اور ایسی اسناد سے یہ بھی مروی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوروں کی زکوۃ کے متعلق فرمایا کہ انگوروں کا اندازہ بھی اسی طرح لگایا جائے جس طرح کھجوروں کا اندازہ لگایا جاتا ہے پھر خشک ہونے کی صورت میں زکوۃ دی جائے جس طرح کھجوروں کی زکوۃ خشک کھجوروں سے دی جاتی ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے ابن جریج نے اسے ابن شہاب سے وہ عروہ سے اور وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں امام ترمذی فرماتے ہیں میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ابن جریج کی حدیث غیر محفوظ

ہے اور سعید بن مسیب کی عتاب بن اسید سے روایت اصح ہے۔

پھلوں کے اندازے سے متعلق فقہی مذاہب کا بیان

عبدالرحمن بن مسعود بن نیار سے نقل کرتے ہیں کہ سہل بن ابی حثمہ ہماری مجلس میں تشریف لائے اور ہمیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی چیز کا اندازہ لگالو تو اسے لے لو اور تیسرا حصہ چھوڑ دو اگر تیسرا حصہ نہ چھوڑ دو تو چوتھا حصہ چھوڑ دو اس باب میں عائشہ دعتاب بن اسید اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم کا عمل سہل بن ابی حثمہ کی حدیث پر ہی ہے۔

امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے خرص یعنی تخمینہ سے مراد یہ ہے کہ جب ایسی کھجور اور انگور وغیرہ کا پھل پک جائے جن میں زکوۃ ہے تو حکمران ایک تخمینہ لگانے والے کو بھیجتا ہے تاکہ معلوم کر سکے کہ اس سے کتنی مقدار میں پھل وغیرہ اترے گا اس اندازہ لگانے والے کو خارص کہتے ہیں خارص اندازہ لگانے کے بعد انہیں اس کا عشر بتادیتا ہے کہ پھلوں کے اترنے پر اتنی زکوۃ ادا کرنا پھر وزن کرنے کے بعد مالک کو اختیار دیتا ہے کہ وہ جو چاہیں کریں پھر جب پھل پک جائے تو اس سے اس کا عشر لے لے بعض علماء نے اس کی یہی تفسیر کی ہے امام مالک شافعی احمد اور اسحاق بھی یہی کہتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 626)

1604 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ الْمُسَيَّبِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نَافِعٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ صَالِحٍ التَّمَّارِ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، بِإِسْنَادِهٖ وَمَعْنَاهُ.

قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ: سَعِيْدٌ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ عَتَّابٍ شَيْئًا

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) سعید نامی راوی نے حضرت عتاب رضی اللہ عنہ سے کسی حدیث کا سماع نہیں کیا۔

امام ابوداؤد اور امام ترمذی کی جرح برروایت

مذکورہ حدیث سے متعلق امام ابوداؤد فرماتے ہیں یہ سعید بن مسیب نے عتاب سے کسی حدیث کا سماع نہیں کیا جبکہ امام ترمذی اور امام بخاری اسی روایت کے بارے میں کہتے ہیں ملاحظہ ہو۔

ابوعمرو، مسلم بن عمرو، حذاء مدنی، عبداللہ بن نافع، محمد بن صالح تمار، ابن شہاب سعید بن مسیب، عتاب بن اسید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خارص کو لوگوں کے پھلوں اور انگوروں کا اندازہ کرنے کے لئے بھیجا کرتے تھے اور ایسی اسناد سے یہ بھی مروی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوروں کی زکوۃ کے متعلق فرمایا کہ انگوروں کا اندازہ بھی اسی طرح لگایا جائے جس طرح کھجوروں کا اندازہ لگایا جاتا ہے پھر خشک ہونے کی صورت میں زکوۃ دی جائے جس طرح کھجوروں کی زکوۃ خشک کھجوروں سے دی جاتی ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے۔

ابن جریج نے اسے ابن شہاب سے وہ عروہ سے اور وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں امام ترمذی فرماتے ہیں میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ابن جریج کی حدیث غیر محفوظ ہے اور سعید بن

مسیب کی عتاب بن اسید سے روایت اصح ہے۔ (جامع ترمذی: جلداول: حدیث نمبر 627)

حضرت عتاب بن اسید اور ولایت مکہ کا بیان

حضرت عتاب رضی اللہ عنہ بن اسید ۸ھ میں مکہ مکرمہ کے والی بنائے جانے کے بعد اسی سال لوگوں کو حج کروایا۔ اگلے برس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق امیر الحج تھے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا تھا۔ ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عتاب رضی اللہ عنہ بن اسید کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف سے مراجعت فرمائی کے بعد عامل مکہ مقرر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ "اے عتاب! تم جانتے ہو کہ میں نے تم کو کن لوگوں پر عامل بنایا ہے؟ اگر میں ان کے لئے تم سے بہتر کسی اور کو سمجھتا تو اسی کو ان پر عامل بناتا"۔ یہ ارشاد مبارک حضرت عتاب رضی اللہ عنہ کے غیر معمولی اور عظیم الشان مقام و مرتبہ اور بے نظیر صلاحیتوں کے متعلق سب سے اعلیٰ سند ہے۔ حضرت عتاب رضی اللہ عنہ بن اسید امیہ بن عبدشمس کی نسل سے تھے اور قریش کی ایک نہایت اہم شاخ سے تعلق رکھتے تھے ان کی کنیت ابوعبدالرحمن تھی والدہ محترمہ کا نام زینب بنت عمرو تھا وہ بھی عبدشمس کے خاندان سے تھیں والد والدہ دونوں طرف سے وہ قریشی تھے۔ حضرت عتاب رضی اللہ عنہ بن اسید عہد رسالت میں والی مکہ رہے انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چادریں مرحمت فرمائی تھی اور ان کے گزارہ کے لئے دو درہم یومیہ کا وظیفہ مقرر فرمادیا تھا۔ حضرت عتاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کہ جس کو دو درہم روزآنہ سیر نہ کرسکیں اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے۔ حضرت عتاب رضی اللہ عنہ بن اسید حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی والی مکہ کے منصب پر برقرار رہے اور جس دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات شریف ہوئی اسی دن حضرت عتاب رضی اللہ عنہ نے بھی اس دار فانی کو کوچ کیا۔ عمر شریف ۲۵ یا ۲۶ سال ہوئی۔ اتنی کم عمری میں حضرت عتاب رضی اللہ عنہ نے اپنے تقویٰ و پرہیزگاری، محبت خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے فرائض منصبی کا کماحقہ' ذمہ داریوں کو پورا کر کے ایسے گہرے نقش قائم کئے جس کی مثال نہیں ملتی۔ نماز با جماعت کا خوب شدت سے اہتمام فرماتے کہ لوگوں کو سخت تاکید تھی کہ باجماعت نمازیں ادا کریں۔ علم و فضل کے لحاظ سے بھی فائق اور چنندہ لوگوں میں شمار رہتے تھے۔ صالحیت، قناعت و استقامت اور تسلیم و رضا میں یکتائے روزگار تھے۔

بَابٌ فِي الْخَرْصِ

باب: (درخت پر لگے ہوئے) پھلوں کا اندازہ لگانا

1605 - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: جَاءَ سَهْلُ بْنُ أَبِي حَثْمَةَ، إِلَى مَجْلِسِنَا، قَالَ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا خَرَصْتُمْ، فَجُذُّوا، وَدَعُوا الثُّلُثَ، فَإِنْ لَمْ تَدَعُوا، أَوْ تَجُذُّوا الثُّلُثَ، فَدَعُوا الرُّبُعَ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: الْخَارِصُ يَدَعُ الثُّلُثَ لِلْحِرْفَةِ

❁❁ عبدالرحمن بن مسعود بیان کرتے ہیں: حضرت سہل بن ابوحثمہ رضی اللہ عنہ ہماری محفل میں تشریف لائے انہوں نے فرمایا:

اللہ کے رسول نے ہمیں یہ حکم دیا ہے۔

"جب تم (درخت کی پیداوار) کا اندازہ لگالو تو پھل اتار لو اور ایک تہائی چھوڑ دو اور اگر تم تیسرا حصہ نہیں چھوڑتے تو چوتھا حصہ چھوڑ دو"۔ (یہاں ایک لفظ کے بارے میں راوی کو شک ہے)

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اندازہ لگانے والا شخص تخمینے کی وجہ سے ایک تہائی حصہ چھوڑے گا۔

بَابُ مَتٰى يُخْرَصُ التَّمْرُ

باب: کھجوروں کا اندازہ کب لگایا جائے گا

1606 - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ، حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: أُخْبِرْتُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ وَهِيَ تَذْكُرُ شَأْنَ خَيْبَرَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْعَثُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ رَوَاحَةَ إِلَى يَهُودَ فَيَخْرُصُ النَّخْلَ حِينَ يَطِيبُ قَبْلَ أَنْ يُؤْكَلَ مِنْهُ

❁❁ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خیبر کا واقعہ نقل کرتے ہوئے یہ بات ذکر کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو یہودیوں کی طرف بھیجتے تھے اس وقت جب پھل تیار ہو جاتا تھا لیکن اس کے کھانے سے پہلے (وہ اس کی پیداوار کا) اندازہ لگا لیتے تھے۔

راوی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

عائشہ نام، صدیقہ اور حمیرا لقب، اُمّ عبداللہ کنیت، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ ماں کا نام زینب تھا، اُمّ رومان کنیت تھی اور قبیلہ غنم بن مالک سے تھیں،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بعثت کے بارسال بعد شوال کے مہینہ میں پیدا ہوئیں، صدیق اکبر کا کاشانہ وہ برج سعادت تھا، جہاں خورشید اسلام کی شعاعیں سب سے پہلے پرتوفگن ہوئیں، اس بنا پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسلام کی ان برگزیدہ شخصیتوں میں ہیں، جن کے کانوں نے کبھی کفر وشرک کی آواز نہیں سنی، خود حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا ان کو مسلمان پایا۔ (بخاری ج1 ص252)

حضرت عائشہ کو وائل کی بیوی نے دودھ پلایا، وائل کی کنیت ابوالقعیس تھی، وائل کے بھائی افلح، حضرت عائشہ کے رضاعی چچا کبھی کبھی ان سے ملنے آیا کرتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے وہ ان کے سامنے آتی تھیں، (ایضاً ص320) رضاعی بھائی بھی کبھی کبھی ملنے آیا کرتا تھا، (ایضاً ص361)

نکاح کا بیان

تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں یہ شرف صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کی کنواری بیوی تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے وہ جبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب ہوئی تھیں، لیکن جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد خولہ رضی اللہ عنہا بنت حکیم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اُمّ رومان سے کہا، اور انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا، تو چونکہ یہ ایک قسم کی وعدہ خلافی تھی، بولے کہ جبیر بن مطعم سے وعدہ کر چکا ہوں، لیکن مطعم نے خود اس بنا پر انکار کر دیا کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے گھر گئیں تو تو گھر میں اسلام کا قدم آجائے گا، بہر حال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خولہ کے ذریعہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد کر دیا، پانچ سو درہم مہر قرار پایا، یہ سن دس نبوی کا واقعہ ہے، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چھ برس کی تھیں،

یہ نکاح اسلام کی سادگی کی حقیقی تصویر تھا، عطیہ رضی اللہ عنہا اسکا واقعہ اس طرح بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں، ان کی انا آئی اور ان کو لے گئی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آ کت نکاح پڑھا دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود کہتی ہیں کہ "جب میرا نکاح ہوا تو مجھکو کچھ خبر تک نہ ہوئی جب میری والدہ نے باہر نکلنے میں روک ٹوک شروع کی، تب میں سمجھی کہ میرا نکاح ہو گیا، اسکے بعد میری بعد میری والدہ نے مجھے سمجھا بھی دیا" (طبقات ابن سعد ج8 ص40)

نکاح کے بعد مکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام تین سال تک رہا، سن تیرہ نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ساتھ تھے۔ اور اہل وعیال کو دشمنوں کے نرغہ میں چھوڑ آئے تھے جب مدینہ میں اطمینان ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن اریقط کو بھیجا کہ اُمّ رومان رضی اللہ عنہا، اسماء رضی اللہ عنہا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو لے آئیں، مدینہ میں آ کر حضرت عائشہ سخت بخار میں مبتلا ہوئیں، اشتداد مرض سے سر کے بال جھڑ گئے، (صحیح بخاری، باب الہجرۃ) صحت ہوئی تو اُمّ رومان کو رسم عروسی ادا کرنے کا خیال آیا، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نو سال کی تھی، سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں کہ اُمّ رومان نے آواز دی، ان کو اس واقعہ کی خبر تک نہ تھی، ماں کے پاس آئیں، انہوں نے منہ دھویا بال درست کیئے گھر میں لے گئیں انصار کی عورتیں انتظار میں تھیں، یہ گھر میں داخل ہوئیں تو سب نے مبارکباد دی، تھوڑی دیر کے بعد خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، (صحیح بخاری تزویج عائشہ رضی اللہ عنہا وسیرۃ النبی مجلد 2) شوال میں نکاح ہوا تھا اور شوال ہی میں یہ رسم ادا کی گئی،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح سے عرب کے بعض بیہودہ خیالات میں اصلاح ہوئی (1) عرب منہ بولے بھائی کی لڑکی سے شادی نہیں کرتے تھے، اسی بنا پر جب خولہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ ظاہر کیا، تو انہوں نے حیرت سے کہا "کیا یہ جائز ہے؟ عائشہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہے" لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انت اخ فی السلام تم تو صرف مذہبی بھائی ہو (2) اہل عرب شوال میں شادی نہیں کرتے تھے، زمانہ قدیم میں اس مہینہ میں طاعون آیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی اور رخصتی دونوں شوال میں ہوئیں۔

عام حالات کا بیان

غزوات میں سے صرف غزوہ احد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شرکت کا پتہ چلتا ہے صحیح بخاری میں حجرت انس رضی

اللہ عنہ سے منقول ہے کہ" میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا اور اُم سلیم رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ (بخاری ج2ص581)

غزوہ بنی مصطلق میں کہ سن پانچ ہجری کا واقعہ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپکے ساتھ تھیں، واپسی میں ان کا ہار کہیں گر گیا، پورے قافلے کو اترنا پڑا، نماز کا وقت آیا تو پانی نہ ملا، تمام صحابہ پریشان تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی اور تیمم کی آیت نازل ہوئی، اس اجازت سے تمام لوگ خوش ہوئے، اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا" اے آلِ ابوبکر رضی اللہ عنہ! تم لوگوں کے لیے سرمایہ برکت ہو،"

اسی لڑائی میں واقعہ افک پیش آیا۔ یعنی منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی احادیث اور سیر کی کتابوں میں اس واقعہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے، لیکن جس واقعہ کی نسبت قرآن مجید میں مذکور ہے، کہ سننے کے ساتھ لوگوں نے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ" بالکل افترا ہے" اسکو تفصیل کے ساتھ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

سن نو ہجری میں تحریم اور ایلاء وتخییر کا واقعہ پیش آیا اور واقعہ تحریم کی تفصیل حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں آئے گی۔ البتہ واقعہ ایلاء کی تفصیل اس مقام پر کی جاتی ہے،

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زاہدانہ زندگی بسر فرماتے تھے۔ دو دو مہینے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی، آئے دن فاقے ہوتے رہتے تھے، ازواج مطہرات گو شرف صحبت کی برکت سے تمام ابنائے جسم سے ممتاز ہو گئیں تھیں۔ تاہم بشریت بالکل معدوم نہیں ہو سکتی تھی، خصوصاً وہ دیکھتی تھیں کہ فتوحات اسلام کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے۔ اور غنیمت کا سرمایہ اس قدر پہنچ گیا ہے کہ اسکا ادنی حصہ بھی ان کی راحت وآرام کے لیے کافی ہوسکتا ہے، ان واقعات کا اقتضا تھا کہ ان کے صبر قناعت کا جام لبریز ہوجاتا۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما خدمت نبوی میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ بیچ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ادھر ادھر بیویاں بیٹھی ہیں، اور توسیع نفقہ کا تقاضا ہے، دونوں اپنی صاحبزادیوں کی تنبیہ پر آمادہ ہو گئے، لیکن انہوں نے عرض کی کہ ہم آئندہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زائد مصارف کی تکلیف نہ دینگے۔

دیگر ازواج اپنے مطالبہ پر قائم رہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سکون خاطر میں یہ چیز اس قدر خلل انداز ہوئی، کہ آپ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہرات سے نہ ملیں گے اتفاق یہ کہ اسی زمانہ میں آپ گھوڑے سے گر پڑے اور ساق مبارک پر زخم آیا آپ نے بالا خانے پر تنہا نشینی اختیار کی، واقعات کے قرینہ سے لوگوں نے یہ خیال کیا کہ آپ نے تمام ازواج کو طلاق دے دی؟ تو آپ نے فرمایا" نہیں" یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ اکبر پکار اٹھے،

جب ایلاء کی مدت یعنی ایک مہینہ گزر چکا تو آپ بالا خانہ سے اتر آئے، سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے، وہ ایک ایک دن گنتی تھیں، بولیں" یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے ایک مہینہ کے لیے عہد فرمایا تھا، ابھی تو انتیس ہی دن ہوئے ہیں، "ارشاد ہوا" مہینہ کبھی انتیس کا بھی ہوتا ہے۔"

اسکے بعد آیت تخییر نازل ہوئی، اس آیت کی رو سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ازواج مطہرات کو مطلع فرما

دیں کہ دو چیزیں تمہارے سامنے ہیں، دنیا اور آخرت، اگر تم دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تمکو رخصتی جوڑے دیکر عزت واحترام کے ساتھ رخصت کر دوں، اور اگر تم خدا اور رسول اور ابدی راحت کی طلبگار ہو تو خدا نے نیکوکاروں کے لیے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے، چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان تمام معاملات میں پیش پیش تھیں، آپ نے ان کو ارشاد الٰہی سے مطلع فرمایا، انہوں نے کہا" میں سب کچھ چھوڑ کر خدا اور رسول کو لیتی ہوں، "تمام ازواج مطہرات نے بھی یہی جواب دیا، (صحیح بخاری (جلد 2 ص 793) وصحیح مسلم الایلاء)

ربیع الاول سن گیارہ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، تیرہ دن علیل رہے، جن میں آٹھ دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں اقامت فرمائی، خلق عمیم کی بنا پر ازواج مطہرات سے صاف طور پر اجازت نہیں طلب کی بلکہ پوچھا کہ کل میں کس کے گھر رہونگا؟ دوسرا دن (دوشنبہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام فرمانے کا تھا، ازواج مطہرات نے مرضی اقدس سمجھ کر عرض کی کہ آپ جہاں چاہیں قیام فرمائیں، ضعف اس قدر زیادہ ہو گیا تھا کہ چلا نہیں جاتا تھا، حضرت علی وحضرت عباس رضی اللہ عنہما دونوں بازو تھام کر بمشکل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں لائے،

وفات سے پانچ روز پہلے (جمعرات کو) آپکو یاد آیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں، دریافت فرمایا" عائشہ! وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ کیا محمد خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا، جاؤ ان کو خدا کی راہ میں خیرات کر دو،"

(مسند ابن حنبل ج 6 ص 49)

جس دن وفات ہوئی (یعنی دوشنبہ کے روز) بظاہر طبیعت کو سکون تھا لیکن دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا، آپ پر غشی طاری ہوتی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ جب تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبروں کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خواہ موت کو قبول کریں یا حیات دنیا کو ترجیح دیں۔ اس حالت میں اکثر آپکی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوتے رہے مع الذین انعم اللہ علیھم اور کبھی یہ فرماتے: اللھم فی الرفیق الاعلی وہ سمجھ گئیں کہ اب صرف رفاقت الٰہی مطلوب ہے۔

وفات سے ذرا پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمن رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں آئے، آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینہ پر سر ٹیک کر لیٹے تھے، عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں مسواک تھی، مسواک کی طرف نظر جما کر دیکھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھیں کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں، عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے مسواک لے کر دانتوں سے نرم کی، اور خدمت اقدس میں پیش کی، آپ نے بالکل تندرستوں کی طرح مسواک کی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فخر یہ یہ کہا کرتی تھیں کہ" تمام بیویوں میں مجھی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آخر وقت میں بھی میرا جھوٹا آپ نے منہ میں لگایا۔"

اب وفات کا وقت قریب آرہا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپکو سنبھالے بیٹھی تھیں کہ دفعتہً بدن کا بوجھ معلوم ہوا، دیکھا تو آنکھیں پھٹ کر چھت سے لگ گئیں تھیں اور روح پاک صلی اللہ علیہ وسلم عالم اقدس میں پرواز کر گئی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سر اقدس تکیہ پر رکھ دیا اور رونے لگیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ابواب مناقب کا سب سے زریں باب یہ ہے کہ ان کے حجرہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن بننا نصیب ہوا، اور نعش مبارک اسی حجرہ کے ایک گوشہ میں سپرد خاک کی گئی۔ چونکہ ازواج مطہرات کے لیے خدا نے دوسری

شادی ممنوع قرار دی تھی اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے 48 سال بیوگی کی حالت میں بسر کیئے، اس زمانہ میں ان کی زندگی کا مقصد واحد قرآن وحدیث کی تعلیم تھا، جسکا ذکر آئندہ آئے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دو برس بعد سن تیرہ ہجری میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ سایہ شفقت بھی باقی نہ رہا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، انہوں نے جس قدر حضرت عائشہ کی دلجوئی کی وہ خود اسطرح بیان فرماتی ہیں۔ "ابن خطاب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجھ پر بڑے بڑے احسانات کیئے، (مستدرک حاکم ج4 ص78) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام ازواج مطہرات کے لیے دس دس ہزار سالانہ وظیفہ مقرر فرمایا تھا، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے وظیفہ بارہ ہزار تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں، (مستدرک)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ میں مقیم تھیں، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے مدینہ جاکر ان کو واقعات سے آگاہ کیا تو دعوت اصلاح کے لیے بصرہ گئیں اور وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ پیش آئی، جو جنگ جمل کے نام سے مشہور ہے، جمل اونٹ کو کہتے ہیں، چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک اونٹ پر سوار تھیں، اور اس نے اس معرکہ میں بڑی اہمیت حاصل کی تھی، اسلیئے یہ جنگ بھی اسی کی نسبت سے مشہور ہوگئی، یہ جنگ اگرچہ بالکل اتفاقی طور پر پیش آگئی تھی تاہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہمیشہ اسکا افسوس رہا۔

بخاری میں ہے کہ وفات کے وقت انہوں نے وصیت کی کہ" مجھے روضہ نبوی میں آپکے ساتھ دفن نہ کرنا، بلکہ بقیع میں ازواج کے ساتھ دفن کرنا، کیونکہ میں نے آپکے بعد ایک جرم (کتاب الجنائز ومستدرک حاکم جلد4 ص8) کیا ہے" ابن سعد میں ہے کہ وہ جب یہ آیت پڑھتی تھیں وَقَرْنَ فِی بُیُوتِکُنَّ" اے پیغمبر کی بیویو! اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ بیٹھو۔" تو اس قدر روتی تھیں کہ آنچل تر ہوجاتا تھا۔ (طبقات ابن سعد ص59 ج ثانی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اٹھارہ برس اور زندہ رہیں اور یہ تمام زمانہ سکون اور خاموشی میں گزرا،

وفات کا بیان

امیر معاویہ کا اخیر زمانہ خلافت تھا کہ رمضان سن اٹھاون ہجری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رحلت فرمائی، اس وقت سرسٹھ برس کا سن تھا، اور وصیت کیمطابق جنت البقیع میں رات کے وقت مدفون ہوئیں، قاسم بن محمد، عبداللہ بن عبدالرحمن، عبداللہ بن ابی عتیق، عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتارا، اس وقت ابوہریرہ رضی اللہ عنہا، مروان بن حکم کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے، اس لیے انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔

اولاد کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، ابن الاعرابی نے لکھا ہے کہ ایک ناتمام بچہ ساقط ہوا تھا، اسکا نام

عبداللہ تھا، اور اسی کے نام پر انہوں نے کنیت رکھی تھی، لیکن یہ قطعاً غلط ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت اُمّ عبداللہ ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے تعلق سے تھی، جنکو انہوں نے متبنی بنایا تھا،

حلیہ کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خوش رو اور صاحب جمال تھیں، رنگ سرخ وسفید تھا،

فضل وکمال کا بیان

علمی حیثیت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہ صرف عورتوں پر نہ صرف دوسری امہات المومنین پر، نہ صرف خاص خاص صحابیوں پر بلکہ باستثنائے چند تمام صحابہ پر فوقیت حاصل تھی، جامع ترمذی میں حضرت ابوموسی اشعری سے روایت ہے،

"ہمکو کبھی کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں آئی جسکو ہم نے عائشہ سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس سے متعلق کچھ معلومات نہ ملے ہوں،"

امام زہری جو سرخیل تابعین تھے، فرماتے ہیں، عائشہ رضی اللہ عنہا تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالمہ تھیں، بڑے بڑے اکابر صحابہ ان سے پوچھا کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد جزو2 قسم2 ص26)

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا قول ہے، قرآن، فرائض، حلال وحرام، فقہ وشاعری، طب، عرب کی تاریخ اور نسب کا عالم عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھکر کسی کو نہیں دیکھا،"

امام زہری کی ایک شہادت ہے۔ اگر تمام مردوں کا اور امہات المومنین کا علم ایک جگہ جمع کیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم وسیع تر ہوگا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا شمار مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہے، اور اس حیثیت سے وہ کس قدر بلند ہیں کہ بے تکلف ان کا نام حضرت عمر، حضرت علی، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے ساتھ لیا جاسکتا ہے، وہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں فتوے دیتی تھیں، اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم پر انہوں نے جو دقیق اعتراضات کیئے ہیں ان کو علامہ سیوطی نے ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے، اس رسالہ کا نام عین الاصابہ فی ما استدرکتہ عائشہ رضی اللہ عنہا علی الصحابہ ہے،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کثرین صحابہ میں داخل ہیں، ان سے 2210 حدیثیں مروی ہیں، جن میں 174 حدیثوں پہ شیخین نے اتفاق کیا ہے، امام بخاری نے منفرداً ان سے 54 حدیثیں روایت کی ہیں، 6 حدیثوں میں امام مسلم منفرد ہیں، بعض لوگوں کا قول ہے کہ احکام شرعیہ میں سے ایک چوتھائی ان سے منقول ہے،

علم کلام کے متعدد مسائل ان کی زبان سے ادا ہوئے ہیں، چنانچہ رویت باری، علم غیب، عصمت انبیاء، معراج، ترتیب خلافت اور سماع موتی وغیرہ کے متعلق انہوں نے جو خیالات ظاہر کیئے ہیں، انصاف یہ ہے کہ ان میں ان کی وقت نظر کا پلہ بھاری نظر آتا ہے،

علم اسرار الدین کے متعلق بھی ان سے بہت سے مسائل مروی ہیں، چنانچہ قرآن مجید کی ترتیب نزول، مدینہ میں کامیابی اسلام کے اسباب، غسل جمعہ، نماز قصر کی علت، صوم عاشورہ کا سبب، ہجرت کے معنی کی انہوں نے خاص تشریحیں کی ہیں،

طب کے متعلق وہی عام معلومات تھیں، جو گھر کی عورتوں کو عام طور پر ہوتی ہیں۔

البتہ تاریخ عرب میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں، عرب جاہلیت کے حالات ان کے رسم ورواج، ان کے انساب اوران کی طرز معاشرت کے متعلق انہوں نے بعض ایسی باتیں بیان کیں ہیں، جو دوسری جگہ نہیں مل سکتیں، اسلامی تاریخ کے متعلق بھی بعض اہم واقعات ان سے منقول ہیں مثلاً آغازِ وحی کی کیفیت، ہجرت کے واقعات، واقعہ افک، نزول قرآن اور اسکی ترتیب، نماز کی صورتیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت کے حالات، غزوہ بدر، احد، خندق، قریظہ کے واقعات، غزوہ ذات الرقاع میں نماز خوف کی کیفیت، فتح مکہ میں عورتوں کی بیعت، حجۃ الوداع کے ضروری حالات، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات، خلافت صدیقی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا دعوی میراث، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ملال خاطر اور پھر بیعت کے تمام مفصل حالات ان ہی کے ذریعہ سے معلوم ہوئے ہیں۔

ادبی حیثیت سے وہ نہایت شیریں کلام اور فصیح اللسان تھیں، ترمذی میں موسی ابن طلحہ کا قول نقل کیا ہے،

"میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو فصیح اللسان نہیں دیکھا" (مستدرک حاکم ج4 ص11)

اگر چہ احادیث میں روایت بالمعنی کا عام طور پر رواج ہے، اور روایت باللفظ کم اور نہایت کم ہوتی ہے تاہم جہاں حضرت عائشہ کے اصل الفاظ محفوظ رہ گئے ہیں، پوری حدیث میں جان پڑ گئی ہے، مثلاً آغاز وحی کے سلسلہ میں فرماتی ہیں،

" آپ جو خواب دیکھتے تھے سپیدۂ سحر کی طرح نمودار ہو جاتا تھا،"

آپ پر جب وحی کی کیفیت طاری ہوتی، تو جبیں مبارک پر عرق آ جاتا تھا اس کو اسطرح ادا کرتی ہیں، پیشانی پر موتی ڈھلکتے تھے،" واقعہ افک میں انہیں راتوں کو نیند نہیں آتی تھی، اس کو اسطرح بیان فرماتی ہیں، میں نے سرمۂ خواب نہیں لگایا،"

صحیح بخاری میں ان کے ذریعہ سے اُمّ زرع کا جو قصہ مذکور ہے، وہ جان ادب ہے اور اہل ادب نے اسکی مفصل شرحیں اور حاشیے لکھے ہیں۔

خطابت کے لحاظ سے بھی حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سوا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں ممتاز تھیں جنگ جمل میں انہوں نے جو تقریریں کی ہیں، وہ جوش اور زور کے لحاظ سے اپنا جواب نہیں رکھتیں، ایک تقریر میں فرماتی ہیں۔

لوگو! خاموش، تم پر میرا مادری حق ہے، مجھے نصیحت کی عزت حاصل ہے، سوا اس شخص کے جو خدا کا فرمانبردار نہیں ہے، مجھکو کوئی الزام نہیں دے سکتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینہ پہ سر رکھے ہوئے وفات پائی ہے، میں آپکی محبوب ترین بیوی ہوں خدا نے مجھکو دوسروں سے ہر طرح محفوظ رکھا اور میری ذات سے مومن ومنافق میں تمیز ہوئی اور میرے ہی سبب تم پر خدا نے تیمم کا حکم نازل فرمایا،

پھر میرا باپ دنیا میں تیسرا مسلمان ہے اور غار حرا میں دو کا دوسرا تھا اور پہلا شخص تھا جو صدیق کے لقب سے مخاطب ہوا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے خوش ہوکر اور اس کو طوق خلافت پہنا کر وفات پائی اسکے بعد جب مذہب اسلام کی رسی ہلنے ڈلنے لگی تو میرا ہی باپ تھا جس نے اسکے دونوں سرے تھام لیے، جس نے نفاق کی باگ روک دی، جس نے ارتداد کا سرچشمہ خشک کر دیا، جس نے یہودیوں کی آتش افروزی سرد کی، تم لوگ اس وقت آنکھیں بند کیے غدر وفتنہ کے منتظر تھے اور شور وغوغا پر گوش برآواز تھے۔ اس نے شگاف کو برابر کیا، بیکار کو درست کیا، گرتوں کو سنبھالا، دلوں کی مدفون بیماریوں کو دور کیا، جو پانی سے سیراب ہو چکے تھے، ان کو تھان تک پہنچا دیا، جو پیاسے تھے ان کو گھاٹ پر لے آیا، اور جو ایک بار پانی پی چکے تھے ان کو دوبارہ پانی پلایا جب وہ نفاق کا سر کچل چکا، اور اہل شرک کے لیے آتشِ جنگ مشتعل کر چکا اور تمہارے سامان کی گٹھڑی کو ڈوری سے باندھ چکا تو خدا نے اسے اٹھالیا۔

ہاں میں سوال کا نشانہ بن گئی ہوں کہ کیوں فوج لے کر نکلی؟ میرا مقصد اس سے گناہ کی تلاش اور فتنہ کی جستجو نہیں ہے، جسکو میں پامال کرنا چاہتی ہوں، جو کچھ کہہ رہی ہوں سچائی اور انصاف کے ساتھ تنبیہ اور اتمام حجت کے لیے۔"

(عقد الفرید باب، الخطیب وذکر واقعہ جمل ص 14)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گو شعر نہیں کہتی تھیں، تاہم شاعرانہ مذاق اس قدر عمدہ پایا تھا کہ حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ جو عرب کے مسلم الثبوت شاعر تھے، ان کی خدمت میں اشعار سنانے کے لیے حاضر ہوئے تھے، امام بخاری نے ادب میں المفرد میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کعب بن مالک کا پورا قصیدہ یاد تھا، اس قصیدہ میں کم وبیش چالیس اشعار تھے، کعب کے علاوہ ان کو دیگر جاہلیت اور اسلامی شعراء کے اشعار بھی بکثرت یاد تھے، جنکو وہ مناسب موقعوں پر پڑھا کرتی تھیں چنانچہ وہ احادیث کی کتابوں میں منقول ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہ صرف ان علوم کی ماہر تھیں، بلکہ دوسروں کو بھی ماہر بنا دیتی تھیں، چنانچہ ان کے دامن تربیت میں جو لوگ پرورش پا کر نکلے، اگرچہ ان کی تعداد دوسو کے قریب ہے لیکن ان میں جنکو زیادہ قرب واختصاص حاصل تھا، وہ حسب ذیل ہیں،

عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، ابوسلمہ بن عبدالرحمان، مسروق، عمرۃ، صفیہ بنت شیبہ، عائشہ بنت طلحہ، معاذۃ عدویہ،

اخلاق عادات کا بیان

اخلاقی حیثیت سے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بلند مرتبہ رکھتی تھیں، وہ نہایت قانع تھیں، غیبت سے احتراز کرتی تھیں، احسان کم قبول کرتیں، اگرچہ خودستائی ناپسند تھی تاہم خوددار تھیں، شجاعت ودلیری بھی ان کا خاص جوہر تھا۔

ان کا سب سے نمایاں وصف جود وسخا تھا، حضرت عبداللہ بن زبیر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ سخی کسی کو نہیں دیکھا، ایک مرتبہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت میں لاکھ درہم بھیجے تو شام ہوتے ہوتے سب خیرات کر دیئے اور اپنے لیے کچھ نہ رکھا، اتفاق سے اس دن روزہ رکھا تھا، لونڈی نے عرض کی کہ افطار کے لیے کچھ نہیں ہے، فرمایا پہلے سے کیوں نہ یاد دلایا، (مستدرک حاکم ج4 ص13)

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جوان کے متبنی فرزند تھے ان کی فیاضی دیکھ کر گھبرا گئے اور کہا کہ اب ان کا ہاتھ روکنا چاہیے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو سخت برہم ہوئیں اور قسم کھائی کہ ان سے بات نہ کرینگی، چنانچہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما مدت تک معتوب رہے اور بڑی دقت سے ان کا غصہ فرو ہوا، (صحیح بخاری باب مناقب قریش)

نہایت خاشع، متضرع اور عبادت گزار تھیں، چاشت کی نماز برابر پڑھتیں، فرماتی تھیں کہ اگر میرا باپ بھی قبر سے اٹھ آئے، اور مجھکو منع کرے تب بھی باز نہ آؤں گی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ راتوں کو اٹھ کر تہجد کی نماز ادا کرتی تھیں اور اسکی اس قدر پابند تھیں، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب کبھی یہ نماز قضا ہو جاتی تو نماز فجر سے پہلے اٹھ کر اس کو پڑھ لیتی تھیں، رمضان میں تراویح کا خاص اہتمام کرتی تھیں، ذکوان ان کا غلام امامت کرتا اور وہ مقتدی ہوتیں۔

اکثر روزے رکھا کرتی تھیں، حج کی بھی شدت سے پابند تھیں اور ہر سال اس فرض کو ادا کرتی تھیں، غلاموں پر شفقت کرتیں، اوران کو خرید کر آزاد کرتی تھیں، ان کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد 67 ہے، (شرح بلوغ المرام کتاب العتق)

بَابُ مَا لَا يَجُوزُ مِنَ الثَّمَرَةِ فِي الصَّدَقَةِ

باب: زکوٰۃ میں کون سے پھل دینا جائز نہیں ہے

1607 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ، حَدَّثَنَا عَبَّادٌ، عَنْ سُفْيَانَ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْجُعْرُورِ، وَلَوْنِ الْحُبَيْقِ أَنْ يُؤْخَذَا فِي الصَّدَقَةِ، قَالَ الزُّهْرِيُّ: لَوْنَيْنِ مِنْ تَمْرِ الْمَدِينَةِ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَأَسْنَدَهُ أَيْضًا أَبُو الْوَلِيدِ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ كَثِيرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ

⊛⊛ ابوامامہ بن سہل اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے جعرور اور لون کو زکوٰۃ میں وصول کرنے سے منع کیا ہے۔

زہری کہتے ہیں: یہ مدینہ منورہ کی کھجوروں کی دو قسمیں ہیں۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ابو ولید نے سلیمان بن کثیر کے حوالے سے زہری سے اس روایت کو مسند روایت کے طور پر نقل کیا ہے۔

1608 حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَاصِمٍ الْأَنْطَاكِيُّ، حَدَّثَنَا يَحْيَى يَعْنِي الْقَطَّانَ، عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنِي صَالِحُ بْنُ أَبِي عَرِيبٍ، عَنْ كَثِيرِ بْنِ مُرَّةَ، عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسْجِدَ وَبِيَدِهِ عَصًا، وَقَدْ عَلَّقَ رَجُلٌ قَنَا حَشَفًا، فَطَعَنَ بِالْعَصَا فِي

1608- صحيح لغيره، وهذا اسناد حسن، صالح بن ابی عريب صدوق حسن الحديث. يحيى القطان: هو ابن سعيد. واخرجه ابن ماجه (1821)، والنسائي في "الكبرى" (2284) من طريق يحيى بن سعيد، بهذا الاسناد. وهو في "مسند احمد" (23976)، و"صحيح ابن حبان" (6774).

ذٰلِکَ الْقِنْوِ، وَقَالَ: لَوْ شَاءَ رَبُّ هٰذِهِ الصَّدَقَةِ تَصَدَّقَ بِأَطْيَبَ مِنْهَا. وَقَالَ: إِنَّ رَبَّ هٰذِهِ الصَّدَقَةِ يَأْكُلُ الْحَشَفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ہمارے پاس تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں عصاء تھا کسی شخص نے ہلکی کھجوروں کا ایک گچھا لٹکایا ہوا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عصاء کے اس گچھے کو لگایا اور فرمایا:

''یہ صدقہ کرنے والا شخص اگر چاہتا تو اس سے زیادہ پاکیزہ چیز صدقہ کرسکتا تھا''۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ صدقہ کرنے والا شخص قیامت کے دن ہلکی قسم کی کھجوریں کھائے گا۔

حضرت عوف بن مالک اور شفاعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (دورانِ سفر) ایک رات ہمارے ساتھ آرام کے لیے اترے تو ہم میں سے ہر شخص اپنی سواری پر سوگیا۔ فرماتے ہیں: میں بعض اونٹوں کی طرف گیا تو دیکھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر موجود نہیں ہیں۔ پس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکل پڑا تو اس دوران دیکھا کہ معاذ بن جبل اور عبداللہ بن قیس بھی جاگ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتے کہ وادی کے اوپر سے ہم نے بادل کے گڑگڑانے جیسی آواز سنی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تھوڑی دیر یہاں ٹھہرو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف تشریف لائے تو فرمایا: میرے رب کی طرف سے آنے والا رات کو میرے پاس آیا تو اس نے مجھے میری آدھی امت کے بغیر حساب کے جنت میں داخل کیے جانے اور شفاعت کے درمیان اختیار دیا؟ میں نے شفاعت کو اختیار کرلیا۔ ہم نے عرض کیا: ہم آپ سے اللہ اور صحابیت کے واسطے سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ہمیں اپنی شفاعت سے نوازیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً تم میری شفاعت کے حق دار ہو۔ فرماتے ہیں: ہم جلدی سے (دوسرے) لوگوں کی طرف آئے تو وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پاکر پریشان تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان سے بھی) فرمایا: میرے رب کی طرف سے آنے والے نے رات کو میرے پاس آکر مجھے اپنی آدھی امت کے (بغیر حساب کے) جنت میں داخل کیے جانے اور شفاعت کے درمیان اختیار دیا؟ میں نے شفاعت کو اختیار کرلیا۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ہم آپ سے اللہ اور صحابیت کے واسطے سوال کرتے ہیں کہ آپ ہمیں اپنی شفاعت کے حقدار بنائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میری شفاعت میری امت کے ہر اس فرد کے لیے ہوگی جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہوگا''

(أخرجہ أحمد بن حنبل فی المسند، 6/28،29، الرقم: 24002، وابن حبان فی الصحیح)

بَابُ زَكَاةِ الْفِطْرِ

باب: صدقہ فطر کا بیان

قال تعالیٰ قد افلح من تزکیٰ وذکر اسم ربہ فصلی (سورۃ الاعلیٰ 14،15)

ترجمہ:۔ارشاد باری تعالیٰ ہے بے شک اس نے فلاح پائی جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام لیا پھر نماز ادا کی (سورۃ الاعلیٰ 14،15) بعض سلف صالحین نے اس آیت سے مراد زکاۃ الفطر لیا ہے۔(ابن کثیر)

1609 حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ الدِّمَشْقِيُّ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ السَّمَرْقَنْدِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: حَدَّثَنَا أَبُو يَزِيدَ الْخَوْلَانِيُّ وَكَانَ شَيْخَ صِدْقٍ وَكَانَ ابْنُ وَهْبٍ يَرْوِي عَنْهُ، حَدَّثَنَا سَيَّارُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ مَحْمُودٌ: الصَّدَفِيُّ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ، وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِينِ، مَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ، فَهِيَ زَكَاةٌ مَقْبُولَةٌ، وَمَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے صدقہ فطر کو لازم قرار دیا ہے' تاکہ یہ روزوں میں کئے جانے والی لغو حرکت یا فضول اقوال وافعال سے پاکیزگی کا باعث ہو جائے اور غریبوں کو اناج حاصل ہو جائے جو شخص نماز عید سے پہلے اسے ادا کر دیتا ہے' تو یہ ایک ایسی ادائیگی ہوگی جو قبول کی جائے گی اور جو شخص نماز کے بعد اسے ادا کرتا ہے' تو یہ عام قسم کا صدقہ ہوگا۔

شرح

فطرانہ یا زکواۃ الفطر ہر مسلمان شخص پر فرض ہے، یہ غرباء اور مساکین اور محتاجوں کا حق ہے جو مالداروں پر ہے اور اسکی ادائیگی ہر وہ شخص کریگا جس کے پاس اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے عید کے دن اور رات کا خرچ ہو یعنی ایسے شخص کے لیے ایک صاع فطرانہ ادا کرنا فرض ہے، بہتر یہ ہے کہ فطرانہ کو عید کی نماز سے ایک دن پہلے یا عید کی نماز سے قبل ضرور ادا کر دے۔

زکواۃ الفطر: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ: ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ایک صاع غلہ یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو یا ایک صاع منقہ یا ایک صاع پنیر فطرانہ ادا کیا کرتے تھے۔

(متفق علیہ)

اس سے ثابت ہوا کہ علاقے کی خوراک مثلاً چاول وغیرہ کا ایک صاع ادا کرنے سے فطرانہ ادا ہو جائے گا۔ایک صاع سے مراد متوسط طور پر دونوں ہاتھ سے چار چار چلو ہیں جو تقریباً ڈھائی سے تین کلو ہو، واللہ اعلم۔

احادیث کے مطابق صدقہ الفطر خوراک اور اجناس کی صورت میں دینا چاہیے یہ امام مالک رحمہ اللہ، شافعی اور احمد رحمہما اللہ کی ہے۔ابن حزم کے مطابق قیمت کفایت نہیں کرے گی۔(المحلی جلد 4 صفحہ 209)

امام ابوحنیفہ، بخاری، عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ درہم کے قائل تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، سند صحیح)
ابواسحاق السبیعی رحمہ اللہ نے بھی درہم دیے۔ (مصنف، سندہ حسن)

صدقہ فطر وجوب کی شرعی حیثیت؟

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں سے ہر غلام، آزاد، مرد، عورت اور چھوٹے بڑے پر زکوٰۃ فطر (صدقہ فطر) کے طور پر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو فرض قرار دیا ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر کے بارے میں یہ بھی حکم فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کو عید الفطر کی نماز کے لیے جانے سے پہلے دے دیا جائے۔ (بخاری ومسلم)

صدقہ فطر کے وجوب میں مذاہب اربعہ کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان مرد وعورت پر خواہ غلام ہو یا آزاد یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو صدقہ فطر کے طور پر دے، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کے نزدیک صدقہ فطر زکوٰۃ کی طرح کا ایک فرض ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب اور امام مالک کے نزدیک سنت موکدہ ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک صدقہ فطر فرض ہے، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ کے ہاں سنت مؤکدہ ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک میں واجب ہے حدیث میں مذکور لفظ فرض حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد کے نزدیک اپنے ظاہری معنی ہی پر محمول ہے، حضرت امام مالک فرض کے معنی بیان کرتے ہیں مقرر کیا حنفی حضرات فرماتے ہیں کہ صدقہ فطر چونکہ دلیل قطعی کے ذریعے ثابت نہیں ہے اس لیے صدقہ فطر عمل کے لحاظ سے تو فرض ہی کے برابر ہے لیکن اعتقادی طور پر اسے فرض نہیں کہا جاسکتا جس کا مطلب یہ ہے کہ واجب ہے فرض نہیں ہے۔

حضرت امام شافعی کے مسلک میں ہر اس شخص پر صدقہ فطر واجب ہے جو اپنے لیے اور ان لوگوں کے لیے کہ جن کی طرف سے صدقہ فطر دینا اس کے ذمہ ایک دن کا سامان خوراک رکھتا ہو اور وہ بقدر صدقہ فطر اس کی ضرورت سے زائد بھی حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ کے مسلک کے مطابق صدقہ فطر اسی شخص پر واجب ہوگا جو غنی ہو یعنی وہ اپنی ضرورت اصلیہ کے علاوہ ساڑھے باون تولہ چاندی کے بقدر اسباب وغیرہ کا مالک ہو یا اس کے بقدر سونا چاندی اپنی ملکیت میں رکھتا ہو اور قرض سے محفوظ ہو۔

صدقہ فطر کا وجوب عید الفطر کی فجر طلوع ہونے کے وقت ہوتا ہے لہٰذا جو شخص طلوع فجر سے پہلے مرجائے اس پر صدقہ فطر واجب نہیں اور اسی طرح جو شخص طلوع فجر کے بعد اسلام لائے اور مال پائے یا جو بچہ طلوع فجر کے بعد پیدا ہو اس پر بھی صدقہ فطر واجب نہیں۔

ایک صاع ساڑھے تین سیر یعنی چودہ اوزان کے مطابق تین کلوگرام ہوتا ہے۔ جو غلام خدمت کے لیے ہو اس کی طرف سے اس کے مالک پر صدقہ فطر دینا واجب ہے ہاں جو غلام تجارت کے لیے ہو اس کی طرف سے صدقہ فطر دینا واجب نہیں ہے اسی طرح جو غلام بھاگ جائے اس کی طرف سے بھی صدقہ فطر دینا واجب نہیں ہے ہاں جب وہ واپس آجائے تو اس وقت دینا واجب ہوگا۔

اولاد اگر چھوٹی ہو اور مالدار نہ ہو تو اس کی طرف سے اس کے باپ پر صدقہ فطر دینا واجب ہے ہاں اگر چھوٹی اولاد مالدار ہو تو

پھر اس کا صدقہ فطر اس کے باپ پر واجب نہیں ہے بلکہ اس کے مال میں دیا جائے گا۔

بڑی اولاد جس پر دیوانگی طاری ہو اس کا حکم بھی چھوٹی اولاد کی طرح ہے، اسی طرح بڑی اولاد کی طرف سے باپ پر اور بیوی کی طرف سے خاوند پر ان کا صدقہ فطر دینا واجب نہیں ہے ہاں اگر کوئی باپ اپنی ہوشیار اولاد کی طرف سے یا کوئی خاوند اپنی بیوی کی طرف سے ان کا صدقہ ان کی اجازت سے از راہ احسان ومروت ادا کر دے تو جائز ہوگا۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حدیث میں لفظ من المسلمین لفظ عبد اور اس کے بعد کے الفاظ کا حال واقع ہو رہا ہے لہٰذا کسی مسلمان پر اپنے کافر غلام کی طرف سے صدقہ فطر واجب نہیں ہوگا۔ مگر صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ غلام کافر کا صدقہ فطر بھی اس کے مسلمان مالک پر واجب ہوتا ہے، انہوں نے اس کے ثبوت میں ایک حدیث بھی نقل کی ہے جسے ہدایہ یا مرقات میں دیکھا جا سکتا ہے، حنفیہ کے یہاں صاحب ہدایہ ہی کے قول کے مطابق فتویٰ ہے۔ (علم الفقہ)

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ فطر نماز عید سے پہلے ہی ادا کر دینا مستحب ہے اگر کوئی شخص اس سے بھی پہلے خواہ ایک مہینے یا ایک مہینے سے بھی زیادہ پہلے دے دے تو جائز ہے۔ نماز عید کے بعد یا زیادہ تاخیر سے صدقہ فطر ساقط نہیں ہوتا بہر صورت دینا ضروری ہوتا ہے۔

چھوٹے بچوں کی طرف صدقے کا ادا ہونا

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ چھوٹے بچوں کی طرف سے جو ادا کیا وہ ادا ہو جائے گا کیونکہ وہ واجب ہی والد پر تھا۔ اور جو بیوی اور بڑی اولاد کی طرف سے ادا کیا اگر ان کا اذن تھا تو بھی ادا ہو جائیگا اور اگر اذن نہ تھا تو صدقہ ادا نہ ہوگا۔

اگر کسی نے دوسرے کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر زکوٰۃ ادا کردی پھر دوسرے تک خبر پہنچی اور اس نے اسے جائز بھی رکھا تب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ اس کا نفاذ صدقہ کرنے والے پر ہے، کیونکہ وہ زکوٰۃ اس کی ملکیت ہے اور غیر سے نائب بن نہیں سکتا کہ اس کی اجازت کا نفاذ ہو، ہاں اگر اجازت سے زکوٰۃ ادا کی ہو تو پھر جائز ہوگا۔ (ردمحتار، ج ۲ ص، ۱۲، مصر)

بَابُ مَتٰى تُؤَدّٰى

باب: اسے کب ادا کیا جائے گا؟

1610 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِزَكَاةِ الْفِطْرِ اَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَى الصَّلَاةِ، قَالَ: فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُؤَدِّيهَا قَبْلَ ذٰلِكَ بِالْيَوْمِ وَالْيَوْمَيْنِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: اللہ کے رسول نے ہمیں صدقہ فطر کے بارے میں یہ حکم دیا تھا کہ لوگوں کے نماز (عید) کے لیے جانے سے پہلے اسے ادا کر دیا جائے۔

راوی بیان کرتے ہیں: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ عید سے ایک یا دو دن پہلے اسے ادا کر دیتے تھے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔عید کے دن صبح صادق طلوع ہوتے ہی صدقہ فطر واجب ہوتا ہے۔لہٰذا جو شخص صبح صادق ہونے سے پہلے مرگیا یا غنی تھا فقیر ہوگیا یا صبح طلوع ہونے کے بعد کافر مسلمان ہوا یا بچہ پیدا ہوا یا فقیر تھا غنی ہوگیا تو واجب نہ ہوا اور اگر صبح طلوع ہونے کے بعد مرا یا صبح طلوع ہونے سے پہلے کافر مسلمان ہوا یا بچہ پیدا ہوا یا فقیر تھا غنی ہوگیا تو واجب ہے۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب زکوٰۃ، مطبوعہ، بیروت)

وجوب فطرانے کے وقت میں مذاہب اربعہ کا بیان

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں۔فطرانے کے وجوب کا وقت رمضان المبارک کے آخری دن کے سورج غرب ہونے کے وقت ہے، اس لیے جب رمضان المبارک کے آخری دن کا سورج غروب ہو تو فطرانہ واجب ہوگا۔

لہٰذا جس نے بھی سورج غروب ہونے سے قبل شادی کی یا پھر اس کے ہاں ولادت ہوئی ہو یا پھر اسلام قبول کرلے تو اس کا بھی فطرانہ ہوگا، لیکن اگر غروب شمس کے بعد ہو تو پھر فطرانہ لازم نہیں ہوگا۔جو شخص چاند رات فوت ہوجائے اور اس پر فطرانہ ہو تو امام احمد نے اس کی صراحت کی ہے کہ اس پر فطرانہ واجب ہوگا۔(المغنی جلد دوم فصل وقت وجوب زکاۃ الفطر)

فطرانہ ہر مسلمان پر واجب ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو ہر آزاد اور غلام مذکر اور مؤنث اور چھوٹے بڑے بچے اور بوڑھے ہر مسلمان پر فرض کیا تھا۔(صحیح بخاری حدیث نمبر 1407)

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ: نافع والی حدیث میں اس بات کی دلالت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صرف مسلمانوں پر ہی فرض کیا ہے، اور یہ کتاب اللہ کے بھی موافق ہے، اس لیے کہ زکاۃ مسلمانوں کے لیے پاکی اور صفائی کا باعث ہے اور پھر پاکی اور صفائی مسلمانوں کے علاوہ کسی اور کے لیے نہیں ہوسکتی۔(کتاب الام للشافعی جلد دوم باب زکاۃ الفطر)

فطرانہ صاحب استطاعت پر فرض ہے: امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے۔

جس پر بھی شوال کا مہینہ شروع ہوا اور اس کے پاس ایک دن کی اپنی اور اپنے اہل وعیال اور فطرانہ ادا کرنے کی خوراک ہو تو اسے بھی فطرانہ ادا کرنا ہوگا، لیکن اگر اس کے پاس سب کا فطرانہ ادا کرنے کے لیے خوراک نہیں بلکہ صرف کچھ کا ادا کرسکتا ہو تو اسے ان بعض کا ہی ادا کرنا ہوگا۔

لیکن اگر اس کے پاس صرف اپنی اور اپنے اہل وعیال کے لیے ہی خوراک ہو نہ تو اس پر اور نہ ہی اس کے ماتحت عیال پر فطرانہ فرض ہوگا۔(کتاب الام جلد دوم باب زکاۃ الفطر)

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: تنگ دست پر بلا خلاف فطرانہ فرض نہیں۔۔۔اور خوشحال اور تنگ دست کا اعتبار تو وجوب کے وقت ہوگا، لہٰذا جس کے پاس اپنی اور اپنے اہل وعیال کی عید کی رات کی خوراک سے زیادہ ہو اس پر فطرانہ فرض ہوگا اور یہ خوشحال ہوگا، اور اگر کچھ بھی زائد نہ ہو تو اسے تنگ دست شمار کیا جائے گا اور اس حالت میں اس پر کچھ بھی فرض نہیں۔

(المجموع جلد (6) شروط وجوب صدقۃ الفطر)

فطرانہ مسلمان اپنی اور اپنے عیال اور بیویوں اور ان رشتہ داروں کی جانب سے اگر وہ ادا نہیں کر سکتے تو خود فطرانہ ادا کرے گا اور اگر وہ فطرانہ ادا کرنے کی استطاعت رکھتے ہوں تو بہتر اور اولی یہ ہے کہ وہ اپنا فطرانہ خود ہی ادا کریں کیونکہ اصل میں تو وہ خود ہی مخاطب ہیں۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو ہر مسلمان غلام اور آزاد اور مذکر و مؤنث اور چھوٹے بڑے اور بچے فطرانہ فرض کیا، اور یہ حکم دیا کہ لوگوں کے نماز عید کیلیے جانے سے قبل ادا کریں۔
(صحیح بخاری حدیث نمبر (1407)

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: بے عقل اور بچے کی جانب سے اس کا ولی فطرانہ ادا کرے گا اور اسی طرح جو لوگ اس کی عیالت میں ہوں ان کا بھی وہی اس طرح فطرانہ ادا کرے گا جس طرح ایک صحیح اپنی جانب سیا دا کرتا ہے، اور اگر اس کی عیالت میں کوئی کافر ہو تو اس کا فطرانہ اس پر لازم نہیں کیونکہ اسے زکاۃ کی ادائیگی کے ساتھ پاک نہیں کیا جائے گا۔ کتاب الام جلد دوم باب زکاۃ الفطر۔ اور صاحب مھذب کا کہنا ہے کہ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے۔

(اور جس پر فطرانہ واجب ہو اس پر اپنے ماتحت اور عیالت میں پلنے والوں کا فطرانہ بھی واجب ہوگا، لیکن شرط یہ ہے کہ اگر وہ مسلمان ہوں اور اس کے پاس نفقہ سے زیادہ خوراک ہو، لہذا ماں باپ اور ان دونوں کے ماں باپ اور اس سے بھی اوپر والوں ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد کا فطرانہ بھی واجب ہوگا، اسی طرح بیٹے اور پوتے چاہے اس سے بھی نیچی نسل ہو ان پر ماں باپ اور ان کے ماں باپ کا فطرانہ ادا کرنا فرض ہوگا لیکن شرط یہ ہے کہ جب ان کا نفقہ اس پر واجب ہو) (المجموع جلد نمبر (6)

انسان اپنا اور بیوی چاہے بیوی کے پاس اپنا مال بھی ہو اور اس کی فقیر اولاد اور والدین کا فطرانہ ادا کرے، اور وہ بچی جس کے خاوند نے ابھی اس کے ساتھ دخول نہیں کیا اگر تو اس کا بیٹا غنی ہو اس پر اس کا فطرانہ ادا کرنا واجب نہیں، اور طلاق رجعی والی عورت کا خاوند بھی اس کا فطرانہ ادا کرے گا لیکن جو عورت نافرمان ہو اور یا پھر طلاق بائن والی ہو اس کا خاوند ان کا فطرانہ ادا نہیں کرے گا۔

اور بیٹے کو اپنے فقیر والد کی بیوی کا فطرانہ ادا کرنا ضروری نہیں اس لیے کہ اس پر والد کی بیوی کا خرچہ واجب نہیں۔

اسے فطرانہ ادا کرنے میں سب سے قریبی سے شروع کرنا ہوگا مثلا سب سے پہلے اپنے آپ پھر بیوی اور اولاد پھر اس کے بعد قریبی رشتہ دار جیسا کہ وراثت میں خیال رکھا گیا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ اور فطرانہ کس پر واجب ہوتا ہے۔ جب رمضان کے آخری دن کوئی پیدا ہو یا کسی بھی ملکیت میں ہو یا اس کی عیالت میں آجائے اور اسی حالت میں چاند رات شروع ہو تو اس پر ان کا فطرانہ واجب ہوگا۔

(کتاب الام باب زکاۃ الفطر)

لیکن جو بچہ ابھی ماں کے پیٹ میں ہو اس کا فطرانہ واجب نہیں لیکن اگر کوئی دینا چاہے تو دے سکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔

اور اگر کوئی شخص فطرانہ واجب ہونے کے بعد اسے ادا کرنے سے قبل ہی فوت ہو جائے تو اس کے ترکہ سے فطرانہ ادا کیا جائے گا، اور اگر اس کی عیالت میں سے کوئی فطرانہ واجب ہونے کے بعد فوت ہو جائے تو اس کی وجہ سے فطرانہ ساقط نہیں ہوگا۔

(المغنی لابن قدامہ المقدسی جلد نمبر (2)

اور خادم اور جس کی یومیہ یا ماہانہ تنخواہ مقرر ہو اس کی جانب سے فطرانہ ادا نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ ملازم کی طرح ہے اور ملازم یعنی اجرت لینے والے پر خرچ نہیں کیا جاتا۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ (339 /23)۔

یتیم کا فطرانہ ادا کرنے کے بارے میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ یتیم کا وصی یتیموں کے مال سے فطرانہ ادا کرے گا اگرچہ وہ چھوٹے بچے ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر عید الفطر کے دن کافر اسلام قبول کر لے تو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: جو شخص عید الفطر والے دن طلوع فجر سے قبل اسلام قبول کر لے اس کے لیے فطرانہ ادا کرنا مستحب ہے۔ (المدونۃ جلد ا، باب فطرانہ)

بَابُ كَمْ يُؤَدَّى فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ؟

باب: صدقہ فطر میں کتنی ادائیگی کی جائے گی

1611 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ. حَدَّثَنَا مَالِكٌ وَقَرَأَهُ عَلَيَّ مَالِكٌ أَيْضًا عَنْ نَافِعٍ. عَنِ ابْنِ عُمَرَ. أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَ قَالَ فِيهِ فِيمَا قَرَأَهُ عَلَيَّ مَالِكٌ زَكَاةُ الْفِطْرِ مِنْ رَمَضَانَ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ. أَوْ صَاعٌ مِنْ شَعِيرٍ عَلَى كُلِّ حُرٍّ. أَوْ عَبْدٍ ذَكَرٍ. أَوْ أُنْثَى مِنَ الْمُسْلِمِينَ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر کو لازم قرار دیا ہے۔

عبداللہ نامی راوی کہتے ہیں: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے میرے سامنے حدیث کے یہ الفاظ پڑھے تھے: رمضان کا صدقہ فطر کھجور کا ایک صاع یا جو کا ایک صاع ہوگا' جو ہر آزاد اور غلام' مذکر اور مونث مسلمان پر لازم ہوگا۔

کن کن لوگوں کی طرف سے فطرانہ دینا ہوگا

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ صدقہ فطر ہر مسلمان آزاد مالک نصاب پر جس کی نصاب حاجت اصلیہ سے فارغ ہو واجب ہے اس میں عاقل' بالغ اور مال نامی ہونے کی شرط نہیں۔ مال نامی اور حاجت اصلیہ کا بیان گزر چکا اس کی صورتیں وہیں سے معلوم کریں۔ نابالغ یا مجنون اگر مالک نصاب ہیں تو ان پر صدقہ فطر واجب ہے ان کا ولی ان کے مال سے ادا کرے۔ اگر ولی نے ادا نہ کیا اور نابالغ بالغ ہو گیا یا مجنون کا جنون جاتا رہا تو اب یہ خود ادا کر دیں اور اگر یہ خود مالک نصاب نہ تھے اور ولی نے ادا نہ کیا تو بالغ ہونے یا ہوش میں آنے پر ان کے ذمہ ادا کرنا نہیں۔ صدقہ فطر ادا کرنے کے لئے مال کا باقی رہنا بھی شرط نہیں۔ مال ہلاک ہونے کے بعد بھی صدقہ واجب رہے گا۔ ساقط نہ ہوگا۔ بخلاف زکوٰۃ وعشر کہ یہ دونوں مال ہلاک ہو جانے سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ مرد مالک نصاب پر اپنی طرف سے اور اپنے چھوٹے بچے کی طرف سے واجب ہے جبکہ بچہ خود مالک نصاب نہ ہو ورنہ اس کا صدقہ اسی کے مال سے ادا کیا جائے اور مجنون اولاد اگرچہ بالغ ہو جبکہ غنی نہ ہو تو اس کا صدقہ اس کے باپ پر واجب ہے اور غنی ہو تو خود اس کے مال سے ادا کیا جائے۔ جنون خواہ اصلی ہو یعنی اسی حالت میں بالغ ہوا یا بعد کو عارض ہوا دونوں کا ایک حکم ہے۔

(در مختار، کتاب زکوٰۃ، مطبوعہ بیروت' رد المحتار)

صدقہ فطر واجب ہونے کے لئے روزہ رکھنا شرط نہیں اگر کسی عذر' سفر' مرض' بڑھاپے کی وجہ سے یا معاذ اللہ بلا عذر روزہ نہ رکھا

جب بھی واجب ہے۔ نابالغ لڑکی جو اس قابل ہے کہ شوہر کی خدمت کر سکے اس کا نکاح کر دیا اور شوہر کے یہاں اسے بھیج بھی دیا تو کسی پر اس کی طرف سے صدقہ واجب نہیں نہ شوہر پر نہ باپ پر۔ اور اگر قابل خدمت نہیں یا شوہر کے یہاں اسے بھیجا نہیں تو بدستور باپ پر ہے پھر یہ سب اس وقت ہے کہ لڑکی خود مالک نصاب نہ ہو ورنہ بہر حال اس کا صدقہ فطر اس کے مال سے ادا کیا جائے۔ (درمختار، کتاب زکوٰۃ، مطبوعہ بیروت، ردالمحتار)

باپ نہ ہو تو دادا باپ کی جگہ ہے یعنی اپنے فقیر و یتیم پوتے، پوتی کی طرف سے اس پر صدقہ دینا واجب ہے۔ ماں پر اپنے چھوٹے بچوں کی طرف سے صدقہ دینا واجب نہیں۔ خدمت کے غلام اور مدبر و ام ولد کی طرف سے ان کے مالک پر صدقہ فطر واجب ہے اگرچہ غلام مدیون ہو اگرچہ دین میں مستغرق ہو اور اگر غلام گروی ہو اور مالک کے پاس حاجت اصلیہ کے سوا اتنا ہو کہ دین ادا کر دے اور پھر نصاب کا مالک رہے تو مالک پر اس کی طرف سے بھی صدقہ واجب ہے۔

تجارت کے غلام کا فطرہ مالک پر واجب نہیں اگرچہ اس کی قیمت بقدر نصاب نہ ہو۔ غلام عاریۃً دے دیا یا کسی کے پاس امانتاً رکھا تو مالک پر فطرہ واجب ہے اور اگر یہ وصیت کر گیا کہ یہ غلام فلاں کا کام کرے اور میرے بعد اس کا مالک فلاں ہے تو فطرہ مالک پر ہے اس پر نہیں جس کے قبضہ میں ہے۔ (درمختار، کتاب زکوٰۃ، مطبوعہ بیروت)

بھاگا ہوا غلام اور وہ جسے حربیوں نے قید کر لیا ان کی طرف سے صدقہ مالک پر نہیں۔ یونہی اگر کسی نے غصب کر لیا اور غاصب انکار کرتا ہے اور اس کے پاس گواہ نہیں تو اس کا فطرہ بھی واجب نہیں مگر جب کہ واپس مل جائیں تو اب ان کی طرف سے سالہائے گزشتہ کا فطرہ دے مگر حربی اگر غلام کے مالک ہو گئے تو واپسی کے بعد بھی اس کا فطرہ نہیں۔ مکاتب کا فطرہ نہ مکاتب پر ہے نہ اس کے مالک پر۔ یونہی مکاتب اور ماذون کے غلام کا اور مکاتب اگر بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز آیا تو مالک پر سالہائے گزشتہ کا فطرہ نہیں۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب زکوٰۃ، مطبوعہ، بیروت)

بیوی کی طرف سے فطرانہ نہ دینے میں مذاہب اربعہ

فقہاء احناف کے نزدیک وہ بیوی کی طرف سے فطرانہ ادا نہ کرے گا۔ اسی طرح ثوری، ظاہریہ اور ابن منذر اور فقہاء مالکیہ میں سے ابن سیرین نے کہا ہے۔ جبکہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد، لیث، اسحاق نے کہا ہے شوہر پر واجب ہے۔

علامہ ابن منذر نے کہا ہے کہ اہل علم کا اجماع ہے کہ نکاح سے پہلے عورت کا فطرانہ اسی پر واجب ہے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ فطرانہ ہر مذکر و مؤنث پر واجب ہے۔ الی آخرہ۔ ابن حزم نے کہا کہ عجیب عجوبہ ہے کہ امام شافعی اس روایت کو مرسل نہیں تسلیم کرتے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ ج ۴، ص ۲۲۲، حقانیہ ملتان)

اپنی بیوی یا اپنے شوہر کو صدقہ دینے کا مسئلہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس ذکر و نصیحت میں عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! صدقہ و خیرات کرو، اگرچہ وہ تمہارے زیورات ہی میں سے کیوں نہ ہو! حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ یہ سن کر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس

سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے پاس آئی اور ان سے کہنے لگی کہ آپ خالی ہاتھ یعنی مفلس مرد ہیں اور چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ وخیرات کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اس لیے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر یہ معلوم کریں کہ اگر میں آپ پر اور آپ کی اولاد پر بطور صدقہ خرچ کروں تو آیا یہ صدقہ میرے لیے کافی ہوگا یا نہیں؟ اگر آپ کو اور آپ کی اولاد کو میرا صدقہ دینا میرے لیے کافی ہو جائے تو پھر آپ ہی کو صدقہ دے دوں اور اگر یہ میرے لیے کافی نہ ہو تو پھر آپ کے علاوہ دوسرے لوگوں پر بطور صدقہ خرچ کروں! حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے مجھ سے کہا کہ تم ہی جاؤ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھ لو چنانچہ میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی میں وہاں کیا دیکھتی ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر انصار کی ایک عورت کھڑی ہے اور (وہاں آنے کی) ہماری حاجت یکساں تھی۔ (یعنی وہ وہ بھی معلوم کرنے آئی تھی کہ آیا میں اپنے صدقہ کا مال اپنے خاوند اور اس کے متعلقین کو دے سکتی ہوں یا نہیں؟ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہیبت وعظمت کا پیکر تھی اس لیے ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کی جرات نہ ہوئی اور ہم وہاں سے نکل کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور ان سے کہا کہ آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر کہئے کہ دروازے پر کھڑی ہوئی دو عورتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتی ہیں کہ کیا اپنے شوہروں اور ان یتیموں کو جو ان کی پرورش میں ہیں ان کا صدقہ دینا ان کے لیے کافی ہو جائے گا مگر دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہ بتائیے گا کہ ہم کون ہیں؟ یعنی انہوں نے اپنے آپ کو ظاہر کرکے ریا سے بچنے میں مبالغہ کیا کہ پہلے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال سے پوچھا کہ دو عورتیں کون ہیں؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک تو انصار کی کوئی عورت ہے اور دوسری زینب رضی اللہ عنہا ہیں اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کون سی زینب؟ (کیونکہ زینب نام کی کئی عورتیں ہیں) حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی بیوی! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ (ان سے جا کر کہہ دو کہ اس صورت میں) ان کے لیے دوہرا ثواب ہے، ایک تو حق قربت کی ادائیگی کا اور دوسرا صدقہ دینے کا۔ (بخاری ومسلم الفاظ مسلم کے ہیں)۔

جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو منع کر دیا تھا کہ وہ ان کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ بتائیں تو انہیں ان کی اس خواہش کا احترام کرنا چاہیے تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ ان سے ان عورتوں کا نام پوچھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بناء پر ان کے لیے یہ ہی ضروری ہو گیا تھا کہ وہ ان کا نام بتا دیں چنانچہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی۔

یہ حدیث کی وضاحت تھی اب اصل مسئلہ کی طرف آیئے۔ مسئلہ یہ ہے کہ آیا کوئی عورت اپنے خاوند یا کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنی زکوٰۃ کا مال دے سکتا ہے یا نہیں۔ لہٰذا اس بارے میں تو بالاتفاق تمام علماء کا یہ مسلک ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنی زکوٰۃ کا مال نہ دے مگر اس کے برعکس صورت میں امام ابوحنیفہ تو یہ فرماتے ہیں کہ کوئی عورت اپنے خاوند کو اپنی زکوٰۃ کا مال نہ دے کیونکہ مرد کے منافع اور مال میں عادۃ اکثر دونوں ہی شریک ہوتے ہیں اس طرح کوئی عورت اپنے خاوند کو زکوٰۃ کا مال دے گی تو اس مال سے

خود بھی فائدہ حاصل کرے گی جو جائز نہیں ہوگا۔ صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہا اللہ فرماتے ہیں کہ جس طرح مرد کا اپنی بیوی کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے اسی طرح بیوی بھی اپنی زکوٰۃ کا مال اپنے خاوند کو دے سکتی ہے ائمہ کے اس اختلاف کی بنا پر کہا جائے گا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک اس مذکور صدقہ سے صدقہ نفل مراد ہوگا اور صاحبین کے نزدیک اس سے صدقہ نفل بھی مراد ہوسکتا ہے اور صدقہ فرض یعنی زکوٰۃ کو بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔

نابالغ اولاد وغیرہ کے فطرانے کا بیان

صدقۂ فطر واجب ہونے کا سبب خود اس کی ذات اور وہ لوگ ہیں جن کا نان نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے اور وہ ان پر کامل ولایت رکھتا ہے پس صدقۂ فطر اپنی طرف سے ادا کرنا واجب ہے اگر کسی شخص نے کسی عذر سے یا بلا عذر روزے نہ رکھے ہوں تب بھی اس پر صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔

اور اس کے نابالغ بچوں اور بچیوں کی طرف سے بھی اس پر واجب ہے لیکن اگر نابالغ بچہ خود مالدار ہو تو اس کے مال میں سے صدقۂ فطر واجب ہوگا کم عقل، دیوانہ اور مجنون کا بھی وہی حکم ہے جو نابالغ بچے کا ہے یعنی اسکی طرف سے باپ صدقۂ فطر ادا کرے

بیوی کا صدقۂ فطر خاوند پر واجب نہیں ہے

بالغ اولاد کا نفقہ بھی باپ پر واجب نہیں، اگر بالغ اولاد اور بیوی کی طرف سیاور جن کا نفقہ اس کے ذمہ ہے ان سب کی طرف سے ان کی اجازت کے بغیر صدقۂ فطر دے دیا تو ادا ہو جائے گا اسی پر فتویٰ ہے کیونکہ عادتاً اجازت موجود ہے، اگرچہ نیت کے بغیر فطرہ ادا نہیں ہوتا لیکن اس صورت میں حکمانیت موجود ہے

اپنی عیال اور اہل نفقہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے فطرہ دینا ان کی اجازت سے جائز ہے اجازت کے بغیر جائز نہیں پس اگر عورت نے اپنے خاوند کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر فطرہ ادا کر دیا تو جائز نہیں ہے اپنے دادا دادی، نانا نانی، پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں کی طرف سے صدقۂ فطر دینا واجب نہیں ہے اور اپنے ماں باپ کا فطرہ دینا بھی واجب نہیں اگرچہ ان کا نفقہ ان کے ذمہ ہو کیونکہ ان پر اس کو ولایت نہیں ہے جیسا کہ بڑی اولاد پر نہیں ہے لیکن اگر ان میں سے کوئی فقیر اور دیوانہ ہو تو اس کا صدقہ اس پر واجب ہوگا۔

اپنے چھوٹے بھائی بہنوں اور اپنے دیگر رشتہ داروں کی طرف سے صدقۂ فطر دینا اس پر واجب نہیں اگرچہ ان کا نفقہ اس کے ذمہ ہو کیونکہ اس کو ان پر ولایت حاصل نہیں ہے اور صدقۂ فطر واجب ہونے کو لئے اس شخص پر ولایت کاملہ حاصل ہونا اور اس کے نفقہ کا ذمہ دار ہونا ضروری ہیا گر اپنی چھوٹی لڑکی کا نکاح کر دیا اور اس کو خاوند کے گھر رخصت کر دیا، اگر وہ خاوند کی خدمت وموانست کے لائق ہے تو اس کا صدقۂ فطر کسی پر واجب نہیں ہے نہ باپ پر، نہ خاوند پر اور نہ خود اس لڑکی پر جب کہ لڑکی خود محتاج ہو اور اگر شوہر کی خدمت وموانست کے لائق نہیں ہے تو اس کا صدقۂ فطر اس کے باپ کے ذمہ ہوگا اور اگر شوہر کے گھر رخصت نہیں کی گئی تو ہر حال میں اس کے باپ کے ذمہ ہے لڑکی کے فطرہ کے متعلق مزید وضاحت یہ ہے کہ اگر لڑکی مالدار ہے تو خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اور خواہ بالغ ہو یا نابالغ خود اس کے مال میں صدقۂ فطر واجب ہے اور اگر مالدار نہیں لیکن بالغ ہے تو خواہ شادی شدہ ہو یا شادی

شدہ ہے اس کا فطرہ کسی کو ذمہ نہیں اور اگر مالدار نہیں لیکن نابالغ شادی شدہ ہے اور رخصت نہیں ہوئی تو باپ کے ذمہ ہے اور رخصت ہوگئی ہو تو کسی کے ذمہ نہیں اور اگر شادی نہیں ہوئی اور نابالغ محتاج ہے تو اس کا فطرہ باپ کے ذمہ ہے ادا کے ذمہ پوتوں کا صدقۂ فطر واجب نہیں ہے جب کہ ان کا باپ مفلس ہو اور زندہ ہو اور اگر مفلس باپ فوت ہو چکا ہو تو اس میں اختلاف ہے ظاہر الروایت کے بموجب اس صورت میں بھی دادا کے ذمہ پوتوں کا صدقۂ فطر واجب نہیں ہے اور امام حسن رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں واجب ہے۔

مشترکہ غلام کے فطرانے میں مذاہب اربعہ

فقہاء احناف کے نزدیک مشترکہ غلام کا فطرانہ ان دونوں میں سے ایک پر بھی واجب نہیں ہے۔ جبکہ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد علیہم الرحمہ نے کہا ہے ان دونوں میں ہر ایک پر حصے کے مطابق فطرانہ واجب ہے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ، ۴، ص ۲۲۵، حقانیہ ملتان)

کافر غلام کی طرف سے فطرانے میں مذاہب اربعہ

فقہاء احناف کے نزدیک کافر غلام کی طرف سے فطرانہ ادا کرنے مالک پر ضروری ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر آزاد اور ہر غلام کی طرف سے ادا کرو۔ جبکہ امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد علیہم الرحمہ کے نزدیک کافر غلام کا فطرانہ مالک پر واجب نہیں ہے۔ کیونکہ غلام اس کے اہل میں سے نہیں ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۴، ص ۲۲۷، حقانیہ ملتان)

صدقہ فطر کی مقدار کا بیان

1612 - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ السَّكَنِ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَهْضَمٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ نَافِعٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا، فَذَكَرَ بِمَعْنَى مَالِكٍ، زَادَ: وَالصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ، وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدَّى قَبْلَ خُرُوجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ عَبْدُ اللَّهِ الْعُمَرِيُّ، عَنْ نَافِعٍ بِإِسْنَادِهِ قَالَ: عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ، وَرَوَاهُ سَعِيدٌ الْجُمَحِيُّ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ قَالَ فِيهِ: مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمَشْهُورُ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ لَيْسَ فِيهِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ

⊛⊛ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر میں ایک صاع کی ادائیگی مقرر کی ہے۔

اس کے بعد راوی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کردہ روایت کی مانند روایت نقل کی ہے' تاہم اس میں یہ الفاظ زائد ہیں۔

''جو ہر چھوٹے بڑے (پر لازم ہوگی) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں یہ حکم دیا ہے کہ لوگوں کے نماز عید کے لیے جانے سے پہلے اسے ادا کر دیا جائے''۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے' تاہم اس میں یہ الفاظ ہیں: ''ہر مسلمان

پر''۔

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے اس میں یہ الفاظ ہیں: ''مسلمانوں میں سے''۔

عبیداللہ کے حوالے سے جو مشہور روایت ہے اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں ''مسلمانوں میں سے''۔

1613 - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، اَنَّ يَحْيٰى بْنَ سَعِيْدٍ، وَبِشْرَ بْنَ الْمُفَضَّلِ، حَدَّثَاهُمْ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، ح وحَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمَاعِيْلَ، حَدَّثَنَا اَبَانُ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اَنَّهُ فَرَضَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ، اَوْ تَمْرٍ، عَلَى الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ، وَالْحُرِّ وَالْمَمْلُوْكِ، زَادَ مُوْسٰى: وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى.

قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ: قَالَ فِيْهِ اَيُّوْبُ، وَعَبْدُ اللّٰهِ يَعْنِي الْعُمَرِيَّ، فِيْ حَدِيْثِهِمَا عَنْ نَافِعٍ، ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى اَيْضًا

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر میں جو کے ایک صاع یا کھجور کے ایک صاع کی ادائیگی ہر چھوٹے اور بڑے آزاد اور غلام پر لازم قرار دی ہے۔

موسیٰ نامی راوی نے یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں: ''مذکر اور مونث پر''۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) راوی نے اس کی سند میں ایوب اور عبداللہ کا بھی ذکر کیا ہے یعنی وہ روایت ان دونوں حضرات نے نافع کے حوالے سے نقل کی ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں: ''مذکر اور مونث پر''۔

1614 - حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ خَالِدٍ الْجُهَنِيُّ، حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ الْجُعْفِيُّ، عَنْ زَائِدَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ اَبِيْ رَوَّادٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ النَّاسُ يُخْرِجُوْنَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ، اَوْ تَمْرٍ، اَوْ سُلْتٍ، اَوْ زَبِيْبٍ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَكَثُرَتِ الْحِنْطَةُ، جَعَلَ عُمَرُ نِصْفَ صَاعٍ حِنْطَةً مَكَانَ صَاعٍ مِنْ تِلْكَ الْاَشْيَاءِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں لوگ صدقہ فطر میں جو کا یا کھجور کا یا بغیر چھلکے والے جو کا یا کشمش کا ایک صاع صدقہ فطر کے طور پر ادا کرتے تھے۔

راوی بیان کرتے ہیں: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور گندم زیادہ ہوگئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گندم کے نصف صاع کو ان چیزوں کے برابر قرار دیا۔

فطرانے کی نصابی مقدار کا بیان

صدقہ فطر گندم، آٹے، ستو یا کشمش کا نصف صاع ہے یا کھجور یا جو کا ایک صاع ہے۔ جبکہ صاحبین نے کہا ہے کشمش جو کے مرتبے میں ہے اور ایک روایت کے مطابق امام اعظم رضی اللہ عنہ سے بھی یہی بیان کیا گیا ہے۔ اور پہلی روایت جامع صغیر کی ہے۔

اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ ان سب میں ایک صاع ہے۔ کیونکہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اتنی ہی نکالتے تھے۔ اور ہماری دلیل جو ہم روایت کر چکے ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے جس میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ روایت میں زیادتی نفل پر محمول کی گئی ہے۔ (ہدایہ اولین، کتاب زکوٰۃ، لاہور)

صدقہ فطر کے وجوب کی دلیل کا بیان

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے گلی کوچوں میں یہ منادی کرائی کہ سن لو! صدقہ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ مرد ہو یا عورت، آزاد یا غلام اور چھوٹا ہو یا بڑا (اور اس کی مقدار) گیہوں یا اس کی مانند چیزوں (مثلاً خشک انگور وغیرہ) میں سے دو مد اور (گیہوں کے علاوہ) دوسرے غلوں میں سے ایک صاع۔ (ترمذی)

دو مد سے مراد آدھا صاع ہے کیونکہ ایک مدغلہ کا وزن چودہ چھٹانک کے قریب ہوتا ہے اور ایک صاع ساڑھے تین سیر کے برابر ہوتا ہے لہٰذا صدقہ فطر کے طور پر گیہوں پونے دو سیر یعنی ایک کلو 336 گرام دینا چاہئے چونکہ گیہوں کا آٹا یا گیہوں کا ستو بھی گیہوں ہی کے مثل ہے اس لیے یہ دونوں چیزیں بھی اسی مقدار میں دینی چاہئیں۔

حضرت عبداللہ بن ثعلبہ یا حضرت ثعلبہ بن عبداللہ بن ابی صعیر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ فطر واجب ہے گیہوں میں سے ایک صاع دو آدمیوں کی طرف سے (کہ ہر ایک کی طرف سے نصف نصف صاع ہو گا) خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، آزاد ہوں یا غلام، مرد ہوں یا عورت، غنی کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (صدقہ فطر دینے کی وجہ سے) اسے پاکیزہ بنادیتا ہے اور فقیر کا معاملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اس سے زیادہ دیتا ہے جتنا اس نے صدقہ فطر کے طور پر دیا۔ (ابوداؤد)

حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ غنی بھی صدقہ فطر ادا کرے اور فقیر بھی صدقہ فطر دے۔ ان دونوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غنی کو تو اس کے صدقہ فطر دینے کی وجہ سے پاکیزہ بنادیتا ہے اور فقیر کو اس سے زیادہ دیتا ہے جتنا اس نے صدقہ فطر کے طور پر دیا ہے، یہ بشارت اگرچہ غنی کے لیے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے مال میں بھی اس سے کہیں زیادہ برکت عطا فرماتا ہے جتنا کہ اس نے دیا ہے مگر اس بشارت کو فقیر کے ساتھ اس لیے مخصوص کیا تاکہ اس کی ہمت افزائی ہو اور وہ صدقہ فطر دینے میں پیچھے نہ رہے۔

فطرانے میں منصوص اشیاء کا بیان

صدقہ فطر چار چیزوں گیہوں، جو، کھجور اور کشمش میں سے ادا کرنا واجب ہے، یعنی وزن مقررہ کے حساب سے دینے کے لئے یہ چار چیزیں ہیں منصوص علیہ ہیں فطرہ کی مقدار گیہوں میں نصف صاع اور جو و کھجور میں ایک صاع ہے کشمش میں اختلاف ہے صحیح اور مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ ایک صاع دی جائے گیہوں و جو کے آٹے اور ستوں کا وہی حکم ہے جو خود اُن کا ہے گیہوں میں جَو وغیرہ ملے ہوئے ہوں تو غلبہ کا اعتبار ہوگا پس اگر گیہوں غالب ہوگی تو نصف صاع دیا جائے گا، مذکورہ چار منصوص چیزوں کے علاوہ اگر کسی

دوسری جنس سے صدقہ فطر ادا کیا جائے مثلاً چاول، جوار، باجرہ وغیرہ دیا جائے تو اشیائے منصوصہ مذکورہ میں سے کسی ایک چیز کی قیمت کے برابر ہونا چاہئے مثلاً چاول وغیرہ دے تو جس قدر قیمت میں نصف صاع گیہوں آتے ہوں یا ایک صاع جَو آتے ہوں اتنی قیمت کے چاول وغیرہ دے سکتا ہے، اور اگر وہاں گندم و جو و کھجور اور کشمش نہ ہوتے ہوں تو وہاں سے زیادہ قریبی جگہ میں جہاں ہوتے ہوں وہاں کی قیمت معتبر ہوگی گیہوں یا جو کی روٹی صدقہ فطر میں وزن سے دینا جائز نہیں بلکہ قیمت کے اعتبار سے دے گا تو جائز ہوگا یہی اصح ہے۔

اگر منصوص علیہ یعنی چاروں مذکورہ اجناس میں سے کسی ایک کی قیمت ادا کرے تو یہ بھی جائز ہے بلکہ عین اس چیز کے دینے سے اس کی قیمت کا دینا افضل ہے اسی پر فتویٰ ہے (انگریزی سیر کے وزن سے جو کہ اسی تولہ ہوتا ہے اور ہندو پاکستان میں رائج ہے ایک صاع تقریباً ساڑھے تین سیر کا اور نصف صاع پونے دو سیر کا ہوتا ہے یہی فتویٰ بہ ہے بہتر یہ ہے کہ احتیاطاً گیہوں دو سیر اور جو چار سیر دیدیئے جائیں

.۸ صدقہ فطر کے مصارف عامل کے سوا وہی ہیں جو زکوۃ کے ہیں، ذمی کافر کو صدقہ فطر دینے میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ جائز و مکروہ ہے اور مسلمان فقیر کو دینا اولیٰ ہے ایک شخص کا صدقہ فطر بعض کے نزدیک ایک ہی شخص کو دینا واجب ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ متعدد شخصوں کو ایک ایک شخص کا فطرہ دینا جائز ہے یہی مذہب ہے، متعدد شخصوں کا فطرہ کسی ایک مسکین کو دینا بھی جائز ہے جب کوئی ایسا شخص جس کے ذمہ زکوۃ یا صدقہ فطر یا کفارہ یا صدقہ نذر ہو بلا وصیت کے فوت ہو جائے تو اس کے ترکہ میں سے ادا نہیں کیا جائے گا لیکن اگر اس نے وصیت کی ہو تو ترکہ میں سے ادا کیا جائے گا اور وہ وصیت اس کے تہائی مال میں جاری ہوگی خواہ وہ پوری زکوۃ و فطرہ وغیرہ کو کفایت کرے یا نہ کرے لیکن اگر اس کے وارث تہائی سے زیادہ دینے پر راضی ہوں تو جس قدر زیادہ وہ خوشی سے دے دیں لے لیا جائیگا اگر وصیت نہیں کی اور اس کے وارث تبرعاً اس کی طرف سے ادا کر دیں تو جائز ہے اور اگر وہ ادا نہ کریں یا ان میں سے کوئی اپنے حصہ میں سے نہ دے تو مجبور نہیں کیا جائے گا

.۹ صدقہ فطر وصول کرنے کے لئے کسی عامل کو مقرر کر کے قبائل میں نہ بھیجا جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے لیکن کسی شخص کو اس طرح مقرر کر دینا کہ لوگ خود آ کر اس کو دے جایا کریں تو جائز و ثابت ہے۔

1615 - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، وَسُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْعَتَكِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: فَعَدَلَ النَّاسُ بَعْدُ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ، قَالَ: وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ يُعْطِي التَّمْرَ فَأُعْوِزَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ التَّمْرَ عَامًا فَأَعْطَى الشَّعِيرَ

❁❁ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: بعد میں لوگوں نے گندم کے نصف صاع کو اس کے برابر قرار دیا۔

راوی بیان کرتے ہیں: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ خود (صدقہ فطر میں) کھجور ادا کیا کرتے تھے ایک سال مدینہ منورہ میں کھجوروں

1615- اسناده صحيح. مسدد: هو ابن مسرهد الاسدي، وحماد: هو ابن زيد الازدي، وايوب: هو ابن ابي تميمة السختياني. واخرجه البخاري (1511)، والترمذي (682)، والنسائي في "الكبرى" (2292) من طريقين عن حماد، بهذا الاسناد. واخرجه مسلم (984)، والنسائي (2291) من طريقين عن ايوب، به. وهو في "مسند احمد" (4486).

کی قلت ہوگئی تو انہوں نے جوادا کیے تھے۔

1616 - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، حَدَّثَنَا دَاوُدُ يَعْنِي ابْنَ قَيْسٍ، عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: كُنَّا نُخْرِجُ إِذْ كَانَ فِينَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ عَنْ كُلِّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ، حُرٍّ أَوْ مَمْلُوكٍ، صَاعًا مِنْ طَعَامٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ أَقِطٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ زَبِيبٍ، فَلَمْ نَزَلْ نُخْرِجُهُ حَتَّى قَدِمَ مُعَاوِيَةُ حَاجًّا، أَوْ مُعْتَمِرًا، فَكَلَّمَ النَّاسَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَكَانَ فِيمَا كَلَّمَ بِهِ النَّاسَ أَنْ قَالَ: إِنِّي أَرَى أَنَّ مُدَّيْنِ مِنْ سَمْرَاءِ الشَّامِ تَعْدِلُ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، فَأَخَذَ النَّاسُ بِذَلِكَ، فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ، فَأَمَّا أَنَا فَلَا أَزَالُ أُخْرِجُهُ أَبَدًا مَا عِشْتُ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ: ابْنُ عُلَيَّةَ، وَعَبْدَةُ، وَغَيْرُهُمَا عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ، عَنْ عِيَاضٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ بِمَعْنَاهُ، وَذَكَرَ رَجُلٌ وَاحِدٌ فِيهِ عَنِ ابْنِ عُلَيَّةَ أَوْ صَاعًا مِنْ حِنْطَةٍ وَلَيْسَ بِمَحْفُوظٍ.

❁❁ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود تھے تو ہم صدقہ فطر میں ہر چھوٹے اور بڑے آزاد اور غلام کی طرف سے اناج کا ایک صاع یا پنیر کا ایک صاع یا جو کا ایک صاع یا کھجور کا ایک صاع یا کشمش کا ایک صاع ادا کیا کرتے تھے ہم مسلسل اسی طرح ادائیگی کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (اپنے عہد خلافت میں) حج یا شاید عمرہ کرنے کے لیے آئے انہوں نے منبر پر لوگوں سے اس بارے میں بات چیت کی انہوں نے لوگوں کے ساتھ جو گفتگو کی اس میں انہوں نے یہ بات بیان کی: میں یہ سمجھتا ہوں شام کی گندم کے دو مد کھجور کے ایک صاع کے برابر ہیں تو لوگوں نے اس بات کو اختیار کر لیا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں جب تک زندہ رہا میں تو اپنے پرانے طریقے کے مطابق ادائیگی کرتا رہوں گا۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہی روایت بعض دیگر اسناد کے ہمراہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے منقول ہے جس میں کچھ لفظی اختلاف ہے تاہم وہ اختلاف محفوظ نہیں ہے۔

1617 - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ، لَيْسَ فِيهِ ذِكْرُ الْحِنْطَةِ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَقَدْ ذَكَرَ مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ، فِي هٰذَا الْحَدِيثِ عَنِ الثَّوْرِيِّ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عِيَاضٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ، وَهُوَ وَهْمٌ مِنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ هِشَامٍ، أَوْ مِمَّنْ رَوَاهُ عَنْهُ

❁❁ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے تاہم اس میں گندم کا ذکر نہیں ہے۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ الفاظ منقول ہیں "گندم کا نصف صاع"۔

لیکن ان الفاظ میں معاویہ بن ہشام نامی راوی کو یا ان سے روایت نقل کرنے والے شخص کو وہم ہوا ہے۔

1618 - حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، ح وحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، سَمِعَ عِيَاضًا، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، يَقُولُ: لَا أُخْرِجُ أَبَدًا إِلَّا صَاعًا، إِنَّا كُنَّا نُخْرِجُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعَ تَمْرٍ، أَوْ شَعِيرٍ، أَوْ أَقِطٍ، أَوْ زَبِيبٍ، هَذَا حَدِيثُ يَحْيَى، زَادَ سُفْيَانُ: أَوْ صَاعًا مِنْ دَقِيقٍ، قَالَ حَامِدٌ: فَأَنْكَرُوا عَلَيْهِ، فَتَرَكَهُ سُفْيَانُ،

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: فَهَذِهِ الزِّيَادَةُ وَهْمٌ مِنَ ابْنِ عُيَيْنَةَ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں ہمیشہ ایک صاع ادائیگی ادا کرتا رہوں گا کیونکہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں کھجور کا ایک صاع یا جو کا ایک صاع یا پنیر کا یا کشمش کا ایک صاع ادا کیا کرتے تھے۔

روایت کے یہ الفاظ یحییٰ کے نقل کردہ ہیں سفیان نامی راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: ''یا آٹے کا ایک صاع''۔

حامد نامی راوی کہتے ہیں: محدثین نے اس پر ان کا انکار کیا' تو سفیان نے ان الفاظ کو ترک کر دیا۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ اضافی الفاظ ابن عیینہ کا وہم ہے۔

شرح

صدقہ فطر کی مقدار یہ ہے گیہوں یا اس کا آٹا یا ستو نصف صاع کھجور یا منقیٰ یا جو یا اس کا آٹا یا ستو ایک صاع۔ گیہوں' جَو' کھجوریں' منقیٰ' دیئے جائیں تو ان کی قیمت کا اعتبار نہیں مثلاً نصف صاع عمدہ جَو جن کی قیمت ایک صاع جَو کے برابر ہے یا چہارم صاع کھرے گیہوں جو قیمت میں آدھے صاع گیہوں کے برابر ہیں یا نصف صاع کھجوریں دیں جو ایک صاع جَو یا نصف صاع گیہوں کی قیمت کے ہوں یہ سب ناجائز ہے جتنا دیا اتنا ہی ادا ہوا باقی اس کے ذمہ واجب ہے ادا کرے۔ نصف صاع جَو اور چہارم صاع گیہوں دیئے یا نصف صاع جَو اور نصف صاع کھجور تو بھی جائز ہے۔

گیہوں اور جَو ملے ہوئے ہوں اور گیہوں زیادہ ہیں تو نصف صاع دے ورنہ ایک صاع۔ گیہوں اور جَو کے دینے سے ان کا آٹا دینا افضل ہے اور اس سے افضل یہ کہ قیمت دیدے خواہ گیہوں کی قیمت دے یا جَو کی کھجور کی مگر گرانی میں خود ان کا دینا قیمت دینے سے افضل ہے اور اگر خراب گیہوں یا جَو کی قیمت دی تو اچھے کی قیمت سے جو کمی پڑے پوری کرے۔ (درمختار، کتاب زکوٰۃ، مطبوعہ، بیروت، ردالمحتار)

بَابُ مَنْ رَوَى نِصْفَ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ

باب: جن حضرات نے گندم کی نصف صاع کی روایت نقل کی ہے

1619 - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، وَسُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْعَتَكِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ رَاشِدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ مُسَدَّدٌ: عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي صُعَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، وَقَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ، أَوْ ثَعْلَبَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي صُعَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَاعٌ مِنْ بُرٍّ، أَوْ قَمْحٍ عَلَى كُلِّ اثْنَيْنِ صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ، حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ، ذَكَرٍ أَوْ

أُنْثَى، أَمَّا غَنِيُّكُمْ فَيُزَكِّيهِ اللَّهُ، وَأَمَّا فَقِيرُكُمْ، فَيَرُدُّ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ أَكْثَرَ مِمَّا أَعْطَى. زَادَ سُلَيْمَانُ فِي حَدِيثِهِ: غَنِيٍّ أَوْ فَقِيرٍ

عبداللہ بن ثعلبہ (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں:) ثعلبہ بن عبداللہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

''گندم کا ایک صاع ہر دو چھوٹے بڑے' آزاد یا غلام' مرد اور عورت کی طرف سے ادا کیا جائے گا' جو شخص خوشحال ہوگا اللہ تعالیٰ اس کا تزکیہ کر دے گا' اور جو شخص غریب ہوگا اسے اس سے زیادہ عطا کرے گا' جو اس نے ادا کیا ہے''۔

سلیمان نے اپنی روایت میں یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں: ''خوشحال یا تنگ دست کی طرف سے''۔

طرفین کے نزدیک صاع عراقی کا بیان

طرفین کے عراقی صاع آٹھ ارطال کا ہوتا ہے۔ جبکہ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ پانچ ارطال اور ایک رطل کا ثلث ہو۔ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا بھی ایک قول یہی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے ہمارا صاع چھوٹے صاعوں میں سے ہے۔ جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دو رطلوں والے مد کے ساتھ وضو فرمایا اور آٹھ رطلوں والے صاع کے ساتھ غسل فرمایا۔ اور اسی طرح کا صاع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں تھا جو اہل ہاشم کے صاعوں سے چھوٹا تھا اور ہاشمی بھی اس کو استعمال کرتے تھے۔ (ہدایہ اولین، کتاب زکوٰۃ، لاہور)

حدیث صاع میں امام ابن حبان کا بیان

امام ابن حبان علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: '' صَاعُنَا أَصْغَرُ الصِّيعَانِ '' اس حدیث میں بیان کردہ صاع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انکار نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے۔ کہ یہ کہنا درست ہے۔ (البنائیہ) اور حدیث کی اقسام میں سے ایک قسم تقریری سنت کی ہے اور اس میں یہ ہے کہ کوئی کام نبی کریم ﷺ کے روبرو ہوا اور آپ ﷺ نے اس سے منع نہ کیا۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے حدیث کے کلمات پڑھے جاتے تھے تو انہوں نے ان کا انکار نہیں کیا۔ لہٰذا ان کے عدم انکار سے اس کا حدیث ہونا ثابت ہوا۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے غلط حدیث پڑھے اور وہ اس کو منع نہ کریں۔ لہٰذا غیر مقلدین کو غلط رنگ دے کر احادیث ہدایہ کو مورد الزام ٹھہرانے کی عادت کو ترک کر دینا چاہیے۔

صاع کی مقدار کا بیان

ہمارے نزدیک معتبر عراقی (صاع) ہے اور وہ آٹھ رطل کا ہوتا ہے، ایک رطل بیس ۲۰ استار اور استار ساڑھے چار مثقال، مثقال بیس ۲۰ قیراط ایک حبہ اور چہار خمس حبہ ہے۔ حبہ جسے فارسی میں "سُرخ " کہتے ہیں ماشہ کا آٹھواں حصہ ہوتا ہے، پس مثقال ساڑھے چار ماشہ ہوا۔ (کشف الغطاء فصل در احکام دعا و صدقہ و خوان از اعمال خیر برائے میت مطبع احمدی، دہلی)

عراقی صاع آٹھ رطل اور حجازی پانچ رطل اور ثلث رطل ہے۔ امام شافعی کے نزدیک صاع حجازی واجب ہے اور ہمارے نزدیک صاع عراقی، جو دو من کا ہوتا ہے، اور من چار استار، اور استار ساڑھے چار مثقال ہے، لہٰذا من ایک سو اسّی مثقال ہوا جیسا کہ شارح وقایہ نے کہا، اور دوسری کتب سے بھی اسی طرح معلوم ہوتا ہے، جب ہم اس کا حساب اپنے شہروں کے وزن کے اعتبار سے کرتے ہیں تو نصف صاع اکبری سیروں کے مطابق ۔ساڑھے دو سیر استار ہوگا اور جہانگیری (اللہ تعالیٰ اس کے ملک وسلطنت کی حفاظت کرے) سیروں کے مطابق سوا دو سیر اور ایک استار کم بن جاتا ہے یہ اس حساب سے کہ صاع ۰ مثقال ہو اور اگر صاع من، اور من ۰ استار اور استار -رمثقال ہو تو ہر من ۰ مثقال ہوگا، جب استار -رمثقال ہے تو لازم آیا کہ نصف صاع، ۸۰ استار، اور ۸۰ استار-ساڑھے دو سیر اور ۱۵ استار قدیم وزن ہوا، اور ساڑھے چار سیر ایک استار کم موجودہ وزن ہوا۔

(شرح سفر السعادۃ، فصل در زکوٰۃ فطر، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

1620 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ الدَّارَابَجِرْدِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ، حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، حَدَّثَنَا بَكْرٌ هُوَ ابْنُ وَائِلٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ، أَوْ قَالَ: عَبْدِ اللهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. ح وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى النَّيْسَابُورِيُّ، حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ بَكْرٍ الْكُوفِيِّ - قَالَ: مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى هُوَ بَكْرُ بْنُ وَائِلِ بْنِ دَاوُدَ - أَنَّ الزُّهْرِيَّ، حَدَّثَهُمْ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ بْنِ صُعَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيبًا. فَأَمَرَ بِصَدَقَةِ الْفِطْرِ، صَاعِ تَمْرٍ، أَوْ صَاعِ شَعِيرٍ، عَنْ كُلِّ رَأْسٍ - زَادَ عَلِيٌّ فِي حَدِيثِهِ: أَوْ صَاعِ بُرٍّ، أَوْ قَمْحٍ بَيْنَ اثْنَيْنِ، ثُمَّ اتَّفَقَا - عَنِ الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ، وَالْحُرِّ وَالْعَبْدِ.

❀❀ عبداللہ بن ثعلبہ اپنے والد کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے آپ ﷺ نے ہر فرد کی طرف سے صدقہ فطر کے طور پر کھجور کا ایک صاع یا جو کا ایک صاع ادا کرنے کا حکم دیا۔

علی نامی راوی نے اپنی روایت میں یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں: "یا گندم کا ایک صاع دو افراد کی طرف سے دیا جائے گا"۔

اس کے بعد دونوں راوی یہ الفاظ نقل کرنے میں متفق ہیں" یہ ہر چھوٹے بڑے آزاد اور غلام کی طرف سے (دیا جائے گا)"۔

1621 - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: وَقَالَ: ابْنُ شِهَابٍ، قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ ثَعْلَبَةَ: قَالَ ابْنُ صَالِحٍ: قَالَ الْعَدَوِيُّ: وَإِنَّمَا هُوَ الْعُذْرِيُّ خَطَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ قَبْلَ الْفِطْرِ بِيَوْمَيْنِ بِمَعْنَى حَدِيثِ الْمُقْرِئِ

❀❀ حضرت عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے عید الفطر سے دو دن پہلے لوگوں کو خطبہ دیا" اس

1621- اسناده ضعيف. ابن جريج- هو عبد الملك بن عبد العزيز- مدلس ولم يصرح بسماعه من الزهري، ثم هو مرسل كما قال ابو نعيم في "معرفة الصحابة" (6867). ومع ذلك صحح اسناده الزيلعي في "نصب الراية" 2/ 407! عبد الرزاق: هو الصنعاني، وابن شهاب: هو محمد بن مسلم الزهري. وهو عند عبد الرزاق في "مصنفه" (5785)، ومن طريقه اخرجه احمد (23663) والبخاري في "تاريخه" "تعليقا" 5/ 36، والطبراني في "الكبير" "كما في "نصب الراية" 2/ 407، والدارقطني في "سننه" (2118).

کے بعد راوی نے مقری کی روایت کی مانند روایت نقل کی ہے"۔

1622 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ حُمَيْدٌ: أَخْبَرَنَا عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ: خَطَبَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي آخِرِ رَمَضَانَ عَلَى مِنْبَرِ الْبَصْرَةِ، فَقَالَ: أَخْرِجُوا صَدَقَةَ صَوْمِكُمْ، فَكَأَنَّ النَّاسَ لَمْ يَعْلَمُوا، فَقَالَ: مَنْ هَاهُنَا مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ قُومُوا إِلَى إِخْوَانِكُمْ فَعَلِّمُوهُمْ، فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ، فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ الصَّدَقَةَ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ شَعِيرٍ، أَوْ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ، عَلَى كُلِّ حُرٍّ أَوْ مَمْلُوكٍ، ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى، صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ. فَلَمَّا قَدِمَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ رَأَى رُخْصَ السِّعْرِ، قَالَ: قَدْ أَوْسَعَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ، فَلَوْ جَعَلْتُمُوهُ صَاعًا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ. قَالَ حُمَيْدٌ: وَكَانَ الْحَسَنُ يَرَى صَدَقَةَ رَمَضَانَ عَلَى مَنْ صَامَ

﴾﴿ حسن بصری بیان کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بصرہ کے منبر پر رمضان کے آخر میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: تم لوگ اپنے روزوں کا صدقہ نکالو (یعنی صدقہ فطر ادا کرو) لوگوں کو یہ بات سمجھ نہیں آئی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہاں اہل مدینہ سے تعلق رکھنے والا کون شخص ہے تم لوگ اٹھو اور اپنے بھائیوں کو اس بات کی تعلیم دو کیونکہ انہیں علم نہیں ہے' اللہ کے رسول نے یہ صدقہ کھجور کا ایک صاع یا جو کا ایک صاع یا گندم کا نصف صاع' ہر آزاد اور غلام مذکر اور مؤنث چھوٹے اور بڑے پر لازم قرار دیا ہے۔

(راوی بیان کرتے ہیں:) جب حضرت علی رضی اللہ عنہ (کوفہ) تشریف لائے اور انہوں نے چیزوں کی ارزانی دیکھی تو انہوں نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں وسعت عطا کردی ہے' تو اگر تم ہر چیز کا ایک صاع ادا کرو (تو یہ مناسب ہوگا)

حمید بیان کرتے ہیں: حسن بصری اس بات کے قائل تھے: صدقہ فطر کی ادائیگی اس شخص پر لازم ہوتی ہے' جو روزہ رکھتا ہے۔

راوی حدیث حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ

اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے بعد فقرِ خاص الخاص کا مرتبہ سلطان الفقر دوم حضرت امام خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ کو تفویض ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ کو امانتِ فقر و خرقہ خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے منتقل ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلفاء میں جلیل القدر مرتبہ حاصل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے فقرِ خاص الخاص کو امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچانے والا واسطہ اور وسیلہ ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کا نام مبارک حسن، کنیت ابو محمد، ابو سعید، ابو نصر اور ابو علی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام حسبِ روایت یسار تھا اور وہ حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام خیرہ رضی اللہ عنہ تھا اور وہ اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ تھیں۔ حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کی پرورش حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا ہی کے بابرکت ہاتھوں میں ہوئی اور انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی رضاعت بھی فرمائی۔ حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کی پیدائش 21ھ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ جب آپ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق

رضی اللہ عنہ کے حضور میں لائے گئے تو انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو نہایت خوبرو دیکھ کر فرمایا کہ یعنی یہ حسین ہے اس لیے اس کا نام حسن رکھو۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس کو دین کے علم کا ماہر بنا اور لوگوں میں محبوب بنا، جو بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوئی اور آپ رضی اللہ عنہ کو علمِ دین اور فقر میں بلند مرتبہ عطا ہوا۔

حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کی پرورش وتربیت اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان کی قربت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بالواسطہ صحبت کا فیض حاصل کیا اور انہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ حضرت امام حسن مجتبیٰ اور حضرت محمد حنفیہ رضی اللہ عنہم سے فیضِ کامل پایا اور دین کا ظاہری و باطنی تمام علم حاصل کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہے۔ میں نے ایک سوتیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی ہے جن میں ستر بدری اصحاب رضی اللہ عنہم تھے، لہٰذا تابعین میں حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی بیعت سے مشرف ہوئے اور ان سے خرقۂ فقر پایا۔ شاہِ ولایت امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کو وہ خرقۂ خاص مع کلاہِ چہارترکی عنایت فرمایا جو انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عطا ہوا تھا اور ساتھ ہی اپنی نگاہِ فقر سے ظاہری و باطنی علومِ اسرارِ الٰہیہ عطا کر کے خلافتِ کبریٰ سے نوازا اور ذکرِ کلمہ طیبہ بطریق نفی اثبات جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حاصل ہوا تھا، وہ آپ رضی اللہ عنہ کو سکھایا اور آپ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے وہ طریقہ تمام دنیا میں رائج ہوا۔ (سیر الاولیاء، سیر الاقطاب)

حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے بہ اجازت وخلافتِ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اُن تمام سلاسلِ طریقت و تصوف کا نظام قائم کیا جو ساری دنیا میں وصال ومعرفتِ الٰہی کے لیے آج تک رائج رہے ہیں۔ سلسلۂ قادریہ ہو یا سہروردیہ، چشتیہ ہو یا نظامیہ، رفاعیہ ہو یا شاذلیہ، المغربیہ ہو یا کلابیہ، تمام سلاسل بالآخر جا کر حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے ہی توسط سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ملتے ہیں، سوائے سلسلہ نقشبندیہ کے جو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے توسط سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

باوجود اس حقیقت کے کہ تمام سلاسلِ طریقت مکمل تحقیق واعتقاد کے ساتھ اپنے اپنے شجرۂ مشائخ کو حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے ذریعے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ملاتے ہیں، محدثین کے درمیان حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملاقات، خلافت اور سماعِ حدیث پر اختلاف پایا جاتا ہے اور اس کی وجہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ انہیں حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایسی کوئی حدیث دستیاب نہیں ہوسکی جسے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سن کر اور ان کا نام لے کر روایت کیا ہو۔ اگر محدثین کی اس بات کو درست مان لیا جائے کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نہ ملاقات ہوئی، نہ ان سے خرقہ خلافت پایا تو تمام سلاسلِ طریقت کا نظام زمین بوس ہو جاتا ہے کہ اگر حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی کڑی بیچ میں سے نکال دی جائے تو کس طرح تمام سلاسل حضرت علی رضی اللہ عنہ اور پھر ان سے آقا پاک علیہ

الصلوٰۃ والسلام تک پہنچے؟

قرآئن وشواہد کے لحاظ سے بھی یہ بات قابلِ قبول نہیں کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نہ ملے ہوں کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دورِ خلافت ۳۷ھ میں اس وقت بصرہ منتقل ہوئے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ منتقل ہو گئے۔ یعنی یہ دونوں متبرک ہستیاں تقریباً سولہ سال ایک ہی مقام مدینہ منورہ میں اکٹھی رہیں، حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اسی علاقے میں انہی لوگوں کے درمیان سنِ بلوغت کو پہنچے، انہی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مسجدِ نبوی میں نماز پڑھتے رہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں دو سال مدینہ میں ہی رہے بعد میں بصرہ منتقل ہو گئے، ان کی امامت میں نماز پڑھتے رہے، ان سے خطبۂ جمعہ سماعت کرتے رہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ ملاقات نہ ہوئی ہو اور احادیث کی سماعت نہ کی ہو۔ حافظ مزی رحمۃ اللہ علیہ تہذیب الکمال میں روایت کرتے ہیں۔ جس دن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی اس وقت حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے اور ان کی عمر چودہ سال تھی۔

قرآئن وشواہد سے ملاقات ثابت ہونے کے باوجود محدثین یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر ملاقات ہوئی اور ان سے حدیث بھی سنی تو ان کا نام لے کر روایت کیوں نہ کی۔ اس کے جواب میں امام نسائی، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مزی رحمۃ اللہ علیہ سمیت کئی اکابر آئمہ نے نہ صرف تحقیق کر کے ان چند احادیث کو تلاش کیا جن کو حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا بلکہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے اس قول کو بھی تلاش کیا جس میں اس کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لیے بغیر حدیث کو براہِ راست حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیوں روایت کرتے ہیں حالانکہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ نہیں پایا۔ چنانچہ امام مزی رحمۃ اللہ علیہ تہذیب الکمال میں لکھتے ہیں۔ یونس بن عبید اللہ نے کہا کہ میں نے حسن بصری رضی اللہ عنہ سے پوچھا ابو سعید آپ روایت بیان کرتے ہوئے یہ کیوں فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حالانکہ یقیناً آپ نے ان کا عہد نہیں پایا تو انہوں نے جواب دیا اے بھتیجے تم نے مجھ سے وہ بات پوچھی ہے جو تم سے پہلے مجھ سے کسی اور نے نہیں پوچھی۔ اگر میرے نزدیک تمہاری خاص حیثیت نہ ہوتی تو میں تمہیں بیان نہ کرتا۔ میں جس زمانے میں ہوں وہ تمہارے سامنے ہے (وہ حجاج بن یوسف کا دور تھا)۔ ہر وہ روایت جس میں تم نے مجھ سے سنا کہ میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، وہ دراصل حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، مگر یہ کہ میں ایسے زمانے میں ہوں جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ مجبوراً نہیں کر سکتا۔ (تہذیب الکمال جلد ۴ صفحہ ۱۲۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلافت سنبھالتے ہی ایک طرف خارجی ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تو دوسری طرف بنو امیہ نے ان کے خلاف طوفان کھڑا کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فراست یہ دیکھ رہی تھی کہ مستقبل میں ان کا نام لینے والے اور ان کا ساتھ دینے والے ہر شخص کو چن چن کر ختم کر دیا جائے گا جبکہ تقدیر حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ سے علمِ معرفت کی دراثتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک منتقل کرنے کا عظیم کام لینے والی تھی اس لیے اپنے امیر اپنے امام

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایما پر ہی حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے ان کا نام لینے سے اس قدر احتیاط برتی ہوگی تا کہ وہ خاموشی، رازداری اور سکون سے اپنے ذمہ واجب الادا فرض سے سبکدوش ہو جائیں اور دشمنانِ اسلام میں سے کسی کو خبر نہ ہو۔ وہ یہی سمجھتے رہیں کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ محدثین کو ایسی احادیث دستیاب نہ ہونا جن کو حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اس بات کا ہرگز ثبوت نہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی حدیث روایت ہی نہ کی بلکہ یہ محدثین کی اپنی تحقیق کی کمی اور کمزوری ہے کیونکہ جن محدثین نے خلوصِ نیت سے تحقیق کی انہوں نے ایسی احادیث کو پایا بھی۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں ایسی ایک حدیث کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ ہشیم نے ہم سے بیان کیا کہ یوسف نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے، لڑکے سے جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے، سوتے ہوئے سے جب تک وہ نیند سے بیدار نہ ہو، دیوانہ سے جب تک اس کا جنون جاتا نہ رہے۔ اسی حدیث کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ، حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے حسن ہونے کو ثابت کیا ہے۔

اسی طرح امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے یزید بن ہارون نے بیان کیا ان سے حمید نے بیان کیا، وہ حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یقیناً جب اللہ تعالیٰ توفیق دے تو وسعت کا مظاہرہ کرو اور ایک صاع گندم وغیرہ کا صدقہ ادا کیا کرو۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے خرقہ حاصل کرنا ثابت کیا ہے اور اس مسئلہ میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام "اتحاف الفرقہ بوصل الخرقہ" ہے۔ اس کے علاوہ سلف سے لے کر خلف تک تمام مشائخ واولیاء کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے بیعت وخلافت حاصل ہے۔

حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے سماعِ حدیث اور ملاقات کے اختلافی مسئلہ پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ فخر جہاں فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان مناظرہ ہوا جو تین دن جاری رہا۔ حضرت محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ملاقات کا انکار کرتے رہے اور فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ملاقات کے حق میں دلائل دیتے رہے۔ اس سلسلے میں حضرت فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۵ ایسی احادیث کو جمع کیا جو حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائیں اور ان احادیث کو "فخر الحسن" کے عنوان سے ایک مخطوطہ میں تحریر فرمایا۔

بوجہ اختصار ان تمام احادیث اور ان کے حوالہ جات کو تو تحریر نہیں کیا جا سکتا البتہ چند کا حوالہ ذیل میں دیا جا رہا ہے:۔

(ابن ماجہ، السنن، کتاب الجہاد، باب فضل النفقۃ فی سبیل اللہ تعالیٰ جلد ۲ صفحہ ۹۲۲ حدیث نمبر ۲۷۶۱۔ احمد بن حنبل، المسند، جلد ۱ صفحہ ۱۴۰ حدیث نمبر ۱۱۸۳۔ امام نسائی، کتاب السنن الکبریٰ، کتاب الصیام، جلد ۲ صفحہ ۲۲۲ حدیث نمبر ۳۱۶۱)

حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ تفسیر وحدیث میں امام تسلیم کیے جاتے ہیں۔علمِ ظاہر وباطن کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہ زہدوریاضت میں بھی کامل تھے۔ساتھ سات روز بعد روزہ افطار فرماتے اور شب وروز یادِالٰہی میں مصروف رہتے۔منقول ہے کہ ستر برس تک سوائے عذرِ شرعی کے آپ رضی اللہ عنہ کا وضو نہ ٹوٹا اور آپ رضی اللہ عنہ کبھی بے وضو نہ رہے۔یہاں تک کہ مرتبۂ کمال تک پہنچے۔آپ رضی اللہ عنہ خشیتِ الٰہی کے سبب اس قدر گریہ کرتے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں کبھی خشک نہ دیکھی گئیں، یہاں تک کہ روتے روتے آنکھوں میں گڑھے پڑ گئے۔حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ ہفتہ میں ایک بار وعظ فرمانے کے علاوہ زیادہ وقت تنہائی اور گوشہ نشینی میں گزارتے۔آپ رضی اللہ عنہ کا وعظ اکثر دل کے خطروں اور اعمال کی خرابیوں اور نفس کے وسوسوں وخواہشات سے متعلق ہوا کرتا تھا۔آپ رضی اللہ عنہ کے وعظ میں لوگوں کی کثیر تعداد شریک ہوتی جن میں اپنے وقت کے تمام علماء واولیاء شامل ہوتے۔حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا بھی آپ رضی اللہ عنہ کے مواعظ سے اکتسابِ فیض کرتیں۔جب آپ رضی اللہ عنہ کا ذکر حضرت امام باقر علیہ السلام کے سامنے ہوتا تو وہ فرماتے، حسن رضی اللہ عنہ کا کلام انبیاء علیہم السلام کے کلام کے مشابہ ہے۔حضرت بلال بن ابی بردہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔میں نے حسن بصری رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشابہ نہیں پایا۔

ایک شخص نے کسی بزرگ سے سوال کیا کہ حسن بصری رضی اللہ عنہ کو ہم لوگوں پر کس وجہ سے بزرگی اور سرداری ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ تمام مخلوق اس کے علم کی حاجت مند ہے اور اس کو سوائے خالق کے کسی کی حاجت نہیں۔دین میں سب اس کے محتاج ہیں، اس سبب سے وہ سب کا سردار ہے۔(ازالۃ الخفاء۔جلدسوم)

حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ کے بہت سے خلفاء ہوئے ہیں جن میں شیخ عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ زیادہ مشہور ہیں اور ان کے فیضِ تربیت سے تصوف کے چودہ بڑے خانوادے (سلاسل) وجود میں آئے۔حضرت شیخ عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ سے پانچ خانوادے یعنی سلسلہ زیدیہ، سلسلہ عیاضیہ، سلسلہ ادھمیہ، سلسلہ ہبیریہ، سلسلہ چشتیہ اور حضرت شیخ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ سے نو خانوادے یعنی سلسلہ عجمیہ، سلسلہ طیفوریہ، سلسلہ کرخیہ، سلسلہ سقطیہ، سلسلہ جنیدیہ، سلسلہ گاذرونیہ، سلسلہ طوسیہ، سلسلہ سہروردیہ، سلسلہ فردوسیہ جاری ہوئے۔حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے امانتِ فقر حضرت شیخ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کو منتقل فرمائی۔آپ رضی اللہ عنہ کا وصال 4۔محرم الحرام (8۔اپریل 729ء) بروز جمعۃ المبارک کو 111ھ ہوا۔آپ رضی اللہ عنہ کا مزار پُرانوار بصرہ (عراق) سے نو میل مغرب کی طرف مقام زبیر پر واقع ہے۔

بَابٌ فِي تَعْجِيلِ الزَّكَاةِ

باب: زکوٰۃ پیشگی ادا کرنا

1623 - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ، حَدَّثَنَا شَبَابَةُ، عَنْ وَرْقَاءَ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ عَلَى الصَّدَقَةِ فَمَنَعَ ابْنُ

جَمِيلٍ، وَخَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ، وَالْعَبَّاسُ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا يَنْقِمُ ابْنُ جَمِيلٍ إِلَّا أَنْ كَانَ فَقِيرًا، فَأَغْنَاهُ اللّٰهُ، وَأَمَّا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ، فَإِنَّكُمْ تَظْلِمُونَ خَالِدًا، فَقَدِ احْتَبَسَ أَدْرَاعَهُ، وَأَعْتُدَهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَأَمَّا الْعَبَّاسُ عَمُّ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهِيَ عَلَيَّ وَمِثْلُهَا. ثُمَّ قَالَ: أَمَا شَعَرْتَ أَنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُ الْأَبِ أَوْ صِنْوُ أَبِيهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو صدقہ وصول کرنے کے لیے بھیجا تو ابن جمیل، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ ادا نہیں کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن جمیل کو صرف اس بات کا غصہ ہے کہ وہ پہلے غریب تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے خوشحال کر دیا جہاں تک خالد بن ولید کا تعلق ہے' تو تم نے خالد کے ساتھ زیادتی کی ہے کیونکہ اس نے پہلے ہی اپنی زرہیں اور دیگر ساز و سامان اللہ کی راہ میں وقف کیا ہوا ہے' باقی رہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ' جو اللہ کے رسول کے چچا ہیں' تو ان کی زکوٰۃ کی ادائیگی میرے ذمے ہے اور اس کی مانند مزید کی ادائیگی بھی (میرے ذمہ ہے)

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں پتہ نہیں ہے آدمی کا چچا اس کے باپ کی جگہ ہوتا ہے (یہاں ایک لفظ کے بارے میں راوی کو شک ہے)

1624 - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّا، عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ حُجَيَّةَ، عَنْ عَلِيٍّ، أَنَّ الْعَبَّاسَ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي تَعْجِيلِ صَدَقَتِهِ قَبْلَ أَنْ تَحِلَّ، فَرَخَّصَ لَهُ فِي ذَلِكَ. قَالَ مَرَّةً: فَأَذِنَ لَهُ فِي ذَلِكَ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ هُشَيْمٌ، عَنْ مَنْصُورِ بْنِ زَاذَانَ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَدِيثُ هُشَيْمٍ أَصَحُّ

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ فرض ہونے سے پہلے ہی اسے پیشگی ادا کرنے کے بارے میں دریافت کیا' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کی اجازت دی (ایک مرتبہ راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کی اجازت دے دی۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے' تاہم ہشیم کی نقل کردہ روایت زیادہ مستند ہے۔

شرح

حنفیہ اور اکثر ائمہ کے نزدیک یہ بات جائز اور درست ہے کہ مال پر سال پورا ہونے سے پہلے ہی زکوۃ ادا کر دی جائے بشرطیکہ زکوۃ دینے والا نصاب شرعی کا مالک ہو۔

مالک نصاب سال تمام سے پیشتر بھی ادا کر سکتا ہے بشرطیکہ سال تمام پر بھی اس نصاب کا مالک رہے اور اگر ختم سال پر مالک نصاب نہ رہا یا اثنائے سال میں وہ مال نصاب بالکل ہلاک ہو گیا تو جو کچھ دیا نفل ہے اور جو شخص نصاب کا مالک نہ ہو وہ زکوۃ نہیں

دے سکتا یعنی آئندہ اگر نصاب کا مالک ہو گیا تو جو کچھ پہلے دیا ہے وہ اس کی زکوٰۃ میں محسوب نہ ہوگا۔ مالک نصاب اگر پیشتر سے چند نصابوں کی زکوٰۃ دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ یعنی شروع سال میں ایک نصاب کا مالک ہے اور دو یا تین نصابوں کی زکوٰۃ دے دی اور ختم سال پر جتنی نصابوں کی زکوٰۃ دی ہے اتنی نصابوں کا مالک ہو گیا تو سب کی ادا ہو گئی اور سال تمام تک ایک ہی نصاب کا مالک رہا سال کے بعد اور حاصل کیا تو وہ زکوٰۃ اس میں محسوب نہ ہوگی۔ (عالمگیری)

سال مال خیرات کرنے کے سبب زکوٰۃ ادا ہونے کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں:

جب کسی شخص نے سال پورا ہونے پر کل نصاب خیرات کر دی اگرچہ زکوٰۃ کی نیت نہ کی بلکہ نفل کی نیت کی یا کچھ نیت نہ کی زکوٰۃ ادا ہو گئی اور اگر کل فقیر کو دے دیا اور منت یا کسی اور واجب کی نیت کی تو دینا صحیح ہے مگر زکوٰۃ اس کے ذمہ ہے ساقط نہ ہوئی اور اگر مال کا کوئی حصہ خیرات کیا تو اس حصے کی بھی زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی بلکہ اس کے ذمہ ہے اور اگر کل مال ہلاک ہو گیا تو کل کی زکوٰۃ ساقط ہو گئی اور کچھ ہلاک ہوا تو جتنا ہلاک ہوا اس کی ساقط اور جو باقی ہے اس کی واجب اگرچہ وہ بقدر نصاب نہ ہو۔ ہلاک کے یہ معنی ہیں کہ بغیر اس کے فعل کے ضائع ہو گیا مثلاً چوری ہو گئی یا کسی کو قرض و عاریت دی اس نے انکار کر دیا اور گواہ نہیں یا وہ مر گیا اور کچھ ترکہ میں نہ چھوڑا اور اگر اپنے فعل سے ہلاک کیا مثلاً صرف کر ڈالا یا پھینک دیا یا غنی کو ہبہ کر دیا تو زکوٰۃ بدستور واجب الادا ہے ایک پیسہ بھی ساقط نہ ہوگا اگرچہ بالکل نادار ہو۔ (عالمگیری، در مختار، کتاب زکوٰۃ، بیروت)

بَابٌ فِي الزَّكَاةِ هَلْ تُحْمَلُ مِنْ بَلَدٍ إِلَى بَلَدٍ؟

باب: کیا زکوٰۃ کو ایک شہر سے دوسرے شہر لے جایا جا سکتا ہے

1625 - حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، أَخْبَرَنَا أَبِي، أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَطَاءٍ، مَوْلَى عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ زِيَادًا - أَوْ بَعْضَ الْأُمَرَاءِ - بَعَثَ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ عَلَى الصَّدَقَةِ. فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ لِعِمْرَانَ: أَيْنَ الْمَالُ؟ قَالَ: وَلِلْمَالِ أَرْسَلْتَنِي. أَخَذْنَاهَا مِنْ حَيْثُ كُنَّا نَأْخُذُهَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَوَضَعْنَاهَا حَيْثُ كُنَّا نَضَعُهَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

❀❀ ابراہیم بن عطاء جو حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں وہ بیان کرتے ہیں: زیاد یا شاید کسی اور حکمران نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا جب وہ واپس آئے تو اس حکمران نے حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے کہا: مال کہاں ہے؟ انہوں نے دریافت کیا: کیا تم نے مجھے مال کے لیے بھیجا تھا ہم نے اسے اسی طرح وصول کیا جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ہم اسے وصول کرتے تھے اور اسے وہیں خرچ کیا جس طرح ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں اسے خرچ کرتے تھے۔

1625- اسناده حسن. ابراهيم بن عطاء صدوق. علي: هو ابن نصر الجهضمي الازدي، وعطاء: هو ابن ابي ميمونة. واخرجه ابن ماجه (1811) من طريق سهل بن حماد، عن ابراهيم بن عطاء، بهذا الاسناد.

زکوٰۃ دوسرے شہر میں منتقل کرنے میں مذاہب اربعہ

فقہاءِ احناف کے نزدیک زکوٰۃ کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کرنا مکروہ ہے۔ حضرت امام شافعی اور بعض فقہاء مالکیہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ ان کے نزدیک دوسرے شہر میں زکوٰۃ منتقل کرنا جائز نہیں ہے۔ علامہ سروجی نے کہا ہے کہ امام شافعی کا مذہب اس مسئلہ میں مضطرب ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ نقل کرنا حرام ہے۔ اور حنبلی فقیہ ابن قدامہ نے شوافع سے اختلاف کیا ہے اور جائز کہا ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ۴، ص، ۲۱۳، حقانیہ ملتان)

بَابُ مَنْ يُّعْطِي مِنَ الصَّدَقَةِ، وَحَدُّ الْغِنَى

باب: کس شخص کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟ خوشحالی کی حد

1626 - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ حَكِيمِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَاَلَ وَلَهٗ مَا يُغْنِيهِ، جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خُمُوشٌ، اَوْ خُدُوشٌ، اَوْ كُدُوحٌ فِي وَجْهِهِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَمَا الْغِنَى؟، قَالَ: خَمْسُونَ دِرْهَمًا، اَوْ قِيمَتُهَا مِنَ الذَّهَبِ. قَالَ يَحْيَى: فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُثْمَانَ لِسُفْيَانَ: حِفْظِي اَنَّ شُعْبَةَ، لَا يَرْوِي عَنْ حَكِيمِ بْنِ جُبَيْرٍ، فَقَالَ سُفْيَانُ: حَدَّثَنَاهُ زُبَيْدٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جو شخص مانگتا ہے حالانکہ اس کے پاس وہ چیز موجود ہو' جو اس کی کفایت کر جائے' تو ایسا شخص جب قیامت کے دن آئے گا' تو اس کے چہرے پر خراش (یا زخم یا نوچے جانے کا داغ) ہوگا عرض کی گئی: یارسول اللہ! خوشحال ہونے سے کیا مراد ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پچاس درہم یا اس کی قیمت جتنا سونا''۔

یحییٰ نامی راوی بیان کرتے ہیں: عبداللہ بن عثمان نے سفیان سے کہا: میری یادداشت میں' تو یہ بات ہے کہ شعبہ' حکیم بن جبیر نامی راوی سے روایت نقل نہیں کرتے تو سفیان نے کہا: زبیر نے محمد بن عبدالرحمن کے حوالے سے یہ حدیث ہمیں بیان کی ہے۔

1627 - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي اَسَدٍ، اَنَّهٗ قَالَ: نَزَلْتُ اَنَا وَاَهْلِي بِبَقِيعِ الْغَرْقَدِ، فَقَالَ لِي اَهْلِي: اذْهَبْ اِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَلْهُ لَنَا شَيْئًا نَاْكُلُهٗ، فَجَعَلُوا يَذْكُرُونَ مِنْ حَاجَتِهِمْ، فَذَهَبْتُ اِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَجَدْتُ عِنْدَهٗ رَجُلًا يَسْاَلُهٗ، وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: لَا اَجِدُ مَا اُعْطِيكَ، فَتَوَلَّى الرَّجُلُ عَنْهُ وَهُوَ مُغْضَبٌ وَهُوَ يَقُولُ: لَعَمْرِي اِنَّكَ لَتُعْطِي مَنْ شِئْتَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَغْضَبُ عَلَيَّ اَنْ لَا اَجِدَ مَا اُعْطِيهِ، مَنْ سَاَلَ مِنْكُمْ وَلَهٗ اُوقِيَّةٌ، اَوْ عِدْلُهَا،

فَقَدْ سَالَ اِلْحَافًا. قَالَ الْاَسَدِیُّ: فَقُلْتُ: لَلِقْحَةٌ لَنَا خَيْرٌ مِنْ اُوقِيَةٍ - وَالْاُوقِيَةُ اَرْبَعُوْنَ دِرْهَمًا - قَالَ: فَرَجَعْتُ وَلَمْ اَسَالْهُ. فَقَدِمَ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِكَ شَعِيْرٌ وَزَبِيبٌ. فَقَسَمَ لَنَا مِنْهُ. اَوْ كَمَا قَالَ: حَتّٰى اَغْنَانَا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ.

قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ: هٰكَذَا رَوَاهُ الثَّوْرِیُّ كَمَا قَالَ مَالِكٌ

عطاء بن یسار بنو اسد سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میں اور میرے اہل خانہ بقیع غرقد میں ٹھہر گئے میرے اہل خانہ نے مجھ سے کہا: تم نبی اکرم ﷺ کے پاس جاؤ اور آپ ﷺ سے ہمارے لیے کوئی چیز مانگو جسے ہم کھا سکیں ان لوگوں نے اپنے ضرورت مند ہونے کا ذکر کیا میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک شخص کو پایا جو آپ ﷺ سے کچھ مانگ رہا تھا' اور نبی اکرم ﷺ یہ فرما رہے تھے: تمہیں دینے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے وہ شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس سے چلا گیا وہ غصے کے عالم میں یہ کہہ رہا تھا: مجھے اپنی زندگی کی قسم! آپ ﷺ جسے چاہتے ہیں صرف اسے ہی دیتے ہیں' تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ مجھ سے اس لیے ناراض ہو رہا ہے کہ میرے پاس اسے دینے کے لیے کچھ نہیں ہے تم میں سے جو شخص کچھ مانگے' اور اس کے پاس ایک اوقیہ (چاندی) یا اس کے برابر (کوئی اور قیمتی چیز ہو) تو وہ لپٹ کر سوال کرنے والا شمار ہو گا۔

وہ اسدی شخص کہتا ہے: میں نے سوچا میری اونٹنی تو ایک اوقیہ سے کہیں زیادہ بہتر ہے (راوی کہتے ہیں:) ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے وہ اسدی شخص کہتا ہے: میں واپس آ گیا میں نے نبی اکرم ﷺ سے کچھ نہیں مانگا۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں کچھ جو اور کشمش آ گئی تو آپ ﷺ نے اس میں سے ہمیں بھی حصہ دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خوشحال کر دیا۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ثوری نے یہ روایت اسی طرح نقل کی ہے' جس طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے۔

1628 - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، وَهِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِی الرِّجَالِ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ غَزِيَّةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِیِّ، عَنْ اَبِيْهِ اَبِیْ سَعِيْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَالَ وَلَهُ قِيمَةُ اُوقِيَةٍ، فَقَدْ اَلْحَفَ. فَقُلْتُ: نَاقَتِی الْيَاقُوتَةُ هِیَ خَيْرٌ مِنْ اُوقِيَةٍ - قَالَ هِشَامٌ: خَيْرٌ مِنْ اَرْبَعِينَ دِرْهَمًا - فَرَجَعْتُ. فَلَمْ اَسَالْهُ شَيْئًا. زَادَ هِشَامٌ فِیْ حَدِيْثِهٖ: وَكَانَتِ الْاُوقِيَةُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعِينَ دِرْهَمًا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''جو شخص مانگے حالانکہ اس کے پاس ایک اوقیہ کی قیمت جتنی کوئی چیز موجود ہو' تو وہ لپٹ کر سوال کرنے والا ہو گا''۔

تو میں نے سوچا میری اونٹنی ''یاقوتہ'' ایک اوقیہ سے بہتر ہے۔

ہشام نامی راوی کہتے ہیں: وہ چالیس درہم سے بہتر ہے' تو میں واپس آ گیا میں نے نبی اکرم ﷺ سے کچھ نہیں مانگا۔

ہشام نامی راوی نے اپنی روایت میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں: اوقیہ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس میں چالیس درہم کا ہوتا تھا۔

1629 - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا مِسْكِينٌ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُهَاجِرِ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي كَبْشَةَ السَّلُولِيِّ، حَدَّثَنَا سَهْلُ ابْنُ الْحَنْظَلِيَّةِ، قَالَ: قَدِمَ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُيَيْنَةُ بْنُ حِصْنٍ، وَالْأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ، فَسَأَلَاهُ، فَأَمَرَ لَهُمَا بِمَا سَأَلَا، وَأَمَرَ مُعَاوِيَةَ فَكَتَبَ لَهُمَا بِمَا سَأَلَا. فَأَمَّا الْأَقْرَعُ، فَأَخَذَ كِتَابَهُ، فَلَفَّهُ فِي عِمَامَتِهِ وَانْطَلَقَ، وَأَمَّا عُيَيْنَةُ فَأَخَذَ كِتَابَهُ، وَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَانَهُ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، أَتُرَانِي حَامِلًا إِلَى قَوْمِي كِتَابًا لَا أَدْرِي مَا فِيهِ، كَصَحِيفَةِ الْمُتَلَمِّسِ، فَأَخْبَرَ مُعَاوِيَةُ بِقَوْلِهِ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَأَلَ وَعِنْدَهُ مَا يُغْنِيهِ، فَإِنَّمَا يَسْتَكْثِرُ مِنَ النَّارِ - وَقَالَ النُّفَيْلِيُّ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ: مِنْ جَمْرِ جَهَنَّمَ - فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَمَا يُغْنِيهِ؟ - وَقَالَ النُّفَيْلِيُّ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ: وَمَا الْغِنَى الَّذِي لَا تَنْبَغِي مَعَهُ الْمَسْأَلَةُ؟ - قَالَ: قَدْرُ مَا يُغَدِّيهِ وَيُعَشِّيهِ وَقَالَ النُّفَيْلِيُّ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ: أَنْ يَكُونَ لَهُ شِبْعُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، أَوْ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ، وَكَانَ حَدَّثَنَا بِهِ مُخْتَصَرًا عَلَى هٰذِهِ الْأَلْفَاظِ الَّتِي ذَكَرْتُ

حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ان دونوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگا' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو وہ دینے کا حکم دیا جو انہوں نے مانگا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا' تو انہوں نے ان دونوں کے لیے وہ چیزیں تحریر کر دیں جو انہوں نے سوال کیا تھا جہاں تک اقرع کا تعلق تھا تو اس نے وہ تحریر حاصل کر لی اور اسے اپنے عمامے میں لپیٹ لیا اور چلا گیا لیکن عیینہ نے اپنی تحریر کو حاصل کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گیا اس نے کہا: اے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا کیا خیال ہے میں یہ تحریر اٹھا کر اپنی قوم کے پاس چلا جاؤں جبکہ مجھے پتہ ہی نہیں ہے کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے؟ یہ تو ایک ایسی تحریر کی مانند ہے' جو مشتبہ ہو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی اس بات کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص مانگے حالانکہ اس کے پاس وہ چیز موجود ہو' جو اسے بے نیاز کر دے تو ایسا شخص آگ کو زیادہ کرتا ہے''۔

نفیلی نامی راوی نے دوسرے مقام پر یہ الفاظ نقل کیے ہیں: ''جہنم کے انگاروں کو زیادہ کرتا ہے'' لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کون سی چیز اسے خوشحال کر سکتی ہے؟

نفیلی نامی راوی نے دوسری جگہ یہ الفاظ نقل کیے ہیں: وہ خوشحالی کیا ہے' جس کی موجودگی میں مانگنا مناسب نہیں ہوتا؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اتنی مقدار جو صبح اور شام کے کھانے کے لیے کافی ہو''۔

1629- حديث صحيح، وهذا اسناد حسن. مسكين- هو ابن بكير الحذاء- صدوق حسن الحديث. واخرجه ابن خزيمة (2391)، والبيهقي 247/ من طريق عبد الله بن محمد النفيلي، بهذا الاسناد. واخرجه احمد في "مسنده" (17625)، وابن ابي عاصم في "الآحاد والمثاني" (2074) و (2075)، والطحاوي في "شرح معاني الآثار" 20/ 26 و 371/4، و"شرح مشكل الآثار" (486)، وابن حبان (545) و (3394)، والطبراني في "المعجم الكبير" (5620)، وفي "مسند الشاميين" (584) و (585) والبيهقي 247/ من طريق عبد الرحمن ابن يزيد بن جابر، عن ربيعة بن يزيد، به. وفي باب تحريم المسالة عن ظهر غنى، عن ابي هريرة عند مسلم (1041)، وابن ماجه (1838).

نفیلی نامی راوی نے دوسرے مقام پر یہ الفاظ نقل کیے ہیں: ''یہ کہ اس کے پاس ایک دن اور ایک رات کا پیٹ بھر کر کھانا ہو (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں:) ایک رات اور ایک دن کا''۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) راوی نے یہ روایت انہی مختصر الفاظ میں نقل کی ہے' جو ذکر کی گئی ہے۔

1630 - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ يَعْنِي ابْنَ عُمَرَ بْنِ غَانِمٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زِيَادٍ، أَنَّهُ سَمِعَ زِيَادَ بْنَ نُعَيْمٍ الْحَضْرَمِيَّ، أَنَّهُ سَمِعَ زِيَادَ بْنَ الْحَارِثِ الصُّدَائِيَّ، قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْتُهُ، فَذَكَرَ حَدِيثًا طَوِيلًا، قَالَ: فَأَتَاهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: أَعْطِنِي مِنَ الصَّدَقَةِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى لَمْ يَرْضَ بِحُكْمِ نَبِيٍّ وَلَا غَيْرِهِ فِي الصَّدَقَاتِ، حَتَّى حَكَمَ فِيهَا هُوَ، فَجَزَّأَهَا ثَمَانِيَةَ أَجْزَاءٍ، فَإِنْ كُنْتَ مِنْ تِلْكَ الْأَجْزَاءِ أَعْطَيْتُكَ حَقَّكَ

❁❁ حضرت زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کی (یعنی اسلام قبول کیا) اس کے بعد راوی نے طویل حدیث ذکر کی ہے' جس میں یہ الفاظ ہیں: ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم (زکوٰۃ کے مال میں سے) مجھے کچھ دیجئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ زکوٰۃ کے بارے میں نبی یا اس کے علاوہ کسی اور کے فیصلے سے راضی نہیں' اس لیے اس نے اس بارے میں خود فیصلہ دیا ہے اور اسے آٹھ حصوں میں تقسیم کیا ہے اگر تم ان حصوں میں شامل ہو' تو میں تمہیں تمہارا حق دے دوں گا۔

1631 - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ الْمِسْكِينُ الَّذِي تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ، وَالْأُكْلَةُ وَالْأُكْلَتَانِ، وَلٰكِنَّ الْمِسْكِينَ الَّذِي لَا يَسْأَلُ النَّاسَ شَيْئًا، وَلَا يَفْطِنُونَ بِهِ فَيُعْطُونَهُ.

❁❁ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''غریب وہ نہیں ہے' جو ایک یا دو کھجوریں لے کر یا ایک یا دو لقمے لے کر لوٹ جاتا ہے بلکہ غریب وہ ہے' جو لوگوں سے کچھ مانگتا بھی نہیں ہے اور اس کی غربت کا اندازہ بھی نہیں ہو پاتا کہ لوگ اسے ویسے ہی کچھ دے دیں''۔

1632 - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، وَعُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، وَأَبُو كَامِلٍ الْمَعْنَى، قَالُوا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مِثْلَهُ، قَالَ: وَلٰكِنَّ الْمِسْكِينَ الْمُتَعَفِّفُ، زَادَ مُسَدَّدٌ فِي حَدِيثِهِ: لَيْسَ لَهُ مَا يَسْتَغْنِي بِهِ، الَّذِي لَا يَسْأَلُ وَلَا يُعْلَمُ بِحَاجَتِهِ فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ فَذَاكَ الْمَحْرُومُ، وَلَمْ يَذْكُرْ مُسَدَّدٌ: الْمُتَعَفِّفُ

الَّذِي لَا يَسْأَلُ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَى هٰذَا الْحَدِيثَ مُحَمَّدُ بْنُ ثَوْرٍ، وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، وَجَعَلَا الْمَحْرُومَ مِنْ كَلَامِ الزُّهْرِيِّ، وَهُوَ أَصَحُّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہی روایت ایک سند کے ہمراہ منقول ہے تاہم اس میں یہ الفاظ ہیں:

''مانگنے سے بچنے والا غریب''۔

مسدد نامی راوی نے یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں: ''اس کے پاس ایسی چیز نہیں ہوتی جو اسے (لوگوں سے کچھ لینے سے) بے نیاز کردے وہ شخص جو نہ مانگتا ہے اور نہ ہی اس کے حاجت مند ہونے کا پتہ چلتا ہے کہ اسے صدقہ ہی دے دیا جائے یہ شخص محروم ہے۔

مسدد نے یہ الفاظ نقل نہیں کیے ''مانگنے سے بچنے والا وہ شخص جو مانگتا نہیں ہے''۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) محمد بن ثور اور عبدالرزاق نے معمر کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے ان دونوں نے ''محروم'' کی وضاحت کے الفاظ زہری کے کلام کے طور پر نقل کیے ہیں: اور یہی زیادہ درست ہیں۔

1633 - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ، قَالَ: أَخْبَرَنِي رَجُلَانِ: أَنَّهُمَا أَتَيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ، وَهُوَ يُقَسِّمُ الصَّدَقَةَ، فَسَأَلَاهُ مِنْهَا، فَرَفَعَ فِينَا الْبَصَرَ وَخَفَضَهُ، فَرَآنَا جَلْدَيْنِ، فَقَالَ: إِنْ شِئْتُمَا أَعْطَيْتُكُمَا، وَلَا حَظَّ فِيهَا لِغَنِيٍّ، وَلَا لِقَوِيٍّ مُكْتَسِبٍ

عبیداللہ بن عدی بیان کرتے ہیں: مجھے دو آدمیوں نے بتایا کہ وہ دونوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حجۃ الوداع کے موقع پر حاضر ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت صدقہ تقسیم کررہے تھے ان دونوں نے اس میں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگا' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارا سر سے پاؤں تک جائزہ لیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ہم مضبوط جسم کے مالک ہیں' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم چاہو' تو میں تم دونوں کو دے دیتا ہوں لیکن اس میں خوشحال شخص یا کما کر کھانے کی صلاحیت رکھنے والے شخص کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے''۔

1634 - حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ مُوسَى الْأَنْبَارِيُّ الْخُتَّلِيُّ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ يَعْنِي ابْنَ سَعْدٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنْ رَيْحَانَ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ، وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ سُفْيَانُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، كَمَا قَالَ إِبْرَاهِيمُ. وَرَوَاهُ شُعْبَةُ، عَنْ سَعْدٍ قَالَ: لِذِي مِرَّةٍ قَوِيٍّ، وَالْأَحَادِيثُ الْأُخَرُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْضُهَا: لِذِي مِرَّةٍ قَوِيٍّ، وَبَعْضُهَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ وَقَالَ عَطَاءُ بْنُ زُهَيْرٍ: أَنَّهُ لَقِيَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو، فَقَالَ: إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا

تَحِلُّ لِقَوِيٍّ، وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ' نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''خوشحال شخص کے لیے (اور کھانے کمانے کے لائق) طاقت ور شخص کے لیے زکوٰۃ حلال نہیں ہے''۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ سعد بن ابراہیم سے منقول ہے' تاہم اس میں لفظ مختلف ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے منقول دوسری روایات میں سے بعض روایات میں لفظ ''قوی'' استعمال ہوا ہے اور بعض روایات میں لفظ ''سوی'' استعمال ہوا ہے۔

عطاء بن زہیر کہتے ہیں: ان کی ملاقات حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو انہوں نے فرمایا: بے شک صدقہ کسی قوی شخص اور کمانے کی صلاحیت رکھنے والے تندرست شخص کے لیے جائز نہیں ہے۔

بَابُ مَنْ يَّجُوْزُ لَهٗ اَخْذُ الصَّدَقَةِ وَهُوَ غَنِيٌّ

باب: کس شخص کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے' جبکہ وہ غنی بھی ہو

1635 - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ اِلَّا لِخَمْسَةٍ: لِغَازٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، اَوْ لِعَامِلٍ عَلَيْهَا، اَوْ لِغَارِمٍ، اَوْ لِرَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهِ، اَوْ لِرَجُلٍ كَانَ لَهٗ جَارٌ مِسْكِيْنٌ فَتُصُدِّقَ عَلَى الْمِسْكِيْنِ، فَاَهْدَاهَا الْمِسْكِيْنُ لِلْغَنِيِّ.

عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''کسی غنی کے لیے صدقہ لینا جائز نہیں ہے' البتہ پانچ لوگوں کا حکم مختلف ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد میں حصہ لینے والا شخص یا زکوٰۃ وصول کرنے کا سرکاری اہل کار یا وہ شخص جس نے کسی کے حصے کی ادائیگی اپنے ذمے لی ہو یا وہ شخص جس نے وہ چیز اپنے مال کے عوض میں خرید لی ہو یا وہ شخص جس کا کوئی ہمسایہ غریب شخص ہو اور وہ صدقہ دراصل مسکین کو دیا گیا ہو اور اس مسکین نے وہ چیز تحفے کے طور پر اس غنی کو دے دی ہو''۔

1636 - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بِمَعْنَاهُ.

1635- حديث صحيح، وقد وصله معمر - وهو ابن راشد - كما في الطريق الآتي بعده، وتابعه علي وصله الثوري عند عبد الرزاق (7152)، والدارقطني في "سننه" (1997)، وفي "العلل" /3 ورقة236، والبيهقي /15.7 وصحح وصله البزار في "مسنده" كما في "نصب الراية" /4 378. وقد تابع مالكاً على ارساله ايضاً سفيان بن عيينة عند ابن عبد البر في "التمهيد" /965، ولا يضر ارسال من ارسله، لان معمراً والثوري حافظان، فيكون عطاء بن يسار ارسله مرة ووصله اخرى. وهو عند مالك في "الموطا" /2682، ومن طريقه اخرجه البيهقي /15.7

قَالَ اَبُو دَاؤدَ: وَرَوَاهُ ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ زَيْدٍ، كَمَا قَالَ مَالِكٌ: وَرَوَاهُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ زَيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي الثَّبْتُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہی روایت ایک اور سند کے ساتھ منقول ہے۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہی روایت بعض دیگر اسناد کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

1637 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَوْفٍ الطَّائِيُّ، حَدَّثَنَا الْفِرْيَابِيُّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عِمْرَانَ الْبَارِقِيِّ، عَنْ عَطِيَّةَ، عَنْ اَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، اَوِ ابْنِ السَّبِيلِ، اَوْ جَارٍ فَقِيرٍ يُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ، فَيُهْدِي لَكَ اَوْ يَدْعُوكَ.

قَالَ اَبُو دَاؤدَ: وَرَوَاهُ فِرَاسٌ، وَابْنُ اَبِي لَيْلَى، عَنْ عَطِيَّةَ، عَنْ اَبِي سَعِيدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''غنی کے لیے صدقہ لینا جائز نہیں ہے' البتہ اگر وہ اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے جارہا ہو) یا مسافر ہو یا اس کا غریب پڑوسی ہو' جسے وہ چیز صدقے کے طور پر دی گئی ہو اور وہ تمہیں تحفے کے طور پر دے یا تمہاری دعوت کر دے''۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

بَابُ كَمْ يُعْطَى الرَّجُلُ الْوَاحِدُ مِنَ الزَّكَاةِ

باب: ایک شخص کو زکوٰۃ میں سے کتنا حصہ دیا جائے گا

1638 - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الصَّبَّاحِ، حَدَّثَنَا اَبُو نُعَيْمٍ، حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ عُبَيْدٍ الطَّائِيُّ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ، زَعَمَ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ: سَهْلُ بْنُ اَبِي حَثْمَةَ، اَخْبَرَهُ، اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَاهُ بِمِائَةٍ مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ - يَعْنِي - دِيَةَ الْاَنْصَارِيِّ الَّذِي قُتِلَ بِخَيْبَرَ

حضرت سہل بن ابوحثمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کے اونٹوں میں سے انہیں ایک سو اونٹ دیت کے طور پر ادا کیے تھے یعنی اس انصاری کی دیت کے طور پر جسے خیبر میں قتل کر دیا گیا تھا۔

شرح

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: زکوٰۃ کے مصارف صرف فقراء اور مساکین ہیں اور زکوٰۃ کی وصولیابی پر مامور لوگ، اور جن کے دلوں کو اسلام کی طرف راغب کرنا مقصود ہو اور جن غلاموں کو آزاد کرنا ہو، اور مقروض لوگ اور اللہ کی راہ میں اور مسافرین، یہ اللہ کی جانب

1638 - اسناده صحيح. ابو نعيم: هو الفضل بن دكين. واخرجه البخاري (6898)، والنسائي في "الكبرى" (5966) و (6895) من طريق ابي نعيم، بهذا الاسناد. واخرجه مسلم (1669) من طريق عبد الله بن نمير، عن سعيد بن عبيد، به. وهو في "مسند احمد" (16091).

سے ایک فریضہ ہے اور اللہ بہت علم والا بے حد حکمت والا ہے۔ (التوبہ: ۶۰)

زکوٰۃ دینے والے کے حق میں زکوٰۃ کی حکمتیں اور مصلحتیں

امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ ھ نے زکوٰۃ کے حسب ذیل اسرار اور فوائد بیان فرمائے ہیں: (۱) انسان جب کلمۂ شہادت پڑھ لیتا ہے تو گویا وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: والذین اٰمنوٓا اشد حبا للّٰہ۔ (البقرہ: ۱۶۵) اور جو لوگ ایمان لائے وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ یعنی مومن اپنی جان اور اپنے مال سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے۔ تو مسلمانوں پر جہاد فرض کر کے ان کی جان سے زیادہ محبت کو آزمایا گیا اور زکوٰۃ کو فرض کر کے ان کی مال سے زیادہ اللہ سے محبت کو آزمایا گیا، اور اللہ کی محبت میں مال خرچ کرنے والے مسلمانوں کے تین درجات ہیں:
(الف) وہ لوگ جو اللہ کی محبت میں سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں اور اپنے پاس ایک درہم اور ایک دینار بھی نہیں رکھتے۔ اس لیے جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ دو سو درہم پر کتنی زکوٰۃ تو وہ کہتے ہیں کہ عوام پر تو پانچ درہم زکوٰۃ ہے اور ہم پر تمام مال کو خرچ کرنا واجب ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ اس دن اتفاق سے میرے پاس مال تھا۔ میں نے دل میں کہا اگر میں کسی دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سبقت کر سکتا ہوں تو وہ آج کا دن ہے۔ میں اپنا آدھا مال لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ میں نے عرض کیا، اتنا ہی مال ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا تمام مال و متاع لے کر آ پہنچے۔ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ حضرت ابوبکر نے کہا: میں نے ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑا ہے۔ تب میں نے دل میں کہا میں حضرت ابوبکر پر کبھی سبقت نہیں کر سکتا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۷۵، المستدرک ج ۱ ص ۴۱۴، سنن بیہقی ج ۴ ص ۱۸۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۶۱۱، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۶۰۲۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکمل صدق کے مقام پر فائز تھے۔ انہوں نے اپنے پاس صرف اسی چیز کو رکھا جو انہیں سب سے زیادہ محبوب تھی اور وہ ان کے نزدیک اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (ب) دوسرا درجہ اس پہلے درجہ والوں سے کم ہے۔ یہ اپنے پاس مال کو بچا کر رکھتے ہیں تا کہ ان کی ضروریات کے موقع پر کام آئے اور جب نیک کاموں پر خرچ کرنے کے مواقع آئیں تو وہ مال کو خرچ کر سکیں۔ پس وہ مال کو اس لیے جمع کر کے رکھتے ہیں تا کہ ضرورت کے مواقع پر خرچ کر سکیں نہ کہ عیش و عشرت پر خرچ کرنے کے لیے اور یہ ضرورت سے زائد مال کو نیکی کے راستوں پر خرچ کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ صرف زکوٰۃ کی مقدار پر اقتصار نہیں کرتے، اور تابعین میں سے نخعی، شعبی، عطا اور مجاہد کا یہ نظریہ ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور حقوق بھی ہیں۔ ان کا استدلال قرآن مجید کی درج ذیل آیتوں سے ہے: واٰتی المال علی حبہ ذوی القربٰی والیتٰمٰی والمسٰکین وابن السبیل والسآئلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ۔ (البقرہ: ۱۷۷) ترجمہ: اور مال سے (طبعی) محبت کے باوجود (اللہ کی محبت میں) اپنا مال رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں اور غلام آزاد کرانے کے لیے دے، اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے۔ وانفقوا مما رزقنٰکم۔

(المنافقون:۱۰)اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے تم (ہماری راہ میں) خرچ کرو۔ومما رزقنهم ينفقون۔ (الانفال:۳) اور ہم نے ان کو جو رزق دیا ہے وہ اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔(ج) اور تیسرا درجہ ان لوگوں کا ہے جو صرف مقدار واجب ادا کرنے پر اقتصار کرتے ہیں۔ان پر جتنی زکوٰۃ فرض ہے وہ صرف اتنی ہی ادا کرتے ہیں،اس سے زیادہ نہ اس سے کم۔اور یہ سب سے کم مرتبہ ہے اور تمام عام لوگوں کا یہی طریقہ ہے۔کیونکہ وہ مال کی طرف مائل ہوتے ہیں اور مال خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں اور آخرت کے ساتھ ان کی محبت کمزور ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:ان يسئلكموها فيحفكم تبخلوا ويخرج اضغانكم هانتم هؤلاء تدعون لتنفقوا في سبيل الله فمنكم من يبخل ومن يبخل فانما يبخل عن نفسه۔ (محمد:۳۸-۳۷) ترجمہ:اگر اللہ تم سے تمہارا مال طلب کرے تو تم بخل کرو گے اور وہ تمہارے دلوں کے زنگ کو ظاہر کر دے گا ہاں تم ہی وہ لوگ ہو جن کو اللہ کی راہ میں خرچ کے لیے بلایا جاتا ہے تو تم میں سے کوئی بخل کرتا ہے اور جو بخل کرتا ہے وہ صرف اپنی جان سے ہی بخل کرتا ہے۔(۲) زکوٰۃ ادا کرنے کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے انسان سے بخل کی صفت زائل ہو جاتی ہے اور بخل سے نجات کی اللہ تعالیٰ نے مدح فرمائی ہے:ومن يوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون۔ (الحشر:۹) ترجمہ:اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچائے گئے سو وہی لوگ کامیاب ہیں۔نیز حدیث صحیح میں بھی بخل کی مذمت کی گئی ہے۔حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:جب تم یہ دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جارہی ہے اور خواہش نفس کی اتباع کی جارہی ہے اور دنیا کو ترجیح دی جارہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے کو اچھا سمجھ رہا ہے،تو تم عام لوگوں سے الگ ہو کر عزلت نشین ہو جاؤ۔(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۳۴۱،سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۰۵۸،سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۰۱۴)۔

(۳) زکوٰۃ ادا کرنے کا تیسرا فائدہ یہ ہے زکوٰۃ ادا کر کے انسان اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے بدن اور مال کی نعمت عطا فرمائی،عبادات بدنیہ انجام دے کر وہ نعمت بدن کا شکر ادا کرتا ہے اور زکوٰۃ ادا کر کے وہ نعمت مال کا شکر ادا کرتا ہے۔اور یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ وہ ایک فقیر کو دیکھے جس پر رزق کی تنگی ہو اور وہ اس سے سوال کرنے کا محتاج ہو۔پھر اس کے دل میں رحم نہ آئے اور وہ اس بات پر اللہ کا شکر ادا نہ کرے کہ اللہ نے اس کو سوال کرنے سے اور دوسرے کی طرف محتاج ہونے سے مستغنی کر دیا ہے اور وہ اس ضرورت مند فقیر کو زکوٰۃ،عشر اور صدقہ وخیرات دے کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کرے۔(احیاء علوم الدین ج۱ص ۲۰۳-۲۰۲،مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت،۱۴۱۹ھ)۔اور امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:(۴) جب انسان کے پاس مال اس کی ضروریات سے بہت زیادہ ہوگا تو وہ اس مال سے اپنے عیش وعشرت کے ذرائع اور وسائل مہیا کرے گا اور یوں اس کا دل دنیا کی رنگینیوں میں اور دنیا کی مرغوب چیزوں اور لذتوں میں لگا رہے گا اور آخرت کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوگا یا کم متوجہ ہوگا۔اور وہ سوچے گا کہ عبادات اور نیک کاموں اور زکوٰۃ،عشر اور صدقہ وخیرات ادا کرنے سے اس کے مال میں کمی ہوگی اور اس وجہ سے وہ نیک کاموں میں اپنے مال کو بالکل خرچ نہیں کرے گا یا کم کرے گا۔(۵) مال کی کثرت سے انسان میں غرور اور تکبر پیدا ہوگا اور سرکشی اور بغاوت پیدا ہوگی اور زکوٰۃ اور صدقات ادا کرنے سے اس کے تکبر اور سرکشی میں کمی ہوگی اور اس کا دل اللہ سے مغفرت طلب کرنے اور اس کی رضا جوئی کی طرف متوجہ ہوگا۔(۶) جب انسان زکوٰۃ اور عشر ادا کرے گا اور صدقہ وخیرات

کرے گا تو ضرورت مند لوگ اس کے لیے دعائیں کریں گے اور اس کی دعاؤں سے اس کا مال نقصان اور بربادی سے محفوظ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض۔ (الرعد:۱۷) ترجمہ: اور رہی وہ چیز جو لوگوں کو نفع پہنچاتی ہے تو وہ زمین میں برقرار رہتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زکوٰۃ سے اپنے اموال کی حفاظت کرو، اور صدقات سے اپنے بیماروں کی دوا کرو اور مصائب کے لیے دعا کو تیار رکھو۔ (المعجم الکبیرج ۱۰ رقم الحدیث: ۱۰۱۹۶، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۰۴، ج ۴ ص ۲۳۷، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۱۷، تاریخ بغداد ج ۶ ص ۳۳۴، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کا ایک راوی متروک الحدیث ہے، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۴، حافظ سیوطی نے کہا یہ حدیث ضعیف ہے، الجامع الصغیر ج ۱ رقم الحدیث: ۳۷۲۸)۔ (۷) مال بہت جلد ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن جب انسان اس مال کو نیکی کی راہ میں خرچ کرے گا تو وہ نیکیاں باقی رہیں گی۔ دنیا میں ان کی تعریف کی جائے گی اور آخرت میں اجر ملے گا۔ ایک شخص نے کہا: کاش! میں اپنے تمام مال کو قبر میں لے جا سکتا! میں نے کہا: یہ ممکن ہے، تم اپنے تمام مال کو اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا میں خرچ کر دو، تم کو یہ مال قبر میں ملے گا اور آخرت میں بھی۔ (۸) مال داروں کے پاس بہت زیادہ مال ان کی ضروریات سے زائد ان کی تجوریوں اور بینکوں میں معطل پڑا رہتا ہے اور فقراء اور ضرورت مندوں کے پاس اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے بھی مال نہیں ہوتا، تو اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کی متقاضی ہوئی کہ زکوٰۃ اور صدقات کے ذریعہ مال داروں کے زائد مال میں سے بقدر ضرورت زکوٰۃ اور صدقات کے ذریعہ ضرورت مندوں تک پہنچایا جائے۔ (۹) اگر مال دار ضرورت مندوں اور فقیروں کی مالی امداد نہ کریں تو ہو سکتا ہے کہ ضرورت مند فقراء اپنی تنگی اور فقر سے تنگ آ کر بغاوت پر اتر آئیں اور چوریاں، ڈاکے اور لوٹ مار اور بھتہ خوری شروع کر دیں اور زکوٰۃ اور صدقات کی ادائیگی کے ذریعہ اس بغاوت کا سدِ باب ہو سکتا ہے۔ (۱۰) زکوٰۃ اور صدقات کی ادائیگی کر کے انسان اللہ کی مخلوق پر شفقت کرتا ہے اور ان کی پرورش کرتا ہے۔ ان کے لیے رزق فراہم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت سے متصف ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام اور صالحین کے اخلاق سے متخلق ہوتا ہے۔

زکوٰۃ لینے والے کے حق میں زکوٰۃ کی حکمتوں اور مصلحتوں کا بیان

(۱) مغیرہ بن عامر نے کہا: شکر نصف ایمان ہے اور صبر نصف ایمان ہے اور یقین مکمل ایمان ہے۔ (موسوعہ رسائل ابن ابی الدنیا ج ۳ ص ۲۰، مؤسسۃ الثقافیہ بیروت ۱۴۱۴ھ، شعب الایمان ج ۴ ص ۱۰۹، رقم الحدیث: ۴۴۴۸)۔ زکوٰۃ دینے والا اپنے مال کے کم ہونے پر صبر کرتا ہے اور ضرورت مند فقیر زکوٰۃ کی صورت میں مال لے کر شکر ادا کرتا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ مال دار نے پہلے مال ملنے پر اللہ کا شکر ادا کیا، پھر زکوٰۃ کی ادائیگی سے جو مال میں کمی ہوئی اس پر صبر کیا تو زکوٰۃ کی وجہ سے اس کا ایمان مکمل ہو گیا۔ اسی طرح حاجت مند فقیر نے پہلے مال نہ ہونے پر صبر کیا اور زکوٰۃ کی شکل میں مال ملنے پر اللہ کا شکر ادا کیا تو زکوٰۃ کی وجہ سے اس کا ایمان بھی مکمل ہو گیا۔ نیز حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مصیبت میں مبتلا ہو تو اس نے صبر کیا اور اس کو نعمت دی گئی تو اس نے شکر ادا کیا۔ اس پر ظلم کیا گیا تو اس نے معاف کر دیا اور اس نے خود ظلم کیا تو اس پر استغفار کیا۔ پوچھا گیا اس کے لیے کیا اجر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہی لوگ عذاب سے مامون ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

(۲) ہر چند کہ اللہ تعالیٰ نے غنی کو بہت مال دیا ہے اور فقیر کو مال نہیں دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے غنی کو اس بات کا مکلف کیا ہے کہ وہ

فقیر کو زکوٰۃ ادا کرے اور فقیر کا غنی پر احسان ہے کہ وہ اس سے زکوٰۃ قبول کر کے اس کو دوزخ کے عذاب سے چھڑاتا ہے۔ غنی کا فقیر کو زکوٰۃ دینے کی وجہ سے اس کی دنیا پر احسان ہے اور فقیر کا غنی کی آخرت پر احسان ہے اور اخروی احسان دنیاوی احسان سے زیادہ بڑا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے فقیر کو اس بات کا مکلف نہیں کیا کہ وہ غنی کے پاس جا کر اس سے زکوٰۃ مانگے۔ بلکہ غنی کو اس بات کا مکلف کیا ہے کہ وہ فقیر کے پاس جا کر زکوٰۃ ادا کرے۔ فقیر اپنی دنیا میں غنی کا محتاج ہے تو غنی اپنی آخرت میں فقیر کا محتاج ہے۔

فقیر کے معنی ومفہوم کا بیان

فقیر کا معنی فقیر کا لفظ چار معانی میں استعمال ہوتا ہے: (۱) حاجتِ ضروریہ کا وجود مثلاً جن کو غذا، لباس اور مکان کی حاجب ہو اور اس معنی میں ہر شخص فقیر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یایہا الناس انتم الفقرآء الی اللہ۔ (فاطر:۱۰) ترجمہ: اے لوگو! تم سب اللہ کی طرف محتاج ہو۔ (۲) جس شخص کے پاس مال جمع نہ ہو۔ فقہی اصطلاح میں جو شخص دوسو درہم (باون اعشاریہ ۵ تولہ چاندی) کا مالک نہ ہو یا اس کے پاس اس کی حاجت اصلیہ سے زائد دوسو درہم کے مساوی رقم نہ ہو اور وہ مستحق زکوٰۃ ہو، فقہاء احناف کے نزدیک فقیر کا یہی معنی ہے اور سورۃ توبہ: ۶۰ میں یہی معنی مراد ہے۔ اسی طرح یہ آیت بھی ہے: للفقرآءِ الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض یحسبہم الجاہل اغنیآء من التعفف۔ (البقرہ:۲۷۳) ترجمہ: (یہ خیرات) ان فقراء کا حق ہے جو خود کو اللہ کی راہ میں وقف کیے ہوئے ہیں جو (ان میں شدت اشغال کی وجہ سے) زمین میں سفر کی طاقت نہیں رکھتے، ناواقفِ حال ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ان کو غنی سمجھتا ہے۔

(۳) نفس کا بہت زیادہ حریص ہونا، اس حدیث میں فقر اسی معنی میں ہے۔ یزید بن ابان رقاشی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریب ہے کہ فقر (زیادہ حرص) کفر ہو جائے اور قریب ہے کہ حسد تقدیر پر غالب ہو جائے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۵۳ طبع قدیم، ج ۳ ص ۶۲۔۶۱، رقم: ۳۱۶۹ طبع جدید، تاریخ اصبہان ج ۱ ص ۹۰، الضعفاء للعقیلی ج ۴ ص ۲۰۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۶۶۸۲، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۰۵۱، العلل المتناہیہ ج ۲ ص ۳۲۰)

اور اس فقر کے مقابل غنی کا یہ معنی ہے: ''غنی وہ شخص ہے جس کا دل غنی ہو''۔ (۴) اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج ہونا، قرآن مجید میں ہے: فقال رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر۔ (القصص:۲۴) ترجمہ: موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میں اس خیر و برکت کا محتاج ہوں جو تو نے میری طرف نازل کی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ہے: اے اللہ! مجھے اپنی طرف محتاج کر کے (دنیا سے) مستغنی کر دے اور اپنے آپ سے (یعنی اللہ سے) مستغنی کر کے مجھے (دنیا کا) محتاج نہ کر۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۹۶۔۴۹۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، ۱۴۱۸ھ)

مسکین کا معنی

مسکین کا معنی ہے جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو اور یہ فقیر کی بہ نسبت زیادہ تنگ دست ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: اما السفینۃ فکانت لمساکین۔ (الکہف:۷۹) ترجمہ: رہی کشتی تو وہ مسکینوں کے لیے تھی۔ اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے

کہ مسکین کے پاس کوئی چیز ہوتی ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ کشتی چھن جانے کے بعد ان کو مسکین فرمایا ہے۔دوسرا جواب یہ ہے کہ ان پر اس قدر زیادہ غربت اور مسکینی تھی کہ اس کے مقابلہ میں اس کشتی کا ہونا لائق شمار نہ تھا۔(المفردات ج۱ ص۳۱۲)

اور علامہ طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ نے لکھا ہے کہ مسکین کا معنی ہے جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے پاس تھوڑی سی چیز ہو۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ہے کہ اے اللہ! مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مجھے مسکینی کی حالت میں موت عطا فرما۔(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۳۵۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۱۲۶، سنن بیہقی ج۷ ص۱۲، المستدرک ج۴ ص۳۲۲) آپ نے اس سے تواضع کا ارادہ فرمایا اور یہ کہ آپ جبارین اور متکبرین میں سے نہ ہوں۔(مجمع بحار الانوار ج۳ ص۹۶، مطبوعہ مدینہ منورہ ۱۴۱۵ھ)

فقیر اور مسکین کے معنی میں مذاہب ائمہ کا بیان

حسن بصری نے کہا: فقیر وہ ہے جو اپنے گھر میں بیٹھا رہے اور مسکین وہ ہے جو سعی کرتا رہے۔حضرت ابن عباس نے فرمایا: مساکین گھومنے پھرنے والے ہیں اور فقراء مسلمین ہیں۔جابر بن زید نے کہا: فقیر اپاہج ہے اور مسکین وہ ہے جو تندرست اور محتاج ہو۔اور عکرمہ نے کہا کہ فقراء کا اطلاق فقراء مسلمین پر ہوتا ہے اور مساکین کا اطلاق، اہل کتاب کے مساکین پر ہوتا ہے۔امام ابوجعفر طبری کا مختار یہ ہے کہ جو سوال نہیں کرتے وہ فقراء ہیں اور جو سوال کرتے ہیں وہ مساکین ہیں۔

(جامع البیان ج۱۰ ص۲۰۵-۲۰۷، ملخصاً مطبوعہ بیروت)۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ مال ہو لیکن وہ نصاب زکوٰۃ سے کم ہو۔اور مسکین وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔اور امام شافعی کا قول اس کے برعکس ہے اور امام مالک کے نزدیک فقیر اور مسکین مساوی ہیں۔اور امام احمد کا مذہب بھی امام شافعی کی مثل ہے۔(الجامع لاحکام القرآن جز۸ ص۹۸-۹۶، عنایت القاضی ج۴ ص۵۸۶-۵۸۵، زاد المسیر ج۳ ص۴۵۶)

امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ مسکین کے متعلق قرآن مجید میں ہے: رہی کشتی تو وہ مسکینوں کے لیے تھی۔(الکہف:۷۹) اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسکین کے پاس کچھ مال ہوتا ہے۔امام ابوحنیفہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ وہ کشتی ان کی ملکیت نہیں تھی۔وہ اس کو کرائے پر چلاتے تھے یا انہوں نے اس کشتی کو عاریتاً لیا ہوا تھا۔یا دراصل وہ فقیر تھے۔ان کو ازراہ ترحم مجازاً مسکین فرمایا: امام شافعی کا دوسرا استدلال اس حدیث سے ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! مجھے بحالت مسکین زندہ رکھ اور بحالت مسکین مجھے موت عطا فرما۔اور قیامت کے دن مساکین کی جماعت میں میرا حشر فرما۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کیوں کی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مساکین اغنیاء سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔اے عائشہ! مسکین کو رد نہ کرو۔خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی دو۔اے عائشہ! مساکین سے محبت رکھو اور ان کو قریب رکھو۔قیامت کے دن اللہ تمہیں قریب رکھے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۳۵۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۱۲۶، المستدرک ج۴ ص۳۲۲، سنن بیہقی ج۷ ص۱۲)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکین کے حال میں رہنے کی دعا کی ہے اور ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر سے پناہ مانگی ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں

فقر، قلت اور ذلت سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں ظلم کرنے یا ظلم سہنے سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵٤٤، سنن النسائی رقم الحدیث: ٥٤٧٥، صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٣٦٨)

امام شافعی کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اگر مسکین مالی طور پر فقیر سے کم ہو تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فقر سے پناہ مانگیں اور مسکین ہونے کی دعا فرمائیں جو کہ فقیر سے زیادہ ابتر حال ہے اور یہ تناقص کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر سے پناہ مانگی ہے اس حدیث میں فقر سے مراد قلت مال نہیں ہے بلکہ اس سے مراد فقر النفس ہے۔ یعنی وہ شخص جو مال پر بہت حریص ہو۔ اور اس فقر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بھی فرماتے تھے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، سوال سے بچنے اور غناء کا سوال کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۲۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٤٨٩، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٣٨٣٢، الادب المفرد رقم الحدیث: ٦٧٤، مسند احمد ج۱ ص۴۱۱)

اور اس حدیث میں غنیٰ سے مراد کثرت مال نہیں ہے بلکہ اس سے غنی النفس مراد ہے۔ یعنی نفس کا مستغنی ہونا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکین کے حلا میں رہنے کی جو دعا کی ہے اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور انکسار ہے۔ امام شافعی کی طرف سے یہ دلیل بھی دی گئی ہے کہ سورۂ توبہ کی اس آیت میں فقیر کو مسکین پر مقدم کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقیر کا حال مسکین سے زیادہ برا ہوتا ہے اور فقیر وہ ہے جس کے پاس بالکل مال نہ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ کچھ مال ہو۔ اس کا یہ جواب ہے کہ تقدم کے کئی اعتبار ہوتے ہیں اور یہاں تقدم ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کے طور پر ہے۔ پہلے فقیر کا ذکر کیا جس کے پاس کچھ مالیت ہوتی ہے۔ اس کے بعد مسکین کا ذکر کیا جس کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا اور مسکین کے اس معنی پر امام ابوحنیفہ کی طرف سے یہ دلیل دی جاتی ہے: **مسكينا ذا متربة** (البلد: ١٦) یعنی مسکین وہ شخص ہے جس نے بھوک کی شدت سے اپنا پیٹ زمین سے چمٹایا ہوا ہے۔

والعاملين عليها کا معنی اور اس کے شرعی احکام یعنی جو لوگ زکوٰۃ اور صدقات کو وصول کر کے لاتے ہیں۔ ان کو ان کی محنت اور مشقت کے مطابق مال زکوٰۃ سے اجرت دی جائے لیکن یہ اجرت اتنی نہیں ہونی چاہئے کہ وہ زکوٰۃ کی وصول کردہ تمام رقم یا اس کے نصف پر محیط ہو۔ (عنایت القاضی ج٤ ص٥٨٧)

اگر عامل کو اس مہم کے دوران کوئی شخص ذاتی طور پر کچھ ہدیہ اور تحفہ دے تو وہ اس کے لیے جائز نہیں ہے۔ وہ اس کو بھی وصول شدہ زکوٰۃ کی مد میں شامل کر دے۔ حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن اللتبیہ کو بنو سلیم کے صدقات وصول کرنے کا عامل بنایا۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے حساب لیا تو اس نے کہا: یہ وہ مال ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دیا گیا ہے اور یہ وہ ہدیہ ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے باپ اور اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھے رہے حتیٰ کہ تمہارے پاس ہدیے آتے اگر تم سچے ہو۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: میں تم میں سے کسی شخص کو کسی کام پر عامل بناتا ہوں جس کام کا اللہ نے مجھے ولی بنایا ہے۔ پھر تم میں سے کوئی شخص میرے پاس آکر کہتا ہے یہ حصہ تمہارے لیے ہے اور یہ حصہ

مجھے ہدیہ کیا گیا ہے۔ پس وہ شخص کیوں نہ اپنے اپ کے گھر میں یا اپنی ماں کے گھر میں جا کر بیٹھا۔ حتیٰ کہ اس کے پاس ہدیہ آتا۔ اگر وہ سچا ہے۔ اللہ کی قسم! تم اس مال میں سے جو چیز بھی ناحق لوگے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس چیز کو اس کے اوپر لاد دے گا۔ سنو! میں اس شخص کو قیامت کے دن ضرور پہچان لوں گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ بلند کیے حتیٰ کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کی سفیدی (کی جگہ) دیکھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! کیا میں نے پیغام پہنچا دیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۱۹۷، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۸۳۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۹۴۶، سنن دارمی رقم الحدیث:۱۶۶۹)۔

حضرت عدی بن عمیر کندی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! تم میں سے جس شخص نے ہمارے لیے کوئی عمل کیا پھر اس میں سے کوئی چیز چھپالی خواہ وہ سوئی ہو یا اس سے بھی کمتر چیز تو وہ خیانت ہے اور وہ قیامت کے دن اس چیز کو لے کر آئے گا۔ تب ایک سیاہ فام انصاری اٹھا اور کہنے لگا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا عمل مجھ سے لے لیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اس طرح فرماتے سنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے یہ کہا ہے کہ جس کو ہم کوئی کام سونپیں تو وہ قلیل اور کثیر ہر چیز لے کر آئے۔ پھر اس کو جو دے دیا جائے، وہ لے لے۔ اور جو نہ دیا جائے وہ نہ لے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۸۳۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۵۸۱)

مؤلفۃ القلوب کی تعریف اور ان کو زکوٰۃ میں سے دینے کے متعلق مذاہب فقہاء

ادائیگی زکوٰۃ کا چوتھا مصرف مؤلفۃ القلوب ہیں۔ یعنی وہ لوگ جن کے دلوں کو اسلام کی طرف راغب کرنا مقصود ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ وہ آزاد اور معزز لوگ ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ حنین میں عطا فرمایا تھا۔ یہ پندرہ آدمی تھے: ابوسفیان، اقرع بن حابس، عیینہ بن حصن، حویطب عب عبدالعزیٰ، سہل بن عمرو، حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو الجمحی، ابوالسنابل، حکیم بن حزام، مالک بن عوف، صفوان بن امیہ، عبدالرحمن بن یربوع، جد بن قیس، عمرو بن مرداس اور العلاء بن الحارث۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر شخص کو سو اونٹ دیئے اور ان کو اسلام کی ترغیب دی۔ ماسوا عبدالرحمن بن یربوع کے۔ اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس اونٹ دیئے اور حکیم بن حزام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر اونٹ دیئے۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے خیال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطاء کا مجھ سے زیادہ کوئی اور مستحق نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی سو اونٹ پورے کر دیئے۔ مؤلفۃ القلوب کی دو قسمیں ہیں: مسلمان اور کفار۔ مسلمانوں کو صدقات میں سے اس لیے دیا جاتا ہے کہ ان کا ایمان قوی رہے۔ یا ان کے مماثل لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لیے اور کفار کو اسلام کی ترغیب دینے کے لیے یا ان کے شر سے بچنے کے لیے ان کو زکوٰۃ اور صدقات سے دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ کو عطا فرمایا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اسلام کی طرف میلان دیکھا۔ علامہ واحدی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکین کے قلوب کی تالیف سے مستغنی کر دیا ہے۔ اگر مسلمانوں کا سربراہ یہ دیکھے کہ اس میں مسلمانوں کا کوئی فائدہ ہے اور ان کے مسلمان ہو جانے سے مسلمانوں کو نفع پہنچے گا تو ان کو مال فئے سے عطا کرے، زکوٰۃ نہ دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا مصرف، مصارف زکوٰۃ سے اب ساقط ہو چکا ہے اور یہی شعبی کا قول ہے۔

امام مالک، ثوری، امام ابوحنیفہ اور اسحاق بن راہویہ کا بھی مذہب ہے اور حسن بصری سے یہ مروی ہے کہ ان کا حصہ اب بھی ثابت ہے۔ زہری، ابوجعفر محمد بن علی اور ابوثور کا بھی مذہب ہے اور امام احمد نے یہ کہا ہے کہ اگر مسلمانوں کو ان کی ضرورت ہو تو ان کو زکوٰۃ سے دیا جائے گا ورنہ نہیں۔ (اللباب فی علوم الکتاب ج ۱۰ ص ۱۲۶۔۱۲۵، دارالکتاب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

قاضی بیضاوی شافعی نے کہا: مولفۃ القلوب وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام قبول کرلیا اور اسلام قبول کرنے میں ان کی نیت ضعیف تھی۔ تو ان کے قلوب کو اسلام پر قائم اور برقرار رکھنے کے لیے ان کو عطا کیا جاتا ہے۔ یا ایسے معزز لوگ کہ اگر ان کو عطا کیا جائے تو ان کو دیکھ کر ان جیسے دوسرے معزز لوگ اسلام لے آئیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیینہ بن حصین، اقرع بن حابس اور عباس بن مرداس کو اسی وجہ سے عطا فرمایا تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ معزز لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے ان کو خمس کے اس پانچویں حصہ سے عطا فرماتے تھے جو خالص آپ کا حصہ تھا، اور کفار اور مانعین زکوٰۃ سے قتال کرنے کی طرف مائل کرنے کے لیے جن کو عطا کیا جائے وہ بھی اس میں داخل ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کو اس لیے دیا جاتا تھا کہ مسلمانوں کی تعداد میں کثرت ہو اور اب جبکہ اللہ نے مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمادیا ہے اور مسلمانوں کی کثرت ہوگئی ہے تو ان کا حصہ ساقط ہوگیا۔ (انوارالتنزیل مع عنایت القاضی ج ۴ ص ۵۸۷، مطبوعہ دارالکتاب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں: مصارف زکوٰۃ میں سے مؤلفۃ القلوب کا حصہ اب ساقط ہوچکا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمادیا ہے اور ان سے مستغنی کردیا ہے اور اس پر اجماع منعقد ہوچکا ہے۔

(ہدایہ اولین ص ۲۰۴، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام الحنفی المتوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں: اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع منعقد ہوچکا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو رد کیا تھا۔ عیینہ اور اقرع نے حضرت ابوبکر سے ایک زمین کو طلب کیا۔ حضرت ابوبکر نے ان کو خط لکھ دیا۔ حضرت عمر نے اس خط کو پھاڑ دیا اور کہا: یہ وہ چیز ہے جو تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطا کرتے تھے، تاکہ تم کو اسلام پر راغب کریں لیکن اب اللہ نے اسلام کو غلبہ عطا کردیا ہے اور تم سے مستغنی کردیا ہے۔ اب اگر تم اسلام پر ثابت قدم رہتے ہو تو فبہا ورنہ اب ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار ہے۔ پھر وہ حضرت ابوبکر کے پاس گئے اور کہا: خلیفہ آپ ہیں یا عمر؟ حضرت ابوبکر کی رائے حضرت عمر کے موافق ہوگئی اور صحابہ میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ اگر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی رائے برحق نہ ہوتی تو صحابہ اس پر ضرور انکار کرتے اور یقیناً ان کے پاس کوئی ایسی دلیل ہوگی جس سے ان کو علم ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے اس حکم کو منسوخ کردیا تھا۔ یا یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے ساتھ مقید تھا۔ یا یہ حکم کسی علت کے ساتھ معلل تھا اور اب وہ علت نہیں تھی، اور حضرت عمر نے ان کے سامنے یہ آیت پڑھی تھی: وقل الحق من ربکم فمن شآء فلیؤمن ومن شآء فلیکفر۔ (الکہف: ۲۹) ترجمہ: آپ کہیے کہ حق تمہارے رب کی جانب سے ہے سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

(فتح القدیر ج ۲ ص ۲۶۵، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن محمود بابرتی حنفی متوفی ۷۸۶ ھ لکھتے ہیں: علامہ علاء الدین عبدالعزیز نے کہا: ان کی تالیف قلوب سے مقصود دین کا اعزاز اوغلبہ تھا۔ کیونکہ غلبہ کفر کے زمانہ میں اسلام کمزور تھا۔ اس وقت تالیف قلوب کے لیے عطا کرنے میں دین کا اعزاز تھا اور جب حال بدل گیا اور اللہ نے اسلام کو غلبہ عطا فرما دیا تو اب دین کا اعزاز ان کو نہ دینے میں ہے اواصل مقصود دین کا اعزاز ہے۔ وہ اپنے حال پر باقی ہے اور منسوخ نہیں ہوا۔ اس کی مثال یہ ہے جب پانی نہ ہو تو طہارت کے حصول کے لیے مٹی سے تیمم کرنا ضروری ہے۔ اور جب حال بدل جائے اور پانی مل جائے تو اب مٹی سے تیمم کرنے کا حکم ساقط ہو جائے گا اور پانی کا استعمال کرنا ضروری ہوگا۔ کیونکہ اب طہارت کے حصول کے لیے پانی کا استعمال کرنا متعین ہے۔ اسی طرح دین کا اعزاز پہلے مؤلفۃ القلوب کو دینے میں تھا اب نہ دینے میں ہے اور اصل حکم دین کا اعزاز ہے۔ وہ منسوخ نہیں ہوا۔ (العنایہ ج ۲ ص ۲۶۶۔۲۶۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے زکوٰۃ میں حصہ جس غلام کے متعلق اس کے مالک نے یہ کہا ہو کہ اگر اس نے اتنے روپے مجھے ادا کر دیئے تو یہ آزاد ہے۔ اس غلام کو مکاتب کہتے ہیں اور اس کی آزادی میں تعاون کرنے کے لیے زکوٰۃ میں سے اس کو حصہ دینا مشروع کیا گیا ہے۔ حسین بیان کرتے ہیں کہ ایک مکاتب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، وہ اس وقت جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ اس نے حضرت ابوموسیٰ سے کہا: اے امیر! لوگوں کو میرے لیے برانگیختہ کیجئے۔ تو حضرت ابوموسیٰ نے مسلمانوں کو برانگیختہ کیا۔ پس لوگوں نے اس کو کپڑے اور انگوٹھیاں دیں۔ حتیٰ کہ بہت مال جمع ہو گیا۔ حضرت ابوموسیٰ نے اس مال کو جمع کر کے فروخت کیا اور اس کی مکاتبت ادا کر دی اور باقی مال بھی غلاموں کو آزاد کرانے میں صرف کر دیا۔ اور لوگوں کو یہ رقم واپس نہیں کی اور یہ کہا کہ لوگوں نے یہ رقم غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے دی ہے۔ (جامع البیان جز ۱۰، ص ۲۱۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ لکھتے ہیں: الرقاب (غلاموں کو آزاد کرانے) کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں: (۱) اس سے مراد مکاتب ہیں تاکہ ان کو زکوٰۃ کے مال سے آزاد کرایا جائے۔ (۲) امام مالک وغیرہ نے یہ کہا کہ مال زکوٰۃ سے غلام خرید کر ان کو آزاد کرایا جائے۔ (۳) امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ مال زکوٰۃ سے مکمل غلام آزاد نہ کرایا جائے بلکہ مال زکوٰۃ سے کچھ رقم غلام کے لیے دی جائے اور اس سے مکاتب کی گردن آزاد کرانے میں مدد کی جائے۔ کیونکہ وفی الرقاب فرمانے کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا مال زکوٰۃ میں کچھ دخل ہونا چاہیے۔ اور یہ اس کے منافی ہے کہ مال زکوٰۃ سے مکمل غلام آزاد کیا جائے۔

غلاموں، مقروضوں، اللہ کی راہ میں اور مسافروں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کے لیے تملیک ضروری نہیں بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ مکاتب کی اجازت سے زکوٰۃ میں اس کا حصہ اس کے مالک کو دے دیا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے چار مصارف کا ذکر لام تملیک کے ساتھ کیا ہے۔ اور جب رقاب کا ذکر کیا تو لام کے بجائے ''فی'' کا ذکر کیا اور فرمایا وفی الرقاب اور اس فرق کا کوئی فائدہ ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے چار مصارف میں زکوٰۃ میں سے ان کا حصہ ان کو دے کر ان کو ان حصص کا مالک بنا دیا جائے اور باقی مصارف میں زکوٰۃ میں ان کا حصہ ان کے مصالح اور ان کی بہتری اور ان کے فوائد میں خرچ کیا جائے اور ان کو ان کا مالک نہ بنایا جائے۔

زمخشری نے کہا ہے کہ آخری چار مصارف میں لام کی بجائے "فی" کا ذکر کیا ہے اور اس میں یہ بتانا ہے کہ آخری چار مصارف پہلے چار مصارف سے صدقہ اور زکوٰۃ دیئے جانے کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ "فی" ظرفیت کے لیے آتا ہے اور اس میں تنبیہ ہے کہ وہ صدقات کا ظرف اور محل ہیں اور فی سبیل اللہ وابن السبیل میں جو "فی" کا تکرار کیا ہے اس میں اس میں یہ تنبیہ ہے کہ ان دو مصرفوں کو یعنی فی سبیل اللہ اور ابن السبیل کو پہلے دو مصرفوں پر زیادہ ترجیح ہے اور غلام آزاد کرانے اور مقروض کا قرض ادا کرنے کی بہ نسبت مالِ زکوٰۃ کو اللہ کے راستہ میں اور مسافروں پر خرچ کرنا زیادہ راجح ہے۔

(اللباب فی علوم الکتاب ج ۱۰ ص ۱۲٦، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱٤۱۹ھ)۔

قاضی شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر خفاجی حنفی متوفی ۱۰٦۹ھ لکھتے ہیں: پہلے چار مصارف کے ساتھ لام اور آخری چار مصارف کے ساتھ "فی" ذکر کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ پہلے چار مصارف میں ان کو زکوٰۃ سے ان کا حصہ ادا کر کے ان کو ان حصوں کا مالک بنا دیا جائے اور آخری چار مصارف میں ان کو زکوٰۃ میں سے ان کے حصہ کا مالک نہیں بنایا جائے گا بلکہ ان کا حصہ ان کی فلاح اور ان کے مصالح میں خرچ کیا جائے گا۔ مکاتب کا مال اس کے مالک کو دیا جائے گا اور مقروض کا مال (اس کے حصہ کی زکوٰۃ) اس کے قرض خواہ کو دیا جائے گا اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا بالکل واضح ہے۔ اور مسافر بھی اللہ کے راستے میں داخل ہے۔ اس کو علیحدہ اس لیے ذکر کیا ہے تا کہ اس کی خصوصیت پر تنبیہ ہو۔ (عنایت القاضی ج ٤ ص ٥٨٨، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱٤۱۷ھ)۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ٦۰٦ھ پہلے چار مصارف میں لام اور آخری چار مصارف میں "فی" کو ذکر کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: پہلے چار مصارف میں ان کو زکوٰۃ سے ان کا حصہ دے کر ان کو مالک بنا دیا جائے گا کہ وہ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں اور غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے ان کا حصہ ان کو نہیں دیا جائے گا اور نہ ان کو اس پر تصرف کی قدرت دی جائے گی کہ وہ اس میں جس طرح چاہیں تصرف کریں بلکہ ان کی طرف سے ان کی قیمت ادا کر دی جائے گی۔ اسی طرح مقروضوں کی زکوٰۃ کا حصہ ان کے قرض خواہوں کو دے دیا جائے گا۔ اسی طرح مجاہدین کی زکوٰۃ کا حصہ ان کی ضرورت اسلحہ خریدنے میں خرچ کیا جائے گا اور اسی طرح مسافروں کی ضرورت کی چیزوں میں ان کا حصہ خرچ کیا جائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلے چار مصارف میں ان کے حصص ان کو دے دیئے جائیں گے کہ وہ جس طرح چاہیں خرچ کریں اور آخری چار مصارف میں ان کو ان کے حصص نہیں دیئے جائیں گے بلکہ جس جہت سے وہ زکوٰۃ کے مستحق ہیں اس جہت میں ان کے حصہ کی زکوٰۃ کو خرچ کیا جائے گا۔

(تفسیر کبیر ج ٦ ص ۸۷-۸٦، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱٤۱۰ھ)۔

مفسرین حنبلیہ میں سے علامہ عمر بن علی الدمشقی حنبلی نے اور مفسرینِ شافعیہ میں سے امام رازی کے علاوہ، علامہ خازن شافعی متوفی ۷۲٥ھ نے یہی لکھا ہے کہ زکوٰۃ کے پہلے چار مصارف میں تملیک ضروری ہے اور آخری چار مصارف میں تملیک کے بجائے ان کی ضروریات اور مصالح میں زکوٰۃ خرچ کی جائے۔ (تفسیرِ خازن ج ۲ ص ۲٥۳)

اور مفسرینِ احناف میں سے علامہ خفاجی کے علاوہ علامہ محی الدین شیخ زادہ حنفی متوفی ۹٥۱ھ اور علامہ ابو السعود محمد بن عمادی

حنفی متوفی ۹۸۲ھ اور علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی یہی لکھا ہے۔ (حاشیہ محی الدین شیخ زادہ ج ٤ ص ٤٧٨، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱٤۱۹ھ، تفسیر ابوالسعود ج ۳ ص ١٦٢، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱٤۱۹ھ، تفسیر روح المعانی ج ۱۰ ص ١٢٤، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت) غیر مقلدین میں سے نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے بھی یہی لکھا ہے۔ (فتح البیان ج ٥ ص ٣٣٢)۔ جن مفسرین نے ژرف نگاہی سے کام لیا اور اس پر غور کیا کہ پہلی چار اصناف کے لیے اللہ تعالیٰ نے لام کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور باقی چار اصناف کے لیے ''فی'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ انہوں نے اس سے یہ مستنبط کیا کہ پہلی چار قسموں میں سے جس کو زکوٰۃ ادا کی جائے اس کو اس مالِ زکوٰۃ کا مالک بنانا ضروری ہے اور دوسری چار قسموں کے شروع میں چونکہ لام تملیک نہیں ہے بلکہ ''فی'' کا ذکر ہے اس لیے ان میں ان کو مالِ زکوٰۃ کا مالک نہیں بنایا جائے گا بلکہ ان کے حصہ کی زکوٰۃ کو ان کی ضروریات اور ان کے مصالح میں خرچ کیا جائے گا۔ حنبلی، شافعی اور حنفی مفسرین کی تصریحات اس مسئلہ میں گزر چکی ہیں اور فقہاء مالکیہ کا بھی یہی موقف ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ غلام کو زکوٰۃ کا حصہ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کے حصہ سے غلام کو خرید کر آزاد کر دیا جائے۔

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں: امام مالک نے فرمایا کہ غلام کو آزاد کر دیا جائے اور اس کی ولاء مسلمانوں کے لیے ہوگی، (الی قولہ) اس میں اختلاف ہے کہ آیا مکاتب کو آزاد کرانے میں اس کی معاونت کی جائے یا نہیں۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ رقبہ (غلام) کا ذکر فرماتا ہے تو اس سے مکمل غلام آزاد کرنے کا ارادہ فرماتا ہے اور رہا مکاتب تو وہ غارمین (مقروضوں) کے کلمہ میں داخل ہے کیونکہ اس کے اوپر مکاتبت کا قرض ہوتا ہے اس لیے وہ رقاب میں داخل نہیں ہوگا۔

(الجامع لاحکام القرآن: ج۸ ص ۱۰۹)

صفوان بن امیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے موقع پر مجھے کچھ مال دیا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے نزدیک ساری مخلوق سے برے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ نہ کچھ دیتے رہے یہاں تک کہ وہ اب میرے نزدیک مخلوق میں محبوب ترین ہوگئے امام ترمذی فرماتے ہیں حسن بن علی نے بھی اسی طرح یا اس کے مثل روایت کی ہے اس باب میں ابوسعید رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے امام ترمذی کہتے ہیں کہ صفوان کی حدیث کو معمر وغیرہ زہری سے بحوالہ سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ صفوان نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیا۔۔۔ الخ۔ گویا کہ یہ حدیث اصح اور اشبہ ہے اہل علم کا مولفۃ القلوب کو مال دینے کے متعلق اختلاف ہے۔

اکثر علماء کا کہنا ہے کہ انہیں دینا ضروری نہیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک مخصوص جماعت تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دلوں کی مسلمانی ہونے کے لئے تالیف کرتے تھے یہاں تک کہ وہ لوگ مسلمان ہوگئے اس دور میں اس مقصد کے لئے ان کو زکوۃ وغیرہ نہ دی جائے یہ سفیان ثوری اور اہل کوفہ وغیرہ کا قول ہے امام احمد اور اسحاق بھی اسی کے قائل ہیں بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اس دور میں بھی اگر کچھ لوگ ایسے ہوں جن کے متعلق امام کا خیال ہو کہ ان کے دلوں کی تالیف کی جائے تو اس صورت میں انہیں دینا جائز ہے یہ امام شافعی کا قول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 648)

زکوٰۃ کے تمام مصارف میں تملیک ضروری ہونے پر فقہاء احناف کے دلائل

ہر چند کہ علامہ خفاجی، علامہ ابوسعود حنفی، علامہ شیخ زادہ حنفی اور علامہ آلوسی حنفی نے یہ تصریح کی ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ میں مالک بنانے کا تعلق اصناف زکوٰۃ میں سے صرف پہلی چار اصناف کے ساتھ ہے اور باقی چار اقسام میں تملیک نہیں کی جائے گی بلکہ مال زکوٰۃ کو ان کی ضروریات اور مصالح میں خرچ کیا جائے گا لیکن جمہور فقہاء احناف تملیک کو ادائیگی زکوٰۃ کا رکن قرار دیتے ہیں اور یہ زکوٰۃ کی تمام اصناف کے لیے رکن ہے۔ علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں: زکوٰۃ کا رکن یہ ہے کہ نصاب میں سے ایک جز کو اللہ کی طرف نکالا جائے اور اس کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے اور فقیر کو مالک بنا کر اس کے سپرد وہ مال کر کے مالک کا قبضہ اس جز سے منقطع ہو جائے۔ یا فقیر کے نائب کے سپرد کر دے جو زکوٰۃ وصول کرنے والا ہے اور ملک فقیر کے لیے اللہ کی طرف سے ثابت ہوگی اور صاحب مال فقیر کو مالک بنانے اور اس کے سپرد کرنے میں اللہ کی طرف سے نائب ہوگا۔ اس پر دلیل یہ آیت ہے: الم یعلموآ ان اللہ ھو یقبل التوبۃ عن عبادہ ویاخذ الصدقات۔ (التوبہ:۱۰۴) ترجمہ: کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات لیتا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: فقیر کی ہتھیلی پر آنے سے پہلے صدقہ رحمن کے ہاتھ میں آتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فقیر کو مالک بنانے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اتوا الزکوۃ۔ (البقرہ:۴۳) زکوٰۃ دو، اور الایتاء (دینا) تملیک ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو صدقہ فرمایا ہے۔ انما الصدقات للفقراء۔ (التوبہ:۶۰) اور تصدق کا معنی تملیک ہے۔ پس نصاب کا مالک زکوٰۃ کی مقدار کو اللہ کی طرف نکالنے والا ہوتا ہے۔ ہم نے یہ کہا ہے کہ فقیر کو زکوٰۃ سپرد کرتے وقت اس سے زکوٰۃ کی نسبت منقطع ہو جائے گی اور یہ خالص اللہ کے لیے ہو جائے گی۔ اور اللہ کی طرف زکوٰۃ نکالنے کا معنی عبادت اس وقت بنے گا جب فقیر کو مالک بنا کر وہ اس سے اپنی ملک کو باطل کر دے۔ بلکہ حقیقت میں مالک اللہ بناتا ہے اور صاحب مال تو اللہ کی طرف سے نائب ہے۔ اس قاعدہ کے مطابق مساجد، سرائے اور پانی کی سبیلیں بنانے، پلوں کی مرمت کرنے، مردوں کو دفن کرنے اور دیگر نیکی کے کاموں میں زکوٰۃ کو صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں تملیک (کسی کو مالک بنانا) بالکل نہیں پائی جاتی (کیونکہ یہ چیزیں وقف ہوتی ہیں اور وقف کا کوئی مالک نہیں ہوتا)۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے مال زکوٰۃ سے طعام خریدا اور فقراء کو صبح اور شام کھانا کھلایا اور ان کو بعینہ طعام نہیں دیا تو یہ بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں تملیک نہیں ہوئی۔ اور اگر اس نے مال زکوٰۃ سے کسی زندہ فقیر کا قرض اس کے حکم کے بغیر ادا کر دیا تو یہ بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں بھی فقیر کو مالک نہیں بنایا گیا اور اگر فقیر کے حکم سے اس کا قرض ادا کیا گیا ہے تو جائز ہے۔ کیونکہ اب فقیر کے لیے تملیک پائی گئی۔ گویا کہ فقیر نے مال زکوٰۃ پر قبضہ کیا اور اس کو قرض کی ادائیگی کے لیے وکیل بنا دیا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے مال زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کر دیا تو یہ جائز نہیں ہے اور امام مالک کے نزدیک یہ جائز ہے اور قرآن مجید میں جو ہے: وفی الرقاب۔ (التوبہ:۶۰) ان کے نزدیک اس کا یہی معنی ہے کہ مال زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کر دیا جائے۔ اور ہمارے نزدیک تملیک واجب ہے اور آزاد کرنا ملک کو زائل کرنا ہے اور ہمارے نزدیک وفی الرقاب کا معنی یہ ہے کہ مال زکوٰۃ سے مکاتبین کی امداد کی جائے۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۴۵۷۔ ۴۵۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اسی طرح علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں: مال زکوٰۃ سے مسجد بنائی جائے گی اور نہ میت کو کفن دیا جائے گا کیونکہ اس صورت میں تملیک نہیں ہے اور وہ رکن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو صدقہ فرمایا ہے اور صدقہ کی حقیقت یہ ہے کہ فقیر کو مال کا مالک بنادیا جائے۔ (فتح القدیر ج۲ ص۲۷۲، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۰ھ)

تملیک کی رکنیت کے دلائل کا تجزیہ

علامہ کاسانی نے تملیک پر یہ دلیل دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: واتوا الزکوٰۃ اور الایتاء کا معنی ہے کسی کو کسی چیز کا مالک بنانا۔ ہم اب کتب لغت میں الایتاء کا معنی دیکھتے ہیں۔ علامہ مجد الدین فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں: الایتاء کا معنی ہے کسی کو کوئی چیز عطا کرنا۔ (قاموس ج ٤ ص ٤٣٠) علامہ راغب اصفہانی متوفی ٥٠٢ھ نے لکھا ہے: الایتاء کا معنی ہے: الاعطاء۔ (المفردات ج۱ ص۱۰) علامہ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے لکھا ہے کہ کشاف میں ہے: الایتاء کا معنی الاعطاء میں مشہور ہو گیا۔ اس کا اصل معنی ہے کسی چیز کو حاضر کرنا۔ (تاج العروس ج۱۰ ص۸، مطبوعہ المطبعۃ المیمنہ مصر، ۱۳۰٦ھ) کتب لغت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ الایتاء کا معنی تملیک ہے، اور قرآن مجید کی متعدد آیات میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے اور وہاں اس کا معنی مالک بنانا متصور نہیں ہو سکتا۔

قال یقوم ارئیتم ان کنت علی بینۃ من ربی واتٰنی رحمۃ من عندہ فعمیت علیکم (ھود:۲۸)

ترجمہ: (نوح نے) کہا: اے میری قوم! یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت دی ہو سو وہ تم پر مخفی کر دی گئی۔

فلما اثقلت دعوا اللہ ربھما لئن اٰتیتنا صالحا لنکونن من الشکرین۔ (الاعراف:۱۸۹)

ترجمہ: پھر جب وہ حاملہ ہو گئی تو ان دونوں نے اپنے رب سے دعا کی اگر تو نے ہمیں نیک بیٹا دیا تو ہم ضرور تیرے شکر گزار ہو جائیں گے۔

فلما اٰتٰھما صالحا۔ (الاعراف:۱۹۰)

ترجمہ: پس اللہ نے جب انہیں بہترین بچہ دیا۔

فاٰتت اکلھا ضعفین۔ (البقرہ:۲٦٥)

ترجمہ: تو اس باغ نے دگنا پھل دیا۔

اٰتونی زبر الحدید۔ (الکہف:۹٦)

ترجمہ: مجھے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لا کر دو۔

اس لفظ کے تمام صیغوں اور قرآن مجید اور احادیث میں اس کے اطلاقات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ الایتاء کا معنی حاضر کرنا اور کسی چیز کو دینا اور مہیا کرنا ہے اور اس کے مفہوم میں تملیک داخل نہیں ہے۔ علامہ کاسانی اور علامہ ابن ہمام نے یہ بھی لکھا ہے کہ صدقہ کا معنی تملیک ہے۔ علامہ فیروز آبادی نے لکھا ہے: صدقہ وہ چیز ہے جس کو تم اللہ عزوجل کی ذات کے لیے دو۔ (قاموس ج ۳ ص ۲٦۸)۔ علامہ زبیدی نے لکھا ہے کہ صحاح میں مذکور ہے: جس چیز کو تم فقراء پر صدقہ کرو اور مفردات میں مذکور ہے: جس چیز کو

انسان اپنے مال سے بطورِ عبادت نکالتا ہے جیسے زکوٰۃ، لیکن صدقہ اصل میں نفلی خیرات کو کہتے ہیں اور زکوٰۃ خیراتِ واجبہ کو۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۶۰، تاج العروس ج ۶ ص ۴۰۵)۔ ان تصریحات سے واضح ہوگیا کہ صدقہ کے لغوی معنی میں تملیک کا مفہوم داخل نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ادائیگی زکوٰۃ میں تملیک کا رکن نہ ہونا

ائمہ ثلاثہ نے زکوٰۃ کی جو تعریف بیان کی ہے اس میں تملیک کا ذکر نہیں کیا۔ ان کے نزدیک تملیک زکوٰۃ کا رکن ہے نہ شرط۔ علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں: کسی مخصوص چیز کو مخصوص مال سے اوصافِ مخصوصہ کے ساتھ جماعتِ مخصوصہ کے لیے لینا شرعاً زکوٰۃ ہے۔ (الحاوی الکبیر ج ۴ ص ۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت) علامہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المالکی المتوفی ۱۱۲۲ھ لکھتے ہیں: علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ زکوٰۃ کا اطلاق صدقہ واجبہ پر، صدقہ مستحبہ پر، نفقہ پر، عفو پر اور حق پر کیا جاتا ہے اور اس کی شرعی تعریف یہ ہے: سال گزرنے کے بعد نصاب کے ایک جز کو فقیر اور اس کی مثل کو دینا وہ فقیر غیر ہاشمی اور غیر مطلبی ہو، اس کا رکن اخلاص ہے۔ اس کا سبب ایک سال تک نصاب کا مالک ہونا ہے۔ اس کی شرط عقل، بلوغ اور حریت ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ دنیا میں واجب ساقط ہو جاتا ہے اور آخرت میں ثواب ملتا ہے اور اس کی حکمت مال کو میل کچیل سے پاک کرنا ہے۔ (شرح الزرقانی علی الموطا امام مالک ج ۴ ص ۱۳۵۔۱۳۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ)۔ حافظ احمد بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی ابنِ عربی مالکی کی اس تعریف کو ذکر کر کے لکھا ہے۔ یہ بہت عمدہ تعریف ہے لیکن وجوب کی شرط میں اختلاف ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۶۴، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)۔ علامہ منصور بن یونس بہوتی متوفی ۱۰۴۶ھ لکھتے ہیں: زکوٰۃ کا شرعی معنی یہ ہے کہ یہ وہ حق ہے جو مالِ مخصوص میں جماعتِ مخصوصہ (فقراء وغیرہ) کے لیے وقتِ مخصوص میں واجب ہے۔ یعنی نصاب پر سال گزرنے کے بعد، اور مالِ مخصوص سے مراد مویشی، سونا چاندی، (دراہم، دینار) اور مالِ تجارت ہے۔

(کشاف القناع ج ۲ ص ۶۔۵، مطبوعہ عالم الکتب بیروت، ۱۴۱۷ھ)

آخری چار مصارف میں تملیک کا اعتبار نہ کرنے کا ثمرہ

فقہاء احناف نے تملیک کے ثبوت میں جو دلیل دی ہے کہ آتوا اور صدقہ کرنے کا معنی فقیر کو مالک بنانا ہے وہ کتب لغت اور قرآن مجید کی آیات سے ثابت نہیں ہے، اور ائمہ ثلاثہ نے زکوٰۃ میں تملیک کو رکن یا شرط قرار نہیں دیا۔ البتہ سورۂ توبہ کی اس آیت میں مذاہب اربعہ کے مفسرین نے للفقراء والمساكين والعملين عليها والمؤلفة قلوبهم میں لام کو تملیک کے لیے قرار دیا ہے اور وفي الرقاب والغرمين وفي سبيل الله وابن السبيل میں لام کی جگہ "فی" لانے کی وجہ ان مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ غلام آزاد کرنے اور مقروضوں کے قرض ادا کرنے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں پر خرچ کرنے کے لیے زکوٰۃ کی رقم کا ان کو مالک بنانا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ زکوٰۃ کی رقم کو ان کی ضروریات اور مصلحتوں میں بھی خرچ کیا جا سکتا ہے۔ خصوصاً حنفی مفسرین میں سے علامہ خفاجی، علامہ شیخ زادہ، علامہ ابوسعود اور علامہ آلوسی کا یہی مختار ہے۔ سو اگر ہمارے علماء احناف اس نظریہ سے اتفاق کر لیں تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ دینی مدارس، مساجد، ہسپتالوں اور دیگر فلاحی کاموں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جا سکے گی اور

حیلہ کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ہمارے اہلِ علم اور اہلِ فتویٰ حضرات کو اس پر غور کرنا چاہیے۔

زکوٰۃ میں مقروضوں کا حصہ

مقروض سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی جائز ضروریات میں مقروض ہوں، نہ کہ وہ لوگ جنہوں نے کسی گناہ کے ارتکاب کے لیے قرض لیا ہو۔ مثلاً کسی نے سینما ہاؤ، وڈیو شاپ یا شراب کی دکان کھولنے کے لیے قرض لیا ہو یا مثلاً کسی نے بے جا خرچ اور اسراف کے لیے قرض لیا ہو۔ مثلاً کسی نے اپنے بچوں کی شادی کے سلسلہ میں مروجہ رسومات بڑے پیمانہ پر منعقد کی ہوں اور مقروض ہو گیا ہو اور اس قرض کو ادا کرنے کے لیے اس کے پاس رقم نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ کی رقم نہیں دینی چاہیے۔ البتہ علامہ نووی شافعی نے ''الروضہ'' میں یہ لکھا ہے کہ اگر وہ توبہ کر لے تو پھر اس کو بھی زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے۔ مقروض خواہ غنی ہو لیکن اگر اس کے پاس قرض اتارنے کے لیے رقم نہیں ہے تو اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ حدیث میں ہے: عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی غنی کے لیے صدقہ لینا جائز نہیں ہے، مگر پانچ کے لیے: جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو، یا وہ صدقہ وصول کرنے والا عامل ہو، یا مقروض ہو یا جس شخص نے صدقہ کو اپنے مال سے خرید لیا ہو، یا جس شخص کا کوئی مسکین پڑوسی ہو اور اس پر کوئی چیز صدقہ کی گئی اور وہ مسکین غنی کو وہ چیز ہدیہ کر دے۔ (یہ روایت مرسل ہے)۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ١٦٣٥، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٨٤١، موطا امام مالک رقم الحدیث: ٣٠٧)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی غنی کے لیے صدقہ لینا جائز نہیں ہے۔ مگر اس غنی کے لیے جو اللہ کی راہ میں ہو، یا مسافر ہو، یا وہ کسی فقیر کا پڑوسی ہو اس فقیر پر صدقہ کیا جائے اور وہ غنی کو ہدیہ دے یا اس کی دعوت کرے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ١٦٣٧، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٨٤١، فردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ٧٦٤٦، مسند احمد ج ٣ ص ٥٦، المستدرک ج ١ ص ٤٠٧۔ اس حدیث کی سند حسن ہے اور اس کے راوی ثقہ اور مشہور ہیں)۔

زکوٰۃ میں فی سبیل اللہ کا حصہ

اس سے مراد یہ ہے کہ جہاد کرنے والوں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جائے اور ان کے لیے اسلحہ، گھوڑے اور کھانے پینے کی چیزیں خریدی جائیں۔ امام شافعی اور امام ابو یوسف کا یہی مذہب ہے اور امام محمد کے نزدیک جو مسلمان حج کے لیے جائیں وہ بھی اللہ کی راہ میں ہیں اور ان کو بھی زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہے۔ اس پر یہ اشکال ہے کہ اگر مجاہد یا حاجی کے پاس اس کے وطن میں نصاب کے برابر مال ہے اور سفر میں نہیں ہے تو وہ مسافر میں داخل ہے اور اگر سفر اور حضر دونوں میں وہ صاحب نصاب نہیں ہے تو پھر وہ فقیر میں داخل ہے۔ تو پھر فی سبیل اللہ ایک مستقل اور الگ مصرف نہ ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ شخص اپنے وطن میں مال دار ہے لیکن جب وہ جہاد کے لیے روانہ ہوتا ہے تو اس کو اسلحہ اور سواری کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف مسافر کو اسلحہ اور سواری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک غازی اور مجاہد کو اسی وقت زکوٰۃ دی جا سکتی ہے جب وہ محتاج ہو۔ باقی ائمہ کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔ امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں: فی سبیل اللہ کے الفاظ صرف غازیوں اور مجاہدین میں منحصر نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے قفال نے اپنی تفسیر میں بعض فقہاء سے یہ نقل کیا ہے کہ فقہاء نے زکوٰۃ کو نیکی کے تمام راستوں میں خرچ کرنے کی اجازت دی ہے۔ مثلاً مردوں کو کفن دیا جائے، قلعے بنائے جائیں اور مساجد بنائی جائیں۔ ان تمام امور میں زکوٰۃ کو خرچ

کرنا جائز ہے۔ کیونکہ فی سبیل اللہ کا لفظ ان سب کو شامل ہے۔ (تفسیر کبیر ج ٦ ص ٨٧، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ١٤١٥ھ)

زکوٰۃ میں مسافروں کا حصہ

اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس سفر میں مال اور اسباب نہ ہوں اور اس کو مدد کی ضرورت ہو۔ اس کو زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے۔ علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ١٢٧٠ھ لکھتے ہیں: مسافر سے مراد وہ مسافر ہے جس کے پاس مال نہ ہو۔ وہ زکوٰۃ قبول کرنے کے بجائے قرض مانگ لے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ "فتح القدیر" میں مذکور ہے کہ مسافر کے لیے اپنی ضرورت سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے اور مسافر کے ساتھ ہر وہ شخص لاحق ہے جس کے پاس مال نہ ہو۔ خواہ اس کے شہر میں اس کے پاس مال ہو اور "محیط" میں مذکور ہے کہ اگر تاجر کی رقوم لوگوں کے پاس قرض ہوں اور وہ ان سے قرض وصول کرنے پر قادر نہ ہو اور اس کے پاس مال نہ ہو تو اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ کیونکہ وہ مسافر کی طرح اس حال میں فقیر ہے۔ اور "خانیہ" میں اس کی تفصیل ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ اگر تاجر کا لوگوں پر میعادی قرض ہو اور وہ کھانے پینے میں محتاج ہو تو اس کے لیے قرض وصول ہونے کی مدت تک زکوٰۃ وصول کرنا جائز ہے۔ اور اگر قرض غیر میعادی ہو لیکن مقروض تنگ دست ہو تب بھی اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ کیونکہ وہ مسافر کی طرح ہے اور اگر مقروض امیر ہو تو پھر اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے۔ اور اگر گواہ عادل نہیں ہیں پھر بھی زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔ الا یہ کہ مقروض قاضی کے سامنے حلف اٹھائے کہ اس نے اس تاجر کو قرض نہیں دینا۔ پھر وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ اس مسئلہ میں قرض کی رقم نصاب سے کم نہیں ہونی چاہیے۔ (روح المعانی ج ١٠ ص ١٢٤، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

کسی ایک صنف کے ایک فرد پر زکوٰۃ کرنے کا جواز

مشہور یہ ہے کہ شافعیہ کے نزدیک لام تملیک کے لیے ہے اور یہی ان کے مذہب کا مقتضی ہے کیونکہ انہوں نے کہا کہ جب یہ تمام اصناف موجود ہوں تو ان تمام اصناف پر زکوٰۃ کو تقسیم کرنا واجب ہے اور چونکہ اس آیت میں ہر صنف کو جمع کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اس لیے ہر صنف کے تین افراد پر تقسیم کرنا واجب ہے اور ہمارے اور مالکیہ اور حنبلیہ کے نزدیک یہ جائز ہے کہ زکوٰۃ دینے والا ہر صنف پر زکوٰۃ تقسیم کرے یا کسی ایک صنف پر زکوٰۃ کی رقم صرف کرے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر صنف کے تین افراد پر زکوٰۃ کو تقسیم کرے۔ وہ کسی ایک فرد کو بھی پوری زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہے۔ کیونکہ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ کن لوگوں کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ ان سب کو زکوٰۃ دینا ضروری ہے۔ اور اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وان تخفوها وتوتوها الفقرآء فهو خيرٌ لكم۔ (البقرہ: ٢٧١)

ترجمہ: اگر تم صدقات خفیہ طریقہ سے دو اور وہ صدقات فقراء کو دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔

اس آیت میں فقراء کو زکوٰۃ دینے کو زیادہ بہتر فرمایا ہے اور فقراء ایک صنف ہیں۔ اور ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صدقہ کا مال آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک صنف میں دیا اور وہ مولفۃ القلوب تھے۔ پھر دوسری مرتبہ مال آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف مقروضوں کو دیا۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ صرف ایک صنف پر اقتصار کرنا جائز ہے۔ اور اس آیت میں جمع کے صیغوں پر الف لام جنس کا ہے۔ کیونکہ عہد اور استغراق کا الف لام متصور نہیں ہے۔ اور جنس صدقہ کو کسی صنف کی جنس پر خرچ کرنے کو

بیان فرمایا ہے۔اس لیے کسی صنف کے ایک فرد پر بھی زکوۃ کی پوری رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔

(روح المعانی جز ۱۰،ص ۱۲۵۔۱۲۴، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، الجامع لاحکام القرآن جز ۸ ص ۹۵، زادالمسیر ج ۳ ص ۴۵۹)

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک

ایک مرتبہ زیادی بن حارث آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ میں سے کچھ مجھے بھی عنایت فرمادیجئے، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے صدقات میں کسی نبی کا حکم پسند نہیں کیا ہے بلکہ اس نے خود ہی آٹھ مصرف بتلا دیئے ہیں اگر تم ان آٹھویں میں سے ایک بھی ہو تو صدقہ کے مستحق ہو گے ورنہ نہیں، علماء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مصارف ثمانیہ قرآن میں بیان فرمائے ہیں، ان میں سے ہر ایک کو زکوۃ دی جائے یا ان میں سے بعض کو دینا بھی کافی ہوسکتا ہے؟ زیاد بن حارث کی مذکورہ حدیث کی بنا پر امام شافعی اور ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ ان آٹھوں میں سے ایک بھی ہو تو صدقہ کے مستحق ہو گے ورنہ نہیں، علماء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مصارف ثمانیہ قرآن میں بیان فرمائے ہیں، ان میں سے ہر ایک کو زکوۃ دی جائے یا ان میں سے بعض کو دینا بھی کافی ہوسکتا ہے؟ زیاد بن حارث کی مذکورہ حدیث کی بنا پر امام شافعی اور ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ ان آٹھوں قسموں پر صدقہ تقسیم کرنا چاہیے یہ حدیث ابوداؤد میں ہے اور اس کی سند میں ایک راوی عبدالرحمن بن زیاد بن انعم افریقی کو اکثر علماء نے ضعیف قرار دیا ہے۔

مصارف صدقات میں امام ابوحنیفہ وامام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کا مسلک

مذکورہ حدیث کی سند میں چونکہ عبدالرحمن بن زیاد ضعیف ہے اس لئے ان حضرات نے فرمایا کہ مذکورہ آٹھ اصناف میں سے سب کو دینا ضروری نہیں ہے اگر ایک کو بھی دے دیا جائے تو کافی ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا مقصد زکوۃ کے اصناف ثمانیہ بیان کرنے سے مصرف زکوۃ کو بیان کرنا ہے نہ کہ تعداد کو۔

زکوۃ وصدقہ واجبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے لئے جائز نہیں: صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے لئے حلال نہیں ہے، ظاہر روایت کے اعتبار سے یہ مذہب امام ابوحنیفہ کا ہے البتہ نفلی صدقہ کو آل محمد کے حق میں جائز قرار دیا ہے، یہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔

سادات میں کون لوگ شامل ہیں؟ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک فقط ہاشم بن عبد مناف کی اولاد آل محمد ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ایک روایت میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بنی مطلب بھی آل محمد میں شامل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: انما الصدقت للفقرآء اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بعض کی نسبت بعض لوگوں کو وافر مال عطا فرمایا ہے اور یہ اس کی جانب سے ان پر بہت بڑا انعام اور احسان ہے اور ان پر بطور شکرانہ ایک خاص حصہ نکالنا لازم کر دیا ہے کہ وہ وہ حصہ اس کو ادا کریں جس کے پاس مال نہیں ہے۔اور یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے نیابت ہے اس بارے میں جس کی ضمانت اس نے اپنے اس قول میں دی ہے: **وما من دآبة فی الارض الا علی اللہ رزقھا** (ہود:6) (اور نہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس کا رزق)

مسئلہ نمبر 2۔ قولہ تعالیٰ: للفقرآء یہ مصارف صدقات اور محل کی وضاحت ہے تاکہ تو ان سے باہر نہ نکلے۔ پھر اختیار اور پسند تقسیم کرنے والے کے پاس ہے (یعنی ان میں سے جسے چاہے دے دے) یہ قول امام مالک امام ابوحنیفہ اور ان دونوں کے اصحاب رحمۃ اللہ علیہم کا ہے جیسے کہا جاتا ہے: السراج للدابۃ والباب للدار (زین گھوڑے کے لیے اور دروازہ گھر کے لیے ہے)۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس میں لام تملیک کے لیے ہے جیسا کہ تیرے اس قول میں ہے: المال لزید وعمرو وبکر تو ان تمام مذکورہ افراد کے درمیان مساوات اور برابری قائم کرنا لازم اور ضروری ہے۔ امام شافعی اور ان کے اصحاب رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا: یہ ایسے ہی ہے جیسے اگر کوئی دو معین صنفوں کے لیے یا دو معین قوموں کے لیے وصیت کرے۔ اور انہوں نے انما کے لفظ سے استدلال کیا ہے کہ یہ آٹھوں اصناف پر صدقات کے موقوف ہونے کے بارے حصر کا تقاضا کرتا ہے اور انہوں نے اسے زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے تقویت دی ہے انہوں نے بیان کیا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس حال میں کہ آپ میری قوم کی طرف لشکر بھیجنے والے تھے تو میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کو روک لیجئے پس میں آپ کو ان کے اسلام لانے اور طاعت اختیار کرنے کے بارے میں یقین دلاتا ہوں پھر میں نے اپنی قوم کی طرف لکھا تو انہوں نے اسلام اور طاعت کو اختیار کیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا اخا صداء المطاع فی قومہ (اے صدائی مطاع (جس کی اطاعت کی جاتی ہے) اپنی قوم میں آپ فرماتے ہیں: میں نے عرض کی: بل من اللہ علیہم وھداھم بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان فرمایا ہے اور انہیں ہدایت عطا فرمادی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: پھر ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور وہ آپ سے صدقات کے بارے سوال کرنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ صدقات کے بارے میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے حکم کے ساتھ اور نہ کسی اور کے ساتھ راضی اور خوش ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اسے آٹھ اجزاء میں تقسیم کردے پس اگر تو ان اجزاء والوں میں سے ہوا تو میں تجھے عطا کردوں گا''۔ اسے ابوداؤد اور دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ اور یہ الفاظ دارقطنی کے ہیں۔ اور زین العابدین سے بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ نے اس مقدار کے بارے بتادیا ہے جو زکوۃ میں سے دی جائے گی اور اس کے بارے جس کے ساتھ ان اصناف کی کفایت ہو سکے گی اور اسے ان تمام کا حق قرار دیا ہے پس جس کسی نے انہیں اس سے روکا تو وہ ان کے لیے ان کے رزق کے بارے میں ظالم اور زیادتی کرنے والا ہے۔ اور ہمارے علماء نے اس قول باری تعالیٰ سے استدلال کیا ہے: ان تبدوا الصدقت فنعما ھی وان تخفوھا وتؤتوھا الفقرآء فھو خیر لکم (البقرہ:271) (اگر ظاہر کرو (اپنی) خیرات تو بہت اچھی بات ہے اور اگر پوشیدہ رکھو صدقوں کو اور دو انہیں فقیروں کو تو یہ بہت بہتر ہے تمہارے لیے)

اور صدقہ جب قرآن کریم میں مطلق ذکر کیا جائے تو مراد فرض صدقہ ہوتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے اغنیاء سے صدقہ (زکوۃ) وصول کروں اور اسے تمہارے فقراء پر لوٹا دوں''۔ اور یہ قرآن وسنت میں سے آٹھ اصناف میں سے کسی ایک کے ذکر کے بارے نص ہے (2)۔ اور حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اور تابعین کی ایک جماعت نے بھی یہی کہا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہ بھی جائز ہے

کہ آدمی زکوۃ اور صدقہ آٹھوں اصناف کو دے اور ان میں سے جس صنف کو بھی تو نے دے دیا تو وہ جائز ہے۔ منہال بن عمرو نے زر بن حبیش سے اور انہوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے قول باری تعالیٰ: انما الصدقت للفقرآ و المسکین کے بارے میں روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان اصناف کا ذکر کیا ہے تاکہ انہیں پہچان لیا جائے اور ان میں سے کسی صنف کو تو نے دے دیا تو وہ تیرے لیے جائز ہوگا۔

حضرت سعید ابن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انما الصدقت للفقرآء والمسکین کے بارے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جس صنف کو بھی تو نے صدقہ دے دیا وہ تیری طرف سے جائز ہے۔ اور یہی قول حسن اور ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: وہ اجماع صحابہ فرادلے رہے ہیں، کیونکہ ان کو ان میں سے کوئی مخالف معلوم نہیں جیسا کہ ابوعمر نے کہا ہے، واللہ اعلم۔ علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: وہ جسے ہم نے اپنے اور ان کے درمیان فیصل قرار دیا ہے وہ ہے کہ امت نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ اگر ہر صنف کو اس کا حصہ عطا کر دیا جائے تو اس کی تعمیم واجب نہیں۔ پس اسی طرح اصناف کی تعمیم بھی اسی کی مثل ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر ۳۔ علماء لغت اور اہل فقہ نے فقیر اور مسکین کے درمیان فرق بیان کرنے میں اختلاف کیا ہے لہٰذا اس کے بارے نو اقوال ہیں۔ پس یعقوب بن سکیت قتی اور یونس بن حبیب نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ فقیر، مسکین سے احسن اور بہتر حالت میں ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا: فقیر وہ ہوتا ہے جس کے پاس اتنا مال ہو جو اس کی بعض حاجات وضروریات کو پورا کرسکتا ہو اور وہ نہیں ادا کرسکتا ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کوئی شے نہ ہو۔ اور انہوں نے راعی کے قول سے استدلال کیا ہے:

اما الفقیر الذی کانت حلوبیه وفق العیال فلم یترك له سبد

فقیر وہ ہے جس کے پاس عیال کے مطابق دودھ دینے والی اونٹنی یا بکری ہو اور اس کے لیے ضرورت سے زائد) کچھ نہ چھوڑا جائے۔

اہل لغت اور حدیث میں سے ایک جماعت اسی طرف گئی ہے ان میں سے امام ابوحنیفہ اور قاضی عبدالوہاب ہیں۔ اور الوفق اس موافقت سے ہے جو دو چیزوں کے درمیان پائی جاتی ہے جیسا کہ التحام (دو چیزوں کا آپس میں جڑ جانا) ہے۔ کہا جاتا ہے: حلوبته وفق عیاله یعنی اس کا دودھ ان کی کفایت اور ضرورت کے برابر ہے، اس سے فالتو اور زیادہ نہیں ہے۔ یہ جوہری سے منقول ہے۔ اور دوسروں نے اس کے برعکس کہا ہے، پس انہوں نے مسکین کو فقیر سے احسن اور بہتر حالت میں قرار دیا ہے۔ اور انہوں نے اس ارشاد باری تعالیٰ سے استدلال کیا ہے: اما السفینته فکانت لمسکین یعملون فی البحر (الکہف ۹۷) (وہ جو کشتی تھی وہ چند غریبوں کی تھی جو (ملاحی کا) کام کرتے تھے دریا میں)

پس اس میں خبر دی گئی ہے کہ ان کے لیے سمندر کی کشتیوں میں سے ایک کشتی ہے اور بسا اوقات یہ تمام مال کے اعتبار سے مساوی اور برابر ہوتے ہیں۔ اور انہوں نے اس نظریہ کو اس حدیث سے تقویت دی ہے جو حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی

ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقیر سے پناہ مانگی (۲) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے دعا میں یہ عرض کی:
اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا (اے اللہ! مجھے مسکین حالت میں زندہ رکھ اور مسکین حالت میں موت عطا فرما)
پس اگر مسکین کی حالت فقیر کی حالت سے زیادہ کمزور اور بری ہو تو دونوں خبروں کے درمیان تناقض آ جائے گا، کیونکہ یہ محال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فقر سے پناہ مانگیں اور پھر اس کے بارے سوال اور التجا کریں جو حالت کے اعتبار سے اس سے برا اور بدتر ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائی اور آپ کی روح اس حال میں قبض فرمائی کہ آپ کے پاس اس مال میں سے کچھ تھا جو اللہ تعالیٰ نے بطور فے آپ کو عطا فرمایا تھا، لیکن اس کے ساتھ جملہ ضرورت کی کفایت نہ ہو سکتی تھی۔ اسی وجہ سے آپ نے اپنی زرہ رہن رکھی ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا ہے: رہا راعی کا شعر تو اس میں کوئی حجت اور دلیل نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس فی الحال دودھ دینے والی اونٹنی یا بکری ہو۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ کلام عرب میں فقیر کا معنی یہ ہے کہ وہ مفلس جن کی پیٹھ سے شدت فقر و افلاس کی وجہ سے ریڑھ کی ہڈی نکال لی جائے پس اس سے زیادہ شدید اور سخت اور کوئی حال نہیں ہوتا۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے اپنے اس قول کے ساتھ خبر دی ہے: لا یستطیعون ضربا فی الارض (البقرہ:۲۷۲)
اور انہوں نے شاعر کے قول سے بھی استدلال کیا ہے:

لما رامی السور تطایرت فرع القوادم کالفقیر الاعزل

یعنی وہ اڑنے کی طاقت نہیں رکھتا پس وہ اس کی طرح ہو گیا ہے جس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جائے اور وہ زمین کے ساتھ چپک جائے۔ اسی کی طرف اصمعی وغیرہ بھی گئے ہیں اور اسے امام طحاوی نے کوفیوں سے بیان کیا ہے۔ اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قولوں میں سے ایک اور آپ کے اکثر اصحاب کا قول ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک دوسرا قول بھی ہے: وہ یہ کہ فقیر اور مسکین دونوں برابر ہیں، معنوی اعتبار سے ان کے درمیان کوئی فرق نہیں اگرچہ اسم اور نام کے اعتبار سے وہ الگ الگ ہیں۔ اور یہی تیسرا قول ہے اور اسی کو ابن القاسم اور تمام اصحاب مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے۔

میں (مفسر) کہتا ہوں کہ ظاہر لفظ اس پر دلالت کرتا ہے کہ مسکین فقیر کا غیر ہے اور یہ کہ یہ دونوں صنفیں ہیں، مگر ان دونوں میں سے ایک دوسری کی نسبت زیادہ حاجت مند ہے۔ پس اسی وجہ سے یہ اس کے قول کے قریب ہے جس نے دونوں کو ایک صنف قرار دیا ہے واللہ اعلم۔ اور ان کو قول میں کوئی حجت اور دلیل نہیں ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے: اما السفینتہ فکانت لمسکین (الکہف:۹۷) کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ وہ ان کے لیے اجرت پر لیا گیا ہو، جیسے کہا جاتا ہے: یہ فلاں کا گھر ہے، جب وہ اس میں وہ رہا ہو اگرچہ وہ ملکیت کسی اور کی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اہل نار کے وصف میں کہا ہے: ولھم مقامع من حدید (۱۶ الحج) (اور ان (کو مارنے) کے لیے گرز ہوں گے لوہے کے) پس اللہ تعالیٰ نے اس کی اضافت ان کی طرف کی۔ اور مزید ارشاد گرامی ہے: ولا تو توا السفھاء اموالکم۔ (النساء:٥) (اور نہ دے دو نادانوں کو اپنے مال)
اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من باع عبدا ولہ مال (جس نے غلام بیچا اور اس کا مال ہو) اور اس کا استعمال بہت

زیادہ ہے کہ ایک شے کی نسبت اس کی طرف کی جاتی ہے حالانکہ وہ اس کی نہیں ہوتی اور اسی سے ان کا یہ قول بھی ہے: باب الدار (گھر کا دروازہ) جل العدابته (جانور کی کل) سرج الفرس (گھوڑے کی زین) اور اس کی مشابہ تمام مثالیں۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ انہیں رحمت اور مہربانی کی جہت پر مساکین کا نام دیا گیا ہو، جیسا کہ جس کو مصیبت اور تکلیف کے ساتھ آزمایا جائے یا جسے آزمائش اور تکلیف میں ڈال دیا جائے اسے مسکین کہا جاتا ہے اور حدیث طیبہ میں ہے: مساکین اھل النار (اہل جہنم میں سے مساکین) اور شاعر نے کہا ہے:

مساکین اهل الحب حتی قبورهم علیها تراب الذل بین المقابر

اہل محبت میں سے مساکین وہ ہیں کہ قبرستان کے درمیان ان کی قبور پر بھی ذلت کی مٹ ہوتی ہے۔ اور رہی وہ جو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد سے تاویل کی ہے: اللهم احیني مسکینا. الحدیث اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، تو وہ اس طرح نہیں ہے، بلکہ یہاں اس کا معنی یہ ہے: وہ تواضع اور انکساری جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اس میں نہ کوئی جبر ہو اور نہ رعونت ونخوت اور نہ اس میں بڑائی اور نہ اس میں تکبر ہو اور نہ کوئی شر، ابو العتاہیہ نے کتنا خوب کہا ہے:

اذا اردت شریف اقوام کلهم فانظر الی ملك فی زی مسکین

جب تو ساری قوم کے شریف اور سردار کا ارادہ کرے تو تو بادشاہ کی طرف مسکین کے لباس میں دیکھ۔

ذاك الذی عظمت فی الله رغبته وذاك یصلح للدنیا وللدین

یہی وہ ہے جس کی رغبت اور چاہت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عظیم ہے اور وہ دین و دنیا کی اصلاح کرسکتا ہے۔ اور وہ سوال کرنے والا نہ ہو، کیونکہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کو ناپسند کیا ہے اور اس سے منع فرمایا ہے۔ اور آپ نے اس سیاہ عورت کے بارے میں فرمایا جس نے آپ کے راستے سے ہٹنے سے انکار کردیا "تم اسے چھوڑ دو کیونکہ یہ انتہائی سرکش اور متکبر ہے" اور رہا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: للفقرآء الذین احصروا فی سبیل الله لا یستطیعون ضربا فی الارض (البقرۃ: ۲۷۲) (خیرات) ان فقیروں کے لیے جو روکے گئے ہیں اللہ کی راہ میں نہیں فرصت ملتی انہیں (روزی کمانے کے لیے) چلنے پھرنے کی زمین میں) تو یہ ان کے لیے کوئی شے ہونے کے مانع نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ اور جس طرف امام مالک اور امام شافع رحمۃ اللہ علیہما کے اصحاب گئے ہیں کہ یہ دونوں برابر ہیں وہ اچھا ہے۔ اور اس کے قریب قریب ہے وہ قول جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ابن سحنون کی کتاب میں کہا ہے۔ فرمایا: فقیر وہ محتاج ہے جو متعفف (بتکلف پاک دامن بننا) ہو اور مسکین وہ ہے جو مانگنے والا ہو۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اور زہری نے کہا ہے اور اسے ابن شعبان نے اختیار کیا ہے اور یہی چوتھا قول ہے۔ اور پانچواں قول وہ ہے جو محمد بن مسلمہ نے کہا ہے کہ فقیر وہ ہے جس کی رہائش گاہ اور خادم ہو یہاں تک کہ جو اس کے نیچے اور اسفل ہے وہ اس کے لیے ہو اور مسکین وہ ہے جس کا کوئی مال نہ ہو۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: یہ قول اس کے برعکس ہے جو صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے۔ کسی آدمی نے آپ سے سوال کیا اور کہا: کیا ہم مہاجرین کے فقراء میں سے نہیں ہیں؟ تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا: کیا تیری

بیوی ہے جس کے ساتھ تو رہتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں ہے۔ پھر آپ نے پوچھا: تیرا گھر ہے جس میں تو رہ رہا ہے؟ اس نے کہا: ہاں موجود ہے۔ تو آپ نے فرمایا: پھر تو اغنیاء میں سے ہے۔ اس نے کہا: میرا ایک خادم بھی ہے۔ تو آپ نے فرمایا: پھر تو ملوک میں سے ہے۔ (یعنی تو بادشاہ ہے)۔ اور چھٹا قول یہ ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فروی ہے آپ نے فرمایا: فقراء مہاجرین میں سے ہیں اور مساکین ان اعراب میں سے ہیں جنہوں نے ہجرت نہیں کی۔ یہ ضحاک نے کہا ہے۔

اور ساتواں قول یہ ہے کہ مسکین وہ ہے جو عاجزی اور فروتنی اختیار کرتا ہے اگرچہ وہ سوال نہ بھی کرے۔ اور فقیر وہ ہے جو لے لیتا ہے اور سے کوسرا قبول کر لیتا ہے اور عاجزی کا اظہار نہیں کرتا۔ عبید اللہ بن حسن نے کہا ہے۔ اور آٹھواں قول جو کہ حضرت مجاہد، عکرمہ اور زہری رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے کہ مساکین وہ ہیں جو گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔ اور فقراء سے مراد مسلمانوں کے فقراء ہیں۔ اور نانواں قول جو عکرمہ نے بھی کہا ہے وہ یہ ہے کہ فقراء سے مراد مسلمانوں کے فقراء ہیں اور مساکین سے مراد اہل کتاب کے فقراء ہیں، عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

مسئلہ نمبر ۴۔ اور یہ فقراء اور مساکین کے درمیان اختلاف کا فائدہ ہے، کیا یہ دونوں ایک صنف ہیں یا ایک سے زیادہ؟ اس کا اظہار اس میں ہوتا ہے جو کوئی اپنے ثلث مال کی فلاں اور فقراء اور مساکین کے لیے وصیت کرتا ہے۔ پس جنہوں نے کہا ہے کہ یہ دونوں ایک صنف ہیں انہوں نے کہا ہے: فلاں کے لیے ثلث کا نصف ہوگا اور فقراء و مساکین کے لیے ثلث کا دوسرا نصف ہوگا۔ اور جنہوں نے کہا ہے کہ یہ دو صنفیں ہیں ان کے مطابق ثلث ان تینوں کے درمیان تین حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر ۵۔ فقر کی اس حد میں علماء کا اختلاف ہے جس کے ساتھ لینا جائز ہوتا ہے۔ محققین اہل علم میں سے اکثر کے اجماع کے بعد۔۔۔ کہ جس کا گھر اور خادم ہو وہ ان سے مستغنی نہ ہو تو اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے اور دینے والے کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے دے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اگر گھر اور خادم کی قیمت سے فالتو رقم اس قدر نہ ہو جس کا ان کے ہوتے ہوئے وہ محتاج اور ضرورت مند ہے تو اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے ورنہ نہیں۔ اسے ابن منذر نے ذکر کیا ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق نخعی اور ثوری رحمۃ اللہ علیہما نے بھی کہا ہے۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: جس کے پاس بیس دینار یا دو سو درہم ہوں تو وہ زکوٰۃ نہیں لے سکتا۔ پس انہوں نے نصاب کا اعتبار کیا ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے اغنیاء سے صدقہ وصول کروں اور اسے تمہارے فقراء میں لوٹا دوں''۔ یہ بالکل واضح ہے۔ اور اسے مغیرہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ اور حضرت ثوری، احمد اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم نے کہا ہے: جس کے پاس پچاس درہم ہوں یا ان کی مقدار سونا ہو تو وہ زکوٰۃ نہیں لے سکتا۔ اور نہ ہی پچاس درہم سے زیادہ زکوٰۃ میں سے کسی کو دیئے جا سکتے ہیں مگر یہ کہ وہ مقروض ہو۔ یہ امام احمد اور اسحاق نے کہا ہے

اور اس قول کی دلیل وہ روایت ہے جسے دار قطنی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس آدمی کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے جس کے پاس پچاس درہم ہوں''۔ اس کی سند میں عبد الرحمن بن اسحاق ضعیف راوی ہے۔ اور اس سے روایت کرنے والا بکر بن خنیس بھی ضعیف ہے۔ اور

اسے حکیم بن جبیر نے محمد بن عبدالرحمن بن یزید سے انہوں نے اپنے باپ کے واسطہ سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اور پچاس درہم کا ذکر کیا ہے۔ اور حکیم بن جبیر ضعیف ہے اسے شعبہ وغیرہ نے ترک کر دیا ہے۔ یہ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ اور ابوعمر نے کہا ہے: یہ حدیث حکیم بن جبیر کے گرد گھومتی ہے اور وہ متروک راوی ہے۔ اور حضرت علی اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما دونوں سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: اس آدمی کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے جس کے پاس پچاس درہم یا ان کی قیمت کا سونا۔ اسے دارقطنی نے ذکر کیا ہے۔ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: جس کے پاس چالیس درہم ہوں وہ زکوٰۃ نہیں لے سکتا۔ اور اسے واقدی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔

اور اس قول کی دلیل وہ روایت ہے جسے دارقطنی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے بیان کیا: میں نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جس نے لوگوں سے مانگا اس حال میں کہ وہ غنی ہو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر خراشیں لگی ہوں گی اور وہ چھیلا ہوا ہوگا'' (۳)۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اس کا غنا کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چالیس درہم''۔ اور امام مالک کی حدیث میں ہے جو انہوں نے زید بن اسلم سے، انہوں نے عطا بن یسار سے اور انہوں نے بنی اسد کے ایک آدمی سے روایت کی ہے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے جس نے اس حال میں مانگا کہ اس کے پاس ایک اوقیہ ہو یا اس کے برابر (مال سونا وغیرہ) ہو تو تحقیق اس نے بالاصرار مانگا اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہے'' (٤)۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے جو روایت مشہور ہے اسے ان سے ابن القاسم نے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا: کیا اسے زکوٰۃ دی جائے گی جس کے پاس چالیس درہم ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ ابوعمر نے بیان کیا ہے: اس میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ پہلے سے مراد وہ آدمی ہو جو کمانے کی طاقت رکھتا ہو اور اچھی طرح تصرف کر سکتا ہو۔ اور دوسرا وہ ہو جو کمانے سے کمزور اور ضعیف ہو یا وہ عیال دار ہو۔ واللہ اعلم

اور امام شافعی اور ابوثور رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: جو کمانے کی اور کوئی پیشہ اپنانے کی قوت رکھتا ہو اس کے ساتھ ساتھ اس کا بدن قوی اور طاقتور ہو اور اچھی طرح تصرف پر قادر ہو یہاں تک کہ وہ اسے لوگوں سے غنی کر دے تو اس پر صدقہ حرام ہے۔ اور انہوں نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے استدلال کیا ہے: ''کسی غنی کے لیے اور کسی طاقتور صحیح الاعضاء کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے'' (٥)۔ اسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے۔ اور ابوداؤد، ترمذی اور دارقطنی نے اسے نقل کیا ہے۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صدقہ آیا پس لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے لگے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بے شک یہ کسی غنی کے لیے، کسی صحیح الاعضاء (یا تندرست) کے لیے اور کسی کام کرنے والے (عامل) کے لیے مناسب اور جائز نہیں'' (۱)۔ اس دارقطنی نے نقل کیا ہے۔

اور ابوداؤد نے عبیداللہ بن عدی بن خیار سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: مجھے دو آدمیوں نے خبر دی ہے کہ وہ دونوں حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آپ صدقہ تقسیم فرما رہے تھے تو انہوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس میں سے کچھ مانگا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف نظر اٹھائی اور پھر اسے جھکا لیا، پس آپ نے

ہمیں مضبوط دیکھا تو ارشاد فرمایا: ''اگر تم چاہو تو میں تمہیں دے دیتا ہوں ورنہ اس میں کسی غنی اور کسی کمانے والے قوی آدمی کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے'' (۲)۔ کیونکہ وہ اپنی کمائی کے سبب اس طرح غنی ہے جیسے کوئی دوسرا اپنے مال کے سبب غنی ہو پس دونوں میں سے ہر ایک سوال کرنے سے غنی ہو گیا ہے۔ اور یہ ابن خویز منداد نے کہا ہے، اور اسے ''المذہب'' سے بیان کیا ہے، اور یہ مناسب نہیں کہ اس پر بھروسہ کر لیا جائے، کیونکہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم فقراء کو عطا فرماتے اور اس (صدقہ کو) اپاہج پر موقوف کرنا باطل ہے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی نے اپنی جامع میں کہا ہے: جب آدمی قوی البدن محتاج ہو اور اس کے پاس کوئی شے نہ ہو اور اس پر صدقہ کر دیا جائے تو اہل علم کے نزدیک صدقہ کرنے والے کی طرف سے یہ جائز ہے (۳)۔ اور بعض اہل علم کے نزدیک حدیث کی اطلاق سوال کی صورت میں ہے۔ اور الکیا طبری نے کہا ہے: ظاہر اس کے جواز کا تقاضا کرتا ہے، کیونکہ وہ اپنی قوت اور اپنے بدن کے تندرست ہونے کے باوجود فقیر ہے۔ اور اسی طرح امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب نے کہا ہے۔ اور عبید اللہ بن حسن نے کہا ہے: وہ آدمی جس کے پاس اتنا مال نہ ہو جو اسے کافی ہو اور سال بھر اسے قائم رکھ سکتا ہو تو اسے زکوٰۃ دی جائے گی۔ اور اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے ابن شہاب نے مالک بن اوس بن حدثان سے اور انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مال سے سال بھر کی خوراک جمع رکھتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بطور مال فے عطا فرمایا، پھر اس سے جتنا زائد ہوتا اسے گھوڑے اور ہتھیار خریدنے میں لگا دیتے اس کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ووجدک عائلا فاغنی۔ (الضحیٰ)

اور بعض اہل علم نے کہا ہے: ہر ایک کے لیے صدقہ میں سے لینا ایسی حالت میں جائز ہے جس سے اسے کوئی چارہ کار نہ ہو۔ اور ایک قوم نے کہا ہے: جس کے پاس رات کھانا ہو تو وہ غنی ہے۔ اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے انہوں نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: ''جس نے ظہر غنیٰ کے ہوتے ہوئے سوال کیا تو اس نے اس کے ساتھ جہنم میں گرم کیے گئے پتھروں کو کثرت سے طلب کیا'' (۴)۔ صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر الغنیٰ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رات کا کھانا''۔ اسے دارقطنی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے: اس کی سند میں عمرو بن خالد ہے اور وہ متروک ہے۔ اور اسے ابو داؤد نے سہل بن حنظلیہ سے اور انہوں نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اور اس میں ہے: ''جس نے سوال کیا اس حال میں کہ اس کے پاس اتنا مال ہو جو اسے غنی کر رہا ہو تو بلاشبہ وہ آگ کی کثرت طلب کر رہا ہے اور نفیلی نے ایک دوسرے مقام پر کہا ہے: ''وہ جہنم کے انگارے (کثرت سے اکٹھے کر رہا ہے) تو صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کون سی شے اسے غنی کر سکتی ہے؟ اور نفیلی نے دوسری جگہ بیان کیا: وہ کون سا غنا ہے جس کے ہوتے ہوئے سوال نہیں کرنا چاہیے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اتنی مقدار جو صبح وشام کے کھانے میں کافی ہو''۔ اور نفیلی نے ایک دوسرے مقام میں کہا ہے کہ ''اس کے پاس دن اور رات یا رات اور دن پیٹ بھرنے کے لیے کھانا موجود ہو'' (۱)۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: یہ جو ذکر ہوا یہ اس فقر کا بیان ہے جس کے ساتھ زکوٰۃ لینا جائز ہوتی ہے اور مطلق لفظ فقراء اہل ذمہ

کے بغیر صرف مسلمانوں کے ساتھ اختصاص کا تقاضا نہیں کرتا، البتہ اس بارے میں اخبار بالکل ظاہر ہیں کہ صدقات مسلمانوں کے اغنیاء سے لیے جائیں گے اور ان کے فقراء کو دے دیئے جائیں گے۔ اور حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: فقراء سے مراد فقراء المسلمین ہیں اور مساکین سے مراد اہل کتاب کے فقراء ہیں (۲)۔ اور ابو بکر العبسی نے کہا ہے: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک ذمی کو نابینا حالت میں شہر کے دروازے پر پڑا ہوا دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: تجھے کیا ہوا ہے؟ اس نے عرض کی: انہوں نے مجھے اس جزیہ میں کرایہ پر لیے رکھا، یہاں تک کہ جب میری نظر ختم ہوگئی تو انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور میرے لیے اب کوئی نہیں ہے جو مجھے کوئی شے دے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تب تیرے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا، چنانچہ آپ نے اس کے لیے اس کی خوراک اور اس شے کا حکم دیا جو اس کی ضرورت پوری کر سکتی ہے۔ پھر ارشاد فرمایا: یہ ان میں سے ہے جن کے بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انما الصدقت للفقرآء والمسکین، الآیہ اور وہ اہل کتاب کے اپاہج لوگ ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انما الصدقت للفقرآء والمسکین، الآیہ اور جملے کا مقابلہ جملے کے ساتھ کیا اور یہ تمام صدقہ جملہ مصارف کے مقابل ہے اسے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا جب انہیں یمن کی طرف بھیجا: ''تم انہیں آگاہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے وہ ان کے اغنیاء سے لیا جائے گا اور ان کے فقراء میں لوٹا دیا جائے گا'' (۳)۔ پس ہر شہر کے باسی اپنے شہر کی زکوۃ کے ساتھ خاص ہیں۔ اور ابوداؤد نے بیان کیا ہے کہ زیاد یا کسی اور امیر نے عمران بن حصین کو زکوۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا، پس جب وہ لوٹ کر آئے تو اس نے عمران سے پوچھا: مال کہاں ہے؟ تو اس نے جواب دیا: مال کے لیے تم نے مجھے بھیجا تھا! ہم نے اسے وہاں سے لیا جہاں سے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لیتے تھے اور ہم نے اسے وہاں رکھ دیا جہاں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رکھتے تھے۔ اور دارقطنی اور ترمذی نے عون بن ابی جحیفہ سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا: ہمارے پاس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صدقہ وصول کرنے والا آیا پس اس نے ہمارے اغنیاء سے صدقہ لیا اور اسے ہمارے فقراء کو ادا کر دیا پس میں ایک یتیم بچہ تھا تو اس نے مجھے اس میں سے ایک جوان اونٹنی دی (۱)۔ ترمذی نے کہا ہے: اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابن جحیفہ کی حدیث مروی ہے وہ حدیث حسن ہے۔

مسئلہ نمبر ۶۔ زکوۃ کو اپنی جگہ سے منتقل کرنے کے بارے علماء کا اختلاف ہے اور اس بارے میں تین قول ہیں: وہ منتقل نہیں کی جائے گی۔ یہ سحنون اور ابن قاسم نے کہا ہے۔ اور یہ صحیح ہے ان دلائل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دیئے ہیں۔ ابن قاسم نے یہ بھی کہا ہے: اگر ضرورت کے تحت زکوۃ کا کچھ حصہ منتقل کیا گیا تو میں اسے صحیح اور درست قرار دیتا ہوں۔ اور سحنون سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا: اگر امام وقت کو یہ خبر موصول ہو کہ کچھ علاقہ شدید حاجت مند ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ بعض کی فرض زکوۃ ان کی طرف منتقل کر دے، کیونکہ جب وہ حاجت ظاہر ہو جائے تو پھر اسے اس پر مقدم کرنا واجب ہے جو محتاج نہیں'' اور مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ اسے (کسی ظالم یا مصیبت) کے حوالے کرتا ہے اور نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے'' (۲) اور دوسرا قول یہ ہے کہ زکوۃ منتقل کی جاسکتی ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ عنہ نے بھی یہی کہا ہے اور اس قول کی حجت وہ روایت ہے جو اس طرح مروی ہے

کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اہل یمن کو کہا: تم مجھے خمیس (پانچ گز کپڑا) یا بوسیدہ پہننے کے کپڑے دے دو میں تم سے وہ جو (مکئی) اور جو کی جگہ صدقہ میں لوں گا کیونکہ یہ تم پر آسان ہیں اور مدینہ طیبہ کے مہاجرین کے لیے زیادہ نفع بخش ہیں (۳)۔ اسے دارقطنی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ اس روایت میں لفظ الخمیس مشترک ہے اور یہاں اس سے مراد پانچ گز لمبا کپڑا ہے۔ اور کہا جاتا ہے: اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے، کیونکہ جس نے سب سے پہلے یہ عمل کیا وہ یمن کے بادشاہوں میں سے الخمس بادشاہ تھا۔ اسے ابن فارس نے مجمل میں اور جوہری نے بھی ذکر کیا ہے۔ اس حدیث میں دو دلیلیں ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے، جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے یمن سے مدینہ طیبہ کی طرف زکوٰۃ منتقل کی اور حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تقسیم کے والی تھے۔ اور اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی کرتا ہے: **انما الصدقت للفقرآء والمسکین** اور اس میں ایک شہر کے فقیر اور دوسرے شہر کے فقیر کے درمیان کوئی فرق نہیں بیان کیا گیا۔ واللہ اعلم

دوسرا قول زکوٰۃ میں قیمت لینا ہے۔ تحقیق زکوٰۃ میں قیمت نکالنے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت مختلف ہے۔ آپ نے ایک بار اس کی اجازت عطا فرمائی اور دوسری بار اس سے منع کر دیا، جواز کی وجہ یہ حدیث ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی جواز کا ہے صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث موجود ہے انہوں نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی: ''وہ آدمی جس کا اونٹوں میں سے صدقہ جذعہ (چار سال کا اونٹ) تک پہنچ چکا ہو اور اس کے پاس جذعہ نہ ہو بلکہ اس کے پاس حقہ (ایسا اونٹ جس کی عمر تین سال مکمل ہو چکی ہو) ہو تو اس سے وہ لے لیا جائے اور اس کے ساتھ دو بکریاں یا بیس درہموں میں سے جو آسان ہو'' (۱)۔ الحدیث۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم انہیں اس دن سوال سے غنی کر دو'' (۲)۔ مراد یوم فطر ہے۔ اور مراد یہ ہے کہ انہیں اس چیز کے ساتھ غنی کیا جائے جو ان کی حاجت کو پورا کر سکتی ہے، پس جو چیز بھی ان کی حاجت ختم کر سکتی ہے وہ جائز ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **خذ من اموالهم صدقته** (التوبہ: ۱۰۳) (تم ان کے مالوں سے صدقہ لو) اسے رب کریم نے کسی شے کے ساتھ خاص نہیں کیا۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زکوٰۃ کے بدلے گھر کی رہائش نہیں دی جا سکتی، مثلاً کسی پر پانچ درہم واجب ہوں اور وہ ان میں ایک فقیر کو ایک مہینہ گھر میں رہائش دے دے تو یہ جائز نہیں۔ فرمایا: یہ اس لیے ہے کیونکہ رہائش مال نہیں ہے۔

اور ان کے اس قول ''قیمت دینا جائز نہیں ہے''۔ اور یہی ان کا ظاہر مذہب ہے۔ کی وجہ یہ ہے کیونکہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پانچ اونٹوں میں (بطور زکوٰۃ) ایک بکری ہے اور چالیس بکریوں میں ایک بکری ہے'' (۳)۔ پس یہ بکری کے بارے نص ہے پس جب اس نے اس پر عمل نہ کیا تو گویا اس نے مامور بہ پر عمل نہ کیا اور جب مامور بہ پر عمل نہ ہو تو امر اپنی حالت پر باقی رہتا ہے۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ فقراء اور مساکین کا حصہ اس جگہ تقسیم کیا جائے گا اور بقیہ تمام حصص امام کے اجتہاد کے ساتھ منتقل ہو سکتے ہیں۔ اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر ۷۔ کیا سال مکمل ہونے کے وقت مال کی جگہ کا بھی اعتبار ہے کہ صدقہ وہیں تقسیم کیا جائے یا مالک کی جگہ کا اعتبار ہے

جب کہ مخاطب وہ ہے۔اس بارے میں دوقول ہیں۔دوسرے کوابو عبداللہ محمد بن خویز منداد نے اپنے احکام میں اختیار کیا ہے انہوں نے کہا ہے۔کیونکہ انسان ہی زکوۃ نکالنے کے حکم کا مخاطب ہے اور مال اس کے تابع ہے۔پس واجب ہے کہ اس میں حکم مخاطب کے اعتبار سے ہو،جیسا کہ ابن سبیل (مسافر) وہ اپنے شہر میں غنی ہوتا ہے اور دوسرے شہر میں فقیر ہوتا ہے۔تو اس کے لیے حکم اس دوسرے اعتبار سے ہے۔

مسئلہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے بارے میں روایت مختلف ہیں جس نے کسی مسلمان فقیر کو صدقہ دیا پھر ایک دوسری حالت میں یہ ظاہر ہوا کہ اس نے غلام یا کفر یا غنی کو دے دیا تو آپ نے ایک بار فرمایا: وہ اس کی طرف سے جائز ہوگا اور پھر فرمایا جائز نہیں ہوگا۔وجہ الجواز۔۔۔۔اور یہی اصح ہے۔وہ روایت ہے جسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا: ''ایک آدمی نے کہا میں آج کی رات ضرور صدقہ ادا کروں گا چنانچہ وہ اپنا صدقہ لے کر نکلا اور اس نے وہ زانیہ کے ہاتھ میں دے دیا جب انہوں نے صبح کی تو آپس میں باتیں کرنے لگے آج کی رات زانیہ کو صدقہ دیا گیا ہے۔اس آدمی نے حیران ہو کر کہا: اے اللہ! تیرے لیے ہی حمد ہے کیا زانیہ کو دے دیا ہے؟ میں اس صدقہ کے بدلے ضرور صدقہ کروں گا، پھر وہ صدقہ۔لے کر نکلا اور ایک غنی کے ہاتھ میں دے دیا، پھر جب انہوں نے صبح کی تو باتیں کرنے لگے: غنی کو صدقہ دیا گیا ہے۔اس آدمی نے کہا: اے اللہ! حمد کے لائق تو ہی ہے کیا غنی کو دے دیا ہے؟ میں اس صدقہ کے عوض ضرور صدقہ دوں گا۔چنانچہ وہ اپنا صدقہ لے کر نکلا اور اسے چور کے ہاتھ میں دے دیا، پھر جب انہوں نے صبح کی تو وہ باتیں کرنے لگے: چور کو صدقہ دیا گیا ہے، تو اس نے کہا: اے اللہ! حمد تیرے لیے ہی ہے کیا زانیہ، غنی اور چور کو صدقہ دیا گیا ہے؟ چنانچہ اسے لایا گیا اور اسے کہا گیا: جہاں تک تیرے صدقہ کا تعلق ہے وہ قبول کر لیا گیا ہے، رہی زانیہ تو شاید وہ اس کے سبب اپنے زنا سے بچ جائے پاک دامن ہو جائے۔اور شاید غنی اس لیے معتبر ہے کہ وہ اس سے خرچ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمایا ہے اور شاید چور اس کے ساتھ چوری سے محفوظ ہو جائے'' (۱)۔اور روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنے مال کی زکوۃ نکالی اور اس نے وہ اپنے باپ کو دے دی۔پس جب صبح ہوئی تو اسے اس بارے علم ہوا۔پھر اس نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: ''تحقیق تیرے لیے تیری زکوۃ کا اجر اور صلہ رحمی کا اجر لکھ دیا گیا ہے پس تیرے لیے دو اجر ہیں''۔اور معنی کی جہت سے یہ ہے کہ اس کے لیے معطی (جس کو زکوۃ دی جاتی ہے) کے بارے اجتہاد اور تتبع و تلاش کو جائز قرار دیا ہے، پس جب اس نے اجتہاد کیا اور اسے دیا جسے وہ اس کا اہل گمان کرتا ہے تو اس نے اپنا واجب ادا کر دیا۔

اور اس قول ''کہ وہ جائز نہیں ہے'' کی وجہ یہ ہے کہ اس نے وہ صدقہ اس کے مستحق کو نہیں دیا۔پس یہ عمد (جان بوجھ کر عمل کرنا) کے مشابہ ہو گیا، کیونکہ اموال کی ضمان میں عمد اور خطا ایک ہی ہے پس واجب ہے کہ وہ اس کا ضامن ہو جو اس نے مساکین کا حصہ ضائع کیا ہے یہاں تک کہ اسے ان تک پہنچا دے۔

مسئلہ نمبر ۸۔اگر کسی نے زکوۃ اس کے محل کے وقت نکالی پھر وہ بغیر تفریط کے ضائع ہو گئی تو وہ ضامن نہ ہوگا، کیونکہ وہ فقراء کا وکیل ہے۔اور اگر اس نے اسے اس کی مدت گزرنے کے بعد نکالا پھر وہ ضائع ہو گئی تو وہ ضامن ہوگا، کیونکہ اسے اس کے محل سے

مؤخر کرنے کے سبب وہ اس کے ذمہ کے ساتھ متعلق ہو چکی ہے اس لیے وہ اس کا ضامن ہوگا۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر ۹۔ جب امام وقت زکوٰۃ وصول کرنے اور اسے خرچ کرنے میں عدل کر رہا ہو تو پھر مالک کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ بذات خود دراہم و دنانیر یا کسی اور مال میں تصرف کرنے کا والی بنے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: بے شک دراہم و دنانیر کی زکوٰۃ ان کے مالکوں پر ہے۔ اور ابن ماجشون نے کہا ہے: یہ تب ہے جب صرف فقراء اور مساکین کے لیے خرچ کرنا ہو۔ اور اگر ان دو کے علاوہ دیگر اصناف میں خرچ کرنے کی ضرورت پیش آ جائے تو پھر ان پر امام کے سوا کوئی تقسیم نہیں کر سکتا۔ اس باب کی فروع کثیر ہیں اور یہ ان کی اصل ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۰۔ قولہ تعالیٰ: و العملین علیھا مراد وہ بھاگ دوڑ کرنے والے اور خرچ وصول کرنے والے ہیں جنہیں امام وقت اپنا وکیل بنا کر زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو حمید ساعدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسد کے ایک آدمی کو بنی سلیم کے صدقات وصول کرنے کے لیے عامل مقرر فرمایا اسے ابن اللتبیہ کہا جاتا تھا، پس جب وہ آیا تو آپ نے اس سے حساب لیا (۱)۔ اور علماء کا اس مقدار میں اختلاف ہے جو زکوٰۃ وصول کرنے والے لے سکتے ہیں اس بارے میں تین قول ہیں:

حضرت مجاہد اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: وہ آٹھواں حصہ ہے۔ ابن عمر اور امام مالک نے کہا ہے: انہیں ان کے کام کے برابر اجرت دی جائے گی، اور یہی قول امام اعظم ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب رحمۃ اللہ علیہم کا ہے (۲)۔ انہوں نے کہا ہے: کیونکہ اس نے فقراء کی مصلحت اور منفعت کے لیے اپنے آپ کو وقف کیا ہے، پس اس کی کفایت اور اس کے معاونین کی کفایت ان کے مال سے ہوگی، جیسا کہ عورت نے جب اپنے آپ کو خاوند کے حق کے لیے معطل کر دیا تو اس کا نفقہ اور اس کے متبعین چاہے وہ ایک خادم ہو یا دو ہوں کا نفقہ خاوند کے ذمہ ہے۔ اسے ثمن (آٹھواں حصہ) کے ساتھ مقرر نہیں کیا جائے گا بلکہ اس میں کفایت کا اعتبار کیا جائے گا چاہے وہ آٹھواں حصہ ہو یا اس سے زیادہ جیسا کہ قاضی کی تنخواہ وغیرہ۔ اور ہمارے زمانے میں معاونین کی کفایت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ محض اسراف اور فضول خرچی ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ انہیں بیت المال سے دیا جائے گا۔ علامہ ابن عربی نے کہا ہے: امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ سے یہی قول صحیح ہے اس روایت کے مطابق جو ابن ابی اویس اور داؤد بن سعید بن زنبوعہ سے ہے اور یہ دلیل کے اعتبار سے ضعیف ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے حصے کے بارے خبر دی ہے وہ اس میں نص ہے تو پھر استقراء اور سبر کے ذریعہ اس کے خلاف کیونکر ہو سکتا ہے (۳)۔ اور صحیح یہ ہے کہ اجرت مقرر کرنے میں اجتہاد کرنے، کیونکہ یہ بیان اصناف شمار کرنے کے بارے ہے بلاشبہ وہ محل کے لیے ہے نہ کہ مستحق کے لیے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

علماء نے ایسے عامل کے بارے میں اختلاف کیا ہے جب وہ ہاشمی ہو، پس امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے منع کیا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''بے شک صدقہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال نہیں ہے بلاشبہ یہ لوگوں کی میل ہے'' (۴)۔ اور یہ بھی من وجہ صدقہ ہے، کیونکہ یہ (زکوٰۃ) صدقہ کا ایک جز ہے۔ پس اسے کرامۃ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کو لوگوں کے غسالہ اور دھوون سے بچانے کے لیے من کل الوجوہ صدقہ سے ملحق کیا جائے گا۔ اور امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ

علیہا نے اس کے عمل کو جائز قرار دیا ہے اور اس کے کام کی اجرت بھی اسے دی جائے گی، کیونکہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو صدقہ وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ اور آپ کو یمن کی طرف زکوٰۃ کا عامل بنا کر بھیجا (۵) اور آپ کو بنی ہاشم کی ایک جماعت کا والی بنایا اور آپ کے بعد اسی طرح خلفاء والی بنے۔ اور اس لیے بھی کہ یہ عامل مباح عمل پر بطور اجیر ہوتا ہے لہٰذا یہ واجب ہے کہ اس میں ہاشمی اور غیر ہاشمی برابر ہوں جیسا کہ دیگر تمام کروبار میں ہوتا ہے۔ احناف نے کہا ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ آپ کے لیے صدقہ میں سے کچھ مقرر کیا گیا، پس اگر آپ کے لیے صدقہ کے علاوہ (کسی اور مال) سے اجرت مقرر کی گئی تو وہ جائز ہے اور یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۱۔ اور قول باری تعالیٰ: **والعملین علیها** اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ تمام امور جو فرض کفایہ میں سے ہیں جیسے صدقات کی وصولی کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا، کاتب، قسام (زمین کی تقسیم کرنے والا) اور محصول چنگی لینے والا (عاشر) وغیرہ پس ان امور کو سرانجام دینے والے کے لیے اس پر اجرت لینا جائز ہے۔ اور اس میں سے امامت بھی ہے، کیونکہ نماز اگرچہ تمام مخلوق کی طرف متوجہ ہے لیکن ان میں سے بعض کا امامت کے لیے آگے بڑھنا فروض کفایہ میں سے ہے، لہٰذا بلاشک اس پر اجرت لینا جائز ہے۔ اور یہ باب کی اصل ہے اور اس کی طرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول کے ساتھ اشارہ کیا ہے: "میں نے اپنی زوجات کے نفقہ اور اپنے عاملین کی محنت اجرت کے سوا جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے"۔ یہ علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۲۔ قولہ تعالیٰ: **والمولفته قلوبهم** قرآن کریم میں صدقات کی تقسیم کے سوا کہیں مولفۃ قلوب کا ذکر نہیں ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو ابتدائے اسلام میں ان لوگوں میں سے تھے جو اسلام ظاہر کرتے تھے، یقین کمزور ہونے کی وجہ سے صدقہ میں سے انہیں حصہ دیئے جانے کے سبب وہ دوستی قائم رکھتے تھے۔ زہری نے کہا ہے: المولفہ وہ ہیں جو یہود و نصاریٰ میں سے اسلام لائے اگرچہ وہ غنی اور دولت مند ہوں (۱)۔ اور بعض متاخرین نے کہا ہے: ان کی صفت اور تعریف میں اختلاف ہے۔ پس کہا گیا ہے کہ یہ کفار کی ایک صنف ہیں انہیں اس لیے (صدقات) دیئے جاتے تھے تاکہ وہ اسلام کی طرف مائل رہیں اور وہ غلبہ اور تلوار کے زور پر اسلام قبول نہ کرتے تھے، لیکن وہ عطا اور احسان کے ساتھ اسلام قبول کر لیتے تھے۔ اور یہ قول بھی ہے: یہ وہ لوگ ہیں جو بظاہر اسلام لائے لیکن ان کے دلوں نے یقین نہ کیا، پس انہیں عطا کیا جاتا تھا تاکہ اسلام ان کے سینوں میں راسخ ہو جائے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ مشرکین کے عظماء کی ایک جماعت ہے ان کے متبعین بھی تھے انہیں دیا جاتا تھا تاکہ ان کے متبعین اسلام کی طرف مائل ہو جائیں۔ فرمایا: یہ اقوال باہم قریب قریب ہیں، ان تمام سے مقصود ان کو عطا کرنا ہے جو عطا کے بغیر حقیقۃً اسلام لانے کی قدرت نہ رکھتے ہوں۔ تو گویا یہ جہاد کی ایک قسم ہے۔ اور مشرکین تین قسم کے ہیں: ایک قسم کی طرف دلائل قائم کر کے رجوع کیا جاتا ہے اور ایک قسم کی طرف قہر و غلبہ کے ساتھ اور ایک قسم کی طرف احسان و عطا کے ساتھ۔ اور وہ امام جو مسلمان کے لیے نظر و فکر کرنے والا ہے وہ ہر صنف کے ساتھ ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے جسے نجات اور خلاصی پانے کا سبب اور ذریعہ سمجھتا ہے۔ اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو فرمایا: "بے شک میں ان لوگوں کو عطا

کرتا ہوں جن کا زمانہ ابھی کفر کے قریب ہے تو میں ان کی تالیف قلوب کرتا ہوں'' (۲)۔ الحدیث ابن اسحاق نے کہا ہے: آپ انہیں عطا فرماتے اور ان کی تالیف قلوب فرماتے اور آپ ان کے سبب ان کی قوم کی بھی تالیف کرتے تھے اور وہ اشراف اور سردار تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان بن حرب کو سو اونٹ دیئے اور اس کے بیٹے کو بھی سو اونٹ عطا فرمائے۔ حکیم بن حزام کو سو اونٹ دیئے، حارث ابن ہشام کو سو اونٹ دیئے، سہیل بن عمرو کو سو اونٹ عطا فرمائے، حویطب بن عبدالعزی کو سو اونٹ دیئے اور صفوان بن امیہ کو سو اونٹ عطا فرمائے۔ اور اسی طرح مالک بن عوف اور علاء بن جریہ کو بھی عطا فرمائے۔ فرمایا: یہ سب اصحاب المئین ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش میں سے بعض لوگوں کو سو سے کم بھی دیئے ان میں سے مخرمہ بن نوفل الزہری، عمیر بن وہب جمحی، ہشام بن عمرو العامری ہیں۔ ابن اسحاق نے کہا ہے: یہ وہ ہیں جن کے بارے میں نہیں جانتا کہ آپ نے نہیں کتنے عطا فرمائے؟ اور سعید بن یربوع کو پچاس اونٹ دیئے اور عباس بن مرداس السلمی کو تھوڑے اونٹ دیئے تو وہ اس پر ناراض ہو گیا۔ تو اس نے اس بارے میں یہ کہا:

كانت نهابا تلافيتها بكرى على المهر فى الاجرع
وايقاظى القوم ان يرقدوا اذا هجع الناس لم اهجع
فاصبح نهبى ونهب العبيد بين عيينه والاقرع
وقد كنت فى الحرب ذاتدرء فلم اعط شيا ولم امنع
الا افائل اعطيتها عديد قوائمه الأربع
وما كان حصن ولا حابس يفوقان مزداس فى المجمع
وما كنت دون امرى منهما ومن تضع اليوم لا يرفع

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم جاؤ اور میرے بارے میں اس کی زبان بند کرو'' (۱)۔ چنانچہ انہوں نے اسے اتنا دیا یہاں تک کہ وہ راضی ہو گیا۔ تو گویا اس طرح اس کی زبان کٹ گئی۔ ابو عمر نے کہا ہے: مولفۃ قلوب میں نضیر بن حارث بن علقمہ ابن کلدہ کا ذکر کیا گیا ہے جو کہ اس نضر بن حارث کا بھائی تھا جو بدر میں ڈٹا رہا اور مارا گیا۔ اور دوسروں نے ذکر کیا ہے کہ یہ ان میں سے تھا جنہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ پس اگر یہ ان میں سے ہے تو پھر اس کا مولفۃ قلوب میں سے ہونا محال ہے، کیونکہ جس نے سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کی تو وہ ان مہاجرین اولین میں سے ہوا جن کے دل میں ایمان راسخ ہو گیا اور اس نے اپنے سوا کے ساتھ قتال کیا اور وہ ان میں سے نہیں جن کی تالیف قلوب کی جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن عوف بن سعد بن یربوع نصری کو ان پر عامل مقرر کیا جو قبائل قیس میں سے اس کی قوم سے اسلام لائے اور اسے ثقیف کی لوٹ مار کرنے کا حکم دیا پس اس نے ایسا ہی کیا اور اس پر جینا تنگ کر دیا اور اس کا اسلام اور ان کے مولفۃ قلوب کا اسلام حسین اور اچھا ہو گیا، سوائے عیینہ بن حصن کے وہ ہمیشہ متہم رہتا۔ تمام مولفۃ قلوب فاضل لوگ تھے، ان میں سے بہترین اور عمدہ فاضل بھی ہیں جن کے فضل پر اجماع ہے، مثلاً حارث بن

ہشام، حکیم بن حزام، عکرمہ بن ابی جہل، سہیل بن عمرو اور ان میں سے کچھ ان میں سے کم ہیں۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور اپنے تمام مومن بندوں کو آپس میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور وہ انہیں بہتر جانتا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ حکیم بن حزام نے وہ مال نکال دیا جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مولفۃ قلوب کی صورت میں عطا فرمایا تھا پس انہوں نے اس کے بعد اسے صدقہ کر دیا(۱)۔

میں (مفسر) کہتا ہوں کہ حضرت حکیم بن حزام اور حضرت حویطب بن عبدالعزی میں سے ہر ایک ایک سو بیس برس تک زندہ رہا، ساٹھ سال اسلام کی حالت میں اور ساٹھ برس زمانہ جاہلیت میں۔ اور میں نے امام الشیخ، الحافظ ابو محمد عبدالعظیم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے وہ آدمی ہیں جو زمانہ جاہلیت میں ساٹھ برس تک اور زمانہ اسلام میں بھی ساٹھ برس تک زندہ رہے اور وہ دونوں مدینہ طیبہ میں ۵۴ ھ میں فوت ہوئے۔ ان میں سے ایک حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ ہیں، ان کی ولادت جوف کعبہ میں عام الفیل سے تیرہ سال پہلے ہوئی۔ اور دوسرے حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن حرام انصاری ہیں۔ اور اسے ابوعمر اور عثمان الشہر زوری نے بھی کتاب ''معرفۃ انواع علم الحدیث'' میں ذکر کیا ہے اور ان دونوں نے ان کے سوا کسی کا ذکر نہیں کیا۔ اور حویطب کا ذکر ابوالفرج علامہ الجوزی نے کتاب الوفاء فی شرف المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا ہے اور اسے ابوعمر نے کتاب الصحابہ میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کیا اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال تھی اور ایک سو بیس سال کی عمر میں ان کا وصال ہوا۔ اور انہوں نے حمنن ابن عوف جو کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں ان کا بھی ذکر کیا ہے کہ وہ حالت اسلام میں ساٹھ برس تک زندہ رہے اور جاہلیت میں بھی ساٹھ سال تک زندہ رہے۔ اور مولفۃ قلوبھم میں حضرت معاویہ اور ان کے والد ابوسفیان بن حرب کو بھی شمار کیا گیا ہے۔

رہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ! تو آپ کا ان میں سے ہونا بعید ہے۔ اور آپ ان میں سے کیسے ہو سکتے ہیں حالانکہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کی قراءت پر امین بنایا اور انہیں اپنی ذات کے ساتھ ملا لیا تھا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ایام میں ان کی حالت اس سے زیادہ مشہور اور اظہر تھی۔ اور جہاں تک ان کے باپ کا تعلق ہے تو اس میں کوئی کلام نہیں کہ وہ ان میں سے تھے۔ اور مولفۃ قلوبھم کی تعداد میں اختلاف ہے، بالجملہ وہ سب کے سب مومن تھے اور ان میں کوئی بھی کافر نہیں تھا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم واحکم۔

مسئلہ نمبر ۱۳۔ علماء نے ان کے باقی رہنے میں اختلاف کیا ہے۔ پس حضرت عمر، حسن اور شعبی وغیرہ ہم نے کہا ہے: اسلام کے غلبے اور ظہور کے ساتھ یہ صنف ختم ہو چکی ہے۔ یہی امام مالک اور اصحاب رائے رحمۃ اللہ علیہم کا مشہور مذہب ہے۔ بعض علمائے حنفیہ نے کہا ہے: جب اللہ تعالیٰ نے اسلام اور اس کے ماننے والوں کو غلبہ عطا فرمایا اور کافروں کی جڑ کاٹ دی۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی ان پر لعنت ہو۔۔۔۔ تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں ان کے حصہ کے ساقط ہونے پر اجماع کیا(۲)۔ اور علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے: وہ ابھی باقی ہیں، کیونکہ امام وقت کو بسا اوقات ضرورت پیش آتی ہے کہ وہ اسلام پر مائل کرے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب دین کو غالب آتے دیکھا تو آپ نے انہیں ختم کر دیا۔ یونس

نے کہا ہے: میں نے زہری سے ان کے بارے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: میں ان کے بارے میں نسخ کو نہیں جانتا۔ ابوجعفر نحاس نے کہا ہے: پس اس بنا پر حکم ان کے بارے میں ثابت ہے، پس اگر کوئی ہو جس کی تالیف قلب کی ضرورت ہو اور ان کے بارے یہ خوف ہو کہ مسلمانوں کو اس سے کوئی آفت آپہنچے گی یا یہ امید ہو کہ اس کا اسلام اس کے بعد اچھا ہو جائے گا تو اسے دے دیا جائے۔ قاضی عبدالوہاب نے کہا ہے: اگر بعض اوقات ان کی حاجت اور ضرورت پیش آجائے تو انہیں صدقے میں سے دے دیا جائے۔ اور قاضی ابن عربی نے کہا ہے: جو میرے نزدیک ثابت ہے وہ یہ ہے کہ اگر اسلام قوی اور طاقتور ہو تو وہ زائل ہو چکے ہیں (انہیں کچھ بھی نہ دیا جائے) اور اگر ان کی احتیاج اور ضرورت ہو تو ان کا حصہ انہیں دیا جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیتے تھے (۱)، کیونکہ صحیح روایت میں ہے: ''اسلام کا آغاز غریب حالت میں ہوا اور عنقریب وہ پھر اسی حالت کی طرف لوٹ جائے گا جس پر وہ شروع میں تھا'' (۲)۔

مسئلہ نمبر ۱۴۔ پس جب ہم نے اس پر تفریع ذکر کی ہے کہ ان کی طرف ان کا حصہ نہیں لوٹا جائے گا کیونکہ وہ تمام اصناف کی طرف لوٹ جائیں گے یا اس کی طرف جسے امام مناسب دیکھے گا۔ اور زہری نے کہا ہے: ان کا نصف حصہ مساجد بنانے والوں کو دے دیا جائے گا۔ اور تیری اس پر رہنمائی کرتی ہے کہ آٹھوں اصناف محل ہیں اور وہ سب برابر مستحق نہیں ہیں۔ اور اگر وہ مستحق ہوتے تو یقیناً ان کا حصہ ان کے سقوط کے ساتھ ساقط ہو جاتا اور وہ ان کے غیر کی طرف نہ لوٹتا، جیسا کہ اگر کوئی دو معین قوم کے لیے وصیت کرے پھر ان میں سے ایک مر جائے تو اس کو حصہ ان میں سے باقی رہنے والوں کی طرف نہیں لوٹتا۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر ۱۵۔ قولہ تعالیٰ: وفی الرقاب یعنی گردنیں آزاد کرانے میں۔ اسے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے ذکر کیا ہے۔ اور یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا مذہب ہے۔ پس امام کے لیے جائز ہے کہ مال صدقہ سے گردنیں (غلام) خریدے اور انہیں مسلمانوں کی جانب سے آزاد کر دے اور ان کی ولاء مسلمانوں کی جماعت کے لیے ہوگی۔ اور اگر صاحب زکوٰۃ (زکوٰۃ ادا کرنے والا مالک) انہیں خریدے اور پھر انہیں آزاد کر دے تو یہ بھی جائز ہے۔ یہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مذہب کا ماحصل ہے۔ اور حضرت ابن عباس اور حسن رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور امام احمد، اور ابو عبید وغیرہ نے بھی یہی کہا ہے۔ اور ابوثور نے کہا ہے: صاحب زکوٰۃ کسی نفس کو زکوٰۃ سے نہیں خرید سکتا کہ وہ اسے ولاء کے حصول کے لیے پھر آزاد کر دے۔ یہی قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، اصحاب الرائے کا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت ہے۔ اور صحیح پہلا قول ہی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وفی الرقاب پس جب صدقات میں گردنوں کی آزادی کا حصہ ہے تو پھر اس کے لیے جائز ہے کہ وہ ایک غلام خریدے اور اسے آزاد کر دے۔ اور اہل علم کے مابین اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ آدمی کے لیے گھوڑا خریدنا جائز ہے کہ وہ اس پر اللہ تعالیٰ کی راہ میں سوار ہو کی جائے گا۔ (یعنی جہاد کے لیے) تو جب اس کے لیے گھوڑا مکمل طور پر زکوٰۃ سے خریدنا جائز ہے تو پھر اس کے لیے غلام مکمل طور پر خریدنا بھی جائز ہوگا۔ ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر ۱۶۔ قولہ تعالیٰ: وفی الرقاب یہ ولاء میں اصل ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: یہ گردن آزاد ہو جائے گی اور اس کی ولاء مسلمانوں کے لیے ہوگی۔ اور اسی طرح حکم ہے اگر اسے امام وقت نے آزاد کیا، تحقیق حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

نے ولاء بیچنے اور اسے ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ولاء بھی نسبی قرابت کی طرح قرابت ہے لہٰذا نہ اسے بیچا جا سکتا ہے اور نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ولاء اس کے لیے ہوگی جس نے آزاد کیا''۔ اور عورتیں ولاء میں سے کسی شے کی وارث نہیں ہو سکتیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''عورتیں ولاء میں کسی شے کی وارث نہیں ہوں گی سوائے اس کے جسے وہ آزاد کریں یا جسے اس نے آزاد کیا جسے انہوں نے آزاد کیا'' (۱)۔ تحقیق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کو غلام کی جانب سے نصف کا اور نصف کا اس کی بیٹی کو وارث بنایا (۲)۔ اور جب آزاد کرنے والا مذکر اور مونث اولاد چھوڑے تو ولاء اس کی اولاد میں سے مذکر افراد کے لیے ہوگی نہ کہ مونث کے لیے۔ اور اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع ہے۔ اور ولاء کا وارث محض وہ ہوتا ہے جسے عصبہ بنایا جاتا ہے اور عورتیں عصبہ نہیں بن سکتیں پس وہ ولاء میں سے کسی شے کی وارث نہیں بن سکتیں۔ پس تو سمجھ لے تو منزل کو پالے گا۔

مسئلہ نمبر ۱۷۔ علماء نے اس بارے اختلاف کیا ہے کہ کیا مکاتب کی صدقات سے مدد کی جائے گی؟ تو کہا گیا ہے: نہیں۔ یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب گردن (غلام آزاد کرنے) کا ذکر کیا ہے تو یہ اس پر دلیل ہے کہ اس نے کامل آزادی کا ارادہ کیا ہے۔ اور رہا مکاتب تو وہ غارمین (مقروض) کے کلمہ میں داخل ہے اس وجہ سے کہ اس پر کتابت کا دین (قرض) ہے۔ پس وہ الرقاب میں داخل نہ ہوگا (۳)۔ واللہ اعلم۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مدنیین کی روایت سے مروی ہے اور زید نے ان سے روایت کی ہے کہ مال صدقہ سے مکاتب کی اس کی کتابت کی آخر میں اتنے مال سے مدد کی جائے گی کہ وہ آزاد ہو جائے (٤)۔ اور اسی بناء پر جمہور علماء نے قول باری تعالیٰ: وفی الرقاب کی تاویل کی ہے۔ اور ابن وہب، امام شافعی، لیث اور نخعی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم نے کہا ہے۔ اور علی بن موسیٰ القمی الحنفی نے اپنی احکام میں بیان کیا ہے کہ انہوں نے اس پر اجماع کیا ہے کہ مکاتب مراد ہے۔ اور گردنیں آزاد کرنے میں انہوں نے اختلاف کیا ہے: الکیا طبری نے کہا ہے: اور انہوں نے اس کے انکار اور منع میں واضح اور بین وجہ ذکر کی ہے اور کہا ہے: بے شک آزاد کرنا ملکیت کو باطل کرنا ہے اور تملیک (مالک بنانا) نہیں ہے اور جو مکاتب کو دیا جائے گا وہ تملیک (مالک بنانا) ہے اور صدقہ کے حق میں سے ہے کہ وہ جائز نہیں ہوتا مگر تب جب اس میں تملیک جاری ہو، اور اس کے لیے یہ بات بھی باعث تقویت ہے کہ اگر مقروض کی جانب سے اس کے حکم کے بغیر کوئی زکوٰۃ میں سے اس کا قرض ادا کر دے تو اس حیثیت سے جائز نہیں کہ وہ اس کا مالک نہیں بنا تو وہ ادائیگی عتق میں بدرجہ اولیٰ جائز نہ ہوگی۔ اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ عتق بھی ولاء کو اپنی ذات کی طرف لانا ہوتا ہے اور وہ مکاتب کو دینے میں حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ غلام کے ثمن جب اس نے ایک غلام کو دے دیئے تو غلام اس کا مالک نہیں ہو سکتا اور اگر اس نے وہ اس کے آقا کو دیئے تو اس نے اسے آزاد کرنے کا مالک بنا دیا۔ اور اگر اس نے اسے شراء اور عتق کے بعد دیئے تو وہ قرض کو پورا کرنے والا ہوگا اور وہ زکوٰۃ میں جائز نہ ہوگا۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: حدیث موجود ہے جو اس معنی پر نص ہے جو ہم نے غلام کو آزاد کرنے اور مکاتب کی مدد کرنے کے جواز کے بارے ذکر کیا ہے، دارقطنی نے اسے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے بیان کیا: ایک آدمی حضور نبی

مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا اور اس نے عرض کی: آپ میری ایسے عمل پر راہنمائی فرمائیے جو مجھے جنت کے قریب کردے اور مجھے جہنم کی آگ سے دور کردے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تو خطبہ مختصر اور چھوٹا کرے تو تو نے مسئلہ (سوال) سے اعراض کیا، تو ایک آدمی کو آزاد کر اور گردن چھوڑ دے''۔ تو اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ دونوں ایک نہیں ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں، نفس اور آدمی کو آزاد کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ تو اسے آزاد کرنے میں منفرد ہو اور فک الرقبۃ کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ثمن میں معاونت کرے'' (۱)۔ اور آگے حدیث ذکر کی۔

مسئلہ نمبر ۱۸۔ مال زکوٰۃ سے قیدیوں کو آزاد کرانے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ اصبغ نے کہا ہے: یہ جائز نہیں ہے۔ اور ابن قاسم کا قول ہے اور ابن حبیب نے کہا ہے: یہ جائز ہے (۲)، کیونکہ یہ گردن ہے جس کا غلامی کی ملکیت کے ساتھ مالک بنایا گیا ہے پس یہ غلامی سے آزادی کی طرف نکل جاتی ہے اور یہ ان گردنوں کو آزاد کرنے کی نسبت زیادہ حق رکھتی ہے جو ہمارے قبضے میں ہیں، کیونکہ جب مسلمان کی غلامی سے مسلمان کو آزاد کرانا عبادت اور صدقہ کے مال سے جائز ہے، تو پھر زیادہ مناسب اور اولیٰ ہے کہ کافر کی غلامی اور ذلت سے مسلمان کی گردن آزاد ہو۔

مسئلہ نمبر ۱۹۔ قولہ تعالیٰ: والغرمین مراد وہ لوگ ہیں جن پر قرض ہو اور ان کے پاس اسے ادا کرنے کی طاقت نہ ہو اور اس میں کوئی اختلاف نہیں، مگر وہ آدمی جس نے سفاہت اور بے وقوفی کی وجہ سے قرض لیا تو اس کی طرف سے مال زکوٰۃ یا کسی دوسرے مال سے قرض ادا نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ وہ توبہ کرلے (۳)۔ اور اس کا قرض مال زکوٰۃ میں سے ادا کیا جائے گا جس کے پاس مال ہو اور اس پر اتنا قرض ہو جو اس سارے مال محیط ہو جس کے ساتھ وہ اپنا قرض پورا کرسکتا ہے اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو اور اس پر قرض ہو تو وہ فقیر بھی ہے اور غارم (مقروض) بھی لہٰذا دونوں وصفوں کے عوض اسے دیا جائے گا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اس پھل میں جو اس نے خریدا تھا خسارہ پڑ گیا اور اس کا قرض بہت زیادہ ہوگیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اس پر صدقہ کرو''۔ چنانچہ لوگوں نے اس پر صدقہ کیا اور وہ اس کے قرض کی پوری مقدار کو نہ پہنچ سکا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قرض خواہوں کو فرمایا: ''تم وہ لے لو جو تم پاؤ اور تمہارے لیے اس کے سوا کچھ نہیں'' (۱)۔

مسئلہ نمبر ۲۰۔ صلح اور نیکی کے لیے دیت یا جرمانہ وغیرہ کا بوجھ برداشت کرنے والے کے لیے جائز ہے کہ اسے صدقہ میں سے اتنا دیا جائے جس سے وہ اسے ادا کرسکے جو بوجھ اس نے اٹھایا ہے بشرطیکہ وہ اس پر واجب ہو اگرچہ وہ غنی ہو، جب کہ وہ اپنے مال سمیت برباد کیا جارہا ہو جیسا کہ مقروض۔ اور یہ امام شافعی، آپ کے اصحاب اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم اور کئی دوسروں نے کہا ہے۔ اور جس نے یہ مذہب اختیار کیا ہے اس نے قبیصہ بن مخارق کی حدیث سے استدلال کیا ہے انہوں نے بیان کیا: میں نے ایک ذمہ داری (بوجھ) اٹھائی اور میں حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تاکہ اس بارے میں آپ سے سوال کروں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو ٹھہر یہاں تک کہ ہمارے پاس صدقہ آجائے تو ہم تیرے لیے اس سے حکم دیں گے۔۔۔۔۔ پھر فرمایا۔۔۔۔۔ اے قبیصہ! بے شک مانگنا، سوال کرنا تین آدمیوں میں سے ایک کے سوا کسی کے لیے حلال نہیں ہوتا ایک وہ جس نے

کسی کا بوجھ (دیت، خون بہا وغیرہ) اٹھا رکھا ہو تو اس کے لیے مانگنا حلال ہے یہاں تک کہ وہ اسے ادا کرنے کے قابل ہو جائے پھر وہ مانگنے سے رک جائے۔ اور دوسرا وہ آدمی جسے کوئی تکلیف اور مصیبت آ پہنچی ہو اس کا مال برباد ہو گیا ہو تو اس کے لیے مانگنا حلال ہے یہاں تک کہ وہ مضبوط زندگی گزارنے کے قابل ہو جائے۔ اور تیسرا وہ آدمی جسے فاقے نے آلیا ہو یہاں تک کہ اس کی قوم کے تین آدمی شہادت دیں کہ تحقیق فلاں کو فاقے نے آلیا ہے تو اس کے لیے سوال کرنا حلال ہے یہاں تک کہ وہ مضبوط اور صحیح زندگی گزارنے کے قابل ہو جائے۔ اے قبیصہ! ان کے سوا سوال کرنا حرام ہے اور سوال کرنے والا اس طرح حرام کھائے گا'' (۲)۔

پس آپ کا قول: ثم یمسک اس پر دلیل ہے کہ اب وہ غنی ہے، کیونکہ فقیر پر رکنا لازم نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''بے شک سوال کرنا، مانگنا حلال نہیں ہے مگر تین میں سے ایک کے لیے ایک وہ جو شدید فقر میں مبتلا ہو یا وہ جو شدید اور پریشان کن قرض میں مبتلا ہو (۳) یا جو دردناک اور تکلیف دہ دیت اور خون بہا کے بوجھ میں مبتلا ہو''۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''سوائے پانچ کے کسی غنی کے لیے صدقہ حلال نہیں ہوگا'' (٤)۔ الحدیث۔ عنقریب آئے گی۔

مسئلہ نمبر ۲۱۔ اس میں اختلاف ہے کیا صدقہ کے مال سے میت کا قرض ادا کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: صدقہ سے میت کا قرض ادا نہیں کیا جا سکتا اور یہی قول ابن المواز کا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مزید کہا: مال صدقہ میں سے اسے بھی نہیں دیا جا سکتا پر کفارہ ہو اور حقوق اللہ میں سے اسی طرح کی کوئی اور شے لازم ہو، بے شک غارم وہ ہے جس پر ایسا قرض ہو جس میں اسے قید کیا جا سکتا ہو (٥)۔ ہمارے علماء وغیرہم نے کہا ہے: مال صدقہ میں سے میت کا قرض ادا کیا جا سکتا ہے، کیونکہ وہ غارمین میں سے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں ہر مومن کے اس کی جان سے زیادہ قریب ہوں، جس کسی نے مال چھوڑے تو وہ میری طرف اور میرے ذمہ ہے'' (۱)۔

مسئلہ نمبر ۲۲۔ قولہ تعالیٰ: وفی سبیل اللہ اس سے مراد جنگ لڑنے والے لشکری اور چھاؤنیوں کی جگہیں ہیں، انہیں وہ مال دیا جائے گا جو وہ اپنی جنگ میں خرچ کرتے ہیں چاہے وہ اغنیاء ہوں یا فقراء یہ اکثر علماء کا قول ہے اور یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ علیہ کے مذہب کا ماحصل ہے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے ہیں۔ امام احمد اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے اسے ترجیح دی جاتی ہے، کیونکہ ان دونوں نے کہا ہے: سبیل اللہ حج ہے (۲)۔ اور بخاری میں ہے: اور ابو لاس سے ذکر کیا جاتا ہے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے حج کے لیے صدقہ کے اونٹ پر سوار کیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا جاتا ہے: آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ سے (غلام) آزاد کرا سکتا ہے (۳) اور حج میں دے سکتا ہے۔

ابو محمد عبدالغنی الحافظ نے بیان کیا ہے کہ محمد بن خیاش نے ہمیں بیان کیا، انہوں نے کہا ابو غسان مالک بن یحییٰ نے ہمیں بیان کیا، انہوں نے کہا: یزید بن ہارون نے ہمیں بیان کیا، انہوں نے کہا مہدی بن میمون نے محمد بن ابی یعقوب سے انہوں نے عبدالرحمن ابن ابی نعم سے اور ان کی کنیت ابوالحکم ہے، ہمیں خبر دی کہ انہوں نے کہا: میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت آپ کے پاس آئی اور اس نے کہا: اے ابا عبدالرحمن! بے شک میرے خاوند نے اپنے مال کے بارے میں فی سبیل

اللہ کے لیے وصیت کی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہمانے فرمایا: پس وہ اسی طرح ہے جیسے اس نے فی سبیل اللہ کہا ہے۔ تو میں نے ان کو کہا: جس بارے اس نے سوال کیا ہے تم نے اس کے لیے سوائے غم اور پریشانی کے کسی شے کا اضافہ نہیں کیا۔ انہوں نے فرمایا: اے ابن ابی نعم تو مجھے یہ مشورہ دے رہا ہے کہ میں اسے یہ حکم دیتا کہ وہ اپنا مال وصیت ان لشکروں کو دے دے جو نکلتے ہیں اور زمین میں فساد پیدا کرتے ہیں اور ڈاکے ڈالتے ہیں۔ تو میں نے پوچھا: تو آپ اسے کیا حکم دو گے؟ انہوں نے فرمایا: میں اسے حکم دے رہا ہوں کہ وہ یہ مال صالحین کی جماعت کو دے۔ بیت اللہ الحرام کو حج کرنے والوں کو دے۔ وہ رحمن کا وفد ہیں، وہ رحمن وفد ہیں، وہ شیطان کے وفد کی مثل نہیں ہیں۔ انہوں نے یہ جملہ تین بار کہا۔ میں نے کہا: اے ابا عبدالرحمن! شیطان کا وفد کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: وہ قوم ہے جو ان امراء پر داخل ہوتے ہیں اور ان کے پاس جا کر باتوں کی چغلی کھاتے ہیں اور مسلمانوں کے بارے میں جھوٹی باتیں کرتے ہیں۔ پس انہیں انعامات دیئے جاتے ہیں اور اس پر انہیں عطایا دیئے جاتے ہیں اور محمد بن عبدالحکم نے کہا ہے: صدقہ کے مال سے گھوڑوں، ہتھیاروں اور دیگر تمام آلات جن کی جنگ میں ضرورت ہوتی ہے دیا جا سکتا ہے اور سرحد سے دشمن کو روکنے کے لیے، کیونکہ یہ سب کا سب جنگ کی واہ اور اس کی منفعت میں سے ہے۔ تحقیق حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہل بن ابی حثمہ پر آنے والی آفت میں اس فتنہ کی آگ کو بجھانے کے لیے سو اونٹ عطا فرمائے (۱)۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: اس حدیث کو ابوداؤد نے بشیر بن یسار سے بیان کیا ہے کہ انصار کا ایک آدمی جسے سہل بن ابی حثمہ کہا جاتا تھا اس نے انہیں خبر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے صدقہ کے اونٹوں میں سے سو اونٹ بطور دیت دیئے (۲) یعنی اس انصاری کی دیت جو خیبر میں قتل ہوا تھا۔ اور عیسیٰ بن دینار نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے لیے صدقہ حلال ہوتا ہے، بلاشبہ یہ اس کے لیے حلال ہوتا ہے جس کے پاس اس کا مال موجود نہ ہو اور یہ مذہب امام شافعی امام احمد، اسحاق اور جمہور اہل عالم رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔

اور امام اعظم ابوحنیفہ اور صاحبین نے کہا ہے: مجاہد کو صدقہ کا مال نہیں دیا جائے گا مگر جب کہ وہ فقیر ہو اور لشکر سے کٹ جانے والا ہو۔ اور یہ نص پر زیادتی ہے اور آپ کے نزدیک نص پر زیادتی نسخ کہلاتی ہے۔ اور نسخ ثابت نہیں ہوتا مگر قرآن کریم کے ساتھ یا خبر متواتر کے ساتھ اور وہ یہاں معدوم ہے (۳)، بلکہ صحیح سنت میں حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے اس کا خلاف ثابت ہے: ''کسی غنی کے لیے صدقہ حلال نہیں ہوتا سوائے پانچ کے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے لیے یا زکوٰۃ وصول کرنے والے عامل کے لیے یا اس آدمی کے لیے جس نے صدقہ کو اپنے مال سے خرید لیا ہو یا غارم (مقروض) کے لیے یا اس آدمی کے لیے جس کے پڑوس میں کوئی مسکین ہو اور وہ اس مسکین پر صدقہ کرے پھر وہ مسکین کسی غنی کو بطور ہدیہ دے دے'' (٤)۔ اسے امام مالک رحمۃ اللہ نے زید بن اسلم عن عطاء بن یسار سے مرسل ذکر کیا ہے اور معمر نے زید بن اسلم عن عطا بن یسار عن ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سند سے مرفوع ذکر کیا ہے۔ پس یہ حدیث آیت کے معنی کے لیے مفسر ہے۔ اور یہ کہ بعض اغنیاء کے لیے صدقہ لینا جائز ہوتا ہے اور یہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے لیے مفسر ہیں: ''صدقہ حلال نہیں کسی غنی کے لیے اور نہ کسی طاقت ور تندرست کے لیے'' (٥)۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مجمل ہے اور یہ اپنے عموم پر نہیں ہے اس کی دلیل مذکورہ

پانچ اغنیاء والی روایت ہے۔ اور ابن القاسم کہتے تھے: کسی غنی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ صدقہ میں سے ایسا مال لے جس سے جہاد میں وہ مدد حاصل کر سکتا ہے اور اسے فی سبیل اللہ خرچ کر سکتا ہے اور بلاشبہ یہ فقیر کے لیے جائز ہے۔ فرمایا: اور اسی طرح غارم (مقروض) بھی ہے اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ صدقہ سے اتنا مال لے جس کے ساتھ وہ اپنا مال بچا سکتا ہو اور اس سے وہ اپنا قرض ادا کرے حالانکہ وہ اس (صدقہ) سے غنی ہو۔ فرمایا: جب مجاہد اپنے غزوہ میں محتاج ہو جائے حالانکہ وہ غنی تھا اس کا مال ہو جو اس سے غائب ہو (یعنی اس کے پاس موجود نہ ہو) تو وہ صدقہ میں سے کوئی شی نہ لے اور قرضہ لے لے اور پھر جب وہ اپنے شہر پہنچے تو اپنے مال سے اسے ادا کر دے۔ یہ سب کچھ ابن حبیب نے ابن القاسم سے ذکر کیا ہے اور انہوں نے یہ گمان کیا ہے کہ ابن نافع وغیرہ نے اس بارے میں ان کی مخالفت کی ہے۔ ابوزید وغیرہ نے ابن قاسم سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: زکوۃ سے غازی کو حصہ دیا جائے گا اگرچہ دوران جنگ اس کے پاس اتنا مال ہو جو اسے کافی ہو اور وہ اپنے شہر میں غنی (دولت مند) ہو یہی صحیح ہے، کیونکہ ظاہر حدیث یہ ہے: ''سوائے پانچ کے کسی غنی کے لیے صدقہ حلال نہیں ہوتا'' (۱)۔ اور ابن وہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ مال زکوۃ میں سے مجاہدین اور گھوڑے باندھنے کی جگہوں یا سرحد کے قریب ان کی حفاظت کے لیے چھاؤنیوں وغیرہ کے لیے دیا جائے گا چاہے وہ فقراء ہوں یا اغنیاء۔

مسئلہ نمبر ۲۳۔ قولہ تعالیٰ: وابن السبیل سبیل کا معنی راستہ ہے اور مسافر کی نسبت اس کی طرف کی جاتی ہے کیونکہ وہ اسے لازم پکڑنے والا ہوتا ہے اور اس کا گزر اس پر ہوتا ہے، جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

ان تسالونی عن الھوی فانا الھوی وابن الھوی واخو الھوی وابوہ

مراد یہ ہے کہ جب کسی نے اپنے شہر، اپنی قیام گاہ اور اپنے مال سے سفر اختیار کر لیا اور راستے میں اس کے اسباب ختم ہو گئے، تو مال زکوۃ میں سے اسے دیا جائے گا اگرچہ وہ اپنے شہر میں غنی ہو اور اس میں یہ لازم نہیں کہ اس کا ذمہ قرض حسنہ سے مشغول ہو۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ابن سحنون کی کتاب میں کہا ہے: جب وہ ایسے آدمی کو پالے جو اس کا قرض ادا کر دے گا تو پھر اسے مال زکوۃ میں سے نہ دیا جائے گا (۲)۔ اور پہلا قول اصح ہے، کیونکہ اس کے لیے لازم نہیں ہے کہ وہ کسی ایک کے احسان کے نیچے داخل ہو حالانکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے احسان کو پا لیا ہے۔ اور اگر اس کے پاس اتنا مال ہو جو اسے غنی کر دے تو پھر ابن سبیل ہونے کی حیثیت سے اس کے لیے مال زکوۃ لینے کے جواز میں دو روایتیں ہیں: مشہور یہ ہے کہ اسے مال زکوۃ نہیں دیا جائے گا۔ اور اگر اس نے لے لیا تو پھر اسے لوٹانا اس کے ذمہ لازم نہ ہوگا جب وہ اپنے شہر کی طرف جائے اور نہ بطور زکوۃ اسے (دیگر افراد کو دینا) اس پر لازم ہے۔

مسئلہ نمبر ۲۴۔ اگر کوئی آئے اور مذکورہ اوصاف میں سے کسی وصف کا دعویٰ کرے، تو کیا اس کا قول قبول کیا جائے گا یا نہیں اور اسے یہ کہا جائے گا کہ جو تو کہہ رہا ہے اسے ثابت کر؟ تو جہاں تک دین کا تعلق ہے تو یہ ضروری ہے کہ وہ اسے ثابت کرے اور رہیں تمام صفات تو ظاہر حال اس کی شہادت دیتا ہے اور ان میں اسی پر اکتفا کر لیا جائے گا۔ اور اس پر دلیل دو صحیح حدیثیں ہیں۔ دونوں کو اہل الصحیح نے روایت کیا ہے اور یہی قرآن کریم کا ظاہر معنی بھی ہے۔ امام مسلم نے جریر سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت

بیان کی ہے انہوں نے بیان کیا: دن کے آغاز میں ہم حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ فرمایا: پس ایک قوم آپ کے پاس حاضر ہوئی وہ پراگندہ حال، ننگے پاؤں، سفید دھاری دار قمیصیں یا عبائیں پہنے ہوئے تھے اور تلواریں لٹکائے ہوئے تھے، ان میں سے عام قبیلہ مضر سے تھے بلکہ وہ تمام کے تمام ہی مضر میں سے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مقدس اس وقت متغیر ہو گیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فاقے کی حالت میں دیکھا، پس آپ اندر تشریف لے گئے پھر باہر تشریف لائے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم ارشاد فرمایا پس انہوں نے اذان اور اقامت کہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔ پھر آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا: یایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم. الایہ تا قولہ۔ رقیبا۔ (النساء) (اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک جان سے اور پیدا فرمایا اسی سے جوڑا اس کا اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد میں اور عورتیں الخ)

اور وہ آیت جو سورۃ حشر میں ہے: ولتنظر نفس ماقدمت لغد (الحشر:۱۸) (اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے کل کے لیے) ہر آدمی اپنے درہم و دینار میں سے، اپنے کپڑے میں سے اور اپنی گندم کے صاع میں سے صدقہ کرے، حتیٰ کہ فرمایا: اگرچہ وہ آدمی کھجور ہی ہو"۔ فرمایا: پس انصار میں سے ایک آدمی ایک تھیلی لے کر آیا جس سے اس کا پہلو جھکنے کے قریب تھا بلکہ وہ جھکا ہوا تھا، فرمایا: پھر لوگ لگاتار تسلسل کے ساتھ آنے لگے یہاں تک کہ میں نے وہاں کھانے پینے کی چیزوں کے دو ڈھیر لگے ہوئے دیکھے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھا تو وہ چمک رہا تھا گویا کہ اس پر سونے کا طلاء کیا گیا ہو۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے اسلام میں اچھا طریقہ رائج کیا تو اس کے لیے اس کا اجر ہوگا اور اس کا اجر بھی جس نے اس کے بعد اس کے مطابق عمل کیا لیکن ان کے اجروں میں سے کوئی شے کم نہیں کی جائے گی اور جس نے اسلام میں برا طریقہ رائج کیا اس پر اس کا بوجھ ہوگا اور اس کا بوجھ بھی جس نے اس کے بعد اس کے مطابق عمل کیا لیکن ان کے اپنے بوجھ اور گناہوں میں سے کسی شے کی کمی نہیں کی جائے گی" (۱)۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہر حال پر اکتفاء کیا اور آپ نے صدقہ دینے پر برانگیختہ کیا اور ان سے کوئی گواہ طلب نہ کیا اور نہ اس کی چھان بین کی کہ کیا ان کے پاس مال ہے یا نہیں؟ اور اسی کی مثل ابرص، اقرع اور اعمیٰ والی حدیث ہے جسے امام مسلم وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ اور یہ ان کے الفاظ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "بے شک بنی اسرائیل میں ایک برص کا مریض، ایک گنجا اور ایک اندھا تھا پس اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ انہیں آزمائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجا وہ پہلے برص والے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کون سی شے تیرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے؟ تو اس نے جواب دیا خوبصورت رنگ اور اچھی جلد اور مجھ سے یہ بیماری دور ہو جائے جس کے سبب لوگ مجھے ناپسند کرتے ہیں، فرمایا: پس اس نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اس سے سارے داغ ختم ہو گئے اور اسے خوبصورت رنگ اور اچھی جلد عطا کر دی گئی۔ اس نے کہا: کون سا مال تیرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے؟ اس نے جواب دیا اونٹ یا کہا گائیں، یہ شک اسحاق کو ہے، مگر یہ کہ برص والے یا گنجے میں سے ایک نے اونٹ کہا اور دوسرے نے گائے کہا۔ بیان کیا: پس اسے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی دے دی گئی اور اس نے کہا: اللہ تعالیٰ تجھے اس میں برکت عطا

فرمائے بعد ازاں وہ گنجے کے پاس آیا اور اس سے کہا: کون سی شے تیرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے؟ اس نے جواب دیا: خوبصورت بال اور وہ مجھ سے ختم ہو گئے ہیں اور یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے گھن کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: پس اس نے اسے ہاتھ پھیرا تو اس سے گنجا پن دور ہو گیا اور اسے خوبصورت بال عطا کر دیئے گئے پھر اس نے پوچھا: کون سا مال تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہے؟ تو اس نے کہا: گائے چنانچہ اسے حاملہ گائے عطا کر دی گئی۔

اور اس نے کہا: اللہ تعالیٰ تیری لیے اس میں برکت عطا فرمائے، فرمایا: پھر وہ اندھے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا: کون سی شے تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہے؟ اس نے کہا: یہ کہ اللہ تعالیٰ میری نظر مجھے واپس لوٹا دے کہ میں اس کے ساتھ لوگوں کو دیکھ سکوں، فرمایا۔ پس اس نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بصارت اسے واپس لوٹا دی، پھر اس نے پوچھا: کون سا مال تیرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے؟ اس نے جواب دیا: بکریاں پس اسے بچے جننے والی بکری عطا کر دی گئی پس ان دونوں (گائے اور اونٹنی) اور اس بکری نے بچوں کو جنم دیا، فرمایا پس اس کے لیے اونٹوں کی ایک وادی ہو گئی اور دوسری کے لیے گائیوں کی وادی ہوگی اور تیسرے کے لیے بکریوں سے وادی بھر گئی، فرمایا: پھر وہ فرشتہ ایک اور صورت اور ہیئت میں اس برص والے کے پاس آیا اور کہا: میں مسکین آدمی ہوں میرے پاس اسباب سفر ختم ہو چکے ہیں آج میرے لیے سوائے اللہ تعالیٰ اور تیرے کوئی نہیں ہے میں تجھ سے اس ذات کے وسیلہ سے مانگ رہا ہوں جس نے تجھے حسین رنگ، خوبصورت جلد اور اونٹوں کی صورت میں مال عطا فرمایا کیا تو میرے اس سفر میں اس میں سے کچھ معاونت کر سکتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا: حقوق بہت زیادہ ہیں، تو اس نے اسے کہا: میں تجھے پہچانتا ہوں کیا تو برص زدہ نہ تھا لوگ تجھے فقیر ہونے کی وجہ سے ناپسند کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تجھے (یہ مال) عطا فرمایا؟ تو اس نے جواب دیا: بلاشبہ میں تو اپنے جد اعلیٰ کی جانب سے پشت در پشت اس مال کا وارث ہوں، تو اس نے کہا اگر تو جھوٹ بول رہا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ تجھے اسی حالت پر کر دے جس پر تو پہلے تھا، پھر وہ گنجے کے پاس اپنی صورت میں آیا اور اس سے اسی طرح گفتگو کی جیسے اس پہلے سے کی تھی، تو اس نے بھی اسے اس پہلے کی طرح جواب دیا تو اس (فرشتے) نے کہا: اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے اسی حالت پر کر دے جس پر تو پہلے تھا، فرمایا: پھر وہ اپنی اسی صورت اور ہیئت میں اندھے کے پاس آیا اور کہا: میں مسکین اور ابن سبیل (مسافر) آدمی ہوں مجھ سے میرے اسباب سفر منقطع ہو گئے پس آج میرے لیے سوائے اللہ تعالیٰ اور تیرے کوئی سہارا نہیں میں تجھ سے اس ذات کے وسیلہ سے مانگ رہا ہوں جس نے تجھے بصارت اور بکریاں عطا فرمائیں کیا تو ان کے ساتھ میرے سفر میں کوئی معاونت کر سکتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا: تحقیق میں اندھا تھا تو اللہ تعالیٰ نے میرے طرف میری بصارت لوٹا دی تو جو چاہے لے لے اور جو چاہے چھوڑ دے قسم خدا آج کے دن میں تجھے کسی مشقت میں نہیں ڈالوں گا تو اسے اللہ تعالیٰ کے نام پر لے لے تو اس نے کہا: تو اپنا مال اپنے پاس رکھ کیونکہ تم آزمائے گئے تجھ سے رضا اور خوشی حاصل ہوئی اور تیرے دونوں ساتھیوں پر ناراضگی ہوئی"۔

(صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ، جلد ۲، صفحہ ۴۰۸)

اس میں اس پر بڑی واضح دلیل ہے کہ جس نے اپنے فقیر پر زیادتی کا دعویٰ کیا عیال یا غیر عیال وغیرہ کا تو اس سے کوئی شواہد نہیں لیے جائیں گے بخلاف ان کے جنہوں نے یہ کہا کہ اس سے شواہد لیے جائیں گے اگر وہ قادر ہو، کیونکہ حدیث میں ہے "کہ

ایک مسکین آدمی اور ابن سبیل (مسافر) نے کہا: میں تجھ سے بکری کا سوال کرتا ہوں'' تو وہ اسے سفر ثابت کرنے کا مکلف اور پابند نہ بنائے اور رہا مکاتب تو وہ کتابت ثابت کرنے کا پابند ہوگا، کیونکہ اس میں غلامی اصل ہے یہاں تک کہ حریت (آزادی) ثابت ہوجائے (۲) (احکام القرآن لابن العربی)

مسئلہ نمبر: (۲۵) زکوۃ کی رقم اسے دینا جائز نہیں ہوتا جس کا نفقہ (خرچہ) آدمی کے ذمہ لازم ہوتا ہے اور وہ والدین، اولاد اور بیوی ہے اور اگر امام وقت نے کسی آدمی کا صدقہ اس کی اولاد، اس کے والدین اور اس کی بیوی کو دے دیا تو یہ جائز ہے اور اگر اس نے یہ بذات خود دیا تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اس طرح وہ اپنے آپ سے ایک فرض ساقط کر دیتا ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کوئی آدمی مال زکوۃ اپنے پوتے، اپنے نواسے کو نہیں دے سکتا اور نہ ہی وہ اپنے مکاتب غلام، مدبر غلام، اُمّ ولد لونڈی (اور لونڈی جس سے آقا کی اولاد ہو جائے) اور وہ غلام جس کا نصف حصہ اس نے آزاد کر رکھا ہو کو دے سکتا ہے''۔ کیونکہ اسے فقیر کو "(سوال سے) روکنے کے واسطہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زکوۃ دینے اور نکالنے کا حکم دیا گیا ہے، اور املاک کے منافع اس کے اور ان کے درمیان مشترک ہیں، اسی وجہ سے ان میں سے بعض کی شہادت بعض کے لیے قبول نہیں کی جاتی، فرمایا: مکاتب وہ غلام ہے جس پر ابھی ایک درہم بھی باقی ہو (۱) (سنن ابن داؤد باب فی المکاتب حدیث نمبر ۳۹۲۶، ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

اور بسا اوقات وہ عاجز ہوتا ہے اور کمائی اس کے لیے ہو جاتی ہے، وہ غلام جس کا بعض حصہ آزاد کیا گیا ہو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ مکاتب کے قائم مقام ہے، اور صاحبین امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ اس آزاد کے قائم مقام ہے جس پر قرض ہو پس اسے زکوۃ دینا جائز ہوگا۔

مسئلہ نمبر: (۲۶) اور زکوۃ انہیں دی جن کا نفقہ اس کے ذمہ لازم نہیں تو پھر اس میں اختلاف ہے پاس ائمہ میں سے بعض نے اسے جائز قرار دیا ہے اور بعض نے اسے مکروہ کہا ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی زکوۃ اپنے اقارب کو دیتے ہوئے دیکھا ہے، اور واقدی نے کہا ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: افضل ترین آدمی جسے تو اپنی زکوۃ دے سکتا ہے وہ تیرے وہ رشتہ دار ہیں جن کا تو محتاج نہ ہو، تحقیق حضور نبی مکرم ومعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ کو فرمایا: ''تیرے لیے دو اجر ہیں ایک قرابت کا اجر اور دوسرا صدقہ کا اجر''۔ عورت کا اپنی زکوۃ اپنے خاوند کو دینے کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے، پس ابن حبیب سے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کے نفقہ کے بارے میں اس مال سے مدد لیتے تھے جو وہ انہیں (بطور زکوۃ) دیتی تھیں،

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: یہ جائز نہیں لیکن صاحبین نے ان سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے: یہ جائز ہے اور یہی اصح ہے، کیونکہ یہ ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب حضور نبی مکرم ومعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور عرض کی: بے شک میں اپنے خاوند پر صدقہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہوں کیا وہ میرے لیے جائز ہوگا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تیرے لیے دو اجر ہوں گے ایک صدقہ کا اجر اور دوسرا قرابت کا اجر'' (۲) (صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ، جلد ۱، صفحہ ۱۹۸)

اور صدقہ مطلقہ سے مراد زکوۃ ہے اور اس لیے بھی کہ اس پر خاوند کا نفقہ لازم نہیں ہے پس وہ اجنبی آدمی کے قائم مقام ہوگئی امام

اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے علت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ان دونوں کے درمیان املاک کے منافع مشترک ہیں، یہاں تک کہ ان دونوں میں سے ایک کی شہادت دوسرے کے لیے قبول نہیں کی جاتی، اور حدیث طیبہ کو نفلی صدقہ پر محمول کیا جائے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، ابوثور، اور اشہب رحمۃ اللہ علیہم نے اس کو جائز قرار دیا ہے جب کہ وہ اسے عورت کی طرف اس مال (نفقہ) میں خرچ نہ کردے جو مرد پر اس کے لیے لازم ہوتا ہے، بے شک وہ اسے اپنے نفقہ اور لباس میں اپنی ذات پر خرچ کرسکتا ہے جو وہ اس سے لیتا ہے اور اس پر اپنے مال سے خرچ کرے گا۔

مسئلہ نمبر: (۲۷) دی جانے والی مقدار میں بھی علماء کے مابین اختلاف ہے پس غارم (مقروض) کو اس کے قرضے کی مقدار کے برابر دیا جائے گا اور فقیر اور مسکین کو ان کیکفایت اور ان کے اہل وعیال کی ضرورت کے مطابق دیا جائے گا، نصاب کے برابر یا اس سے کم مقدار میں دینے کے جواز میں اختلاف ہے اور اس کا دارومدار اس سابقہ اختلاف پر ہے جو فقر کی تعریف میں ہے جس کے ساتھ اس کے لیے صدقہ لینا جائز ہوتا ہے۔

علی بن زیاد اور ابن نافع نے بیان کیا ہے: اس میں کوئی مقرر حد نہیں ہے، بلکہ اس کا انحصار والی کے اجتہاد پر ہے، کبھی کبھی مساکین قلیل ہوتے ہیں اور صدقہ زیادہ ہوتا ہے پس ایک فقیر کو سال بھر کی خوراک دے دی جائے گی، اور مغیرہ نے بیان کیا ہے: نصاب سے کم مقدار دی جائے گی اور اسے نصاب تک نہیں پہنچایا جائے گا، اور بعض متاخرین نے کہا ہے: اگر شہر میں دوز کاتیں ہوں ایک نقد (درہم و دینار) اور دوسری حرث (عشر وغیرہ) تو وہ اتنی لے لے جو اسے دوسروں تک پہنچادے علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: جو میں دیکھ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ وہ نصاب کی مقدار زکوۃ دے دے اگرچہ شہر میں دو یا اس سے زیادہ زکاتیں ہوں، کیونکہ غرض فقیر کو غنی کرنا ہے یہاں تک کہ وہ غنی ہوجائے، پس جب اس نے ایک لے لی تو اگر دوسری زکوۃ کا وقت آگیا اور اس کے پاس اتنی مقدار ہو جو اسے کافی ہو تو اسے کوئی دوسرا لے لے (۱) (احکام القرآن جلد ۲، صفحہ ۹۷۳)

میں (مفسر) کہتا ہوں: نصاب کے برابر دینے میں یہ اصحاب الرائے کا مذہب ہے تحقیق اسے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواز کے ساتھ ساتھ مکروہ قرار دیا ہے اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جائز قرار دیا ہے، فرمایا: کیونکہ بعض اپنی حاجت کی وجہ سے فی الحال مشغول ہوتے ہیں پس فی الحال اس کی حالت سے فالتو دوسو سے کم ہو اور جب اس نے اسے مجموعی طور پر دوسو سے زیادہ دیئے اور فی الحال اس کی حاجت سے فالتو دوسو کی مقدار ہو تو یہ جائز نہیں ہے اور متاخرین حنیفہ میں سے بعض نے کہا ہے: یہ تب ہے جب اس کے اہل وعیال نہ ہوں اور نہ اس پر قرض ہو اور اگر اس پر قرض ہو تو پھر اسے دوسو یا اس سے زیادہ اتنی مقدار دینے میں کوئی حرج نہیں جس کے ساتھ اگر وہ اپنا قرض ادا کردے تو اس کے پاس باقی دوسو سے کم رہ جائے، اور اگر وہ عیال دار ہو تو اسے اتنی مقدار دینے میں کوئی حرج نہیں کہ اگر وہ اسے اپنے بچوں پر تقسیم کرے تو ان میں سے ہر ایک کو دوسو سے کم ملے کیونکہ اس پر صدقہ کرنا معنوی طور پر اس پر اور اس کے اہل وعیال پر صدقہ کرنا ہے اور یہ اچھا قول ہے۔

مسئلہ نمبر: (۲۸) تو جان کہ قول باری تعالیٰ: (آیت) "لِلْفُقَرَآءِ" مطلق ہے اس میں نہ کوئی شرط ہے اور نہ کوئی قید، بلکہ اس میں اس پر دلیل موجود ہے کہ جملہ فقراء پر خرچ کرنا جائز ہے چاہے وہ بنی ہاشم میں سے ہوں یا ان کے سوا ہوں، مگر سنت کئی

شروط کے اعتبار کے ساتھ وارد ہے ان میں سے یہ ہے کہ وہ بنی ہاشم میں سے نہ ہوں اور وہ ان میں سے بھی نہ ہوں جن کا نفقہ صدقہ کرنے میں والے پر لازم ہوتا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ کمانے کی قوت نہ رکھتا ہو، کیونکہ حضور حضور نبی مکرم و معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی غنی کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے اور نہ ہی کسی طاقتور صحیح الاعضاء کے لیے''، اور مسلمان علماء کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ فرضی صدقہ حضور نبی مکرم و معظم صلی اللہ علیہ وسلم بنی ھاشم اور ان کے موالی کے لیے حلال نہیں ہے، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ہاشمی کا ہاشمی کو صدقہ دینا جائز ہے، اسے الکیا طبری نے بیان کیا ہے اور بعض اہل علم نے اس سے علیحدگی اختیار کی ہے اور کہا: بے شک بنی ہاشم کے اموال پر صدقات میں سے کوئی شے حرام نہیں، اور یہ اختلاف حضور نبی مکرم و معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورافع کے غلام کو کہا تھا: ''بے شک کسی قوم کا مولی انہیں میں سے ہوتا ہے'' (۲)۔ (سنن نسائی، کتاب الزکوۃ، جلد ۱، صفحہ ۳۶۶)

مسئلہ نمبر: (۲۹) بنی ہاشم کے لیے نفلی صدقہ کے جائز ہونے میں اختلاف ہے، پس وہ نظریہ جس پر جمہور اہل علم ہیں اور وہی صحیح ہے، کہ نفلی صدقہ بنی ہاشم اور ان کے موالی کے لیے جائز ہے، دینے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ حضرات علی، عباس اور فاطمہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے صدقہ کیا اور بنی ہاشم کی جماعت پر ہی اسے وقف رکھا اور ان کے صدقات موقوفہ معروف و مشہور ہیں، اور ابن ماجشون، مطرف، اصبغ اور ابن حبیب نے کہا ہے: بنو ہاشم کو نہ فرضی صدقہ میں سے کچھ دیا جائے گا اور نہ نفلی صدقہ میں سے، اور ابن القاسم نے کہا ہے: بنو ہاشم کو نفلی صدقہ دیا جاسکتا ہے، ابن القاسم نے کہا ہے: وہ حدیث جو حضور نبی مکرم و معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے: ''آل محمد کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے''۔ بلاشبہ وہ نفلی زکوۃ کے بارے ہی ہے۔ (۳) (احکام القرآن، جلد ۲ صفحہ ۹۷۴) اور اس قول کو ابن خویز منداد نے اختیار کیا ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم نے بھی یہی کہا ہے، ابن القاسم نے کہا ہے: اور ان کے موالی کو دونوں صورتوں میں سے دیا جاسکتا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ''الواضحہ'' میں کہا ہے نفلی صدقہ میں سے آل محمد کو نہیں دیا جائے گا، ابن لقاسم نے کہا ہے: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو کہا گیا: تو ان کے موالی کو؟ انہوں نے فرمایا: میں نہیں جانتا موالی کیا ہیں؟ تو میں نے ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے استدلال کیا: ''کسی قوم کا موالی انہیں میں سے ہوتا ہے'' (۴) (صحیح بخاری، کتاب الفرائض جلد ۲، صفحہ ۱۰۰۰) تب کہا تحقیق آپ نے کہا ہے ''کسی قوم کا بھانجا انہیں میں سے ہے، اصبغ نے کہا ہے: یہ حکم نیکی اور حرمت میں ہے (۵) (احکام القرآن جلد ۲، صفحہ ۹۷۴)

مسئلہ نمبر: (۳۰) قولہ تعالیٰ: (آیت) ''فریضۃ من اللہ'' یہ سیبویہ کے نزدیک مصدر کی بنا پر منصوب ہے، یعنی فرض اللہ الصدقات فریضۃ (اللہ تعالیٰ نے یقینا صدقات فرض کیے ہیں) اور امام کسائی کے قول کے مطابق قطع کی بنا پر رفع بھی جائز ہے، یعنی ھن فریضہ، زجاج نے کہا ہے: میں نہیں جانتا کہ اسے اس کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: ابراہیم بن عبلہ نے اس کو (رفع) کے ساتھ پڑھا ہے اور اسے خبر بنایا ہے جیسا کہ آپ کہتے ہیں انما زید خارج۔ (تفسیر قرطبی، سورہ توبہ، بیروت)

مصرف زکوٰۃ کی فقہی تعریف کا بیان:

امام احمد رضا بریلوی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مصرف زکوٰۃ ہر مسلمان حاجتمند ہے جسے اپنے مال مملوک سے مقدار نصاب فارغ عن الحوائج الاصلیہ پر دسترس نہیں بشرطیکہ نہ ہاشمی ہو نہ اپنا شوہر نہ اپنی عورت اگر چہ طلاق مغلظہ دے دی ہو، جب تک عدت سے باہر نہ آئے نہ وُہ اپنی اولاد میں ہے جیسے بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی، نہ وُہ جن کی اولاد میں یہ ہے جیسے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی، اگر چہ یہ اصلی وفرعی رشتے عیاذاً باللہ بذریعہ زنا ہوں، نہ اپنا یا ان پانچوں قسم میں کسی کا مملوک اگر چہ مکاتب ہو، نہ کسی غنی کا غلام غیر مکاتب، نہ مرد غنی کا نابالغ بچہ، نہ ہاشمی کا آزاد بندہ، اور مسلمان حاجتمند کہنے سے کافر غنی پہلے ہی خارج ہو چکے۔ یہ سولہ شخص ہیں جنھیں زکوٰۃ دینی جائز نہیں، ان کے سوا سب کو روا، مثلاً ہاشمیہ بلکہ فاطمیہ عورت کا بیٹا جبکہ باپ ہاشمی نہ ہو کہ شرع میں نسب باپ سے ہے۔ بعض مشہورین کہ ماں کے سیدانی ہونے سے سیّد بن بیٹھے ہیں اور وہ باوجود تفہیم اس پر اصرار کرتے ہیں بحکمِ حدیثِ صحیح مستحق لعنتِ الٰہی ہوتے ہیں والعیاذ باللہ۔

(اللہ تعالیٰ بچائے، ہم نے اپنے فتاویٰ میں اس کی وضاحت کر دی ہے۔ ت) اسی طرح غیر ہاشمی کا آزاد شدہ بندہ اگر چہ خود اپنا ہی ہو یا اپنے اور اپنے اصول وفروع وزوج وزوجہ وہاشمی کے علاوہ کسی غنی کا مکاتب یا زنِ غنیہ کا نابالغ بچہ اگر چہ یتیم ہو یا اپنے بہن، بھائی، چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں، بلکہ انھیں دینے میں دُونا ثواب ہے زکوٰۃ وصلہ رحم یا اپنی بہو یا داماد یا ماں کا شوہر یا باپ کی عورت یا اپنے زوج یا زوجہ کی اولاد ان سولہ کو بھی دینا روا جبکہ یہ سولہ اُن سولہ سے نہ ہوں از انجا کہ اُنھیں اُن سے مناسبت ہے جس کے باعث ممکن تھا کہ ان میں بھی عدم جواز کا وہم جاتا، لہٰذا فقیر نے انہیں بالتخصیص شمار کر دیا، اور نصاب مذکورہ پر دسترس نہ ہونا چند صورت کو شامل: ایک یہ کہ سرے سے مال ہی نہ رکھتا ہو اسے مسکین کہتے ہیں۔

دوم مال ہو مگر نصاب سے کم، یہ فقیر ہے۔ سوم نصاب بھی ہو مگر حوائجِ اصلیہ میں مستغرق، جیسے مدیون۔ چہارم حوائج سے بھی فارغ ہو مگر اسے دسترس نہیں، جیسے ابن السبیل یعنی مسافر جس کے پاس خرچ نہ رہا، تو بقدرِ ضرورت زکوٰۃ لے سکتا ہے، اس سے زیادہ اُسے لینا روا نہیں، یا وُہ شخص جس کا مال دوسرے پر دین مؤجل ہے ہنوز میعاد نہ آئی اب اُسے کھانے پہننے کی تکلیف ہے تو میعاد آنے تک بقدرِ حاجت لے سکتا ہے یا وُہ جس کا مدیون غائب ہے یا لے کر منکر گیا اگر چہ یہ ثبوت رکھتا ہو، کہ ان سب صورتوں میں دسترس نہیں۔ بالجملہ مدار کار حاجتمند بمعنی مذکور پر ہے، تو جو نصاب مزبور پر دسترس رکھتا ہے ہرگز زکوٰۃ نہیں پاسکتا اگر چہ غازی ہو یا حاجی یا طالب علم یا مفتی مگر عامل زکوٰۃ جسے حاکمِ اسلام نے اربابِ اموال سے تحصیل زکوٰۃ پر مقرر کیا وہ جب تحصیل کرے تو بحالتِ غنا بھی بقدر اپنے عمل کے لے سکتا ہے اگر ہاشمی نہ ہو۔ پھر دینے میں تملیک شرط ہے، جہاں یہ نہیں جیسے محتاجوں کو بطور اباحت اپنے دستر خوان پر بٹھا کر کھلا دینا یا میت کے کفن دفن میں لگانا یا مسجد، کنواں، خانقاہ، مدرسہ، پُل، سرائے وغیرہ بنوانا ان سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اگر ان میں صرف کیا چاہے تو اس کے وہی حیلے ہیں جو دیگر مسائل میں بیان کیے گئے ہیں۔

(فتاوی رضویہ، ج ۱۰، کتاب الزکوٰۃ، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

بَابُ مَا تَجُوزُ فِیْهِ الْمَسْاَلَةُ

باب: کس صورت میں (مالی مدد) مانگنا جائز ہے

1639 - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ النَّمَرِيُّ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ عُقْبَةَ الْفَزَارِيِّ، عَنْ سَمُرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْمَسَائِلُ كُدُوحٌ يَكْدَحُ بِهَا الرَّجُلُ وَجْهَهُ، فَمَنْ شَاءَ اَبْقَى عَلَى وَجْهِهِ، وَمَنْ شَاءَ تَرَكَ، اِلَّا اَنْ يَّسْاَلَ الرَّجُلُ ذَا سُلْطَانٍ، اَوْ فِيْ اَمْرٍ لَا يَجِدُ مِنْهُ بُدًّا

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''مانگنا وہ نوچنا ہے' جس کے ذریعے آدمی اپنے چہرے کو چھیل دیتا ہے اور نوچ لیتا ہے' تو جو شخص چاہے وہ اپنے چہرے کی حرمت کو باقی رہنے دے اور جو چاہے وہ اسے ضائع کر دے البتہ آدمی کسی حکمران سے مانگ سکتا ہے یا کسی ایسی صورت حال میں مانگ سکتا ہے' جب اسے انتہائی شدید ضرورت ہو''۔

1640 - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ هَارُوْنَ بْنِ رِئَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ كِنَانَةُ بْنُ نُعَيْمٍ الْعَدَوِيُّ، عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ مُخَارِقٍ الْهِلَالِيِّ، قَالَ: تَحَمَّلْتُ حَمَالَةً، فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: اَقِمْ يَا قَبِيصَةُ حَتّٰى تَاْتِيَنَا الصَّدَقَةُ، فَنَاْمُرَ لَكَ بِهَا، ثُمَّ قَالَ: يَا قَبِيصَةُ، اِنَّ الْمَسْاَلَةَ لَا تَحِلُّ اِلَّا لِاَحَدِ ثَلَاثَةٍ: رَجُلٍ تَحَمَّلَ حَمَالَةً فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْاَلَةُ، فَسَاَلَ حَتّٰى يُصِيبَهَا، ثُمَّ يُمْسِكُ، وَرَجُلٍ اَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ، فَاجْتَاحَتْ مَالَهُ، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْاَلَةُ، فَسَاَلَ حَتّٰى يُصِيبَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ - اَوْ قَالَ: سِدَادًا مِنْ عَيْشٍ - وَرَجُلٍ اَصَابَتْهُ فَاقَةٌ، حَتّٰى يَقُوْلَ: ثَلَاثَةٌ مِنْ ذَوِي الْحِجَى مِنْ قَوْمِهِ قَدْ اَصَابَتْ فُلَانًا الْفَاقَةُ، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْاَلَةُ، فَسَاَلَ حَتّٰى يُصِيبَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ - اَوْ سِدَادًا مِنْ عَيْشٍ - ثُمَّ يُمْسِكُ، وَمَا سِوَاهُنَّ مِنَ الْمَسْاَلَةِ، يَا قَبِيصَةُ، سُحْتٌ يَاْكُلُهَا صَاحِبُهَا سُحْتًا

حضرت قبیصہ بن مخارق ہلالی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ میں کسی کا ضامن بن گیا پھر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگی) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے قبیصہ! تم ٹھہرے رہو' جب ہمارے پاس صدقہ کی کوئی چیز آئے گی' تو ہم تمہیں بھی ادا کرنے کا حکم دے دیں گے پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے قبیصہ! مانگنا کسی بھی شخص کے لیے حلال نہیں ہے' سوائے تین میں سے کسی ایک شخص کے' وہ شخص جس نے کسی کی ادائیگی اپنے ذمے لی ہو' تو اس کے لیے مانگنا جائز ہو جاتا ہے' یہاں تک کہ وہ اپنی ضرورت کو پورا کر لے' تو اس سے باز آ جائے دوسرا وہ شخص جسے کوئی آفت یا مصیبت لاحق ہو جائے جو اس کے مال کو تباہ کر دے تو ایسے شخص کے لیے مانگنا حلال ہو جاتا ہے' یہاں تک کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات پورا کرنے کے قابل ہو جائے اور تیسرا وہ شخص جو انتہائی ضرورت مند ہو جائے' یہاں تک کہ اس کی قوم کے تجربہ کار لوگ یہ کہہ دیں کہ یہ شخص انتہائی ضرورت مند ہے ایسے شخص کے لیے مانگنا حلال ہو جاتا ہے' جب تک وہ اپنی بنیادی ضروریات پوری نہیں کر لیتا پھر وہ اس

سے رک جائے گا اس کے علاوہ ہر صورت میں مانگنا حرام ہے اے قبیصہ! اسے کھانے والا شخص حرام کھاتا ہے۔

1641 - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنِ الْأَخْضَرِ بْنِ عَجْلَانَ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ الْحَنَفِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُهُ، فَقَالَ: أَمَا فِي بَيْتِكَ شَيْءٌ؟ قَالَ: بَلَى، حِلْسٌ نَلْبَسُ بَعْضَهُ وَنَبْسُطُ بَعْضَهُ، وَقَعْبٌ نَشْرَبُ فِيهِ مِنَ الْمَاءِ قَالَ: ائْتِنِي بِهِمَا، قَالَ: فَأَتَاهُ بِهِمَا، فَأَخَذَهُمَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ، وَقَالَ: مَنْ يَشْتَرِي هَذَيْنِ؟ قَالَ رَجُلٌ: أَنَا، آخُذُهُمَا بِدِرْهَمٍ، قَالَ: مَنْ يَزِيدُ عَلَى دِرْهَمٍ مَرَّتَيْنِ، أَوْ ثَلَاثًا، قَالَ رَجُلٌ: أَنَا آخُذُهُمَا بِدِرْهَمَيْنِ فَأَعْطَاهُمَا إِيَّاهُ، وَأَخَذَ الدِّرْهَمَيْنِ وَأَعْطَاهُمَا الْأَنْصَارِيَّ، وَقَالَ: اشْتَرِ بِأَحَدِهِمَا طَعَامًا فَانْبِذْهُ إِلَى أَهْلِكَ، وَاشْتَرِ بِالْآخَرِ قَدُومًا فَأْتِنِي بِهِ،، فَأَتَاهُ بِهِ، فَشَدَّ فِيهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُودًا بِيَدِهِ، ثُمَّ قَالَ لَهُ: اذْهَبْ فَاحْتَطِبْ وَبِعْ، وَلَا أَرَيَنَّكَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا، فَذَهَبَ الرَّجُلُ يَحْتَطِبُ وَيَبِيعُ، فَجَاءَ وَقَدْ أَصَابَ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ، فَاشْتَرَى بِبَعْضِهَا ثَوْبًا، وَبِبَعْضِهَا طَعَامًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَذَا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ (ص:1) تَجِيءَ الْمَسْأَلَةُ نُكْتَةً فِي وَجْهِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَصْلُحُ إِلَّا لِثَلَاثَةٍ: لِذِي فَقْرٍ مُدْقِعٍ، أَوْ لِذِي غُرْمٍ مُفْظِعٍ، أَوْ لِذِي دَمٍ مُوجِعٍ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انصار سے تعلق رکھنے والا ایک شخص کچھ مانگنے کے لیے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا: تمہارے گھر میں کوئی چیز نہیں ہے؟ اس نے عرض کی: جی ہاں ایک چادر ہے جس کا کچھ حصہ ہم اوڑھ لیتے ہیں اور کچھ حصہ بچھا لیتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس میں ہم پانی پی لیتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ان دونوں کو میرے پاس لے آؤ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: وہ شخص ان دونوں چیزوں کو نبی اکرم ﷺ کے پاس لے آیا نبی اکرم ﷺ نے وہ دونوں چیزیں اپنے دست مبارک میں لیں اور دریافت کیا: کون شخص ان دونوں کو خریدے گا؟ ایک صاحب نے عرض کی: میں ان دونوں کو ایک درہم کے عوض میں خریدتا ہوں۔ نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا: کون شخص ایک درہم سے زیادہ ادائیگی کرے گا؟ ایسا دو یا شاید تین مرتبہ ہوا تو ایک شخص نے عرض کی: میں ان دونوں کو دو درہم کے عوض میں خرید لیتا ہوں۔ نبی اکرم ﷺ نے وہ دونوں چیزیں اسے دے دیں اور دونوں درہم وصول کر لیے آپ ﷺ نے وہ دونوں درہم اس انصاری کو دیئے اور ارشاد فرمایا: ان میں سے ایک درہم کے ذریعے اناج خریدو اور اپنے گھر والوں کو دے آؤ اور دوسری کے ذریعے کلہاڑا خرید کر میرے پاس آؤ پھر وہ شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا تو نبی اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک کے ذریعے اس میں لکڑی ٹھونک دی پھر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: تم جاؤ اور لکڑیاں اکٹھی کرو اور انہیں فروخت کرو میں آئندہ پندرہ دن تمہیں نہ دیکھوں۔ وہ شخص چلا گیا لکڑیاں اکٹھی کرتا رہا اور فروخت کرتا رہا پھر وہ شخص آیا تو اسے دس درہم حاصل ہو چکے تھے اس نے ان میں سے کچھ کے ذریعے کپڑا خریدا اور کچھ کے ذریعے اناج خریدا۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ تمہارے لیے اس سے زیادہ بہتر ہے کہ جب تم قیامت کے دن آؤ تو مانگنے کا داغ تمہارے چہرے پر موجود ہو بے شک مانگنا صرف تین لوگوں کے لیے جائز

ہے ایسے غریب کے لیے جو انتہائی غریب ہو ایسے تاوان (جرمانہ) ادا کرنے والے کے لیے جو انتہائی ضرورت مند ہو یا دیت کے طور پر ادائیگی کرنے والے شخص کے لیے (جائز ہے)

بَابُ كَرَاهِيَةِ الْمَسْأَلَةِ

باب: مانگنے کا ناپسندیدہ ہونا

1642 - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ رَبِيعَةَ يَعْنِي ابْنَ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ، عَنْ أَبِي مُسْلِمٍ الْخَوْلَانِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِي الْحَبِيبُ الْأَمِينُ أَمَّا هُوَ إِلَيَّ فَحَبِيبٌ، وَأَمَّا هُوَ عِنْدِي فَأَمِينٌ عَوْفُ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَةً، أَوْ ثَمَانِيَةً، أَوْ تِسْعَةً، فَقَالَ: أَلَا تُبَايِعُونَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ وَكُنَّا حَدِيثَ عَهْدٍ بِبَيْعَةٍ، قُلْنَا: قَدْ بَايَعْنَاكَ، حَتَّى قَالَهَا ثَلَاثًا، فَبَسَطْنَا أَيْدِيَنَا فَبَايَعْنَاهُ، فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّا قَدْ بَايَعْنَاكَ، فَعَلَامَ نُبَايِعُكَ؟ قَالَ: أَنْ تَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَتُصَلُّوا الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ، وَتَسْمَعُوا وَتُطِيعُوا، وَأَسَرَّ كَلِمَةً خَفِيَّةً، قَالَ: وَلَا تَسْأَلُوا النَّاسَ شَيْئًا، قَالَ: فَلَقَدْ كَانَ بَعْضُ أُولَئِكَ النَّفَرِ يَسْقُطُ سَوْطُهُ فَمَا يَسْأَلُ أَحَدًا أَنْ يُنَاوِلَهُ إِيَّاهُ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: حَدِيثُ هِشَامٍ لَمْ يَرْوِهِ إِلَّا سَعِيدٌ

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم سات یا آٹھ یا شاید نو لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم لوگ بیعت نہیں کرو گے (راوی کہتے ہیں:) ہم کچھ دیر پہلے ہی بیعت کر چکے تھے ہم نے عرض کی: ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر چکے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یہ کلمات کہے تو ہم نے اپنے ہاتھ بڑھا دیے اور بیعت کر لی۔ ایک صاحب نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت تو کر رہے ہیں لیکن کس بات پر بیعت کریں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس بات پر کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو گے کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراؤ گے پانچ نمازیں ادا کرو گے اطاعت و فرمانبرداری کرو گے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پست آواز میں کوئی کلمہ ارشاد فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگوں سے کچھ نہیں مانگو گے۔

راوی بیان کرتے ہیں: ان حضرات میں سے ایک صاحب کی چھڑی اگر گر جاتی تھی تو وہ کسی کو یہ نہیں کہتا تھا کہ وہ چھڑی اس کو پکڑا دے۔

1642- حديث صحيح. هشام بن عمار والوليد - وهو ابن مسلم - متابعان. ابو ادريس الخولاني: هو عائذ الله بن عبد الله، وابو مسلم الخولاني: هو عبد الله بن ثوب. واخرجه ابن ماجه (2867) عن هشام بن عمار، بهذا الاسناد. واخرجه مسلم (1043) من طريق مروان بن محمد، والنسائي في "الكبرى" (316) و (7735) من طريق ابي مسهر عبد الاعلى بن مسهر، كلاهما عن سعيد بن عبد العزيز، به. وهو في "مسند احمد" (23993) مختصراً بذكر المسألة، و "صحيح ابن حبان" (3385).

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ہشام کی نقل کردہ روایت صرف سعید نے نقل کی ہے۔

1643 - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ، حَدَّثَنَا اَبِي، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ اَبِي الْعَالِيَةِ، عَنْ ثَوْبَانَ - قَالَ: وَكَانَ ثَوْبَانُ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ يَّكْفُلُ لِي اَنْ لَّا يَسْاَلَ النَّاسَ شَيْئًا، وَاَتَكَفَّلُ لَهٗ بِالْجَنَّةِ؟ فَقَالَ ثَوْبَانُ: اَنَا. فَكَانَ لَا يَسْاَلُ اَحَدًا شَيْئًا

⊛⊛ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کون ہے جو اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ وہ لوگوں سے کچھ نہیں مانگے گا' تو میں اسے جنت کی ضمانت دوں۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں (اس کی ضمانت دیتا ہوں)

راوی بیان کرتے ہیں: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کسی سے کچھ نہیں مانگتے تھے۔

بَابٌ فِي الِاسْتِعْفَافِ

باب: مانگنے سے بچنا

1644 - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيْدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ اَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، اَنَّ نَاسًا مِنَ الْاَنْصَارِ سَاَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْطَاهُمْ، ثُمَّ سَاَلُوْهُ فَاَعْطَاهُمْ، حَتّٰى اِذَا نَفِدَ عِنْدَهٗ، قَالَ: مَا يَكُوْنُ عِنْدِي مِنْ خَيْرٍ، فَلَنْ اَدَّخِرَهٗ عَنْكُمْ، وَمَنْ يَّسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ، وَمَنْ يَّسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ، وَمَنْ يَّتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ، وَمَا اَعْطَى اللّٰهُ اَحَدًا مِنْ عَطَاءٍ اَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ

⊛⊛ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انصار سے تعلق رکھنے والے کچھ افراد نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عطا کر دیا انہوں نے پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر انہیں عطا کر دیا یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو کچھ موجود تھا وہ ختم ہو گیا' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے پاس جو بھی بھلائی موجود ہے وہ میں تم سے بچا کر ذخیرہ کر کے نہیں رکھوں گا' البتہ جو شخص مانگنے سے بچنے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بچا کر رکھے گا' جو شخص خوشحال رہنے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اسے خوشحال کرے گا' جو شخص صبر سے کام لے گا اللہ تعالیٰ اسے صبر عطا کرے گا' اور کسی بھی شخص کو ایسی کوئی بھی چیز عطا نہیں کی گئی جو صبر سے زیادہ وسیع ہو۔

1645 - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دَاوُدَ، ح وحَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ حَبِيْبٍ اَبُوْ مَرْوَانَ، حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، وَهٰذَا حَدِيْثُهٗ، عَنْ بَشِيْرِ بْنِ سَلْمَانَ، عَنْ سَيَّارٍ اَبِي حَمْزَةَ، عَنْ طَارِقٍ، عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ اَصَابَتْهُ فَاقَةٌ، فَاَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ،

لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهُ، وَمَنْ اَنْزَلَهَا بِاللّٰهِ، اَوْشَكَ اللّٰهُ لَهُ، بِالْغِنَى، اِمَّا بِمَوْتٍ عَاجِلٍ، اَوْ غِنًى عَاجِلٍ

❁❁ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''جس شخص کو فاقہ لاحق ہو جائے اور وہ اسے لوگوں کے سامنے پیش کر دے تو اس کا فاقہ ختم نہیں ہوگا' اور جو شخص اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر دے تو عنقریب اللہ تعالیٰ اسے بے نیاز کر دے گا جو یا تو جلدی موت کی شکل میں ہوگا یا جلدی خوشحالی کی شکل میں ہوگا''۔

1646 - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنْ بَكْرِ بْنِ سَوَادَةَ، عَنْ مُسْلِمِ بْنِ مَخْشِيٍّ، عَنِ ابْنِ الْفِرَاسِيِّ، اَنَّ الْفِرَاسِيَّ، قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَسْاَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا، وَاِنْ كُنْتَ سَائِلًا لَا بُدَّ، فَاسْاَلِ الصَّالِحِيْنَ

❁❁ حضرت فراسی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں: حضرت فراسی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کی: یارسول اللہ! کیا میں مانگوں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جی نہیں اگر تم نے مانگنا ہی ہو' تو پھر نیک لوگوں سے مانگو۔

1647 - حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْاَشَجِّ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ ابْنِ السَّاعِدِيِّ، قَالَ: اسْتَعْمَلَنِي عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَى الصَّدَقَةِ، فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنْهَا وَاَدَّيْتُهَا اِلَيْهِ، اَمَرَ لِي بِعُمَالَةٍ، فَقُلْتُ: اِنَّمَا عَمِلْتُ لِلّٰهِ وَاَجْرِي عَلَى اللّٰهِ، قَالَ: خُذْ مَا اُعْطِيتَ، فَاِنِّي قَدْ عَمِلْتُ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَمَّلَنِي، فَقُلْتُ مِثْلَ قَوْلِكَ، فَقَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِذَا اُعْطِيتَ شَيْئًا مِنْ غَيْرِ اَنْ تَسْاَلَهُ، فَكُلْ وَتَصَدَّقْ

❁❁ ابن ساعدی بیان کرتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے زکوۃ وصول کرنے کا نگران مقرر کیا ہے' جب میں اس کام سے فارغ ہوا اور میں نے انہیں تمام ادائیگی کر دی تو انہوں نے مجھے تنخواہ دینے کا حکم دیا میں نے یہ کہا کہ میں نے یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے کیا ہے اور میرا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہیں جو دیا جا رہا ہے تم اسے حاصل کر لو کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس میں' میں نے بھی کام کیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے مجھے عامل مقرر کیا' تو میں نے بھی وہی بات کہی جو تم نے کہی ہے' تو نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

''جب تمہارے مانگے بغیر تمہیں کوئی چیز دی جا رہی ہو' تو تم اسے کھاؤ بھی اور صدقہ بھی کرو''۔

1648 - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ، وَهُوَ يَذْكُرُ الصَّدَقَةَ، وَالتَّعَفُّفَ مِنْهَا، وَالْمَسْاَلَةَ: الْيَدُ

1648- اسناده صحیح، ابو الزعراء: هو عمرو بن عمرو - ويقال: ابن عامر - بن مالك، وابو الاحوص: هو عوف بن مالك بن نضلة، وهو عند احمد في "مسنده" (15890)، ومن طريقه اخرجه الحاكم في "المستدرك" /1 .408 واخرجه ابن خزيمة (2440)، وابن حبان (3362)، والبيهقي /1984 من طريق عبيدة بن حميد، به.

الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى، وَالْيَدُ الْعُلْيَا الْمُنْفِقَةُ، وَالسُّفْلَى السَّائِلَةُ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: اخْتُلِفَ عَلَى أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، فِي هَذَا الْحَدِيثِ، قَالَ عَبْدُ الْوَارِثِ: الْيَدُ الْعُلْيَا الْمُتَعَفِّفَةُ، وَقَالَ: أَكْثَرُهُمْ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ الْيَدُ الْعُلْيَا الْمُنْفِقَةُ، وَقَالَ وَاحِدٌ عَنْ حَمَّادٍ: الْمُتَعَفِّفَةُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر صدقہ کرنے، مانگنے سے بچنے اور مانگنے کا ذکر کر رہے تھے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا ہے اور نیچے والا مانگنے والا ہے''۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) نافع کے حوالے سے یہ روایت نقل کرنے میں ایوب پر اختلاف کیا گیا ہے عبدالوارث نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: ''اوپر والا ہاتھ مانگنے سے بچنے والا ہے''۔

تاہم اکثر راویوں نے حماد بن زید کے حوالے سے ایوب سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: ''اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا ہے''۔

ایک راوی نے حماد کے حوالے سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: ''مانگنے سے بچنے والا ہے''۔

1649 - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا عَبِيدَةُ بْنُ حُمَيْدٍ التَّيْمِيُّ، حَدَّثَنِي أَبُو الزَّعْرَاءِ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ،

عَنْ أَبِيهِ مَالِكِ بْنِ نَضْلَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْأَيْدِي ثَلَاثَةٌ: فَيَدُ اللَّهِ الْعُلْيَا، وَيَدُ الْمُعْطِي الَّتِي تَلِيهَا، وَيَدُ السَّائِلِ السُّفْلَى، فَأَعْطِ الْفَضْلَ، وَلَا تَعْجِزْ عَنْ نَفْسِكَ

حضرت مالک بن نضلہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''ہاتھ تین طرح کے ہیں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اوپر والا ہے دینے والے کا ہاتھ اس کے بعد والا ہے اور مانگنے والے کا ہاتھ نیچے والا ہے تو تم اضافی چیز دے دو اور اپنی ذات کے حوالے سے عاجز نہ ہو''۔

بَابُ الصَّدَقَةِ عَلَى بَنِي هَاشِمٍ

باب: بنو ہاشم کو زکوۃ (دینے) کا حکم

1650 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنِ ابْنِ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا عَلَى الصَّدَقَةِ مِنْ بَنِي مَخْزُومٍ، فَقَالَ لِأَبِي رَافِعٍ: اصْحَبْنِي فَإِنَّكَ تُصِيبُ مِنْهَا، قَالَ: حَتَّى آتِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْأَلَهُ، فَأَتَاهُ فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، وَإِنَّا لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مخزوم سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کو زکوۃ وصول کرنے کا نگران مقرر کیا' تو اس نے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے کہا: تم بھی میرے ساتھ چلو تمہیں بھی اس میں سے کچھ مل جائے گا' تو

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ نے کہا: پہلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کروں گا' وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لوگوں کا غلام ان کا فرد شمار ہوتا ہے اور ہمارے لیے صدقہ (لینا) حلال نہیں ہے''۔

سادات کرام کو زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ

سادات کرام اور دیگر بنو ہاشم کو زکوٰۃ اس لئے نہیں دے سکتے کہ سادات کرام اور دیگر بنو ہاشم پر زکوٰۃ حرام قطعی ہے جس پر چاروں مذاہب (یعنی حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی) کے ائمہ کرام کا اجماع ہے۔ فتاوٰی رضویہ میں ہے: ''باتفاق ائمہ اربعہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب پر صدقہ فرضیہ حرام ہے۔'' (فتاوٰی رضویہ مخرجہ، ج۱۰، ص۹۹)

بنو ہاشم کون ہیں؟

بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب سے مراد پانچ خاندان ہیں، آلِ علی، آلِ عباس، آلِ جعفر، آلِ عقیل، آلِ حارث بن عبدالمطلب۔ ان کے علاوہ جنھوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی اِعانت نہ کی، مثلاً ابولہب کہ اگرچہ یہ کافر بھی حضرت عبدالمطلب کا بیٹا تھا، مگر اس کی اولادیں بنی ہاشم میں شمار نہ ہوں گی۔

(الفتاوی الھندیۃ، کتاب الزکوٰۃ، الباب السابع فی المصارف، ج۱، ص۱۸۹ و بہار شریعت، ج۱، حصہ ۵، مسئلہ ۳۹ ص۹۳۱)

بنو ہاشم کو زکوٰۃ نہ دینے کی حکمت

اللہ عزوجل کے محبوب، دانائے غیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیُوب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمانِ عظمت نشان ہے ''یہ صدقات لوگوں کے میل ہیں، نہ یہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) کو حلال ہیں اور نہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) کی آل کو۔''

(صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب ترک استعمال۔۔۔ الخ، الحدیث ۱۰۷۲، ص۵۴۰)

حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ الحنان اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ''یہ حدیث ایسی واضح اور صاف ہے جس میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی یعنی مجھے اور میری اولاد کو زکوٰۃ لینا اس لئے حرام ہے کہ یہ مال کا میل ہے، لوگ ہمارے میل سے ستھرے ہوں ہم کسی کا میل کیوں لیں۔'' (مراۃ المناجیح، ج۳، ص۴۶)

سادات کی امداد کی صورت

اولاً تو مالداروں کو چاہئے کہ اپنے مال سے بطورِ ہدیہ ان حضرات عالیہ کی خدمت اپنی جیب سے کریں اور وہ وقت یاد کریں کہ جب ان سادات کرام کے جدِّ اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سوا ظاہری آنکھوں کو بھی کوئی ملجا و ماوا نہ ملے گا۔ وہ مال جو انہی کی بارگاہ سے عطا ہوا اور عنقریب چھوڑ کر زیر زمین جانے والے ہیں اگر ان کی خوشنودی کے لئے ان کی مبارک اولاد پر خرچ ہو جائے تو اس سے بڑھ کر کیا سعادت ہوگی۔ اور اگر کسی علاقے میں ایسی ترکیب نہ بن سکے تو کسی مستحقِ زکوٰۃ کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنا کر مال اس کے قبضہ میں دے دیں پھر اسے اس سید صاحب کی خدمت میں پیش کرنے کا مشورہ دیں۔ (فتاوٰی امجدیہ، ج۱، ص۳۹۰ ملخصا)

1651 - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، وَمُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، الْمَعْنَى، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمُرُّ بِالتَّمْرَةِ الْعَائِرَةِ، فَمَا يَمْنَعُهُ مِنْ أَخْذِهَا، إِلَّا مَخَافَةَ أَنْ تَكُونَ صَدَقَةً۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک گری پڑی کھجور کے پاس سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صرف اس لیے نہیں اٹھایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ تھا کہ کہیں وہ صدقہ کی نہ ہو۔

1652 - حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، أَخْبَرَنَا أَبِي، عَنْ خَالِدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ تَمْرَةً، فَقَالَ: لَوْلَا أَنِّي أَخَافُ أَنْ تَكُونَ صَدَقَةً لَأَكَلْتُهَا.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ هِشَامٌ، عَنْ قَتَادَةَ هَكَذَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کھجور پائی تو ارشاد فرمایا: اگر مجھے اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ صدقے کی ہوگی' تو میں اسے کھالیتا۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ روایت ہشام نے قتادہ کے حوالے سے اسی طرح نقل کی ہے۔

1653 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْمُحَارِبِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ كُرَيْبٍ، مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: بَعَثَنِي أَبِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِبِلٍ، أَعْطَاهَا إِيَّاهُ مِنَ الصَّدَقَةِ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میرے والد نے مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان اونٹوں کے سلسلے میں بھیجا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صدقہ میں سے دیئے تھے۔

1654 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ هُوَ ابْنُ أَبِي عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ كُرَيْبٍ، مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، نَحْوَهُ زَادَ أَبِي: يُبْدِلُهَا لَهُ۔

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے منقول ہے' تاہم اس میں یہ الفاظ زائد ہیں۔

''(اس لئے بھیجا) تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بدل دیں''۔

مسئلہ: اکثر ائمہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہ واجب صدقہ (یعنی فرض زکوۃ کا مال) لینا حلال تھا نہ نفل صدقہ (خیرات) لینا۔ امام شافعی اور امام احمد کے دو مختلف قول خیرات لینے کے جواز و عدم جواز کے متعلق آئے ہیں۔ جمہور کے قول

1652- اسنادہ صحیح۔ علی: ھو ابن نصر بن علی الازدی۔ واخرجہ مسلم (1071) من طریق ھشام بن ابی عبد اللہ، عن قتادۃ بہ۔ واخرجہ البخاری (2055) و (2431) و (2432)، ومسلم (1071) من طریق طلحۃ بن مصرف، عن انس بن مالک۔ وھو فی "مسند احمد" (12190) و (14110).

کی دلیل حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک راستہ پر گذرے' وہاں چھوارہ پڑا تھا۔ فرمایا: اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کا ہوگا تو میں اس کو کھالیتا۔ متفق علیہ

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کوئی کھانا پیش کیا جاتا تو آپ دریافت فرماتے: یہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر صدقہ کہا جاتا تو آپ ساتھیوں سے فرماتے کہ تم کھالو' خود نہ کھاتے اور اگر ہدیہ کہا جاتا تو آپ ہاتھ بڑھا دیتے اور ساتھیوں کے ساتھ خود بھی کھاتے۔ متفق علیہ۔ طحاوی نے بھی بہزاد بن حکیم کے دادا کی روایت سے اسی طرح بیان کیا ہے۔

آل رسول کے لئے بھی صدقہ حلال نہ تھا۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ حضرت حسن بن حضرت علی نے صدقہ کا ایک چھوارہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ سے پھینک دینے کے لئے فرمایا آخ آخ۔ پھر فرمایا: ہم صدقہ نہیں کھایا کرتے۔ متفق علیہ

بنو ہاشم کے لیے مال زکوٰۃ لینے سے متعلق اختلاف فقہاء کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کے لئے زکوٰۃ و خیرات کھانے کی حرمت وحلت میں علماء کا اختلاف ہے اور چار مختلف اقوال ہیں۔

(۱) مطلقاً جائز ہے۔ زکوٰۃ ہو یا خیرات' اب آل رسول کے لئے ہر قسم کا صدقہ کھانا درست ہے۔ ایک روایت میں اس قول کی نسبت امام ابوحنیفہ کی طرف کی گئی ہے۔ اس قول کی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے' فقط ایک قیاسی استنباط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اقارب کو زکوٰۃ کے مال میں سے حصہ دینے کے بجائے مال غنیمت کے خمس (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ تھا) کا خمس (یعنی کل مال غنیمت کا پچیسواں حصہ) دے دیا کرتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آل رسول کا پچیسواں حصہ ساقط ہوگیا تو صدقہ کی حرمت بھی ان کے لئے ساقط ہوگئی۔

مطلقاً ناجائز ہے۔ نہ زکوٰۃ لینی جائز ہے نہ خیرات۔ یہ قول صاحبین کا ہے' طحاوی اور ابن ہمام نے اسی کو اختیار کیا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہم آل محمد صدقہ نہیں کھاتے' عام ہے۔ دوسری روایت میں آیا ہے: ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں۔ رواہ مسلم والطبرانی والطحاوی من حدیث عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ ومن حدیث رشد بن مالک۔ امام احمد اور طحاوی نے حضرت حسن کے قصہ میں بھی یہی الفاظ نقل کئے ہیں۔

(۳) زکوٰۃ لینی جائز ہے' خیرات لینی درست نہیں۔ یہ صرف امام مالک کا قول ہے۔ اس کی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ فرض تو ایک لازمی حق ہوتا ہے' اس کو لینے میں آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی توہین نہیں ہوتی اور خیرات لینے میں حقارت و ذلت ہوتی ہے۔ اس قول کی تردید کے لئے مذکورہ بالا احادیث کافی ہیں۔

(٤) خیرات جائز ہے' زکوٰۃ جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہ کا مشہور مسلک اور امام شافعی و امام حنبل کا صحیح قول یہی ہے۔ امام مالک کی طرف بھی ایک روایت میں اس قول کی نسبت کی گئی ہے' بلکہ امام مالک سے تو چاروں اقوال مروی ہیں اور چاروں روایات مشہور ہیں۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ مندرجہ بالا احادیث میں آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جس صدقہ کی ممانعت آئی ہے' اس سے مراد

فرض صدقہ (زکوٰۃ) ہے اور فرض زکوٰۃ کی حرمت ہی حضرت مطلب بن ربیعہ بن حارث کی حدیث میں مراد ہے۔ حضرت ربیعہ بن حارث اور حضرت عباس بن عبدالمطلب ایک بار جمع ہوئے اور بولے: اگر ہم ان دونوں لڑکوں یعنی مجھے اور فضل بن عباس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس غرض کے لئے بھیج دیں کہ آپ تحصیل زکوٰۃ کی خدمت پر ان دونوں کو مقرر کردیں تاکہ دوسرے لوگوں کو جو اجرت ملتی ہے' وہ ان کو بھی مل جایا کرے تو مناسب معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علی نے فرمایا: ان کو نہ بھیجو (مگر حضرت علی کا مشورہ کسی نے نہ مانا) چنانچہ ہم خدمت گرامی میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس روز حضرت زینب بنت جحش کے گھر تھے اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اب نکاح کے قابل ہوگئے اور آپ (اقارب کے ساتھ) سب سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والے اور بڑے کنبہ پرور ہیں۔ ہم اس لئے خدمت گرامی میں حاضر ہوئے ہیں کہ آپ وصول زکوٰۃ کی خدمت پر ہم کو بھی مامور فرمادیں۔ جس طرح اور لوگ وصول کرکے داخل کرتے ہیں اور اجرت پاتے ہیں' ہم بھی وصول کرکے داخل کردیں گے اور ہم کو بھی دوسروں کی طرح اجرت مل جائے گی (اس طرح ہم نکاح کرسکیں گے اور ہمارا گذارا ہوجائے گا) یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک خاموش رہے' پھر فرمایا: آل محمد کے لئے صدقہ مناسب نہیں' یہ لوگوں کا میل کچیل ہے۔ تم محمیہ بن جزء اسدی اور نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کو بلالاؤ۔ محمیہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال خمس کی نگرانی پر مامور فرمادیا تھا۔ جب دونوں آگئے تو محمیہ سے فرمایا: اس لڑکے فضل بن عباس سے اپنی لڑکی کا نکاح کردو۔ محمیہ نے نکاح کردیا اور نوفل بن حارث سے فرمایا: تم اس لڑکے سے اپنی لڑکی کا نکاح کردو۔ انہوں نے بھی اپنی لڑکی کا نکاح حسب الحکم کردیا۔ پھر محمیہ سے فرمایا: خمس میں سے ان دونوں کا مہر اتنا اتنا دے دو۔ رواہ مسلم۔ یہ حدیث بتارہی ہے کہ وصول زکوٰۃ پر اگر کوئی ہاشمی مامور ہو تب بھی مال زکوٰۃ میں سے اجرت لینی اس کے لئے جائز نہیں اور مامور نہ ہو تو جواز کی کوئی وجہ نہیں۔ لیکن اس حدیث میں صدقہ سے مراد زکوٰۃ ہے' جس کو وصول کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو مقرر فرماتے تھے۔

خاندان رسول کے صدقہ لینے کا جواز مندرجۂ ذیل واقعہ سے ظاہر ہورہا ہے' اس کے راوی حضرت ابن عباس ہیں۔ واقعہ یہ ہوا کہ مدینہ کا قافلہ (کہیں سے تجارتی سامان لے کر) آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کچھ سامان خریدا اور چند اوقیہ نقرئی کے نفع سے اس کو بیچ ڈالا' پھر وہ روپیہ خاندان عبدالمطلب کی بیواؤں کو بطور صدقہ دے دیا' پھر فرمایا: آئندہ جس چیز کی قیمت میرے پاس نہ ہوگی' میں اس کو نہیں خریدوں گا۔

امام شافعی نے بیان کیا ہے کہ حضرت امام جعفر مکہ اور مدینہ کے درمیان میں پانی کی جو سبیلیں تھیں' ان سے پانی پی لیا کرتے تھے۔ اس پر حضرت ابراہیم بن محمد نے فرمایا: آپ صدقہ کا پانی پی لیتے ہیں؟ فرمایا: ہمارے لئے صرف صدقۂ مفروضہ حرام کیا گیا ہے (اور یہ سبیل کا پانی خیراتی پانی ہوتا ہے) اگر کوئی یہ کہے کہ اوقاف کا حکم دوسرے صدقات سے الگ ہے (اوقاف سے فائدہ اٹھانا تمام مسلمانوں کے لئے جائز ہے' خاندان رسول بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے) تو یہ بے دلیل دعویٰ ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو امام جعفر یوں فرماتے کہ اوقاف کا حکم دوسرے صدقات سے جدا ہے' یہ نہ فرماتے کہ ہمارے لئے صرف فرض صدقہ (زکوٰۃ) حرام کیا گیا ہے۔

بخاری وغیرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم کسی کو اپنا وارث نہیں چھوڑتے' ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ

صدقہ ہے۔ زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سال بھر کا خرچ گھر والوں کو دے دیا کرتے تھے اور جو کچھ بچ رہتا' اس کو اللہ کے مال کی طرح اللہ کے راستہ میں (یعنی جہاد کی تیاری' گھوڑوں کی خریداری' ہتھیاروں کی فراہمی وغیرہ) صرف کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت علی اور حضرت عباس بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی طرح کیا کرتے تھے (یعنی ترکۂ رسول میں سے جو حقیقت میں ترکہ نہ تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس کا حکم خیرات یا صدقہ کا حکم تھا' اقارب رسول اللہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم کے مطابق دیا کرتے تھے) اس سے ظاہر ہو گیا کہ بنی ہاشم کے لئے ہر صدقہ (خواہ خیرات ہی ہو) حرام نہ تھا (بلکہ صرف زکوٰۃ حرام تھی)۔

: اکثر ائمہ کے نزدیک ہاشمی' ہاشمی کی بھی زکوٰۃ نہیں لے سکتا۔ امام ابو یوسف اس کو جائز کہتے ہیں۔ کیونکہ صدقہ چونکہ لوگوں کا میل کچیل ہوتا ہے' اس لئے بنی ہاشم کے لئے حرام کیا گیا تھا مگر اپنا صدقہ خود کھانے میں کوئی حرج نہیں (کسی طرح کی توہین نہیں) ہم کہتے ہیں: بنی ہاشم کے شرف کا تقاضا ہے کہ وہ تمام لوگوں کے (خواہ وہ ہاشمی ہی ہو) میل کچیل سے اپنے کو محفوظ رکھیں' اس لئے ہاشمی' ہاشمی کی بھی زکوٰۃ نہیں لے سکتا۔

بنی ہاشم کے لئے زکوٰۃ حرام ہے' ان میں پانچ بطن شامل ہیں: آل علی' آل عباس' آل جعفر' آل عقیل' آل حارث بن عبدالمطلب۔ یہ امام اعظم اور امام مالک کا قول ہے۔ امام شافعی کے نزدیک بنی مطلب بھی ان میں شامل ہیں' کیونکہ خمس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ذوی القربیٰ کو دیتے تھے تو بنی مطلب کو بھی اس کا حصہ دار بناتے تھے' ان کو بھی دیتے تھے۔ مسائل خمس میں حضرت جبیر بن مطعم کی روایت ہم ذکر کر چکے ہیں۔

امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک بنی ہاشم کے غلاموں کے لئے بھی زکوٰۃ حرام ہے۔ امام شافعی اور امام مالک کا بھی صحیح ترین قول یہی ہے۔ بعض کے نزدیک بنی ہاشم کے موالی کے لئے زکوٰۃ حرام نہیں۔ امام ابو یوسف نے فرمایا: موالی کی طرف بنی ہاشم کے سوا اور کسی کو نہیں پھیرا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مخزومی شخص کو تحصیل زکوٰۃ پر مقرر فرمایا۔ اس شخص نے ابورافع سے کہا: تم بھی میرے ساتھ چلو' تم کو بھی کچھ مل جائے گا۔ ابورافع نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر میں نہیں جا سکتا۔ چنانچہ ابورافع نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے آل محمد کے لئے صدقہ حلال نہیں اور کسی قوم کا غلام بھی انہی میں سے ہوتا ہے (یعنی اس کا حکم بھی ویسا ہی ہوتا ہے جیسے اس کے آقا کا) یہ حدیث حضرت ابورافع کی روایت سے امام احمد' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن حبان اور حاکم نے بیان کی ہے اور طبرانی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے ابورافع کا نام ارقم بن ابی الارقم تھا۔

مسئلہ: مال زکوٰۃ کو ایک شہر سے دوسرے شہر کو لے جانا مکروہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے فرمایا تھا: ان کے مالداروں سے لیا جائے اور ان کے حاجت مندوں کو لوٹا دیا جائے۔ منقول ہے کہ زکوٰۃ کا جو مال خراسان سے شام لایا گیا تھا' حضرت عمر بن عبدالعزیز نے پھر شام سے خراسان کو لوٹا دیا۔ (تفسیر مظہری، سورۃ توبہ، لاہور)

بَابُ الْفَقِيرِ يُهْدِي لِلْغَنِيِّ مِنَ الصَّدَقَةِ

باب: فقیر کا غنی کو صدقے میں سے کوئی چیز تحفے کے طور پر دینا

1655 - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَرْزُوقٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِلَحْمٍ، قَالَ: مَا هَذَا؟، قَالُوا: شَيْءٌ تُصُدِّقَ بِهِ عَلَى بَرِيرَةَ، فَقَالَ: هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ، وَلَنَا هَدِيَّةٌ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گوشت پیش کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: یہ کہاں سے آیا ہے؟ لوگوں نے عرض کی: یہ بریرہ رضی اللہ عنہا کو صدقے کے طور پر دیا گیا تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اس کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

شرح

حدیث کے ابتدائی الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ بریرہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی تھیں اس کے سبب تین شرعی احکام نافذ ہوئے پہلا حکم تو یہ کہ جب بریرہ آزاد ہوئی تو اسے اختیار دے دیا گیا کہ چاہے تو وہ اپنے خاوند کہ جس کا نام مغیث تھا کے نکاح میں رہے یا اس سے جدائی اور علیحدگی اختیار کر لے۔ یہ علماء کے یہاں "خیار عتق" کہلاتا ہے یعنی جو لونڈی کسی کے نکاح میں ہو تو آزاد ہونے کے بعد اسے اختیار ہے کہ چاہے تو خاوند کے نکاح میں رہے چاہے اس سے جدائی اختیار کر لے لیکن حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ لونڈی کو یہ اختیار اس وقت حاصل ہوگا جب کہ اس کا خاوند غلام ہو حنفیہ کہتے ہیں کہ اس کا خاوند خواہ غلام ہو خواہ آزاد ہو وہ دونوں صورتوں میں مختار ہوگی۔

بریرہ کا خاوند مغیث غلام تھا جب بریرہ نے آزاد ہونے کے بعد اس سے جدائی اختیار کر لی گویا اسے قبول نہیں کیا تو مغیث بڑا ہی پریشان ہوا یہاں تک کہ وہ بریرہ کے عشق و فراق میں روتا اور فریاد کرتا پھرتا رہا مگر بریرہ نے اس کا کوئی اثر نہیں لیا اور اس سے علیحدہ ہی رہی۔ بریرہ کے سبب سے دوسرا حکم یہ نافذ ہوا کہ ولاء یعنی لونڈی کی میراث اس شخص کے لئے ہے جس نے اسے آزاد کیا ہوگا اس کی تفصیل یہ ہے کہ بریرہ ایک یہودی کی لونڈی تھی جس نے اسے مکاتب کر دیا تھا یعنی یہودی نے اسے یہ کہہ دیا تھا کہ جب تو اتنے درہم دے دے گی تو آزاد ہو جائے گی جب بریرہ مطلوبہ تعداد میں درہم فراہم کرنے سے عاجز ہو گئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی تاکہ اگر وہ کچھ دے دیں تو اپنے مالک کو دے کر آزادی کا خلعت زیب تن کرے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اپنے مالک سے پوچھ اگر وہ تجھے بیچے تو میں خرید لیتی ہوں۔ بریرہ اپنے مالک کے پاس گئی اور اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خواہش بیان کی وہ فروخت کرنے پر تیار ہو گیا مگر اس نے یہ بھی کہا کہ میں اس شرط پر فروخت کرنے کے لئے تیار ہوں کہ ولاء یعنی بریرہ کی میراث کے ہم حقدار ہوں گے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یہودی اس طرح کہتے ہیں اور ان کی یہ شرط ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہودی غلط کہتے ہیں۔ میراث کا

حق اسی کو ہوتا ہے جو آزاد کرتا ہے عائشہ رضی اللہ عنہا تم اس سے خرید کر آزاد کردو اس کی میراث تمہارے لئے ہوگی، یہودیوں کی یہ شرط باطل ہے۔

تیسرا حکم جو بریرہ کے سبب سے نافذ ہوا اس کا ذکر حدیث کے آخر میں کیا گیا ہے اس کا حاصل اور مطلب یہ ہے کہ اگر مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ کا مال دیا جائے اور مستحق زکوٰۃ وہ مال لے کر ایسے شخص کو دے دے جو زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے تو اس کے لئے یہ مال حلال و جائز ہوگا کیونکہ زکوٰۃ دینے والے نے تو ایک صحیح شخص اور مستحق کو مال دے دیا اور وہ مال اس مستحق زکوٰۃ کی ملکیت ہوگا اب وہ جس شخص کو بھی اپنا مال دے گا جائز اور درست ہوگا اصطلاح میں اسے "تملیک" کہا جاتا ہے جو جائز اور حلال ہے۔

مکاتبت غلام اور اس کے مالک کے درمیان ایک خاص نوعیت کے معاہدہ کا اصطلاحی نام ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ غلام کا مالک اسے اس شرط پر آزاد کرتا ہے کہ روپیہ کی اتنی مقدار اتنی مدت میں دینی ہوگی غلام اسے قبول و منظور کر لیتا ہے چنانچہ غلام اگر روپیہ کی وہ مقدار اس متعینہ مدت میں ادا کر لیتا ہے تو اپنے مالک کی غلام سے آزاد ہو جاتا ہے اور اگر وہ مقدار ادا نہیں کر پاتا تو پھر جوں کا توں اس کی غلامی میں رہتا ہے اس معاملہ کو مکاتبت یا کتابت اور اس غلام کو مکاتب کہتے ہیں۔ ولاء آزاد کرنے کے اس حق کو کہتے ہیں جو غلام کے مالک کو حاصل ہوتا ہے یعنی اگر کوئی شخص اپنے کسی غلام کو آزاد کر دے اور وہ آزادی ہی کی حالت میں مر جائے اور اپنے پیچھے کچھ مال و اسباب چھوڑ جائے تو اس کے عصبہ نہ ہونے کی صورت میں اس کے تمام مال و اسباب کا حق دار وہی آزاد کرنیوالا شخص ہوتا ہے یہی حق ولاء کہلاتا ہے۔

بریرہ حضرت عائشہ کی لونڈی کا نام ہے یہ حضرت عائشہ کی خدمت میں آنے سے پہلے ایک یہودی کی ملکیت میں تھی جب انہوں نے اپنے مالکوں سے کتابت کی تو وہ حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان سے کہا کہ میں نے اپنے مالکوں سے نو اوقیہ پر اس شرط کے ساتھ کتابت کی ہے کہ ہر سال ایک اوقیہ جو چالیس درہم کا ہوتا ہے دیا کروں گی اب میں آپ کے پاس اس لئے آئی ہوں کہ آپ میری مدد کریں اور مجھے اتنا دیدیں جو میں بدل کتابت کے طور پر اپنے مالکوں کو دیدوں۔

حضرت عائشہ نے کہا کہ اگر تمہارے مالکوں کو پسند ہو تو میں یہ کر سکتی ہوں کہ انہیں یہ نو اوقیہ یک مشت تمہاری قیمت کے طور پر انہیں دیدوں اور تمہیں خرید کر آزاد کر دوں اگر مکاتب بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو تو اسے بیچنا خریدنا جائز ہے ظاہر ہے کہ اس صورت میں تمہاری طرف سے حق ولاء مجھے ہی حاصل ہوگا لیکن جب یہ بات بریرہ کے مالکوں کو پہنچی تو انہوں نے اس سے انکار کر دیا کیونکہ وہ بریرہ کو حضرت عائشہ کے ہاتھ اس شرط پر فروخت کرنا چاہتے تھے کہ بریرہ کا حق ولاء ان کو حاصل ہو چونکہ ان کی یہ شرط کہ بریرہ کو خرید کر آزاد تو کریں عائشہ اور حق ولاء پہنچے ان کو بالکل نادانی کی بات تھی اور شرعی طور پر مطلقاً ناجائز اس لئے جب حضرت عائشہ نے اس کا تذکرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور حدیث میں مذکورہ کلمات ارشاد فرمائے۔ حق ولاء کو بیچنا یا اس کو ہبہ کرنا ناجائز ہے حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولاء کو بیچنے یا اس کو ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری ومسلم)

یعنی مثلاً ایک شخص نے اپنے غلام کو آزاد کیا جس کی وجہ سے حق ولاء اس کے لئے ثابت ہو گیا اب اگر وہ یہ چاہے کہ اس حق

ولاء کو کسی کے ہاتھ بیچ دے یا کسی کو ہبہ کر دے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ ولاء کوئی مال نہیں ہے کہ اس کو بیچا یا ہبہ کیا جاسکے اس بارے میں تمام علماء کا متفقہ طور پر یہی مسلک ہے۔

بَابُ مَنْ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ ثُمَّ وَرِثَهَا

باب: جو شخص کوئی چیز صدقہ کرے اور اس کا وارث بن جائے

1656 - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يُوْنُسَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَطَاءٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ اَبِيْهِ بُرَيْدَةَ، اَنَّ امْرَاَةً اَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: كُنْتُ تَصَدَّقْتُ عَلٰى اُمِّي بِوَلِيدَةٍ، وَاِنَّهَا مَاتَتْ وَتَرَكَتْ تِلْكَ الْوَلِيدَةَ، قَالَ: قَدْ وَجَبَ اَجْرُكِ، وَرَجَعَتْ اِلَيْكِ فِي الْمِيرَاثِ

❁❁ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک خاتون نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اس نے عرض کی: میں نے اپنی والدہ کو ایک کنیز صدقے کے طور پر دی' والدہ کا انتقال ہو گیا اور انہوں نے (وراثت) میں وہ کنیز چھوڑی ہے' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا اجر ثابت ہو گیا اور وہ کنیز وراثت میں تمہاری طرف واپس آجائے گی۔

بَابٌ فِيْ حُقُوْقِ الْمَالِ

باب: مال کے حقوق

1657 - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، حَدَّثَنَا اَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ اَبِي النَّجُوْدِ، عَنْ شَقِيْقٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: كُنَّا نَعُدُّ الْمَاعُوْنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَوَرَ الدَّلْوِ وَالْقِدْرِ

❁❁ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ہم اس چیز کو "ماعون" شمار کرتے تھے۔ (جس کا ذکر قرآن میں ہے) کہ ڈول یا ہنڈیا کسی کو عارضی طور پر دی جائے۔

شرح

ویمنعون الماعون۔اور وہ ماعون کو روکتے ہیں۔قطرب نے کہا اصل لغت میں ماعون تھوڑی چیز کو کہتے ہیں۔

یہاں زکوٰۃ مراد ہے۔حضرت علی' حضرت ابن عمر' حسن' قتادہ اور ضحاک سے یہی تفسیر منقول ہے۔زکوٰۃ کو ماعون کہنے کی وجہ یہ ہے کہ بہت مال کی تھوڑی زکوٰۃ ہوتی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کلہاڑی' ڈول' ہانڈی اور انہی جیسی چیزیں ماعون ہیں۔سعید بن جبیر کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول آیا ہے۔مجاہد نے کہا: ماعون سے مراد عاریت (مانگی ہوئی' مستعار چیز) ہے۔عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ماعون سے اعلیٰ اور ادنیٰ ہر چیز مراد ہے۔اعلیٰ چیز فرض زکوٰۃ ہے اور ادنیٰ چیز مستعار لیا ہوا استعمال کا گھریلو سامان۔محمد بن کعب رضی اللہ عنہ اور کلبی رضی اللہ عنہ نے کہا: ماعون وہ معروف چیزیں ہیں جن کا لین دین لوگ آپس میں کرتے

ہیں۔ بعض علماء نے کہا: ماعون وہ چیز ہے جس کو روک رکھنا (دوسروں کو نہ دینا) درست نہیں جیسے پانی' نمک' آگ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ پانی تو خیر۔ نمک اور پانی میں کیا بات ہے؟ فرمایا: حمیرا! جس نے آگ دے دی گویا اس نے اس آگ سے پکا ہوا کل کھانا دے دیا اور جس نے نمک دے دیا اس نے گویا اس نمک سے درست کیا ہوا کھانا دے دیا اور جس نے کسی مسلمان کو ایسے مقام پر جہاں پانی ملتا ہے پانی پلایا اس نے گویا ایک بردہ آزاد کیا اور جس نے پانی نہ ملنے کے مقام میں کسی مسلمان کو پانی پلایا' اس نے گویا اس کو زندہ کر دیا۔ (رواہ ابن ماجہ)

ماعون سے مراد دس اقوال کا بیان

اموال کی زکوٰۃ:

(1) اس سے مراد ان کے اموال کی زکوٰۃ ہے؛ ضحاک نے حضرت ابن عباس سے یہی روایت نقل کی ہے حضرت علی شیر خدا سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ امام مالک نے بھی یہی کہا ہے: اس سے مراد منافق ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ ابوبکر بن عبدالعزیز نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہا: منافق جب نماز پڑھتا ہے تو ریاکاری کرتے ہوئے نماز پڑھتا ہے اگر نماز اس سے فوت ہو جاتی ہے تو اس پر کسی شرمندگی کا اظہار نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر جو زکوٰۃ فرض کی ہے وہ اسے روک لیتا ہے، زید بن اسلم نے کہا: اگر نماز بھی ان کے لیے مخفی ہوتی جس طرح زکوٰۃ ان کے لیے مخفی ہے تو وہ اسے نہ پڑھے۔

مال:

(2) ماعون سے مراد مال ہے؛ یہ قریش کی لغت ہے؛ یہ ابن شہاب اور سعید بن مسیب کا نطقہ نظر ہے۔

تمام منافع:

(3) یہ ایسا اسم ہے جو گھر کے تمام منافع کو جامع ہے جس طرح کلہاڑا، ہنڈیا، آگ اور اس جیسی چیزیں، یہ حضرت ابن مسعود کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے اعمش نے کہا: باجود منہ بماعونہ وہ اپنے گھر کے سامان کے ساتھ زیادہ سخاوت کرنے والا ہے۔

جاہلیت میں مراد منفعت اور اسلام میں طاعت اور زکوٰۃ:

(4) زجاج، ابوعبید اور مبرد نے کہا: دور جاہلیت میں ماعون اسے کہتے جس میں کوئی منفعت ہوتی جیسے کلہاڑا، ہنڈیا، دول، پیالہ خواہ اس میں تھوڑی منفعت ہوتی یا زیادہ منعت ہوتی۔ انہوں نے اس بارے میں اعشی کے اشعار پڑھے۔ علماء نے کہا: اسلام میں ماعون سے مراد طاعت اور زکوٰۃ ہے اور ایک چرواہے کے اشعار پڑھے:

اخليفة الرحمن انا معشر ... حنفاء نسجد بكرة واصيلا

عرب نرى لله من اموالنا ... حق الزكاة منزلا تنزيلا

قوم على الاسلام لما يمنعوا ... ماعونهم ويضيعوا التهليلا

اے رحمٰن کے خلیفہ! ہم ایسے لوگ ہیں جنہوں نے باطل کو چھوڑ کر حق کو اپنا لیا ہے، ہم صبح و شام سجدہ کرتے ہیں، ہم

عرب ہیں، ہم اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے اموال میں زکوۃ کا حق لازمی سمجھتے ہیں۔ ہم مسلمان ہیں، جب وہ زکوۃ و طاعات سے رکتے ہیں اور لا الہ اللہ کو ضائع کرتے ہیں۔

ان اشعار سے ماعون سے مراد زکوۃ ہے۔

ادھار چیز:

(5) ماعون سے مراد ادھار چیز ہے؛ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے۔

ہر نیکی:

(6) ہر نیکی مراد ہے جو لوگ باہم ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔ یہ محمد بن کعب اور کلبی کا قول ہے۔

پانی اور گھاس:

(7) اس سے مراد پانی اور گھاس ہے۔

پانی:

(8) صرف پانی مراد ہے۔ فراء نے کہا: میں نے ایک بدو کو کہتے ہوئے سنا وہ ماعون سے مراد پانی لے رہا تھا۔ اس بارے میں نے یہ مصرع سنایا:

...یمج صبیرہ الماعون صبا...

اس کا بادل موسلا دھار پانی برسا رہا تھا۔

حق کو روکنا:

(9) اس نے حق روکا؛ یہ حضرت عبداللہ بن عمر کا قول ہے۔

منافع میں سے تھوڑی سی چیز:

(10) اموال کے منافع میں سے تھوڑی سی چیز۔ یہ معن سے ماخوذ ہے جس کا معنی قلیل ہے؛ یہ طبری اور حضرت ابن عباس کا قول ہے۔

قطرب نے کہا: ماعون کا اصل معنی قلت ہے معن سے مراد تھوڑی چیز ہے عرب کہتے ہیں: مالہ سعنۃ ولا معنۃ، نہ اس کے پاس زیادہ نہ کم۔ اللہ تعالیٰ نے زکوۃ، صدقہ اور اس جیسی چیزوں کو ماعون قرار دیا کیونکہ یہ کثیر میں سے تھوڑی چیز ہوتی ہے لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ماعون کی اصل معونۃ ہے، الف، ھاء کے عوض میں ہے، یہ جوہری نے بیان کی ہے۔ ابن عربی نے کہا: ماعون یہ اعان، یعین سے مفعول کا وزن ہے۔ عون سے مراد ایسی امداد ہے جو قوت، آلات اور امر کے اسباب میسرہ کے ساتھ ہو۔

طاعت وانقیاد کا بیان

(11) اس سے مراد طاعت وانقیاد ہے۔ اخفش نے فصیح اعرابی سے یہ قول نقل کیا ہے؛ اگر ہم اترے تو میں تیری اونٹنی کے

ساتھ ایسا معاملہ کروں گا تو وہ اونٹنی تجھے اختیار عطا کرے گی۔
راجز نے کہا:

معی تمادنھن فی البرین... یضضعن او یعطین بالماعون

جب تو انہیں ان حلقوں سے پکڑے گا جو ان کے ناک میں ہیں تو وہ عاجزی کریں گے یا تیری اطاعت کریں گی۔
ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے جس کا روکنا حلال نہیں ہوتا جس طرح پانی، نمک اور آگ، کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کون سی چیز ہے جس کا روکنا حلال نہیں؟ فرمایا: پانی، آگ اور نمک۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ تو پانی ہوا، یہ آگ اور نمک کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: اے عائشہ جس نے آگ دی گویا اس نے وہ تمام کھانا صدقہ کیا جو اس آگ کے ساتھ پکایا گیا، جس نے نمک دیا گیا گویا اس نے وہ تمام کھانا صدقہ کیا جس کے ساتھ اس کھانے کو لذیذ بنایا گیا، جہاں پانی پایا جاتا ہے وہاں اس نے ایک دفعہ پانی پلایا گویا اس نے ساٹھ غلام آزاد کیے اور جس نے وہاں پانی پلایا جہاں پانی نہیں ملتا تو گویا اس نے ایک نفس کو زندہ کیا اور جس نے ایک نفس کو زندگی دی (اس کو مرنے سے بچایا) تو گویا اس نے تمام انسانوں کو بچایا۔ یہ روایت ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ذکر کی ہے اور ابن ماجہ نے اسے سنن میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں ضعف ہے۔ یہ بارہواں قول ہے۔ ماوردی نے کہا: یہ احتمال موجود ہے کہ اس سے مراد ایسی معرفت ہے جس کا کرنا آسان ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ذی شان بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ عکرمہ جو حضرت ابن عباس کے غلام تھے سے کہا گیا: جس نے اپنے سامان میں سے کوئی چیز دینے سے انکار کیا اس کے لیے ہلاکت ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: نہیں بلکہ جس نے تین چیزوں کو جمع کیا اس کے لیے ہلاکت ہے۔ نماز کو ترک کرنا۔ ریا کاری کرنا اور ضرورت کی چیزوں میں بخل کرنا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ ماعون، بیروت)

قیامت کے دن حساب و کتاب اور زکوٰۃ کے حساب کا بیان

1658 - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ صَاحِبِ كَنْزٍ، لَا يُؤَدِّي حَقَّهُ، إِلَّا جَعَلَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُحْمَى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ، فَتُكْوَى بِهَا جَبْهَتُهُ وَجَنْبُهُ وَظَهْرُهُ، حَتَّى يَقْضِيَ اللَّهُ تَعَالَى بَيْنَ عِبَادِهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ، ثُمَّ يَرَى سَبِيلَهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِمَّا إِلَى النَّارِ، وَمَا مِنْ صَاحِبِ غَنَمٍ لَا يُؤَدِّي حَقَّهَا، إِلَّا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَوْفَرَ مَا كَانَتْ، فَيُبْطَحُ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ، فَتَنْطَحُهُ بِقُرُونِهَا، وَتَطَؤُهُ بِأَظْلَافِهَا، لَيْسَ فِيهَا عَقْصَاءُ وَلَا جَلْحَاءُ كُلَّمَا مَضَتْ أُخْرَاهَا، رُدَّتْ عَلَيْهِ أُولَاهَا، حَتَّى يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَ عِبَادِهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ، ثُمَّ يَرَى سَبِيلَهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِمَّا إِلَى النَّارِ، وَمَا مِنْ صَاحِبِ إِبِلٍ لَا يُؤَدِّي حَقَّهَا، إِلَّا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَوْفَرَ مَا كَانَتْ، فَيُبْطَحُ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ، فَتَطَؤُهُ بِأَخْفَافِهَا، كُلَّمَا مَضَتْ عَلَيْهِ أُخْرَاهَا، رُدَّتْ عَلَيْهِ أُولَاهَا، حَتَّى يَحْكُمَ اللَّهُ تَعَالَى بَيْنَ عِبَادِهِ، فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ، ثُمَّ

يَرَى سَبِيلَهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو بھی مال کا مالک شخص اس کے حق (زکوٰۃ) کو ادا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ اس مال کو اس شخص کے لیے جہنم کی آگ میں تپائے گا' اور پھر اس کے ذریعے اس کے مالک کی پیشانی، کمر اور پہلو پر داغ لگایا جائے گا۔ ایسا اس وقت تک ہوتا رہے گا' جب تک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ نہیں کر دیتا۔ وہ ایک ایسا دن ہوگا' جس کی طوالت تمہارے حساب سے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی اس کے بعد وہ شخص اپنی راہ کو دیکھے گا' جو یا تو جنت کی طرف جاتی ہوگی یا جہنم کی طرف جاتی ہوگی۔ بکریوں کا جو مالک ان کے حق (زکوٰۃ) کو ادا نہیں کرے گا' تو قیامت کے دن ان بکریوں کو لایا جائے گا' جو پہلے سے زیادہ موٹی تازی ہوں گی۔ اس شخص کو ایک چٹیل میدان میں ان بکریوں کے سامنے الٹا لٹا دیا جائے گا وہ بکریاں اسے اپنے سینگوں کے ذریعے مارنا اور اپنے کھروں کے ذریعے روندنا شروع کریں گی۔ ان میں سے کوئی بھی بکری ایسی نہیں ہوگی' جس کے سینگ مڑے ہوئے ہوں' یا بغیر سینگ کے ہو جب ان میں سے آخری بکری گزر جائے گی' تو پہلے والی دوبارہ آ جائے گی۔ ایسا اس وقت تک ہوتا رہے گا' جب تک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ نہیں کر دیتا۔ یہ اس دن ہوگا' جس کی طوالت تمہارے حساب سے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔ اس کے بعد وہ شخص اپنی راہ دیکھے گا' جو یا تو جنت کی طرف جاتی ہوگی یا جہنم کی طرف جاتی ہوگی۔ اونٹوں کا جو بھی مالک ان کا حق (زکوٰۃ) ادا نہیں کرتا ہوگا' تو قیامت کے دن ان اونٹوں کو لایا جائے گا' جو پہلے سے زیادہ موٹے تازے ہوں گے۔ ان کے مالک کو ان کے سامنے ایک چٹیل میدان میں الٹا لٹا دیا جائے گا پھر وہ اپنے پاؤں کے ذریعے اسے روندنا شروع کریں گے۔ جب ان میں سے آخری اونٹ گزر جائے گا' تو پہلے والا دوبارہ آ جائے گا۔ ایسا اس وقت تک ہوتا رہے گا' جب تک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ نہیں کر دیتا۔ یہ اس دن ہوگا' جس کی طوالت تمہارے حساب سے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔ اس کے بعد وہ شخص اپنی راہ دیکھے گا' جو یا تو جنت کی طرف جاتی ہوگی یا جہنم کی طرف جاتی ہوگی۔

میدان حشر اور حساب کا بیان

حساب" کے معنی ہیں گننا، شمار کرنا! اور یہاں سے مراد ہے قیامت کے دن بندوں کے اعمال و کردار کو گننا اور ان کا حساب کرنا! واضح رہے کہ حق تعالیٰ کی علیم و خبیر ذات کو سب کچھ معلوم ہے اور بندہ اس دنیا میں جو بھی عمل کرتا ہے وہ اس پر روشن و عیاں ہے لیکن قیامت کے دن بندوں کے اعمال و کردار کا حساب اس لئے ہوگا تاکہ ان پر حجت قائم ہو اور تمام مخلوق پر روشن ہو جائے کہ دنیا میں کس نے کیا کیا ہے اور کون کس درجہ کا آدمی ہے! پس قیامت کے دن کا یہ حساب قرآن مجید اور صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اس کا عقیدہ رکھنا واجب ہے۔" قصاص" کے معنی بدلہ و مکافات کے ہیں یعنی جس شخص نے جیسا کیا ہے اس کے ساتھ ویسا ہی کرنا! مثلاً اگر کسی شخص نے کسی شخص کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلہ میں اس کو بھی قتل کرنا اور اگر کسی شخص نے کسی شخص کو زخمی کیا ہے تو اس کے بدلہ میں اس کو بھی زخمی کرنا قصاص کہلاتا ہے قیامت کے دن، جان کا بدلہ جان، زخم اور تکلیف ہوگا اور دنیا میں جس نے جس کے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہوگا کہ خواہ اس کو آزردہ کیا ہو اور خواہ کوئی بھی جسمانی اور روحانی اذیت پہنچائی ہو اور وہ چیونٹی یا مکھی ہی کیوں نہ ہو، تو قیامت

کے دن اس سے اس کا بدلہ لیا جائے گا اگر چہ وہ مکلف نہ ہو چنانچہ تمام حیوانات کو بھی قیامت کے دن اسی لئے اٹھایا جائے گا تا کہ ان کو بھی ایک دوسرے کا بدلہ دلوایا جاسکے مثلاً اگر کسی سینگ والی بکری نے کسی بے سینگ بکری کو مارا ہوگا تو اس دن اس کو قصاص یعنی بدلہ دینا ہوگا۔ "میزان" اس چیز سے تعبیر ہے جس کے ذریعہ بندوں کے اعمال کی مقدار و حیثیت جانی جاسکے اور جمہور علماء کا قول ہے کہ وہ چیز میزان یعنی ترازو ہی کی شکل میں ہوگی جس کے دو پلے ہوں گے اور ایک زبان ہوگی اور دونوں پلوں کے درمیان مشرق و مغرب جیسا فاصلہ ہوگا اس میزان کے ذریعہ بندوں کے اعمال تولے جائیں گے یعنی ایک پلے میں نیکیوں کے اعمال نامے اور دوسرے پلے میں برائیوں کے اعمال نامے رکھے جائیں گے اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ حسنات یعنی نیک اعمال کو اچھی صورتوں میں اور سیأت یعنی برے عمل کو بری صورتوں میں ڈھال دیا جائے گا اور ان دونوں کو تولا جائے گا لیکن بعض روایتوں میں پہلا قول ہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں جو نصوص ہیں ان کا ظاہری مفہوم اسی پر دلالت کرتا ہے۔

آسان اور سخت حساب کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جس سے حساب لیا جائے گا وہ تباہ ہو جائے گا (یعنی جو بھی شخص سخت حساب اور دارو گیر سے دوچار ہوگا اس کا بچ نکلنا ممکن نہیں ہوگا نیز یہاں "تباہ ہونے" سے مراد عذاب میں مبتلا ہونا ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (جب میں نے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ایک کلیہ کے طور پر سنا تو میرے ذہن میں اشکال پیدا ہوا اور اسی اشکال کو دور کرنے کے لئے) میں نے عرض کیا کہ "کیا اللہ تعالیٰ نے اہل نجات کے حق میں یہ نہیں فرمایا کہ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا (84۔الانشقاق:8) یعنی (جس شخص کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا" پس قریب ہوگا کہ اس کا حساب آسان ہو" (اور جب حساب آسان ہوگا اواس کے تباہ ہونے کے کیا معنی ہوں گے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (میرے اس اشکال کو دور کرنے کے لئے) فرمایا۔ "یہ آسان حساب صرف پیش کرنا اور بیان محض ہے لیکن جس سے حساب میں مناقشہ کیا جائے گا (یعنی جس کو سخت باز پرس اور دارو گیر سے گزرنا پڑے گا) اور وہ یقینا تباہ ہوگا۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 123)

آسان حساب صرف پیش کرنا اور بیان محض ہے" کا مطلب یہ ہے کہ قرآن شریف میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ پس قریب ہوگا کہ اس کا حساب آسان ہو۔" تو آسان حساب ہونے سے مراد ہے کہ اس کے اچھے اور برے اعمال اس کو بتلا دیئے جائیں گے مثلاً اس سے کہا جائے گا کہ تو نے یہ کیا ہے، وہ کیا ہے اور برے اعمال پر مواخذہ نہیں کرے گا لیکن جس شخص کے حساب میں دارو گیر اور باز پرس کا دخل ہو جائے گا، اس سے ایک ایک چیز اور ہر چھوٹے بڑے عمل کے بارے میں پوچھا جائے گا اور اس پر محاسبہ و مواخذہ کی سخت کاروائی نافذ کی جائے گی تو اس شخص کا عذاب سے بچنا ممکن نہیں ہوگا پس وہ تباہ ہو جائے گا اور حقیقت میں حساب یہی ہے۔ اس بات کو ایک دوسرے نقطہ نظر سے یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا حدیث میں جو کچھ فرمایا ہے وہ اس کلیہ کو ظاہر کرتا ہے کہ جو بھی شخص حساب کے مرحلہ سے گزرے گا وہ یقینا عذاب میں مبتلا ہوگا لیکن قرآن کی مذکورہ آیت میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حساب کے مرحلہ سے گزرنے والوں میں سے بعض لوگوں کو عذاب میں مبتلا نہیں کیا

جائے گا اس سے گویا قرآن کی آیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشاد گرامی میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے؟ لہٰذا اس ظاہری تضاد کو رفع کرنے کے لئے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس آیت کریمہ میں "حساب" سے مراد صرف عرض ہے یعنی ان لوگوں کے سامنے (کہ جن کو نجات یافتہ قرار دینا مقصود ہوگا ان کے اعمال کی فہرست کھول کر رکھ دی جائے گی، چنانچہ انہوں نے جو برے اعمال کئے ہوں گے وہ ان کا اعتراف واقرار کریں گے اور حق تعالیٰ اپنا فضل وکرم ظاہر کرتے ہوئے ان کے ساتھ درگزر کا معاملہ فرمائے گا اس کے برخلاف حدیث میں "حساب" سے مراد واقعی محاسبہ ومواخذہ اور داروگیر ہے جس کو "حساب میں مناقشہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس محاسبہ وداروگیر کی بنیاد اظہار عدل ہوگا۔

بزار وغیرہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس شخص نے یہ تین اچھی باتیں ہوں گی اس سے اللہ تعالیٰ آسان حساب لے گا اور اس کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل کرے گا (اور وہ تین اچھی باتیں یہ ہیں کہ تم اس شخص کو (اخلاقی جسمانی اور مالی مدد پہنچاؤ جو تمہیں اپنی مدد سے محروم رکھے تم اس شخص کے ساتھ درگزر کا معاملہ کرو جو تمہارے اوپر ظلم کرے اور تم اس شخص کے ساتھ حسن سلوک کرو جو تمہارا مقاطعہ کرے۔ (مسند بزار)

آسان حساب کے معنی ومفہوم کا بیان

آسان حساب کا معنی یہ ہے کہ اس کے اوپر اس کے اعمال پیش کیے جائیں اور وہ جان لے کہ ان اعمال میں یہ طاقت ہے اور یہ معصیت ہے، پھر اس کو طاعت کے اوپر ثواب دیا جائے اور اس کی معصیت سے درگزر کر لیا جائے تو یہ آسان حساب ہے، اس میں اس شخص پر کوئی سختی ہے نہ اس سے کوئی مناقشہ ہے، اور نہ اس سے یہ کہا جائے گا: تم نے یہ کام کیوں کیا؟ اور نہ اس سے یہ کہا جائے گا کہ تم نے فلاں کام کیوں نہیں کیا؟ کیونکہ اگر اس سے کوئی عذر پوچھا جائے اور وہ عذر پیش نہ کرسکے تو وہ رسوا ہوگا، پھر جب اس سے یہ آسان حساب لیا جائے گا تو وہ اپنے اہل کی طرف خوشی خوشی لوٹے گا اور وہ ثواب کو حاصل کرنے والا ہوگا اور عذاب سے نجات پانے والا ہوگا اور اس کے اہل سے مراد اس کو ملی ہوئی بڑی آنکھوں والی حوریں، اس کی بیویاں اور اس کی اولادیں، بہ شرطیکہ وہ مؤمن اور اہل جنت سے ہوں۔

آسان حساب کے متعلق احادیث کا بیان

ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب بھی کوئی ایسی بات سنیں، جس کو انہوں نے یہ سمجھا ہوتا تو وہ اس کے متعلق سوال کرتیں، حتیٰ کہ اس کو سمجھ لیتیں اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس شخص سے حساب لیا گیا، اس کو عذاب دیا گیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا:

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا۔ (الانشقاق:۸) تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا۔

آپ نے فرمایا: اس سے مراد حساب کو پیش کرنا ہے، لیکن جس سے حساب میں مناقشہ کیا جائے گا وہ ہلاک ہوجائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۰۳، سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۳۷، مسند احمد ج ٦ ص ٤٧)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نماز میں یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے: اے اللہ!

مجھ سے آسان حساب لینا، میں نے کہا: یا نبی اللہ! آسان حساب کیا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے صحیفہ اعمال کو دیکھے اور اس سے درگزر فرمالے، اور جس سے اس دن حساب میں مناقشہ کیا جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا اور مؤمن پر دنیا میں جو بھی مصیبت آتی ہے، اللہ عزوجل اس مصیبت کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے، حتیٰ کہ اسے جو کانٹا چبھتا ہے۔

(المستدرک ج ۱ ص ۲۵۵-۵۷، شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۷، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۷۲۷۲-۸۴۹، مسند احمد ج ۶ ص ۴۸)

الانشقاق: ۱۲-۱۰ میں فرمایا: اور جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا۔ تو وہ عنقریب اپنی موت کو طلب کرے گا۔ اور بھڑکتی ہوئی آگ میں پہنچے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت اسود بن عبد الاسد کے متعلق نازل ہوئی ہے، اور اس کا حکم ہر مومن اور کافر کے متعلق عام ہے، وہ اپنا دایاں ہاتھ کتاب کو لینے کے لیے بڑھائے گا تو فرشتہ اس کے بائیں ہاتھ میں کتاب پکڑا کر اس ہاتھ کو موڑ کر اس کی پیٹھ کے پیچھے کر دے گا، مقاتل نے کہا: اس کے سینہ کی ہڈیوں کو توڑ کر اس کے بائیں ہاتھ کو اس میں باندھا جائے گا، پھر اس کا ہاتھ اس کے پیچھے سے نکال کر اس میں اس کا صحیفہ اعمال پکڑا دیا جائے گا۔

وہ اپنی موت کو طلب کرے گا اور کہے گا: ہائے میرا عذاب! اور ہائے میری موت!

پھر اس کو بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

کافر کی دنیا کی خوش حالی کے بعد آخرت کی تنگی کی طرف لوٹنا اور ''یحور'' کا معنی

الانشقاق: ۱۵-۱۳ میں فرمایا: بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل میں بہت خوش تھا۔ اس کا گمان تھا وہ اللہ کی طرف نہیں لوٹے گا۔ کیوں نہیں! بے شک اس کا رب اس کو خوب دیکھنے والا تھا۔

دنیا میں اہل جنت غم اور خوف میں مبتلا رہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو آخرت میں نعمتیں اور خوشی عطاء فرمائی۔

جیسا کہ ان آیات میں ہے:

قالوا انا کنا قبل فی اھلنا مشفقین۔ فمن اللہ علینا ووقنا عذاب السموم۔ (الطور: ۳۷-۳۶)

(اہل جنت کہیں گے) ہم سے پہلے اپنے اہل کے درمیان بہت ڈرتے رہتے تھے۔ سو اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہم کو دوزخ کی گرم ہواؤں کے عذاب سے بچا لیا۔

اور اہل دوزخ کے متعلق یہ بتایا کہ وہ دنیا میں بہت خوش تھے، پھر ان کو آخرت میں دوزخ کے عذاب میں دوزخ کے عذاب میں جھونک دیا گیا۔

الانشقاق: ۱۴ میں ''یحور'' کا لفظ ہے، اس کا مصدر ''حور'' ہے۔ ''حور'' کا مشہور معنی سفیدی ہے، ''الخبز الحواری'' کا معنی ہے: سفید روٹی، اور اسی وجہ سے جنت کی گوری خواتین کو قرآن مجید میں حور فرمایا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مجھے ''یحور'' کے معنی کا اس وقت تک نہیں پتہ چلا حتیٰ کہ میں نے سنا: ایک اعرابی اپنی بیٹی سے کہہ رہا تھا: ''حوری ارجعی الی'' اے گوری بچی! میری طرف لوٹ آ، اور اس آیت کا معنی ہے: اس کا گمان تھا کہ وہ اللہ کی طرف نہیں لوٹے گا۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اللهم انی اعوذبك من وعثاء السفر وكابة المنقلب والحور بعد الكور۔ الحديث

اے اللہ! میں سفر کی مشقت سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور واپسی کے غم سے اور زیادتی کے بعد کمی کی طرف لوٹنے سے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۴۳، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۴۰، سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۵۰۰، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۰۸۰٤)

اس کے بعد فرمایا: کیوں نہیں! بے شک اس کا رب اس کا خوب دیکھنے والا تھا۔

یعنی جس طرح اس نے گمان کیا ہے، واقع میں اس طرح نہیں ہے بلکہ وہ ضرور ہماری طرف لوٹ کر آئے گا، بے شک اس کا رب اس کو پیدا کرنے سے پہلے بھی یہ جانے والا تھا کہ اس نے اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

1659 - حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُسَافِرٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ فُدَيْكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ، عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ، قَالَ: فِيْ قِصَّةِ الْاِبِلِ بَعْدَ قَوْلِهٖ لَا يُؤَدِّيْ حَقَّهَا قَالَ: وَمِنْ حَقِّهَا حَلَبُهَا يَوْمَ وِرْدِهَا.

❀❀ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اس کی مانند منقول ہے تاہم اس میں انہوں نے اونٹوں کے تذکرے میں ان الفاظ "جو ان کے حق کو ادا نہیں کرتا ہوگا" کے بعد یہ الفاظ نقل کئے ہیں: "ان کے حق میں یہ بات شامل ہے کہ جب انہیں پانی پلایا جائے اس دن ان کا دودھ دوہ لیا جائے (اور صدقہ وخیرات کیا جائے)"

1660 - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ، اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ اَبِيْ عُمَرَ الْغُدَانِيِّ، عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هٰذِهِ الْقِصَّةِ، فَقَالَ لَهُ: يَعْنِيْ لِاَبِيْ هُرَيْرَةَ، فَمَا حَقُّ الْاِبِلِ؟ قَالَ: تُعْطِي الْكَرِيْمَةَ، وَتَمْنَحُ الْغَزِيْرَةَ، وَتُفْقِرُ الظَّهْرَ، وَتُطْرِقُ الْفَحْلَ، وَتَسْقِي اللَّبَنَ.

❀❀ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا (اس کے بعد راوی نے حسب سابق حدیث نقل کی ہے)

راوی بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اونٹوں کے حق سے مراد کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: یہ کہ (اللہ کی راہ میں) عمدہ اونٹ دیا جائے اور زیادہ دودھ دینے والی اونٹنی عطیہ کی جائے اور سواری کے لیے کسی کو اونٹ دیا جائے یا جفتی کے لیے اونٹ (بلا معاوضہ) دیا جائے اور لوگوں کو (اونٹنی کا) دودھ پلایا جائے۔

1661 - حَدَّثَنَا يَحْيٰى بْنُ خَلَفٍ، حَدَّثَنَا اَبُوْ عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: قَالَ اَبُو الزُّبَيْرِ:

1661- اسناده مرسل صحیح. ابو عاصم: هو الضحاك بن مخلد الشيباني، وابن جريج: هو عبد الملك بن عبد العزيز، وابو الزبير: هو محمد بن مسلم بن تدرس. واخرجه مسلم (988) من طريق عبد الرزاق عن ابن جريج، بهذا الاسناد. وهو في "مسند احمد" (14442). واخرجه مسلم (988)، والنسائي في "الكبرى" (2246) من طريق عبد الملك ابن ابي سليمان، عن ابي الزبير، عن جابر. فوصله. واخرجه الطحاوي في "احكام القرآن" (640)، وفي "شرح معاني الآثار" 272/

سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ عُمَيْرٍ. قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا حَقُّ الْإِبِلِ؟ فَذَكَرَ نَحْوَهُ زَادَ وَإِعَارَةُ دَلْوِهَا

عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نے عرض کی: یارسول اللہ! اونٹوں کے حق سے کیا مراد ہے؟ اس کے بعد راوی نے حسب سابق حدیث نقل کی ہے، جس میں یہ الفاظ زائد ہیں۔

''اس کا ڈول عاریت کے طور پر دیا جائے''۔

عاریت کے معنی ومفہوم کا بیان

فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے عاریت کی تعریف یہ کی ہے کہ کسی معین اور مباح چیز کا نفع لینا جس کا نفع لینا مباح ہو اور نفع حاصل کرنے کے بعد اصل چیز کو مالک کو واپس کرنا۔ تو اس تعریف سے وہ چیز خارج ہوگی جس کا نفع حاصل کیا جائے تو وہ ضائع ہو جائے مثلاً کھانے پینے والی چیزیں۔

دوسرے شخص کو چیز کی منفعت کا بغیر عوض مالک کر دینا عاریت ہے جس کی چیز ہے اُسے معیر کہتے ہیں اور جس کو دی گئی مستعیر ہے اور چیز کو مستعار کہتے ہیں۔ عاریت کے لیے ایجاب وقبول ہونا ضروری ہے اگر کوئی ایسا فعل کیا جس سے قبول معلوم ہوتا ہو تو یہ فعل ہی قبول ہے مثلاً کسی سے کوئی چیز مانگی اُس نے لاکر دیدی اور کچھ نہ کہا عاریت ہوگئی اور اگر وہ شخص خاموش رہا کچھ نہیں بولا تو عاریت نہیں۔ (بحر الرائق، کتاب عاریت، بیروت)

عاریت کے شرعی ماخذ کا بیان

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: (اور استعمال کرنے والی چیزوں سے روکتے ہیں) (الماعون، ۷)

یعنی وہ چیزیں جو لوگ عام طور پر آپس میں لیتے دیتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو ضرورت کی چیزوں سے لوگوں کو روکتے اور عاریت نہیں دیتے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک دن (ایک دن اس خیال سے کہ کفار کا لشکر مدینہ کے قریب آ گیا ہے) مدینہ میں گھبراہٹ اور خوف کی ایک فضا پیدا ہوگئی ہے۔ (یہ دیکھ کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ کا گھوڑا کہ جسے مندوب یعنی سست کہا جاتا تھا عاریۃً مانگا اور اس پر سوار ہو کر تحقیق حال کے لیے مدینہ سے باہر نکلے پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے تو فرمایا کہ میں نے خوف وگھبراہٹ کی کوئی چیز نہیں دیکھی ہے نیز میں نے اس گھوڑے کو کشادہ قدم یعنی تیز رفتار پایا ہے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابوطلحہ کا گھوڑا پہلے بہت ڈھیلا اور سست رفتار تھا اسی واسطے اس کا نام ہی مندوب یعنی سست رکھ دیا گیا تھا مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے وہ گھوڑا بڑا چاق وچوبند اور تیز رفتار ہوگیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی جانور کو عاریۃً مانگنا اور اسے اپنے استعمال میں لانا جائز ہے نیز کسی جانور کو کسی نام سے موسوم کر دینا بھی جائز ہے اسی طرح سامان جنگ کا نام رکھنا بھی جائز ہے۔

یہ حدیث جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت و بہادری اور کمال جانبازی کو ظاہر کرتی ہے کہ جب دشمن کی فوج کے

مدینہ کے قریب آ جانے کے خوف سے پورے مدینہ میں اضطراب وگھبراہٹ کی ایک عام فضا پیدا ہوگئی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل بے خوف ہو کر تحقیق حال کے لئے تن تنہا مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے وہیں یہ حدیث اس بات کی بھی غماز ہے کہ دشمنوں کی ٹوہ لینی اوران کے حالات پر مطلع ہونے کے لئے سعی کرنا ضروری ہے۔ نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی خوف واضطراب کے موقع پر خوف کے خاتمہ کی خوشخبری لوگوں کو دینا مستحب ہے۔

عاریت کا بغیر عوض کے تملیک ہونے کا بیان

کوئی چیز بطور ادھار لینا دینا جائز ہے اوراس کی تعریف یہ ہے کہ عاریت ''کسی کو بلا عوض اپنی چیز کے منافع کا مالک بنا دینا'' ہے اور یہ اس طرح کا قول کرنے سے درست ہوجاتی ہے۔ مثلاً کہنا کہ میں نے تجھے تیری مانگی شئے ادھار دیدی۔ اور میں نے تمہیں یہ زمین کھانے کے لئے دیدی۔ اور میں نے یہ کپڑا تمہیں دیدیا عطا کردیا۔ اور میں نے تمہیں اس جانور پر سوار کردیا۔ مگر یہ اس وقت ہوگا۔ جب اس نے اپنے اس قول سے جانور کو ہبہ کرنے کا ارادہ نہ کیا اور میں نے تمہیں یہ غلام خدمت کے لئے دیدیا میرا گھر تیرے لئے رہائش ہے اور میرا گھر زندگی بھر تیرے لئے رہائش ہے۔

اور معیر (یعنی بطور ادھار چیز دینے والے) کے لئے جب چاہے اپنی چیز واپس لے لینا جائز ہے اور عاریت (ادھار دی گئی شئے مستعیر (یعنی جس نے ادھار چیز لے رکھی ہو) کے پاس امانت کے طور پر ہوتی ہے۔ اس لئے جب وہ مستعیر کی زیادتی کے علاوہ ہلاک ہوئی۔ تو اسے تاوان نہیں دینا پڑے گا۔ اور مستعیر کے لئے جو چیز اس نے ادھار لے رکھی ہو اسے آگے کرائے پر چڑھا دینا جائز نہیں ہے۔ جب اس نے اسے کرائے پر دیا تھا اور وہ ہلاک ہوگئی تو اسے جرمانہ بھرنا پڑے گا۔ اس کے لئے مانگی شئے کو آگے دینا اس صورت میں جائز ہوسکتا ہے۔ کہ جب استعمال کرنے والے کی تبدیلی میں مستعار (یعنی ادھار لی گئی) چیز تبدیل نہ ہوجاتی ہو اور درہم، دینار، پیمائش والی اشیاء اور وزن والی جن کا وزن کیا جاتا ہو ان اشیاء کو بطور عاریت دینا بطور قرض شمار ہوگا۔

مستعار لی ہوئی چیز کے امانت ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت شریح، حضرت نخعی حضرت سفیان ثوری اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ جو چیز مستعار لی جاتی ہے وہ مستعار لینے والے کے پاس بطور امانت ہوتی ہے کہ اگر وہ تلف وضائع ہوجائے تو اس کا بدلہ دینا واجب نہیں ہوتا ہاں اگر مستعار لینے والا اس چیز کو قصداً ضائع کردے تو پھر اس پر اس چیز کا بدل واجب ہوتا ہے۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کا مذہب بھی یہی ہے۔

لیکن حضرت ابن عباس حضرت ابوہریرہ حضرت امام شافعی اور امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ اگر وہ چیز ضائع وتلف ہوجائے تو مستعار لینے اولے پر اس کا بدل یعنی اس چیز کی قیمت ادا کرنا واجب ہوتا ہے اسی لئے ان حضرات کے نزدیک لفظ مضمونۃ جو واپس کردی جائیں گی کے یہ معنی ہیں تلف ہوجانے کی صورت میں ان کا بدل ادا کیا جائے گا۔ (شرح الوقایہ، کتاب عاریت، بیروت)

موزونی وعددی چیزوں کی عاریت کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مکیل وموزون وعددی متقارب کو عاریت لیا اور عاریت میں کوئی قید نہیں تو عاریت نہیں بلکہ قرض ہے مثلاً کسی سے روپے، پیسے، گیہوں، جَو وغیرہا عاریت لیے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اِن چیزوں کو خرچ کریگا اور اسی قسم کی چیز دے گا یعنی روپیہ لیا ہے تو روپیہ دے گا پیسہ لیا ہے تو پیسہ دے گا اور جتنا لیا اُتنا ہی دے دیگا یہ عاریت نہیں بلکہ قرض ہے کیونکہ عاریت میں چیز کو باقی رکھتے ہوئے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے اور یہاں ہلاک وخرچ کر کے فائدہ اُٹھانا ہے لہٰذا قرض ہو کہ قبل انتفاع یہ چیزیں ضائع ہوجائیں جب بھی تاوان دینا ہوگا کہ قرض کا یہی حکم ہے کہ لینے والا مالک ہوجاتا ہے نقصان ہوگا تو اس کا ہوگا دینے والے کا نہیں ہوگا ہاں اگر ان چیزوں کے عاریت لینے میں کوئی ایسی بات ذکر کردی جائے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہو کہ حقیقۃً عاریت ہی ہے قرض نہیں تو اُسے عاریت ہی قرار دیں گے مثلاً روپے یا پیسے مانگتا ہے کہ اس سے کوئی چیز وزن کریگا یا اس سے تول کر باٹ بنائے گا یا اپنی دوکان کو سجائے گا تو عاریت ہے۔ (درمختار، کتاب عاریت، بیروت)

اور جب اس نے پہننے کے کپڑے قرض مانگے یہ عرفاً عاریت ہے پیوند مانگا کہ کرتے میں لگائے گا یا اینٹ یا کڑی مکان میں لگانے کے لیے عاریت مانگی اور ان سب میں یہ کہہ دیا ہے کہ واپس دیدوں گا تو عاریت ہے اور یہ نہیں کہا ہے تو قرض ہے۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب عاریت، بیروت)

کسی سے ایک پیالہ سالن مانگا یہ قرض ہے اور اگر دونوں میں انبساط وبے تکلفی ہو تو اباحت ہے۔ گولی، چھرے عاریت لیے یہ قرض ہے اور اگر نشانہ پر مارنے کے لیے یعنی چاند ماری کے لیے گولی لی ہے تو عاریت ہے کیونکہ اُسے واپس دے سکتا ہے۔

عاریت والی چیز کو عاریت پر دینے میں مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے عاریت والی چیز کسی کو بطور عاریت دی تو یہ ہمارے نزدیک جائز ہے۔ اگرچہ معیر نے معین نہ کیا اور یہی مذہب امام مالک اور ایک دلیل کے مطابق امام شافعی کا ہے۔ کیونکہ وہ منافع کی ملکیت ہے۔ جبکہ امام شافعی کا صحیح مذہب اور امام احمد علیہما الرحمہ کا مذہب یہ ہے کہ عاریت کو کسی دوسرے شخص پر بطور عاریت دینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ عاریت میں ملکیت منافع صرف اسی کے لئے مباح ہوئے ہیں کسی دوسرے کے لئے مباح نہیں ہوئے۔

(شرح الوقایہ، کتاب عاریت، بیروت)

غرباء کے لیے مساجد میں خرچ کرنے کا بیان

1662 - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ يَحْيَى الْحَرَّانِيُّ، حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنْ عَمِّهِ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ مِنْ كُلِّ جَادٍّ عَشْرَةِ أَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ بِقِنْوٍ يُعَلَّقُ فِي الْمَسْجِدِ لِلْمَسَاكِينِ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کا پھل اتارنے والے تمام لوگوں کو یہ حکم دیا تھا کہ جب کوئی شخص دس وسق کھجوریں اتارے، تو ان میں سے غریبوں کے لیے ایک خوشہ مسجد میں بھی لٹکا دے۔

استعمال کی اضافی چیزیں بطور ادھار دینے کا بیان

1663 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْخُزَاعِيُّ، وَمُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَشْهَبِ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، إِذْ جَاءَ رَجُلٌ عَلَى نَاقَةٍ لَهُ، فَجَعَلَ يُصَرِّفُهَا يَمِينًا وَشِمَالًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ كَانَ عِنْدَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ، فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا ظَهْرَ لَهُ، وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ فَضْلُ زَادٍ، فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا زَادَ لَهُ، حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ لَا حَقَّ لِأَحَدٍ مِنَّا فِي الْفَضْلِ

❁❁ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ اسی دوران ایک شخص اپنی اونٹنی پر آیا اور وہ اپنی اونٹنی کو کبھی دائیں اور کبھی بائیں گھمانے لگا (یعنی اسے سواری کے لیے مزید کسی جانور کی ضرورت تھی) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص کے ساتھ اضافی سواری ہو وہ سواری اسے دیدے جس کے پاس سواری نہ ہو اور جس شخص کے پاس کھانے پینے کی اضافی چیز ہو وہ اس شخص کو دیدے جس کے پاس کھانے پینے کی اضافی چیز نہ ہو''۔

راوی کہتے ہیں: یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا ہم میں سے کسی کو بھی اضافی چیز رکھنے کا حق نہیں ہے۔

نیکی کے کاموں میں دوسروں کی مدد کرنا

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنْ رَبِّهِمْ وَرِضْوَانًا وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللهَ إِنَّ اللهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ

اے ایمان والو! خدا کے نام کی چیزوں کی بےحرمتی نہ کرنا اور نہ ادب کے مہینے کی اور نہ قربانی کے جانوروں کی اور نہ ان جانوروں کی (جو خدا کی نذر کر دیئے گئے ہوں اور) جن کے گلوں میں پٹے بندھے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو عزت کے گھر (یعنی بیت اللہ) کو جا رہے ہوں (اور) اپنے پروردگار کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار ہوں اور جب احرام اتار دو تو (پھر اختیار ہے کہ) شکار کرو اور لوگوں کی دشمنی اس وجہ سے کہ انہوں نے تم کو عزت والی مسجد سے روکا تھا تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان پر زیادتی کرنے لگو اور (دیکھو) نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ خدا کا عذاب سخت ہے۔

''اور دیکھو، ایک گروہ نے جو تمہارے لئے مسجد حرام کا راستہ بند کر دیا ہے تو اس پر تمہارا غصہ تمہیں مشتعل نہ کر دے کہ تم بھی ان کے مقابلہ میں ناروا زیادتیاں کرنے لگو۔ نہیں، جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو، اللہ سے ڈرو، اس کی سزا بہت سخت ہے''۔

تعاون کا مفہوم ہے مدد لینا، مدد دینا۔ یعنی دو طرفہ عمل ہے۔ تعاون کا اصل سبب احتیاج ہے۔ ہر شخص اپنی ضرورت کی تکمیل

کے لئے دوسروں کا محتاج ہے۔ صرف اللہ بے نیاز ہے مثلاً غذا کو لے لیں کوئی غلہ اُگاتا ہے کوئی پیستا ہے کوئی روٹی بناتا ہے تب ہمیں غذا ملتی ہے۔ اسی طرح غریب مال کے لئے مالدار کا محتاج ہے تو مالدار محنت ومشقت کے لئے غریب کا محتاج ہے۔ تاجر گاہک کا محتاج ہے تو گاہک تاجر کا محتاج ہے گویا ہر ایک اپنی ضرورت کی تکمیل کے لئے دوسرے کا محتاج ہے۔ اسی لئے یہ ہدایت دی گئی ہے کہ ضرورت پڑنے پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور ایک دوسرے کی مدد حاصل کیا کرو۔

بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ آدمی خود تو محتاج نہیں ہوتا البتہ دوسرے محتاج ہوتے ہیں ایسے مواقع پر کیا کرنا چاہئے؟

ہدایت ہے کہ ایسے مواقع پر دوسروں کی مدد کرنی چاہئے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ ہم بندے کے محتاج نہ ہوں لیکن اللہ کے محتاج تو ہمیشہ ہیں۔ چنانچہ جب بندہ کسی دوسرے بندے کی مدد کرتا ہے تو جب تک وہ دوسرے بندے کی مدد کرتا ہے اس وقت تک اللہ اس کی مدد کرتا رہتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کَانَ اللّٰہُ فِی عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِی عَوْنِ اَخِیْہِ'' (ترمذی) گویا بندے کو دوسروں کی مدد ہمیشہ کرنا چاہئے تاکہ وہ خود اللہ کی مدد کا حق دار بن سکے۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا بندہ دوسرے کی مدد ہر معاملہ میں کرے یا اس کی کوئی حد ہے اصلاً اس آیت میں اسی کی وضاحت فرمائی گئی ہے کہ ہر معاملہ میں مدد نہیں کرنی ہے بلکہ ''بر'' اور ''تقویٰ'' کے کاموں میں مدد کرنی ہے۔

سوال یہ ہے کہ ''بر'' اور ''تقویٰ'' کے کاموں سے کیا مراد ہے؟

اصلاً یہ نیک کاموں کے دو رخ بیان ہوئے ہیں، ایک رخ تو یہ ہے کہ کوئی اچھا کام کیا جائے چنانچہ جب کوئی اچھا کام کرے تو اس میں مدد کرنی چاہئے مثلاً نماز پڑھنا چاہتا ہے اسے وضو کے لئے پانی کی ضرورت ہے تو اسے پانی فراہم کرنا چاہئے۔ کوئی احکامات الٰہی کا علم نہیں رکھتا اب ان سے آگاہ ہونا چاہتا ہے اور علم کی تڑپ رکھتا ہے تو اس کی مدد کرنی چاہئے۔ گویا ''بر'' کی تعریف میں تمام نیک کام ''فعل الخیرات'' آتے ہیں۔ گویا نیک کام کوئی بھی کر رہا ہو وہ ہماری مدد کا حق دار ہے اور اس کی مدد کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

احادیث سے تو یہاں تک معلوم ہوتا ہے۔ مدد تو دور کی بات ہے صرف خیر کی طرف رہنمائی کر دے پھر بھی وہ کرنے والے کی طرح اجر کا مستحق بن جاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ'' (ابوداؤد) بھلائی کی طرف رہنمائی کرنے والا اس کام کو انجام دینے والے کی طرح ہے۔

اسی طرح نیک کام کا دوسرا رخ یہ ہے کہ کوئی شخص نیکی تو نہ کر رہا ہو البتہ برائی سے بچنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اور برائی کو چھوڑ رہا ہو یا دوسرے لفظوں میں منکرات کو ترک کر رہا ہو یا ترک کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اسی ''ترک المنکرات'' کو یہاں ''تقویٰ'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مثلاً حرام کمائی منکر ہے۔ کوئی شخص اسے چھوڑ کر حلال کمائی اختیار کرنا چاہتا ہو تو ہمیں اس کی مدد کرنی چاہئے۔ اسی طرح کوئی شخص نشہ خوری کا عادی ہو جو منکر ہے اب اگر وہ اسے چھوڑنے میں کسی طرح کی ہم سے مدد چاہتا ہے تو ہمیں اس کی مدد کرنی چاہئے ایسا نہیں کہ اگر کوئی شخص برائی میں مبتلا ہے تو اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے بلکہ اسے اس سے روکنا ٹوکنا بھی اس کی مدد ہے۔ اسی سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ خود ''امر بالمعروف'' اور ''نہی عن المنکر'' بھی ایک طرح کی انسانی مدد ہے جو انسانی

تقاضوں کے تحت پورا کیا جانا چاہئے۔

یہاں یہ حقیقت بھی واضح رہنی چاہئے کہ اگر کوئی ہماری مدد نہیں کرتا تو ہم بھی اس کی مدد نہ کریں یہ اسلامی تعلیم نہیں ہے بلکہ اسلام یہ سکھاتا ہے کہ خواہ کوئی مدد کرے یا نہ کرے ہمیں ہر صورت میں خیر کے کام میں دوسروں کی مدد کرنی ہے بلکہ جو لوگ ہمیں خیر کے کام سے روکتے ہیں وہ بھی اگر کوئی اچھا کام کریں تو ہمیں اس کی مدد کرنی چاہئے۔ہمیں ان کی راہ کا روڑا نہیں بننا چاہئے۔خود یہ آیت اصلاً یہی حقیقت سمجھانے کے لئے نازل ہوئی تھی چنانچہ اس آیت کا شان نزول ملاحظہ فرمائیں۔روایات میں آتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع سے اہل ایمان عمرہ کی غرض سے مکہ گئے تھے لیکن کفار ومشرکین نے انہیں اس سے روک دیا تھا اور آئندہ کے لئے بھی بہت سخت شرائط پر اجازت دی تھی جس کی وجہ سے اہل ایمان کے دل میں اہل کفر وشرک کے لئے ایک طرح کی شدید نفرت پیدا ہوگئی تھی چنانچہ جب مکہ فتح ہوا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جس طرح انہوں نے اپنے اقتدار کے زمانے میں ہمیں عمرہ سے روک دیا تھا اسی طرح اب ہمیں قدرت وطاقت حاصل ہو چکی ہے تو ہم بھی انہیں حج وعمرہ سے روک دیں۔ چنانچہ اس خیال پر تنبیہ کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی اور ہدایت دی گئی غم وغصہ اور نفرت وانتقام میں ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ تم انہیں مسجد حرام میں داخل ہونے اور حج وعمرہ کرنے سے روک دو کیونکہ یہ عمل شعائر اللہ کی حرمت وتعظیم سے تعلق رکھتا ہے، اور شعائر اللہ کی تعظیم نیک عمل ہے۔چنانچہ ایسے نیک عمل میں روڑا نہیں بننا چاہئے بلکہ تعاون کرنا چاہئے۔

یہ اسلام کا ظرف اور اس کی اعلیٰ تعلیم ہے کہ وہ دشمنوں کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے اور دشمنوں کے ظلم کا جواب ظلم سے نہیں بلکہ انصاف سے دینا سکھاتا ہے۔اور انسانیت کو کبھی پامال نہیں ہونے دیتا چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ ساری دشمنی کے باوجود جب اہل مکہ قحط میں مبتلا ہوئے تو آپ ﷺ نے غلہ کے ذریعہ ان کی امداد فرمائی۔اسی طرح قرآن میں ذوالقرنین کا یاجوج وماجوج کے ظلم کے خلاف مظلوموں کے مطالبہ پر سد (دیوار) تعمیر کرنا بھی اسی طرز عمل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اسی طرح اسلام کا امتیاز یہ ہے کہ وہ تعاون اور مدد کے لئے قرابت کو بنیاد نہیں بناتا جیسا کہ جاہلی معاشرہ کرتا تھا اور آج بھی کرتا ہے" اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا" اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو بلکہ اسلام مدد ونصرت کے لئے اصول دیتا ہے "بر" و"تقویٰ" کی بنیاد پر مدد کا حکم دیتا ہے۔اگر اہل ایمان ظلم ڈھا رہے ہوں تو ظلم میں ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔رسول اللہ ﷺ کا واضح فرمان ہے"جو شخص کسی ظالم کے ساتھ اس کی مدد کرنے کے لئے چلا وہ اسلام سے نکل گیا" (طبرانی) اگر وہ منکرات میں مبتلا ہوں تو انہیں اس میں تعاون نہیں دیا جائے گا۔اگر وہ کسی کا حق مار رہے ہوں تو اس میں ان کا تعاون نہیں کیا جائے گا۔اسی لئے مجرمین کے جرم پر پردہ ڈالنا اور ان کے خلاف شہادت سے گریز کرنا گناہ قرار دیا گیا ہے۔اس کے برخلاف اگر کوئی کفر وشرک میں مبتلا ہو لیکن ظالم کے خلاف برسرپیکار ہو تو اس کی مدد کی جائے گی تاکہ ظلم کا خاتمہ ہو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حلف الفضول میں ظلم کے خلاف غیروں کا ساتھ دیا تھا۔اور اس طرح کے کاموں کے لئے بعد میں بھی دست تعاون دراز کرنے کا عندیہ ظاہر کیا تھا۔

قرآن میں سورۃ حجرات آیت ۹ میں تو یہاں تک تعلیم موجود ہے کہ خود اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں جھگڑ جائیں تو پہلے ان کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرو لیکن اگر نہ مانیں تو جو زیادتی پر ہوں ان کے خلاف اہل حق کا ساتھ دو، ان کی مدد کرو یہاں تک

کہ وہ اللہ کا فیصلہ ماننے کو تیار ہوجائیں پھر ان کے درمیان عدل وقسط کے ساتھ صلح صفائی کرادو۔

عام ذہن یہ پایا جاتا ہے کہ عبادات زیادہ اہم ہیں لہٰذا لوگ نماز وروزہ کو ترجیح دیتے ہیں اور بندگانِ خدا کی مدد وحاجت روائی سے غافل رہتے ہیں حالانکہ یہ رویہ درست نہیں ہے۔ جیسا کہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا طرزِ عمل ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اعتکاف میں تھے ایک قرض دار نے مدد کی درخواست کی تو اعتکاف کی پرواہ کیے بغیر سفارش کے لئے نکل گئے۔ سائل نے یاددلایا تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت کے لئے قدم اٹھائے اور اس کے لئے دوڑ بھاگ کرے تو اس کی یہ کوشش دس سال کے اعتکاف سے بہتر اور افضل ہے" (بیہقی)

اس ہدایت کے بعد ہم میں سے جو لوگ بھی اس طرح کا ذہن رکھتے ہیں انہیں اپنے سوچ کی دھارا بدلنے کی ضرورت ہے۔ کیا ہم اس کے لئے تیار ہیں؟

خدمت خلق اور جذبہ اصحاب کا بیان

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین خدمت خلق کس جذبے اور لگن سے کرتے تھے' اس کا اندازہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس واقعے سے لگایا جاسکتا ہے: "اسلم (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غلام تھا) کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کو گشت کے لیے نکلے۔ مدینہ سے تین میل پر صرار ایک مقام ہے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں۔ پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی، اس نے کہا کہ کئی وقتوں سے بچوں کو کھانا نہیں ملا ہے ان کے بہلانے کے لیے خالی ہانڈی میں پانی ڈال کر چڑھا دی ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی وقت اٹھے، مدینہ میں آکر بیت المال سے آٹا، گوشت، گھی اور کھجوریں لیں اور اسلم سے کہا کہ میری پیٹھ پر رکھ دو، اسلم نے کہا میں لیے چلتا ہوں۔ فرمایا ہاں: لیکن قیامت میں میرا بار تم نہیں اٹھاؤ گے، غرض سب چیزیں خود لاد کر لائے اور عورت کے آگے رکھ دیں اس نے آٹا گوندھا، ہانڈی چڑھائی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود چولہا پھونکتے جاتے تھے۔ کھانا تیار ہوا تو بچوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور اچھلنے کودنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ عورت نے کہا خدا تم کو جزائے خیر دے سچ یہ ہے کہ امیر المومنین ہونے کے قابل تم ہو نہ کہ عمر رضی اللہ عنہ"۔ (الفاروق)

ایک دن ایک غریب کسان حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: "حاکم نے میرے کھیتوں کی پیداوار روک لی ہے، کہتا ہے جب تک شاہی فرمان نہ لاؤ گے پیداوار میں سے دانہ نہ ملے گا، حضرت میری زندگی کا ذریعہ یہی پیداوار ہے، پیداوار رک گئی تو میرے بچے بھوکے مرجائیں گے"۔ حضرت نے فرمایا فرمان مل جانے پر تو پیداوار نہ رکے گی، کسان نے عرض کیا شاہی فرمان کے بعد کیا مجال ہے کہ کوئی چوں بھی کرسکے، حضرت نے فرمایا ایسا فرمان کیوں نہ لے لیا جائے کہ جب تک زمین رہے حاکم پیداوار نہ روکے کسان نے خوش ہو کر کہا پھر تو کیا کہنا' حضرت اپنے مرید خواجہ قطب

الدین کو سفارش نامہ لکھ دیں بادشاہ اُن کا مرید ہے بس ساری مشکل آسان ہو جائے گی، حضرت نے فرمایا میں تیرے ساتھ چلوں گا اور تجھے فرمان مل جائے گا۔ دلی میں کسی کو اطلاع بھی نہ تھی کہ حضرت تشریف لا رہے ہیں۔ اتفاق سے کسی نے راستے میں دیکھ لیا اور خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کو خبر پہنچا دی۔ خواجہ قطب نے بادشاہ سے ذکر کر دیا۔ بادشاہ نے فوجوں سمیت حضرت کو خوش آمدید کہا، خواجہ قطب نے پوچھا کہ حضور اچانک کیوں تشریف لائے ہیں؟ کوئی کام تھا تو مجھ ناچیز کو تحریر فرما دیتے، حضرت نے فرمایا:

''قطب الدین جب یہ کسان میرے پاس آیا تو اپنی بیکسی کے سبب خدا سے اتنا قریب تھا کہ اس کام میں شریک ہونا خدا کی عین بندگی تھی میں حق تعالیٰ کی بندگی حاصل کرنے آیا ہوں''۔ غریب کسان کا کام ہو گیا اور حضرت خوش ہو گئے۔ (جواہر پارے)

ایک عبرت ناک واقعہ یہ ہے جو شہاب الدین محمد بن احمد الابشیہی نے نقل کیا ہے: ''ایک مرتبہ ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہا تھا' سامنے بھنی ہوئی مرغی بھی رکھی تھی، اچانک ایک فقیر نے دروازے پر آ کر صدا لگائی' وہ شخص دروازے کی طرف گیا اور اس فقیر کو خوب جھڑک کا فقیر یونہی واپس چلا گیا، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ کچھ عرصے بعد یہ شخص خود فقیر ہو گیا، سب نعمتیں ختم ہو گئیں، بیوی کو بھی طلاق دے دی۔ اس نے کسی اور سے نکاح کر لیا، پھر ایک دن ایسا ہوا کہ یہ میاں بیوی اکٹھے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے اور بھنی ہوئی مرغی سامنے تھی کہ کسی فقیر نے دروازہ کھٹکھٹایا میاں نے بیوی سے کہا کہ یہ مرغی اس فقیر کو دے آؤ چنانچہ وہ مرغی لے کر دروازے کی طرف گئی تو کیا دیکھتی ہے کہ فقیر اُس کا پہلا شوہر ہے۔ خیر مرغی اُسے دے کر واپس لوٹی تو رو رہی تھی۔ میاں نے پوچھا کہ کیوں رو رہی ہو بولی کہ فقیر تو میرا پہلا میاں تھا، غرض پھر سارا قصہ اُسے سنایا جو ایک فقیر کو جھڑکنے سے پیش آیا تھا اس کا میاں بولا خدا کی قسم وہ فقیر میں ہی تھا۔'' (المستطرف فی کل فن مستظرف)

مسلمان کی مصیبت میں کام آنے کا اجر

''حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دنیا میں کسی مسلمان کی تکلیف دور کرے گا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکلیفیں دور فرمائے گا۔ جو شخص (کسی کو مشکل میں دیکھے اور محنت اور محبت سے) اس کی مشکل حل کر دے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی مشکلات حل فرمائے گا۔ جس شخص نے کسی مسلمان کی کمزوریوں پر پردہ ڈالا (اور اس کے عیب بیان کر کے اسے رسوا نہ کیا) تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو (اپنی رحمت کے ساتھ ڈھانپ کر اس کو دنیا اور آخرت کی) رسوائی سے بچائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جو مسلمانوں کی امداد کرنے کے لیے ہر وقت اپنے آپ کو تیار رکھتا ہے۔'' (ابوداؤد' مسلم)

خدمت خلق اور سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

''حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلی وحی کے بعد جب غار حرا سے واپس تشریف لائے تو حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے کہا' اللہ تعالیٰ کی قسم خدا تعالیٰ آپ کو ہرگز ضائع نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ آپ ہمیشہ رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتے رہتے ہیں۔ آپ ہمیشہ ہمدردی کے ساتھ لوگوں کے بوجھ اٹھاتے رہتے ہیں۔ آپ ہمیشہ جن کے پاس کچھ نہ ہو انہیں دیتے رہتے ہیں۔ آپ ہمیشہ نہایت اعلیٰ درجہ کے مہمان نواز رہے ہیں۔ آپ ہمیشہ مظلوموں کی حمایت اور دکھ درد والوں کی اعانت فرماتے رہتے ہیں۔'' (بخاری)

خدمت خلق اور سیرت سیّدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

''جب شہر مکہ میں مخلص مسلمانوں پر کفار نے ظلم و ستم انتہا درجہ تک پہنچا دیا۔ حتیٰ کہ بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنے پر بھی ناقابل برداشت مار پٹائی کی جاتی تھی۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اہل و عیال اور ماں باپ کو چھوڑ کر ہجرت کے ارادہ سے حبشہ کی طرف روانہ ہوئے جب مکہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر برک الغماد کے مقام پر پہنچے تو وہاں انہیں قبیلہ بنو قارہ کا رئیس اعظم ابن دغنہ ملا۔ ابن دغنہ نے دریافت کیا کہ اے ابوبکر کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری قوم نے مجھے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ اب کہیں ایسی جگہ جا کر ٹھہروں گا جہاں کامل اطمینان اور کامل آزادی کے ساتھ بے خوف و خطر اللہ تعالیٰ کی بندگی کر سکوں۔ ابن دغنہ نے کہا اے ابوبکر آپ جیسے بلند اخلاق انسان کو نہیں نکلنا چاہیے اور شہر والوں کو بھی ہرگز مناسب نہیں کہ وہ آپ کو نکالیں۔ اس لئے کہ آپ عاجز اور درماندہ کی امداد کرتے ہیں اور رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتے ہیں اور ہمیشہ عاجزوں بے کسوں اور محتاجوں کے کام کاج اور دوسری ضرورتوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور ہر وقت مہمان نوازی کے لیے آپ کا دستر خوان بچھا رہتا ہے اور آپ ہمیشہ مظلوموں کمزوروں بے کسوں کی اعانت فرمایا کرتے ہیں۔ اس لئے میں ضامن ہوں آپ اپنے شہر میں واپس چل کر رہیں اور اپنے رب کی بندگی کیا کریں۔''

پس حضرت ابوبکر صدیق مکہ میں واپس آئے اور ابن دغنہ نے قریش کے امراء اور رؤسا سے مل کر اور حضرت ابوبکر صدیق کے اوصاف خمسہ بیان کر کے کہنے لگا کہ تم ایسے آدمی کو نکالتے ہو جس کے اندر یہ اعلیٰ ترین پانچ صفتیں بدرجہ کمال موجود ہیں۔ شرفاء مکہ نے ان تمام صفات کو تسلیم کرتے ہوئے ان شرائط پر امان دینے کا وعدہ کیا کہ ا۔ صرف گھر کی چار دیواری کے اندر اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں۔

۲.....گھر کے اندر ہی قرآن مجید آہستہ آواز کے ساتھ تلاوت کریں۔

اس لیے کہ جب وہ دردناک آواز کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے اور پڑھتے ہوئے روتے تو ان کے درد و سوز والے کلام کا عورتوں مردوں بچوں پر اثر پڑتا ہے۔ لہٰذا وہ بالکل آہستہ اپنے گھر کے اندر ہی پڑھا کریں۔ (بخاری و مسلم)

خدمت خلق میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دونوں کی سیرت ایک جیسی ہے جو پانچ صفات نبی کی سیرت میں ہیں وہی پانچ صفات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت میں موجود ہیں۔

خدمت خلق سے جنت میں داخلہ:

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص کا کسی ایسے راستہ سے گزر ہوا جس پر درخت کی ایک شاخ پڑی تھی (اس نے دل میں کہا) کہ میں اس شاخ کو مسلمانوں کے راستہ سے ہٹا دوں تا کہ ان کو تکلیف نہ دے۔ پس اتنی سی محنت کی بدولت وہ جنت میں داخل کر دیا گیا۔'' (بخاری، مسلم)

تکلیف دہ درخت کاٹنے پر جنت میں داخلہ:

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جنت

میں صرف ایک درخت کی بدولت ٹہلتا ہوا پھر رہا ہے جو راستہ میں لوگوں کی تکلیف کا باعث بن رہا تھا اور اس نے اس کو کاٹ دیا تھا۔" (مسلم)

صدقہ کے بہترین طریقے:

"ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کی خوشی کی خاطر ذرا سا مسکرا دینا بھی صدقہ ہے۔ کوئی نیک بات کہہ دینا بھی صدقہ ہے۔ تمہارا کسی کو بری بات سے روک دینا بھی صدقہ ہے۔ کسی بھٹکے ہوئے کو راستہ بتا دینا بھی تمہارے لیے صدقہ ہے۔ جس شخص کی نظر کمزور ہو اس کی مدد کرنا بھی صدقہ ہے۔ راستہ سے پتھر کانٹا اور ہڈی کا ہٹا دینا بھی تمہارے لیے ایک صدقہ ہے۔" (ترمذی)

دو محبوب اور دو ناپسندیدہ خصلتیں

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اقدس ﷺ نے فرمایا کہ دو خصلتیں اللہ تعالیٰ کو بہت ہی پسند ہیں اور دو عادتیں اللہ کی انتہائی ناپسند ہیں جو عادتیں اللہ کو پسند ہیں (ان کے ذریعہ سے انسان اللہ کا پسندیدہ بن جاتا ہے (۱) خوش مزاج خوش اخلاق ہونا (۲) خدمت خلق یعنی سخاوت اور جو عادتیں اللہ کو ناپسند ہیں وہ یہ ہیں: (۱) بد اخلاق (۲) بخل یعنی دینی کاموں میں دل تنگ رکھ کر بخل سے کام لینا اور جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنے احسانات اور انعامات سے سرفراز کرنا چاہتا ہے تو اس کو لوگوں کے کام کاج اور ضروریات کے پورا کرنے یعنی خدمت خلق میں لگا دیتا ہے۔"

خدمت خلق کے متعلق حضرت خضر علیہ السلام کی نصیحت

"حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا کہ مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اے موسیٰ! ہمیشہ تبسم اور مسکراہٹ سے ملتے رہا کرو۔ نفع رساں بنو، نقصان پہنچانے والے نہ بنو۔ کسی خطا کار اور گناہ گار کو اس کے عیب اور خطا پر طعنہ نہ دیا کرو۔ اپنے گناہوں کو یاد کرکے اپنے اللہ کے سامنے رویا کرو۔"

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عظیم خط

یہ مکتوب شریف حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ ابوالمکارم کی طرف تحریر فرمایا تھا۔ اس میں خلق اللہ کی خدمت کی طرف ترغیب دلائی گئی ہے اور خدمت خلق کی عظمت و فضلیت بیان فرمائی گئی ہے۔

حق سبحانہ و تعالیٰ افراط اور تفریط سے بچا کر عدل اور اعتدال کی حد پر ہمیشہ استقامت مرحمت فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ کتنی بڑی بخشش ہے کہ اس نے محض اپنے لطف و کرم سے بعض اپنے مقرب بندوں کو بہت بڑی فضیلتوں اور عظیم الشان انعامات سے سرفراز کر کے بعض لوگوں کی ضرورتوں کو ان کے ساتھ وابستہ کر کے ان جماعتوں کے کام کاج ان کے سپرد کر دیئے ہیں اور ان جماعتوں کے لیے ان مقربین کو ملجا و ماوی بنا دیا ہے۔ یہ کتنی بڑی عظمت اور سعادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی انتہائی شفقت اور کمال درجہ کے کرم سے مخلوق کو اپنا اہل و عیال فرمایا ہے پھر اس مخلوق میں سے جماعتوں کی تربیت اپنے مقرب بندوں کے سپرد کی ہے۔ خدمت خلق بہت بڑی اعلیٰ ترین سعادت مندی ہے اس بہت بڑی نعمت کو انتہائی ہمت سے ادا کر کے اللہ کی حمد بجالانا چاہیے۔ سب سے

بڑی عقل مندی یہی ہے کہ خلق خدا کی خدمت بجالائے اور خدمت کر کے اللہ کا شکر ادا کیا جائے۔ اپنے لیے اپنے رب کے عیال کی خدمت کو سعادت عظمیٰ سمجھے اور اپنے مالک کے غلاموں اور لونڈیوں کی خدمت کو اپنے لیے عزت و شرف اور سعادت عظمیٰ تصور کرے۔

متاثرین سے اچھا برتاؤ کرنے کا بیان

حضرت شیخ رکن الدین علاؤ الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی کے ہم عصر تھے۔ دونوں کی آپس میں خط و کتابت بھی رہتی تھی۔ ایک دفعہ حضرت شیخ سمنانی نے حضرت خواجہ رامیتنی سے دریافت کیا کہ ہم دونوں آنے جانے والے مسافروں کی خدمت کرتے رہتے ہیں۔ آپ کے دستر خوان پر تکلف نہیں ہوتا لیکن ہم تو تکلف کرتے ہیں۔ اس کے باوجود لوگ آپ سے تو خوش رہتے ہیں اور ہمارا گلہ کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی نے فرمایا کہ خدمت کر کے احسان رکھنے والے بہت ہوتے ہیں اور خدمت کر کے ممنون و مشکور ہونے والے تھوڑے ہوتے ہیں۔ خوب کوشش کرو کہ خدمت کر کے ممنونِ احسان و شکر گزار بن جاؤ اور احسان کر کے کبھی نہ جتلاؤ۔ تب کوئی تمہارا گلہ نہیں کرے گا۔

سونے چاندی کا خزانہ بنانے کا بیان

1664 - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَعْلَى الْمُحَارِبِيُّ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا غَيْلَانُ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ إِيَاسٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: (وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ) (التوبة: 34)، قَالَ: كَبُرَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ. فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَا أُفَرِّجُ عَنْكُمْ. فَانْطَلَقَ، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، إِنَّهُ كَبُرَ عَلَى أَصْحَابِكَ هٰذِهِ الْآيَةُ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَفْرِضِ الزَّكَاةَ، إِلَّا لِيُطَيِّبَ مَا بَقِيَ مِنْ أَمْوَالِكُمْ، وَإِنَّمَا فَرَضَ الْمَوَارِيثَ لِتَكُونَ لِمَنْ بَعْدَكُمْ. فَكَبَّرَ عُمَرُ. ثُمَّ قَالَ لَهُ: أَلَا أُخْبِرُكَ بِخَيْرِ مَا يَكْنِزُ الْمَرْءُ؟ الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ، إِذَا نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتْهُ، وَإِذَا أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ، وَإِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی:

''وہ لوگ جو سونے، چاندی کا خزانہ بناتے ہیں (یعنی انہیں اکٹھا کر کے رکھتے ہیں)''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مسلمانوں کو اس سے بڑی پریشانی ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمہاری مشکل کا حل نکالتا ہوں، پھر وہ سب لوگ آئے اور عرض کی: اے اللہ کے نبی! اس آیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو بڑی پریشانی ہو گئی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تم پر زکوٰۃ اسی لئے فرض کی ہے، تاکہ اس کے ذریعے تمہارا باقی مال پاک ہو جائے اور اس نے وراثت کو اس لئے فرض کیا ہے، تاکہ وہ تمہارے بعد آنے والوں کو مل جائے''۔

راوی کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کہا: پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: کیا میں تمہیں ان چیزوں کے بارے

میں نہ بتاؤں جو ان میں سب سے بہتر ہے جنہیں آدمی اکٹھا کر کے رکھتا ہے وہ نیک بیوی ہے جب آدمی اس کی طرف دیکھے تو وہ عورت اسے خوش کر دے اور جب آدمی اسے کوئی حکم دے تو عورت اس کی اطاعت کرے اور جب آدمی گھر میں موجود نہ ہو تو وہ عورت گھر بار اور اپنی عزت کی حفاظت کرے۔

کنز کے معنی ومفہوم کا بیان

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ کنز کا معنی ہے مال کو اوپر تلے رکھنا، مال جمع کر کے اس کی حفاظت کرنا، خزانہ کو کنز کہتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال جمع کرنے اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے کی مذمت فرمائی ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۷۰)

ولا یحسبن الذین یبخلون بما اٰتٰھم اللہ من فضلہٖ ھو خیرالھم ط بل ھو شر لھم ط سیطوقون ما بخلوا بہٖ یوم القیٰمۃ۔ (آل عمران: ۱۸۰)

جو لوگ ان چیزوں (کو خرچ کرنے) میں بخل کرتے ہیں جو ان کو اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی ہیں، وہ ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ یہ بخل ان کے حق میں بہتر ہے، بلکہ وہ ان کے حق میں بہت برا ہے، وہ (مال) قیامت کے دن ان کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا۔ ویل لکل ھمزۃ لمزۃ الذی جمع مالا وعددہ یحسب ان مالہ اخلدہ کلا لینبذن فی الحطمۃ وما ادرٰک ما الحطمۃ نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ انھا علیھم موصدۃ فی عمد ممددۃ۔ (الھمزہ)

ہر طعنہ دینے والے، غیبت کرنے والے کے لیے تباہی ہے جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا وہ گمان کرتا ہے کہ وہ (مال) اس کو ہمیشہ زندہ رکھے گا ہرگز نہیں! وہ چورا چورا کرنے والی میں ضرور پھینک دیا جائے گا اور آپ کیا جانیں کہ چورا چورا کرنے والی کیا چیز ہے وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر چڑھ جائے گی بے شک وہ ان پر ہر طرف سے بند کی ہوئی ہوگی (بھڑکتے ہوئے شعلوں کے) لمبے لمبے ستونوں میں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اللہ نے مال عطا کیا اور اس نے اس کو زکوٰۃ ادا نہیں کی، قیامت کے دن اس کے لیے ایک گنجا سانپ بنایا جائے گا جس کے دو زہریلے ڈنک ہوں گے، اس سانپ کو اس کا طوق بنا دیا جائے گا، پھر وہ اس کو اپنے جبڑوں سے پکڑے گا، پھر کہے گا: میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آپ نے آل عمران: ۱۸۰ کی تلاوت فرمائی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۰۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۴۴۰، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۰۵، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۲۵۷، مسند احمد ج ۲ ص ۹۸، تمہید ابن عبدالبر ج ۶ ص ۵۴۶، المنتقیٰ للباجی رقم: ۵۲۰، فتح المالک رقم: ۲۰۴)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس کے پاس سونا اور چاندی ہو اور وہ اس کا حق ادا نہ کرتا ہو، جب قیامت کا دن ہوگا تو اس کے لیے آگ کے پترے تیار کیے جائیں گے، اور ان کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا، پھر ان کے ساتھ اس شخص کے پہلو، پیشانی اور پیٹھ کو داغا جائے گا اور جب وہ پترے ٹھنڈے ہو جائیں گے تو ان کو دوبارہ آگ میں گرم کیا جائے گا، یہ عذاب اس دن دیا جائے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی، اس کو یہ عذاب دیا جاتا رہے گا حتیٰ کہ تمام لوگوں کا فیصلہ کر دیا جائے گا، پھر وہ دیکھے گا اس کا ٹھکانا، جنت کی طرف ہوگا یا دوزخ کی طرف، اور جو اونٹوں کا حق ادا نہیں کرے گا اس کو اس پورے

دن اونٹ اپنے پیروں سے روندتے رہیں گے اور اپنے مونہوں سے کاٹتے رہیں گے، حتیٰ کہ تمام لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائیگا۔ پھر وہ دیکھے گا اس کا ٹھکانا جنت کی طرف ہوگا یا دوزخ کی طرف اور جو شخص بکریوں اور بھیڑوں کا حق ادا نہیں کرے گا وہ اس کو اس پورے دن تک اپنے سینگوں سے زخمی کرتی رہیں گی اور اپنے پیروں سے روندتی رہیں گی، حتیٰ کہ تمام لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پھر وہ دیکھے گا اس کا ٹھکانا جنت کی طرف ہوگا یا دوزخ کی طرف۔ الحدیث۔ (صحیح مسلم، الزکوٰۃ: ۲۴ (۹۸۷) ۲۲۰۴، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۶۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۵۶۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۵۸، مسند احمد، ج ۲ ص ۳۸۳، السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۸۱، التمہید لابن عبدالبر، ج ۶ ص ۵۴۸)

جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی وہ موجب عذاب نہیں ہے: اس آیت میں پہلے یہودی اور عیسائی علماء کی مذمت کی گئی ہے کہ وہ ناجائز طریقہ سے لوگوں کا مال کھاتے ہیں اور پھر ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔

قاضی بیضاوی متوفی ۶۸۰ھ نے لکھا ہے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان مال جمع کرنے والوں سے مراد یہودی اور عیسائی علماء ہوں اور ان کی زیادہ مذمت کرنا مقصود ہو کہ وہ مال پر حریص بھی ہیں اور مال پر بخیل بھی ہیں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد وہ مسلمان ہوں جو مال جمع کرتے ہیں اور اس کا حق ادا نہیں کرتے۔ اور یہودی اور عیسائی رشوت خوروں کے ساتھ بربنائے تغلیظ ان کا ذکر کیا گیا ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر یہ آیت بہت شاق گزری اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب آیت نازل ہوئی "والذین یکنزون الذھب والفضۃ"۔ (التوبہ: ۳۴) تو مسلمانوں پر یہ آیت بہت شاق گزری۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا چلو میں تمہارے لیے اس معاملہ کو کشادہ کراتا ہوں۔ پھر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم پر یہ آیت بہت شاق گزری ہے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ صرف اس لیے فرض کی ہے کہ تمہارا باقی مال پاکیزہ ہو جائے اور وراثت تمہارے بعد والوں کے لیے فرض کی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۶۴، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۴۹۹، المستدرک ج ۲ ص ۳۳۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۸۳)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں سونے کی پازیب پہنتی تھی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا یہ کنز (خزانہ، جمع شدہ مال جس پر آگ کے عذاب کی وعید ہے) ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مال زکوٰۃ کی حد تک پہنچ گیا اور اس کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی وہ کنز نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۶۴، الاستذکار رقم الحدیث: ۱۲۷۰۸)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی تو تم نے اس حق کو ادا کر دیا جو تم پر واجب تھا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۱۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۸۸، السنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۴ ص ۸۴، معرفۃ السنن والآثار رقم الحدیث: ۷۸۴۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس مال کی تم نے زکوۃ ادا کر دی ہو تو خواہ وہ مال سات زمینوں کے نیچے ہو وہ کنز نہیں ہے اور جس مال کی تم نے زکوۃ ادا نہیں کی تو خواہ وہ ظاہر ہو وہ پھر بھی کنز ہے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ٤ ص ١٠٦، الاستذکار رقم الحدیث: ١٢٧-٣)

کنز اصطلاح شرع میں اس مال کو کہتے ہیں جس کی زکوۃ ادا کی جاتی ہو۔ حضرت ابن عمر سے یہی مروی ہے بلکہ فرماتے ہیں جس مال کی زکوۃ دے دی جاتی ہو وہ اگر ساتویں زمین تلے بھی ہو تو وہ کنز نہیں اور جس کی زکوۃ نہ دی جاتی ہو وہ گو زمین پر ظاہر پھیلا پڑا ہو کنز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی موقوفاً اور مرفوعاً یہی مروی ہے۔ حضرت عمر بن خطاب بھی یہی فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں بغیر زکوۃ کے مال سے اس مالدار کو داغا جائے گا۔ آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ یہ زکوۃ کے اترنے سے پہلے تھا زکوۃ کا حکم نازل فرما کر اللہ نے اسے مال کی طہارت بنا دیا۔ خلیفہ برحق حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور عراک بن مالک نے بھی یہی فرمایا ہے کہ اسے قول ربانی (خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (١٠٣-9۔التوبہ:103) نے منسوخ کر دیا ہے۔ حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ تلواروں کا زیور بھی کنز یعنی خزانہ ہے۔

یاد رکھو میں تمہیں وہی سناتا ہوں جو میں نے جناب پیغمبر حق صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چار ہزار اور اس سے کم تو نفقہ ہے اور اس سے زیادہ کنز ہے۔ لیکن یہ قول غریب ہے۔ مال کی کثرت کی مذمت اور کمی کی مدحت میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں بطور نمونے کے ہم بھی یہاں ان میں سے چند نقل کرتے ہیں۔ مسند عبدالرزاق میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سونے چاندی والوں کے لئے ہلاکت ہے تین مرتبہ آپ کا یہی فرمان سن کر صحابہ پر شاق گذرا اور انہوں نے سوال کیا کہ پھر ہم کس قسم کا مال رکھیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حالت بیان کر کے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ ذکر کرنے والی زبان شکر کرنے والا دل اور دین کے کاموں میں مدد دینے والی بیوی۔ مسند احمد میں ہے کہ سونے چاندی کی مذمت کی یہ آیت جب اتری اور صحابہ نے آپس میں چرچا کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا لو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر آتا ہوں اپنی سواری تیز کر کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے اور روایت میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا پھر ہم اپنی اولادوں کے لئے کیا چھوڑ جائیں؟ اس میں ہے کہ حضرت عمر کے پیچھے ہی پیچھے حضرت ثوبان بھی تھے۔

آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوۃ اسی لئے مقرر فرمائی ہے کہ بعد کا مال پاک ہو جائے۔ میراث کے مقرر کرنے کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر مارے خوشی کے تکبیریں کہنے لگے۔ آپ نے فرمایا لو اور سنو میں تمہیں بہترین خزانہ بتاؤں نیک عورت جب اس کا خاوند اس کی طرف نظر ڈالے تو وہ اسے خوش کر دے اور جب حکم دے فوراً بجا لائے اور جب وہ موجود نہ ہو تو اس کی ناموس کی حفاظت کرے۔ حسان بن عطیہ کہتے ہیں کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ ایک سفر میں تھے ایک منزل میں اترے اور اپنے غلام سے فرمایا کہ چھری لاؤ کھیلیں مجھے برا معلوم ہو آپ نے افسوس ظاہر کیا اور فرمایا میں نے تو اسلام کے بعد سے اب تک ایسی بے احتیاطی کی بات کبھی نہیں کی تھی اب تم

اسے بھول جاؤ اور ایک حدیث بیان کرتا ہوں اسے یاد رکھو لو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب لوگ سونا چاندی جمع کرنے لگیں تم ان کلمات کو بکثرت کہا کرو: اللھم انی اسئلك الثبات فی الامر والعزیمة علی الرشد واسئلك شکر نعمتك واسئلك حسن عبادتك واسئلك قلبا سلیما واسئلك لسانا صادقا واسئلك من خیر ماتعلم واعوذبك من شر ماتعلم واستغفرك لما تعلم انك انت علام الغیوب (ترجمہ) یعنی یا اللہ میں تجھ سے کام کی ثابت قدمی اور بھلائیوں کی پختگی اور تیری نعمتوں کا شکر اور تیری عبادتوں کی اچھائی اور سلامتی والا دل اور سچی زبان اور تیرے علم میں جو بھلائی ہے وہ اور تیرے علم میں جو برائی ہے اس کی پناہ اور جن برائیوں کو تو جانتا ہے ان سے استغفار طلب کرتا ہوں۔ میں مانتا ہوں کہ تو تمام غیب جاننے والا ہے۔ آیت میں بیان ہے کہ اللہ کی راہ میں اپنے مال کو خرچ نہ کرنے والے اور اسے بچا بچا کر رکھنے والے دردناک عذاب دیئے جائیں گے۔

قیامت کے دن اسی مال کو خوب تپا کر گرم آگ جیسا کر کے اس سے ان کی پیشانیاں، پہلو اور کمر داغی جائے گی اور بطور ڈانٹ ڈپٹ کے ان سے فرمایا جائے گا کہ لو اپنی جمع جتھا کا مزہ چکھو۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ گرم پانی کا تریڑ دوزخیوں کے سروں پر بہاؤ اور ان سے کہو کہ عذاب کا لطف اٹھاؤ تم بڑے ذی عزت اور بزرگ سمجھے جاتے رہے ہو بدلہ اس کا یہ ہے۔ ثابت ہوا کہ جو شخص جس چیز کو محبوب بنا کر اللہ کی اطاعت سے اسے مقدم رکھے گا اسی کے ساتھ اسے عذاب ہوگا۔ ان مالداروں نے مال کی محبت میں اللہ کے فرمان کو بھلا دیا تھا آج اسی مال سے انہیں سزا دی جارہی ہے جیسے کہ ابولہب کھلم کھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی کرتا تھا اور اس کی بیوی اس کی مدد کرتی تھی قیامت کے دن آگ کے اور بھڑکانے کے لئے وہ اپنے گلے میں رسی ڈال کر لکڑیاں لا لا کر اسے سلگائے گی اور وہ اس میں جلتا رہے گا۔

یہ مال جو یہاں سے سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں یہی مال قیامت کے دن سب سے زیادہ مضر ثابت ہوں گے۔ اسی کو گرم کر کے اس سے داغ دیئے جائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایسے مالداروں کے جسم اتنے لمبے چوڑے کر دیئے جائیں گے کہ ایک ایک دینار و درہم اس پر آجائے پھر کل مال آگ جیسا بنا کر علیحدہ علیحدہ کر کے سارے جسم پر پھیلا دیا جائے گا یہ نہیں ایک کے بعد ایک داغ لگے۔ بلکہ ایک ساتھ سب کے سب۔ مرفوعاً بھی یہ روایت آئی ہے لیکن اس کی سند صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔ حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ اس کا مال ایک اژدھا بن کر اس کے پیچھے لگے جو عضو سامنے آجائے گا اسی کو چبا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو اپنے بعد خزانہ چھوڑا جائے اس کا وہ خزانہ قیامت کے دن زہریلا اژدھا بن کر جس کی آنکھوں پر نقطے ہوں گے اس کے پیچھے لگے گا یہ بھاگتا ہوا پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ کہے گا تیرا جمع کردہ اور مرنے کے بعد چھوڑا ہوا خزانہ۔ آخر اسے پکڑ لے گا اور اس کا ہاتھ چبا جائے گا پھر باقی جسم بھی۔ صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دے اس کا مال قیامت کے دن آگ کی تختیوں جیسا بنا دیا جائے گا اور اس سے اس کی پیشانی پہلو اور کمر داغی جائے گی۔ پچاس ہزار سال تک لوگوں کے فیصلے ہو جانے تک تو اس کا یہی حال رہے گا پھر اسے اس کی منزل کی راہ دکھا دی جائے گی جنت کی طرف یا جہنم کی طرف۔

امام بخاری اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ زید بن وہب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ربذہ میں ملے اور دریافت کیا کہ تم یہاں کیسے آ گئے ہو؟ آپ نے فرمایا ہم شام میں تھے وہاں میں نے (وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (التوبہ:34) کی تلاوت کی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ آیت ہم مسلمانوں کے بارے میں نہیں یہ تو اہل کتاب کے بارے میں ہے۔ میں نے کہا ہماری اور ان کے سب کے حق میں ہے۔ اس میں میرا ان کا اختلاف ہو گیا انہوں نے میری شکایت کا خط دربار عثمانی میں لکھا خلافت کا فرمان میرے نام آیا کہ تم یہاں چلے آؤ جب مدینے پہنچا تو چاروں طرف سے مجھے لوگوں نے گھیر لیا۔ اس طرح بھیڑ لگ گئی کہ گویا انہوں نے اس سے پہلے مجھے دیکھا ہی نہ تھا۔ غرض میں مدینے میں ٹھہرا لیکن لوگوں کی آمد و رفت سے تنگ آ گیا۔ آخر میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شکایت کی تو آپ نے مجھے فرمایا کہ تم مدینے کے قریب ہی کسی صحرا میں چلے جاؤ۔ میں نے اس حکم کی بھی تعمیل کی لیکن یہ کہہ دیا کہ واللہ جو میں کہتا تھا اسے ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔ آپ کا خیال یہ تھا کہ بال بچوں کے کھلانے کے بعد جو بچے اسے جمع کر رکھنا مطلقاً حرام ہے۔

اسی کا آپ فتویٰ دیتے تھے اور اسی کو لوگوں میں پھیلاتے تھے اور لوگوں کو بھی اس پر آمادہ کرتے تھے۔ اسی کا حکم دیتے تھے اور اس کے مخالف لوگوں پر بڑا ہی تشدد کرتے تھے۔ حضرت معاویہ نے آپ کو روکنا چاہا کہ کہیں لوگوں میں عام ضرر نہ پھیل جائے یہ نہ مانے تو آپ نے خلافت سے شکایت کی امیر المومنین نے انہیں بلا کر ربذہ میں تنہا رہنے کا حکم دیا آپ وہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہی رحلت فرما گئے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بطور امتحان ایک مرتبہ ان کے پاس ایک ہزار اشرفیاں بھجوائیں آپ نے شام سے قبل سب ادھر ادھر راہ اللہ خرچ کر ڈالیں۔ شام کو وہی صاحب جو انہیں صبح کو ایک ہزار اشرفیاں دے گئے تھے وہ آئے اور کہا مجھ سے غلطی ہو گئی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ اشرفیاں اور صاحب کے لئے بھجوائی تھیں میں نے غلطی سے آپ کو دے دیں وہ واپس کیجئے آپ نے فرمایا تم پر آفرین ہے میرے پاس تو اب ان میں سے ایک پائی بھی نہیں اچھا جب میرا مال آ جائے گا تو میں آپ کو آپ کی اشرفیاں واپس کر دوں گا۔ ابن عباس بھی اس آیت کا حکم عام بتاتے ہیں۔ سدی فرماتے ہیں یہ آیت اہل قبلہ کے بارے میں ہے۔
احنف بن قیس فرماتے ہیں میں مدینے میں آیا دیکھا کہ قریشیوں کی ایک جماعت محفل لگائے بیٹھی ہے میں بھی اس مجلس میں بیٹھ گیا کہ ایک صاحب تشریف لائے میلے کچیلے موٹے جھوٹے کپڑے پہنے ہوئے بہت خستہ حالت میں اور آتے ہی کھڑے ہو کر فرمانے لگے روپیہ پیسہ جمع کرنے والے اس سے خبردار رہیں کہ قیامت کے دن جہنم کے انگارے ان کی چھاتی کی بٹنی پر رکھے جائیں گے جو کھوے کی ہڈی کے پار ہو جائیں گے پھر پیچھے کی طرف سے آگے کو سوراخ کرتے اور جلاتے ہوئے نکل جائیں گے سب لوگ سر نیچا کئے بیٹھے رہے کوئی بھی کچھ نہ بولا وہ بھی مڑ کر چل دیئے اور ایک ستون سے لگ کر بیٹھ گئے میں ان کے پاس پہنچا اور ان سے کہا کہ میرے خیال میں تو ان لوگوں کو آپ کی بات بری لگی آپ نے فرمایا یہ کچھ نہیں جانتے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میرے پاس اگر احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو مجھے یہ بات اچھی نہیں معلوم ہوتی کہ تین دن گذرنے کے بعد میرے پاس اس میں سے کچھ بھی بچا ہوا رہے ہاں اگر قرض کی ادائیگی کے لئے میں کچھ رکھ لوں تو اور

بات ہے۔ غالباً اسی حدیث کی وجہ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا یہ مذہب تھا۔ جو آپ نے اوپر پڑھا واللہ اعلم۔ ایک مرتبہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو ان کا حصہ ملا آپ کی لونڈی نے اسی وقت ضروریات فراہم کرنا شروع کیا۔ سامان کی خرید کے بعد سات درہم بچ رہے حکم دیا کہ اس کے فلوس لے لو تو حضرت عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسے آپ اپنے پاس رہنے دیجئے تا کہ بوقت ضرور کام نکل جائے یا کوئی مہمان آ جائے تو کام نہ اٹکے آپ نے فرمایا نہیں مجھ سے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد لیا ہے کہ جو سونا چاندی سربند کر کے رکھی جائے وہ رکھنے والے کے لئے آگ کا انگارا ہے جب تک کہ اسے راہ اللہ نہ دے دے۔

ابن عساکر میں ہے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے فقیر بن کر مل غنی بن کر نہ مل۔ انہوں نے پوچھا یہ کس طرح؟ فرمایا سائل کو رد نہ کر جو ملے اسے چھپا نہ رکھ انہوں نے کہا یہ کیسے ہو سکے گا آپ نے فرمایا یہی ہے ورنہ آگ ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اہل صفہ میں ایک صاحب کا انتقال ہو گیا وہ دینار یا دو درہم پس انداز کئے ہوئے نکلے آپ نے فرمایا یہ آگ کے دو داغ ہیں تم لوگ اپنے ساتھی کے جنازے کی نماز پڑھ لو اور روایت میں ہے کہ ایک اہل صفہ کے انتقال کے بعد ان کی تہبند کی آنٹی میں سے ایک دینار نکلا آپ نے فرمایا ایک داغ آگ کا پھر دوسرے کا انتقال ہوا ان کے پاس سے دو دینار برآمد ہوئے۔ آپ نے فرمایا یہ دو داغ آگ کے ہیں فرماتے ہیں جو لوگ سرخ و سفید یعنی سونا چاندی چھوڑ کر مرے ایک ایک قیراط کے بدلے، ایک ایک تختی آگ کی بنائی جائے گی اور اس کے قدم سے لے کر ٹھوڑی تک اس کے جسم میں اس آگ سے داغ کئے جائیں گے۔ آپ کا فرمان ہے کہ جس نے دینار سے دینار اور درہم سے درہم ملا کر جمع کر کے رکھ چھوڑا اس کی کھال کشادہ کر کے پیشانی اور پہلو اور کمر پر اس سے داغ دیئے جائیں گے اور کہا جائے گا یہ ہے جسے تم اپنی جانوں کے لئے خزانہ بناتے رہے اب اس کا بدلہ چکھو اس کا راوی ضعیف کذاب و متروک ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ توبہ، بیروت)

سونے چاندی کی زکوٰۃ کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ سونے کی نصاب بیس مثقال ہے۔ یعنی ساڑھے سات تولے اور چاندی کی دوسو درم یعنی ساڑھے باون تولے یعنی وہ تولہ جس سے یہ رائج روپیہ سوا گیارہ ماشے ہے سونے چاندی کی زکوٰۃ میں وزن کا اعتبار ہے قیمت کا لحاظ نہیں۔ مثلاً سات تولے سونے یا کم کا زیور یا برتن بنا ہو کہ اس کی کاریگری کی وجہ سے دوسو درم سے زائد قیمت ہو جائے یا سونا گراں ہو کہ ساڑھے سات تولے سے کم کی قیمت دوسو درم سے بڑھ جائے جیسے آج کل کہ ساڑھے سات تولے سونے کی قیمت چاندی کی کئی نصابیں ہوں گی۔ غرض یہ کہ وزن میں بقدر نصاب نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں۔ قیمت جو کچھ بھی ہو۔ یونہی سونے کی زکوٰۃ میں سونے اور چاندی کی زکوٰۃ میں چاندی کی کوئی چیز دی تو اس کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ وزن کا اگرچہ اس میں صنعت بہت کچھ ہو جس کی وجہ سے قیمت بڑھ گئی یا فرض کرو کہ دس آنے بھری چاندی بک رہی تھی اور زکوٰۃ میں ایک روپیہ دیا جو سولہ آنے کا قرار دیا جاتا ہے تو زکوٰۃ ادا کرنے میں وہ یہی سمجھا جائے گا کہ سوا گیارہ ماشے چاندی دی۔ یہ چھ آنے بلکہ کچھ اوپر جو اس کی قیمت میں زائد ہیں لغو ہیں۔

یہ جو کہا گیا کہ ادائے زکوٰۃ میں قیمت کا اعتبار نہیں۔ یہ اسی صورت میں ہے کہ اس جنس کی زکوٰۃ اسی جنس سے ادا کی جائے اور

اگر سونے کی زکوٰۃ چاندی سے یا چاندی کی سونے سے ادا کی تو قیمت کا اعتبار ہوگا۔ مثلاً سونے کی زکوٰۃ میں چاندی کی کوئی چیز دی جس کی قیمت ایک اشرفی ہے تو ایک اشرفی دینا قرار پائے گا۔ اگر چہ وزن میں اس کی چاندی پندرہ روپے بھر بھی نہ ہو۔

سونا چاندی جب کہ بقدر نصاب ہوں تو ان کی زکوٰۃ چالیسواں حصہ ہے خواہ وہ ویسے ہی ہوں ان کے سکے جیسے روپے اشرفیاں یا ان کی چیز بنی ہوئی خواہ اس کا استعمال جائز ہو جیسے عورت کے لئے زیور مرد کے لئے چاندی کی ایک نگ کی ایک انگوٹھی ساڑھے چار ماشے سے کم کی یا سونے چاندی کے بلا زنجیر کے بٹن یا استعمال ناجائز ہو جیسے چاندی سونے کے برتن، گھڑی، سرمہ دانی، سلائی کہ ان کا استعمال مرد و عورت سب کے لئے حرام ہے یا مرد کے لئے سونے چاندی کا چھلا یا زیور یا سونے کی انگوٹھی یا ساڑھے چار ماشے سے زیادہ چاندی کی انگوٹھی یا انگوٹھیاں یا کئی نگ کی ایک انگوٹھی غرض جو کچھ ہو زکوٰۃ سب کی واجب ہے مثلاً ساڑھے سات تولہ سونا ہے تو سوا دو ماشہ زکوٰۃ واجب ہے یا ۵۲ تولے ۶ ماشہ چاندی ہے تو ایک تولہ ۳ ماشہ ۶ رتی۔

سونے چاندی کے علاوہ تجارت کی کوئی چیز ہو جس کی قیمت سونے چاندی کی نصاب کو پہنچے تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے یعنی قیمت کا چالیسواں حصہ اور اگر اسباب کی قیمت تو نصاب کو نہیں پہنچتی مگر اس کے پاس ان کے علاوہ سونا چاندی بھی ہے تو ان کی قیمت سونے چاندی کے ساتھ ملا کر مجموعہ کریں اگر مجموعہ نصاب کو پہنچا زکوٰۃ واجب ہے اور اسباب تجارت کی قیمت اس سکے سے لگائیں جس کا رواج وہاں زیادہ ہو جیسے ہندوستان میں روپیہ کا زیادہ چلن ہے اسی سے قیمت لگائی جائے اور اگر کہیں سونے چاندی دونوں کے سکوں کا یکساں چلن ہو تو اختیار ہے جس سے چاہیں قیمت لگائیں مگر جب کہ روپے سے قیمت لگائیں تو نصاب نہیں ہوتی اور اشرفی سے ہو جاتی ہے یا بالعکس تو اسی سے قیمت لگائی جائے جس سے نصاب پوری ہو اور اگر دونوں سے نصاب پوری ہوتی ہے مگر ایک سے نصاب کے علاوہ نصاب کا پانچواں حصہ زیادہ ہوتا ہے۔ دوسرے سے نہیں تو اس سے قیمت لگائیں جس سے ایک نصاب اور نصاب کا پانچواں حصہ ہو۔

نصاب سے زیادہ مال ہے تو اگر یہ زیادتی نصاب کا پانچواں حصہ ہے تو اس کی زکوٰۃ بھی واجب ہے مثلاً دو سو چالیس درم یعنی ۶۳ تولہ چاندی ہو تو زکوٰۃ میں چھ درم واجب یعنی ایک تولہ ۹ ماشہ (۵/۱۷ رتی) یعنی ۵۲ تولہ چھ ماشہ کے بعد ہر دس تولہ چھ ماشہ پر ۳ ماشہ (۵/۱۱ رتی) بڑھائیں اور سونا نو تولہ ہو تو ۲ ماشہ (۵/۵۳) رتی یعنی ۷ تولہ ۶ ماشہ کے بعد ہر ایک تولہ ۶ ماشے پر (۵/۳ ۳ رتی) بڑھائیں اور پانچواں حصہ نہ ہو تو معاف یعنی مثلاً ۹ تولہ سے ایک رتی کم اگر سونا ہے تو زکوٰۃ وہی ۷ تولہ ۶ ماشہ کی واجب ہے یعنی دو ماشہ یونہی چاندی اگر ۶۳ تولہ سے ایک رتی بھی کم ہے تو زکوٰۃ ۵۲ تولہ ۶ ماشہ کی ایک تولہ ۳ ماشے ۶ رتی واجب ہے۔ یونہی پانچویں حصے کے بعد جو زیادتی ہے اگر وہ بھی پانچواں حصہ ہے تو اس کا چالیسواں حصہ واجب ورنہ معاف وعلیٰ ہذا القیاس۔ مال تجارت کا بھی یہی حکم ہے۔ (درمختار)

اگر سونے چاندی میں کھوٹ ہو اور غالب سونا چاندی ہے تو سونا چاندی قرار دیں اور کل پر زکوٰۃ واجب ہے۔ یونہی اگر کھوٹ سونے چاندی کے برابر ہو تو زکوٰۃ واجب اور اگر کھوٹ غالب ہو تو سونا چاندی نہیں پھر اس کی چند صورتیں ہیں۔ اگر اس میں سونا چاندی اتنی مقدار میں ہو کہ جدا کریں تو نصاب کو پہنچ جائے یا وہ نصاب کو نہیں پہنچتا مگر اس کے پاس اور مال ہے کہ اس سے مل کر

نصاب ہوجائیگی یاثمن میں چلتا ہے اوراس کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہےتوان سب صورتوں میں زکوٰۃ واجب ہے اوراگران صورتوں میں کوئی نہ ہوتو اس میں اگرتجارت کی نیت ہوتو بشرائط تجارت اسے مال تجارت قراردیں اوراس کی قیمت نصاب کی قدرہو خود یا اوروں کے ساتھ مل کرتوزکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔(درمختار)

بَابُ حَقِّ السَّائِلِ

باب: مانگنے والے کاحق

1665 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنَا مُصْعَبُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ شُرَحْبِيلَ، حَدَّثَنِي يَعْلَى بْنُ أَبِي يَحْيَى، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ حُسَيْنٍ، عَنْ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِلسَّائِلِ حَقٌّ، وَإِنْ جَاءَ عَلَى فَرَسٍ.

سیّدہ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتی ہیں:

''مانگنے والے کاحق ہے(کہ تم اس کی مدد کرو) خواہ وہ گھوڑے پرسوار ہوکرآئے''۔

شرح

حکیم بن جبیراس حدیث کوروایت کرتے ہیں اس پرشعبہ کے ساتھ عبداللہ بن عثمان نے سفیان سے کہا کاش کہ شعبہ کے علاوہ کسی اورنے یہ حدیث روایت کی ہوتی سفیان نے کہا حکیم کوکیا ہے؟ کیا شعبہ ان سے روایت نہیں کرتے انہوں نے کہاہاں سفیان نے کہامیں نے زبید کوبھی محمد بن عبدالرحمن بن یزید کے حوالے سے یہی بات کہتے ہوئے سنا ہے۔

اس پرہمارے بعض علماء کاعمل ہے اوریہی ثوری عبداللہ بن مبارک احمداوراسحاق کاقول ہے کہ اگرکسی کے پاس پچاس درہم ہوں تواس کے لئے زکوٰۃ لیناجائز نہیں لیکن بعض اہل علم حکیم بن جبیر کی حدیث کوحجت تسلیم نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ اگرکسی کے ہاں پچاس یااس سے زیادہ درہم بھی ہوں توبھی اس کے لئے زکوٰۃ لیناجائز ہے بشرطیکہ وہ محتاج ہواور یہ امام شافعی اوردوسری علماءفقہاء کا قول ہے۔(جامع ترمذی: جلداول: حدیث نمبر 634)

گداگروں کوزکوٰۃ دینے کابیان

گداگرتین قسم کےہوتے ہیں:

(۱) غنی مالدار: انہیں سوال کرناحرام اوران کودینابھی حرام، انہیں دینے سے زکوٰۃ ادانہیں ہوگی کہ مستحق زکوٰۃ نہیں ہیں۔

(۲) وہ فقیر جوتندرست اورکمانے پرقادرہو: یہ لوگ بقدرحاجت کمانے پرقادرہونے کے باوجودمفت کی روٹیاں توڑنے اور اس کے لئے بھیک مانگنے کے عادی ہوتے ہیں۔ ایسے پیشہ وروں کوسوال کرناحرام ہے اورجوکچھ ان کو ملے ان کے حق میں مال خبیث ہے۔

جسے مالک کولوٹانایاصدقہ کردیناواجب ہوتا ہے۔لیکن اگران کوکسی نے زکوٰۃ دے دی توادا ہوجائے گی کیونکہ یہ شرعی فقیر

ہوتے ہیں جبکہ کوئی اور مانع زکوٰۃ نہ ہو۔

(۳) کمانے سے عاجز فقیر: یہ لوگ یا تو کمانے کی قدرت نہیں رکھتے یا پھر حاجت کے بقدر کما نہیں سکتے، انہیں بقدرِ ضرورت سوال حلال ہے اور جو کچھ ان کو ملے ان کے لئے حلال ہے، انہیں زکوٰۃ دی تو ادا ہو جائے گی۔ (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ مُخرَّجہ، ج۱۰، ص ۲۵۳)

صحیح سائل کا معیار اور غیر مستحق سائل کے لئے عذاب کی وعید کے متعلق احادیث

حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں لوگوں کی طرف سے حقوق ادا کر رہا تھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اس سلسلہ میں سوال کیا، آپ نے فرمایا: تم ہمارے پاس ٹھہرو حتیٰ کہ ہمارے پاس صدقہ کا مال آجائے، پھر ہم اس میں سے تمہیں دینے کا حکم دیں گے، پھر آپ نے فرمایا: تین صورتوں کے سوا اور کسی صورت میں سوال کرنا جائز نہیں ہے: (۱) ایک وہ شخص ہے جس نے کسی کی طرف کسی حق کو ادا کرنے کا ذمہ لیا ہو، اس کے لئے سوال کرنا جائز ہے، حتیٰ کہ اس کو مطلوبہ مال مل جائے، پھر وہ سوال سے رک جائے (۲) دوسرا وہ شخص جس کے مال پر کوئی آفت آگئی ہو اور اس کا سب مال ضائع ہو گیا ہو، اس کے لئے سوال کرنا حلال ہے حتیٰ کہ اس کو گزر اوقات کے لئے مل جائے (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص فاقوں میں مبتلا ہو حتیٰ کہ اس کی قوم کے تین آدمی گواہی دیں کہ فلاں شخص فاقوں میں مبتلا ہے تو اس کے لئے سوال کرنا جائز ہے (تین آدمیوں کی گواہی استحباب کی شرط ہے اگر وہ واقعی فاقے کر رہا ہے تو اس کے لئے سوال کرنا جائز ہے) اے قبیصہ ان تین صورتوں کے سوا جو شخص سوال کرتا ہے، وہ حرام کھاتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰٤٤، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱٦٤٠، سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۵۸۰، سنن دارمی رقم الحدیث: 1678، مسند احمد ج ۳ ص 477)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے سوال کیا اور اس کے پاس اتنی چیزیں تھیں جو اس کو سوال سے غنی کر سکتی تھیں، وہ صرف آگ کو زیادہ کر رہا ہے، نفیلی نے پوچھا: اس چیز کی کتنی مقدار ہے جو اس کو سوال سے غنی کر دے اور اس مقدار کے ہوتے ہوئے اس کو سوال نہیں کرنا چاہیے؟ فرمایا: اس کے پاس صبح اور شام کا کھانا ہو یا ایک دن اور ایک رات کا کھانا ہو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: 1629، مسند احمد ج ٤، ص 180)

حضرت حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غنی (مالک نصاب زکوٰۃ) کے لئے سوال کرنا جائز نہیں اور نہ تندرست آدمی کے لئے، سوال کرنا صرف اس کے لئے جائز ہے جس کو فقر ہلاک کر رہا ہو یا جو قرض کے بوجھ سے گھبرا رہا ہو اور جس نے اپنے مال میں اضافے کے لئے سوال کیا، قیامت کے دن اس کے چہرے پر خراشیں ہوں گی اور وہ دوزخ کے گرم پتھر کھا رہا ہوگا، پس جو چاہے (اس عذاب کو) کم کرے اور جو چاہے زیادہ کرے۔ (اگر کسی شخص کو علم ہو کہ اس سائل کے لئے سوال کرنا جائز نہیں ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس کو نرمی سے مسترد کر دے اور اگر وہ اس کو دے گا تو وہ گنہ گار ہوگا)۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ٦٥٣)

سائل کو دینے کی ترغیب کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: اے ابن

آدم! تو (لوگوں پر) خرچ کر، میں (تجھ پر) خرچ کروں گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۵۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۹۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۲)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن آدم! اگر تو ضرورت سے زائد چیز کو خرچ کردے تو یہ تیرے لئے بہتر ہے اور اگر تو اس کو روک کر رکھے تو یہ تیرے لئے برا ہے اور اگر تیرے پاس بہ قدر ضرورت مال ہو تو تجھ کو ملامت نہیں کی جائے گی، اور دینے کی ابتداء اپنے اہل وعیال سے کر۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: 1036)

حضرت اُمّ بجیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کسی من میرے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے حتیٰ کہ مجھے حیاء آتی ہے اور میرے پاس اسے دینے کے لئے کوئی چیز نہیں ہوتی، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے اسے دے دو، خواہ وہ بکری کا جلا ہوا پایا ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: 1667 سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۶۵ سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۵۷۴ مسند احمد ج ۶ ص ۳۸۳)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد شدہ غلام بیان کرتے ہیں کہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو کچھ گوشت ہدیہ کیا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت پسند تھا، انہوں نے خادمہ سے کہا، اس کو گھر میں رکھ دو شاید نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تناول فرمائیں خادمہ نے اس کو گھر کے طاق میں رکھ دیا، اس اثناء میں ایک سائل نے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا: صدقہ دو، اللہ تمہارے مال میں برکت دے، گھر والوں نے کہا: اللہ تمہیں برکت دے، وہ سائل چلا گیا، بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: اے اُمّ سلمہ! تمہارے پاس کچھ کھانے کی چیز ہے؟ اور انہوں نے خادمہ سے کہا، جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ گوشت لا کر دو، وہ گئی تو اس طاق میں گوشت نہیں تھا، ایک پتھر کا ٹکڑا پڑا ہوا تھا، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہی وہی گوشت ہے جو اب پتھر کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہے، کیونکہ تم نے سائل کو یہ گوشت نہیں دیا تھا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۰۰ اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ حضرت عثمان کا غلام مجہول ہے)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ باین کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر مساکین جھوٹ نہ بولیں تو ان کو رد کرنے والا فلاح نہ پائے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: 7967 اس حدیث کا ایک راوی جعفر بن الزبیر ضعیف ہے، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۲)

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سائل کے لئے حق ہے، خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔

شعب الارنووط نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند مجہول ہے کیونکہ اس کی سند میں یعلی بن ابی یحییٰ مجہول ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص 201 طبع قدیم، مسند احمد ج ۳ ص 254، رقم الحدیث: ۱۷۳، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۲۰ھ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: 2468، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۱۳ مسند ابویعلی رقم الحدیث: ۶۷۸۴ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۱۶۶۵ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۸۹۳ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۳ الموطا ج ۲ - رقم الحدیث: ۱۹۲۷ دار المعرفۃ، بیروت)

موطا امام مالک میں یہ حدیث ان الفاظ سے ہے، سائل کو عطا کرو خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آیا ہو۔

حافظ ابو عمر یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر مالکی متوفی ٤٦٣ ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں سائل کو عطا کرنے کی ترغیب ہے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ جس شخص کے پاس صبح اور شام کا کھانا ہو، اس کا سوال کرنا مکروہ ہے، نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غنی کا اور تندرست شخص کا جو کمانے پر قادر ہو، سوال کرنا جائز نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس سائل سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسا سائل ہے کہ بغیر سواری کے اس کے لئے کہیں جانا مشکل ہو اور اس کے پاس ایک دن سے زیادہ کھانے پینے کی چیز نہ ہو اور وہ کمزور اور بیمار ہو، اس وجہ سے محنت مزدوری نہ کرسکتا ہو، اس لئے اس کا سوال کرنا صحیح ہے، علاوہ ازیں اس حدیث کی سند قطعی الثبوت نہیں ہے۔

(الاستذکار ج ۲۷ ص ٤٠٣، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ١٤١٤ھ)

نیز حافظ ابن عبدالبر اپنی دوسری شرح میں لکھتے ہیں:

جب کسی شخص کے پاس اس کا گھوڑا اس کی ضرورت کے لئے ہو تو وہ اس گھوڑے کی وجہ سے غنی نہیں ہوتا، کیونکہ وہ اپنی ضروریات کے لئے پیدل نہیں جاسکتا، اور اس گھوڑے کا مالک ہونے کی وجہ سے وہ فقر کی حد سے نہیں نکلتا اور ان اغنیاء کے حکم میں داخل نہیں ہوتا، جن کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً فرمایا ہے: سائل کو عطا کرو، یہ نہیں فرمایا: اس کو زکوٰۃ دو یا نفلی صدقہ دو، پس اس کو ہر قسم کے صدقہ سے دینا جائز ہے، نیز اس حدیث میں یہ ترغیب دی ہے کہ سائل جو بھی ہو، اس کو عطا کرنا چاہئے، کیونکہ مسلمان کے حال سے اغلب یہ ہے کہ وہ واقعی ضرورت مند ہے، جب ہی سوال کر رہا ہے، ہاں! اگر دینے والے کو کسی دلیل سے معلوم ہو کہ یہ ضرورت مند یا مقروض نہیں ہے یا یہ صحت مند ہے اور کمانے پر قادر ہے تو پھر اس کو نہیں دینا چاہئے۔ (التمہید ج ۲ ص ٦٢١، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤١٩ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سائل کو رد نہیں فرماتے تھے، حتیٰ کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی جب مرنے لگا تو اس کے بیٹے نے آپ سے آپ کی قمیض مانگی تا کہ وہ اس قمیص کو اپنے باپ کا کفن بنادے تو آپ نے اس کو اپنی قمیض عطا کردی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: 1269، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٧٧٤، سنن ترمذی رقم الحدیث: ٣٠٩٨)

حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاشیہ والی ایک چادر بن کر آپ کے پاس لائی، اس عورت نے کہا: میں نے اس چادر کو اپنے ہاتھ سے بنا ہے تا کہ میں آپ کو پہناؤں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے وہ چادر لے لی اور آپ کو اس وقت اس چادر کی ضرورت بھی تھی، آپ وہ چادر پہن کر ہمارے پاس آئے، ایک شخص نے اس چادر کی تعریف کی اور کہنے لگا: یارسول اللہ! یہ بہت خوبصورت چادر ہے، آپ مجھے یہ چادر دے دیجیے، حاضرین نے کہا، تم نے یہ اچھا نہیں کیا، اس چادر کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہن لیا تھا اور آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی، پھر بھی تم نے اس کو مانگ لیا اور تم کو معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کا سوال نہیں فرماتے، اس شخص نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے پہننے کے لئے اس چادر کا سوال نہیں کیا تھا بلکہ میں نے اس چادر کا صرف اس لئے سوال کیا تھا کہ یہ میرا کفن ہو جائے، حضرت سہل نے کہا: پھر وہ چادر اس شخص کا کفن ہوگئی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٢٧٧)

امام عبدالرحمان بن محمد رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں: منہال بن عمر روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنے بیٹے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، اس عورت نے کہا، آپ سے کہنا کہ مجھے کوئی کپڑا پہنا دیجیے آپ نے فرمایا: میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے، اس عورت نے کہا، آپ کے پاس واپس جاؤ اور کہو: آپ نے جو قمیض پہنی ہوئی ہے وہی دے دیجیے، اس کا بیٹا آپ کے پاس آیا تو آپ نے اپنی قمیص اتار کر اس کو دے دی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷ ص 2327 رقم الحدیث: ۱۳۲۳۶، الدر المنثور ج ۲۴۱۵)

اگر سائل کو دینے کے لئے کچھ نہ ہو تو نرمی سے جواب دینا چاہئے

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ سائل کو سختی کے ساتھ جواب نہ دیں، اگر آپ کے پاس اس کو دینے کے لئے کچھ نہ ہو تو اس کو نرمی اور رحمت کے ساتھ لوٹا دیں، ایک تفسیر یہ بھی ہے، جو آپ سے دین کا کوئی مسئلہ معلوم کر رہا ہو، اس کو نہایت نرمی اور آسانی سے مسئلہ بتائیں اور اگر دنیا کی کسی چیز کا سوال کرے تو اگر آپ کے پاس وہ چیز ہو تو دے دیں ورنہ اس کو نرمی کے ساتھ لوٹا دیں، اسی مضمون کی یہ آیت ہے: (بنی اسرائیل: ۲۸) اور اگر آپ کو اپنے رب کی رحمت کی توقع اور جستجو میں ان سے اعراض کرنا پڑے تو ان کو کوئی نرم بات کہہ کر ٹال دیں۔

امام عبدالرحمان بن محمد رازی ابن ابی حاتم متوفی 327ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: مجاہد نے کہا: یعنی اگر آپ کو اللہ کے رزق کا انتظار ہو۔ (تفسیر امام بن ابی حاتم رقم الحدیث: 13251)

حسن بصری نے کہا: آپ اس صورت میں نرمی اور شفقت سے کہیں: عنقریب ان شاء اللہ ہم کو کوئی چیز ملے گی تو ہم تم کو عطا کریں گے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: 13252)

سدی نے "قول میسور" کی تفسیر میں کہا: آپ ان سے کہیں کہ اس وقت ہمارے پاس وہ چیز نہیں ہے، جب وہ چیز ہمارے پاس آئے گی تو ہم عطا کریں گے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: 13253)

ابن زید نے "قول میسور" کی تفسیر میں کہا: آپ خوبصورت بات کہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو بھی عطا فرمائے اور تم کو بھی اور اللہ تعالیٰ تم کو اس میں برکت دے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: 13254)

مخلوق سے گڑگڑا کر سوال نہ کیا جائے، صرف اللہ سے گڑگڑا کر سوال کیا جائے

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: اس آیت میں جھڑکنے سے ممانعت اس صورت میں ہے، جب سائل گڑگڑا کر سوال نہ کرے لیکن اگر وہ گڑگڑا کر سوال کرے اور نرمی سے منع کرنے کے باوجود واپس نہ جائے تو پھر اس سائل کو ڈانٹنے اور جھگڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۹٤ دار الفکر، بیروت ۱٤۱۷ھ)

علامہ آلوسی نے یہ صحیح نہیں لکھا، اللہ تعالیٰ نے مطلقاً سائل کو جھڑکنے سے منع فرمایا ہے خواہ وہ گڑگڑا کر سوال کرے یا نہ کرے اور منع کرنے سے واپس جائے یا نہ جائے اور ہم کو یہ سوچنا چاہئے کہ اگر ہم نے گنجائش کے باوجود اس سائل کو نہ دیا اور اس کو اپنے دروازہ سے لوٹا دیا تو وہ تو کسی اور دروازہ پر چلا جائے گا لیکن جب ہم اللہ سے سوال کریں گے اور اس کی سزا میں اس نے ہمیں لوٹا دیا تو

ہمارے لئے تو اس کے سوا اور کوئی دروازہ نہیں ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب کوئی سوال کرے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ مستحق ہے یا نہیں، مستحق کو دینا چاہئے اور غیر مستحق کو نہیں دینا چاہئے، میں کہتا ہوں کہ جس کو ہم نے غیر مستحق سمجھ کر مسترد کر دیا وہ کسی اور دروازے پر جا کر گدا کرے گا لیکن جب ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کریں گے، اگر اس نے بھی ہمیں اس بناء پر غیر مستحق قرار دے کر رد کر دیا تو ہم اس کے بعد کس دروازہ پر جا کر سوال کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تحسین فرمائی جو لوگوں سے گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے:

لا یسئلون الناس الحافاً (البقرہ:۲۷۳) وہ لوگوں سے گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے۔

اور اللہ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر سوال کرنے کا حکم دیا ہے۔

ادعوا ربکم تضرعاً وخفیۃ (الاعراف:۵۵) اپنے رب سے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعا کرو۔

ہمارا حال یہ ہے کہ جب ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں تو ہاتھ اٹھا کر بے توجہی سے سرسری طور پر چند کلمات پڑھ کر اٹھ جاتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ عموماً رمضان کے مہینے میں لوگ مسجد میں آ کر نمازیوں کے سامنے اپنے مصائب بیان کر کے گڑگڑا کر سوال کرتے ہیں اور کوشش کر کے آنسو نکالتے ہیں اور روتے ہیں، پس جس کے سامنے گڑگڑانا چاہئے، اس کے سامنے نہیں گڑگڑاتے اور مخلوق کے سامنے روتے ہیں اور گڑگڑاتے ہیں۔

1666 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ شَيْخٍ - قَالَ: رَأَيْتُ سُفْيَانَ عِنْدَهُ - عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ حُسَيْنٍ، عَنْ أَبِيهَا، عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ۔

⊛⊛ سیدہ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہا اپنے والد (حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مانند روایت نقل کرتی ہیں۔

1667 - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ بُجَيْدٍ، عَنْ جَدَّتِهِ أُمِّ بُجَيْدٍ، وَكَانَتْ مِمَّنْ بَايَعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا قَالَتْ لَهُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ، الْمِسْكِينَ لَيَقُومُ عَلَى بَابِي، فَمَا أَجِدُ لَهُ شَيْئًا أُعْطِيهِ إِيَّاهُ. فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنْ لَمْ تَجِدِي لَهُ شَيْئًا تُعْطِينَهُ إِيَّاهُ إِلَّا ظِلْفًا مُحْرَقًا، فَادْفَعِيهِ إِلَيْهِ فِي يَدِهِ

⊛⊛ سیدہ اُمّ بجید رضی اللہ عنہا' جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہے' وہ بیان کرتی ہیں: انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ رحمتیں نازل کرے۔ بعض اوقات

1667- اسنادہ حسن، عبد الرحمن بن بجید مختلف فی صحبتہ، وذکر الحافظ فی "التقریب" "ان لہ رؤیۃ، وقد روی عنہ جمع، وذکرہ ابن حبان فی "الثقات." واخرجہ الترمذی (671)، والنسائی فی "الکبری" (2366) من طریق قتیبۃ بن سعید، بھذا الاسناد، وقال الترمذی: حدیث حسن صحیح. واخرجہ النسائی (2357) من طریق زید بن اسلم عن عبد الرحمن بن بجید، بہ. وھو فی "مسند احمد" (27151-2714)، و"صحیح ابن حبان" (3373).

میرے دروازے پر کوئی غریب کھڑا ہوتا ہے۔ مجھے اسے دینے کے لیے کوئی چیز نہیں ملتی۔ نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: اگر تمہیں اس کو دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ملتا' صرف جلا ہوا پایہ ملتا ہے' تو تم وہ ہی اس کے ہاتھ میں دے دو۔

شرح

کبھی ایسا نہیں ہوا کہ نبی ﷺ سے کوئی چیز مانگی گئی ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا ہو "نہیں" اور حدیث میں نبی ﷺ کی ہدایت بھی ملتی ہے کہ: اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ۔ (مسلم کتاب الزکوۃ)

سائلوں سے برافروختہ وہ ہوتا ہے جس کو اپنے سرمایہ کے ختم ہو جانے یا کم ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ جب آپ کے رب نے آپ کو غنی کر دیا ہے تو یہ خزانے کبھی ختم ہونے والے نہیں۔ پھر آپ کسی سائل کو کیوں جھڑکیں یا سائلوں کی کثرت سے تنگ دل کیوں ہو۔ آپ کو آپ کے رب نے بے شمار دولتیں اور بے حساب نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ آپ انہیں سائل کی استعداد کے مطابق بانٹتے رہیں۔ آپ کے در پر آنے والا کوئی سائل خالی نہ جائے۔

سیرت کی کتب ایسے ان گنت واقعات سے بھری پڑی ہیں جن سے حضور ﷺ کے جود و کرم کا اندازہ ہوتا ہے۔ جو سائل در اقدس پر حاضر ہوا اس کی جھولی بھر کر اسے واپس کیا گیا اور آج بھی کشور معنی کے اس تاجدار کی سخاوت کی دھوم مچی ہے۔ کوئی آئے، جو چاہے مانگے، اسے خالی واپس نہیں کیا جاتا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب لکھا ہے: "معلوم میشود کہ کار ہماں بدست ہمت وکرامت اوست ہر چہ خواہد ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود میدہد۔ (اشعۃ اللمعات اول ص396)

ترمذی شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ بحرین سے نوے ہزار درہم آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ایک چٹائی بچھا کر ان کا ڈھیر لگا دیا۔ نماز فجر ادا کرنے کے بعد ان کو بانٹنا شروع کیا اور ظہر تک ایک درہم بھی باقی نہ رہا۔ جب سب درہم بانٹ دیے گئے تو اتفاقاً ایک سائل آ گیا۔

حضور ﷺ نے فرمایا اب تو کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ البتہ تم کسی دکاندار کے پاس چلے جاؤ اور تمہیں جس چیز کی ضرورت ہے اس سے لے لو اور اسے کہو کہ وہ میرے نام لکھ دے۔ میں اس کی قیمت ادا کر دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت تھے۔ عرض کرنے لگے یارسول اللہ! آپ اتنی زحمت کیوں گوارا کرتے ہیں کہ قرض لے کر سائل کو دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا مکلف تو نہیں کیا۔ حضور ﷺ کو یہ بات پسند نہ آئی اور رخ انور پر ناگواری کے آثار نمایاں ہو گئے۔ ایک انصاری بھی اس وقت بارگاہ اقدس ﷺ میں حاضر تھا۔ اس نے عرض کیا انفق ولا تخش من ذی العرش اقلالا۔ اے اللہ کے پیارے رسول! بے دریغ خرچ فرمایا کیجیے اور عرش والے پروردگار سے قلت کا خوف مت کیجیے یہ سن کر حضور ﷺ خوشی سے ہنس پڑے۔ چہرۂ مقدس پھول کی طرح شگفتہ ہو گیا۔ ارشاد فرمایا کہ مرا بہ میں طریق امر فرمودہ اند۔ یعنی میرے رب نے مجھے یہی حکم دیا ہے۔ (تفسیر عزیزی)

بَابُ الصَّدَقَةِ عَلَى أَهْلِ الذِّمَّةِ
باب: اہل ذمہ کو صدقہ دینا

اہل ذمہ کے حقوق کا بیان

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اسی سلسلہ میں اور بھی متعدد معاہدے کئے اور ان معاہدوں کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قائم رکھا، ان معاہدوں میں اگرچہ باہم اختلاف ہے لیکن سب میں قدر مشترک یہ ہے۔

لايهدم لهم بيعة ولا كنيسة وعلى ان يضربوا نواقيسهم في اي ساعة شاؤا من ليل انهار الا في اوقات الصلوة وعلى ان يخرجوا الصلبان في ايام عيدهم (کتاب الخراج)

ان لوگوں کے گرجے نہ گرائے جائیں گے اور وہ رات دن میں بجز اوقات نماز کے ہر وقت ناقوس بجا سکیں گے اور اپنے تہوار کے دن صلیب نکالیں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بہ کثرت معاہدے ہوئے، ان میں سب سے زیادہ مفصل، سب سے زیادہ جامع اور سب سے زیادہ فیاضانہ وہ معاہدہ ہے جو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے شام کے عیسائیوں کے ساتھ کیا اس معاہدے کے الفاظ یہ ہیں۔

واشترط عليهم حين دخلها عَلَى أن تترك كنائسهم وبيعهم عَلَى أن لا يحدثوا بناء بيعة ولا كنيسة وَعَلَى أن عليهم إرشاد الضال وبناء القناطر عَلَى الأنهار من أموالهم، وأن يضيفوا من مر بهم من المسلمين ثلاثة أيام وَعَلَى أن لا يشتموا مسلما ولا يضربوه، ولا يرفعوا في نادى أهل الاسلام صليبا ولا يخرجوا خنزيرا من منازلهم إِلَى أفنية المسلمين، وأن يوقدوا النيران للغزاة في سبيل الله، ولا يدلوا للمسلمين عَلَى عورة، ولا يضربوا نواقيسهم قبل أذان المسلمين ولا في أوقات أذانهم ولا يخرجوا الرايات في أيام عيدهم، ولا يلبسوا السلاح يوم عيدهم ولا يتخذوه في بيوتهم

(الخراج لابی یوسف، باب فصل فی الکنائس والبیع)

جب وہ شام میں داخل ہوئے تو یہ شرط کرلی کہ ان کے گرجوں سے کچھ تعرض نہ کریں گے جبکہ نئے گرجے نہ تعمیر کریں بھولے بھٹکے مسلمانوں کو راستہ دکھائیں اپنے مال سے نہروں پر پل باندھیں، جو مسلمان ان کے پاس سے ہو کر گذریں تین دن تک ان کی مہمانی کریں، کسی مسلمان کو نہ گالی دیں، نہ ماریں، نہ مسلمانوں کی مجلس میں صلیب اور نہ مسلمانوں کے احاطہ میں سور نکالیں، مجاہدین کے لئے راستوں میں آگ جلائیں مسلمانوں کی جاسوسی نہ کریں، اذان سے پہلے اور اذان کے اوقات میں ناقوس نہ بجائیں، اپنے تہواروں کے دن جھنڈے نہ نکالیں، ہتھیار نہ لگائیں اور اس کو اپنے گھروں میں بھی نہ رکھیں۔

ان لوگوں نے تمام شرطیں منظور کرلیں، صرف یہ درخواست کی کہ سال میں ایک بار بغیر جھنڈیوں کے صلیب نکالنے کی اجازت دی جائے، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ درخواست منظور کی۔

قاضی ابو یوسف نے لکھا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہ نرمی اور یہ فیاضی اس لئے اختیار کی تھی کہ اورلوگوں کو صلح کی ترغیب ہو؛ چنانچہ اس معاہدے کے بعد جب رومیوں سے جنگ ہوئی اور فتح کے بعد اطراف وحوالی کے تمام عیسائیوں نے صلح کر لی تو ان لوگوں نے ایک شرط یہ پیش کی کہ جو رومی مسلمانوں کی جنگ کے لئے آئے تھے اور اب وہ عیسائیوں کے پناہ گزین ہیں ان کو امن دیا جائے کہ اپنے اہل وعیال اور مال واسباب کے ساتھ واپس چلے جائیں اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہ شرط بھی منظور کر لی۔ (کتاب الخراج، صفحہ ۸۱)

اب ہم کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ ان معاہدوں کی پابندی کی گئی یا نہیں؟ اور کی گئی تو کیونکر؟ اسلام میں معاہدے کی پابندی فرض ہے اور اس میں کسی مذہب کی تخصیص نہیں بلکہ خود معاہدہ کی اخلاقی عظمت کا یہی اقتضاء ہے اس بنا پر صحابہ کرام نے ذمیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا ان کا پورا کرنا ان کا مذہبی فرض تھا، چنانچہ شام کی فتح کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو جو فرمان لکھا اس میں یہ الفاظ تھے:"

وامنع المسلمين من ظلمهم والاضرار بهم واكل اموالهم دوف لهم بشرطهم الذى شرطت لهم فى جميع ما اعطيتهم (كتاب الخراج، صفحه ۸۰)

مسلمانوں کو ان کے ظلم ونقصان سے روکو اور ان کے مال کھانے سے منع کرو، اور ان کو جو حقوق تم نے جن شرائط پر دیئے ہیں ان کو پورا کرو۔ وفات کے وقت جو وصیت کی اس میں یہ الفاظ فرمائے۔

واوصيه بذمة الله وذمة رسوله ان يوفى لهم بعهدهم وان يقاتل من ورائهم وان لا يكلفوا فوق طاقتهم

(بخاری کتاب المناقب باقصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان)

اور میں اپنے جانشین کو خدا اور خدا کے رسول ﷺ کے ذمہ کی وصیت کرتا ہوں کہ ذمیوں کے معاہدے کو پورا کرے اور ان کی حمایت میں لڑے اور ان کو تکلیف مالا یطاق نہ دے۔ ذمیوں کے معاہدے کی پابندی کا جس قدر خیال رکھا جاتا تھا، اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ ایک بار ایک عیسائی رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دے رہا تھا حضرت رضی اللہ عنہ غرفہ نے سنا تو اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا، اس نے حضرت عمرو بن العاص کی خدمت میں استغاثہ کیا تو انہوں نے غرفہ کو بلا کر کہا کہ ہم نے ان سے معاہدہ کیا ہے حضرت غرفہ رضی اللہ عنہ نے کہا نعوذ باللہ کیا ہم نے ان سے یہ معاہدہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علانیہ گالیاں دیں، ہم نے صرف یہ معاہدہ کیا ہے کہ وہ اپنے گرجوں میں جو چاہیں کہیں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا یہ سچ ہے۔ (اسد الغابہ تذکرہ، حضرت غرفہ بن حارث رضی اللہ عنہ الکندی)

خود ذمیوں کو اس پابندی معاہدہ کا اعتراف تھا، ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ذمیوں کا ایک وفد آیا تو انہوں نے پوچھا کہ غالباً مسلمان تم لوگوں کو ستاتے ہوں گے سب نے ہمزبان ہو کر کہا۔ **مانعلم الا وفاء وحسن ملكة** (طبری، صفحہ ۲۵۶)

ہم پابندی عہد اور شریفانہ اخلاق کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ لیکن صرف اسی قدر کافی نہیں، یہ جو کچھ ہے قول ہے ہم عملاً دکھانا چاہتے ہیں کہ ذمیوں کو جو جو حقوق دیئے گئے ان کو عملاً پورا کیا گیا۔

1668 - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي شُعَيْبٍ الْحَرَّانِيُّ، حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ،

عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ اَسْمَاءَ، قَالَتْ: قَدِمَتْ عَلَيَّ اُمِّي رَاغِبَةً فِيْ عَهْدِ قُرَيْشٍ وَهِيَ رَاغِمَةٌ مُشْرِكَةٌ، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اِنَّ اُمِّي قَدِمَتْ عَلَيَّ، وَهِيَ رَاغِمَةٌ مُشْرِكَةٌ، اَفَاَصِلُهَا؟ قَالَ: نَعَمْ، فَصِلِيْ اُمَّكِ۔

⊛⊛ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: قریش کے ساتھ (صلح حدیبیہ کے زمانہ میں) میری والدہ میرے پاس (مدینہ منورہ میں) آئیں۔ وہ مسلمان نہیں تھیں مشرک تھیں۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میری والدہ مسلمان نہیں ہیں وہ میرے پاس آئی ہیں وہ مشرک ہیں کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں۔ تم اپنی والدہ کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

مشرک رشتہ دار سے صلہ رحمی کرنا اور تحفہ دینا

حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) بتاتے ہیں کہ میرے والد حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے ایک دھاری دار جوڑا دیکھا اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حلّہ آپ خرید لیتے اور پھر جمعہ کے دن پہنا کرتے۔ نیز وفد آنے پر بھی پہنتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ اے عمر ایسے لباس تو وہ پہنتا ہے جسے آخرت میں کچھ لینا نہیں ہوتا۔ اس کے بعد کچھ لباس اس قسم کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو ان میں سے ایک لباس بطور تحفہ حضرت عمر کو دے دیا۔ وہ کہنے لگے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یہ لباس آپ نے خود مجھے دے دیا جب کہ اس کے بارے میں آپ خود مجھے یہ کچھ بتا چکے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم کو پہننے کے لئے نہیں بھیجا بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ اس کو بیچ کر اپنی ضرورت پوری کر لو یا کسی اور کو پہنا دو چنانچہ انہوں نے پھر اس لباس کو اپنی ماں کی طرف سے اپنے بھائی کو بھیجوا دیا جو مشرک تھا۔

حضرت عروہ بن زبیر (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ مجھے حکیم بن حزام (رضی اللہ عنہ) نے بتایا کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ جانتے ہیں کہ میں حالت کفر میں صلہ رحمی کرتا، غلام آزاد کرتا تھا اور صدقہ وغیرہ کے کام کرتا رہا ہوں تو کیا آج مجھے ان کا اجر ملے گا؟؟ حکیم (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ تمھارا اسلام لے کر آنا انہی کی برکت سے ہے۔

بَابُ مَا لَا يَجُوزُ مَنْعُهُ

باب: کس چیز کو نہ دینا جائز نہیں ہے

1669 - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ، حَدَّثَنَا اَبِيْ، حَدَّثَنَا كَهْمَسٌ، عَنْ سَيَّارِ بْنِ مَنْظُوْرٍ، رَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ فَزَارَةَ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنِ امْرَاَةٍ يُقَالُ لَهَا: بُهَيْسَةُ، عَنْ اَبِيْهَا، قَالَتْ: اسْتَاْذَنَ اَبِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَدَخَلَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَمِيْصِهِ، فَجَعَلَ يُقَبِّلُ وَيَلْتَزِمُ، ثُمَّ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا الشَّيْءُ الَّذِيْ لَا يَحِلُّ مَنْعُهُ؟ قَالَ: الْمَاءُ قَالَ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، مَا الشَّيْءُ الَّذِيْ لَا يَحِلُّ مَنْعُهُ؟ قَالَ: الْمِلْحُ، قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا الشَّيْءُ الَّذِيْ لَا يَحِلُّ مَنْعُهُ؟ قَالَ: اَنْ تَفْعَلَ الْخَيْرَ خَيْرٌ لَكَ

⊛⊛ بہیسہ نامی خاتون اپنے والد کے بارے میں یہ بات نقل کرتی ہیں: میرے والد نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اندر

آنے کی اجازت مانگی پھر وہ نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی قمیص کے درمیان داخل ہوئے اور نبی اکرم ﷺ کو بوسہ دینے لگے اور آپ ﷺ کو اپنے ساتھ لپٹانے لگے۔ پھر انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! وہ کون سی ایسی چیز ہے' جسے نہ دینا جائز نہیں ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پانی۔ انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! ایسی کون سی چیز ہے' جسے نہ دینا جائز نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نمک۔ انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! وہ کون سی ایسی چیز ہے' جسے نہ دینا جائز نہیں ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بھی بھلائی تم کرؤ وہ تمہارے حق میں بہتر ہوگی۔

بَابُ الْمَسْاَلَةِ فِی الْمَسَاجِدِ

باب: مساجد میں مانگنا

مسکین کو کھانا کھلانے کا بیان

1670 - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ آدَمَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بَكْرٍ السَّهْمِيُّ، حَدَّثَنَا مُبَارَكُ بْنُ فَضَالَةَ، عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ لَيْلَى، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ بَكْرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اَطْعَمَ الْيَوْمَ مِسْكِينًا؟، فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ، فَاِذَا اَنَا بِسَائِلٍ يَسْاَلُ، فَوَجَدْتُ كِسْرَةَ خُبْزٍ فِيْ يَدِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، فَاَخَذْتُهَا مِنْهُ فَدَفَعْتُهَا اِلَيْهِ

❀❀ حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''کیا تمہارے درمیان کوئی ایسی شخصیت ہے' جس نے آج کسی مسکین کو کھانا کھلایا ہو؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ میں مسجد میں داخل ہوا تو وہاں ایک سائل کچھ مانگ رہا تھا۔ مجھے عبدالرحمن کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا ملا۔ وہ میں نے اس سے لے کر اس سائل کو دے دیا''۔

گداگری کی مذمت اور سوال نہ کرنے کی فضیلت میں احادیث کا بیان

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام بخاری' امام مسلم' امام ابوداؤد' امام نسائی' امام ابن المنذر' امام ابن ابی حاتم' اور امام ابن مردویہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص مسکین نہیں ہے' جس کو ایک کھجور یا دو کھجور لوٹا دیں' یا ایک لقمہ یا دو لقمے لوٹا دیں' مسکین تو صرف وہ شخص ہے جو سوال کرنے سے باز رہے اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو' وہ لوگوں سے گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے۔

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اپنے فاقہ یا اپنے گھر والوں کے فاقہ کے بغیر سوال کیا' قیامت کے دن اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا' اور اللہ تعالیٰ اس پر فاقوں کا دروازہ

کھول دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوگا۔

امام طبرانی نے "معجم اوسط" میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے بلاضرورت سوال کیا قیامت کے دن اس کے چہرے پر خراشیں پڑی ہوں گی۔

امام ابن ابی شیبہ امام مسلم اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے مال بڑھانے کے لیے سوال کیا وہ صرف انگاروں کا سوال کر رہا ہے کم سوال کرے یا زیادہ۔

امام احمد امام ابوداؤد امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو آدمی مجھے اس بات کی ضمانت دے کہ وہ لوگوں سے سوال نہیں کرے گا میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔

امام بخاری امام مسلم امام ابوداؤد امام ترمذی امام نسائی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص کثرت مال سے غنی نہیں ہوتا بلکہ غنی وہ شخص ہے جس کا دل غنی ہو۔

امام طبرانی نے "معجم اوسط" میں حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم حرص کرنے سے بچو کیونکہ حرص ہی درحقیقت فقر ہے اور اس بات سے بچو کہ تم سے معذرت کی جائے۔

امام ابی شیبہ امام بخاری امام ابن ماجہ نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم سے کوئی شخص رسی سے لکڑیوں کا ایک گھٹا باندھ کر اپنی کمر پر لادے اور اس کو فروخت کر کے سوال کرنے سے بچے وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے وہ اس کو دیں یا منع کر دیں۔

امام احمد امام ابو یعلیٰ امام ابن حبان امام طبرانی اور امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت خالد بن عدی الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے پاس اس کے بھائی کی طرف سے کوئی چیز بغیر کسی طمع اور بغیر کسی سوال کے پہنچی ہو وہ اس کو قبول کرلے یہ اس کو اللہ نے رزق عطا کیا ہے۔ (الدرالمنثور ج۱ ص ۳۶۲۔۳۵۸ ملتقطا مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوال کرنا ایک زخم ہے کہ جس کے ذریعے انسان اپنا منہ زخمی کرتا ہے بایں طور کہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا اپنی عزت وآبرو کو خاک میں ملاتا ہے کہ یہ اپنے منہ کو زخمی کرنے ہی کے مترادف ہے لہٰذا جو شخص اپنی عزت وآبرو باقی رکھنا چاہے کہ وہ سوال سے شرم کرے اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلا کر اپنی عزت وآبرو کو باقی رکھے اور کوئی شخص اپنی آبرو کو باقی رکھنا ہی نہیں چاہتا تو وہ لوگوں کے ہاتھ پھیلا کر اپنی عزت خاک میں ملا لے یعنی اسے باقی نہ رکھے یہ گویا سوال کرنے والے کے لئے تہدید اور تنبیہ ہے کہ کسی سے سوال نہ کرنا چاہئے۔ ہاں اگر سوال ہی کرنا ہے تو پھر حاکم سے سوال کرے یا ایسی صورت میں سوال کرے کہ اس کے لئے کوئی واقعی ضرورت اور مجبوری ہو۔

(ابوداؤد، نسائی، ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 344)

مطلب یہ ہے کہ اگر تم سوال ہی کرو تو کم سے کم ایسے شخص سے تو کرو جس پر تمہارا حق بھی ہے اور وہ حاکم یا بادشاہ ہے کہ جس کے تصرف میں بیت المال اور خزانہ ہو تم ان سے اپنا حق مانگو، اگر تم مستحق ہو گے وہ تمہیں بیت المال سے دیں گے۔ عطاء سلطانی کو قبول

کرنے کا مسئلہ علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں اختلافی اقوال ہیں کہ آیا عطاء سلطانی بادشاہ وحاکم کا عطیہ قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ اس بارے میں صحیح قول یہی ہے کہ اگر بیت المال اور خزانے میں حرام مال زیادہ ہو تو اس میں سے کچھ مانگنا یا اس سے عطیہ سلطانی قبول کرنا حرام ہے اور اگر ایسی صورت نہ ہو تو پھر حلال ہے۔ حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی واقعی مجبوری اور ضرورت ہو کہ کسی سے مانگے بغیر چارہ کار نہ ہو مثلاً کسی کا ضامن بن گیا ہو، طوفان وسیلاب کی وجہ سے کھیتی باڑی تباہ ہوگئی ہو یا کسی حادثے ومصیبت کی وجہ سے نوبت فاقوں تک پہنچ گئی تو ایسی صورتوں میں سوال کرنے کی اجازت ہے بلکہ اگر کوئی شخص حالت اضطراری کو پہنچ گیا ہو خواہ وہ اضطراری حالت کپڑے کی طرف سے ہو کہ ستر چھپانے کو کپڑا نہ ہو یا کھانے کی طرف سے ہو کہ شدت بھوک سے جان نکلی جاتی ہو تو پھر ایسی صورت میں کسی سے مانگ کر اپنی اضطراری حالت کو دور کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح اس شخص کے لئے بھی سوال کرنا واجب ہوتا ہے جو حج کی استطاعت رکھتا تھا مگر حج نہیں کیا یہاں تک کہ مفلس ہو گیا تو اب اسے چاہئے کہ وہ لوگوں سے سفر خرچ مانگ کر حج کے لئے جائے۔

سوال کرنے کی حد جواز کا بیان

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

جس شخص کے پاس ایک دن کا کھانا ہو یا اتنی بدنی طاقت ہو کہ وہ محنت مزدوری کر کے ایک دن کی خوراک حاصل کر سکے اس کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے اور اگر دینے والے کو یہ علم ہو اور اس کے باوجود وہ اس کو دے تو وہ گنہگار ہوگا کیونکہ وہ حرام کام میں مدد کر رہا ہے اور اگر وہ شخص طلب علم دین یا جہاد میں مشغول ہو اور وہ کپڑوں کا سوال کرے تو جائز ہے بشرطیکہ اس کو کپڑوں کی ضرورت ہے۔ (درمختار علی ھامش رد المختار ج ۲ ص ۶۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

جس شخص کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے اس کے سوال پر اس کو دینا تو حرام ہے لیکن جو شخص صاحب نصاب نہ ہو اس کو اس کے سوال کے بغیر بہ طور صدقہ اور خیرات کے دینا جائز ہے اور کار ثواب ہے اور جو شخص صاحب نصاب ہو اس کو بہ طور ہدیہ اور ہبہ کے دینا جائز ہے۔ (رد المختار ج ۲ ص ۶۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

مسجد میں سائل کو دینے کا بیان

علامہ حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

مسجد میں سائل کو دینا مکروہ ہے ہاں! اگر وہ لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے تو پھر قول مختار کے مطابق وہ مکروہ نہیں ہے اسی طرح "اختیار" اور "مواہب الرحمان" میں مذکور ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز کی حالت میں انگوٹھی صدقہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح میں قرآن کی آیت نازل کی: جو لوگ رکوع کی حالت میں زکوۃ دیتے ہیں۔

(درمختار علی ھامش رد المختار ج ۵ ص ۲۶۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

''اختیار'' میں مذکور ہے کہ اگر سائل نمازیوں کے آگے سے گزرتا ہے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہے تو اس کو دینا مکروہ ہے' کیونکہ یہ لوگوں کو ایذاء دینے پر معاونت ہے' حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ اس طرح ایک پیسہ دینے کا کفارہ ستر پیسے بھی نہیں ہو سکتے' علامہ طحطاوی نے کہا ہے کہ یہ کراہت نمازیوں کی گردنیں پھلانگنے کی وجہ سے ہے جس کو ایذاء لازم ہے اور جب وہاں گزرنے کے لیے کشادہ جگہ ہو تو پھر کوئی کراہت نہیں ہے جیسا کہ اس عبارت کے مفہوم مخالف سے معلوم ہوتا ہے۔

(ردالمحتار ج ۵ ص ۲۶۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱٤۰۷ھ)

علامہ ابن بزار کردری احکام مسجد کے بیان میں لکھتے ہیں:

جو مسکین کھانے میں فضول خرچی کرتے ہوں اور گڑگڑا کر مانگتے ہوں ان کو دینے سے بھی اجر ملے گا' لیکن اگر کسی معین شخص کے متعلق معلوم ہو کہ وہ فضول خرچی کرتا ہے اور گڑگڑا کر مانگتا ہے تو پھر اس کو دینے سے اجر نہیں ہوگا۔

(فتاوی بزازیہ علی هامش الہندیہ ج ۶ ص ۳۵۸-۳۵۷' مطبوعہ مطبع کبری امیریہ بولاق' مصر' ۱۳۱۰ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جو سائل مسجد میں نمازی کے آگے سے گزرے یا نمازیوں کی گردنیں پھلانگے' یا گڑگڑا کر سوال کرے یا اس کے متعلق دینے والے کو معلوم ہو کہ یہ فضول خرچی کرتا ہے یا اس کو معلوم ہو کہ اس کے پاس ایک دن کی خوراک ہے یا یہ شخص صحت مند ہے اور محنت مزدوری کر کے کما سکتا ہے اس کے سوال پر اس کو دینا جائز نہیں ہے اور اگر یہ موانع اور عوارض نہ پائے جائیں تو اس سائل کو مسجد میں دینا جائز ہے۔

بَابُ كَرَاهِيَةِ الْمَسْأَلَةِ بِوَجْهِ اللهِ تَعَالَى

باب: اللہ کی ذات کا واسطہ دے کر مانگنے کا ناپسندیدہ ہونا

1671 - حَدَّثَنَا اَبُو الْعَبَّاسِ الْقِلَّوْرِيُّ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ اِسْحَاقَ الْحَضْرَمِيُّ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُعَاذٍ التَّمِيمِيِّ، حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يُسْأَلُ بِوَجْهِ اللهِ، اِلَّا الْجَنَّةُ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''اللہ تعالیٰ کے واسطے سے صرف جنت مانگی جا سکتی ہے''۔

مانگنے سے متعلق مسائل واحکام کا بیان

قولہ تعالیٰ: (آیت) ''للفقراء۔ اس میں لام (آیت) ''وما تنفقوا من خیر'' کے متعلق ہے۔

1671- اسناده ضعيف، لضعف سليمان - وهو ابن قرم بن معاذ التميمي الضبي. - ابو العباس: هو احمد بن عمرو بن عبيدة القلوري العصفري، وابن المنكدر: هو محمد. واخرجه ابن عدي في "الكامل" /11073، والبيهقي في "سننه" /4199، والخطيب في "الموضح" /3531 من طريق ابي العباس القلوري، بهذا الاسناد. واخرجه الفسوي في "المعرفة والتاريخ" 3/ 362، والبيهقي في "شعب الايمان" (3259)، والخطيب في "الموضح" /3521-353 من طريقين عن يعقوب بن اسحاق، به.

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ محذوف سے کے متعلق ہے اور تقدیر عبارت ہے: الانفاق او الصدقۃ للفقراء، سدی مجاہد وغیر ہمانے کہا ہے: ان فقراء سے مراد فقراء مہاجرین ہیں جو قریش اور دوسرے قبائل سے تعلق رکھتے تھے، پھر یہ آیت ہر اس کو شامل ہے جو مستقبل میں فقراء کی صفت کے تحت داخل ہوگا اور مہاجرین فقراء کو ذکر کے ساتھ خاص اس لئے کیا گیا ہے کیونکہ وہاں ان کے سوا کوئی (فقیر) نہ تھا، اور یہ فقراء اہل صفہ تھے اور تقریباً چار سو افراد تھے، وہ فقر و افلاس کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے نہ ان کے اہل وعیال تھے اور نہ ہی ان کے پاس کوئی مال تھا پس ان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ایک صفہ (سیاہ دار چبوترہ) تعمیر کیا گیا، پس ان کو اہل صفہ کہا گیا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے: میں اہل صفہ میں سے تھا جب شام ہوتی تھی تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر حاضر ہوتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر آدمی کو حکم ارشاد فرماتے تھے اور وہ ایک آدمی کو ساتھ لے جاتا تھا، اور اہل صفہ میں جو باقی رہ جاتے وہ دس یا اس سے کم افراد ہوتے تو حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا شام کا کھانا لے آتے اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا تناول کر لیتے اور جب ہم فارغ ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: ناموا فی المسجد مسجد میں جا کر سو جاؤ۔

اور ترمذی نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: (یہ آیت) ''ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون''۔ ہم گروہ انصار کے بارے میں نازل ہوئی، ہم کھجوروں کے مالک تھے، فرمایا: ہر آدمی اپنے درخت سے اپنی حیثیت کے مطابق زیادہ یا کم کھجوریں لاتا تھا اور کوئی آدمی ایک خوشہ اور دو خوشے لے کر آتا تھا اور انہیں مسجد میں لٹکا دیتا تھا اور اہل صفہ کے لئے کوئی کھانے کی شے نہ ہوتی تھی تو ان میں سے جب کسی کو بھوک ستاتی تھی تو وہ اس خوشے کے پاس آتا، اسے اپنا عصا مارتا، تو اس سے خشک اور پکی کھجوریں گر پڑتی اور وہ کھا لیتا تھا اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اچھی اور عمدہ شے میں رغبت نہ رکھتے تھے اور وہ ایسا خوشہ لے آتے جس میں ردی اور گھٹیا قسم کی کھجوریں ہوتی تھیں اور کوئی ایسا خوشہ لے کر آتا جو ٹوٹا ہوا ہوتا اور وہ اسے مسجد میں لٹکا دیتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (آیت) ''یایھا الذین امنوا انفقوا من طیبت ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم باخذیہ الا ان تغمضوا فیہ''۔

فرمایا: اگر تم میں سے کسی کو ایسا ہدیہ دیا جائے جیسا اس نے دیا ہے تو وہ اسے نہ لے گا مگر چشم پوشی کرتے ہوئے اور حیاء کرتے ہوئے، فرمایا پس اس کے بعد ہم میں سے ہر آدمی وہی لاتا تھا جو اس کے پاس عمدہ اور اچھی شے ہوتی تھی، فرمایا: یہ حدیث حسن، غریب، صحیح ہے۔

ہمارے علماء نے بیان کیا ہے کہ وہ مسجد میں ضرورت کے تحت رہتے تھے اور ضرورت کے تحت ہی صدقہ وغیرہ کھاتے تھے، پس جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر خوشحالی کے دروازے کھول دیئے وہ اس حالت سے مستغنی ہو گئے اور نکل گئے پھر وہ مالک بن گئے اور حاکم بن گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان فقراء مہاجرین کے وہ احوال بیان کئے جو ان پر واپس مڑنے کو واجب کرتے ہیں اور فرمایا (آیت) ''الذین احصروا فی سبیل اللہ''۔ اور معنی ہے وہ جو روک دیئے گئے، حضرت قتادہ اور ابن نے کہا ہے: احصروا فی سبیل اللہ''۔ کا معنی ہے: جنہوں نے اپنے آپ کو دشمن کے خوف سے اپنے کاروبار میں تصرف کرنے سے روک

لیا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (آیت) "لا یستطیعون ضربا فی الارض"۔ وہ زمین میں چلنے پھرنے کی استطاعت نہیں رکھتے کیونکہ تمام شہر مکمل طور پر کفر کے زیر تسلط ہیں اور یہ ابتدائے اسلام میں تھا اور انہیں اکتساب دولت سے باز رکھنے کی علت جہاد تھا اور کفار کا اسلام قبول کرنے سے انکار کرنا کاروبار تجارت میں تصرف کرنے سے مانع تھا، نتیجتاً وہ فقراء ہی باقی رہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ (آیت) "لا یستطیعون ضربا فی الارض"۔ کا معنی ہے یعنی کیونکہ انہوں نے جہاد کو لازم پکڑ لیا ہے اور پہلا معنی زیادہ واضح اور ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

قولہ تعالیٰ: (آیت) "یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف"۔ یعنی بے شک ان کے سوال کرنے اور مانگنے کو چھوڑنے اور ترک کرنے کے سبب اور ان کے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کے سبب ناواقف لوگ انہیں مالدار اور اغنیاء گمان کرتے ہیں، اس میں اس پر دلیل موجود ہے، کہ لفظ فقر کا اطلاق اس پر بھی کرنا جائز ہے جس کا لباس بہت قیمتی ہو اور وہ اسے زکوۃ دینے سے مانع نہیں ہوتا، تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو زکوۃ دینے کا حکم ارشاد فرمایا ہے اور وہ ان مہاجرین میں سے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کرتے تھے نہ وہ مریض تھے اور نہ ہی اندھے، اور "التعفف" یہ تفعل کے وزن پر ہے اور یہ عف من الشیء سے مبالغہ کا وزن ہے جب کوئی اس شے سے رکا رہے اور اس کی طلب سے احتیاط برتے، اس معنی کے ساتھ حضرت قتادہ وغیرہ نے تفسیر بیان کی ہے اور یحسبھم میں سین کو فتحہ اور کسرہ دونوں دیئے گئے ہیں اور یہ دو لغتیں ہیں۔

ابوعلی نے کہا ہے: فتحہ زیادہ قیاس کے مطابق ہے کیونکہ اس کی ماضی میں عین کلمہ مکسور ہے، پس اس کا باب مضارع میں مفتوح آتا ہے اور کسرہ کے ساتھ پڑھنا اچھا اور حسین ہے، کیونکہ سماع اسی طرح ہے۔ اگرچہ یہ قیاس کے مقابلہ میں شاذ ہے اور "من التعفف" میں من ابتدائے غایت کے لئے ہے اور بعض نے کہا ہے: یہ بیان جنس کے لئے ہے۔

قولہ تعالیٰ: (آیت) "تعرفھم بسیماھم"۔ اس میں ان پر دلیل موجود ہے کہ شکل وصورت سے کسی پر جو آثار ظاہر ہوتے ہیں ان کا اعتبار میں خاصا اثر ہوتا ہے، یہاں تک کہ جب ہم کسی میت کو دارالاسلام میں دیکھیں اور اس پر زنار ہو (مراد وہ دھاگا سا ہے جو ذمی لوگ اپنی کمر میں باندھتے ہیں) اور وہ غیر مختون ہو تو اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا اور اکثر علماء کے قول کے مطابق اسے دار کے حکم پر آگے کر دیا جائے گا اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے۔

(آیت) "ولتعرفنھم فی لحن القول"۔ (محمد: ۳۰)

ترجمہ: اور آپ ضرور پہچان لیا کریں گے انہیں ان کے انداز گفتگو سے)

پس یہ آیت ایسے آدمی کو صدقہ دینا جائز ہونے پر دلیل ہے جس کے پاس اپنے وقار کو برقرار رکھنے کے لئے لباس، کپڑے وغیرہ موجود ہوں، اور علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے، اگرچہ اس کے بعد اس مقدار میں انہوں نے اختلاف کیا ہے جو ضرورت مند ہونے کی صورت میں وہ لے سکتا ہے، پس امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اتنی مقدار کا اعتبار کیا ہے جس میں زکوۃ واجب ہوتی ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سال کی خوراک کا اعتبار کیا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس درہم کا اعتبار کیا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کمانے والے کو زکوۃ کا مصرف قرار نہیں دیتے۔

اور السیما (الف مقصورہ کے ساتھ) اس کا معنی علامت، نشانی ہے اور کبھی اسے مد کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے: السیماء''۔ اور یہاں اس کے معنی کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے۔

حضرت مجاہد نے کہا ہے: اس سے مراد خشوع اور تواضع ہے، سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: ان کے چہروں پر حاجت اور فاقہ کشی اور تنگدستی کا اثر مراد ہے۔ ابن زید نے کہا ہے: ان کے کپڑوں کا پھٹا پرانا ہونا مراد ہے اور ایک قوم نے کہا ہے اور اسے مکی نے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد سجدوں کا اثر ہے، ابن عطیہ نے کہا ہے: یہ قول اچھا ہے اور یہ اس لئے کہ وہ فارغ اور توکل کرنے والے لوگ تھے ان کا زیادہ تر نماز کے سوا کوئی شغل نہ تھا لہٰذا ان پر سجدوں کے نشانات تھے۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: وہ سیما جس سے مراد سجدوں کا اثر ہے اس میں تو تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مشترک ہیں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح کے آخر میں ارشاد فرمایا ہے:

(آیت) ''سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود''۔ (الفتح:۲۹)

ترجمہ: ان (کین ایمان وعبادت) کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے نمایاں ہے۔

لہٰذا اس معنی میں تو ان کے اور دوسروں کے درمیان کوئی فرق نہ رہا، پس کوئی معنی باقی نہ رہا، مگر یہ کہ سیما سے مراد فقر وافلاس اور حاجت مند ہونے کا اثر ہو یا پھر سجدوں کے نشانات دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ ہوں، وہ رات کے قیام اور دن کے روزوں کی وجہ سے چہروں کی زردی سے پہچانے جاتے تھے۔ واللہ اعلم۔

اور رہا خشوع، تو اس کا محل دل ہے اور اس میں غنی اور فقیر سب مشترک ہوتے ہیں، نتیجتاً جو معنی ہم نے اختیار کیا ہے اس کے سوا کوئی باقی نہیں رہا، والموفق الالہ۔

قولہ تعالیٰ: (آیت) ''لا یسئلون الناس الحافا''۔ الحاف مصدر ہے جو حال کے محل میں واقع ہے، یعنی معنی ملحفین، کہا جاتا ہے: الحف، احفی اور الح سوال میں اصرار کرنے کے معنی میں برابر ہیں اور کہا جاتا ہے، ولیس للملحف مثل الرد.

اور الالحاف اللحاف سے مشتق ہے، سوال کرنے اور مانگنے میں وجوہ طلب پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اسے یہ نام دیا گیا ہے جیسا کہ اللحاف ڈھانپنے کے معنی کو شامل ہوتا ہے، یعنی یہ سائل عوام الناس سے اپنا سوال کرتا ہے اور اپنے سوال میں خوب اصرار کرتا ہے۔ (گویا وہ ان کے ساتھ لپٹ کر سوال کر رہا ہے) اسی معنی میں ابن احمر کا یہ قول ہے:

فظل یحفھن بقفقفیہ ویلحفھن ھفھافا ثخینا:

شاعر شتر مرغ کا ذکر کر رہا ہے کہ وہ انڈوں کو اپنے پیروں کے نیچے چھپا لیتے ہیں اور وہ ان پر اس طرح پر ڈال لیتا ہے جیسا کہ لحاف اور وہ اپنے سخت ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا باریک ہوتا ہے۔

نسائی اور مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے (۱) (صحیح بخاری، باب لا یسئلون الناس الحافا، حدیث نمبر ۱۷۵؛ ضیاء القرآن پبلی کیشنز) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسکین وہ نہیں ہے جسے ایک یا دو کھجوریں اور ایک یا دو لقمے دیئے جاتے ہیں بلکہ مسکین تو پاکدامن بننے والا (سوال کے لئے ہاتھ نہ پھیلانے والا) ہے اگر چاہو تو یہ پڑھ لو (آیت) ''لا یسئلون

الناس الحافا"۔

مسئلہ نمبر: (۵) علماء نے قول باری تعالیٰ، (آیت) "لا یسئلون الناس الحافا"۔ کے معنی میں دو مختلف قول بیان کئے ہیں: پس ایک گروہ نے کہا ہے جن میں طبری اور زجاج ہیں کہ اس کا معنی ہے: وہ قطعاً سوال نہیں کرتے اور یہ اس بنا پر ہے کہ وہ سوال سے کلی طور پر بچتے اور پاکدامن رہتے ہیں، یہی موقف جمہور مفسرین کا ہے اور پاکدامنی کی صفت ان کے لئے ثابت ہوتی ہے یعنی وہ لوگوں سے سوال نہیں کرتے نہ اصرار کے ساتھ اور نہ بغیر اصرار کے، اور ایک گروہ نے کہا ہے: اس سے مراد الحاف کی نفی ہے یعنی وہ اصرار اور لپٹے بغیر تو سوال کرتے رہتے ہیں اور یہ فہم کے زیادہ قریب اور اس میں جلدی آنے والی شے ہے اور اس میں اس کی بری حالت پر تنبیہ ہے جو لوگوں سے لپٹ کر سوال کرتا ہے۔

ائمہ نے روایت کیا ہے اور الفاظ امام مسلم کے ہیں کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم سوال میں اصرار نہ کرو قسم بخدا! تم میں سے کوئی بھی مجھ سے کسی شے کا سوال نہیں کرتا تو اس کا سوال اس کے لئے مجھ سے کوئی شے نکال لاتا ہے اور میں اسے ناپسند کرتا ہوں، پس اس کے لئے اس میں برکت رکھ دی جائے گی جو کچھ میں نے اسے عطا کیا۔"

اور موطا میں ہے، حضرت زید بن اسلم نے حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ نے حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے بنی اسد کے ایک آدمی سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں اور میرے گھر والے بقیع غرقد میں اترے تو میرے گھر والوں نے مجھے کہا: تو رسول اللہ ﷺ کے پاس جا اور آپ سے ہمارے لئے کوئی چیز لے آتا کہ ہم اسے کھائیں اور وہ اپنے حاجت اور ضرورت ذکر کرنے لگے پس میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو میں نے آپ ﷺ کے پاس ایک آدمی کو سوال کرتے ہوئے پایا اور رسول اللہ ﷺ اسے فرمارہے تھے، "لا اجد ما اعطیك" میں کوئی ایسی شے نہیں پاتا جو میں تجھے دوں، وہ آدمی آپ سے پیٹھ پھیر کر لوٹا اس حال میں کہ وہ بڑے غصے میں تھا اور کہہ رہا تھا مجھے اپنی عمر کی قسم بلاشبہ آپ جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بے شک یہ مجھ پر غصے ہورہا ہے کہ میں نے اسے دینے کے لئے کوئی شے نہیں پائی تم میں سے جس نے اس حال میں سوال کیا کہ اس کے پاس ایک اوقیہ (چاندی) یا اس کے برابر (سامان) ہو تو تحقیق اس نے بالاصرار اور لپٹ کر سوال کیا"۔

اسدی نے کہا ہے: پس میں نے کہا ہمارے لئے تو دودھ دینے والی ایک اونٹنی اوقیہ سے بہتر ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: ایک اوقیہ میں چالیس درہم ہوتے ہیں۔ اس آدمی نے بیان کیا تو میں واپس لوٹ گیا اور میں نے آپ سے کچھ نہ مانگا پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس جو اور کشمش لائے گئے تو آپ ﷺ نے انہیں ہمارے لئے تقسیم فرمادیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں غنی فرمادیا۔

ابن عبدالبر نے کہا ہے اسی طرح اسے مالک نے روایت کیا ہے اور ہشام بن سعد وغیرہ نے ان کی اتباع کی ہے اور یہ حدیث صحیح ہے اور علماء کے نزدیک جب صحابہ کا نام نہ لیا جائے تو اس کا حکم کسی دوسرے آدمی کے حکم کی طرح نہیں ہے جب اس کا نام نہ لیا

جائے، کیونکہ تمام صحابہ کرام سے جرح اٹھ چکی ہے اور ان کے لئے عدالت ثابت ہے۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کے لئے سوال کرنا مکروہ ہے جس کے پاس ایک اوقیہ چاندی ہو، پس جس نے سوال کیا اس میں کہ اس کے پاس یہ حد ہو اور اتنی مقدار اور تعداد میں چاندی یا وہ شے ہو جو اس کے قائم مقام ہوتی ہے اور وہ اس کے مساوی ہو تو وہ ملحف ہے (یعنی لپٹ کر سوال کرنے والا ہے) اور میں اہل علم میں سے کسی کو نہیں جانتا مگر ہر کوئی اس کے لئے سوال کو مکروہ قرار دیتا ہے جس کے پاس اتنی مقدار میں چاندی ہو یا اس کے مساوی سونا ہو، یہ حکم اس حدیث کے ظاہر کی بنا پر ہے اور جو شے بغیر سوال کے کسی کے پاس آ جائے تو اس کے لئے اسے کھانا جائز ہے اگر وہ زکوۃ میں سے نہ ہو، اور یہ ان (مسائل) میں سے ہے جس میں میں کسی اختلاف سے واقف نہیں اور اگر وہ شے مال زکوۃ میں سے ہو تو اس میں اختلاف ہے اس کا بیان آیۃ الصدقات میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ابن عبدالبر نے کہا ہے: سوال کے معانی اور اس کی کراہیت کے بارے میں فقہاء جوابات اور اہل ورع کا مذہب بیان کیا گیا ہے اس میں سے احسن ترین وہ ہے جسے اثرم نے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔

آپ سے سوال کرنے کے بارے میں پوچھا گیا کہ یہ کب حلال ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جب اس کے پاس اتنی شے بھی نہ ہو جس سے وہ اپنی صبح اور شام کا کھانا تیار کر سکے، یہ حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق ہے۔

(ابی داؤد، باب من یعطی من صدقۃ وحد الغنا، حدیث نمبر: ۱۳۸۸، ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

ابوعبداللہ (یہ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ہے) کو کہا گیا اگر وہ سوال کرنے پر مجبور ہو جائے، تو آپ نے فرمایا: جب وہ مجبور جائے تو اس کے لئے مانگنا مباح ہے پھر کہا گیا: اور اگر وہ مانگنے سے باز رہے تو؟ آپ نے فرمایا: یہ اس کے لئے بہت بہتر ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: میں: کسی کے بارے یہ گمان نہیں رکھتا کہ وہ بھوک سے مر جائے گا! اللہ تعالیٰ اسے اس کا رزق ضرور عطا فرمائے گا۔ (ماظن احدا یموت من الجوع اللہ یاتیہ برزقہ) پھر آپ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر فرمائی: **من استعف اعفہ اللہ** (۲) (صحیح بخاری، باب الاستعفاف عن المسألۃ حدیث نمبر ۱۳۷۶، ضیاء القرآن پبلی کیشنز) (جو پاکدامنی کا طالب ہو اللہ تعالیٰ اسے پاکدامن کر دے گا (یعنی جو سوال سے رکا رہا اللہ تعالیٰ اسے اس سے محفوظ کر دے گا۔)

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے حضور نبی مکرم ﷺ نے انہیں فرمایا: تعفف" تو پاکدامن رہ (یعنی کسی سے نہ مانگ) ابوبکر نے بیان کیا ہے: میں نے آپ کو سنا۔ آپ سے ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا جا رہا تھا جس کے پاس کوئی شے نہیں ہوتی کیا وہ لوگ سے سوال کر سکتا ہے یا مردار کھا سکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: کیا وہ مردار کھا سکتا ہے جو ایسے آدمی کو پائے جس سے وہ کچھ مانگ سکتا ہو، یہ بہت شنیع اور برا ہے، مزید بیان کیا اور میں نے آپ سے یہ بھی سنا کہ آپ سے سوال کیا گیا کیا آدمی کسی دوسرے کے لئے مانگ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، البتہ وہ تعریض کر سکتا ہے۔ (یعنی اشارۃ توجہ اس کی طرف دلوا سکتا ہے) حضور نبی مکرم ﷺ نے اس وقت فرمایا جب آپ ﷺ کے پاس ایک قوم آئی وہ ننگے پاؤں تھے، بدن پر کپڑے نہ تھے دھاری دار چادروں سے ڈھانپے ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: **تصدقوا** (اے صحابہ) تم صدقہ کرو... نہیں فرمایا: **اعطوھم** تم انہیں دو۔ ابوعمر نے بیان کیا ہے کہ حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: **اشفعوا**

توجروا ''تم مدد کرو تم اجر دیئے جاؤ گے (۱) (صحیح بخاری کتاب الزکاۃ حدیث نمبر ۱۳۴۲ ضیاء القرآن پبلی کیشنز) تو اس میں دوسرے کے لئے سوال کا اطلاق ہے۔ واللہ اعلم، اور فرمایا: الا رجل یتصدق علی ھذا '' کیا کوئی آدمی نہیں جو اس پر صدقہ کر سکتا ہو۔؟ ابوبکر نے بیان کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو کہا گیا ایک آدمی اس آدمی کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے: بے شک وہ محتاج ہے؟ تو آپ نے فرمایا: یہ تعریض ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بے شک سوال تب بنتا ہے کہ وہ کہے: اعطہ تو اسے دے، پھر فرمایا: میرے نزدیک یہ پسندیدہ نہیں ہے کہ آدمی اپنی ذات کے لئے سوال کرے تو پھر کسی دوسرے کے لئے یہ کیسے پسندیدہ ہو سکتا ہے؟ البتہ میرے نزدیک تعریض کرنا پسندیدہ ہے۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: ابوداؤد اور نسائی وغیرہما نے روایت کیا ہے کہ فراسی (بنی فراس بن مالک کا کوئی آدمی) نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ کیا میں سوال کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں اور اگر تو سائل ہے تو پھر ضروری ہے کہ تو صالحین سے مانگ۔'' پس آپ ﷺ نے حاجت و ضرورت کے وقت اہل فضل و صلاح کے سوال کو مباح قرار دیا ہے اور اگر وہ اپنی حاجت اللہ تعالیٰ کے پاس پیش کرے تو یہ اولیٰ ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: لوگوں سے حاجات کا مطالبہ کرنا یہ تیرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب ہے۔ پس تو اپنی حاجت اس کے پاس پیش کر جو ہر قسم کے نفع اور نقصان کا مالک ہے اور چاہیے کہ تیرا بھاگ کر جانا اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اللہ تعالیٰ تجھے اپنے ماسوی سے کافی ہو جائے گا اور تو خوشحال اور مسرور زندگی گزارے گا۔

اگر بغیر مانگے کسی کے پاس کوئی شے آجائے تو اس کے لئے جائز ہے وہ اسے قبول کر لے اور اسے رد نہ کرے کیونکہ وہ رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمایا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے حضرت عطا بن یسار سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف کچھ عطا (ہدیہ تحفہ) بھیجی تو آپ نے اسے واپس لوٹا دیا، تو رسول اللہ ﷺ نے آپ کو فرمایا: ''تم نے اسے کیوں لوٹا دیا ہے؟'' تو آپ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ نے ہمیں بتایا نہیں ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ کوئی شے نہ لے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ وہ سوال کے بارے میں ہے اور رہی وہ شے جو بغیر مانگے مل جائے تو یقیناً وہ رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے تجھے عطا فرمایا ہے۔'' تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ میں کسی سے کسی شے کے بارے میں سوال نہیں کروں گا اور بن مانگے جو شے بھی میرے پاس آئے گی میں اسے لے لوں گا۔

یہ نص ہے مسلم نے اپنی صحیح میں اور نسائی نے اپنی سنن میں (۲) (صحیح بخاری، کتاب الاحکام، حدیث نمبر ۶۶۳۰ ضیاء القرآن پبلی کیشنز) اور ان کے علاوہ دوسروں نے بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہیں کہ انہوں نے بیان کیا میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ حضور نبی مکرم ﷺ مجھے عطیات عطا فرماتے رہتے تھے تو میں عرض کرتا: آپ اسے عطا فرما دیجئے جو مجھ سے زیادہ اس کا محتاج ہے حتی کہ ایک بار آپ ﷺ نے مجھے مال عطا فرمایا تو میں نے عرض کی: آپ مجھ سے زیادہ محتاج اور حاجت مند کو عطا فرما دیجئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے لے لو اور اس مال میں سے جو تمہارے پاس آئے

اور تو نہ اس پر جھانکنے والا ہے اور نہ سوال کرنے والا پس اسے اور اس مال کو لے لو اور تم اس میں اپنے نفس کی اتباع و پیروی نہ کرو"۔
نسائی نے غذہ کے قول کے بعد یہ اضافہ نقل کیا ہے۔" پس تم اسے اپنے پاس جمع کر لو یا اسے صدقہ کر دو"
اور مسلم نے حضرت عبداللہ بن سعدی مالکی سے حدیث نقل کی ہے (۱) (صحیح بخاری، کتاب الاحکام، حدیث نمبر ۷۱۶۳، ضیاء القرآن پبلی کیشنز)، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: **اذا اعطیت شیئا من غیر ان تسال فکل وتصدق**"۔ (کہ جب تمہیں کوئی شے بغیر سوال کے دی جائے تو اسے کھاؤ اور صدقہ کرو) یہ روایت تمہارے لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مرسل حدیث کو صحیح بناتی ہے۔

الاثرم نے کہا ہے: میں نے ابوعبداللہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ان سے حضور نبی مکرم ﷺ کے اس ارشاد کے بارے میں سوال کیا گیا" جو شے تیرے پاس بغیر سوال اور بغیر اشراف کے آجائے" اس میں اشراف سے آپ نے کون سا ارادہ کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ تو اس پر جھانکتا رہے اور اپنے دل میں یہ کہتا رہے، شاید یہ شے میری طرف بھیج دی جائے، آپ سے کہا گیا: اگر چہ وہ تعرض نہ بھی کرے؟ آپ نے فرمایا: ہاں بلاشبہ وہ (اشراف) دل کے ساتھ ہوتا ہے پھر آپ سے کہا گیا: یہ تو بہت سختی ہے آپ نے فرمایا: اگر چہ یہ شدید ہے لیکن یہ اسی طرح ہے۔ آپ سے کہا گیا: اگر کوئی آدمی مجھے عادی نہ بنائے کہ وہ میری طرف کوئی شے بھیجے مگر یہ کہ اس کا خیال میرے دل میں آئے اور میں کہوں: قریب ہے کہ وہ میری طرف کوئی شے بھیجے، تو آپ نے فرمایا: اشراف ہے، پس اگر وہ تیرے پاس آئے اس کے بغیر کہ تو اس کا تصور کرے اور نہ ہی وہ تیرے دل میں کھٹکے تو یہ وہ شے ہے جس میں اشراف نہیں ہے۔

ابوعمر نے کہا ہے: لغت میں الاشراف سے مراد اس شے کی طرف سر اٹھانا ہے جو اس آدمی کے پاس ہو جس کی حرص ہو اور اس شے میں بھی حرص اور طمع ہو۔ اور یہ کہ وہ انسان کو خوش کرے اور یہ تعرض کرنے لگے۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اشراف کی تاویل میں جو کچھ کہا ہے وہ تضییق اور تشدید ہے اور وہ میرے نزدیک بعید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے اس سے درگزر فرمائی ہے جو کچھ ان کے دلوں میں پیدا ہو، نہ زبان اس کے ساتھ بولے اور نہ ہی اعضاء اس کے مطابق عمل کریں، کفر کے سوا گناہوں میں سے دل جن کا اعتقاد رکھے وہ کوئی شے نہیں ہیں یہاں تک کہ وہ اس کے مطابق عمل کرے اور دل میں کھٹکنے والے خیال اور وہم سے بالا جماع درگزر کر لیا گیا ہے۔ (یعنی ان پر کوئی مواخذہ نہیں جب تک انہیں عملی جامہ نہ پہنایا جائے۔)

کسی سے کچھ مانگنے میں اصرار کرنا اور اس سے مستغنی ہونے کے باوجود اس سے لپٹ جانا حرام ہے حلال نہیں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کثرت مال کے باوجود لوگوں سے ان کے مالوں کے بارے سوال کیا تو وہ (آگ کے) انگارے مانگ رہا ہے چاہے وہ قلیل طلب کرے یا زیادہ مانگے" اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور مسلم نے نقل کیا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:" تم میں سے کوئی مسلسل (بھیک) مانگتا رہے گا یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جا ملے گا اور اس کے چہرے میں گوشت (☆) (قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ وہ

قیامت کے دن ذلیل وخوار ہو کر آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی کوئی حیثیت نہ ہوگی اور یہ بھی کہا گیا ہے یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہی محمول ہے اسے اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ اس کے چہرہ میں فقط ہڈیاں ہوں گی گوشت نہ ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب) کا ٹکڑا تک نہ ہوگا۔'' اسے مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح بخاری، باب من سال الناس تکثرا، حدیث نمبر ۱۳۸۱، ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

سائل جب محتاج ہو تو کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ تین بار تک عذر پیش کرتے ہوئے اور ڈراتے ہوئے اپنا سوال بار بار کرے اور ایسا نہ کرنا افضل ہے اور اگر وہ آدمی جس سے سوال کیا گیا ہے وہ اس کے بارے جانتا ہو اور وہ اس پر قادر بھی ہو جو شے اس نے مانگی ہے تو اس پر اسے عطا کرنا واجب ہے اور اگر وہ اس کے بارے ناواقف ہو تو وہ اسے اس خوف سے دے دے کہ ہوسکتا ہے وہ اپنے سوال میں سچا ہو اور وہ اسے واپس لوٹانے میں کامیاب نہ ہوگا۔

اور اگر وہ ایسی شے کا محتاج ہو جس کے ساتھ وہ سنت کو قائم کرسکتا ہے مثلاً ایسے کپڑے کے ساتھ آراستہ ہونا جسے وہ عید اور جمعہ (کی نمازوں) میں پہنتا ہو۔ تو ابن عربی نے ذکر کیا ہے: ''میں نے خلیفہ بغداد کی جامع مسجد میں ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا یہ تمہارا بھائی ہے جو تمہارے ساتھ جمعہ کی نماز میں حاضر ہوتا ہے اور اس کے پاس کپڑے نہیں ہیں جن کے ساتھ یہ جمعہ کی سنت کو قائم کرسکتا ہو۔ پس جب دوسرا جمعہ آیا تو میں نے اس پر دوسرا لباس دیکھا تو مجھے بتایا گیا۔ ابوالطاہر سنی نے اسے یہ لباس پہنایا ہے۔ اور مدح وتعریف حاصل کی ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ بقرہ، بیروت)

بَابُ عَطِيَّةِ مَنْ سَأَلَ بِاللهِ

باب: جو شخص اللہ کے نام پر مانگے اسے عطیہ دینا

1672 - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللهِ فَأَعِيذُوهُ، وَمَنْ سَأَلَ بِاللهِ فَأَعْطُوهُ، وَمَنْ دَعَاكُمْ فَأَجِيبُوهُ، وَمَنْ صَنَعَ إِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ، فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا مَا تُكَافِئُونَهُ، فَادْعُوا لَهُ حَتَّى تَرَوْا أَنَّكُمْ قَدْ كَافَأْتُمُوهُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جو اللہ کے نام کی پناہ مانگے اسے پناہ دو' جو صرف اللہ کے نام پر مانگے اسے کچھ دو اور جو شخص تمہاری دعوت کرے اسے قبول کرو اور جو شخص تمہارے لئے کوئی بھلائی کرے تو تم اسے اس کا بدلہ دو اگر تمہیں اس کا بدلہ دینے کے لئے کچھ نہیں ملتا تو اس کے لئے اتنی دعا کرو کہ تمہیں محسوس ہو کہ اب تم نے اسے بدلہ دے دیا ہے''۔

شرح

مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کو جلد فائدہ واطمینان عطا فرمائے گا بایں طور کہ اسے جلد ہی دولت مند و مالدار بنا دے گا۔ مگر خود جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کو جلد فائدہ واطمینان عطا فرمائے بایں طور کہ اسے جلد ہی دولت مند و مالدار بنا دے گا مگر خود

سنن ابوداؤد اور ترمذی میں کہ جہاں سے یہ روایت نقل کی گئی ہے یہ لفظا جل ہے ہے اور صحیح بھی یہی ہے چنانچہ ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ حدیث قرآن کریم کی اس آیت کریم کی روشنی میں ارشاد فرمائی گئی ہے کہ۔ آیت (وَمَنْ يَتَّقِ اللهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا. وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (65۔الطلاق:3:2۔2) جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے نکلنے کی جگہ پیدا فرما دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے کہ جس کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہوتا ہے۔

کن لوگوں کے لیے سوال کرنے کی اجازت ہے

حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک ایسے قرضہ کی ضمانت لی جو دیت کی وجہ سے تھا چنانچہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ادائیگی قرض کے لئے کچھ رقم یا مال کا سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کچھ دن ٹھہرے رہو، جب ہمارے پاس زکوۃ کا مال آئے گا تو اس میں سے تمہیں دینے کے لئے کہہ دیں گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبیصہ! صرف تین طرح کے لوگوں کے لئے سوال کرنا جائز ہے ایک تو اس شخص کے لئے جو کسی کے قرض کا ضامن بن گیا ہو بشرطیکہ مانگنے میں مبالغہ نہ کرے بلکہ اتنے ہی مال یا رقم کا سوال کرے کہ اس سے قرضہ کو ادا کر دے اور اس کے بعد پھر نہ مانگے، دوسرے اس شخص کے لئے جو کسی آفت و مصیبت مثلاً قحط و سیلاب وغیرہ میں مبتلا ہو جائے اور اس کا تمام مال ہلاک و ضائع ہو جائے، چنانچہ اس کو صرف اس قدر مانگنا جائز ہے جس سے اس کی غذا و لباس کی ضرورت پوری ہو جائے یا فرمایا کہ اس قدر مانگے کہ اس کی محتاجگی دور ہو جائے اور اس کی زندگی کے لئے سہارا ہو جائے، تیسرے اس شخص کے لئے جو غنی ہو مگر اس کو کوئی ایسی سخت حاجت پیش آ گئی ہے جسے اہل محلہ بھی جانتے ہوں مثلاً گھر کا تمام مال و اسباب چوری ہو جائے یا اور کسی مصیب وحادثے سے دوچار ہونے کے وجہ سے ضرورت مند بن جائے اور قوم محلہ و بستی کے تین صاحب عقل و فراست لوگ اس بات کی شہادت دیں کہ واقعی اسے سخت حاجت پیش آ گئی ہے تو اس کے لئے اس قدر مانگنا جائز ہے جس سے اس کی ضرورت پوری ہو جائے۔ یا فرمایا کہ اس کی وجہ سے اس کی محتاجگی دور ہو جائے اور اس کی زندگی کا سہارا ہو جائے۔ قبیصہ! ان تین کے علاوہ کسی اور کو سوال کرنا حرام ہے اگر کوئی شخص ان تین مجبوریوں کے علاوہ دست سوال دراز کر کے کسی سے کچھ لے کر کھاتا ہے تو وہ حرام کھاتا ہے۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 334)

حمالہ" اس مال کو کہتے ہیں جو کسی شخص پر دیت کے طور پر کچھ لوگوں کو دینا ضروری ہو اور کوئی دوسرا شخص اس مال کی عدم ادائیگی کی بناء پر آپس کے لڑائی جھگڑے کو نمٹانے کے لئے درمیان میں پڑ جائے اور وہ مال اپنے ذمہ لے لے اور اس کی وجہ سے قرض دار ہو جائے۔ حدیث کے آخر میں تین صاحب عقل و فراست لوگوں کی شہادت کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ احتیاج و ضرورت کے واقعی اور حقیقی ہونے کے لئے بطور مبالغہ ہے نیز اس بات کا احساس پیدا کرنے کے لئے کہ لوگ دست سوال دراز کرنے کو آسان نہ سمجھیں اور اس برے فعل سے بچتے رہیں۔

بَابُ الرَّجُلِ يُخْرِجُ مِنْ مَالِهِ

باب: جوشخص اپنے مال کو (اللہ کی راہ میں) نکال دے

1673 - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ بِمِثْلِ بَيْضَةٍ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَصَبْتُ هَذِهِ مِنْ مَعْدِنٍ، فَخُذْهَا فَهِيَ صَدَقَةٌ، مَا أَمْلِكُ غَيْرَهَا، فَأَعْرَضَ عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ أَتَاهُ مِنْ قِبَلِ رُكْنِهِ الْأَيْمَنِ، فَقَالَ: مِثْلَ ذَلِكَ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ أَتَاهُ مِنْ قِبَلِ رُكْنِهِ الْأَيْسَرِ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ أَتَاهُ مِنْ خَلْفِهِ، فَأَخَذَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَذَفَهُ بِهَا، فَلَوْ أَصَابَتْهُ لَأَوْجَعَتْهُ، أَوْ لَعَقَرَتْهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَأْتِي أَحَدُكُمْ بِمَا يَمْلِكُ، فَيَقُولُ: هَذِهِ صَدَقَةٌ، ثُمَّ يَقْعُدُ يَسْتَكِفُّ النَّاسَ، خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى.

✿✿ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے۔ اسی دوران ایک شخص سونے کا انڈہ لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی: یارسول اللہ! مجھے یہ ایک کان میں سے ملا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے لے لیجئے یہ صدقہ ہے ویسے میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منہ پھیر لیا۔ پھر وہ دائیں طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کی مانند بات کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس سے منہ پھیر لیا پھر وہ بائیں طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس سے منہ پھیر لیا پھر وہ پیچھے کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سونے کو لیا اور اسے پھینکا' اگر وہ سونا اس شخص کو لگتا تو اسے چوٹ لگتی' بلکہ وہ زخمی بھی ہوسکتا تھا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کوئی شخص اپنا سارا مال لے کر آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ صدقہ ہے اور پھر خود لوگوں سے مانگنے کے لیے بیٹھ جاتا ہے۔ سب سے بہتر صدقہ وہ ہے' جسے کرنے کے بعد آدمی خود خوشحال رہے"۔

1674 - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ، عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ، بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ، زَادَ: خُذْ عَنَّا مَالَكَ لَا حَاجَةَ لَنَا بِهِ

✿✿ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے' تاہم اس میں یہ الفاظ زائد ہیں۔

"تم اپنا مال لے لو ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے"۔

1675 - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعْدٍ، سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، يَقُولُ: دَخَلَ رَجُلٌ الْمَسْجِدَ، فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ اَنْ يَطْرَحُوا ثِيَابًا فَطَرَحُوا، فَاَمَرَ لَهُ بِثَوْبَيْنِ، ثُمَّ حَثَّ عَلَى الصَّدَقَةِ، فَجَاءَ، فَطَرَحَ اَحَدَ الثَّوْبَيْنِ، فَصَاحَ بِهِ، وَقَالَ: خُذْ ثَوْبَكَ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص مسجد میں داخل ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا' تو انہوں نے اپنے کپڑے (صدقے کے طور پر) پیش کئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو دو کپڑے دینے کا حکم دیا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (کچھ عرصہ بعد) صدقہ کرنے کی ترغیب دی تو وہ شخص آیا اور ان دو کپڑوں میں سے ایک کپڑا پیش کر دیا۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز میں اسے فرمایا: تم اپنا کپڑا لے لو۔

1676 - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْاَعْمَشِ، عَنْ اَبِي صَالِحٍ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ خَيْرَ الصَّدَقَةِ مَا تَرَكَ غِنًى، اَوْ تُصُدِّقَ بِهِ عَنْ ظَهْرِ غِنًى، وَابْدَاْ بِمَنْ تَعُولُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''سب سے بہترین صدقہ وہ ہے' جسے کرنے کے بعد آدمی خوشحال رہے (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں:) اور تم اس شخص پر خرچ کرنے سے آغاز کرو جو تمہارے زیر کفالت ہو''۔

بَابٌ فِي الرُّخْصَةِ فِي ذٰلِكَ

باب: اس بارے میں رخصت

1677 - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَيَزِيدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ مَوْهَبٍ الرَّمْلِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ جَعْدَةَ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، اَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اَيُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: جُهْدُ الْمُقِلِّ، وَابْدَاْ بِمَنْ تَعُولُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کی: یارسول اللہ! کون سا صدقہ سب سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تنگ دست شخص کا محنت کر کے صدقہ کرنا اور تم اس پر خرچ سے آغاز کرو جو تمہارے زیر کفالت ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق کے لیے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کافی ہے

1678 - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، وَعُثْمَانُ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ، وَهٰذَا حَدِيثُهُ، قَالَا: حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ، عَنْ اَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ: اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا اَنْ نَتَصَدَّقَ، فَوَافَقَ ذٰلِكَ مَالًا عِنْدِي، فَقُلْتُ: الْيَوْمَ اَسْبِقُ اَبَا بَكْرٍ اِنْ سَبَقْتُهُ يَوْمًا، فَجِئْتُ بِنِصْفِ مَالِي، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

1677- اسناده صحيح. الليث: هو ابن سعد، و ابو الزبير: هو محمد بن مسلم بن تدرس الاسدي مولاهم. وهو في "مسند احمد" (8703)، و "صحيح ابن حبان" (3346).

وَسَلَّمَ: مَا اَبْقَيْتَ لِاَهْلِكَ؟، قُلْتُ: مِثْلَهُ. قَالَ: وَاَتٰى اَبُوْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِكُلِّ مَا عِنْدَهُ. فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا اَبْقَيْتَ لِاَهْلِكَ؟ قَالَ: اَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ. قُلْتُ: لَا اُسَابِقُكَ اِلٰى شَيْءٍ اَبَدًا

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت اتفاق سے میرے پاس مال بھی موجود تھا۔ میں نے سوچا آج اگر میں چاہوں' تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سبقت لے جاسکتا ہوں۔ میں اپنا نصف مال لے کر (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں) آیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت کیا: تم نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا ہے؟ میں نے عرض کی: اس کی مانند (جو میں لے کر آیا ہوں) راوی بیان کرتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے پاس موجود سارا مال لے آئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا: تم نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا ہے؟ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں نے ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑا ہے

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:) میں نے سوچا اب میں کسی چیز میں ان کے ساتھ مقابلہ نہیں کروں گا (یعنی میں کسی معاملے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سبقت نہیں لے جاسکتا)

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

ولادتِ باسعادت:

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت واقعہ فیل کے تقریباً دو سال چار ماہ بعد ہوئی۔ (الاکمال فی اسماء الرجال للخطیب التبریزی)

حافظ ابن عساکر، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کرتے ہیں، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لما ولد ابوبکر الصدیق اقبل اللہ تعالیٰ علی جنۃ عدن فقال وعزتی وجلالی لا ادخلک الا من یحب ھذا المولود

جب ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کی ولادت ہوئی تو اللہ تعالیٰ جنت عدن سے مخاطب ہو کر فرمایا: مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! اے جنت! تجھ میں صرف ان ہی لوگوں کو داخل کروں گا جو اس نومولود سے محبت رکھیں گے۔ (مختصر تاریخ دمشق، جلد 13، صفحہ 69)

نام مبارک اور نسب شریف:

شرح مواہب زرقانی ج 1، ص 445 میں ہے کہ حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی زمانہ جاہلیت میں عبد رب الکعبہ تھا اور" الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" میں عبدالکعبہ مذکور ہے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل کر کے عبداللہ تجویز فرمایا: عبد الله بن أبي قحافة أبو بكر الصديق رضي الله عنهما. كان اسمه في الجاهلية عبد الكعبة فسماه رسول الله صلى الله عليه وسلم عبد الله. هذا قول أهل النسب

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب المؤلف: أبو عمر یوسف بن عبد اللہ القرطبی، المتوفی: 463ھ، جلد 1 صفحہ 294)

آپ کے والد ماجد ابوقحافہ کانام "عثمان" تھا، جن کا تعلق بنوتیم قبیلہ سے تھا اورنسب مبارک اس طرح ہے۔ ابوقحافہ عثمان بن عامر بن عمر بن کعب بن سعد بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر القرشی التیمی

آپ کے والدہ ماجدہ کا نام "ام الخیر سلمیٰ" تھا، ان کا نسب مبارک اس طرح ہے۔ سلمیٰ بنت صخر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم۔ (الکامل فی التاریخ ،جلد 2 ص402)

القاب مبارکہ

آپ "عتیق" اور" صدیق" کے مبارک القاب سے ممتاز ہیں؛ جب کہ آپ کی کنیت ابوبکر ہے۔

" بکر" کے معنی اولیت ،سبقت اور پیش قدمی کے ہیں" ابو" کے معنی والے اور والد کے آتے ہیں،تو" ابوبکر" کے معنی سبقت کرنے ،پہل کرنے والے کے ہوئے چنانچہ آپ ہر خیر کے کام میں سبقت فرمایا کرتے۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرد حضرات میں سب سے پہلے اسلام قبول فرمایا ہے جب کہ صاحبزادوں میں سب سے پہلے مولی کائنات حضرت سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول فرمایا اور خواتین میں حضرت سیدتنا خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا مشرف با اسلام ہوئیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دین اسلام کی اشاعت میں سب سے پہلے اپنا مال خرچ کرنے کی سعادت حاصل کی ،اسلام قبول کرنے کے موقع پر آپ کے پاس چالیس ہزار اشرفیاں تھیں آپ نے وہ سب کی سب راہ خدا میں خرچ کرڈالیں۔

عتیق:

آپ کو عتیق کیوں کہا جاتا ہے؟اس کی چندوجوہ حسب ذیل ہیں:

پہلی وجہ

آپ کی والدہ ماجدہ کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی ، جب آپ کی ولادت شریفہ ہوئی تو آپ کی والدہ محترمہ آپ کو بیت اللہ شریف لے گئیں اور دعا کی:" اے اللہ انہیں موت سے آزاد کر کے میری خاطر زندگی عطا فرمادے" دعا قبول ہوئی اور آپ کا لقب مبارک عتیق ہوگیا۔ (مختصر تاریخ دمشق جلد 13 ص35 ،شرح مواہب زرقانی، ج1 ص445)

دوسری وجہ

جامع ترمذی شریف اور زجاجۃ المصابیح شریف میں اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حدیث پاک مروی ہے:

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أَبَابَكْرٍ دَخَلَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَنْتَ عَتِيقُ اللَّهِ مِنَ النَّارِ فَيَوْمَئِذٍ سُمِّيَ عَتِيقًا.

ترجمہ: اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم من جانب اللہ جہنم کی آگ سے

آزاد(محفوظ) ہیں' اسی دن سے آپ کو عتیق کہا جانے لگا۔

(جامع ترمذی شریف، ابواب المناقب، باب مناقب أبي بكر الصديق رضي الله عنه، حديث نمبر: 3612۔ زجاجة المصابيح، كتاب المناقب، ج5ص248)

ونیز اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے دوسری روایت ہے، آپ فرماتی ہیں: ایک دن میں اپنے گھر میں موجود تھی، باہر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے، میرے اور صحابہ کے درمیان پردہ حائل تھا، اچانک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا:

من سرہ ان ینظر الی عتیق من النار فلینظر الی ابی بکر-

ترجمہ: جو دوزخ سے آزاد شخص کو دیکھنا پسند کرے وہ ابوبکر کی زیارت کرے۔

(تاریخ دمشق، جلد13، ص35، الریاض النضرۃ جلد1، ص78)

تیسری وجہ: آپ کے نسب میں کوئی عیب نہ ہونے اور حسن نسب کی وجہ سے عتیق کہا گیا۔

-وكان يقال له: عتيق واختلف العلماء في المعنى الذي قيل له به عتيق. فقال الليث بن سعد وجماعة معه: إنما قيل له عتيق لجماله وعتاقة وجهه. وقال مصعب الزبيري وطائفة من أهل النسب: إنما سمي أبو بكر عتيقاً لأنه لم يكن في نسبه شيء يعاب به. وقال آخرون: كان له أخوان أحدهما: يسمى عتيقاً مات عتيق قبله. فسمي باسمه.

(الاستيعاب في معرفة الأصحاب المؤلف: أبو عمر يوسف بن عبد الله القرطبي، المتوفى:463ھ، جلد1 صفحہ 294)

چوتھی وجہ:

عتیق معنی قدیم، آپ کیونکہ قدیم الاسلام ہیں اور ابتداء ہی سے خیر اور بھلائی آپ کے لئے مقدر ہو چکی تھی اس لئے عتیق ٹھہرے۔ -لقدمه في الخير ولسبقه الى الاسلام (زرقانی، جلد1، ص445)

صدیق

آپ کا سب سے مشہور لقب صدیق ہے،

وسمي الصديق لبدارة إلى تصديق رسول الله صلى الله عليه وسلم في كل ما جاء به صلى الله عليه وسلم. وقيل: بل قيل له الصديق لتصديقه له في خبر الاسراء،

آپ نے ہر معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے میں پہل کی، اس لئے آپ کا لقب صدیق رکھا گیا

اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ لقب "صدیق"

سنن دیلمی میں، اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "

یا أبا بكر إن الله سماك الصديق ".

ترجمہ: اے ابوبکر اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام "صدیق" رکھا ہے۔

حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے منقول ہے کہ یہ لقب اللہ رب العزت نے نازل فرمایا: آپ حلفیہ بیان کرتے ہیں: لانزل الله عزوجل اسم ابی بکر من السماء الصدیق۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کے لئے صدیق کا لقب آسمان سے نازل فرمایا۔ (مختصر تاریخ دمشق، جلد، 13، ص 52)

واقعہ معراج کی تصدیق

تاریخ الخلفاء میں امام حسن بصری اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: وأول ما اشتهر به صبيحة الاسراء

آپ کا یہ لقب شب معراج کے اگلے دن کی صبح سے مشہور ہوا۔ (تاریخ الخلفاء، ص، 11)

مستدرک علی الصحیحین اور تاریخ الخلفاء میں روایت ہے: عن عائشة رضي الله عنها قالت جاء المشركون إلى أبي بكر فقالوا هل لك إلى صاحبك يزعم أنه أسري به الليلة إلى بيت المقدس قال أو قال ذلك؟ قالوا نعم فقال لقد صدق إني لأصدقه بأبعد من ذلك بخبر السماء غدوة وروحة فلذلك سمي الصديق

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ شب معراج کے اگلے دن مشرکین مکہ حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا، اپنے صاحب کی اب بھی تصدیق کرو گے؟، انہوں نے دعوٰی کیا ہے "راتوں رات بیت المقدس کی سیر کر آتے ہیں" ابوبکر صدیق نے کہا: "بیشک آپ نے سچ فرمایا ہے، میں تو صبح وشام اس سے بھی اہم امور کی تصدیق کرتا ہوں"۔ اس واقعہ سے آپ کا لقب صدیق مشہور ہوگیا (تاریخ الخلفاء، ص، 11)

کنیت، ابوبکر

عرب میں بالعموم کنیت کا رواج تھا، یہ کبھی اولاد کے نام پر ہوتی ہے، جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم ہے اور کبھی کسی اور مناسبت کے پیش نظر رکھ دی جاتی، جیسے ابوہریرہ، ابوتراب وغیرہ۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا آسمانی نام

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ جبریل امین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق کا قریب سے گزر ہوا، حضرت جبریل نے عرض کیا، یارسول اللہ! وہ ابوقحافہ کے صاحبزادے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم آسمان میں رہنے والے بھی انہیں پہچانتے ہو؟ جبریل امین نے عرض کی:

والذي بعثك بالحق لهو في السماء اشهر منه في الارض، وان اسمه في السماء الحليم

ترجمہ: قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق ورسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا! حضرت ابوبکر کا زمین کی نسبت آسمانوں پر زیادہ شہرہ ہے، وہاں ان کا نام حلیم ہے۔ (الریاض النضرۃ، ج 1، ص 82)

تفسیر قرطبی میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت مذکور ہے: حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ [illegible] سارا

مال ومتاع راہ خدا میں خرچ کرنے کے بعد ایک پیوندزدہ عباء پہن کر حاضر بارگاہ ہوئے جس میں گنڈیوں کی جگہ کانٹے لگے ہوئے تھے، اسی لمحہ طائر سدرہ جبریل امین پیغام خداوندی لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ صدیق اکبر کو سلام فرماتا ہے، آپ اُن سے دریافت کریں کہ وہ اس فقر کی حالت میں اپنے رب سے راضی ہیں کہ نہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جب حضرت صدیق سے فرمایا تو آپ بے اختیار رو پڑے اور کہنے لگے میں اپنے رب سے ناراض کیسے ہوسکتا ہوں؟ بے شک میں اپنے رب سے راضی ہوں، اس کو تین بار دہراتے رہے۔ حضرت جبریل نے عرض کیا: حضور! بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے؛ میں اُن سے راضی ہو چکا ہوں جس طرح وہ مجھ سے راضی ہے۔ اور اللہ کے حکم سے تمام حاملین عرش بھی وہی لباس پہنے ہوئے ہیں جو آپ کے صدیق نے پہنا۔ (تفسیر قرطبی، سورۃ الحدید، آیت نمبر:10)

حلیہ مبارک:

آپ کا رنگ سفید، رخسار ہلکے ہلکے، چہرہ باریک اور پتلا، پیشانی بلند، منحنی جسم، چادر باندھتے تو نیچے ڈھلک جاتی اور داڑھی کو سرخ سیاہ مدبی لگایا کرتے۔ (الکامل فی التاریخ، ج2، ص420)

قریش کے مشہور قبیلہ قارہ کے سردار ابن دغنہ نے آپ کے اوصاف حسنہ کا بایں الفاظ اعتراف کیا: **إنك لتصل الرحم وتصدق الحديث وتكسب المعدوم وتحمل الكل وتعين على نوائب الدهر وتقري الضيف.**

؛اے ابوبکر! بے شک آپ ناداروں کی مدد کرتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور راہِ حق میں مصیبت زدہ افراد کے کام آتے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء، 12)

عہد جاہلیت میں بھی آپ معزز ومکرم

امام نووی فرماتے ہیں: **وكان من رؤوساء قريش في الجاهلية وأهل مشاورتهم ومحبباً فيهم وأعلم لمعالمهم.**

ترجمہ؛ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا شمار دور جاہلیت میں قریش کے سرداروں اور اہل مشاورت میں ہوتا تھا، آپ کی شخصیت نہایت محبوب تھی، قریش کے معاملات کو بہتر طور پر سمجھتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص، 12)

خواب میں قبولیت اسلام کی بشارت

اعلان نبوت سے پہلے آپ نے ایک عجیب وغریب خواب دیکھا، آسمان پر چودھویں کا چمکتا ہو چاند اچانک پھٹ گیا، اس کے ٹکڑے مکہ کے ہر گھر میں بکھر میں گئے پھر یہ ٹکڑے سمٹ کر اکٹھے ہوئے اور یہ چمکتا ہوا چاند آپ کی گود میں آ گیا۔

آپ نے یہ خواب اہل کتاب کے عالم کو سنایا تو اُس نے تعبیر بتائی کہ وہ نبی محتشم جن کا انتظار ہے؛ اس نبی آخرالزماں کے آپ معاون ومددگار رہوں گے۔ تو جب حضور کی بعثت ہوئی تو آپ نے بلاتوقف بغیر کسی پس وپیش کے اسلام قبول کرلیا۔

جیسا کہ سبل الہدی والرشاد میں ہے: **أنه رأى رؤيا قبل، وذلك أنه رأى القمر نزل إلى مكة ثم رآه قد تفرق على جميع منازل مكة وبيوتها فدخل في كل بيت شعبة. ثم كان جميعه في حجره. فقصها على**

بعض أهل الكتابين فعبرها له بأن النبي صلى الله عليه وسلم -المنتظر قد أظل زمانه، اتبعه وتكون أسعد الناس به. فلما دعاه رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يتوقف. (سبل الہدی والرشاد، ج 2، ص 303)

مدح صدیق اکبر بزبان حسان بن ثابت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا، سب سے پہلے کس نے اسلام قبول کیا؟ آپ نے فرمایا، کیا تم نے حضرت حسان کے یہ اشعار نہیں سنے:

إذا تذكرت شجواً من أخي ثقةٍ... فاذكر أخاك أبا بكرٍ بما فعلا

خير البرية أتقاها وأعدلها... بعد النبي وأوفاها بما حملا

والثاني التالي المحمود مشهده... وأول الناس ممن صدق الرسل

جب تم اپنے سچے بھائی کے دکھ درد کو یاد کرنے لگو تو اپنے بھائی ابوبکر کے کارناموں کو یاد کر لینا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد تمام مخلوق میں سب سے بہتر، سب سے زیادہ متقی اور عادل ہیں۔ آپ حقوق و ذمہ داریوں کو نبھانے میں سب سے زیادہ وفادار ہیں، آپ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یار غار، آپ کے تابع، ہمیشہ ساتھ رہنے والے اور ممدوح و مرجع خلائق ہیں، آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں؛ جنہوں نے سب سے پہلے رسولوں کی تصدیق کی۔ (الاستیعاب، ج 1، ص 294، زرقانی، ج 1، ص 445)

آخری مصرع میں آپ کی اسلام میں اولیت کی زبردست شہادت ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اسے بیان کرنے اور آپ کے سماعت فرمانے سے اس کی ثقاہت واہمیت محتاج بیان نہیں۔ اس کے علاوہ مزید دو اشعار درج ذیل ہیں:

والثاني اثنين في الغار المنيف وقد... طاف العدو به إذ صعدوا الجبلا

وكان حب رسول الله قد علموا... خير البرية لم يعدل به رجلا

اس بلند پہاڑ پر واقع غار میں دو معزز شخصیات میں سے دوسرے آپ ہی تھے؛ جب پہاڑی پر چڑھنے کے بعد دشمن غار کے اردگرد منڈلانے لگے۔

آپ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں، سب کو معلوم ہے کہ آپ تمام مخلوق میں (انبیاء کے بعد) سب سے بہتر ہیں اور کوئی بھی ان کے برابر نہیں۔ (الاستیعاب، ج ا، ص 295)

درس نظامی کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے: افضل البشر بعد نبينا صلى الله عليه وسلم ابو بكر الصديق رضى الله عنه (شرح عقائد نسفی، 107)

صدیق اکبر کی منقبت سننا سنت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے

حافظ ابن عساکر بیان کرتے ہیں، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ہل قلت فی ابی بکر شیئا؟ کیا ابوبکر کے بارے میں بھی کچھ کہا ہے؟ عرض کی ہاں! پھر آپ نے درج بالا اشعار سنائے۔

فسر النبی بذلك فقال احسنت یاحسان

اشعار سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار مسرت کیا اور فرمایا: اے حسان! تم نے خوب کہا۔ (الاستیعاب، ج۱، ص295)

کنز العمال میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قل وانا اسمع صدیق کی منقبت کہو میں سننا چاہتا ہوں، حضرت حسان بن ثابت منقبت سنا چکے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم خوش ہو گئے، اور مسکراہٹ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حسان! تم نے سچ کہا ہے واقعی صدیق ایسے ہی ہیں جیسے تم نے بیان کیا۔

فضحك رسول الله صلی الله علیه وسلم حتی بدت نواجذه وقال: "صدقت یا حسان"! هو کما قلت (کنز العمال، حدیث نمبر:35673)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ "نعت" کی طرح منقبت صدیق اکبر کی سماعت بھی سنت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور منقبت سنانا سنت صحابہ ہے نیز حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مدح سرائی پر اظہار مسرت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے۔

مصدق اول:

حضرت ابولدردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الله بعثنی الیکم فقلتم: کذبت، وقال ابوبکر: صدق

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے تم سب کی طرف مبعوث فرمایا تو سب نے میری تکذیب کی، جب کہ ابوبکر نے میری تصدیق کی۔ (صحیح بخاری، ج1، ص517، حدیث نمبر:3261)

صدیق اکبر کے لئے تمام ایمانداروں کا ثواب

آپ کے ایمان کی اولیت کا اس حدیث سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے جسے خطیب بغدادی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت مولائے کائنات سیدنا علی کرم اللہ وجہ الکریم سے روایت کیا، آپ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو فرمایا:

یا ابابکر ان الله اعطانی ثواب من آمن لی منذ خلق آدم الی ان بعثنی، وان الله اعطاك یا ابابکر ثواب من آمن بی منذ بعثنی الی ان تقوم الساعة

ترجمہ: اے ابوبکر! آدم علیہ السلام سے لے کر میری بعثت تک جو کوئی بھی مجھ پر ایمان لایا ہر ایک کا ثواب اللہ تعالیٰ مجھے پہنچائے گا اور اے ابوبکر! میری بعثت سے تا قیامت تمام ایمان داروں کا ثواب تجھے ملے گا۔

(تاریخ بغداد، ج4، ص252)

حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ گلزار اولیاء میں رقمطراز ہیں: افضل البشر بعد از انبیاء سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ

عنہ۔

وصال مبارک

آپ کا وصال مبارک شہر مدینہ منورہ میں مغرب وعشاء کے درمیان 22! جمادی الاخری 13ھ میں ہوا، اُس وقت آپ کی عمر شریف ترسٹھ سال کی تھی۔ حسب الوصیت آپ کے آپ کو کفنا کر دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لے جایا گیا، حجرۂ مبارک کے سامنے رکھ کر عرض کیا گیا، یا رسول اللہ! یہ ابوبکر حاضر ہیں۔× انہوں نے وصیت کی تھی کہ اگر خود بخود دروازہ مبارک کھلے تو آپ کے پہلوئے مبارک میں دفن کرنا ورنہ بقیع میں لے جانا× ابھی یہ الفاظ پورے نہیں کہنے پائے تھے کہ خود بخود دروازہ کھلا اور سبھوں نے اندر سے یہ آواز سنی کہ: حبیب کو حبیب کے پاس لے آؤ۔ یہ سن کر حاضرین نے آپ کو حجرۂ مبارک کے اندر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا۔

جیسا کہ تفسیر رازی میں ہے: أما أبو بكر رضى الله عنه فمن كراماته أنه لما حملت جنازته إلى باب قبر النبي صلى الله عليه وسلم ونودي السلام عليك يا رسول الله هذا أبو بكر بالباب فإذا الباب قد انفتح وإذا بهاتف يهتف من القبر ادخلوا الحبيب إلى الحبيب

(تفسیر کبیر، تفسیر نیسابوری، تفسیر رازی، سورۃ الکہف، آیت نمبر: 9)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے احسان کا بیان

آپ بے شمار کمالات کے حامل اور بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ کی شان وعظمت میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات نازل فرمائیں۔ آپ کا صحابی ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے، اگر کوئی آپ کے صحابی ہونے کا انکار کرے تو وہ کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متقی ہونے کی شہادت دی ہے، جس سے یہ معلوم ہوا کہ اس امت کے آپ سب سے پہلے متقی ہیں اور قیامت تک پیدا ہونے والے سارے متقیوں کے سردار ہیں۔

آپ کی شان اقدس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی ارشادات ہیں۔ ۱۳۱۶ احادیث ایسی ملتی ہیں، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام لے کر آپ کے فضائل ومناقب کا اظہار فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمام لوگوں میں سب سے بڑھ کر مجھ پر اپنی صحبت اور اپنے مال سے احسان کرنے والے حضرت ابوبکر ہیں'' (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہم پر کسی کا احسان نہیں، مگر ہم نے اس کا بدلہ دے دیا سوائے ابوبکر کے، کیونکہ ہم پر ان کا اتنا احسان ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہی ان کا بدلہ دے گا اور کسی کے مال نے مجھے اتنا نفع نہیں دیا، جتنا نفع ابوبکر کے مال نے دیا ہے۔ اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو میں ابوبکر کو خلیل بناتا، لیکن تمہارا صاحب تو اللہ کا خلیل ہے''۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم غار میں ساتھ تھے اور حوض کوثر پر بھی میرے ساتھ ہوگے''۔ (ترمذی)

ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمھیں اللہ تعالیٰ نے آگ سے آزاد کر دیا ہے''۔ اس روز سے آپ کا نام ''عتیق'' پڑ گیا۔ (ترمذی)

ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے آسمان کی طرف نظر اُٹھائی اور بے شمار ستاروں کو دیکھ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: ''یارسول اللہ! دنیا میں کوئی شخص ایسا ہے، جس کی نیکیاں ستاروں کی تعداد کے برابر ہوں؟''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں''۔ میں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! وہ کون خوش نصیب ہے؟''۔ فرمایا: ''عمر بن خطاب''۔ میں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! میرے والد کی نیکیوں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟''۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عمر تو صدیق اکبر کی ان گنت نیکیوں میں سے ایک نیکی ہے''۔ (نزہۃ المجالس)

تفسیر رازی میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انگوٹھی یہ کہتے ہوئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دی کہ اس پر ''لا الہ الا اللہ'' نقش کروا کر لائیں۔ آپ نقاش کے پاس پہنچے اور اس سے کہا: ''اس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' نقش کردو۔ چنانچہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ انگوٹھی لے کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس پر ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر صدیق'' نقش تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر سے ان زائد کلمات کے متعلق دریافت فرمایا تو آپ عرض گزار ہوئے: ''یارسول اللہ! مجھے یہ بات پسند نہ آئی کہ اللہ تعالیٰ کے نام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام علحدہ رہے، مگر آگے جو کلمات درج ہیں اس میں میرا کوئی عمل دخل نہیں''۔ اسی اثناء میں حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور حقیقت احوال سے آگاہ کرتے ہوئے عرض کیا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرے حبیب کے نام کو صدیق نے میرے نام سے علحدہ رکھنا پسند نہیں کیا تو مجھے بھی یہ بات پسند نہ آئی کہ صدیق کا نام حبیب کے نام سے علحدہ رکھوں، یہ نام میں نے نقش کیا ہے''۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وصال ۲۲ رجمادی الآخر سنہ ۱۳ھ میں ہوا اور آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے مبارک میں دفن ہوئے۔ (بحوالہ واقدی، حاکم)

بَابٌ فِيْ فَضْلِ سَقْيِ الْمَاءِ

باب: پانی پلانے کی فضیلت

1679 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ سَعِيدٍ، أَنَّ سَعْدًا، أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَيُّ الصَّدَقَةِ أَعْجَبُ إِلَيْكَ؟ قَالَ: الْمَاءُ

❁❁ سعید بیان کرتے ہیں: حضرت سعد رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے دریافت کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کون سا صدقہ زیادہ پسند ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی۔

پانی سے روکنے کی ممانعت کا بیان

حضرت بہیسہ رضی اللہ عنہا اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ انہوں نے (یعنی ان کے والد نے) عرض کیا کہ یا

رسول اللہ! وہ کونسی چیز ہے جس سے منع کرنا اور اس کے دینے سے انکار کرنا حلال نہیں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" پانی" انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ کون سی چیز ہے جس کو دینے سے انکار کرنا حلال نہیں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نمک۔ انہوں نے پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ کونسی چیز ہے جس سے منع کرنا حلال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بھلائی کرنا جو تمہارے لئے بہتر ہے۔ (ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 414)

پانی" کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہاری زمین میں کنواں وتالاب ہے یا تمہارے گھر میں نل وغیرہ ہے اس سے کوئی شخص پانی لیتا ہے تو اسے پانی لینے روکنا مناسب نہیں ہے۔ اسی طرح اگر تم میں سے کوئی شخص پانی مانگتا ہے اور تمہارے پاس تمہاری ضرورت سے زائد پانی موجود ہے تو اسے دینے سے انکار نہ کرو، اسی طرح نمک دینے سے انکار نہ کرو، کیونکہ لوگوں کو نمک کی بہت زیادہ احتیاج و ضرورت رہتی ہے اور لوگ اسے لیتے دیتے ہی رہتے ہیں۔ پھر یہ کہ نمک جیسی چیز سے انکار کرنا ویسے بھی کوئی معنی نہیں رکھتا؛ کیونکہ یہ انتہائی عام اور سستی چیز ہے جس کی کوئی وقعت وقدر نہیں ہوتی۔ حدیث کا آخری جملہ تمام بھلائیوں اور نیکیوں پر حاوی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ تم سے جو کچھ بھی ہو سکے دیتے رہو اور جو نیکی و بھلائی کر سکو کرو، نیکی و بھلائی کے کاموں سے نہ تو اپنے آپ کو باز رکھنا درست ہے اور نہ دوسروں کو نیکی و بھلائی سے روکنا حلال ہے، گویا حدیث میں پہلے چند بھلائیوں کو بطور خاص ذکر کرنے کے بعد یہ جملہ ارشاد فرمانا "تعیم بعد تخصیص" ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ لا یحل مفہوم کے اعتبار سے لا ینبغی کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اس طرح حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ ان چیزوں سے منع کرنا اور ان کے دینے سے انکار کرنا مناسب نہیں ہے۔

1680 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَالْحَسَنِ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ

❀❀ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

1681 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ رَجُلٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ، أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ أُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ، فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟، قَالَ: الْمَاءُ قَالَ: فَحَفَرَ بِئْرًا، وَقَالَ: هَذِهِ لِأُمِّ سَعْدٍ

❀❀ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! سعد کی والدہ کا انتقال ہو گیا ہے تو (ان کی طرف سے کرنے کے لئے) کون سا صدقہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی۔ راوی کہتے ہیں: حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کنواں کھدوایا اور فرمایا: یہ سعد کی والدہ کی طرف سے ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایصال ثواب کا بیان

اُمت کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایصالِ ثواب نصوص سے ثابت ہے، چنانچہ ایصالِ ثواب کی ایک صورت آپ کے لئے ترقیِ درجات کی دُعا، اور مقامِ وسیلہ کی درخواست ہے، صحیح مسلم کی حدیث میں ہے۔

''اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول. ثم صلوا علیّ فانه من یصلی علیّ صلوٰۃ صلی اللہ علیه

وسلم بها عشرًا، ثم سلوا الله لی الوسیلة فانها منزلة فی الجنة لا ینبغی الا لعبد من عباد الله وارجوا ان اکون انا هو، فمن سأل لی الوسیلة حلت علیه الشفاعة۔" (مشکوٰۃ ص:۶۴)

ترجمہ:"جب تم مؤذّن کو سنو تو اس کی اذان کا اسی کی مثل الفاظ سے جواب دو، پھر مجھ پر دُرود پڑھو، کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار دُرود پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں، پھر میرے لئے اللہ تعالیٰ سے "وسیلہ" کی درخواست کرو، یہ ایک مرتبہ ہے جنت میں، جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کے شایانِ شان ہے، اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا، پس جس شخص نے میرے لئے وسیلہ کی درخواست کی، اس کو میری شفاعت نصیب ہوگی۔"

اور صحیح بخاری میں ہے:

"من قال حین سمع النداء، اللّٰهم رب هٰذه الدعوة التامة والصلٰوة القائمة اٰت محمدن الوسیلة والفضیلة وابعثه مقامًا محمودن الذی وعدته، حلت له شفاعتی یوم القیامة۔"

(مشکوٰۃ ص:۶۵)

ترجمہ:"جو شخص اذان سن کر یہ دُعا پڑھے:"اے اللہ! جو مالک ہے اس کامل دعوت کا، اور قائم ہونے والی نماز کا، عطا کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت اور کھڑا کر آپ کو مقامِ محمود میں، جس کا آپ نے وعدہ فرمایا ہے" قیامت کے دن اس کو میری شفاعت نصیب ہوگی۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمرہ کے لئے تشریف لے جارہے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلبی کے لئے حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رُخصت کرتے ہوئے فرمایا:

"لا تنسنا یا اخی من دعائک۔ وفی روایة: اشرکنا یا اخی فی دعائک۔"

(ابوداؤد ج:۱ ص:۲۱۰، ترمذی ج:۲ ص:۱۹۵)

ترجمہ: بھائی جان! ہمیں اپنی دُعا میں نہ بھولنا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: بھائی جان! اپنی دُعا میں ہمیں بھی شریک رکھنا۔"

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح حیاتِ طیبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دُعا مطلوب تھی، اسی طرح وصال شریف کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دُعا مطلوب ہے۔

ایصالِ ثواب ہی کی ایک صورت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کی جائے، حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کا حکم فرمایا تھا:

"عن حنش قال رأیت علیًّا رضی الله عنه یضحی بکبشین، فقلت له: ما هٰذا؟ فقال: ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اوصانی ان اضحی عنه، فانا اضحی عنه۔" (ابوداؤد، باب الاضحیة عن المیت ج:۲ ص:۲۹)

ترجمہ:"حنش کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ مینڈھوں کی قربانی کرتے ہیں، میں نے عرض کیا: یہ کیا؟ فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کیا کروں، سو میں آپ کی طرف

سے قربانی کرتا ہوں۔"

"وفی روایة: امرنی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان اضحی عنه فانا اضحی عنه ابدًا."

(مسند احمد ج:۱ ص:۱۰۷)

"وفی روایة: فلا ادعه ابدًا۔" (ایضاً ج:۱ ص:۱۴۹)

ترجمہ: ایک روایت میں ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا تھا کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کیا کروں، سو میں آپ کی طرف سے ہمیشہ قربانی کرتا ہوں۔"

ترجمہ: ایک روایت میں ہے کہ میں اس کو کبھی نہیں چھوڑتا۔"

علاوہ ازیں زندوں کی طرف سے مرحومین کو ہدیہ پیش کرنے کی صورت ایصالِ ثواب ہے، اور کسی محبوب و معظم شخصیت کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنے سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ اس ہدیہ سے اس کی ناداری کی مکافات ہوگی، کسی بہت بڑے امیر کبیر کو اس کے احباب کی طرف سے ہدیہ پیش کیا جانا عام معمول ہے، اور کسی کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں کہ ہمارے اس حقیر ہدیہ سے اس کے مال و دولت میں اضافہ ہو جائے گا، بلکہ صرف ازدیادِ محبت کے لئے ہدیہ پیش کیا جاتا ہے، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالی میں گناہگار اُمتیوں کی طرف سے ایصالِ ثواب کے ذریعہ ہدیہ پیش کرنا اس وجہ سے نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حقیر ہدایا کی احتیاج ہے، بلکہ یہ ہدیہ پیش کرنے والوں کی طرف سے اظہارِ تعلق و محبت کا ایک ذریعہ ہے، جس سے جانبین کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے، اور اس کا نفع خود ایصالِ ثواب کرنے والوں کو پہنچتا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درجاتِ قرب میں بھی اس سے اضافہ ہوتا ہے۔

علامہ ابنِ عابدین شامی نے ردالمحتار میں باب الشہید سے قبیل اس مسئلے پر مختصر سا کلام کیا ہے، اتمامِ فائدہ کے لئے اسے نقل کرتا ہوں۔

"ذکر ابن حجر فی الفتاوی الفقهیة ان الحافظ ابن تیمیة زعم منع اهداء ثواب القرائة للنبی صلی الله علیه وسلم لان جنابه الرفیع لا یجوز علیه الا بما اذن فیه وهو الصلوة علیه وسوال الوسیلة له۔

قال: وبالغ السبکی وغیره فی الرد علیه بان مثل ذٰلک لا یحتاج لاذن خاص الا تری ان ابن عمر کان یعتمر عنه صلی الله علیه وسلم عمرًا بعده موته من غیر وصیة وحج ابن الموفق وهو فی طبقة الجنید عنه سبعین حجة وختم ابن السراج عنه صلی الله علیه وسلم اکثر من عشرة الاف ختمة وضحی عنه مثل ذٰلک۔ اهـ

قلت: رأیت نحو ذٰلک بخط مفتی الحنفیة الشهاب احمد بن الشلبی شیخ صاحب البحر نقلًا عن شرح الطیبة للنویری ومن جملة ما نقله ان ابن عقیل من الحنابلة قال: یستحب اهداءها له صلی الله علیه وسلم۔

قلت: وقول علمائنا له ان یجعل ثواب عمله لغیره یدخل فیه النبی صلی الله علیه وسلم فانه احق بذٰلک

حیث انقذنا من الضلالۃ ففی ذٰلک نوع شکر و اسدأ جمیل لہ والکامل قابل لزیادۃ الکمال وما استدل بہ بعض المانعین من انہ تحصیل الحاصل لان جمیع اعمال امتہ فی میزانہ یجاب عنہ بانہ لا مانع من ذٰلک فان اللہ تعالیٰ اخبرنا بانہ صلی علیہ ثم امرنا بالصلوٰۃ علیہ بان نقول اللّٰھم صل علی محمد، واللہ اعلم۔" (شامی ج:۲ص:۲۴۴ طبع مصر)

ترجمہ: ابنِ حجر (مکی شافعی) نے فتاویٰ فقہیہ میں ذکر کیا ہے کہ حافظ ابنِ تیمیہ کا خیال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاوت کے ثواب کا ہدیہ کرنا ممنوع ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالی میں صرف اسی کی جرأت کی جاسکتی ہے جس کا اذن ہو، اور وہ ہے آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا اور آپ کے لئے دُعائے وسیلہ کرنا۔

ابنِ حجر کہتے ہیں کہ امام سبکی وغیرہ نے ابنِ تیمیہ پر خوب خوب رَدّ کیا ہے کہ ایسی چیز اذنِ خاص کی محتاج نہیں ہوتی، دیکھتے نہیں ہو کہ ابنِ عمر، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عمرے کیا کرتے تھے، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کی وصیت بھی نہیں فرمائی تھی۔ ابن الموفق نے جو جنید کے ہم طبقہ ہیں، آپ کی طرف سے ستر حج کئے، ابن السراج نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دس ہزار ختم کئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اتنی ہی قربانیاں کیں۔

"میں کہتا ہوں کہ میں نے اسی قسم کی بات مفتی حنفیہ شیخ شہاب الدین احمد بن الشلبی، جو صاحب بحر الرائق کے اُستاذ ہیں، کی تحریر میں بھی دیکھی ہے، جو موصوف نے علامہ نیویری کی "شرح الطیبہ" سے نقل کی ہے، اس میں موصوف نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حنابلہ میں سے ابنِ عقیل کا قول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ ثواب مستحب ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہمارے علماء کا یہ قول کہ: "آدمی کو چاہئے کہ اپنے عمل کا ثواب دُوسروں کو بخش دے" اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا زیادہ استحقاق رکھتے ہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے ہمیں گمراہی سے نجات دلائی، پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ثواب کا ہدیہ کرنے میں ایک طرح کا تشکر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا اعتراف ہے، اور (آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ ہر اعتبار سے کامل ہیں، مگر) کامل زیادتِ کمال کے قابل ہوتا ہے۔ اور بعض مانعین نے جو استدلال کیا ہے کہ یہ تحصیلِ حاصل ہے، کیونکہ اُمت کے تمام عمل خود ہی آپ کے نامۂ عمل میں درج ہوتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ یہ چیز ایصالِ ثواب سے مانع نہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتیں نازل فرماتے ہیں، اس کے باوجود ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم آپ کے لئے رحمت طلب کرنے کے لئے اللّٰھم صل علیٰ محمد کہا کریں۔

حافظ سیوطیؒ "شرح الصدور" میں لکھتے ہیں کہ: "جمہور سلف اور ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک میّت کو تلاوتِ قرآنِ کریم کا ثواب پہنچتا ہے، لیکن اس مسئلے میں ہمارے امام شافعی کا اختلاف ہے۔

نیز انہوں نے امام قرطبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ: "شیخ عزالدین بن عبدالسلام فتویٰ دیا کرتے تھے کہ میّت کو تلاوتِ قرآنِ کریم کا ثواب نہیں پہنچتا، جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے کسی شاگرد کو خواب میں ان کی زیارت ہوئی، اور ان سے دریافت کیا

کہ آپ زندگی میں یہ فتویٰ دیا کرتے تھے، اب تو مشاہدہ ہو گیا ہوگا، اب کیا رائے ہے؟ فرمانے لگے کہ: میں دُنیا میں یہ فتویٰ دیا کرتا تھا، لیکن یہاں آکر جو اللہ تعالیٰ کے کرم کا مشاہدہ کیا تو اس فتویٰ سے رُجوع کر لیا، میت کو قرآنِ کریم کی تلاوت کا ثواب پہنچتا ہے۔

امام محی الدین نووی شافعی "شرح المہذب" (ج:۵ ص:۳۱۱) میں لکھتے ہیں کہ: "قبر کی زیارت کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ جس قدر ہو سکے قرآنِ کریم کی تلاوت کرے، اس کے بعد اہلِ قبور کے لئے دُعا کرے، امام شافعی نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور اس پر ہمارے اصحاب متفق ہیں۔" فقہائے حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی کتابوں میں بھی ایصالِ ثواب کی تصریحات موجود ہیں، اس لئے میت کے ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی تو بلاشبہ دُرست ہے، لیکن اس میں چند اُمور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

اوّل: یہ کہ جو لوگ بھی قرآن خوانی میں شریک ہوں، ان کا مطمحِ نظر محض رضائے الٰہی ہو، اہلِ میت کی شرم اور دِکھاوے کی وجہ سے مجبور نہ ہوں، اور شریک نہ ہونے والوں پر کوئی نکیر نہ کی جائے، بلکہ انفرادی تلاوت کو اجتماعی قرآن خوانی پر ترجیح دی جائے کہ اس میں اِخلاص زیادہ ہے۔

دوم: یہ کہ قرآنِ کریم کی تلاوت صحیح کی جائے، غلط سلط نہ پڑھا جائے، ورنہ اس حدیث کا مصداق ہوگا کہ: "بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔

سوم: یہ کہ قرآن خوانی کسی معاوضہ پر نہ ہو، ورنہ قرآن پڑھنے والوں ہی کو ثواب نہیں ہوگا، میت کو کیا ثواب پہنچائیں گے؟ ہمارے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ قرآن خوانی کے لئے دعوت کرنا اور صلحاء وقراء کو ختم کے لئے یا سورۂ انعام یا سورۂ اخلاص کی قرأت کے لئے جمع کرنا مکروہ ہے۔ (فتاویٰ بزازیہ)

زندوں کی عبادت (بدنی و مالی) کا ثواب دوسرے مسلمان کو بخشنا جائز ہے جا کا ثبوت قرآن وحدیث اور اقوال فقہاء سے ثابت ہے۔ ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارا قرآن وحدیث پر ایمان وعمل ہے اور پھر معتزلہ کی طرح ایصال ثواب کا انکار کرتے ہیں انہیں اپنی سوچ پر نظر ثانی اور ان دلائل پر غور کرنا چاہیئے، میں بڑی محنت شاقہ سے کتاب میں حوالہ جات نقل کر دیئے ہیں انہیں پڑھنا ان پر غور کرنا اور پھر انصاف کرنا آپ کا کام ہے۔ بقول انوار عزمی

کوئی منصف ہو تو انصاف کا چہرہ دیکھے کوئی عادل ہو تو زنجیر ہلائی جائے

اگر آپ تعصب، بغض، حسد اور میں نہ مانوں کی عینک اتار کر آنے والے صفحات پڑھیں گے تو انشاء اللہ ضرور فائدہ ہوگا۔

(راقم الحروف)

والذین جآءوا من بعدھم یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ط۔

وہ جو ان کے بعد آئے وہ یوں دعا کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش دے جو ہم سے پہلے باایمان گزر چکے ہیں۔"

دنیا سے پردہ کرنے والوں کے حق میں زندوں کی دعا کا یہ کتنا واضح ثبوت ہے اور بھی کئی آیات ہیں مگر اختصار کے پیش نظر اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔ حدیث پاک میں آتا ہے: الدعاء مخ العبادۃ۔ "دعا عبادت کا مغز ہے۔"

ایک اور جگہ ہے۔الدعاء ھوالعبادۃ "دعا عبادت ہے۔"

ثابت ہوا زندوں کی عبادت دنیا سے جانے والوں کے لئے فائدہ مند ہے۔حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وقد نقل غیر واحد الاجماع علی ان الدعاء ینفع المیت و دلیله من القرآن قوله تعالیٰ والذین جاءوا۔ (الی الآخر)

"اور اس امر پر بہت سے علماء نے اجماع نقل کیا ہے کہ بے شک دعا میت کو نفع دیتی ہے

اور اس کی دلیل قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔(مذکورہ آیت کریمہ والذین جاءوا)(شرح الصدور،ص127)

شرح عقائد نسفی میں ہے:وفی دعاء الاحیاء للاموات او صدقتهم عنهم نفع لهم خلافا للمعتزلة۔

"زندوں کی دعا اور صدقے سے مردوں کو نفع پہنچتا ہے۔معتزلہ اس کے خلاف ہیں۔"

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات و علیه صیام صام عنه ولیه۔ (مسلم شریف)

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر مرنے والے کی ذمہ روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ایک عورت نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی کہ میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی مگر اس کا انتقال ہوگیا کیا میں اس کی طرف سے حج کر کے اس کی نذر پوری کر سکتی ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:قال حجی عنها۔ (بخاری) "تم اس کی طرف سے حج کرو۔"

فتاوٰی عزیزی میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آرے زیارت و تبرک بقبور صالحین و امداد ایشان بایصال ثواب و تلاوت قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و شرینی امر مستحسن و خوب است۔

"ہاں صالحین کی قبروں کی زیارت کرنا اور ان کی قبروں سے تبرک حاصل کرنا اور ایصال چواب تلاوت قرآن دعائے خیف تقسیم طعام وشیرینی سے ان کی مدد کرنا بہت ہی خوب اور بہتر ہے

اور اس پر علمائے اُمت کا اجماع ہے۔'اور دیکھئے:

ما من رجل مسلم یموت فیقوم علی جنازته اربعون رجلا لا تشرکون باالله شیئا الا شفعهم الله فیه۔ (ابوداؤد)

"اگر کسی مسلمان کی نماز جنازہ پر 40 آدمی ایسے کھڑے ہوجائیں جنہوں نے کبھی کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھرایا ہو تو ان کی شفاعت میت کے حق میں اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔یعنی بخش دیتا ہے۔"

بخاری، مسلم اور مشکوۃ میں ہے:

"دو قبر والوں پر عذاب ہو رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی ایک تر شاخ منگواہ کر آدھی ایک قبر پر اور آدھی دوسری قبر پر رکھ دی اور فرمایا جب تک یہ چاخیں ہری رہیں گی قبر والوں کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ان کی قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد آپ نے تکبیر و تسبیح پڑھنی شروع کردی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تکبیر و تسبیح پڑھنے کے بابت پوچھا تو آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قال لقد تضایق علی هذا العبد الصالح قبره حتی فرجه الله عنه (مشکوۃ)

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اس نیک آدمی پر قبر تنگ ہوگئی تھی یہاں تک کہ اب اللہ تعالیٰ نے اس کی قبر کو فراخ کر دیا ہے۔"

فائدہ!

معلوم ہوا کہ زندوں کی عبادت سے اہل قبور کو فائدہ پہنچتا ہے اور دفن کے بعد قبر کے پاس تسبیح وغیرہ (کلام پاک) پڑھنا جائز ہے۔ میت پر تین دن خاص کر سوگ کیا جاتا ہے۔ بزرگوں نے فرمایا تین دن سوگ کیا ہے۔ اب اٹھنے سے پہلے گھر کے چند افراد مل کر کچھ پڑھو کچھ صدقہ کروادو اس کا ثواب میت کی روح کو پہنچا کر اٹھو۔ اس کا نام سوئم یا تیجہ ہو گیا۔ ثبوت ملاحظہ فرمائیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ملفوظات عزیزی، ص 55 شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے تیجہ کے متعلق فرماتے ہیں۔ روز سوئم کثرت ہجوم مردم آں قدر بود" کہ تیسرے دن لوگوں کے بیرون از حساب است ہشتاد و یک کا ہجوم استقدر تھا کلام بشمار آمد بوزیادہ ہم شدہ باشد کہ شمار سے باہر ہے۔ وکلمہ را حصر نیست اکیاسی کلام اللہ ختم ہوئے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوئے ہوں گے اور کلمہ طیبہ کا تو اندازہ ہی نہیں۔"

حضرت سعید بن منذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر استطاعت ہو تو تین دن میں قرآن ختم کرو۔ (جامع صغیر)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی عرض پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن ہر مہینے ختم کرو۔ انہوں نے پھر عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں تو آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین دن میں ختم کرو۔ (بخاری جلد اول)

حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو جب حد زنا لگنے سے سنگسار کر دیا تو بعد از دفن جب دو دن یا تین گزر گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے جہاں صحابہ کرام بیٹھے تھے پس سلام کیا آپ نے اور بیٹھ گئے اور صحابہ کرام کو فرمایا کہ ماعز بن مالک کی بخشش کی دعا کرو تو صحابہ کرام نے ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کی مغفرت کی دعا مانگی۔ (مسلم جلد دوم) بفضلہ تعالیٰ اہل سنت و جماعت کا یہی معمول ہے۔

ساتواں:

حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ بے شک مردے سات دن تک اپنی قبروں میں آزمائے جاتے ہیں تو صحابہ کرام

سات روز تک ان کی جانب سے کھانا کھلانا مستحب سمجھتے تھے۔ (شرح الصدور ابونعیم فی الحلیہ) چنانچہ شیخ المحدثین حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا وتصدیق کردہ شود از میت بعد رفتن او از عالم تاھفت روز۔ (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ) "اور میت کے مرنے کے بعد سات روز تک صدقہ کرنا چاہیئے۔"

دسواں:

فرمایا دس دنوں میں قرآن ختم کرو۔ (بخاری شریف، جلد اول)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ قرآن کتنے دنوں میں پڑھا جائے فرمایا دس دنوں میں۔ (ابوداؤد مترجم جلد اول) لہٰذا قرآن پڑھ کر میت کو بخشنے میں کوئی حرج نہیں!

چہلم:

دن مقرر ہونے کی وجہ سے احباب اکٹھے ہو کر میت کے لئے دعا واستغفار کرتے ہیں۔ ایک حکمت یہ بھی ہے کہ عام لوگوں کے لئے تین دن سوگ ہے۔ مگر عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ چالیس روز تک سوگ کرے۔ ہر عورت کے رشتہ دار اور اولاد وغیرہ اس کے غم میں شریک رہتے ہیں آخری دن کچھ پڑھ کر فاتحہ دلا کر اٹھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

چالیس کا قرآن سے ثبوت

واذ وعدنا موسٰی اربعین لیلۃ۔ (سورہ بقرہ۔ آیت 50) "اور جب ہم نے وعدہ دیا موسیٰ کو چالیس رات کا"

اقراء القرآن فی اربعین۔ (ترمذی شریف) "قرآن مجید چالیس دنوں میں پڑھا کرو۔"

بزرگان دین فرماتے ہیں کہ میت کی روح کو چالیس دن تک اپنے گھر اور مقامات سے کاص تعلق رہتا ہے۔ جو بعد میں نہیں رہتا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مؤمن پر چالیس روز تک زمین کے وہ ٹکڑے جن پر وہ خدا تعالیٰ کی عبادت واطاعت کرتا تھا اور آسمان کے وہ دروازے جن سے کہ ان کے عمل چڑھتے تھے اور وہ کہ جن سے ان کی روزی اترتی تھی روتے رہتے ہیں۔ (ثواب العبادات از خطیب پاکستان، بحوالہ شرح الصدور، ص 24) اسی لئے بزرگان دین نے چالیسویں روز بھی ایصال ثواب کیا کہ اب چونکہ وہ خاص تعلق منقطع ہو جائے گا لہٰذا ہماری طرف سے روح کو کوئی ثواب پہنچ جائے تا کہ وہ خوش ہو جائیں اور ان سب کی اصل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے لئے تیسرے، دسویں، چالسویں دن اور چھٹے مہینے اور سال کے بعد صدقہ دیا۔ (کذا فی الانوار ساطعہ مغربا الی مجموعۃ الروایات حاشیہ خزانۃ الروایات)

چہلم کا ایک اور حوالہ

وقیل الی اربعین فان المیت یشوق الی بیتہ۔

"اور فرمایا صدقہ دینا چالیس دن پس میت شوق رکھتی ہے ان دنوں اپنے گھر کا۔

(شرح برزخ فیض الاسلام 5، ص 34، کتاب الوجیز، ص 64)

عرس۔۔۔۔(برسی)

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لئے ارشاد باری تعالیٰ:

وسلام علیہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیا ہ (سورہ مریم: آیت 15)

"اور سلامتی ہو اس پر جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن فوت ہوگا۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں:

والسلام علی یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیا ہ (سورہ مریم: آیت 33)

"اور سلامتی ہو مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن اٹھوں گا، زندہ ہو کر۔"

تفسیر ابن جریر (طبری) دیکھیے: حدیث بیان کی مثنی نے سوید سے کیا خبر دی ابن مبارک نے ابراہیم بن محمد سے انہوں نے سہیل بن ابی صالح نے انہوں نے محمد ابراہیم سے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے شہدائ کی قبروں پر ہر سال پھر فرماتے: **سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار** . اور سیّدنا صدیق اکبر اور فاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنھم اجمعین بھی اپنے زمانے میں ہر سال قبور شہداء پر جایا کرتے تھے۔ (تفسیر ابن جریر مطبوعہ مصر، جلد 13)

اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ آپ ہر سال شہداء کی قبور پر تشریف لے جاتے اور فرماتے: **سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار** اور اسی طرح چاروں خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اسی پر عمل پیرا رہے۔ (تفسیر کبیر مطبوعہ مصر، جلد 5) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ تشریف لے جاتے ہر شروع سال مین قبور شہداء پر پس فرماتے: **سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار** (تفسیر کشاف طبوعہ بیرون لبنان، جلد دوم) تفسیر کشاف کے حوالے کے بعد تو مخالفین کے انکار کی گنجائش نہیں رہنی چاہیئے۔

مخالفین کے ایک بڑے کا ایک حوالہ اور۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال شھدائے احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے پھر فرماتے: **سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار** . (البدایہ والنہایہ مطبوعہ مصر، جلد سوم) سرور کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر سال شہدائے احد کی قبور پر تشریف لے جاتے پھر چاروں خلفاء کا اپنے اپنے زمانہ میں اس سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا رہنا عرائس بزرگان دین کے لئے اتنی زبردست دلیل ہے جس کا رد نا ممکن ہے۔ (گیارھویں شریف، صائم چشتی) فاطمہ خزائیہ کہتی ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو دیکھا اور آفتاب قبور شہداء پر غروب ہو چکا تھا اور میرے ساتھ میری بہن تھی۔ میں نے اس سے کہا آؤ قبر حمزہ رضی اللہ عنہ پر سلام کریں۔ اس نے کہا ہاں پھر ہم ان کی قبر پر ٹھہرے۔ ہم نے کہا۔ **السلام علیك یا عم رسول الله** (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے ایک کلام سنا کہ ہم پر رد کیا گیا (یعنی لوٹایا گیا) وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہا کہ ہمارے قریب کوئی آدمی نہ تھا۔ (اخرج البیہقی) (طی الفراسخ الی منازل البرازخ مطبوعہ آگرہ 1306ھ) (سید ذوالفقار احمد وہابی تلمیذ سدیق حسن بھوپالی) دیوبندی حضرات اور اہل حدیث حضرات مذکورہ حوالہ جات پر ضرور غور فرمائیں۔ اور ہمارے ساتھ مل کر دنیا سے کوچ کر جانے والوں کے لئے ایصال ثواب کر کے ان کی مدد کریں۔

ایصال ثواب کے متعلق ضروری وضاحت

ایصال ثواب کے عمل میں دکھاوا اور ریاکاری نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر ایصال ثواب کا مقصد نمود ونمائش ہے تو اس کا ثواب حاصل نہ ہوگا۔ اور ایسا دکھاوے کا عمل حرام اور گناہ ہے۔ عام طور پر بہت سے لوگ قرض لے کر میت کے لئے ایصال ثواب کرتے ہیں۔ اور عام لوگوں کو دعوتیں دیتے ہیں۔ شریعت میں ایسی دعوتوں کی اجازت نہیں۔ میت کے ایصال ثواب کے لئے جو کھانا ہے وہ حسب استطاعت ہو اور اسے مستحق اور غریبوں لوگوں کو کھلایا جائے۔ (صاحبان حیثیت حضرات کو اس کھانے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔) اسی طرح بعض گھروں میں ایصال ثواب کے موقع پر دس بیبیوں کی کہانی، شہزادے کا سر، داستان عجیب اور جناب سیدہ کی کہانی وغیرہ پڑھی جاتی ہیں۔ جن کی کوئی اصل نہیں اسی طرح ایک پمفلٹ: وصیت نامہ" جس میں" شیخ احمد" کا خواب درج ہے۔ اسے بھی علمائے کرام نے خودساختہ قرار دیا ہے۔ ان چیزوں سے بچیں۔

ایصال ثواب کے اسباب وذریعے کا بیان

اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے کہ احادیث میں جن طریقوں سے مردوں کو ایصال ثواب پہنچانے کی بات آئی ہے وہ شرعی اور پسندیدہ ہیں۔ احادیث میں ایصال ثواب کی کئی شکلیں ذکر کی گئی ہیں۔ ایصال ثواب کی کچھ شکلیں ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔

1: صدقہ جاریہ یعنی کہیں کنواں کھدوادیا، مسجد تعمیر کرادی یا رفاہ عام کا کوئی ایسا کام کردیا جس کی بدولت عوام الناس مدت دراز تک فائدہ اٹھاتے رہیں۔ اسی تعلق سے وقف کا مسئلہ بھی آتا ہے کہ مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے لئے کوئی زمین وقف کردی، کوئی عمارت وقف کردی۔ اس سے عامۃ المسلمین فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔

2: علم نافع: یعنی کوئی کتاب ایسی تصنیف وتالیف کردی یا کچھ ایسے علمی کام انجام دیا کہ بعد والے نسلا بعد نسل اس سے مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً دیکھئے محدثین نے حدیث کی کتابیں تالیف کیں۔ اب اس کا ثواب ان کو اس وقت تک پہنچتا رہے گا جب تک ان کتابوں سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔

ائمہ اربعہ اور فقہاء کرام نے مسائل کا استنباط کیا۔ ان کو اس وقت تک ثواب ملتا رہے گا جب تک ان کے مسائل سے لوگ استفادہ کرتے رہیں گے۔

مفسرین اور دیگر دینی علوم پر لکھنے والوں نے جو کچھ لکھا تو جب تک لوگ اس سے استفادہ کرتے رہیں گے لوگوں کو اس سے فائدہ ملتا رہے گا۔ داعیان دین جن کی کوششوں سے لوگوں نے اپنی قدیم گمراہی والا مذہب چھوڑ کر مذہب اسلام اختیار کیا تو ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے والوں کے نیک عمل کا ثواب ان کو بھی ملتا رہے گا۔

مجاہدین نے اپنی جانیں دے کر سرحد اسلام کی جو حفاظت کی تو اسلامی مملکت کے اندر رہنے والے لوگ جو چین وسکون سے ہیں ان کے نیک عمل کا ثواب بھی مجاہدین کو ملتا رہے گا۔

3: نیک اولاد: قرآن وحدیث مین اس قسم کی دعائیں موجود ہیں جس سے خدا سے نیک اولاد کا سوال کیا گیا ہے۔ نیک اولاد

انسان کے لئے سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ اگر کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ وہ دنیا کی ہی جنت ہے۔ انسان نیک اولاد اور نیک بیوی کی بدولت دنیا میں ہی جنت کے مزے لوٹتا ہے۔ کسی انسان کے مرنے کے بعد اس کی اولاد جو نیک عمل کرتی ہے تو اس کا ثواب بھی اسے ملتا رہے گا۔ اس کے علاوہ مزید فائدہ یہ ہے کہ نیک اولاد والدین کو انتقال کے بعد بھی یاد رکھتی ہے اور اس کے لئے دعائے خیر کرتی رہتی ہے۔ جس کی بدولت شہر خموشاں میں آباد لوگوں کا مرتبہ بلند ہوتا رہتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ کسی شخص کا مرنے کے بعد درجہ بلند کر دیا جاتا ہے وہ پوچھتا ہے کہ اے اللہ میرا درجہ اور رتبہ بلند کر دیا گیا اس کی کیا وجہ ہے تو جواب ملتا ہے کہ تمہاری اولاد نے تمہارے لئے دعا اور استغفار کا ہدیہ بھیجا ہے اور یہ اسی کا ثمرہ ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قال رسولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الرَّجُلَ لَتُرْفَعُ دَرَجَتُهُ فِي الْجَنَّةِ فَيَقُولُ: أَنَّى هَذَا؟ فَيُقَالُ: بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ (سنن ابن ماجہ سند صحیح)

اس کے علاوہ بھی شرعی ایصال ثواب کی کچھ اور شکلیں ہیں۔ جنہیں دیکھتے چلتے ہیں۔

4: صدقہ کرنا۔ اگر مرنے والوں کی جانب سے صدقہ کیا جائے تو اس کا ثواب بھی ان کو پہنچتا ہے اور ملتا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میری والدہ کا اچانک انتقال ہو گیا اور میرا خیال ہے کہ اگر انکو مہلت ملی ہوتی تو وہ صدقہ وخیرات کرتیں تو اگر میں ان کی جانب سے صدقہ خیرات کروں تو کیا اس کا ثواب ان کو ملے گا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں

عن أمّ المؤمنين عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، أَنَّ رَجُلاً قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أُمِّي افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا (أي ماتت فجأة) وَأَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ، فَهَلْ لَهَا أَجْرٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ (البخاری 1388)

اسی طرح حضرت سعد بن عبادہ کا بھی واقعہ ہے کہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا انہوں نے اس تعلق سے حضور پاک سے پوچھا کہ اگر میں ان کی جانب سے صدقہ کروں تو کیا اس کا ثواب ان کو ملے گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ہاں۔ اس پر انہوں نے اسی وقت اپنا باغ جس کا نام مخراف تھا صدقہ کر دیا۔

عن ابنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنهمَا، أَنَّ سَعدَ بْنَ عُبَادَةَ رَضِيَ اللهُ عَنهما تُوُفِّيَتْ أُمُّهُ وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهَا فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أُمِّي تُوُفِّيَتْ وَأَنَا غَائِبٌ عَنْهَا أَيَنْفَعُهَا شَيْءٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَا؟ قَالَ: (نَعَمْ) قَالَ: فَإِنِّي أُشْهِدُكَ أَنَّ حَائِطِيَ الْمِخْرَافَ (اسم لبستان كان لها) صَدَقَةٌ عَلَيْهَا. (صحیح البخاری)

اسی طرح مسلم، سنن نسائی اور ابن ماجہ میں ہے ایک شخص نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میرے والد کا انتقال ہو گیا ہے۔ انہوں نے کچھ مال چھوڑا ہے اور اس مال کے بارے میں کوئی وصیت نہیں کی ہے تو کیا اگر میں ان کی جانب سے صدقہ کروں تو کیا یہ ان کے لئے کفارہ ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہاں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَجُلاً قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَبِي مَاتَ، وَتَرَكَ

مَالاً وَلَمْ يُوصِ، فَهَلْ يُكَفِّرُ عَنْهُ أَنْ أَتَصَدَّقَ عَنْهُ؟ قَالَ: نَعَمْ.

تنبیہ: صدقہ جاریہ کی حدیث اُوپر گزر چکی ہے۔ اس میں اور اس کے بعد ذکر کردہ حدیث میں فرق یہ ہے کہ صدقہ جاریہ خاص ہے۔ یعنی ایسا صدقہ جس کا فیض عام ہو اور تا دیر رہے۔ جب کہ ماقبل مین ذکر کردہ دو تین حدیثوں میں صدقہ کی نوعیت عام آئی ہے۔ اس میں کوئی وضاحت کسی حدیث میں وارد نہیں ہوئی ہے۔ یعنی ہم نے اپنے فوت شدہ کسی قریبی عزیز کی جانب سے کسی مسجد میں کوئی رقم دے دی، کسی غریب کی مدد کر دی، کسی فقیر کو کچھ روپے دے دیئے یا کسی مدرسہ کی مالی امداد کر دی تو یہ سب اس میں شامل ہیں۔

تنبیہ: مشہور حدیث تو یہی ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال ختم ہوجاتے ہیں ہاں تین عمل کا ثواب اسے ملتا رہتا ہے۔ طبرانی کی مرفوع حدیث میں تین کی جگہ چار کا ذکر ہے اور اس میں سرحد کی نگرانی کرنے والے کا اضافہ ہے۔ بزار کی حضرت انس سے مرفوع روایت میں 7 کا ذکر ہے۔ اسی طرح ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور ابن عساکر کی روایت میں مزید کچھ چیزوں کا تذکرہ ہے۔ حافظ سیوطی کہتے ہیں کہ تمام روایات سے حاصل شدہ کی تعداد 11 تک پہنچتی ہے اور وہ یہ ہیں۔

1: علم جس سے دوسروں کو فائدہ پہنچے 2: نیک اور صالح اولاد کی دعا 3: کھجور کا درخت لگا دینا جس سے دوسرے مستفید ہوتے رہیں 4: صدقہ جاریہ 5: قرآن پاک جو ورا ثتاً منتقل ہوتا رہے 6: سرحد کی نگرانی 7: کنواں کھدوانا جس سے ضرورت مندوں کو پانی ملتا رہے 8: نہر جاری کرانا 8: سرائے تعمیر کرانا جس سے مسافروں کو فائدہ ہو 9 ذکر کے لئے کوئی عمارت تعمیر کرا دینا 10: قرآن پاک کی تعلیم کے لئے مدرسہ بنا دینا 11: مسجد بنا دینا

حافظ سیوطی مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں

وَقد تحصل من هَذِه الأَحَادِيث أحد عشر أمرا وَقد نظمتها وَقلت إِذا مَاتَ بن آدم لَيْسَ يجْرِي عَلَيْهِ من فعال غير عشر عُلُوم بثها وَدُعَاء نجل وغرس النّخل وَالصَّدقَات تجْرِي وراثة مصحف ورباط ثغر وحفر الْبِئْر أَو إِجْرَاء نهر وَبَيت للغريب بناه يأوي إِلَيْهِ أَو بِنَاء مَحل ذكر وَتَعْلِيم لقرآن كريم فخذها من أَحَادِيث بحصر (شرح السیوطی علی مسلم 4/228)

ایصال ثواب سے متعلق فقہی مذاہب کا بیان

علماء کرام کے درمیان اس پر اجماع ہے کہ میت کے لئے دعا اور صدقہ کرنا جائز ہے۔ اسی بات کو امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک نے اس طور پر تعبیر کیا ہے کہ میت کی جانب سے صدقہ کئے جانے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

وَقَالَ مُحَمَّدٌ: سَمِعْتُ أَبَا إِسْحَاقَ إِبْرَاهِيمَ بْنَ عِيسَى الطَّالَقَانِيَّ قَالَ: قُلْتُ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ، يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ: الْحَدِيثُ الَّذِي جَاءَ «إِنَّ مِنَ الْبِرِّ بَعْدَ الْبِرِّ أَنْ تُصَلِّيَ لِأَبَوَيْكَ مَعَ صَلَاتِكَ، وَتَصُومَ لَهُمَا مَعَ صَوْمِكَ». قَالَ: فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: يَا أَبَا إِسْحَاقَ، عَمَّنْ هَذَا؟ قَالَ: قُلْتُ لَهُ:

هَذَا مِنْ حَدِيثِ شِهَابِ بْنِ خِرَاشٍ فَقَالَ: ثِقَةٌ. عَمَّنْ قَالَ؟ قُلْتُ: عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ دِينَارٍ. قَالَ: ثِقَةٌ، عَمَّنْ قَالَ؟ " قُلْتُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ: يَا أَبَا إِسْحَاقَ، إِنَّ بَيْنَ الْحَجَّاجِ بْنِ دِينَارٍ وَبَيْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاوِزَ تَنْقَطِعُ فِيهَا أَعْنَاقُ الْمَطِيِّ، وَلَكِنْ لَيْسَ فِي الصَّدَقَةِ اخْتِلَافٌ (مقدمہ صحیح مسلم 16)

اور امام نووی اس بارے میں لکھتے ہیں

فَإِنَّ الصَّدَقَةَ تَصِلُ إِلَى الْمَيِّتِ وَيَنْتَفِعُ بِهَا بِلَا خِلَافٍ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ وَهَذَا هُوَ الصَّوَابُ وَأَمَّا مَا حَكَاهُ أَقْضَى الْقُضَاةِ أَبُو الْحَسَنِ الْمَاوَرْدِيُّ البصری الفقيه الشَّافِعِيُّ فِي كِتَابِهِ الْحَاوِي عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ الْكَلَامِ مِنْ أَنَّ الْمَيِّتَ لَا يَلْحَقُهُ بَعْدَ مَوْتِهِ ثَوَابٌ فَهُوَ مَذْهَبٌ بَاطِلٌ قَطْعًا وَخَطَأٌ بَيِّنٌ مُخَالِفٌ لِنُصُوصِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَإِجْمَاعِ الْأُمَّةِ فَلَا الْتِفَاتَ إِلَيْهِ وَلَا تَعْرِيجَ عَلَيْهِ (شرح النووی علی صحیح مسلم ص 1/90)

صدقہ میت کو پہنچتا ہے اور اس سے اس کو فائدہ ہوتا ہے اس بارے میں مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہی درست بات ہے۔ جو کچھ قاضی ابوالحسن الماوردی بصری نے اپنی کتاب الحاوی میں بعض متکلمین سے نقل کیا ہے کہ میت کو کسی دوسرے ذریعہ سے ثواب حاصل نہیں ہوتا تو وہ قطعی طور پر باطل ہے اور کتاب وسنت واجماع امت کی تصریحات کے خلاف ہے۔ لہٰذا یہ قول ایسا نہیں ہے کہ اس کی جانب کچھ بھی توجہ کی جائے۔

دیگر عبادات کا ایصال ثواب

بعض روایات ایسی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ میت کی جانب سے روزہ بھی رکھا جا سکتا ہے اور حج بھی کیا جا سکتا ہے۔

عن عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ الله عَنهما. قَالَ: بَيْنَمَا أَنَا جَالِسٌ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ. إِذْ أَتَتْهُ امْرَأَةٌ. فَقَالَتْ: إِنِّي تَصَدَّقْتُ عَلَى أُمِّي بِجَارِيَةٍ. وَإِنَّهَا مَاتَتْ. فَقَالَ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (وَجَبَ أَجْرُكِ وَرَدَّهَا عَلَيْكِ الْمِيرَاثُ) قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّهُ كَانَ عَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرٍ أَفَأَصُومُ عَنْهَا؟ قَالَ: (صُومِي عَنْهَا). قَالَتْ: إِنَّهَا لَمْ تَحُجَّ قَطُّ. أَفَأَحُجُّ عَنْهَا؟ قَالَ: (حُجِّي عَنْهَا).

مسلم فی صحیحہ (1149)

عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہیں کہ اسی درمیان ایک عورت آئی اور اس نے پوچھا کہ میں نے اپنی ماں پر ایک باندی صدقہ کیا تھا۔ میری ماں کا انتقال ہوگیا (اور وہ باندی بطور میراث میرے پاس واپس آگئی تو اس باندی کے تعلق سے کیا حکم ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں ثواب مل چکا اور میراث کے طور پر باندی تمہارے پاس واپس آگئی (یعنی تمہاری ملک ہوگئی) اس خاتون نے مزید پوچھا کہ اے اللہ کے رسول میری ماں پر ایک مہینے کے روزے واجب تھے تو کیا میں ان کی جانب سے روزے رکھوں آنحضور نے فرمایا ہاں! پھر اس خاتون نے پوچھا کہ میری والدہ نے حج نہیں کیا تھا تو کیا میں ان کی جانب سے حج کر سکتا ہوں۔ حضور پاک نے ارشاد فرمایا کہ اپنی والدہ کی

جانب سے حج کرو۔

اسی قبیل کی ایک اور حدیث ہے جس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما. قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه و سلم فقال: يا رسول الله إن أمي ماتت، و عليها صوم شهر أفأقضيه عنها؟ قال: (لو كان على أمك دين أكنت قاضيه عنها؟) قال: نعم. قال: فدين الله أحق أن يُقضى (متفق عليه)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میری ماں کا انتقال ہو گیا اور اس پر ایک مہینے کا روزہ واجب تھا تو کیا میں ان کی جانب سے قضاء کروں۔ حضور پاک نے فرمایا۔ بھلا بتاؤ اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تم اس قرض کو ادا نہ کرتے؟ عرض کیا جی ہاں! فرمایا تو پھر اللہ کا قرض اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔

علماء کا اختلاف

ائمہ مجتہدین کا عبادت بدنیہ کے سلسلے میں اختلاف ہے کہ آیا میت کی جانب سے اس کو ادا کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ مثلاً میت کی جانب سے نماز پڑھ کر اس کو ثواب بخشا جا سکتا ہے یا نہیں۔ یا میت کی جانب سے روزے رکھے جا سکتے ہیں یا نہیں، یا میت کی جانب سے حج کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

واضح رہے کہ حج اور صوم کا مسئلہ اس وقت کا ہے جب کہ وہ میت کے ذمہ واجب نہ ہو یا میت نے اس تعلق سے وصیت نہ کی ہو بلکہ محض نفل کے طور پر میت کی جانب سے حج کیا جائے یا روزہ رکھا جائے یا پھر نماز پڑھی جائے۔

مشہور مالکی محدث اور فقیہہ حافظ باجی موطا کی شرح منتقی میں اس سلسلے میں لکھتے ہیں

أَنَّ الْعِبَادَاتِ عَلَى ثَلَاثَةِ أَضْرُبٍ: ضَرْبٌ مِنْهَا مِنْ عِبَادَاتِ الْمَالِ لَا تَعَلُّقَ لَهُ بِالْبَدَنِ كَالزَّكَاةِ فَهَذَا يَصِحُّ فِيهِ النِّيَابَةُ. وَالضَّرْبُ الثَّانِي لَهُ تَعَلُّقٌ بِالْمَالِ وَلَهُ تَعَلُّقٌ بِالْبَدَنِ كَالْحَجِّ وَالْغَزْوِ. وَقَدْ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي صِحَّةِ النِّيَابَةِ فِيهِ وَسَيَأْتِي ذِكْرُهُ فِي كِتَابِ الْحَجِّ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

وَالضَّرْبُ الثَّالِثُ لَهُ اخْتِصَاصٌ بِالْبَدَنِ وَلَا تَعَلُّقَ لَهُ بِالْمَالِ كَالصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ. وَهَذَا لَا يَدْخُلُهُ النِّيَابَةُ بِوَجْهٍ وَبِهِ قَالَ جُمْهُورُ الْفُقَهَاءِ وَبِهِ قَالَ مَالِكٌ وَأَبُو حَنِيفَةَ وَالشَّافِعِيُّ. (المنتقی شرح الموطا 2/63)

عبادات کی تین قسمیں ہیں۔ عبادت کی ایک قسم تو وہ ہے جس کا تعلق مال سے ہے جیسے زکوٰۃ تو اس میں نیابت صحیح ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق مال سے بھی ہے اور بدن سے بھی ہے جیسے حج اور جہاد۔ تو اس میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے۔ عبادت کی تیسری قسم وہ ہے جس کا تعلق صرف بدن سے ہے۔ جیسے روزہ اور نماز۔ اس قسم میں نیابت درست نہیں ہے اور یہی جمہور فقہاء امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا قول ہے۔

یہی بات معروف حنفی فقیہہ فخر الدین زیلعی مصنف تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق 2/85 نے بھی لکھی ہے۔

ثُمَّ الْعِبَادَةُ أَنْوَاعٌ مَالِيَّةٌ مَحْضَةٌ كَالزَّكَاةِ وَالْعُشُورِ وَالْكَفَّارَةِ وَبَدَنِيَّةٌ مَحْضَةٌ كَالصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ وَالِاعْتِكَافِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَالْأَذْكَارِ. وَمُرَكَّبَةٌ مِنْهُمَا كَالْحَجِّ فَإِنَّهُ مَالِيٌّ مِنْ حَيْثُ اشْتِرَاطُ الِاسْتِطَاعَةِ وَوُجُوبُ الْأَجْزِيَةِ بِارْتِكَابِ مَحْظُورَاتِهِ وَبَدَنِيٌّ مِنْ حَيْثُ الْوُقُوفُ وَالطَّوَافُ وَالسَّعْيُ

پھر عبادت کی کئی اقسام ہیں۔ کچھ تو صرف مالی ہیں جیسے زکوۃ، عشر اور کفارہ۔ اور کچھ عبادات ایسی ہیں جو صرف بدنی اور جسمانی ہیں جیسے نماز، روزہ، اعتکاف، قرآن پڑھنا، ذکر واذکار۔ اور کچھ عبادات ایسی ہیں جو کہ مالی اور بدنی کی جامع ہیں جیسے حج کہ اس میں استطاعت کے لئے مال کی شرط ہے اسی طرح کچھ کی کوتاہی ہوگئی تو اس کے لئے فدیہ وغیرہ رکھا گیا ہے اور حج بدنی بھی اس لحاظ سے ہے کہ اس میں وقوف عرفہ ہے طواف ہے سعی وغیرہ ہے۔

احناف کا مسلک

اس بارے میں احناف کا مسلک صاف سیدھا یہ ہے کہ وہ عبادات جو مالی ہیں اس میں نیابت کارگر ہوگی یعنی مکلف کی جانب سے کوئی دوسرا کردے تو وہ ادا ہو جائے گا۔

وہ عبادات جو بدنی ہیں اس میں نیابت نہیں ہوگی جیسے کہ روزہ نماز۔ وہ عبادات جو مالی اور بدنی کی جامع ہیں اس کے بارے میں یہ ہے کہ اگر مکلف بیمار ہے عاجز ہے اور حج کے فریضہ کے باوجود قدرت نہیں رکھتا ہے تو اس کی جانب سے نیابت کی جاسکتی ہے۔

(النِّيَابَةُ تُجْزِي فِي الْعِبَادَةِ الْمَالِيَّةِ عِنْدَ الْعَجْزِ وَالْقُدْرَةِ) ؛ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ فِيهَا سَدُّ خَلَّةِ الْمُحْتَاجِ، وَذَلِكَ يَحْصُلُ بِفِعْلِ النَّائِبِ كَمَا يَحْصُلُ بِفِعْلِهِ. وَيَحْصُلُ بِهِ تَحَمُّلُ الْمَشَقَّةِ بِإِخْرَاجِ الْمَالِ كَمَا يَحْصُلُ بِفِعْلِ نَفْسِهِ فَيَتَحَقَّقُ مَعْنَى الِابْتِلَاءِ فَيَسْتَوِي فِيهِ الْحَالَتَانِ قَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ (وَلَمْ تَجُزْ فِي الْبَدَنِيَّةِ بِحَالٍ) أَيْ لَا تُجْزِي النِّيَابَةُ فِي الْعِبَادَةِ الْبَدَنِيَّةِ بِحَالٍ مِنْ الْأَحْوَالِ؛ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ فِيهَا إتْعَابُ النَّفْسِ الْأَمَّارَةِ بِالسُّوءِ طَلَبًا لِمَرْضَاتِهِ تَعَالَى؛ لِأَنَّهَا انْتَصَبَتْ لِمُعَادَاتِهِ تَعَالَى فَفِي الْوَحْيِ عَادِ نَفْسَك فَإِنَّهَا انْتَصَبَتْ لِمُعَادَاتِي وَذَلِكَ لَا يَحْصُلُ بِفِعْلِ النَّائِبِ أَصْلًا فَلَا تُجْزِي فِيهَا النِّيَابَةُ لِعَدَمِ الْفَائِدَةِ قَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ (وَفِي الْمُرَكَّبِ مِنْهُمَا تُجْزِي عِنْدَ الْعَجْزِ فَقَطْ) أَيْ فِي الْمُرَكَّبِ مِنْ الْمَالِ وَالْبَدَنِ تُجْزِي النِّيَابَةُ عِنْدَ الْعَجْزِ لِحُصُولِ الْمَشَقَّةِ بِدَفْعِ الْمَالِ وَلَا تُجْزِي عِنْدَ الْقُدْرَةِ لِعَدَمِ إتْعَابِ النَّفْسِ عَمَلًا بِالشَّبَهَيْنِ بِالْقَدْرِ الْمُمْكِنِ قَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ (وَالشَّرْطُ الْعَجْزُ الدَّائِمُ إلَى وَقْتِ الْمَوْتِ) (تبیین الحقائق 85/2)

یہی بات درمختار علامہ حصکفی نے کہی ہے۔

(الْعِبَادَةُ الْمَالِيَّةُ) كَزَكَاةٍ وَكَفَّارَةٍ (تَقْبَلُ النِّيَابَةَ) عَنْ الْمُكَلَّفِ (مُطْلَقًا) عِنْدَ الْقُدْرَةِ وَالْعَجْزِ وَلَوْ النَّائِبُ ذِمِّيًّا، لِأَنَّ الْعِبْرَةَ لِنِيَّةِ الْمُوَكِّلِ وَلَوْ عِنْدَ دَفْعِ الْوَكِيلِ (وَالْبَدَنِيَّةُ) كَصَلَاةٍ وَصَوْمٍ (لَا)

تَقْبَلُهَا (مُطْلَقًا. وَالْمُرَكَّبَةُ مِنْهُمَا) كَحَجِّ الْفَرْضِ (تَقْبَلُ النِّيَابَةَ عِنْدَ الْعَجْزِ فَقَطْ) لَكِنْ (بِشَرْطِ دَوَامِ الْعَجْزِ إلَى الْمَوْتِ) لِأَنَّهُ فَرْضُ الْعُمْرِ حَتَّى تَلْزَمَ الْإِعَادَةُ بِزَوَالِ الْعُذْرِ

بات پوری وہی ہے جواوپر نقل کی گئی صرف اتنا اضافہ ہے کہ اگر کسی مریض نے عجز اور عدم قدرت کی وجہ سے کسی سے حج بدل کرایا لیکن اس کے کچھ عرصہ بعد اس کو صحت ہوگئی اور جو عذر تھا وہ ختم ہو گیا تو اسے پھر سے حج کرنا پڑے گا۔

امام مالک، امام شافعی اور ظاہریہ کا مسلک

امام مالک اور امام شافعی کا بھی مسلک یہی ہے کہ وہ عبادات جو مالیت سے تعلق رکھتی ہیں اس میں نیابت کارگر ہوگی لیکن وہ عبادات جو بدنی ہیں اس میں نیابت کارگر نہیں ہوگی۔ البتہ حج کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ امام شافعی کے یہاں حج میں نیابت ہوگی اور امام مالک کے یہاں نیابت نہیں ہوگی۔ حنفیہ کا مسلک بھی حج کے سلسلے میں وہی ہے جو امام مالک کا ہے۔ امام احمد بن حنبل کے مسلک کی مجھے تحقیق نہیں ہوسکی۔

ظاہریہ کا کہنا ہے کہ ہر عبادت میں نیابت ہوسکتی ہے۔ چاہے وہ نماز ہو، روزہ ہو حج ہو زکوۃ ہو یعنی عبادات کی جتنی بھی قسمیں ہیں سبھی میں مکلف کی جانب سے نیابت ہوسکتی ہے۔ اگر مکلف کے ذمہ کچھ نمازیں قضاء تھیں تو ولی اس کی جانب سے نمازیں پڑھ سکتا ہے۔ اگر مکلف کے ذمہ کچھ روزے باقی تھے تو ولی روزہ رکھ سکتا ہے۔

تلاوت قرآن سے ایصال ثواب اور فقہی مذاہب اربعہ کا بیان

اس بارے میں احناف حنابلہ اور ظاہریہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ درست ہے۔ قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کیا جاسکتا ہے۔ جب کہ امام شافعی اور امام مالک کی مشہور روایت یہ ہے کہ ایسا کرنا درست نہیں۔ اور ان دونوں ائمہ حضرات سے ایک روایت جواز کی بھی ہے۔

مسلک احناف

علامہ حصکفی اس سلسلے لکھتے ہیں

الْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَنْ أَتَى بِعِبَادَةٍ مَا. لَهُ جَعْلُ ثَوَابِهَا لِغَيْرِهِ وَإِنْ نَوَاهَا عِنْدَ الْفِعْلِ لِنَفْسِهِ لِظَاهِرِ الْأَدِلَّةِ. وَأَمَّا قَوْله تَعَالَى ﴿وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلا مَا سَعَى﴾ (النجم:39)- أَيْ إِلَّا إِذَا وَهَبَهُ لَهُ كَمَا حَقَّقَهُ الْكَمَالُ. الدرالمختار 596/2

اصولی بات یہ ہے کہ ہر شخص نے جس قسم کی بھی عبادت کی ہے اس کا ثواب دوسروں کو پہنچا سکتا ہے۔ اگرچہ وہ اسکی نیت عبادت کی ادائیگی کے وقت ہی کیوں نہ کرلے۔ کیونکہ اس کے دلائل (ایصال ثواب) ظاہر ہیں۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کا ارشاد لیس للانسان الا ما سعی کا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کو اپنی ہی عبادت نفع دیتی ہے۔ لیکن اگر کوئی ثواب ہبہ کرے تو اس سے یہ آیت خاموش ہے اور احادیث کی وجہ سے اس کا بھی ثواب ملے گا۔

علامہ حصکفی کی عبارت کی شرح میں علامہ شامی لکھتے ہیں۔

قَوْلُهُ بِعِبَادَةٍ مَا) أَيْ سَوَاءٌ كَانَتْ صَلَاةً أَوْ صَوْمًا أَوْ صَدَقَةً أَوْ قِرَاءَةً أَوْ ذِكْرًا أَوْ طَوَافًا أَوْ حَجًّا أَوْ عُمْرَةً. أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ مِنْ زِيَارَةِ قُبُورِ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالشُّهَدَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ. وَتَكْفِينِ الْمَوْتَى، وَجَمِيعِ أَنْوَاعِ الْبِرِّ كَمَا فِي الْهِنْدِيَّةِ ط وَقَدَّمْنَا فِي الزَّكَاةِ عَنِ التَّتَارْخَانِيَّةِ عَنِ الْمُحِيطِ الْأَفْضَلُ لِمَنْ يَتَصَدَّقُ نَفْلًا أَنْ يَنْوِيَ لِجَمِيعِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ لِأَنَّهَا تَصِلُ إِلَيْهِمْ وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِهِ شَيْءٌ. اهـ.

مصنف کا قول بعبادۃ ما سے عام مراد ہے کہ خواہ وہ نماز ہو روزہ ہو، صدقہ ہو، تلاوت ہو ذکر ہو، طواف ہو حج ہو عمرہ یا اس کے علاوہ اور کچھ انبیاء علیہ السلام، شہداء اولیاء اور صالحین کی قبروں کی زیارت اور مردگان کی تکفین اور نیکی کی تمام اقسام ہو (اس کا ایصال ثواب کیا جاسکتا ہے) جیسا کہ فتاوی فتاوی ہندیہ، کتاب زکوۃ، مطبوعہ، بیروت میں ہے زکوۃ کے بارے میں ہم نے ماقبل میں فتاوی تاتارخانیہ کی عبارت محیط کے حوالہ سے نقل کی تھی کہ جو شخص نفل صدقہ کرتا ہے اسکے لئے بہتر یہ ہے کہ تمام مومنین و مومنات کی جانب سے ایصال ثواب کی نیت کرلے کیونکہ ثواب سبھی کو پہنچے گا اور صدقہ کرنے والے کے اجر میں سے بھی کچھ کمی نہ ہوگی۔

ایک اور حنفی فقیہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

مَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ أَنَّ لِلْإِنْسَانِ أَنْ يَجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهِ لِغَيْرِهِ وَيَصِلُ

(الاختیار تعلیل المختار 179/4)

اہل السنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ انسان اپنے کسی بھی عمل کا ثواب دوسرے کو بخش سکتا ہے اور دوسرے کو اس کا ثواب پہنچتا ہے۔

مسلک شافعیہ

ومعنى (العلم المنتفع به): إما كتب علم وقفها، أو علم غيره. فأما ما سوى ذلك من القرب، كالصلاة والقراءة والذكر.. فلا يلحق الميت ثوابها بفعل الغير لها عنه. (البیان فی مذہب الامام الشافعی 317/8)

عالم نافع کے ضمن میں کتب علم کا وقف اور دوسروں کو علم سکھانا بھی ہے اس کے علاوہ جو کچھ عبادات میں سے نماز، تلاوت ذکر وغیرہ ہے تو اس کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا ہے۔

شافعی حضرات تلاوت قرآن سے میت کو ایصال ثواب کے منکر ہیں لیکن اسی کے ساتھ قبر پر تلاوت قرآن کے جواز کے قائل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے خیال میں جہاں پر قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے وہاں پر خدا کی رحمت اترتی ہے۔ لہذا میت کی قبر پر تلاوت قرآن سے امید ہے کہ خدا کی رحمت میت کو بھی شامل حال ہوگی۔

إلا أنه إذا قرء القرآن عند القبر أو الميت.. فإن ثواب القراءة للقارء ولكن الرحمة تنزل حيث يقرأ القرآن، فيرجى أن تعم الرحمة الميت؛ لأنه كالجالس بينهم. هذا مذهبنا.

(البیان فی مذہب الامام الشافعی 317/8)

ہاں مگر جب کہ قبر یا میت کے پاس قران کی تلاوت کی جائے تو ثواب تو صرف قاری کو ہی ملے گا لیکن چونکہ رحمت قرآن پڑھنے کی جگہ پر نازل ہوگی تو امید ہے کہ اس رحمت کے عموم میں میت بھی داخل ہوگا کیونکہ وہ بھی ان کے ساتھ اور شریک کی طرح ہے۔ یہ شافعیہ کا مسلک ہے۔

یہی بات الحاوی الکبیر کے مصنف نے بھی لکھی ہے۔

فصل: أَحَدُهَا: مَا يَجُوزُ أَنْ يُفْعَلَ عَنْهُ بِأَمْرِهِ وَغَيْرِ أَمْرِهِ. وذلك قضاء الديون، وَأَدَاءُ الزَّكَاةِ، وَفِعْلُ مَا وَجَبَ مِنْ حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ، وَالدُّعَاءُ لَهُ، وَالْقِرَاءَةُ عِنْدَ قَبْرِهِ. (الحاوی الکبیر 8/300)

ایک قسم وہ ہے جو میت کی جانب سے اس کے حکم پر اور حکم کے بغیر بھی کیا جاسکتا ہے جیسا کہ قرض کی ادائیگی، زکوٰۃ کی ادائیگی، اور واجب حج وعمرہ کی ادائیگی، میت کے لئے اور اس کی قبر پر تلاوت قرآن۔

لیکن واضح رہے کہ متاخرین فقہائے شافعیہ نے اس بات کو مانا ہے کہ تلاوت قرآن پاک سے ایصال ثواب کیا جاسکتا ہے۔ امام نووی لکھتے ہیں۔

وَأَمَّا قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ فَالْمَشْهُورُ مِنْ مَذْهَبِ الشَّافِعِيِّ أَنَّهُ لَا يَصِلُ ثَوَابُهَا إِلَى الْمَيِّتِ وَقَالَ بَعْضُ أَصْحَابِهِ يَصِلُ ثَوَابُهَا إِلَى الْمَيِّتِ (شرح النووی علی مسلم 1/90)

بہرحال قرآن کریم کی تلاوت تو امام شافعی کا مشہور مسلک یہی ہے کہ اس کا ثواب میت کو نہیں پہنچے گا لیکن ان کے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ تلاوت قرآن کریم کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔

مالکیہ کا مسلک

وَوَقَعَ خِلَافٌ فِي انْتِفَاعِهِ بِالْقِرَاءَةِ لَهُ وَرَجَّحَ بَعْضٌ انْتِفَاعَهُ بِهَا. فَلَا يَنْبَغِي إِهْمَالُهَا سَوَاءٌ وَقَعَتْ عَلَى قَبْرِهِ أَوْ فِي غَيْرِهِ (الفواکہ الدوانی علی رسالۃ ابن ابی زید القیروانی 2/291)

اور میت کے تلاوت قرآن سے منتفع ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ اور بعض فقہاء نے میت کے منتفع ہونے کو ترجیح دی ہے۔ تو اس کو چھوڑنا اور ترک کرنا درست ہے۔ خواہ یہ تلاوت قرآن میت کی قبر پر ہو یا کہیں اور۔

ابْنُ رُشْدٍ فِي نَوَازِلِهِ ضَابِطُهُ: إِنْ قَرَأَ الرَّجُلُ وَوَهَبَ ثَوَابَ قِرَاءَتِهِ لِمَيِّتٍ جَازَ ذَلِكَ وَحَصَلَ لِلْمَيِّتِ أَجْرُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى وَبِاللَّهِ التَّوْفِيقُ. (منح الجلیل شرح مختصر الخلیل 1/509)

ابن رشد نوازل میں لکھتے ہیں کہ میت کو ثواب پہنچانے کا طریقہ کار یہ ہے کہ کوئی شخص تلاوت قرآن کرے اور اس کا ثواب میت کو ہدیہ کردے تو یہ جائز ہے اور میت کو اجر حاصل ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

اسی کتاب مین آگے چل کر لکھا ہے۔

بِالْجُمْلَةِ فَيَنْبَغِي أَنْ لَا يُهْمَلَ أَمْرُ الْمَوْتَى مِنَ الْقِرَاءَةِ فَلَعَلَّ الْوَاقِعَ فِي ذَلِكَ هُوَ الْوُصُولُ لَهُمْ وَلَيْسَ هَذَا حُكْمًا شَرْعِيًّا. وَكَذَا التَّهْلِيلُ يَنْبَغِي أَنْ يُعْمَلَ وَيُعْتَمَدَ عَلَى فَضْلِ اللَّهِ تَعَالَى وَسَعَةِ رَحْمَتِهِ.

شاید کہ حقیقت اور واقعیت میں ان کو ثواب پہنچتا ہے اور یہ کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ اسی طرح لا الہ الا اللہ بھی کہنا چاہئے اور اس سلسلے میں اللہ کے فضل اور اس کی وسیع رحمت پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مردوں کے لئے تلاوت کلام اللہ کو بالکل ترک نہ کیا جائے

حنابلہ کا مسلک

اس سلسلے میں ابن قدامہ اپنی مشہور عالم تصنیف المغنی میں لکھتے ہیں۔

فَصْلٌ: وَأَيُّ قُرْبَةٍ فَعَلَهَا، وَجَعَلَ ثَوَابَهَا لِلْمَيِّتِ الْمُسْلِمِ، نَفَعَهُ ذَلِكَ، إنْ شَاءَ اللَّهُ،

اور ایک مسلمان کوئی سی بھی عبادت کرے اور اسکا ثواب دوسرے فوت شدہ مسلم کو بخش دے تو اس سے میت کو نفع پہنچے گا اگر اللہ نے چاہا۔

یہی بات مشہور حنبلی فقیہہ ابن مفلح نے کہی ہے۔

وَأَيُّ قُرْبَةٍ فَعَلَهَا) مِنْ دُعَاءٍ، وَاسْتِغْفَارٍ، وَصَلَاةٍ، وَصَوْمٍ، وَحَجٍّ، وَقِرَاءَةٍ، وَغَيْرِ ذَلِكَ (وَجَعَلَ ثَوَابَ ذَلِكَ لِلْمَيِّتِ الْمُسْلِمِ، نَفَعَهُ ذَلِكَ). (المبدع فی شرح المقنع 281/2)

اور کوئی بھی نیکی چاہے وہ دعا، استغفار، نماز، روزہ، حج، قرآن کی تلاوت یا اور کچھ کرے اور اس کا ثواب مسلمان فوت شدہ کے نام کرے تو اس کا نفع اس میت کو ہوگا۔

ظاہریہ کا مسلک بھی اس سلسلے میں امام احمد بن حنبل کے مسلک سے مشابہ ہے۔ ان کے اقوال الگ سے ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

ابن تیمیہ اور ابن قیم

ان حضرات کا شمار اگرچہ فقہائے حنابلہ میں ہی ہوتا ہے اور ہونا چاہئے لیکن چونکہ کچھ لوگوں نے انہیں الگ طرح کی حیثیت دے دی ہے اور بعض لوگوں کے خیال میں یہ لوگ ائمہ اربعہ سے بھی زیادہ اعلم وافقہ ہیں (ابتسامہ) لہٰذا ان کے انبساط خاطر کے لئے ان کے بھی اقوال الگ سے ذکر کر دیئے جاتے ہیں تاکہ ان کے مقلدین کے پاس اگر گوش نصیحت نیوش ہو تو کان دھریں۔

ابن تیمیہ نے کئی مقامات پر تلاوت کلام اللہ سے ایصال ثواب کے تعلق سے گفتگو کی ہے لیکن بیشتر مقامات پر ان کا طرز عمل صرف علماء کا مسلک بیان کرنے میں رہا ہے۔ چنانچہ ایک سوال کے جواب میں وہ لکھتے ہیں۔

أَمَّا الصِّيَامُ عَنْهُ وَصَلَاةُ التَّطَوُّعِ عَنْهُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ عَنْهُ فَهَذَا فِيهِ قَوْلَانِ لِلْعُلَمَاءِ: أَحَدُهُمَا: يَنْتَفِعُ بِهِ وَهُوَ مَذْهَبُ أَحْمَد وَأَبِي حَنِيفَةَ وَغَيْرِهِمَا. وَبَعْضِ أَصْحَابِ الشَّافِعِيِّ وَغَيْرِهِمْ. وَالثَّانِي: لَا تَصِلُ إلَيْهِ وَهُوَ الْمَشْهُورُ فِي مَذْهَبِ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ. (مجموع الفتاوی 315/24)

بہر حال میت کی جانب سے روزہ، نفل نماز اور قران کی تلاوت تو اس سلسلے میں علماء کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ میت کو اس سے فائدہ ہوتا ہے اور یہ امام احمد امام ابوحنیفہ، دیگر اور بعض شافعیہ اور دیگر کا مسلک ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان اعمال کا

ثواب میت کونہیں پہنچتا ہے اور یہی امام مالک اور امام شافعی کا مشہور مذہب ہے۔

اس مسئلہ میں علماء کے اختلاف پر انہوں نے کئی مقامات پر اپنی تصنیفات میں گفتگو کی ہے۔

ایک دوسرے مقام پر وہ تلاوت کلام اللہ سے میت کو ایصال ثواب کے مقبول ہونے کا اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لَيْسَ فِي الْآيَةِ وَلَا فِي الْحَدِيثِ أَنَّ الْمَيِّتَ لَا يَنْتَفِعُ بِدُعَاءِ الْخَلْقِ لَهُ وَبِمَا يُعْمَلُ عَنْهُ مِنَ الْبِرِّ بَلْ أَئِمَّةُ الْإِسْلَامِ مُتَّفِقُونَ عَلَى انْتِفَاعِ الْمَيِّتِ (مجموع الفتاوی 306/24)

ابن تیمیہ کے سامنے یہ سوال پیش ہوا کہ قرآن میں ہے کہ انسان کو صرف اس کی کوشش ہی فائدہ پہنچاتی ہے حدیث میں ہے کہ مرنے کے بعد عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین اعمال کے تو کیا انسان کو دیگر اعمال وافعال کا ثواب نہیں پہنچتا۔ اس پر انہوں نے یہ بات لکھی ہے کہ اس میں یا حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ میت کو مخلوق کی دعا سے فائدہ نہیں ہوگا۔ یا اس کی جانب سے جو نیک کام کئے جاتے ہیں اس کا ثواب اس کو نہیں پہنچتا ہے بلکہ ائمہ اسلام اس پر متفق ہے کہ نیک کام سے میت کو فائدہ ہوتا ہے۔

اشارہ سے گزر کر ابن تیمیہ نے اس سلسلے میں تصریح بھی کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

وَالْعُلَمَاءُ لَهُمْ فِي وُصُولِ الْعِبَادَاتِ الْبَدَنِيَّةِ: كَالْقِرَاءَةِ وَالصَّلَاةِ وَالصِّيَامِ إِلَى الْمَيِّتِ قَوْلَانِ أَصَحُّهُمَا أَنَّهُ يَصِلُ۔ (الفتاوی الکبری لابن تیمیہ 257/4)

میت کو عبادات بدنیہ جیسے تلاوت کلام اللہ، نماز، روزہ کے ثواب میت کو پہنچنے میں دو قول ہیں ان میں سے صحیح ترین قول یہ ہے کہ اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔

ابن قیم نے بھی اپنے استاد ابن تیمیہ کی ہی طرح ایصال ثواب کے وقوع کو ترجیح دی ہے اور اس سلسلے میں ان کا خیال یہ ہے کہ چونکہ شریعت میں کوئی واضح طور پر ممانعت نہیں آئی ہے اس لئے دیگر اعمال پر قیاس کرتے ہوئے ایصال ثواب جائز ہے۔

قاضی شوکانی:

غیر مقلدین حضرات کے یہاں ایک بڑا نام قاضی شوکانی کا بھی ہے۔ نواب صدیق حسن خان صاحب کے بارے میں بھی کچھ کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ قاضی شوکانی سے استمداد کے خواہاں رہتے تھے۔ قاضی شوکاں مددے کا نعرہ جذب و بے خودی میں بلند کر دیا کرتے تھے۔

وہ نیل الاوطار میں (بَابُ وُصُولِ ثَوَابِ الْقُرَبِ الْمُهْدَاةِ إِلَى الْمَوْتَى) میں لکھتے ہیں۔

وَقَدْ اُخْتُلِفَ فِي غَيْرِ الصَّدَقَةِ مِنْ أَعْمَالِ الْبِرِّ هَلْ يَصِلُ إِلَى الْمَيِّتِ؟ فَذَهَبَتْ الْمُعْتَزِلَةُ إِلَى أَنَّهُ لَا يَصِلُ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَاسْتَدَلُّوا بِعُمُومِ الْآيَةِ وَقَالَ فِي شَرْحِ الْكَنْزِ: إِنَّ لِلْإِنْسَانِ أَنْ يَجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهِ لِغَيْرِهِ صَلَاةً كَانَ أَوْ صَوْمًا أَوْ حَجًّا أَوْ صَدَقَةً أَوْ قِرَاءَةَ قُرْآنٍ أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ مِنْ جَمِيعِ أَنْوَاعِ الْبِرِّ. وَيَصِلُ ذَلِكَ إِلَى الْمَيِّتِ وَيَنْفَعُهُ عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ انْتَهَى وَالْمَشْهُورُ مِنْ مَذْهَبِ الشَّافِعِيِّ وَجَمَاعَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ

أَنَّهُ لا يَصِلُ إِلَى الْمَيِّتِ ثَوَابُ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَذَهَبَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَجَمَاعَةٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَجَمَاعَةٌ مِنْ أَصْحَابِ الشَّافِعِيِّ إِلَى أَنَّهُ يَصِلُ. كَذَا ذَكَرَهُ النَّوَوِيُّ فِي الْأَذْكَارِ وَفِي شَرْحِ الْمِنْهَاجِ لِابْنِ النَّحْوِيِّ: لَا يَصِلُ إِلَى الْمَيِّتِ عِنْدَنَا ثَوَابُ الْقِرَاءَةِ عَلَى الْمَشْهُورِ. وَالْمُخْتَارُ الْوُصُولُ إِذَا سَأَلَ اللّٰهَ إِيصَالَ ثَوَابِ قِرَاءَتِهِ. وَيَنْبَغِي الْجَزْمُ بِهِ؛ لِأَنَّهُ دُعَاءٌ. فَإِذَا جَازَ الدُّعَاءُ لِلْمَيِّتِ بِمَا لَيْسَ لِلدَّاعِي. فَلَأَنْ يَجُوزَ بِمَا هُوَ لَهُ أَوْلَى۔ (نیل الاوطار 4/113)

صدقہ کے علاوہ دیگر اعمال کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے یا نہیں

معتزلہ کا خیال ہے کہ میت کو کسی قسم کا ثواب نہیں پہنچتا ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے آیت کے عموم سے استدلال کیا ہے (لیس للانسان الا ما سعی) اور کنز کی شرح میں مصنف نے کہا ہے انسان کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب دوسروں کو بخش دے چاہے وہ نماز ہو یا روزہ یا حج یا صدقہ یا تلاوت قرآن یا اس کے علاوہ نیکی کے دیگر اقسام وانواع۔ ان تمام کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور اس کو فائدہ ہوتا ہے اہل سنت کا مذہب یہی ہے۔ امام شافعی اور ان کے اصحاب کا مشہور مسلک یہ ہے کہ میت کو تلاوت قرآن کا ثواب نہیں پہنچتا ہے۔ جب کہ امام احمد بن حنبل، اور علمائ کی ایک جماعت اور امام شافعی کے اصحاب کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ میت کو تلاوت قرآن کا ثواب پہنچتا ہے۔ نووی نے اذکار میں ایسا ہی ذکر کیا ہے اور منہاج کی شرح میں ابن نحوی نے لکھا ہے کہ مشہور رائے کے مطابق ہمارے نزدیک میت کو تلاوت قرآن کا ثواب نہیں پہنچتا ہے لیکن مختار مسلک یہ ہے کہ تلاوت قرآن کا ثواب پہنچتا ہے جب وہ اللہ سے سوال کرے کہ وہ اس عمل کا ثواب فلانے کو پہنچا دے۔ (میت کو ثواب پہنچنے کے سلسلے میں) اعتقاد جازم ہونا چاہئے۔ کیونکہ وہ دعا ہے۔ تو جب میت کے لئے ایسی دعا کی جاسکتی ہے جس میں دعا کرنے والے کا کوئی عمل دخل نہیں ہے تو ایسی دعا کرنا بدرجہ اولیٰ مناسب ہوگا جس میں دعا کرنے والے کے عمل کا دخل ہے۔

خلاصہ کلام:

ان گزارشات بالخصوص مسلک پر تفصیلی کلام کرنے سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جمہور علماء کی رائے اس بارے میں کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل اور ان کے اصحاب جواز کے قائل ہیں۔ امام شافعی کا ایک قول اور امام مالک عدم جواز کے قائل ہیں لیکن ان کے مسلک سے وابستہ علماء جواز کے قائل ہیں۔ اسی طرح ظاہر یہ بھی جواز کے قائل ہیں۔ ظاہر یہ سے گزر کر اہل حدیث حضرات کے یہاں وقعت رکھنے والے، ابن تیمیہ، ابن قیم اور قاضی شوکانی بھی جواز کے قائل ہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ کا فتویٰ

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ اپنے فتاویٰ کی جلد اول کے صفحہ نمبر 71 پر فرماتے ہیں کہ نیاز کا وہ کھانا جس کا ثواب حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ عنہم کو پہنچایا جائے اور اس پر فاتحہ، قل شریف اور درود شریف پڑھا جائے تو وہ کھانا برکت والا ہو جاتا ہے اور اس کا تناول کرنا بہت اچھا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایصال ثواب کرنے نہ صرف میت کو ثواب پہنچتا بلکہ اس کے درجات بھی بلند ہوتے ہیں۔

گیارہویں شریف صالحین کی نذر میں

1۔سراج الہند محدث اعظم ہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ گیارہویں کے متعلق فرماتے ہیں: ''حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے روضہ مبارک پر گیارہویں تاریخ کو بادشاہ وغیرہ شہر کے اکابر جمع ہوتے، نماز عصر کے بعد مغرب تک قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی مدح اور تعریف میں منقبت پڑھتے، مغرب کے بعد سجادہ نشین درمیان میں تشریف فرما ہوتے اور ان کے اردگرد مریدین اور حلقہ بگوش بیٹھ کر ذکر جہر کرتے، اسی حالت میں بعض پر وجدانی کیفیت طاری ہوجاتی، اس کے بعد طعام شیرینی جو نیاز تیار کی ہوتی، تقسیم کی جاتی اور نماز عشاء پڑھ کر لوگ رخصت ہوجاتے''

(ملفوظات عزیزی، فارسی، مطبوعہ میرٹھ، یوپی بھارت ص62)

2: تیرہویں صدی کے مجدد شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ گیارہویں شریف کے متعلق فرماتے ہیں: حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ اپنی کتاب ''ماثبت من السنہ'' میں لکھتے ہیں کہ میرے پیرومرشد حضرت شیخ عبدالوہاب متقی مہاجر مکی علیہ الرحمہ 9 ربیع الثانی کو حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو عرس کرتے تھے، بے شک ہمارے ملک میں آج کل گیارہویں تاریخ مشہور ہے اور یہی تاریخ آپ کی ہندی اولاد ومشائخ میں متعارف ہے۔

(ماثبت من السنہ از: شاہ عبدالحق محدث دہلوی، عربی، اردو مطبوعہ دہلی ص 167)

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ اپنی دوسری کتاب ''اخبار الاخیار'' میں لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ امان اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ (المتوفی 997ھ) گیارہ ربیع الثانی کو حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا عرس کرتے تھے۔

(اخبار الاخیار، از: محدث شاہ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمہ ص498 (اردو ترجمہ) مطبوعہ کراچی)

حضرت شیخ عبدالوہاب متقی مکی علیہ الرحمہ، حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ، حضرت شیخ امان اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ یہ تمام بزرگ دین اسلام کے عالم فاضل تھے اور ان کا شمار صالحین میں ہوتا ہے، ان بزرگوں نے گیارہویں شریف کا ذکر کرکے کسی قسم کا شرک وبدعت کا فتویٰ نہیں دیا۔

تمام دلائل وبراہین سے معلوم ہوا کہ گیارہویں شریف کا انعقاد کرنا سلف وصالحین کا طریقہ ہے جو کہ باعث اجر وثواب ہے۔

1682 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ إِشْكَابَ، حَدَّثَنَا أَبُو بَدْرٍ، حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ - الَّذِي كَانَ يَنْزِلُ فِي بَنِي دَالَانَ - عَنْ نُبَيْحٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَيُّمَا مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلَى عُرْيٍ، كَسَاهُ اللَّهُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّةِ، وَأَيُّمَا مُسْلِمٍ أَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلَى جُوعٍ، أَطْعَمَهُ اللَّهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ، وَأَيُّمَا مُسْلِمٍ سَقَى مُسْلِمًا عَلَى ظَمَإٍ، سَقَاهُ اللَّهُ مِنَ الرَّحِيقِ الْمَخْتُومِ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کپڑے پہنائے جبکہ وہ (دوسرا مسلمان) برہنہ ہو (یعنی اس کے پاس مناسب

کپڑے نہ ہوں) تو اللہ تعالیٰ اس (پہنانے والے کو) جنت کا سبز لباس پہنائے گا' اور جو کسی دوسرے مسلمان کو کھانا کھلائے اللہ تعالیٰ اسے جنت کے پھل کھلائے گا' اور جو کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے' تو اللہ تعالیٰ اسے مہر بند مشروب پلائے گا''۔

1۔ قرآن حکیم میں کھانا کھلانے کی فضیلت

1۔ کھانا کھلانے کے باب میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ○ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ○

''اور (اپنا) کھانا اللہ کی محبت میں (خود اُس کی طلب وحاجت ہونے کے باوُ جود ایثاراً) محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں○ (اور کہتے ہیں کہ) ہم تو محض اللہ کی رضا کے لیے تمہیں کھلا رہے ہیں، نہ تم سے کسی بدلہ کے خواست گار ہیں اور نہ شکر گزاری کے (خواہش مند) ہیں○'' (الدہر، 9،8:76)

2۔ مناسکِ حج میں سے ایک قربانی کے جانور ذبح کرنا ہے۔ اللہ رب العزت نے ذبیحہ کے گوشت کو خود کھانے اور باقی ضرورت مندوں کو کھلانے کا حکم دیا ہے:

فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ○

''پس تم اس میں سے خود (بھی) کھاؤ اور خستہ حال محتاج کو (بھی) کھلاؤ○'' (الحج، 28:22)

ایک اور مقام پر فرمایا:

فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ.

''تو تم خود (بھی) اس میں سے کھاؤ اور قناعت سے بیٹھے رہنے والوں کو اور سوال کرنے والے (محتاجوں) کو بھی کھلاؤ''

(الحج، 36:22)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو کھانے کی دعوت پر بلایا کرتے تھے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ.

''اے ایمان والو! نبیء (مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو سوائے اس کے کہ تمہیں کھانے کے لیے اجازت دی جائے (پھر وقت سے پہلے پہنچ کر) کھانا پکنے کا انتظار کرنے والے نہ بنا کرو، ہاں جب تم بلائے جاؤ تو (اُس وقت) اندر آیا کرو پھر جب کھانا کھا چکو تو (وہاں سے اُٹھ کر) فوراً منتشر ہو جایا کرو اور وہاں باتوں میں دل لگا کر بیٹھے رہنے والے نہ بنو۔''

(الأحزاب، 53:33)

اِن آیاتِ مبارکہ سے واضح ہے کہ کھانے کی دعوت دینا اور اپنے دوست اَحباب، ضرورت مندوں، محتاجوں اور بے کسوں کو

کھانا کھلانا عین سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حکم خداوندی ہے۔

2۔ اَحادیثِ مبارکہ میں کھانا کھلانے کی ترغیب

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مواقع پر غرباء و مساکین اور رشتہ داروں اور مستحقین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دی ہے۔ اس حوالے سے چند اَحادیث مبارکہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

1۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص نے سوال کیا: بہترین اسلام کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تطعم الطعام وتقرأ السّلام علی من عرفت ومن لم تعرف.

’’تو کھانا کھلائے یا سلام کرے اُس شخص کو جسے تو پہچانتا ہو یا نہ پہچانتا ہو۔‘‘

1. بخاری، الصحیح، کتاب الایمان، باب إطعام الطعام من الاسلام، 1:13، رقم:12
2. بخاری، الصحیح، کتاب الایمان، باب إفشاء السلام، 1:19، رقم:28
3. بخاری، الصحیح، کتاب الاستئذان، باب السلام للمعرفة وغیر المعرفة، 5:2302، رقم:5882
4. مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب تفاضل الایمان، 1:65، رقم:39
5. ابوداود، السنن، کتاب الأدب، باب فی إفشاء السلام، 4:350، رقم:5194
6. نسائی، السنن، کتاب الایمان، باب أی الاسلام خیر، 8:107، رقم:5000
7. ابن ماجہ، السنن، کتاب الأطعمة، باب إطعام الطعام، 2:1083، رقم:3253

2۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مدینہ تشریف لائے تو اوّل کلام جو میں نے ان سے سنا وہ یہ تھا:

یا أیها الناس! أفشوا السّلام، وأطعموا الطّعام، وصلّوا والنّاس نیام تدخلون الجنّة بسلام.

’’اے لوگو! سلام عام کرو اور کھانا کھلاؤ، اور نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں، تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔‘‘

1. ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب صفة القیامة والرقائق والورع، 4:652، رقم:2485
2. ابن ماجہ، السنن، کتاب إقامة الصلاة والسنة فیها، باب فی قیام اللیل، 1:423، رقم:1334
3. ابن ماجہ، السنن، کتاب الأطعمة، باب إطعام الطعام، 2:1083، رقم:3251
4. أحمد بن حنبل، المسند، 5:451، رقم:23835
5. دارمی، السنن، 1:405، رقم:1460

3۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أعبدوا الرحمن، وأطعموا الطّعام، وأفشوا السّلام، تدخلوا الجنّة بسلام.

’’تم رحمان کی عبادت کرو اور کھانا کھلاؤ اور سلام عام کرو، سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔‘‘

1. ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الأطعمة، باب ما جاء فی فضل إطعام الطعام، 4: 2870، رقم: 1855
2. أحمد بن حنبل، المسند، 2: 170، رقم: 6587
3. دارمی، السنن، 2: 148، رقم: 2081
4. بزار، البحر الزخار (المسند)، 6: 383، رقم: 2402
5. بخاری، الأدب المفرد، 1: 340، رقم: 981

4۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے کثرت کے ساتھ کھانا کھلانے کا شکوہ کیا اور اسے اسراف قرار دیا، تو انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا حوالہ دیا:

خیارکم من أطعم الطّعام، وردّ السّلام.

’’تم میں سے بہترین وہ ہیں جو کھانا کھلاتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔‘‘

1. أحمد بن حنبل، المسند، 6: 16، رقم: 23971، 23974
2. طحاوی، شرح معانی الآثار، 4: 166، 167، رقم: 7105
3. حاکم، المستدرک علی الصحیحین، 4: 310، رقم: 7739
4. بیہقی، شعب الایمان، 6: 478، رقم: 8973

5۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من أطعم أخاه خبزاً حتی یشبعه، وسقاه ماء حتی یرویه، بعّده اللہ عن النار سبع خنادق بُعد ما بین خندقین مسیرة خمسمائة سنة.

’’جو شخص اپنے کسی بھائی کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے اور پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ اُسے (دوزخ کی) آگ سے سات خندق جتنے فاصلے کی دوری پر کر دے گا، اور دو خندقوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔‘‘

1. حاکم، المستدرک علی الصحیحین، 4: 144، رقم: 7172
2. طبرانی، المعجم الأوسط، 6: 320، رقم: 6518
3. بیہقی، شعب الایمان، 3: 218، رقم: 3368
4. دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، 3: 576، رقم: 5807
5. منذری، الترغیب والترہیب من الحدیث الشریف، 2: 36، رقم: 1403
6. ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، 3: 130

اِن تمام اَحادیث سے یہ نتیجہ اَخذ ہوا کہ اپنے بیگانے کی تمیز کے بغیر کسی کو بھی کھانا کھلانا بہترین عمل ہے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ کھانا کھلانے سے دوزخ سے رہائی ملتی ہے اور جنت میں ٹھکانہ ملتا ہے۔ لہٰذا اگر عام دنوں میں کسی بھوکے اور محتاج کو کھانا کھلانے کا اتنا زیادہ ثواب ہے تو جس دن بے کسوں کے والی، بے آسروں کے آسرا اور بے سہاروں کے سہارا سرورِ کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس عالمِ آب و گِل میں تشریف آوری ہوئی اُس موقع پر لوگوں کو کھانا کھلانا کتنے اَجر کا باعث ہوگا۔

یتیم، مسکین اور قیدی کو کھانا کھلانے کا بیان

ویطمون الطعام علی حبه مسکینا ویتیماواسیرا۔ (دہر،۸) حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا، وہ کھانا تھوڑا ہونے، اس کی محبت ہونے اور اس کی چاہت ہونے کے باوجود دوسروں کو کھلاتے ہیں دارانی نے کہا، حبہ کی ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔فضیل بن عیاض نے کہا، کھانا کھلانے کی محبت رکھتے ہوئے کھانا کھلاتے ہیں ربیع بن خثیم کے پاس جب کوئی سائل آتا تو آپ فرماتے: اے شکر کھلاؤ کیونکہ ربیع شکر پسند کرتے تھے۔مسکین سے مراد مسکنہ ولا ہے۔ابوصالح نے حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی ہے دروازوں پر گردش کرنے والا وہ تجھ سے تیرے مال کا سوال کرتا ہے۔یتیم سے مراد مسلمانوں کا یتیم ہے۔منصور نے حضرت حسن بصری سے روایت نقل کی ہے کہ ایک یتیم حضرت ابن عمر کے ساتھ کھانے میں شریک ہوتا تھا ایک روآپ نے اپنا کھانا منگوایا یتیم کو طلب کیا تو اسے نہ پایا حضرت ابن عمر جب کھانے سے فارغ ہوئے تو اس وقت وہ یتیم آیا تو کھانا نہ پایا۔حضرت عمر نے اس کے لیے ستو اور شہد منگوایا اور فرمایا: اے لے لو اللہ کی قسم تیرے ساتھ کوئی غبن نہیں کیا گیا۔

اسیر سے مراد وہ شخص ہے جسے قید کر دیا جائے۔ابوصالح نے حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی ہے کہ اسیر سے مراد مشرک ہے جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہے یہ قتادہ کا بھی قول ہے ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے اسیر سے مراد وہ شخص ہے جسے قید کیا گیا ہو سعید بن جبیر اور عطا نے بھی یہی کہا ہے۔اس سے مراد وہ مسلمان شخص ہے جسے کسی حق کے بدلہ میں قید کیا گیا ہو، سعید بن جبیر نے قتادہ اور حضرت ابن عباس جیسا قول کیا ہے۔

قتادہ نے کہا، اللہ تعالیٰ نے قیدیوں کے بارے میں زیادہ حق دار ہے کہ تو اس کو کھلائے۔عکرمہ نے کہا، اسی رے مراد غلام ہے ابوحمزہ ثمالی نے کہا، اسیر سے مراد عورت ہے جس پر رسول اللہ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے، استوصوابالنساء خیرافانھن عوان عنکم۔ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو کیونکہ وہ تمہاری قید میں ہیں۔حضرت ابوسعید خدری نے کہا رسول اللہ نے اس آیت میں تلاوت۔ فرمایا، مسکین سے مراد فقیر ہے یتیم سے مراد جس کا باپ نہ ہو اور اسیر سے مراد قیدی ہے یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: مسکین کو کھانا کھلانے والی آیت وصدقات والی آیت نے منسوخ کر دیا ہے قیدی کو کھانا کھلانے والی آیت کو تلوار والی آیت نے منسوخ کر دیا ہے۔

یہ سعید بن جبیر کا قول ہے دوسرے علماء نے کہا، اس کا حکم ثابت ہے یتیم و مسکین کو کھانا کھلانے کا حکم نفل کے طور پر تھا قیدی کو کھانا کھلانے کا حکم جان کی حفاظت کی خاطر ہے مگر امام اس کے بارے میں جو پسند کرے۔ماوردی نے کہا، یہ احتمال موجود ہے کہ اسیر سے مراد ناقص العقل ہے کیونکہ وہ اپنے جنون کی قید میں ہے مشرک کی قید انتقام ہے جو امام کی رائے پر موقوف ہے یہی نیکی اور احسان ہے عطا سے مروی ہے، اسیر اہل قبلہ اور دوسرے لوگوں میں سے بھی ہو سکتا ہے۔میں نے کہا یہ گویا قول عام ہے جو تمام اقوال کو جامع ہے اور مشکوک قیدی کو کھانا کھلانا اللہ تعالیٰ کے ہاں عبادت ہے مگر یہ نفلی صدقہ ہے۔

الدھر: ۸ میں فرمایا: وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

ایثار کی فضلیت میں احادیث

اس آیت میں فرمایا ہے: وہ اللہ کی محبت میں، اس کا معنی ہے: ہر چند کہ انہیں خود کھانے کی خواہش ہوتی ہے اور کھانے کی ضرورت ہوتی ہے، پھر بھی وہ اپنے اوپر دوسرے ضرورت مندوں کو ترجیح دیتے ہیں اور ان کے لیے ایثار کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے پوچھا: یارسول اللہ! کون ساصدقہ سب سے زیادہ عظیم ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اس وقت صدقہ کرو جب تم تندرست ہو اور تمہیں خود مال کی ضرورت ہو اور تمہیں فقر کا خطرہ ہو اور خوش حالی کی امید ہو اور صدقہ دینے میں اتنی تاخیر نہ کرو حتیٰ کہ تمہاری روح تمہارے حلقوم تک پہنچ جائے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۴۱۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے پوچھا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کون ساصدقہ سب سے زیادہ عظیم ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اس وقت صدقہ کرو جب تم تندرست ہو اور تمہیں خود مال کی ضرورت ہو اور تمہیں فقر کا خطرہ ہو اور خوش حالی کی امید ہو اور صدقہ دینے میں اتنی تاخیر نہ کرو حتیٰ کہ تمہاری روح تمہارے حلقوم تک پہنچ جائے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۱۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان نے ضرورت کے باوجود کسی برہنہ مؤمن کو کپڑے پہنائے تو اللہ اس کو جنت کا سبز لباس پہنائے گا، اور جس مسلمانوں نے اپنی بھوک کے باوجود کسی مسلمان کو کھانا کھلایا، اللہ اس کو جنت کے پھلوں سے کھلائے گا اور جس مسلمان نے پیاس کے باوجود کسی مسلمان کو پانی پلایا، اللہ اس کو جنت کی شراب سے پلائے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۸۲، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۴۹، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۱۱، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۴۳، مسند احمد ج ۱۴۔۱۳ طبع قدیم، مسند احمد ج ۱۷ ص ۱۶۷۔۱۶۶۔ رقم الحدیث: ۱۱۱۰۱، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

الدھر: ۸ حضرت علی کے متعلق نازل ہوئی ہے یا ایک انصاری کے متعلق؟

امام ابوالحسن مقاتل بن سلیمان بلخی متوفی ۱۵۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت حضرت ابوالدحداح انصاری رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ آیت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، انہوں نے ایک دن روزہ رکھا، جب افطار کا ارادہ کیا تو ایک سائل نے نداء کی: تمہارے پاس جو طعام ہے: وہ مجھے کھلاؤ، کیونکہ میں نے آج سارے دن سے کچھ نہیں کھایا، حضرت ابوالدحداح یا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ سے کہا: اٹھو! اس کو ایک روٹی اور سالن دے دو، اور اس کو کھانا کھلا دو، تھوڑی دیر بعد ایک یتیم لڑکی نے آکر صدا دی اور کہا: مجھے کھانا کھلاؤ، میں بہت کمزور ہوں اور میں نے سارے دن سے کچھ نہیں کھایا، حضرت ابوالدحداح نے کہا: اے اُمّ الدحداح! اس کو ایک روٹی اور سالن دو اور اس کو کھانا کھلاؤ، کیونکہ اللہ کی قسم! یہ اس مسکین سے زیادہ مستحق ہے، وہ ابھی اس کو کھلانے میں مشغول تھے کہ دروازہ پر ایک قیدی نے آکر سوال کیا: تمہارے شہر میں ایک اجنبی مسافر آیا ہے، اس کو کھانا کھلاؤ، پس میں تمہارے ہاں قیدی ہوں اور مجھے بھوک نے بہت ستا رکھا ہے، پس اس ذات کی رضا کے لیے جس نے تمہیں عزت دی ہے اور مجھے

ذلت میں مبتلا کیا ہے تم مجھے کھانا کھلا دو، پھر حضرت ابوالدحداح نے کہا: اے اُمّ الدحداح! اٹھو اور اس مسافر قیدی کو ایک روٹی اور سالن کھلا دو، یہ ان دونوں سائلوں سے زیادہ مستحق ہے، پھر انہوں نے ان کو تین روٹیاں کھلا دیں اور ان کے لیے صرف ایک روٹی رہ گئی، تب اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کی مدح میں یہ آیتیں نازل کیں: وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں:) ہم تم کو صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں، ہم تم سے اس کے عوض نہ کوئی صلہ چاہتے ہیں نہ ستائش۔ بے شک ہم اپنے رب سے اس دن کا خوف رکھتے ہیں جو بے حد ترش اور بہت سخت ہے۔ (الدھر: ۱۰۔۸)

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۴۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو تین دن بھوکا رکھ کر مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلانا

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی متوفی ۴۲۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کے سبب نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے، مقاتل نے کہا: یہ آیت ایک انصاری کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے ایک دن میں ایک مسکین، ایک یتیم اور ایک قیدی کو کھانا کھلایا، اس کے بعد امام ثعلبی نے اپنی سند کے ساتھ اس انصاری کے قصہ کو بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ہمیں علی بن ابی حمزہ نے بیان کیا ہے، انہوں نے کہا: ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ ایک مسکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کھانا کھلائیں، آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! میرے پاس تمہیں کھلانے کے لیے کچھ نہیں ہے، لیکن میں تلاش کرتا ہوں، پھر وہ شخص ایک انصاری کے پاس گیا، وہ اپنی بیوی کے ساتھ رات کا کھانا کھا رہا تھا، اس نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تھا، میں نے آپ سے کہا: مجھے کھانا کھلائیں، آپ نے فرمایا: میرے پاس تمہیں کھلانے کے لیے کچھ نہیں ہے لیکن میں تلاش کرتا ہوں، اس انصاری نے اپنی بیوی سے پوچھا: تمہاری کیا رائے ہے؟ اس کی بیوی نے کہا: اس کو کھلاؤ اور پلاؤ، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یتیم گیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کھانا کھلایئے، آپ نے فرمایا: میرے پاس تمہیں کھلانے کے لیے کچھ نہیں ہے لیکن میں تلاش کرتا ہوں، پھر وہ یتیم اس انصاری کے پاس گیا جس کے پاس مسکین گیا تھا اور اس نے کہا: مجھے کھانا کھلاؤ اس انصاری نے اپنی بیوی سے کہا: تمہاری کیا رائے ہے؟ اس کی بیوی نے کہا: اس کو کھانا کھلاؤ، پس انہوں نے اس کو کھانا کھلایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قیدی گیا اور کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کھانا کھلایئے، آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! تمہیں کھلانے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے لیکن میں تلاش کرتا ہوں، پھر وہ قیدی اس انصاری کے پاس گیا اور اس سے کہا: مجھے کھانا کھلاؤ، انصاری نے اپنی بیوی سے کہا: تمہاری کیا رائے ہے؟ اس کی بیوی نے کہا: اس کو کھانا کھلاؤ، ان تینوں کو کھانا کھلانے کے واقعات ایک ہی وقت میں ہوئے، تب اللہ تعالیٰ نے اس انصاری کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی: وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ (الدھر: ۸) (الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۹۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابوعبداللہ قرطبی نے بھی امام ثعلبی سے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ (الجامع الاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۱۱۶۔۱۱۵)

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام ثعلبی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ بیمار ہوگئے، ان کے نانا سید محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لیے گئے اور انہوں نے کہا: اے ابوالحسن! کاش تم اپنے بچوں کے لیے نذر مان لیتے اور جو نذر پوری نہ کی جائے اس کی کوئی حقیقت ہے، تب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میرے دونوں بیٹے تندرست ہوگئے تو میں اللہ کا شکرادا کرنے کے لیے تین دن کے روزے رکھوں گا، حضرت علی خیبر کے یہودی شمعون کے پاس گئے اور اس سے تین صاع (بارہ کلوگرام) جو قرض لیے، اس یہودی نے کہا: کیا خیال ہے اگر تم ان تین صاع جو کے عوض مجھے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی سے کچھ اون کے دھاگے بنوا کردے دو، آپ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا، انہوں نے اس کی موافقت کی، حضرت علی بازار سے جو لے آئے، حضرت فاطمہ نے وہ جو پیسے، آٹا گوندھا اور پانچ روٹیاں پکائیں تا کہ بہ شمول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے لیے ایک ایک روٹی ہوجائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی، پھر گھر آئے اور اپنے آگے کھانا رکھا، اتنے میں ایک مسکین آکر دروازے پر کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا: اے اہل بیت محمد! السلام علیکم! میں مسلمان مسکینوں میں سے ایک مسکین ہوں، آپ مجھے کھانا کھلائیں، اللہ آپ کو جنت کے دسترخوان سے کھانا کھلائے گا، حضرت علی نے فرمایا: اس کو کھانا کھلادو اور انہوں نے ایک دن اور ایک رات کچھ کھائے بغیر گزارا اور سوا خالص پانی کے اور کسی چیز کو تناول نہیں کیا، دوسرے دن پھر حضرت فاطمہ نے ایک صاع (چار کلوگرام) گندم کو پیسا اور آٹا گوندھ کر اس کی رویاں پکائیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، گھر گھر آئے، ان کے سامنے کھانا رکھا گیا، اتنے میں ایک یتیم دروازے پر آکر کھڑا ہوگیا اور کہا: اے اہل بیت محمد! السلام علیکم! میں مہاجرین کی اولاد سے ایک یتیم ہوں، میرے والدین شہید ہوگئے، آپ مجھے کھانا کھلائیں، اللہ آپ کو جنت کے دسترخوان سے کھانا کھلائے گا، پھر حضرت علی نے اس کو کھانا کھلا دیا اور وہ دن بھوکے گزارے، اور پانی کے سوا کسی چیز کو تناول نہیں کیا، تیسرے دن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ نے باقی ایک صاع جو کی پیسا اور آٹا گوندھ کر روٹیاں پکائیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، پھر گھر آئے، ان کے سامنے کھانا رکھا گیا، اتنے میں ایک قیدی آکر دروازے پر کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا: اے اہل بیت محمد! السلام علیکم! آپ ہمیں گرفتار کرتے ہیں اور کھانا نہیں کھلاتے، آپ مجھے کھانا کھلائیں کیونکہ میں سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قیدی ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو جنت کے دسترخوان سے کھانا کھلائے گا، انہوں نے اس کو کھانا کھلا دیا، اور تین دن اور تین راتیں انہوں نے کچھ نہیں کھایا، اور سوائے پانی کے اور کسی چیز کو تناول نہیں کیا، اور چوتھا دن آیا تو وہ اپنی نذر پوری کر چکے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دائیں ہاتھ سے حضرت حسن کو پکڑا اور بائیں ہاتھ سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو پکڑا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، بھوک کی شدت سے ان کے جسم بے حد دبلے ہو چکے تھے اور ان کے جسموں پر کپکپی طاری تھی، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حالت دیکھی تو فرمایا: اے ابوالحسن! یہ تمہاری کیا حالت ہو رہی ہے، میری بیٹی فاطمہ کے پاس چلو، وہ سب ان کے پاس گئے، وہ اس وقت محراب میں تھیں اور بھوک کی شدت سے ان کا پیٹ ان کی کمر سے چپکا ہوا تھا اور ان کی آنکھیں اندر دھنسی ہوئیں تھیں، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو فرمایا: اے اللہ مدد فرما! مجھے کے اہل بیت تو بھوک سے بے حال ہو رہے ہیں، پھر حضرت جبریل (علیہ السلام) آسمان سے اترے اور کہا: اے محمد!

آپ یہ لیں! اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے اہل بیت کے متعلق خوش خبری دیتا ہے، آپ نے فرمایا: اے جبریل! ہم کیا لیں؟ تو حضرت جبریل نے آپ کو یہ آیات پڑھائیں: وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ الایات

(الدھر:۱۰-۸)(الکشف والبیان ج۱۰ص۱۰۱-۹۸ ملخصاً، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حضرت علی کے مذکور ایثار کی روایت کو نقل کرنے والے مفسرین

حسب ذیل مفسرین نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے: علامہ ابوالحسن علی بن الواحدی النیشاپوری المتوفی ۴۶۸ھ: الوسیط ج۴ ص۴۰۱-۴۰۰، بیروت، ۱۴۱۵ھ۔ امام الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ: معالم التنزیل ج۵ ص۱۹۱، بیروت، ۱۴۲۰ھ۔ علامہ ابوالفرج عبدالرحمان بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ: زادالمسیر ج۸ ص۴۳۲، بیروت، ۱۴۰۷ھ۔ علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ: الجامع الاحکام القرآن جز۲۹ ص۱۱۶-۱۱۵، بیروت، ۱۴۱۵ھ۔ امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ: تفسیر کبیر ج۱۰ ص۷۴۶، بیروت، ۱۴۱۵ج۔

مشہور شیعہ مفسر ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی المتوفی ۴۶۰ھ لکھتے ہیں:

عام اور خاص علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیات حضرت علی (علیہ السلام) اور فاطمہ اور الحسن اور الحسین علیہم السلام کے متعلق نازل ہوئی ہیں کیونکہ انہوں نے مسکین، یتیم اور قیدی کو تین راتیں اپنے افطار پر ترجیح دی اور خود وہ علیہم السلام بھوکے رہے اور کھانے پینے کی کسی چیز سے افطار نہیں کیا، تب اللہ تعالیٰ نے ان کی بہت عمدہ تعریف کی اور ان کے متعلق یہ سورت نازل کی اور ان کے لیے یہ فضلیت کافی ہے کہ قیامت تک ان کی عظمت میں اس سورت کی تلاوت ہوتی رہے گی اور یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔ (التبیان ج۱۰ ص۲۱۱، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

محققین مفسرین کا حضرت علی کے اس ایثار کی روایت کو مسترد کرنا

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

جاہل شخص یہ نہیں جانتا کہ اس قسم کا ایثار کرنا مذموم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ (البقرہ:۲۱۹)

لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں، آپ کہیے کہ جو (تمہاری ضرورت سے) زیادہ ہو۔

یعنی جو تمہاری اور تمہارے اہل وعیال کی ضرورت سے زائد ہو اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ یہ حدیث منقول ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوش حالی رہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۲۶، سنن نسائی رقم الحدیث:۲۵۴۳)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرد جو کچھ خرچ کرتا ہے، اس میں افضل دینار وہ ہے جس کو وہ اپنے عیال پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار ہے جس کو اللہ کی راہ میں اپنی سواری پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار ہے

جس کو اللہ کی راہ میں اپنے اصحاب پر خرچ کرتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۹٤، سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۹٦٦، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۷٦٠، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۹۱۸۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دینار کو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو اور ایک دینار کو تم اپنے غلام پر خرچ کرتے ہو اور ایک دینار کو تم مسکین پر خرچ کرتے ہو اور ایک دینار کو تم اپنے اہل پر خرچ کرتے ہو، ان میں سب سے زیادہ اجر اس کا ہے جس کو تم اپنے اہل پر خرچ کرتے ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۹٥، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۹۱۸۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس ان کا کار مختار (سیکرٹری) آیا، آپ نے پوچھا: کیا تم نے غلاموں کو ان کی روزی دے دی ہے؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: جاؤ ان کو ان کی روزی دو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کے گناہ گار ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ جس کو روزی دینے کا وہ مالک ہے اس کو روزی نہ دے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۹٦)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (خرچ کرنے میں) سب سے پہلے اپنے نفس سے ابتداء کرو اور اس پر صدقہ کرو، پھر اگر اس سے کچھ بچ جائے تو اپنے اہل کو دو، پھر اگر اہل کو دینے سے کچھ بچ جائے تو اپنے رشتہ داروں کو دو، پھر اگر ان کو دینے سے بچ جائے تو تمہارے سامنے اور دائیں بائیں جو لوگ ہیں ان کو دو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۹۷، سنن نسائی رقم الحدیث:۲٥٤٦)

کیا کوئی صاحب عقل یہ گمان کر سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان احادیث اور ان احکام سے ناواقف تھے، حتیٰ کہ انہوں نے اپنے پانچ اور چھ سال کے بچوں کو تین دن اور تین راتیں بھوکا رکھا، حتیٰ کہ وہ بھوک کی شدت سے بے حال ہو گئے ان کی آنکھیں اندر دھنس گئیں اور ان کے پیٹ ان کے کمر سے چپک گئے، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا یہ حال دیکھ کر رو پڑے، چلو مان لیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے نفس پر اس سائل کو ترجیح دی تو کیا ان کے لیے یہ جائز تھا کہ وہ اپنی اہلیہ کو بھی اس ایثار پر برانگیختہ کرتے، چلو مان لیا کہ ان کی اہلیہ نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح اپنے نفس پر اس سائل کو ترجیح دی، تو کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے یہ جائز تھا کہ وہ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی تین دن اور تین راتیں بھوکا رہنے کی ترغیب دیتے، نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے یہ کب ضروری تھا کہ وہ سائل کو پانچوں روٹیاں دے دیتے، وہ سائل کو ایک روٹی دے دیتے، باقی روٹیاں وہ خود اور ان کے اہل وعیال کھاتے، کوئی احمق اور جاہل ہی ایسا کام کر سکتا ہے، جو دل حق آگاہ ہیں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ایسے کام کا گمان نہیں کر سکتے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ کچھ لوگ قید خانوں میں بیٹھے ہوئے ایسی احادیث گھڑتے رہتے ہیں اور جب باہر علماء کے پاس یہ احادیث پہنچتی ہیں تو وہ ان کے مسترد کر دیتے ہیں اور ہر چیز کے لیے آفت اور سازش ہوتی ہے اور دین کی آفت اور سازش سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز۱۹ ص۱۱۸۔۱۱۹، دار الفکر، بیروت، ۱٤۱٥ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس قصہ پر تعصب کیا گیا ہے کہ یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے، جیسا کہ حکیم ترمذی اور ابن جوزی نے ذکر کیا ہے، موضوع ہونے کے لفظی اور معنوی دلائل خود اس حدیث میں موجود ہیں، پھر اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ یہ سورت مدنی ہو کیونکہ حضرت علی کی حضرت فاطمہ سے شادی مدینہ میں ہوئی تھی اور وہیں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے حالانکہ النحاس نے سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور یہی جمہور کا موقف ہے، یہ کہنے سے کہ یہ آیت حضرت علی اور حضرت فاطمہ کے متعلق نازل نہیں ہوئی، ان کی شان اور فضلیت کم نہیں ہوتی اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ وہ ابرار میں داخل ہوں بلکہ اور مسلمانوں کی بہ نسبت وہ ابرار میں پہلے داخل ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام مسلمانوں کے مولیٰ اور محبوب ہیں اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا ٹکڑا ہیں اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوح اور ریحان (خوشی اور خوش بو) ہیں اور جنت کے جوانوں کے سردار ہیں اور وہ اپنی فضلیت کے ثبوت میں اس من گھڑت روایت سے مستغنی ہیں۔ (روح المعانی ج۲۹ ص ۲۷۱۔ ۲۷۰، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، کلبی نے اس حدیث کو از ابوصالح از حضرت ابن عباس روایت کیا ہے اور امام ثعلبی نے اس کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف ج ٤ ص ٦٧، ٦٧) اور امام ابن جوزی نے لکھا ہے: یہ حدیث موضوع ہے۔ (کتاب الموضوعات ج۱ ص ۳۹۰) اور حکیم ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جن کو محققین کے قلوب مسترد کر دیتے ہیں، اس حدیث میں اس طرح ملمع کاری کی گئی ہے اور اس کو ایسا مزین اور براثر بنایا گیا ہے کہ جاہل آدمی یہ تمنا کرتا ہے کہ کاش! وہ بھی ایسا کام کرے اور وہ یہ نہیں جانتا کہ ایسا کام کرنے والا قابل مذمت ہے۔

(نوادر الاصول ج۱ ص ۱۵۵۔ ۱۵٤)

الدھر: ۸ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل نہیں ہوئی بلکہ اس کا تعلق تمام ابرار کے ساتھ ہے

ہر چند کے بعض مفسرین نے اس روایت کو اپنی تفاسیر میں ذکر کیا ہے، لیکن ان میں سے محققین نے یہ لکھا ہے کہ اس آیت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص کرنا صحیح نہیں ہے، بلکہ یہ آیت تمام ابرار اور نیک کام کرنے والوں کے لیے عام ہے اور اس آیت کی بشارت میں تمام مؤمنین داخل ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل ہیں۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ لکھتے ہیں:

محققین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے شروع میں فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو امتحان اور آزمائش کے لیے پیدا فرمایا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس نے سب کو ہدایت دی ہے اور ان کے اعذار اور شبہات کو زائل فرما دیا ہے، پھر مخلوق کی دو قسمیں بن گئیں، ایک گروہ شاکرین کا ہے اور ایک گروہ کافرین کا ہے، پھر کافروں کے لیے عذاب کی وعید کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد شاکرین کے لیے وعدہ کا ذکر فرمایا، پس فرمایا: "اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ" (الدھر: ۵) بے شک نیکوکار مشروب کے جام پئیں گے، یہ جمع کا صیغہ ہے جو تمام شکر گزاروں اور نیکو کاروں کو شامل ہے اور ایسی عام آیت کی ایک شخص کے ساتھ تخصیص کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ سورت شروع سے اس آیت تک یہ تقاضا کرتی ہے کہ اس میں تمام اطاعت کرنے والوں اور نیکی کرنے والوں کے حال

کا بیان ہے، پس اگر ہم اس آیت کو کسی ایک شخص کے ساتھ مخصوص کر دیں تو اس سورت کا نظام خراب ہو جائے گا، اور اس کی ترتیب فاسد ہو جائے گی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ان آیات میں جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ جمع کے صیغوں کے ساتھ ہیں اور عام ہیں، سو فرمایا:
إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ (الدھر: ۵) نیکو کار مشروب کے جام پئیں گے۔
يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا (الدھر: ۷) وہ نذر پوری کرتے ہیں اور قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں۔
وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا۔ (الدھر: ۸) وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

اس طرح اس کے بعد بشارتوں کی تمام آیات بھی جمع کے صیغوں کے ساتھ ہیں اور عام ہیں، اور ان آیات کے عموم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دخول کا انکار نہیں ہے اور وہ اطاعت کرنے والوں کے اخروی انعام کی تمام بشارتوں میں داخل ہیں، جیسا کہ ان آیات کے عموم میں دوسرے متقی صحابہ اور تابعین اور بعد کے نیک مسلمان داخل ہیں، سو اب اس آیت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۴۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ یہ آیت تمام ابرار (نیکو کاروں) کے متعلق نازل ہوئی ہے، اور ہر اس شخص کے متعلق جس نے کوئی نیک کام کیا ہو یہ آیت تمام مؤمنین کے لئے عام ہے، اور نقاش، ثعلبی، قشیری اور متعدد مفسرین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ اور ان کی باندی فضہ کے قصہ میں ایک حدیث ذکر کی ہے، جو صحیح ہے نہ ثابت ہے، جس کو لیث نے از مجاہد از حضرت ابن عباس، الدھر: ۷ کی تفسیر میں روایت کیا ہے۔ (جامع الاحکام القرآن جز ۲۹ ص ۱۱۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ اس قصہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس قصہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس آیت میں ''ابرار'' سے مراد فقط اہل بیت ہوں کیونکہ خصوصیت سبب کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے، لہٰذا اس آیت میں دوسرے نیک مسلمان بھی داخل ہیں جو مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلائیں اور یہ قصہ راوی کے ضعیف کی وجہ سے ضعیف ہے، مگر یہ قصہ علماء کے درمیان مشہور ہے اور ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے، حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے کہا: یہ قصہ من گھڑت ہے، اس کو جاہل احمق کے سوا کوئی بیان نہیں کر سکتا، ابن جوزی نے اس کا موضوعات میں ذکر کیا ہے اور کہا کہ اس کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، نیز اس قصہ کی بناء پر لازم آئے گا کہ یہ سورت مدنی ہو حالانکہ جمہور کے نزدیک یہ سورت مکی ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح جنگ احد کے بعد مدینہ میں ہوا تھا۔ (روح البیان ج ۱۰ ص ۳۱۸، دار احیاء العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الدھر: ۸ میں ''علی حبہ'' کی ضمیر کے مرجع میں دو قول ہیں: یعنی اللہ کی محبت میں کھانا کھلانا یا اپنے نفس کی خواہش کے باوجود کھانا کھلایا

اس آیت میں فرمایا ہے: ''علی حبہ'' اس کی دو تفسیریں ہیں، ایک یہ کہ ''حبہ'' کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے، فضیل بن عیاض نے کہا: وہ اللہ سے محبت کی وجہ سے مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں، الدارنی نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔
دوسری تفسیر یہ ہے کہ ''حبہ'' کی ضمیر طعام کی طرف راجع ہے یعنی اس کے باوجود کہ اس شخص کو طعام کی خواہش ہو اور اسے کھانے کی ضرورت ہو، پھر بھی وہ مسکین، یتیم اور قیدی کی ضرورت کو اپنی محبت اور خواہش پر ترجیح دے اور ایثار کرے، جیسا کہ ان آیات میں ہے:

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ
(البقرہ: ۱۷۷)

نیک وہ شخص ہے جو مال سے اپنی محبت کے باوجود وہ مال رشتہ داروں کو یتیموں کو، مسکینوں کو، مسافروں کو، سوال کرنے والوں اور غلاموں کو ان کے آزاد کرنے کے لیے دے

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران: ۹۲)

تم اس وقت تک نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔
اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تحسین فرمائی ہے جو ایثار کرتے ہیں اور اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، سو فرمایا:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر: ۹)

اور وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ ان کو خود بھی شدید خواہش ہو۔

اپنے پر دوسروں کو ترجیح دینے کی آیات اور احادیث کا محمل اور ایثار کا معیار

ان آیات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان اپنے کھانے، کپڑے، دواؤں کے لیے کچھ نہ رکھے اور نہ اپنے ماں باپ اور اہل و اعیال کے لیے کچھ رکھے اور دوسرے ضرورت مندوں میں اپنا مال تقسیم کرتا پھرے خواہ وہ خود، اس کے ماں باپ اور اہل و عیال فاقوں سے مرتے رہیں کیونکہ یہ ضروری ہے کہ ایک موضوع پر قرآن مجید اور احادیث کی تمام تصریحات کو سامنے رکھ کر کوئی حکم نکالا جاتا ہے، ان آیات میں اپنی پسندیدہ چیزوں کو صدقہ کرنے کی فضیلت ہے اور ایثار کا بیان ہے، لیکن دوسری آیت میں فرمایا ہے:

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (البقرہ: ۲۱۹)

لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں؟ آپ کہیے کہ جو (تمہاری ضرورت سے) زیادہ ہو۔
اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: سب سے پہلے اپنے نفس سے ابتداء کرو اور اس پر صدقہ کرو، پھر اگر اس سے کچھ بچ جائے تو اپنے اہل کو دو، پھر اہل کو دینے سے کچھ بچ جائے تو اپنے رشتہ داروں کو دو، پھر اگر ان کو دینے سے بچ جائے تو تمہارے سامنے اور دائیں بائیں جو لوگ ہیں ان کو دو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۹۷ سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۵٤٦)
اس لیے الدھر: ۷ کا محمل یہ ہے کہ اپنی، اپنے ماں باپ کی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات سے جو مال زائد ہو یا جو طعام زائد ہو اور تمہیں اس مال اور طعام کی شدید خواہش بھی ہو تو تم اس میں سے مسکین، یتیم اور قیدی کو کھلاؤ، اس کی مزید وضاحت اس

حدیث ہوتی ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران:۹۲)

تم اس وقت تک نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔

تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: ''لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ'' (آل عمران:۹۲) اور میرا سب سے زیادہ پسندیدہ مال بیرحاء کا باغ ہے اور یہ اللہ کے لیے صدقہ ہے، میں اللہ کے پاس اس نیکی کے ذخیرہ ہونے کی توقع کرتا ہوں، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس باغ کو جہاں چاہیں خرچ کریں، آپ نے فرمایا: رہنے دو، یہ نفع آور مال ہے، یہ نفع آور مال ہے (دوبارہ فرمایا) تم نے اس کے متعلق جو کہا ہے وہ میں نے سن لیا اور میرا مشورہ یہ ہے کہ تم اس کو اپنے قرابت داروں میں تقسیم کر دو، پھر حضرت ابوطلحہ نے اس باغ کو اپنے قرابت داروں میں اور اپنے عم زاد میں تقسیم کر دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱٤٦۱، صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۹۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱٦۸۹، سنن ترمذی رقم الحدیث:۳٦۰۲، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۰٦٦)

''مسکین'' اور ''یتیم'' کا معنی

اس آیت میں ''مسکین'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: جو خود کمانے پر قادر نہ ہو، ایک قول یہ ہے کہ جس کے پاس بالکل مال نہ ہو وہ مسکین ہے، قرآن مجید میں ہے:

اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ۔ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ۔ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ۔ (البلد:۱٤-۱٦)

یا بھوک والے دن کھانا کھلایا۔ کسی رشتہ دار یتیم کو۔ یا کسی خاک پر پڑے ہوئے مسکین کو۔

اور اس آیت میں ''یتیم'' کا لفظ ہے، یتیم اس بچہ کو کہتے جس کا باپ اس کے بالغ ہونے سے پہلے فوت ہو چکا ہو، ہر وہ چیز جو یکتا اور منفرد ہو، اس کو بھی یتیم کہتے ہیں، جو موتی سیپی میں اکیلا ہو اس کو در یتیم کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۷۱۵) امام رازی نے کہا: جو اپنی کم عمری کی وجہ سے کمانے کے قابل نہ ہو اور اس کا کمانے والا فوت ہو چکا ہو، اس کو یتیم کہتے ہیں۔

اسیر کے معنی اور مصداق میں مفسرین کے متعدد اقوال اور مسلمان قیدیوں اور مشرک قیدیوں کو کھانا کھلانے اور ان پر صدقہ کرنے کے احکام

اور اس آیت میں ''اسیر'' (قیدی) کا لفظ ہے، اس کے معنی اور مصداق میں متعدد اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن بصری اور قتادہ نے کہا: اسیر مشرکین میں سے ہوتا ہے، روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشرک قیدیوں کو بھیجتے تاکہ ان کی حفاظت کی جائے اور ان کے حق کو قائم رکھا جائے کیونکہ اس وقت تک ان کو کھانا کھلانا واجب ہے، حتیٰ کہ امام ان کے متعلق یہ فیصلہ کرے کہ ان کو قتل کیا جائے گا اور ان سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا جائے گا یا ان کو غلام بنایا جائے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ قیدی کافر ہو یا مسلمان ہو، کیونکہ جب اس کے کفر کے باوجود اس کو کھانا کھلانا واجب ہے

تو اگر وہ مسلمان ہوگا تو بہ طریق اولیٰ اس کو کھانا کھلانا واجب ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ جب اس کو قتل کرنا واجب ہوگا تو اس کو کھانا کھلانا کیوں واجب ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک حال میں اس کو قتل کرنے کا وجوب، دوسرے حال میں اس کو کھانا کھلانے کے وجوب کے منافی نہیں ہے اور یہ واجب نہیں ہے کہ جب اس کو ایک وجہ سے سزا دی جائے تو اس کو دوسری وجہ سے بھی سزا دی جائے، یہی وجہ ہے کہ جس شخص پر قصاص لازم ہوا اور اس پر قتل سے کم سزا بھی ہو تو اس کو قتل سے کم سزا دینا مستحسن نہیں ہے، پھر یہ سوال ہے کہ قیدی کو کھانا کھلانا کس پر واجب ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ سربراہ مملکت پر واجب ہے کہ اس کو کھانا کھلائے اور اگر وہ نہ کھلائے تو پھر ہم عام مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس کو کھانا کھلائیں۔

(۲) السدی نے کہا: اسیر سے مراد غلام ہے۔

(۳) اسیر سے مراد مقروض ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا مقروض تمہارا قیدی ہے، سو تم اپنے مقروض کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ (الکشاف ج ٤ ص ٦٦٩)

(٤) اسیر سے مراد وہ مسلمان ہے جس کو کسی جرم کی وجہ سے قید میں رکھا گیا ہو، یہ مجاہد، عطاء اور سعید بن جبیر کا قول ہے، حضرت ابوسعید خدری نے اس سلسلہ میں ایک حدیث مرفوع بھی روایت کی ہے۔

(٥) اسیر سے مراد بیوی ہے کیونکہ وہ بھی خاوند کی قید میں ہوتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ وہ تمہاری مددگار ہیں۔ (مشکل الآثار ج ٢ ص ٢١٢، سنن ترمذی رقم الحدیث: ١١٦٣)

قفال نے کہا ہے۔ کہ ''اسیر'' کا لفظ ان تمام معانی کا متحمل ہے کیونکہ ''اسیر'' کا معنی ہے: کسی کو تسمہ کے ساتھ باندھنا اور اسیر کو بند کرنے کے لیے تسمہ کے ساتھ باندھا جاتا ہے، پھر اسیر کو قیدی کے معنی میں استعمال کیا جانے لگا، خواہ اس کو باندھ دیا جائے اور نہ اور اس کا رجوع اس کی طرف ہوگیا، جس کو بند کیا گیا ہو اور قید میں رکھا گیا ہو۔

(تفسیر کبیر ج ١٠ ص ٧٤٨، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٤١٥ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ٩١١ھ لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں ''اسیر'' کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قیدی صرف مشرکین ہوتے تھے۔

امام سعید بن منصور، امام ابن شیبہ اور امام ابن مردویہ نے حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی، اس وقت قیدی صرف مشرکین تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ١٠٤٠٨، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤١٦ھ)

امام عبد بن حمید نے قتادہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے قیدیوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور اس وقت قیدی مشرکین تھے، پس اللہ کی قسم! تمہارے مسلمان بھائی کا تم پر حق اور اس کی حرمت بہت زیادہ ہے۔

امام ابن المنذر نے اس آیت کی تفسیر میں ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان کو قید نہیں کرتے تھے، لیکن یہ آیت ان قیدیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو مشرکین تھے، ان سے فدیہ لینے کے لیے انہیں گرفتار کیا جاتا تھا، سو یہ آیت

ان کے متعلق نازل ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اصلاح کرنے کا حکم دیتے تھے۔

امام عبد بن حمید نے عکرمہ سے ''اسیر'' کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ عرب ہند اور دیگر علاقوں سے جن کو گرفتار کریں، تم پر لازم ہے کہ تم ان کو کھلاؤ اور پلاؤ حتیٰ کہ تم ان کو قتل کر دو یا ان سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دو۔

امام ابوشیبہ نے ابورزین سے روایت کیا ہے کہ میں شقیق بن سلمہ کے ساتھ تھا، ان کے پاس سے کچھ مشرکین قیدی گزرے انہوں نے مجھے ان پر صدقہ کرنے کا حکم دیا اور پھر اس آیت کو تلاوت کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۰۴۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

امام ابن شیبہ نے سعید بن جبیر اور عطاء سے روات کیا ہے کہ یہ آیت اہل قبل وغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۰۴۰۵، الدر المنثور ج ۸ ص ۳۴۳-۳۴۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ خواہ کوئی بھی اسیر ہو، کیونکہ حسن بصری سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی اسیر لایا جاتا تو آپ اس کو کسی مسلمان کے سپرد کر دیتے اور فرماتے: اس کے ساتھ نیک سلوک کرو، اس کے پاس وہ قیدی دو یا تین دن رہتا تو وہ اس کو اپنے نفس پر ترجیح دیتا، قتادہ نے کہا: ان دونوں قیدی مشرک ہوتا تھا تو تمہارا مسلمان بھائی اس کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس کو کھانا کھلاؤ۔

امام ابن عساکر نے مجاہد سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں قدیوں کو گرفتار کیا تو سات مہاجرین نے ان قیدیوں پر خرچ کیا: حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت عبد الرحمان، حضرت سعد، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، انصار نے کہا: ہم نے ان مشرکین کو اللہ کی رضا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لیے قتل کیا ہے اور تم ان پر خرچ کر کے ان کی مدد کر رہے ہو، تب اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرین کے متعلق ۱۹ آیات نازل کیں ''ان الابرار یشربون'' سے لے کر ''عینا فیھا تسمی سلسبیلا'' تک اور ان آیات میں یہ دلیل ہے کہ قیدی خواہ مشرک ہوں ان کو کھانا کھلانا مستحسن ہے اور اس میں ثواب کی توقع ہے۔

پہلی حدیث (حضور قیدی کو کسی مسلمان کے حوالے کر دیتے تھے) حافظ ابن حجر نے اس کے متعلق کہا ہے کہ کسی قابل ذکر محدث نے اس کی روایت نہیں کیا اور ابن العراقی نے کہا: میں اس سے واقف نہیں ہوں، اور دوسری حدیث کو امام ابن عساکر کے سوا اور کسی نے روایت نہیں کیا اور مجھے اس کی صحت پر اعتماد نہیں ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ یہ آیات مدینہ ہوں اور تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔

ہاں عامۃ العلماء کے نزدیک دار الاسلام میں کفار کے ساتھ نیک سلوک کرنا جائز ہے اور ان پر صدقات واجبہ کو صرف نہیں کیا جائے گا، ابن جبیر اور عطاء نے کہا ہے کہ اس اسیر سے مراد وہ ہے جو اہل قبلہ سے ہو، علامہ طیبی نے کہا: اس قول کا محمل یہ ہے کہ جب دار الحرب میں کوئی مسلمان کفار کی قید میں ہو تو اس کو کھانا کھلانا مستحسن ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس اسیر سے مراد وہ مسلمان ہے جو

دار الحرب میں کفار کی قید میں ہو اور اس کو آزاد کرانے کے لیے فدیہ کی ضرورت ہو، اور وہ فدیہ کو طلب کرنے کے لیے نکلے، محی السنۃ نے مجاہد، ابن جبیر اور عطاء سے نقل کیا ہے کہ اس اسیر سے وہ مراد ہے جو اہل قبلہ سے ہو، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ مسلمان قیدیوں کو کھانا کھلانا مستحسن ہے اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ جو مسلمان مال دار ہو اور اس پر کسی کا قرض ہو جس کو ادا کرنے پر وہ قادر ہو اور وہ عناداً قرض ادا نہ کرتا ہو یا کسی اور نفسیاتی غرض سے اور اس وجہ سے اس کو قید کر لیا گیا ہو تو اس کو کھانا کھلانا مستحسن نہیں ہے، حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: اس اسیر سے مراد غلام ہے کیونکہ وہ بھی مالک کی قید میں ہوتا ہے اور وہ اپنی خواہش سے کوئی کام نہیں کر سکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مقروض بھی تمہارا قیدی ہے، اس لیے اس آیت میں اسیر سے مراد مقروض بھی ہو سکتا ہے۔(روح المعانی جز ۲۹ ص ۲۶۸-۲۶۷، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

الدھر: ۹ میں فرمایا: (ابرار کہتے ہیں:) ہم تم کو صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں، ہم تم سے اس کے عوض نہ کوئی صلہ چاہتے ہیں نہ ستائش۔

ابرار کا محتاجوں کے ساتھ نیکی کر کے صلہ اور ستائش سے منع کرنا اور اس کی وجوہ

اس سے پہلی آیات میں ذکر فرمایا تھا کہ ابرار (نیک لوگ) مسکین، یتیم اور قیدی کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ان کے اس حسن سلوک کی دو غرضیں تھیں، ایک اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول، جس کو انہوں نے اپنے اس قول سے ظاہر کیا: ہم تم کو صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں اور دوسری قیامت کے دن کا خوف جس کا انہوں نے اس قول سے اظہار کیا: بے شک ہم اپنے رب سے اس دن کا خوف رکھتے ہیں جو بے حد ترش اور بہت سخت ہے۔(الدھر: ۱۰)

ہو سکتا ہے کہ ان ابرار نے اپنی زبان سے یہ کہا ہو کہ ہم تم کو صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں تا کہ ان کا یہ کہنا اس پر دلیل ہو کہ وہ ان ضرورت مندوں سے اپنے اس احسان کا بدلہ نہیں چاہتے، نہ اپنے متعلق کلمات تحسین سننا چاہتے ہیں، اور انہوں نے اپنی زبان سے اس لیے یہ کہا ہو کہ دوسرے احسان کرنے والے بھی سن لیں کہ کسی کے ساتھ نیکی کر کے نہ اس سے اس نیکی کا معاوضہ طلب کرنا چاہیے نہ اس کی تعریف و توصیف کا منتظر رہنا چاہیے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بات انہوں نے دل میں کہی ہو اور ان کی نیت صلہ اور ستائش کی نہ ہو اور زبان سے انہیں نے کچھ نہ کہا ہو، مجاہد سے روایت ہے کہ انہوں نے زبان سے کچھ نہیں کہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کے دل کے حال کا پتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی۔

انسان جب کسی کے ساتھ نیکی کرتا ہے تو کبھی تو وہ نیکی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے اور ان ابرار کی یہ نیکی ایسی ہی تھی اور کبھی یہ نیکی کسی صلہ کی طلب اور ستائش کی چاہت کے لیے ہوتی ہے، اول الذکر نیت محمود ہے اور ثانی الذکر نیت مذموم ہے اور اس کے مذموم ہونے پر دلیل یہ آیت ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰىۙ كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ

(البقرۃ: ۲۶۴)

اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور (طعنہ کی) ایذاء سے باطل نہ کرو، مثل اس شخص کے جو اپنا مال لوگوں کو

دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے۔

اس لیے ابرار نے صراحت کے ساتھ کہا: ہم تم سے صلہ چاہتے ہیں نہ ستائش۔

''مولانا! مجھے تو صرف اسلام کے رکن بتایئے'' حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا سوال دوہرا دیا۔ ''اسلام کے پانچ رکن ہیں'' ملا صاحب کے چہرے پر ناگواری کا رنگ نمایاں ہوا۔ جیسے وہ جبراً اس سوال کا جواب دے رہے ہوں ''ایک کلمہ، دوسرا نماز، تیسرا روزہ، چوتھا زکوٰۃ اور پانچواں حج''

''مگر میں نے تو چھٹے رکن کے بارے میں بھی سنا ہے'' حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''چھٹا رکن کوئی نہیں ہے'' یکایک ملا صاحب بھڑک اٹھے۔ ''آپ نے جو کچھ سنا ہے، غلط سنا ہے''

''ایسا ہرگز نہیں ہے۔'' حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے تحمل کے ساتھ فرمایا ''میں نے معتبر اہل علم سے سنا ہے کہ اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے''

یہ سن کر مولانا کھڑے ہوگئے اور نہایت تند و تیز لہجے میں حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کو مخاطب کر کے کہا ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نصیحت کے بعد ظالم قوم کے پاس نہ بیٹھ (ترجمہ) اسی لئے میں یہاں سے جاتا ہوں''

حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ بھی کھڑے ہوگئے۔ اور بڑی محبت سے ملا صاحب کا ہاتھ پکڑ لیا ''مولانا! اختلاف رائے اپنی جگہ مگر آپ اس طرح ناراض ہو کر تو نہ جائیں''

حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کچھ دیر تک ملا صاحب کو منانے کی کوشش کرتے رہے مگر وہ درویشوں کو ان کی جہالت کا طعنہ دے کر برا کہتے رہے۔ یہاں تک کہ ملا صاحب نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور غیظ و غضب کا مظاہرہ کرتے ہوئے خانقاہ سے چلے گئے۔

ملا صاحب کے چلے جانے کے بعد مریدوں اور خدمت گاروں نے ان کے نازیبا طرز عمل کی شکایت کی تو حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''مہمان کیسا بھی تندخو ہو مگر مہمان ہی ہوتا ہے۔ درویش پر مہمانوں کی تواضع فرض ہوتی ہے۔ سو ہم نے بھی مولانا کی تواضع کی۔ اب یہ الگ بات ہے کہ ملا صاحب نے ہماری تواضع قبول نہیں کی۔ خیر! اللہ ان کا بھلا کرے''

ملا صاحب حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ سے اٹھ کر گئے تو پھر واپس نہیں آئے۔ کئی ماہ بعد انہوں نے حج کے سفر کا ارادہ کیا اور پوری تیاری کے ساتھ بیت اللہ کی زیارت کے لئے ہندوستان سے روانہ ہوئے پھر مکہ معظمہ پہنچ کر حج کی سعادت سے مشرف ہوئے اور سات سال تک وہیں قیام کیا۔

اس کے بعد وطن واپسی کے خیال سے جہاز میں سوار ہوئے۔ موسم صاف اور خوشگوار تھا۔ جہاز بڑی سبک رفتاری کے ساتھ سمندر کی سطح پر چلا جاتا تھا کہ اچانک سخت طوفان آیا اور پورا جہاز تباہ ہو گیا۔ ملا صاحب ایک تختے پر بہتے ہوئے کنارے تک پہنچے۔ پھر پانی سے نکل کر خشکی میں آئے، عجیب ویرانی کا عالم تھا۔ ملا صاحب جہاں اترے تھے وہاں خشک پہاڑوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا۔ نہ درخت تھے، نہ گھاس تھی اور نہ پانی کا کوئی چشمہ تھا۔

ملا صاحب تین دن بھوک اور پیاس کی حالت میں پہاڑ کے ایک غار میں بیٹھے رہے۔ اچھے دنوں کو یاد کر کے روتے رہتے۔

پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔

''میرے پالنے والے! میں کس عذاب میں پھنس گیا ہوں۔ مجھے اس آفت سے نجات دے'

تین دن بعد یکا یک وہاں ایک شخص آیا جس کے سر پر خوان تھا۔ اس نے آواز لگائی۔

''میں روٹی فروخت کرتا ہوں۔ یہاں کوئی ضرورت مند ہے؟''

آدم زاد کی آواز سن کر ملا صاحب کی جان میں جان آئی۔ تین دن کے فاقوں نے ملا صاحب کو بہت کمزور کر دیا تھا پھر بھی انہوں نے اپنے جسم و جان کی تمام طاقتیں سمیٹ کر اس اجنبی شخص کو پکارا ''بھائی! میری طرف آؤ! آج اس دنیا میں مجھ سے زیادہ ضرورت مند انسان کوئی دوسرا نہیں''

روٹیاں فروخت کرنے والا غار میں داخل ہو گیا اور ملا صاحب سے مخاطب ہوا

''آپ کو کتنی روٹیاں درکار ہیں؟''

ملا صاحب نے بڑی حریصانہ نظروں سے اس شخص کی طرف دیکھا اور نہایت عاجزانہ لہجے میں کہنے لگے ''بھائی! میں ہندوستان کا بہت بڑا عالم ہوں۔ میں نے سات حج کئے ہیں مگر اچانک مجھ پر یہ مصیبت نازل ہوگئی کہ میرا جہاز تباہ ہو گیا۔ میں تین دن سے بھوکا اور پیاسا ہوں''

میرے پاس روٹی بھی ہے اور پانی بھی'' اس شخص نے کہا

''مگر میرے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے'' اپنی مجبوریوں کا احساس کر کے ملا صاحب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''آپ کی مجبوری یہ ہے کہ روٹی خریدنے کے لئے پیسے نہیں...... اور میری مجبوری یہ ہے کہ میں ایک دکاندار ہوں۔ قرض کا کاروبار نہیں کرتا'' اس شخص نے کسی رعایت کے بغیر صاف صاف کہہ دیا۔

ملا صاحب چند لمحوں تک کچھ سوچتے رہے اور پھر اجنبی دکاندار سے بولے'' کیا تم مسلمان ہو؟''

''الحمدللہ! دکاندار نے جواب دیا۔'' میں ایک صحیح العقیدہ مسلمان ہوں''

ملا صاحب نے فوراً بھوکوں کو کھانا کھلانے کی فضیلت پر وعظ شروع کر دیا۔

دکاندار کچھ دیر تک ملا صاحب کی تقریر سنتا رہا۔ پھر بڑی صاف گوئی سے کہنے لگا'' میں بھوکوں کو کھانا کھلانے کے ثواب سے واقف ہوں مگر فی الحال آپ کو قیمت کے بغیر غذا اور پانی فراہم نہیں کر سکتا'' یہ کہہ کر وہ دکاندار جانے لگا۔

ملا صاحب نے چیخ کر کہا'' تو کیا بے رحم مسلمان ہے کہ ایک بے یار و مددگار انسان کی مجبوریوں کا مذاق اڑا رہا ہے''

یہ سن کر دکاندار پلٹ آیا اور ملا صاحب کے طنز کا جواب دیتے ہوئے کہنے لگا'' اگر میں اسی طرح ضرورت مند لوگوں پر رحم کھاؤں تو چند روز میں میرا کاروبار ختم ہو جائے گا اور پھر میں خود لوگوں سے رحم کی بھیک مانگنے لگوں گا''

ملا صاحب نئے انداز سے اس کی خوشامد کرنے لگے۔

آخر دکاندار سے کہا'' چلئے! میں آپ پر رحم کھاتا ہوں۔ آپ مجھے اپنے ساتوں حجوں کا ثواب بخش دیں۔ میں اس کے بدلے

میں آپ کو پانی اور روٹی دے دوں گا''

ملا صاحب نے سوچا کہ زبانی طور پر کہہ دینے سے ثواب ختم نہیں ہوتا۔ میرے ساتوں حج برقرار رہیں گے اور مجھے بھوک اور پیاس سے نجات بھی مل جائے گی۔ یہ سوچ کر ملا صاحب نے دکاندار سے کہا ''میں نے تجھے اپنے ساتوں حجوں کا ثواب دیا''

دکاندار نے خوان ملا صاحب کے سامنے رکھ دیا۔ ملا صاحب نے جی بھر کے کھانا کھایا اور سیر ہو کر پانی پیا۔ پھر جب ہوش و حواس بحال ہوئے تو انہوں نے دکاندار سے پوچھا ''تم کہاں رہتے ہو اور کیا یہاں کوئی آبادی بھی ہے؟''

''میں صرف روٹی فروخت کرتا ہوں' اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا'' یہ کہہ کر دکاندار نے خالی برتن اٹھائے اور غار سے نکل گیا۔

ملا صاحب اس کے تعاقب میں بھاگے تا کہ کسی آبادی تک پہنچ سکیں...... مگر ان کی یہ کوشش رائیگاں گئی۔ دکاندار پہاڑوں کے پیچ و خم میں کہیں غائب ہو گیا۔ ملا صاحب کچھ دیر تک اسے ڈھونڈتے رہے اور پھر اس خیال سے غار سے واپس آ گئے کہ کہیں راستہ نہ بھول جائیں اور اس اجنبی علاقے میں کوئی نئی آفت نازل نہ ہو جائے۔

ملا صاحب ایک امید موہوم پر اجنبی کا انتظار کرنے لگے مگر تین دن تک وہ نہیں آیا۔ بھوک اور پیاس کی شدت سے ایک بار پھر ملا صاحب کی حالت غیر ہو گئی۔ آخر چوتھے دن وہی دکاندار سر پر خوان رکھے نمودار ہوا۔ ملا صاحب کسی بھکاری کی مانند اس کے سامنے گڑگڑانے لگے۔

''آپ تو آج بھی تہی دست اور تہی دامن ہیں'' دکاندار نے ملا صاحب سے کہا

''میرے روزے باقی ہیں'' ملا صاحب نے رقت آمیز لہجے میں کہا

دکاندار نے انہیں کھانا کھلا دیا اور ملا صاحب کے تمام روزوں کا ثواب لے کر چلا گیا۔

تین دن بعد جب ملا صاحب بھوک اور پیاس کی شدت سے چیخنے لگے تو وہ دکاندار سر پر خوان رکھے غار میں داخل ہوا اور ملا صاحب کی زکوٰۃ کا ثواب لے کر واپس چلا گیا۔

ملا صاحب پھر بھوک اور پیاس کا شکار ہو گئے۔ چوتھے دن وہی شخص اسی انداز سے آیا اور تمام عمر کی نمازوں کے ثواب کے بدلے میں ایک وقت کی روٹی اور پانی دے کر چلا گیا۔

تین دن کے وقفے کے بعد جب پانچویں بار وہ شخص غار میں داخل ہوا تو ملا صاحب اسے دیکھتے ہی چیخ چیخ کر رونے لگے ''میں اپنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج تیرے ہاتھوں فروخت کر چکا۔ اب تجھے دینے کے لئے میرے پاس کچھ نہیں ہے''

''اب تک آپ نے سارے وعدے زبانی کئے ہیں'' یہ کہہ کر اجنبی شخص نے خوان زمین پر رکھ دیا ''میں کاغذ، قلم اور دوات لے کر آیا ہوں۔ آپ نے جو کچھ بیچا ہے، اس کی تحریری سند مجھے دے دیجئے''

ملا صاحب نے یہ عبارت کاغذ پر درج کر دی ''میں نے ایک وقت کی روٹی اور پانی کے بدلے میں اس شخص کے ہاتھوں اپنے ساتوں حجوں کا ثواب فروخت کیا۔ پھر زندگی بھر کے روزوں کا ثواب فروخت کیا۔ پھر ساری عمر کی زکوٰۃ کا ثواب فروخت کیا اور آخر میں تمام نمازوں کا ثواب فروخت کیا۔ اور آج میں ایک وقت کی روٹی اور پانی کے بدلے میں یہ تحریر لکھ کر دے رہا ہوں'' آخر میں ملا

صاحب نے اپنا نام اور مکمل پتا درج کر دیا۔

جب دستاویز مکمل ہوگئی تو اجنبی شخص نے خوان ملا صاحب کے سامنے رکھ دیا۔ ملا صاحب کھانے کے دوران یہ سوچ کر مضطرب رہے کہ آج کے بعد اجنبی شخص یہاں نہیں آئے گا۔ پھر چوتھے دن ملنے والی روٹی اور پانی کا آسرا بھی ختم ہو جائے گا۔ یہ خیال ملا صاحب کے لئے نہایت تکلیف دہ تھا۔ ان کے ذہن میں مختلف خیالات ابھر رہے تھے اور وہ اس عذاب سے نجات حاصل کرنے کے لئے کوئی تدبیر سوچ رہے تھے۔

آخر کھانا ختم ہوا تو ملا صاحب نے ہاتھ جوڑ کر اس اجنبی شخص سے کہا "خدا کے واسطے مجھے بتا دو کہ تم کون ہو اور کہاں رہتے ہو تا کہ میں تمہارے ساتھ وہاں چلوں اور دو وقت کی روٹی کے لئے محنت مزدوری کروں۔ اب میرے پاس فروخت کرنے کے لئے کچھ باقی نہیں رہا ہے"

دکاندار نے ملا صاحب کا تحریر کردہ کاغذ جیب میں رکھا اور اپنے برتن اٹھا کر جانے لگا۔

ملا صاحب تازہ دم تھے۔ اس لئے انہوں نے سوچا کہ وہ بھاگ کر اجنبی کو پکڑ لیں گے پھر جب وہ دوڑے تو دکاندار بھی بھاگنے لگا۔ کچھ دور جا کر ایک جگہ اجنبی نے ٹھوکر کھائی اور زمین پر گر گیا۔ ملا صاحب پیچھے تھے۔ انہوں نے اس مہلت کو غنیمت جانا اور زیادہ تیز دوڑنے کی کوشش کی مگر اتفاق سے انہوں نے بھی ٹھوکر کھائی اور گر پڑے۔ اجنبی شخص نے برتن سمیٹے اور اس سے پہلے کہ ملا صاحب سنبھلنے کی کوشش کرتے وہ بھاگ کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

گرمیوں میں پانی پلانا باعث ثواب ہونے کا بیان

موسم گرما کی آمد آمد ہے، ایسے میں انسان کو پیاس شدت سے لگتی ہے، اس موقع سے بلا لحاظ مذہب وملت کے بہت ساری ہمدرد، بہی خواہ، رفاہی اور عوامی خدمات پر ایقان رکھنے والے، مخلوق خدا کی خدمت کی شوقین وشید امختلف مقامات اور بازاروں، چوراہوں اور گلی نکڑوں پر پانی پلانے کا نظم کرتے ہیں، آبدار خانے قائم کرتے ہیں، اس عمل کے تعلق سے ہمت افزائی کی جانی چاہئے، اور لوگوں کو اس کی ترغیب دی جانی چاہئے، اور یہ عمل نہایت ثواب اور فضیلت کا حامل ہے پھر کیوں کر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ترغیب نہ دیتے؟ اسلام جیسا انسانیت کا بہی خواہ، اور انسانیت کا پاسدار مذہب اس کی تعلیمات سے کیسے پہلو تہی کرتا؟ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں اسکی اہمیت وافادیت زور دیا گیا ہے، یہ عمل اس کے بظاہر نہایت معمولی ہونے کے باوجود نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ میں نے شہر حیدرآباد میں دیکھا ہے بعض غیر مسلم تنظیموں کی طرف سے بھی بڑے پیمانے پر موسم گرما میں پانی پلانے کا نظم بڑے تزک واہتمام سے ہوتا ہے۔ ہم تو اس نبی کی امتی ہیں جن کا ایقان یہ ہے کہ اللہ کے راہ میں خرچ کرنا دراصل یہ اللہ کے خزانے میں اپنے لئے بطور ذخیرہ آخرت کے اکٹھا کرنا ہے۔ شہر کے سلم گلیوں میں گرما کے موسم سے پانی کے لئے لوگ ترس جاتے ہیں، ایسے جب کہ بوریل وغیرہ بھی سوکھ جاتے ہیں، اس طرح کی سلم اور غریبوں سے معمور بستیوں میں بھی پانی کی ٹینکروں کے ذریعے آبرسانی کی خدمت میں شامل ہونا اور اپنے مرحومین کے ایصال ثواب کے لئے پانی کا نظم کرنا یہ مرحومین کے لئے ثواب جاریہ کا ذریعہ ہوسکتا ہے۔ یہ تو انسان ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں جانوروں تک کے

لئے پانی کے نظم کرنے پر اجر وثواب اور جنت کی بشارتیں سنائی گئیں ہیں۔

پانی پلانا ثواب جاریہ

پانی پلانی کو احادیث نبویہ میں صدقۂ جاریہ فرمایا گیا ہے، جس کا ثواب مرنے کے بعد بھی انسان کو ملتا رہتا ہے، کنویں، بوریل، ٹانکی وغیرہ کی شکل میں غریبوں اور ناداروں کے لئے پانی کا نظم کرنا یہ مرحومین کے ایصال ثواب اور ان کے اجرِ آخرت اور صدقہ جاریہ ہوسکتا ہے۔

سیّدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اللہ کے رسول: میری والدہ وفات پا گئی ہیں اور ان کی طرف سے کونسا صدقہ افضل رہے گا؟ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی کا صدقہ، چنانچہ انہوں نے ایک کنواں کھدوا کر وقف کر دیا اور کہا یہ سعد کی والدہ کے ثواب کے لئے ہے"فحفر بئرا وقال: هذه لأم سعد"

(ابوداؤد: باب فی فضل سقی الماء حدیث: ۱۶۸۳)

پانی پلانا بہترین صدقہ ہے

پانی پلانے اور پیاسوں کی سیرابی کا عمل یہ ایک نہایت بہترین صدقہ ہے، جس کی احادیث میں ترغیب دی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بہترین صدقہ پانی پلانا ہے، کیا تم نے جہنمیوں کے اس قول کو نہیں سنا جب انہوں نے اہل جنت سے مدد چاہی اور ان لوگوں نے کہا: أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ" ہم پر تھوڑا سا پانی بہادو، یا کچھ اس چیز میں سے دو جو تمہیں اللہ نے رزق دیا ہے۔ (مسند ابی یعلی، مسند ابن عباس، حدیث: ۲۶۷۳)

اور ایک روایت میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے سعد! کیا میں تمہیں ایسا ہلکا صدقہ جس میں بوجھ بالکل کم ہو نہ بتاؤں؟ فرمایا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! فرمایا: "سقي الماء" پانی پلانا، چنانچہ حضرت سعد نے پانی پلایا۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث: ۵۲۴۷)

پانی پلانا مغفرت و بخشش کا باعث

پانی پلانے کا عمل نہایت معمولی ہونے کے باوجود، ثواب اور اجر آخرت اور رضائے خداوندی اور خوشنودی رب کا نہایت بڑا ذریعہ، روز آخرت بخشش اور مغفرت کا باعث ہوتا ہے، صرف اسی عمل کی وجہ سے انسان جہنم سے خلاصی حاصل کر کے جنت کا مستحق ہوسکتا ہے، اسی کو حدیث میں یوں فرمایا گیا:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی چل رہا تھا، اسی دوران میں اسے پیاس لگی وہ ایک کنویں میں اترا اور اس سے پانی پیا، کنویں سے باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا ہانپ رہا ہے اور پیاس کی وجہ سے کیچڑ چاٹ رہا ہے، اس نے کہا کہ اس کو بھی ویسی ہی پیاس لگی ہوگی جیسی مجھے لگی تھی، چنانچہ اس نے اپنا موزہ پانی سے بھرا پھر اس کو منہ سے پکڑا پھر اوپر چڑھا اور کتے کو پانی پلایا، اللہ نے اس کی نیکی قبول کی، اور اس کو بخش دیا، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا چوپائے میں بھی ہمارے لئے اجر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر تر جگر والے یعنی جاندار میں ثواب ہے "فی کل

کبد رطبة أجر "(بخاری: باب فضل سقی الماء، حدیث: ۲۲۳۴)

دنیا کے پانی کے بدلے جنت کی شراب

دنیا میں پانی پلانے اور انسانوں اور جانوروں وغیرہ کا سیراب اور ان کی تشنگی کا سامان کرنے کا اجر وثواب اس قدر ہے کہ اس پانی پلانے کے عوض اللہ عزوجل روز قیامت اور یوم آخرت اس شخص کو اس پانی کے بدلے جنت کی شراب مرحمت فرمائیں گے چنانچہ حدیث میں آیا ہے:

حضرت ابوسعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کسی ننگے کو کپڑا پہنائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا ہرا لباس پہنائے گا اور جو مسلمان کسی بھوکے کو کھانا کھلائے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل کھلائے گا، اور جو مسلمان کسی پیاسے کو پانی پلائے تو اس کو اللہ تعالیٰ جنت کی شراب پلائے گا۔" وأیما مسلم سقی مسلمان علی ظمأ سقاہ اللہ من الرحیق المختوم " (ابوداؤد: باب فی فضل سقی الماء، حدیث: ۱۶۸۴)

جنت سے قریب اور جہنم سے دور کرنے والا عمل

انسانوں کی تشنگی کا سامان کرنا اور ان کو پانی پلانا اور شدت پیاس میں ان کو سیراب کرنا یہ ایسا عمل ہے جس کو جنت سے قربت اور جہنم سے دوری کا باعث بتلایا گیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک دیہاتی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اور کہنے لگا: مجھے کوئی ایسا عمل بتلا دیجئے جو مجھے اللہ عزوجل کی اطاعت سے قریب اور جہنم سے دور کردے، فرمایا: کیا تم ان دونوں پر عمل کروگے؟ تو اس نے کہا: ہاں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انصاف کی بات کہو اور زائد کو دوسروں کو مرحمت کردو، فرمایا: اللہ کی قسم! میں نہ تو انصاف کی بات کرسکتا ہوں اور نہ زائد چیز کسی کو دے سکتا ہوں، فرمایا: کھانا کھلاؤ اور سلام کرو، اس نے کہا: یہ بھی مشکل ہے، فرمایا: کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں، اس نے کہا: ہاں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے ایک اونٹنی اور ایک مشکیزہ لو، پھر ان لوگوں کے گھر جاؤ جن کو کبھی کبھی ملتا ہے، انہیں پانی پلاؤ، شاید کہ تمہاری اونٹنی ہلاک ہو اور تمہارے مشکیزہ پھٹ جائے اس سے پہلے تمہارے لئے جنت واجب ہوجائے گی، راوی کہتے ہیں کہ: وہ دیہاتی تکبیر کہتا ہوا چلا، کہتے ہیں: اس کے مشکیزہ سے کے پھٹنے اور اس کی اونٹنی کے ہلاک ہونے سے پہلے وہ شہادت کی موت مرا "فما انخرق سقاءہ ولا ہلك بعیرہ حتی قتل شهیدا "

(السنن الکبری للبیہقی، باب ما ورد فی سقی الماء، حدیث: ۷۵۹۸)

جانوروں کو سیراب کا بھی ثواب کا باعث

اتنا ہی نہیں انسانی کی تشنگی کا سامان کرنے پر ہی انسان کو ثواب ملتا ہے؛ بلکہ کسی پیاسے اور سسکتے بلتے اور پیاس کی شدت سے تڑپتے ہوئے جانور کے لئے پانی پلانے اور اور اس کی سیرابی کا سامان کرنے پر اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا ہے چنانچہ ایک روایت میں سراقہ بن مالک بن جعشم سے مروی ہے:

حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات میں حاضر خدمت ہوا، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات پوچھنا شروع کردیئے، حتی کہ میرے پاس سوالات ختم ہوگئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ اور یاد

کرلو، ان سوالات میں سے ایک سوال میں نے یہ بھی پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ بھٹکے ہوئے اونٹ جو میرے حوض پر آئیں تو کیا مجھے ان کو پانی پلانے پر اجر وثواب ملے گا؟ جبکہ میں نے وہ پانی اپنے اونٹوں کے لئے بھرا ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! ہر تر جگر رکھنے والے میں اجر وثواب ہے۔ "نعم فی الکبد الحراء أجر"

(مسند احمد، حدیث سراقۃ بن جعشم، حدیث: ۱۷۶۲۴)

الغرض یہ کہ پیاسوں کو پانی پلانا، تشنہ لبوں کی سیراب کا سامان کرنا، انسانی کی پانی کی ضروریات کی تکمیل یہ نہایت اجر وثواب اور بلندی درجات کا باعث ہے، نہ صرف انسانوں کو پانی پلانا یہ اجر وثواب آخرت اور رضائے خداوندی اور دخول جنت کا ذریعہ کا ہے؛ بلکہ پیاسے جانوروں کے لئے پانی کا نظم کرنا یہ بھی ثواب اور اجر آخرت کا باعث ہے۔

بَابٌ فِي الْمَنِيحَةِ

باب: دودھ دینے والا جانور عطیے کے طور پر دینا

1683 - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ، ح وحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عِيسَى - وَهَذَا حَدِيثُ مُسَدَّدٍ وَهُوَ أَتَمُّ - عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنْ حَسَّانَ بْنِ عَطِيَّةَ، عَنْ أَبِي كَبْشَةَ السَّلُولِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرْبَعُونَ خَصْلَةً أَعْلَاهُنَّ مَنِيحَةُ الْعَنْزِ، مَا يَعْمَلُ رَجُلٌ بِخَصْلَةٍ مِنْهَا رَجَاءَ ثَوَابِهَا، وَتَصْدِيقَ مَوْعُودِهَا، إِلَّا أَدْخَلَهُ اللَّهُ بِهَا الْجَنَّةَ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: فِي حَدِيثِ مُسَدَّدٍ، قَالَ حَسَّانُ: فَعَدَدْنَا مَا دُونَ مَنِيحَةِ الْعَنْزِ مِنْ رَدِّ السَّلَامِ، وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ، وَإِمَاطَةِ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ وَنَحْوِهِ، فَمَا اسْتَطَعْنَا أَنْ نَبْلُغَ خَمْسَةَ عَشَرَ خَصْلَةً

❁❁ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"چالیس خصلتیں ہیں' جن میں سب سے بہترین خصلت دودھ دینے والی بکری کو کسی کو ہدیہ کے طور پر دینا ہے' جو بھی شخص ثواب کی امید رکھتے ہوئے اور ان کے حوالے سے کئے گئے وعدے کی تصدیق کرتے ہوئے' ان میں سے جو بھی عمل کرلے گا' تو اللہ تعالیٰ اس عمل کی وجہ سے اس شخص کو جنت میں داخل کرے گا"۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:) حسان نامی راوی نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: ہم نے دودھ کی بکری ہدیہ کرنے سے کم درجے کے (نیک اعمال کو) شمار کرنا شروع کیا جن میں سلام کا جواب دینا، چھینک کا جواب دینا، راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا اور اس جیسی دیگر چیزیں شامل ہیں اور ہم پندرہ خصلتیں بھی شمار نہیں کر سکے۔

چالیس خصلتوں کا بیان

حدیث کے آخر میں حسان بن عطیہ کا قول راوی نے نقل کیا ہے کہ ہم نے ان خصلتوں کو شمار کیا تو پندرہ سے زیادہ اہم شمار نہیں

کر سکے، مگر عمدۃ القاری میں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ حسان کے شمار نہ کر سکنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی دوسرا بھی ان چالیس خصلتوں کو شمار نہیں کر سکتا اور ابن بطال فرماتے ہیں کہ مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ ہمارے زمانہ کے بعض لوگوں نے ان خصلتوں کو شمار کیا تو وہ لوگ چالیس سے زیادہ تک پہنچ گئے اور اُن میں مندرجہ ذیل شمار کیں۔

۱) کسی کو دودھ پینے کے لئے جانور دینا
۲) قطع رحمی کرنے والے سے صلہ رحمی کرنا
۳) بھوکے کو کھانا کھلانا
۴) پیاسے کو پانی پلانا
۵) سلام کا جواب دینا
۶) چھینکنے والے کے الحمد للہ پڑھنے پر یرحمک اللہ کہنا
۷) تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹانا
۸) کاریگر کی مدد کرنا
۹) کم سمجھ والے کا کام کر دینا
۱۰) کسی عزیز قریب کو مادہ جانور کا حمل دے دینا جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوا
۱۱) جوتے کا تسمہ کسی کو دے دینا
۱۲) وحشت زدہ آدمی کو مانوس کرنا یعنی اس سے اس طرح سے بات کرنا جس سے اس کی وحشت دور ہو کر انس پیدا ہو جائے
۱۳) بے چینی کو دور کرنا
۱۴) آدمی کا اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں ہونا
۱۵) مسلمان کی پردہ پوشی کرنا
۱۶) کسی کے آنے پر مجلسوں کو وسیع کر لینا
۱۷) مسلمانوں کو خوش کرنا
۱۸) مظلوم کی مدد کرنا
۱۹) ظالم کو ظلم سے روک دینا
۲۰) خیر کی راہ بتا دینا
۲۱) نیکیوں کا حکم دینا
۲۲) برے کام سے روکنا
۲۳) لوگوں کی آپس میں مصالحت کرا دینا

۲۴) مسکین کو اچھی بات کہہ کر واپس کرنا (اگر اپنے پاس دینے کو کچھ نہ ہو)
۲۵۔۲۶) (مسلمان کا پودے لگانا یا کھیتی اُگانا (اور) اس میں سے پرندوں یا انسان یا جانور کا کھالینا
۲۷) پڑوسی کو ہدیہ دینا
۲۸) مسلمان کے لئے سفارش کرنا
۲۹) مریض کی مزاج پرسی کرنا
۳۰) مسلمان سے مصافحہ کرنا
۳۱) اللہ کے لئے آپس میں محبت کرنا
۳۲) اللہ کے لئے مل بیٹھنا
۳۳) اللہ کے لئے ایک دوسرے سے ملاقات کرنا
۳۴) اللہ کے لئے ایک دوسرے پر خرچ کرنا
۳۵) جو آدمی عزت دار تھا کسی موقع میں وہ ذلیل ہونے لگا تو اس پر رحم کرنا
۳۶) جو مالدار تنگدست ہو گیا (اس پر رحم کرنا)
۳۷) جو عالم جاہلوں کے درمیان پھنس کر بے آبرو ہونے لگا اس کی آبرو بچانا
۳۸) غیبت کرنے والے کی تردید کرنا
۳۹) مسلمان کو سلام کرنا
۴۰) کسی آدمی کی مدد کرنا تا کہ وہ اپنی سواری پر سامان لاد سکے

نوٹ: ان امور کو ذکر کرنے کے بعد علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے شارح کرمانی سے یہ بات بھی کی ہے کہ یہ احتمال ہے کہ ان امور کے علاوہ دوسری چالیس چیزیں مراد ہوں، پھر یہ کہنا کہ یہ سب چیز منیحہ سے کم ہیں اس کا بھی یقین نہیں کیا جا سکتا ممکن ہے کہ بعض منیحہ سے کم ہوں اور بعض اس سے اعلیٰ ہوں۔

بَابُ أَجْرِ الْخَازِنِ

باب: خزانچی کا اجر

1684 - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْمَعْنٰى وَاحِدٌ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسٰى، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْخَازِنَ الْأَمِينَ الَّذِي يُعْطِي مَا أُمِرَ بِهِ كَامِلًا مُوَفَّرًا، طَيِّبَةً بِهِ نَفْسُهُ، حَتّٰى يَدْفَعَهُ إِلَى الَّذِي أُمِرَ لَهُ بِهِ أَحَدُ الْمُتَصَدِّقَيْنِ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''بے شک امانتدار خزانچی جو ملنے والے حکم کے مطابق مکمل اور بھرپور ادائیگی اپنی خوشی سے کرتا ہے' یہاں تک کہ وہ اس چیز کو اس کے سپرد کر دیتا ہے' جس کے بارے میں اسے حکم دیا گیا تھا' تو وہ بھی صدقہ کرنے والے دو افراد میں سے ایک شمار ہوگا''۔

بَابُ الْمَرْاَةِ تَتَصَدَّقُ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا

باب: عورت کا اپنے شوہر کے گھر میں سے صدقہ کرنا

1685 - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا اَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ شَقِيْقٍ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرْاَةُ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ، كَانَ لَهَا اَجْرُ مَا اَنْفَقَتْ، وَلِزَوْجِهَا اَجْرُ مَا اكْتَسَبَ، وَلِخَازِنِهِ مِثْلُ ذٰلِكَ، لَا يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ اَجْرَ بَعْضٍ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جب کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر میں سے' خرابی پیدا کئے بغیر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتی ہے' تو اس عورت کو خرچ کرنے کا ثواب ملے گا' اور اس کے شوہر کو کمانے کا ثواب ملے گا۔ خزانچی کی مثال بھی اس کی مانند ہے۔ ان میں سے کسی ایک کی وجہ سے دوسرے کے اجر میں کمی نہیں ہوگی''۔

بیوی کا شوہر کے مال سے خرچ کرنے میں فقہی مذاہب اربعہ کا بیان

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ عاقل بالغ اور آزاد اور تصرفات کر سکتا ہو کو اپنی زندگی میں اپنے ذاتی مال میں تصرف کرنے کا حق ہے اور اس کے لیے جائز ہے کہ وہ چاہے خرید وفروخت کرے یا کرایہ وغیرہ پر دے یا پھر ھبہ اور وقف کرے اور اسی طرح باقی تصرفات بھی اس کے لیے جائز ہیں، اور اہل علم کے مابین اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

اور اہل علم کے مابین اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ خاوند کو اپنی بیوی کے ذاتی مال میں کوئی اعتراض کرنے کا حق نہیں جبکہ اس کا تصرف کسی عوض میں ہو یعنی خرید وفروخت، اور کرایہ وغیرہ۔

اور جب وہ عورت عقل مند اور تصرف کرنے میں بھی جائز ہو اور پھر وہ عادتاً دھوکہ باز بھی نہ ہو اس کے لیے تصرف جائز ہے۔

(مراتب الاجماع لابن حزم (162)، الاجماع فی الفقہ الاسلامی تالیف ابوجیب (2/566))

علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا عورت اپنا سارا مال یا اس میں کچھ حصہ اپنے خاوند کی اجازت کی بغیر ہبہ کر سکتی ہے، ذیل میں ہم مختلف مذاہب بیان کرتے ہیں۔

پہلا قول:

مالکیہ اور حنابلہ کی ایک روایت ہے کہ ثلث سے زیادہ مال کے ہبہ میں خاوند کو روکنے کا حق ہے، اس سے کم میں خاوند کو روکنے کا حق نہیں۔ (شرح الخرشی (7/103) المغنی لابن قدامہ (4/513) نیل الاوطار (6/22)

ان کے دلائل میں قیاس اور منقول دونوں ہی شامل ہیں:

منقول میں سے دلائل کا بیان

کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی خیرۃ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا زیور لے کر آئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: عورت کو اپنے مال میں سے خاوند کی اجازت کے بغیر کچھ بھی جائز نہیں، تو کیا تو نے کعب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے اجازت لی ہے، اس نے کہا جی ہاں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن مالک کے پاس ایک شخص کو بھیجا کہ ان سے پوچھے کہ کیا تو نے خیرہ کو اپنا زیور صدقہ کرنے کی اجازت دی ہے، تو انہوں نے جواب میں کہا جی ہاں میں نے اجازت دی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے قبول کر لیا۔ (سنن ابن ماجہ حدیث نمبر (2380) اس حدیث کی سند میں عبداللہ ابن یحییٰ اور اس کا والد دونوں راوی مجہول ہیں۔

2۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں فرمایا: (کسی بھی عورت کا خاوند کی اجازت کے بغیر عطیہ دینا جائز نہیں)

(سنن ابوداؤد کتاب البیوع باب نمبر (84) سنن نسائی الزکاۃ باب (58) مسند احمد (2/179) سنن ابن ماجہ (2/798)

اور ایک روایت میں ہے کہ (جب خاوند بیوی کی عصمت کا مالک بن جائے تو اس کے لیے اپنے مال میں کچھ بھی جائز نہیں) ترمذی کے علاوہ باقی پانچ نے اسے روایت کیا ہے۔

یہ اور اس سے قبل والی حدیث اس کی دلیل ہے کہ بیوی کے لیے جائز نہیں کہ وہ خاوند کی اجازت کے بغیر اپنے مال میں تصرف کر سکے، اور اس میں یہ ظاہر ہے کہ عورت کے لیے اپنے مال میں تصرف کرنے لیے خاوند کی اجازت شرط ہے، اس قول کے قائلین نے ثلث سے زیادہ کی شرط دوسری نصوص کی وجہ سے لگائی ہے، جن میں یہ ہے کہ مالک کے لیے صرف ثلث اور اس سے کم میں وصیت کرنے کا حق حاصل ہے اس سے زیادہ کی وصیت نہیں کر سکتا لیکن اگر ورثاء اجازت دیں تو پھر کر سکتا ہے۔

جیسا کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصہ میں میں جو کہ مشہور ہے اس میں ہے کہ جب انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے سارے مال کے صدقہ کے بارہ میں پوچھا تو آپ نے اجازت نہ دی اور جب دو ثلث کا پوچھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی نہیں ہی کہا اور جب انہوں نے ثلث کے بارہ میں پوچھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثلث ٹھیک ہے اور پھر ثلث بہت ہے۔ صحیح بخاری و مسلم۔

اور قیاس میں ان کی دلیل یہ ہے کہ خاوند کا حق اس کے مال سے بھی متعلق ہے جس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (عورت سے اس کے مال اور اس کی خوبصورتی و جمال اور اس کے دین کی وجہ سے شادی کی جاتی ہے) اسے ساتوں نے روایت کیا ہے۔ اور عادت ہے کہ بیوی کے مال کی وجہ سے خاوند اس کا مہر بھی زیادہ کرتا ہے اور اس میں دلچسپی لیتا اور اس سے نفع حاصل کرتا

ہے، اور جب اسے تنگی پیش آجائے تو وہ اسے مہلت دے دیتا ہے، تو اس طرح یہ مریض کے مال سے وارثوں کے حقوق کی جگہ ہوا۔ دیکھیں المغنی لابن قدامہ (514/4)

دوسرا قول:

خاوند کو مطلق طور پر بیوی کو تصرف سے روکنے کا حق حاصل ہے۔ چاہے وہ کم ہو یا زیادہ لیکن صرف خراب اور ضائع ہونے والی اشیاء میں یہ حق نہیں۔ یہ قول لیث بن سعد کا قول ہے۔ (نیل الاوطار (22/6)

تیسرا قول:

عورت کو اپنے مال میں خاوند کی اجازت کے بغیر تصرف کرنے کا حق نہیں: یہ طاوس رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ (فتح الباری (218/5)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں کہتے ہیں: طاوس رحمہ اللہ تعالیٰ نے عمرو بن شعیب والی مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے: عورت کے لیے اپنے مال خاوند کی اجازت کے بغیر عطیہ جائز نہیں۔ ابوداؤد اور نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کی ہے، ابن بطال رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: باب کی احادیث صحیح ہیں۔

چوتھا قول:

عورت اپنے مال میں مطلقا تصرف کا حق حاصل ہے چاہے وہ عوض کے ساتھ یا بغیر عوض کے، چاہے وہ سارے مال میں یہ کچھ میں۔

یہ قول جمہور علماء کرام کا ہے، جن میں شافعیہ، احناف، حنابلہ کا ایک مذہب، اور ابن منذر شامل ہیں۔ (المغنی لابن قدامہ (4/513) الانصاف (342/5) اور شرح معانی الآثار (354/4) فتح الباری (318/5)، نیل اولاطار (22/6)۔ کتاب وسنت اور نظر کے اعتبار سے سب سے زیادہ عادل اور صحیح قول یہی ہے۔

کتاب اللہ سے دلائل کا بیان

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: {اور عورتوں کو ان کے مہر پورے کے پورے ادا کرو، اگر تو وہ تمہیں اپنی مرضی اور خوشی سے کچھ معاف کردیں تو اسے بڑی خوش سے کھاؤ}۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خاوند کے لیے بیوی کے مال سے جس پر وہ راضی ہو مباح قرار دیا ہے۔

اور ایک دوسرے مقام پر کچھ اس طرح فرمایا: {اور اگر تم انہیں چھونے سے قبل ہی طلاق دے دو اور ان کا مہر مقرر کر چکے ہو تو جو تم نے مہر مقرر کیا ہے اس کا نصف ادا کرو لیکن اگر وہ معاف کردیں}۔

تو اللہ تعالیٰ نے خاوند کے طلاق دینے کے بعد عورت کو اپنا مال معاف کرنے کی اجازت دی ہے اور اس میں کسی کو بھی دخل نہیں کہ اس سے اجازت طلب کی جائے جو کہ عورت کے اپنے مال میں تصرف کرنے کی دلیل ہے، اور اس پر بھی دلیل ہے کہ اپنے مال میں اسی طرح ہے جس طرح کہ مرد اپنے مال میں تصرف رکھتا ہے۔ (شرح معانی الآثار (352/4)

اور ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے کچھ اس طرح فرمایا ہے: { اور یتیموں کو ان کے بالغ ہونے تک سدھارتے اور آزماتے رہو پھر اگر ان میں تم ہوشیاری اور حسن تدبیر پاؤ تو انہیں ان کے مال سونپ دو } (النساء (6)

اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ اگر یتیم بچی ہوشیار اور بالغ ہو جائے تو اس کے لیے اپنے مال میں تصرف کرنا جائز ہے۔

اور اسی طرح جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عید کے خطبہ میں وعظ ونصیحت کرنے کے بعد عورتوں نے اپنے زیورات صدقہ کردیے، تو یہ سب کچھ اس پر دلالت کرتا ہے کہ عورت کا اپنے مال میں تصرف کرنا جائز ہے اور کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں۔

نیل الاوطار میں ہے کہ جمہور اہل علم کا کہنا ہے کہ جب عورت بے وقوف نہ ہو تو اس کے لیے مطلقا اپنے مال میں خاوند کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز ہے، اور اگر وہ بے وقوف ہو تو پھر جائز نہیں۔

فتح الباری میں کہا ہے کہ جمہور علماء کرام کی اس پر کتاب وسنت میں سے بہت سے دلائل ہیں۔

جمہور علماء کرام نے اس حدیث:

عورت کے لیے اپنے مال میں خاوند کی عصمت میں رہتے ہوئے ہبہ جائز نہیں۔ (سنن ابوداود حدیث نمبر (3079) صحیح الجامع حدیث نمبر (7265) اور بعض روایات کا بیان ہو چکا ہے۔

اس حدیث سے استدلال کا رد کرتے ہوئے جمہور علماء کرام کہتے ہیں: یہ ادب اور حسن معاشرت اور خاوند کے بیوی پر حق اور مقام مرتبہ اور اس کی قوت رائے اور عقل پر محمول ہے کہ خاوند ان اشیاء میں پختہ ہوتا ہے۔

علامہ سندھی نے نسائی کی شرح میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ حدیث اکثر علماء کرام کے نزدیک حسن معاشرت اور خاوند کو راضی وخوش کرنے کے معنی پر ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث ثابت ہی نہیں تو ہم کس طرح ایسا کہیں اور قرآن مجید اس کے خلاف پر دلالت کرتا ہے، قرآن مجید کے بعد سنت اور پھر آثار اور اس کے بعد معقول کا درجہ ہے۔

میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے بغیر ہی غلام آزاد کر دیا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علم ہونے پر انہیں کوئی عیب نہیں لگایا، تو یہ اس کے علاوہ دوسری احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ حدیث اگر ثابت ہو تو پھر ادب واحسان اور اختیار پر محمول ہوگی۔

تو اس طرح مسلمان عورت کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنے خاوند سے اجازت طلب کرے اور اجازت لینا اس پر واجب تو نہیں بہتر ہے، اسے اس کا اجر بھی ملے گا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا عورتوں میں سے کونسی عورت بہتر ہے؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ عورت اچھی اور بہتر ہے جب اس کی طرح خاوند دیکھے تو وہ اسے خوش کردے، اور جب اسے کوئی حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے، اور وہ اپنے مال اور نفس میں خاوند کی مخالفت نہ کرے جسے وہ ناپسند کرتا ہو۔

(سنن نسائی حدیث نمبر (3179) صحیح الجامع حدیث نمبر (3292)

1686 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَوَّارٍ الْمِصْرِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ، عَنْ يُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ، عَنْ زِيَادِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ حَيَّةَ، عَنْ سَعْدٍ، قَالَ: لَمَّا بَايَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النِّسَاءُ قَامَتِ امْرَأَةٌ جَلِيلَةٌ كَأَنَّهَا مِنْ نِسَاءِ مُضَرَ. فَقَالَتْ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، إِنَّا كَلٌّ عَلَى آبَائِنَا، وَأَبْنَائِنَا -
قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَأُرَى فِيهِ: وَأَزْوَاجِنَا - فَمَا يَحِلُّ لَنَا مِنْ أَمْوَالِهِمْ؟ فَقَالَ: الرَّطْبُ تَأْكُلْنَهُ وَتُهْدِينَهُ.
قَالَ أَبُو دَاوُدَ: الرَّطْبُ: الْخُبْزُ وَالْبَقْلُ وَالرُّطَبُ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ، وَكَذَا رَوَاهُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ يُونُسَ

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین سے بیعت لی تو ایک باوقار عورت کھڑی ہوئی۔ اس کا تعلق مضر قبیلے سے تھا۔ اس نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! ہم (خواتین) اپنے باپ دادا اور بیٹوں (امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میرا خیال ہے روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں) اپنے شوہروں کے ذمہ ہوتی ہیں (یعنی ہمارا خرچ ان کے ذمہ ہوتا ہے) تو ان کے اموال میں سے ہمارے لئے کیا حلال ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تر چیز جسے تم کھاتی ہو اور ہدیہ کرتی ہو۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) تر چیز سے مراد روٹی، سبزی اور تازہ کھجور ہے۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ثوری نے یونس کے حوالے سے اس کی مانند روایت نقل کی ہے۔

خاوند کا مال اس کی اجازت کے بغیر صرف نہ کرنے کی نصیحت

یہ ایک اور امتیازی نصیحت ہے جس کے ساتھ نیک بیوی موصوف ہوتی ہے، یعنی خاوند کا مال اس کی اجازت کے بغیر خرچ نہ کرنا، خواہ صدقہ خیرات میں صرف کرنا ہو یا کسی اور مصرف میں، اپنے خاوند سے اجازت ضرور لینی ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر سے کوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر صرف نہ کرے" کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کھانا بھی نہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ تو ہمارا بہترین مال ہے۔" (الترمذی ۶۷۰، ابوداود ۳۵۶۵، احمد ۵/ ۲۶۷)

معلوم ہوا کہ نیک بیوی وہ ہے جو اپنے شوہر کے مال کی حفاظت کرتی ہے، اسکی عدم موجودگی میں مال کو برباد نہیں کرتی، بلکہ بحفاظت رکھتی ہے، اسی طرح وہ زیادہ مطالبات اور فرمائشوں سے اپنے شوہر کو پریشان نہیں کرتی۔ جب زوجہ اپنے شوہر کے مال میں سے کوئی چیز اس کی سابقہ اجازت کے ساتھ صدقہ وغیرہ کرتی ہے تو اس صدقہ کا نصف ثواب اس کو اور باقی نصف اس کے شوہر کو ملتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عورت جو چیز شوہر کے حکم کے بغیر خرچ کرتی ہے اس کا نصف اجر اس کے شوہر کو ملتا ہے۔" (البخاری ۷/ ۳۹، مسلم ۷/ ۱۵)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک عورت کو پہلے سے خاوند کی طرف سے اذن عام حاصل ہے لیکن اس نے اس خاص مقدار میں اپنے شوہر سے صراحتاً اجازت نہیں لی اور اس کو صدقہ کر دیا تو اجر دونوں کو نصف نصف ملے گا، اس سے پتہ چلا کہ اگر عورت صریح اجازت کے بغیر خرچ کرے اور خرچ کرنے کا کوئی عرف بھی نہ ہو تو عورت کو کوئی اجر نہیں ملے گا وہ گناہ گار ہوگی پس اس حدیث کا

بْنِ الْمُنْذِرِ بْنِ حَرَامٍ. يَجْتَمِعَانِ إِلَى حَرَامٍ وَهُوَ الْأَبُ الثَّالِثُ، وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبِ بْنِ قَيْسِ بْنِ عَتِيكِ بْنِ زَيْدِ بْنِ مُعَاوِيَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ مَالِكِ بْنِ النَّجَّارِ. فَعَمْرٌو يَجْمَعُ حَسَّانَ، وَأَبَا طَلْحَةَ، وَأُبَيًّا. قَالَ الْأَنْصَارِيُّ: بَيْنَ أُبَيٍّ وَأَبِي طَلْحَةَ سِتَّةُ آبَاءٍ

⊛⊛ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی:

''تم اس وقت تک نیکی تک نہیں پہنچ سکتے جب تک اس چیز کو خرچ نہیں کرتے جسے تم پسند کرتے ہو''۔

تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے پروردگار نے ہم سے ہمارے اموال طلب کیے ہیں' تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں ''اریحاء'' کے مقام پر موجود اپنی اراضی کو اللہ کے نام پر مخصوص کرتا ہوں۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اسے اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کردو۔

(راوی بیان کرتے ہیں:) تو انہوں نے وہ زمین حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے درمیان تقسیم کردی۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) محمد بن عبداللہ انصاری کے حوالے سے مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے وہ یہ فرماتے ہیں:

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا نام ونسب یہ ہے:

''زید بن سہل بن اسود بن حرام بن عمرو بن زید مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار''

جبکہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا نسب یہ ہے:

''حسان بن ثابت بن منذر بن حرام''

تو یہ دونوں حضرات (اپنے دادا) حرام بن عمرو پر مل جاتے ہیں جو ان کے دادا ہیں۔

جبکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا نسب یہ ہے:

''ابی بن کعب بن قیس بن عتیق بن زید بن معاویہ بن عمرو بن مالک بن نجار''۔

تو عمرو بن مالک بن نجار پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا نسب مل جاتا ہے۔

انصاری کہتے ہیں: حضرت ابی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے درمیان چھ باپ دادا ہیں۔

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ

نام ونسب اور ابتدائی حالات

زید نام، ابوطلحہ کنیت، خاندان نجار کی شاخ عمرو بن مالک سے ہیں جن کے افراد شہر یثرب میں معزز حیثیت رکھتے تھے، نسب نامہ یہ ہے زید بن سہل بن اسود بن حرام بن عمرو بن زید مناۃ بن عدی بن مالک بن النجار، والدہ کا نام عبادہ ہے اور وہ مالک بن عدی بن زید بن مناۃ کی بیٹی تھیں جو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے جدی رشتے میں تھے قبیلہ عمرو بن مالک مسجد نبوی سے غربی جانب باب الرحمۃ کی طرف سکونت پذیر تھا اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں اس قبیلہ کے رئیس تھے۔

قبل از اسلام ابوطلحہ رضی اللہ عنہ عام اہل عرب کی طرح بت پرست تھے اور بڑے اہتمام سے شراب پیتے تھے اور اس کے لئے ان کے ندیموں کی ایک مجلس تھی۔ (بخاری:۲/۶۶۴)

اسلام

ابھی زمانہ شباب کا آغاز تھا بہ مشکل بیس سال کی عمر ہوگی کہ آفتاب نبوت طلوع ہوا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اُمّ سلیم رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ کو نکاح کا پیغام دیا اور انہوں نے اسلام کی شرط کے ساتھ نکاح کو وابستہ کردیا، جس کا آخری اثر یہ مرتب ہوا کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ دین حنیف قبول کرنے پر آمادہ ہوگئے یہ وہ وقت تھا جب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اسلام کے پرجوش شیدائی شہر یثرب میں دین اسلام کی تبلیغ کررہے تھے مدینہ کا جو مختصر قافلہ بیعت کے لئے روانہ ہوا تھا اس میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

اس بیعت میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو یہ شرف مزید حاصل ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو انصار کا نقیب تجویز فرمایا۔

مواخاۃ

بیعت کے چند مہینے کے بعد خود حامل وحی ﷺ نے مدینہ کا ارادہ فرمایا اور یہاں پر مہاجرین وانصار میں اسلامی برادری قائم کی مہاجرین میں سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ انصاری کا جس کو بھائی بنایا گیا وہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح قریشی تھے، جن کو ایمان کی پختگی کی بدولت دربار رسالت سے امین الامۃ کا خطاب عطا ہوا تھا اور جناب رسول اللہ ﷺ نے ان کو جنت کی بشارت دی تھی۔

غزوات

غزوہ بدر اسلام کی تاریخ میں پہلا غزوہ ہے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس میں کافی حصہ لیا تھا، بدر کے بعد غزوہ احد واقع ہوا، وہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی جانبازی کی خاص یادگار ہے معرکہ اس شدت کا تھا کہ بڑے بڑے بہادروں کے قدم اُکھڑ گئے تھے؛ لیکن حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے آگے ڈھال آڑ کئے سینہ تانے کھڑے تھے کہ آپ کی طرف جو تیر آئے اس کا آماجگاہ خود بنیں اور نہایت جوش میں یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

نفسی لنفسک الفداء ووجھی لوجھک الوقاء

میری جان آپ کی جان پر قربان اور میرا چہرہ آپ کے چہرہ کی سپر ہو۔ (مسند حضرت انس بن مالک، بخاری:۲۷۹)

اور تیردان میں سے تیر نکال کر ایسا جوڑ کر مارتے کہ مشرکوں کے جسم میں پیوست ہوجاتا، جب آنحضرت ﷺ یہ تماشا دیکھنے کے لئے سر اٹھاتے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ حفاظت کے لئے سامنے آجاتے اور کہتے "نحری دون نحرک" آپ کے گلے کے پہلے آنحضرت ﷺ اس جان نثاری اور سرفروشی سے خوش ہوکر فرماتے فوج میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی آواز سو آدمی سے بہتر ہے۔ (مسند احمد:۳/۶، بخاری کتاب المغازی)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے احد میں نہایت پامردی سے مشرکین کا مقابلہ کیا وہ بڑے تیرانداز تھے اس دن دوتین کمانیں ان کے ہاتھ سے ٹوٹیں اس وقت ان کے سامنے دوقسم کے خطرے تھے ایک مسلمانوں کی شکست کا خیال دوسرے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کا مسئلہ؛ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت اس طرح کی کہ جس ہاتھ سے بچاؤ کرتے تھے وہ شل ہوگیا مگر انہوں نے اُف نہ کی۔

غزوۂ خیبر میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا اونٹ آنحضرت ﷺ کے اونٹ کے بالکل برابر تھا، اس غزوہ میں بھی وہ اس حیثیت سے نمایاں ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ نے گدھے کے گوشت کھانے کی ممانعت کرنا چاہی تو منادی کرنے کے لئے ان کو ہی مخصوص فرمایا۔ (مسند احمد: ۳/۱۲۱)

غزوہ حنین میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے شجاعت کے خوب جوہر دکھائے ۲۰، ۲۱ کافروں کو قتل کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا جو شخص جس آدمی کو مارے اس کے سارے اسباب کا مالک سمجھا جائے گا؛ چنانچہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بیس اکیس آدمیوں کا سامان حصہ میں حاصل کیا تھا آنحضرت ﷺ کے غزوات میں یہ اخیر غزوہ تھا اور ۸ھ میں واقع ہوا تھا۔

عام حالات

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے وقت حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنے مکان میں تھے، ادھر مسجد نبوی ﷺ میں صحابہ رضی اللہ عنہم میں گفتگو ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کی قبر کون تیار کرے، مدینہ میں بغلی اور مکہ میں صندوقی قبروں کا رواج تھا، لیکن آنحضرت ﷺ بغلی قبر پسند فرماتے تھے، مسلمانوں میں دو شخص قبریں کھودتے تھے، مہاجرین میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور انصار میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ صندوقی اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بغلی بناتے تھے، اس لئے دونوں کے پاس آدمی بھیجا گیا اور یہ رائے قرار پائی کہ جو پیشتر پہنچے اس شرف کو حاصل کرے اور چونکہ آنحضرت ﷺ کی مرضی بغلی کی تھی بہت سے مسلمان دست بدعا تھے کہ مہاجری کے آنے میں دیر ہو اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہ جلد آجائیں، یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ پہنچ گئے اور اپنے ہاتھ سے بغلی قبر کھودی۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے مدینہ کی سکونت ترک کردی تھی اور شام چلے گئے تھے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بھی ان ہی غمزدوں میں داخل تھے؛ لیکن جب زیادہ پریشانی بڑھتی تو آستانہ نبوت کا رخ کرتے اور مہینوں کا سفر طے کرکے رسول اللہ ﷺ کے مزار پر حاضر ہوتے اور تسلی کا سرمایہ حاصل کرتے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے شام میں گذارا، حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کا بیشتر حصہ بھی وہیں بسر ہوا، البتہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات کے قریب وہ مدینہ میں تشریف فرما تھے، حضرت فاروق اعظم کو ان کی ذات پر جو اعتماد اور ان کی منزلت کا جو خیال تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ جب انہوں نے ۶ آدمیوں کو خلافت کے لئے نامزد فرمایا تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا کہ آپ لوگوں کے سبب سے خدا نے اسلام کو عزت دی، آپ انصار کے ۵۰ آدمی لے کر ان لوگوں پر متعین رہیے، اگر چار آدمی ایک طرف ہوں اور دو مخالفت کریں تو دو کی گردن ماردیجئے اور اگر پلہ برابر ہو تو

اس فریق کو قتل کیجئے جس میں عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نہ ہوں، اور اگر تین دن گذر جائیں اور کوئی فیصلہ نہ ہو تو سب کے سر اڑا دیجئے۔

غرض مسور بن مخرمہ کے گھر میں ان چھ آدمیوں کی مجلس شوریٰ قائم ہوئی اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ دروازہ پر حفاظت کے لئے کھڑے ہوئے، بنو ہاشم شروع سے اس مشورہ کے خلاف تھے، وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو چاہتے تھے، اس لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے آہستہ سے کہا کہ آپ اپنا معاملہ ان لوگوں کے ہاتھ میں نہ دیجئے اپنا خود فیصلہ کیجئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا کچھ جواب دیا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ پاس کھڑے یہ باتیں سن رہے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ان پر نظر پڑی تو کچھ خیال پیدا ہوا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: لم ترع اباالحسن! اے ابوالحسن خوف نہ کیجئے۔

اسی طرح ایک دن جلسہ کے وقت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بھی پہنچے اور دروازہ پر بیٹھ گئے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کچھ نہ کہا، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جھلا آدمی تھے ان سے نہ رہا گیا کنکری مار کر بولے، یہ لوگ اس لئے آئے ہیں کہ مدینہ میں مشہور کریں گے کہ ہم بھی اصحاب شوریٰ میں تھے، کنکری مارنے پر عمرو رضی اللہ عنہ اور مغیرہ رضی اللہ عنہ بھی برہم ہوئے اور بات بڑھنے لگی، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا مجھ خوف ہے کہ آپ لوگ ان جھگڑوں میں الجھ کر اصل مسئلہ کو چھوڑ بیٹھیں! اس ذات کی قسم جس نے عمر کو وفات دی! میں تین دن سے زیادہ کبھی مہلت نہ دوں گا، پھر گھر میں بیٹھ کر تماشا دیکھوں گا کہ آپ لوگ کیا کرتے ہیں؟

اس کے بعد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے خانگی حالات میں دو چیزیں بہت نمایاں ہیں نکاح اور اولاد، ان کا نکاح حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا، اس کا واقعہ یہ ہے کہ مالک بن نضر، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے والد، ہجرت نبوی سے قبل اپنی بیوی اُمّ سلیم رضی اللہ عنہ سے ان کے اسلام قبول کرنے پر ناراض ہو کر شام چلے گئے تھے، وہاں انہوں نے انتقال کیا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اُمّ سلیم رضی اللہ عنہ کو پیام دیا، انہوں نے کہا کہ میں تمہارا پیام رد نہیں کرتی، لیکن تم کافر ہو اور میں مسلمان، میرا نکاح تمہارے ساتھ جائز نہیں، اگر تم اسلام قبول کر لو تو مجھے نکاح میں عذر نہ ہوگا اور وہی میرا مہر ہوگا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے اور اسلام مہر قرار پایا، ثابت کہتے ہیں کہ میں نے کسی عورت کا مہر ام سلیم رضی اللہ عنہ سے افضل نہیں سنا۔

حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہ سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی کئی اولادیں ہوئیں؛ لیکن سوائے عبداللہ کے کوئی زندہ نہ رہا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے کا نام ابوعمیر تھا، اس نے بچپن میں ایک لال پالا تھا، اتفاق سے لال مر گیا، اس کو نہایت غم ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے تو اس کو غمگین پا کر لوگوں سے پوچھا، آج یہ سست کیوں ہے؟ لوگوں نے واقعہ بیان کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ہنسانے کے لئے فرمایا: یا اباعمیر ما فعل النغیر یعنی اے عمیر لال کہاں گیا؟

ایک اور لڑکا تھا جو کچھ دنوں بیمار رہ کر مر گیا، اس کی وفات کا واقعہ نہایت پر اثر ہے، ایک دن اس کی بیماری کے زمانہ میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے اور اُدھر وہ فوت ہو گیا، اُمّ سلیم رضی اللہ عنہ نے اس کو دفن کر دیا اور گھر والوں سے تاکید کی کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ کا ذکر نہ کرنا، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مسجد سے آئے تو کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم ساتھ تھے، پوچھا

لڑکا کیسا ہے؟ اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا پہلے سے اچھا ہے! ابوطلحہ رضی اللہ عنہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے باتیں کرتے رہے کہ کھانا آیا، سب نے کھایا، جب صحابہ رضی اللہ عنہم چلے گئے تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اندر آئے اور رات کو میاں بیوی نے ایک بستر پر آرام کیا، اخیر رات میں اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے لڑکے کی وفات کا ذکر کیا اور کہا کہ خدا کی امانت تھی، اس نے لے لی اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اناللہ پڑھا اور صبر کیا، یہ واقعہ بخاری اور مسلم میں مؤثر اور مختلف طور پر مذکور ہے۔

اس لڑکے کے بعد عبداللہ پیدا ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گھٹی دی، یہ اپنے زمانہ میں تمام لوگوں پر فضیلت رکھتے تھے، ان ہی سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی نسل چلی ان کے دو بیٹے تھے، اسحاق اور عبداللہ اور اسحاق کے صاحبزادے یحیٰی تھے اور یہ سب اپنے عہد میں مرجع انام اور علم حدیث کے امام تھے۔

حلیہ

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا حلیہ یہ تھا رنگ گندم گوں، قد متوسط، سر اور داڑھی سفید خضاب نہیں کرتے تھے، چہرہ نورانی۔

وفات

عمر شریف ۷۰ سال کی ہوئی تو پیغام اجل آیا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا قصہ بھی عجیب ہے ایک دن سورہ برأت تلاوت فرمارہے تھے جب اس آیت "اِنْفِرُوا خِفَافًا وَّثِقَالًا" پر پہنچے تو دلولہ جہاد تازہ ہوا، گھر والوں سے کہا کہ خدا نے بوڑھے اور جوان سب پر جہاد فرض کیا ہے، میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں، سفر کا انتظام کردو، دومرتبہ کہا، بڑھاپے کے علاوہ روزے رکھتے رکھتے نہایت نحیف اور لاغر ہوگئے تھے گھر والوں نے کہا خدا آپ پر رحم کرے! عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے کل غزوات میں شریک ہوچکے، ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں برابر جہاد کیا، اب بھی جہاد کی حرص باقی ہے، آپ گھر میں بیٹھیے ہم لوگ آپ کی طرف سے غزوہ میں جائیں گے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بھلا کب رک سکتے تھے، شہادت کا شوق ان کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا بولے جو میں کہتا ہوں اس کی تعمیل کرو، گھر والوں نے چاروناچار سامان سفر درست کیا اور یہ ستر برس کا بوڑھا مجاہد خدا کا نام لے کر چل پڑا، غزوہ بحری تھا اور اسلامی بیڑہ روانہ ہونے والا تھا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ جہاز پر سوار ہوئے اور غزوہ کے منتظر تھے کہ ساعت مقررہ آپہنچی اور ان کی روح عالم قدس کو پرواز کرگئی۔

بحری سفر تھا، زمین کہیں نظر نہ آتی تھی، ہوا کے جھونکے جہاز کو غیر معلوم سمت میں لئے جارہے تھے اس مجاہد فی سبیل اللہ کی لاش غربت کی حالت میں جہاز کے تختہ پر بے گوروکفن پڑی رہی، آخر ساتویں روز جہاز خشکی پر پہنچا، اس وقت لوگوں نے لاش کو ایک جزیرہ میں اتر کر دفن کیا، لاش بعینہ صحیح وسالم تھی۔

سنہ وفات میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک ۳۱ھ اور بعض کے قول کے مطابق ۳۲ھ سال وفات ہے، لیکن اس میں زیادہ صحیح روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے اس کے رو سے ۵۱ھ میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا:

فضل وکمال

فضل وکمال میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو خاص رتبہ حاصل ہے، علامہ حافظ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے فضل وکمال کی طرف اس

طرح اشارہ کیا ہے کہ وہ فضلائے صحابہ میں تھے۔

روایت میں نہایت احتیاط کرتے تھے، ان کی احادیث مرویہ میں مسائل یا غزوات کا ذکر ہے، فضائل اعمال کا بیان نہیں باوجود یکہ وہ مدت دراز تک رسول اللہ ﷺ کے شرف صحبت سے ممتاز رہے اور رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی ایک عرصہ تک زندہ رہے، لیکن روایتوں کی مجموعی تعداد ۹۲ سے زیادہ نہ ہوسکی اس کا اصلی باعث بیان حدیث میں احتیاط تھی۔

حسب ذیل روایات ان کے علمی پایہ کو نمایاں کرتی ہیں:

حدیث شریف میں وارد ہے "لا تدخل الملئكة بيتا فيه صورة" یعنی جس گھر میں تصویر ہو وہاں فرشتے نہیں آتے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی بیماری میں عقیدت مندوں کا ایک گروہ عیادت کو آیا تو دیکھا کہ دروازہ پر ایک پردہ پڑا ہے، جس میں تصویر بنی ہوئی ہے، آپس میں گفتگو شروع ہوئی، زید بن خالد بولے کل تو تصویر کی ممانعت پر حدیث بیان کی تھی، عبید اللہ خولانی سے کہا ہاں لیکن یہ بھی تو کہا تھا کہ کپڑے پر جو تصویر ہو وہ اس میں داخل نہیں۔ (حدیث ابوطلحہ، مسند احمد: ۴/۲۸)

ایک دن حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کھانا نوش فرما رہے تھے، دسترخوان پر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بھی تھے کھانا کھا کر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وضو کے لئے پانی مانگا دونوں بزرگوں نے کہا شاید گوشت کھانے کی وجہ سے وضو کا خیال پیدا ہوا؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا جی ہاں اس پر فرمایا کہ تم طیبات کھا کر وضو کی ضرورت سمجھتے ہو؛ حالانکہ خود رسول اللہ ﷺ وضو کی حاجت نہیں سمجھتے تھے۔ (حدیث ابوطلحہ: ۳)

ایک دن حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے نفل کا روزہ رکھا تھا، اتفاق سے اسی دن برف پڑی اور اٹھے اور اولے چن کر کھانے لگے، لوگوں نے کہا روزے میں آپ اولے کھا رہے ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ یہ برکت ہے جس کا حاصل کرنا ضروری ہے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو شعر و سخن کا بھی ذوق تھا، میدانِ جنگ میں رجز پڑھتے تھے، یہ شعر انہی کا ہے۔

انا ابو طلحة واسمي زيد وكل يوم في سلاحي صيد

اخلاق

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا اخلاقی جوہر حب رسول ہے، ایسی حالت میں کہ تمام مسلمانؓ جنگ کی شدت سے مجبور ہو کر میدان سے منتشر ہو گئے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس معدودے چند صحابہ باقی رہ گئے تھے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا اپنے کو رسول اللہ ﷺ پر قربان کرنے کے لئے بڑھنا اور آپ کے سامنے کھڑے ہو کر کفار کے وار سہنا کہ حامل نبوت پر جو تیر آئے ان کو اپنے سینے پر روکنا اور آخر اسی حالت میں اپنا ہاتھ بیکار کر دینا حب رسول کا وہ لازوال نشان ہے جو ابد تک نہیں مٹ سکتا۔

اسی محبت کا اثر تھا کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ سے خاص خصوصیت تھی وہ عموماً تمام معرکوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے اور ان کا اونٹ رسول اللہ ﷺ کے اونٹ کے برابر چلتا تھا، غزوہ خیبر سے واپسی کے وقت حضرت

صفیہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کے اونٹ پر سوار تھیں، مدینہ کے قریب پہنچ کر ناقہ ٹھوکر لے کر گری اور رسول اللہ ﷺ اور صفیہ رضی اللہ عنہ زمین پر آرہے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سواری سے فوراً کود پڑے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ کر پوچھا یا رسول اللہ جعلنی اللہ فداک چوٹ تو نہیں آئی؟ حضور نے فرمایا نہیں عورت کی خبر لو، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ منہ پر رومال ڈال کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اوران کو کجاوادرست کر کے اونٹ پر بٹھایا۔

اسی طرح ایک مرتبہ مدینہ میں دشمنوں کا کچھ خوف معلوم ہوا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا گھوڑا جس کا نام مندوب تھا مستعار لیا اور سوار ہو کر جس طرف اندیشہ تھا روانہ ہوئے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ پیچھے پیچھے چلے؛ لیکن ابھی پہنچنے نہ پائے تھے کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے راستہ میں ملاقات ہوئی فرمایا وہاں کچھ نہیں اور تمہارا گھوڑا بہت تیز رفتار ہے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ سے جو محبت تھی اس کا اثر چھوٹی چھوٹی چیز میں بھی ظاہر ہوتا تھا، جب ان کے گھر میں کوئی چیز آتی تو خود رسول اللہ ﷺ کے حضور میں بھیج دیتے تھے، ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک خرگوش پکڑ لائے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس کو ذبح کیا اور ایک ران آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیج دی، آپ نے یہ حقیر لیکن پر خلوص نذر قبول کرلی، (مسند احمد:۳/۱۷۱، مسند ابن انس رضی اللہ عنہ) اسی طرح اُمّ سلیم نے ایک طبق میں خرمے بھیجے، حضور ﷺ نے قبول فرما کر ازواج مطہرات اور صحابہ میں تقسیم کئے۔ (مسند احمد:۳/۱۳۵)

رسول اللہ ﷺ بھی اس محبت کی نہایت قدر کرتے تھے؛ چنانچہ جب آپ حج کے لئے مکہ تشریف لے گئے اور منیٰ میں حلق کرایا تو سر مبارک کے داہنے طرف کے بال تو اور لوگوں میں تقسیم ہوگئے اور بائیں طرف کے کل موئے مبارک حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمائے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اس قدر خوش ہوئے کہ گویا دونوں جہاں کا خزانہ ہاتھ آگیا۔

اسی طرح جب عبداللہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ان کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا آپ نے کچھ چھوہارے چبا کر اس سے لڑکے کو گھٹی دی لڑکے نے مزے سے اس آب حیواں کی گھٹی لی اور چھوہارے کو مسوڑھے سے دابنے لگا، حضور نے فرمایا دیکھو انصار کو چھوہاروں سے فطری محبت ہے، اس لڑکے کا نام آنحضرت ﷺ نے عبداللہ رکھا رسول اللہ ﷺ کے لعاب مبارک کا یہ اثر تھا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تمام نوجوانانِ انصار پر فوقیت رکھتے تھے۔ (مسند احمد:۲۵۷، مسند انس رضی اللہ عنہ)

جوش ایمان کا یہ عالم تھا کہ شراب حرام ہونے سے قبل ایک روز فضیخ جو چھوہارے کی بنتی ہے پی رہے تھے کہ اسی حالت میں ایک شخص نے آکر خبر دی کہ شراب حرام ہوگئی یہ سن کر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم اس گھڑے کو توڑ دو، انہوں نے توڑ دیا، (مسند احمد:۳/۱۸۱) جب یہ آیت نازل ہوئی:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران:۹۲)

جب تک اس میں سے خرچ نہ کرو جو تم کو محبوب ہے نیکی نہیں پا سکتے۔

تو امرائے انصار نے کیسوں کی مہریں توڑ دیں اور جس کے پاس جو قیمتی چیزیں تھیں آنحضرت ﷺ کے حضور میں پیش

کیں، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور بیرحا کو خدا کی راہ میں وقف کیا۔

بیرحا ان کی نہایت قیمتی جائداد تھی، اس میں ایک کنواں تھا، اس کا پانی نہایت شیریں اور خوشبودار تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت شوق سے اس کو پیتے تھے یہ اراضی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے محلہ میں اور مسجد نبوی کے سامنے واقع تھی بعد میں اس مقام پر قصر بنی عدیلہ بنایا تھا۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے اس وقف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت محظوظ ہوئے اور فرمایا: بخ بخ !ذالك مال رابح: ذالک حال رائج اور حکم دیا کہ اپنے اعزہ میں اس کو تقسیم کردو، چنانچہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بنی اعمام اور اقارب میں جس میں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تھے تقسیم کر دیا۔ (مسند احمد: ۳/۱۴۱)

ایک مرتبہ ایک شخص آیا، اس کے قیام کا کوئی سامان نہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو جو اپنے ہاں مہمان رکھے اس پر خدا رحم کرے گا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا میں لئے جاتا ہوں، گھر میں کھانے کو نہ تھا صرف بچوں کے لئے کھانا پکا تھا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بیوی سے کہا کہ بچوں کو سلادو اور مہمان کے پاس بیٹھ کر چراغ گل کردو۔ اس طور پر وہ کھانا کھالے گا اور ہم بھی فرضی طور پر منہ چلاتے رہیں گے، غرض اس طرح اس کو کھلا کر تمام گھر فاقہ سے پڑا رہا، صبح کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے ان کی شان میں یہ آیت پڑھی جو اسی موقع پر نازل ہوئی تھی: "وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے کہا رات تمہارے کام سے خدا کو بہت تعجب ہوا۔ (مسلم: ۲/۱۹۸)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک خاص وصف خلوص تھا، وہ شہرت پسندی، ریا اور نمود و نمائش سے دور رہتے تھے، بیرحا کو وقف کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قسم کھا کر کہا کہ یہ بات اگر چھپ سکتی تو کبھی میں ظاہر نہ کرتا۔ (مسند احمد: ۳/۱۱۵، مسند انس)

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ۴۰ سال کی زندگی پائی یہ تمام عمر روزوں میں بسر کی، عید اور بقرعید کے سوا ۳۶۵ دنوں میں کوئی دن ایسا نہ تھا بجز بیماری کے ایام کے جس میں وہ صائم نہ رہے ہوں۔

حضرت ابوطلحہ زید بن سہل رضی اللہ عنہ اور بغلی قبر کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے پر اتفاق رائے ہوگیا، تو اس وقت گھر میں صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خانہ ہی تھے مثلاً ان کے چچا حضرت عباس، حضرت علی، فضل، قثم، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم اور صالح اسی دوران گھر کے دروازے پر کھڑے حضرت اوس بن خولی انصاری خزرجی بدری رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پکار کر کہا کہ اے علی رضی اللہ عنہ میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ ہمارا حصہ بھی رکھنا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا اندر آجاؤ، چنانچہ وہ بھی داخل ہوگئے اور اس موقع پر موجود رہے گو کہ انہوں نے غسل میں شرکت نہیں کی۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینے سے سہارا دیا، جبکہ قمیص جسم پر ہی تھی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، فضل اور قثم رضی اللہ عنہ پہلو مبارک بدل رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کا ساتھ دے رہے تھے، حضرت اسامہ اور صالح پانی ڈال رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل دے رہے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ایسی چیز ظاہر نہیں ہوئی جو میت کی ظاہر ہوا کرتی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل دیتے

ہوئے کہتے جارہے تھے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ حیاو میتا کتنے پاکیزہ رہے، یاد رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل پانی اور بیری سے دیا گیا تھا غسل سے فراغت کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو خشک کیا، پھر وہی کیا جو میت کے ساتھ کیا جاتا ہے یعنی انہیں تین کپڑوں میں لپیٹ دیا گیا جن میں سے دو سفید تھے اور ایک دھاری دار سرخ یمنی چادر تھی، پھر معلوم ہوا کہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ صندوقی قبر بناتے ہیں جیسے اہل مکہ اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ جن کا اصل نام زید بن سہل تھا، اہل مدینہ کے لئے بغلی قبر بناتے ہیں تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دو آدمیوں کو بلایا، ایک کو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور دوسرے کو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس اور دعاء کی کہ اے اللہ! اپنے پیغمبر کے لئے جو بہتر ہو اسی کو پسند فرمالے، چنانچہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس جانے والے آدمی کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مل گئے اور وہ انہی کو لے کر آ گیا، اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بغلی قبر تیار کی گئی۔ (مسند احمد۔ جلد دوم۔ حدیث 499)

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ

نام ونسب

حسان نام، ابوالولید کنیت، شاعر رسول اللہ لقب، سلسلۂ نسب یہ ہے، حسان ابن ثابت بن منذر بن حرام بن عمرو بن زید مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج، والدہ کا نام فریعہ بنت خالد بن خنیس بن لوذان بن عبدود بن زید بن ثعلبہ بن خزرج بن کعب بن ساعدہ تھا، قبیلہ خزرج سے تھیں اور سعد بن عبادہ سردار خزرج کی بنت عم ہوتی تھیں، (بخاری: ۲/۵۹۵) حسان نے ایک شعر میں ان کا نام ظاہر کیا ہے۔

امسى الجلابيب قد غروا وقد كثروا وابن الفريعة امسى بيضة البلد (اصابہ: ۸/۱۶۶)

سلسلۂ اجداد کی چار پشتیں نہایت معمر گذریں، عرب میں کسی خاندان کی چار پشتیں مسلسل اتنی طویل العمر نہیں مل سکتیں، حرام کی عمر جو حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے پردادا تھے ۱۲۰ سال کی تھی ان کے بیٹے منذر اور ثابت بن منذر اور حسان بن ثابت سب نے یہی عمر پائی۔ (اسد الغابہ: ۱)

اسلام

حضرت حسان رضی اللہ عنہ حالتِ ضعیفی میں ایمان لائے، ہجرت کے وقت ۶۰ برس کا سن تھا۔

غزوات

دل کے فطرۃً کمزور تھے، اس لئے کسی غزوہ میں شریک نہ ہو سکے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوات میں شرکت کی تھی، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

قيل لابن عباس قدم حسان اللعين قال فقال ابن عباس ما هو بلعين قد جاهد مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بنفسه ولسانه (تہذیب التہذیب، باب من اسمہ حابس: ۲/۲۱۷)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ حسان ملعون آیا ہے، فرمایا ملعون کیونکر ہو سکتے ہیں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہ کر اپنے نفس اور زبان سے جہاد کیا ہے۔

لیکن عام تذکرے اس کے خلاف ہیں، غزوۂ خندق میں عورتوں کے ساتھ قلعہ میں تھے آنحضرت ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ بنت عبدالمطلب بھی اسی قلعہ میں تھیں، ایک یہودی نے قلعہ کے گرد چکر لگایا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ کو اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر یہودیوں کو اطلاع ہو گئی تو بڑی مشکل پیش آئے گی، کیونکہ آنحضرت ﷺ جہاد میں مشغول تھے انہوں نے حسان سے کہا اس کو مارو ورنہ یہود سے جا کر خبر کر دیگا، انہوں نے جواب دیا تمہیں معلوم ہے کہ میرے پاس اس کا کوئی علاج نہیں، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ نے یہ جواب سن کر خود خیمہ کی چوب اٹھائی اور مردانہ وار نکل کر مقابلہ کیا اور یہودی کو قتل کر کے حسان سے کہا اب جا کر اس کا سامان اتار لاؤ، بولے کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ (اسد الغابۃ: ۲/۲)

حضرت حسان رضی اللہ عنہ جان کے بجائے زبان سے جہاد کرتے تھے، چنانچہ غزوہ بنو نضیر میں جب آنحضرت ﷺ نے بنو نضیر کے درخت جلائے تو انہوں نے یہ شعر کہا:

فهان علی سراة بنی لوئی حریق بالبویرة مستطیر

بنو نضیر اور قریش میں باہم نصرت و مدد کا معاہدہ تھا، اس بنا پر قریش کو غیرت دلاتے ہیں کہ تم بنو نضیر کی جس وقت کہ مسلمان ان کے باغ جلا رہے تھے کچھ مدد نہ کر سکے یہ شعر مکہ پہنچا تو ابو سفیان بن حارث نے جواب دیا:

أَدَامَ اللّٰهُ ذٰلِكَ مِنْ صَنِيعٍ وَحَرَّقَ فِيْ نَوَاحِيهَا السَّعِيرُ
سَتَعْلَمُ أَيُّنَا مِنْهَا بِنُزْهٍ وَتَعْلَمُ أَيُّ أَرْضَيْنَا تَضِيرُ

(بخاری، باب حدیث بنی النضیر، حدیث نمبر: ۳۷۲۸)

یعنی خدا تم کو ہمیشہ اسی کی توفیق دے یہاں تک کہ آس پاس کے شعلوں سے خود مدینہ خاکستر ہو جائے اور ہم دور سے بیٹھے بیٹھے تماشا دیکھیں۔

۵ھ میں غزوہ مریسیع سے واپسی کے وقت منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتہام لگایا، عبداللہ بن ابی ان سب میں پیش پیش تھا، مسلمانوں میں بھی چند آدمی اس کے فریب میں آگئے، جن میں حسان، مسطح بن اثاثہ، اور حمنہ بنت جحش بھی شامل تھیں، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت میں آیتیں اتریں تو آنحضرت ﷺ نے اتہام لگانے والوں پر عفیفہ عورتوں پر تہمت لگانے کی قرآن کی مقرر کردہ حد جاری رکھی۔ (خلاصۃ الوفاء: ۲۹)

گو حضرت حسان رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں میں سے تھے، لیکن اس کے باوجود جب ان کے سامنے حسان رضی اللہ عنہ کو کوئی برا کہتا تو منع کرتیں اور فرماتیں کہ وہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے کفار کو جواب دیا کرتے تھے اور آپ کی مدافعت کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شعر سنا رہے تھے کہ مسروق بھی آگئے اور کہا آپ ان کو کیوں آنے دیتی ہیں، حالانکہ خدا نے فرمایا ہے کہ افک میں جس نے زیادہ حصہ لیا اس کے لئے بڑا عذاب ہے، فرمایا یہ اندھے ہو گئے اس

سے زیادہ اور کیا عذاب ہوگا، پھر فرمایا بات یہ ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مشرکین کی ہجو کرتے تھے۔ (اسد الغابہ: ۲/۷)

۹ھ میں بنوتمیم کا وفد آیا، جس میں زبرقان بن بدر نے اپنی قوم کی فضیلت میں چند اشعار پڑھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان کو حکم دیا کہ تم اٹھ کے اس کا جواب دو، انہوں نے اسی ردیف وقافیہ میں برجستہ جواب دیا:

إن الذوائب من فهر وإخوانهم قد بينوا سنة للناس تتبع

يرضى بها كل من كانت سريرته تقوى الاله وبالأمر الذى شرعوا

قوم إذا حاربوا ضروا عدوهم أو حاولوا النفع فى أشياعهم نفعوا

سجية تلك منهم غير محدثة إن الخلائق فاعلم شرها البدع

لو كان فى الناس سباقون بعدهم فكل سبق لأدنى سبقهم تبع

لا يرقع الناس ما أوهت أكفهم عند الدفاع ولا يوهون ما رقعوا

ولا يضنون عن جار بفضلهم ولا يمسهم فى مطمع طبع

أعفة ذكرت للناس عفتهم لا يبخلون ولا يرديهم طمع

خذ منهم ما أتوا عفواً إذا عطفوا ولا يكن همك الأمر الذى منعوا

فإن فى حربهم فاترك عداوتهم شراً يخاض إليه الصاب والسلع

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، باب حسیل بن نویرۃ الاشجعی: ۱/۱۰۳)

۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا، مسلمانوں کے لئے اس سے بڑھ کے کوئی غم نہیں ہوسکتا تھا، چنانچہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کئی پر درد مرثیے لکھے جو ابن سعد نے طبقات میں نقل کئے ہیں، ہم ان کے صرف مطلعوں پر اکتفا کرتے ہیں، پہلے مرثیہ کا مطلع ہے۔

آليت حلفة بر غير ذى دخل منى ألية غير افتاد

بالله ما حملت انثى ولا وضعت مثل النبى نبى الرحمة الهاد

آگے چل کر لکھتے ہیں:

امسى نساء عطلن البيوت فما يضرب بن خلف فقا ستر يادتاد

مثل الرواهب يلبس المسوح وقد ايقن بالبؤس بعد انعمة البادى

دوسرے مرثیے میں جس کا مطلع ہے

ما بال عينك لا تنام كانما كحلت مآقيها بكحل الارمد

اپنی مصیبت اور رنج وغم کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

جنبى يقيت الذر بلهفى ليتنى كنت المغيب فى الضريح الملحد

پھر کہتے ہیں۔

اقیم بعدك بالمدینة بینهم یا لهف نفسی لیتنی لم اولد

چوتھے مرثیے کا پہلا شعر ہے۔

تب المساکین ان الخیر ناوقهم مع الرسول تولی عنهم سحرا

(طبقات ابن سعد، جلد ۲، قسم ۲: ۹۰، ۹۱، ۹۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عرصہ تک زندہ رہے۔

وفات

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وفات پائی ۱۲۰ برس کا سن تھا، بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ۴۰ سے پیشتر انتقال کیا، لیکن یہ صحیح نہیں۔

اہل وعیال

بیوی کا نام سیرین تھا جو ماریہ قبطیہ حرم رسول اللہ کی ہمشیرہ تھیں ان سے عبدالرحمن نامی ایک لڑکا پیدا ہوا، اس بناء پر عبدالرحمن اور حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی خالہ زاد بھائی تھے۔ (اسد الغابہ: ۲/۶)

مکان

جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں ان کا آبائی مسکن، فارع کا قلعہ تھا؛ لیکن جب ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بیرحا کو صدقہ کر کے اپنے اعزہ پر تقسیم کردیا اور ان کے حصہ میں بھی ایک باغ آیا تو یہاں سکونت اختیار کرلی یہ مقام بقیع سے قریب تھا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے خرید کر کے یہاں ایک قصر بنوایا تھا جو قصر بنی حدیلہ کے نام سے مشہور تھا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کو یہ زمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صلہ میں دی تھی کہ انہوں نے صفوان بن معطل کا وار برداشت کیا تھا، لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ اول تو وہ کبھی میدان جنگ میں شریک نہیں ہوئے، دوسرے خود اس روایت کی سند مشتبہ ہے، ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کی تائید صحیح بخاری سے ہوتی ہے۔

فضل وکمال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند حدیثیں روایت کی ہیں، راویوں میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ، سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ، ابوسلمہ بن عبدالرحمن، عروہ بن زبیر، ابوالحسن مولی بنونوفل، خارجہ بن زید بن ثابت یحییٰ بن عبدالرحمن بن حاطب اور دیگر حضرات ہیں۔

شاعری

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی سیرت میں شاعری ایک مستقل عنوان ہے، شعروسخن عرب کا مذاق تھا اور چند قبائل خصوصیت کے

ساتھ شاعروں کے معدن تھے، مثلاً قیس، ربیعہ، تمیم، مضر، یمن، موخر الذکر قبیلہ میں اوس وخزرج کا شمار تھا جن سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا آبائی سلسلہ ملتا ہے۔

ان قبائل میں بھی چند مخصوص خاندان تھے، جن کے ہاں شاعری باوا جداد سے وراثت کے طور پر چلی آتی تھی، حضرت حسان رضی اللہ عنہ بھی ان ہی میں سے تھے، ان کے باپ، دادا، اور وہ خود اور ان کے بیٹے عبدالرحمن اور پوتے سعید بن عبدالرحمن سب شاعر گذرے ہیں۔

ان شاعروں میں کچھ لوگ "اصحاب مذہبات" کے نام سے مشہور ہیں، مذہبات ذہب سے مشتق ہے جس کے معنی سونا ہیں چون کہ بعض شاعروں کے منتخب اشعار سونے کے پانی سے لکھے گئے تھے، اس لئے مذہبہ کہلاتے ہیں بعد میں ہر شاعر کے سب سے بہتر شعر کو مذہبہ کہا جانے لگا، حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے مذہبہ کا مطلع یہ ہے۔

لعمر ابيك الخير حقا لما نبا علی لسانی فی الخطوب ولا يدی

حضرت حسان رضی اللہ عنہ شاعری کے لحاظ سے جاہلیت کے بہترین شاعر تھے، اصمعی کہتا ہے شعر حسان فی الجاہلیت من اجود الشعر

ایک مرتبہ کعب بن زہیر نے فخریہ کہا۔

فمن للقوافی شانها من يحولها اذا ما مضى كعب و فوز جرول

تو مرزد (برادر شماخ شاعر مشہور) نے فوراً ٹوکا کہ۔ (طبقات الشعر و شعراء ابن قتیبہ: ۱۷۰)

فلست كحسان الحسام بن ثابت

آبادی کے لحاظ سے عرب کے باشندے دو حصوں پر منقسم ہیں، اہل وبر (دیہات والے) اور اہل مدر (شہر والے) اہل مدر میں مکہ، مدینہ، طائف کے باشندے شامل تھے باقی تمام ملک قصبات اور دیہات سے بھرا پڑا تھا، شعراء عموماً انہی دیہاتوں کے باشندے تھے لیکن چند شاعر شہروں میں بھی پیدا ہوئے ان سب میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو بالاجماع فوقیت حاصل ہے۔

(کتاب الاغانی: ۵۶، اسد الغابہ: ۲/۶)

خصوصیات شاعری

شعر کے اگرچہ مختلف اصناف اور قسمیں ہیں؛ لیکن ان میں اصولی حیثیت صرف چار کو حاصل ہے رغبت، رہبت، طرب، غضب، چنانچہ رغبت میں مدح، شکر، رہبت میں معذرت، طلب رافت، طرب میں شوق تغزل اور غضب میں ہجو، عتاب دشنم داخل ہیں، (کتاب العمدہ: ۱/ ۷۷، ۷۸) حضرت حسان کا کلام ان میں سے ہر رنگ میں موجود ہے، اگرچہ ہجو کا رنگ ان سب سے زیادہ تند و تیز ہے خصوصیات شاعری حسب ذیل ہیں:

(۱) جدت استعارات: اگرچہ عربوں کی شاعری تمدن کی پروردہ نہیں تھی؛ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تمدن سے متاثر ضرور تھی، تمدن عرب کی حقیقی صبح صادق قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے طلوع ہوئی قرآن مجید فصاحت و

بلاغت کا سب سے بڑا معجزہ ہے اس نے بڑے بڑے زبان آوردوں کو اپنے سامنے خاموش کر دیا تھا، اس بنا پر جو شاعر مذہب اسلام میں داخل ہوئے ان میں فصاحت وبلاغت کی ایک نئی روح پیدا ہوئی، حضرت حسان رضی اللہ عنہ ان میں سے سب سے زیادہ تھے۔

قرآن مجید میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف میں لکھا ہے کہ "سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ" حسان رضی اللہ عنہ اس کو استعارہ بنا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کا ذکر کرتے ہیں:

نحوا باشمط عنوان السجود به يقطع الليل تسبيحا وقرآن

(کتاب العمدۃ: ۱/۱۸۶)

لوگوں نے اس کچے پکے بالوں والے کی قربانی کر دی جس کی پیشانی میں سجدہ کا نشان تھا اور تمام رات تسبیح وقرآن خوانی میں گذارا تھا۔

دیکھو اس شعر میں چہرہ کو "عنوان السجود به" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جو بالکل جدید استعارہ ہے۔

(۲) اشارہ کی لطافت: اشارہ کی ایک قسم تتبع یا تجاوز ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ شاعر کسی چیز کا ذکر کرنا چاہتا ہے، لیکن پھر اس سے عمداً گریز کرتا ہے اور ایک ایسی صفت بیان کرتا ہے جس میں وہ چیز بھی صاف طور پر جھلکتی نظر آتی ہے۔

عرب میں سینکڑوں قبیلے صحراؤں اور بیابانوں میں اقامت گزین تھے جو ہمیشہ خانہ بدوش پھرا کرتے تھے، جہاں کہیں پانی مل جاتا وہاں قیام کرتے تھے اور جب ختم ہو جاتا تو کسی اور طرف رخ کر دیتے، شاعروں نے اس مضمون کو مختلف طور سے باندھا ہے، لیکن حسان رضی اللہ عنہ نے جس طرز سے ادا کیا ہے، وہ بالکل اچھوتا اور نہایت ہی لطیف ہے:

اولاد جفنة حول قبر ابيهم قبر ابن مارية الكريم المفضل

جفنہ کی اولاد اپنے باپ ابن ماریہ کی قبر کے گرد رہتی ہے جو نہایت سخی اور فیاض تھا، ممدوح چونکہ عرب کی نسل سے تھا، اس بناء پر اس کی تعریف کے ساتھ ایک ملیح اشارہ کر دیا کہ یہ لوگ خانہ بدوش نہیں؛ بلکہ بادشاہ ہیں اور بے خوف وخطر اپنے باپ کی قبر کے ارد گرد رہتے ہیں، ان کا مقام سکونت نہایت سرسبز وشاداب ہے اس بناء پر ان کو مارے مارے پھرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۳) کنایہ کی بداعت: عرب شاعر بعض صفات کو کنایہ اور تعریض کی شکل میں پیش کرتا ہے؛ مثلاً اگر کہنا ہو کہ ممدوح نہایت ذی رتبہ اور فیاض ہے تو وہ کہے گا "المجد بين ثوبيه والكرام في برويه" یعنی یہ اوصاف اس کے کپڑوں کے اندر ہیں، حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس کو بالکل نئے انداز سے ادا کرتے ہیں:

بنى المجد بيتا فاستقرت عماره علينا فاعى الناس ان تيحولا

مقصود یہ ہے کہ ہم نہایت بلند رتبہ ہیں، اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ مجد وبزرگی نے ہمارے ہاں ایک گھر بنایا ہے اور اس کے ستون اس قدر مضبوط گاڑے ہیں کہ لوگ ہٹانا چاہیں تو نہیں ہٹا سکتے اس میں مجد کا ایک گھر بنانا، پھر اس کے ستون اپنے یہاں قائم کرنا اور لوگوں کا ان کو ہٹا نہ سکنا، یہ بالکل جدید انداز بیان ہے۔

(۴) وزن کی خوبی: اس کا مدعا یہ ہے کہ وزن کے لحاظ سے ہلکا ہو، ذیل کے اشعار کس درجہ سبک اور ڈھلے ہوئے نکلے ہیں:

مَا هَاجَ حَسَّانَ رُسُومُ الْمُقَامِ وَمَظْعَنُ الْحَيِّ وَمَبْنَى الْخِيَامِ
وَالنُّؤْيُ قَدْ هَدَّمَ أَعْضَادَهُ تَقَادُمُ الْعَهْدِ بِوَادٍ تِهَامِ
قَدْ أَدْرَكَ الْوَاشُونَ مَا أَمَّلُوا وَالْحَبْلُ مِنْ شَعْثَاءَ رَثُّ الرِّمَامِ
كَأَنَّ فَاهَا ثَغَبٌ بَارِدٌ فِي رَصَفٍ تَحْتَ ظِلَالِ الْغَمَامِ

(نقد الشعر، باب الترصیع: ۱/۵، شاملۃ ۳۸)

(۵) قافیہ کی خوبی: اس میں الفاظ کی نشست، جملوں کی ترکیب اور کلام کی سلاست وروانی کے ساتھ ساتھ یہ صفت ہوتی ہے کہ بیت اول کے پہلے مصرع کا مقطع قصیدہ کا قافیہ بن سکتا ہے۔

اس میدان کا مرد صرف امرء القیس ہے، تاہم اور شاعروں نے بھی کوشش کی ہے حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ایک قصیدہ لکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے:

أَلَمْ تَسْأَلِ الرَّبْعَ الْجَدِيدَ التَّكَلُّمَا بِمَدْفَعِ أَشْدَاخٍ فَبُرْقَةِ أَظْلَمَا

(نقد الشعر، باب الغلو والاقتصار: ۱/۸، شاملۃ ۳۸)

اس کے بعد کا یہ شعر ہے۔

أَبَى رَسْمُ دَارِ الْحَيِّ أَنْ يَتَكَلَّمَا وَهَلْ يَنْطِقُ الْمَعْرُوفَ مَنْ كَانَ أَبْكَمَا

(نقد الشعر، باب الغلو والاقتصار: ۱/۸، شاملۃ ۳۸)

(۶) الفاظ کا حاوی اور جامع ہونا: اس کے یہ معنی ہیں کہ شاعر ایک مفہوم ادا کرتا ہے جس میں وہ تمام چیزیں بیان کر دیتا ہے جس میں اس مفہوم کے پورے طور پر ادا ہونے کو دخل ہے؛ مثلاً یہ شعر:

لَمْ تَفُتْهَا شَمْسُ النَّهَارِ بِشَيْءٍ غَيْرَ أَنَّ الشَّبَابَ لَيْسَ يَدُومُ

(نقد الشعر، باب الغلو والاقتصار: ۱/۲۵، شاملۃ ۳۸)

(۷) قلت مبالغہ: حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی عہد اسلام کی شاعری مبالغہ سے بالکل خالی ہے ظاہر ہے کہ جو شعر مبالغہ سے خالی ہوا وہ بالکل پھیکا اور بے مزہ ہوگا وہ خود کہتے ہیں کہ اسلام جھوٹ سے منع کرتا ہے، اس بنا پر میں نے افراط کو کہ جھوٹ کی ایک قسم ہے بالکل چھوڑ دیا ہے۔ (اسد الغابہ: ۲/۵)

جاہلیت کی شاعری میں بھی مبالغہ کا کم عنصر شامل تھا، نابغہ نے ان کے حسب ذیل شعر میں اسی نقطۂ خیال سے نکتہ چینی کی ہے:

لَنَا الْجَفَنَاتُ الْغُرُّ يَلْمَعْنَ بِالضُّحَى وَأَسْيَافُنَا يَقْطُرْنَ مِنْ نَجْدَةٍ دَمَا

(نقد الشعر، باب الغلو والاقتصار: ۱/۹، شاملۃ ۳۸)

اس کے نزدیک "غر" کے بجائے بیض، "ضحیٰ" کے جگہ دجی اور "یقطرن" کے مقام پر "یجرین" کہنا چاہیے تھا۔

لیکن دراصل یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو شعر میں پیالوں کی سفیدی بیان کرنا مقصود نہیں؛ بلکہ صرف شہرت اور وجاہت کا اظہار مدنظر ہے اور غر سے مشہور چیز کا نام لینا تمام عرب میں عام تھا؛ مثلاً یوم اغر، اور ید غرا وغیرہ۔

اسی طرح "ضحی" کے بجائے "دجی" صحیح نہیں، کیونکہ دن میں وہی چیزیں زیادہ چمکتی ہیں جن کی روشنی نہایت تیز اور شدید ہو اور رات کو ہر چھوٹی اور دھندلی چیز نمایاں ہو جاتی ہے، مثلاً ستارے کہ دن کو بھی موجود رہتے ہیں، لیکن ان کی روشنی آفتاب کی وجہ سے ماند رہتی ہے یا چراغ تاریکی میں درندوں کی آنکھیں تک چمک اٹھتی ہیں اور ایک قسم کی مکھی جس کو عربی میں براع اور فارسی میں کمچہ کہتے ہیں بالکل آگ کا شعلہ معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح یقطرن کے جگہ یجرین، محاورہ عرب کے خلاف ہے عرب میں جب کسی بہادر اور جانباز کی تعریف کی جاتی ہے تو کہتے ہیں سیفہ یقطر دما، یہ کوئی نہیں کہتا کہ سیفہ دما یجری۔

دفاعی نظمیں

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی اسلامی شاعری کا موضوع مدافعت عن الدین یا ہجو کفار ہے، انہوں نے بہت سے کفار کی ہجو لکھی ہے؛ لیکن اس کے باوجود ان کا کلام فحاشی سے بالکل پاک ہے۔

عربوں کے نزدیک ہجو کی غرض محض اپنے قبیلہ کی مدافعت ہوتی تھی، اس بناء پر وہ اپنے اشعار صحیح واقعات میں نہایت موزوں اور مناسب پیرایہ میں نظم کرتے ہیں؛ چنانچہ زہیر نے تجاہل کے طور پر یہ اشعار لکھے:

وما ادری وسوف اخال ادری اقوم آل حصن أم نساء

مجھے معلوم نہیں اور عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ آل حصن مرد ہیں یا عورت

فان تكن النساء نحنبا تفحق لكل محصنة هداء

اگر عورتیں ہیں تو ان کو ہدیہ کرنا چاہیے

لوگوں کو نہایت گراں گذرا کہ عرب میں سب سے سخت ہجو لکھی گئی تھی۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی ہجو سب و شتم پر مشتمل نہ تھی؛ بلکہ مدافعت تھی اور وہ بھی بطریق احسن و بہ پیرائیہ مناسب، صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں:

فكان حسان و كعب يعارضانهم، مثل قولهم في الوقائع والأيام والمآثر، ويذكرون مثالبهم

(اسد الغابہ، باب حسان بن ثابت: ۱/۲۵۵)

یعنی حسان و کعب مشرکین کی رزمیہ اور فخریہ نظموں کا جواب دیتے تھے اور ان کے مثالب کا تذکرہ کرتے تھے۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ہجو گوئی اس طرح شروع کی کہ مشرکین میں ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب، عبداللہ بن زبعری، عمرو بن عاص، ضرار بن خطاب، آنحضرت ﷺ کی ہجو کرتے تھے، لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ آپ ان کے جواب میں ہجو لکھیں، فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہو تو میں آمادہ ہوں، آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو فرمایا علی اس کام کے لئے موزوں نہیں، اس کام کو انصار کریں گے جنہوں نے تلوار سے میری مدد کی ہے، حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے زبان پکڑ کر کہا میں اس کام کے لئے بخوشی آمادہ ہوں۔

ارشاد ہوا کہ قریش کی ہجو کس طرح کروگے حالانکہ میں بھی انہی میں سے ہوں، عرض کیا:

لأسلنك منهم كما تسل الشعرة من العجين (اسد الغابہ، باب حسان بن ثابت: ۱/ ۲۵۵)

میں آپ ﷺ کو اس طرح نکالوں گا جیسے آٹے سے بال نکالا جائے۔

فرمایا تو تم نسب ناموں میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مدد لینا ان کو قریش کے نسب میں اچھی واقفیت ہے۔

(بخاری: ۲/ ۹۰۹، واسد الغابہ: ۳/ ۲)

حضرت حسان رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے اور ان سے دریافت کرتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بتاتے کہ فلاں فلاں عورتوں کو چھوڑ دینا یہ رسول اللہ ﷺ کی دادیاں ہیں، باقی فلاں فلاں عورتوں کا تذکرہ کرنا، ابوسفیان بن حارث کی ہجو میں یہ اشعار لکھے:

وأن سنام المجد من آل هاشم بنو بنت مخزوم ووالدك العبد.

ومن ولدت أبناء زهرة منهم كرام ولم يقرب عجائزك المجد.

ولست كعباس ولا كابن أمه ولكن لئيم لا يقام له زند.

وأن امرأ كانت سمية أمه وسمراء مغموز إذا بلغ الجهد.

وانت ہجین نیط فی آل هاشم كما نيط خلف الراكب القدح الفرد

(اسد الغابہ، باب حسان بن ثابت: ۱/ ۲۵۵)

تو بولا کہ ان شعروں میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حصہ ضرور ہے، اس میں انہوں نے حضرت عبداللہ داحاب، زبیر، حضرت حمزہ، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ضراء بن عبدالمطلب کو مستثنیٰ کر کے ابوسفیان کی ماں سمیہ اور اس کے باپ حارث کی ماں سمراء پر طنز کیا ہے۔ (اسد الغابہ: ۲/ ۵)

اسی ابوسفیان کی ہجو میں کہتے ہیں:

هجوت محمداً فأجبت عنه... وعند الله في ذاك الجزاء

هجوت مطهراً براً حنيفاً... أمين الله شيمته الوفاء

أتهجوه ولست له بكفء... فشر كما لخير كما الفداء

فإن أبي ووالدتي وعرضي... لعرض محمد منكم وقاء

(الاستیعاب، حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ)

آنحضرت ﷺ اس مدافعت سے نہایت خوش ہوتے تھے ایک مرتبہ فرمایا:

حسان اجب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم ايده بروح القدس

(تاریخ مدینۃ دمشق، باب ذکر من اسمہ حسان: ۱۲/ ۳۸۴، شاملۃ ۳۸)

اے حسان میری طرف سے جواب دے، خداوندا روح القدس کے ذریعہ اس کی تائید کی۔

ایک مرتبہ ارشاد ہوا:

اهْجُهُمْ أَوْ قَالَ هَاجِهِمْ وَجِبْرِيلُ مَعَكَ (بخاری، باب ہجاء المشرکین، حدیث نمبر: ۵۶۸۷)

یعنی تم نے مشرکین کی ہجو کو جبریل تمہارے ساتھ ہیں۔

مشرکین پر ان شعروں کا جو اثر پڑتا تھا، اس کو آنحضرت ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

إن قوله فيهم أشد من وقع النبل (الاستیعاب، باب حسان بن ثابت الانصاری: ۱/۱۰۱)

حسان کا شعران میں تیر ونشتر کا کام کرتا ہے

اب ہم ہجو کے چیدہ اشعار لکھتے ہیں:

أتهجوه ولست له بندٍّ فشر كما لخير كما الفداء

(العقد الفرید، باب قولھم فی الھجاء: ۲/۳۱۶، شاملۃ=۳۸)

تو باایں ہمہ کہ آنحضرت ﷺ کا کفو نہیں ان کی ہجو کرتا ہے پس تم میں کا برا اچھے پر قربان ہے۔

اس شعر کا اخیر مصرعہ اس قدر مقبول ہوا کہ ضرب المثل کے طور پر مستعمل ہوتا ہے

واشهد ان لك من قريش كال السقب من ولد النعام

میں جانتا ہوں کہ تیری قرابت قریش سے ہے؛ لیکن اس طرح جیسے اونٹ کے بچہ کی شتر مرغ کے بچہ سے ہوتی ہے۔

ابن مفرغ نے انہی کا پہلا مصرع اڑا کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہجو لکھی تھی۔

واشهد ان الك من زيار (طبقات الشعر والشعرا: ۲۱۲)

وأُمُّكَ سَوْدَاءُ مَوْدُونَة كَأَنَّ أَنَامِلَهَا الْحُنْظُبُ

(دیوان حسان بن ثابت، باب أبوك أبوك وأنت ابنه: ۱/۲۷)

تیری ماں کالی حبشن ہے اور بے انتہا پست قد ہے اور پور گویا حنظب (ایک چھوٹا جانور ہے) ہیں۔

مدح

مدح اچھی لکھتے تھے، آل عنان کی تعریف میں جو اشعار لکھے ہیں ان میں سے بعض ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں:

يسقونُ من وزد البريضَ عليهم يردى يصفق بالرحيق السلسل

جوان کے ہاں جاتا ہے وہ اس کو بردی (نہر کا نام ہے) کا پانی صاف شراب میں ملا کر پلاتے ہیں۔

مصعب بن زبیر کی مدح میں ابن قیس نے ایک شعر اسی کے قریب قریب کیا ہے؛ لیکن جو مضمون اس میں ادا ہوا ہے اس میں نہیں ادا ہوا۔ (کتاب العمدہ: ۲/۱۰۴)

اسی طرح یہ شعر

يغشون حتى ما تهر كلابهم لا يسلون عن السوار القبل

اس بات میں اختلاف ہے کہ مدح کا سب سے بہتر شعر کون ہے ۳ شاعروں کے تین شعر اس باب میں سب سے بہتر ہیں؛ لیکن ان میں بھی ترجیح کس کو ہے یہ امر نا قابل انفصال ہے، حطیہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے شعر کو ترجیح دیتا ہے اور لوگ ابو الطحان اور نابغہ کے شعروں کو بہتر بتاتے ہیں (کتاب العمدہ:۲/۱۱۰) عبدالملک بن مروان کہ اہل زبان اور زبان کا حاکم تھا، اس کا فیصلہ یہ ہے کہ

إن أمدح بيت قالته العرب بيت حسان هذا (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، باب حسان بن ثابت الانصاری:۱/۱۰۲)

اگر مضمون کے لحاظ سے دیکھا جائے تو واقعی عجیب جدت ہے، شاہان غسان کے جود وسخا کو اس پیرایہ میں بیان کرتے ہیں کہ ان کے یہاں مہمانوں کی اتنی کثرت رہتی ہے کہ کتے تک مانوس ہو گئے ہیں اور ان کو دیکھ کر نہیں بھونکتے۔

یہ جاہلیت کے اشعار تھے، آنحضرت ﷺ کی مدح میں جو شعر لکھے ہیں اب ان کو بھی سننا چاہیے:

متى يبد في الداجي البهيم جبينه يلح مثل مصباح الدجى المتوقد

جب آنحضرت ﷺ کی پیشانی اندھیری رات میں نظر آتی ہے تو اس کی چمک نہایت روشن چراغ کی طرح ہوتی ہے۔

فمن كان أو من قد يكون كأحمد نظام لحق أو نكال لملحد

پس آنحضرت ﷺ کا مثل کہ حق کا نظام اور ملحد کو عذاب جان ہیں، کون پیدا ہوا اور کون آیندہ ہو سکتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کا ذکر کیا تو فرمایا کہ آپ ﷺ ایسے ہی تھے جیسا کہ حسان رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔ (استیعاب:۱/۱۳۰)

آنحضرت ﷺ مسجد نبوی میں منبر رکھوا دیتے تھے، حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس پر کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ کی مدح کرتے تھے اور آپ نہایت مسرور ہوتے تھے۔ (استیعاب:۱/۱۲۰)

جب بنو تمیم کا وفد آیا اور حسان رضی اللہ عنہ نے قریش کی مدح میں شعر پڑھے تو سب کے سب بول اٹھے کہ محمد کا خطیب ہمارے خطیب سے اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بہتر ہے۔ (استیعاب:۱/۱۳۱)

افتخار

حصان رزان ما تزن بريبة وتصبح غرثى من لحوم الغوافل

(الاستیعاب، باب حسان بن ثابت الانصاری:۱/۱۰۲)

یہ شعر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مدح میں ہے ان کو سنایا تو بولیں خیر میں تو ایسی ہوں؛ لیکن تم ایسے نہیں۔

(بخاری:۲/۵۹۷)

حسب ذیل اشعار فخر میں ہیں:

أهدى لهم مدحا قلب مؤازره فيما أحب لسان حائك صنع

(دلائل الاعجاز للجرجانی، باب اللفظ والاستعارۃ وشواھد:۱/۱۴۹)

میں ممدوح کی ایسی مدح کرتا ہوں جس میں قلب کی اعانت شامل ہوتی ہے اور جس کو شعر کی درست کرنے والی اور ماہر زبان پسند کرتی ہے۔

اس میں انہوں نے زبان کو صنعت کلام کا ماہر قرار دیا ہے:

إليك أرحنا عازب الشعر بعدما تمهل في روض المعاني العجائب

ممدوح کے پاس وہ شعر بھیجے ہیں جو نہایت بعید المعنی ہیں اور جو معانی کے گلشن میں قیام کر چکے تھے۔

غرائب لاقت في فنائك أنسها من المجد فهي الآن غير غرائب

جو نوادر تھے تمہارے ہاں عزت سے ایسے مانوس ہوئے کہ اب اجنبی نہیں رہے ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ میرے اشعار نہایت بلندی معنی رکھتے ہیں اور ان کو اکابر شعراء کے علاوہ دوسرا شخص نہیں باندھ سکتا ہے یہ ممدوح کی قدردانی ہے جو اس کی مدح میں شعر نکلتے ہیں ورنہ وہ گلستان معانی میں مقیم ہو گئے ہیں کیوں کہ کسی کو اپنا اہل نہیں پاتے۔

وقافِيَةٍ مِثْلِ السِّنَانِ رُزِئْتُها تَنَاوَلْتُ من جَوِّ السماءِ نُزُولَهَا

اور ایک قافیہ جو تیر کی طرح ہے کیا خوب ہے آسمان سے اس کو اڑا لایا ہوں۔

(الشعر والشعراء، باب النمر بن تولب: ۱/۶۰)

مرثیہ

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے مرثیے لکھے ہیں جن کا ہر ہر شعر یکسر سوز و گداز ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرثیے ہم اوپر نقل کر چکے ہیں یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اخلاقی نظمیں

ایک تجربہ کار شاعر، ایک سن رسیدہ بزرگ اور سب سے بڑھ کر ایک مقدس صحابی ہونے کی حیثیت سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا موضوع شاعری، وعظ و پند اور اعلیٰ اخلاق کی طرف قوم کو رغبت دلاتا ہے؛ چنانچہ ادب کے متعلق فرماتے ہیں:

(دیوان حسان بن ثابت، باب کم للمنازل من شهر: ۱/۱۷۲)

أصونُ عرضي بمالي لا أدنسهُ لا بَارَكَ اللهُ بعدَ العِرْضِ في المالِ

میں اپنی آبرو مال کے ذریعہ سے بچاتا ہوں جس مال سے آبرو نہ حاصل ہو وہ اچھا نہیں۔

أحتالُ للمالِ إن أودى فأجمعهُ ولستُ لِلعِرْضِ إن أَوْدَى بمُحتالِ

مال اگر نہ رہے تو پھر حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن آبرو بار بار حاصل نہیں ہو سکتی۔

نرم و گرم ہونے کے متعلق کہتے ہیں۔

واني لحلوٌ تعتريني مرارة وإني لتراكٌ لما لم أعودِ

(دیوان حسان بن ثابت، باب لعمر ابیک الخیر: ۱/۶۰)

میں شیریں ہوں لیکن مجھے تلخی پیش آجاتی ہے اور میں جس چیز کا عادی نہیں اس کو چھوڑ دیتا ہوں ظلم کا انجام برا ہوتا ہے۔

ودع السؤالَ عن الأمورِ وبحثها فَلَرُبَّ حافِرِ حُفرةٍ هُوَ يُصرَعُ

ہم کسی بات کو کھود کرید کر نہیں پڑتے کیونکہ گڑھا کھودنے والا بسااوقات اسی میں پچھاڑا جاتا ہے۔

آدمی کو ہمیشہ ایک سا رہنا چاہیے امیر ہو کر آپے سے باہر اور غریب ہو کر غمگین نہ ہونا چاہیے۔

فلا المالُ ينسيني حيائي وعفتي ولا واقعاتُ الدهرِ يفللنَ مبردي

(دیوان حسان بن ثابت، باب لعمر ابیک الخیر:۱/۶۰)

مال ہوتا ہے تو حیا اور حفاظت کو ہاتھ سے نہیں دیتا اور مصیبت آتی ہے تو آرام میں خلل نہیں ڈالتا ہے۔

اپنی موت کو بلانا۔

ولا تكُ كالشاةِ التي كانَ حتفها بحفرِ ذراعيها، فلمْ ترضَ محفرا

(دیوان حسان بن ثابت، لعمر ابیک الخیر:۱/۹۲)

تم اس بکری کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنے کھر سے زمین کھود کر موت بلائی تھی۔

بڑے لوگوں کے کینوں اور بغض کی حالت

وَقَوْمٌ مِنَ البَغْضَاءِ زُوْرٍ، كأنّما بأجوافِهِمْ، مما تُجِنُّ لنا، الجَمْرُ

(دیوان حسان بن ثابت، وقوم من البغضاء:۱/۱۱۸)

بہت سے آدمیوں کے پیٹ میں انگارے بھرے رہتے ہیں۔

تَجِيشُ بما فِيهِ لَنَا الصَّدْرُ مِثْلَ ما تجيشُ بما فيها من اللهبِ القِدْرُ

ان کے اندر کینے اس طرح جوش مارتے ہیں جس طرح انگارے پر دیگ کا کھانا

تَصُدُّ إذا ما وَاجهتْني، خُدودُهُم لدى محفلٍ عني كأنهمُ صعرُ

تم جب محفلوں میں ان کے متکبرانہ چہرے دیکھتے ہو تو ٹھٹھک کر رہ جاتے ہو۔

بات کا پورا کرنا۔

وإني إذا ما قلتُ قولاً فعلتهُ وأعرضُ عما ليسَ قلبي بفاعلِ

میں جب کوئی بات کہتا ہوں تو کر گذرتا ہوں اور جس کام کو دل نہیں چاہتا اس سے اعراض کرتا ہوں۔

ومن مكرهي إن شئتُ أن لا أقولهُ وفجعُ الأمينِ شيمةٌ غيرُ طائلِ

اگر میں نہ کہوں تو کوئی زبردستی کرنے والا نہیں اور دوست کا کسی بات سے روکنا بیکار نہیں ہوتا۔

عذر اور خیانت کی برائی۔

يَا حَارِ مَنْ يَغْدِرْ بِذِمَّةِ جَارِهِ مِنكُمْ، فَإنّ محمداً لمْ يغدرِ

اے پڑوسی! تم میں جو ہمسایہ بے دھوکہ کرتا ہے، سن لے کہ محمد دھوکہ نہیں کرتے

إنْ تغدروا فالغدرُ منکم شیمة والغدرُ ینبتُ فی أصولِ السخبرِ

اگر تم دھوکا کرتے ہو تو وہ تمہارا شیوہ ہے دھوکا سنجر کی جڑوں سے نکلتا ہے

وأمانة المرئ حیثُ لقیتهُ مثلُ الزجاجةِ صدعها لم یجبرِ

مری کی امانت تم جہاں پاؤ، اس شیشے کی طرح ہوگی جس کا شگاف درست نہیں ہوسکتا

بری باتوں سے درگذر

أعرِضْ عن العوْراءِ إنْ أسمِعتَها واقعدْ کأنکَ غافلٌ لا تسمعُ

بری بات سن کر اعراض کیا کرو اس طرح کہ تم نے اس کو سنا ہی نہیں۔

ذلت کی زندگی بسر کرنا۔

کرهوا الموتَ فاستبیحَ حماهمْ وأقاموا فِعْلَ اللئیمِ الذلیلِ

انہوں نے موت کو ناپسند کیا اس بنا پر ان کی آبرو ریزی ہوئی

أمِنَ الموتِ ترهبونَ؛ فإنّ الموت موتَ الهزالِ غیرُ جمیلِ

اگر تم موت سے بھاگتے ہو تو کمزوری کی موت اچھی نہیں ہوتی۔

متفرق چیدہ کلام

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے متفرق چیدہ اشعار حسب ذیل ہیں:

قومٌ إذا حاربوا ضروا عدوهمْ أوحاولُوا النفعَ فی أشیاعِهِمْ نفعوا

سجیة تلکَ منهمْ غیرُ محدثة إنّ الخلائِقَ، فاعلَمْ، شرُّها البدَعُ

علم معانی میں بدیع کی ایک قسم نہایت لطیف ہے جو بالکل وجدانی ہے وہ یہ کہ کلام کے تمام اجزا متحد اور ایک دوسرے میں داخل ہوں، ہر لفظ کا ربط نہایت شدید ہو، یہاں تک کہ پورا جملہ موتی کی ایک لڑی معلوم ہو، مذکورہ بالا شعر اسی صفت کا ہے اور اس میں تقسیم نے اور بھی لطف زیادہ کردیا ہے۔ (دلائل الاعجاز: ۷۴)

وَإنّ سَنَامَ المَجْدِ مِن آلِ هاشِمٍ بَنُو بنتِ مخزومٍ، وَوَالدُكَ العَبْدُ

مقصود یہ ہے کہ جس کی ہجو کی ہے اس کو غلام ثابت کریں اور یہ بیان کرے کہ اس کا غلام ہونا سب پر روشن ہے اس کو "العبد" کے الف لام نے ظاہر کردیا ہے اگر والدک عبد کہتے تو صرف خبر معلوم ہوتی، غلامی کا آشکارا ہونا سمجھ میں نہ آسکتا۔

(دلائل الاعجاز: ۱۴۰)

اهری حدیث الندمان فی فلق الصبح و مرت المغرر الغرر

یہ شعر اس درجہ موثر ہے کہ بعض اہل مدینہ کا بیان ہے کہ میں جب پڑھتا ہوں، جذبات شجاعت برانگیختہ ہوجاتے ہیں۔ (اصابہ: ۳/۷۸)

دیوان

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار عرصہ تک لوگوں کی زبانوں اور سینوں میں محفوظ رہے؛ لیکن بعد میں زینت دہ سفینہ بھی ہوگئے، ابوسعید سکری نے ان کو جمع کر کے ان کی تشریح کی اصابہ میں اس کے حوالے جابجا موجود ہیں، (اصابہ: ۷۸/۳) بعد میں کسی دوسرے شخص نے اس کی شرح لکھی، ان کا دیوان ہندوستان اور تونس میں طبع ہوا، ۱۹۱۰ء میں انگلستان کے مشہور ادارے گب میموریل سیرز، نے لندن، برلن، پیرس اور سینٹ پٹرسبرگ کے متعدد قلمی نسخوں و نیز مطبوعہ نسخوں سے مقابلہ کر کے بڑے اہتمام سے اس کو چھاپا۔

لیکن بایں ہمہ اس کی صحت کے متعلق قطعی رائے نہیں دی جاسکتی، احادیث، لغت اور ادب کی کتابوں میں جو اشعار منقول ہیں وہ بے شبہ صحیح ہیں، باقی اشعار کے متعلق اطمینان مشکل ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دیوان میں پہلا شعر

الناس فی صورة الشبه افكاء ابوهم آدم والام حواء

ہے لیکن عبدالقاہر جرجانی کہ ادب کے امام اور علم معانی و بیان کے موجد تھے اسرار البلاغۃ میں لکھتے ہیں کہ یہ اشعار محمد بن ربیع موصلی کے ہیں۔ (کتاب ذکور: ۲۰۳)

دیوان حسان رضی اللہ عنہ کو بھی اسی پر قیاس کیجئے، صاحب استیعاب لکھتے ہیں۔

قال الأصمعي حسان بن ثابت أحد فحول الشعراء فقال له أبو حاتم تأتي له أشعر لينة فقال الأصمعي تنسب إليه أشياء لا تصح عنه (الاستیعاب، باب حسان بن ثابت الانصاری: ۱۰۲/۱)

اصمعی نے کہا کہ حسان نہایت زبردست شاعر تھے، ابوحاتم بولے بعض اشعار تو بہت کمزور کہتے تھے، اصمعی نے کہا کہ بہت سے شعر ان کے نہیں؛ بلکہ لوگوں نے ان سے منسوب کر دیئے۔

اصمعی دوسری صدی ہجری میں تھا اور تیسری صدی میں انتقال کیا، جب تیسری صدی میں اس قدر آمیزش ہوگئی تھی تو ۱۳ صدیاں گذرنے پر خدا جانے کتنے انقلاب ہوئے ہوں گے۔

اخلاق وعادات

ان کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ وہ دربار نبوی کے شاعر تھے اور آنحضرت ﷺ کی جانب سے کفار کی مدافعت میں اشعار کہتے تھے اور آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی کہ خدایا روح القدس سے ان کی مدد کر، اس بنا پر بارگاہ رسالت میں ان کو خاص تقرب حاصل تھا۔

طبیعت کی کمزوری کے باوجود اخلاقی جرأت موجود تھی، ایک مرتبہ مسجد نبوی میں شعر پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منع کیا تو جواب دیا کہ میں تم سے بہتر شخص کے سامنے پڑھا کرتا تھا۔ (بخاری: ۴۰۹/۱، مسند: ۲۲۲/۵)

جاہلیت میں شراب پیتے تھے؛ لیکن جب سے مسلمان ہوئے قطعی پرہیز کیا، ایک مرتبہ ان کے قبیلہ کے چند نوجوان مے نوشی

میں معروف تھے، حسان رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو بہت لعنت ملامت کی جواب ملا یہ سب آپ ہی کا فیض ہے آپ کا شعر ہے۔

ونشربها فتتركنا ملوكا واسدا ما ينهنهنا اللقاء

ہم اسی کے بموجب پیتے ہیں، فرمایا یہ جاہلیت کا شعر ہے، خدا کی قسم جب سے مسلمان ہوا شراب منہ نہیں لگائی۔

(استیعاب:۱/۱۲۹)

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ

نام ونسب اور ابتدائی حالات

ابی نام، ابوالمنذر وابوالطفیل کنیت، سید القراء، سید الانصار اور سید المسلمین القاب ہیں، قبیلہ نجار (خزرج) کے خاندان معاویہ سے تھے جو بنی حدیلہ کے نام سے مشہور تھا (حدیلہ معاویہ کی ماں کا نام تھا جو جشم بن خزرج کی اولاد میں تھی سلسلہ نسب یہ ہے:

ابی بن کعب بن قیس بن عبید بن زیاد بن معاویہ بن عمر بن مالک بن نجار، (مسند احمد: ۵/ ۱۱۳) والدہ کا نام صہیلہ تھا جو عدی بن نذر کے سلسلہ سے تعلق رکھتی تھیں اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ انصاری کی حقیقی پھوپھی تھیں اس بنا پر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی رضی اللہ عنہ پھوپھی زاد بھائی تھے۔

حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی دو کنیتیں تھیں، ابوالمنذر اور ابوالطفیل، پہلی کنیت آنحضرت ﷺ نے رکھی تھی اور دوسری حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے بیٹے طفیل کے نام کی مناسبت سے پسند فرمائی۔

حضرت ابی کے ابتدائی حالات بہت کم معلوم ہیں، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کی زبانی اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے مے نوشی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ندیموں کا جو حلقہ قائم کیا تھا، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اس کے ایک ضروری رکن تھے۔

اسلام

مدینہ میں یہود کا کافی مذہبی اقتدار تھا، غالباً وہ اسلام سے پہلے توراۃ پڑھ چکے تھے، اسی مذہبی واقفیت نے ان کو اسلام کی آواز کی طرف متوجہ کیا ہوگا؛ چنانچہ مدینہ کے جن انصار نے دوسری دفعہ جا کر آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر عقبہ میں بیعت کی تھی ان میں حضرت ابی رضی اللہ عنہ بھی تھے اور یہی ان کے اسلام کی تاریخ ہے۔

مواخات

ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار میں برادری ومواخات قائم ہوئی تھی، اس میں سعید بن زید بن عمرو بن نفیل سے جو عشرہ مبشرہ میں تھے ان کی مواخاۃ ہوئی۔

غزوات اور عام حالات

حضرت ابی رضی اللہ عنہ عہد نبوت کے غزوات میں بدر سے لے کر طائف تک کے تمام معرکوں میں شریک رہے، غزوۂ احد

میں ایک تیر ہفت اندام میں لگا تھا، نبی کریم ﷺ نے ایک طبیب بھیجا جس نے رگ کاٹ دی، پھر اس رگ کو اپنے ہاتھ سے داغ دیا، (مسند جابر بن عبداللہ: ۳/ ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۱۵) حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے عہدِ رسالت سے لے کر خلافت عثمانی تک اہم مذہبی اور ملکی خدمات انجام دیں، ۹ھ میں جب زکوٰۃ فرض ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے تحصیل صدقات کے لئے عرب کے صوبہ جات میں عمال روانہ فرمائے، تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ بھی خاندان ہائے بلی، عذرہ اور بنی سعد میں عامل صدقہ مقرر ہو کر گئے اور نہایت تدین کے ساتھ یہ خدمت انجام دی، ایک دفعہ ایک گاؤں میں گئے تو ایک شخص نے حسب معمول تمام جانور سامنے لاکر کھڑے کر دیے کہ ان میں سے جو کو چاہیں انتخاب کرلیں، حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے اونٹ سے ایک دو برس کے بچہ کو چھانٹا، صدقہ دینے والے نے کہا اس کے لینے سے کیا فائدہ؟ نہ دودھ دیتی ہے اور نہ سواری کے قابل ہے اگر آپ کو لینا ہے تو یہ اونٹنی حاضر ہے، موٹی تازی بھی ہے اور جوان بھی، حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا، یہ کبھی نہ ہوگا، رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے خلاف میں نہیں کرسکتا، اس سے یہ بہتر ہے کہ تم میرے ساتھ چلو، مدینہ یہاں سے کچھ دور نہیں، آنحضرت ﷺ جو ارشاد فرمائیں اس کی تعمیل کرنا، وہ اس پر راضی ہو گیا اور حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس اونٹنی کو لے کر مدینہ آیا اور نبی کریم ﷺ کے سامنے تمام قصہ دہرایا، آپ نے فرمایا کہ اگر تمہاری مرضی یہی ہے تو اونٹنی دے دو قبول کرلی جائے گی اور خدا تم کو اس کا اجر دیگا، اس نے منظور کیا اور اونٹنی آپ کے حوالے کر کے اپنے مکان واپس آیا۔ (مسند احمد: ۵/ ۱۴۲)

۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلافت کی مسند پر متمکن ہوئے، ان کے عہد میں قرآن مجید کی ترتیب وتدوین کا اہم کام شروع ہوا، صحابہ رضی اللہ عنہم کی جو جماعت اس خدمت پر مامور کی گئی تھی حضرت ابی رضی اللہ عنہ اس کے سرگروہ تھے وہ قرآن کے الفاظ بولتے تھے اور لوگ ان کو لکھتے جاتے تھے، یہ جماعت چونکہ ارباب علم پر مشتمل تھی، اس لئے کسی کسی آیت پر مذاکرہ ومباحثہ بھی رہتا تھا، چنانچہ سورہ براۃ کی یہ آیت: "ثُمَّ انْصَرَفُوا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ" (التوبۃ: ۱۲۷) لکھی گئی تو لوگوں نے کہا کہ یہ سب سے اخیر میں نازل ہوئی تھی، حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں اس کے بعد دو آیتیں مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے اور پڑھائی تھیں، سب سے آخیر آیت: "لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ" (التوبۃ: ۱۲۸) ہے۔ (مسند احمد: ۵/ ۱۳۴)

خلافت فاروقی میں حضرت ابی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں بالاستقلال مقیم رہے، زیادہ تر درس وتدریس سے کام رہتا تھا، جب مجالس شوریٰ منعقد ہوتیں یا کوئی مہم آپڑتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے استصواب فرماتے تھے۔

حضرت ابی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پورے عہد حکومت میں مسند افتاء پر متمکن رہے اور اس کے سوا حکومت کا کوئی منصب ان کو نہیں ملا، ایک مرتبہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ مجھے کسی جگہ کا عامل کیوں نہیں مقرر فرماتے، بولے کہ میں آپ کے دین کو دنیا میں ملوث نہیں دیکھنا چاہتا۔ (کنز العمال: ۷/ ۱۶۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اپنے زمانہ خلافت میں نماز تراویح کو باجماعت کیا تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو امامت کے لئے منتخب فرمایا۔ (بخاری کتاب الصلوۃ التراویح)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قرآن مجید میں لب ولہجہ کا اختلاف تمام ملک میں عام ہوچکا تھا، اس بنا پر آپ نے اس اختلاف کو مٹانا چاہا اور خود اصحاب قرأت کو طلب فرما کر ہر شخص سے جدا جدا قرأت سنی، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، سب کے لہجہ (تلفظ) میں اختلاف نظر آیا، یہ دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمام مسلمانوں کو ایک تلفظ کے قرآن پر جمع کرنا چاہتا ہوں۔

قریش اور انصار میں ۱۲ شخص تھے، جن کو قرائن پر پورا عبور تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو یہ اہم کام تفویض فرمایا اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو اس مجلس کا رئیس مقرر کیا، وہ قرآن کے الفاظ بولتے تھے اور زید لکھتے تھے، آج قرآن مجید کے جس قدر نسخے ہیں، وہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی قرأت کے مطابق ہیں۔ (کنزالعمال:۱/ ۲۸۲، ۲۸۳)

وفات

۳۹ھ میں عمر طبعی کو پہنچ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جمعہ کے دن وفات پائی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور مدینہ منورہ میں دفن کئے گئے۔

آل واولاد

حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی اولاد کی صحیح تعداد اگر چہ نامعلوم ہے، لیکن جن کے نام معلوم ہیں وہ یہ ہیں، طفیل، محمد بن عبداللہ، ربیع، اُمّ عمر، ان میں سے اول الذکر دو بزرگ عہد رسالت میں پیدا ہوئے تھے۔

حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی زوجہ کا نام اُمّ الطفیل ہے وہ صحابیہ ہیں اور روایات حدیث کی فہرست میں ان کا نام داخل ہے۔

حلیہ

حضرت ابی رضی اللہ عنہ کا حلیہ یہ تھا، قد میانہ، رنگ گورا مائل بہ سرخی، بدن دبلا۔

اخلاق عادات

مزاج میں تکلف تھا، مکان میں گدوں پر نشست رکھتے تھے، غالباً دیوار میں آئینہ لگایا تھا اور کنگھی کرتے تھے، اسی طرف بیٹھتے تھے، ایام پیری میں جب سر اور داڑھی کے بال سفید ہوگئے تھے، کنیز سر کے بال بناتی تھی۔

حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو ایک آیت پڑھائی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو پوچھا، تم نے یہ کس سے سیکھی، اس نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ کا نام لیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو ساتھ لے کر ان کے مکان پر تشریف لے گئے اور استفسار کیا، انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے ایسا ہی سیکھا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مزید تحقیق کے لئے پھر پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے تم نے سیکھا ہے، جواب دیا جی ہاں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس جملہ کو پھر دہرایا، تیسری مرتبہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ کو غصہ آگیا، بولے واللہ یہ آیت خدا نے جبریل پر نازل کی تھی اور جبریل نے قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی، اس میں خطاب اور اس کے بیٹے سے مشورہ نہیں لیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر ان کے گھر سے تکبیر کہتے ہوئے نکل گئے۔ (کنزالعمال:۱/ ۲۸۷)

اسی طرح ایک مرتبہ ایک آیت کے متعلق اختلاف ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے وہ آیت پڑھوائی، انہوں نے پڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ناک کی طرف انگلی سے اشارہ کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو دوسری طرح پڑھا اور حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی ناک کی طرف اشارہ کیا حضرت نے کہا اب ہم آپ کی متابعت کرتے ہیں۔

(کنزل العمال:۱/۲۸۵)

حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ، شامیوں کی ایک بڑی جماعت کو تعلیم قرآن کے لئے مدینہ لائے، ان لوگوں نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے قرآن پڑھا، ایک دن ان میں سے ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے کوئی آیت پڑھی انہوں نے ٹوکا، اس نے کہا مجھ کو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے پڑھایا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے ساتھ ایک آدمی کر دیا کہ ابی کو بلا لاؤ، اس وقت حضرت ابی رضی اللہ عنہ اپنے اونٹ کو چارہ دے رہے تھے، آدمی نے پہنچ کر کہا، آپ کو امیر المومنین بلاتے ہیں، انہوں نے پوچھا کیا کام ہے، انہوں نے واقعہ بیان کیا، حضرت ابی رضی اللہ عنہ دونوں پر بگڑے اور کہا تم لوگ باز نہیں آتے اور غصہ میں اسی طرح دامن چڑھائے ہاتھ میں چارہ لئے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، انہوں نے ان سے اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے آیت پڑھوائی، دونوں کی قرأت میں اختلاف تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زید کی تائید کی، حضرت ابی رضی اللہ عنہ برہم ہوئے اور کہا خدا کی قسم عمر رضی اللہ عنہ! تم خوب جانتے ہو کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اندر ہوتا تھا اور تم لوگ باہر کھڑے رہتے تھے، اب آج میرے ساتھ یہ برتاؤ کیا جاتا ہے، واللہ اگر تم کہو تو میں گھر میں بیٹھ رہوں نہ کسی سے بولوں اور نہ درس قرآن دوں یہاں تک کہ موت میرا خاتمہ کر دے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں، جب خدا نے آپ کو علم دیا ہے تو آپ شوق سے پڑھایئے۔ (کنز العمال:۱/۲۸۵)

طبعاً نہایت آزاد اور خوددار تھے، ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مدینہ منورہ کے کسی کوچہ میں ایک آیت پڑھتے ہوئے جا رہے تھے پیچھے سے آواز آئی، ابن عباس رضی اللہ عنہما کھڑے رہو، مڑ کر دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، فرمایا کہ میرے غلام کو لیتے جاؤ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ فلاں آیت انہوں نے اس طرح پڑھی ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے مکان پہنچے تھے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے اور اجازت لے کر سب اندر پہنچے حضرت ابی رضی اللہ عنہ بال بنوا رہے تھے، دیوار کی طرف رخ تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گدے پر بٹھایا گیا، حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی پشت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف تھی، وہ اسی حالت میں بیٹھے رہے اور ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا، مرحبا یا امیر المومنین میری ملاقات کے لئے تشریف لانا ہوا یا کوئی اور غرض ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کام سے آیا ہوں اور ایک آیت پڑھ کر کہا یہ تو بہت سخت ہے (یعنی تلفظ میں) حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے قرآن اس سے سیکھا جس نے جبریل سے سیکھا تھا، وہ تو نہایت نرم اور تر ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ تو احسان جتانا چاہتے ہیں مگر مجھے جواب سے تشفی نہیں ہوئی۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں دونوں میں ایک باغ کی بابت جھگڑا ہو گیا، حضرت ابی رضی اللہ عنہ

رونے لگے اور کہا آپ کے عہد میں یہ باتیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں میری یہ نیت نہ تھی آپ کا جس مسلمان سے جی چاہے فیصلہ کرالیجئے، میں راضی ہوں، انہوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا نام لیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ راضی ہو گئے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا، گو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ اسلام تھے، تاہم ایک فریق کے حیثیت سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اجلاس میں حاضر ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ابی رضی اللہ عنہ کے دعویٰ سے انکار تھا، انہوں نے ان سے کہا آپ بھولتے ہیں، سوچ کر یاد کیجئے، حضرت ابی رضی اللہ عنہ کچھ دیر سوچتے رہے پھر کہا کہ مجھے کچھ یاد نہیں آتا تو خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واقعہ کی صورت بیان کی، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ کے پاس ثبوت کیا ہے، انہوں نے کہا کچھ نہیں، بولے تو آپ امیر المومنین سے قسم نہ لیجئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر مجھ پر قسم ضروری ہے تو مجھے اس میں تامل نہیں۔ (کنز العمال: ۳/ ۱۸۴، ۱۸۱)

طبیعت غیور پائی تھی ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا فلاں آدمی اپنے باپ کی عورت (سوتیلی ماں) سے ہمبستر ہوتا ہے، حضرت ابی رضی اللہ عنہ موجود تھے بولے کہ میں تو ایسے شخص کی گردن ماردیتا، آنحضرت ﷺ نے تبسم فرمایا اور کہا ابی رضی اللہ عنہ کس قدر غیرت مند ہیں، لیکن میں ان سے زیادہ غیور ہوں اور خدا مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے۔

بڑے مہمان نواز تھے، لیکن تکلف نہ تھا، ایک بار براء بن مالک رضی اللہ عنہ ملاقات کو آئے، پوچھا کیا کھاؤ گے؟ انہوں نے کہا ستو اور چھوہارے، اندر جا کر ستو لے آئے اور شکم سیر ہو کر کھلایا، براء بن مالک رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے پاس گئے اور اس واقعہ کا ذکر آپ سے کیا آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو بڑی عمدہ بات ہے۔

علم وفضل

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حیات سعید کا ایک ایک لمحہ علم کے لئے وقف تھا، عین اس وقت جب مدینہ میں مہاجرین اور انصار سے تجارت اور زراعت کا بازار گرم رہتا تھا، حضرت ابی رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں نبوت کے علمی جواہر سے اپنے علوم وفنون کی دوکان سجاتے تھے، انصار میں ان سے بڑا کوئی عالم نہ تھا، اور قرآن کے سمجھنے اور حفظ وقرأت میں مہاجرین وانصار دونوں میں ان کی فوقیت مسلم تھی، یہاں تک کہ خود رسول اللہ ﷺ ان سے قرآن مجید پڑھوا کر سنتے تھے۔

علوم اسلامیہ کے علاوہ کتب قدیمہ سے بھی پوری واقفیت رکھتے تھے، تورات انجیل کے عالم تھے، آنحضرت ﷺ کے متعلق ان کتابوں میں جو بشارتیں مذکور ہیں وہ ان کو خاص طور پر معلوم تھیں، اس علمی جلالت شان کی بنا پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ان کی تعظیم اور ان کا لحاظ کرتے تھے اور خود ان کے گھر پر جا کر مسائل پوچھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو اسلام کی تاریخ میں حبر کے لقب سے مشہور ہیں، حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی درسگاہ میں حاضری کو اپنا فخر سمجھتے تھے۔

حضرت ابی رضی اللہ عنہ کا فضل وکمال صرف خرمن نبوت کا خوشہ چین تھا، انہوں نے حامل رضی اللہ عنہ وحی سے اس قدر سیکھ لیا تھا کہ پھر کسی کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی، صحابہ کرام میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی شخص ایسا نہ تھا، جو

آنحضرت ﷺ کے بعد کب علم سے بے نیاز رہا ہو، صرف ابی رضی اللہ عنہ ابن کعب کی شخصیت تھی جو اس سے مستغنی تھی۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اگرچہ مختلف علوم کے جامع تھے؛ لیکن وہ خاص فن جن میں ان کو امامت اوراجتہاد کا منصب حاصل تھا، قرآن، تفسیر، شان نزول، ناسخ ومنسوخ، حدیث وفقہ تھے اورہم انہی علوم میں اپنی بساط کے مطابق ان کے کمالات دکھائیں گے۔

قرآن مجید

سب سے پہلے ہمیں قرآن مجید کا ذکر کرنا ہے اور یہ دکھانا ہے کہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ اس کو کس نظر سے دیکھتے تھے، حضرت ابی مجتہد تھے، وہ قرآن مجید پر مجتہدانہ انداز سے غور کرتے تھے، ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ قرآن میں کون سی نہایت معظم آیت ہے، حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا آیۃ الکرسی، آنحضرت ﷺ نہایت مسرور ہوئے اور فرمایا! ابی تمہیں یہ علم مسرور کرے۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ قرآن کی آیتوں میں کیسا غوروخوض کرتے تھے، اب خود ان کی زبان سے قرآن کی حقیقت سنو، ایک شخص نے ان سے درخواست کی کہ مجھے نصیحت کیجئے، فرمایا: قرآن کو دلیل راہ نہ بناؤ، اس کے فیصلوں اور حکموں پر راضی رہو، رسول اللہ ﷺ نے یہی چیز تمہارے لئے چھوڑی ہے اس میں تمہارا اور تمہارے قبل والوں کا اور جو کچھ زمانہ بعد میں ہوگا سب حال درج ہے:

حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے اس رائے میں حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے:

(۱) قرآن مجید اسلام کا مکمل قانون ہے۔

(۲) مسلمانوں کا بہترین دستور العمل ہے۔

(۳) اس کے قصص وحکایات نتیجہ خیز ہیں جو عمل اور عبرت کے لئے ہیں، گرمی محفل کے لئے نہیں۔

(۴) اس میں تمام قوموں کا نہایت کافی تذکرہ ہے۔

غور کرو! جو شخص ان حیثیتوں سے قرآن کریم کو دیکھتا ہوگا، اس کی وسعت معلومات اور دقت نظر میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔

حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے ابتداہی سے قرآن مجید کے ساتھ غیر معمولی شغف ظاہر کیا تھا؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں ورود فرما ہوئے تو سب سے پہلے جس نے وحی لکھنے کا شرف حاصل کیا وہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ تھے۔

قرآن مجید حفظ کرنے کا خیال بھی اسی زمانہ سے پیدا ہوا، جس قدر آیتیں نازل ہوئیں وہ حفظ کر لیتے تھے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں پورا قرآن یاد کرلیا، صحابہ رضی اللہ عنہم میں پانچ بزرگ تھے، جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے عہد مقدس میں پورا قرآن یاد کیا تھا؛ لیکن حضرت ابی رضی اللہ عنہ ان سب میں ممتاز تھے، خود آنحضرت ﷺ اس باب میں ان کی مدح کرتے تھے۔

حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے قرآن کا ایک ایک حرف رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے سن کر یاد کرلیا تھا، آنحضرت

ﷺ بھی ان کے شوق کو دیکھ کر ان کی تعلیم کی طرف توجہ مبذول فرماتے تھے، نبوت کا رعب بڑے بڑے صحابہ کو سوال کرنے سے مانع ہوتا تھا، لیکن حضرت ابی رضی اللہ عنہ بے جھجک جو چاہتے تھے، سوال کرتے تھے، ان کے شوق کو دیکھ کر بعض اوقات آنحضرت ﷺ خود ابتدا فرماتے تھے اور بغیر پوچھے بتاتے تھے، ایک مرتبہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسی سورۃ بتاتا ہوں جس کی نظیر نہ تورات وانجیل میں ہے اور نہ قرآن میں یہ کہہ کر باتوں میں مصروف ہو گئے، حضرت ابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میرا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ بیان فرمائیں گے، اس لئے جب آپ گھر جانے کے لئے اٹھے تو میں بھی ساتھ ہولیا، آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر باتیں شروع کر دیں اور گھر کے دروازہ تک اسی طرح چلے آئے، میں نے عرض کیا وہ سورۃ بتا دیجئے، آپ نے سنا دی، (مسند احمد: ۵ / ۱۱۴) ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے نماز فجر پڑھائی اس میں ایک آیت پڑھنا بھول گئے، حضرت ابی رضی اللہ عنہ نماز میں شروع سے شریک نہ تھے بیچ میں شریک ہوئے تھے، نماز ختم کر کے آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے پوچھا کہ کسی نے میری قرأت پر خیال کیا تھا؟ تمام لوگ خاموش رہے، پھر پوچھا، ابی بن رضی اللہ عنہ کعب ہیں؟ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نماز ختم کر چکے تھے، بولے کہ آپ نے فلاں آیت نہیں پڑھی کیا منسوخ ہوگئی، یا آپ پڑھنا بھول گئے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "نہیں میں پڑھنا بھول گیا" اس کے بعد فرمایا میں جانتا تھا کہ تمہارے سوا اور کسی کو ادھر خیال نہیں ہوا ہوگا۔

ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ جب کوئی مسئلہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی سمجھ میں نہ آتا تو وہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح خاموش نہیں رہتے تھے؛ بلکہ آنحضرت ﷺ سے دیر تک مذاکرہ جاری رکھتے اور جب سمجھ میں آجاتا تب اٹھتے، مسجد نبوی ﷺ میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک آیت پڑھی؛ چونکہ وہ قبیلہ ہذیل سے تھے، ان کی قرأت علیحدہ تھی، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے سنا تو کہا آپ نے یہ آیت کس سے پڑھی؟ میں نے تو رسول اللہ ﷺ سے اس طرح پڑھی ہے، انہوں نے کہا مجھ کو بھی رسول اللہ ﷺ نے پڑھایا ہے، حضرت ابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس وقت میرے دل میں خیالات فاسدہ کا غلبہ ہوا اور عجیب عجیب باتیں ذہن میں آئیں میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا میرے اور ان کے درمیان قرأت میں اختلاف ہو گیا ہے، آنحضرت ﷺ نے مجھ سے یہ آیت پڑھوائی اور فرمایا تم ٹھیک پڑھتے ہو، پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پڑھوائی اور فرمایا تم بھی ٹھیک پڑھتے ہو، پھر میں نے ہاتھ کے اشارہ سے کہا یا رسول اللہ ﷺ دونوں ٹھیک ٹھاک پڑھتے ہیں یہ کیونکر؟ اس قدر کدوکاوش پر حضرت ابی رضی اللہ عنہ پسینہ پسینہ ہو گئے تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کی گھبراہٹ دیکھی تو ان کے سینہ پر دست مبارک رکھ کر فرمایا الٰہی ابی کا شک دور کر! دستِ مبارک کی تاثیر، تسلی بن کر قلب میں اتر گئی اور ان کو کامل تشفی ہوگئی۔

حضرت ابی کا خاص فن قرأت ہے اس فن میں ان کو اتنا کمال تھا کہ خود نبی کریم ﷺ نے ان کی تعریف کی تھی صحابہ میں چند بزرگ تھے جن کے کمالات کی حامل وحی نے تعیین کر دی تھی ان میں حضرت ابی کعب رضی اللہ عنہ کی نسبت آنحضرت ﷺ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا" واقرأهم ابی بن کعب "یعنی صحابہ میں سب سے بڑے قاری ابی رضی اللہ عنہ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس جملہ کی یاد کو کئی مرتبہ تازہ کیا ایک مرتبہ مسجد نبوی کے منبر پر کہا کہ سب سے بڑے قاری ابی ہیں، شام کے مشہور سفر میں مقام جابیہ کے خطبہ میں فرمایا: "من اراد القرآن فلیات ابیا" یعنی جس کو قرآن کا ذوق ہو وہ ابی کے پاس آئے۔ (مسند احمد: ۵/ ۱۲۳)

فن قرأت میں حضرت ابی رضی اللہ عنہ کو جو دخل تھا، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ خود حامل نبوت ان سے قرآن کا دورہ فرمایا کرتے تھے؛ چنانچہ جس سال آپ نے وفات پائی حضرت ابی رضی اللہ عنہ کو قرآن سنایا اور فرمایا مجھ سے جبریلؑ نے کہا تھا کہ ابی کو قرآن سنادیجئے۔

جو سورۃ نازل ہوتی اس کو آنحضرت ﷺ حضرت ابی رضی اللہ عنہ کو سناتے اور یاد کراتے تھے؛ "سورہ لم یکن" نازل ہوئی تو فرمایا کہ خدا نے تم کو قرآن سنانے کا حکم مجھے کیا ہے، انہوں نے عرض کیا خدا نے میرا نام لیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں، حضرت ابی رضی اللہ عنہ یہ سن کر فرط مسرت میں بے اختیار رو پڑے۔

عبدالرحمن بن ابی ابزی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے، ان کو استاد کا یہ واقعہ معلوم ہوا تو پوچھا! یا ابالمنذر (حضرت ابی کی کنیت) اس وقت آپ کو خاص مسرت ہوئی ہوگی، فرمایا کیوں نہیں، خداوند تعالیٰ خود فرماتا ہے:

"قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ" (یونس: ۵۸)

اسی قرأت دانی کا نتیجہ تھا کہ ایک قرأت خاص طور پر ان کی جانب منسوب ہوئی جس کا نام قرات ابی بن کعب تھا، اہل دمشق اسی قرأت میں قرآن مجید پڑھتے تھے۔

حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی قرأت کو ان کے رتبہ کے لحاظ سے عالمگیر ہونا چاہیے تھا؛ لیکن اس وقت تک زیادہ رواج نہ پاسکی، اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ بہت سی آیتیں جو منسوخ ہوچکی تھیں اس میں موجود تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بار بار کہا کہ ابی رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ قرآن کے جاننے والے ہیں، لیکن ہم کو بعض مواقع پر ان سے اختلاف کرنا پڑا ہے، ان کو اصرار ہے کہ انہوں نے جو کچھ سیکھا رسول اللہ ﷺ سے سیکھا ہے، یہ سچ ہے لیکن جب بہت سی آیتیں منسوخ ہوچکی ہیں اور ان کو اس کا علم نہیں ہوا تو پھر ہم ان کی قرأت پر کیونکر قائم رہ سکتے ہیں۔ (مسند: ۵/ ۱۳)

لیکن بعد میں اس کی اصلاح ہوگئی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں جب قرآن مجید کو جمع کیا گیا تو اس میں منسوخ شدہ آیتوں کا خاص خیال رکھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد ان کی قرأت نے قبول عام کی سند حاصل کرلی اور تمام ممالک اسلامیہ جن کی وسعت مغرب سے مشرق تک تھی حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی قرأت پر مجتمع ہوگئے۔

حضرت ابی نے انتقال کے بعد اس فن میں اپنے دو جانشین چھوڑے جو اپنے عہد میں مرجع انام تھے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔

قراء سبعہ میں سے نافع بن عبدالرحمن، ابورویم مدنی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے سلسلہ سے اور عبداللہ بن کثیر مکی، حضرت عبداللہ بن عباس کے واسطہ سے حضرت ابی بن کعب کے سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں۔

درس وتدریس

حضرت ابی بن رضی اللہ عنہ کعب کا مدرسۂ قرأت اس وقت ایک مرکزی حیثیت رکھتا تھا،عرب وعجم، روم وشام اور دیگر صوبہ جات اسلامیہ سے طلبہ مدینہ منورہ کا رخ کرتے اور ان کی درس گاہ قرأت سے فیض یاب ہوتے تھے۔

طلبہ کے علاوہ بعض اکابر صحابہ دور دراز مقامات سے شائقین کو لے کر مدینہ منورہ تشریف لاتے اور حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے استفادہ کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ انصاری شام میں تعلیم قرآن کے لئے بھیجے گئے تھے وہ اس درجہ کے تھے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جن ۵ بزرگوں نے پورا قرآن حفظ کیا تھا ان میں ایک وہ بھی تھے، لیکن بایں ہمہ وہ حضرت ابی کی قرأت سے مستغنی نہ تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مقدس میں شامیوں کا ایک مجمع ساتھ لے کر حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے، خود قرآن پڑھا اور دوسرے لوگوں کو بھی پڑھوایا۔

حضرت ابی رضی اللہ عنہ اگر چہ تلامذہ کی تعلیم سے خاص دلچسپی لیتے تھے، لیکن مزاج تیز تھا اس لئے بہت جلد ان کا حلم وتحمل غیظ وغضب میں بدل جاتا تھا، اس لئے تلامذہ خاص کوئی سوال کرتے تو خوف لگا رہتا کہ کہیں غصہ میں جھنجھلا نہ اُٹھیں، زرین حبیش جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید تھے اور جن کو حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے تلمذ کا بھی شرف حاصل تھا، کوئی بات پوچھنا چاہتے تھے مگر ہمت نہ پڑتی تھی ایک دن ایک سوال کیا تو پہلے اس طرح عرض کیا کہ مجھ پر نظر عنایت فرمایئے میں آپ سے علم سیکھنا چاہتا ہوں، حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں شاید یہ ارادہ ہوگا کہ قرآن مجید کی کوئی آیت پوچھنے سے باقی نہ رہ جائے۔

اسی وجہ سے ان کی مجلس لایعنی سوالات سے پاک ہوتی تھی، وہ قبل از وقت باتوں کا جواب نہیں دیتے تھے؛ بلکہ ناراض ہوتے تھے، مسروق نے ایک دن ایک سوال کیا، حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایسا بھی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں فرمایا ابھی ٹھہریے جب ایسا واقعہ پیش آئے گا تو آپ کے لئے اجتہاد کی تکلیف کی جائے گی۔

لیکن معقول سوالات سے خوش ہوتے تھے اور جواب مرحمت فرماتے تھے، زیاد انصاری نے پوچھا، آنحضرت ﷺ کی تمام بیویاں قضا کر جاتیں تو آپ نکاح کر سکتے تھے یا نہیں؟ انہوں نے کہا کر سکتے تھے، زیاد نے کہا پھر اس آیت کے کیا معنی لا یحل لك النساء من بعد حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے لئے عورتوں کی ایک قسم حلال تھی۔

(مسند احمد: ۵/ ۱۳۲)

حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی زندگی بڑی پر تکلف اور باوقار تھی، اس کا اثر ان کے حلقۂ درس میں نظر آتا تھا، گھر اور مجلس دونوں جگہوں میں ان کی نشست گدے پر ہوتی تھی اور تلامذہ عام صف میں بیٹھتے تھے۔

نشست وبرخاست میں تلامذہ ان کی تعظیم کے لئے سر وقد کھڑے ہوتے تھے اس زمانہ میں یہ دستور بالکل نیا تھا، ایک مرتبہ سلیم بن حنظلہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مسئلہ پوچھنے آئے جب وہ اُٹھے تو شاگردوں کا پورا مجمع پیچھے پیچھے ساتھ ہو گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو ان کو یہ روش ناپسند ہوئی، حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ آپ کے لئے فتنہ اور ان لوگوں کے لئے ذلت ہے۔

تلامذہ سے تحائف وہدایا قبول کرلیتے تھے اوراس میں کچھ مضائقہ نہ جانتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مقدس میں انہوں نے طفیل بن عمرودوسی کوقرآن پڑھایا تھا، انہوں نے ایک کمان ہدیۃً پیش کی، حضرت ابی رضی اللہ عنہ اس کولگا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے پوچھا یہ کہاں سے لائے، انہوں نے کہا ایک شاگرد کا ہدیہ ہے، آپ نے فرمایا اس کو واپس کردواور آیندہ ایسے ہدیہ سے پرہیز کرنا۔

اسی طرح ایک شاگرد نے کپڑا ہدیہ میں پیش کیا، اس میں بھی یہی صورت پیش آئی، اس لئے بعد میں ان باتوں سے اجتناب کلی کرلیا تھا؛ چنانچہ ملک شام کے لوگ جب آپ سے قرآن مجید پڑھنے مدینہ آئے تو مدینہ کے کاتبوں سے اس کولکھواتے بھی تھے اور کتابت کا معاوضہ اس طرح ادا ہوتا تھا کہ شامی اپنے ساتھ کاتبوں کوکھانے میں شریک کرلیتے تھے، لیکن حضرت ابی رضی اللہ عنہ ایک وقت بھی ان کی دعوت منظور نہ کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن ان سے دریافت کیا، ملک شام کا کھانا کیسا ہوتا ہے؟ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا میں ان کے ہاں کھانا نہیں کھاتا۔

قرات پڑھاتے وقت حروف مخارج سے ادا کرنے کی کوشش کرتے تھے، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے باشندوں کے ساتھ توچنداں دشواری پیش نہ آتی تھی؛ لیکن اعراب اور بدوؤں یادیگر ملکوں کے باشندوں کوجن سے حروف صاف صاف ادا نہ ہوسکتے تھے ان کا پڑھانا نہایت مشکل کام تھا، لیکن حضرت ابی رضی اللہ عنہ اس مشکل کوبھی آسان کرلیتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں حضرت ابی رضی اللہ عنہ ایک ایرانی کوقرآن پڑھاتے تھے جب اس کو یہ آیت پڑھائی "اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِیْمِ" تواس سے "اَثیم" نکلتا نہ تھا، وہ یتیم کہتا تھا، حضرت ابی رضی اللہ عنہ نہایت پریشان تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گذرے اوران کی حیرانی دیکھ کرخودان کے شریک ہوگئے اورایرانی میں فرمایا کہو "طعام الظالم" اس نے اس کوصاف طور سے ادا کردیا، آپ نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس کی زبان درست کرواوراس سے حرف نکلواؤ، خدا تمہیں اس کا اجر دے گا۔

مصحف اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ

حضرت ابی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر قرآت پڑھتے تھے گھر پر اس کوقلمبند کرتے جاتے تھے، یہی قرآن ہے جوفن تاریخ قرأت میں "مصحف ابی رضی اللہ عنہ" کے نام سے مشہور ہے، یہ مصحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد تک موجود تھا، اس مصحف کی شہرت دورتک تھی، حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے کے پاس جن کا نام محمد تھا اور مدینہ ہی میں رہتے تھے، عراق سے کچھ لوگ آئے اور کہا کہ ہم لوگ مصحف کی زیارت کوآئے ہیں انہوں نے کہا وہ توحضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لے لیا تھا۔

تفسیر

حضرت ابی رضی اللہ عنہ مفسرین صحابہ میں ہیں اوران سے اس فن میں ایک بڑا نسخہ روایت کیا گیا ہے، جس کے راوی امام ابوجعفر رازی ہیں، تین واسطوں سے حضرت ابی رضی اللہ عنہ تک یہ سلسلہ منتہی ہوتا ہے۔

فن تفسیر میں حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے اگر چہ متعدد شاگرد تھے، جن کی روایتیں عموماً تفسیر کی کتابوں میں مندرج ہیں؛ لیکن اس کا بڑا حصہ ابوالعالیہ کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے ابوالعالیہ کے تلمیذ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ تھے جن پر امام رازی کے سلسلہ روایات کا اختتام ہوتا ہے۔

اس تفسیر کی روایتیں ابن جریر اور ابی حاتم نے کثرت سے نقل کی ہیں، حاکم نے مستدرک میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں بھی بعض روایتوں کو درج کیا ہے، حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے اس فن میں دو قسم کی روایتیں ہیں، پہلی قسم میں وہ سوالات داخل ہیں جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جوابات عنایت فرمائے تھے دوسری قسم میں وہ تفسیریں ہیں جو خود حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں۔

حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی تفسیر کا پہلا حصہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے، ظن وقیاس کے رتبہ سے بلند ہو کر یقین کے درجہ تک پہنچتا ہے کیونکہ حاملِ وحی سے زیادہ قرآن کا مطلب کون سمجھ سکتا ہے۔

دوسرا حصہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی رائے کا مجموعہ ہے اس میں مختلف حیثیتیں پیش نظر رکھی گئی ہیں، بعض آیتوں میں تفسیر القرآن بالقرآن کا اصول مدنظر ہے، بعض میں خیالات عصریہ کی جھلک ہے کسی میں اسرائیلیات کا رنگ ہے اور کہیں کہیں ان سب سے الگ ہو کر مجتہدانہ روش اختیار کی ہے اور یہی ان کا علم تفسیر میں سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

شان نزول

حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے شان نزول کے متعدد روایتیں ہیں جو تفسیر کی کتابوں میں مندرج ہیں۔

حدیث

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو بزرگ علم حدیث کے ماہر خیال کئے جاتے تھے ان میں ایک حضرت ابی رضی اللہ عنہ بن کعب بھی تھے، محدث ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں۔

مکان احدہ بن سمع الکثیر یعنی حضرت ابی رضی اللہ عنہ ان بزرگوں میں ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کا بہت بڑا حصہ سنا تھا، یہی وجہ ہے کہ بہت سے علمائے صحابہ جو اپنے مجالس درس میں مسند روایت پر متمکن تھے حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے حلقہ تعلیم میں شاگردی کا زانوئے ادب تہ کرتے تھے۔

چنانچہ ان کے حلقہ میں تابعین سے زیادہ صحابہ کا مجمع ہوتا تھا، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حضرت ابوایوب انصاری، عبادہ بن صامت، ابوہریرہ، ابوموسیٰ اشعری، انس بن مالک، عبداللہ بن عباس، سہل بن سعد، سلیمان بن صرور رضی اللہ عنہ کہ تمام صحابہ میں انتخاب تھے حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے علم حدیث میں استفادہ کرتے تھے۔

حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے اوقات درس اگر چہ متعین تھے؛ تاہم ان وقتوں کے علاوہ بھی باب فیض مسدود نہ ہوتا تھا، چنانچہ جب مسجد نبوی میں نماز کو تشریف لاتے اور اس وقت بھی کسی کو تعلیم کی حاجت ہوتی تو اس کی تشفی فرماتے تھے۔

قیس بن عباد مدینہ میں صحابہ کے دیدار سے مشرف ہونے آئے تھے، ان کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابی بن کعب سے

بڑھ کر کسی کو نہ پایا، نماز کا وقت تھا لوگ جمع تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تشریف رکھتے تھے، کسی چیز کے تعلیم دینے کی ضرورت تھی، نماز ختم ہوئی تو محدث جلیل اٹھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث لوگوں تک پہنچائی، ذوق وشوق کا یہ عالم تھا کہ تمام لوگ ہمہ تن گوش تھے، قیس پر حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی اس شان عظمت کا بڑا اثر پڑا۔ (مسند احمد: ۱۴۰/۵)

روایت حدیث میں حضرت ابی رضی اللہ عنہ حزم واحتیاط سے کام لیتے تھے باوجود اس کے وہ حامل نبوت کے مقرب بارگاہ تھے اور زندگی کا بیشتر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں صرف کیا تھا بایں ہمہ روایت حدیث میں یہ شدت تھی کہ روایات کی مجموعی تعداد ۱۶۴ سے متجاوز نہیں ہے۔

فقہ

صحابہ میں کئی بزرگ تھے جو اجتہاد کا منصب رکھتے تھے اور استنباط مسائل کرتے تھے، حضرت ابی رضی اللہ عنہ کا بھی ان میں شمار ہوتا تھا اور وہ حامل قرآن کی مقدس زندگی ہی میں مسند افتاء پر جلوہ افروز ہو چکے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی اہل الرائے اور اہل فقہ میں شامل رہے اور لوگ انہی سے استفادہ کیا کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی یہ منصب عظیم ان کو حاصل رہا۔

آفاق عالم سے فتوے آتے تھے جن کے مستفتیوں میں صحابہ کا نام بھی داخل ہوتا تھا، سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے، وہ نماز میں تکبیر کہنے اور سورہ پڑھنے کے بعد ذرا توقف کرتے تھے، لوگوں نے ان پر اعتراض کیا، انہوں نے حضرت ابی کے پاس استفتاء لکھ کر بھیجا کہ مجھ پر حقیقت مجہول ہوگئی ہے، اس کے متعلق تحریر فرمایئے واقعیت کیا ہے؟ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے نہایت مختصر جواب تحریر کیا اور لکھا کہ آپ کا طریق عمل شرع شریف کے مطابق ہے اور معترضین غلطی پر ہیں۔

(کنز العمال: ۲۵۱/۴۷)

استنباط مسائل کا یہ طریقہ تھا کہ پیشتر قرآن مجید میں غور وخوض کرتے تھے پھر احادیث کی تلاش ہوتی تھی اور جب ان دونوں میں کوئی صورت نہ ملتی تو قیاس کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت آئی اور کہا کہ میرا شوہر مر گیا میں حاملہ تھی، اب وضع حمل ہوا ہے؛ لیکن عدت کے ایام ابھی پورے نہیں ہوئے اس صورت میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میعاد معین تک رکی رہو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فتویٰ پوچھنے کا حال اور ان کا جواب ان کے گوش گذار کیا، حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جاؤ اور عمر رضی اللہ عنہ سے کہنا کہ ابی کہتے ہیں کہ عورت حلال ہوگئی، اگر وہ مجھے پوچھیں تو یہیں بیٹھا ہوں آ کر بلا لینا، عورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آگئی انہوں نے کہا بلا لاؤ، حضرت ابی آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا آپ نے یہ کہاں سے کہا، انہوں نے جواب دیا قرآن سے اور یہ آیت پڑھی "وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ" اس کے بعد کہا کہ جو حاملہ بیوہ ہوگئی ہو وہ بھی اس میں داخل ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق حدیث سنی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورت سے کہا کہ جو یہ کہہ رہے ہیں اس کو سنو۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متصل تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب مسجد کو وسیع کرنا چاہا تو ان سے کہا کہ اپنا مکان فروخت کردیجئے میں اس کو مسجد میں شامل کروں گا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا یہ نہ ہوگا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اچھا تو ہبہ کردیجئے انہوں نے اس سے بھی انکار کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو آپ خود مسجد کو وسیع کردیں اور اپنا مکان اس میں داخل کردیں، وہ اس پر بھی راضی نہ ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ان تین باتوں میں سے کوئی بات آپ کو ماننا ہوگی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا میں ایک بات بھی نہ مانوں گا، آخر دونوں شخصوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا بلا رضامندی آپ کو ان کی چیز لینے کا کیا حق ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا اس کے متعلق قرآن مجید کی رو سے حکم نکالا ہے یا حدیث سے؟ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا حدیث سے وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب بیت المقدس کی عمارت بنوائی تو اس کی ایک دیوار جو کسی دوسرے کی زمین پر بنوائی تھی گر پڑی، حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس وحی آئی کہ اس سے اجازت لے کر بنائیے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے؛ لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی غیرت اس کو کب گوارا کرسکتی تھی، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں اس کو مسجد میں شامل کرتا ہوں۔

سوید بن غفلہ، زید بن صوحان اور سلیمان بن ربیعہ کے ہمراہ کسی غزوہ میں گئے تھے، مقام عذیب میں ایک کوڑا پڑا ہوا تھا، سوید نے اٹھالیا، ان لوگوں نے کہا اسے پھینک دو شاید کسی مسلمان کا ہو، انہوں نے کہا میں ہرگز نہ پھینکوں گا پڑا رہے گا تو بھیڑیے کی غذا بنے گا اس سے تو بہتر ہے کہ میں اسے کام میں لاؤں، اس کے کچھ دنوں بعد سوید حج کے ارادہ سے روانہ ہوئے، راستہ میں مدینہ طیبہ پڑتا تھا، حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کوڑے والا واقعہ بیان کیا، حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس قسم کا واقعہ مجھ کو بھی پیش آچکا ہے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ۱۰۰ دینار (۵۰۰) روپے پائے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ سال بھر تک لوگوں کو خبر کرتے رہو سال گزرنے کے بعد فرمایا کہ روپے کی تعداد، تھیلی کا نشان وغیرہ یاد رکھنا اور ایک سال تک اور انتظار دیکھنا اگر کوئی اس نشان کے موافق طلب کرے تو اس کے حوالہ کرنا ورنہ وہ تمہارا ہو چکا۔ (کنز العمال: ۴/ ۲۶۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ارادہ کیا کہ حج تمتع سے لوگوں کو روک دیں، حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا آپ کو اس کا کوئی اختیار نہیں، پھر ارادہ کیا کہ حیرہ کے حلے پہننے سے منع کردیں؛ کیونکہ اس کے رنگ میں پیشاب کی آمیزش ہوتی تھی، حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا اس کے بھی آپ مجاز نہیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پہنا ہے اور ہم لوگوں نے بھی پہنا ہے، (مسند احمد: ۵/ ۱۴۳) یہ فتویٰ عموم بلوی کی بنا پر تھا، طرز استنباط معلوم کرنے کے بعد فقہ ابی کے چند مسائل بھی پڑھ لینا چاہیے۔

کتاب الصلوٰۃ

حضرت ابی رضی اللہ عنہ قرأت خلف الامام کے قائل تھے؛ مگر اس کی یہ صورت تھی کہ ظہر اور عصر کی فرض نماز میں امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے، عبداللہ بن ابی ہذیل نے پوچھا کہ آپ قرأت کرتے ہیں فرمایا ہاں۔ (کنز العمال: ۲۵۴)

حضرت ابی رضی اللہ عنہ کا یہ استدلال قرآن مجید کے ظاہری الفاظ کی بنا پر تھا قرآن میں ہے "وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ

فَاسْتَمِعُوالَهُ وَأَنْصِتُوالَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ "یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور یہ ظاہر ہے کہ قرأت سری میں جو ظہر و عصر میں ہوتی ہے قرآن کو کس طرح سنا جاسکتا ہے، اس لئے یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ قرأت سری میں مقتدی قرأت کرے اور جہری میں خاموش کھڑا رہے۔

ایک شخص مسجد میں کسی گم شدہ چیز پر شور کر رہا تھا، حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو غصہ ہوئے، اس نے کہا میں فحش نہیں بکتا، انہوں نے کہا یہ ٹھیک ہے، مگر مسجد کے ادب کے یہ بات منافی ہے۔ (کنز العمال: ۴/۲۶۰)

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے اور سورہ برأت تلاوت فرمائی تھی، یہ سورۃ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ اور ابوذر رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ تھی، اثنائے خطبہ میں حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے اشارہ سے پوچھا کہ یہ سورۃ کب نازل ہوئی میں نے تو اب تک نہیں سنی تھی، حضرت ابی نے اشارہ سے کہا خاموش رہو، نماز کے بعد جب اپنے اپنے گھر جانے کے لئے اٹھے تو دونوں بزرگوں نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم نے ہمارے سوال کا جواب کیوں نہیں دیا، حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آج تمہاری نماز بیکار ہوگئی اور وہ بھی محض ایک لغو حرکت کی وجہ سے، یہ سن کر لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے اور بیان کیا کہ ابی رضی اللہ عنہ ایسا کہتے ہیں، آپ نے فرمایا ابی سچ کہتے ہیں۔ (کنز العمال: ۲۵۵، مسند احمد: ۵/ ۱۴۳)

کتاب الحد

حضرت ابی رضی اللہ عنہ زنا کی سزا کے متعلق کہا کرتے تھے کہ تین قسم کے لوگوں کے لئے تین قسم کے حکم ہیں کچھ لوگ سزائے تازیانہ اور سنگساری دونوں کے مستحق ہیں کچھ فقط سنگساری کے اور کچھ صرف تازیانہ کے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بیوی والے بوڑھے کو زنا کرنے کی صورت میں تازیانہ اور رجم دونوں، بیوی والے جوان کو محض رجم اور بے بیوی والے جوان کو فقط کوڑے لگائے جائیں۔

شبیب کے متعلق حضرت ابی رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ قرآن مجید کی رو سے اس کو کوڑے مارے جائیں اور سنت کے لحاظ سے سنگسار کیا جائے، (کنز العمال: ۳/۹۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس خیال کے موید تھے۔

باب الاشربہ

نبیذ چھوہاروں کا شربت کی حلت پر عموماً علمائے اسلام متفق ہیں؛ لیکن ابی رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق ایک خاص اثر مروی ہے، ایک شخص نے نبیذ نوشی کے متعلق استفسار کیا، حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا نبیذ میں کیا رکھا ہے، پانی پیو، ستو پیو، دودھ پیو، سائل نے کہا شاید آپ نبیذ نوشی کے موافق نہیں، انہوں نے کہا شراب نوشی کی کیسے موافقت کر سکتا ہوں۔ (کنز العمال: ۳/۹۱)

ان مسائل کو غور سے پڑھو تو معلوم ہوگا کہ فقہائے صحابہ میں اجتہاد و مسائل اور استنباط احکام کی حیثیت سے حضرت ابی رضی اللہ عنہ کا رتبہ بھی نہایت بلند تھا۔

لکھنا جانتے تھے

حضرت ابی رضی اللہ عنہ لکھنا بھی جانتے تھے اور یہ اس زمانہ میں نعمت غیر مترقبہ تھی؛ چنانچہ وحی کی اکثر آیتیں وہی لکھتے

تھے، مدینہ منورہ میں جب آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو وحی لکھنے کا سب سے پہلے انہی کو شرف حاصل ہوا۔

اس زمانہ تک کتاب یا قرآن کے اخیر میں کاتب کا نام لکھنے کا دستور نہ تھا، سب سے اول حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے اس کی ابتدا کی بعد میں اور بزرگوں نے بھی اس کی تقلید کی۔

حب رسول ﷺ

بدعات سے اجتناب، جرأت اظہار حق، یہ اوصاف حضرت ابی رضی اللہ عنہ میں خاص طور پر موجود تھے، عبادت الٰہی کا ذوق شوق ایک مرتبہ اس درجہ ترقی کر گیا تھا کہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ تمام علائق ظاہری سے قطع تعلق کر کے زاویہ روحانیت میں معتکف ہو گئے تھے۔

رات کی ہولناک تاریکی میں جب کہ تمام کائنات بستر راحت پر مستِ نشہ خواب ہوتی تھی، وہ اپنے گھر کے ایک گوشہ میں معبود برحق کی عظمت وجلال کے تصور سے سرتاپا عجز ونیاز ہوتے تھے، زبان پر کلام الٰہی رواں ہوتا تھا اور آنکھوں کی اشک باری ان کے کشتِ عبادت کو سیراب کرتی تھی۔

قرآن مجید تین راتوں میں ختم کرتے تھے، رات کے ایک حصہ میں درود وسلام کا ورد کرتے تھے۔

محبت رسول ﷺ کا یہ عالم تھا کہ استن حنانہ کو اپنے گھر میں بطور تبرک رکھ لیا تھا اور جب تک دیمک نے چاٹ کر اس کو راکھ نہ کر دیا، حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے اس کو مکان سے علیحدہ نہ کیا۔ (بخاری: ۲/ ۶۲۴)

بدعات سے اس قدر اجتناب تھا کہ جو باتیں رسول اللہ ﷺ کے مقدس عہد میں نہ ہوئی تھیں، ان کا ارتکاب نہایت قبیح سمجھتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے خلافت کے زمانہ میں مسجد نبوی میں آئے تراویح کا وقت تھا لوگ الگ الگ نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ اس کو باجماعت کر دیں، حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے کہا آپ کو امام بناتا ہوں آپ تراویح پڑھایا کریں، حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا جو بات پہلے نہیں کی ہے اس کو کیسے کر سکتا ہوں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں یہ جانتا ہوں لیکن یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔ (کنز العمال: ۴/ ۲۸۴)

ان کا قلب مزکا صغائر کی خفیف سی گرد کا بھی متحمل نہ تھا، رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ ہم لوگ بیمار ہوتے ہیں یا اور تکلیفیں اٹھاتے ہیں، اس میں کچھ ثواب ہے؟ آپ نے فرمایا گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے، حضرت ابی رضی اللہ عنہ موجود تھے پوچھا چھوٹی تکلیفیں بھی گناہ کا کفارہ ہو جاتی ہیں؟ حضور نے فرمایا ایک کانٹا تک کفارہ ہے، حضرت ابی رضی اللہ عنہ کا جوش ایمان اب اندازہ سے باہر تھا عذاب وثواب کا تصور آتش زیر پا بنا چکا تھا، خدا کی قہاریت وجباریت کی تصویر آنکھوں میں پھر رہی تھی، اسی بے اختیار کے عالم میں زبان سے نکلا! کاش مجھے ہمیشہ تپ چڑھی رہتی، لیکن حج، عمرہ، جہاد اور نماز باجماعت ادا کرنے کے قابل رہتا، دعا قلب صمیم سے نکلی تھی، حریم اجابت تک پہنچی، حرارت کی ایک خفیف مقدار رگ وپے میں سرایت کر گئی؛ چنانچہ جب جسد اطہر پر ہاتھ رکھا جاتا تھا حرارت معلوم ہوتی تھی۔

رشتہ داروں پر خرچ کرنے کا بیان

مسئلہ نمبر: (۱) ائمہ کرام نے روایت بیان کی ہے اور یہ الفاظ نسائی کے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی۔ (آیت) ''لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون''۔ تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمارا رب ہمارے مالوں کے بارے میں ہم سے سوال کر رہا ہے پس یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو گواہ بناتا ہوں اس پر کہ میں نے اپنی زمین اللہ تعالیٰ کے لئے دین دے دی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو اسے اپنے قرابتداروں حسان ابن ثابت اور ابی بن کعب رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تقسیم کر دے''۔

(صحیح بخاری، باب الزکاۃ علی الاقارب، حدیث نمبر ۱۳۶۸، ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

اور المؤطا میں ہے ''ان کے اموال میں سے ان کے نزدیک پسندیدہ مال بیرحاء تھا اور وہ مسجد کے سامنے تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لے جاتے تھے اور اس کا میٹھا اور طیب پانی نوش فرماتے تھے۔'' پھر آگے وہی حدیث ذکر کی، تو اس آیت میں خطاب کے ظاہر اور اس کے عموم کو عمل میں لانے پر دلیل موجود ہے، کیونکہ جب آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کے کوئی معنی مذکور کلام سے نہیں سمجھے، کیا آپ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو دیکھتے نہیں کہ جب انہوں نے (آیت) ''لن تنالوا البر حتی تنفقوا''۔ الآیہ سنی تو انہوں نے توقف کی ضرورت محسوس نہیں کی یہاں تک کہ دوسری آیت کے ذریعہ اس کا بیان اور وضاحت آجائے تو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے بندے خرچ کریں یا کوئی سنت سامنے آجائے تو اس کی وضاحت کرنے والی ہو کیونکہ وہ تو بہت سی اشیاء کو پسند کرتے ہیں۔

اور اسی طرح حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ نے بھی کیا کہ آپ نے اپنے پسندیدہ گھوڑے کا قصد کیا اسے سبل کہا جاتا تھا اور کہا: اے اللہ! یقیناً تو جانتا ہے کہ میرے نزدیک میرے اس گھوڑے سے زیادہ پسندیدہ مال کوئی نہیں ہے، پس آپ اسے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے اور عرض کی: یہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قربان ہے (اسے قبول فرمائیے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ''اسے قبضے میں لے لو'' تو گویا حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے اپنے دل میں کچھ (وہم سا) پایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان اللہ قد قبلها منك بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اسے تجھ سے قبول فرمالیا ہے۔ اسے اسد بن موسیٰ نے ذکر کیا ہے۔ (تفسیر طبری، جلد ۵، صفحہ ۵۷۷)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے غلام نافع کو آزاد کیا اور اس میں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے انہیں ہزار دینار عطا کئے، صفیہ بنت ابی عبید نے کہا ہے: میں ان کے بارے گمان کرتی ہوں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تاویل کی (آیت) ''لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون''۔

اور شبل نے ابو نجیح سے اور انہوں نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو طرف لکھا کہ وہ مدائن کسریٰ کی فتح کے دن جلولاء کے قیدیوں سے ان کے لئے ایک لونڈی خریدیں، تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بلایا تو اس نے

آپ کو بہت خوش کیا، تو انہوں نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (آیت) ''لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون''۔
چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے آزاد کر دیا، اور حضرت ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ان تک یہ خبر پہنچی ہے کہ ربیع بن خیثم کی اُمّ ولد نے بیان کیا ہے کہ جب ان کے پاس کوئی سائل آتا تو وہ مجھے فرماتے اے فلانہ، سائل کو شکر دے دو، کیونکہ ربیع شکر بہت پسند کرتا تھا، سفیان نے کہا ہے: وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی (یہی) تاویل کرتے ہیں: (آیت) ''لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون''۔

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ شکر کی بوریاں خریدتے تھے اور انہیں صدقہ کر دیتے تھے تو آپ سے عرض کی گئی: آپ اس کی قیمت کیوں نہیں صدقہ کر دیتے؟ تو آپ نے فرمایا: کیونکہ شکر میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اور میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنی زیادہ پسندیدہ اور محبوب شے (اللہ تعالیٰ راہ میں) خرچ کر دوں۔

اور حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: یقیناً تم اسے ہرگز نہیں پا سکو گے جسے تم پسند کرتے ہو مگر اسے چھوڑ کر جس کی خواہش اور چاہت تم رکھتے ہو اور تم اس کا ادراک نہیں کر سکتے جس کی تم آرزو رکھتے ہو مگر اس پر صبر کرتے ہوئے جسے تم ناپسند کرتے ہو۔

مسئلہ نمبر: (۲) ''البر'' کی تاویل میں علماء کا اختلاف ہے بعض نے کہا ہے: اس سے مراد جنت ہے، یہ حضرت مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت عطا، حضرت مجاہد، عمرو، بن میمون اور سدی رضوان اللہ علیہم اجمعین، ورحمۃ اللہ علیہم سے منقول ہے، اور تقدیر کلام یہ ہوگی: ''لن تنالوا ثواب البر حتی تنفقوا مما تحبون''۔ (تم نیکی کا ثواب ہرگز نہیں پا سکتے یہاں تک کہ تم ان چیزوں میں سے (راہ خدا میں) خرچ کرو جنہیں تم پسند کرتے ہو۔) اور النوال بمعنی عطا ہے، یہ تیرے اس قول سے ہے تولتہ تنویلا یعنی میں نے اسے عطا کیا، اور نالنی من فلان معروف ینالنی، یعنی وہ مجھ تک پہنچ گیا، سو معنی یہ ہوگا: تم ہرگز جنت تک نہ پہنچ سکو گے اور نہ تم اسے پاس سکو گے یہاں تک کہ تم خرچ کر دو (راہ خدا میں) ان چیزوں میں سے جنہیں تم عزیز رکھتے ہو۔

اور بعض نے کہا ہے: البر سے مراد عمل صالح (نیکی) ہے، اور صحیح حدیث میں ہے: ''تم پر سچ بولنا لازم ہے کیونکہ سچائی عمل صالح کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور عمل صالح جنت کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الادب حدیث نمبر ۵۶۲۹، ضیاء القرآن پبلی کیشنز) سورۃ البقرہ میں یہ گزر چکا ہے۔

عطیہ العوفی نے کہا ہے: ''البر'' سے مراد طاعت ہے، حضرت عطا رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے: تم ہرگز دین اور تقوی کا شرف و مرتبہ نہ پا سکو گے یہاں تک کہ تم صدقہ کرو درآنحالیکہ تم صحت مند اور حریص ہو، تم زندگی کی آرزو رکھتے ہو اور فقر و افلاس سے ڈرتے ہو، اور حسن سے منقول ہے کہ (آیت) ''حتی تنفقوا'' سے مراد فرض زکوۃ ہے، مجاہد اور کلبی نے کہا ہے: یہ آیت منسوخ ہے اسے آیت زکوۃ نے منسوخ کیا ہے، اور بعض نے کہا ہے: اس کا معنی ہے یہاں تک کہ تم ان چیزوں میں سے خرچ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے خیر اور نیکی راہ میں مثلاً صدقہ یا علاوہ ازیں دیگر طاعات وغیرہ اور یہ جامع معنی ہے، اور نسائی نے صعصعہ بن معاویہ سے روایت نقل کی ہے، انہوں نے کہا: میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملا تو میں نے کہا کوئی حدیث بیان فرمائے تو انہوں نے کہا ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو مسلمان آدمی اپنے ہر مال سے جوڑا اللہ تعالیٰ کی راہ میں

خرچ کرتا ہے تو جنت کے تمام دربان اس کا استقبال کریں گے اور ان میں سے ہر کوئی اسے اس کی طرف بلائے گا جو اس کے پاس ہے، میں نے پوچھا: وہ کیسے ہوسکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: اگر تو وہ (مال) اونٹ ہیں تو پھر دو اونٹ (صدقہ کرے) اگر وہ گائیں ہیں تو پھر وہ دو گائیں (صدقہ کرے) اور ابوبکر الوراق نے کہا ہے: (اللہ تعالیٰ نے) اس آیت کے ساتھ مکارم اخلاق پر ان کی راہنمائی کی ہے، یعنی تم ہرگز اپنے ساتھ میری نیکی کو نہیں پاسکو گے مگر اس طرح کہ تم اپنے بھائیوں کے ساتھ نیکی کرو اور اپنے اموال اور جاہ وحشمت میں سے ان پر خرچ کرو، پس جب تم اس طرح کرو گے تو پھر میری نیکی، احسان اور میرا لطف ومہربانی تمہیں آپہنچے گی۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ اس ارشاد کی مثل ہے: (آیت) ''ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا وما تنفقوا من شیء فان اللہ به علیم ''۔ یعنی جب وہ جانتا ہے تو اس پر جزاء عطا فرمائے گا۔

(تفسیر احکام القرآن، آل عمران، بیروت)

1690 - حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، عَنْ عَبْدَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْأَشَجِّ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: كَانَتْ لِي جَارِيَةٌ فَأَعْتَقْتُهَا، فَدَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ: آجَرَكِ اللّٰهُ، أَمَا إِنَّكِ لَوْ كُنْتِ أَعْطَيْتِهَا أَخْوَالَكِ كَانَ أَعْظَمَ لِأَجْرِكِ

❁❁ نبی اکرم ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میری ایک کنیز تھی میں نے اسے آزاد کر دیا۔ نبی اکرم ﷺ میرے ہاں تشریف لائے میں نے نبی اکرم ﷺ کو اس بارے میں بتایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اجر دے گا' البتہ اگر تم یہ اپنے ماموں کو دے دیتیں' تو تمہیں اس کا زیادہ اجر ملتا۔

ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین سیدہ میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کا نام برہ تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہا کا نام تبدیل کر کے میمونہ رکھا۔ (مدارج النبوت، قسم پنجم، باب دوم در ذکر ازواج مطہرات وی، ج ۲، ص ۴۸۳)

آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام ہند بنت عوف ہے جن کے ایسے داماد تھے جو کسی اور کو میسر نہیں، ایک داماد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، دوسرے داماد حضرت عباس رضی اللہ عنہ کیونکہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں، ہند بنت عوف کی پہلے شوہر عمیس خثعمی رضی اللہ عنہ سے دو صاحبزادیاں تھیں، ایک اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا جو پہلے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں آئیں، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی دوسری بہن حضرت زینب بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہیں جو حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔ (مدارج النبوت، قسم پنجم، باب دوم در ذکر ازواج مطہرات وی، ج ۲، ص ۴۸۴)

نکاح مع سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ماہ ذیقعدہ ۷ھ میں عمرۃ القضاء میں ہوا۔

(مدارج النبوت، قسم پنجم، باب دوم در ذکر ازواج مطہرات وی، ج ۲، ص ۴۸۴)

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے انہیں نکاح کا پیام ملا وہ اونٹ پر سوار تھیں، آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اونٹ اور جو اس پر ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے۔ (التفسیر القرطبی، الجزء الرابع عشر، الاحزاب: ۵۰، ج ۷، ص ۱۵۴)

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح، زفاف اور وصال ایک ہی مقام پر واقع ہوا جسے سرف کہتے ہیں اور یہ مکہ مکرمہ سے دس میل کے فاصلہ پر ہے۔ (مدارج النبوت، قسم پنجم، باب دوم در ذکر ازواج مطہرات وی، ج ۲، ص ۴۸۴)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے چھہتر حدیثیں مروی ہیں۔ سات متفق علیہ باقی دیگر کتابوں میں ہیں۔

(مدارج النبوت، قسم پنجم، باب دوم در ذکر ازواج مطہرات وی، ج ۲، ص ۴۸۴)

وصال

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا وصال مشہور تر قول کے مطابق ۵۱ھ میں ہوا اور باقوال مختلف ۶۱ھ یا ۶۳ھ یا ۶۶ھ بھی بتایا گیا ہے۔ بقول بعض حضرات میمونہ رضی اللہ عنہا کا وصال ۳۸ھ میں امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا۔ اور آپ رضی اللہ عنہا آخری زوجہ مطہرہ ہیں ان کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی سے نکاح نہ فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ آپ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پڑھائی اور دیگر بھانجوں نے انکو قبر میں اتارا۔ (مدارج النبوت، قسم پنجم، باب دوم در ذکر ازواج مطہرات وی، ج ۲، ص ۴۸۴)

رشتہ داروں پر مال خرچ کرنے کا ثواب

اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا اور ان کے نان ونفقہ (یعنی روٹی کپڑے وغیرہ کے خرچ) کا انتظام کرنا باعثِ اجر وثواب ہے بشرطیکہ نیت یہ ہو کہ ان کا نَفَقَہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھ پر فرض کیا ہے لہٰذا میں اس کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں، اسی طرح اولاد کے لئے حلال مال چھوڑ جانا بھی گناہ نہیں بلکہ اگر مال موجود ہو تو حاجت مند اولاد کے لئے چھوڑنا ضروری ہے تاکہ وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائیں۔ قریبی رشتہ داروں پر نفلی صَدَقات خرچ کرنا بہت بڑی سعادت وباعثِ مغفرت ہے۔

(1) رشتہ دار پر کئے جانیوالے صَدَقے کا ثواب دوگنا کر دیا جاتا ہے۔ (معجم کبیر، ۸/۲۰۶، حدیث: ۷۸۳۴)

(2) مسکین پر خرچ کرنے میں ایک صَدَقہ جبکہ رشتہ دار پر خرچ کرنے میں دو صدقے ہیں، صَدَقہ اور صلہ رحمی۔

(ابن خزیمہ، ۴/۷۷، حدیث: ۲۳۸۵)

(3) جو ثواب کی نیت سے اپنے اہلِ خانہ پر خرچ کرے تو یہ بھی صَدَقہ ہے۔

(مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین، الخ، ص ۵۰۲، حدیث: ۱۰۰۲)

(4) بندے کے میزان میں سب سے پہلے اہل وعیال پر خرچ کئے گئے مال کو رکھا جائے گا۔

(معجم الاوسط، ۴/۳۲۸، حدیث: ۶۱۳۵)

(5) سب سے افضل دینار وہ ہے جسے بندہ اپنے گھر والوں پر خرچ کرے، راہِ خدا میں اپنے جانور پر خرچ کرے اور اللہ کی راہ میں اپنے ساتھیوں پر خرچ کرے۔ (مسلم کتاب الزکاۃ، باب فضل النفقۃ علی العیال..... الخ ص ۴۹۹، حدیث: ۹۹۴)

1691 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ، عَنِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالصَّدَقَةِ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، عِنْدِي دِينَارٌ، فَقَالَ: تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى نَفْسِكَ، قَالَ: عِنْدِي آخَرُ، قَالَ: تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى وَلَدِكَ، قَالَ: عِنْدِي آخَرُ، قَالَ: تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى زَوْجَتِكَ - أَوْ قَالَ: زَوْجِكَ -، قَالَ: عِنْدِي آخَرُ، قَالَ: تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى خَادِمِكَ، قَالَ: عِنْدِي آخَرُ، قَالَ: أَنْتَ أَبْصَرُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ ایک شخص نے عرض کی: یارسول اللہ! میرے پاس صرف ایک دینار ہے (مجھے اس کا کیا کرنا چاہئے؟) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم اسے اپنی ذات پر خرچ کرو۔ اس نے عرض کی: اگر میرے پاس ایک اور ہو؟ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم اسے اپنی اولاد پر خرچ کرو۔ اس نے کہا: اگر میرے پاس ایک اور ہو؟ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم اسے اپنی بیوی پر خرچ کرو (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں:) اپنے جوڑے پر (یعنی اپنی بیوی پر) خرچ کرو۔ اس نے عرض کی: میرے پاس ایک اور ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اسے اپنے خادم پر خرچ کرو۔ اس نے عرض کی: اگر میرے پاس ایک اور ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تمہیں زیادہ پتہ ہوگا۔

بیوی کے نان ونفقہ کے معنی ومفہوم کا بیان

نفقات نفقہ کی جمع ہے اور نفقہ اس چیز کو کہتے ہیں کہ جو خرچ کی جائے جب کہ شرعی اصطلاح میں طعام لباس اور سکنی مکان کو نفقہ کہتے ہیں چونکہ نفقہ کی کئی نوعیتیں اور قسمیں ہوتی ہیں جیسے بیوی کا نفقہ اولاد کا نفقہ والدین کا نفقہ اور عزیز واقارب کا نفقہ وغیرہ اس لئے نفقہ کی ان انواع کے اعتبار سے عنوان میں نفقات یعنی جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے نیز یہاں نفقہ سے اس کا عام مفہوم مراد ہے خواہ واجب ہو یا غیر واجب ہو۔

لونڈی غلام کے حقوق کا مطلب ہے ان کو کھلانا پہنانا اور ان پر ایسے کاموں کا بوجھ نہ ڈالنا جو ان کی طاقت وہمت سے باہر ہوں۔

بیوی کے نفقہ کے احکام ومسائل کا بیان

مرد پر اپنی بیوی کا نفقہ یعنی کھانے پینے کا خرچ لباس اور مکان دینا واجب ہے چاہے مرد عمر میں اپنی بیوی سے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اور خواہ بیوی مسلمان ہو یا کافرہ ہو خواہ بالغہ ہو یا ایسی نابالغہ ہو جس سے جماع نہ کیا جا سکتا ہو لیکن نفقہ واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس بیوی نے اپنے آپ کو شوہر کے گھر میں شوہر کے سپرد کر دیا ہو اگر سپرد نہ کیا ہو تو اس کی وجہ یا تو اس کا کوئی حق ہو کہ جس کو ادا کرنے سے انکار کرتا ہو یا خود شوہر سپرد کرنے کا مطالبہ نہ کرتا ہو۔

بہتر یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو اپنا ہم پیالہ وہم نوالہ بنائے دونوں ایک ساتھ رہیں اور حیثیت کے مطابق جو کچھ میسر ہو اس میں

دونوں گزارہ کریں اور جیسا کہ شریف گھرانوں کا قاعدہ ہے شوہر باہر کسب معاش کرے اور بیوی گھر کے انتظامات کی ذمہ دار بنے شوہر جو کچھ کمائے اسکے مطابق جنس وسامان گھر میں مہیا کرے اور بیوی اپنی سلیقہ شعاری کے ذریعہ اس جنس وسامان کو پورے گھر اور متعلقین کی ضرورتوں میں صرف کرے اور اگر کسی وجہ سے شوہر و بیوی کا اس طرح ہم پیالہ و ہم نوالہ رہنا ممکن نہ ہو اور بیوی قاضی و حاکم کے یہاں یہ درخواست کرے کہ میرے لئے شوہر پر نفقہ مقرر کر دیا جائے تو حاکم و قاضی کی طرف سے بیوی کے لئے ماہانہ نفقہ کھانے پینے کا خرچ مقرر کر دیا جائے گا۔

اور وہ مقرر مقدار اس کے سپرد کر دیا جائے گا اسی طرح ایک سال میں دو مرتبہ کپڑا دینا مقرر کیا جائے گا اور وہ مقرر کپڑا ہر ششماہی پر اس کے حوالہ کر دیا جائے گا اگر قاضی و حاکم نے عورت کے لئے ماہانہ نفقہ مقرر کر دیا تو شوہر اس کو ماہانہ ادا کرے گا اور اگر شوہر نے ماھانہ نہ دیا اور عورت نے روزانہ طلب کیا تو شام کے وقت عورت کو مطالبہ کرنے کا اختیار ہوگا۔

نفقہ مقرر کرنے کے سلسلہ میں اس مقدار کا لحاظ رکھا جائے گا جو بیوی کے لئے کافی ہو اور بغیر کسی اسراف و تنگی کے اپنا گزارہ کر سکے۔ رہی معیار کی بات تو اس میں میاں بیوی دونوں کی حالت وحیثیت کا اعتبار ہوگا اگر وہ دونوں مالی طور پر اچھی حالت وحیثیت کے مالک ہیں تو اچھی ہی حیثیت کا نفقہ بھی واجب ہوگا اور اگر وہ دونوں تنگ دست و مفلس ہوں تو نفقہ بھی اسی کے اعتبار سے واجب ہوگا اور اگر یہ صورت ہو کہ میاں تو خوش حال ہو اور بیوی تنگدست ہو یا میاں تنگدست ہو اور بیوی خوشحال ہو تو پھر درمیانی درجہ کا نفقہ واجب ہوگا یعنی وہ نفقہ دیا جائے گا جو خوشحالی کے درجہ سے کم ہو اور تنگدستی کے درجہ سے زیادہ ہو اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ بہر صورت شوہر ہی کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا وہ جس حالت وحیثیت کا ہوگا اسی کے مطابق نفقہ مقرر کیا جائے گا خواہ بیوی کسی بھی حیثیت وحالت کی مالک ہو۔

اگر شوہر و بیوی کے درمیان خوشحالی و تنگدستی کے بارے میں اختلاف پیدا ہو جائے یعنی شوہر تو کہے کہ میں تنگدست ہوں اس لئے تنگدستی کا نفقہ دوں گا اور بیوی کہے کہ نہیں تم خوشحال ہو اس لیے میں خوشحالی کا نفقہ لوں گی اور پھر یہ معاملہ حاکم و قاضی کی عدالت میں پہنچے اور بیوی اپنے دعوی کے گواہ پیش کر دے تو ان گواہوں کا اعتبار کر کے بیوی کے لئے خوشحالی کا نفقہ مقرر کیا جائے گا اور اگر بیوی نے گواہ پیش نہ کئے تو پھر شوہر کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔

اگر بیوی کے ساتھ کوئی خادم یا خادمہ بھی ہے اور شوہر خوشحال ہے تو عورت کے نفقہ کے ساتھ اس خادم یا خادمہ کا نفقہ بھی شوہر پر واجب ہوگا اور اگر شوہر تنگ دست ہو تو اس خادم یا خادمہ کا نفقہ شوہر پر لازم نہیں ہوگا۔

اگر حاکم و قاضی نے شوہر کی تنگدستی کی وجہ سے اس کی بیوی کے لئے تنگدستی کا نفقہ مقرر کر دیا اور پھر شوہر خوش حال ہو گیا اور بیوی نے خوش حالی کے نفقہ کا دعوی کر دیا تو اس کے لئے خوشحالی کا نفقہ مقرر کیا جائے گا اور اگر شوہر کی خوش حالی کی وجہ سے بیوی کے لئے خوشحالی کا نفقہ مقرر کیا گیا تھا اور پھر شوہر تنگدست ہو گیا تو اب تنگدستی کا نفقہ مقرر کر دیا جائیگا۔

جو عورت شوہر کی وفات کی عدت میں ہو اس کو نفقہ نہیں ملتا خواہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو اسی طرح جو بیوی نافرمان ہو جائے یعنی شوہر کی اجازت کے بغیر اور بلا کسی وجہ کے شوہر کے گھر سے چلی جائے تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہوگا۔ نیز جو بیوی کسی

دین یعنی قرض وغیرہ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے قید خانہ میں ڈال دی گئی ہو یا اپنے میکہ میں ایسی بیمار ہو کہ شادی کے بعد شوہر کے گھر نہ بھیجی گئی ہو، یا اس کو کوئی غاصب لے کر بھاگ گیا ہو یا وہ اتنی کم عمر ہو کہ اسکے ساتھ جماع نہ کیا جاسکتا ہو اور یا بغیر شوہر کے حج کو چلی گئی ہو تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہوگا ہاں جو بیوی شوہر کے ساتھ حج کو جائے گی اس کا حضر کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا سفر کا خرچ اور سواری کا کرایہ واجب نہیں ہوگا۔

اگر بیوی اپنے میکہ میں بیمار ہوئی اور نکاح کے بعد ہی شوہر کے گھر بھیجی گئی تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہوگا البتہ جو بیوی اپنے شوہر کے گھر آ کر بیمار ہوئی ہے اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا۔

شوہر کو چاہئے کہ بیوی کے رہنے کا ٹھکانہ و مکان شرعی مقاصد کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی حیثیت واستطاعت کے مطابق خود مقرر و مہیا کرے اور وہ مکان ایسا ہونا چاہئے جو خود اس کے اہل وعیال اور اس بیوی کے اہل وعیال سے خالی ہو اور اگر خود بیوی ان اہل وعیال کے ساتھ رہنا چاہے تو پھر اس طرح کا مکان بنا دینا واجب نہیں رہے گا۔

اگر شوہر کے گھر میں کئی کمرے ہوں اور ان میں سے ایک کمرہ کہ جس میں کواڑ اور تالہ کنجی وغیرہ ہو خالی کر کے بیوی کو دیدے تو یہ کافی ہے بیوی کو دوسرے کمرے کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

اگر شوہر چاہے کہ گھر میں بیوی کے پاس اس کے عزیز واقارب کو اگر چہ دوسرے شوہر سے اس بیوی کا لڑکا ہی کیوں نہ ہو) آنے سے منع کر دے تو اس کو اس کا حق ہے ہاں اگر بیوی کے وہ عزیز واقارب اس کے محرم ہوں تو ان کو بیوی کا سامنا کرنے یا اس سے بات چیت کرنے سے روکنے کا حق اس کو نہیں ہے اسی طرح شوہر کو یہ بھی حق نہیں ہے کہ وہ مہینہ میں ایک بار بیوی کو اپنے والدین کے پاس جانے یا والدین کو اس کے پاس آنے سے روکے یعنی ہفتہ میں ایک بار سے زائد آنے جانے سے روک سکتا ہے) اور والدین کے علاوہ دوسرے ذی رحم محرم رشتہ داروں کے پاس سال بھر میں ایک مرتبہ بیوی کے جانے یا بیوی کے پاس ان کے آنے پر پابندی عائد کرنے کا حق نہیں ہے یعنی سال بھر میں ایک بار سے زائد ان کے آنے پر پابندی عائد کر سکتا ہے۔

جو عورت طلاق کی عدت میں ہو وہ شوہر سے نفقہ اور رہنے کے لئے مکان پانے کی مستحق ہے خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن ہو یا مغلظہ ہو اور خواہ عورت حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو، اسی طرح جو عورت ایسی تفریق جدائی کی عدت میں ہو جو کسی معصیت کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی شرعی حق کی وجہ سے واقع ہوئی ہو تو اس کا نفقہ و سکنی بھی شوہر کے ذمہ ہوگا، مثلاً کوئی اُمّ ولد یا مدبرہ کسی کے نکاح میں تھی اور پھر خیار عتق کی بناء پر اس نے شوہر سے جدائی اختیار کر لی یا کسی نابالغہ کا نکاح اس کے ولی نے کسی شخص سے کر دیا تھا اور پھر اس نے بالغ ہونے کے بعد خیار بلوغ کی بناء پر اس شوہر سے جدائی اختیار کر لی تو ان صورتوں میں بھی عورت نفقہ اور سکنی پانے کی مستحق ہوگی اور اگر عورت کسی ایسی تفریق (جدائی) کی عدت میں ہو جو کسی معصیت کی بناء پر واقع ہوئی ہو اور اسکا نفقہ و سکنی شوہر کے ذمہ نہیں ہوگا، مثلاً عورت نعوذ باللہ مرتد ہو گئی یا اس نے شوہر کے بیٹے سے کوئی ایسا برا فعل کرا لیا جس سے شوہر پر حرام ہو گئی جیسے اس سے ہم بستری کر لی یا اس کو شہوت سے چھولیا یا اس کا بوسہ لیا اور اس کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان جدائی واقع ہو گئی اور وہ عدت میں بیٹھ گئی تو ان صورتوں میں وہ شوہر سے کھانے پینے کا خرچ اور رہنے کے لئے مکان پانے کی مستحق نہیں ہوگی۔

اگر کسی عورت کو تین طلاقیں دی گئیں اور وہ عدت میں بیٹھ گئی نیز نفقہ وسکنی کی حقدار رہی لیکن پھر زمانہ عدت میں نعوذ باللہ مرتد ہوگئی تو اس کے نفقہ وسکنی کا حق ساقط ہو جائیگا اور اگر عورت نے اپنے زمانہ عدت میں شوہر کے لڑکے یا شوہر کے باپ سے ناجائز تعلق قائم کرلیا یا شہوت سے بوس وکنار کرالیا تو نفقہ وسکنی کی مستحق رہے گی بشرطیکہ وہ عدت طلاق رجعی کی نہ ہو بلکہ طلاق بائن مغلظہ کی ہو۔

اولاد کے نان ونفقہ کا بیان

پوری پوری مدت دودھ پلانے کی دو سال ہے۔ اس کے بعد دودھ پلانے کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس سے دودھ بھائی پنا ثابت نہیں ہوتا اور نہ حرمت ہوتی ہے۔ اکثر ائمہ کرام کا یہی مذہب ہے۔ ترمذی میں باب ہے کہ رضاعت جو حرمت ثابت کرتی ہے وہ وہی ہے جو دو سال پہلے کی ہو۔ پھر حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہی رضاعت حرام کرتی ہے جو آنتوں کو پر کردے اور دودھ چھوٹنے سے پہلے ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم صحابہ وغیرہ کا اسی پر عمل ہے کہ دو سال سے پہلے کی رضاعت تو معتبر ہے، اس کے بعد کی نہیں۔ اس حدیث کے راوی شرط بخاری ومسلم پر ہیں۔ حدیث میں فی الثدی کا جو لفظ ہے اس کے معنی بھی محل رضاعت کے یعنی دو سال سے پہلے کے ہیں، یہی لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بھی فرمایا تھا جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تھا کہ وہ دودھ پلائی کی مدت میں انتقال کر گئے ہیں اور انہیں دودھ پلانے والی جنت میں مقرر ہے۔ حضرت ابراہیم کی عمر اس وقت ایک سال اور دس مہینے کی تھی۔ دار قطنی میں بھی ایک حدیث دو سال کی مدت کے بعد کی رضاعت کے معتبر نہ ہونے کی ہے۔

ابن عباس بھی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کوئی چیز نہیں۔ ابوداؤد طیالسی کی روایت میں ہے کہ دودھ چھوٹ جانے کے بعد رضاعت نہیں اور بلوغت کے بعد یتیمی کا حکم نہیں۔ خود قرآن کریم میں اور جگہ ہے آیت (وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ)(31۔لقمان:14) دودھ چھٹنے کی مدت دو سال میں ہے۔ اور جگہ ہے آیت (وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا) (46۔الاحقاف:15) یعنی حمل اور دودھ (دونوں کی مدت) تین ماہ ہیں۔ یہ قول کہ دو سال کے بعد دودھ پلانے اور پینے سے رضاعت کی حرمت ثابت نہیں ہوتی، ان تمام حضرات کا ہے۔

حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، حضرت جابر، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عمر، حضرت اُمّ سلمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، حضرت سعید بن المسیب، حضرت عطاء اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ امام شافعی، امام احمد، امام اسحٰق، امام ثوری، امام ابو یوسف، امام محمد، امام مالک رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ گو ایک روایت میں امام مالک سے دو سال دو ماہ بھی مروی ہیں اور ایک روایت میں دو سال تین ماہ بھی مروی ہیں۔

امام ابوحنیفہ ڈھائی سال کی مدت بتلاتے ہیں۔ زفر کہتے ہیں جب تک دودھ نہیں چھٹا تو تین سالوں تک کی مدت ہے، امام اوزاعی سے بھی یہ روایت ہے۔ اگر کسی بچہ کا دو سال سے پہلے دودھ چھڑوالیا جائے پھر اس کے بعد کسی عورت کا دودھ وہ پئے تو بھی حرمت ثابت نہ ہوگی اس لئے کہ اب قائم مقام خوراک کے ہوگیا۔ امام اوزاعی سے ایک روایت ہی بھی ہے کہ حضرت عمر، حضرت

علی سے مروی ہے کہ دودھ چھڑوا لینے کے بعد رضاعت نہیں۔ اس قول کے دونوں مطلب ہو سکتے ہیں یعنی یا تو یہ کہ دوسال کے بعد یا یہ کہ جب بھی اس سے پہلے دودھ چھوٹ گیا۔

اس کے بعد جیسے امام مالک کا فرمان ہے۔ ہاں صحیح بخاری، صحیح مسلم میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ وہ اس کے بعد کہ، بلکہ بڑے آدمی کی رضاعت کو حرمت میں مؤثر جانتی ہیں۔ عطاء اور لیث کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عائشہ جس شخص کا کسی کے گھر زیادہ آنا جانا جانتیں تو وہاں حکم دیتیں کہ وہ عورتیں اسے اپنا دودھ پلائیں اور اس حدیث سے دلیل پکڑتی تھیں کہ حضرت سالم کو جو حضرت ابوحذیفہ کے مولیٰ تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ وہ ان کی بیوی صاحبہ کا دودھ پی لیں، حالانکہ وہ بڑی عمر کے تھے اور اس رضاعت کی وجہ سے پھر وہ برابر آتے جاتے رہتے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواج مطہرات اس کا انکار کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ یہ واقعہ خاص ان ہی کے لئے تھا ہر شخص کے لئے یہ حکم نہیں، یہی مذہب جمہور کا ہے یعنی چاروں اماموں، ساتوں فقیہوں، کل کے کل بڑے صحابہ کرام اور تمام امہات المومنین کا سوائے حضرت عائشہ کے اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھ لیا کرو کہ تمہارے بھائی کون ہیں، رضاعت اس وقت ہے جب دودھ بھوک مٹا سکتا ہو، باقی رضاعت کا پورا مسئلہ آیت (وامھاتکم اللاتی ارضعنکم) کی تفسیر میں آئے گا انشاء اللہ، پھر فرمان ہے کہ بچوں کی ماں کا نان نفقہ بچوں کے والد پر ہے۔ اپنے اپنے شہروں کی عادت اور دستور کے مطابق ادا کریں، نہ تو زیادہ ہو نہ کم بلکہ حسب طاقت و وسعت درمیانی خرچ دے دیا کرو جیسے فرمایا آیت (وَاُمَّھٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ، (النساء:23) یعنی کشادگی والے اپنی کشادگی کے مطابق اور تنگی والے اپنی طاقت کے مطابق دیں، اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، عنقریب اللہ تعالیٰ سختی کے بعد آسانی کردے گا۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کے ساتھ بچہ بھی ہے تو اس کی دودھ پلائی کے زمانہ تک کا خرچ اس مرد پر واجب ہے۔

پھر ارشاد باری ہے کہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلانے سے انکار کر کے اس کے والد کو تنگی میں نہ ڈال دے بلکہ بچے کو دودھ پلاتی رہے اس لئے کہ یہی اس کی گزران کا سبب ہے۔ دودھ سے جب بچہ بے نیاز ہو جائے تو بیشک بچہ کو دے دے لیکن پھر بھی نقصان رسانی کا ارادہ نہ ہو۔ اسی طرح خاوند اس سے جبراً بچے کو الگ نہ کرے جس سے غریب دکھ میں پڑے۔ وارث کو بھی یہی چاہئے کہ بچے کی والدہ کو خرچ سے تنگ نہ کرے، اس کے حقوق کی نگہداشت کرے اور اسے ضرر نہ پہنچائے۔ حنفیہ اور حنبلیہ میں سے جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ رشتہ داروں میں سے بعض کا نفقہ بعض پر واجب ہے انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب اور جمہور سلف صالحین سے یہی مروی ہے۔ سمرہ والی مرفوع حدیث سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے جس میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی محرم رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ یہ بھی یاد رہے کہ دوسال کے بعد دودھ پلانا عموماً بچہ کو نقصان دیتا ہے، یا تو جسمانی یا دماغی۔ حضرت علقمہ نے ایک عورت کو دوسال سے بڑے بچے کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھ کر منع فرمایا۔

پھر فرمایا گیا ہے اگر یہ رضامندی اور مشورہ سے دوسال کے اندر اندر جب کبھی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی حرج نہیں ہاں ایک کی چاہت دوسرے کی رضامندی کے بغیر ناکافی ہوگی اور یہ بچے کے بچاؤ کی اور اس کی نگرانی کی ترکیب ہے۔ خیال فرمائیے کہ

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر رحیم وکریم ہے کہ چھوٹے بچوں کے والدین کو ان کاموں سے روک دیا جس میں بچے کی بربادی کا خوف تھا، اور وہ حکم دیا جس سے ایک طرف بچے کا بچاؤ ہے دوسری جانب ماں باپ کی اصلاح ہے۔ سورۃ طلاق میں فرمایا آیت فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ، (الطلاق:6) اگر عورتیں بچے کو دودھ پلایا کریں تو تم ان کی اجرت بھی دیا کرو اور آپس میں عمدگی کے ساتھ معاملہ رکھو۔ یہ اور بات ہے کہ تنگی کے وقت کسی اور سے دودھ پلوادو، چنانچہ یہاں بھی فرمایا اگر والدہ اور والد متفق ہو کر کسی عذر کی بنا پر کسی اور سے دودھ شروع کرائیں اور پہلے کی اجازت کامل طور پر والد والدہ کو دے دے تو بھی دونوں پر کوئی گناہ نہیں، اب دوسری کسی دایہ سے اجرت چکا کر دودھ پلوادیں۔ لوگو اللہ تعالیٰ سے ہر امر میں ڈرتے رہا کرو اور یاد رکھو کہ تمہارے اقوال وافعال کو وہ بخوبی جانتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ بقرہ، بیروت)

بیوی اور اولاد کا بقدر ضرورت نفقہ خاوند پر واجب ہے

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ہندہ بنت عتبہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا شوہر ابوسفیان بہت بخیل اور حریص ہے وہ مجھ کو اتنا خرچ نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد کی ضروریات کے لئے کافی ہو جائے البتہ اگر میں اس کے مال میں سے خود کچھ نکال لوں اس طرح اس کو خبر نہ ہو تو ہماری ضروریات پوری ہو جاتی ہیں تو کیا یہ جائز ہے کہ میں شوہر کو خبر کئے بغیر اس کے مال میں سے اپنی اور اولاد کی ضروریات کے بقدر کچھ نکال لوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی اور اپنی اولاد کی ضروریات کے بقدر کہ جو شریعت کے مطابق ہو یعنی اوسط درجہ کا خرچ اس کے مال میں سے لے لیا کرو۔ (بخاری ومسلم)

امام نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نفقہ بقدر ضرورت واجب ہے۔ چنانچہ تمام علماء کا اس پر اجماع واتفاق ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں (۱) مرد پر اس کی بیوی اور نابالغ اولاد (جس کی ذاتی ملکیت میں مال نہ ہو) کا نفقہ واجب ہے (۲) نفقہ ضرورت وحاجت کے بقدر واجب ہوتا ہے (۳) فتویٰ دیتے وقت یا کوئی شرعی حق نافذ کرتے وقت اجنبی عورت کا کلام سننا جائز ہے (۴) کسی شخص کے بارے میں ایسی کوئی بات بیان کرنا کہ جس کو اگر وہ سنے تو ناگواری محسوس کرے جائز ہے بشرطیکہ یہ بیان کرنا کہ کوئی مسئلہ پوچھنے یا فتویٰ لینے کی غرض سے ہو (۵) اگر کسی شخص پر کسی دوسرے شخص کا کوئی مالی مطالبہ ہو اور وہ اس کی ادائیگی نہ کرتا ہو تو مطالبہ والے کے لئے جائز ہے کہ وہ اس شخص کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے اپنے مطالب کے بقدر لے لے (۶) بیوی بھی اپنے شوہر کے مال کے ذریعہ اپنی اولاد پر خرچ کرنے اور ان کی کفالت کرنے کی ذمہ دار ہے (۷) بیوی کو اپنی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنا جائز ہے خواہ شوہر نے اس کی صریحاً اجازت دے دی ہو یا بیوی کو اس کی رضامندی کا علم ہو (۸) قاضی اور حاکم کو یہ اختیار ہے کہ اگر وہ کسی معاملہ میں مناسب سمجھے تو محض اپنے علم اور اپنی معلومات کی بنیاد پر حکم جاری کردے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندہ سے گواہ طلب نہیں کئے بلکہ اپنی معلومات کی بنیاد پر حکم دے دیا۔ (شرح مسلم، نووی)

وجوب نفقہ میں فقہی مذاہب کا بیان

حافظ ابن کثیر دمشقی لکھتے ہیں۔ بچوں کی ماں کا نان نفقہ بچوں کے والد پر ہے۔ اپنے اپنے شہروں کی عادت اور دستور کے

مطابق ادا کریں، نہ تو زیادہ ہو نہ کم بلکہ حسب طاقت و وسعت درمیانی خرچ دے دیا کرو جیسے فرمایا آیت (لینفق ذو سعة من سعته) یعنی کشادگی والے اپنی کشادگی کے مطابق اور تنگی والے اپنی طاقت کے مطابق دیں، اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، عنقریب اللہ تعالیٰ سختی کے بعد آسانی کر دے گا۔

ضحاک فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کے ساتھ بچہ بھی ہے تو اس کی دودھ پلائی کے زمانہ تک کا خرچ اس مرد پر واجب ہے۔ پھر ارشاد باری ہے کہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلانے سے انکار کر کے اس کے والد کو تنگی میں نہ ڈال دے بلکہ بچے کو دودھ پلاتی رہے اس لئے کہ یہی اس کی گزارن کا سبب ہے۔ دودھ سے جب بچہ بے نیاز ہو جائے تو بیشک بچہ کو دے دے لیکن پھر بھی نقصان رسانی کا ارادہ نہ ہو۔ اسی طرح خاوند اس سے جبراً بچے کو الگ نہ کرے جس سے غریب دُکھ میں پڑے۔ وارث کو بھی یہی چاہئے کہ بچے کی والدہ کو خرچ سے تنگ نہ کرے، اس کے حقوق کی نگہداشت کرے اور اسے ضرر نہ پہنچائے۔

حنفیہ اور حنبلیہ میں سے جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ رشتہ داروں میں سے بعض کا نفقہ بعض پر واجب ہے انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب اور جمہور سلف صالحین سے یہی مروی ہے۔ سمرہ والی مرفوع حدیث سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے جس میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی محرم رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ یہ بھی یاد رہے کہ دو سال کے بعد دودھ پلانا عموماً بچہ کو نقصان دیتا ہے، یا تو جسمانی یا دماغی۔ حضرت علقمہ نے ایک عورت کو دو سال سے بڑے بچے کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھ کر منع فرمایا۔ پھر فرمایا گیا ہے اگر یہ رضامندی اور مشورہ سے دو سال کے اندر اندر جب کبھی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی حرج نہیں ہاں ایک کی چاہت دوسرے کی رضامندی کے بغیر ناکافی ہوگی اور یہ بچے کے بچاؤ کی اور اس کی نگرانی کی ترکیب ہے۔ خیال فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر رحیم و کریم ہے کہ چھوٹے بچوں کے والدین کو ان کاموں سے روک دیا جس میں بچے کی بربادی کا خوف تھا، اور وہ حکم دیا جس سے ایک طرف بچے کا بچاؤ ہے دوسری جانب ماں باپ کی اصلاح ہے۔

سورۃ طلاق میں فرمایا آیت (فان ارضعن لکم فاتوھن اجورھن) الخ، اگر عورتیں بچے کو دودھ پلایا کریں تو تم ان کی اجرت بھی دیا کرو اور آپس میں عمدگی کے ساتھ معاملہ رکھو۔ یہ اور بات ہے کہ تنگی کے وقت کسی اور سے دودھ پلوا دو، چنانچہ یہاں بھی فرمایا اگر والدہ اور والد متفق ہو کر کسی عذر کی بنا پر کسی اور سے دودھ شروع کرائیں اور پہلے کی اجازت کامل طور پر والد والدہ کو دے دے تو بھی دونوں پر کوئی گناہ نہیں، اب دوسری کسی دایہ سے اُجرت چکا کر دودھ پلوا دیں۔ لوگو اللہ تعالیٰ سے ہر امر میں ڈرتے رہا کرو اور یاد رکھو کہ تمہارے اقوال و افعال کو وہ بخوبی جانتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ، ۲۳۳)

مطلقہ ثلاثہ کے نفقہ میں مذاہب اربعہ کا بیان

حضرت شعبی کہتے ہیں کہ فاطمہ بنت قیس نے فرمایا میرے شوہر نے رسول اللہ کے زمانے میں مجھے تین طلاقیں دیں تو آپ نے فرمایا تیرے لیے نہ تو گھر ہے اور نہ نفقہ۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ میں نے جب ابراہیم سے اس حدیث کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا کہ

حضرت عمر نے فرمایا ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے جس کے متعلق ہمیں یہ بھی معلوم نہ ہو کہ اسے یاد بھی ہے یا بھول گئی ہے حضرت عمر تین طلاق والی کو گھر اور کپڑا دیتے تھے۔

(جامع ترمذی: جلداول: حدیث نمبر 1189)

حضرت شعبی سے روایت ہے کہ میں فاطمہ بنت قیس کے پاس گیا اور ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے معاملے میں کیا فیصلہ فرمایا تھا؟ کہا کہ میرے خاوند نے مجھے لفظ 'بتہ' کے ساتھ طلاق دی تھی تو میں نے ان سے نان نفقہ اور گھر کے لیے جھگڑا کیا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر اور نان نفقہ نہ دیا۔ داؤد کی حدیث میں یہ بھی ہے پھر مجھے حکم دیا کہ ام مکتوم کے گھر عدت کے دن گزاردوں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے بصری، عطاء بن ابی رباح، احمد اور اسحاق وغیرہ کا یہی قول ہے کہ جب شوہر کے پاس رجوع کا اختیار باقی نہ رہے تو رہائش اور نان نفقہ بھی اس کے ذمہ نہیں رہتا لیکن بعض علماء صحابہ جن میں عمر بن خطاب، اور عبداللہ بن مسعود بھی شامل ہیں کہتے ہیں کہ تین طلاق کے بعد بھی عدت پوری ہونے تک گھر اور نان نفقہ مہیا کرنا شوہر کے ذمہ ہے، سفیان اور اہل کوفہ کا یہ قول ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ شوہر کے ذمے صرف رہائش کا بندوبست رہ جاتا ہے نان نفقہ کی ذمہ داری نہیں۔ مالک لیث بن سعد اور شافعی کا بھی یہی قول ہے امام شافعی اپنے قول کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا (لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ) امام شافعی کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس کو اس لئے گھر نہیں دلوایا کہ وہ اپنے شوہر سے سخت کلامی کرتی تھیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ فاطمہ بنت قیس کے واقعہ پر مشتمل حدیث کی رو سے ایسی عورت کے لیے نفقہ بھی نہیں۔ (جامع ترمذی: جلداول: حدیث نمبر 1190)

نفقہ ولد کا باپ پر ہونے میں اہل علم کا اجماع

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ابن منذر کہتے ہیں: ہمیں اہل علم میں سے جتنے بھی یاد ہیں ان سب کا اس پر اجماع ہے کہ ان بچوں کا خرچہ جن کے پاس مال نہیں والد کے ذمہ ہے، اور اس لیے بھی کہ اولاد انسان کا ایک حصہ ہے اور والد کے جگر کا ٹکڑا ہے۔

لہٰذا جس طرح اس کا اپنے آپ اور گھر والوں پر خرچہ کرنا واجب ہے اسی طرح اپنے بعض یعنی اولاد اور اپنی اصل یعنی ماں باپ پر خرچ کرنا بھی واجب ہے۔ (المغنی (8 ، 171)

بچوں پر خرچہ کرنے میں کتاب وسنت اور اجماع دلیل اور اصل ہے۔

کتاب اللہ کے دلائل: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: (اگر تمہارے کہنے سے وہی دودھ پلائیں تو تم انہیں ان کی اجرت دے دو) (الطلاق (6)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رضاعت کی اجرت والد کے ذمہ واجب کی ہے۔

اور ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کا روٹی کپڑا ہے جو دستور کے مطابق ہے) (البقرۃ (233)

سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دلیل: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ھند رضی اللہ عنہا کو فرمایا: (جتنا تمہیں اور تمہارے اولاد کو اچھے طریقے سے کفایت کرے وہ لے لیا کرو) (صحیح بخاری حدیث نمبر (5364) صحیح مسلم حدیث نمبر (1714)

اور اجماع کی دلیل اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ علماء کرام کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ چھوٹے بڑے بچوں کا خرچہ اس وقت تک والد کے ذمہ ہے جب تک وہ مستغنی نہیں ہو جاتے۔

علماء کرام اس پر متفق ہیں کہ والد پر اس بیٹے کا کوخرچہ لازم نہیں جس کے پاس مال ہو اور وہ مستغنی ہو اگر چہ وہ عمر میں چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس پر بھی متفق ہیں کہ بیٹا جب بالغ ہو جائے اور کمانے پر قادر ہو تو والد پر اس کا خرچہ لازم نہیں۔ علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ اگر بیٹا فقیر اور بالغ ہو لیکن کمانے کی قدرت نہ رکھے تو اکثر علماء کرام کا خیال ہے کہ والد کے ذمہ اس کا خرچہ نہیں اس لیے کہ وہ کماء کرنے کی قدرت وطاقت رکھتا ہے۔

اور کچھ علماء کرام کا کہنا ہے کہ بیٹا اگر فقیر اور بالغ ہو چاہے وہ کمانے کی قدرت وطاقت رکھے والد پر اسکا خرچہ واجب ہے۔

اس میں وہ دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمان لیتے ہیں: (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ھند رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا: اپنے اور اپنے بچوں کی کفایت جتنا مال لے لیا کرو)۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمان میں بالغ اور صحیح کو مستثنی نہیں کیا، اور اس لیے کہ وہ بیٹا فقیر ہے جس کی بنا پر وہ خرچہ کا مستحق ہے کہ غنی والد اس پر خرچہ کرے جیسا کہ اگر بیٹا اندھا ہو یا مستقل مریض ہو۔ ابن تیمیہ سے پوچھا گیا: والد غنی اور مالدار اور اس کا بیٹا تنگ دست ہو تو کیا غنی والد اپنے تنگ دست بیٹے پر خرچ کرے گا ؟ ابن تیمیہ کا جواب تھا: جی ہاں اگر بیٹا فقیر ہو اور کمائی کرنے سے عاجز اور والد مالدار ہو تو بیٹے پر بہتر اور اچھے طریقے سے خرچہ کرنا لازم ہے۔ اھ یہ مختصر لکھا گیا ہے

علماء کرام کا اس پر بھی اختلاف ہے کہ اگر بیٹی بالغ ہو جائے تو کیا والد کے ذمہ اس کا خرچہ ہے کہ نہیں؟ اکثر علماء کرام کہ کہنا ہے کہ شادی تک اس پر خرچہ لازم ہے، اور یہی قول اقرب الی الصواب ہے اس لیے کہ وہ کمائی کرنے سے عاجز ہے، واللہ اعلم۔

علماء کرام کے کلام کا مجمل طور پر مفہوم یہی ہے، آپ کچھ نصوص اور ان کے دلائل جن سے علماء کرام نے استدلال کیا ہے مندرجہ ذیل کتب میں دیکھ سکتے ہیں (علماء شافعیہ: کتاب الام (8 / 340) علماء مالکیہ: المدونۃ (2 / 263) اور تبیین المسالک شرح تدریب المسالک (3 / 244)۔ علماء حنفیہ: المبسوط (5 / 223)۔ علماء حنابلہ: المغنی ابن قدامۃ (8 / 171)

زیر کفالت لوگوں کا خیال نہ رکھنے کے سبب گناہگار ہونے کا بیان

1692 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ، عَنْ وَهْبِ بْنِ جَابِرٍ الْخَيْوَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَقُوتُ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''آدمی کے گناہ گار ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ ان لوگوں کا خیال نہ رکھے جو اس کے زیر کفالت ہوں''۔

کفالت و پرورش کرنے کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو اس کے رب نے اس کو اچھی طرح قبول فرمالیا اور اس کو عمدہ پرورش کے ساتھ پروان چڑھایا۔ (آل عمران:۳۷)

امام ابن جریر طبری نے اپنی سند کے ساتھ ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو عبادت گاہ کی خدمت کے لئے وقف کئے جانے کو قبول فرمالیا۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۶۲ 'مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ ھ)

حضرت مریم کی عمدہ پرورش کے متعلق امام رازی نے نقل کیا ہے کہ ایک دن میں حضرت مریم کی نشوونما اتنی ہوتی تھی جتنی عام بچوں کی ایک سال میں ہوتی ہے اور دین داری میں بھی ان کی تربیت بہت اچھی تھی وہ بہت زیادہ نیک کام کرتی تھیں۔ پاکباز رہتی تھیں اور عبادت کرتی تھی۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور زکریا کو اس کا کفیل بنایا۔

حضرت زکریا (علیہ السلام) کی سوانح

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ ھ لکھتے ہیں: زکریا بن حنا اور زکریا بن دان بھی کہا جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے زکریا بن ادن بن مسلم بن صدوف۔ ان کا نسب حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام تک پہنچتا ہے یہ حضرت یحییٰ (علیہ السلام) کے والد ہیں۔ یہ بنی اسرائیل سے ہیں۔ بثینہ نام کی دمشق کی ایک بستی میں اپنے بیٹے حضرت یحییٰ (علیہ السلام) کو ڈھونڈنے گئے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ جس وقت ان کے بیٹے یحییٰ کو قتل کیا گیا تو یہ دمشق میں تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت زکریا نجار (بڑھئی) تھے۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت یحییٰ (علیہ السلام) کے والد زکریا بن دان ان انبیاء علیہم السلام کے بیٹوں میں سے تھے جو بیت المقدس میں وحی لکھتے تھے' اور عمران بن ماثان حضرت مریم کے والد تھے اور بنو اسرائیل کے بادشاہوں کے بیٹوں میں سے تھے اور حضرت سلیمان کی اولاد تھے۔ (الکامل لابن اثیر ج ۱ ص ۲۹۸ 'البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۵۱ ایضا)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا بنو اسرائیل کے انبیاء کے بیٹوں سے یا ان کی نسل اور ان کی جنس سے کسی نہ کسی کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے دیگر کاموں اور ذمہ داریوں سے الگ کر کے وقف کر دیا جاتا تھا اور حضرت زکریا نے حضرت مریم بنت عمران کی بہن سے شادی کی تھی اور وہ حضرت یحییٰ کی ماں تھیں' اور حضرت مریم بنت عمران آل داؤد سے تھیں' جو یہودا ابن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم کے نواسے تھے۔

مکحول نے کہا حضرت زکریا اور عمران نے دو بہنوں سے شادی کی تھی حضرت یحییٰ کی ماں حضرت زکریا کے نکاح میں تھیں اور حضرت مریم کی ماں عمران کے نکاح میں تھیں۔ وہ جب اولاد سے مایوس ہوگئیں تو ان کے ہاں مریم پیدا ہوئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت زکریا نے رات کو اپنے رب سے چپکے چپکے دعا کی اور کہا اے ہمارے رب میری ہڈی کمزور ہوگئی ہے اور میرا سر سفید ہوگیا ہے، اے میرے رب تو نے اس سے پہلے میری دعا کو

کبھی مسترد نہیں کیا اس لئے اس لئے میری اس دعا کو بھی مسترد نہ کرنا' اور مجھے اپنے بعد اپنے رشتہ داروں سے خوف ہے (کہ کہیں وہ میرے بعد دین میں فتنہ نہ پیدا کریں) اور میری بیوی بانجھ ہے' تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرمادے جو میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے اور اے میرے رب اس کو (اپنا) پسندیدہ بنا۔ (مریم:۶۔۳)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: حضرت زکریا اور ان کی بیوی دونوں بوڑھے ہو چکے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی سو جس وقت وہ محراب میں نماز پڑھ رہے تھے جس جگہ قربانی کو ذبح کیا جاتا ہے تو ایک سفید پوش شخص آئے یہ حضرت جبرئیل تھے انہوں نے کہا: اے زکریا! اللہ آپ کو ایک لڑکے کی بشارت دیتا ہے جس کا نام یحییٰ ہے ہم نے اس سے پہلے کوئی اس کا ہم نام نہیں بنایا۔ (مریم:۷)

پھر وہ (یحیٰ) اللہ کی طرف سے ایک کلمہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔ (آل عمران:۳۹) یعنی حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے ہوں گے' پھر فرمایا کہ یحییٰ سید اور حصور ہوں گے یعنی حلم ہوں گے اور عورتوں سے اجتناب کرنے والے ہوں گے۔

یزید بن ابی منصور بیان کرتے ہیں کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام بیت المقدس میں داخل ہوئے تو دیکھا وہاں عبادت گزاروں نے موٹے کپڑے اور اونی ٹوپیاں پہنی ہوئی ہیں' اور مجتہدین نے اپنے آپ کو بیت المقدس کے کونوں میں زنجیروں سے باندھ رکھا ہے جب انہوں نے کہا اے یحییٰ آؤ ہمارے ساتھ کھیلو حضرت یحییٰ نے کہا میں کھیلنے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ وہ اپنے ماں باپ کے پاس گئے اور کہا کہ ان کے بھی اونی کپڑے بنا دیں انہوں نے بنا دیئے اور وہ بیت المقدس کی طرف چلے گئے وہ دن کو اس کی خدمت کرتے اور رات کو عبادت کرتے' حتیٰ کہ پندرہ برس گزر گئے پھر ان پر خوف کا غلبہ ہوا اور وہ جنگلوں اور غاروں کی طرف نکل گئے، حضرت یحییٰ کے ماں باپ ان کی طلب میں نکلے تو ان کو بحیرہ اردن کے پاس غاروں میں دیکھا وہ ایک کھاڑی کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پیر پانی میں ڈوبے ہوئے تھے' قریب تھا کہ وہ پیاس سے ہلاک ہو جاتے اور وہ یہ کہہ رہے تھے اللہ! تیری عزت کی قسم میں اس وقت تک پانی نہیں پیوں گا جب تک کہ مجھے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ تیرے نزدیک میرا مقام کیا ہے۔ ان کے ماں باپ کے پاس جو کی روٹی اور پانی تھا انہوں نے ان سے کھانے اور پینے کے لئے کہا انہوں نے قسم کا کفارہ دیا اور ماں باپ کا کہا مان لیا اور ماں باپ ان کو بیت المقدس واپس لے آئے۔ حضرت یحییٰ جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ شجر و حجر بھی ان کے ساتھ رونے لگتے' ان کے رونے کی وجہ سے حضرت زکریا بھی روتے حتیٰ کہ بے ہوش ہو جاتے۔ حضرت یحییٰ اسی طرح روتے رہے حتیٰ کہ آنسوؤں نے ان کے رخساروں کو جلا دیا اور ان کی داڑھیں نظر آنے لگیں جن پر ان کی والدہ نے روئی کا نمدہ رکھا۔ وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زکریا بھاگے اور ایک کھوکھلے درخت میں داخل ہو گئے اس درخت پر آرا رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے، جب ان کی پشت پر آرا چلنے لگا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی اے زکریا! تم رونا بند کر دو ورنہ میں تمام روئے زمین کو اس کے رہنے والوں سمیت پلٹ دوں گا۔ پھر حضرت زکریا خاموش ہو گئے اور ان کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ شب معراج آسمان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت زکریا سے ملاقات ہوئی' آپ نے ان کو سلام کر کے فرمایا: اے ابویحییٰ مجھے اپنے قتل کیے جانے کی کیفیت کی خبر دیجئے اور آپ کو بنو اسرائیل نے کیوں قتل کیا تھا۔ انہوں نے کہا اے محمد! میں آپ کو بتاتا ہوں' یحییٰ اپنے زمانے کے سب سے نیک آدمی تھے اور سب سے زیادہ حسین وجمیل تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے سیدا وحصورا! اور ان کو عورتوں کی ضرورت نہیں تھی بنو اسرائیل کے ایک بادشاہ کی عورت ان پر فریفتہ ہوگئی' وہ بدکار تھی' اس نے ان کو بلوایا۔ اللہ نے ان کو محفوظ رکھا۔ یحییٰ نے اس کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔ اس نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ان کی ہر سال عید ہوتی تھی اور بادشاہ عادت یہ تھی کہ وہ وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا تھا اور نہ جھوٹ بولتا تھا' بادشاہ عید کے دن باہر نکلا اس کی عورت نے اس کو رخصت کیا' بادشاہ کو اس پر تعجب ہوا کیوں کہ اس سے پہلے وہ اس کو رخصت نہیں کرتی تھی بادشاہ نے کہا سوال کرو! تم نے جب بھی کسی چیز کا سوال کیا ہے میں نے تم کو وہ چیز عطا کی ہے اس نے کہا میں یحییٰ بن زکریا کا خون چاہتی ہوں۔ بادشاہ نے کہا کچھ اور مانگ لو۔ اس نے کہا مجھے یہی چاہئے۔ بادشاہ نے کہا وہ تمہیں مل جائے گا۔ اس عورت نے یحییٰ کے پاس ایک سپاہی بھیجا وہ اس وقت محراب میں نماز پڑھ رہے تھے اور میں ان کی ایک جانب نماز پڑھ رہا تھا۔ ان کو ذبح کر دیا گیا اور ان کا سر اور خون ایک طشت میں رکھ کر اس عورت کو پیش کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس بادشاہ' اس کے گھر والوں اور تمام درباریوں کو زمین میں دھنسا دیا۔ جب صبح ہوئی تو بنو اسرائیل نے کہا زکریا کا خدا زکریا کی وجہ سے غضب میں آ گیا۔ آؤ ہم اپنے بادشاہ کی وجہ سے غضب میں آئیں اور زکریا کو قتل کر دیں' وہ مجھے قتل کرنے کے لیے ڈھونڈنے نکلے میں ان سے بھاگا۔ ابلیس ان کی قیادت کر رہا تھا اور میری طرف رہنمائی کر رہا تھا۔ جب مجھے یہ خطرہ ہوا کہ میں ان کو باز نہیں رکھ سکوں گا تو میں نے اپنے آپ کو ایک درخت پر پیش کیا درخت نے آواز دی میری طرف آؤ۔ میری طرف آؤ۔ وہ درخت شق ہو گیا' اور میں اس میں داخل ہو گیا' میں جب درخت میں داخل ہوا تو میری چادر کا ایک پلو باہر رہ گیا تھا اور درخت جڑ گیا تھا ابلیس نے اس چادر کے پلو کو پکڑ لیا اور کہا کیا تم دیکھتے نہیں وہ اس درخت میں داخل ہو گیا ہے اور یہ اس کی چادر کا پلو ہے! وہ اپنے جادو کے زور سے اس درخت میں داخل ہو گیا ہے انہوں نے کہا ہم اس درخت کو جلا دیتے ہیں' اس نے کہا اس کو آری سے کاٹ کر دو ٹکڑے کر دو تو مجھے آری کے ساتھ کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے زکریا! کیا آپ نے کوئی درد اور تکلیف محسوس کی۔ حضرت زکریا نے کہا نہیں وہ تکلیف اس درخت نے محسوس کی اللہ تعالیٰ نے میری روح اس درخت میں منتقل کر دی تھی۔

وہب بن منبہ سے ایک روایت یہ ہے کہ جس نبی کے لئے درخت شق ہوا تھا اور وہ اس میں داخل ہوئے تھے وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے پہلے اشعیاء نام کے نبی تھے اور حضرت زکریا نے طبعی موت پائی تھی۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۹ ص ۵۱-۵۰ مطبوعہ دار الفکر دمشق ۱۴۰۴ھ)

حضرت زکریا کا حضرت مریم کی کفالت کرنا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت مریم پیدا ہوئیں تو ان کی ماں نے ان کو ایک کپڑے میں لپیٹا اور ان کو کاہن بن عمران کے بیٹے کے پاس لے گئیں جو اس زمانہ میں بیت المقدس کے

دربان تھے اوران سے کہا اس نذر میں مانی ہوئی لڑکی کو سنبھالو یہ میری بیٹی ہے میں اس کو اپنے گھر نہیں لے جاؤں گی۔ انہوں نے کہا یہ ہمارے امام کی بیٹی ہے اور عمران ان کو نمازیں پڑھاتے تھے اوران کی قربانیوں کے منتظم تھے حضرت زکریا نے کہا یہ لڑکی مجھے دے دو کیونکہ اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے۔ باقی لوگوں نے کہا ہم اس فیصلہ پر خوش نہیں ہیں یہ ہمارے ہمارے امام کی بیٹی ہے پھر انہوں نے حضرت مریم کی پرورش کے لیے قلموں کے ساتھ قرعہ اندازی کی۔ یہ وہ قلم تھے جن کے ساتھ وہ تورات لکھتے تھے، حضرت زکریا کے نام کا قرعہ نکل آیا اور انہوں نے حضرت مریم کی کفالت کی۔ سدی کی روایت میں ہے کہ وہ لوگ دریا اردن میں گئے اور جن قلموں سے تورات لکھتے تھے وہ دریا میں ڈال دیئے کہ جس کا قلم پانی میں اس طرح کھڑا رہا جس طرح زمین میں نیزہ گاڑ دیتے ہیں۔ تب انہوں نے حضرت مریم کو لے لیا اور ان کی کفالت کی۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۶۴۔ ۱۶۳ مطبوعہ دارالمعرفتہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ جب بھی زکریا اس کے پاس اس کی عبادت کے حجرے میں داخل ہوتے تو اس کے پاس تازہ رزق (موجود) پاتے انہوں نے کہا: اے مریم! یہ رزق کہاں سے آیا؟ مریم نے کہا یہ (رزق) اللہ کے پاس سے آیا ہے بے شک اللہ جسے چاہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ (آل عمران: ۳۷)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت زکریا حضرت مریم کے پاس سردیوں میں گرمیوں کے اور گرمیوں میں سردیوں کے پھل دیکھتے تھے مجاہد نے بیان کیا ہے وہ ان کے پاس بے موسمی انگور دیکھتے تھے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۶۵ مطبوعہ دارالمعرفتہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت مریم کی ماں کے فوت ہونے کے بعد حضرت زکریا نے حضرت مریم کو ان کی خالہ حضرت یحییٰ کی ماں کی تحویل میں دے دیا۔ حتیٰ کہ جب وہ بلوغت کو پہنچ گئیں تو ان کی ماں کی نذر کے مطابق ان کو عبادت گاہ میں پہنچا دیا۔ وہ وہاں پلتی بڑھتی رہیں۔ پھر بنو اسرائیل تنگی اور قحط سالی کا شکار ہو گئے اور حضرت زکریا کو ان کی پرورش کرنے میں ضعف لاحق ہوا انہوں نے بنو اسرائیل سے کہا تم کو معلوم ہے کہ اب میں اس کی پرورش سے عاجز ہو رہا ہوں۔ انہوں نے کہا آپ جن مصائب کا شکار ہیں وہ ہمیں بھی درپیش ہیں وہ ایک دوسرے پر یہ ذمہ داری ڈالنے لگے اور ان کے لیے پرورش کے سوا کوئی اور چارہ نہیں تھا۔ انہوں نے پھر قرعہ اندازی کی اور اس دفعہ جریج نام کے ایک شخص کا قرعہ نکلا حضرت مریم نے جب جریج کے چہرہ پر پریشانی کے آثار دیکھے تو فرمایا۔ اے جریج اللہ سے حسن ظن رکھو وہ ہم دونوں کو رزق عطا فرمائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت نے کی برکت سے جریج کو غیر معمولی رزق عطا فرمانے لگا حضرت زکریا نے جب رزق کی یہ فراوانی دیکھی تو پوچھا اے مریم! یہ رزق کہاں سے آیا حضرت مریم نے کہا اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے اور محراب کا معنی ہے مجلس میں سب سے مشرف مقام۔ جائے صدارت اور محفل میں مقدم جگہ۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۶۶ مطبوعہ دارالمعرفتہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

1693 - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، وَيَعْقُوبُ بْنُ كَعْبٍ، وَهٰذَا حَدِيثُهُ، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: اَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ اَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَرَّهُ اَنْ يُبْسَطَ عَلَيْهِ فِي رِزْقِهِ، وَيُنْسَاَ فِي اَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:
''جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کا رزق زیادہ ہو اور اس کی عمر طویل ہو اسے صلہ رحمی کرنی چاہئے''۔

1694 - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، وَاَبُو بَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ، قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ اَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: قَالَ اللّٰهُ: اَنَا الرَّحْمٰنُ وَهِيَ الرَّحِمُ، شَقَقْتُ لَهَا اسْمًا مِنَ اسْمِي، مَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ، وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهُ.

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:
''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں رحمان ہوں اور یہ رحم (یعنی رشتے داری کا تعلق) ہے۔ میں نے اس لفظ کو اپنے اسم سے مشتق کیا ہے' جو شخص اسے ملائے گا میں اسے ملاؤں گا' اور جو شخص اسے کاٹے گا میں اس کے ٹکڑے کر دوں گا''۔

1695 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُتَوَكِّلِ الْعَسْقَلَانِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، حَدَّثَنِي اَبُو سَلَمَةَ، اَنَّ الرَّدَّادَ اللَّيْثِيَّ اَخْبَرَهُ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حوالے سے منقول ہے۔

راوی حدیث حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ

عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ عام فیل کے ۱۰ سال بعد مکہ میں پیدا ہوئے۔ زمانۂ جاہلیت میں عبدالکعبہ (یا عبد عمرو) کے نام سے جانے جاتے تھے۔ ان کے دادا کا نام عبد عوف تھا، عبدالحارث بن زہرہ پردادا تھے اور ان کے والد کا نام کلاب بن مُرّہ تھا (مزی، ذہبی اور ابن عبدالبر نے عبد کو پردادا اور حارث کو ان کا والد بتایا ہے)۔ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام شفا بنت عوف بن عبدالحارث تھا۔ یہ ان کے والد کی چچازاد تھیں۔ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کے نانا عوف بن عبدالحارث ان کے والد عوف بن عبد عوف کے چچا تھے۔ (ایک روایت کے مطابق صفیہ بنت عبد مناف ان کی والدہ تھیں)۔ چھٹی پشت کلاب پر عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ددھیال سے مل جاتا ہے، اس طرح وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہوئے۔ ایک رشتے سے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف تھے۔ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کا قبیلہ زہرہ بن کلاب کی نسبت سے بنوزہرہ کہلاتا تھا۔ بنوزہرہ قریش کے خاندانوں میں زیادہ ممتاز نہ تھے۔ مناصب حرم میں سے کوئی منصب ان کے پاس نہ تھا۔ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کے والد عوف تاجر تھے۔ ایک بار عبدالرحمان رضی اللہ عنہ، ان کے والد عوف، عثمان رضی اللہ عنہ، ان کے والد عفان اور فاکہ بن مغیرہ (خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے چچا) تجارت کی غرض سے یمن گئے۔ راستے میں اہل بنوجذیمہ نے عوف اور فاکہ کو قتل کر دیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ، عفان اور عبدالرحمان رضی اللہ عنہ بچ گئے۔ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کے قاتل خالد بن ہشام کو وہیں ختم کر دیا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے سرفراز ہوئے تو عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کی عمر ۳۰ برس کے لگ بھگ تھی۔ اپنی فطری پاکیزہ روی کی وجہ سے شراب جاہلیت ہی میں چھوڑ چکے تھے۔ پہلے مرد مومن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشرف بہ اسلام

ہونے کے دو ہی دن بعد عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو انھوں نے فوراً لبیک کہا۔ اسلام کی طرف سبقت کرنے میں ان کا ۸واں نمبر تھا۔ ابھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دارارقم میں منتقل ہو کر تبلیغ دین کا کام شروع نہ کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مشرکانہ نام تبدیل کر کے عبدالرحمان رضی اللہ عنہ تجویز فرمایا۔ ان کے بھائیوں میں سے عبداللہ، اسود اور حمنن کے نام معلوم ہیں۔ عبداللہ اور اسود فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے۔

مشرکین مکہ نے دین حق کی طرف لپکنے والوں کو ایذائیں پہنچانا شروع کیں تو ۵ نبوی (۶۱۵ء) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا، تم حبشہ کی سرزمین کو نکل جاؤ، وہاں ایسا بادشاہ ہے جس کی حکومت میں ظلم نہیں ہوتا۔ ماہ رجب میں ۱۵ افراد پر مشتمل پہلا قافلہ تعمیل ارشاد میں حبشہ کو روانہ ہوا۔ تب عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں تھیں، وہ بھی اپنے بال بچوں کو مکہ میں چھوڑ کر ہجرت کرنے والوں میں شامل ہو گئے۔ شوال ۵ نبوی میں ان مہاجرین اسلام نے مکہ واپسی کا قصد کیا۔ انھیں خبر ملی تھی کہ تمام اہل مکہ ایمان لے آئے ہیں۔ مکہ پہنچنے سے پہلے ہی ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ اطلاع غلط تھی تو عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راہ نمائی حاصل کرنے کے لیے مکہ بھیجا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ آنے سے منع فرمادیا کیونکہ قریش کی ایذا رسانیاں جاری تھیں چنانچہ یہ پھر حبشہ لوٹ گئے۔ اب کچھ اور مہاجرین بھی ان کے ساتھ شامل تھے۔ یہ لوگ حبشہ میں کئی سال مقیم رہے، ان میں سے کچھ مسلمانوں کے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد براہ راست دار ہجرت ہی آئے۔ عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جو مکہ لوٹے اور پھر مدینہ کو ہجرت کی۔ گمان غالب ہے کہ وہ ۱۳ نبوی میں مدینہ جانے والے تیسرے قافلے میں شامل تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین میں مواخات قائم فرمائی تو بنوخزرج کی شاخ بنوحارث سے تعلق رکھنے والے سعد رضی اللہ عنہ بن ربیع کو ان کا انصاری بھائی قرار دیا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا، بھائی! میں مدینہ میں سب سے زیادہ مال دار آدمی ہوں۔ میرے ۲ باغ اور ۲ بیویاں ہیں۔ جو باغ تمھیں اچھا لگتا ہے، تمہارے لیے چھوڑ دیتا ہوں اور جو بیوی تم کو پسند آتی ہے، میں اسے طلاق دے کر تمھیں سونپ دیتا ہوں۔ ابن عوف رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، اللہ تمہارے اہل وعیال اور مال و دولت میں خوب برکت دے۔ مجھے بتادو، یہاں قریبی بازار کون سا ہے؟ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا، بازار قینقاع۔ صبح سویرے عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے بازار کا رخ کیا۔ کچھ سامان تجارت پاس تھا جسے فروخت کر کے انھوں نے معقول منافع کمایا اور شام کو گھی اور پنیر لے کر گھر لوٹے۔ اسی طرح تجارت کرتے کچھ دیر گزری تھی کہ ان کا شمار مدینہ کے متمول افراد میں ہونے لگا، اس قدر غلہ اور سامان تجارت ہو گیا کہ اسے ڈھونے کے لیے کئی سو اونٹوں کی ضرورت پڑتی۔ اپنی اس وقت کی خوش بختی کا بیان کرتے ہوئے انھوں نے کہا، میں کوئی پتھر بھی اٹھاتا تو توقع ہوتی کہ اس کے نیچے سے سونا چاندی ملے گا۔ مدینہ آنے کے بعد انھوں نے امیہ بن خلف سے تجارتی معاہدہ بھی کیا۔ ایک دن خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو ان کے کپڑوں پر زعفران کا داغ لگا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، خیر تو ہے؟ یارسول اللہ میں نے شادی کر لی ہے، انھوں نے بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، بیوی کو مہر میں کیا دیا ہے؟ کھجور کی ایک گٹھلی کے ہم وزن سونا، عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ولیمہ ضرور کرنا، چاہے ایک بکری ہی ذبح کر لینا۔ ابن ابی لیلیٰ کی روایت ہے، عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے ۳۰ ہزار درہم مہر دے کر

ایک انصاری عورت (غالباً سہلہ رضی اللہ عنہ بنت عاصم) سے شادی کی۔

پھر وہ وقت آیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں مہاجرین اہل ایمان کے لیے گھروں کا نقشہ ترتیب فرمایا۔ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کے قبیلہ بنو زہرہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کے پچھلی جانب جگہ مختص فرمائی۔ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کے حصہ میں کھجوروں کا ایک جھنڈ آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ وعدہ بھی فرمایا، اللہ نے چاہا تو شام مسلمانوں کے ہاتھ آئے گا تم سلیل نامی جگہ لے لینا۔

حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ بڑے دلیر اور جری تھے۔ بدر، احد اور خندق کی جنگوں اور تمام غزوات میں وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے۔ بدر کے دن سائب بن ابو رفاعہ اور ایک روایت کے مطابق عمیر بن عثمان ان کے ہاتھوں جہنم واصل ہوئے۔ ابوجہل کو انجام تک پہنچانے والے دو پرعزم انصاری لڑکوں معاذ رضی اللہ عنہ بن عفرا اور معاذ رضی اللہ عنہ بن عمرو کی راہنمائی بھی انھوں نے ہی کی۔ اسی یوم فرقان کو عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کے پرانے حلیف امیہ بن خلف اور اس کے بیٹے علی نے ہتھیار ڈال دیے تاکہ جنگی قیدی بن کر قتل ہونے سے بچ جائیں۔ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ انھیں حفاظت سے لے جا رہے تھے کہ بلال رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا۔ وہ پکارے، او اللہ کے انصار! یہ رئیس الکفار امیہ جا رہا ہے۔ وہ اپنے پرانے آقا سے صرف نظر کیسے کر سکتے تھے، یہی امیہ تھا جو انھیں مکہ کی گرم ریت پر لٹا کر سینے پر پتھر رکھ دیا کرتا تھا۔ بلال رضی اللہ عنہ کی پکار پر لپکنے والے انصاری مسلمانوں نے امیہ اور اس کے بیٹے علی کو تلواروں کی زد میں لے لیا اور آناً فاناً دونوں کو جہنم واصل کر دیا۔ امیہ کو بچانے کی کوشش میں ایک زخم عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر بھی لگا۔ جنگ احد میں عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے خوب ثابت قدمی دکھائی اور شدید زخمی ہوئے۔ ان کے سامنے کے دانت ٹوٹ گئے اور جسم پر بیس سے زیادہ زخم آئے۔ پاؤں اور ٹانگوں پر اتنی چوٹیں لگیں کہ لنگ آ گیا۔ اس روز انھوں نے کلاب بن طلحہ کو قتل کیا۔ اسی غزوہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث رضی اللہ عنہ بن صمہ سے عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت فرمایا۔ انھوں نے بتایا، میں نے انھیں جبل احد کی پتھریلی زمین کی طرف جاتے دیکھا جب کہ مشرکوں کا ایک جتھا ان پر حملہ آور تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سن رکھو! فرشتے اس کے ساتھ لڑ رہے ہوں گے۔ حارث رضی اللہ عنہ لپک کر گئے تو دیکھا، ۷ مشرکوں کی لاشیں ان کے آگے پڑی ہیں۔ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے بتایا، ارطاۃ بن عبد شرحبیل اور ان دو کافروں کو تو میں نے مارا ہے۔ باقی کیسے مرے؟ مجھے پتا نہیں چل سکا۔ شعبان ۶ ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کو ۷۰۰ صحابہ رضی اللہ عنہم کے لشکر کا قائد بنا کر دومۃ الجندل بھیجا جہاں بنو کلب حکمران تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کی پگڑی کھولی اور انھیں سیاہ رنگ کا عمامہ باندھا۔ عمامے کا شملہ (لڑ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کے کندھوں کے درمیان لٹکا دیا۔ یہ ان کی امارت (command) کی نشانی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا، عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں علم دے دو اور یہ کہہ کر رخصت فرمایا، ''اللہ کا نام لے کر سفر کرو۔'' یہ جیش دومۃ الجندل پہنچا اور وہاں کے اہلیان کو دین حق کی دعوت دی۔ کچھ پس و پیش کے بعد ان کا نصرانی سردار اصبغ ایمان لے آیا تو عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع بھیجی۔ انھوں نے بنو کلب میں شادی

کرنے کی خواہش ظاہر کی تو آپ ﷺ نے رئیس اصبغ کی بیٹی تماضر سے نکاح کرنے کی اجازت دی۔ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے ولیمہ منعقد کیا اور مدینہ آ گئے۔ یہ خاتون ابوسلمہ فقیہ کی والدہ ہوئیں۔ ۶ ھ ہی میں غزوۂ بنی مصطلق ہوا جس میں کافروں کا احمر نامی شہ سوار عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں جہنم رسید ہوا۔ صلح حدیبیہ کے بعد آپ ﷺ نے عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کو اشاعت اسلام کے لیے بنوجذیمہ بھیجا۔

غزوۂ تبوک (رجب ۹ ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس وقع پر آپ ﷺ نے فرمایا، نبی کی وفات نہیں ہوتی جب تک وہ اپنی امت کے کسی نیک آدمی کے پیچھے نماز نہیں پڑھ لیتا۔ اس واقعہ کو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے وضاحت سے بیان کیا ہے۔ ان سے پوچھا گیا تھا، کیا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی صحابی کی اقتدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی ہے؟ انھوں نے تصدیق کرتے ہوئے بتایا: ''ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (تبوک کے) سفر میں شریک تھے۔ (آپ ﷺ کو وضو کرانے کے لیے پانی کا انتظام رکھنا میری ذمہ داری تھی)۔ سحر کے وقت آپ ﷺ نے میری اونٹنی کی گردن (یا پیٹھ) تھپکی تو مجھے معلوم ہو گیا، آپ ﷺ کو حاجت ہے۔ میں آپ ﷺ کے پیچھے ہو لیا، ہم لوگوں کے جائے قیام سے دور نکل آئے تو آپ ﷺ اپنی سواری سے اتر کر میری نگاہوں سے دور چلے گئے۔ کافی دیر کے بعد لوٹے تو پانی طلب فرمایا۔ میں اپنے کجاوے سے لٹکا ہوا مشکیزہ لے آیا اور آپ ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا۔ آپ ﷺ نے شامی جبہ زیب تن کیا ہوا تھا جس کی آستینیں تنگ تھیں اس لیے جبے کے اندر سے ہاتھ نکال کر منہ اور بازوؤں پر اچھی طرح پانی بہایا پھر پیشانی، عمامے اور موزوں پر مسح فرمایا۔ ہم اونٹنیوں پر سوار ہو کر واپس آئے تو دیکھا کہ لوگوں نے عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز شروع کر رکھی ہے۔ میں عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع دینے کے لیے آگے بڑھا تو آپ ﷺ نے منع فرما دیا۔ ہم نے اسی جماعت میں شامل ہو کر ایک رکعت پڑھی اور رہنے والی رکعت سلام پھرنے کے بعد ادا کی''۔ اہل ایمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پہلے نماز شروع کر دینے پر بہت گھبرائے اور خوب تسبیحیں کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے سلام پھیر کر انھیں تسلی دی، تم نے اچھا اور درست کیا کہ نماز وقت پر ادا کر لی۔

فتح مکہ کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مضافات مکہ میں کئی سرایا بھیجے جن کا مقصد جنگ کے بجائے اسلام کی دعوت دینا تھا۔ ایک سریہ خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کی قیادت میں زیریں تہامہ گیا۔ وہاں آباد بنوجذیمہ نے مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن پھر ہتھیار ڈال کر صلح کر لی۔ خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے پھر بھی ان کی مشکیں کس کر کچھ لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو ہاتھ اٹھا کر فرمایا، اللہ! میں تم سے خالد رضی اللہ عنہ کے عمل سے بری ہونے کی دعا کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر بنوجذیمہ کو دیتیں بھی دلائیں۔ اس موقع پر عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو ملامت کی کہ تم نے اپنے چچا فاکہ کے قتل کا بدلہ لے کر جاہلیت کا کام کیا ہے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے بھی ان کو برا بھلا کہا تو ان کا جھگڑا بڑھ گیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تو فرمایا: ''میرے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو گالی نہ دو۔ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا انفاق کر دے تو بھی کسی صحابی رضی اللہ عنہ جتنا یا اس سے آدھا مقام بھی حاصل نہیں کر سکتا''۔

اصحاب رضی اللہ عنہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کو امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ السابقون الاولون (سورۂ توبہ:۱۰۰) میں شامل ہونے کے ساتھ وہ ان ۱۰ جلیل القدر صحابہ،عشرۂ مبشرہ میں سے تھے جنھیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت دے دی تھی (ترمذی:۳۷۵۷،مسند احمد:۱۶۲۹،۱۶۷۵)۔ وہ اہل بدر میں سے تھے جن کے بارے میں ارشاد نبوی ہے،''اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو جانچ لیا اور فرمایا،تم جو عمل چاہے کرو،میں نے تمھیں بخش دیا ہے۔(بخاری:۳۰۰۷،مسلم ۶۳۵۱)۔ ابن عوف رضی اللہ عنہ بیعت رضوان میں بھی شامل تھے،اس میں شرکت کرنے والوں سے اللہ کا راضی ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے۔(سورۂ فتح:۱۸) ان کی خوش بختی کی اس سے بڑی دلیل کیا ہوگی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری حیات مبارکہ میں ان سے راضی رہے۔ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حواری کہا جاتا تھا (مستدرک حاکم:۵۳۵۱)۔ ہر پیغمبر کا مخلص ساتھی حواری کا نام پاتا،پیغمبر اسلام نے زبیر رضی اللہ عنہ بن عوام کو بھی اپنا حواری قرار دیا تھا۔(بخاری:۷۲۶۱،مسلم:۶۱۳۹)

شیخین ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے عہد ہائے خلافت میں بھی ان کا رول اہم رہا۔ نو منتخب ہونے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کو رخصت کرنے نکلے تو پیدل تھے۔ان کی سواری کی مہار عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔قتال ردہ کے بعد امن ہونے کی خوش خبری عبدالرحمان رضی اللہ عنہ ہی نے سنائی تھی۔۱۱ھ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حج کو نہ جا سکے۔ایک قول کے مطابق انھوں نے عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ امیر حج مقرر کیا۔خلیفۂ اول رضی اللہ عنہ نے انتقال سے پہلے عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کیا تو عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے خصوصی مشورہ کیا۔

عبدالرحمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شوریٰ کے مستقل اور سرگرم رکن تھے۔لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کچھ کہنا یا ان سے پوچھنا چاہتے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یا حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ سے رابطہ کرتے۔ ۱۳ھ،اپنی خلافت کے پہلے سال عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا۔۱۴ھ میں عراق پر فوج کشی کا فیصلہ ہوا تو عبدالرحمان رضی اللہ عنہ میمنہ کے سربراہ بنائے گئے۔اس موقع لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لشکر کی قیادت کرنے کا مشورہ دیا تو عبدالرحمان رضی اللہ عنہ تھے جنھوں نے اس رائے کی سختی سے مخالفت کی۔انھوں نے کہا،خدانخواستہ،اگر آپ میدان جنگ میں کام آگئے یا آپ کے لشکر کو شکست ہوگئی تو اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا۔تب عمر رضی اللہ عنہ کی جگہ سپہ سالار مقرر کرنے کا مسئلہ پیدا ہوا تو بھی عبدالرحمان رضی اللہ عنہ ہی نے حل کیا۔انھوں نے کہا،میں نے پالیا! عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا،کون؟ بولے،سعد رضی اللہ عنہ بن مالک (سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص)۔ جنگ یرموک میں اس کے برعکس انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بننے کی تجویز دی لیکن دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نہ مانے۔۱۵ھ میں بیت المقدس فتح ہوا۔اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں جابیہ کے مقام پر ایک معاہدہ لکھا گیا،عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے اس پر گواہ کی حیثیت سے دستخط ثبت کیے۔عہد فاروقی رضی اللہ عنہ کا ایک اہم واقعہ ۱۸ھ میں شام وفلسطین کے علاقے عمواس میں پھوٹنے والی طاعون کی وبا تھی،تب عمر رضی اللہ عنہ شام کے سفر پر روانہ ہو کر سرغ تک پہنچے تھے کہ وبا کی اطلاع مل گئی۔انھوں نے سفر موقوف کر کے وہیں سے مدینہ لوٹنے کا ارادہ کیا لیکن ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح نے مخالفت کی اور کہا،کیا تقدیر الٰہی سے بھاگ کر جا رہے ہیں؟ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا گیا تاہم

عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کی رائے فیصلہ کن ہوئی۔ انھوں نے کہا، اس بارے میں میرے پاس علم ہے۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنایا، ''جب کسی شہر میں کوئی وبا پھیل جائے اور تم وہاں نہ ہو تو وہاں نہ جاؤ۔ اور اگر وبا اس جگہ پھوٹے جہاں تم ہو تو وہاں سے نہ بھاگو۔ جنگ نہاوند (فتح الفتوح) میں عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کا مشورہ تھا، امیر المومنین رضی اللہ عنہ محاذ جنگ پر نہ جائیں پھر جب اس جنگ کا بے شمار مال غنیمت مدینہ آیا تو مسجد نبوی میں رکھا گیا اور عبدالرحمان رضی اللہ عنہ اور کچھ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے رات کو پہرا دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی خوبیوں کی بنا پر انھیں العدل الرضی (عادل اور پسندیدہ) کے خطاب سے نوازا۔ ایک موقع پر جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سختی اور ان کے درہ چلانے سے لوگ خوف زدہ ہو گئے تو اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس موضوع پر ان سے بات کرنے کے لیے عبدالرحمان رضی اللہ عنہ ہی کا انتخاب کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو عام طور پر سفر سے منع کرتے تھے۔ اپنی زندگی کے آخری سال ۲۳ھ میں انھوں نے ان کو حج پر جانے کی دعوت دی۔ وہ محمل نشین ہوئیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اونٹنی پر سوار ہو کر ان کے آگے آگے چلے، وہ کسی کو ان کے پاس آنے نہ دیتے۔ حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی حفاظت کے لیے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ راستے میں جب پڑاؤ ڈلتا، دونوں اصحاب رضی اللہ عنہم انھیں اترائی میں اتارتے، خود کنارے پر رہتے اور لوگوں کو ان کے پاس جانے سے روکتے۔

بدھ ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز فجر پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ کے ایرانی غلام ابولولؤ فیروز نے حملہ کر کے انھیں شدید زخمی کر دیا۔ تب انھوں نے حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کو مصلی پر کھڑا کیا۔ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے سورۂ عصر اور سورۂ کوثر کی تلاوت کر کے مختصر نماز پڑھائی۔ بعض روایات کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے بعد خلافت کی ذمہ داری عبدالرحمان رضی اللہ عنہ پر ڈالنا چاہتے تھے۔ وہ راضی نہ ہوئے تو انھوں نے تیسرے خلیفہ کے انتخاب کے لیے عشرۂ مبشرہ میں سے ۶ اصحاب رضی اللہ عنہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک کمیٹی بنا دی اور ابن عوف رضی اللہ عنہ کو اس میں شامل رکھا۔ انھوں نے اہل ایمان کو نصیحت کی، اگر خلافت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئی تو ان کی بات ماننا۔ کئی صحابہ رضی اللہ عنہ انھیں خلیفہ دیکھنا چاہتے تھے لیکن انھوں نے معذرت کر لی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انتخاب میں کلیدی کردار ادا کیا۔ سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص نے انھیں خلیفہ بننے کا مشورہ دیا تو انھوں نے کہا، عمر رضی اللہ عنہ کے بعد جو بھی اس ذمہ داری کو اٹھائے گا، لوگ اسے ملامت ہی کریں گے۔ آخر کار عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے نئے خلیفہ کا چناؤ کرنے والی شوریٰ کے ارکان سے کہا، کیا تم اجازت دیتے ہو کہ میں تمھارا خلیفہ چنوں اور خود اس منصب سے الگ رہوں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، (آپ جو انتخاب کریں گے) میں سب سے پہلے مانوں گا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا ہے، ''عبدالرحمان! تم آسمان والوں میں امانت دار شمار ہو گے اور اہل زمین میں بھی تمہاری امانت مسلم ہے۔''

اپنی خلافت کے پہلے سال ۲۴ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نکسیر پھوٹنے کی وجہ سے حج پر نہ جا سکے تو عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنایا۔ عہد عثمانی رضی اللہ عنہ میں وہ مدینہ میں مقیم رہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شوریٰ میں شامل ہو کر خلافت کے

استحکام کی کوشش کرتے رہے۔ ۳۱ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک بار پھر نکسیر پھوٹی، ان کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو اپنے غلام حمران بن ابان کو بلا کر وصیت لکھوائی کہ میرے بعد عبدالرحمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے۔ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو دعا کی، اللہ! مجھے عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے اٹھا لے۔ ۶ ماہ ہی گزرے تھے کہ وہ چل بسے۔

عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ میں حب دنیا کا شائبہ نہ تھا حالانکہ عام تجربہ ہے، زیادہ مال دار لوگ اللہ سے دور اور انسانی ہم دردی سے عاری ہوتے ہیں۔ پیغمبر آخرالزماں کا پیارا اور قریبی ساتھی ایسا ہو بھی نہ سکتا تھا، آپ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں دنیا کی محبت ذرا بھی رہنے نہ دی تھی۔ ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ”کل شب مجھے خواب دکھائی دیا، میں جنت میں داخل ہو رہا ہوں۔ اپنے آگے ایک آہٹ سنائی دی تو پوچھا، جبریلؑ! یہ کون ہیں؟ جواب ملا، بلال۔ رضی اللہ عنہ پھر میں چلتا گیا تو دیکھا کہ بیشتر اہل جنت غریب مہاجرین اور مسلمان لڑکے بالے ہیں۔ مجھے عورتیں اور مال دار مرد بہت کم نظر آئے۔ بتایا گیا کہ امیر لوگ دروازے پر رکے حساب دے رہے ہیں اور عورتوں کو زر و ریشم کے شغف نے مشغول کر رکھا تھا۔۔۔ میری امت ایک ایک شخص کر کے میرے سامنے پیش کی گئی۔ مجھے خیال آیا، بہت دیر ہوگئی، عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نہیں آئے۔ وہ ایاس رضی اللہ عنہ کے بعد پہنچے اور کہا، یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں۔۔۔ مجھے گمان ہونے لگا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہ دیکھ سکوں گا۔ پھر بتایا، زیادہ مال دار ہونے کی وجہ سے میری چھان پھٹک ہو رہی تھی۔“ ایک دوسری روایت میں ہے، ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،“ میرے پاس جبریلؑ آئے اور کہا، ابن عوف رضی اللہ عنہ سے کہہ دیں، مہمان کی خاطر داری کرے، غریب مسکین کو کھانا کھلائے اور مانگنے والے حاجت مند کی مدد کرے۔ عطا کی ابتدا اس شخص سے کرے جس کے نان نفقہ کا وہ ذمہ دار ہے۔ اگر اس نے ایسا کر لیا تو اس کے مال کا تزکیہ ہو جائے گا۔“ آپ ﷺ کی ایسی تمثیلوں اور نصیحتوں کا نتیجہ تھا کہ عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کی فطری سخاوت خوب پروان چڑھی۔ انھوں نے اپنا مال اسلام اور اہل اسلام کے لیے وقف کیے رکھا۔

غزوۂ تبوک (۹ ھ) کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام انفاق کی اپیل کی تو عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کے پاس کل ۸ ہزار دینار تھے۔ انھوں نے نصف، ۴ ہزار راہ خدا میں دے دیے تو منافقین نے مذاق اڑا کر کہا، عبدالرحمان رضی اللہ عنہ بڑا ریا کار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عبدالرحمان رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمانوں کے اخلاص کی خود شہادت دی اور ان سے ٹھٹھا کرنے والوں تیرہ باطنوں کے لیے کرب ناک عذاب کی وعید نازل کی۔ عہد نبوی رضی اللہ عنہ ہی میں ایک موقع پر عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے ۴۰ ہزار دینار، دوسری بار پھر ۴۰ ہزار پھر دیے۔ انھوں نے مجاہدین اسلام کی سواری کے لیے ۵۰۰ گھوڑے اور ان کی خوراک در سد کے لیے ۵۰۰ اونٹوں کا غلہ بھی فراہم کیا۔ ایک بار انھوں نے ایک ہی دن میں ۳۰ غلام آزاد کیے۔ عہد رسالت کے بعد کا واقعہ ہے، عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کا غلے اور بیش قیمت سامان سے لدا ہوا ۷۰۰ اونٹوں پر مشتمل قافلہ آیا تو مدینہ میں غل مچ گیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں تشریف فرما تھیں، انھوں نے پوچھا، یہ غوغا کیسا ہے؟ تو بتایا گیا، عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کا قافلہ ہر قسم کا ساز و سامان لے کر شام سے مدینہ میں وارد ہوا ہے۔ تب انھوں نے بتایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (اپنا

خواب بیان) فرماتے ہوئے سنا ہے،''میں نے دیکھا کہ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ جنت میں گھسٹ کر جا رہا ہے۔'' عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو کہا، میں کوشش کروں گا کہ چل کر جاؤں۔ یہ کہہ کر اونٹ، ان پر لدا ہوا غلہ، کجاوے اور پالان سب اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیے۔ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کے بھتیجے طلحہ بن عبد اللہ (طلحۃ الندی) فرماتے ہیں، مدینہ کے سبھی باشندوں کا بوجھ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے اٹھایا ہوا تھا۔ ۱/۳ کو وہ قرض دیتے، ۱/۳ کا قرض چکاتے اور ۱/۳ اہل مدینہ سے صلۂ رحمی کرتے۔ کسر نفسی اتنی تھی کہ اس کے باوجود اپنے آپ کو بخیل سمجھتے۔ ابو ہیاج کہتے ہیں، میں نے دیکھا کہ ایک لمبا آدمی کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دعا کر رہا تھا۔ اللہ! مجھے اپنے نفس کے بخل سے بچاؤ۔ پوچھا تو معلوم ہوا، یہ عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں۔

سیدنا عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ عام انفاق کے ساتھ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی ضروریات کا خاص خیال رکھتے تھے۔ ام المومنین سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا''میرے بعد یہ سچا اور نیک انسان، عبدالرحمان رضی اللہ عنہ تمہارے ساتھ شفقت سے پیش آئے گا۔ اے اللہ! عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کو جنت کے چشمہ سلسبیل سے سیراب کر''۔ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے ۴ھ میں ہونے والے غزوۂ بنونضیر سے مال غنیمت کے طور پر ملنے والے مال مویشی مدینہ کی بستی کیدمہ میں محفوظ رکھے ہوئے تھے۔ یہ سب ۴۰ ہزار دینار میں بیچ کر انھوں نے رقم ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں بانٹ دی۔ اسی طرح انھوں نے اپنی کچھ اراضی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ۴۰ ہزار دینار ہی میں بیچی اور حاصل ہونے والی قیمت اپنے قبیلے بنو زہرہ کے غربا، دوسرے حاجت مندوں اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں تقسیم کر دی۔ ان کے بھانجے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حصہ لے کر ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے پوچھا، یہ کس نے بھیجا ہے؟ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کا نام معلوم ہونے پر کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، میرے بعد اہل صبر ہی تم پر شفقت کریں گے۔ اللہ ابن عوف کو بہشت کے چشمہ سلسبیل سے سیراب کرے۔

عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ محض دنیاوی دولت ہی نہ رکھتے تھے۔ وہ دین متین کے فلسفہ وحکمت اور اس کی فقہ و دانش کے علم سے بھی مالا مال تھے۔ عہد رسالت اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے عہد ہائے خلافت میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کردہ ارشادات کی روشنی میں فتوی دیا کرتے تھے۔ عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں انھی کے رائے اور مشورہ سے میراث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ حل کیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں فقہ کا جو حصہ مرتب ہوا، عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کی آرا اس میں شامل تھیں۔ خلیفۂ دوم رضی اللہ عنہ کا مجوسیوں سے جزیہ لینے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا تو انھوں نے ان پر جزیہ عائد کیا۔ اسی زمانہ میں یہ سوال بھی اٹھا کہ آتش پرستوں سے کیا معاملہ کیا جائے؟ تب عبدالرحمان رضی اللہ عنہ ہی نے راہ نمائی کی۔ انھوں نے کہا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ اہل کتاب کی روش اختیار فرما کر انھیں ذمی قرار دیا تھا۔ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا۔ لڑکے! کیا تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے اس مسئلہ کے بارے میں سنا ہے، کسی شخص کو نماز پڑھتے ہوئے شک ہو جائے (کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں) تو کیا کرے؟ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ عبدالرحمان

بن عوف رضی اللہ عنہ آ گئے۔ انھوں نے بتایا، میں نے اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن رکھا ہے۔ ''نماز پڑھتے ہوئے اگر کسی کو رکعتوں کی تعداد میں شک ہو جائے، ایک پڑھی ہے یا دو تو ایک شمار کرے۔ دو یا تین کا شک ہو تو سمجھ لے، دو پڑھی ہیں اور اگر تین یا چار کا تردّد ہو تو تین کا یقین کر لے۔ کم رکعتوں کا پایا جانا تو یقینی ہے اس لیے زیادہ کو وہم سمجھ لیا جائے۔ بھولنے والا نمازی نماز سے فارغ ہونے کے بعد سہو کے دو اضافی سجدے کرے''۔ ایک شخص نے حالت احرام میں ہرن کا شکار کر لیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فتویٰ لینے آیا۔ انھوں نے پاس کھڑے عبدالرحمان رضی اللہ عنہ سے مشورہ کر کے ایک بکری ذبح کرنے کو کہا۔

حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کا ایک اور وصف خشیت الٰہی اور کسر نفسی تھی۔ ایک افطاری پر کھانے کے لیے بیٹھے تو کہا، ''(جنگ احد میں) مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر شہید ہوئے جو مجھ سے بہتر تھے۔ ان کو ایک ہی چادر کا کفن دیا گیا، سر ڈھانپا جاتا تو پاؤں ننگے ہو جاتے، پاؤں ڈھانکتے تو سر باہر ہو جاتا۔ (اسی غزوہ میں) حمزہ رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی جو مجھ سے اچھے تھے۔ اب ہمیں دنیا میں بہت کچھ مل گیا ہے کہ خدشہ ہوتا ہے، ہماری نیکیوں کا صلہ یہیں چکا دیا گیا ہے۔ پھر رونے لگے اور روتے روتے کھانا چھوڑ دیا''۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ میں کوئی رنجش ہوئی۔ اس دوران میں طلحہ رضی اللہ عنہ بیمار پڑ گئے تو عبدالرحمان رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لیے پہنچ گئے۔ طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا، بھائی! بخدا تو مجھ سے بہت بہتر ہے، اگر تو بیمار ہوتا تو میں بیمار پرسی کو نہ آتا۔

حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کی وفات ۳۲ھ (۶۵۲ء) میں ہوئی جب ان کی عمر ۷۵ برس تھی۔ وہ ۶ ماہ سے بیمار تھے، اس دوران میں ایک بار ان پر غشی بھی طاری ہوئی۔ جنازے میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے شرکت کی۔ نماز جنازہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (ایک روایت کے مطابق زبیر رضی اللہ عنہ بن عوام) نے پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ مدینے کا باغ حش، اس کی نواحی بستی کیدمہ جہاں بنونضیر سے ملنے والا مال غنیمت پڑا تھا اور مکے کا آبائی مکان ازرقی عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کی جائیداد تھا۔ سلیل نام کی اراضی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز کی تھی۔ انھوں نے اپنے ترکے میں ۱ ہزار اونٹ، ۳ ہزار بکریاں اور سو گھوڑے چھوڑے، یہ سب نقیع کی چراگاہ میں چرتے تھے۔ ۲۰ اونٹ ان کی جرف کی زمینیں سیراب کرتے تھے۔ سونا اتنا تھا کہ اسے کلہاڑی سے کاٹا گیا اور کاٹنے والوں کے ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے۔ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کی ۴ بیواؤں میں سے ہر ایک کو ۸۰ ہزار دینار ملے۔ ان کے بیٹے ابراہیم کا بیان ہے، ایک بیوہ تماضر بنت اصبغ کو ۱ لاکھ ملے۔ ۵۰ ہزار دینار ان کی وصیت کے مطابق مسافروں کو دیے گئے۔ جنگ بدر میں حصہ لینے والے ہر صحابی رضی اللہ عنہ کے لیے انھوں نے ۴۰۰ دینار کی وصیت کی تھی۔ ان کی تعداد ۱۰۰ تھی، سب نے حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی یہ رقم وصول کی۔ حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے لیے ایک باغ کی وصیت کی جو ۴ لاکھ درہم میں فروخت ہوا۔ اپنے غلاموں میں سے بیشتر کو انھوں نے آزاد کر دیا تھا۔

روایت حدیث میں بھی عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کا ایک حصہ ہے۔ ان کی ۲ روایتیں متفق علیہ اور مفردات بخاری

5 ہیں۔ باقی کتب حدیث میں 65 حدیثیں ان سے مروی ہوئی ہیں۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب سے احادیث روایت کیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں شامل ہیں: ان کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ، حمید، ابوسلمہ، عمر (ذہبی: عمرو) اور مصعب، ان کے بھانجے مسور رضی اللہ عنہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے پوتے مسور بن ابراہیم رضی اللہ عنہ۔ دیگر راویوں کے نام یہ ہیں: انس بن مالک، جابر بن عبداللہ، جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم اور ان کے بیٹے محمد، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، مالک بن اوس، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ، عبداللہ بن عبداللہ بن حارث، عبداللہ بن قارظ، غیلان بن شرحبیل، قبیصہ بن ذؤیب، قیس بن ابی حازم، رداد لیثی، نوفل بن ایاس اور بجالہ بن عبدہ۔

ہجرت کے بعد حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ مکہ آئے تو اپنے زمانۂ جاہلیت والے گھر میں رہنا پسند نہ کیا۔

یہ حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا اعجاز تھا کہ قریش کے بڑے بڑے سرداروں کی بیٹیوں سے ان کی شادیاں ہوئیں۔ زمانۂ جاہلیت میں عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی اُمّ کلثوم سے ان کا عقد ہوا۔ اس سے ان کا بیٹا سالم (بڑا) متولد ہوا جو اسلام کی آمد سے پہلے ہی فوت ہو گیا۔ شیبہ بنت ربیعہ کی بیٹی سے بھی ان کی شادی ہوئی جس سے ان کی بیٹی اُمّ قاسم پیدا ہوئی۔ عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا سے عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کی تیسری شادی ہوئی۔ اس اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا سے شادی کا مشورہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دیا تھا۔ اس سے ان کے چار بیٹوں محمد، ابراہیم، حُمید، اسماعیل اور دو بیٹیوں حمیدہ اور امۃ الرحمان (بڑی) نے جنم لیا۔ اسی محمد سے وہ ابو محمد کنیت کرتے تھے۔ عقبہ اور عتبہ دونوں کی بیٹیوں کا نام اُمّ کلثوم تھا۔ اس لیے ان کی اولاد کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن عبدالبر نے عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کی ازواج میں بنت شیبہ کا نام ذکر نہیں کیا۔ ایک نکاح انصار کے قبیلہ قضاعہ سے تعلق رکھنے والی خاتون سہلہ بنت عاصم سے ہوا، اس سے معن، عمر، زید اور امۃ الرحمان (چھوٹی) پیدا ہوئے۔ بنوشیبان کی بحریہ بنت ہانی سے بھی ان کا عقد ہوا۔ ان سے عروہ کی پیدائش ہوئی۔ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کا ایک بیاہ سہلہ بنت سہیل سے ہوا، ان سے سالم (چھوٹا) پیدا ہوا۔ ایک بیٹا ابوبکر تھا جسے ان کی زوجہ اُمّ حکیم بنت قارظ نے جنم دیا۔ قبیلۂ اوس کے ایک اور انصاری ابوالحیس کی بیٹی سے (نام مذکور نہیں) عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کا نکاح ہوا۔ اس سے عبداللہ (بڑا) کی ولادت ہوئی۔ دومۃ الجندل کے حکمران قبیلہ بنوکلب کے سردار اصبغ کی بیٹی تماضر سے عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کی شادی کسی قریشی کی کلبی عورت سے پہلی شادی تھی۔ اس سے ابوسلمہ (عبداللہ اصغر) کی پیدائش ہوئی۔ ایک اور بیوی اسما بنت سلامہ سے ان کا بیٹا عبدالرحمان جو انہی کے نام سے موسوم ہے متولد ہوا۔ یمن کے قبیلہ بہرا سے قید ہو کر عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آنے والی لونڈی اُمّ حریث سے ان کے تین بچے مصعب، آمنہ اور مریم پیدا ہوئے۔ بہرا (بہز) ہی سے آنے والی باندی زینت بنت صباح سے اُمّ یحییٰ نے جنم لیا۔ ان کی ایک بیوی مجد بنت یزید سے سہیل کی ولادت ہوئی۔ جنگ مدائن میں جو ایرانی سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کے ہاتھ قید ہو کر آئے، ان میں ایرانی بادشاہ کسریٰ (خسرو) کی بیٹی غزال بھی تھی۔ یہ عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی اور عثمان کو جنم دیا۔ ایک بیٹی جویریہ بادیہ بنت غیلان سے پیدا ہوئی۔ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کی کل اولاد کا شمار: 20 لڑکے اور 8 لڑکیاں کیا گیا ہے۔

جہاں بے شمار اصحاب رضی اللہ عنہم رسول ﷺ مہندی یا خضاب سے اپنے بالوں کو رنگتے تھے، عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ اپنا بڑھاپا ہرگز نہ چھپاتے۔ ان کا سر اور ڈاڑھی سفید ہی نظر آتے۔ وہ دراز قد، خوب رو، سرخ و سپید رنگ اور صاف جلد والے تھے، آنکھیں بڑی، پلکیں گھنی اور ناک بلند تھی، ہتھیلیاں بڑی اور انگلیاں موٹی تھیں۔ ان کی گردن لمبی، شانے چوڑے اور کمر میں کچھ جھکاؤ تھا۔ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کے کچلی والے دانت نمایاں نظر آتے تھے، کئی بار ان دانتوں سے ان کے ہونٹ زخمی ہوئے۔ انھیں بائیں ہاتھ سے کام کرنے کی عادت تھی۔ مال دار ہونے کے باوجود ان کا رہن سہن سادہ تھا، اپنے غلاموں کے بیچ کھڑے ہوتے تو پہچاننا مشکل ہوتا۔

حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کی جلد نازک تھی، انھیں کھجلی رہتی، چھالے نکل آتے یا جوئیں پڑ جاتیں اس لیے ریشمی لباس پہنتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے اس بات کی اجازت لے رکھی تھی۔ میدان جنگ میں ریشمی لباس پہننے کی اجازت ہر مسلمان کو پہلے ہی تھی۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، ایک سفر میں عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کو پھنسیاں نکل آئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ریشمی قمیص پہننے کی رخصت دے دی۔ ایک دفعہ جوئیں پڑیں تو بھی یہی معاملہ ہوا۔ یہ عہد فاروقی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ وہ اپنے معمول کے مطابق ریشمی قمیص پہن کر اپنے بیٹے ابوسلمہ کے ساتھ باہر نکلے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا۔ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے کہا، کیا آپ کو علم نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے ریشم حلال قرار دیا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، آپ ﷺ نے ریشم پہننے کی اجازت اس لیے مرحمت فرمائی تھی کیونکہ تمھیں جوؤں کی شکایت تھی۔ یہ تکلیف زائل ہوئی تو اجازت بھی ختم ہو گئی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن عوام کو جوئیں پڑیں تو انھیں بھی ریشمی لباس کی اجازت ملی تھی۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویہ (ابن ہشام)، الطبقات الکبری (ابن سعد)، المنتظم فی تواریخ الامم والملوک (ابن جوزی)، البدایہ والنہایہ (ابن کثیر)، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال (مزی)، سیر اعلام النبلاء (ذہبی)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبدالبر)، الاصابہ فی تمییز الصحابہ (ابن حجر)، فتح الباری (ابن حجر)، صور من حیاۃ الصحابہ (عبدالرحمان رافت پاشا)، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ

1696 - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعُ رَحِمٍ

⊛⊛ محمد بن جبیر اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: انھیں نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کا پتہ چلا ہے۔

”رشتے داری کے حقوق کو پامال کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا“۔

1697 - حَدَّثَنَا ابْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، وَالْحَسَنِ بْنِ عَمْرٍو، وَفِطْرٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو - قَالَ: سُفْيَانُ، وَلَمْ يَرْفَعْهُ سُلَيْمَانُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،

1696- اسنادہ صحیح. مسدد: هو ابن مسرهد الاسدی، وسفیان: هو ابن عیینة، والزهری: هو محمد بن مسلم. واخرجه البخاری (5984)، ومسلم (2556)، والترمذی (2021) من طرق عن الزهری، به. وهو فی "مسند احمد" (16732)، و"صحیح ابن حبان" (454).

وَرَفَعَهُ فِطْرٌ، وَالْحَسَنُ - قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ، وَلٰكِنْ هُوَ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں ہوتا جو بدلے میں اچھائی کرتا ہے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہوتا ہے' جب اس کے' رشتے داری کے' حقوق کو پامال کیا جائے' تو وہ پھر بھی صلہ رحمی کرے''۔

صلہ رحمی کے معنی ومفہوم کا بیان

شیخ عبدالحق لکھتے ہیں ''لغت میں صلہ کا معنیٰ ہے ملانا اور جوڑنا اور مراد اس جگہ میں ان قریبی رشتہ داروں سے انعام واحسان کرنا ہے جو ماں باپ کی طرف سے قریبی رشتہ دار ہوں۔ (اشعۃ اللمعات)

''صلہ'' کے لغوی معنیٰ ملانا اور پیوند لگانے کے ہیں، لیکن عام اصطلاح میں اس کے معنیٰ ہیں اپنے اعزاء واقارب کے ساتھ احسان اور اچھے سلوک کا معاملہ کرنا اور ان کو عطاء اور بخشش اور اپنی مالی واخلاقی مدد واعانت کے ذریعہ فائدہ وراحت پہنچانا۔ ''رحم'' کا لغوی معنیٰ مہربانی اور شفقت کے ہیں لیکن عام اصطلاح میں اس کے معنیٰ مہربانی اور شفقت کا معاملہ کرنا۔

صلہ رحمی کی برکتیں

اور صاحب بہارشریعت لکھتے ہیں: ''صلہ رحم کے معنی رشتہ کا جوڑنا ہے یعنی رشتہ والوں کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرنا۔ ساری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ صلہ رحمی واجب ہے اور قطع رحمی حرام جن رشتہ والوں کے ساتھ صلہ واجب ہے وہ کون ہیں بعض علماء نے فرمایا وہ ذورحم محرم ہیں اور بعض نے فرمایا اس سے مراد ذورحم ہیں محرم ہوں یا نہ ہوں اور ظاہر یہی قول دوم ہے۔ احادیث میں مطلقاً رشتہ داروں کے ساتھ صلہ کرنے کا حکم آتا ہے۔ قرآن مجید میں مطلقاً ذوالقربیٰ فرمایا گیا۔ مگر یہ بات ضرور ہے کہ رشتہ میں چونکہ مختلف درجات ہیں اس لئے صلہ رحمی کے درجات میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔ والدین کا مرتبہ سب سے بڑھ کر ہے ان کے بعد ذو رحم محرم کا۔ ان کے بعد بقیہ رشتہ داروں کا علی قدر مراتبھم۔ (درمختار، بہارشریعت)

صلہ رحمی کی صورتیں: صلہ رحمی کی مختلف صورتیں ہیں۔ ان کو ہدیہ وتحفہ دینا اور اگر ان کو کسی بات میں تمہاری اعانت درکار ہو تو اس کام میں ان کی مدد کرنا۔ انہیں سلام کرنا۔ ان کی ملاقات کو جانا۔ ان کے پاس بیٹھنا اٹھنا۔ ان سے بات چیت کرنا ان کے ساتھ لطف ومہربانی سے پیش آنا۔ (درمختار، بہارشریعت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم اپنے وہ انساب سیکھو جن کے سبب سے تم صلہ رحمی کرو گے۔ کیونکہ صلہ رحمی گھر والوں میں محبت کا سبب ہے مال میں کثرت کا ذریعہ ہے عمر میں زیادتی کا باعث ہے۔'' (رواہ الترمذی)

اس حدیث کے ماتحت شیخ عبدالحق لکھتے ہیں: ''اپنے انساب میں سے اس قدر سیکھو کہ ان کی وجہ سے تم اپنے رشتوں کو ملاؤ گے۔ یعنی اپنے آباؤ اجداد اور امہات اور ان کی اولادیں خواہ مرد ہوں یا عورتیں ان کو پہچانو اور ان کے نام یاد رکھو تا کہ تم ان کے

ذریعے سے اپنے رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرسکو کیونکہ ان ناموں کا جاننا ضروری اور نفع بخش ہے۔'' (اشعۃ اللمعات جلد 4)

صلہ رحمی کی اہمیت اور قرآن وحدیث کا بیان

قریبی رشتہ داروں سے صلہ رحمی اور اچھا برتاؤ شرعاً بہت پسندیدہ عمل ہے۔اس کی تاکید شدید میں متعدد آیات واحادیث موجود ہیں ہم یہاں چند آیات واحادیث تبرکاً نقل کرتے ہیں۔

آیات کریمہ: پہلی آیت کریمہ: ترجمہ'' بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے انصاف اور نیکی اور رشتہ داروں کو دینے کا اور منع فرماتا ہے بے حیائی اور بری بات اور سرکشی سے۔تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم دھیان کرو۔'' (پارہ 14 رکوع 19)

مفتی احمد یار خان نعیمی اس آیت کے ماتحت لکھتے ہیں۔'' یہاں رشتہ داروں میں سارے دور ونزدیک کے رشتہ دار داخل ہیں اور دینے میں ہر قسم کا حق ادا کرنا شامل ہے۔خواہ مالی ہو یا بدنی یا ایمانی۔رشتہ داروں کی مال سے بدن سے خدمت کرو۔انہیں ایمان اور نیک اعمال سے رغبت دو۔اس سے معلوم ہوا کہ رشتہ داروں کا حق غیروں سے زیادہ ہے۔'' (نور العرفان صفحہ 441)

اور علامہ علاء الدین خازن اس آیت کے ماتحت فرماتے ہیں:'' یعنی وہ حکم کرتا ہے صلہ رحمی کا اور رحم سے مراد قریب اور دور کے سب رشتہ دار ہیں۔پس مستحب ہے کہ وہ اپنے فالتو خداداد مال سے ان پر احسان کرے اور اگر ان کی مالی مدد نہ کرسکتا ہو تو ان کے لئے اچھی دعا کرے اور ان سے محبت رکھے۔'' (خازن جلد 4)

اور مفسر صاوی فرماتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے قریبی رشتہ داروں پر صدقہ کرنے کا کیونکہ دوسرے کی بہ نسبت قریبی رشتہ دار پر صدقہ کی زیادہ تاکید ہے کیونکہ اس پر صدقہ صدقہ اور صلۂ رحمی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:'' بلاشبہ ثواب کی رو سے سب سے زیادہ جلدی قبول ہونے والی عبادت صلہ رحمی ہے۔'' (تفسیر صاوی جلد 2)

دوسری آیت کریمہ: اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:'' اور رشتہ داروں کو ان کا حق دے۔'' (پارہ 15 رکوع 3) یعنی ماں باپ کے ساتھ ان کی اولاد یعنی بھائی بہن اور ان کے قرابت داروں یعنی اپنے عزیزوں کی بھی خدمت کرو۔ (نور العرفان)

اور یہاں مفسر خازن فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے والدین سے صلہ رحمی کا حکم دینے کے بعد رشتہ داروں سے صلہ رحمی کا حکم دیا۔ یعنی رشتہ داروں کا حق ادا کرنے کا حکم دیا۔اور ان کے حق سے چند باتیں یہ ہیں ان سے نیکی کرنا محبت رکھنا، ان کی زیارت کرنا، اچھا برتاؤ کرنا۔خوشی اور غمی کے موقع پر ان سے باہمی الفت کا مظاہرہ کرنا۔ایک دوسرے کی مدد کرنا وغیرہ اور کہا گیا ہے کہ اگر محتاج ہوں اور یہ خوشحال ہے تو ان کا خرچہ اس پر لازم ہے۔یہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس پر ان کا خرچ لازم نہیں ہے صرف والد کا خرچ اولاد پر اور اولاد کا خرچ والد پر لازم ہوتا ہے۔ (خازن جلد 4)

اور مفسر صاوی لکھتے ہیں۔ان سے قطع تعلق نہ کی جائے اور نہ ان سے دشمنی رکھی جائے تو یہ واجب ہے جس طرح اصول و فروع کا خرچہ واجب ہے۔ (تفسیر صاوی جلد 2)

تیسری آیت کریمہ: اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:'' تو رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو، یہ بہتر ہے ان کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں اور انہیں کا کام بنا۔'' (پارہ 21 رکوع 7)

یہ آیت کریمہ تمام قرابت داروں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دے رہی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ ہر رشتہ دار کا حق ہے۔اس میں سسرال اور نسبی تمام قرابت دار شامل ہیں۔(نور العرفان صفحہ 251)

مفسر صاوی فرماتے ہیں: "یہ آیت نفلی صدقہ کے بارہ میں ہے نہ کہ واجب زکوٰۃ کے بارہ میں کیونکہ یہ سورۃ مکی ہے اور زکوٰۃ کا حکم مدینہ منورہ میں سن دو ہجری میں نازل ہوا تھا۔" (صاوی جلد 3)

ماں باپ کے ساتھ ان کی زندگی میں احسان یہ ہے کہ ان کا ادب کرے۔ان کی جانی مالی خدمت کرے ان کے جائز حکموں کو مانے۔ان کی خدمت کے لئے نوافل ترک کرسکتا ہے فرائض و واجبات نہیں چھوڑ سکتا۔اگر ماں باپ کسی گناہ و کفر میں مبتلا ہوں تو ان کو اچھی تدبیر سے روکے۔والدین کے مرنے کے بعد ان سے بھلائی یہ ہے کہ ان کی وصیتیں پوری کرے۔ان کے دوستوں کا احترام کرے۔فاتحہ تلاوت قرآن اور دیگر صدقات کا ثواب بخشتا رہے اور ان کے اچھے مراسم کو جاری رکھے۔کم از کم ہفتہ میں ایک مرتبہ ان کی قبر کی زیارت کرے۔اس سے معلوم ہوا کہ ماں باپ اور رشتہ داروں کی خدمت بڑی ضروری ہے کہ رب نے اپنی عبادت کے ساتھ ان کی اطاعت کا ذکر فرمایا ہے۔(نور العرفان)

پانچویں آیت کریمہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال رشتہ داروں کو دے۔" (پارہ 2 رکوع 6)

یعنی اپنے قرابت داروں کو اور انہیں باقی مصارف صدقہ پر مقدم فرمایا گیا کیونکہ وہ صدقہ کے زیادہ حق دار ہوتے ہیں۔سلمان بن عامر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مسکین پر صدقہ ایک صدقہ ہے اور رشتہ دار پر صدقہ دو صدقے ہیں یعنی صدقہ اور صلہ رحمی اس حدیث کو امام نسائی نے روایت کیا اور شیخین نے روایت بیان کی ہے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک لونڈی آزاد کی اور رسول اللہ ﷺ سے اس کی اجازت نہیں لی۔پھر جب ان کی باری کا دن ہوا تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ نے سنا ہے کہ میں نے اپنی لونڈی آزاد کر دی ہے۔فرمایا کیا تو نے یہ کام کر لیا ہے۔عرض کیا ہاں فرمایا اگر تو اپنے ننھیال والوں کو یہ لونڈی دے دیتی تو تیرے لئے زیادہ اجر تھا۔" (خازن جلد 1)

چھٹی آیت کریمہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم مانگتے ہو اور رشتوں کا لحاظ رکھو۔بے شک اللہ ہر وقت تمہیں دیکھ رہا ہے۔یعنی رشتہ داروں سے اچھا برتاؤ کرو۔" (پارہ 4 رکوع 12) رشتے قطع نہ کرو۔حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں جو رزق کی کشائش اور عمر میں برکت چاہے وہ رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرے۔(نور العرفان)

تفسیر خازن میں ہے۔اس آیت میں اس بات پر دلیل موجود ہے کہ رشتہ داری کا حق بہت بڑا ہوتا ہے اور رشتہ داری قطع کرنا ممنوع ہے۔اور اس معنی پر وہ حدیثیں بھی دلالت کرتی ہیں جو اس بارہ میں آئی ہیں مثلاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔رشتہ داری عرش سے لٹکی ہوئی ہے وہ کہتی ہے کہ جو مجھے ملائے گا میں اسے ملاؤں گی اور جو مجھے کاٹے گا میں اسے کاٹوں گی۔(بخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کو یہ بات اچھی لگے کہ اس کی روزی کشادہ کی جائے اور اس کی عمر لمبی کی جائے تو اسے رشتہ داروں سے نیک سلوک کرنا چاہیے۔(بخاری و مسلم)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے وسیلہ سے مانگے اسے وہ عطا کرتا ہے اور جو رشتہ داروں سے حسن سلوک کے ذریعہ سے مانگے وہ اسے عطا کرتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رشتہ داری عرش سے لگی ہوئی ہے پھر جب اس کے پاس رشتہ داری پالنے والا آئے گا تو وہ اس کی وجہ سے خوش وخرم ہوگی اور اس سے کلام کرے گی اور رشتہ داری کاٹنے والا اس کے پاس آئے گا تو وہ اس سے پردہ کرلے گی۔ (تفسیر خازن جلد 1)

ساتویں آیت کریمہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ اور رشتہ داروں سے بھلائی کرو۔'' (پارہ 5 رکوع 3)

تفسیر خازن میں ہے اور جاننا چاہیے کہ والدین سے اچھا سلوک کرنا اس طرح ہے کہ ان کی خدمت کی جائے۔ ان کے سامنے آواز بلند نہ کی جائے۔ ان کی مراد کے حصول میں کوشش کی جائے اور قدرت کے اندازہ پر ان پر مال خرچ کیا جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری نیکی و احسان کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ فرمایا تیری ماں۔ پھر عرض کیا۔ پھر کون؟ فرمایا پھر تیری ماں۔ اور دوسری روایت میں ہے فرمایا تیری ماں پھر تیری ماں پھر تیرا باپ پھر تیرا زیادہ قریبی رشتہ دار پھر تیرا قریبی رشتہ دار۔ (بخاری ومسلم)

انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اس کی ناک خاک آلود ہو اس کی ناک خاک آلود ہو اس کی ناک خاک آلود ہو۔ عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ ﷺ۔ کون؟ فرمایا ''جو اپنے والدین کو بڑھاپے میں پائے یا ان میں سے ایک کو پھر جنت میں داخل نہ ہو جائے۔'' (مسلم شریف)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ جو شخص چاہے کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی عمر میں زیادتی کی جائے اسے اپنے رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنا چاہیے۔ (تفسیر خازن)

آٹھویں آیت کریمہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''اور قسم نہ کھائیں وہ جو تم میں فضیلت والے اور گنجائش والے ہیں قرابت داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی نہ دینے کی اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں۔ کیا تم اسے دوست نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری بخشش کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' (پارہ 18 رکوع 9)

یہ آیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ جبکہ آپ نے قسم کھائی تھی کہ مسطح کے ساتھ سلوک نہ کریں گے۔ کیونکہ یہ حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بہتان میں شریک ہو گئے تھے۔ حضرت مسطح فقیر مہاجر اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہا کے عزیز تھے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے وظیفہ پر گزارہ کرتے تھے۔ مگر وہ اُمّ المؤمنین کو تہمت لگانے میں شریک ہو گئے اور انہیں سزا یعنی اسی کوڑے لگائے گئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا گیا کہ اے ابوبکر تم تم ہی ہو اور وہ وہ ہی ہیں۔ تم مسطح کا وظیفہ بند نہ کرو تم تو انہیں اللہ کے لئے دیتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بڑا گناہ بھی مسلمان کو اسلام سے خارج نہیں کرتا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے خطا کار بھائی سے بھی بھلائی کرنی چاہیے۔ جب یہ آیت حضور اکرم ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سنائی تو آپ نے عرض کیا کہ ہاں ضرور ضرور میں بخشش چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر حضرت مسطح کا وظیفہ جاری کر دیا اور

اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔(نور العرفان صفحہ 561)

نویں آیت کریمہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''تو کیا تمہارے یہ لچھن نظر آتے ہیں کہ اگر تمہیں حکومت ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رشتے کاٹ دو۔ یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور انہیں حق سے بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں۔(پارہ26، رکوع7)

تفسیر خازن میں ہے۔ حضرت قتادہ نے فرمایا اس قوم کے بارہ میں تمہارا کیا خیال ہے۔ جو کتاب اللہ کی وارث بنی تو کیا وہ (نفاق کی وجہ سے) حرام خون نہ بہائے گی اور رشتہ داری قطع نہ کرے گی اور اللہ کی نافرمانی نہیں کرے گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بلاشبہ رحم یعنی بندوں کی رشتہ داری اللہ کے نام رحمن سے مشتق ہے۔'' سو اللہ تعالیٰ نے اسے فرما رکھا ہے کہ جو تجھے ملائے گا میں اسے ملاؤں گا اور جو تجھے کاٹے گا میں اسے کاٹوں گا۔(بخاری۔ مسلم)

اور دوسری روایت میں فرمایا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا یہاں تک کہ جب وہاں سے فارغ ہوا تو رشتہ داری اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے اللہ تعالیٰ کا دامن پکڑ لیا۔ اللہ نے دریافت کیا کیوں؟ اس نے عرض کیا یہ مقام اس کا ہے جو رشتہ داری کاٹنے سے پناہ پکڑنے والا ہے۔ فرمایا ہاں کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ جو تجھے ملائے گا اسے میں ملاؤں گا۔ جو تجھے کاٹے گا اسے میں کاٹوں گا۔ کہا ہاں فرمایا۔ پس تیرے لئے یہ بات ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر چاہو تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھو:

فهل عسيتم ان توليتم ان تفسدوا في الارض و تقطعوا ارحامكم۔'' (تفسیر خازن جلد ششم صفحہ 181)

احادیث مبارکہ: صلہ رحمی کی فضیلت اور قطع رحمی کی مذمت میں بعض احادیث مبارکہ مندرجہ بالا آیات کریمہ کے ضمن میں گزر چکی ہیں۔ چند اور روایتیں تبرکاً نقل کی جاتی ہیں:

پہلی حدیث پاک: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے رشتہ دار ہیں میں ان سے اچھا سلوک کرتا ہوں تو وہ مجھ سے قطع تعلق کرتے ہیں۔ میں ان سے نیکی برتتا ہوں تو وہ برائی سے پیش آتے ہیں۔ میں ان سے نرمی اختیار کرتا ہوں تو وہ نادانی کی حرکتیں میرے ساتھ کرتے ہیں فرمایا: اگر بات وہی ہے جو تو نے کہی تو پھر تو ان کے منہ میں راکھ ڈالتا ہے۔ پھر فرمایا: جب تک تو اسی روش پر رہے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے خلاف تیری مدد کرنے والا موجود رہے گا۔ رواہ مسلم

دوسری حدیث پاک: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تقدیر کو نہیں ٹالتی مگر دعا اور عمر کو نہیں بڑھاتا مگر والدین اور رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنا۔ رواہ ابن ماجہ

تیسری حدیث پاک: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس قوم میں رشتہ داری کاٹنے والا شخص ہو اس پر رحمت الٰہی نازل نہیں ہوتی۔(رواہ البیہقی فی الشعب)

چوتھی حدیث پاک: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی گناہ نہیں جو

اس بات کا زیادہ حق دار ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے صاحب کو دنیا میں سزا دے اور آخرت کی سزا اس کے لئے باقی رکھے بغاوت اور رشتہ داری کاٹنے کی نسبت سے۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

پانچویں حدیث پاک: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اپنے وہ نسب سیکھو جن کی وجہ سے تم رشتہ داری پالو گے کیونکہ رشتہ داری پالنا خاندان میں محبت مال میں کثرت اور عمر میں زیادتی ہے۔

(رواہ الترمذی)

چھٹی حدیث پاک: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ کیا میرے لئے توبہ ہے؟ فرمایا: کیا تیری ماں ہے۔؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا: کیا تیری کوئی خالہ ہے؟ عرض کیا ہاں۔ فرمایا اس سے نیکی کر۔ (رواہ الترمذی)

ساتویں حدیث پاک: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ بندہ کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک مرتا ہے اس حال میں کہ وہ ان کا نافرمان ہوتا ہے۔ پھر وہ ان کے لئے دعائے مغفرت کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے فرمانبرداروں میں لکھ دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف جلد 2)

آٹھویں حدیث پاک: حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: چھوٹے بھائیوں پر بڑے بھائیوں کا حق وہ ہے جو والد کا حق اپنی اولاد پر ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ جلد 2)

نویں حدیث پاک: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو بدلے کی برابری کا لحاظ رکھے بلکہ وہ ہے جس سے قطع رحمی کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے۔ (رواہ البخاری مشکوٰۃ شریف)

مندرجہ بالا نو آیات کریمہ اور نو احادیث مبارک کو پڑھیں سمجھیں اور رشتہ داری پالنے کے اجر وثواب اور رشتہ داری کاٹنے کے وبال کو جانیں اللہ تعالیٰ توفیق عمل بخشے۔ آمین

منہ زور رشتہ داروں کے مقابلہ کی اجازت ہے: اگر کوئی رشتہ دار منہ زور ہو جائے اور دوسروں کے حقوق پر ناجائز ڈاکے ڈالنا شروع کر دے۔ اور بار بار نرمی برتے جانے کی وجہ سے وہ منہ زوری پر اور دلیر ہوتا چلا جائے تو ایسے رشتہ دار سے بائیکاٹ کرنا بلکہ اسے ظلم سے باز رکھنے کے لئے عملی جدوجہد کرنا عین حکم شرع شریف ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: اور وہ لوگ کہ جب انہیں بغاوت پہنچے تو بدلہ لیتے ہیں۔ (پارہ 25، رکوع 5)

حضرت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں "پچھلی آیتوں میں معافی کا ذکر تھا۔ اس میں بدلہ لینے کا۔ معلوم ہوا کہ معافی اعلیٰ ہے اور بدلہ لینا بھی اچھا کیونکہ کافر حربی اور ظالم سے بدلہ لینا امن کے قیام کا ذریعہ ہے۔"

(نور العرفان)

صلہ رحمی کی اہمیت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کیا (یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام

مخلوقات کو ان کی پیدائش سے پہلے ہی ان صورتوں کے ساتھ اپنے علم ازلی میں مقدر کر دیا جن پر وہ پیدا ہوں گی) جب اس سے فارغ ہوا تو رحم یعنی رشتہ ناتا کھڑا ہوا پروردگار کی کمر تھام لی، پروردگار نے فرمایا: "کہہ! کیا چاہتا ہے؟" رحم نے عرض کیا کہ یہ کاٹے جانے کے خوف سے تیری پناہ کے طلبگار کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔ (یعنی کہ میں تیرے روبرو کھڑا ہوں اور تیرے دامن عزت وعظمت کی طرف دستِ سوال دراز کیے ہوں تجھ سے اس امر کی پناہ چاہتا ہوں کہ کوئی شخص مجھ کو کاٹ دے اور میرے دامن عزت وعظمت کی طرف دستِ سوال دراز کیے ہو تجھ سے اس امر کی پناہ چاہتا ہوں کہ کوئی مجھ کاٹ دے اور میرے دامن کو جوڑنے کی بجائے اس کو تار تار کر دے۔) پروردگار نے فرمایا: "کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ جو شخص (رشتہ داروں اور عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک کے ذریعہ) تجھ کو قائم وبرقرار رکھے، اس کو میں بھی (اپنے احسان وانعام اور اجر وبخشش کے ذریعہ) قائم وبرقرار رکھوں اور جو شخص (رشتہ داری اور تعلق کے حقوق کی پامالی کے ذریعہ) تجھ کو منقطع کر دے میں بھی (اپنے احسان وانعام کا تعلق) اس سے منقطع کر لوں؟" رحم نے عرض کیا کہ پروردگار! بیشک میں اس پر راضی ہوں۔ پروردگار نے فرمایا: "اچھا تو یہ وعدہ تیرے لئے ثابت وبرقرار ہے۔" (بخاری ومسلم)

قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔" (بخاری ومسلم)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشادگرامی کی یہ مراد بیان کی ہے کہ جو شخص یہ جاننے کے باوجود کہ قطع رحم کرنا یعنی ناتے داری کا حق ادا نہ کرنا حرام ہے، نہ صرف یہ کہ بغیر کسی سبب وعذر کے قطع رحم کرے اور بغیر کسی شبہ ووجہ کے قطع رحم کرنے کو حلال بھی جانے تو جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا یا یہ مراد ہے کہ قطع رحم کرنے والا نجات یافتہ اور اولین لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

ناتا توڑنے والا رحمت خداوندی کا مستحق نہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "رحم یعنی ناتا، عرش سے لٹکا ہوا ہے اور (بطریق دعا یا خبر دینے کے طور پر) کہتا ہے کہ جو شخص مجھ کو جوڑے گا اس کو اللہ تعالیٰ (اپنی رحمت کے ساتھ) جوڑے گا اور جو شخص مجھ کو توڑیگا اللہ تعالیٰ اس کو (اپنی رحمت سے) جدا کر دے گا۔" (بخاری ومسلم)

"عرش سے لٹکا ہوا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ وہ عرشِ رحمن کا پایہ پکڑے ہوئے اپنے توڑے جانے سے بارگاہ کبریا کی پناہ کا طلب گار ہے اور اس نے اپنے حق میں اللہ تعالیٰ سے جو کچھ سنا ہے اس کے مطابق خبردار کر رہا ہے کہ اگر مجھ کو جوڑو گے یعنی ناتے داری کے میرے حقوق کو ادا کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت کے ساتھ منسلک کریگا اور اگر تم مجھ کو توڑو گے یعنی میرے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت سے دور کر دے گا یا اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ ناتا، یہ جو کچھ کہتا ہے وہ دعا کے طور پر ہے یعنی وہ عرش الٰہی کا پایہ تھامے ہوئے دعا کر رہا ہے کہ الٰہی، جو شخص مجھ کو جوڑے اس کو تو اپنی رحمت کے ساتھ جوڑ دے اور جو شخص مجھ کو منقطع کرے اس کو تو اپنی رحمت سے منقطع کر دے۔

رشتہ داروں کے ساتھ بھلائی

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ بزرگ و برتر ارشاد فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں، میں رحمٰن ہوں (یعنی صفت رحمت کے ساتھ متصف ہوں) میں نے رحم یعنی رشتے ناتے کو پیدا کیا ہے اور میں نے اس کے نام کا لفظ اپنے نام یعنی رحمٰن کے لفظ سے نکالا ہے۔ لہٰذا جو شخص رحم کو جوڑیگا یعنی رشتہ ناتے کے حقوق ادا کریگا تو میں بھی اس کو (اپنی رحمت کے ساتھ) جوڑونگا اور جو شخص رحم کو توڑیگا یعنی رشتہ ناتے کے حقوق ادا نہیں کرے گا میں بھی اس کو (اپنی رحمت خاص سے) جدا کردوں گا۔'' (ابوداود)

''میں اللہ ہوں'' یعنی میں واجب الوجود ہوں کہ میری ذات پاک اپنے وجود اور اپنے حکم وفیصلہ کے نفاذ میں کسی کی محتاج نہیں ہے یہ جملہ دراصل آگے ارشاد ہونے والے کلام کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے بطور تمہید کے ہے اور اس تمہید میں پہلے اسم خاص کا ذکر کیا اور پھر اپنی صفت رحمٰن کو ذکر کیا جس کا لفظی مادہ اشتقاق وہی ہے جو رحم کا ہے۔

قطع رحمی وہ گناہ ہے جس کی وجہ سے دنیا میں عذاب ہوتا ہے

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی گناہ اس بات کے زیادہ لائق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ارتکاب کرنے والے کو دنیا میں بھی اس کی سزا دیدے اور (مرتکب) کو آخرت میں بھی دینے کے لئے (اس سزا کو) اٹھائے رکھے، ہاں دو گناہ بیشک اس بات کے لائق ہیں۔ ایک تو امام وقت سے خلاف بغاوت کرنا اور دوسرے ناتا توڑنا'' (ترمذی، ابوداود)

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اپنے ملک کے امیر عادل اور اسلامی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا اور ناتا توڑنا یعنی اپنے اعزاو اقرباء کے ساتھ بدسلوکی اور ان کے حقوق کی ادائیگی سے اعراض کرنا بڑا سخت گناہ اور نہایت سنگین بات ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ ان دونوں گناہوں کے مرتکب کو محض آخرت ہی میں عذاب نہیں دیا جائیگا بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو سزا دینے میں جلدی کرے گا بایں طور کہ ان کو دینا میں بھی اپنے ان گناہوں کی سزا بھگتنی پڑے گی، گویا ایسے لوگ نہ دنیا میں چین پاسکتے ہیں اور نہ آخرت میں۔ یہاں بھی سزا پائیں گے خواہ اس کی صورت کچھ ہی ہو اور وہاں بھی عذاب میں مبتلاء کئے جائیں گے۔ کیونکہ یہ دونوں گناہ اس طرح کے ہیں کہ اس کے اثرات صرف دینی زندگی کو نقصان نہیں پہنچاتے بلکہ دنیا میں بھی برے نتائج مرتب کرتے ہیں چنانچہ اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت برپا کرنے اور امیر عادل کی بغاوت کرنے سے (جب کہ امیر شریعت کے مطابق قوانین جاری کرتا ہے) سارے ملک کا نظم ونسق درہم برہم ہوجاتا ہے پوری قوم سخت افراتفری اور مختلف مصائب وآلام میں مبتلاء ہوجاتی ہے اور سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ قومی اور ملکی توانائی ناگہانی انتشار واضحلال کا شکار ہوجاتی ہے جس سے دشمن کو غالب آجانے کا موقع ملتا ہے۔

(۲) ناتا توڑنے سے آپس میں نفرت وعداوت پیدا ہوجاتی ہے اور دلوں میں کدورت کو راہ مل جاتی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اعزاء اور اقرباء جو باہم محبت ومؤانست کے ذریعہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوکر ایک پرسکون اور راحت بخش ماحول پیدا کرسکتے ہیں اور آپس کے میل جول کے سبب بڑی سے بڑی مصیبت اور سخت حالات کو انگیز کرنے کی طاقت پیدا کرسکتے

ہیں وہ باہمی لڑائی جھگڑے اور افتراق وانتشار کی وجہ سے سخت جسمانی وروحانی اذیتنا کیوں اور پریشانوں میں مبتلاء ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا ان گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کو دنیا میں زیادہ ڈھیل نہیں دی جاتی بلکہ خدا کی طرف سے ان کی سزا کا فیصلہ جلد ہوجاتا ہے تاکہ وہ پہلے تو دنیا میں اپنے کئے کی سزا بھگت کر دوسروں کے لئے نشان عبرت بنیں اور پھر آخرت میں بھی عذاب میں مبتلاء ہوں۔ یہ بات واضح ہے کہ دنیا میں بھی سزا پانا اور آخرت میں بھی عذاب کا مستحق ہونا محض ان گناہوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ کچھ اور گناہ بھی انہی طرح کے ہوں مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں گناہ ان میں بدتر اور زیادہ ہیبت ناک ہیں۔

دعا: اللہ تعالیٰ مجھے اور سب مسلمانوں کو صلہ رحمی جیسی نعمت کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور قطع تعلقی جیسی بری عادت سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

صلہ رحمی کی فضیلت اور اہمیت کا بیان

سب سے پہلے احادیث کی روشنی میں صلہ رحمی کے بارے میں جانیں گے۔ کہ کس طرح سے ہم اپنے اندر صلہ رحمی کو پیدا کر کے جنت میں اجاسکتے ہیں۔ جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔ مہمان کی عزت کرے۔ جو بات منہ سے نکالے اچھی نکالے ورنہ خاموش رہے۔ (بخاری۔مسلم)

تین شخص ایک دفعہ سفر کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ راستے میں اتفاق سے بارش شروع ہوگئی اور تینوں پناہ لینے کی غرض سے ایک غار میں گھس گئے ابھی یہ تینوں غار میں گھسے ہی تھے کہ ایک پتھر آیا اور غار کا منہ بند ہوگیا۔ اب تینوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ ہم کو صرف صداقت اور سچائی ہی اس مصیبت سے نجات دلاسکتی ہے۔ اس لئے ہم کو چاہیئے کہ ہر شخص اللہ کو دعا کرے اور دعا میں ایسے عمل کا ذکر کرے جس کو صحیح اور سچا مانتا ہو۔ چنانچہ ان تینوں میں سے ایک شخص نے دعا کی کہ اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میرے یہاں ایک شخص نے چند چاولوں کے بدلے میں مزدوری کی تھی۔ جب مزدوری کے بعد میں نے چاول اسے دیئے تو وہ اسے چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اسکے چاولوں سے کاشت شروع کردی۔ اور تھوڑے عرصے میں انہی چاولوں کی کاشت سے اتنا روپیہ حاصل ہوگیا کہ میں نے اس سے ایک قیمتی بیل خریدلیا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ مزدور پھر اپنی مزدوری لینے آیا میں نے اسے کہا یہ بیل لے جاؤ، تو اس نے کہا کہ میرے تو چند سیر چاول تھے۔ میں نے جواب دیا کہ ان چاولوں کی کاشت ہی سے خرید گیا ہے۔ یہ سن کر وہ مزدور بیل لے کر چلا گیا۔ الٰہی اگر یہ عمل میں تیرے خوف اور خشیت الٰہی کی وجہ سے کیا تھا۔ تو ہم پر سے اس پتھر کی بلا کو ٹال دے۔ اس دعا کے بعد پھر تھوڑا سا ایک طرف سرک گیا۔ دوسرے شخص نے کہا کہ الٰہی! تو جانتا ہے کہ میں اپنے بوڑھے ماں باپ کو ہر رات اپنی بکریوں کا دودھ پلایا کرتا تھا۔ ایک دن مجھے کچھ تاخیر ہوگئی اور میرے ماں باپ میرا انتظار کرتے ہوئے سو گئے۔ جب میں آیا تو میں نے ادب کی وجہ سے ان کو جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ میرے بچے بھوک کی وجہ سے سخت پریشان تھے۔ مگر میں اپنے والدین کی بیداری کا انتظار کرتا رہا۔ نہ تو میں نے اپنے بچوں کو دودھ پلایا اور نہ ہی اپنے ماں باپ کو جگایا۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ اے اللہ! اگر میرا یہ عمل تیرے خوف اور صلہ رحمی کی وجہ سے تھا۔ تو ہم پر سے پتھر کی بلا کو ٹال دے۔ اس دعا کے بعد پتھر کا ایک حصہ مزید کھسک گیا۔ اور ان کو آسمان نظر آنے لگا۔ تیسرے شخص نے کہا! الٰہی تو جانتا ہے کہ میں اپنے چچا کی بیٹی پر عاشق تھا۔ میں

نے اس کو کئی بار برے ارادے سے بلایا، لیکن وہ انکار کرتی رہی یہاں تک کہ میں نے اس کو سو دینار کا لالچ دے کر اسے قائل کر لیا۔ جب میں اس پر پوری طرح قادر ہو گیا۔ اور میں نے چاہا کہ میں اپنی نفسانی خواہش پورا کروں۔ تو اس نے بے ساختہ مجھے کہا کہ اللہ کے خوف سے ڈر اور ناجائز طریقے سے ایک باکرہ لڑکی کی مہر کو نہ توڑ۔ اس لڑکی کے ان فقروں کو سن کر میں کھڑا ہو گیا۔ اور سو دینار جو اس کو دیئے تھے۔ وہ بھی چھوڑ دیئے۔ الٰہی! اگر میرا یہ عمل تیرے ڈر اور خوف کی وجہ سے تھا۔ تو اس پتھر کو ہٹا دے۔ اس دعا کے بعد یہ پتھر غار کے آگے سے بالکل ہٹ گیا اور یہ لوگ باہر نکل آئے۔ (بخاری)

٭ صلہ رحمی کا مطلب ہے کہ گود پیٹ کے رشتوں کو قطع نہ کرے۔ اور اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے رزق میں برکت ہو، اسکی عمر زیادہ ہو، تو اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کو اپنائے۔ (بخاری)

لوگو! اپنا حسب نامہ اور اپنے رشتہ داروں کے نام یاد رکھو تا کہ ان لوگوں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے میں آسانی ہو۔ صلہ رحمی سے باہمی محبت زیادہ ہوتی ہے۔ مال بڑھتا ہے۔ (ترمذی)

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی عمر بڑھے۔ رزق میں کشادگی ہو، اور بری موت سے محفوظ رہے، اس کو چاہئے کہ اللہ سے ڈرے اور اپنے اندر صلہ رحمی پیدا کرے (احمد)

ایک اعرابی نے اللہ کے نبی ﷺ کی اونٹنی کی نکیل پکڑ کر اونٹنی کو روک لیا۔ اور عرض کیا مجھے ایسا عمل بتائیں کہ جو مجھے جنت سے نزدیک اور دوزخ سے دور کر دے تو آپ ﷺ نے جواب دیا۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اللہ ہی کی عبادت کرو، نماز پڑھو، زکوٰۃ ادا کرو اور دوسروں کے ساتھ صلہ رحمی کیا کر۔ بس اونٹ کی نکیل چھوڑ دے۔ (بخاری۔ مسلم)

ایک اور حدیث اس اعرابی کے متعلق ملتی ہے۔

جب یہ اعرابی جس کو اللہ کے نبی ﷺ نے عبادت، نماز، اور صلہ رحمی کا حکم دیا تھا جب وہ نکیل چھوڑ کر چلا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا جو میں نے اس کو بتایا ہے اگر اس پر اس نے عمل کیا تو جنت میں جائے گا۔ (بخاری۔ مسلم)

ہمسایوں کے ساتھ اچھا سلوک اور حسن خلق ایسی چیزیں ہیں۔ جن سے عمریں زیادہ ہوتی ہیں اور گھر آباد رہتے ہیں۔ (احمد)

(بچہ دانی) عرش الٰہی سے لٹکا ہوا عرض کرتا ہے۔ جس نے مجھ کو ملایا اس کو اللہ ملائے گا اور جس نے مجھے قطع کیا اس کو اللہ قطع کرے گا۔ (بخاری۔ مسلم)

اگر کوئی رشتہ دار تجھ سے قطع تعلق کرے تو تو اس سے میل جول پیدا کرنے کی کوشش کر یہی اصلی صلہ رحمی ہے۔ صلہ رحمی یہ نہیں کہ قطع تعلق کرنے والے کے ساتھ تو بھی روٹھ کر بیٹھ جائے۔ (بخاری)

ایک صحابی نے اللہ کے نبی ﷺ سے پوچھا، یارسول ﷺ! بہترین عمل کون سا ہے۔ جو اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ آپ ﷺ نے جواب دیا وقت پر نماز پڑھنا۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اس کے بعد؟ فرمایا۔ ماں باپ سے حسن سلوک اور صلہ رحمی کے ساتھ ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔ اس نے عرض کیا، اللہ کے نبی ﷺ اس کے بعد کون سا عمل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔ (بخاری۔ مسلم)

ایک شخص نے اللہ کے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کی اطاعت میں بہشت ہے۔ اور ان کی نافرمانی میں دوزخ ہے۔ (ابن ماجہ)

ایک صحابی نے اللہ کے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ میں جہاد پر جانا چاہتا ہوں۔ مجھے مشورہ دیں۔ فرمایا! کیا تیری ماں زندہ ہے؟ اس نے عرض کیا ہاں اللہ کے رسول ﷺ ماں تو ہے، فرمایا! اس کے پاس رہ جنت اس کے پاؤں کے نیچے ہے۔ (نسائی)

ایک شخص نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا کہ نیک سلوک اور اچھے برتاؤ میں کس کو مقدم کرنا چاہئے۔ فرمایا! ماں کو۔ سائل نے پھر پوچھا کس کو؟ دوبارہ اللہ کے نبی ﷺ نے جواب دیا کہ ماں کو، تین مرتبہ ماں کا ذکر کیا۔ چوتھی مرتبہ اس شخص نے دوبارہ پوچھا کہ اب کس کو مقدم کرنا چاہئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ باپ کو۔ (بخاری۔ مسلم)

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میں جہاد کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا باپ ہیں؟ اس نے عرض کی حضور ﷺ ماں باپ زندہ ہیں۔ فرمایا ان کے ساتھ نیکی کر۔ اگر تو نے ان کے ساتھ نیکی کی، پوری خدمت کی تو تجھ کو جہاد کے ساتھ ساتھ حج اور عمرے کا بھی ثواب ملے گا۔ (طبرانی)

ایک حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص کسی دوسرے انسان پر رحم نہیں کرتا اللہ بھی اس پر رحم نہیں کرتا۔ (بخاری۔ مسلم)

ان تمام احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ رب العزت کو صلہ رحمی بہت پسند ہے۔

اس لئے آج ہمیں چاہئے کہ ہم سب اپنے اندر صلہ رحمی کو پیدا کر کے اللہ کو راضی کر کے جنت میں اپنے داخلے کو ممکن بنائیں۔ اگر چہ یہ بات درست ہے کہ جنت میں جانا آسان نہیں۔ اس کے لئے بہت سی صعوبتوں، تکلیفوں، اور دکھ درد کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اگر ہم اپنے اندر صلہ رحمی کی راہ ہموار کریں اور ایک دوسرے کی باتوں کو انتہائی خوش اخلاقی کے ساتھ درگزر کرنا سیکھ لیں تو انشاء اللہ ہمارا ٹھکانہ جنت میں ممکن ہو جائے گا۔

صلہ رحمی کس طرح ہو سکتی ہے؟

صلہ رحمی کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ گاہے بگاہے رشتہ داروں سے ملاقات کی جائے۔ اگر فاصلہ زیادہ اور وقت کا مسئلہ ہو تو اس کے لیے مواقع خاص کئے جا سکتے ہیں مثلاً ہر سال عید کسی ایک جگہ یا مرکزی گھر میں اکٹھے منائی جائے۔ ان کے گھروں میں آیا جایا جائے۔ ان سے حال احوال پوچھتے رہیں۔ اب تو ٹیلی فون کی سہولت ہر جگہ میسر ہے، اس کے ذریعے رابطے میں رہا جائے۔ خاندان کے بڑوں کی عزت و توقیر کی جائے۔ چھوٹی موٹی باتوں کو خواہ مخواہ ایشو یا اپنی اَنا کا مسئلہ نہ بنا لیا جائے۔ چھوٹوں پر شفقت کی جائے۔ خاندان کے غریب افراد پر صدقہ کیا جائے۔ روپے پیسے کے علاوہ پُرخلوص مشورے اور بہتر معاملات کی طرف رہنمائی کے ذریعے بھی ان کی معاونت ہو سکتی ہے۔ اُمرا کے ساتھ نرمی اور احترام کا معاملہ کیا جائے۔ اگر کوئی رشتہ دار گھر میں ملنے کے لیے آ جائے تو اس کا اچھی طرح استقبال کیا جائے۔ جس حد تک ممکن ہو، ان کی خدمت کر کے خوشی محسوس کی جائے۔ خوشی اور غمی کے مواقع پر ان کے ساتھ شامل ہوا جائے، اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اپنی خوشی غمی کی محفلوں کو فرسودہ روایات سے پاک

کردیں۔ تصنع اور نمود و نمائش کی بجائے سادگی سے کام لیا جائے تاکہ ایک دوسرے کے پروگراموں میں شمولیت اختیار کرتے ہوئے کوئی بوجھ محسوس نہ ہو۔

قطع رحمی کے گناہ ہونے کا بیان

جس طرح صلہ رحمی میں بڑا ثواب ہے۔ اسی طرح قطع رحمی میں بھی بڑا گناہ ہے۔ قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا:

"لا یدخل الجنة قاطع رحم" (بخاری)

"قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔"

جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ سلم کے پاس آکر ذکر کیا؛ اے اللہ کے رسول! میرے کچھ رشتہ دار ہیں، میں ان سے جڑتا ہوں اور وہ مجھ سے کٹتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا ہوں۔ مگر وہ میرے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں اور وہ میرے ساتھ نادانی کرتے ہیں جبکہ میں ان کے ساتھ بردباری سے پیش آتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ: بات اگر ایسی ہے جو تم کہہ رہے ہو تو گویا تم ان کے منہ میں راکھ ہی ڈالتے ہو۔ اور جب تک تم اسی برتاؤ پر قائم رہو گے تو ان کے خلاف اللہ کی طرف سے تمہارے لیے معاون ہوگا۔

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: گویا تم ان کو گرم راکھ کھلاتے ہو، قاطع رحم کو جو سزا اور تکلیف ملے گی گویا اس کی تشبیہ ہے گرم راکھ پھانکنے والے کو ہونے والی تکلیف و درد سے۔ اسی طرح قطع رحمی لعنت اور عقاب و سزا کا سبب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۲۲ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَى أَبْصَارَهُمْ﴾ (محمد: 22 23)

"اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کر دو اور رشتے ناتے توڑ ڈالو۔ یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جن کی سماعت اور آنکھوں کی روشنی اللہ نے چھین لی ہے۔"

اور فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ﴾ (الرعد: 25)

"اور جو اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جن چیزوں کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے انہیں توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، ان کے لیے لعنتیں ہیں اور ان کے لیے برا گھر ہے۔"

واضح ہو کہ سب سے بڑی قطع رحمی والدین سے متعلق قطع رحمی ہے، پھر اس کے بعد رشتہ داروں الاقرب فالاقرب۔ اور اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ألا أنبئكم بأكبر الكبائر ثلاث مرات قلنا: بلى يا رسول الله! قال: الاشراک بالله وعقوق الوالدين"

"تین بار آپ نے فرمایا: کیا میں تم لوگوں کو اکبر الکبائر (کبیرہ گناہوں) کے بارے میں نہیں بتاؤں؟ ہم صحابہ نے عرض کیا، ہاں کیوں نہیں؟ اے اللہ کے رسول! فرمایا: "اللہ کی ذات میں دوسرے کو شریک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔"

یہ کتنا بڑا جرم ہے کہ اس کا گناہ اس قدر سخت ہے کہ اشراک باللہ کے بعد ہی وہ مذکور ہے۔

اسی طرح آخرت سے قبل دنیا میں بھی اس کی جلد سزا ملتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: قطع رحمی اور ظلم سے بڑھ کر کوئی بھی گناہ ایسا نہیں کہ اللہ اس کے مرتکب کو دنیا ہی میں جلد سزا دے۔ باوجودیکہ آخرت میں بھی وہ اس کے لیے تیار رہے۔

رشتہ داروں کے فرق مراتب کا بیان

برادران اسلام! رشتہ داروں کے کئی درجے ہیں:

پہلا درجہ: استقامت اور دین وتقویٰ والوں کے ساتھ صلہ رحمی کا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ صلہ رحمی الاقرب فالاقرب کے طریقے کے مطابق کی جائے، خواہ وہ عام رشتہ دار ہوں یا خاص۔

دوسرا درجہ: فاسق اور فاجر لوگوں کے ساتھ صلہ رحمی کا ہے۔

ان کی دو قسمیں ہیں:

علانیہ طور پہ اپنی بدعت اور فسق وفجور کا ارتکاب کرنے اور اس کی دعوت دینے والوں سے پورے طور پہ قطع تعلق کیا جائے گا۔ اور یہ اللہ عزوجل سے قربت کے لیے ہوگا۔ نیز اس سلسلے میں کوئی ڈھیل نہیں ہوگی۔ ہاں اگر ان کے ساتھ مدارات کسی برائی کو دور کرنے یا کوئی اور دینی فائدہ حاصل کرنے کے لیے ہو تو ٹھیک ہے اور حسب ضرورت ایسا کرنا مستحب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (إِلَّآ أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً) (آل عمران:28)

"الا یہ کہ تم ان سے کوئی بچاؤ چاہو۔"

اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا کہ اسے اجازت دے دو: (بئس أخو العشيرة) "یہ قبیلے کا برا آدمی ہے۔" لیکن جب وہ اندر آ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نرمی سے گفتگو کی۔ میں نے کہا: اللہ کے رسول! آپ اس کے بارے میں ایسی ایسی باتیں کہہ چکے ہیں پھر بھی آپ نے اس سے نرم گفتگو کی۔ تو آپ نے فرمایا کہ: سب سے برا شخص وہ ہے جس سے لوگوں نے اس کی فحش کلامی سے بچنے کے لیے علیحدگی اختیار کر لی ہو یا اسے چھوڑ دیا ہو۔ (بخاری:6054)

اور جو اپنی بدعت اور فسق وفجور کو چھپانے والا ہوگا اس کے ساتھ مستور الحال مسلمان کی طرح برتاؤ ہوگا، الا یہ کہ کسی کی حقیقت

معلوم ہو جائے۔ یہاں تک کہ اگر ان کے ساتھ حسن معاملہ وسلوک کرنے میں کسی برائی کا خاتمہ یا کوئی فائدہ حاصل کرنا مقصود ہے تو اس کے ساتھ معاملہ ہوگا۔

تیسرا درجہ: کفار اور منافقین کا ہے:

ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔

محارب جو مسلمانوں سے برسرپیکار رہتا ہے، ایسے شخص سے قطع تعلقی کی جائے گی۔ الا یہ کہ مدارات اور اس کے شر سے بچنا مقصود ہو۔

غیر محارب، اس کے ساتھ صلہ رحمی اور حسن معاملہ کا برتاؤ کیا جائے گا۔

غیر محارب کافر وفاجر رشتہ داروں کے صلہ رحمی کے طریقے یہ ہیں:

ان کے لیے وعظ ونصیحت میں محنت کرنا، ان کو اسلام کی دعوت دینا اور مختلف طریقوں سے ان کو اسلام کی طرف بلانا۔

ان کے حق میں غائبانہ ہدایت کی دعاء کرنا، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دعا فرمایا کرتے تھے۔"

اللهم اهد قومي فإنهم لا يعلمون"

"اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کیوں کہ وہ نادان ہے۔" "اللهم اهد دوسا" "اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت دے۔"

ان کے ساتھ بھلائی صلہ رحمی کرنا، اور ان سے ربط وتعلق پیدا کرنا۔ بشرطیکہ وہ محارب اور دشمنی کرنے والے نہ ہوں۔

مسلمانو! اللہ سے ڈرو۔ اور ملاقات، ھدیے اور تحفے تحائف کے ذریعہ اپنے رشتہ داروں سے جڑو، نرمی خوش روئی، عزت واکرام اور احترام کے ساتھ ان سے ملو اور ہر اس طریقہ سے رشتہ داروں کے ساتھ جڑو جو لوگوں میں متعارف ہے۔ دنیا اور آخرت میں کامیاب رہو گے۔ اور قطع تعلق سے بچو، کیوں کہ یہ دنیا وآخرت میں مصیبت اور نقصان کا سبب ہے۔

بَابٌ فِي الشُّحِّ

باب: کنجوسی کا بیان

1698 - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: خَطَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ: إِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالشُّحِّ، أَمَرَهُمْ بِالْبُخْلِ فَبَخِلُوا، وَأَمَرَهُمْ بِالْقَطِيعَةِ فَقَطَعُوا، وَأَمَرَهُمْ بِالْفُجُورِ فَفَجَرُوا

✿✿ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''حرص سے بچو کیونکہ تم سے پہلے کے لوگ حرص کی وجہ سے ہلاکت کا شکار ہوئے۔ اس حرص نے انہیں کنجوسی

کرنے کی ترغیب دی۔ انہوں نے کنجوسی کی۔ اس حرص نے انہیں رشتے داری کے حقوق کو پامال کرنے کی ترغیب دی تو انہوں نے رشتے داری کے حقوق کو پامال کیا۔ اس حرص نے انہیں گناہ کرنے کی ہدایت دی تو وہ گناہ کرنے لگے''۔

حرص کے معنی ومفہوم کا بیان

حرص کے معنی ہیں لالچ کرنا یا آرزو وارادے کو دراز و وسیع کرنا "حرص" کا تعلق نیک آرزوؤں اور اچھے ارادوں سے بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ آیت (ان تحرص علیٰ ھداھم) اور لفظ حرص کا اطلاق نفسانی خواہشات کے زیادتی اور دنیاوی چیزوں کے لالچ پر بھی ہوتا ہے جو ایک بری چیز ہے، چنانچہ قاموس میں لکھا ہے کہ بدترین حرص یہ ہے کہ تم اپنا حصہ بھی حاصل کرلو اور غیر کے حصے کی بھی طمع رکھو۔ حاصل یہ کہ نیک امور جیسے حصول علم، اللہ کے دین کی سربلندی اور اچھے اعمال، اس میں حریص ہونا یعنی آرزوؤں اور ارادوں کو دراز و وسیع کرنا، متفقہ طور پر علماء کے نزدیک بہت اچھی بات ہے، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ طوبی لمن طال عمرہ وحسن عملہ۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر کے آخر میں اس آرزو اور ارادہ کا اظہار فرمایا تھا کہ اگر میں اگلے سال تک جیتا رہا تو (محرم کی) نویں تاریخ کو بھی روزہ ضرور رکھوں گا اس کے برخلاف جس آرزو و ارادے کی درازی کا تعلق دنیاوی خواہشات نفس جیسے مال و دولت جمع کرنے اور جاہ ومنصب کی طلب سے ہو تو وہ بہت بری بات ہے۔ جہاں تک عنوان کے پہلے لفظ امل" کا تعلق ہے تو اس سے مراد دنیاوی امور (یعنی خوش حال زندگی اور محض دنیاوی بہبودی وترقی وغیرہ) کی امیدوں، تمناؤں اور خیالی منصوبوں کی درازی و وسعت میں اس حد تک مبتلا ہو جاتا ہے کہ موت کے لئے مستعد رہنے اور توشہ آخرت تیار کرنے سے غافل ہو جائے۔ اور یہ شان صرف انہی لوگوں کی ہوسکتی ہے جو دین وآخرت سے غافل، اللہ فراموش اور دنیاوی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھنے والے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ آیت (ذرھم یأکلوا ویتمتعوا ویلھھم الامل)، یعنی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کافروں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے کہ (وہ خوب) کھالیں اور چین اڑالیں اور خیالی منصوبے (یعنی دنیا بھر کی آرزوئیں اور تمنائیں) ان کو غفلت میں ڈالے رکھیں۔

بڑھاپے کی حرص کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" انسان (خود تو بوڑھا ہو جاتا ہے مگر اس میں دو چیزیں جوان اور قوی ہو جاتی ہیں، ایک تو مال جمع کرنے کی حرص اور اس کو خرچ نہ کرنے کی عادت اور دوسرے درازی عمر کی آرزو۔

(بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1195)

یہ حقیقت ہے کہ انسان خواہ کتنا ہی بوڑھا ہو جائے، اس کے مزاج واطوار اور اس کی جبلت پر مذکورہ بالا دونوں خصلتوں کی گرفت ڈھیلی نہیں ہوتی بلکہ عمر کے ساتھ ساتھ ان دونوں چیزوں کا زور بھی بڑھتا رہتا ہے اور بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا نفس اگر علم وعمل اور ریاضت ومجاہدہ کے ذریعہ محفوظ و پاکیزہ نہ ہو جائے تو وہ اپنی خواہشات اور اپنے جذبات کی گرفت میں رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ خواہشات وجذبات کی تکمیل، مال اور عمر کے بغیر نہیں ہوسکتی، دوسرے یہ کہ انسان جب بڑھاپے کی منزل میں پہنچ جاتا

ہے تو اس میں ان نفسانی خواہشات وجذبات کا وجود تو جوں کا توں قائم رہتا ہے لیکن وہ قوت عقلیہ کو (قوت شہوانیہ) کے محرکات کو دفع نہیں کر سکتی! اسی اعتبار سے ان دونوں چیزوں کو "جوان اور قوی" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

کنجوسی اور حرص کی مذمت کا بیان

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس امت کی پہلی نیکی، یقین کرنا اور زہد اختیار کرنا ہے اور اس امت کا پہلا فساد، بخل اور دنیا میں باقی رہنے کی آرزو کو دراز کرنا ہے۔

(بیہقی، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1206)

"یقین" سے مراد ہے اس بات پر کامل اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ رازق ہے اور رزق پہنچانے کا متکفل وضامن ہے، جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے آیت: (وما من دابة فی الارض الا علی الله رزقها) یعنی روئے زمین پر ایسا کوئی چلنے والا جاندار نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو۔ "زہد اختیار کرنے" کا مطلب دنیا کی محبت میں گرفتار ہونے سے بچنا اور دنیا کی نعمتوں و لذتوں سے بے اعتنائی ولا پرواہی برتنا ہے۔ حاصل یہ کہ دین وآخرت کی بھلائی وکامیابی کا مدار تقویٰ پر ہے جو زہد ویقین سے حاصل ہوتا ہے اور دین وآخرت کی خرابی کی جڑ، طمع ولالچ ہے جو بخل اور درازی عمر کی آرزو سے پیدا ہوتا ہے۔

چنانچہ جب حق تعالیٰ کی رزاقیت پر کام اعتقاد ویقین ہوتا ہے تو بخل کا مادہ فساد نہیں پھیلاتا کیونکہ بخل کا سبب وہ بے یقینی ہوتی ہے جو رزق پہنچنے کے تئیں انسان اپنے اوپر طاری کر لیتا ہے یعنی اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ میرے پاس جو مال وزر ہے اگر میں نے اس کو انفاق وایثار کی صورت میں خرچ کر دیا تو پھر کل کہاں سے کھاؤں گا۔ اسی طرح جب زہد کی راہ اختیار کی جاتی ہے تو دنیا میں باقی رہنے کی تمنا اور آرزوؤں کی درازی ختم ہو جاتی ہے اس لئے یہ فرمایا گیا ہے کہ اس امت کا پہلا فساد بخل اور آرزو ہے۔ کیونکہ یہ دونوں خصلتیں رزاقیت حق پر یقین اور زہد کی ضد ہیں۔

یقین" کی تعریف: اس موقع پر یہ بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ "یقین" کا اصل مفہوم کیا ہے؟ چنانچہ حضرت شیخ عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "حبل المتین فی تحصیل الیقین" میں لکھا ہے کہ "اعتقاد کا جزم کی حد تک پہنچ جانا اور دلیل وبرہان کے ذریعہ اتنا مضبوط ومستند ہو جانا کہ حق کو ثابت کر دے" حکماء ومتکلمین کی اصطلاح میں "یقین" کہلاتا ہے، لیکن صوفیہ کی اصطلاح میں اس مفہوم پر "یقین" کا اطلاق اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ تصدیق دل پر اس حد تک غالب نہ ہو جائے کہ دل پر اس کے تصرف وحکمرانی کا سکہ چلنے لگے۔ یا اس دل کو صرف انہی چیزوں کی طرف مائل کرنے لگے جو شریعت کے مطابق ہوں اور ان چیزوں سے باز رہے جو شرعی احکام کے خلاف ہوں۔ مثلاً موت کا اعتقاد ہر شخص رکھتا ہے اور وہ اعتقاد نہ صرف جزم کی حد تک ہوتا ہے بلکہ دلیل وبرہان کے ذریعہ اتنا مضبوط ومستند ہوتا ہے کہ وہ موت کو ایک اٹل حقیقت بھی ثابت کرتا ہے تو حکماء متکلمین کے نزدیک اس اعتقاد پر یقین کا اطلاق کیا جا سکتا ہے لیکن صوفیاء کے نزدیک وہ اعتقاد حقیقی معنی میں "یقین" نہیں کہلا سکتا اور اس اعتقاد کا حامل "صاحب یقین" شمار نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اس کے دل پر موت کی یاد غالب نہ ہو اور موت کا احساس اس حد تک اس پر متصرف وحکمران نہ ہو کہ وہ طاعات کی مشغولیت اور گناہ کے ترک کے ذریعہ ہر وقت موت کے لئے تیار رہے۔ واضح رہے کہ

چار امور ایسے ہیں جو یقین کا محل ہیں۔ یوں تو وہ تمام چیزیں یقین کی متقاضی ہیں جن کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے لیکن ان تمام چیزوں کی اصل اور بنیاد ہونے کی حیثیت سے وہ چار امور اس درجہ کے ہیں کہ ان پر ہر سالک کو یقین رکھنا بنیادی طور پر ضروری ہے۔ ایک تو توحید، یعنی یہ پختہ اعتقاد رکھنا کہ جو کچھ بھی واقع ہوتا ہے حق تعالیٰ ہی کی قدرت سے واقع ہوتا ہے دوسرے توکل، یعنی اس بات پر کامل یقین رکھنا کہ اللہ تعالیٰ رزق پہنچانے کے متکفل وضامن ہے، تیسرے جزاء سزا کا اعتقاد، یعنی یہ یقین رکھنا کہ ہر عمل کی جزاوسزا مقرر ہے تمام اعمال پر ثواب عذاب کا مرتب ہونا لازمی امر ہے اور چوتھے یہ یقین رکھنا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام احوال کیفیات اور تمام حرکات وسکنات سے پوری طرح باخبر اور مطلع ہے پس توحید کے تئیں یقین کا فائدہ یہ ہوگا کہ مخلوقات کی طرف رغبت والتفات نہیں رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق پہنچنے کے تئیں یقین رکھنے کا فائدہ ہوگا کہ یا تو حصول رزق کی طلب وکوشش میں میانہ روی اختیار کرے گا، یا اگر افلاس وناداری کی صورت میں غذائی ضروریات پوری نہ ہوں گی تو کسی تاسف اور بددلی میں مبتلا نہیں ہوگا، اعمال کے جزاوسزا کے تئیں یقین رکھنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ طاعات وعبادات کی مشغولیت اور اللہ کی رضاو خوشنودی کے حصول میں زیادہ سے زیادہ سعی وکوشش کرے گا اور گناہ ومعصیت کی زندگی سے اجتناب کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے علیم وخبیر ہونے کے تئیں یقین رکھنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اپنے ظاہر وباطن کی اصلاح کی طرح زیادہ سے زیادہ متوجہ رہے گا۔ یہ حضرت شیخ عبدالوہاب کے کلام کا خلاصہ تھا۔ اب آخر میں یہ بتادینا ضروری ہے کہ مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق اللہ تعالیٰ کی رزاقیت، رزق پہنچنے اور اللہ تعالیٰ نے رزق دینے کا جو وعدہ کیا ہے اس پر کامل توکل اعتماد رکھنا، تمام روحانی وباطنی اعلیٰ مراتب میں سے ایک بہت بڑا مرتبہ ہے نیز سالک راہ حق کو یہ مرتبہ اختیار کئے بغیر کوئی چارہ نہیں اور تمام عبادات وطاعات میں قلبی فروغ واطمینان کا انحصار اس مرتبہ پر ہے۔

امام زمانہ، قطب وقت، حضرت الشیخ ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ نے بڑی عارفانہ بات کہی ہے کہ دو ہی چیزیں ایسی ہیں جو عام طور پر بندہ اور اللہ کے درمیان پردہ کی طرح حائل ہوجاتی ہیں یعنی ان دونوں چیزوں کی وجہ سے بندہ معرفت حق حاصل کرنے سے محروم رہتا ہے ایک تو رزق کا فکر اور دوسرے مخلوق کا خوف اور ان دونوں میں سے بھی زیادہ سخت پردہ رزق کا فکر ہے۔ امام اصمعی رحمہ اللہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دیہاتی کے سامنے سورت والذاریات کی تلاوت شروع کی اور جب اس آیت پر پہنچا آیت (وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ) (51۔ الذاریات:22) تو اس دیہاتی نے (جو بڑے غور کے ساتھ میری تلاوت سن رہا تھا) ایک دم کہا کہ بس کیجئے۔ اور پھر وہ اپنی اونٹنی کی طرف متوجہ ہوا، اس نے اس اونٹنی کو نحر کیا اور اس کا گوشت کاٹ بنا کر ان تمام لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا جو اس کے آس پاس موجود تھے، اس کے بعد اس نے اپنی تلوار اور کمان اٹھائی اور ان کو بھی توڑ کر پھینک دیا اور پھر بغیر کچھ کہے سنے وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔

کافی عرصہ کے بعد میں ایک دن بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا کہ اچانک اس دیہاتی سے ملاقات ہوگئی جو خود بھی طواف کر رہا تھا میں اس کو دیکھ کر حیران رہ گیا، اس کا بدن بالکل سوکھ گیا تھا اور رنگ زرد ہوگیا تھا، اس نے مجھ کو دیکھ کر سلام کیا اور کہنے لگا کہ وہی سورت پھر پڑھیے جو آپ نے اس دن پڑھی تھی چنانچہ میں نے وہ سورت پڑھنی شروع کی اور جب اسی آیت یعنی (وَفِي السَّمَاءِ

رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ)(51۔الذاریات:22) پر پہنچا تو اس نے ایک چیخ ماری اور کہا آیت (قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا)(7۔الاعراف:44)،اس کے بعد اس نے کہا کہ کچھ اور؟ (یعنی اب آگے کی آیت پڑھیے) میں نے آگے کی آیت پڑھی (فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ)(51۔الذاریات:23)اس نے آیت سن کر پھر ایک چیخ ماری اور کہنے لگا، یا اللہ پاک ہے تیری ذات، وہ کون بدبخت ہے جس نے اللہ کو اتنا غصہ دلایا کہ اس کو قسم کھانی پڑی؟ اس شخص کی بدبختی کا کیا ٹھکانا ہے کہ پروردگار نے جو کچھ فرمایا اور جو وعدہ کیا اس پر اس نے یقین نہیں کیا یہاں تک کہ پروردگار کو قسم کھا کر اس بات کا یقین دلانا پڑا؟ اس دیہاتی نے تین مرتبہ یہی جملے ادا کئے اور اس کے ساتھ ہی اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

دنیا وآخرت میں کنجوسی کا نقصان

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے متعلق احادیث میں بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں ہم مختصراً چند حدیثیں نقل کرتے ہیں، پہلی حدیث: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ہر صبح دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں ایک کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما (اس پر دوسرا فرشتہ آمین کہتا ہے) اور دوسرا کہتا ہے، اے اللہ! خرچ نہ کرنے والے کا مال تلف فرما'' (پہلا فرشتہ اس پر آمین کہتا ہے، پھر دونوں فرشتے آسمان پر چڑھ جاتے ہیں) (مشکوٰۃ ۱۸۶۰)

معلوم ہوا کہ جو راہِ خدا میں خرچ کرتا ہے اس کو دنیا میں بھی اس کا عوض ملتا ہے اور جو جمع رکھتا ہے اس کا مال دیر سویر تلف ہو جاتا ہے، دوسری حدیث میں ہے کہ: ''جو شخص بھی سونا یا چاندی (یا نقد) رکھتا ہے، اگر وہ اس کا حق (زکوٰۃ) ادا نہیں کرتا تو جب قیامت کا دن آئے گا اس کے لیے اس سونے چاندی سے آگ کی تختیاں بنائی جائیں گی پھر ان سے اس کے پہلو، پیشانی اور پیٹھ کو داغا جائے گا جب بھی وہ ٹھنڈی پڑیں گی دوبارہ تپائی جائیں گی، یہی عذاب اس کو قیامت کے پورے دن میں ہوتا رہے گا جو پچاس ہزار سال کے برابر ہے، یہاں تک کہ بندوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا پھر وہ جنت کی طرف یا جہنم کی طرف جائے گا۔

(مشکوٰۃ حدیث ۱۷۷۳)

اور اس سزا کا تذکرہ سورہ توبہ آیت ۳۴،و۳۵ میں بھی آیا ہے، تیسری حدیث: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی حدیث میں سونے چاندی کی زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا وبال بیان فرمایا تو دریافت کیا گیا کہ اگر کسی کے پاس اونٹ، گائیں، بھینسیں اور بھیڑ بکریاں ہوں اور ان کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو تو کیا سزا ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سزا بھی ویسی ہی بیان فرمائی جیسی سونے چاندی کی بیان فرمائی تھی، مثلاً مویشی کے مالک کو ہموار میدان میں منہ کے بل لٹایا جائے گا اور اونٹ حاضر کئے جائیں گے جو گنتی میں پورے ہوں گے، موٹاپے میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی اور ان میں سے بچہ تک غائب نہ ہوگا، وہ اپنے مالک پر چلیں گے اور اس کو کاٹیں گے، اسی طرح بھیڑ بکری، بھینس وغیرہ کو سمجھ لیا جائے۔ چوتھی حدیث: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: انتہائی درجہ کی بخیلی سے بچو، غایت حرص ہی نے تم سے پہلے والوں کو تباہ کیا ہے، اس نے ان کو ابھارا اور انہوں نے اپنوں ہی کا خون بہایا اور ناجائز چیزوں کو حلال کر لیا۔ (مشکوٰۃ حدیث ۱۸۶۵)

پانچویں حدیث: ارشاد فرمایا: خیرات خطا کو بجھاتی ہے جس طرح پانی آگ کو بجھاتا ہے، یعنی دنیا وآخرت میں وہ خطا کے ضرر

سے محفوظ رہتا ہے۔ (مشکوۃ حدیث معاذ نمبر ۲۹)

چھٹی حدیث: ارشاد فرمایا: جو شخص حلال کمائی سے کھجور کے بقدر بھی خیرات کرے اور اللہ تعالیٰ حلال ہی کو قبول فرماتے ہیں تو اللہ اس خیرات کو اپنے دائیں ہاتھ سے قبول فرماتے ہیں، اور اللہ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، پھر اس کو خیرات کرنے والے کے لیے پالتے ہیں، جس طرح لوگ بچھڑے کو پالتے ہیں حتیٰ کہ وہ صدقہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ (مشکوۃ حدیث ۱۸۸۸)

ساتویں حدیث: ارشاد ہے: سخی اللہ سے نزدیک، جنت سے نزدیک، لوگوں سے نزدیک، جہنم سے دور ہے، اور بخیل اللہ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور، جہنم سے نزدیک ہے، اور جاہل سخی یقیناً اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارا ہے عابد بخیل سے۔ (مشکوۃ حدیث ۱۸۶۹)

آٹھویں حدیث: ارشاد فرمایا: مکار، بخیل اور احسان جتلانے والے جنت میں نہیں جائیں گے۔ (مشکوۃ حدیث ۱۸۷۳)

نویں حدیث: ارشاد فرمایا: خود غرضی اور ایمان کسی بندے کے دل میں کبھی اکٹھا نہیں ہوتے۔ (نسائی ۶/۱۳) کیونکہ یہ دونوں متضاد کیفیات ہیں اور ضدین کا اجتماع ناممکن ہے۔

دسویں حدیث: ارشاد فرمایا: خیرات پروردگار کے غصہ کو ٹھنڈا کرتی ہے اور بری موت کو ہٹاتی ہے، یعنی دنیا میں اللہ تعالیٰ عافیت سے رکھتے ہیں اور خاتمہ بالخیر ہوتا ہے۔ (مشکوۃ حدیث ۱۹۰۸) تلک عشرۃ کاملۃ

سانپ اور تختیوں کی سزا میں فرق

حجۃ اللہ البالغہ میں ان دونوں سزاؤں کی وجہ بیان کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: قرآن کریم اور مذکورہ روایات میں اموال یعنی سونا چاندی کی زکوۃ ادا نہ کرنے کی دو سزائیں بیان کی گئی ہیں، ایک مال کا سانپ بن کر گلے کا ہار بننا، دوسری: اس مال کی تختیاں بنا کر اس سے مالدار کے خاص اعضا کو داغنا، یہ مختلف سزائیں، دو الگ الگ صورتوں میں دی جائیں گی، سانپ کا ہار اس صورت میں پہنایا جائے گا جب کہ آدمی پر اجمالی طور پر مال کی محبت غالب آئی ہوگی یعنی وہ زندگی بھر مال کی دہائی دیتا رہا ہوگا، اس صورت میں مال کی وہ محبت شیء واحد (سانپ) کی صورت میں ہوگی، اور مال کی محبت جس نے اس کے نفس کو گھیر رکھا تھا ہار پہنانے کی صورت میں نمودار ہوگی اور آخرت میں نفس کا ان اموال سے اذیت پانا نہایت زہریلے سانپ کے ڈسنے کی صورت میں جلوہ گر ہوگا۔ اور تختیوں کی سزا اس صورت میں دی جائے گی جب کہ متعین دراہم و دنانیر کی محبت اس پر غالب آئی ہوگی، مال کو جمع کر کے رکھا ہوگا، بار بار اس کو دیکھتا ہوگا، روپیوں کی گڈیاں گنتا ہوگا اور خوش ہوتا ہوگا، اور ہمہ وقت دل و دماغ مال کی صورتوں سے بھرے رہتے ہوں گے، اس صورت میں وہ مال تختیوں کی صورت میں کامل و مکمل اور تکلیف دہ ہو کر نمودار ہوگا یعنی اس کی دولت کا ایک پیسہ بھی غائب نہ ہوگا اور اس کی گرم دہکتی تختیاں بنا کر اس کے اعضا کو داغا جائے گا۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ ۴/۳۸) (پناہ بخدا)

زکوۃ معینہ مقدار میں ادا کی جائے گی

یہ بھی جان لینا چاہیے کہ مالداروں کے مال میں اللہ تعالیٰ نے غریبوں محتاجوں اور سائلین کے لیے ایک معین حق رکھا ہے جو

مالدار کے ذمہ دینا ضروری ہے، اور یہ اس کے مال میں فقراء ومساکین کا حق ہے مالدار کا کوئی احسان نہیں ہے کہ وہ ان کو دے رہا ہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ ان کی صوابدید کے اوپر چھوڑ دیا گیا ہے کہ جتنا سمجھ میں آئے دیدیا جائے اور جب جس کا جی چاہے اس میں کمی بیشی کر دے، اللہ تعالیٰ نے اس معین حق کی مقدار بھی بتلانے کا کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا اور آپ نے اس کا اس قدر اہتمام فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صرف زبانی بتلادینے پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ اس کے متعلق مفصل فرمان لکھوا کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور عمرو بن حزم کو سپرد فرمائے، جس سے واضح طور پر ثابت ہوگیا کہ زکوٰۃ کے نصاب اور اور ہر نصاب میں سے مقدار زکوٰۃ ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے واسطہ سے متعین کر کے بتلادیے ہیں اس میں کسی زمانہ اور کسی ملک میں کسی کو کمی بیشی یا تغیر وتبدل کا کوئی حق نہیں ہے، اس لیے جان لینا چاہیے کہ جو صاحب نصاب ہے وہ مال کی پوری زکوٰۃ حساب لگا کر ادا کرے اور اس میں کسی طرح کی کوئی کمی بیشی نہ کرے ورنہ تو دنیا وآخرت کے عذاب کے لیے تیار رہے، اور ایک مومن کبھی بھی گوارہ نہیں کر سکتا کہ وہ اللہ کے عذاب سے مقابلہ کرنے کی سوچے اور ایسے کام کرے جس سے اس کے اوپر اللہ کا عذاب نازل ہو، اللہ ہم سب کو عمل کی توفیق بخشے۔ آمین

سیاہ رات اور کٹی ہوئی کھیتی

حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ یہاں ان کافروں کی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو جھٹلا رہے تھے مثال بیان ہو رہی ہے کہ جس طرح یہ باغ والے تھے کہ اللہ کی نعمت کی ناشکری کی اور اللہ کے عذابوں میں اپنے آپ کو ڈل دیا، یہی حالت ان کافروں کی ہے کہ اللہ کی نعمت یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبر کی ناشکری یعنی انکار نے انہیں بھی اللہ کی ناراضگی کا مستحق کر دیا ہے، تو فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں بھی آزمالیا جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا جس باغ میں طرح طرح کے پھل میوے وغیرہ تھے، ان لوگوں نے آپس میں قسمیں کھائیں کہ صبح سے پہلے ہی پہلے رات کے وقت پھل اتارلیں گے تا کہ فقیروں مسکینوں اور سائلوں کو پتہ نہ چلے جو وہ آ کھڑے ہوں اور ہمیں ان کو بھی دینا پڑے بلکہ کل پھل اور میوے خود ہی لے آئیں گے، اپنی اس تدبیر کی کامیابی پر انہیں غرور تھا اور اس خوشی میں پھولے ہوئے تھے یہاں تک کہ اللہ کو بھی بھول گئے انشاء اللہ تک کسی کی زبان سے نہ نکلا اس لئے ان کی یہ قسم پوری نہ ہوئی، رات ہی رات میں ان کے پہنچنے سے پہلے آسمانی آفت نے سارے باغ کو جلا کر خاکستر کر دیا ایسا ہوگیا جیسے سیاہ رات اور کٹی ہوئی کھیتی، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگو گناہوں سے بچو گناہوں کی شامت کی وجہ سے انسان اس روزی سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے جو اس کے لئے تیار کر دی گئی ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو آیتوں کی تلاوت کی کہ یہ لوگ بہ سبب اپنے گناہ کے اپنے باغ کے پھل اور اس کی پیداوار سے بے نصیب ہو گئے۔ (ابن ابی حاتم)

صبح کے وقت یہ آپس میں ایک دوسرے کو آوازیں دینے لگے کہ اگر پھل اتارنے کا ارادہ ہے تو اب دیر نہ لگاؤ سویرے ہی چل پڑو، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ باغ انگور کا تھا، اب یہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چلے تا کہ کوئی سن نہ لے اور غریب غرباء کو پتہ نہ لگ جائے، چونکہ ان کی سرگوشیاں اس اللہ سے تو پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں جو دلی ارادوں سے بھی پوری طرح واقف رہتا ہے وہ بیان فرماتا ہے کہ ان کی وہ خفیہ باتیں یہ تھیں کہ دیکھو ہوشیار رہو کوئی مسکین بھنک پا کر کہیں آج آنہ جائے

ہرگز کسی فقیر کو باغ میں گھسنے ہی نہ دینا اب قوت وشدت کے ساتھ پختہ ارادے اور غریبوں پر غصے کے ساتھ اپنے باغ کو چلے، سدی فرماتے ہیں حردان کی بستی کا نام تھا لیکن یہ کچھ زیادہ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ یہ جانتے تھے کہ اب ہم پھلوں پر قابض ہیں ابھی اتار کر سب لے آئیں گے، لیکن جب وہاں پہنچے تو ہکا بکا رہ گئے۔ کہ لہلہاتا ہوا ہرا بھرا باغ میوؤں سے لدے ہوئے درخت اور پکے ہوئے پھل سب غارت اور برباد ہو چکے ہیں سارے باغ میں آندھی پھر گئی ہے اور کل باغ میوؤں سمیت جل کر کوئلہ ہو گیا ہے، کوئی پھل نصف دام کا بھی نہیں رہا، ساری تر و تازگی پژمردگی سے بدل گئی ہے، باغ سارا کا سارا جل کر راکھ ہو گیا ہے درختوں کے کالے کالے ڈراؤنے ٹنڈ کھڑے ہوئے ہیں، پہلے تو سمجھے کہ ہم راہ بھول گئے کسی اور باغ میں چلے آئے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارا طریقہ کار غلط تھا جس کا یہ نتیجہ ہے پھر بغور دیکھنے سے جب یقین ہو گیا کہ باغ تو یہ ہمارا ہی ہے تب سمجھ گئے اور کہنے لگے ہے تو یہی لیکن ہم بد قسمت ہیں، ہمارے نصیب میں ہی اس کا پھل اور فائدہ نہیں، ان سب میں جو عدل و انصاف والا اور بھلائی اور بہتری والا تھا وہ بول پڑا کہ دیکھو میں تو پہلے ہی تم سے کہتا تھا کہ تم انشاء اللہ کیوں نہیں کہتے۔

سدی فرماتے ہیں ان کے زمانہ میں سبحان اللہ کہنا بھی انشاء اللہ کہنے کے قائم مقام تھا، امام ابن جریر فرماتے ہیں اس کے معنی ہی انشاء اللہ کہنے کے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے بہتر شخص نے ان سے کہا کہ دیکھو میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم کیوں اللہ کی پاکیزگی اور اس کی حمد و ثنا نہیں کرتے؟ یہ سن کر اب وہ کہنے لگ ہمارا رب پاک ہے بیشک ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اب اطاعت بجالائے جبکہ عذاب پہنچ چکا اب اپنی تقصیر کو مانا جب سزا دے دی گئی، اب تو ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ ہم نے بہت ہی برا کیا کہ مسکینوں کا حق مارنا چاہا اور اللہ کی فرمانبرداری سے رک گئے، پھر سب نے کہا کہ کوئی شک نہیں ہماری سرکشی حد سے بڑھ گئی اسی وجہ سے اللہ کا عذاب آیا، پھر کہتے ہیں شاید ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے یعنی دنیا میں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آخرت کے خیال سے انہوں نے یہ کہا ہو واللہ اعلم، بعض سلف کا قول ہے کہ یہ واقعہ اہل یمن کا ہے۔

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں یہ لوگ فروان کے رہنے والے تھے جو صنعاء سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے اور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اہل حبشہ تھے۔ مذہباً اہل کتاب تھے یہ باغ انہیں ان کے باپ کے ورثے میں ملا تھا اس کا یہ دستور تھا کہ باغ کی پیداوار میں سے باغ کا خرچ نکال کر اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے سال بھر کا خرچ رکھ کر باقی نفع اللہ کے نام صدقہ کر دیتا تھا اس کے انتقال کے بعد ان بچوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ ہمارا باپ تو بیوقوف تھا جو اتنی بڑی رقم ہر سال ادھر ادھر دے دیتا تھا ہم ان فقیروں کو اگر نہ دیں اور اپنا مال باقاعدہ سنبھالیں تو بہت جلد دولت مند بن جائیں یہ ارادہ انہوں نے پختہ کر لیا تو ان پر وہ عذاب آیا جس نے اصل مال بھی تباہ کر دیا اور بالکل خالی ہاتھ رہ گئے۔

پھر فرماتا ہے جو شخص بھی اللہ کے حکموں کے خلاف کرے اور اللہ کی نعمتوں میں بخل کرے اور مسکینوں محتاجوں کا حق ادا نہ کرے اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرے اس پر اسی طرح کے عذاب نازل ہوتے ہیں اور یہ تو دنیوی عذاب ہیں آخرت کے عذاب تو ابھی باقی ہیں جو سخت تر اور بدتر ہیں، بیہقی کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ نے رات کے وقت کھیتی کاٹنے اور باغ کے پھل اتارنے سے منع فرما دیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ قلم، ۱۷، بیروت)

باغ والوں کا ابتلا اور ان کا قصہ

مسئلہ نمبر ۱ انا بلونھم مراد اہل مکہ ہیں۔ ابتلاء سے مراد آزمانا ہے۔ اس کا معنی ہے ہم نے انہیں مال عطا کئے تا کہ وہ شکر بجا لائیں نہ کہ وہ تکبر کریں۔ جب انہوں نے تکبر کیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کی تو ہم نے بھوک اور قحط کے ساتھ آزمایا جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا جن کی خبر ان کے ہاں معروف و مشہور تھی۔ وہ باغ یمن کے علاقہ میں صنعاء سے چند فرسخ دور تھا۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: وہ دو فرسخ دور تھا وہ باغ ایک ایسے آدمی کا تھا جو اس میں سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کیا کرتا تھا جب وہ فوت ہو گیا تو باغ بیٹوں کی ملکیت میں آ گیا انہوں نے لوگوں کو اس کے مال سے روک دیا اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنے میں بخل سے کام لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس باغ کو ایسے طریقہ سے ہلاک کر دیا جس کو دور کرنا ان کے لئے ممکن نہ تھا۔ کلبی نے کہا، ان کے اور صنعاء کے درمیان دو فرسخ کا فاصلہ تھا اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمائش میں ڈالا کہ ان کے باغ کو جلا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ باغ ضوران میں تھا اور ضوران، صنعاء سے دو فرسخ کے مقام پر تھا۔ اس باغ والے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے سے تھوڑا عرصہ بعد ہوئے وہ سب بخیل تھے وہ مساکین سے بچنے کے لئے رات کے وقت کھجوروں سے پھل اتارتے تھے۔ انہوں نے فصل کاٹنے کا ارادہ کیا اور کہا: آج تم پر کوئی مسکین داخل نہ ہونے پائے وہ صبح صبح اس کی طرف گئے تو وہ باغ اپنی جڑوں سے اکھیڑا جا چکا تھا تو وہ رات کی طرح ہو چکا تھا۔ یہ سب کہا جاتا ہے کہ دن کو بھی صریم کہتے ہیں۔ اگر رات مراد لی جائے تو اس جگہ کے سیاہ ہونے کی وجہ سے اسے صریم کیا گیا گویا انہوں نے اس کی جگہ کو سیاہ کیچڑ کوئلہ پایا اگر صریم سے مراد دن ہو تو اس کے درختوں اور کھیتیوں کے ختم ہونے اور زمین کے اندر سے صاف ہونے کی وجہ سے اسے صریم کہا گیا۔ طائف سے مراد حضرت جبریل امین ہیں انہوں نے اس باغ کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: اس باغ کو بیت اللہ شریف کے گرد چکر لگایا اور پھر اسے وہاں رکھ دیا جہاں آج کل طائف شہر ہے۔ اسی وجہ سے اس شہر کو طائف کہتے ہیں۔ حجاز کے علاقہ میں کوئی ایسا شہر نہیں جہاں درخت، انگور اور پانی ہو۔ بکری نے معجم میں کہا: طائف کو یہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ صدف کا ایک آدمی جسے دمون کہا جاتا اس نے ایک دیوار بنائی اور کہا: میں نے تمہارے شہر کے اردگرد ایک طائف بنائی ہے اس وجہ سے اس شہر کا نام طائف پڑ گیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

کھیتی کاٹنے کا وقت اور اس وقت کیا کرنا چاہئے

مسئلہ نمبر ۲ بعض علماء نے کہا: جو آدمی اپنی کھیتی کاٹے یا پھل کاٹے تو جو آدمی وہاں حاضر ہو اس کے ساتھ غم گساری کرے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: واتوا حقه یوم حصادہ (الانعام: ۱۴۱) کا یہی مقصود ہے، یہ زکوۃ کے علاوہ ہے جس طرح سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے۔ بعض نے کہا: کاٹنے والوں نے جسے چھوڑ دیا ہے مالک پر لازم ہے کہ اسے چھوڑ دے کیونکہ بعض لوگ اس سے اپنی روزی تلاش کرتے ہیں۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ رات کے وقت فصل کاٹنے سے منع کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ اس طریقہ سے مساکین کے ساتھ نرمی کرنے کا حکم ہے وہ منقطع ہو جاتا ہے جس نے یہ کہا اس نے سورۃ ن والقلم کی اس آیت کی یہ تاویل کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رات کے وقت اس لئے کاٹنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ سانپوں اور دوسرے حشرات الارض کا

خوف ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں، پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ دوسرا احسن ہے۔ ہم نے کہا ہے، پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ سزا انہیں اسی لئے ملی جو انہوں نے مساکین کو محروم رکھنے کا ارادہ کیا تھا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا۔ اسباط نے سدی سے روایت کی ہے کہ ایک قوم یمن میں آباد تھی ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا جب ان کے پھل پک جاتے تو مساکین اس کے پاس آجاتے وہ باغ میں داخل ہونے سے انہیں منع نہ کرتا، اس سے کھانے سے منع نہ کرتا اور زاد راہ لینے سے منع نہ کرتا۔ جب وہ فوت ہو گیا تو اس کے بیٹوں نے ایک دوسرے سے کہا، ہم اپنے اموال مساکین کو کیوں دیں۔ آؤ۔ ہم رات کے وقت اس میں داخل ہوں اور مساکین کو علم ہونے سے پہلے ہی کاٹ لیں۔ انہوں نے انشاء اللہ بھی نہ کہا۔ ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے راز داری سے بات کرو آج تم پر کوئی مسکین داخل نہ ہو اسی وجہ سے فرمایا: اذاق سمو الیصر منها مصبحین۔ انہوں نے .... کہ مساکین کے گھروں سے نکلنے سے پہلے ہم صبح صبح اسے کاٹ لیں اور انہوں نے انشاء اللہ نے کہا۔ حضرت ابن عباس نے کہا: وہ باغ صنعاء سے دو فرسخ کے مقام پر تھا اسے ایک صالح آدمی نے لگایا تھا اس کے تین بیٹے تھے وہ تمام پھل مساکین کے لئے ہوتا جو درانتی لیس رہ جاتا اور انگور میں سے اس نے نہ کاٹا ہوتا جب اسے چادر پر ڈالا جاتا تو جو پھل اس چادر سے گزر جاتا وہ بھی مساکین کے لئے ہوتا جب وہ اپنی کھیتی کاٹتے تو جو چیز درانتی سے رہ جاتی وہ مساکین کے لئے ہوتی جب وہ اس فصل کو صاف کرتے تو جو چیز ادھر ادھر بکھر جاتی وہ بھی مساکین کے لئے ہوتی ان کا باپ اس میں سے صدقہ کرتا ان کے باپ کی زندگی میں یتامی، بیوائیں اور مساکین اس سے وقت گزارتے جب ان کا باپ فوت ہو گیا تو بیٹوں نے وہ کچھ لیا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ذکر کیا۔ انہوں نے کہا، مال کم ہو گیا ہے اور اہل و عیال زیادہ ہو گئے ہیں، انہوں نے باہم قسم اٹھائی کہ لوگوں کے نکلنے سے پہلے وہ باغ کی طرف جائیں گے پھر اسے کاٹیں گے اور مساکین کو پتہ بھی نہ چلے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: اذا قسموا الیصر منها کا یہی معنی ہے انہوں نے قسم اٹھائی کہ وہ اپنی کھجوروں کا پھل اس وقت کاٹیں گے جب ابھی رات کی کچھ تاریکی ہو گی تاکہ مساکین بیدار نہ ہو ہوں۔ صرمہ کا معنی کاٹنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: صرم العذق من النخل اس نے کھجور کا خوشہ کاٹا۔ اصرم النخل کھجور کے کاٹنے کا وقت آگیا جس طرح ارکب المھر اور احصد الزرع یعنی بچھیرے پر سواری کرنے کا وقت آگیا اور کھیتی کاٹنے کا وقت آگیا۔

ولا یستثنون۔ انہوں نے انشاء اللہ نے کہا، فتنادوا مصبحین وہ ایک دوسرے کو ندا کرتے ہیں: ان اغدوا علی حرثکم ان کنتم صرمین۔ کھیتی کو کاٹنے کا عزم رکھتے ہو۔ قتادہ نے کہا: اگر تم کھیتی کاٹنے والے ہو۔ کلبی نے کہا: ان کے باغ میں جو کھیتی اور کھجوریں ہیں انہیں کاٹنے والے ہو۔ مجاہد نے کہا، ان کی کھیتی انگور کی تھی۔ انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہا (۱) ابو صالح نے کہا، ان کی استثناء ان کا یہ قول تھا، سبحان اللہ ربنا ایک قول یہ کیا گیا ہے: لایستثنون کا معنی ہے وہ مساکین کا حق نہیں نکالتے، یہ علماء کا قول ہے وہ اپنے باغ میں رات کے وقت آئے انہوں نے باغ کو سیاہ پایا تیرے رب کی جانب سے ان پر ایک مصیبت آئی جبکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ قلم، ۱۷، بیروت)

صدقہ کرنے کا بیان

1699 - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيلُ، اَخْبَرَنَا اَيُّوبُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِي مُلَيْكَةَ، حَدَّثَتْنِي اَسْمَاءُ بِنْتُ اَبِي بَكْرٍ، قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَا لِي شَيْءٌ اِلَّا مَا اَدْخَلَ عَلَيَّ الزُّبَيْرُ بَيْتَهُ، اَفَاُعْطِي مِنْهُ؟ قَالَ: اَعْطِي، وَلَا تُوكِي، فَيُوكَى عَلَيْكِ

⊛⊛ سیّدہ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میرے پاس صرف وہ مال ہوتا ہے' جو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ گھر میں مجھے دیتے ہیں' تو کیا میں ان میں سے کوئی چیز (اللہ کی راہ میں) دے دیا کروں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دے دیا کرو اور تم باندھ کر نہ رکھا کرو' ورنہ تم پر بندش کر دی جائے گی''۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا (بنت ابی بکر)

نام ونسب:۔

اسماء نام، ذات النطاقین لقب، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں، ماں کا نام قتلہ بنت عبدالعزیٰ تھا، ہجرت سے 27 سال قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔

نکاح:۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا۔

اسلام:۔

اپنے شوہر کی طرح انہوں نے بھی قبول اسلام میں سبقت کی، ابن اسحاق کے قول کے مطابق ان کا ایمان لانے والوں میں اٹھارہواں نمبر تھا۔

عام حالات:۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رفیق صحبت تھے، آپ دوپہر کو ان کے گھر تشریف لائے اور ہجرت کا خیال ظاہر فرمایا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے سفر کا سامان کیا، دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان میں رکھا، نطاق جسکو عورتیں کمر میں لپیٹتی ہیں پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا، یہ وہ شرف تھا جسکی بنا پر آج تک ان کو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری ج1 ص553،555)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہجرت کے وقت کل روپیہ ساتھ لے گئے تھے۔ ابوقحافہ کو ان کے والد تھے، معلوم ہوا، بولے کہ انہوں نے جانی و مالی دونوں قسم کی تکلیف دی، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا، وہ کثیر دولت چھوڑ گئے ہیں، یہ کہکر اٹھیں اور جس جگہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مال رہتا تھا بہت سے پتھر رکھ دیئے اور ان پر کپڑا ڈال دیا، اور ابوقحافہ کو لے گئیں اور کہا ٹٹول لیجیے، دیکھیے یہ رکھا ہے۔ ابوقحافہ نابینا تھے اس لیے مان گئے اور کہا کھانے کے لیے بہت ہے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا بیان ہے

کہ میں نے صرف ابوقحافہ کی تسکین کے لیے ایسا کیا تھا۔ ورنہ وہاں ایک حبہ بھی نہ تھا۔ (مسند ابن حنبل ج6 ص350)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر مستورات کو بلوایا تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بھی آئیں۔ (اصابہ ج4 ص229، طبقات ج1 ق1 ص 161 تہذیب ج5 ص214) قبا میں قیام کیا، یہاں عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے، ان کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے عبداللہ کو گود میں لیا، گھٹی دی اور ان کے لیے دعا فرمائی۔ (صحیح بخاری ج1 ص555) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جوان ہوئے تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ان کے پاس رہنے لگیں کیونکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دے دی تھی۔ (فتح الباری ج6 ص 163 واسد الغابہ ج5 ص392)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے گھٹی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن پیا تھا اس بنا پر جب سن شعور کو پہنچے تو فضائل اخلاق کے مجسم پیکر تھے، ادھر سلطنت بنوامیہ کا فرمانروا (یزید) سرتاپا فسق وفجور تھا۔ حضرت عبداللہ نے اسکی بیعت سے انکار کیا، مکہ میں پناہ گزیں ہوئے اور وہیں سے اپنی خلافت کی صدا بلند کی، چونکہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عظمت وجلالت کا ہر شخص معترف تھا اس لیے تمام دنیائے اسلام نے اس صدا پر لبیک کہی۔ اور ملک کا بڑا حصہ ان کے علم کے نیچے آ گیا، لیکن جب عبدالملک بن مروان تخت نشین ہوا، تو اس نے اپنی حکمت عملی سے بعض صوبوں پر قبضہ کر لیا۔ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے مقابلہ کی تیاریاں کیں، شامی لشکر نے خانہ کعبہ کا محاصرہ کیا تو ابن زبیر رضی اللہ عنہما حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، وہ بیمار تھیں پوچھا، کیا حال ہے؟ بولیں "بیمار ہوں" کہا "آدمی کو موت کے بعد آرام ملتا ہے۔" حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا "شائد تمکو میرے مرنے کی تمنا ہے، لیکن میں ابھی مرنا پسند نہیں کرتی، میری آرزو یہ ہے کہ تم لڑ کر قتل ہو، اور میں صبر کروں، یا تم کامیاب ہو اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔" ابن زبیر رضی اللہ عنہما ہنس کر چلے گئے، شہادت کا وقت آیا تو دوبارہ ماں کی خدمت میں آئے، وہ مسجد میں بیٹھی تھیں، صلح کے متعلق مشورہ کیا، بولیں "بیٹا! قتل کے خوف سے ذلت آمیز صلح بہتر نہیں۔ کیونکہ عزت کے ساتھ تلوار مارنا ذلت کے ساتھ کوڑا مارنے سے بہتر ہے۔" حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس پر عمل کیا اور لڑ کر مردانہ وار شہادت حاصل کی، حجاج نے ان کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا، تین دن گزرنے پر حضرت اسماء کنیز کو ساتھ لے کر اپنے بیٹے کی لاش پر آئیں، لاش الٹی لٹکی تھی دل تھام کر اس منظر کو دیکھا اور نہایت استقلال سے کہا "کیا اس سوار کے گھوڑے سے اترنے کا ابھی وقت نہیں آیا،" (اسد الغابہ ج3 ص 163 واستیعاب ج1 ص366) حجاج کو چھیڑ منظور تھی، آدمی بھیجا کہ ان کو جا کر لائے، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے انکار کیا، اس نے پھر آدمی بھیجا کہ "ابھی خیریت ہے ورنہ آئندہ جو آدمی بھیجا جائے گا وہ بال پکڑ کر گھسیٹ لائے گا۔" حضرت اسماء رضی اللہ عنہا صرف خدا کی شان جباری کی معترف تھیں، جواب دیا میں نہیں جا سکتی حجاج نے مجبوراً خود جوتا پہنا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آیا اور حسب ذیل گفتگو ہوئی، حجاج نے کہا، "کہیئے میں نے دشمن خدا (ابن زبیر رضی اللہ عنہما) کے ساتھ کیا سلوک کیا" حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بولیں "تو نے ان کی دنیا بگاڑ دی اور انہوں نے تیری عاقبت خراب کی! میں نے سنا ہے کہ تو ان کو طنزاً ذات النطاقین کا بیٹا کہتا ہے، خدا کی قسم ذات النطاقین میں ہوں۔ میں نے نطاق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کھانا باندھا تا اور دوسرے کو کمر میں لپیٹتی تھی لیکن یہ یاد رہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ثقیف

میں ایک کذاب اور ایک ظالم پیدا ہوگا، چنانچہ کذاب کو دیکھ چکی ہوں اور ظالم تو ہے۔" حجاج نے یہ حدیث سنی تو چپکا اٹھ کھڑا ہوا۔(صحیح مسلم ج2 ص375)

چند دنوں کے بعد عبدالملک کا حکم پہنچا تو حجاج نے لاش اترا کر یہود کے قبرستان میں پھینکوا دی، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے لاش اٹھوا کر گھر منگوایا اور غسل دلوا کر جنازہ کی نماز پڑھی حضرت ز بن زبیر رضی اللہ عنہما کا جوڑ جوڑ الگ تھا، نہلانے کے لیے کوئی عضو اٹھایا جاتا تو ہاتھ کے ساتھ چلا آتا لیکن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے یہ کیفیت دیکھ کر صبر کیا کہ خدا کی رحمت انہی پارہ پارہ ٹکڑوں پر نازل ہوتی ہے۔

وفات:۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا دعا کرتی تھیں کہ جب تک میں عبداللہ کی لاش نہ دیکھ لوں مجھے موت نہ آئے۔(استیعاب ج1 ص366) چنانچہ ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے داعی اجل کو لبیک کہا، یہ جمادی الاولی سن 73 ہجری کا واقعہ ہے اس وقت ان کی عمر سو سال کی تھی۔

اولاد:۔

حسب ذیل اولاد ہوئی، عبداللہ، منذر، عروہ، مہاجر، خدیجۃ الکبری، اُمّ الحسن، عائشہ رضی اللہ عنہا،

(طبری ج3 ص2461 اور الریاض النضرہ ص279، 280)

حلیہ:۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بایں ہمہ کہ سو برس کی تھیں لیکن ایک دانت بھی نہیں گرا تھا اور ہوش وحواس بالکل درست تھے۔(اصابہ ج8 ص8) دراز قد اور لحیم شحیم تھیں، اخیر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی، (مستدرج6 ص348، واسد الغابہ ج5 ص394)

فضل وکمال:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے چھپن احادیث روایت کی ہیں جو صحیحین اور سنن میں موجود ہیں، راویوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں،

عبداللہ رضی اللہ عنہ، عروہ، (پسران) عباد بن عبداللہ، عبداللہ بن عروہ (نبیرگان) فاطمہ بنت المنذر، ابن زبیر رضی اللہ عنہ، عبادہ بن حمزہ بن عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن کیسان (غلام) ابن عباس رضی اللہ عنہ، صفیہ بنت شیبہ، ابن ابی ملیکہ، وہب بن کیسان، ابوبکر وعامر (پسران ابن زبیر رضی اللہ عنہ) مطلب بن حنطب، محمد بن منکدر، مسلم معری، ابونوفل ابن ابوعقرب،

اخلاق:۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بالطبع نیکی کی طرف مائل تھیں، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسوف کی نماز پڑھا رہے تھے، نماز کو بہت طول دیا تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کیا ان کے پاس دو عورتیں کھڑی تھیں۔ جن میں

ایک فربہ اور دوسری لاغر تھی یہ دیکھ کر انہوں نے اپنے دل کو تسلی دی کہ مجھے ان سے زیادہ دیر تک کھڑا رہنا چاہیے، (مسند ج6 ص349)
لیکن چونکہ نماز کئی گھنٹے تک ہوئی تھی، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو غش آ گیا، اور سر پر پانی چھڑکنے کی نوبت آئی۔ (صحیح بخاری ج1 ص146) ابن ابی ملیکہ کا بیان ہے کہ ان کے سر میں درد ہوتا تو سر پکڑ کر کہتیں (یہ میرا گناہ ہے اور جو گناہ خدا معاف کرتا رہتا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں)۔

حق گوئی ان کا خاص شعار تھا اسکی متعدد مثالیں اوپر گزر چکی ہیں، حجاج بن یوسف جیسے ظالم اور جبار کے سامنے وہ جس صاف گوئی سے کام لیتی تھیں، وہ بجائے خود اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ ایکدن وہ منبر پر بیٹھا ہوا تھا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اپنی کنیز کے ساتھ آئیں اور دریافت کیا کہ "امیر کہاں ہے" معلوم ہوا تو حجاج کے قریب گئیں، اس نے دیکھتے ہی کہا تمھارے بیٹے نے خدا کے گھر میں الحاد پھیلایا تھا، اس لیے خدا نے اس کو بڑا دردناک عذاب دیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے برجستہ جواب دیا تو جھوٹا ہے، وہ ملحد نہ تھا بلکہ صائم، پارسا اور شب بیدار تھا، (مسند ج6 ص351)

نہایت صابر تھیں، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت ایک قیامت تھی جوان کے لیے قیامت کبری بن گئی تھی لیکن اس میں انہوں نے جس عزم، جس استقلال، جس صبر اور جس تحمل سے کام لیا تھا اسکی تاریخ میں بہت کم نظیریں مل سکتی ہیں۔

حد درجہ خوددار تھیں، حجاج بن یوسف جیسے امیر کی نخوت بھی ان کی خودداری کی چٹان سے ٹکرا کر چور چور ہو جاتی تھی۔

نہایت متواضع اور خاکسار تھیں، محنت و مشقت میں ان کو بالکل عار نہ تھا، چنانچہ جب ان کا نکاح ہوا، تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ نہ تھا، صرف ایک اونٹ اور ایک گھوڑا تھا۔ وہ گھوڑے کو دانہ دیتیں، پانی بھرتیں اور ڈول سیتی تھیں، روٹی پکانی نہیں آتی تھی، اس لیے آٹا گوندھ کر رکھتی اور انصار کی بعض عورتیں پکا دیتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو جو زمین عنایت فرمائی تھی وہاں جا کر وہ چھوہاروں کی گٹھلیاں چنتی اور تین فرلانگ سے سر پر لاد کر لاتی تھیں ایکدن اسی حالت میں آ رہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوگئی آپ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا کہ سوار ہو جائیں، لیکن ان کو شرم معلوم ہوئی اور اونٹ پر نہ بیٹھیں گھر آ کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے سارا قصہ بیان کیا، سبحان اللہ سر پر بوجھ لادنے سے شرم نہیں آئی؟ کچھ زمانہ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک غلام دیا جو گھوڑے کی تربیت اور پرداخت کرتا تھا، اسی وقت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی مصیبت کم ہوئی، کہتی تھیں "**فکانما اعتقنی**" یعنی گویا ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے مجھ کو آزاد کر دیا۔

(صحیح بخاری ج2 ص756)

غربت کی وجہ سے جو کچھ خرچ کرتیں ناپ تول کر خرچ کرتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا کہ پھر خدا بھی ناپ کر دیگا۔ اس وقت سے یہ عادت چھوڑ دی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آمدنی وافر ہوگئی اور پھر کبھی تنگدست نہیں ہوئیں۔

(مسند ج6 ص356)

حد درجہ فیاض تھیں، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ میں نے ان سے بڑھکر کسی کو فیاض نہیں دیکھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی وفات کے وقت ترکہ میں ایک جنگل چھوڑا تھا جو ان کے حصہ میں آیا تھا، لیکن انہوں نے اس کو لاکھ درہم

پر فروخت کر کے کل رقم عزیزوں پر تقسیم کردی (صحیح بخاری ھبہ الواحد للجماعت) بیمار پڑتیں تو اپنے تمام غلام آزاد کر دیتی تھیں، (خلاصہ تہذیب ص 488) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا مزاج تیز تھا اس لیے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں بلا اجازت ان کے مال سے فقراء کو خیرات دے سکتی ہوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی۔

(مسند ج6 ص353)

ایک مرتبہ ان کی ماں مدینہ میں آئیں اور ان سے روپیہ مانگا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ مشرک ہیں کیا ایسی حالت میں ان کی مدد کر سکتی ہوں! ارشاد ہوا" ہاں (اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

(صحیح بخاری ج2 ص884)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کئی حج کیئے، پہلا حج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا۔ (صحیح مسلم ج1 ص479) اس میں جو کچھ دیکھا تھا، (صحیح بخاری ج1 ص237) ان کو بالکل یاد تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب حج کے لیئے آئیں اور مزدلفہ میں ٹھہریں تو رات کو نماز پڑھی، پھر اپنے غلام سے پوچھا" چاند چھپ گیا" اس نے کہا نہیں، جب چاند ڈوب گیا بولیں کہ اب رمی کے لیے چلو، رمی کے بعد واپس آئیں اور صبح کی نماز پڑھی، اس نے کہا آپ نے بڑی عجلت کی، فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ نشینوں کو اس کی اجازت دی ہے، (صحیح بخاری ج1 ص237) جب کبھی حجون سے گزرتیں کہتیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہاں ٹھہرے تھے، اس وقت ہمارے پاس بہت کم سامان تھا، ہم نے اور عائشہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے عمرہ کیا تھا اور طواف کر کے حلال ہوئے تھے، (ایضا)

نہایت بہادر تھیں، اخلاقی جرات کے چند واقعات او پر گزر چکے ہیں، سعید بن عاص کے زمانہ حکومت میں جب اسلام میں فتنہ پیدا ہوا، اور بدامنی شروع ہوگئی تو انہوں نے ایک خنجر رکھا تھا، لوگوں نے پوچھا اسکا کیا فائدہ، تو بولیں اگر کوئی چور آئے گا تو اس سے اسکا پیٹ چاک کرونگی۔ (ذیل طبری ج13 ص2461)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے تقدس کا عام چرچا تھا۔ لوگ ان س یدعا کراتے تھے، جب کوئی عورت بخار میں مبتلا ہوتی او ردعا کے لیے آتی تو اسکے سینہ پر پانی چھڑکتیں اور کہتیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔ (صحیح بخاری ج2 ص852) (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ بخار آتش جہنم کی گرمی ہے، اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔ (ایضا باب الحمی من فیح جہنم) گھر کا کوئی آدمی بیمار ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ (جس کو عائشہ نے وفات کے وقت ان کے سپرد کیا تھا) دھوتی اور اسکا پانی پلاتی تھیں، اس سے بیمار کو شفا ہو جاتی تھی۔

(مسند ج6 ص348)

صدقہ کرنے کا جذبہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہوتا تو مجھے یہ گوارا نہ ہوتا کہ تین راتیں گزر جاتیں اور وہ تمام سونا یا اس کا کچھ حصہ علاوہ بقدر ادائے قرض کے میرے پاس موجود

رہتا۔ (بخاری، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 357)

مطلب یہ ہے کہ اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہوتا تو میرے لئے سب سے زیادہ پسندیدہ بات یہ ہوتی کہ میں تمام سونا تین رات کے اندر اندر ہی لوگوں میں تقسیم کر دیتا، اس میں سے اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھتا ہاں اتنا سونا ضرور بچا لیتا جس سے میں اپنا قرض ادا کر سکتا کیونکہ قرض ادا کرنا صدقہ سے مقدم ہے۔ اس ارشاد گرامی سے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی سخاوت فیاضی کا وصف سامنے آتا ہے وہیں یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ اپنے مال و زر کی خیرات نکالتے ہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور اپنی آسائش و راحت کے ذرائع مہیا کرتے ہیں۔ مثلاً عالیشان بلڈنگیں بناتے ہیں کوٹھیاں تعمیر کرتے ہیں یا اسی قسم کی دوسرا آسائش زندگی کے لئے بے تحاشا مال خرچ کرتے ہیں مگر ان کے اوپر دوسرے لوگوں کے حقوق ہوتے ہیں وہ ان کے حقوق کی ادائیگی تو کیا کرتے ان کی طرف ان کا دھیان بھی کبھی نہیں جاتا تو یہ کوئی اچھی اور پسندیدہ بات نہیں ہے بلکہ شرعی طور پر انتہائی غلط ہے۔

شریعت و اخلاق ہی نہیں بلکہ محض عقل و دانش اور انسانی ہمدردی کے نقطہ نظر سے بھی کیا یہ بات گوارا کی جا سکتی ہے کہ ایک شخص تو دولت و حرص و ہوس کا پتلا بن کر اپنی تجوریاں بھرے بیٹھا ہوا بے مصرف مال و زر کے انبار لگائے ہوئے ہو اور سونے چاندی کے خزانے جمع کئے مگر ایک دوسرا شخص اس کے آنکھوں کے سامنے نان جویں کے لئے بھی محتاج ہو اور اس کی تجوری کا منہ نہ کھلے، ایک غریب بھوک و افلاس کے مارے دم توڑ رہا ہو مگر اس کے اندر اتنی بھی ہمدردی نہ ہو کہ اس غریب کو کھانا کھلا کر اس کی زندگی کے چراغ کو بجھنے سے بچائے؟ جی ہاں! آج کے اس دور میں بھی جب کہ سوشلزم، مساوات اور انسانی بھائی چارگی و ہمدردی کے نعرے ہمہ وقت فضا میں گونجتے رہتے ہیں کون نہیں دیکھتا کہ مال و زر کے بندے اپنی ادنیٰ سی خواہش کے لئے تجوریوں کے منہ کھول دیتے ہیں اپنی دنیاوی آسائش و راحت کی خاطر مال و زر کے تختے بچھا دیتے ہیں مگر جب بھوک و پیاس سے بلکتا کوئی انہیں جیسا ان کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے تو ان کی جبین پر بل پڑ جاتے ہیں اور ان کے منہ سے نفرت و حقارت کے الفاظ ابلنے لگتے ہیں وہ شقی القلب یہ نہیں سوچتے کہ اگر معاملہ برعکس ہوتا تو ان کے جذبات و احساسات کیا ہوتے؟ لہٰذا جنگ زرگری کے موجودہ دور میں مسلمانوں ہی کے لئے نہیں بلکہ پوری انسانی برادری کے لئے یہ ارشاد گرامی ایک دعوت عمل اور مینارہ نور ہے۔

1700 - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا ذَكَرَتْ عِدَّةً مِنْ مَسَاكِينَ،

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَقَالَ غَيْرُهُ أَوْ عِدَّةً مِنْ صَدَقَةٍ، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَعْطِي وَلَا تُحْصِي فَيُحْصَى عَلَيْكِ

1700- اسنادہ صحیح، مسدد: هو ابن مسرهد الاسدی، اسماعیل: هو ابن ابراهیم ابن مقسم المعروف بابن علیة، وایوب: هو السختیانی، واخرجه النسائی فی "الکبری" (2341) من طریق ابی امامة سهل بن حنیف، عن عائشة. وهو فی "مسند احمد" (24773). وهو کذلک فی "مسند احمد" (24418)، و "صحیح ابن حبان" (3365) من طریق عروة بن الزبیر، عن عائشة.

۞۞ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ بات منقول ہے انہوں نے متعدد مساکین کا ذکر کیا۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: انہوں نے صدقہ کی مختلف چیزوں کا ذکر کیا' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم شمار کیے بغیر دیا کرو ورنہ تمہیں شمار کر کے دیا جائے گا''۔

شرح

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہیے کہ تم ماں باپ' رشتہ داروں' یتیموں' مسکینوں اور مسافروں پر جو اچھی چیز بھی خرچ کرو گے تو وہ ان کا حق ہے۔ (البقرہ:۲۱۵)

راہ خدا میں مال خرچ کرنے کے مصارف کا بیان

اس سورت میں جن چیزوں کو زیادہ اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے' جیسا کہ شروع میں فرمایا تھا: (آیت) ''**وممارزقنهم ينفقون**''۔ (البقرہ:۳) پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم بار بار دہرایا اور حج سے متعلق جن آیات کا ابھی ذکر ہوا ہے ان میں بھی صدقہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے' نیز اس کے بعد آنے والی آیات میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور جہاد کا عظیم ستون بھی اللہ کی راہ میں مال کو خرچ کرنا ہے' اس لیے اس آیت میں صدقہ اور خیرات کا ذکر فرمایا ہے' نیز اس سے پہلی آیت میں بتایا تھا کہ مصائب پر صبر کرنا دخول جنت کا سبب ہے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا اور اس خرچ کرنا اور اس خرچ کی وجہ سے مالی نقصان پر صبر کرنا بھی دخول جنت کا سبب ہے۔ بہ ظاہر اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ وہ اللہ کی راہ میں کیا چیز خرچ کریں؟ لیکن سوال کے لائق یہ چیز نہیں تھی کہ وہ کیا خرچ کریں بلکہ سوال اس چیز کا کرنا چاہیے تھا کہ وہ مال کو کس طرح خرچ کریں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے جواب میں صدقہ کے مادہ کی بجائے پہلے صدقہ کے مصرف کا بیان فرمایا کہ تمہارے صدقات کے مستحق تمہارے والدین' رشتہ دار' یتیم' مسکین اور مسافر ہیں' اس آیت میں صدقہ کی مقدار کو بیان نہیں فرمایا کیونکہ یہ آیت زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے نازل ہوئی تھی اور جب زکوٰۃ فرض ہوئی تو یہ بیان کر دیا گیا کہ کس قدر مال پر کتنا وقت گزرنے کے بعد کتنی مقدار میں زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے اور اس کے کیا کیا مصارف ہیں' امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں' سدی نے کہا: یہ آیت زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ ابن جریج نے کہا: یہ آیت نفلی صدقات سے متعلق ہے اور زکوٰۃ اس کے علاوہ ہے' ابن زید کا بھی یہی قول ہے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۲۰۰' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

حافظ سیوطی ذکر کرتے ہیں:

امام ابن منذر نے امام ابن حبان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرو بن جموح نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہم اپنے مال میں سے کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (الدرالمنثور ج ۱ ص ۲۴۳' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

صدقہ کا مصرف بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے صدقہ کا مادہ بیان فرمایا: تم جو ''خیر'' بھی خرچ کرو' اور خیر حلال اور طیب چیز ہوتی ہے' حلال سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز فی نفسہ حلال ہو جیسے بکری نہ کہ کتا اور خنزیر' اور طیب سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز حلال ذرائع سے حاصل ہوئی ہو یعنی وہ چوری یا ڈاکہ سے حاصل شدہ بکری نہ ہو اگر وہ چوری یا ڈاکہ سے حاصل شدہ بکری ہے تو وہ فی نفسہ

حلال تو ہے لیکن طیب نہیں ہے اس لیے اللہ کی راہ میں خیر کو خرچ کرو جو حلال اور طیب ہو اور تم اللہ کی راہ میں جس خیر کو بھی خرچ کرو گے اللہ کو اس کا علم ہے۔

حکم صدقہ کے مصارف کا بیان

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ (ثواب کے واسطے) کیا چیز خرچ کیا کریں (اور کس موقع پر صرف کیا کریں) آپ فرما دیجئے کہ جو مال تم کو صرف کرنا ہو سو (اس کی تعیین تو تمہاری ہمت پر ہے مگر ہاں موقع ہم بتلائے دیتے ہیں کہ) ماں باپ کا حق ہے اور قرابت داروں اور بے باپ کے بچوں کا اور محتاجوں کا اور مسافر کا اور جو نسا نیک کام کرو گے (خواہ راہ خدا میں خرچ کرنا ہو یا اور کچھ ہو) سو اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب خبر ہے (وہ اس پر ثواب دیں گے)

اس سے پہلی آیتوں میں مجموعی حیثیت سے یہ مضمون بہت تاکید کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ کفر و نفاق کو چھوڑو اور اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ حکم الٰہی کے مقابل میں کسی کی بات مت سنو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جان اور مال خرچ کیا کرو اور ہر طرح کی شدت اور تکلیف پر تحمل کرو اب یہاں سے اسی اطاعت و فرمانبرداری اور اللہ کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے کے متعلق کچھ جزئیات کی تفصیل بیان ہوتی ہے جو کہ مال اور جان اور دیگر معاملات مثل نکاح وطلاق وغیرہ کے متعلق ہیں اور اوپر سے جو سلسلہ احکام ابواب البر کا جاری ہے اس میں داخل ہیں اور ان جزئیات کا بیان بھی ایک خاص نوعیت رکھتا ہے کہ اکثر ان میں سے وہ ہیں جن کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا ان کے استفتاء اور سوالات کا جواب براہ راست عرش رحمٰن سے بواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیا گیا اس کو اگر یوں سمجھا جائے کہ حق تعالیٰ نے خود فتویٰ دیا تو یہ بھی صحیح ہے اور قرآن کریم کی آیت: قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ (۴:۱۲۷) میں صراحۃ حق تعالیٰ نے فتویٰ دینے کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے، اس لئے اس نسبت میں کوئی استبعاد بھی نہیں۔

اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ فتاویٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں جو آپ کو بذریعہ وحی تلقین کیے گئے ہیں بہرحال اس رکوع میں جو احکام شرعیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے چند سوالات کے جواب میں بیان ہوئے ہیں وہ ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں پورے قرآن میں اس طرح سوال و جواب کے انداز سے خاص احکام تقریباً سترہ جگہ میں آئے ہیں جن میں سے سات تو اسی جگہ سورۃ بقرہ میں ہیں ایک سورۃ مائدہ میں ایک سورۃ انفال میں، یہ نو سوالات تو صحابہ کرام کی طرف سے ہیں سورۃ اعراف میں دو اور سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ کہف، سورۃ طٰہٰ، سورۃ نازعات میں ایک ایک، یہ کل چھ سوال کفار کی طرف سے ہیں جن کا جواب قرآن میں جواب کے عنوان سے دیا گیا ہے۔

مفسر القرآن حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی جماعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام سے بہتر نہیں دیکھی کہ دین کے ساتھ انتہائی شغف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی محبت وتعلق کے باوجود انہوں نے سوالات بہت کم کیے کل تیرہ مسائل میں سوال کیا ہے جن کا جواب قرآن میں دیا گیا ہے کیونکہ یہ حضرات بے ضرورت سوال نہ کرتے تھے۔
(قرطبی)

متذکرہ بالا آیات میں سے پہلی آیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا استفتاء یعنی سوال ان الفاظ سے نقل فرمایا گیا ہے يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ یعنی لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں یہی سوال اس رکوع میں تین آیتوں کے بعد پھر انہی الفاظ کے ساتھ دہرایا گیا وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ لیکن اس ایک ہی سوال کا جواب آیت متذکرہ میں کچھ اور دیا گیا ہے اور تین آیتوں کے بعد آنے والے سوال کا جواب اور ہے۔

اس لئے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک ہی سوال کے دو مختلف جواب کس حکمت پر مبنی ہیں یہ حکمت ان حالات وواقعات میں غور کرنے سے واضح ہوجاتی ہے جن میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں مثلاً آیت متذکرہ کا شان نزول یہ ہے کہ عمرو بن جموح نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ ما ننفق من اموالنا واین نضعها (اخرجہ ابن المنذر مظہری) یعنی ہم اپنے اموال میں سے کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں اور ابن جریر کی روایت کے موافق یہ سوال تنہا عمرو ابن جموح کا نہیں تھا بلکہ عام مسلمانوں کا سوال تھا اس سوال کے دو جزو ہیں ایک یہ کہ مال میں سے کیا اور کتنا خرچ کریں دوسرے یہ کہ اس کا مصرف کیا ہو کن لوگوں کو دیں۔

اور دوسری آیت جو دو آیتوں کے بعد اسی سوال پر مشتمل ہے اس کا شان نزول بروایت ابن ابی حاتم یہ ہے کہ جب قرآن میں مسلمانوں کو اس کا حکم دیا گیا کہ اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں تو چند صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ انفاق فی سبیل اللہ کا جو حکم ہمیں ملا ہے ہم اس کی وضاحت چاہتے ہیں کہ کیا مال اور کونسی چیز اللہ کی راہ میں خرچ کیا کریں اس سوال میں صرف ایک ہی جزء ہے یعنی کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں کا سوال تھا اور دوسرے میں صرف کیا خرچ کریں کا سوال ہے اور پہلے سوال کے جواب میں جو کچھ قرآن میں ارشاد فرمایا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال کے دوسرے جزء کو یعنی کہاں خرچ کریں زیادہ اہمیت دے کر اس کا جواب تو صریح طور پر دیا گیا اور پہلے جزء یعنی کیا خرچ کریں کا جواب ضمنی طور پر دے دینا کافی سمجھا گیا اب الفاظ قرآنی میں دونوں اجزاء پر نظر فرمائیں، پہلے جز یعنی کہاں خرچ کریں کے متعلق ارشاد ہوتا ہے، قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ یعنی جو کچھ بھی تم کو اللہ کے لئے خرچ کرنا ہو اس کے مستحق ماں باپ اور رشتہ دار اور بے باپ کے بچے اور مساکین اور مسافر ہیں۔

اور دوسرے جزء یعنی کیا خرچ کریں کا جواب ضمنی طور پر ان الفاظ سے دیا گیا وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ یعنی تم جو کچھ بھلائی کرو گے اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب خبر ہے، اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر کوئی تحدید اور پابندی نہیں کہ مال کی اتنی ہی مقدار صرف کرو بلکہ جو کچھ بھی اپنی استطاعت کے موافق خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ کے پاس اس کا اجر وثواب پاؤ گے۔

الغرض پہلی آیت میں شاید سوال کرنے والوں کے پیش نظر زیادہ اہمیت اسی سوال کی ہو کہ ہم جو مال خرچ کریں اس کا مصرف کیا ہو کہاں خرچ کریں، اسی لئے اس کے جواب میں اہمیت کے ساتھ مصارف بیان فرمائے گئے، اور کیا خرچ کریں اس سوال کا جواب ضمنی طور پر دے دینا کافی سمجھا گیا، اور بعد والی آیت میں سوال صرف اتنا ہی تھا کہ ہم کیا چیز اور کیا مال خرچ کریں اس لئے

اس کا جواب ارشاد ہوا قُلِ الْعَفْوَ یعنی آپ فرمادیں کہ جو کچھ بچے اپنی ضرورت سے وہ خرچ کیا کریں ان دونوں آیتوں سے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے کے متعلق چند ہدایات ومسائل معلوم ہوئے۔

اول یہ کہ دونوں آیتیں زکوٰۃ فرض کے متعلق نہیں کیونکہ زکوٰۃ فرض کے لئے تو نصاب مال بھی مقرر ہے اور اس میں جتنی مقدار خرچ کرنا فرض ہے وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پوری طرح متعین ومقرر فرمادی گئی ہے ان دونوں آیتوں میں نہ کسی نصاب مال کی قید ہے نہ خرچ کرنے کی مقدار بتلائی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں آیتیں صدقات نافلہ کے متعلق ہیں اس سے یہ شبہ بھی رفع ہوگیا کہ پہلی آیت میں خرچ کا مصرف والدین کو بھی قرار دیا گیا ہے حالانکہ ماں باپ کو زکوٰۃ دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق جائز نہیں کیونکہ ان آیتوں کا تعلق فریضہ زکوٰۃ سے ہے ہی نہیں۔

دوسری ہدایت اس آیت سے یہ حاصل ہوئی کہ ماں باپ اور دوسرے اعزاء واقرباء کو جو کچھ بطور ہدیہ دیا یا کھلایا جاتا ہے اگر اس میں بھی اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانے کی نیت ہو تو وہ بھی موجب اجروثواب اور انفاق فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔

تیسری ہدایت یہ حاصل ہوئی کہ نفلی صدقات میں اس کی رعایت ضروری ہے کہ جو مال اپنی ضروریات سے زائد ہو وہی خرچ کیا جائے اپنے اہل وعیال کو تنگی میں ڈال کر اور ان کے حقوق کو تلف کر کے خرچ کرنا ثواب نہیں اسی طرح جس کے ذمہ کسی کا قرض ہے قرض خواہ کو ادا نہ کرے اور نفلی صدقات وخیرات میں اڑائے یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں پھر ضرورت سے زائد مال کے خرچ کرنے کا جو ارشاد اس آیت میں ہے اس کو حضرت ابوذر غفاری اور بعض دوسرے حضرات نے حکم وجوبی قرار دیا کہ اپنی ضروریات سے زائد جو کچھ ہے سب کا صدقہ کردینا واجب ہے مگر جمہور صحابہ کرام وتابعین اور ائمہ دین اس پر ہیں کہ ارشاد قرآنی کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہو وہ ضروریات سے زائد ہونا چاہئے یہ نہیں کہ ضرورت سے زائد جو کچھ ہو اس کو صدقہ کردینا ضروری یا واجب ہے صحابہ کرام کے تعامل سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

کِتَابُ اللُّقَطَةِ

کتاب: گری پڑی ملنے والی چیز کے بارے میں روایات

لقطہ کے معنی و مفہوم کا بیان

سید محمد مرتضیٰ زبیدی مصری متوفی 1205ھ نے لفظ لقطہ کے معنی لکھتے ہیں۔لفظ لقطۃ کا مصدر لقط ہے جس کے معنی چن لینا، زمین پر سے اٹھالینا، سینا، رفو کرنا، انتخاب کرنا، چونچ سے اٹھانا ہے۔اسی سے لفظ ملاقطۃ اور التقاط ہیں۔جن کے معانی برابر ہونا ہیں۔اور ملتقط اور التقاط کے معنی ادھر ادھر سے جمع کرنا چننا ہیں۔آیات قرآنی اور احادیث نبوی میں یہ لفظ کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔جن کی تشریحات اپنے اپنے مقامات پر ہوں گی۔

لقطہ لام کے پیش اور قاف کے زیر کے ساتھ یعنی لقطہ بھی منقول ہے اور قاف کے جزم کے ساتھ یعنی لقطہ بھی لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔محدثین کے ہاں قاف کے زبر کے ساتھ یعنی لقطہ مشہور ہے۔

لقطہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی کو راستہ میں گری ہوئی مل جائے اور اس شخص کو بھی لقطہ کہتے ہیں جو گری پڑی چیز کو اٹھانے والا ہو اور اگر راستے میں کوئی بچہ پڑا ہوا مل جائے تو اسے لقیط کہتے ہیں۔(تاج العروس ج ۵ ص ۲۱۶، مطبوعہ خیریہ مصر)

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں۔لفظ لقطہ لام کے ضمہ اور قاف کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اس کو ساکن پڑھنا بھی جائز ہے مگر محدثین اور لغت والوں کے ہاں فتحہ کے ساتھ ہی مشہور ہے۔عرب کی زبانوں سے ایسا ہی سنا گیا ہے۔لغت میں لقطہ کسی گری پڑی چیز کو کہتے ہیں۔اور شریعت میں ایسی چیز جو پڑی ہوئی پائے جائے اور وہ کسی بھی آدمی کے حق ضائع سے متعلق ہو اور پانے والا اس کے مالک کو نہ پائے۔اور لفظ التقاط میں امانت اور روایت کے معانی بھی مشتمل ہیں۔اس لیے کہ ملتقط امین ہے اس مال کا جو اس نے پایا ہے اور شرعاً وہ اس مال کی حفاظت کا ذمہ دار ہے جس طرح بچے کے مال کی ذمہ داری ہوتی ہے۔اور اس میں اکتساب کے معانی بھی ہیں کہ پہچنوانے کے بعد اگر اس کا مالک نہ ملے تو اس چیز میں اس کا حق ملکیت ثابت ہوجاتا ہے۔(التعریف، از امام قسطلانی)

لقطہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کہیں (مثلاً راستہ وغیرہ میں) گری پڑی پائی جائے اور اس کے مالک کا کوئی علم نہ ہو۔اس بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کہیں کوئی گری پڑی چیز پائی جائے تو اسے (یعنی لقطہ کو) اٹھالینا مستحب ہے جبکہ اپنے نفس پر یہ اعتماد ہو کہ اس چیز کی تشہیر کرا کر اسے اس کے مالک کے حوالے کردیا جائے گا اگر اپنے نفس پر یہ اعتماد نہ ہو تو پھر اسے وہیں چھوڑ دینا ہی بہتر ہے لیکن اگر یہ خوف ہو کہ اس چیز کو یوں ہی پڑا رہنے دیا گیا تو یہ ضائع ہوجائے گی تو اس صورت میں اسے اٹھالینا واجب ہوگا اگر دیکھنے والا اسے نہ اٹھائے گا اور وہ چیز ضائع ہوجائے گی تو وہ گنہگار ہوگا یہ لقطہ کا اصولی حکم ہے اب اس کے چند تفصیلی مسائل ملاحظہ کیجئے۔

لقطہ کے شرعی ماخذ کا بیان

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ (توبہ، ۷۱)

اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں اور نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور اللہ ورسول کا حکم مانیں یہ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم کرے گا بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (کنزالایمان)

منافقوں کی بدخصلتیں بیان فرما کر مسلمانوں کی نیک صفتیں بیان فرمارہا ہے کہ یہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں ایک دوسرے کا دست دباز و بنے رہتے ہیں صحیح حدیث میں ہے کہ مومن مومن کے لئے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے آپ نے یہ فرماتے ہوئے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ڈال کر دکھا بھی دیا۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ مومن اپنی دوستی اور سلوک میں مثل ایک جسم کی مانند ہیں کہ ایک حصے کو بھی اگر تکلیف ہو تو تمام جسم بیماری اور بیداری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ پاک نفس لوگوں اوروں کی تربیت سے بھی غافل نہیں رہتے۔

سب کو بھلائیاں دکھاتے ہیں اچھی باتیں بتاتے ہیں برے کاموں سے بری باتوں سے امکان بھر روکتے ہیں۔ حکم الٰہی بھی یہی ہے۔ فرماتا ہے تم میں ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہئے جو بھلائیوں کا حکم کرے برائیوں سے منع کرے۔ یہ نمازی ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی زکوٰۃ بھی دیتے ہیں تا کہ ایک طرف اللہ کی عبادت ہو دوسری جانب مخلوق کی دلجوئی ہو۔ اللہ رسول کی اطاعت ہی ان کا دلچسپ مشغلہ ہے جو حکم ملا بجالائے جس سے روکا رک گئے۔ یہی لوگ ہیں جو رحم الٰہی کے مستحق ہیں۔ یہی صفتیں ہیں جن سے اللہ کی رحمت ان کی طرف لپکتی ہے۔ اللہ عزیز ہے وہ اپنے فرماں برداروں کی خود بھی عزت کرتا ہے اور انہیں ذی عزت بنا دیتا ہے۔ دراصل عزت اللہ ہی کے لئے ہے اور اس نے اپنے رسولوں اور اپنے ایماندار غلاموں کو بھی عزت دے رکھی ہے اس کی حکمت ہے کہ ان میں یہ صفتیں رکھیں اور منافقوں میں وہ خصلتیں رکھیں، اس کی حکمت کی تہہ کو کون پہنچ سکتا ہے؟ جو چاہے کرے وہ برکتوں اور بلندیوں والا ہے۔

لقطہ کے امانت ہونے کا بیان

لقطہ اس شخص کے پاس بطور امانت رہتا ہے جس نے اسے اٹھایا ہے جبکہ وہ اس پر کسی کو گواہ کرلے کہ میں اس چیز کو حفاظت سے رکھنے یا اس کے مالک کے پاس پہنچا دینے کے لئے اٹھاتا ہوں اس صورت میں وہ لقطہ اٹھانے والے کے پاس سے ضائع ہو جائے تو اس پر تاوان واجب نہیں ہوگا اور اگر اٹھانے والے نے کسی کو اس پر گواہ بنایا اور وہ لقطہ اس کے پاس سے تلف ہو گیا تو اس پر تاوان واجب ہوگا جبکہ لقطہ کا مالک یہ انکار کردے کہ اس نے وہ چیز مجھے دینے کے لئے نہیں اٹھائی تھی۔

لقطہ کی تشہیری مدت کا بیان

لقطہ جہاں سے اٹھایا جائے اس جگہ بھی اور ان مقامات پر بھی کہ جہاں لوگوں کا اجتماع رہتا ہے اس کی تشہیر کی جائے (یعنی

اٹھانے والا کہتا ہے) کہ یہ چیز کس کی ہے؟ اور یہ تشہیر اس وقت تک کی جانی چاہئے کہ جب تک کہ اٹھانے والے کو یقین نہ ہو جائے کہ اب اتنے دنوں کے بعد اس کا مالک مطالبہ نہیں کرے گا لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد کے نزدیک مدت تشہیر ایک سال ہے یعنی ان کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ لقطہ کی ایک سال تک تشہیر کی جانی چاہئے اور جو چیز زیادہ دن تک نہ ٹھہر سکتی ہو اس کی تشہیر صرف اسی وقت تک کی جائے کہ اس کے خراب ہو جانے کا خوف نہ ہو۔

مدت تشہیر کے دوران اگر اس کا مالک آ جائے تو اسے وہ چیز دے دی جائے ورنہ مدت تشہیر گزر جانے کے بعد اس چیز کو خیرات کر دیا جائے اب اگر خیرات کرنے کے بعد مالک آئے تو چاہے وہ اس خیرات کو برقرار رکھے اور اس کے ثواب کا حق دار ہو جائے اور چاہے اس اٹھانے والے سے تاوان لے یا اس شخص سے اپنی چیز واپس لے لے جس کو وہ بطور خیرات دی گئی ہے اور اگر وہ چیز اس کے پاس موجود نہ ہو تو اس سے تاوان لے لے جیسا کہ بطور لقطہ ملے ہوئے جانور کا حکم ہے۔

جانوروں میں بھی لقطہ ہونا جائز ہے یعنی اگر کسی کو کوئی گم شدہ جانور کسی شخص کو مل جائے تو اسے پکڑ لینا اور اس کی تشہیر کر کے اس کے مالک تک پہنچا دینا جائز ہے۔ اس بارے میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر مدت تشہیر کے دوران اس جانور کے کھلانے پلانے پر کچھ خرچ ہوا ہے تو وہ احسان شمار ہوگا یعنی اس کا مطالبہ مالک سے نہیں کیا جائے گا جبکہ وہ خرچ حاکم کی اجازت کے بغیر کیا گیا ہو۔ اور اگر جانور پکڑنے والے نے اس شرط کے ساتھ کہ اس جانور پر جو کچھ خرچ ہوگا جانور کے مالک سے لے لوں گا۔ حاکم کی اجازت سے اس جانور پر کچھ خرچ کیا تو اس کی ادائیگی مالک پر بطور قرض واجب ہوگی کہ جب وہ مالک اپنا جانور حاصل کرے تو اس کے جانور کو پکڑنے والے نے اس پر کچھ خرچ کیا ہے وہ سب ادا کر دے اس صورت میں لقطہ رکھنے والے کو یہ حق حاصل ہوگا کہ جب تک مالک اسے سارے اخراجات ادا نہ کرے وہ لقطہ کو اپنے پاس روکے رکھے۔

اس سلسلہ میں حاکم وقاضی کے لئے بھی یہ ہدایت ہے کہ بطور لقطہ ملنے والی چیز اگر ایسی ہے جس سے منفعت حاصل ہو سکتی ہو جس طرح بھاگا ہوا غلام تو اس سے محنت ومزدوری کرائی جائے اور وہ جو کچھ کمائے اسی سے اس کے اخراجات پورے کئے جائیں اور اگر لقطہ کسی ایسی چیز کی صورت میں ہو جس سے کوئی منفعت حاصل نہیں ہو سکتی اور اس کو رکھنے میں کچھ خرچ کرنا پڑتا ہو جس طرح جانور تو قاضی اس کے اخراجات پورے کرنے کی اجازت دیدے اور یہ طے کر دے کہ اس پر جو خرچ ہوگا وہ مالک سے وصول کر لیا جائے گا۔ جبکہ اس میں مالک کے لئے بہتری ہو اور اگر قاضی یہ دیکھے کہ اس صورت میں مالک کو بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا تو پھر اس چیز کو فروخت کرادے اور اس کی قیمت کو رکھ چھوڑے تاکہ جب مالک آ جائے تو اسے دیدی جائے۔

اگر کسی شخص کے پاس کوئی لقطہ ہو اور وہ اس کی علامات بتا کر اپنی ملکیت کا دعوی کرے تو وہ لقطہ اسے دیدینا جائز ہے اس صورت میں گواہوں کا ہونا ضروری نہیں ہوگا ہاں اگر وہ علامات نہ بتا سکے تو پھر گواہوں کے بغیر وہ لقطہ اسے نہیں دینا چاہئے اگر لقطہ پانے والا کوئی مفلس ہے تو مدت تشہیر ختم ہو جانے کے بعد وہ خود اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اور اگر وہ خود مالدار ہے تو پھر اسے خیرات کر دے۔ اس بارہ میں اسے یہ اجازت ہوگی کہ اگر وہ چاہے تو اپنے اصول یعنی ماں باپ اور اپنے فروع یعنی بیٹا بیٹی اور بیوی کو بطور خیرات وہ لقطہ دیدے جبکہ یہ لوگ مفلس وضرورت مند ہوں۔ بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ لینا اس شخص کے لئے مستحب ہے جو

اس کو پکڑنے کی طاقت رکھتا ہو اسی طرح اس غلام کو بھی اپنے پاس رکھ لینا مستحب ہے جو راستہ بھول جانے کی سبب سے بھٹک رہا ہو۔
اگر کسی کا کوئی غلام بھاگ جائے اور تین دن کی مسافت یا اس سے زیادہ دور سے کوئی شخص اسے پکڑ کر اس کے مالک کے پاس پہنچا دے تو وہ لانے والا اس بات کا مستحق ہوگا کہ غلام کے مالک سے اپنی مزدوری کے طور پر چالیس درہم وصول کرے گا اگر چہ وہ غلام چالیس درہم سے کم ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ لانے والے نے اس بات پر کسی کو گواہ بنالیا ہو کہ میں اس غلام کو اس لئے پکڑتا ہوں تاکہ اسے اس کے مالک کے پاس پہنچا دوں۔ اور اگر کوئی شخص بھاگے ہوئے غلام کو اس کے مالک کے پاس تین دن کی مسافت سے کم دوری سے لایا ہو تو اسی حساب سے اجرت دی جائے گی۔ مثلاً ڈیڑھ دن کی مسافت کی دوری سے لایا ہے تو اسے بیس درہم دیئے جائیں گے اور اگر وہ غلام اس شخص سے بھی چھوٹ کر بھاگ گیا جو اسے پکڑ کر لایا تھا تو اس پر کوئی تاوان واجب نہیں ہوگا۔ جبکہ اس نے کسی کو گواہ بنالیا ہو اور اگر گواہ نہ بنایا ہوگا تو اس صورت میں نہ صرف یہ کہ اسے کوئی اجرت نہیں ملے گی بلکہ اس پر تاوان بھی واجب نہیں ہوگا۔

بَابُ التَّعْرِيفِ بِاللُّقَطَةِ

باب: گری پڑی ملنے والی چیز کا اعلان کرنا

1701 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفَلَةَ، قَالَ: غَزَوْتُ مَعَ زَيْدِ بْنِ صُوحَانَ، وَسَلْمَانَ بْنِ رَبِيعَةَ فَوَجَدْتُ سَوْطًا، فَقَالَا: لِيَ اطْرَحْهُ، فَقُلْتُ: لَا، وَلَكِنْ إِنْ وَجَدْتُ صَاحِبَهُ وَإِلَّا اسْتَمْتَعْتُ بِهِ، فَحَجَجْتُ، فَمَرَرْتُ عَلَى الْمَدِينَةِ فَسَأَلْتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ، فَقَالَ: وَجَدْتُ صُرَّةً فِيهَا مِائَةُ دِينَارٍ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: عَرِّفْهَا حَوْلًا فَعَرَّفْتُهَا حَوْلًا، ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَقَالَ: عَرِّفْهَا حَوْلًا، فَعَرَّفْتُهَا حَوْلًا، ثُمَّ أَتَيْتُهُ، فَقَالَ: عَرِّفْهَا حَوْلًا فَعَرَّفْتُهَا حَوْلًا، ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَقُلْتُ: لَمْ أَجِدْ مَنْ يَعْرِفُهَا فَقَالَ: احْفَظْ عَدَدَهَا وَوِكَاءَهَا وَوِعَاءَهَا، فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا فَاسْتَمْتِعْ بِهَا، وَقَالَ: وَلَا أَدْرِي أَثَلَاثًا قَالَ: عَرِّفْهَا أَوْ مَرَّةً وَاحِدَةً

❀❀ سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ میں زید بن صوحان اور سلمان بن ربیعہ کے ہمراہ سفر کر رہا تھا مجھے ایک چابک ملا (میں نے وہ اٹھالیا) تو ان دونوں حضرات نے مجھے کہا اسے رکھ دو۔ میں نے کہا: جی نہیں اگر مجھے اس کا مالک مل گیا (تو یہ میں اسے دے دوں گا) ورنہ میں خود اس سے نفع حاصل کروں گا۔ راوی کہتے ہیں: پھر میں حج کرنے کے لئے گیا میں مدینہ منورہ آیا میری ملاقات وہاں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ میں نے ان سے یہ سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا: ایک مرتبہ مجھے ایک تھیلی ملی جس میں ایک سو دینار تھے۔ میں اس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک سال تک اس کا اعلان کرو۔ میں ایک سال اس کا اعلان کرتا رہا پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم (مزید) ایک سال اس کا اعلان کرو۔ میں پھر ایک سال اس کا اعلان کرتا رہا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم (مزید) ایک سال اس کا اعلان کرو۔ میں مزید ایک سال اس کا اعلان کرتا رہا' پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کی: میں نے ایسا کوئی شخص نہیں پایا جو اس کی شناخت رکھتا ہو تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم (اس میں موجود رقم) کی گنتی کرلو اور اس تھیلی کی (شکل وصورت) اور اس کے منہ پر باندھی جانی والی رسی (کی نشانی) کو یاد رکھنا۔ اگر اس کا مالک آ گیا (اور اس نے اس کی نشانیاں بتادیں) تو ٹھیک ہے ورنہ تم اس سے فائدہ اٹھاؤ۔

راوی بیان کرتے ہیں: مجھے نہیں معلوم کہ ایک سال تک اعلان کرنے کا ذکر ایک مرتبہ ہے یا تین مرتبہ ہے۔

1702 - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيٰى، عَنْ شُعْبَةَ، بِمَعْنَاهُ قَالَ: عَرِّفْهَا حَوْلًا وَقَالَ: ثَلَاثَ مِرَارٍ، قَالَ: فَلَا أَدْرِي، قَالَ لَهُ: ذٰلِكَ فِي سَنَةٍ، أَوْ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ.

❁❁ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے جس میں الفاظ ہیں۔

''ایک سال تک اس کا اعلان کرو''۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی:

راوی کہتے ہیں: مجھے نہیں معلوم کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک سال کے بعد یہ بات ارشاد فرمائی' یا تین سال کے بعد یہ فرمائی (کہ تم خود اسے خرچ کرلو)

لقطہ کی قیمت اور تشہیری مدت کا بیان

اور جب لقطہ کی قیمت دس درہم سے تھوڑی ہو تو اٹھانے والا چند ایام تک اس کا اعلان کرائے اور جب وہ دس دراہم یا اس سے بھی زائد مالیت کا ہو تو سال بھر اس کا اعلان کرائے۔ مصنف علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ یہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے۔

امام قدوری علیہ الرحمہ کے قول ''ایاما'' کا معنی یہ ہے کہ اٹھانے والا امام کی رائے کے مطابق اعلان کرائے۔ اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ مبسوط میں ایک سے اس کا اندازہ کیا ہے جبکہ قلیل وکثیر میں کوئی فرق نہیں ہے۔

امام مالک اور امام شافعی علیہما الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص گری پڑی چیز اٹھائے اس کو چاہیے کہ ایک سال تک اس کا اعلان کرائے۔ یہ ارشاد گرامی بغیر کسی تفصیل کے بیان ہوا ہے۔

دوسرے قول کی دلیل یہ ہے کہ ایک سال کا اندازہ ایسے لقطہ کے بارے میں جو سو دینار ایک ہزار دراہم کے برابر تھا اور دس دراہم اور اس سے بھی زائد دراہم ہزار کے حکم میں ہیں۔ کیونکہ چوری کی حالت میں حد سرقہ انہیں سے متعلق ہے۔ اور اسی سے عورت کی شرمگاہ کو حلال کیا جاسکتا ہے۔ اور اسی سبب سے دس دراہم یا اس سے زائد وجوب زکوٰۃ کے حق میں ہزار دراہم کے حکم میں نہیں ہیں۔ پس ہم نے بطور احتیاط ایک سال تک کی پہچان کرانے کو واجب قرار دیا ہے۔ جبکہ دس دراہم سے تھوڑا ہونے کی صورت میں وہ کسی طرح ہزار دراہم کے حکم میں نہ ہوگا پس اس کو ہم نے رائے عامہ کے حوالے کردیا ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق ان مقادیر میں سے کسی بھی مقدار کا کوئی اعتبار لازمی وضروری نہیں ہے۔ پس اس کو اٹھانے والے کی رائے کے حوالے کردیا جائے گا کہ وہ اتنے دنوں تک اس کی پہچان کرائے کہ جب اس کا غالب گمان ہوجائے کہ اب لقطہ والا اس کو تلاش نہیں کرے گا اس کے بعد لقطہ اٹھانے والا اس کو صدقہ کرے۔

اور جب لقطہ کوئی مضبوط چیز نہ ہو تو اٹھانے والا اس کا اعلان کرائے اور جب اس کو خطرہ ہو یہ خراب ہو جائے گی تو وہ اس کو صدقہ کردے۔

اور لقطہ کی تشہیر اسی جگہ کرانا مناسب ہے جہاں سے اس نے اس کو اٹھایا ہے اور اسی طرح لوگوں کے اجتماع کی جگہ بھی اس کی تشہیر کرائے کیونکہ اس طرح مالک کو لقطہ مل جانے کا زیادہ چانس ہے۔

اور جب لقطہ کوئی ایسی معمولی چیز کا ہے جس کے بارے میں اس کو معلوم ہوا کہ مالک اس کو تلاش ہی نہ کرے گا جس طرح کھجور کی گٹھلی ہے اور انار کے چھلکے ہیں تو یہ القائے اباحت (اباحت کی طرف منتقل ہونے کا سبب) کا سبب ہوگا یہاں تک کہ بغیر کسی اعلان کے اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ البتہ لقطہ اپنی مالک کی ملکیت پر قائم رہے گا کیونکہ مجہول بندے کی طرف سے ملکیت کا پایا جانا درست نہیں ہے۔ (ہدایہ اولین)

لقطہ کی تشہیری مدت میں مذاہب اربعہ

مدت تشہیر کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔ حضرت امام شافعی حضرت امام مالک حضرت امام احمد اور حنفیہ میں سے حضرت امام محمد تو حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کے لئے ایک سال کی مدت متعین ہے یعنی لقطہ کی ایک سال تک تشہیر کرانی چاہیے، لیکن صحیح تر روایت کے مطابق حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ مدت متعین کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ حدیث میں ایک سال کا ذکر باعتبار غالب کے بر سبیل اتفاق ہے۔ لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں ایک سال کی مدت اگر اتفاقی طور پر ذکر کی گئی ہے۔ اور متعین طور پر مذکور نہیں ہے تو پھر تشہیر کی کیا مدت متعین کی جائے؟ اس کی وضاحت ہدایہ نے امام ابوحنیفہ کی ایک روایت کے مطابق یوں کی ہے کہ اگر لقطہ دس درہم سے کم قیمت کا ہو تو اس کی تشہیر چند دن تک کرنا کافی ہے اگر دس درہم کی مالیت کا ہو تو ایک مہینہ تک تشہیر کی جائے اور وہ سو درہم کی مالیت کا ہو پھر ایک سال تک تشہیر کی جائے۔

لقطہ مدت میں بعض علماء کا مؤقف

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مالیت کی مذکورہ بالا مقدار کی جو مختلف مدتیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے لازم کوئی بھی نہیں ہے۔ بلکہ یہ لقطہ اٹھانے والے کی رائے پر موقوف ہے کہ وہ لقطہ کیا اس وقت کی تشہیر کرے جب تک کہ اسے یہ غالب گمان نہ ہو جائے کہ اب کوئی نہیں آئیگا اور اس مدت کے بعد اس لقطہ کو طلب نہیں کرے گا۔ ان علماء کی دلیل مسلم کی وہ روایت ہے کہ جس میں لفظ سنۃ ایک سال کی قید کے بغیر صرف عرفہا اس کی تشہیر کی جائے) منقول ہے۔

لقطہ اگر کسی چیز کی صورت میں ہو جو زیادہ دنوں تک نہ ٹھہر سکتی ہو اور موسمی حالات کے تغیر و تبدل سے متاثر ہوتی ہو جس طرح کھانے کی کوئی چیز یا پھل وغیرہ تو اس کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اس تشہیر اسی وقت تک کی جائے جب تک کہ وہ خراب نہ ہو اور اگر لقطہ کوئی بہت ہی حقیر و کمتر چیز ہو جس طرح گٹھلی اور انار کا چھلکا وغیرہ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی تشہیر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اسے بغیر تشہیر و اعلان استعمال کر لینے کی اجازت ہے مگر اس کے مالک کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اگر وہ چاہے تو اپنی اس چیز کا مطالبہ کرے۔

لقطہ کی پہچان کرانے کا بیان

حضرت زید بن خالد کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لقطہ کے بارے میں پوچھا (کہ اگر کوئی گری پڑی چیز پائی جائے تو کیا کیا جائے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے تو اس کا ظرف پہچان لو یعنی اگر وہ چیز کسی کپڑے یا چمڑے کے تھیلے وغیرہ میں ہے تو اسے شناخت میں رکھو) اور اس کا سر بند بھی پہچانے رہو پھر ایک سال تک اس کی تشہیر کرو ایک سال کی مدت میں اگر اس کا مالک آ جائے تو وہ چیز اس کے حوالہ کر دو اور اگر وہ نہ آئے تو پھر اسے اپنے استعمال میں لے آؤ۔ پھر اس شخص نے گمشدہ بکری کے بارے میں پوچھا کہ اگر کسی کی گم شدہ بکری کوئی شخص پکڑ لائے تو اس کا کیا کرے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تمہاری ہے یا تمہارے بھائی کی ہے اور یا بھیڑیے کی ہے اس کے بعد اس شخص نے پوچھا کہ گمشدہ انٹ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں اس سے کیا مطلب ہے (یعنی اسے نہ پکڑو کیونکہ وہ ضائع ہونیوالی چیز نہیں ہے اس لئے اس کو پکڑ کر لانے کی ضرورت نہیں) اس کی مشک اور اس کے موزے اس کے ساتھ ہیں کہ وہ جب تک اپنے مالک کے پاس نہ پہنچے پانی تک جا سکتا ہے اور درخت کے پتے کھا سکتا ہے۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ جب اس شخص نے لقطہ کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک سال تک اس کی تشہیر کرو اور اس کا سر بند اور ظرف تھیلا وغیرہ پہچانے رکھو (اس مدت تشہیر میں اگر اس کا مالک نہ آئے) تو پھر اسے اپنے استعمال میں لے آؤ اور اگر اس کے بعد اس کا مالک آ جائے تو اس کی وہ چیز جبکہ تمہارے پاس جوں کی توں موجود ہو) دیدو اور نہ اس کی قیمت ادا کر دو۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 251)

لقطہ کی واپسی پر شہادت میں مذاہب اربعہ

ابن مالک کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کا ظرف اور سر بند پہچان لینے کا حکم اس لئے دیا تا کہ جو شخص اس چیز کی ملکیت کا دعویٰ کرے اس پہچان کی سبب سے اس کا سچا یا جھوٹا ہونا معلوم ہو جائے۔ لیکن اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ اگر کوئی شخص لقطہ اٹھانے والے کے پاس آئے اور اپنا ظرف اور اس کا سر بند پہچان کر اس لقطہ کے مالک ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ لقطہ اسے دے دینا واجب ہے یا نہیں؟

چنانچہ امام مالک اور امام احمد تو یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں وہ لقطہ اسے کسی گواہی کے بغیر ہی دے دینا واجب ہے کیونکہ ظرف اور اس کے سر بند کی پہچان رکھنے کا یہی مقصد ہے۔

لیکن امام شافعی اور حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص لقطہ کا ظرف اور اس کا سر بند پہچان لے اور اس لقطہ کا وزن یا عدد بتا دے نیز لقطہ اٹھانے والے کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے کہ یہ شخص سچا ہے تب وہ لقطہ اس شخص کو دے دینا جائز تو ہے لیکن وہ شخص گواہوں کے بغیر لقطہ اٹھانے والے کو دینے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اس صورت میں کہا جائے گا کہ ظرف اور سر بند کی پہچان رکھنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس کی سبب سے وہ لقطہ اٹھانے والے کے مال میں اس طرح خلط ملط نہیں ہو جائے گا کہ جب لقطہ کا مالک آئے تو وہ اپنے مال واسباب اور اس لقطہ کے درمیان امتیاز نہ کر سکے۔

ثم عرفہا (پھراس کی تشہیر کرو) کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ وہ لقطہ پایا گیا ہے نہ صرف وہاں بلکہ بازاروں اور مسجدوں میں اور فلاں کے پاس پہنچ کراس چیز کی تفصیل وعلامات بیان کر کے لے جائے۔

لقطہ اٹھانے والے کے مالک بننے میں فقہی مذاہب

(فان جاء صاحبہا والا فشانک بہا) کا مطلب یہ ہے کہ لقطہ کی تشہیر کے بعد اگر اس کا مالک آ جائے تو اسے وہ لقطہ دیدیا جائے اگر اس مالک کے ساتھ گواہ بھی ہوں جو اس کے دعوی کی ملکیت کی گواہی دیں تو لقطہ اٹھانے والے پر یہ واجب ہوگا کہ وہ اسے لقطہ دیدے اور اگر گواہ نہ ہوں گے تو پھر دے دینا واجب نہیں جائز ہوگا جیسا کہ اوپر اس کی وضاحت کی گئی۔ اور اگر مدت تشہیر گزر جانے کے بعد اس لقطہ کا مالک نہ آئے تو پھر لقطہ اٹھانے والا اس لقطہ کو اپنے استعمال میں لے آئے۔ اس سے گویا یہ معلوم ہوا کہ لقطہ اٹھانے والا اصل مالک کے نہ آنے کی صورت میں اس لقطہ کا خود مالک بن جاتا ہے خواہ وہ مالدار ہو یا مفلس ہو۔

چنانچہ اکثر صحابہ اور حضرت امام شافعی کا یہی مسلک ہے لیکن بعض صحابہ کا قول یہ ہے کہ اگر لقطہ اٹھانے والا خود مالدار ہو تو وہ اس لقطہ کا مالک نہیں بنتا بلکہ اسے چاہئے کہ وہ اس لقطہ کو فقراء ومساکین کو بطور صدقہ دیدے۔

چنانچہ حضرت ابن عباس سفیان ثوری ابن المبارک اور حنفیہ کا یہی قول ہے نیز اس بارے میں یہ بھی حکم ہے کہ اگر صدقہ کر دینے کے بعد مالک آئے تو اسے یہ اختیار ہوگا کہ چاہے تو وہ اس صدقہ کو برقرار رکھے اور اس کے ثواب کا حصہ دار بن جائے اور چاہے تو لقطہ اٹھانے والے یا اس مفلس سے کہ جس کو وہ لقطہ بطور صدقہ دے دیا گیا تھا تاوان لے لے جبکہ وہ چیز ہلاک وضائع ہو گئی ہو۔ لیکن ان دونوں میں سے جو بھی تاوان دے گا وہ دوسرے سے کوئی مطالبہ نہیں کر سکتا یعنی اگر لقطہ اٹھانے والے نے تاوان دیا تو اسے مفلس سے کوئی مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہوگا اور اگر مفلس سے تاوان لیا تو وہ لقطہ اٹھانے والے سے کوئی مطالبہ نہیں کر سکتا ہاں اگر وہ لقطہ ہلاک وضائع نہ ہوا ہو بلکہ جوں کا توں موجود ہو تو وہی لے لے گویا اسکا مطلب یہ ہوا کہ مالک کو تاوان لینے کا حق اسی صورت میں پہنچے گا جب کہ وہ لقطہ ہلاک وضائع ہو گیا ہو اور اگر وہ ہلاک وضائع نہ ہوا ہو تو پھر وہی لینا ہوگا۔ شرح وقایہ کے بعض حواشی میں نہایہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ تشہیر کے بعد لقطہ کو صدقہ کر دینا جائز ہے لیکن اسے رکھ چھوڑنا عزیمت ہے۔

اونٹ کی مشک" سے مراد اس کا پیٹ ہے یعنی انٹ کا پیٹ مشک کی طرح ہوتا ہے جس میں اتنی رطوبت رہتی ہے جو اس کو بہت دنوں تک بغیر پانی کے رکھ سکتی ہے چنانچہ انٹ کئی روز تک پیاس کو برداشت کر لیتا ہے جب کہ دوسرے جانوروں میں یہ چیز نہیں ہوتی۔ اس بارے میں مشہور ہے کہ انٹ پندرہ روز تک اپنی پیاس برداشت کر لیتا ہے۔

لقطہ کے قیمتی ہونے میں معیار ضمان کا بیان

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد حضرت شعیب) سے اور شعیب اپنے دادا یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درختوں پر لٹکے ہوئے پھلوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی ضرورت مند کچھ پھل توڑ کر کھالے مگر اپنی جھولی میں بھر کر نہ لے جائے تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے اور جو شخص کھائے بھی اور جھولی بھر کر لے بھی جائے تو اس پر دوگنا تاوان ہے اور سزا ہے اور جو شخص ان پھلوں میں سے کچھ چرائے جو کھلیان میں رکھے جا

چکے ہوں اور وہ چرائی ہوئی مقدار ایک سپر ڈھال کی قیمت کے بقدر ہو تو اس کے لئے ہاتھ کاٹنے کی سزا ہے۔ راوی نے گمشدہ اونٹ اور بکری کے بارے میں اس سوال وجواب کا ذکر کیا جو دوسرے راویوں نے بیان کیا ہے اور جو پہلے گزر چکا ہے اس کے بعد راوی کہتے ہیں کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لقطہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لقطہ کسی ایسے راستے پر پایا جائے جس پر آمد ورفت رہتی ہو اور گاؤں وآبادی کے قریب ہو تو اس کے بارے میں ایک سال تک تشہیر واعلان کرو اور پھر جب مالک آجائے تو وہ لقطہ اس کے سپرد کر دو اور اگر مالک نہ آئے تو وہ لقطہ تمہارا ہے کہ تم اسے اپنے کام میں لا سکتے ہو) اور وہ لقطہ جو ویرانہ قدیم میں پایا جائے اُس کا اور زمین سے برآمد ہونیوالے دفینے کا حکم یہ ہے کہ اس کا پانچواں حصہ راہ خدا میں دے دیا جائے (نسائی) اور ابوداؤد نے اس روایت کو عمرو بن شعیب سے (وسئل عن اللقطة) تک نقل کیا ہے۔

(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 254)

ضرورت مند سے مراد یا تو مطلقاً فقیر ومفلس ہے کہ اگر چہ وہ حالت اضطرار میں ہو اور یا اس سے مراد مضطر یعنی وہ شخص مراد ہے جو بھوک کی سبب سے مرا جا رہا ہو۔ گویا اس کا حاصل یہ ہے کہ ضرورت مند درخت سے بقدر ضرورت پھل توڑ کر کھالے مگر اپنی جھولی میں بھر کر نہ لے جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

ابن مالک کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص گنہگار تو نہیں ہوتا۔ لیکن اس پر تاوان یعنی اتنے پھل کی قیمت دینا واجب ہوتا ہے یا پھر یہ کہ اس حکم کا تعلق اسلام کے ابتدائی زمانہ سے تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ اور اس پر دوگنا تاوان ہے کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص پھل توڑ کر کھائے بھی اور اپنی جھولی میں بھر کر لے بھی جائے تو اس سے اس پھل کی دوگنی قیمت وصول کی جائے گی۔

لیکن ابن مالک فرماتے ہیں کہ حکم بطریق تنبیہ ہے ورنہ مسئلہ یہ ہے کہ اس پھل کی دوگنی قیمت دینا واجب نہیں ہوتا بلکہ صرف اصل قیمت لی جاسکتی ہے۔ اگر چہ حضرت امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم اسلام کے ابتدائی زمانے کا ہے پھر منسوخ ہو گیا ہے "اور سزا ہے" میں "سزا" سے مراد "تقدیر" ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا ہاں بطور تعزیر کوئی سزا دی جاسکتی ہے اور یہ اس لئے ہے کہ اس زمانہ میں باغات محفوظ اور گھرے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔ جو کھلیان میں رکھے ہوئے اناج وپھل اگر اتنی مقدار میں چرائے جو ایک سپر کی قیمت کے بقدر ہو تو شرعی قانون کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس وقت ایک سپر کی قیمت تین یا چار درہم ہوتی تھی۔

چنانچہ حضرت امام شافعی کے نزدیک چوری کے مال کی وہ مقدار کہ جس پر ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جاتی ہے چار درہم یا اس سے زیادہ مالیت کی ہے۔ لیکن حنفیہ کے مسلک میں ابتدائی دس درہم ہے چنانچہ شمنی نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں سپر کی قیمت دس درہم ہوتی تھی۔

اور جو لقطہ کسی ایسے راستے پر پایا جائے جو آبادی کے قریب ہونے کی سبب سے گزرگاہ عام وخاص ہو تو اس کی تشہیر واعلان واجب ہے کیونکہ اس بات کا غالب گمان ہو سکتا ہے کہ وہ کسی مسلمان کا ہو اور جو لقطہ کسی ویرانہ قدیم یعنی کسی ایسے ویران گاؤں یا قدیم وغیر آباد زمین پر پایا جائے جہاں مسلمانوں کی عمارات نہ ہوں اور نہ وہ کسی مسلمان کی ملکیت میں ہوں تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس

میں سے پانچواں حصہ نکال کر اللہ کی راہ میں صدقہ وخیرات کر دیا جائے اور بقیہ اپنے استعمال میں لے آیا جائے خواہ وہ لقطہ سونے چاندی کی صورت میں ہو یا ان کے علاوہ کسی اور سامان وزیورات کی شکل میں ہواسی طرح کسی ویران قدیم سے اگر کوئی دفینہ وغیرہ برآمد ہوتواس کا بھی یہی حکم ہے۔

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جو چیز ہے بے اطلاع مالک بیچی جائے وہ بیع اجازت مالک پر موقوف رہتی ہے قبل از اجازت اگر سو بھی یکے بعد دیگرے ہوں، سب اسی کی اجازت پر موقوف رہیں گی اور قبل اجازت اس میں کوئی اس کا مالک نہ ہوگا نہ اس کا تصرف جائز ہو، نہ اس کی قربانی ہو سکے، لقطہ کا حکم تشہیر ہے اس کے بعد فقیر پر تصدق نہ کہ بلا تشہیر بیع، ہاں بعد اطلاع جس بیع کو وہ نافذ کر دے نافذ ہو جائیگی جبکہ بائع ومشتری وبیع قائم ہوں۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۷، ص ۲۰۷، لاہور)

1703 - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ، بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ قَالَ: فِي التَّعْرِيفِ قَالَ: عَامَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً وَقَالَ: اعْرِفْ عَدَدَهَا وَوِعَاءَهَا. وَوِكَاءَهَا زَادَ فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَعَرَفَ عَدَدَهَا وَوِكَاءَهَا فَادْفَعْهَا إِلَيْهِ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: لَيْسَ يَقُولُ هٰذِهِ الْكَلِمَةَ إِلَّا حَمَّادٌ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ. يَعْنِي فَعَرَفَ عَدَدَهَا

❀❀ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے تاہم اعلان کرنے کے بارے میں اس راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:
''نبی اکرم ﷺ نے دو یا تین سالوں کے بعد یہ فرمایا''۔
اس راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: ''تم اس کی تعداد، اس کی تھیلی اور تھیلی کے منہ پر باندھی جانے والی ڈوری کو شناخت یاد رکھنا''۔
اس میں یہ الفاظ زائد ہیں: ''اگر اس کا مالک آجاتا ہے اور اس رقم کی تعداد اور اس کی تھیلی کی شناخت بتا دیتا ہے' تو تم اسے اس کے سپرد کر دو''۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ کلمات اس روایت میں صرف حماد نے نقل کئے ہیں'' کہ اگر وہ ان کی تعداد بتا دیتا ہے''۔

گم شدہ اونٹ کو پکڑنے کی ممانعت کا بیان

1704 - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ يَزِيدَ، مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. عَنِ اللُّقَطَةِ، قَالَ: عَرِّفْهَا سَنَةً، ثُمَّ اعْرِفْ وِكَاءَهَا، وَعِفَاصَهَا، ثُمَّ اسْتَنْفِقْ بِهَا، فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَأَدِّهَا إِلَيْهِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَضَالَّةُ الْغَنَمِ؟ فَقَالَ: خُذْهَا، فَإِنَّمَا هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَضَالَّةُ الْإِبِلِ، فَغَضِبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ، أَوِ احْمَرَّ وَجْهُهُ، وَقَالَ: مَا لَكَ وَلَهَا؟ مَعَهَا حِذَاؤُهَا وَسِقَاؤُهَا حَتَّى يَأْتِيَهَا رَبُّهَا.

❀❀ حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے ایسی چیز کے بارے میں دریافت کیا:

جو کہیں گری ہوئی ملتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم ایک سال تک اس کا اعلان کرو پھر اس کی تھیلی اور اس کے منہ پر باندھی جانے والی ڈوری کی شناخت یاد رکھو پھر تم اس رقم کو اپنے استعمال میں لے آؤ اگر اس کا مالک آجائے' تو تم یہ اسے ادا کر دینا۔ اس شخص نے عرض کی: یارسول اللہ! گمشدہ بکری کے بارے میں (آپ ﷺ کا کیا حکم ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: تم اسے حاصل کرلو یا وہ تمہیں ملے گی یا تمہارے کسی اور بھائی کو ملے گی یا بھیڑیا لے جائے گا۔ اس شخص نے عرض کی: یارسول اللہ! گمشدہ اونٹ (کے بارے میں آپ ﷺ کی کیا رائے ہے) اس بات پر نبی اکرم ﷺ کو غصہ آگیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے رخسار مبارک سرخ ہو گئے (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں:) آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہارا اس سے کیا واسطہ؟ اس کے پاؤں اس کے پاس ہیں۔ اس کا پیٹ اس کے پاس ہے۔ اس کا مالک خود ہی اس تک پہنچ جائے گا۔

1705 - حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي مَالِكٌ، بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ زَادَ سِقَاؤُهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ وَلَمْ يَقُلْ: خُذْهَا فِي ضَالَّةِ الشَّاءِ وَقَالَ فِي اللُّقَطَةِ: عَرِّفْهَا سَنَةً، فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا فَشَأْنَكَ بِهَا وَلَمْ يَذْكُرْ اسْتَنْفِقْ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ الثَّوْرِيُّ، وَسُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، وَحَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ رَبِيعَةَ مِثْلَهُ لَمْ يَقُولُوا خُذْهَا

⊛⊛ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے' جس میں یہ الفاظ زائد ہیں۔

''اس کا پیٹ اس کے ساتھ ہے وہ خود پانی تک پہنچ جائے گا' اور درختوں کے پتے کھالے گا''۔

اس روایت میں گمشدہ بکری کے بارے میں یہ الفاظ نہیں ہیں ''تم اسے حاصل کرلو''۔

البتہ گمشدہ چیز کے بارے میں یہ الفاظ ہیں: ''تم ایک سال تک اس کا اعلان کرو اگر اس کا مالک آجاتا ہے' تو ٹھیک ہے ورنہ تم خود اسے استعمال کرو''۔

اس میں یہ ذکر نہیں ہے ''تم اسے خرچ کرو''۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہی روایت بعض دیگر اسناد کے ہمراہ بھی منقول ہے' جس میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ ''تم اسے حاصل کرلو''۔

اگر ناجائز کمائی ہو اور اسے حقدار تک واپس نہ کیا جاسکتا ہو

اگر ناجائز کمائی ہو اور اسے حقدار تک واپس نہ کیا جاسکتا ہو تو اسے صدقہ کر دینا چاہیے۔ (الفروق واشباہ)

اس کا ثبوت یہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لقطہ حلال نہیں ہے جس شخص نے کسی چیز کو اٹھایا وہ اس کا اعلان کرے، اگر اس کا مالک آجائے تو اس کو واپس کردے اور اگر نہ آئے تو اس چیز کو صدقہ

1705- اسناده صحيح. ابن السرح: هو احمد بن عمرو الاموى، وابن وهب: هو عبدالله. وهو عند مالك فى "الموطا" /7572، ومن طريقه اخرجه البخارى (2372) و (2429) و (2430)، ومسلم (1722)، والنسائى فى "الكبرى" (5783)، ورواية النسائى مختصرة بقطعة التعريف باللقطة. وهو فى "صحيح ابن حبان" (4889) و (4898).

کرے، پھر اگر اس کا مالک آجائے تو اس کو (صدقہ کرنے) کے اجر اور اس چیز کے (تاوان لینے میں) اختیار دے۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۶۸، بیروت)

اس حدیث میں آیا ہے کہ لقطہ حلال نہیں لہٰذا اسے اس کے مالک تک پہنچایا جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر اسے صدقہ کر دیا جائے ۔اگرچہ لقطہ میں یہ صراحت نہیں کہ اسے اٹھانا حرام ہے لیکن اس قاعدہ کے ثبوت میں ہم استدلال یہ کر رہے ہیں کہ بعد از اٹھانے کے کیا اسے تصرف میں لایا جاسکتا ہے تو اس میں علمائے احناف کا اتفاق ہے کہ نہیں اسے بعد از عدم الحاق مالک صدقہ کر دیا جائے۔اس کے لئے اسکا کھانا حلال نہیں۔لہٰذا جب لقطہ جس کا ابتدائی سبب بھی نا جائز نہیں اسے حقدار تک نہ پہنچانے پر صدقہ کا حکم ہے تو پھر حرام کمائی والے میں بدرجہ اولیٰ صدقہ کر دینا چاہئے جو اس قاعدے کا تقاضہ ہے۔

1706 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، وَهَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْمَعْنَى، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِي فُدَيْكٍ، عَنِ الضَّحَّاكِ يَعْنِي ابْنَ عُثْمَانَ، عَنْ سَالِمٍ اَبِي النَّضْرِ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ، فَقَالَ: عَرِّفْهَا سَنَةً، فَاِنْ جَاءَ بَاغِيهَا فَاَدِّهَا اِلَيْهِ، وَاِلَّا فَاعْرِفْ عِفَاصَهَا، وَوِكَاءَهَا، ثُمَّ كُلْهَا فَاِنْ جَاءَ بَاغِيهَا فَاَدِّهَا اِلَيْهِ.

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گمشدہ چیز ملنے کے بارے میں دریافت کیا گیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم ایک سال تک اس کا اعلان کرتے رہو اگر وہ شخص آجاتا ہے تو وہ تم اسے ادا کر دو ورنہ تم اس تھیلی اور اس کے منہ پر باندھی جانے والی ڈوری کی شناخت یاد رکھنا اور پھر اسے خود استعمال کرلو۔اگر (کبھی) اسے تلاش کرنے والا شخص آگیا' تو تم (اس کے برابر) ادائیگی اسے کر دینا۔

1707 - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَفْصٍ، حَدَّثَنِي اَبِي، حَدَّثَنِي اِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ اِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ، عَنْ اَبِيْهِ يَزِيْدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، اَنَّهُ قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيْثِ رَبِيعَةَ، قَالَ: وَسُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ: تُعَرِّفُهَا حَوْلًا، فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا دَفَعْتَهَا اِلَيْهِ، وَاِلَّا عَرَفْتَ وِكَاءَهَا وَعِفَاصَهَا، ثُمَّ اَفِضْهَا فِي مَالِكَ، فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَادْفَعْهَا اِلَيْهِ.

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا' اس کے بعد راوی نے حسب سابق حدیث نقل کی ہے۔جس میں یہ الفاظ ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گمشدہ چیز ملنے کے بارے میں دریافت کیا گیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایک سال تک اس کا اعلان کرو اگر اس کا مالک آجاتا ہے' تو وہ تم اس کے حوالے کر دو ورنہ تم اس کی تھیلی اور اس کے منہ پر باندھی جانے والی ڈوری کی شناخت یاد رکھنا اور پھر اسے اپنے مال میں شامل کر لینا (یعنی خود اسے خرچ کر لینا) اگر اس کا مالک آجائے' تو وہ تم اس کے حوالے کر دینا۔

1708 - حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمَاعِيْلَ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، وَرَبِيعَةَ، بِاِسْنَادِ

قُتَيْبَةَ وَمَعْنَاهُ وَزَادَ فِيهِ فَإِنْ جَاءَ بَاغِيهَا فَعَرَفَ عِفَاصَهَا وَعَدَدَهَا فَادْفَعْهَا إِلَيْهِ. وقَالَ حَمَّادٌ: أَيْضًا عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَهٰذِهِ الزِّيَادَةُ الَّتِي زَادَ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، فِي حَدِيثِ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، وَيَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، وَعُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، وَرَبِيعَةَ. إِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَعَرَفَ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَ هَا فَادْفَعْهَا إِلَيْهِ لَيْسَتْ بِمَحْفُوظَةٍ فَعَرَفَ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَ هَا وَحَدِيثُ عُقْبَةَ بْنِ سُوَيْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْضًا قَالَ: عَرِّفْهَا سَنَةً وَحَدِيثُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَيْضًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: عَرِّفْهَا سَنَةً

۞۞ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے' تاہم اس میں یہ الفاظ ہیں:

''اگر اسے تلاش کرنے والا شخص آ گیا اور اس نے اس تھیلی اور اس کے اندر موجود رقم کی گنتی کے بارے میں بتا دیا' تو تم وہ اس کے حوالے کر دینا''۔

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ عمرو بن شعیب کے حوالے سے ان کے والد کے حوالے سے ان کے دادا (حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہی اضافی الفاظ حماد بن سلمہ نے اپنی روایت میں نقل کیے ہیں' جو مختلف راویوں کے حوالے سے منقول ہیں' وہ یہ الفاظ ہیں:

''اگر اس کا مالک آ گیا اور اس نے اس تھیلی اور اس کے منہ پر باندھی جانے والی ڈوری کی شناخت بتا دی تو تم یہ اس کے حوالے کر دینا''۔

اس میں یہ الفاظ منقول نہیں ہیں' ''اس نے اس تھیلی اور اس کے منہ پر باندھی جانے والی ڈوری کو شناخت کر لیا''۔

عقبہ نامی راوی نے اپنی سند کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

''تم ایک سال تک اس کا اعلان کرنا''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں: ''تم ایک سال تک اس کا اعلان کرو''۔

1709 - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ. حَدَّثَنَا خَالِدٌ يَعْنِي الطَّحَّانَ. ح وحَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ. حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ الْمَعْنَى. عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ أَبِي الْعَلَاءِ عَنْ مُطَرِّفٍ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ اللَّهِ. عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ وَجَدَ لُقَطَةً فَلْيُشْهِدْ ذَا عَدْلٍ أَوْ ذَوِي عَدْلٍ، وَلَا يَكْتُمْ وَلَا يُغَيِّبْ فَإِنْ وَجَدَ صَاحِبَهَا فَلْيَرُدَّهَا عَلَيْهِ، وَإِلَّا فَهُوَ مَالُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جس شخص کو کوئی چیز کہیں گری ہوئی ملتی ہے' تو اسے چاہئے کہ وہ ایک یا دو عادل لوگوں کو گواہ بنا لے وہ کوئی چیز چھپائے نہیں اور کوئی چیز غائب نہ کرے اگر چیز کا مالک آ جاتا ہے' تو وہ چیز اس کو واپس کر دے ورنہ یہ اللہ کا مال ہے' وہ جسے چاہتا ہے اسے وہ عطا کر دیتا ہے''۔

حصول لقطہ کے لیے گواہی کا بیان

امام ابوالحسن فرغانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جب کوئی بندہ حاکم کے پاس گیا اور اس نے لقطہ کا دعویٰ کر دیا تو جب تک وہ گواہ پیش نہ کرے اس وقت تک اسے لقطہ نہیں دیا جائے گا ہاں جب وہ کوئی علامت بیان کر دے تو اٹھانے والے کے لئے اس کا لقطہ دینا حلال ہے لیکن فیصلے کے طور پر اٹھانے والے کو اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت امام مالک اور امام شافعی علیہما الرحمہ نے فرمایا کہ اس کو مجبور کیا جائے گا۔ اور علامت یہ ہے کہ وہ دراہم کا وزن، ان کی تعداد، اس بندھن اور اس کا برتن بیان کرے۔ ان ائمہ فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ اٹھانے والا قبضہ سے متعلق مالک سے جھگڑا کرنے والا ہے مگر ملکیت کے بارے میں جھگڑا کرنے والا نہیں ہے پس اس میں لقطہ کا وصف بیان کرنا شرط ہوگا کیونکہ اس میں ایک طرح جھگڑا موجود ہے جبکہ گواہ پیش کرنا شرط نہ ہوگا کیونکہ ایک طرح سے جھگڑا نہیں ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ملکیت کی طرح قبضہ میں حق حاصل کرنا مقصد ہے پس اس کو ملکیت پر قیاس کرتے ہوئے بغیر کسی دلیل کے یعنی گواہ پیش کیے بغیر وہ اس کا حقدار نہ ہوگا البتہ علامت بیان کرنے کی حالت میں اٹھانے والے کے لئے لقطہ دینا حلال ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اس کا مالک آ جائے تو وہ لقطہ کی تھیلی اور اس کی تعداد بیان کر دے تو اٹھانے والا لقطہ مالک کے حوالے کر دے۔ یہ حکم اباحت کے طور پر ہے جبکہ حدیث مشہور پر عمل کرتے ہوئے اور وہ حدیث مشہور یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدعی پر گواہ پیش کرنا ضروری ہے اور اٹھانے والا جب مالک کو دینے لگے تو بہ طور ضامن ایک کفیل سے پکڑے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ اٹھانے والا اپنی ذات کے لئے کفیل طلب کرنے والا ہے۔ بہ خلاف امام اعظم کے کیونکہ ان کے نزدیک غائب وارث کا کفیل لینا صحیح نہیں ہے۔ (ہدایہ، کتاب لقطہ، لاہور)

1710 - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الثَّمَرِ الْمُعَلَّقِ؟ فَقَالَ: مَنْ أَصَابَ بِفِيهِ مِنْ ذِي حَاجَةٍ غَيْرَ مُتَّخِذٍ خُبْنَةً فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ، وَمَنْ خَرَجَ بِشَيْءٍ مِنْهُ فَعَلَيْهِ غَرَامَةُ مِثْلَيْهِ وَالْعُقُوبَةُ، وَمَنْ سَرَقَ مِنْهُ شَيْئًا بَعْدَ أَنْ يُؤْوِيَهُ الْجَرِينُ فَبَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ فَعَلَيْهِ الْقَطْعُ وَذَكَرَ فِي ضَالَّةِ الْإِبِلِ وَالْغَنَمِ كَمَا ذَكَرَهُ غَيْرُهُ، قَالَ: وَسُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ، فَقَالَ:

1710- اسناده حسن. الليث: هو ابن سعد، وابن عجلان: هو محمد. واخرجه الترمذي (1289)، والنسائي (7404) عن قتيبة بن سعيد، بهذا الاسناد. ورواية الترمذي مختصرة بذكر ما يصيبه ذو الحاجة، وقال: حديث حسن. واخرجه النسائي (7405) من طريق عمرو بن الحارث وهشام بن سعد عن عمرو ابن شعيب، به

مَا كَانَ مِنْهَا فِي طَرِيقِ الْمِيتَاءِ اَوِ الْقَرْيَةِ الْجَامِعَةِ فَعَرِّفْهَا سَنَةً. فَإِنْ جَاءَ طَالِبُهَا فَادْفَعْهَا إِلَيْهِ، وَإِنْ لَمْ يَأْتِ فَهِيَ لَكَ، وَمَا كَانَ فِي الْخَرَابِ يَعْنِي فَفِيهَا وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ.

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نقل کرتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے (درخت پر) لٹکے ہوئے پھل کے بارے میں دریافت کیا گیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص ضرورت مند ہونے کی وجہ سے منہ میں ڈال کر اسے کھالیتا ہے' لیکن اپنے کپڑے میں کچھ نہیں باندھتا اس پر کوئی گناہ نہیں ہے' لیکن جو شخص وہاں سے کوئی چیز اٹھا کر لے کر جاتا ہے' تو اسے اس کا دوگنا جرمانہ ہوگا' اور سزا بھی دی جائے گی' جو شخص گودام میں آجانے کے بعد اس پھل کو چراتا ہے' تو اگر وہ ڈھال کی قیمت جتنا ہو' تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

اس کے بعد راوی نے گمشدہ ملنے والی بکری اور اونٹ کے بارے میں اسی طرح ذکر کیا' جس طرح دوسرے راویوں نے ذکر کیا ہے۔ راوی کہتا ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گمشدہ ملنے والی چیز کے بارے میں دریافت کیا گیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو چیز تمہیں کسی عام گزرگاہ اور کسی بڑی آبادی میں ملتی ہے' تو ایک سال تک اس کا اعلان کرو اگر اس کا طلب گار آجاتا ہے' تو وہ اس کے سپرد کردو اور اگر کوئی نہیں آتا تو وہ تمہاری ملکیت ہوگی اور جو چیز کسی ویران جگہ پر ملتی ہے' تو اس میں اور دفینہ ملنے پر پانچویں حصے کی ادائیگی لازم ہوگی۔

1711- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا اَبُو اُسَامَةَ، عَنِ الْوَلِيدِ يَعْنِي ابْنَ كَثِيرٍ، حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ شُعَيْبٍ، بِإِسْنَادِهِ بِهٰذَا، قَالَ فِي ضَالَّةِ الشَّاءِ: قَالَ: فَاجْمَعْهَا.

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے' تاہم اس میں گمشدہ ملنے والی بکری کے بارے میں یہ الفاظ ہیں: ''تم اسے جمع کرلو (یعنی اپنی بکریوں میں شامل کرلو)''

ہر جگہ پکڑے جانے والے جانوروں کے لقطہ ہونے میں فقہی مذاہب

اونٹ کے موزے، سے مراد اس کے مضبوط و قوی تلوے ہیں کہ وہ راہ چلنے اور پانی گھاس تک پہنچنے اور درندوں سے اپنے آپ کو بچانے کی خوب طاقت رکھتا ہے۔ گویا اس ارشاد گرامی میں مشک اور موزے کے ذریعہ انٹ کو اس مسافر سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے ساتھ سامان سفر رکھتا ہے جس کی موجودگی میں اسے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس معاملہ میں ہر جانور انٹ کے حکم میں ہے جو اپنے نگہبان یعنی چرواہے کی عدم موجودگی میں بھیڑیئے وغیرہ کے چنگل میں پھنس کر ضائع و ہلاک نہیں ہوتا جس طرح گھوڑا گائے اور گدھا وغیرہ ہے۔

حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک نے اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ جنگل میں انٹ اور گائے وغیرہ بطور لقطہ نہیں پکڑے جاسکتے کیونکہ وہاں ان کے ضائع ہوجانے کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا۔ البتہ دیہات اور شہروں میں اگر یہ جانور ملیں تو انہیں بطور لقطہ نہیں پکڑے جاسکتے کیونکہ وہاں ان کے ضائع ہوجانے کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا البتہ دیہات اور شہروں میں اگر یہ جانور ملیں تو انہیں بطور لقطہ پکڑنا جائز ہے۔

حنفیہ کے ہاں تمام جانوروں کا التقاط اور تعریف یعنی انہیں بطور لقطہ پکڑنا اور اسکی تشہیر کرنا) لوگوں کے مال کی حفاظت کے پیش نظر ہر جگہ مستحب ہے خواہ جنگل ہو یا آبادی حضرت زید کی اس روایت کے بارے میں حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اس میں مذکورہ حکم کہ اونٹ کو پکڑنے کی ضرورت نہیں ہے اس زمانہ میں تھا جب کہ امانتدار اور خیر و بھلائی کے حامل لوگوں ہی غلبہ تھا جس کی سبب سے اگر کسی کا جانور کوئی نہ پکڑتا تھا تو کسی خائن کا ہاتھ ان تک نہیں پہنچتا تھا لیکن اب اس زمانہ میں یہ بات مفقود ہے اور امانت و دیانت کے حامل لوگ بہت ہی کم ہیں اس لئے مخلوق خدا کے مال کی حفاظت کا تقاضا یہی ہے کہ جو جانور جہاں مل جائے اسے بطور لقطہ پکڑ لایا جائے اور اس مالک تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔

لقطہ میں بکری پکڑنے کا بیان

اگر کوئی بکری بطور لقطہ تم نے پکڑی اور پھر تم نے اس کی تشہیر کی جس کے نتیجہ میں اس کا مالک آ گیا تو وہ تم سے لے لے گا لیکن اگر تشہیر کے بعد مالک نہ آیا تو پھر وہ بکری تمہاری ہو جائے گی تم اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو اسی طرح (ولاخیک الا) الخ یا تمہارے بھائی کی ہے الخ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے وہ بکری پکڑی لی اور اس کا مالک آ گیا تو وہ اسے لے لے گا اور اگر تم نے نہ پکڑی اور مالک کے ہاتھ لگ گئی تب بھی وہ لے لے گا یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے وہ بکری نہ پکڑی تو تمہارے بجائے کوئی اور تمہارا مسلمان بھائی اسے پکڑ لے گا اور اگر ان میں سے کوئی بھی صورت نہ ہوئی تو پھر بھیڑیا اس بکری کو پکڑ لے گا گویا اس ارشاد کا مقصد اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ اگر کوئی بکری بطور لقطہ ملے تو اسے پکڑ لینا اور مالک کے نہ آنے کی صورت میں اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے تا کہ وہ بکری یوں ہی ضائع نہ ہو اور بھیڑیا وغیرہ اسے نہ کھا لے۔ یہی حکم ہر اس جانور کے بارے میں ہے جو اپنے نگہبان یعنی چرانے والے کی عدم موجودگی میں بھیڑیئے کی گرفت میں جانے سے محفوظ نہ رہ سکتا ہو۔

لقطہ کے تین احوال کا فقہی بیان

جب مالک کی کوئی چیز گم ہو جائے تو وہ تین حالات سے خالی نہیں ہو سکتی۔

پہلی حالت: وہ چیز لوگوں کی تسبب کے قابل اور اہم نہ ہو، مثلاً چھڑی، روٹی، جانور ھانکنے والی چھڑی، پھل وغیرہ، لہٰذا یہ اشیاء اٹھا کر استعمال کی جا سکتی ہیں اور ان کے اعلان کی کوئی ضرورت نہیں۔

جیسا کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی بیان ہے جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھڑی، رسی، اور کوڑا اٹھانے کی اجازت دی ہے (سنن ابوداؤد)

دوسری حالت: وہ چیز چھوٹے درندوں سے اپنے آپ کو بچا سکتی ہو، یا تو اپنی ضخامت کی سبب سے مثلاً اونٹ، گائے، گھوڑا، خچر، یا وہ اڑ کر اپنی حفاظت کر سکتی ہو، مثلاً اڑنے والے پرندے، یا تیز رفتاری کے سبب مثلاً ھرن، یا پھر اپنی کچلیوں سے اپنا دفاع کر سکتی ہو، مثلاً چیتا وغیرہ۔ تو اس قسم کے جانوروں کو پکڑنا حرام ہے اور اعلان کے باوجود اس کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گمشدہ اونٹ کے بارہ میں فرمایا تھا: (آپ کو اس کا کیا اس کے پاس تو پینے کے لیے بھی ہے اور چلنے کی طاقت بھی، پانی پیئے اور درختوں کے پتے کھائے گا حتی کہ اس کا مالک اسے حاصل کر لے) (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس نے بھی گمشدہ چیز اٹھائی وہ غلطی پر ہے۔ یعنی اس نے صحیح نہیں کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس حدیث میں یہ حکم دیا ہے کہ اسے پکڑا نہ جائے بلکہ وہ خود ہی کھاتا پیتا رہے گا حتی کہ اس کا مالک اسے تلاش کر لے۔

اور اس قسم میں بڑی بڑی اشیاء بھی ملحق کی جاسکتی ہیں مثلا: بڑی دیگ، اور ضخیم لکڑیاں اور لوہا، اور وہ اشیاء جو خود ہی محفوظ رہتی ہوں اور ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں اور نہ ہی وہ خود اپنی جگہ سے منتقل ہوسکتی ہیں ان کا اٹھانا بھی حرام ہے بلکہ باولی حرام ہے۔

تیسری حالت: گمشدہ اشیاء مال ودولت ہو: مثلا پیسے، سامان، اور وہ جو چھوٹے درندوں سے اپنی حفاظت نہ کر سکے، مثلا بکری، گائے وغیرہ کا بچھڑا وغیرہ، تو اس میں حکم یہ ہے کہ اگر پانے والے کو اپنے آپ پر بھروسہ ہے تو اس کے لیے اٹھانا جائز ہے۔

لقطہ کی اقسام کا فقہی بیان

پہلی قسم: کھانے والے جانور، مثلا مرغی، بکری، بکری اور گائے کا بچہ وغیرہ، تو اسے اٹھانے والے پر تین امور میں سے کوئی کرنا ضروری ہے۔

پہلا: اسے کھالے اور اس حالت میں وہ اس کی قیمت ادا کرے گا۔

دوسرا: اس کے اوصاف وغیرہ یاد رکھے اور اسے بیچ کر اور اس کی قیمت مالک کے لیے محفوظ کر لے۔

تیسرا: اس کی حفاظت کرے اور اپنے مال سے اس پر خرچ کرے لیکن وہ اس کی ملکیت نہیں بنے گی وہ اس نفقہ سمیت مالک کے آنے پر اسی واپس کی جائے گی۔

اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بکری کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اسے پکڑلو، اس لیے کہ یا تو وہ آپ کے لیے ہے یا پھر آپ کے بھائی کی یا پھر بھیڑیا کھا جائے گا) (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ بکری کمزور ہے وہ ہلاک ہوجائے گی یا تو اسے آپ پکڑلیں یا پھر کوئی اور پکڑ لے وگرنہ اسے بھیڑیا کھا جائے گا۔

ابن قیم اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے کہتے ہیں: (اس حدیث میں بکری کے پکڑنے کا جواز پایا جاتا ہے، اگر بکری کا مالک نہ آئے تو وہ پکڑنے والے کی ملکیت ہونے کی بنا پر اسے اختیار ہے کہ وہ اسے فی الحال کھالے اور قیمت ادا کردے، یا پھر اسے بیچ کر اس کی قیمت محفوظ کر لے، یا اسے اپنے پاس رکھے اور اپنے مال میں سے اسے چارہ کھلائے، علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کھانے سے پہلے مالک آجائے تو بکری لے جاسکتا ہے)۔

دوسری قسم: جس کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو: مثلا تربوز، اور دوسرے پھل وغیرہ تو اس میں اٹھانے والے کو مالک کے لیے بہتر کام کرنا چاہیے کہ اسے کھالے اور مالک کو قیمت ادا کردے، یا پھر اسے بیچ دے اور مالک کے آنے تک اس کی قیمت محفوظ رکھے۔

تیسری قسم: اوپر والی قسموں کے علاوہ باقی سارا مال: مثلا نقدی، اور برتن وغیرہ، اس میں ضروری ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرے اور یہ اس پاس امانت رہے گی اور اسے لوگوں کے جمع ہونے والی جگہوں پر اس کا اعلان کرنا ہوگا۔ - کوئی بھی گری ہوئی چیز

اس وقت تک اٹھا سکتا ہے جب اسے اپنے آپ پر بھروسہ ہو کہ وہ اس کا اعلان کرے گا۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے زید بن خالد جھنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اس کا تھیلی اور رسی کی پہچان کرلو اور اس کا ایک برس تک اعلان کرتے رہو اگر مالک نہ آئے تو اسے خرچ کرلو لیکن وہ آپ کے پاس امانت ہے اگر اس کا مالک کسی دن تیرے پاس آ جائے تو اسے واپس کردو)۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: (اسے پکڑ لو اس لیے کہ یا تو وہ آپ کے لیے ہے یا پھر آپ کے بھائی کے لیے اور یا پھر بھیڑیے کے لیے) اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گمشدہ اونٹ کے بارہ میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: (آپ کو اس سے کیا؟! اس کے پاس پینے کے لیے بھی ہے اور چلنے کے لیے بھی وہ پانی پر جائے گا اور درختوں کے پتے کھاتا پھرے گا حتی کہ اس کا مالک اسے حاصل کرلے) (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان (اس کی تھیلی اور تسمہ کی پہچان کرلو) کا معنی یہ ہے کہ: وہ رسی یا تسمہ جس سے رقم اور پیسے کی تھیلی کو باندھا جاتا ہے، اور عفاص اس تھیلی کو کہتے ہیں جس میں مال و رقم ہوتی ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (پھر ایک برس تک اس کا اعلان کرتے رہو) یعنی لوگوں کے جمع ہونے کی جگہوں بازاروں اور مساجد کے دروازوں کے باہر اور دوسری جمع ہونے والی جگہوں وغیرہ میں اس کا اعلان کرتے رہو۔

(ایک برس) یعنی پورے ایک سال تک، چیز ملنے کے پہلے ہفتہ میں روزانہ اعلان کرے، اس لیے کہ پہلے ہفتے میں مالک کے ڈھونڈتے ہوئے آنے کی زیادہ امید ہے، پھر اس ہفتہ کے بعد وہ لوگوں کی عادت کے مطابق اعلان کرتا رہے۔

(اور اگر یہ طریقہ گزشتہ ادوار میں موجود رہا ہے تو اب اسے آج کے دور کے مطابق اعلان کرنا چاہیے اہم یہ ہے کہ مقصد حاصل ہو جائے کہ حتی الامکان اس کے مالک تک پہنچا جا سکے)

حدیث گمشدہ چیز کے اعلان کے وجوب پر دلالت کرتی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (اس کی تھیلی اور تسمہ پہچان لو) میں اس کی صفات اور نشانیوں کی پہچان کرنے کے وجوب کی دلیل پائی جاتی ہے، تاکہ جب اس کا مالک آئے اور اس کے مطابق نشانی بتائے تو اسے یہ مال واپس کیا جا سکے، اور اگر اس کی بتائی ہوئی نشانی صحیح نہ ہو تو وہ مال اسے دینا جائز نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (اگر اس کے مالک کو نہ پائے تو اسے استعمال کرلو) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ چیز اٹھانے والا ایک برس تک اعلان کرنے کے بعد اس کا مالک بنے گا، لیکن وہ اس کی نشانیوں کی پہچان سے قبل اس میں کسی قسم کا تصرف نہیں کرسکتا: یعنی اسے اس کی تھیلی، باندھنے والی رسی، مال کی مقدار، اس کی جنس اور کس طرح کا ہے وغیرہ کی پہچان کر لینی چاہیے، اگر ایک برس کے بعد اس کا مالک آئے اور اس کے مطابق نشانی بتائے تو اسے ادا کردے اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

(اگر اس کا مالک کسی بھی روز آ جائے تو اسے وہ مال ادا کردو)

لقطہ سے لازم ہونے والے احکام کا بیان

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے لقطہ یا گمشدہ چیز کے بارہ میں چند ایک امور لازم آتے ہیں۔

پہلا: اگر کوئی گری ہوئی چیز پائے تو اس وقت تک نہ اٹھائے جب تک کہ اسے اپنے آپ پر بھروسہ اور اس کے اعلان کرنے

کی قوت نہ ہوتا کہ اس کے مالک تک وہ چیز پہنچ جائے، اور جس کو اپنے آپ پر بھروسہ ہی نہیں اس کے لیے اسے اٹھانا جائز نہیں، اگر اس کے باوجود وہ اٹھالے تو وہ غاصب جیسا ہی ہے اس لیے کہ اس نے کسی دوسرے کا مال ناجائز اٹھایا ہے اور پھر اس میں دوسرے کے مال کا ضیاع بھی ہے۔

دوسرا: اٹھانے سے قبل اس کی تھیلی اور تسمہ اور مال کی جنس اور مقدار وغیرہ کی معرفت و پہچان ضروری ہے، تھیلی سے مراد وہ کپڑا یا بٹوہ ہے جس میں رقم رکھی گئی ہو، اور (وکائها) سے مراد وہ رسی یا ڈوری ہے جس سے اس تھیلی کو باندھا گیا اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پہچان کا حکم دیا ہے اور امر وجوب کا متقاضی ہے۔

تیسرا: ایک برس تک مکمل اس کا اعلان کرنا ضروری ہے پہلے ہفتہ میں روزانہ اور اس کے بعد عادت کے مطابق اعلان ہوگا، اور اعلان میں یہ کہے کہ: جس کسی کی بھی کوئی چیز گم ہوئی ہو یا اس طرح کے کوئی اور الفاظ، اور یہ اعلان لوگوں کے جمع ہونے والی جگہوں مثلا بازار، اور نمازوں کے اوقات میں مساجد کے دروازوں پر اعلان کرے۔

گمشدہ چیز کا اعلان مساجد میں نہیں کیا جائے گا کیونکہ مساجد اس لیے نہیں بنائی گئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سے منع فرمایا ہے: (جو بھی کسی کو مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کرتا ہوا سنے وہ اسے یہ کہے، اللہ تعالیٰ اس چیز کو تیرے پاس واپس نہ لائے)

چوتھا: جب اس کا مالک تلاش کرتا ہوا آئے اور اس کے مطابق صفات اور نشانیاں بتائے تو اسے وہ چیز بغیر کسی قسم اور دلیل کے واپس کرنی واجب ہے اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا ہے۔

اور پھر وہ صفات و نشانیاں قسم اور دلیل کے قائم مقام ہیں، بلکہ ہوسکتا ہے کہ اس کی صفات کا بتانا دلیل اور قسم سے بھی سچی اور اظہر ہو، اور اس کے ساتھ ساتھ اصل چیز کا نفع چاہے وہ متصل ہو یا منفصل واپس کرنا پڑے گا۔

لیکن اگر مالک اس کی صفات اور نشانی نہ بتا سکے تو وہ چیز اسے واپس نہیں کرنی چاہیے، اس لیے کہ وہ اس پاس امانت ہے جس کو مالک کے علاوہ کسی اور کو دینا جائز نہیں۔

پانچواں: ایک برس تک اعلان کے بعد بھی اگر مالک نہ آئے تو وہ چیز اٹھانے والے کی ملکیت ہوگی لیکن اس میں تصرف سے قبل اس کی صفات اور نشانیوں کی پہچان ضروری ہے تا کہ اگر کبھی اس کا مالک لینے آئے تو اس کی بتائی ہوئی نشانیوں کی پہچان کرنے کے بعد اگر وہ چیز موجود ہو تو واپس کی جائے وگرنہ اس کا بدل یا قیمت ادا کر دی جائے اس لیے کہ مالک کے آنے سے اس کی ملکیت ختم ہو جائے گی۔

1712 - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا اَبُو عَوَانَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ الْاَخْنَسِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، بِهٰذَا بِاِسْنَادِهٖ قَالَ فِيْ ضَالَّةِ الْغَنَمِ: لَكَ اَوْ لِاَخِيكَ اَوْ لِلذِّئْبِ، خُذْهَا قَطُّ. وَكَذَا قَالَ فِيْهِ اَيُّوْبُ، وَيَعْقُوبُ بْنُ عَطَاءٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ: فَخُذْهَا.

❀ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے تاہم اس میں گمشدہ بکری کے بارے میں یہ الفاظ ہیں: ''وہ یا تمہیں ملے گی یا تمہارے بھائی کو ملے گی یا کسی بھیڑیے کو ملے گی تو تم اسے حاصل کرلو''۔

اسی طرح دیگر راویوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

''تم اسے حاصل کرلو''۔

1713 - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، ح وحَدَّثَنَا ابْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ، عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا، قَالَ فِي ضَالَّةِ الشَّاءِ: فَاجْمَعْهَا حَتَّى يَأْتِيَهَا بَاغِيهَا

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے جس میں گمشدہ بکری کے بارے میں یہ الفاظ ہیں:

''تم اسے (اپنی بکریوں میں) شامل کرلو۔ یہاں تک کہ اسے تلاش کرنے والا شخص آجائے تو وہ اس کے حوالے کردینا''۔

لقطہ کے بعض احکام کا بیان

کوئی ایسی چیز پائی جو بے قیمت ہے جیسے کھجور کی گٹھلی' انار کا چھلکا' ایسی اشیاء میں اعلان کی حاجت نہیں کیونکہ معلوم ہوتا ہے اسے چھوڑ دینا اباحت ہے کہ جو چاہے لے لے اور اپنے کام میں لائے اور یہ چھوڑنا تملیک نہیں کہ مجہول کی طرف سے تملیک صحیح نہیں۔ لہٰذا وہ اب بھی مالک کی ملک میں باقی ہے۔ (ردالمحتار) اور بعض فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ وہ متفرق ہوں اور اگر اکٹھی ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ مالک نے کام کے لئے جمع کر رکھی ہیں لہٰذا محفوظ رکھے خرچ نہ کرے۔ (بحرالرائق)

لقطہ کی نسبت اگر معلوم ہے کہ یہ ذمی کی چیز ہے تو اسے بیت المال میں جمع کردے۔ خود اپنے تصرف میں نہ لائے نہ مساکین کو دے۔ اگر مالک کے پتہ چلنے کی امید ہے اور ملتقط کے مرنے کا وقت قریب آ گیا تو وصیت کر جانا یعنی یہ ظاہر کر دینا کہ یہ لقطہ ہے واجب ہے۔ ملتقط کو لقطہ کی کوئی اجرت نہیں ملے گی اگرچہ کتنی ہی دور سے اٹھالایا ہو اور لقطہ اگر جانور ہو اور اس کے کھلانے میں کچھ خرچ کیا ہو تو اس کا معاوضہ بھی نہیں پائے گا ہاں اگر قاضی کی اجازت سے ہو اور اس نے کہہ دیا ہو کہ اس پر خرچ کر جو کچھ خرچ ہوگا مالک سے وصول کر لینا' تو اب مصارف لے سکتا ہے۔ (بحرالرائق)

جو کچھ حاکم کی اجازت سے خرچ کیا ہے اسے وصول کرنے کے لئے لقطہ کو مالک سے روک سکتا ہے۔ مصارف دینے کے بعد وہ لے سکتا ہے اور نہ دے تو قاضی لقطہ کو بیچ کر مصارف ادا کردے اور جو بچے مالک کو دے دے۔ لقطہ پر خرچ کرنے کی قاضی سے اجازت طلب کی تو قاضی گواہ طلب کرے گا۔ اگر گواہوں سے لقطہ ہونا ثابت ہوگیا تو مصارف کی اجازت دے گا ورنہ نہیں اور اگر ملتقط کہتا ہے میرے پاس گواہ نہیں ہیں تو قاضی یہ حکم دے گا کہ اگر تو سچا ہے اس پر خرچ کر مالک آئے گا تو وصول کر لینا اور اگر تو غاصب ہے تو کچھ نہ ملے گا۔ لقطہ اگر ایسی چیز سے ہو جس سے منفعت حاصل ہو سکتی ہے مثلاً بیل' گدھا' گھوڑا کہ ان کو کرایہ پر دے کر اجرت حاصل کر سکتا ہے تو حاکم کی اجازت سے کرایہ پر دے سکتا ہے اور جو اجرت حاصل ہو اسی میں سے اسے خوراک بھی دی جائے اور اگر ایسی چیز لقطہ ہو جس سے آمدنی نہ ہو اور سردست مالک کا پتہ نہیں چلتا اور اس پر خرچ کرنے میں مالک کا نقصان ہے کہ کچھ دنوں میں اپنی قیمت کی قدر کھا جائے گا تو قاضی اس کو بیچ کر اس کی قیمت محفوظ رکھے کہ اسی میں مالک کا نفع ہے اور قاضی نے بیچ کی یا قاضی کے حکم سے ملتقط نے تو یہ بیچ نافذ ہے' مالک اس بیچ کو رد نہیں کر سکتا۔ (بحر' در مختار' کتاب زکوۃ' مطبوعہ بیروت)

لقطہ ایسی چیز تھی جس کے رکھنے میں مالک کا نقصان تھا۔ اسے خود ملتقط نے بغیر اجازت قاضی بیچ ڈالا تو یہ بیچ نافذ نہ ہوگی بلکہ اجازت

مالک پر موقوف رہے گی۔ اگر مالک آیا اور چیز مشتری کے پاس موجود ہے تو اسے اختیار ہے بیع کو جائز کرے یا باطل کردے اور چیز اس سے لے لے اور اگر مالک اس وقت آیا کہ مشتری کے پاس وہ چیز نہ رہی تو اسے اختیار ہے کہ مشتری سے اس کی قیمت تاوان لے یا بائع سے تاوان لے اگر بائع سے تاوان لے گا تو بیع نافذ ہوجائے گی اور زرِ ثمن بائع کا ہوگا مگر زرِ ثمن جتنا قیمت سے زائد ہوا سے صدقہ کردے۔

(فتح القدیر)

لقطہ کا مدعی پیدا ہوگیا اور وہ نشان اور پتہ بتاتا ہے جو لقطہ میں موجود ہے یا خود ملتقط اس کی تصدیق کرتا ہے تو دے دینا جائز ہے اور قاضی نے حکم کردیا تو دینا لازم اور بغیر حکم قاضی دے دیا تو اس کا کفیل یعنی ضامن لے سکتا ہے۔ (درِّ مختار، کتاب زکوٰۃ، مطبوعہ بیروت) اور علامت بتانے کی صورت میں اگر دینے سے انکار کرے تو مدعی کو گواہ سے ثابت کرنا ہوگا کہ یہ اسی کی ملک ہے۔ (ہدایہ)

مدعی نے علامت بیان کی یا ملتقط نے اس کی تصدیق کی اور لقطہ دے دیا' اس کے بعد دوسرا مدعی پیدا ہوگیا اور یہ گواہوں سے اپنی ملک ثابت کرتا ہے تو اگر چیز موجود ہے اسے دلا دی جائے اور تلف ہوچکی ہے تو تاوان لے سکتا ہے اور یہ اختیار ہے کہ ملتقط سے تاوان لے یا مدعی اول سے۔ (ردّ المحتار)

راستہ پر بھیڑ مری ہوئی پڑی تھی اس نے اس کی اون کاٹ لی تو اسے اپنے کام میں لاسکتا ہے اور مالک آکر اس کا مطالبہ کرے تو لے سکتا ہے اور اگر اس کی کھال نکال کر پکالی اور مالک لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔ مگر پکانے کی وجہ سے جو کچھ قیمت میں اضافہ ہوا ہے دینا پڑے گا۔ خربوزہ اور تربوز کی پالیز کو لوگوں نے لوٹ لیا اگر اس وقت لوٹی جب مالک کی طرف سے اجازت ہوگئی کہ جس کا جی چاہے لے جائے جیسا کہ عام طور پر جب فصل ختم ہوجایا کرتی ہے تھوڑے سے خراب پھل باقی رہ جاتے ہیں مالک اجازت دے دیا کرتے ہیں تو لوٹنے میں کوئی حرج نہیں۔ نکاح میں چھوہارے لٹائے جاتے ہیں۔ ایک کے دامن میں گرے تھے اور دوسرے نے اٹھالئے ان کی دو صورتیں ہیں جس کے دامن میں گرے تھے اگر اس نے اسی غرض سے دامن پھیلائے تھے تو دوسرے کو لینا جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب زکوٰۃ، مطبوعہ، بیروت)

شادیوں میں روپے پیسے لٹانے کے لئے جس کو دیئے وہ خود لٹائے دوسرے کو لٹانے کے لئے نہیں دے سکتا اور کچھ بچا کر اپنے لئے رکھ لے یا گرا ہوا خود اٹھالے یہ جائز نہیں۔ اور شکر' چھوہارے لٹانے کو دیئے تو بچا کر کچھ رکھ سکتا ہے اور دوسرے کو بھی لٹانے کے لئے دے سکتا ہے اور دوسرے نے لٹائے تو اب وہ بھی لوٹ سکتا ہے۔ کھیت کٹ جانے کے بعد کچھ بالیاں گری پڑی رہ جاتی ہیں اگر کاشتکار نے چھوڑ دی ہیں کہ جس کا جی چاہے اٹھالے جائے تو لے جانے میں حرج نہیں۔ مگر مالک کی ملک اب بھی باقی ہے اور چاہے تو لے سکتا ہے مگر جمع کرنے کے بعد اس سے لے لینا دنائت ہے اور اگر کاشتکار نے چند خاص لوگوں سے کہہ دیا کہ جو چاہے لے جائے تو اب جمع کرنے والوں کا ہوگیا۔

(بحر الرائق تبیین وغیرہما)

اگر یتیموں کا کھیت ہے اور بالیاں اتنی زائد ہیں کہ اجرت پر چنوائی جائیں تو معقول مقدار میں بچیں گی تو چھوڑنا جائز نہیں اور اتنی ہیں کہ چنوائی جائیں تو اتنی ہی مزدوری بھی دینی پڑے گی یا مزدوری دینے کے بعد قدرے قلیل بچیں گی تو چھوڑ دینا جائز ہے۔ اخروٹ وغیرہ کے متعدد دانے ملے یوں کہ پہلے ایک ملا پھر دوسرا پھر اور ایک وعلیٰ ہذا القیاس اتنے ملے کہ اب ان کی قیمت ہوگئی تو احوط یہ ہے کہ بہر صورت ان کی حفاظت کرے اور مالک کو تلاش کرے۔ اور سیب' امرود پانی میں پڑے ہوئے ملیں تو لینا جائز ہے اگرچہ زیادہ ہوں ورنہ پانی میں خراب ہوجائیں گے۔ بارش میں اس لئے برتن رکھ دیئے کہ ان میں پانی جمع ہو تو دوسرے کو بغیر اجازت ان برتنوں کا پانی لینا جائز نہیں اور اگر اس

لئے نہیں رکھے ہیں تو جائز ہے۔ یونہی اگر سکھانے کے لئے جال پھیلایا اس میں کوئی جانور پھنس گیا تو جس نے پکڑا اس کا ہے اور جانور پکڑنے کے لئے جال تانا تو جانور جال والے کا ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب زکوٰۃ، مطبوعہ، بیروت)

1714 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ الْاَشَجِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ مِقْسَمٍ، حَدَّثَهُ عَنْ رَجُلٍ، عَنْ اَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، اَنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِي طَالِبٍ، وَجَدَ دِيْنَارًا فَاَتٰى بِهٖ فَاطِمَةَ فَسَاَلَتْ عَنْهُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: هُوَ رِزْقُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ. فَاَكَلَ مِنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاَكَلَ عَلِيٌّ، وَفَاطِمَةُ فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ اَتَتْهُ امْرَاَةٌ تَنْشُدُ الدِّيْنَارَ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا عَلِيُّ اَدِّ الدِّيْنَارَ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کو ایک دینار ملا وہ اسے لے کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ سے اس کے بارے میں دریافت کیا' تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ رزق ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی اسے کھایا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی اسے کھایا۔

1715 - حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ خَالِدٍ الْجُهَنِيُّ، حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ سَعْدِ بْنِ اَوْسٍ، عَنْ بِلَالِ بْنِ يَحْيَى الْعَبْسِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ. اَنَّهُ الْتَقَطَ دِيْنَارًا فَاشْتَرٰى بِهٖ دَقِيْقًا. فَعَرَفَهُ صَاحِبُ الدَّقِيْقِ فَرَدَّ عَلَيْهِ الدِّيْنَارَ فَاَخَذَهُ عَلِيٌّ وَقَطَعَ مِنْهُ قِيْرَاطَيْنِ فَاشْتَرٰى بِهٖ لَحْمًا

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انہیں ایک دینار ملا۔ انہوں نے اس کے ذریعے آٹا خریدا۔ آٹا بیچنے والے نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہچان لیا (شاید یہ ان کے عہد خلافت کی بات ہے) اس نے انہیں دینار واپس کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ لیا اور اس میں سے دو قیراط الگ کیے اور اس کا گوشت خرید لیا۔

1716 - حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُسَافِرٍ التِّنِّيْسِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِي فُدَيْكٍ، حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ يَعْقُوْبَ الزَّمْعِيُّ، عَنْ اَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، اَخْبَرَهُ اَنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِي طَالِبٍ دَخَلَ عَلٰى فَاطِمَةَ وَحَسَنٌ وَحُسَيْنٌ يَبْكِيَانِ فَقَالَ: مَا يُبْكِيْهِمَا. قَالَتْ: الْجُوْعُ فَخَرَجَ عَلِيٌّ فَوَجَدَ دِيْنَارًا بِالسُّوْقِ فَجَاءَ اِلٰى فَاطِمَةَ فَاَخْبَرَهَا فَقَالَتْ: اذْهَبْ اِلٰى فُلَانٍ الْيَهُوْدِيِّ فَخُذْ لَنَا دَقِيْقًا. فَجَاءَ الْيَهُوْدِيَّ فَاشْتَرٰى بِهٖ فَقَالَ الْيَهُوْدِيُّ: اَنْتَ خَتَنُ هٰذَا الَّذِيْ يَزْعُمُ اَنَّهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ. قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَخُذْ دِيْنَارَكَ وَلَكَ الدَّقِيْقُ. فَخَرَجَ عَلِيٌّ حَتّٰى جَاءَ بِهٖ فَاطِمَةَ فَاَخْبَرَهَا. فَقَالَتْ: اذْهَبْ اِلٰى فُلَانٍ الْجَزَّارِ فَخُذْ لَنَا بِدِرْهَمٍ لَحْمًا. فَذَهَبَ فَرَهَنَ الدِّيْنَارَ بِدِرْهَمِ لَحْمٍ فَجَاءَ بِهٖ فَعَجَنَتْ وَنَصَبَتْ وَخَبَزَتْ، وَاَرْسَلَتْ اِلٰى اَبِيْهَا فَجَاءَهُمْ. فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَذْكُرُ لَكَ فَاِنْ رَاَيْتَهُ لَنَا حَلَالًا اَكَلْنَاهُ، وَاَكَلْتَ مَعَنَا مِنْ شَاْنِهٖ كَذَا، وَكَذَا. فَقَالَ: كُلُوْا بِاسْمِ اللّٰهِ. فَاَكَلُوْا فَبَيْنَمَا هُمْ مَكَانَهُمْ. اِذَا غُلَامٌ يَنْشُدُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ الدِّيْنَارَ. فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدُعِيَ لَهُ. فَسَاَلَهُ. فَقَالَ: سَقَطَ مِنِّيْ فِي السُّوْقِ. فَقَالَ النَّبِيُّ

صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا عَلِيُّ اذْهَبْ إِلَی الْجَزَّارِ، فَقُلْ لَهُ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَکَ، أَرْسِلْ إِلَيَّ بِالدِّينَارِ، وَدِرْهَمُکَ عَلَيَّ فَأَرْسَلَ بِهِ فَدَفَعَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس (گھر) آئے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ (جو اس وقت بچے تھے) رو رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: یہ دونوں کیوں رو رہے ہیں' تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: بھوک کی وجہ سے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ باہر نکلے۔ انہیں بازار میں ایک دینار ملا وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور انہیں اس بارے میں بتایا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ آپ رضی اللہ عنہ فلاں یہودی کے پاس جائیں اور اس سے ہمارے لئے آٹا خرید لیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس یہودی کے پاس آئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس دینار کے عوض آٹا خرید لیا۔ یہودی نے کہا: آپ رضی اللہ عنہ ان صاحب کے داماد ہیں جو یہ کہتے ہیں: وہ اللہ کے رسول ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: جی ہاں' تو یہودی نے کہا: آپ رضی اللہ عنہ یہ دینار لے لیں۔ آٹا ویسے ہی آپ رضی اللہ عنہ کا ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں سے نکلے اور آٹا لے کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور انہیں اس کے بارے میں بتایا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ رضی اللہ عنہ فلاں قصائی کے پاس جائیں اور اس سے ہمارے لئے گوشت خرید لیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ گئے۔ انہوں نے ایک درہم کے گوشت کے عوض میں وہ دینار گروی رکھوا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ گوشت لے کر آئے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آٹا گوندھا، اسے تیار کیا، روٹی پکائی اور اپنے والد (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی بلوالیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لائے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یارسول اللہ! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک چیز ذکر کرنے لگی ہوں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ہمارے لئے حلال سمجھیں گے تو ہم اسے کھالیں گے' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسے کھا لیجئے گا۔ اسی' اس طرح کا معاملہ پیش آیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔ ان لوگوں نے کھالیا۔ اس دوران ایک لڑکا آیا جو اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر اس دینار کے بارے میں دریافت کر رہا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت اس لڑکے کو بلوایا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سوال کیا' تو اس نے کہا: مجھ سے بازار میں وہ دینار گر گیا تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے علی! تم اس قصائی کے پاس جاؤ اور اس سے کہو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے یہ کہا ہے کہ وہ دینار تم مجھے دے دو اور اس درہم کی ادائیگی میرے ذمہ (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ) ہوگی' تو اس قصائی نے وہ دینار بھجوا دیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دینار اس لڑکے کو دے دیا۔

شرح

فرض کیجئے ایک شخص نے کسی جگہ اپنے جوتے اتار کر رکھے، ایک دوسرا شخص آیا اور اس نے بھی اپنے جوتے اتار کر وہیں رکھ دیئے۔ اب پہلا شخص جب وہاں سے چلا تو اپنے جوتے پہننے کی بجائے اس دوسرے شخص کے جوتے پہن لئے اور چلا گیا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں وہ دوسرا شخص کیا کرے کیا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ پہلے شخص کے جوتے لے لے؟ اس بارے میں مختار مسئلہ یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے بشرطیکہ اس پہلے شخص کے جوتے کی مانند ہوں یا اس کے جوتے سے بہتر ہوں ہاں اگر وہ جوتے اس کے جوتے سے خراب ہوں تو پھر ان کو استعمال کرنا بلاشبہ جائز ہوگا۔

جو شخص کسی دوسرے کی گری پڑی چیز پاتا ہے اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ چیز اتنی کمتر ہوتی ہے کہ جس کے

بارے میں پانے والا یہ جانتا ہے کا اس کا مالک اس کا مطالبہ نہیں کرے گا جیسے ادھر ادھر پڑی ہوئی گٹھلیاں وغیرہ یا متفرق جگہوں پر پڑے ہوئے انار کے چھلکے وغیرہ ایسی چیز کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ اٹھانے والا اس کو اپنے استعمال میں لاسکتا ہے باوجود یکہ وہ اس کی ملکیت میں نہیں آتی اور اسے مالک کو لینے کا حق پہنچتا ہے لیکن شیخ السلام کا قول یہ ہے کہ ایسی چیز لینے والے کی ملکیت میں آجاتی ہے۔گری پڑی ملنے والی چیز کی دوسری قسم ایسا مال ہے جس کے بارے میں پانیوالا جانتا ہے کہ اس کا مالک اس کا مطالبہ کرے گا جیسے سونا چاندی وغیرہ اور دیگر تمام اشیاء ایسی چیز کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اگر اس قسم کی کوئی چیز گری پڑی نظر آئے تو اسے اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا جائے اور اس کی تشہیر کرائی جائے یہاں تک کہ وہ چیز اس کے مالک کے پاس پہنچادی جائے۔

اگر کوئی شخص ایک روٹی یا ایک روٹی کے بقدر کھانے کی کوئی چیز اور یا اس سے کم پائے تو اسے فراخی کی حالت میں بھی کھالینا جائز ہے۔

اگر کسی چکی میں گیہوں پسوایا جائے اور اس کے آٹے میں وہ آٹا مل جائے جو عام طور پر چکی میں باقی رہ جاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اسی طرح اگر کسی کی جھاڑو میں سے کوئی تنکا دانتوں میں خلال کرنے کے لئے لیا جائے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

سرائے میں مسافروں کے جو جانور لید روغیرہ کرتے ہیں وہ ان جانوروں کے مالک کے چلے جانے کے بعد اس شخص کی ملکیت ہوجاتے ہیں جو انہیں پہلے اٹھائے سرائے کے مالک یا منتظم کی ملکیت میں نہیں آتے۔

1717 - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الدِّمَشْقِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ شُعَيْبٍ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ، اَنَّهُ حَدَّثَهُ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: رَخَّصَ لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَصَا وَالسَّوْطِ وَالْحَبْلِ وَاَشْبَاهِهِ يَلْتَقِطُهُ الرَّجُلُ يَنْتَفِعُ بِهِ.

قَالَ اَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ النُّعْمَانُ بْنُ عَبْدِ السَّلَامِ، عَنِ الْمُغِيرَةِ اَبِي سَلَمَةَ، بِاِسْنَادِهِ، وَرَوَاهُ شَبَابَةُ، عَنْ مُغِيرَةَ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: كَانُوا لَمْ يَذْكُرُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

❁❁ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے چھڑی، رسی، چابک اور اس طرح کی چیزیں اٹھا لینے کے بارے میں ہمیں رخصت دی ہے۔تاکہ آدمی ان کے ذریعے نفع حاصل کرے۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے منقول ہے' تاہم دیگر راویوں نے یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے۔

شرح

جب کوئی شخص لقطہ اٹھائے تو وہ اس وقت کسی کو اس بات پر گواہ بنالے کہ مجھے یہ چیز بطور لقطہ ملی ہے تاکہ کوئی دوسرا شخص مثلاً مالک نہ تو اس پر چوری وغیرہ کی تہمت لگاسکے اور نہ کمی بیشی کا دعوی کرسکے گواہ بنالینے میں ایک مصلحت و فائدہ یہ بھی ہے کہ اس صورت میں اس کا نفس حرص وطمع میں مبتلا نہیں ہوگا کیونکہ بغیر گواہ کے یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ نفس بدنیتی میں مبتلا ہوجائے اور یہ سوچ

کر کہ جب کوئی گواہ نہیں ہے تو یہ چیز مالک کو دینے کی بجائے خود کیوں نہ رکھ لوں جب کہ گواہ بنا لینے سے نہ صرف یہ کہ طمع نہیں ہوتی بلکہ وہ لقطہ مالک کے حوالہ کرنا یوں بھی ضروری ہو جاتا ہے پھر اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اٹھانے والے کی ناگہانی موت کے بعد اس کے ورثاء اس لقطہ کو اپنی میراث اور ترکہ میں داخل نہیں کر سکتے۔ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ گواہ بنا لینے کا یہ حکم بطریق استحباب ہے جب کہ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم بطریق وجوب ہے۔ اس حدیث میں تو یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ اللہ کا دیا ہوا مال ہے جب کہ اوپر کی حدیث میں اسے اللہ کا دیا ہوا رزق ہے کہا گیا ہے لہٰذا ان دونوں سے مراد حلال ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مالک کے نہ آنے کی صورت میں وہ لقطہ ایک ایسا حلال مال ہے جس سے وہ شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جسے اللہ نے غیب سے دیا ہے۔ ہاں اگر بعد میں مالک آجائے تو پھر اس کا بدل دینا ہوگا جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

1718 - حَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ خَالِدٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، اَحْسَبُهُ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ، اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ضَالَّةُ الْاِبِلِ الْمَكْتُوْمَةُ غَرَامَتُهَا وَمِثْلُهَا مَعَهَا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

"گمشدہ ملنے والے اونٹ کو پکڑنے والا اگر اس کو چھپا لیتا ہے تو اس پر تاوان کی ادائیگی لازم ہوگی اور اس کے ہمراہ اس کی مانند (مزید) جرمانے کی ادائیگی لازم ہوگی"۔

شرح

جب چھوٹا بچہ یا پھر کم عقل اور مجنون کوئی گمشدہ چیز اٹھالے تو اس کی جگہ اس کا ولی اس کا اعلان کرے گا اور ضروری ہے کہ وہ ان سے وہ چیز لے لے اس لیے کہ وہ دونوں امانت اور حفاظت کے اہل نہیں ہیں، اور اگر ولی وہ چیز بچے اور مجنون کے پاس ہی رہنے دے اور وہ چیز ضائع ہو جائے تو اس پر ضمان ہوگی اور اسے ادا کرنی ہوگی۔

اور اگر ولی اس کا اعلان کرتا ہے اور مدت گزرنے کے بعد بھی مالک نہیں آتا تو وہ چیز ان دونوں کی ہے۔۔۔ جیسا کہ بڑے اور عقل مند کا حق ہے اسی طرح ان دونوں کو حاصل ہوگی۔

1719 - حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ مَوْهَبٍ، وَاَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، اَخْبَرَنِيْ عَمْرٌو، عَنْ بُكَيْرٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَاطِبٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ لُقَطَةِ الْحَاجِّ. قَالَ اَحْمَدُ: قَالَ ابْنُ وَهْبٍ: يَعْنِيْ فِيْ لُقَطَةِ

1718- اسنادہ ضعیف: عمرو بن مسلم - وهو الجندی - ضعفه احمد وقال مرة: ليس بذاك، وقال ابن معين في رواية الدوري: ليس بالقوي، وقال النسائي: ليس بالقوي، وقال المنذري: لم يجزم عكرمة - وهو ابن خالد المخزومي - بسماعه من ابي هريرة، فهو مرسل. عبدالرزاق: هو الصنعاني، ومعمر: هو ابن راشد الازدی. وهو في "مصنف عبد الرزاق" (18599)، ومن طريقه اخرجه البيهقي 191.6/ واخرجه الطحاوي في "شرح معاني الآثار" 1463/ من طريق محمد بن ثور، عن معمر، به. واخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" (17300) عن ابن جريج اخبرني عمرو بن مسلم، عن طاؤوس وعكرمة مرسلاً.

الْحَاجِّ يَتْرُكُهَا حَتَّى يَجِدَهَا صَاحِبُهَا. قَالَ ابْنُ مَوْهَبٍ. عَنْ عَمْرٍو

عبدالرحمن بن عثمان تیمی بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے حاجیوں کی گمشدہ چیز اٹھانے سے منع کیا ہے۔

ابن وہب کہتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ حاجیوں کی ملنے والی چیز کو یوں ہی رہنے دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کا مالک خود ہی اسے پالے گا۔

ابن موہب نامی راوی کہتے ہیں: یہ روایت عمرو سے منقول ہے۔

حل وحرم کے لقطہ کا بیان

حل وحرم کا لقطہ برابر ہے حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ حرم کے لقطہ کی تشہیر واجب ہے حتیٰ کہ اس کا مالک آجائے کیونکہ حرم کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حرم کا لقطہ اسی شخص کے لئے حلال ہے جو اس کا اعلان کرائے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم اس کے برتن اور بندھن کو محفوظ رکھو اس کے بعد سال بھر اس کا اعلان کراؤ۔ یہ ارشاد گرامی بغیر کسی تفصیل کے روایت کیا گیا ہے کیونکہ یہ بھی لقطہ ہے اور اعلان کرانے کی مدت کے بعد اس کو صدقہ کرنا یہ ایک طرح مالک کی طرف سے ملکیت کی بقاء ہے یعنی اٹھانے والا بھی ایک طرح کا مالک ہوجائے گا۔ جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی روایت کردہ حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ اعلان کرانے کے لئے حرم کا لقطہ اٹھانا حلال ہے اور حرم کی تخصیص اس سبب سے ہے کہ وہ واضح ہوجائے کیونکہ وہاں پر بھی لقطہ کی تشہیر ساقط نہیں ہوتی اسی دلیل کے سبب کہ حرم عام طور پر مسافروں کی جگہ ہے۔

حل وحرم کے لقطہ میں فقہی مذاہب کا بیان

حضرت عبدالرحمن بن عثمان تیمی کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجیوں کی گری پڑی چیز اٹھانے سے منع کیا ہے

(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 253)

گویا حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حرم مکہ کی حدود میں پائے جانے والے لقطہ کا تشہیر واعلان کے بعد بھی مالک ہونا جائز نہیں ہے بلکہ اٹھانے والے کے لئے واجب ہے کہ وہ اسے اپنے پاس اس وقت تک جوں کا توں رہنے دے جب تک کہ اس کا مالک لینے نہ آئے خواہ کتنی ہی مدت گزر جائے چنانچہ امام شافعی کا یہی مسلک ہے لیکن حنفیہ کے مسلک میں زمین حل اور زمین حرم کا لقطہ برابر ہے مکہ کے لقطہ میں اختلاف ہے۔ بعضوں نے کہا مکہ کا لقطہ ہی اٹھانا منع ہے۔ بعض نے کہا اٹھانا تو جائز ہے لیکن ایک سال کے بعد بھی پانے والے کی ملک نہیں بنتا، اور جمہور مالکیہ اور بعض شافعیہ کا قول یہ ہے کہ مکہ کا لقطہ بھی اور ملکوں کے لقطہ کی طرح ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ شاید امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ مکہ کا لقطہ بھی اٹھانا جائز ہے۔ اور یہ باب لا کر انہوں نے اس روایت کے ضعف کی طرف اشارہ کیا جس میں یہ ہے کہ حاجیوں کی پڑی ہوئی چیز اٹھانا منع ہے۔

گمشدہ چیز کو حاصل کرنے والے کی گمراہی کا بیان

1720 - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ. أَخْبَرَنَا خَالِدٌ. عَنْ أَبِي حَيَّانَ التَّيْمِيِّ. عَنِ الْمُنْذِرِ بْنِ جَرِيرٍ. قَالَ: كُنْتُ مَعَ جَرِيرٍ بِالْبَوَازِيجِ فَجَاءَ الرَّاعِي بِالْبَقَرِ وَفِيهَا بَقَرَةٌ لَيْسَتْ مِنْهَا فَقَالَ لَهُ جَرِيرٌ: مَا

هٰذِهِ؟ قَالَ: لَحِقَتْ بِالْبَقَرِ لا نَدْرِيْ لِمَنْ هِيَ. فَقَالَ جَرِيْرٌ: أَخْرِجُوْهَا. فَقَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَا يَأْوِي الضَّالَّةَ إِلَّا ضَالٌّ

منذر بن جریر بیان کرتے ہیں: میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بوازیر کے مقام پر موجود تھا چرواہا ان کی گائے لے کر آیا تو ان میں سے ایک ایسی گائے تھی جو ان کی گائے نہیں تھی' تو حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے اس سے یہ دریافت کیا: یہ کہاں سے آئی؟ تو اس نے کہا: یہ گائے کے ساتھ شامل ہوگئی ہے ہمیں نہیں معلوم یہ کس کی ہے' تو حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے کہا: اسے نکال دو کیونکہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

''گمشدہ چیز صرف کوئی گمراہ شخص ہی حاصل کرسکتا ہے''۔

شرح

اہل مکہ کے لقطہ کا کس طرح اعلان کیا جائے اور طاؤس، ابن عباس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ مکہ میں گری ہوئی چیز وہی اٹھائے، جو اس کو مشتہر کرے اور خالد نے بواسطہ عکرمہ، ابن عباس نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا کہ وہاں (مکہ) کی گری ہوئی چیز کا اٹھانا، اسی کے لئے جائز ہے، جو مشتہر کرے اور احمد بن سعد نے بیان کیا کہ ہم سے روح نے بواسطہ زکریا، عمرو بن دینار عکرمہ، ابن عباس حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہاں کا درخت نہ کاٹا جائے اور نہ وہاں کا شکار بھگایا جائے اور نہ وہاں کی گری ہوئی چیز کا مشتہر کرنے والے کے سوا کسی کے لئے اٹھانا حلال ہے، اور نہ وہاں کی گھاس کاٹی جائے، تو عباس نے عرض کیا! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مگر اذخر کی اجازت دے دیجئے، تو آپ نے فرمایا اچھا اذخر کاٹ سکتے ہیں۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث، 2329)

كِتَابُ الْمَنَاسِكِ

کتاب: مناسک (حج) کے بارے میں روایات

حج کے لغوی وشرعی معنی کا بیان

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں۔لغوی رُو سے حج کا معنی قصد کرنا، زیارت کا ارادہ کرنا ہے۔اصطلاحِ شریعت میں مخصوص اوقات میں خاص طریقوں سے ضروری عبادات اور مناسک کی بجا آوری کے لئے بیت اللہ کا قصد کرنا، کعبۃ اللہ کا طواف کرنا اور میدان عرفات میں ٹھہرنا حج کہلاتا ہے۔

لغت کے اعتبار سے حج کے معنی ہیں کسی باعظمت چیز کی طرف جانے کا قصد کرنا اور اصطلاح شریعت میں کعبہ مکرمہ کا طواف اور مقام عرفات میں قیام انہیں خاص طریقوں سے جو شارع نے بتائے ہیں اور اسی خاص زمانے میں جو شریعت سے منقول ہے، حج کہلاتا ہے۔حج دین کے ان پانچ بنیادی ستونوں میں سے ایک عظیم القدر ستون ہے جن پر اسلام کے عقائد واعمال کی پوری عمارت کھڑی ہوئی ہے حج کا ضروری ہونا (جس کو اصطلاح فقہ میں فرض کہا جاتا ہے) قرآن مجید سے اسی طرح صراحت کے ساتھ ثابت ہے جس طرح زکوٰۃ کی فرضیت ثابت ہے۔

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں۔

حج دین اسلام کا پانچواں رکن ہے، جس کے لفظی معنی ہیں قصد کرنا، کسی جگہ ارادے سے جانا جبکہ اصطلاح شریعت میں اس سے مراد مقررہ دنوں میں مخصوص عبادات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کرنا ہے۔(ابن منظور افریقی، لسان العرب، 52 :3)

حج کے مقررہ دنوں کے علاوہ بھی کسی وقت مخصوص عبادات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کرنے کو عمرہ کہتے ہیں۔ اصطلاحِ شریعت میں عمرہ سے مراد شرائطِ مخصوصہ اور افعالِ خاصہ کے ساتھ بیت اللہ شریف کی زیارت کرنا ہے۔

(الجزیری، الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، 1121:1)

حج کی وجہ تسمیہ کا بیان

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر قرطبی میں کہتے ہیں۔عرب کے ہاں حج معلوم ومشہور تھا، اور جب اسلام آیا تو انہیں اس سے ہی مخاطب کیا جسے وہ جانتے تھے اور جس کی انہیں معرفت تھی اسے ان پر لازم بھی کیا۔

(تفسیر القرطبی (2/ 92) احکام القرآن لابن العربی، ج۱، ص ۲۸۶)

ملا علی قاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔حج کے اصل معنی ارادے کے ہیں، کسی چیز کا ارادہ کیا جائے تو کہا جاتا ہے

"حججت الشئی" ۔ شریعت کی اصطلاح میں بیت اللہ شریف کی از راہِ تعظیم مخصوص اعمال کے ساتھ زیارت کا ارادہ کرنے کا نام حج ہے۔

حج "ح" کے زبر اور "ح" کے زیر دونوں طرح یہ لفظ نقل کیا گیا ہے اور قرآن مجید میں بھی دونوں طریقوں پر قرات جائز ہے۔ (عمدۃ القاری، ج ۱۴، ص ۱۷۲، بیروت)

بیت اللہ شریف کی تعمیر کا بیان

یہ وہ مقدس و بابرکت خطہ زمین ہے جسے بیت اللہ ہونے کا شرف عظیم حاصل ہوا، جس کی عظمت و رفعت میں کوئی ثانی نہیں اس کے چشمہ فیض سے پورا عالم انسانیت مستفیض ہو رہا ہے یہی بابرکت جگہ ہے جو پوری کائنات ارضی کا منبع و سرچشمہ ہے اسی سے ساری زمین کو پھیلایا گیا ہے زمین و آسمان کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل اسے وجود بخشا گیا سیدنا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے پانی پیدا کیا پانی کو ہوا پر ٹھہرایا پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی ہوا بھیجی جس سے پانی میں ہلچل پیدا ہوگئی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے بیت اللہ والی جگہ قبہ نما ایک ٹیلہ پیدا کر دیا جہاں دو ہزار سال بعد بیت اللہ شریف تعمیر کیا گیا۔'' (عبدالرزاق، مصنف، 90:5)

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سب سے پہلا ٹکڑا جسے اللہ رب العزت نے زمین سے پیدا کیا وہ بیت اللہ کی جگہ ہے پھر اسی سے زمین کو پھیلایا گیا ہے۔ (محمد طاہر الکردی المکی، التاریخ القویم، 7:3)

حضرت آدم رضی اللہ عنہ کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے ملائکہ نے کعبہ شریف تعمیر کیا اور وہ اس کا حج بھی کرتے تھے۔

(قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری، 508:1)

حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ آپ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا: یا رسول اللہ! سب سے پہلے کون سی مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا؟ تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَلْمَسْجِدُ الْحَرَامُ۔

یعنی بیت اللہ شریف کو اس قدامت کا شرف حاصل ہے سائل نے پھر استفسار کیا کہ بیت اللہ کے بعد کون سی مسجد وجود میں آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْمَسْجِدُ الْاَقْصٰی

دوسرا درجہ بیت المقدس کو حاصل ہے دریافت کیا گیا کہ دونوں کے درمیان کتنے عرصے کا فاصلہ ہے تو ارشاد فرمایا: چالیس برس کا۔ (بخاری، الصحیح، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ ووھبنا لداود، 1260:3، رقم: 3243،2، قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری، 508:1)

تاریخی تناظر میں دیکھیں تو یہ بات قرین فہم معلوم ہوتی ہے کہ وہ خطہ زمین جسے خانہ خدا کی تعمیر کے لئے منتخب کیا گیا کوئی بے آباد و ویران مقام نہ تھا بلکہ مدت سے یہ انسانوں کی بستی بن چکا تھا چونکہ اس مقدس مقام کو آنے والی نسلوں کے لئے تہذیب و ثقافت اور علم و عرفان کا گہوارہ بننا تھا۔ اب تک کعبۃ اللہ کی تعمیر گیارہ مرتبہ ہو چکی ہے۔

1 ملائکہ سے تعمیر

سب سے پہلے بیت اللہ کی تعمیر اللہ تعالیٰ کے حکم پر فرشتوں نے کی، حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ (امام زین العابدین ؒ) سے ایک آدمی نے پوچھا: بیت اللہ کا طواف کب سے ہو رہا ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو زمین پر اپنا خلیفہ بنانے کے بارے میں اطلاع دی تو انہوں نے عرض کیا ہم آپ کی تسبیح و تقدیس کرنے والے ہیں اور آپ ہمارے ایسے بشر کو خلیفہ بنا رہے ہیں جو زمین میں فساد پھیلائے گا اور خون بہائے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے فرشتوں کو اپنی عرض پر نہایت ہی شرمندگی ہوئی، انہوں نے حالت زاری اور تضرع میں عرش الٰہی کا تین دفعہ طواف کیا، اللہ تعالیٰ نے ان پر خصوصی رحمت کرتے ہوئے عرش کے نیچے "بیت المعمور" بنا کر فرمایا تم اس کا طواف کیا کرو، اس کا ہر روز ستر ہزار فرشتے طواف کرتے ہیں ایک دفعہ طواف کرنے والے دوبارہ نہیں آتے، اس کے بعد فرشتوں سے فرمایا اب تم زمین پر جاؤ۔

اِبْنُوْا لِیْ بَیْتًا فِی الْاَرْضِ بِمِثَالِہٖ وَقَدْرِہٖ.

"اسی کی مثل و مقدار کے مطابق زمین پر میرا گھر بناؤ"

جب گھر بن گیا تو اللہ تعالیٰ نے زمین پر رہنے والی مخلوق کو حکم دیا:

اَنْ یَّطُوْفُوْا بِھٰذَا الْبَیْتِ کَمَا یَطُوْفُ اَھْلُ السَّمَآءِ بِالْبَیْتِ الْمَعْمُوْرِ (ازرقی، اخبار مکہ، 34:1)

"اس گھر کا تم بھی اسی طرح طواف کرو جیسے آسمان والے بیت المعمور کا کرتے ہیں۔"

سیّدنا آدم رضی اللہ عنہ کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل فرشتوں نے بیت اللہ شریف تعمیر کیا زمین پر رہنے والے ملائکہ کو اللہ تعالیٰ نے اس کے طواف اور حج کرنے کا حکم دیا تھا۔ (ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح، 263:5)

2 سیّدنا آدم رضی اللہ عنہ سے تعمیر

سیّدنا آدم اور حضرت حوا علیہما السلام جب زمین پر آئے تو حضرت آدم رضی اللہ عنہ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا مولا میں اس لذت و سرور سے محروم ہو گیا ہوں جو فرشتوں کے ساتھ بیت المعمور کے طواف میں آیا کرتا تھا کاش ہمیں پھر وہاں لوٹا دیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا: اے آدم!

اِبْنِ لِیْ بَیْتًا بِحِذَاءِ بَیْتِی الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ تَتَعَبَّدُ فِیْہِ اَنْتَ وَوَلَدُکَ کَمَا تَتَعَبَّدُ مَلَائِکَتِیْ حَوْلَ عَرْشِیْ. (الصالحی، سبل الہدیٰ والرشاد، 147:1)

"تم اسی آسمانی گھر (بیت المعمور) کے مقابل زمین پر میرا گھر بناؤ اور اس میں تم اور تمہاری اولاد اسی طرح عبادت کرو جیسے ملائکہ میرے عرش کے ارد گرد کرتے ہیں۔"

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں:

فَطُفْ بِہٖ وَاذْکُرْنِیْ حَوْلَہٗ کَمَا رَاَیْتَ الْمَلَائِکَۃَ تَصْنَعُ حَوْلَ عَرْشِیْ.

"اس کا طواف کرو اور اس کے ارد گرد میرا ذکر کرو جیسا کہ تم نے ملائکہ کو میرے عرش کے ارد گرد کرتے دیکھا ہوا ہے۔"

سیدنا آدم رضی اللہ عنہ حضرت جبرائیل امین کی رہنمائی میں مکہ معظمہ پہنچے وہاں جبرائیل رضی اللہ عنہ نے پر مار کر کعبہ کی بنیادیں ظاہر کیں جو انتہائی گہری تھیں پھر فرشتے، پانچ مختلف پہاڑوں سے بڑی بڑی چٹانیں لائے جن میں سے ایک چٹان تیس آدمی مل کر بھی نہیں اٹھا سکتے تھے حضرت آدم رضی اللہ عنہ نے ان پتھروں سے بیت اللہ شریف تعمیر کیا۔

(محمد طاہر الکردی المکی، التاریخ القوم،3:12 صالحی، سبل الہدی والرشاد، 1:147)

3 حضرت شیث رضی اللہ عنہ سے بیت اللہ کی تعمیر

امام ازرقی وہب بن منبہ سے روایت کرتے ہیں کہ یاقوت کا وہ خیمہ جو سیدنا حضرت آدم رضی اللہ عنہ کے لئے جنت سے اتارا گیا تھا آپ کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر اٹھالیا تب انہی بنیادوں پر آپ کی اولاد نے مٹی اور پتھروں سے کعبۃ اللہ تعمیر کیا اور وہ عمارت طوفان نوح تک قائم رہی۔

حضرت آدم رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے پہلے تعمیر کعبہ کی سعادت حضرت شیث رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی۔

(محمد طاہر الکردی المکی، التاریخ القوم،3:32 صالحی، سبل الہدی والرشاد، 1:148)

4 حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ سے بیت اللہ کی تعمیر

سیدنا حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ فلسطین سے مکہ معظمہ میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام سے ملاقات کے لئے تشریف لاتے رہے جب تیسری بار بیت اللہ کی تعمیر کے سلسلہ میں تشریف لائے تو حضرت اسماعیل رضی اللہ عنہ جن کی عمر اس وقت بیس سال تھی چاہِ زمزم کے قریب ایک درخت کے نیچے بیٹھے تیر بنا رہے تھے طویل عرصے کی جدائی کے بعد والد گرامی کے چہرہ اقدس کی زیارت سے خوشی کی لہر دوڑ گئی انتہائی تعظیم وتکریم سے خوش آمدید کہا ابتدائی گفت وشنید کے بعد حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند ارجمند کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

> ''بے شک تیرے رب نے مجھے اس کا گھر (بیت اللہ) کی تعمیر کرنے کا حکم دیا ہے عرض کیا (اباجان) آپ اللہ کے حکم کی اطاعت میں جلدی کریں ارشاد فرمایا رب کائنات نے اس عظیم کام میں تجھے میری مدد کرنے کا حکم دیا ہے عرض کیا میں حاضر ہوں آپ کر گزریے۔'' (محمد طاہر الکردی المکی، التاریخ القوم،3:40)

اللہ تعالیٰ کے یہ دونوں مقرب بندے اس امرِ عظیم کی تکمیل کے لئے کمر بستہ ہو گئے ایک عزم اور ولولہ کے ساتھ تعمیر کعبہ کا ارادہ کیا اس عزم اور ولولے میں احساسِ بندگی اور عاجزی کا عنصر غالب تھا مگر ابھی تک یہ حقیقت منکشف نہ ہوئی تھی کہ بیت اللہ شریف کا حدود اربعہ کیا ہے دیواروں کی لمبائی و چوڑائی کتنی ہے کیونکہ طویل مدت اور سیلاب نے اس کے قدیم نشانات کو ختم کر دیا تھا۔

سو قدرتِ خداوندی سے ان مکرم بندوں کی رہنمائی کے لئے اچانک ایک بدلی نمودار ہوئی جس سے یہ صدا آ رہی تھی کہ جس قدر طول وعرض اس بدلی کے سایہ کا ہے اسی قدر جگہ میں آپ بیت اللہ کی دیوار کھڑی کریں اس میں کمی بیشی نہ ہونے پائے۔

(محمد طاہر الکردی المکی، التاریخ القوم،3:42)

بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت جبرائیل امین نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے لئے بنیادوں کی نشاندہی کی تھی اور یہ

بھی کہا جاتا ہے کہ ایک مجسم ہوا آئی جس کا نام ''ریح الخجوج'' تھا اس نے بیت اللہ کی جگہ کے گرد طواف کر کے اس کی حدود کو واضح کیا تھا اس وقت یہ جگہ ایک ابھرے ہوئے سرخ ٹیلے کی طرح تھی۔ (ازرقی، اخبار مکہ، 60:1)

غرضیکہ باپ اور بیٹے نے کعبہ کی نشان زدہ بنیادوں کی کھدائی شروع کر دی کچھ دیر بعد قدیم بنائے آدم رضی اللہ عنہ بھی ظاہر ہو گئیں جس پر انہوں نے تعمیر کرنا تھی کام کا آغاز ہوا چشم فلک نے دیکھا کہ حضرت اسماعیل رضی اللہ عنہ ایک مزدور کے بھیس میں پتھر لانے کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں جبکہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ایک معمار کی حیثیت سے اپنے مقدس ہاتھوں سے دیوار چن رہے ہیں مٹی، گارا یا چونے کی مدد کے بغیر ہی پتھر جوڑے چلے جا رہے ہیں اور وہ پتھر اس قدر بڑے اور وزنی ہیں کہ تیس آدمی مل کر بھی نہیں اٹھا سکتے اس تعمیر میں کام آنے والے پتھر پانچ مختلف پہاڑوں، طور سینا، طور زیتا، کوہ لبنان، کوہ جودی اور کوہ حرا سے فرشتے لے کر آئے تھے بنیادوں میں کوہ حرا کے پتھر استعمال ہوئے جب دیواروں کی بلندی کچھ زیادہ ہو گئی اور پتھر لگانے میں دشواری محسوس ہونے لگی تو سیدنا حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نے حضرت اسماعیل رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کوئی ایسا پتھر تلاش کرو جس پر کھڑے ہو کر بآسانی تعمیر مکمل کی جا سکے سیدنا حضرت اسماعیل رضی اللہ عنہ کی نظر انتخاب جس پتھر پر پڑی وہ یادگار پتھر تھا جسے قرآن حکیم میں ''مقام ابراہیم'' کے مبارک اعزاز سے نوازا گیا ہے اس پتھر نے اپنے مزاج کی سنگینی اور سختی کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ کے نقش پا کا اس قدر گہرا اثر قبول کیا کہ زمانے کے حوادث بھی اسے نہ مٹا سکے جس کا نظارہ آج بھی مسلمانان عالم بچشم نم خود کر رہے ہیں۔ (ازرقی، اخبار مکہ، 62:1)

اس عظیم الشان تعمیر کے دوران حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ اور حضرت اسماعیل رضی اللہ عنہ انتہائی عاجزی و انکساری اور شکر گزاری اور احسان مندی کے جذبات سے سرشار ہو کر اپنے فریضے میں مگن رہے اور یہ دعا مانگتے رہے:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ. (البقرة، 127:2)

''اے ہمارے رب! تو ہم سے (یہ خدمت) قبول فرما لے، بے شک تو خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔''

5 قبیلہ جرہم سے تعمیر

شیخ ازرقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی تعمیر کردہ عمارت کعبہ منہدم ہو گئی تو قبیلہ جرہم نے کعبہ کی تعمیر انہی بنیادوں پر کر دی مسعودی نے مروج الذہب میں ذکر کیا ہے کہ جس شخص کی سربراہی میں یہ تعمیر مکمل ہوئی اس کا نام حارث بن اعضاض الاصغر تھا۔ (الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام: 48)

6 عمالقہ سے تعمیر

چھٹی تعمیر قوم عمالقہ نے کی، اس کے برعکس بھی مروی ہے کہ پانچویں تعمیر عمالقہ نے اور چھٹی جرہم نے کی، امام ابن ابی شیبہ، اسحاق بن راہویہ اور ابن جریر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم کی تعمیر کردہ عمارت منہدم ہو گئی۔

فَبَنَتْهُ الْعَمَالِقَةُ. ثُمَّ انْهَدَمَ فَبَنَتْهُ جُرْهُمُ. (صالحی، سبل الہدی والرشاد، 163:1)

''تو اسے عمالقہ نے بنایا (یہ تعمیر) پھر منہدم ہوئی تو قبیلہ جرہم نے تعمیر کیا۔''

7 حضرت قصی بن کلاب سے تعمیر

قاضی مکہ زبیر بن بکار اپنی کتاب ''نسب قریش'' میں لکھتے ہیں جب قصی بن کلاب کعبہ کے متولی بنے تو انہوں نے اس کی ایسی تعمیر کروائی:

لَمْ یَبْنِهِ أَحَدٌ مِمَّنْ بَنَاهَا قَبْلَهُ مِثْلَهُ. (علامہ قطب الدین، اعلام العلماء: 47)

''کہ اس سے پہلے ایسی تعمیر کسی نے نہیں کروائی۔''

قریش میں قصی پہلا آدمی تھا جسے کعبۃ اللہ تعمیر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے تھا اور آپ سے تقریباً 130 سال پہلے اس کی حکومت قائم ہوئی تھی۔ (محمد طاہر الکردی المکی، التاریخ القوم، 129:3)

8 قریش سے تعمیر

قریش نے جب محسوس کیا کہ عمارتِ کعبہ سیلاب کی وجہ سے کمزور ہو چکی ہے تو انہوں نے اس کی نئی تعمیر کے فیصلہ کا اعلان کیا اور اس موقع پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی کے ماموں جناب ابو وھب جو بڑے حقیقت شناس اور دور اندیش انسان تھے اپنی قوم سے مخاطب ہوئے:

''اے گروہِ قریش! وعدہ کرو کہ کعبہ کی تعمیر پر تم بالکل پاکیزہ حلال اور صاف کمائی ہی خرچ کرو گے اور غارت گری اور بدکاری کا ایک پیسہ بھی اس پر نہیں لگاؤ گے۔'' (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، 301:2)

تمام قبائل نے وعدہ کیا اور کعبہ معظمہ کے ایک ایک حصے کی تعمیر اپنے ذمہ لے لی تعمیر کعبہ بہت بڑی سعادت تھی سب لوگ مزدوروں کی طرح لگ گئے چھوٹے بڑے کا امتیاز مٹ گیا ہر کوئی اپنے حصے کا کام کرنے میں مصروف رہا یہ وہ بابرکت عمل تھا جس میں خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حصہ لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پتھر لا لا کر دیتے رہے یہاں تک کہ اس باہمی تعاون اور اتحاد و یگانگت کی فضا میں تعمیر کعبہ مکمل ہوئی۔

9 حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے تعمیر

خلفاء راشدین کے دور میں مسجد حرام میں توسیع تو ہوئی مگر بیت اللہ تعمیر قریش کے مطابق ہی رہا تریسٹھ ہجری میں یزید حکمران تھا اس نے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کی جانب بیعت سے انکار کرنے والوں سے جنگ کرنے کے لئے ایک لشکر جرار بھیجا چونکہ اہالیان مکہ اور مدینہ سیّدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی بیعت کر چکے تھے اس لئے انہوں نے یزید کی بیعت کرنے سے صاف انکار کر دیا نتیجتاً فریقین کے مابین جنگ چھڑ گئی۔ شب و روز لشکر والوں نے منجنیق سے پتھر پھینکے جس کی وجہ سے کعبہ کی بعض دیواریں گر گئیں اور اس کی چھت و غلاف جل گئے۔ (علامہ قطب الدین، اعلام العلماء، 69)

ادھر سے یزید کی موت کی خبر آنے پر لشکر واپس ہو گیا، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے تمام کعبہ کی تعمیر نئے سرے سے کروائی چونکہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ذہن میں تھا اس لئے انہوں نے اسے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قائم کی ہوئی بنیادوں کو ہی پیش نظر رکھا یعنی حطیم کو کعبہ کی عمارت میں شامل کر دیا، دروازہ زمین پر رکھا اور مشرق و مغرب کی جانب دو دروازے بنا

دیے حضرت یزید بن رومان سے منقول ہے کہ اس موقعہ پر وہ موجود تھا۔

فَأَدْخَلَ فِيْهِ مِنَ الْحَجَرِ، وَقَدْ رَأَيْتُ أَسَاسَ إِبْرَاهِيْمَ حِجَارَةً كَأَسْنِمَةِ الْإِبِلِ.

(صالحی، سبل الہدیٰ والرشاد، 165:1)

''تو حطیم کو پھر شامل کر دیا گیا اور میں نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی رکھی ہوئی بنیاد کے پتھروں کو دیکھا وہ اونٹ کی کوہان کی طرح تھے۔''

اس عظیم الشان کام کی بحسن وخوبی تکمیل پر سیّدنا عبداللہ بن زبیرؓ نے بارگاہ الوہیت میں اظہار تشکر کے لئے تنعیم سے چل کر لوگوں کی ایک بہت بڑی جمعیت کے ساتھ عمرہ ادا کیا اور اس سعادت عظیم کے حصول پر بارگاہ خداوندی میں سجدہ شکر بجالائے۔

10 حجاج بن یوسف سے تعمیر

سیّدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی تعمیر کردہ عمارت تقریباً دس سال تک قائم رہی جب آپ رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے تو 74ھ میں حجاج بن یوسف نے عبدالملک بن مروان کو کعبہ کی اس تعمیر کے بارے میں لکھا اور کہا اس تعمیر کو اہل مکہ پسند نہیں کرتے تو اس نے یہ آرڈر جاری کیا:

''ابن زبیر نے جو لمبائی میں اضافہ کیا اسے قائم رکھا جائے اور جو حطیم والا حصہ شامل کیا ہے اسے خارج کر دیا جائے اور جو دوسرا غربی دروازہ بنایا اسے بھی بند کر دیا جائے لہٰذا حجاج بن یوسف نے دوبارہ اسے قریش کی تعمیر کے مطابق ہی کر دیا۔''

سنت ابراہیمی اور خواہش مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مطابقت تعمیر ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو حاصل تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ عبدالملک بن مروان حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بے بہرہ اور بے خبر تھا۔

ایک مرتبہ ایک وفد کے ساتھ حارث بن عبداللہ خلیفہ کے پاس آئے دوران گفتگو خلیفہ عبدالملک بن مروان نے کہا: میرا خیال ہے کہ تعمیر کعبہ کے بارے میں ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کوئی ایسی حدیث اپنی خالہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نہیں سنی ہو گی جس کی روشنی میں سابقہ تعمیر گرائی تھی حارث بن عبداللہ نے کہا ہاں ضرور سنی ہو گی یہ حدیث تو میں نے بھی ام المومنین سے سنی ہے۔

خلیفہ نے سوال کیا تم نے کیا سنا تھا۔ انہوں نے کہا: اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: عائشہ! تیری قوم نے بیت اللہ کو تنگ کر دیا ہے اگر تیری قوم کا زمانہ شرک قریب نہ ہوتا تو میں نئے سرے سے تعمیر کر کے اس کی کمی کو پورا کر دیتا۔

عائشہ میرے ساتھ چل میں تجھے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی اصل بنیادیں دکھاتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حطیم میں سے سات ہاتھ اندر کا حصہ بیت اللہ میں شامل تھا اور اس جگہ ابراہیمی بنیادیں تھیں اور میں چاہتا ہوں کہ اس کے دو دروازے ایک مشرق میں اندر جانے کے لئے اور ایک مغرب میں باہر جانے کے لئے بنا دوں۔

عائشہ تمہیں معلوم ہے تیری قوم نے اتنا اونچا دروازہ کیوں رکھا؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اللہ ورسولہ اعلم، آپ نے ارشاد فرمایا: محض اپنی بڑائی، تکبر اور نخوت کی وجہ سے انہوں نے ایسا کیا ہے تاکہ وہ جسے چاہیں کعبہ شریف میں داخل ہونے دیں اور جسے چاہیں اس سعادت سے محروم رکھیں۔

جس آدمی کے اندر داخل ہونے پر وہ خوش نہ ہوں اسے دھکا دے کر نیچے گرا دیتے اور جس کا داخلہ ان کی خواہش کے مطابق ہوتا اس کی دستگیری کرتے۔

خلیفہ نے کہا: حارث کیا تم نے یہ حدیث خود سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سنی تھی؟ حارث نے اثبات میں جواب دیا تو خلیفہ عبدالملک بن مروان کچھ دیر اپنی لاٹھی پر ٹیک لگائے سوچتا رہا اور کہا کاش! میں بیت اللہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیتا اس کے گرانے اور تبدیل کرنے کا فرمان جاری نہ کرتا۔ (مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب نقض الکعبۃ وبنائہا، 972:2، رقم:1333)

11 سلطان مراد خان عثمانی سے تعمیر

اس تعمیر کے 966 سال بعد سیلاب سے کعبہ شریف منہدم ہوا تو 1040ھ میں سلطان مراد خان عثمانی نے اسے تعمیر کیا اس کے بعد علامہ طاہر کردی لکھتے ہیں: ''(سلطان مراد کی تعمیر کردہ) یہی عمارت ہمارے زمانے تک قائم چلی آ رہی ہے۔''

(محمد طاہر الکردی المکی، تاریخ القویم، 301:3)

اس کے بعد کعبہ کی تعمیر نہیں ہوئی البتہ اس میں اصلاحات اور مرمت کا کام ہر دور میں ہوتا رہا ہے۔

حج کی اہمیت وفضیلت کا بیان

(۱)۔ حج اسلامی ارکان میں سے پانچواں رکن ہے۔ (۲)۔ حج ان گناہوں کو مٹا دیتا ہے جو پیشتر ہوئے ہیں۔ (مسلم)
(۳)۔ حج کمزوروں اور عورتوں کا جہاد ہے۔ (ابن ماجہ) (۴)۔ حج محتاجی کو ایسا دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کو (ترمذی)۔
(۵) حج مبرور کا ثواب جنت ہی ہے۔ (ترمذی) (۶)۔ حاجی کی مغفرت ہو جاتی ہے اور جس کے لیے حاجی استغفار کرے اس کی بھی (طبرانی) (۷)۔ حاجی اپنے گھر والوں میں سے چار سو کی شفاعت کرے گا۔ (بزار) (۸)۔ حاجی اللہ کے وفد ہیں، اللہ نے انہیں بلایا یہ حاضر ہوئے انہوں نے سوال کیا اللہ نے انہیں دیا۔ (بزار) (۹)۔ حاجی کے لیے دنیا میں عافیت ہے اور آخرت میں مغفرت۔ (طبرانی) (۱۰)۔ جو حج کے لیے نکلا اور مر گیا قیامت تک اس کے لیے حج کرنے والے کا ثواب لکھا جائے گا، اس کی پیشی نہیں ہوگی اور بلا حساب جنت میں جائے گا (دارقطنی)

(۱۱)۔ جس نے حج کیا یا عمرہ وہ اللہ کی ضمان میں ہے، اگر مر جائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا اور گھر کو واپس کر دے تو اجر وغنیمت کے ساتھ واپس کریگا۔ (طبرانی)

(۱۲)۔ مختلف قوموں، مختلف نسلوں، مختلف زبانوں، مختلف رنگتوں اور مختلف ملکوں کے اشخاص میں رابطۂ دین کو مضبوط کرنے اور ساری کائنات کے مسلمانوں کو دین واحد کی وحدت میں شامل ہونے کے لیے حج اعلیٰ ترین ذریعہ بھی ہے۔ احکامِ اسلام کا منشا بھی یہی ہے کہ افرادِ مختلفہ کو ملتِ واحدہ بنا کر کلمہ توحید پر جمع کر دیا جائے۔

(۱۳)۔ حج میں سب کے لیے وہ سادہ بغیر سلا لباس جو ابوالبشر سیدآدم علیہ السلام کا تھا تجویز کیا گیا ہے تا کہ ایک ہی رسول، ایک ہی قرآن، ایک ہی کعبہ پر ایمان رکھنے والے ایک ہی صورت، ایک ہی لباس، ایک ہی ہیت اور ایک ہی سطح پر نظر آئیں اور چشم ظاہر بین کو بھی اتحادِ معنوی رکھنے والوں کے اندر کوئی اختلاف ظاہری محسوس نہ ہوسکے۔

(۱۴)۔ حج سے مقصود شوکت کا اظہار بھی ہے اور مسلمانوں کو بحری، بری اور اب فضائی سفروں سے جو فوائد سمندروں، میدانوں اور فضاؤں سے حاصل ہو سکتے ہیں وہ بھی اس مقصود کے ضمن میں داخل ہیں۔

(۱۵)۔ بادشاہ کا جو مقصود شاندار درباروں کے انعقاد سے۔ کانفرنس کا جو مقصود سالانہ جلسوں کے اجتماع سے

(۱۶) اور ایوانِ تجارت کا جو مقصود عالمگیر نمائشوں کے قیام سے ہوتا ہے وہ سب حج کے اندر ملحوظ ہیں۔

(۱۷)۔ آثارِ قدیمہ اور طبقات الارض کے ماہرین کو تاریخ عالم کے محققین کو، جغرافیہ عالم کے ماہرین کو جن باتوں کی تلاش و طلب ہوتی ہے وہ سب امور حج سے پورے ہوجاتے ہیں۔

(۱۸)۔ حج کے مقامات عموماً پیغمبرانہ شان اور ربانی نشان کی جلوہ گاہ ہیں جہاں پہنچ کر اور جنہیں دیکھ کر ان مقدس روایات کی یادیں تازہ ہوجاتی ہیں اور خدائی رحمت و برکت کے وہ واقعات یاد آجاتے ہیں۔ جو ان سے وابستہ ہیں الغرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس شریعت کا صحیفہ لے کر آئے اس کی سب سے بری خصوصیت یہی ہے کہ وہ دین و دنیا کی جامع ہے اور اس کا ایک ایک حرف مصلحتوں اور حکمتوں کے دفتروں سے معمور ہے اور اس کے احکام و عبادات کے دنیاوی و اخروی فوائد و اغراض خود بخود چشم حق بین کے سامنے آجاتے ہیں اور تا قیامت آتے رہیں گے۔

حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ جس نے خدا کے لیے حج کیا اور اس میں ہوسِ نفسانی اور گناہ کی باتوں سے بچا تو وہ ایسا ہو کر لوٹا ہے جیسے اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا۔

یعنی حاجی ایک نئی زندگی ایک نئی حیات اور ایک نیا دور شروع کرتا ہے جس میں دین و دنیا دونوں کی بھلائیاں اور کامیابیاں شامل ہوتی ہیں، تو حج اسلام کا صرف مذہبی رکن ہی نہیں بلکہ وہ اخلاقی، معاشرتی، اقتصادی، سیاسی یعنی قومی و ملی زندگی کے ہر رخ اور ہر پہلو پر حاوی اور مسلمانوں کی عالمگیر بین الاقوامی حیثیت کا سب سے بڑا بلند منارہ ہے۔

حج کے اخلاقی فوائد کیا ہیں؟

عام مسلمان جو دور دراز مسافتوں کو طے کر کے اور ہر قسم کی مصیبتوں کو جھیل کر دریا، پہاڑ، جنگل، آبادی اور صحرا کو عبور کر کے یہاں جمع ہوتے، ایک دوسرے سے ملتے، ایک دوسرے کے دردو غم سے واقف اور حالات سے آشنا ہوتے ہیں جس سے ان میں باہمی اتحاد اور تعاون کی روح پیدا ہوتی ہے اور سب مل کر باہم ایک قوم ایک نسل اور ایک خاندان کے افراد نظر آتے ہیں۔

حج کے لیے یہ ضروری ہے کہ احرام باندھنے سے لے کر احرام اتارنے تک ہر حاجی نیکی و پاکبازی اور امن و سلامتی کی پوری تصویر ہو، وہ لڑائی جھگڑا اور دنگا فساد نہ کرے، کسی کو تکلیف نہ دے یہاں تک کہ بدن یا کپڑوں کی جوں یہاں تک کہ کسی چیونٹی تک کو نہ مارے شکار تک اس کے لیے جائز نہیں کیونکہ وہ اس وقت ہمہ تن صلح و آشتی اور مجسم امن و امان ہوتا ہے۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے"فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج"

یعنی حالتِ احرام میں نہ عورتوں کے سامنے شہوانی تذکرہ ہو، نہ کوئی گناہ، نہ کسی سے جھگڑا۔

کیسا صریح حکم ہے کہ زمانہ حج میں حالتِ احرام میں اشارۃً یا کنایۃً بھی شہوانی خیالات زبان پر نہ لائے جائیں پھر حالتِ احرام میں جب متعدد جائز مشغلے مثلاً شکار کرنا جائز ہو جاتے ہیں تو بڑی چھوٹی قسم کی معصیت و نافرمانی کی گنجائش ظاہر ہے کہاں نکل سکتی ہے، یونہی اس زمانہ میں مار پیٹ، ہاتھا پائی الگ رہی زبانی حجت وتکرار جو اکثر ایسے موقعوں پر ہو جایا کرتی ہے سب احرام کی حالت میں ممنوع ہے۔ حتیٰ کہ خادم کو ڈانٹنا تک جائز نہیں۔

اور عبادت میں طہارت و پاکیزگی کا اسلام کا قائم کیا ہوا یہ وہ معیار ہے جو آپ اپنا جواب ہے اور جس نے اپنوں ہی کو نہیں بیگانوں کو بھی متاثر کیا ہے۔

حج کی اصطلاحات کا بیان

۱۔ احرام: وہ بغیر سلا لباس جس کے بغیر آدمی میقات سے نہیں گزر سکتا یعنی ایک چادر نئی یا دھلی اوڑھنے کے لیے اور ایسا ہی ایک تہ بند کمر پر لپیٹنے کے لیے، یہ کپڑے سفید اور نئے بہتر ہیں یہ گویا رب العالمین جل جلالہ کی بارگاہ میں حاضری کی ایک وردی ہے، صاف ستھری، سادہ، تکلف اور زیبائش سے خالی۔

۲۔ میقات: وہ جگہ کہ مکۂ معظمہ کو جانے والے کو احرام کے بغیر وہاں سے آگے بڑھنا جائز نہیں اگرچہ تجارت وغیرہ کسی اور غرض سے جاتا ہو۔

۳۔ تلبیہ: یعنی لبیک کہنا، لبیک یہ ہے: لبیك اللهم لبيك ٥ لبيك لا شريك لك لبيك ٥ ان الحمد والنعمة لك ٥ والملك ٥ لا شريك لك ٥

۴۔ احرام کے ایک مرتبہ زبان سے لبیک کہنا ضروری ہے اور نیت شرط۔

۵۔ حرم کعبہ: مکۂ معظمہ کے گرداگرد کئی کوس کا جنگل ہے ہر طرف حدیں بنی ہوئی ہیں ان حدود کے اندر وہاں کے وحشی جانوروں حتیٰ کہ جنگلی کبوتروں کو تکلیف وایذا، دنیا بلکہ تر گھاس اکھیڑنا تک حرام ہے۔ تمام مکۂ مکرمہ، منٰی، مزدلفہ یہ سب حدود حرم میں ہیں البتہ عرفات داخلِ حرم نہیں۔

۶۔ حِل: حدودِ حرم کے بعد جو زمین میقات تک ہے اسے حِل کہتے ہیں۔

۷۔ طواف: مسجد الحرام میں خانۂ کعبہ کے اردگرد بطریق خاص چکر لگانے کا نام طواف ہے۔

۸۔ مطاف: مسجد الحرام ایک گول وسیع احاطہ ہے جس کے کنارے کنارے بکثرت دالان اور آنے جانے کے راستے ہیں۔ بیچ میں خانۂ کعبہ کے اردگرد ایک دائرہ ہے یہی مطاف ہے یعنی طواف کرنے کی جگہ۔

۹۔ رکن: خانۂ کعبہ کا گوشہ جہاں اس کی دو دیواریں ملتی ہیں جسے زاویہ کہتے ہے۔ کعبۂ معظمہ کے چار رکن ہیں۔

(۱) رکنِ اسود: جنوب و مشرق کے گوشہ میں، اسی میں زمین سے اونچا سنگِ اسود نصب ہے۔ (۲) رکنِ عراقی: شمال و مشرق

کے گوشہ میں، دروازۂ کعبہ انہیں دو رکنوں کے بیچ کی شرقی دیوار میں زمین سے بہت بلند ہے۔(۳) رکنِ شامی: شمال و مغرب کے گوشہ میں، سنگِ اسود کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوں تو بیت المقدس سامنے پڑے گا۔(۴) رکنِ یمانی: مغرب اور جنوب کے گوشہ میں۔

۱۰۔ ملتزم: مشرقی دیوار کا وہ ٹکڑا جو رکنِ اسود سے دروازۂ کعبہ تک ہے۔ طواف کے بعد مقامِ ابراہیم پر نماز و دعا سے فارغ ہو کر حاجی یہاں آتے اور اس سے لپٹتے اور اپنا سینہ و پیٹ اور رخسار اس پر رکھتے اور ہاتھ اونچے کر کے دیوار پر پھیلاتے ہیں۔

۱۱۔ میزابِ رحمت: سونے کا پرنالہ کہ رکنِ عراقی شامی کی بیچ کی شمالی دیوار پر کی چھت پر نصب ہے۔

۱۲۔ حطیم: اسی شمالی دیوار کی طرف زمین کا ایک حصہ جس کے گرداگرد ایک قوسی رکمان کے انداز کی چھوٹی سی دیوار دی گئی ہے اور دونوں طرف آمد و رفت کا دروازہ ہے۔

۱۳۔ مُستجار: رکن یمانی اور رکنِ اسود کے بیچ میں غربی دیوار کا وہ ٹکڑا جو ملتزم کے مقابل ہے۔

۱۴۔ مستجاب: رکن یمانی اور رکن اسود کے بیچ میں جنوبی دیوار یہاں ستر ہزار فرشتے دُعا پر آمین کہنے کے لیے مقرر ہیں اس لیے اس کا نام مستجاب رکھا گیا ہے۔

۱۵۔ اضطباع: شروع طواف سے پہلے چادر کو داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر دونوں کنارے بائیں مونڈھے پر اس طرح ڈال دینا کہ داہنا مونڈھا کھلا رہے۔

۱۶۔ رمل: طواف کے پہلے تین پھیروں میں جلد جلد چھوٹے قدم رکھنا اور شانے ہلانا جیسے کہ قوی و بہادر لوگ چلتے ہیں نہ کودنا نہ دوڑنا۔

۱۷۔ استلام: دونوں ہتھیلیاں اور ان کے بیچ میں منہ رکھ کر حجرِ اسود کو بوسہ دینا یا ہاتھ یا لکڑی سے چھو کر چوم لینے کا اشارہ کر کے ہاتھوں کو بوسہ دینا۔

۱۸۔ حجرِ اسود: یہ کالے رنگ کا ایک پتھر ہے حدیث میں ہے کہ حجرِ اسود جب جنت سے نازل ہوا دودھ سے زیادہ سفید تھا بنی آدم کی خطاؤں نے اسے سیاہ کر دیا (ترمذی) خانہ کعبہ کے طواف کے شروع اور ختم کرنے کے لیے وہ ایک نشان کا کام دیتا ہے۔

۱۹۔ مقامِ ابراہیم: دروازۂ کعبہ کے سامنے ایک قبہ میں وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کعبہ بنایا تھا ان کے قدمِ پاک کا اس پر نشان ہو گیا جو اب تک موجود ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آیاتِ بینات میں شمار فرمایا۔

۲۰۔ قبہ زمزم شریف: یہ قبہ مقامِ ابراہیم سے جنوب کو مسجد شریف ہی میں واقع ہے اور اس قبہ کے اندر زمزم کا چشمہ ہے۔

۲۱۔ باب الصفاء: مسجد شریف کے جنوبی دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جس سے نکل کر سامنے کوہ صفا ہے۔

۲۲۔ صفا: کعبہ معظمہ سے جنوب کو ہے یہاں زمانہ قدیم میں ایک پہاڑی تھی کہ زمین میں چھپ گئی ہے اب وہاں قبلہ رخ ایک دالان سا بنا ہے اور چڑھنے کی سیڑھیاں۔

۲۳۔ مروہ: دوسری پہاڑی صفا سے جانب شرق تھی یہاں بھی اب قبلہ رخ دالان سا بنا ہے اور سیڑھیاں صفا سے مروہ تک جو فاصلہ ہے اب یہاں بازار ہے صفا سے چلتے ہوئے داہنے ہاتھ کو دکانیں اور بائیں ہاتھ کو احاطۂ مسجد حرام ہے۔

۲۴۔ میلَینِ اخضرین: اس فاصلہ کے وسط میں جو صفا سے مروہ تک ہے۔ دیوارِ حرم شریف ہیں دو سبز میل نصب ہیں جیسے میل کے شروع میں پتھر لگا ہوتا ہے۔ اب تو وہاں سبز رنگ کے ٹیوب بجلی کے ہمیشہ شب و روز روشن رہتے ہیں۔

۲۵۔ مَسعیٰ: وہ فاصلہ کہ ان دونوں نشانوں کے درمیان ہے اس فاصلہ کو دوڑ کر طے کیا جاتا ہے مگر نہ حد سے زائد دوڑتے نہ کسی کو ایذائے دیتے۔

۲۶۔ سعی: صفا سے مروہ اور پھر مروہ سے صفا کی طرف جانا آنا اور میلینِ اخضرین کے درمیان دوڑنا سعی ہے۔

۲۷۔ حلق: سارا سر منڈانا اور یہ افضل ہے۔ تقصیر: بال کتروان کہ اس کی اجازت ہے۔

۲۸۔ موقف: عرفات میں وہ جگہ کہ نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک وہاں کھڑے ہو کر ذکر و دعا کا حکم ہے۔

۲۹۔ بطنِ عرفہ: عرفات میں حرم کے نالوں میں سے ایک نالہ ہے مسجد نمرہ کے مغرب کی طرف یعنی کعبہ معظمہ کی طرف، یہاں جائز نہیں یہاں قیام یا وقوف کیا تو حج ادا نہ ہوگا۔

۳۰۔ مسجدِ نمرہ: میدانِ عرفات کے بالکل کنارہ پر ایک عظیم مسجد ہے اس کی مغربی دیوار اگر گرے تو بطن میں گرے گی۔

۳۱۔ جبلِ رحمت: عرفات کا ایک پہاڑ زمین سے تقریباً ۳۰۰ فٹ اونچا اور سطح سمندر سے ۰۰ فٹ اونچا ہے اسے موقفِ اعظم بھی کہتے ہیں اسی کے قریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا موقف ہے جہاں سیاہ پتھروں کا فرش ہے۔

۳۲۔ مُزدلفہ: عرفات اور منیٰ کے درمیان ایک کشادہ میدان ہے عرفات سے تقریباً تین میل دور یہاں سے منیٰ کا فاصلہ بھی تقریباً اتنا ہی ہے کہتے ہیں کہ عرفات میں قبولِ توبہ کے بعد حضرت آدم اور اماں حوا علیہما السلام مزدلفہ ہی میں ملے تھے۔

۳۳۔ مازنین: عرفات اور مزدلفہ کے پہاڑوں کے درمیان ایک تنگ راستہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عرفات سے مزدلفہ اسی راستے تشریف لائے تھے۔

۳۴۔ مشعرِ حرام: اس خاص مقام کا نام ہے جو مزدلفہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان ہے اور خود سارے مزدلفہ کو بھی مشعرِ حرام کہتے ہیں۔ مزدلفہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقوف کی جگہ گنبد بنا دیا گیا تھا آج کل یہاں ایک مسجد بھی ہے جسے مسجد مشعر الحرام کہا جاتا ہے مشعر حرام کو قزح بھی کہتے ہیں۔

۳۵۔ وادی محشر: یہ وہی مقام ہے جہاں اصحابِ فیل کے ہاتھی تھک کر رہ گئے اور مکہ معظمہ کی طرف آگے نہ بڑھ سکے اور سب ہلاک ہو گئے۔

۳۶۔ منیٰ: ایک وسیع اور کشادہ میدان جو پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے مزدلفہ سے یہاں آکر رمی جمار، قربانی وغیرہ افعال ادا کیے جاتے ہیں۔

۳۷۔ مسجدِ خیف: منیٰ کی مشہور اور بڑی مسجد کا نام ہے خیف وادی کو کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ اس مسجد میں (70) ستر نبی آرام

فرماتے ہیں مسجد خیف پر ہشت پہلو قبہ ہے اس قبہ کی جگہ سے متعلق کہا جاتا ہے کہ بہت سے پیغمبروں نے نمازیں یہاں ادا فرمائی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ بھی یہاں نصب کیا گیا تھا۔

۳۸۔ رمی: منیٰ میں واقع تین جمروں پر کنکریاں مارنے کو کہتے ہیں۔

۳۹۔ جمار: منیٰ کے میدان میں پتھر کے تین ستون کھڑے ہیں ان ہی کا نام جمار ہے ان میں سے پہلے کا نام جمرۂ اولیٰ، دوسرے کا نام جمرۂ وسطیٰ اور تیسرے کا نام جمرۂ عقبیٰ ہے یہ مکہ معظمہ سے منیٰ آتے ہوئے پہلا منارہ ہے۔

۴۰۔ وقوف عرفہ: نویں ذی الحجہ کو عرفات میں ٹھہرنا اور اللہ کے حضور زاری اور خالص نیت سے ذکر و لبیک و دعا و درود استغفار اور کلمہ توحید میں مشغول رہنا اور نماز ظہر و عصر ادا کرنا اور نماز سے فراغت کے بعد بالخصوص غروب آفتاب تک دعا میں اپنا وقت گزارنا۔ (فقہی کتب و شروحات)

حج کی فرضیت کی تاریخ

فرضیت حج کی سعادت عظمیٰ ہمارے آقا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ساتھ مختص ہے گو کہنے کو تو حج کا رواج حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے ہے مگر اس وقت اس کی فرضیت کا حکم نہ تھا۔ چنانچہ صحیح مسلک یہی ہے کہ حج صرف امت محمدیہ پر فرض ہوا ہے۔

حج کب فرض ہوا؟ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، کچھ حضرات کہتے ہیں سن ۵ ہجری میں فرض ہوا، اکثر علماء سن ۶ ہجری میں فرضیت کے قائل ہیں لیکن زیادہ صحیح قول ان علماء کا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حج سن ۹ ھ کے آخر میں فرض ہوا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا آیت (وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا)۔ یعنی اللہ کی خوشنودی کے لئے لوگوں پر کعبہ کا حج (ضروری) ہے اور یہ اس شخص پر جو وہاں تک جا سکے۔

چونکہ یہ حکم سال کے آخر میں نازل ہوا تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو فعال حج کی تعلیم میں مشغولیت اور آئندہ سال کے لئے سفر حج کے اسباب کی تیاری میں مصروفیت کی وجہ سے خود حج کے لئے تشریف نہیں لے جا سکے، بلکہ اس سال یعنی سن ۹ ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حاجیوں کا امیر مقرر فرما کر مکہ بھیج دیا تاکہ وہ لوگوں کو حج کرا دیں اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود سال آئندہ یعنی سن ۱۰ ھ میں اس حکم الٰہی کی تعمیل میں حج کے لئے تشریف لے گئے یہ عجیب اتفاق ہے کہ فرضیت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی پہلا حج کیا جو آخری حج بھی ثابت ہوا۔ چنانچہ یہی حج حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے اسی حج کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ عالم تاب اور وجود پر نور نے اس دنیا سے پردہ کیا۔

حج کی فرضیت کی حکمتوں کا بیان

انسان فائدے کا حریص ہے، فائدہ دیکھ کر مشکل سے مشکل کام بھی آسان ہو جاتا ہے، حج کی خوبیاں وفضائل تو بہت زیادہ ہیں، یہاں بعض کو بطور تذکرہ ذکر کیا جاتا ہے تاکہ حج کا داعیہ اور شوق پیدا ہو۔

صحیحین میں ہے کہ جو شخص اللہ کے لیے حج کرے اور (دوران حج) نہ اپنی اہلیہ سے ہم بستری کرے اور نہ فسق میں مبتلا ہو

تو وہ اس طرح (بے گناہ ہو کر) لوٹتا ہے جیسے (اس دن بے گناہ تھا) جس دن اس کو اس کی ماں نے جنا تھا۔شراح حدیث نے رفث سے اگرچہ جماع مراد لیا ہے،لیکن معنی عام مراد لینے سے دیگر معانی جیسے تعریض بالجماع، فحش گوئی وغیرہ بھی اس میں شامل ہو جائیں گے، امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا میلان بھی اسی طرف ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حج اور عمرہ ساتھ کرو، دونوں فقرو محتاجی اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں، جس طرح لوہار اور سنار کی بھٹی لوہے اور سونے چاندی کا میل کچیل دور کر دیتی ہے اور حج مبرور کا صلہ اور ثواب تو بس جنت ہی ہے۔

طبرانی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ حج اور عمرہ کے لیے جانے والے خدا کے خصوصی مہمان ہیں، وہ خدا سے دعا کریں تو خدا قبول فرماتا ہے اور مغفرت طلب کریں تو بخش دیتا ہے ا

حضرت عبداللہ بن جراد رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فریضہ حج ادا کرو، اس لیے کہ حج گناہوں کو ایسے دھو دیتا ہے، جیسے پانی میل کو دھو دیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج کرنے والے کی مغفرت کی جاتی ہے اور جس کے لیے حاجی مغفرت کی دعا کرے اس کی بھی مغفرت کی جاتی ہے۔ایک روایت میں ہے کہ اے اللہ! مغفرت فرما حاجی کی اور جس کے لیے وہ مغفرت طلب کرے۔

حج کے مہینوں کے متعلق فقہی مذاہب اربعہ کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، عطاء طاؤس، مجاہد، زہری، ربیع اور امام مالک کے نزدیک شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ پورے کے پورے حج کے مہینے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ ابن سیرین، حسن، شعبی، نخعی، قتادہ، مکحول، سدی، امام ابوحنیفہ اور امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن حج کے مہینے ہیں۔

(البحر المحیط ج ۲ ص ۲۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ)

اور امام احمد بن حنبل کا بھی یہی نظریہ ہے۔(زاد المسیر ج ۱ ص ۲۰۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو شخص ان مہینوں میں (حج کر کے) حج کو لازم کر لے۔(البقرہ: ۱۹۷)

فرضیت حج کے سبب میں ائمہ مذاہب کے اقوال کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حج کا احرام باندھ کر تلبیہ پڑھنے سے حج فرض ہو جاتا ہے، عطاء طاؤس اور صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے کہا: حج کی نیت سے تلبیہ پڑھنے سے حج فرض ہو جاتا ہے، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک حج کی نیت کے ساتھ احرام باندھ کر تلبیہ پڑھنے یا حج کی نیت سے احرام باندھ کر قربانی کے گلے میں قلادہ (ہار) ڈال کر اس کو روانہ کرنے سے حج فرض ہو جاتا ہے، یا حج کی نیت سے احرام باندھ کر اشعار کرنے سے حج فرض ہو جاتا ہے۔

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک تلبیہ کے بغیر بھی حج کی نیت کے ساتھ احرام باندھنے سے حج فرض ہو جاتا ہے۔
(البحر المحیط ج۲ ص ۲۷۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ)

امام احمد بن حنبل نے یہ تصریح کی ہے کہ حج کی نیت سے صرف احرام باندھنے سے حج فرض ہو جاتا ہے خواہ تلبیہ نہ پڑھا جائے۔ (زاد المسیر ج۱ ص ۲۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

بَابُ فَرْضِ الْحَجِّ

باب: حج کا فرض ہونا

1721 - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ الْمَعْنَى، قَالَا: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنْ سُفْيَانَ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سِنَانٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ الْأَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ، سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، الْحَجُّ فِي كُلِّ سَنَةٍ أَوْ مَرَّةً وَاحِدَةً قَالَ: بَلْ مَرَّةً وَاحِدَةً، فَمَنْ زَادَ فَهُوَ تَطَوُّعٌ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هُوَ أَبُو سِنَانٍ الدُّؤَلِيُّ، كَذَا قَالَ: عَبْدُ الْجَلِيلِ بْنُ حُمَيْدٍ، وَسُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيرٍ جَمِيعًا عَنِ الزُّهْرِيِّ، وَقَالَ عُقَيْلٌ، عَنْ سِنَانٍ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج کرنا لازمی ہے یا صرف ایک مرتبہ؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صرف ایک مرتبہ البتہ اگر کوئی شخص مزید کرے تو یہ نفل (شمار) ہوگا۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) راوی ابوسنان دؤلی ہیں' جلیل بن حمید نے اسی طرح بیان کیا ہے' اور سلیمان بن کثیر نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے انہوں نے زہری کے حوالے سے روایت نقل کی ہے' اور راوی کا نام سنان نقل کیا ہے۔

1722 - حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنِ ابْنٍ لِأَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لِأَزْوَاجِهِ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ: هَذِهِ ثُمَّ ظُهُورَ الْحُصُرِ

❁❁ حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حجۃ الوداع کے موقع پر میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ازواج کو یہ کہتے سنا۔

''یہ (حج تم نے کرلیا ہے) پھر تم پر گھروں میں رہنا لازم ہے''۔

فرضیت حج میں افراد کی بہ جائے جمع کی طرف عدول کا بیان

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مصنف نے حج کی فرضیت میں آزاد و بالغین وغیرہ کے صیغے بیان فرمائے ہیں۔

مصنف کی غرض افراد سے جمع کی طرف جانے میں یہ ہے کہ حج لوگوں سے جدا نہیں ہوتا مگر جبکہ وہ اس کو ادا کرلیں۔
(عنایہ شرح الہدایہ، ۳، ص ۳۸۷، بیروت)

حج کے فرض ہونے کی شرائط کی وضاحت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سی چیز حج کو واجب کرتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زادراہ اور سواری۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

سوال کون سی چیز حج کو واجب کرتی ہے؟ کا مطلب یہ ہے کہ حج واجب ہونے کی شرط کیا ہے؟ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چیز تو زادراہ بتایا جس کی مراد یہ ہے کہ اتنا مال وزر جو سفر حج میں جانے اور آنے کے اخراجات اور تا واپسی اہل وعیال کی ضروریات کے لئے کافی ہو اور دوسری چیز سواری بتائی جس پر سوار ہو کر بیت اللہ تک پہنچا جا سکے اگرچہ حج کے واجب ہونے کی شرطیں اور بھی ہیں مگر یہاں بطور خاص ان ہی دونوں چیزوں کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ اصل میں یہی دو شرائط ایسی ہیں جو حج کے لئے بنیادی اور ضروری اسباب کا درجہ رکھتے ہیں۔

یہ حدیث حضرت امام مالک کے مسلک کی تردید کرتی ہے ان کے ہاں اس شخص پر بھی حج واجب ہوتا ہے جو پیادہ چلنے پر قادر ہو اور تجارت یا محنت مزدوری کے ذریعہ سفر حج کے اخراجات کے بقدر روپے پیسے حاصل کر سکتا ہو۔

حج ان شرائط کے پائے جانے کے بعد فرض ہوتا ہے۔ (۱) مسلمان ہونا، کافر پر حج فرض نہیں ہے (۲) آزاد ہونا، لونڈی غلام پر حج فرض نہیں ہے۔ (۳) عاقل ہونا، مجنون، مست اور بے ہوش پر حج فرض نہیں۔ (۴) بالغ ہونا، نابالغ بچوں پر حج فرض نہیں۔ (۵) صحت مند و تندرست ہونا، بیمار، اندھے، لنگڑے، اپاہج پر حج فرض نہیں (۶) قادر ہونا یعنی اس قدر مال کا مالک ہونا جو ضرورت اصلیہ اور قرض سے زائد ہو اور اس کے زادراہ اور سواری کے کرایہ وخرچ کے لئے کافی ہو جائے نیز جن لوگوں کا نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے ان کے لئے بھی اس میں سے اس قدر چھوڑ جائے جو اس کی واپسی تک ان لوگوں کو کفایت کر سکے۔
(۷) راستے میں امن ہونا، اس بارے میں اکثر کا اعتبار ہے یعنی اگر اکثر لوگ امن وامان سے پہنچ جاتے ہوں تو حج فرض ہوگا، مثلاً اگر اکثر لوگ راستے میں ڈاکہ زنی ڈغیرہ سے لٹ جاتے ہوں یا کوئی ایسا دریا اور سمندر حائل ہو جس میں بکثرت جہاز ڈوب جاتے ہوں اور اکثر ہلاک ہو جاتے ہوں یا راستے میں اور کسی قسم کا خوف ہو تو ایسی حالت میں حج فرض نہیں ہوگا، ہاں اگر یہ حادثات کبھی کبھی اتفاقی طور پر ہو جاتے ہیں تو پھر حج کی فرضیت ساقط نہیں ہوگی (۸) عورت کے لئے ہمراہی میں شوہر یا کسی اور محرم کا موجود ہونا جب کہ اس کے یہاں سے مکہ کی دوری بقدر مسافت سفر یعنی تین دن کی ہو۔ اگر شوہر یا محرم ہمراہی میں نہ ہوں۔ تو پھر عورت کے لئے سفر حج اختیار کرنا جائز نہیں ہے اور محرم کا عاقل بالغ ہونا اور مجوسی وفاسق نہ ہونا بھی شرط ہے۔ محرم کا نفقہ اس عورت پر ہوگا جو اپنے اپنے ساتھ حج میں لے جائے گی۔ نیز جس عورت پر حج فرض ہو وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر بھی محرم کے ساتھ حج کے لئے جا سکتی ہے۔

اگر کوئی نابالغ لڑکا یا غلام احرام باندھنے کے بعد بالغ ہو جائے یا آزاد ہو جائے اور پھر وہ حج پورا کرے تو اس صورت میں

فرض ادا نہیں ہوگا ہاں اگر لڑکا فرض حج کے لئے از سر نو احرام باندھے گا تو صحیح ہو جائے گا۔ لیکن غلام کا احرام فرض حج کے لئے اس صورت میں بھی درست نہیں ہوگا۔

قرآن کے مطابق فرضیت حج کا بیان

(۱) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ۔ (البقرہ) اور تم اللہ کے لئے حج و عمرہ مکمل کرو۔

(۲) وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (آل عمران، ۹۷) اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے۔ (کنز الایمان)

اس آیت میں حج کی فرضیت کا بیان ہے اور اس کا کہ استطاعت شرط ہے حدیث شریف میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر زاد و راحلہ سے فرمائی زاد یعنی توشہ کھانے پینے کا انتظام اس قدر ہونا چاہئے کہ جا کر واپس آنے تک کے لئے کافی ہو اور یہ واپسی کے وقت تک اہل و عیال کے نفقہ کے علاوہ ہونا چاہئے راہ کا امن بھی ضروری ہے کیونکہ بغیر اس کے استطاعت ثابت نہیں ہوتی۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی ناراضی ظاہر ہوتی ہے اور یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ فرض قطعی کا منکر کافر ہے۔

(۳) وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ (الحج، ۲۷)

اور لوگوں میں حج کی عام ندا کر دے۔ وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر کہ ہر دور کی راہ سے آتی ہیں۔

(۴) فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۔ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ (البقرہ، ۱۵۸)

تو جو اس گھر کا حج یا عمرہ کرے اس پر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کے پھیرے کرے۔ اور جو کوئی بھلی بات اپنی طرف سے کرے تو اللہ نیکی کا صلہ دینے والا خبردار ہے۔

(۵) وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ رَسُوْلُهٗ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ (التوبہ، ۳)

اور منادی پکار دینا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں میں بڑے حج کے دن۔ کہ اللہ بیزار ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول تو اگر تم توبہ کرو۔ تو تمہارا بھلا ہے اور اگر منہ پھیرو۔ تو جان لو کہ تم اللہ کو نہ تھکا سکو گے۔ اور کافروں کو خوشخبری سناؤ دردناک عذاب کی۔ (کنز الایمان)

ان آیات میں حج کا بیان ہے اور ان میں جو آیت کا استدلال صاحب ہدایہ نے بیان کیا ہے وہ اور دیگر کئی آیات سے حج کی فرضیت ثابت ہے۔ لہٰذا اس کے ثبوت قطعیت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس لئے حج فرض ہے اور اس کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

احادیث کے مطابق فرضیت حج کا بیان

(۱) حضرت امام بخاری رحمہ اللہ آیت قرآنی لانے کے بعد وہ حدیث لائے جس میں صاف صاف "ان فریضۃ اللہ علی

عبادہ فی الحج ادرکت ابی الخ" کے الفاظ موجود ہیں۔ اگر چہ یہ ایک قبیلہ خثعم کی مسلمان عورت کے الفاظ ہیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا۔ اس لحاظ سے یہ حدیث تقریری ہوگئی اور اس سے فرضیت حج کا واضح لفظوں میں ثبوت ہوا۔

(۲) میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ملک زاداً وراحلۃ تبلغہ الی بیت اللہ ولم یحج فلا علیہ ان یموت یہودیاً او نصرانیا۔

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔

(۳) مسلم شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے وعظ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے، پس تم حج کرو۔

(۴) صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اور نماز پڑھنا، اور زکوٰۃ دینا، اور بیت اللہ کا حج کرنا، اور رمضان کے روزے رکھنا۔

(۵) امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس شخص کو خرچ اخراجات سواری وغیرہ سفر بیت اللہ کے لیے روپیہ میسر ہو (اور وہ تندرست بھی ہو) پھر اس نے حج نہ کیا تو اس کو اختیار ہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔ (ترمذی شریف باب ماجاء من التغلیظ فی ترک الحج)

یہ بڑی سے بڑی وعید ہے جو ایک سچے مرد مسلمان کے لیے ہو سکتی ہے۔ پس جو لوگ باوجود استطاعت کے مکہ شریف کا رخ نہیں کرتے بلکہ یورپ اور دیگر ممالک کی سیر و سیاحت میں ہزار ہا روپیہ برباد کر دیتے ہیں مگر حج کے نام سے ان کی روح خشک ہو جاتی ہے، ایسے لوگوں کو اپنے ایمان و اسلام کی خیر مانگنی چاہیے۔ اسی طرح جو لوگ دن رات دنیاوی دھندوں میں منہمک رہتے ہیں اور اس پاک سفر کے لیے ان کو فرصت نہیں ہوتی ان کا بھی دین ایمان سخت خطرے میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہو جائے اس کو اس کی ادائیگی میں حتیٰ الامکان جلدی کرنی چاہیے۔ اور لیت و لعل میں وقت نہ ٹالنا چاہیے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ممالک محروسہ میں مندرجہ ذیل پیغام شائع کرایا تھا۔ لقد هممت ان ابعث رجالا الی هذه الامصار فینظروا کل من کان له جدة ولا یحج فیضربوا علیهم الجزیة ماهم بمسلمین ماهم بمسلمین (نیل الاوطار ج 4 ص 165) میری دلی خواہش ہے کہ میں کچھ آدمیوں کو شہروں اور دیہاتوں میں تفتیش کے لیے روانہ کروں جو ان لوگوں کی فہرست تیار کریں جو استطاعت کے باوجود اجتماع حج میں شرکت نہیں کرتے، ان پر کفار کی طرح جزیہ مقرر کر دیں۔ کیونکہ ان کا دعویٰ اسلام فضول و بیکار ہے وہ مسلمان نہیں ہیں۔

وہ مسلمان نہیں ہیں۔ اس سے زیادہ بدنصیبی کیا ہوگی کہ بیت اللہ شریف جیسا بزرگ اور مقدس مقام اس دنیا میں موجود ہو اور

وہاں تک جانے کی ہر طرح سے آدمی طاقت بھی رکھتا ہو اور پھر کوئی مسلمان اس کی زیارت کو نہ جائے جس کی زیارت کے لیے بابا آدم علیہ السلام سینکڑوں مرتبہ پیدل سفر کر کے گئے۔

(۶) اخرج ابن خزیمة وابو الشیخ فی العظمة والدیلمی عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان ادم اتی ھذا البیت الف اتیة لم یرکب قط فیھن من الھند علی رجلیه۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کا ملک ہند سے ایک ہزار مرتبہ پیدل چل کر حج کیا۔ ان حجوں میں آپ کبھی سواری پر سوار ہو کر نہیں گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کافروں کے مظالم سے تنگ آ کر مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو رخصتی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجراسود کو چوما اور آپ وسط مسجد میں کھڑے ہو کر بیت اللہ شریف کی طرف متوجہ ہوئے اور آبدیدہ نم آپ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! تو اللہ کے نزدیک تمام جہان سے پیارا و بہتر گھر ہے اور یہ شہر بھی اللہ کے نزدیک احب البلاد ہے۔ اگر کفار قریش مجھ کو ہجرت پر مجبور نہ کرتے تو میں تیری جدائی ہرگز اختیار نہ کرتا۔ (ترمذی)

(۷) جب آپ مکہ شریف سے باہر نکلے تو پھر آپ نے اپنی سواری کا منہ مکہ شریف کی طرف کر کے فرمایا: واللہ انک لخیر ارض اللہ واحب ارض اللہ الی اللہ ولو لا اخرجت منک ماخرجت (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

قسم اللہ کی! اے شہر مکہ تو اللہ کے نزدیک بہترین شہر ہے، تیری زمین اللہ کو تمام روئے زمین سے پیاری ہے۔ اگر میں یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کیا جاتا تو کبھی یہاں سے نہ نکلتا۔

(۸) امام ابن ماجہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من حج ھذا البیت فلم یرفث ولم یفسق رجع کما ولدته امه (ابن ماجہ ص 213)

جس نے پورے آداب و شرائط کے ساتھ بیت اللہ شریف کا حج کیا۔ نہ جماع کے قریب گیا اور نہ کوئی بے ہودہ حرکت کی وہ شخص گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو کر لوٹتا ہے جیسا ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے دن پاک صاف تھا۔

(۹) حضرت ابوہریرہ کی روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی حج بیت اللہ کے ارادے سے روانہ ہوتا ہے۔ اس شخص کی سواری جتنے قدم چلتی ہے ہر قدم کے عوض اللہ تعالیٰ اس کا ایک گناہ مٹاتا ہے۔ اس کے لیے ایک نیکی لکھتا ہے۔ اور ایک درجہ جنت میں اس کے لیے بلند کرتا ہے۔ جب وہ شخص بیت اللہ شریف میں پہنچ جاتا ہے اور وہاں طواف بیت اللہ اور صفا و مروہ کی سعی کرتا ہے پھر بال منڈواتا یا کترواتا ہے تو گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو جاتا ہے جیسا ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے دن تھا۔ (ترغیب وترہیب ص 224)

(۱۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً ابن خزیمہ کی روایت ہے کہ جو شخص مکہ معظمہ سے حج کے واسطے نکلا اور پیدل عرفات گیا پھر واپس بھی وہاں سے پیدل ہی آیا تو اس کو ہر قدم کے بدلے کروڑوں نیکیاں ملتی ہیں۔

(۱۱) امام بیہقی نے عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حج و عمرہ ساتھ ساتھ ادا کرو۔

اس پاک عمل سے فقر کو اللہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے اور گناہوں سے اس طرح پاک کر دیتا ہے جیسے بھٹی لوہے کو میل سے پاک کر دیتی ہے۔

(۱۲) حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس مسلمان پر حج فرض ہو جائے اس کو ادائیگی میں جلدی کرنی چاہیے۔ اور فرصت کو غنیمت جاننا چاہیے۔ نہ معلوم کل کیا پیش آئے اے زفرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش۔ میدان عرفات میں جب حاجی صاحبان اپنے رب کے سامنے ہاتھ پھیلا کر دین و دنیا کی بھلائی کے لیے دعا مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آسمانوں پر فرشتوں میں ان کی تعریف فرماتا ہے۔ (مسند احمد)

ابو یعلیٰ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جو حاجی راستے میں انتقال کر جائے اس کے لیے قیامت تک ہر سال حج کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

تفاسیر قرآنی کے مطابق فرضیت حج کا بیان

وَاَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ مِنۡ کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ (الحج، ۲۷)

اور لوگوں میں حج کی عام ندا کر دے۔ وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر کہ ہر دور کی راہ سے آتی ہیں۔

(۱) صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

جو اس کی حرمت و فضیلت پر دلالت کرتی ہیں ان نشانیوں میں سے بعض یہ ہیں کہ پرندے کعبہ شریف کے اوپر نہیں بیٹھتے اور اس کے اوپر سے پرواز نہیں کرتے بلکہ پرواز کرتے ہوئے آتے ہیں تو اِدھر اُدھر ہٹ جاتے ہیں اور جو پرند بیمار ہو جاتے ہیں وہ اپنا علاج یہی کرتے ہیں کہ ہوائے کعبہ میں ہو کر گزر جائیں اسی سے انہیں شفا ہوتی ہے اور وحوش ایک دوسرے کو حرم میں ایذا نہیں دیتے حتی کہ کتے اس سرزمین میں ہرن پر نہیں دوڑتے اور وہاں شکار نہیں کرتے اور لوگوں کے دل کعبہ معظمہ کی طرف کھچتے ہیں اور اس کی طرف نظر کرنے سے آنسو جاری ہوتے ہیں۔

اور ہر شب جمعہ کو ارواح اَولیاء اس کے گرد حاضر ہوتی ہیں اور جو کوئی اس کی بے حرمتی کا قصد کرتا ہے برباد ہو جاتا ہے انہیں آیات میں سے مقام ابراہیم وغیرہ وہ چیزیں ہیں جن کا آیت میں بیان فرمایا گیا۔ (مدارک وخازن واحمدی)

(۲) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

اور یہ حکم ملا کہ اس گھر کے حج کی طرف تمام انسانوں کو بلا۔ مذکور ہے کہ آپ نے اس وقت عرض کی کہ باری تعالیٰ میری آواز ان تک کیسے پہنچے گی؟ جواب ملا کہ آپ کے ذمہ صرف پکارنا ہے آواز پہنچانا میرے ذمہ ہے۔ آپ نے مقام ابراہیم پر یا صفا پہاڑی پر ابوقبیس پہاڑ پر کھڑے ہو کر ندا کی کہ لوگو! تمہارے رب نے اپنا ایک گھر بنایا ہے پس تم اس کا حج کرو۔ پہاڑ جھک گئے اور آپ کی آواز ساری دنیا میں گونج گئی۔ یہاں تک کہ باپ کی پیٹھ میں اور ماں کے پیٹ میں جو تھے انہیں بھی سنائی دی۔ ہر پتھر درخت اور ہر اس شخص نے جس کی قسمت میں حج کرنا لکھا تھا با آواز لبیک پکارا۔ بہت سے سلف سے یہ منقول ہے، پھر فرمایا پیدل لوگ بھی آئیں گے اور سواریوں پر سوار بھی آئیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر، حج ۲۷)

اس سے بعض حضرات نے استدلال کیا ہے کہ جسے طاقت ہو اس کے لئے پیدل حج کرنا سواری پر حج کرنے سے افضل ہے اس لئے کہ پہلے پیدل والوں کا ذکر ہے پھر سواروں کا۔ تو ان کی طرف توجہ زیادہ ہوئی اور ان کی ہمت کی قدردانی کی گئی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میری یہ تمنا رہ گئی کہ کاش کہ میں پیدل حج کرتا۔ اس لئے کہ فرمان الٰہی میں پیدل والوں کا ذکر ہے۔ لیکن اکثر بزرگوں کا قول ہے کہ سواری پر افضل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود کمال قدرت وقوت کے پاپیادہ حج نہیں کیا تو سواری پر حج کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری اقتدا ہے پھر فرمایا دور دراز سے حج کے لئے آئیں گے خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا بھی یہی تھی کہ آیت (فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم) لوگوں کے دلوں کو اے اللہ تو ان کی طرف متوجہ کردے۔ آج دیکھ لو وہ کونسا مسلمان ہے جس کا دل کعبے کی زیارت کا مشتاق نہ ہو؟ اور جس کے دل میں طواف کی تمنائیں تڑپ نہ رہی ہوں۔

اجماع امت سے فرضیت حج کا بیان

ملک العلماء علامہ کاسانی رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف بدائع الصنائع میں حج کی فرضیت پر اجماع کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں۔

"وأما الاجماع: فلأن الأمة أجمعت علی فرضیته" یعنی تمام امت نے حج کی فرضیت پر اجماع کیا ہے۔

ائمہ مذاہب اربعہ کے مطابق فرضیت حج کا بیان

علامہ علی بن سلطان ملا علی قاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

حج کی فرضیت قرآن وسنت اور اجماع سے محکم ہے۔ قرآن میں اس کی دلیل یہ ہے کہ لوگوں پر بیت اللہ کا حج لازم ہے جو اس کی اس راہ کی طاقت رکھتا ہو' اس آیت میں کلمہ "علیٰ" جو ایجاب کے لئے آیا ہے۔ لہٰذا حج فرض ہے۔

جبکہ احادیث میں اس کی فرضیت میں کثیر احادیث موجود ہیں۔ جس طرح یہ حدیث ہے۔ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات پر کہ اللہ کو ایک مانا جائے، نماز کے اہتمام پر، زکوٰۃ کی ادائیگی پر، رمضان کے روزوں پر اور حج پر۔ ایک آدمی نے پوچھا: حج اور رمضان کے روزے؟ انھوں نے کہا: نہیں، رمضان کے روزے اور حج۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے ہی سنا ہے۔" (صحیح مسلم، رقم ۱۶)

(شرح الوقایہ، ج ۱، ص ۴۵۰، بیروت)

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حج کی فرضیت قرآن وسنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ قرآن سے اس طرح ثابت ہے کہ "لوگوں پر بیت اللہ کا حج لازم ہے" حدیث کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے جن میں حج کو بیان کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح کثیر احادیث ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حج عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے اور اسی پر امت کا اجماع ہے۔

(المغنی، ج ۳، ص ۱۶۳، بیروت)

علامہ شرف الدین نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ حج ارکان اسلام میں سے رکن ہے اور اس کے فرائض میں سے فرض

ہے۔اوراس آیت ''وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا'' میں واؤ ترتیب کا تقاضہ نہیں کرتی کیونکہ انہوں نے اس سے حج کے رکن ہونے کا استدلال کیا ہے۔اور احادیث سے جو استدلال ہے اس کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ حج فرض ہے۔

(المجموع، ج ۴، ص ۷، بیروت)

علامہ شہاب الدین قرافی مالکی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا: ''وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا'' اس آیت میں حکم کا وصفیت کے طریقے پر بیان ہونا اس کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔لہٰذا حج فرض ہے۔اور باقی دلائل اسی طرح ہیں جس طرح پہلے فقہاء مذاہب ثلاثہ کے ہیں۔(ذخیرہ، ج ۳، ص ۱۶۷، بیروت)

عمر میں ایک مرتبہ فرضیت حج کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے لہٰذا تم حج کرو یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہم ہر سال حج کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے یہاں تک کہ اس شخص نے تین مرتبہ یہی بات کہی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا ہوں تو یقیناً حج ہر سال کے لئے فرض ہو جاتا اور تم ہر سال حج کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے تھے؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک میں تمہیں چھوڑوں تم مجھے چھوڑ دو (یعنی جو کچھ میں نہ کہا کروں مجھ سے مت پوچھا کرو) کیونکہ جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں یعنی یہود و نصاریٰ وہ اسی سبب سے ہلاک ہوئے کہ وہ اپنے انبیاء سے پوچھتے اور ان سے اختلاف کرتے تھے (جیسا کہ بنی اسرائیل کے بارے میں منقول ہے) لہٰذا جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو اس میں سے جو کچھ تم کرنے کی طاقت رکھتے ہو کرو اور جب میں تمہیں کسی بات سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو۔(مسلم، ترمذی، حاکم، ابن ماجہ)

اللہ تعالیٰ نے جب حج کی فرضیت کا فرمان نازل فرمایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو امت کے اوپر نافذ کرنے کے لئے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ حج کریں چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے حج کی فرضیت بیان فرما رہے تھے اور انہیں حج کرنے کا حکم دے رہے تھے تو ایک صحابی جن کا نام اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ تھا پوچھ بیٹھے کہ حج ہر سال کیا جائے گا؟ وہ یہ سمجھے کہ جس طرح دیگر عبادتیں یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ بار بار ادا کی جاتی ہیں اسی طرح یہ حج بھی مکرر ہی ہوگا اسی لئے انہوں نے یہ سوال کیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار ہوئی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو تنبیہاً سکوت اختیار فرمایا اور کوئی جواب نہیں دیا۔جب انہوں نے کئی بار پوچھا تو آخرکار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اگر میں اس سوال کے جواب میں ہاں کہہ دیتا تو یقیناً ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا کیونکہ میں یہ جواب اللہ تعالیٰ کے حکم کے بموجب دیتا بغیر اس کے حکم سے میری زبان سے کوئی تشریعی بات نہیں نکلتی، اور اگر ہر سال حج فرض ہو جاتا تو تم میں اتنی طاقت نہ ہوتی کہ ہر سال اس کی ادائیگی پر قادر نہ ہوتے۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ فرمایا کہ کسی بھی دینی حکم کو مجھ پر چھوڑ دو، جب میں کسی فعل کا حکم دوں تو مجھ سے یہ نہ پوچھوں کہ یہ فعل کتنا ہے اور کیسا۔ہے جب تک میں خود یہ بیان نہ کروں کہ یہ فعل کتنا کیا جائے اور کس طرح کیا جائے۔میں جس طرح

کہوں تم اسی طرح ادا کرو۔ اگر کسی فعل کے بارے میں بلا قید وتعین اعداد کے مطلق حکم کروں تو اس حکم کی اسی طرح بجا آوری کرو اور اگر یہ بیان کروں کہ اس فعل کو اتنی بار اور اس طرح کرو تو اسے اتنی ہی بار اور اسی طرح کرو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ میں دنیا میں اسی لئے آیا ہوں کہ تم تک اسلام کے احکام پوری وضاحت کے ساتھ پہنچا دوں اور شریعت کو بیان کر دوں جو بات جس طرح ہوتی ہے اسے اسی طرح بیان کر دیتا ہوں۔ تمہارے سوال کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

پھر آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام کی بجا آوری کے سلسلے میں تائید و مبالغہ کے طور پر فرمایا کہ فاتوا منہ مااستطعتم (اس میں سے جو کچھ تم کرنے کی طاقت رکھتے ہو کرو) یعنی خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرنے کی تم جتنی بھی طاقت رکھتے ہو اس کے مطابق عمل کر دیا پھر یہ کہ اس جملے کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع حرج پر اشارہ فرمایا کہ مثلاً نماز کے بعض شرائط وارکان ادائیگی سے تم اگر عاجز ہو تو جس قدر ہو سکے اسی قدر کرو، جو تم سے نہ ہو سکے اسے چھوڑ دو جیسے اگر تم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ کھڑے ہو کر نماز ادا کر سکو تو بیٹھ کر نماز پڑھو، اگر بیٹھ کر پڑھنے سے بھی عاجز ہو تو لیٹے ہی لیٹے پڑھو مگر پڑھو ضرور، اسی پر دوسرے احکام واعمال کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔

حج کی فوری یا تاخیر سے ادائیگی میں مذاہب اربعہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص حج کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ جلدی کرے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ جو شخص حج کرنے پر قادر ہو اور حج کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ جلدی کرے اور اس فرض کو ادا کرنے کے لئے ملے ہوئے موقع کو غنیمت جانے کیونکہ تاخیر کرنے کی صورت میں نہ معلوم کتنی رکاوٹیں پیدا ہو جائیں اور مآل کار اس نعمت عظمی سے محرومی رہے۔

اس بارے میں کہ حج علی الفور واجب ہے یا علی التراخی؟ حنفیہ کے ہاں سب سے صحیح قول یہ ہے کہ جب حج واجب ہو یعنی شرائط حج پائے جائیں اور حج کا وقت آجائے نیز قافلہ مل جائے (بشرطیکہ قافلے کی ضرورت ہو جیسا کہ پہلے زمانے میں بغیر قافلہ کے سفر کرنا تقریباً ناممکن ہوتا تھا) تو اسی سال حج کرے دوسرے سال تک تاخیر نہ کرے، اگر کوئی شخص بلا عذر کئی سال تاخیر کرتا رہے گا تو وہ فاسق کہلائے گا اور شرعی نقطہ نظر سے اس کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ یعنی وہ شریعت کی نظر میں ناقابل اعتبار قرار پائے گا یہاں تک کہ اس عرصے میں اگر اسباب حج (کہ جن کی وجہ سے اس پر حج واجب ہوا تھا) جاتا رہے گا تو اس کے ذمہ سے فرض ساقط نہیں ہوگا بلکہ باقی رہے گا (جس کی وجہ سے حج نہ کر سکنے کی صورت میں گنہگار ہوگا) حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد رحمہما اللہ کا یہی مسلک ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کے ہاں واجب علی التراخی ہے یعنی آخر عمر تک حج میں تاخیر جائز ہے جیسا کہ نماز میں آخر وقت تک تاخیر جائز ہے، حضرت امام محمد رحمۃ اللہ کا بھی یہی قول ہے لیکن اس سلسلے میں دونوں یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ تاخیر اسی وقت جائز ہو گی جب کہ حج کے فوت ہو جانے کا گمان نہ ہو، اگر یہ گمان ہو کہ تاخیر کرنے میں حج فوت ہو جائے گا (یعنی کبھی حج نہیں کر سکے گا) تو

پھر تاخیر نہ کرے، اس صورت میں اگر کوئی شخص حج فرض ہونے کے باوجود بغیر حج کے مرے گا تو تمام ہی علماء کے نزدیک گنہگار مرے گا چنانچہ حج نہ کرنے کا اس سے مواخذہ ہوگا۔

حنفی علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے شرائط حج پائے جانے کے بعد حج میں تاخیر کی اور اس عرصے میں اس کا مال وزر تلف ہوگیا تو وہ قرض لے کر حج کرے اگرچہ اس قرض کی ادائیگی پر وہ قادر نہ ہو اور اس بات کی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قرض کی عدم ادائیگی پر مواخذہ نہیں کرے گا بشرطیکہ اس کی نیت یہ ہو کہ میرے پاس جب بھی مال آجائے گا میں یہ قرض ضرور ادا کروں گا۔

(شرح الوقایہ فی مسائل الہدایہ، ج ۲، ص ۲۰، بیروت)

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

جو شخص حج کی استطاعت رکھتا ہو اور حج کے فرض ہونے کی تمام شروط متوفر ہوں تو اس پر فوراً حج فرض ہو جاتا ہے اس لیے اس کی ادائیگی میں تاخیر کرنی جائز نہیں۔

"جس پر حج واجب ہو چکا ہو اور وہ اس کے لیے حج کرنا ممکن بھی ہو تو اس پر حج کی فوری ادائیگی واجب ہوگی، اور اس کے لیے حج کی ادائیگی میں تاخیر کرنی جائز نہیں، امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا قول یہی ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے حج فرض کیا ہے جو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھے، اور جو کوئی کفر کرے۔ تو اللہ تعالیٰ (اس سے) اور سارے جہان والوں سے بے پرواہ ہے۔ (آل عمران 97)

امر فوراً پر دلالت کرتا ہے، اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مروی ہے: جو حج کرنا چاہتا ہے وہ جلدی کرے " مسند احمد، ابوداؤد، اور ابن ماجہ نے اسے روایت کیا ہے، اور مسند احمد اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ۔ ہوسکتا ہے مریض بیمار ہو جائے، اور سواری گم ہو جائے اور کوئی ضرورت پیش آجائے "اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

امر فوراً پر دلالت کرتا ہے کا معنی یہ ہے کہ: مکلف پر واجب ہے کہ اسے جس کام کا حکم دیا جا رہا ہے جیسے ہی اس کا کرنا ممکن ہو اسے فوری طور پر سرانجام دے، اور اس میں بغیر کسی عذر کے تاخیر کرنی جائز نہیں ہے۔ (المغنی، کتاب الحج)

حج میں زادراہ خود لے جانے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یمن والے جب حج کرنے آئے تو زادراہ ساتھ نہیں لائے تھے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو توکل کرنے والے ہیں اور پھر جب وہ مکہ میں آتے تو لوگوں سے مانگتے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی (وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى)(2 ۔البقرۃ:197) اور جب حج کو جانے لگو تو زادراہ ضرور ساتھ لے لیا کرو کیونکہ سب سے بڑی بات اور خوبی زادراہ میں گداگری سے بچنا ہے۔ (بخاری)

ان لوگوں نے توکل کو زادراہ کا درجہ دے دیا تھا اور یہ سمجھتے تھے کہ حج کے ضروری اخراجات کی فراہمی سے قطع نظر توکل بہترین چیز ہے لیکن حقیقت میں نہ تو وہ توکل تھا اور نہ یہ کوئی اچھی بات تھی کہ حج کے لئے مکہ مکرمہ پہنچ کر لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائے جائیں جو انسانی شرف وعظمت کے خلاف ہے اس لئے فرمایا گیا ہے کہ سب سے بڑی بات اور خوبی یہ ہے کہ زادراہ اپنے ساتھ رکھو اور

گداگری سے بچو۔

اس بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ حج کے ضروری اخراجات ساتھ رکھے بغیر اس شخص کے لیے جانا درست نہیں ہے جس کے نفس میں توکل کی قوت نہ ہو اور اس کو غالب گمان ہو کہ میں شکایت و بے صبری اور گداگری میں مبتلا ہو کر خود بھی پوری طمانیت اور سکون کے ساتھ افعال حج ادا نہ کرسکوں گا اور دوسروں کو بھی پریشانی میں مبتلا کروں گا۔

آیت اور حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ اتنا وسائل اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے چنانچہ کاملین کے نزدیک یہ افضل ہے کہ ہاں اگر کوئی بغیر اسباب کے صرف توکل ہی کو اختیار کرے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ اپنے عزم و ارادہ پر مستحکم و مضبوط رہ کر صبر کر سکے اور ایسا کوئی بھی کام نہ کرے جو حقیقی توکل کے منافی ہو۔

حج کی تاکید اور تارک کے لیے وعید کا بیان

حج فرض ہو جانے کے بعد بلا عذر اس میں تاخیر نہ کی جائے، جلد از جلد ادائیگی کی کوشش کرے، حج کے بارے میں احادیث میں بہت تاکید اور باوجود قدرت و استطاعت کے نہ کرنے پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن کے کتاب المناسک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص حج کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ جلدی کرے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن کے ابواب الحج، میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص زادراہ اور سواری کا مالک ہو کہ وہ اسے بیت اللہ تک پہنچادے تو اس کے یہودی، یا نصرانی مرجانے میں (اور بغیر حج کیے مرجانے میں) کوئی فرق نہیں اور یہ (وعید) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ کی خوشنودی کے لیے لوگوں پر کعبہ کا حج ضروری ہے، جو وہاں تک جاسکتا ہو۔

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ میں فرماتے ہیں کہ استطاعت کے باوجود فرضیت کا منکر ہونے کی وجہ سے حج نہیں کیا تو یہود و نصاریٰ کے ساتھ کفر میں مشابہت ہوگی اور اگر کاہلی و سستی کی وجہ سے بغیر عذر کے حج نہیں کیا تو مشابہت گناہ میں ہوگی۔

حدیث بالا کا مضمون ایک اور حدیث میں بھی وارد ہوا ہے، حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو حج کرنے سے کوئی کھلی ہوئی ضرورت، یا کوئی ظالم بادشاہ، یا کوئی معذور کردینے والا مرض نہ روکے اور وہ بغیر حج کیے مرجائے تو اسے اختیار ہے، چاہے یہودی مرے، چاہے نصرانی مرے۔

یہود و نصاریٰ کے ساتھ تشبیہ کی وجہ بیان کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ تارک حج کو یہودی اور نصرانی کے ساتھ مشابہ قرار دینے میں نکتہ یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نماز تو پڑھتے تھے لیکن حج نہیں کرتے تھے۔

بَابٌ فِي الْمَرْأَةِ تَحُجُّ بِغَيْرِ مَحْرَمٍ

باب: عورت کا محرم کے بغیر حج کرنا

1723 - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ الثَّقَفِيُّ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ تُسَافِرُ مَسِيرَةَ لَيْلَةٍ، إِلَّا وَمَعَهَا رَجُلٌ ذُو حُرْمَةٍ مِنْهَا.

❁❁ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''کسی مسلمان عورت کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ ایک رات کا سفر کرے' البتہ سفر میں اس کے ساتھ اس کا محرم یا کوئی عزیز ہو (تو حکم مختلف ہے)''۔

1724 - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، وَالنُّفَيْلِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، ح وحَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ الْحَسَنُ: فِي حَدِيثِهِ عَنْ أَبِيهِ، ثُمَّ اتَّفَقُوا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ، تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ يَوْمًا وَلَيْلَةً، فَذَكَرَ مَعْنَاهُ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَلَمْ يَذْكُرِ الْقَعْنَبِيُّ، وَالنُّفَيْلِيُّ، عَنْ أَبِيهِ، رَوَاهُ ابْنُ وَهْبٍ، وَعُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، عَنْ مَالِكٍ، كَمَا قَالَ الْقَعْنَبِيُّ.

❁❁ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والی کسی عورت کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ ایک دن یا رات کا سفر کسی (محرم) کے بغیر کرے''۔

اس کے بعد راوی نے حسب سابق حدیث نقل کی ہے۔ نفیلی نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں ایک

1723- اسناده صحيح. ابو سعيد: هو كيسان المقبرى. واخرجه احمد فى "مسنده" (8489) و (10401)، ومسلم (1339)، وابن حبان (2728) من طريق عن الليث بن سعد، بهذا الاسناد. واخرجه البخارى (1088) عن آدم بن ابى اياس، واحمد فى "مسنده" (7414)، ومسلم (1339) من طريق يحيى بن سعيد القطان، واحمد (9741) عن وكيع بن الجراح، وابن حبان (2726) من طريق عثمان بن عمر العبدى، اربعتهم عن ابن ابى ذئب، عن سعيد المقبرى، به. لكن قال آدم فى روايته: "مسيرة يوم وليلة" كلفظ مالك الآتى عند المصنف بعده. وقال يحيى بن سعيد: "مسيرة يوم"، وقال وكيع: "مسيرة يوم تام"، وقال عثمان بن عمر: "يوما واحدا." واخرجه ابن ماجه (2899) من طريق شبابة ابن سوار، عن ابن ابى ذئب، عن سعيد المقبرى، عن ابى هريرة. دون ذكر ابى سعيد المقبرى ولفظه: "مسيرة يوم واحد"، وسياتى كلام ابن عبد البر فى الحديث الآتى بعده فى شان ذكر ابى سعيد المقبرى فى هذا الاسناد. واخرجه احمد (9448) من طريق يحيى بن ابى كثير، عن سعيد المقبرى، عن ابيه، عن ابى هريرة، وقال فيه: "يوما فما فوقه." واخرجه مسلم (1339) (422)، وابن حبان فى "صحيحه" (2721) من طريق بشر بن مفضل، واحمد فى "مسنده" (8564) من طريق حماد بن سلمة، كلاهما عن سهيل بن ابى صالح، عن ابيه، عن ابى هريرة، وقال فيه: "مسيرة ثلاثة ايام."

حدیث بیان کی۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) نفیلی اور قعنبی نے یہ الفاظ نقل نہیں کئے کہ راوی نے اپنے والد سے یہ روایت نقل کی ہے۔ یہی روایت ابن وہب اور عثمان بن عمر نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اسی طرح نقل کی ہے، جس طرح قعنبی نے نقل کی ہے۔

1725 - حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى، عَنْ جَرِيرٍ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَذَكَرَ نَحْوَهُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: بَرِيدًا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

اس کے بعد راوی نے حسب سابق حدیث نقل کی ہے، تاہم اس میں یہ الفاظ ہیں: "ایک برید"۔

1726 - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَهَنَّادٌ، أَنَّ أَبَا مُعَاوِيَةَ، وَوَكِيعًا، حَدَّثَاهُمْ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ سَفَرًا فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا، إِلَّا وَمَعَهَا أَبُوهَا أَوْ أَخُوهَا أَوْ زَوْجُهَا أَوِ ابْنُهَا أَوْ ذُو مَحْرَمٍ مِنْهَا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والی کسی عورت کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ تین دن یا اس سے زیادہ کا سفر کرے، البتہ اس کے ساتھ اس کا باپ، اس کا بھائی، اس کا بیٹا، اس کا شوہر یا کوئی اور محرم ہو (تو جائز ہے)"۔

1727 - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، قَالَ حَدَّثَنِي نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ ثَلَاثًا إِلَّا وَمَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

"عورت تین دن کا سفر نہ کرے البتہ اس کے ساتھ محرم ہو (تو جائز ہے)"۔

1728 - حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ، كَانَ يُرْدِفُ مَوْلَاةً لَهُ يُقَالُ لَهَا صَفِيَّةُ تُسَافِرُ مَعَهُ إِلَى مَكَّةَ

نافع بیان کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے پیچھے ایک کنیز کو بٹھا لیتے تھے، جس کا نام صفیہ تھا، اور وہ کنیز ان کے ساتھ مکہ تک سفر کرتی تھی۔

عورت کے لئے محرم کے بغیر حج پر جانے کی ممانعت کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے

(یعنی اجنبی مرد وعورت کسی جگہ تنہا جمع نہ ہوں) اور کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔ یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! فلاں غزوہ میں میرا نام لکھا جا چکا ہے (یعنی فلاں جہاد جو درپیش ہے اور وہاں جو لشکر جانے والا ہے اس میں میرا نام بھی لکھا جا چکا ہے کہ میں بھی لشکر کے ہمراہ جاؤں) اور حالانکہ میری بیوی نے سفر حج کا ارادہ کرلیا ہے؟ تو کیا کروں؟ آیا جہاد کو جاؤں اور بیوی کو اکیلا حج کے لئے جانے دوں یا بیوی کے ساتھ جاؤں اور جہاد میں نہ جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔ (کیونکہ جہاد میں جانے والے تو بہت ہیں لیکن تمہاری بیوی کے ساتھ جانے والا تمہارے علاوہ اور کوئی محرم نہیں ہے۔ (بخاری ومسلم)

اجنبی عورت ومرد کے لئے حرام ہے کہ وہ تنہائی میں یک جا ہوں۔ اسی طرح عورت کو بقدر مسافت سفر (یعنی ۴۸ میل یا ۷۸ کلومیٹر) یا اس سے زائد مسافت میں خاوند یا محرم کے بغیر سفر کرنا حرام ہے حتی کہ سفر حج میں بھی عورت کے لئے اس کے خاوند یا کسی محرم کا ساتھ ہونا وجوب حج کے لئے شرط ہے یعنی عورت پر حج اسی وقت فرض ہوتا ہے جب کہ اس کے ساتھ خاوند یا محرم ہو۔

جمہور علماء کا اتفاق یہ ہے کہ عورت پر حج کے وجوب کے لئے اصل قاعدہ یہ ہے کہ اُس کے ساتھ کوئی محرم ہو۔ یہ عورت کی عزت افزائی کے لئے ہے تاکہ اس کے ساتھ کوئی ایسا شخص رہے جو اس کی نگہداشت، تحفظ، اور خدمت کی ذمہ داری انجام دے سکے

عورت کے لئے شرط محرم میں فقہ شافعی وحنفی کا اختلاف

علامہ نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ عورت کا محرم کے بغیر حج پر جانے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ ہے ایک شخص کے ساتھ بہت ساری عورتیں ہوں وہ ان سب کا محرم ہو تو یہ جائز ہے۔ اور اگر اس عورت کے ساتھ بہت ساری ثقہ عورتیں ہوں تو اس کے بارے میں دو روایات ہیں۔ جس کو امام بغوی اور دیگر ائمہ نے روایت کیا ہے۔ کہ سفر حج کے لئے جائز ہے۔ جبکہ دوسری روایت جس میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ سے نص بیان کی گئی ہے اس میں یہ ہے بہ اتفاق یہ سفر جائز نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے استدلال کا تقاضہ یہی ہے۔ (مجموع، ج ۷، ص ۵۶، بیروت)

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ جب کوئی اجنبی شخص اجنبی عورت سے تیسرے کے بغیر خلوت کرے تو علماء کرام اس کی حرمت پر متفق ہیں، اور اسی طرح اگر اس کے ساتھ چھوٹی عمر کا بچہ ہو جس سے شرم نہ آتی ہو تو حرام خلوت زائل نہیں ہوتی۔

اور شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ کہ جس شخص سے خلوت زائل ہوسکتی ہے اسے بڑی عمر کا ہونا ضروری ہے لہٰذا بچہ کی موجودگی کافی نہیں ہوگی، اور بعض عورتیں جو یہ گمان کرتی ہیں کہ جب ان کے ساتھ کوئی بچہ ہو تو خلوت زائل ہو جاتی ہے ان کا یہ گمان غلط ہے۔ (مجموع الفتاویٰ ۱۰/ ۵۲)

علامہ محمد امین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ یہ دونوں اس بنا پر ہیں کہ خاوند یا محرم کا ہونا نفس وجوب کے لیے شرط ہے یا وجوب ادا کے لیے، فتح میں جو مختار ہے وہ یہ ہے کہ صحت اور راہ پر امن ہو تو وجوب ادا کے لیے شرط ہے، اگر مرض یا راستہ کا خوف مانع ہے تو حج کے بارے میں وصیت لازم ہوگی یا خاوند اور محرم نہیں تو محرم کی عدم موجودگی میں نکاح کرنا ضروری ہوگا، اور پہلے قول پر

ان میں سے کوئی چیز بھی واجب نہیں جیسا کہ بحر اور نہر میں ہے، بدائع نے اول کو صحیح بتایا اور نہایہ نے قاضی خاں کی اتباع میں دوسرے کو ترجیح دی ہے، اور فتح میں بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ (ردالمحتار، ج ۲ ص، ۱۵۸، مجتبائے دہلی)

اگر کسی عورت کا محرم نہ ہو تو اس کے بارے فقہی مذاہب اربعہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے شیخین کی یہ روایت بھی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ ہرگز تنہائی میں نہ رہے، اور کوئی عورت ہرگز محرم کے بغیر سفر نہ کرے "پس ایک شخص کھڑا ہوا اور اُس نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے فلاں غزوہ میں شرکت کا ارادہ کیا ہے، اور میری بیوی حج کے لئے نکلی ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔

لیکن علماء کے درمیان اُس عورت کے سلسلہ میں اختلاف ہوا ہے جس کا شوہر نہ ہو اور اُس کا کوئی محرم اُس کے ساتھ نکلنے کے لئے آمادہ نہ ہو۔ ایک جماعت کی یہ رائے نقل کی گئی ہے کہ وہ عورت حج نہیں کرے گی، احناف کا یہی فتویٰ ہے، مالک، شافعی اور ایک جماعت کی رائے یہ ہے وہ پُرامن والی رفاقت کے ساتھ سفر کرے گی جیسا کہ شیخ جیطالی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

امام بخاری اور مسلم رحمہم اللہ بیان کرتے ہیں کہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ کوئی شخص بھی کسی عورت سے محرم کے بغیر خلوت نہ کرے، اور محرم کے بغیر کوئی عورت بھی سفر نہ کرے، تو ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میری بیوی حج کے لیے جا رہی ہے اور میں نے فلاں غزوہ میں اپنا نام لکھوا رکھا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: جاؤ اپنی بیوی کے ساتھ جا کر حج کرو)۔

امام حسن، امام نخعی، امام احمد، اسحاق، ابن منذر، اور دیگر فقہاء کا بھی یہی قول ہے، اور مندرجہ بالا آیت اور عورت کو بغیر محرم اور خاوند سے سفر کی نہی والی احادیث کے عموم کی بنا پر صحیح قول بھی یہی ہے۔

اور امام شافعی، امام مالک، اوزاعی رحمہم اللہ نے اس میں اختلاف کیا ہے اور ہر ایک نے ایک شرط رکھی ہے۔

شرط محرم میں فقہ حنفی کی ترجیح میں دلائل کا بیان

امام بخاری اور مسلم رحمہا اللہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" : لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ سَفَرًا فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا إِلَّا وَمَعَهَا أَبُوهَا أَوْ أَخُوهَا أَوْ زَوْجُهَا أَوْ ابْنُهَا أَوْ ذُو مَحْرَمٍ مِنْهَا"

اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والی عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے باپ یا اپنے بھائی یا اپنے شوہر یا اپنے بیٹے یا کسی محرم کے بغیر تین دن یا اس سے زیادہ سفر کرے۔

انہوں نے یہ بھی روایت کی ہے کہ ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ وہ غزوے میں شریک ہے اور اسکی بیوی حج کے لئے چلی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے یہ فرمایا: "حج مع امرأتک"، اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔

ان دونوں اور دیگر نصوص کی روشنی میں عورت کے لئے حج فرض ہونے کی محرم کی شرط کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک شوہر یا محرم کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ نے فرمایا کی شرط نہیں بلکہ اسکی حفاظت شرط ہے۔ اور آپکے ساتھیوں نے کہا کہ شوہر یا محرم یا قابل اعتماد عورتوں کے ساتھ ہونے سے تحفظ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور بعض کا خیال ہے کہ اگر عورت بھی ساتھ ہو تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ اور کبھی اتنا امن اور حفاظت ہوتی ہے کہ کسی کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ خود قافلے کے ساتھ اکیلی ہی محفوظ ہوتی ہے۔

اور مالکیوں کے نزدیک اگر امن یقینی ہو تو عموماً سفر کے لئے محرم کی شرط نہیں، اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کے نزدیک عورت پر حج فرض ہونے کے لئے شوہر اور محرم کا ہونا شرط ہے۔ اور انہی سے ایک روایت میں ہے کہ فریضہ حج کے لئے یہ شرط نہیں۔

ابن حزم نے اپنی کتاب المحلی میں اس کو ترجیح دی کہ سفر حج میں شوہر اور محرم کی موجودگی واجب نہیں ہے۔ اور اگر ان دونوں میں سے کوئی بھی اسے نہ ملے تو وہ حج کرلے اس پر کوئی گناہ نہیں۔

اور جنہوں نے شوہر اور محرم کی موجودگی کی شرط رکھی وہ صرف عورت کو ان کے بغیر سفر کرنے کی وجہ سے گناہ اور حرج کو ختم کرنے کے لئے ہے۔ لیکن اگر وہ ان کے بغیر حج کے لئے گئی تو اگر (حج) کے ارکان اور شروط پوری ہوں تو اسکا حج صحیح ہے اور اس سے فرض ساقط ہو جاتا ہے اور محرم کے ساتھ اسے لوٹانا ضروری نہیں ہے اگرچہ شرط لگانے والوں کے نزدیک وہ شوہر یا محرم یا ان دونوں کے قائم مقام کے بغیر نکلنے کی وجہ سے گناہگار ہے۔

سفر میں عورت کے لئے شوہر یا محرم کی موجودگی کی شرط میں حکمت یہ ہے کہ اسے دوران سفر تحفظ فراہم ہو۔ اور ان امور کے پورا کرنے میں اسے مدد حاصل ہو جن میں اختلاط یا تھکن کی وجہ سے اسے ضرورت ہوتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اب وسائل سفر میں ترقی، وطن سے دوری کی مدت میں کمی، آرام آسائش کی فراہمی اور امن امان قائم ہونے کی وجہ سے اس زمانے میں ماضی کے مقابلے میں شعائر حج آسانی سے ادا کئے جاتے ہیں. اس میں کوئی شک نہیں کہ عورت کے اکیلے سفر سے متعلق، خاص حدیث مبارکہ سمجھنے میں ان تمام چیزوں کا اثر ہونا چاہئے۔

صحیح بخاری میں عدی بن حاتم کی صحیح حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بیان فرمایا" :

یستتب الأمن حتی ترتحل الظعینة من الحیرة و تطوف بالکعبة لا تخاف إلا اللہ "۔

" کہ اس طرح امن قائم کرے یہاں تک کہ عورت پالکی میں سفر کرے، وہ خانہ کعبہ کا طواف کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرے"۔

ائمہ اربعہ کے فقہی دلائل کے بعد یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ فقہ حنفی نے عورت کے لئے یہ شرط اس کی ناموس کی خاطر سخت کی ہے۔ اور یقیناً اس میں نرمی کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ اسی وجہ سے عورت نماز باجماعت کی بہ جائے گھر میں، جمعہ وعیدین کا عدم وجوب، جہاد کی عدم فرضیت، اشاعت وتبلیغ کے ذرائع مسدود و محدود وغیرہ بہت سے احکام ہیں جس طرح نماز جنازہ کا واجب نہ ہونا ہے۔ لہٰذا ان تمام احکام کے موافقت ومطابقت فقہ حنفی کے دلائل زیادہ رکھنے والے ہیں۔ اسی لئے ہم نے اس کی ترجیح کو بیان کیا ہے۔

بَابُ لَا صَرُورَةَ فِي الْإِسْلَامِ

باب: اسلام میں صرورۃ نہیں ہے

1729 - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ يَعْنِي سُلَيْمَانَ بْنَ حَيَّانَ الْأَحْمَرَ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ عَطَاءٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا صَرُورَةَ فِي الْإِسْلَامِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''اسلام میں صرورت (یعنی کسی عذر کے بغیر حج کو ترک کرنے) کی گنجائش نہیں ہے۔

بَابُ التَّزَوُّدِ فِي الْحَجِّ

1730 - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْفُرَاتِ يَعْنِي أَبَا مَسْعُودٍ الرَّازِيَّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْمَخْرَمِيُّ، وَهَذَا لَفْظُهُ قَالَا: حَدَّثَنَا شَبَابَةُ، عَنْ وَرْقَاءَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانُوا يَحُجُّونَ وَلَا يَتَزَوَّدُونَ، قَالَ أَبُو مَسْعُودٍ: كَانَ أَهْلُ الْيَمَنِ أَوْ نَاسٌ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ يَحُجُّونَ وَلَا يَتَزَوَّدُونَ وَيَقُولُونَ: نَحْنُ الْمُتَوَكِّلُونَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ (وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى) (البقرة: 197) الْآيَةَ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: پہلے لوگ حج پر جاتے تھے' لیکن زادسفر ساتھ لے کر نہیں جاتے تھے۔ ابومسعود نامی راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: اہل یمن (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں:) یمن سے تعلق رکھنے والے کچھ لوگ حج پر جاتے تھے مگر زادسفر ساتھ نہ رکھتے تھے: وہ یہ کہتے تھے ہم توکل کرنے والے لوگ ہیں' تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

''تم زادسفر ساتھ رکھو' بے شک سب سے بہتر زادسفر پرہیزگاری ہے''۔

بَابُ التِّجَارَةِ فِي الْحَجِّ

باب: حج کے دوران تجارت کرنا

1731 - حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَرَأَ هَذِهِ الْآيَةَ (لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ) (البقرة: 198) أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ قَالَ: كَانُوا لَا يَتَّجِرُونَ بِمِنًى فَأُمِرُوا بِالتِّجَارَةِ إِذَا أَفَاضُوا مِنْ عَرَفَاتٍ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ بات منقول ہے انہوں نے یہ آیت تلاوت کی:

''تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا اگر تم اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرتے ہو''۔

پھر انہوں نے فرمایا: پہلے لوگ منیٰ میں تجارت نہیں کرتے تھے' تو انہیں عرفات سے واپسی پر تجارت کرنے کا حکم دیا گیا ہے (یعنی اجازت دی گئی ہے)۔

1732 - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ، مُحَمَّدُ بْنُ خَازِمٍ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ مِهْرَانَ اَبِيْ صَفْوَانَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ اَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جو شخص حج کرنا چاہتا ہو' تو اسے جلدی کر لینا چاہئے (یعنی بلا ضرورت اسے مؤخر نہیں کرنا چاہئے)''۔

دوران حج تجارت کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم**

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جناح اس کا مطلب ہے: گناہ۔ یہ لیس کا اسم ہے ان تبتغوا۔ لیس کی خبر کی حیثیت سے محل نصب میں ہے یعنی فی ان تنتغوا۔ خلیل اور کسائی کے قول پر محل جر میں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حج کو رفث، فسق، جدال سے پاک رکھنے کا حکم دیا تو تجارت کی رخصت دی۔ یعنی اللہ کا فضل تلاش کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں۔ ابتغاء الفضل (فضل کا تلاش کرنا) قرآن میں تجارت کے معنی میں وارد ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل الله** (الجمعہ:10) اس کی صحت پر دلیل بخاری کی حدیث ہے جو انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے، فرمایا: عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز زمانہ جاہلیت میں بازار تھے پس لوگ حج کے موسم میں تجارت کرنا گناہ سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: **لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم فی مواسم الحج**۔

جب یہ اس آیت میں ثابت ہے، تجارت کا قصد شرک نہیں ہوگا اور مکلف اخلاص سے نہیں نکلے گا جو اخلاص اس پر فرض تھا۔ فقراء کا قول اس کے خلاف ہے۔ حج بغیر تجارت کے افضل ہے تاکہ عبادت دنیا کی آلائشوں سے پاک رہے اور دل عبادت کے علاوہ کسی چیز سے متعلق نہ ہو۔ دارقطنی نے اپنی سنن میں ابوامامہ التیمی سے روایت کیا ہے، فرمایا: میں نے حضرت ابن عمر سے کہا: میں اس راستہ میں کرایہ پر جانور دیتا ہوں اور لوگ کہتے ہیں تیرا حج نہیں ہے۔ حضرت ابن عمر نے کہا: ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے اس کی مثل سوال کیا جو تو نے مجھ سے کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی: **لیس علیکم جناح ان تنتغوا فضلا من ربکم**۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تیرا حج ہے''۔

بَابُ الْكَرِيِّ

باب: کرائے پر جانور دینا

1733 - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ، حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، حَدَّثَنَا أَبُو أُمَامَةَ التَّيْمِيُّ، قَالَ: كُنْتُ رَجُلًا أُكَرِّي فِي هَذَا الْوَجْهِ وَكَانَ نَاسٌ يَقُولُونَ لِي إِنَّهُ لَيْسَ لَكَ حَجٌّ فَلَقِيتُ ابْنَ عُمَرَ فَقُلْتُ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، إِنِّي رَجُلٌ أُكَرِّي فِي هَذَا الْوَجْهِ وَإِنَّ نَاسًا يَقُولُونَ لِي: إِنَّهُ لَيْسَ لَكَ حَجٌّ. فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: أَلَيْسَ تُحْرِمُ وَتُلَبِّي وَتَطُوفُ بِالْبَيْتِ وَتُفِيضُ مِنْ عَرَفَاتٍ وَتَرْمِي الْجِمَارَ قَالَ: قُلْتُ: بَلَى، قَالَ: فَإِنَّ لَكَ حَجًّا. جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ عَنْ مِثْلِ مَا سَأَلْتَنِي عَنْهُ. فَسَكَتَ عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُجِبْهُ حَتَّى نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ (لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ) (البقرة: 198) فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَرَأَ عَلَيْهِ هَذِهِ الْآيَةَ وَقَالَ: لَكَ حَجٌّ

❀❀ ابوامامہ تیمی بیان کرتے ہیں: میں کرائے پر سواریاں لے کر چلتا تھا۔ کچھ لوگوں نے مجھ سے کہا: تمہارا حج نہیں ہوا۔ میری ملاقات حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہوئی۔ میں نے ان سے کہا: اے ابوعبدالرحمن! میں سواریاں کرائے پر لے کر جاتا ہوں لوگ مجھ سے یہ کہتے ہیں کہ تمہارا حج نہیں ہوا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: کیا تم نے احرام نہیں باندھا، تلبیہ نہیں پڑھا، بیت اللہ کا طواف نہیں کیا، عرفات سے واپس نہیں آئے، جمرات کو کنکریاں نہیں ماریں؟ میں نے جواب دیا: جی ہاں (میں نے یہ سب کچھ کیا ہے) تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تمہارا حج ہو گیا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی سوال کیا جو تم نے مجھ سے کیا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوگئی۔

''تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر تم اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرتے ہو''۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بلوایا۔ اس کے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تمہارا حج ہو گیا''۔

1734 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ مَسْعَدَةَ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّاسَ فِي أَوَّلِ الْحَجِّ كَانُوا يَتَبَايَعُونَ بِمِنًى وَعَرَفَةَ وَسُوقِ ذِي الْمَجَازِ وَمَوَاسِمِ الْحَجِّ فَخَافُوا الْبَيْعَ وَهُمْ حُرُمٌ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ (لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ) (البقرة: 198) أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ. قَالَ: فَحَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ عُمَيْرٍ، أَنَّهُ كَانَ يَقْرَؤُهَا فِي الْمُصْحَفِ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: پہلے لوگ حج سے پہلے منیٰ اور عرفات اور ذوالمجاز میں اور حج کے موقع پر خرید وفروخت کیا کرتے تھے پھر انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ وہ احرام کی حالت میں خرید وفروخت کر رہے ہیں (کہیں یہ غلط نہ ہو) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

''تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر تم حج کے موقع پر اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرتے ہو''۔

راوی بیان کرتے ہیں: عبید بن عمیر نے مجھے یہ بات بتائی ہے کہ وہ اپنے مصحف میں یہ الفاظ پڑھتے ہیں ''حج کے موقع پر''۔

1735 - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِىْ فُدَيْكٍ، اَخْبَرَنِىْ ابْنُ اَبِىْ ذِئْبٍ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ، قَالَ: اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، كَلَامًا مَعْنَاهُ اَنَّهُ مَوْلٰى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، اَنَّ النَّاسَ فِىْ اَوَّلِ مَا كَانَ الْحَجُّ كَانُوْا يَبِيعُوْنَ. فَذَكَرَ مَعْنَاهُ اِلٰى قَوْلِهِ مَوَاسِمِ الْحَجِّ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ''پہلے لوگ حج کے موقع پر خرید وفروخت کیا کرتے تھے''۔

اس کے بعد راوی نے حسب سابق حدیث نقل کی ہے جو ''حج کے موقع'' پر کے الفاظ تک ہے۔

مکہ کی زمین اور مکانوں کو فروخت اور کرائے پر دینے کی ممانعت میں مذاہب فقہاء

مسجد حرام، صفا اور مروہ کی پہاڑیاں، منیٰ مزدلفہ، عرفات اور موضع جمرات مکہ مکرمہ کی سرزمین کے حصہ، تمام فقہاء کے نزدیک وقف عام ہیں اور مکہ کے رہنے والے اور باہر سے مکہ مکرمہ آنے والے سب وہاں عبادت اور مناسب حج ادا کرسکتے ہیں اور یہ جگہ کسی کی ملکیت نہیں ہے یہاں پر کوئی کسی مسلمان کو عبادت کرنے اور ٹھہرنے سے منع نہیں کرسکتا اور نہ مکہ کے ان حصوں کو فروخت کرنا یا کرائے پر دینا جائز ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ج ۴ ص 178، روح المعانی جز 17 ص 206-207)

سرزمین مکہ کے ان حصوں کے علاوہ باقی سرزمین مکہ میں اختلاف ہے کہ آیا ان کو بیچنا اور کرائے پر دینا جائز ہے یا نہیں۔ امام شافعی اور امام احمد کا یہ مذہب ہے کہ مکہ کی زمین کو اور اس کے مکانات کو فروخت کرنا اور کرائے پر دینا جائز ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ج ۴ ص 177 تفسیر کبیر ج ۸ ص 217 فتح الباری ج ۳ ص 245) امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مکہ کی تمام زمین وقف ہے، اس کو بیچنا اور کرائے پر دینا جائز نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص 31-32)

اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ مکہ کی سرزمین کے جو حصے مناسب کے حج کے لئے وقف ہیں، ان کے علاوہ مکہ کی باقی زمینوں اور مکانوں کو فروخت کرنا اور کرائے پر دینا جائز ہے۔ البتہ حج کے ایام میں مکہ کے مکانوں کو کرائے پر دینا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس سے زائرین حرم اور حجاج کو زحمت اور تکلیف ہوگی۔ (درمختار و رد المحتار ج ۹ ص 476-480)

امام مالک اور ان کے موافقین یہ کہتے ہیں کہ مکہ کی تمام زمین وقف ہے اور کسی جگہ کو فروخت کرنا اور اس کو کرائے پر دینا جائز نہیں ہے۔ ان کا استدلال اس آیت سے ہے اس میں فرمایا ہے: والمسجد الحرام الذی جعلنه للناس سواء العاکف فیه والباد. (الحج: ۲۵) وہ اس آیت میں المسجد الحرام سے مراد ارض حرم لیتے ہیں یعنی سرزمین میں مکہ، اور العاکف کا معنی کرتے ہیں مکہ میں رہنے والا، الباد کا معنی کرتے ہیں مسافر۔ ان کے نزدیک اس آیت کا معنی اس طرح ہے کہ تمام سرزمین مکہ

میں مکہ میں رہنے والوں اور مسافروں کا برابر کا حق ہے اور مکہ کی زمین اور اس سے بنے ہوئے مکانوں کا کوئی مالک نہیں ہے، ہر جگہ اور ہر مکان میں ہر شخص رہ سکتا ہے۔

مکہ کی زمین اور مکانوں کو فروخت کرنے اور کرائے پر دینے کی ممانعت کے دلائل اور ان کا ضعف

علامہ ابوعبداللہ مالکی قرطبی متوفی 668ھ اپنے مسلک کی وضاحت میں لکھتے ہیں: مساوات مکہ کی حویلیوں اور مکانوں میں رہنے والوں میں ہے اور ان مکانوں میں رہنے والا مسافر سے زیادہ حق دار نہیں ہے اور یہ اس بناء پر ہے کہ اس آیت میں مسجد حرام سے مراد پورا حرم ہے اور یہ مجاہد اور امام مالک کا قول ہے اور حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جو شخص مکہ میں آئے وہ جس مکان میں چاہے ٹھہر جائے اور مکان والے پر اس کو ٹھہرانا لازم ہے، وہ چاہے یا نہ چاہے اور سفیان ثوری وغیرہ نے کہ ہے کہ ابتدائی دور میں مکہ کے مکانوں کے دروازے نہیں بنائے جاتے تھے تا کہ جب کوئی مسافر جہاں چاہے ٹھہر جائے) حتیٰ کہ جب چوریاں بہت ہونے لگیں تو ایک شخص نے اپنے مکان کا دروازہ بنالیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر انکار کیا اور کہا تم بیت اللہ کا حج کرنے والے پر دروازہ بند کرتے ہو؟ اس نے کہا میں نے اپنے سامان کو چوری سے محفوظ رکھنے کا ارادہ کیا ہے پھر حضرت عمر نے اس کو چھوڑ دی، پھر لوگوں نے اپنے گھروں کے دروازے بنانے شروع کر دیئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ وہ حج کے ایام میں مکہ کے گھروں کے دروازوں کو توڑنے کا حکم دیتے تھے تا کہ مکہ آنے والے مسافر جس گھر میں چاہیں، آ کر ٹھہر جائیں اور امام مالک سے یہ بھی مروی ہے کہ گھر مسجد کی طرح نہیں ہیں اور گھر والوں کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے گھروں میں آنے والوں کو منع کریں۔

اس کے بعد علامہ قرطبی لکھتے ہیں صحیح وہی ہے جو امام مالک کا قول ہے اور اس کی تائید میں احادیث ہیں: علقمہ بن نضلہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فوت ہو گئے اور اس وقت تک مکہ کی زمین کو وقف کہا جاتا تھا، جس کو ضرورت ہو وہ اس میں خود رہے اور جو مستغنی ہے، وہ کسی اور کو ٹھہرائے۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث:30003) یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں ارسال اور انقطاع ہے) اور علقمہ بن نضلہ سے ایک اور حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے عہد میں مکہ کے گھر وقف کئے جاتے تھے، ان کو فروخت نہیں کیا جاتا تھا۔ جس کو ضرورت ہوتی وہ ان گھروں میں خود رہتا اور جس کو ضرورت نہ ہوتی، وہ کسی اور کو ٹھہرا لیتا۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث:3002) یہ حدیث بھی حسب سابق ہے) اور حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکہ حرم ہے، اس کی حویلیوں کو فروخت کرنا حرام ہے اور ان کو کرائے پر دینا حرام ہے۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث:2995 یہ حدیث بھی ضعیف ہے)

(الجامع لاحکام القرآن ج12 ص31۔32 مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1415ھ)

امام مالک اور ان کے موافقین نے اس آیت سے جو استدلال کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ انہوں نے المسجد الحرام کا معنی پوری سر زمین حرم کیا ہے اور یہ مجاز ہے اور بغیر قرینہ صارفہ کے مجاز کو اختیار کرنا صحیح نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے العاکف کا معنی مکہ میں رہنے والا کیا ہے حالانکہ العاکف کا شرعی معنی المعتکف ہے اور جن احادیث سے علامہ قرطبی نے استدلال کیا ہے، ہم نے ان

کا ضعف قوسین میں ذکر کر دیا ہے۔

جو احادیث علامہ قرطبی نے ذکر کی ہیں، ان کے علاوہ بھی کچھ احادیث ہیں جن سے امام مالک کے موقف پر استدلال کیا جاتا ہے، وہ یہ ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکہ اونٹوں کے بٹھانے کی جگہ ہے، اس کی حویلیاں فروخت کی جائیں نہ اس کے مکان کرائے پر دیئے جائیں۔ (المستدرک ج ۲ ص 53 طبع قدیم، دار الباز مکہ مکرمہ)

علامہ ذہبی متوفی 448ھ فرماتے ہیں اس کی سند میں ایک راوی، ''اسماعیل'' ضعیف ہے۔ (تلخیص المستدرک ج ۲ ص 53)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا جو شخص مکہ کے مکانوں کا کرایہ کھاتا ہے، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتا ہے۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: 2997، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، 1417ھ)

اس حدیث کا ایک راوی عبید اللہ بن ابی زیاد ہے۔ حافظ عسقلانی متوفی 852ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں ابن معین نے کہا یہ ضعیف ہے۔ ابو حاتم نے کہا یہ قوی اور متین نہیں ہے اور اس کی احادیث لکھنے کے لائق نہیں ہیں۔ آجری نے کہا اس کی احادیث منکر ہیں۔ امام نسائی نے کہا یہ قوی اور ثقہ نہیں ہے۔ حاکم ابو احمد نے کہا یہ قوی نہیں ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۷ ص 14 مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن، 1346ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جو فقہاء مکہ کی زمین کو فروخت کرنے اور اسکے مکانوں کو کرائے پر دینے کو حرام کہتے ہیں، ان کا قرآن مجید سے استدلال صحیح نہیں ہے اور جن احادیث سے انہوں نے استدلال کیا ہے ان سب کی سندیں ضعیف ہیں۔

مکہ کی زمین اور اس کے مکانوں کو فروخت کرنے اور کرائے پر دینے کے جواز میں قرآن مجید اور احادیث و آثار سے استدلال

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **الذين اخرجوا من ديارهم بغير حق**: (الحج: 40) یہ وہ لوگ ہیں جن کو ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا۔

امام ابن جریر نے کہا۔ کفار قریش نے مومنین کو مکہ سے نکال دیا تھا۔ (جامع البیان جز 17 ص 229 مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1415ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو مکہ سے نکال دیا گیا تھا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: 13966، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، 1417ھ)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ آیت ہمارے متعلق نازل ہوئی ہے، ہمیں ہمارے گھروں سے ناحق نکال دیا گیا تھا۔ الحدیث (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: 13967)

مکہ کے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالنا ناحق اسی وقت ہوگا جب ان کا ان کے گھروں پر حق ہو اور وہ گھر وقف عام نہ ہوں اور مسلمانوں کا ان گھروں کو فروخت کرنا اور کرائے پر دینا جائز ہو۔

ان آیت کے بعد اس موقف پر یہ حدیث بہت قوی دلیل ہے:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ مکہ کے کون سے گھر میں ٹھہریں گے؟ آپ نے فرمایا: کیا عقیل نے ہمارے لئے حویلیاں اور مکانات چھوڑے ہیں؟ عقیل ابو طالب کے وارث ہوئے تھے اور حضرت جعفر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ابو طالب کے وارث نہیں ہوئے تھے کیونکہ یہ دونوں مسلمان تھے۔ (اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا) اور عقیل اور طالب کافر تھے سو حضرت عمر بن الخطاب یہ کہتے تھے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: 1588، صحیح مسلم رقم الحدیث: 1351، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: 2010، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: 2942، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: 4255)

عقیل ابو طالب کے مکان کے وارث ہو گئے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ابو طالب اور عقیل دونوں مکہ میں اپنے مکانوں کے مالک تھے اور ان کے مکان وقف عام نہیں تھے اور ان کا ان مکانوں کو فروخت کرنا اور ان میں تصرف کرنا صحیح تھا۔

علامہ عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی 620ھ لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے مکہ میں مکانات تھے۔ حضرت ابوبکر، حضرت زبیر، حضرت حکیم بن حزام، حضرت ابوسفیان اور باقی اہل مکہ کے مکانات تھے۔ بعض نے اپنے مکانوں کو فروخت کر دیا اور بعض نے اپنے مکانوں کو اپنی ملک میں رہنے دیا۔ حضرت حکیم بن حزام نے دار الندوہ کو فروخت کر دیا تو حضرت ابن الزبیر نے کہا آپ نے قریش کی عزت کو بیچ دیا تو حضرت حکیم بن حزام نے کہا: اے بھتیجے عزت تو صرف تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے اور حضرت معاویہ نے دو مکان خریدے۔ حضرت عمر نے حضرت صفوان بن امیہ سے چار ہزار درہم میں ایک قید خانہ خریدا اور ہمیشہ سے اہل مکہ اپنے مکانوں میں مالکانہ تصرف کرتے رہے ہیں اور خرید و فروخت کرتے رہے ہیں اور اس پر کسی نے اعتراض نہیں کیا تو یہ اجماع ہو گیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے مکانوں کی ان کی طرف نسبت کو برقرار رکھا۔ آپ نے فرمایا: جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا اس کو امان ہے، اور جس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر دیا اس کو امان ہے، اور ان کے مکانوں اور ان کی حویلیوں کو برقرار رکھا اور کسی شخص کو اسکے گھر سے منتقل نہیں کیا گیا اور نہ کوئی ایسی حدیث پائی گئی جو ان کے مکانوں سے ان کی ملکیت زائل ہونے پر دلالت کرے، اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء کا بھی یہی معمول رہا حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قید خانے بنانے کے لئے مکان کی سخت ضرورت تھی مگر انہوں نے خریدنے کے سوا اس کو نہیں لیا اور اس کے خلاف جو احادیث مروی ہیں وہ ضعیف ہیں اور صحیح یہ ہے کہ مکہ جنگ سے فتح ہوا ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو ان کی املاک اور حویلیوں پر برقرار رکھا اور آپ نے ان کے مکانوں کو ان کے لئے اس طرح چھوڑ دیا جس طرح ہوازن کے لئے ان کی عورتوں اور بیٹوں کو چھوڑ دیا تھا۔ ابن عقیل نے کہا ہے کہ مکہ کی زمینوں کا یہ اختلاف افعال حج کی ادائیگی کے مقامات کے علاوہ میں ہے لیکن زمین کے جن حصوں میں افعال حج کی ادائیگی کی جاتی ہے جیسے صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے کی جگہ اور شیطان کو کنکریاں مارنے کی جگہیں، ان جگہوں کا حکم مساجد کا حکم ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ج ۳ ص 178 مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1405ھ)

مکہ کی زمین اور مکانوں کو فروخت کرنے اور کرائے پر دینے کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب

علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی التوفی 1088ھ لکھتے ہیں: مکہ کے مکانوں اور اس کی زمین کو فروخت کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ صاحب ہدایہ کی مختارات النوازل میں مذکور ہے کہ مکہ کے مکانوں کو فروخت کرنے

اوران کوکرائے پر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن زیلعی وغیرہ میں مذکور ہے کہ ان کا کرائے پر دینا مکروہ ہے اور التاتارخانیہ کی آخری فصل الوہبانیہ کے باب اجارہ میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا میں حج کے ایام میں مکہ کے مکانوں کوکرائے پر دینا مکروہ قرار دیتا ہوں اور آپ یہ فتویٰ دیتے تھے کہ حجاج ایام حج میں مکہ والوں کے گھروں میں رہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: سواء العاکف فیه والباد (الحج:25) مسجد حرام میں مقیم اور مسافر برابر ہیں، اور ایام حج کے لاوہ کرایا لینے کی رخصت دی ہے، اس سے فرق اور تطبیق کا علم ہوگیا۔ حضرت عمر ایام حج میں فرماتے تھے اے مکہ والو! اپنے گھروں میں دروازے نہ بناؤ تا کہ آنے والے ہاں چاہیں، ٹھہر سکیں پھر یہ آیت پڑھتے تھے۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی 1252 اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں: غایۃ البیان میں مذکور ہے امام ابو یوسف نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ وہ ایام حج میں مکہ کے مکانوں کوکرائے پر دینا مکروہ کہتے تھے اور غیر ایام حج میں اس کی اجازت دیتے تھے، امام ابو یوسف کا بھی یہی قول ہے۔ امام محمد نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ وہ ایام حج میں مکہ کے مکانوں کوکرایے پر دینا مکروہ کہتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ مکہ والوں کو چاہئے کہ اگر ان کے مکانوں میں زائد جگہ ہوتو وہ مسافروں کو اپنے مکانوں میں ٹھہرائیں ورنہ نہیں اور امام محمد کا بھی یہی قول ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کرائے پر دینے کی کراہت میں ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے۔

علامہ حصکفی نے کہا ہے کہ اسی سے فرق اور تطبیق کا علم ہوگیا۔ اس کی شرح یہ ہے کہ ایام حج میں مکانوں کوکرائے پر دینا مکروہ ہے اور زیلعی کی نوازل میں جو اس کو مکروہ کہا ہے اس کا یہی معنی ہے اور مختارات النوازل میں جو کہا ہے اس میں کوئی حرج نہیں وہ ایام حج کے علاوہ دنوں پر محمول ہے اور امام اعظم کا بھی یہ فتویٰ ہے۔

(الدر المختار ورد المختار ج ۹ ص 479، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، 1419ھ)

ہمارے فقہاء کی عبارات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایام حج میں مکانوں کوکرائے پر دینے کی کراہت تنزیہی ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ اگر ان کے پاس زائد جگہ ہوتو آنے والے کو ٹھہرائیں ورنہ نہیں اور اسلام کے عام اصول سے یہ بات معلوم اور مقرر ہے کہ کوئی شخص مالک مکان کی مرضی اور اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر میں داخل نہیں ہوسکتا۔ قرآن مجید نے مسجد حرام میں مقیم اور مسافروں کا حق برابر قرار دیا ہے۔ ارض حرم میں یہ حق برابر نہیں فرمایا اور اگر بالفرض ارض حرم بھی مراد ہوتو بھی حرم کے مکانوں میں تو مقیم اور مسافر کا حق برابر نہیں فرمایا۔ ارض حرم میں مسافر جہاں چاہیں خیمہ ڈال کر رہیں، کسی کے مکان میں اس کی اجازت اور اس کی مرضی کے بغیر رہنے کا انہیں کیا حق ہے؟ اور ائمہ احناف نے ایام حج میں مکانوں کوکرائے پر دینے کو مکروہ کہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اخلاق اور مروت کے خلاف ہے کہ مسافروں، مہمانوں اور زائرین حرم سے ان کے ٹھہرنے کا کرایہ طلب کیا جائے، یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ شرعاً مکروہ یا حرام ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن، سورہ حج، لاہور)

بَابٌ فِي الصَّبِيِّ يَحُجُّ

باب: بچے کا حج کرنا

1736 - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالرَّوْحَاءِ فَلَقِيَ رَكْبًا فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ، قَالَ: مَنِ الْقَوْمُ؟، فَقَالُوا: الْمُسْلِمُونَ، فَقَالُوا: فَمَنْ أَنْتُمْ؟، قَالُوا: رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفَزِعَتِ امْرَأَةٌ فَأَخَذَتْ بِعَضُدِ صَبِيٍّ فَأَخْرَجَتْهُ مِنْ مِحَفَّتِهَا، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، هَلْ لِهَذَا حَجٌّ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَلَكِ أَجْرٌ

حضرت عبداللہ بن عباس ﷠ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ روحاء کے مقام پر موجود تھے آپ ﷺ کی کچھ سواروں سے ملاقات ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ نے انہیں سلام کیا اور دریافت کیا: آپ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے عرض کی: ہم مسلمان ہیں۔ ان لوگوں نے دریافت کیا: آپ لوگ کون ہیں؟ تو انہوں نے بتایا: یہ اللہ کے رسول ہیں۔ تو ایک عورت نے تیزی سے اپنے بچے کا بازو پکڑا اور اسے اپنے ہودج میں سے باہر نکال کر دریافت کیا: یارسول اللہ! کیا اس کا حج ہوا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں اور تمہیں بھی اجر ملے گا۔

نابالغ ومجنون کے انعقاد حج کا بیان

نابالغ نے حج کا احرام باندھا اور وقوف عرفہ سے پیشتر بالغ ہو گیا تو اگر اسی پہلے احرام پر رہ گیا حج نفل ہوا حجۃ الاسلام نہ ہوا اور اگر سرے سے احرام باندھ کر وقوف عرفہ کیا تو حجۃ الاسلام ہوا۔

مجنون تھا اور وقوف عرفہ سے پہلے جنون جاتا رہا اور نیا احرام باندھ کر حج کیا تو یہ حج حجۃ الاسلام ہو گیا ورنہ نہیں۔ بوہرا بھی مجنون کے حکم میں ہے۔

حج کرنے کے بعد مجنون ہوا پھر اچھا ہوا تو اس جنون کا حج پر کوئی اثر نہیں یعنی اب اسے دوبارہ حج کرنے کی ضرورت نہیں، اگر احرام کے وقت اچھا تھا پھر مجنون ہو گیا اور اسی حالت میں افعال ادا کیے پھر برسوں کے بعد ہوش میں آیا تو حج فرض ادا ہو گیا۔

(منسک)(عالمگیری، کتاب المناسک، ج ۱، ص ۲۱۷)

بچے کے حج کا ثواب والدین کے لئے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک صحابیہ اپنے بچے کو

1736 - اسناده صحيح. واخرجه مسلم (1336)، والنسائي في "الكبرى" (3614) من طرق عن سفيان ابن عيينة، بهذا الاسناد. واخرجه مسلم (1336)، والنسائي (3613) من طريق سفيان الثوري، والنسائي (2649) من طريق مالك بن انس، كلاهما عن ابراهيم بن عقبة، به. واخرجه مسلم (1336)، والنسائي (3611) و (3612) من طريق سفيان الثوري، عن محمد بن عقبة، عن كريب، به. وهو في "مسند احمد" (1898)، و "صحيح ابن حبان" (144).

لے کر حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اس بچہ کا بھی حج ادا ہوا گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں اس کا بھی حج ادا ہوا گا اور اس کا اجر وثواب تمہارے لئے بھی ہے۔

عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم لَقِیَ رَکْبًا بِالرَّوحَاءِ فَقَالَ: مَنِ القَوْمُ. قَالُوا المُسْلِمُونَ. فَقَالُوا مَنْ أَنتَ قَالَ: رَسُولُ اللّٰهِ. فَرَفَعَتْ إِلَيْهِ امْرَأَةٌ صَبِيًّا فَقَالَتْ أَلِهٰذَا حَجٌّ قَالَ: نَعَمْ وَلَکِ أَجْرٌ.

(صحیح مسلم شریف، باب صِحَّۃِ حَجِّ الصَّبِیِّ وَأَجْرِ مَنْ حَجَّ بِہٖ. حدیث نمبر:3317)

نابالغ لڑکا اگر حج کرلے تو وہ نفل ہوگا بلوغ کے بعد اگر اس پر حج فرض ہوجائے تو دوبارہ حج کرنا اس پر ضروری ہوگا۔

امام ترمذی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

وَقَدْ أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ أَنَّ الصَّبِیَّ إِذَا حَجَّ قَبْلَ أَنْ يُدْرِکَ فَعَلَيْهِ الْحَجُّ إِذَا أَدْرَکَ لَا تُجْزِئُ عَنْهُ تِلْکَ الْحَجَّةُ عَنْ حَجَّةِ الإِسْلَامِ۔ (جامع ترمذی شریف)

نابالغ لڑکا اگر سمجھدار ہو عقل وتمیز رکھتا ہو تو وہ خود احرام باندھے اور پاکی وطہارت کا لحاظ رکھے اور ان تمام امور کو پیش نظر رکھے جو حالت احرام میں لازم وضروری ہیں اور مناسک حج سے از خود جو ادا کرسکتا ہو وہ ادا کرے اور جو ادا نہیں کرسکتا اس کو ولی ادا کردے۔

بچہ اس قدر چھوٹا ہو جو کچھ بوجھ نہیں رکھتا اور عقل وتمیز سے عاری ہو تو اس کی طرف سے اس کا ولی احرام باندھے اور اس کی طرف سے مناسک ادا کرے طواف وسعی کے موقع پر اس کو گود میں لے کر طواف وسعی کرلے تو ہر دو کا طواف وسعی ہوجائے گی اسی طرح سے دیگر مناسک جیسے وقوف عرفہ وغیرہ میں اس کی طرف سے بھی نیت کرلے حتی المقدور اس کو ممنوعات احرام سے بچانے کی کوشش کرے اگر کوئی قصور وجنایت اس سے سرزد ہو تو اس پر یا اس کے ولی پر کوئی جزا واجب نہیں ہوگی۔

اگر وہ بچی بالغ نہیں ہوئی تھی تو بعض اہل علم نے یہ اختیار کیا ہے کہ: نہ تو آپ پر اور نہ ہی اس پر کچھ لازم آتا ہے، اور وہ بچے کے احرام کو پورا کرنے کی عدم تکمیل کی طرف گئے ہیں، وہ اس لئے کہ بچہ اہل التزام میں سے نہیں اور اس لئے بھی کہ وہ سب لوگوں کے لئے نرمی اور شفقت کا باعث ہے، جبکہ یہ ہوسکتا ہے کہ بچے کا ولی یہ خیال کرتا ہو کہ اس کا احرام باندھنا آسان سا کام ہے لیکن بعد میں اسے یہ علم ہو کہ معاملہ تو اس کے خلاف ہے۔ احناف، اور ابن حزم کا قول یہی ہے۔

مراہق اور غلام کے حج سے متعلق اختلاف کا بیان

علماء کا مراہق اور غلام کے بارے میں اختلاف ہے یہ جو حج کا احرام باندھتے ہیں پھر مراہق بالغ ہوجاتا ہے۔ غلام آزاد ہوجاتا ہے اور یہ وقوف عرفہ سے پہلے ہوتا ہے۔ امام مالک نے فرمایا: ان دونوں کو احرام کھولنے کی اجازت نہیں اور نہ کسی اور کو یہ اجازت ہے۔ امام مالک نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے دلیل پکڑی ہے واتموا الحج والعمرۃ للہ اور جس نے احرام کو کھولا اس کا حج اور عمرہ مکمل نہ ہوا۔ امام ابوحنیفہ نے کہا جب بچہ وقوف عرفات سے پہلے بالغ ہوجائے تو وہ احرام کو نئے سرے سے باندھے۔ اگر اس نے حج کو جاری رکھا تو یہ فرض حج کی طرف سے جائز نہ ہوگا اور انہوں نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ جب اس کا حج جائز نہ

تھا اور نہ اس کو فرض لازم تھا۔ جب اس نے حج کا احرام باندھا تھا پھر اس کو حج لازم ہو گیا جب وہ بالغ ہوا تو اس کے لئے اس فرض کو چھوڑنا محال ہو گیا جو اس پر متعین ہو چکا ہے، نوافل کا ادا کرنا اور فرض کو چھوڑنا محال ہے، جس طرح کوئی شخص نوافل میں داخل ہوا پھر فرضوں کی جماعت کھڑی ہو گئی اور اسے فرض کے فوت ہونے کا خوف ہو تو وہ نوافل کو توڑ دے اور فرض میں داخل ہو۔ امام شافعی نے فرمایا: جب احرام باندھے پھر وقوف عرفات سے پہلے بالغ ہو جائے تو وہ اسی احرام کے ساتھ عرفات میں ٹھہرا تو اس کا یہ حج فرض ادا ہو جائے گا اور اسی طرح غلام کا حکم ہے۔ فرمایا: اگر مزدلفہ میں آزاد ہوا۔

اور بچہ مزدلفہ میں بالغ ہوا تو وہ دونوں آزادی اور بلوغ کے بعد عرفہ کی طرف لوٹ آئیں پھر وہ طلوع فجر سے پہلے عرفہ کے وقوف کو پالیں تو ان کا فرض ادا ہو جائے گا اور ان پر بکری لازم نہ ہو گی اور اگر وہ احتیاطاً بکری وغیرہ دے دیں تو میرے نزدیک پسندیدہ ہے۔ یہ میرے نزدیک واضح نہیں ہے، اور احرام کی تجدید کو ساقط کرنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے حجت پکڑی ہے کیونکہ جب انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب سے یمن سے حج کا احرام باندھ کر آئے تھے تم نے کیسا احرام باندھا ہے؟ حضرت علی نے کہا: میں نے کہا: لبیک باھلال کاھلال نبیک۔ اے اللہ! میں نے تیرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام جیسا احرام باندھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے حج کا احرام باندھا ہے اور میں ہدی (بکری یا اونٹ) ساتھ لایا ہوں۔ امام شافعی نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات کا انکار نہ کیا اور انہیں حج مفرد یا حج قران کی نئی نیت کرنے کا حکم فرمایا۔ امام مالک نے اس نصرانی کے بارے میں فرمایا جو عرفہ کی شام کو اسلام قبول کرتا ہے پھر وہ حج کا احرام باندھتا ہے تو اس کا فرض حج ادا ہو جائے گا۔ اسی طرح غلام آزاد ہو جائے، بچہ بالغ ہو جائے جبکہ وہ احرام باندھے ہوئے نہ ہوں اور ان میں سے کسی پر بکری لازم نہ ہو گی۔۔۔ بکری اس پر لازم ہوتی ہے جو حج کا ارادہ کرے اور میقات سے احرام نہ باندھے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: غلام پر بکری لازم ہے وہ اس آزاد کی مانند ہے جو میقات سے تجاوز کر گیا۔ بخلاف بچے اور نصرانی کے ان پر دخول مکہ کے لئے احرام لازم نہ تھا کیونکہ ان پر فرض ساقط تھا جب کافر مسلمان ہوا، بچہ بالغ ہو تو ان کا حکم مکی کے حکم کی طرح ہے۔ میقات کو ترک کرنے کی وجہ سے ان پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ بقرہ، بیروت)

بَابٌ فِي الْمَوَاقِيتِ

باب: حج کے میقات

میقات حج کا بیان

اور مواقیت وہ جگہیں ہیں جہاں سے انسان احرام کے بغیر آگے نہیں جا سکتا ہے۔ وہ پانچ ہیں۔ اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ ہے اور اہل عراق کے لئے ذات عرق ہے اور اہل شام کے لئے جحفہ ہے اور اہل نجد کے لئے قرن ہے۔ اور اہل یمن کے لئے یلملم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے لئے اسی طرح مقرر فرمائے ہیں۔ اور میقات کو مقرر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ احرام میں تاخیر سے بچنا ہے۔ ان مواقیت سے احرام کو مقدم کرنا جائز ہے۔

آفاقی آدمی جب مکہ میں داخل ہونے کے ارادے کے لئے میقات پر پہنچے تو ہمارے نزدیک اس پر احرام باندھنا واجب ہے خواہ وہ حج کا ارادہ کرے یا عمرے کا ارادہ کرے یا کچھ بھی ارادہ نہ کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص میقات سے آگے نہ بڑھے حتیٰ کہ احرام باندھ لے۔ (ابن ابیہ شیبہ، طبرانی) کیونکہ احرام کا وجوب اس بقعہ مبارکہ کے ادب کے لئے ہے۔ اس لئے اس میں حج یا عمرہ کرنے کا ارادہ کرنے والا اوران دونوں کے سواسب (احرام باندھنے میں) برابر ہیں۔

میقات حرم حدود کا تعین ہے

حدود حرم میں رہنے والے افراد حرمی کہلاتے ہیں۔ حدود حرم میں رہنے والے شخص کا میقات، حج کے لئے حرم ہے اور عمرہ کے لئے حل یعنی حدود حرم کے باہر کا حصہ مثلا: مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا، جعرانہ وغیرہ

حدود حرم کے باہر کا وہ حصہ جو میقات تک پھیلا ہوا ہے اسے حل کہتے ہیں، میقات اور حل کے درمیان میں رہنے والے افراد کو حلی کہتے ہیں مثلا ساکنان جدہ وغیرہ، ان کی میقات حل ہے، اگر وہ حج یا عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ آئیں تو وہ اپنے مقام ہی سے احرام باندھ لیں

میقات سے باہر رہنے والے افراد جو حج وعمرہ کا قصد کر کے آئیں ان کو آفاقی کہتے ہیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اقطاع عالم سے حج وعمرہ کے لئے آنے والوں کے مواقیت مقرر فرمائے ہیں، کہ وہ ان مقامات نے سے احرام باندھ کر آئیں۔ صحیح بخاری شریف میں حدیث مبارک ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما قَالَ وَقَّتَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم لأَهْلِ الْمَدِينَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ، وَلأَهْلِ الشَّأْمِ الْجُحْفَةَ، وَلأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ، وَلأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ۔

حضرت سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اہل مدینہ منورہ کے لئے ذوالحلیفہ میقات مقرر فرمائی اور اہل شام کے لئے جحفہ اور اہل نجد کے لئے قرن المنازل اور اہل یمن کے لئے یلملم مقرر فرمایا۔

(صحیح بخاری شریف، باب مهل أهل الشام، حدیث نمبر:1526) اور صحیح مسلم شریف میں حدیث مبارک ہے:

وَمُهَلُّ أَهْلِ الْعِرَاقِ مِنْ ذَاتِ عِرْقٍ۔ اہل عراق کے لئے میقات ذات عرق ہے۔ (صحیح مسلم شریف، باب مواقیت الحج والعمرة، حدیث نمبر:2867) کعبۃ اللہ شریف کے چاروں جانب مندرجہ ذیل مواقیت ہیں۔

"(1) ذوالحلیفہ "مدینہ طیبہ سے آنے والوں کے لئے میقات ہے۔ (۲) " جحفہ "مصر اور شام سے آنے والوں کے لئے میقات ہے۔ (۳) قرن "نجد سے آنے والوں کے لئے میقات ہے۔ (۴) " یلملم" یمن، تہامہ، ہندوستان، پاکستان اور اس کے محاذات سے آنے والوں کے لئے میقات ہے۔ (۵) " ذات عرق "عراق وغیرہ سے آنے والوں کے لئے میقات ہے۔

اہل نجد کے لیے قرن میقات ہونے کا بیان

1737 - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، ح حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ

ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: وَقَّتَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِأَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ ذَا الْحُلَیْفَۃِ وَلِأَھْلِ الشَّامِ الْجُحْفَۃَ وَلِأَھْلِ نَجْدٍ قَرْنَ وَبَلَغَنِی أَنَّہٗ وَقَّتَ لِأَھْلِ الْیَمَنِ یَلَمْلَمَ.

⊛⊛ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ، اہل شام کے لیے جحفہ اہل نجد کے لئے قرن کو میقات مقرر کیا ہے اور مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے لئے یلملم کو میقات مقرر کیا ہے۔

حج کے مہینوں سے پہلے احرام باندھنے میں انعقاد حج پر مذاہب اربعہ

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ وہ عمرے کے ساتھ محرم ہوگا۔ یہ ان کا نیا قول ہے اور حضرت عطاء، طاؤس، اور مجاہد کا قول بھی یہی ہے۔ جبکہ ان قدیم قول ہمارے یعنی احناف کے ساتھ ہے۔ اور یہ قول حضرت ابراہیم نخعی، حسن بصری، ابن شبرمہ، اور حکم کا ہے۔ اور حضرت امام مالک وامام احمد نے اسی طرح کہا ہے جبکہ داؤد ظاہری نے کہا ہے کہ حج منعقد نہ ہوگا۔ اور حضرت جابر و حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہما کا قول بھی یہی ہے۔

عدم انعقاد والے فقہاء کے نزدیک احرام رکن ہے لہٰذا تمام ارکانوں کی طرف اس کی تقدیم بھی جائز نہ ہوگی۔ جبکہ ہمارے نزدیک یہ شرط ہے اور اس کی تقدیم جائز ہے لہٰذا یہ طہارت والے مسئلہ کے مشابہ ہوگیا۔ کیونکہ نماز سے وضو کی تقدیم جائز ہے۔ البتہ احرام باندھنے سے اس پر احرام والی اشیاء حرام ہو جائیں گی۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۲۱۹، حقانیہ ملتان)

اہل یمن کے لیے یلملم میقات ہونے کا بیان

1738 - حَدَّثَنَا سُلَیْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِیْنَارٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَعَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِیْہِ، قَالَا: وَقَّتَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاہُ، وَقَالَ: أَحَدُھُمَا وَلِأَھْلِ الْیَمَنِ یَلَمْلَمَ وَقَالَ أَحَدُھُمَا: أَلَمْلَمَ. قَالَ: فَھُنَّ لَھُمْ، وَلِمَنْ أَتَی عَلَیْھِنَّ مِنْ غَیْرِ أَھْلِھِنَّ مِمَّنْ کَانَ یُرِیْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ، وَمَنْ کَانَ دُوْنَ ذٰلِکَ قَالَ ابْنُ طَاوُسٍ: مِنْ حَیْثُ أَنْشَأَ قَالَ: وَکَذٰلِکَ حَتّٰی أَھْلُ مَکَّۃَ یُھِلُّوْنَ مِنْھَا

⊛⊛ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ایک روایت کے مطابق طاؤس کے صاحبزادے اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیا ہے"۔ اس کے بعد راوی نے حسب سابق حدیث نقل کی ہے۔

ایک راوی نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: اہل یمن کے لئے یلملم کو میقات مقرر کیا ہے' جبکہ ایک راوی نے لفظ "الملم" نقل کیا ہے۔

راوی بیان کرتے ہیں: (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:)

"یہ ان لوگوں کے لئے ہیں اور ان لوگوں کے لئے ہیں جو اس کے دوسری طرف سے آتے ہیں جو یہاں کے رہنے والے نہیں ہیں اور وہ حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتے ہیں لیکن جو لوگ اس سے اندر کی طرف (یعنی خانہ کعبہ کی طرف) رہتے

ہیں''۔

یہاں طاؤس کے صاحبزادے نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

''وہ جہاں سے چلے گا وہیں سے احرام باندھے گا''۔

(راوی کہتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:) یہاں تک کہ مکہ میں رہنے والا مکہ سے احرام باندھے گا۔

اہل عراق کے لیے ذات عرق کے میقات ہونے کا بیان

1739 - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ بَهْرَامَ الْمَدَائِنِيُّ، حَدَّثَنَا الْمُعَافَى بْنُ عِمْرَانَ، عَنْ أَفْلَحَ يَعْنِي ابْنَ حُمَيْدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَّتَ لِأَهْلِ الْعِرَاقِ ذَاتَ عِرْقٍ

⊛⊛ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم ﷺ نے اہل عراق کے لئے ذات عرق کو میقات مقرر کیا ہے۔

اہل مشرق کے لیے عقیق کے میقات ہونے کا بیان

1740 - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: وَقَّتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَهْلِ الْمَشْرِقِ الْعَقِيقَ

⊛⊛ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے اہل مشرق کے لئے ''عقیق'' کو میقات مقرر کیا ہے۔

1741 - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يُحَنَّسَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي سُفْيَانَ الْأَخْنَسِيِّ، عَنْ جَدَّتِهِ حُكَيْمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ: مَنْ أَهَلَّ بِحَجَّةٍ، أَوْ عُمْرَةٍ مِنَ الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى إِلَى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، وَمَا تَأَخَّرَ - أَوْ - وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ - شَكَّ عَبْدُ اللَّهِ أَيَّتُهُمَا - قَالَ:

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: يَرْحَمُ اللَّهُ وَكِيعًا أَحْرَمَ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ يَعْنِي إِلَى مَكَّةَ

⊛⊛ نبی اکرم ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

''جو شخص مسجد اقصیٰ سے مسجد حرام کے لئے حج یا عمرہ کا احرام باندھتا ہے (یا تلبیہ پڑھتا ہے) تو اس شخص کے گزشتہ اور آئندہ گناہوں کی بخشش ہو جاتی ہے''۔

عبداللہ نامی راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں: ''اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے''۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اللہ تعالیٰ وکیع پر رحم کرے انہوں نے بیت المقدس سے احرام باندھا تھا (یعنی مکہ تک آنے کے لئے وہاں سے احرام باندھا تھا)۔

1742 - حَدَّثَنَا اَبُوْ مَعْمَرٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ اَبِي الْحَجَّاجِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، حَدَّثَنَا عُتْبَةُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ السَّهْمِيُّ، حَدَّثَنِي زُرَارَةُ بْنُ كُرَيْمٍ، اَنَّ الْحَارِثَ بْنَ عَمْرٍو السَّهْمِيَّ، حَدَّثَهُ قَالَ: اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِمِنًى اَوْ بِعَرَفَاتٍ وَقَدْ اَطَافَ بِهِ النَّاسُ قَالَ: فَتَجِيءُ الْاَعْرَابُ فَاِذَا رَاَوْا وَجْهَهُ قَالُوْا: هٰذَا وَجْهٌ مُبَارَكٌ قَالَ: وَوَقَّتَ ذَاتَ عِرْقٍ لِاَهْلِ الْعِرَاقِ

حضرت حارث بن عمرو سہمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت منیٰ میں (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں:) عرفات میں موجود تھے۔ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیرا ہوا تھا۔ راوی بیان کرتے ہیں: دیہاتی آتے تھے۔ جب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک دیکھتے تھے' تو کہتے تھے: یہ ایک برکت والا چہرہ ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عراق کے لئے ذات عرق کو میقات مقرر کیا۔

میقات سے پہلے احرام باندھنے میں فقہی مذاہب اربعہ کا بیان

ام المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص حج یا عمرہ کے لئے مسجد اقصیٰ (ہی سے احرام باندھ کر چلے) تو اس کے وہ تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے جو اس نے پہلے کئے ہوں گے اور جو بعد میں کرے گا یا فرمایا کہ اس شخص کے لئے ابتداء ہی میں جنت واجب ہو جائے گی (یعنی وہ شروع ہی میں جنت میں داخل ہوگا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

جب کوئی شخص بیت المقدس سے مکہ کے لئے چلتا ہے تو وہ راستہ میں مدینہ منورہ سے گزرتا ہے، اس طرح وہ شخص اپنے راستہ میں تینوں افضل ترین مقامات سے مشرف ہوتا ہے بایں طور کہ اس راستہ کے سفر کی ابتداء بیت المقدس سے ہوتی ہے درمیان میں مدینہ منورہ آتا ہے اور آخر میں مکہ مکرمہ پہنچتا ہے لہٰذا اس شخص کی خوش بختی کا اندازہ لگایئے جو اپنے سفر حج کی ابتداء بیت المقدس سے کرے کہ اول تو خود سفر مقدس و باعظمت پھر سفر کی ابتداء بیت المقدس سے درمیان میں مدینہ منورہ اور سفر کی انتہاء حرم محترم پر اس سبب سے مذکورہ بالا شخص یہ عظیم ثواب پاتا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ احرام باندھنے کی جگہ حرم محترم سے جتنی دور ہوگی ثواب بھی اتنا زیادہ ہوگا۔

حضرت امام اعظم کے نزدیک مواقیت سے احرام کی تقدیم یعنی احرام باندھنے کی جگہوں سے پہلے ہی احرام باندھ لینا یا اپنے گھر ہی سے احرام باندھ کر چلنا افضل ہے۔

حضرت امام شافعی کا ایک قول بھی یہی ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ ممنوعات احرام سے بچ سکے، ورنہ اگر یہ جانے کہ اس صورت میں ممنوعات احرام سے اجتناب ممکن نہیں ہوگا تو پھر میقات ہی سے احرام باندھنا افضل ہوگا۔

اسی طرح حج کے مہینوں میں (یعنی شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن) سے پہلے احرام باندھنے کے بارے میں حنفیہ کے ہاں جواز کا قول بھی ہے اور مکروہ کہا گیا ہے۔

حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بھی کراہت ہی کے قائل ہیں۔ حضرت امام شافعی کا ایک قول اگرچہ یہ بھی ہے کہ حج کے مہینوں سے پہلے احرام باندھنے والوں کا احرام درست نہیں ہوگا لیکن ان کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حج کے مہینوں سے پہلے احرام باندھے گا تو اس کا وہ احرام حج کی بجائے عمرہ کا ہو جائے گا۔

میقات سے پہلے احرام باندھنے کی اجازت شرعی کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیداء وہ جگہ ہے (مسجد ذی الحلیفہ سے آگے مکہ کی طرف) جس کے بارے میں تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت غلط بات کرتے ہو (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیداء سے احرام باندھا حالانکہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد ذی الحلیفہ کے نزدیک (احرام باندھ کر) لبیک پکارنا شروع کیا۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا اَنَّهُ اَهَلَّ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ۔ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ

حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیت المقدس سے احرام باندھا۔ اسے شافعی نے روایت کیا ہے۔

بَابُ الْحَائِضِ تُهِلُّ بِالْحَجِّ

باب: حیض والی عورت کا حج کا احرام باندھنا

1743 - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: نُفِسَتْ اَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ بِمُحَمَّدِ بْنِ اَبِي بَكْرٍ بِالشَّجَرَةِ فَاَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَا بَكْرٍ اَنْ تَغْتَسِلَ فَتُهِلَّ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: شجرہ کے مقام پر سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جنم دیا۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ ہدایت کی (کہ وہ اس خاتون کو یہ حکم دیں) کہ وہ غسل کر کے احرام باندھ لے۔

1744 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسٰى، وَاِسْمَاعِيلُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ اَبُو مَعْمَرٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ شُجَاعٍ، عَنْ خُصَيْفٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، وَمُجَاهِدٍ، وَعَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْحَائِضُ وَالنُّفَسَاءُ اِذَا اَتَتَا عَلَى الْوَقْتِ تَغْتَسِلَانِ، وَتُحْرِمَانِ وَتَقْضِيَانِ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا غَيْرَ الطَّوَافِ بِالْبَيْتِ. قَالَ اَبُو مَعْمَرٍ، فِي حَدِيثِهِ حَتّٰى تَطْهُرَ وَلَمْ يَذْكُرِ ابْنُ عِيسٰى، عِكْرِمَةَ وَمُجَاهِدًا. قَالَ: عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَلَمْ يَقُلِ ابْنُ عِيسٰى، كُلَّهَا قَالَ: الْمَنَاسِكَ اِلَّا الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''حیض اور نفاس والی عورتیں جب میقات کے مقام پر پہنچیں گی' تو غسل کر کے احرام باندھ لیں گی وہ حج کے تمام مناسک ادا کریں گی صرف بیت اللہ کا طواف نہیں کریں گی''۔

ابو معمر نامی راوی نے اپنی روایت میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں: ''جب تک وہ پاک نہیں ہو جاتیں اس وقت تک طواف نہیں کریں گی''۔

ابن عیسیٰ نامی راوی نے عکرامہ اور مجاہد کا ذکر نہیں کیا۔ انہوں نے یہ کہا ہے: یہ روایت عطاء کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

ابن عیسیٰ نامی راوی نے یہ الفاظ نقل نہیں کئے ''وہ سب'' انہوں نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: ''مناسک ادا کریں گی' البتہ بیت اللہ کا طواف نہیں کریں گی''۔

شرح

اگر عورت وقوف اور طواف زیارت کے بعد حائض ہوئی تو وہ مکہ سے چلی جائے اور طواف صدور کی وجہ سے اس پر کچھ لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حائض عورتوں کو طواف صدر ترک کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔

اور جس بندے نے مکہ کو جائے سکونت بنالیا اس پر طواف صدر نہیں ہے کیونکہ طواف صدر اس پر ہے جو مکے سے اپنے وطن کو واپس جائے۔ ہاں البتہ جب اس نے پہلے نفر کے وقت آجانے کے بعد مکے کو گھر بنایا۔ اسی روایت کے مطابق جو حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ سے روایت کی گئی ہے اور بعض نے اس کو حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت کیا ہے۔ اس لئے طواف صدور اس پر واجب ہو گیا ہے کیونکہ جب اس کا وقت آجائے۔ لہٰذا اس کے بعد وہ اقامت کی نیت ساقط نہ ہوگا۔

(ہدایہ، کتاب حج، لاہور)

حائض کے طواف وسعی نہ کرنے کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج کے لئے روانہ ہوئے تو ہم لبیک کہتے وقت صرف حج کا ذکر کرتے تھے بعض حضرات نے یہ معنی لکھے ہیں کہ ہم صرف حج کا قصد کرتے تھے یعنی مقصود اصلی حج تھا عمرہ نہیں تھا، لہٰذا عمرہ کا ذکر نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ عمرہ نیت میں بھی نہیں تھا۔ پھر جب ہم مقام سرف میں پہنچے تو میرے ایام شروع ہو گئے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو میں اس خیال سے رو رہی تھی کہ حیض کی وجہ سے میں حج نہ کر پاؤں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کیفیت دیکھ کر فرمایا کہ شاید تمہارے ایام شروع ہو گئے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو ایک ایسی چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں کے لئے مقرر فرما دیا ہے اس کی وجہ سے رونے اور مضطرب ہونے کی کیا ضرورت ہے تم بھی وہی افعال کرو جو حاجی کرتے ہیں۔ ہاں جب تک پاک نہ ہو جاؤ (یعنی ایام ختم نہ ہو جائیں اور اس کے بعد نہا نہ لو۔ اس وقت تک بیت اللہ کا طواف نہ کرنا اور نہ سعی کرنا کیونکہ سعی طواف کے بعد ہی صحیح ہوتی ہے۔

(بخاری ومسلم)

سرف ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے تقریباً چھ میل اور مقام تنعیم سے جانب شمال تین یا چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اس جگہ اُم المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی قبر ہے اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی اسی جگہ ہوا، شب زفاف بھی یہیں گزری اور انتقال بھی یہیں ہوا۔

اس حدیث کے پیش نظر ایک خلجان پیدا ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ لا نذکر الا لحج (ہم صرف حج کا ذکر کرتے تھے) خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی اس روایت کے بالکل متضاد ہیں جو گزشتہ باب میں (دو) گزر چکی ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بارے میں یہ بتایا تھا کہ ولم اھلل الا بعمرۃ (یعنی میں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا) لہٰذا اس ظاہر تضاد کو دفع کرنے کے لئے یہ تاویل کی جائے گی کہ یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ لا نذکر الا الحج کی مراد یہ ہے کہ اس سفر سے ہمارا اصل مقصد حج تھا اور چونکہ حج کی تین قسمیں ہیں یعنی افراد، تمتع اور قران، اس لئے ہم میں سے بعض تو مفرد تھے اور بعض متمتع اور بعض قارن۔ میں نے تمتع کا قصد کیا تھا، چنانچہ میں نے میقات سے عمرہ کا احرام باندھا مگر مکہ پہنچنے سے پہلے ہی میرے ایام شروع ہو گئے جس کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ عرفہ کا دن اور وقوف عرفات کا وقت آ گیا اور اس طرح عمرہ کا وقت گزر کر ایام حج شروع ہو گئے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں عمرہ کا احرام تو کھول دوں اور حج کا احرام باندھ لوں اور پھر طواف اور سعی کے علاوہ دیگر افعال حج کروں۔

حضرت سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے حج کا احرام باندھا اور ان میں سے کسی کے پاس قربانی نہ تھی سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ یمن سے آئے اور ان کے ہمراہ قربانی تھی پس انہوں نے کہا کہ میں نے بھی اسی چیز کا احرام باندھا ہے جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب کو یہ حکم دیا: اس احرام کو عمرہ کا احرام کر دیں اور طواف کر کے بال کترا دیں اور احرام سے باہر ہو جائیں سوائے اس شخص کے کہ جس کے ہمراہ قربانی ہو۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہم منیٰ کیوں کر جائیں؟ حالانکہ ہمارے عضو مخصوص سے منی ٹپک رہی ہوگی۔ یہ خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کاش! اگر میں پہلے سے اس بات کو جان لیتا جس کو میں نے اب جانا ہے تو میں اپنے ہمراہ قربانی نہ لاتا اور اگر میرے ساتھ قربانی ہوتی تو میں احرام سے باہر ہو جاتا۔ (بخاری)

دوا کے ذریعہ سے حیض روک کر طواف زیارت؟

عورت کو اگر یہ خطرہ ہے کہ طواف زیارت یا طواف عمرہ کے زمانہ میں حیض آ جائے گا اور ایام حیض گزر جانے تک انتظار کرنا بھی بہت مشکل ہے تو ایسی صورت میں پہلے سے مانع حیض دوا استعمال کر کے حیض روک لیتی ہے اور اسی حالت میں طواف زیارت یا طواف عمرہ کر لیتی ہے تو صحیح اور درست ہو جائے گا؛ اس پر کوئی جرمانہ بھی نہ ہوگا؛ بشرطیکہ اس مدت میں کسی قسم کا خون کا دھبہ وغیرہ نہ آیا ہو، مگر شدید ضرورت کے بغیر اس طرح کی دوا استعمال نہ کرے، اس لیے کہ اس سے عورت کی صحت پر نقصان دہ اثر پڑتا ہے۔ (انوار مناسک)

دورانِ حیض دوا کے ذریعہ حیض روک لیا؟

اگر دورانِ حیض دوا کے ذریعہ سے حیض رُک لیا ہے اور طواف زیارت سے فارغ ہونے کے بعد اگر عادت کے ایام میں دوبارہ حیض آ گیا ہے تو یہ سمجھا جائیگا کہ اس نے حالتِ حیض میں طواف کیا ہے؛ لہٰذا جرمانہ میں اُونٹ یا گائے کی قربانی لازم ہوجائے گی؛ البتہ اگر پاک ہونے کے بعد اعادہ کرلے گی تو جرمانہ ساقط ہوجائے گا اور مناسک ملاعلی قاری میں ہے کہ اس طرح کرنا ایک قسم کی معصیت بھی ہے، اس لیے اعادہ کے ساتھ توبہ کرنا بھی لازم ہوجائے گا اور اگر اعادہ نہیں کیا تو بدنہ کے کفارہ کے ساتھ ساتھ توبہ بھی لازم ہوگی اور اگر دوا کے ذریعہ سے حیض اس طرح رُک گیا کہ طواف کے بعد عادت کا زمانہ ختم ہونے تک حیض آیا ہی نہیں تو ایسی صورت میں طواف بلاکراہت صحیح ہوجائے گا اور کوئی جرمانہ بھی لازم نہ ہوگا۔ (انوارِ مناسک، ۳۸۷)

بَابُ الطِّيبِ عِنْدَ الْإِحْرَامِ

باب: احرام باندھنے کے وقت خوشبو لگانا

1745 - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، ح وحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِإِحْرَامِهِ، قَبْلَ أَنْ يُحْرِمَ، وَلِإِحْلَالِهِ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ بِالْبَيْتِ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام باندھنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگائی تھی۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیت اللہ کا طواف کرتے وقت احرام کھولنے سے پہلے (خوشبو لگائی تھی)

1746 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّازُ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّا، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِ الْمِسْكِ، فِي مَفْرِقِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ میں کستوری کی چمک کا منظر گویا آج بھی میری نگاہ میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حالت احرام میں تھے۔

احرام باندھتے وقت خوشبو لگانے کا بیان

اور اگر اس کے ہاں مہیا ہو تو خوشبو لگائے۔ اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ اس کے لئے خوشبو لگانا مکروہ ہے کیونکہ اس کی ذات احرام کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی علیہما الرحمہ کا قول بھی یہی ہے۔ کیونکہ وہ شخص احرام کے بعد بھی اس خوشبو سے فائدہ حاصل کرنے والا ہے۔ اس قول مشہور کی دلیل حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک کو خوشبو لگاتی تھی اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام باندھنے سے پہلے لگایا کرتی تھی۔ (بخاری ومسلم) اور جس سے روکا گیا ہے وہ احرام کے بعد خوشبو لگانا ہے۔ البتہ بقیہ اس کے تابع ہونے کی

طرح ہیں۔ کیونکہ بدن تو ملا ہوا ہوتا ہے بہ خلاف کپڑے کے کہ وہ ملا ہوا نہیں ہوتا۔ (ہدایہ، کتاب حج، لاہور)

احرام میں خوشبو لگانے سے متعلق مذاہب اربعہ کا بیان

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام کے لیے احرام باندھنے سے پہلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام سے نکلنے کے لیے طواف کعبہ سے پہلے خوشبو لگاتی تھی اور ایسی خوشبو لگتی تھی جس میں مشک ہوتا تھا گویا میں اب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم احرام باندھے ہوئے ہیں یعنی وہ چمک گویا میری آنکھوں تلے پھرتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب احرام کا ارادہ کرتے تو احرام باندھنے سے پہلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگاتی اور وہ خوشبو ایسی ہوتی جس میں مشک بھی ہوتا تھا۔ لہٰذا اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر خوشبو احرام سے پہلے لگائی جائے اور اس کا اثر احرام کے بعد بھی باقی رہے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ خوشبو کا احرام کے بعد استعمال کرنا ممنوعات احرام سے ہے نہ کہ احرام سے پہلے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے کہ احرام کے بعد خوشبو استعمال کرنا ممنوع ہے احرام سے پہلے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی کے ہاں احرام سے پہلے بھی ایسی خوشبو لگانا مکروہ ہے جس کا اثر احرام باندھنے کے بعد بھی باقی رہے۔ ولحلہ قبل ان یطوف بالبیت (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام سے نکلنے کے لئے الخ) کا مفہوم سمجھنے سے پہلے یہ تفصیل جان لینی چاہے کہ بقر عید کے روز (یعنی دسویں ذی الحجہ کو) حاجی مزدلفہ سے منیٰ میں آتے ہیں اور وہاں رمی جمرہ عقبہ (جمرہ عقبہ پر کنکر مارنے) کے بعد احرام سے نکل آتے ہیں یعنی وہ تمام باتیں جو حالت احرام میں منع تھیں اب جائز ہو جاتی ہیں البتہ رفث (جماع کرنا یا عورت کے سامنے جماع کا ذکر اور شہوت انگیز باتیں کرنا) جائز نہیں ہوتا یہاں تک کہ جب مکہ واپس آتے ہیں اور طواف افاضہ کر لیتے ہیں تو رفث بھی جائز ہو جاتا ہے۔ لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس جملہ کی مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب احرام سے نکل آتے یعنی مزدلفہ سے منیٰ آکر رمی جمرہ عقبہ سے فارغ ہو جاتے لیکن ابھی تک مکہ آکر طواف افاضہ نہ کر چکے ہوتے تو میں اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگاتی تھی۔

بَابُ التَّلْبِيدِ

باب: بالوں کو جمانا

1747 - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْمَهْرِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهِلُّ مُلَبِّدًا

⟐⟐ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بالوں کی تلبید کیے ہوئے تلبیہ پڑھتے

ہوئے سنا ہے۔

1748 - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰى، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبَّدَ رَاْسَهُ بِالْعَسَلِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عسل کے ذریعے اپنے بالوں کو چپکایا تھا۔

فقہاء کے نزدیک تلبیہ وتلبید کی شرعی حیثیت کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلبیہ اس طرح بآواز بلند کہتے سنا اور اس وقت آپ تلبید کیے ہوئے تھے۔ **لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک**۔ یعنی حاضر ہوں میں تیری خدمت میں اے اللہ! حاضر ہوں تیری خدمت میں، میں تیری خدمت میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، حاضر ہوں میں تیری خدمت میں بے شک تمام تعریف اور ساری نعمت تیرے ہی لئے ہے اور بادشاہت بھی تیری ہی ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات سے زیادہ نہیں کہتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

تلبید کرنا یہ کہ محرم (احرام باندھنے والا) اپنے سر کے بالوں میں گوند یا خطمی یا مہندی یا اور کوئی چیز لگا لیتا ہے تا کہ بال آپس میں یکجا رہیں اور چپک جائیں ان میں گردوغبار نہ بیٹھے اور جوؤں سے محفوظ رہیں۔ تلبیہ یعنی لبیک کہنے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک احرام کے صحیح ہونے کے لئے تلبیہ شرط ہے، حضرت امام مالک کہتے ہیں کہ تلبیہ واجب ہے لہٰذا تلبیہ ترک کرنے کی وجہ سے دم (جانور ذبح کرنا) لازم آتا ہے۔

حضرت امام شافعی کے ہاں تلبیہ سنت ہے اس کو ترک کرنے کی صورت میں دم لازم نہیں ہوتا۔ حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تلبیہ میں اکثر اتنے ہی الفاظ کہتے تھے کیونکہ اور روایتوں میں تلبیہ کے الفاظ کے علاوہ دوسرے الفاظ بھی منقول ہیں چنانچہ اس بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ تلبیہ کے جو الفاظ یہاں حدیث میں نقل کئے گئے ہیں، ان میں کمی کرنا تو مکروہ ہے زیادتی مکروہ نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

حدیث سے یہ مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ تلبیہ بآواز بلند ہونا چاہئے چنانچہ تمام علماء کے نزدیک بلند آواز سے لبیک کہنا مستحب ہے۔ (المغنی، ۳، ص ۲۴۵، بیروت)

تلبیہ کہنے کے وقت میں مذاہب اربعہ کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے پاؤں رکاب میں ڈالے اور اونٹنی آپ صلی

1748- اسنادہ ضعیف. محمد بن اسحاق لم یصرح بالسماع. ومع ذلک فقد جوّد اسنادہ الحافظ ابن کثیر فی "البدایۃ والنھایۃ!" عبد الاعلی: ھو ابن عبد الاعلی القرشی، ونافع: ھو مولی ابن عمر. واخرجہ الحاکم/4501، والبیھقی/365 من طریق عبید اللہ بن عمر، بھذا الاسناد ولم یذکر الحاکم العسل.

اللہ علیہ وسلم کو لے کر کھڑی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ کی مسجد کے قریب تلبیہ کیا (یعنی ب آواز بلند لبیک کہی)۔ (بخاری ومسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر رخت سفر باندھا اور ظہر کی نماز مدینہ میں پڑھ کر روانہ ہوئے۔ عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھی جو اہل مدینہ کے لئے میقات ہے رات وہیں گزاری اور پھر صبح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا۔

اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھ کر اور اونٹ کے کھڑے ہو جانے کے بعد لبیک کہی جب ایک دوسری روایت میں یہ منقول ہے کہ احرام کے لیے بہ نیت نفل دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد لبیک کہی نیز ایک روایت یہ بتاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیداء پہنچ کر جو ایک بلند جگہ کا نام ہے لبیک کہی اس طرح لبیک کہنے کے وقت کے سلسلہ میں تین طرح کی روایتیں منقول ہیں۔

حضرت امام شافعی نے تو پہلی روایت پر کہ جو یہاں نقل کی گئی ہے عمل کرتے ہوئے کہا کہ اونٹ پر (یا جو بھی سواری ہو اس پر) بیٹھ کر لبیک کہی جائے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد نے دوسری روایت کو اختیار کیا ہے۔ لہٰذا ان تینوں ائمہ کے ہاں مستحب یہ ہے کہ دو رکعت نماز نفل پڑھنے کے بعد احرام کی نیت کی جائے اور پھر وہیں مصلی پر بیٹھے ہی ہوئے لبیک کہے تو یہ جائز ہے لیکن نماز کے بعد ہی لبیک کہنا افضل ہے۔

اب ان تینوں روایتوں کے تضاد کو اس تطبیق کے ساتھ دور کیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ کر مصلی پر بیٹھے ہوئے لبیک کہی پھر جب اونٹنی پر بیٹھے تو اس وقت بھی لبیک کہی اور اس کے بعد جب مقام بیداء پر پہنچے تو وہاں بھی لبیک کہی چنانچہ علماء نے اسی لیے لکھا ہے کہ حالت وقت اور جگہ کے تغیرات کے وقت لبیک کا تکرار مستحب ہے۔

بہرکیف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح تین مرتبہ لبیک کہی اور جس راوی نے جہاں لبیک کہتے سنا وہ یہ سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں سے لبیک کہنی شروع کی ہے اس لئے ہر ایک راوی نے اپنے سننے کے مطابق ذکر کر دیا۔ اس تطبیق وتوجیہ کی بنیاد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ روایت ہے جسے شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں شرح کتاب خرقی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

احرام کے سبب لزوم تلبیہ میں فقہی مذاہب اربعہ کا بیان

فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ (پس جس نے لازم کر لیا ان میں حج) یعنی جس نے اپنے ذمہ ان مہینوں میں حج کو واجب کر لیا یعنی حج کا احرام باندھا اس میں اختلاف ہے کہ احرام کیا ہے۔ امام مالک اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ واحمد تو یہ فرماتے ہیں کہ احرام نام قلب سے نیت کرنے کا ہے جیسا کہ روزہ کی نیت ہوتی ہے اور تلبیہ اس میں شرط نہیں لیکن امام مالک فرماتے ہیں کہ احرام کے وقت تلبیہ واجب ہے اگر چھوڑ دیا تو ایک قربانی واجب ہے اور امام احمد وشافعی سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے لیکن مشہور مذہب ان دونوں کا یہ ہے کہ تلبیہ سنت ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احرام نیت کے ساتھ تلبیہ ہونے کو کہتے ہیں جیسے نماز میں

تکبیر ہے اور ایک روایت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ نماز پر اس کو قیاس کرنا باعتبار روزہ کے زیادہ مناسب ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ حج کا فرض اہلال ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تلبیہ فرض ہے اور ابن ابی شیبہ نے ابن مسعود کا قول بھی مثل ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کے روایت کیا ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ اہل مدینہ ذی الحلیفہ سے اہلال کریں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس ہدی ہو اس کو چاہئے کہ حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھے۔ تو دیکھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلال کا حکم فرمایا اور اہلال کے معنی تلبیہ کو پکار کر کہنا ہے اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے تو جو تلبیہ کے وجوب کے قائل نہیں یہ احادیث ان پر حجت ہیں اور احرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلال سے تعبیر فرمایا اور پہلے معلوم ہو چکا کہ اہلال پکار کر تلبیہ کہنا ہے تو معلوم ہو گیا کہ احرام کی حقیقت تلبیہ ہے۔

لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس نے اونٹ کے قلادہ ڈالا اور اس کو لے کر حج کے ارادہ سے چلا تو وہ محرم ہو گیا اگرچہ اس نے تلبیہ نہ کہا ہو تو اس صورت میں امام صاحب نے فعل کو قول کا نائب قرار دیا کیونکہ ذکر جس طرح قول سے حاصل ہوتا ہے اسی طرح فعل سے بھی اس کا وجود ہوتا ہے دیکھو جو شخص اذان سن کر نماز کے لیے فوراً چلا تو یہ چلنا ہی جواب اذان کی جگہ ہو جائے گا کیونکہ پکارنے والے کی اجابت فعل سے کرنا زیادہ بہتر ہے اور تلبیہ کے معنی ہی خود حاضری اور طاعت کے لیے مستعد ہونے کے ہیں واللہ اعلم۔ صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ جناب رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ جس نے اونٹ کے قلادہ ڈالا وہ محرم ہو گیا لیکن یہ حدیث مجہول ہے ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں اس حدیث کو ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف کیا ہے۔ (تفسیر مظہری، سورہ بقرہ، لاہور)

بَابٌ فِي الْهَدْيِ

باب: قربانی کا جانور

ہدی کے معنی ومفہوم کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: من الهدی، الهدی اور الهدی دونوں لغتیں ہیں جو بیت اللہ کی طرف بھیجا جاتا ہے خواہ اونٹ ہو یا جانور، عرب کہتے ہیں: کم هدی بنی فلاں، بنوفلاں کے کتنے اونٹ ہیں۔ ابوبکر نے کہا: اس کو ہدی اس لئے کہا گیا ہے کہ کیونکہ ان میں بعض بیت اللہ کی طرف بھیجی جاتی ہیں۔ پس جو حکم بعض کو لاحق ہوتا ہے اس کے ساتھ تمام کا نام رکھ دیا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فان اتین بفاحشة فعليهن نصف ما على المحصنت من العذاب (النساء:25) اس سے مراد یہ ہے کہ لونڈی زنا کریں تو ان میں سے لونڈی پر جب وہ زنا کرے تو آزاد کنواری عورت کی سزا کا نصف ہے جب آزاد کنواری عورت زنا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے المحصنات کا لفظ ذکر فرمایا۔ مراد کنوری عورتیں ہیں کیونکہ احصان ان میں سے اکثر میں ہوتا ہے۔ پس انہیں اپنے امر کے ساتھ ذکر کیا گیا جو ان میں سے بعض میں پایا جاتا ہے آزاد عورتوں میں سے محصنہ اسے کہا جاتا ہے جو خاوند والی ہو اس پر رجم واجب ہوتا

ہے جب وہ بدکاری کرے اور رجم نصف نہیں ہوتا کہ وہ لونڈی پر نصف ہو۔ پس اس سے ظاہر ہوا کہ المحصنات سے مراد یہاں کنواری عورتیں ہیں نہ کہ خاوند والیاں۔ فراء نے کہا: اہل حجاز اور اسد ہدی کو تخفیف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ فرمایا: تمیم اور سفلی قیس شد کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

حلف برب مکة و المصلی و اعناق الهدی مقلدات

میں نے مکہ، مصلی اور ہار پہنائی ہدیوں کے گردنوں کے مالک کی قسم اٹھائی۔

فرمایا: الھدی کا واحد ھدیہ اور الھدی کی جمع میں احداء بھی کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: و لا تحلقوا رءوسکم حتی یبلغ الهدی محله۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: و لا تحلقوا رءوسکم حتی یبلغ الهدی محله یہ خطاب تمام امت کو ہے خواہ محصر ہو یا محصر نہ ہو۔ علماء میں بعض یہ محصرین کے لئے خاص کرتے ہیں یعنی احرام نہ کھولیں حتیٰ کہ ہدی کو نحر کر دیا جائے۔ محل وہ جگہ ہے جس میں ذبح حلال ہوتی ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک دشمن کی وجہ سے روکے گئے شخص کے لئے محل احصاع کی جگہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا اس میں ہے کہ حدیبیہ کے زمانہ میں آپ جہاں محصور ہوئے وہاں ہی احرام کھول دیا اور ہدی کو نحر کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: و الهدی معکوفا ان یبلغ محله (الفتح:25) بعض علماء نے معکوفا کا معنی محبوسا فرمایا جب بیت اللہ تک پہنچنے سے روکی گئی ہو۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک احصار میں ہدی کا محل حرم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثم محلها الی البیت العتیق۔ (الحج) اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس کا مخاطب وہ امن والا شخص ہے جو بیت اللہ تک پہنچ پاتا ہے۔ رہا (روکا گیا) وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے خارج ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے حدیبیہ میں اپنی ہدی نحر کی تھیں اور حدیبیہ سے نہیں ہے۔

اور دوسری دلیل احناف کی حضرت ناجیہ بن جندب کی حدیث ہے، اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: حضور! آپ میرے ساتھ ہدی بھیجیں میں اسے حرم میں نحر کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: تو اسے کیسے لے جائے گا؟ اس نے کہا: میں اسے وادیوں سے لے جاؤں گا مشرک اس پر قادر نہیں ہوں گے میں اسے لے جاؤں گا حتیٰ کہ میں اسے حرم میں نحر کروں گا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے جہاں احرام کھولے وہاں ہی نحر کردے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حدیبیہ کے مقام پر فعل کی اقتدا کرتے ہوئے۔ یہ صحیح ہے اس کو ائمہ نے روایت کیا ہے، نیز ہدی، مہدی (بھیجنے والے) کے تابع ہے۔ جب بھیجنے والا اپنے احصار کی جگہ احرام کھول دے گا تو ہدی بھی اس کے ساتھ نحر کردی جائے گی۔ (تفسیر قرطبی، سورہ بقرہ، بیروت)

قربانی کے وجوب وسنت ہونے میں مذاہب اربعہ کا بیان

قربانی دین اسلام کا ایک شعار اور علامت ہے، جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل میں مذکور ہے کہ: جب کسی علاقے کے باشندے قربانی کرنا چھوڑ دیں تو اس بنا پر ان سے لڑائی جائے گی کیونکہ یہ دین اسلام کا ایک شعار اور علامت ہے۔

علماء کرام اس کے حکم کے بارہ میں دوقسموں میں تقسیم ہوتے ہیں: علماء کرام کا ایک گروہ تو اسے واجب قرار دیتا ہے ان میں

امام اوزاعی، اللیث، امام ابوحنیفہ، اور امام احمد کی ایک روایت شامل ہیں، اور ابن تیمیہ نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک کا بھی ایک قول یا ظاہر مذہب یہی ہے۔

اس قول کے قائلین کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: (پس تو اپنے رب کے لیے نماز ادا کر اور قربانی کر) سورۃ الکوثر اور یہ فعل امر ہے اور امر وجوب کا متقاضی ہے۔

2۔ صحیحین وغیرہ میں جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جس نے بھی نماز عید کی ادائیگی سے قبل قربانی کرلی اسے چاہیے کہ وہ اس کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرے اور جس نے ذبح نہیں کی وہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرے (صحیح مسلم حدیث نمبر (3621)

3۔ ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جو استطاعت رکھنے کے باوجود قربانی نہیں کرتا وہ ہماری عیدگاہ کے نزدیک نہ آئے) مسند احمد، سنن ابن ماجہ، امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے صحیح کہا ہے اور فتح الباری میں ہے کہ اس کے رجال ثقات ہیں۔

علماء کرام کا دوسرا گروہ کہتا ہے کہ قربانی سنت مؤکدہ ہے، امام شافعی کا مسلک یہی ہے، اور امام مالک، اور امام احمد سے مشہور ہے، لیکن اس قول کے بہت سے قائلین کا کہنا ہے کہ طاقت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرنے والے کیلیے ایسا کرنا مکروہ ہے۔

اس قول کے قائلین کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ سنن ابوداؤد کی مندرجہ ذیل حدیث: جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عیدالاضحیٰ کی نماز ادا کی اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو دو مینڈھے لائے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ذبح کرتے ہوئے کہا: بسم اللہ واللہ اکبر، اے اللہ یہ میری جانب سے اور میری امت میں سے قربانی نہ کرنیوالے کی جانب سے ہے۔ (سنن ابوداؤد بشرح محمد شمس الحق عظیم آبادی (7/486)

2۔ امام بخاری کے علاوہ محدثین کی ایک جماعت کی روایت کردہ حدیث: (تم میں سے جو بھی قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کٹوائے)۔

قربانی کا گوشت خود کھانے میں فقہی مذاہب کا بیان

قربانی کرنے والے کے لیے سب سے پہلے خود کھانا مستحب ہے جب اس کے لیے ایسا کرنا ممکن ہو تو وہ پہلے خود کھائے کیونکہ حدیث میں ہے: (ہر شخص اپنی قربانی میں سے کھائے) یہ حدیث صحیح ہے، (صحیح الجامع حدیث نمبر (5349)

اور اہل علم کا قول ہے کہ نماز عید اور خطبہ کے بعد کھانا چاہیے، ان میں علی، ابن عباس رضی اللہ عنہم، امام مالک، امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ شامل ہیں، اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے: بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر میں کھانے کے بغیر نہیں نکلتے تھے اور اور عیدالاضحیٰ کے دن قربانی کرنے سے قبل نہیں کھاتے تھے۔ (مشکوۃ المصابیح (1/452)

قربانی ذبح کرنے میں افضل تو یہ ہے کہ قربانی کرنے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے، لیکن اگر وہ نہیں کرسکتا وہ اس کے لیے کسی دوسرے سے ذبح کرنا بھی مستحب ہے۔

ابن مسعود اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کرنا مستحب ہے، ایک تہائی کھانے کے لیے، اور ایک تہائی تحفہ اور ھدیہ دینے کے لیے، اور ایک تہائی صدقہ کرنے کے لیے۔

اور جیسا کہ علماء کرام اس پر متفق ہیں نہ تو قربانی کا گوشت بیچنا جائز ہے اور نہ ہی اس کی چربی، اور کھال وغیرہ، اور صحیح حدیث میں ہے کہ جس نے اپنی قربانی کی کھال بیچ ڈالی اس کی قربانی ہی نہیں۔ اسے صحیح الجامع میں حسن قرار دیا گیا ہے۔

(صحیح الجامع حدیث نمبر (6118)

اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ قصائی کو بھی اس میں سے بطور اجرت کچھ نہیں دیا جائے گا، کیونکہ علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں قربانی کے جانوروں کی نگرانی کروں اور ان کے گوشت، کھالوں اور جھول کو صدقہ کردوں اور ذبح کرنے والے قصائی کو اس میں سے کچھ بھی نہ دوں، اور وہ کہتے ہیں ہم اسے اپنی جانب سے دیتے تھے۔ (متفق علیہ)

قربانی کے اونٹوں کا بیان

1749 - حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ، ح وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمِنْهَالِ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ الْمَعْنَى، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ يَعْنِي ابْنَ أَبِي نَجِيحٍ: حَدَّثَنِي مُجَاهِدٌ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْدَى عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ فِي هَدَايَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَلًا كَانَ لِأَبِي جَهْلٍ، فِي رَأْسِهِ بُرَةُ فِضَّةٍ. قَالَ ابْنُ مِنْهَالٍ. بُرَةٌ مِنْ ذَهَبٍ. زَادَ النُّفَيْلِيُّ يَغِيظُ بِذَلِكَ الْمُشْرِكِينَ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: حدیبیہ کے سال نبی اکرم ﷺ نے قربانی کے جو جانور بھجوائے تھے ان میں ابوجہل کا ایک اونٹ بھی تھا' جس کے سر پر چاندی کا چھلا موجود تھا۔

ابن منہال نامی راوی نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: "سونے کا چھلا" نفیلی نامی راوی نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: (نبی اکرم ﷺ نے ایسا اس لئے کیا تھا) تا کہ اس کی وجہ سے مشرکین جل بھن جائیں۔

افضل قربانی کے بارے میں مذاہب اربعہ کا بیان

جن جانوروں کی قربانی کا ذکر نص میں ملتا ہے ان میں اونٹ، گائے، بھیڑ بکری شامل ہیں، اور علماء کرام کا کہنا ہے کہ سب سے افضل قربانی اونٹ کی ہے، اس کے بعد گائے، اور اس کے بعد بکری کی، اور اس کے بعد اونٹ یا گائے کی قربانی میں حصہ ڈالنا، اس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جمعہ کے بارہ میں مندرجہ ذیل فرمان ہے: (جو کوئی اول وقت میں جائے گویا کہ اس نے اونٹ کی قربانی کی۔

حضرت امام ابوحنیفہ، امام شافعی، اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی یہی کہا ہے، تو اس طرح بکرا دنبہ، مینڈھے کی قربانی اونٹ

یا گائے میں حصہ ڈالنے سے افضل ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: مینڈھے کی قربانی افضل ہے اور اس کے بعد گائے اور اس کے بعد اونٹ کی قربانی افضل ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے ذبح کیے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل کام ہی کرتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی خیر خواہی کرتے ہوئے اولیٰ اختیار کرتے تھے اور امت کو مشقت میں ڈالنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ گائے اور اونٹ کے سات حصے ہوتے ہیں لہٰذا مندرجہ ذیل حدیث کی بنا پر اس میں سات اشخاص شریک ہوسکتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ہم نے حدیبیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات آدمیوں کی جانب سے اونٹ اور سات ہی کی جانب سے گائے ذبح کی تھی۔

اور ایک روایت کے الفاظ ہیں: ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم اونٹ اور گائے میں سات سات افراد شریک ہوجائیں۔ اور ایک روایت کے الفاظ ہیں: تو گائے سات اشخاص کی جانب سے ذبح کی جاتی تھی اور ہم اس میں شریک ہوتے۔ (صحیح مسلم، کتاب الاضحیہ)

گائے اونٹ کی قربانی کی فضیلت میں مذاہب اربعہ کا بیان

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قربانی میں سب سے افضل اونٹ اور پھر گائے اور پھر بکرا اور پھر اونٹ یا گائے میں حصہ ڈالنا ہے، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول یہی ہے، کیونکہ جمعہ کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "جو شخص نماز جمعہ کے لیے پہلے وقت گیا گویا کہ اس نے اونٹ کی قربانی کی، اور جو شخص دوسرے وقت میں گیا گویا کہ اس نے گائے کی قربانی کی، اور جو شخص تیسرے وقت گیا گویا کہ اس نے سینگوں والا مینڈھا قربان کیا، اور جو شخص چوتھے وقت گیا گویا کہ اس نے مرغی قربان کی، اور جو شخص پانچویں وقت گیا گویا کہ اس نے انڈے کی قربانی کی۔ صحیح بخاری حدیث نمبر (881) صحیح مسلم حدیث نمبر (850) وقت سے مراد گھڑی ہے۔

اور اس لیے بھی کہ جانور ذبح کرنے میں اللہ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے اس لیے ھدی کی طرح سب افضل اونٹ کی قربانی ہوگی۔

اور اونٹ یا گائے میں حصہ ڈالنے سے بکرے کی قربانی کرنا اس لیے افضل ہے کہ قربانی کرنے کا مقصد خون بہانا ہے، اور ایک بکرے کا ایک شخص کی جانب سے خون بہانا سات افراد کی جانب سے ایک خون بہانے سے افضل ہے، اور پھر مینڈھا قربانی کرنا بکرے سے افضل ہے، کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی مینڈھا ذبح کیا ہے اور اس کا گوشت بھی اچھا ہوتا ہے۔

(المغنی ابن قدامہ (13/366)

مینڈھے یا گائے کی قربانی کی فضیلت میں مذاہب اربعہ؟

قربانی میں افضل اونٹ ہے، اور پھر گائے، اور پھر بکرا اور پھر اونٹ یا گائے میں حصہ ڈالنا افضل ہے؛ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمعہ کے متعلق فرمان ہے: "جو شخص پہلی گھڑی میں گیا گویا کہ اس نے اونٹ قربان کیا

وجہ دلالت یہ ہے کہ: اونٹ گائے، اور بکری اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے قربان کرنے میں تفاضل یعنی فرق پایا جاتا ہے، اور بلاشک وشبہ قربانی سب سے بہتر چیز ہے جس سے اللہ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے، اور اس لیے بھی کہ اونٹ کی قیمت بھی زیادہ ہے اور گوشت اور نفع بھی زیادہ ہے آئمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، اور امام احمد رحمہم اللہ کا قول یہی ہے۔

اور امام مالک رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ: بھیڑ میں سے جذعہ افضل ہے اور پھر گائے، پھر اونٹ افضل ہے، کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دومینڈھے ذبح کیے تھے، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہی کام کرتے ہیں جو سب سے افضل اور بہتر ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ: بعض اوقات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر نرمی اور شفقت کرتے ہوئے غیر اولی اور افضل چیز اختیار کرتے ہیں؛ کیونکہ امت نے ان کی پیروی واطاعت کرنا ہوتی ہے، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر مشقت کرنا پسند نہیں فرماتے، اور اونٹ کی گائے پر فضیلت بیان بھی فرمائی جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

بَابٌ فِيْ هَدْيِ الْبَقَرِ

باب: گائے کی قربانی کرنا

1750 - حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحَرَ عَنْ آلِ مُحَمَّدٍ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بَقَرَةً وَاحِدَةً

⊛⊛ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کی طرف سے گائے ذبح کی تھی۔

1751 - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ مِهْرَانَ الرَّازِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنْ يَحْيٰى، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَبَحَ عَمَّنِ اعْتَمَرَ مِنْ نِسَائِهِ بَقَرَةً بَيْنَهُنَّ

⊛⊛ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ان ازواج کی طرف سے گائے ذبح کی تھی جن ازواج نے عمرہ کیا تھا۔

بدنہ کا اطلاق اونٹ یا پر ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ کا بیان

علماء کا اختلاف ہے کہ والبدن کا اطلاق اونٹ کے علاوہ گائے پر ہوتا ہے یا نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ عطا اور شافعی نے کہا: گائے پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے کہا: اس کا اطلاق گائے پر ہوتا ہے۔ اختلاف کا فائدہ اس وقت مرتب ہوتا ہے جب کوئی شخص بدنہ کی نذر مانے اور پھر وہ اونٹ نہ پائے اور اونٹ پر قادر نہ ہو اور گائے پر قادر ہو تو کیا گائے اس نذر میں جائز ہوگی یا نہیں؟ امام شافعی اور عطا کے مذہب پر جائز نہ ہوگی اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے مذہب پر جائز ہوگی۔ صحیح

مذہب امام شافعی اور عطا کا ہے کیونکہ صحیح حدیث ''جمعہ کے دن کے بارے میں جو پہلی گھڑی میں مسجد کی طرف گیا گویا اس نے بدنہ (اونٹ) کی قربانی کی جو دوسری گھڑی میں پہنچا اس نے گویا گائے کی قربانی کی'' (2) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گائے اور اونٹ میں تفریق فرمائی۔ یہ دلیل ہے کہ گائے کو بدنہ نہیں کہا جاتا اور اسی طرح فاذا وجبت جنوبها بھی اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ وصف اونٹ کے ساتھ خاص ہے۔ گائے، بکری کی طرح پہلو کے بل لٹائی جاتی ہے اور ذبح کی جاتی ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ ہماری دلیل کہ بدنہ، بدانۃ سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے موٹاپا۔ تو موٹاپا دونوں میں پایا جاتا ہے، نیز گائے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خون بہانے کے اعتبار سے اونٹ کی طرح ہی ہے قربانی گائے کی ہو تو اس میں سات حصص جائز ہیں جیسے اونٹ میں سات حصص جائز ہیں۔ یہ امام ابو حنیفہ کی حجت ہے۔ امام شافعی نے اس پر ان کی موافقت کی ہے یہ ہمارے مذہب میں نہیں ہے۔ ابن شجرہ نے حکایت کیا ہے۔ بکری کو بھی بدنہ کہا جاتا ہے۔ یہ شاذ قول ہے۔ البدن سے مراد اونٹ ہیں جو کعبہ کی طرف بھیجے جاتے ہیں اور الھدی کا لفظ عام ہے اس کا اطلاق اونٹ، گائے اور بکری پر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: من شعائر الله یہ نص ہے کہ یہ شعائر کا بعض ہیں۔ لکم فیها خیر اس سے مراد وہ منافع ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ درست عموم ہے یعنی دنیا و آخرت کی خیر۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فاذکروا اسم الله علیها صوآف. یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لے کر نحر کرو۔ صوآف جن کے پاؤں باندھے گئے ہوں اونٹ کھڑا ہوا نحر کیا جاتا ہے جبکہ اس کا ایک پاؤں باندھا گیا ہوتا ہے۔ اس وصف کی اصل گھوڑے میں ہے۔ کہا جاتا ہے: صفن الفرس فهو صافن جب گھوڑا تین پاؤں پر کھڑا ہو چوتھے پاؤں کا سم صرف لگائے ہوئے ہو۔ ل اونٹ کو جب وہ نحر کرنے کا ارادہ کرتے تو اس کا ایک پاؤں باندھ دیتے اور تین پاؤں پر کھڑا ہوتا۔ حسن، اعرج، مجاہد، زید بن اسلم اور حضرت ابو موسیٰ اشعری نے صوافی پڑھا ہے۔ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے وہ اس کے ساتھ ان کو نحر کرتے وقت کسی کو شریک نہیں کرتے۔ حسن سے صواف فاء کے کسرہ اور تنوین کے ساتھ مخففہ مروی ہے (1)۔ یہ پہلے لفظ کے معنی میں ہے لیکن بغیر قیاس کے تخفیفاً یاء حذف کی گئی ہے اور صواف جمہور کی قرات ہے۔ فاء کے فتحہ اور شد کے ساتھ یہ صف یصف سے مشتق ہے اس کا واحد صافۃ ہے اور صوافی کا واحد صافیۃ ہے۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم اور ابو جعفر، محمد بن علی نے صوافن نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ صافنۃ کی جمع ہے اس کا واحد صافن نہیں ہے کیونکہ فاعل کی جمع فواعل کے وزن پر نہیں، آتی سوائے مخصوص الفاظ کے جن پر قیاس نہیں کیا جاتا۔ وہ یہ الفاظ ہیں: فارس جمع فوارس، هالك جمع هوالك، خالف جمع خوالف. الصافنة وہ اونٹ جس کا ایک پاؤں باندھ کر اوپر کیا گیا ہوتا ہے تا کہ حرکت نہ کرے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الصفنت الجیاد. (ص)

عمرو بن کلثوم نے کہا: ترکنا الخیل عاکفة علیه مقلدة اعنتها صفونا

اور مروی ہے: تظل جیاده نوحا علیه مقلدة اعنتها صفونا

اور ایک شاعر نے کہا: الف الصفون فما یزال کانه مما یقوم علی الثلاث کسیرا

ابوعمر وجرمی نے کہا: الصافن اگلے پاؤں میں ایک رگ ہے جب گھوڑے کو مارا جاتا ہے تو وہ پاؤں اٹھالیتا ہے۔
اعشٰی نے کہا: وکل کمیت کجذع السحوق یرمن الفناء اذا ما صفن
ابن وہب نے کہا: ابن ابی ذئب نے مجھے بتایا کہ ابن شہاب سے انہوں نے الصواف کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: تو اس کو باندھے پھر اس کا وصف بیان کرے۔ حضرت مالک بن انس نے مجھے اسی کی مثل بتایا۔ علماء اس کے استحباب کے قائل ہیں مگر امام ابوحنیفہ اور ثوری ان کو کھڑا کر کے اور بٹھا کر نحر کرنا بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ عطا نے شاذ قول کہا ہے، اس نے مخالفت کی ہے اور بٹھا کر نحر کرنے کو مستحب کہا ہے۔ صحیح قول جمہور کا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فاذا وجبت جنبوبھا اس کا معنی ہے نحر ہونے کے بعد جب وہ گر جائیں۔ اسی سے ہے: وجبت الشمس سورج غروب ہوا۔ صحیح مسلم میں زیادہ بن جبیر سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک شخص کے پاس آئے وہ اپنے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: اس کو کھڑا کرو ایک پاؤں باندھو یہ تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ ابوداؤد نے ابوزبیر سے انہوں نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے اور مجھے عبدالرحمن بن سابط نے خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اونٹوں کو اس طرح نحر کرتے تھے کہ ان کا بایاں پاؤں باندھا ہوتا تھا اور تین پاؤں پر کھڑے ہوتے تھے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ حج، بیروت)

بَابٌ فِي الْإِشْعَارِ

باب: (قربانی کے جانور پر) نشان لگانا

1752 - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ، وَحَفْصُ بْنُ عُمَرَ الْمَعْنَى، قَالَا: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا حَسَّانَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ ثُمَّ دَعَا بِبَدَنَةٍ فَأَشْعَرَهَا مِنْ صَفْحَةِ سَنَامِهَا الْأَيْمَنِ، ثُمَّ سَلَتَ عَنْهَا الدَّمَ وَقَلَّدَهَا بِنَعْلَيْنِ، ثُمَّ أُتِيَ بِرَاحِلَتِهِ فَلَمَّا قَعَدَ عَلَيْهَا وَاسْتَوَتْ بِهِ عَلَى الْبَيْدَاءِ أَهَلَّ بِالْحَجِّ.

⊛⊛ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں ظہر کی نماز ادا کی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے اونٹ کو منگوایا اور اس کی کوہان کے دائیں طرف نشان لگا کر اس کا خون وہیں لگا دیا اور اس کے گلے میں جوتوں کا ہار ڈال دیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری لائی گئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بیٹھ گئے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر میدان میں کھڑی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا تلبیہ پڑھنا شروع کیا۔

فقہاء احناف کے نزدیک اشعار کرنے کا بیان

علامہ سرخسی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اشعار کرنا مکروہ ہے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک اشعار کرنا اچھا عمل ہے۔ لیکن جب وہ اشعار کو چھوڑ دیتا ہے تو اس پر کوئی حرج نہیں۔
اشعار کی تعریف یہ ہے کہ نشتر یا تیز دھار دار چیز سے اونٹ کے کوہان کو دونوں اطراف میں سے کسی ایک جانب سے کھال کو

اتنا کاٹا جائے کہ اس کا خون نکل آئے اور پھر اس خون کو اس کی کوہان کے ساتھ مل دیا جائے۔ اسے اشعار کہتے ہیں۔ اسی ہدی کی نشانی قائم ہوتی ہے۔ کیونکہ اشعار کا معنی اعلام ہے۔

ابن ابی یعلی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ کوہان کی بائیں جانب سے کاٹا جائے گا کیونکہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی ہاتھوں سے اونٹوں کا اشعار کیا اور ان کو کوہان کی بائیں طرف سے کاٹ دیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح کا اشعار روایت کیا گیا ہے۔

حضرت امام ابوجعفر طحاوی حنفی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ امام اعظم کے نزدیک اشعار مکروہ نہیں ہے کیونکہ جب کثیر احادیث سے اشعار ثابت ہے۔ حضرت امام اعظم نے صرف اپنے دور کے لوگوں کو اس وجہ سے منع کیا تھا کہ لوگ گہرا چھرا گھونپ دیتے تھے جس کی وجہ سے اونٹ کی ہلاکت کا خطرہ ہوتا تھا۔ کیونکہ انہیں اشعار کا صحیح طریقہ ہی نہیں آتا تھا۔ البتہ جو لوگ اشعار کرنا جانتے ہیں ان کے لئے اونٹ کی کھال وغیرہ کاٹنا مکروہ نہیں ہے۔ (مبسوط ج ۴، ص ۱۴۰، بیروت)

1753 - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيٰى، عَنْ شُعْبَةَ، بِهٰذَا الْحَدِيْثِ بِمَعْنٰى اَبِي الْوَلِيدِ، قَالَ: ثُمَّ سَلَتَ الدَّمَ بِيَدِهِ،

قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ: رَوَاهُ هَمَّامٌ، قَالَ: سَلَتَ الدَّمَ عَنْهَا بِاُصْبُعِهِ،

قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ: هٰذَا مِنْ سُنَنِ اَهْلِ الْبَصْرَةِ الَّذِي تَفَرَّدُوا بِهِ

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے تاہم اس میں یہ الفاظ ہیں:

''آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک کے ذریعے اس کے خون کو (اس کی کوہان پر) لگایا''۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہی روایت ہمام نے نقل کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:

''آپ ﷺ نے اپنی انگلی کے ذریعے اس کے خون کو لگایا''۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ اہل بصرہ کی ان روایات میں سے ایک ہے جسے نقل کرنے میں وہ منفرد ہیں۔

1754 - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰى بْنُ حَمَّادٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ، وَمَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ، اَنَّهُمَا قَالَا: خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ فَلَمَّا كَانَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ قَلَّدَ الْهَدْيَ وَاَشْعَرَهُ وَاَحْرَمَ

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ اور مروان بیان کرتے ہیں: حدیبیہ کے سال نبی اکرم ﷺ روانہ ہوئے۔ جب آپ ﷺ ذوالحلیفہ پہنچے تو آپ ﷺ نے اپنی قربانی کے جانور کو ہار پہنایا اس کا اشعار کیا اور احرام باندھا پھر تلبیہ پڑھنا شروع کیا۔

1755 - حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، وَالْاَعْمَشِ، عَنْ اِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْاَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَهْدٰى غَنَمًا مُقَلَّدَةً

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے لئے بکریاں بھیجیں جن کے گلے میں ہار تھے۔

تقلید کی تعریف واحکام کا بیان

اور تقلید کی تعریف یہ ہے کہ اپنے بدنہ کی گردن پر اپنے نعل کا ٹکڑا یا لوٹے کا دستہ یا درخت کی ٹہنی باندھ دے۔ اگر اس نے بدنہ کو قلادہ پہنایا اور اس کو بھیج دیا لیکن خود نہ گیا تو وہ محرم نہ ہوگا۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدی کے قلادہ کو گرہ باندھتی تھی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہدی کو بھیج دیا اور خود بغیر احرام کے اپنے اہل میں ٹھہرے۔ اس کے بعد اگر وہ خود بھی متوجہ ہوا تو محرم نہ ہوگا حتیٰ کہ ہدی کے جانور کو جا ملے۔ اس لئے کہ جب وہ روانہ ہوا تو اس وقت اس کے سامنے ہدی نہ تھی جس کو وہ لے جائے لہٰذا یہاں اس کے پاس سوائے نیت کے کچھ بھی نہیں ہے۔ اور خالی نیت سے تو محرم نہیں ہوتا۔ پھر جب اس نے ہدی پائی اور اس کو وہ لے گیا یا صرف ہدی پائی تو اس صورت میں اس کی نیت ایسے عمل کے ساتھ ملنے والی ہے جو احرام کے خصائص میں سے ہے۔ پس وہ محرم ہوگیا۔ جس طرح اگر کسی نے شروع میں ہدی کو چلایا۔

جب اس نے بدنہ متعہ کہا تو اس کی طرف متوجہ ہوتے ہی محرم ہو جائے گا۔ یعنی جب اس نے احرام کی نیت کی ہو۔ اور یہ استحسان ہے اور اس میں قیاس کی وہی دلیل ہے جو ہم نے ذکر کردی ہے اور استحسان کی دلیل یہ ہے کہ اس طرح کی ہدی کو شریعت نے مناسک حج میں ایک قربانی بنا کر وضع کیا ہے۔ اس لئے کہ یہ ہدی مکہ کے ساتھ خاص ہے۔ اور قربانیاں حج وعمرہ جمع کرنے میں بطور شکر واجب ہیں۔ اور ہدی تمتع کے سوا بھی جنایت کے طور پر بھی واجب ہوتی ہے۔ اگرچہ اس میں تکرار نہیں۔ اسی لئے تمتع کی ہدی میں توجہ پر اکتفاء کیا ہے اور تمتع کے سوا میں ہدی فعل کی حقیقت پر موقوف ہے۔ (ہدایہ، کتاب حج، لاہور)

اشعار وتقلید کے مستحسن ہونے میں ائمہ وفقہاء کا اجماع

اس فقہی مسئلہ کی طرف آیئے، جمہور ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ اشعار یعنی جانور کو اس طرح زخمی کرنا سنت ہے لیکن جشم یعنی بکری، دنبہ اور بھیڑ میں اشعار کو ترک کر دینا چاہئے کیونکہ یہ جانور بہت کمزور ہوتے ہیں ان جانوروں کے لئے صرف تقلید یعنی گلے میں ہار ڈال دینا کافی ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک تقلید تو مستحب ہے لیکن اشعار مطلقاً مکروہ ہے خواہ بکری وچھترہ ہو یا اونٹ وغیرہ علماء حضرت امام اعظم کی اس بات کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ حضرت امام اعظم مطلق طور پر اشعار کی کراہت کے قائل نہیں تھے بلکہ انہوں نے صرف اپنے زمانے کے لئے اشعار کو مکروہ قرار دیا تھا کیونکہ اس وقت لوگ اس مقصد کے لئے ہدی کو بہت زیادہ زخمی کر دیتے تھے جس سے زخم کے سرایت کر جانے کا خوف ہوتا تھا۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز ذوالحلیفہ کی مسجد میں پڑھی جب کہ باب صلوٰۃ السفر کی پہلی حدیث میں جو بخاری ومسلم نے روایت کی ہے یہ بات واضح طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز تو مدینہ ہی میں پڑھ لی تھی اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھی۔ لہٰذا ان دونوں روایتوں کے تضاد کو یوں دور کیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز تو مدینہ ہی میں پڑھی تھی مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے چونکہ مدینہ میں ظہر کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہیں پڑھی ہوگی اس لئے جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ذوالحلیفہ میں نماز پڑھتے دیکھا تو یہ گمان کیا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ظہر کی نماز پڑھ رہے ہیں اسی لئے انہوں نے یہاں یہ بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھی۔

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے لئے لبیک کہی) سے یہ نہ سمجھئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعۃً صرف حج ہی کے لئے لبیک کہی بلکہ یہ مفہوم مراد لیجئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اور عمرہ دونوں کے لئے لبیک کہی کیونکہ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول اس روایت نے اس بات کو بالکل واضح کر دیا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حج اور عمرہ کے لئے لبیک کہتے سنا ہے۔ چنانچہ اس موقع پر راوی نے یا تو عمرہ کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ اصل چونکہ حج ہی ہے اس لئے صرف اسی کے ذکر پر اکتفاء کیا یا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دونوں کے لئے لبیک کہی تو راوی نے صرف حج کو سنا عمرہ کا ذکر نہیں سنا۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ بکریوں کو بطور ہدی خانہ کعبہ کو بھیجا اوران کے گلے میں ہار ڈالا۔ (بخاری ومسلم)

علامہ طیبی کہتے ہیں کہ تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ بکریوں میں اشعار یعنی ان کو زخمی کرنا مشروع نہیں ہے البتہ ان میں تقلید یعنی ان کے گلے میں ہار ڈالنا سنت ہے لیکن اس بارے میں حضرت امام مالک کا اختلافی قول ہے۔

بَابُ تَبْدِيلِ الْهَدْيِ

باب: قربانی کے جانور کو تبدیل کرنا

1756 - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحِيمِ،

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: أَبُو عَبْدِ الرَّحِيمِ خَالِدُ بْنُ أَبِي يَزِيدَ، خَالُ مُحَمَّدٍ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ، رَوَى عَنْهُ حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ جَهْمِ بْنِ الْجَارُودِ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: أَهْدَى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ نَجِيبًا فَأُعْطِيَ بِهَا ثَلَاثَ مِائَةِ دِينَارٍ، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي أَهْدَيْتُ نَجِيبًا فَأُعْطِيتُ بِهَا ثَلَاثَ مِائَةِ دِينَارٍ، أَفَأَبِيعُهَا وَأَشْتَرِي بِثَمَنِهَا بُدْنًا، قَالَ: لَا انْحَرْهَا إِيَّاهَا.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هَذَا لِأَنَّهُ كَانَ أَشْعَرَهَا

سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہما اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قربانی کے لئے بختی اونٹ بھیجا تھا۔ جس کے لئے انہیں تین سو دینار کی پیشکش کی گئی تھی۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! میں نے ایک بختی اونٹ قربانی کے لئے بھیجا ہے جس کے لئے مجھے تین سو دینار کی پیشکش کی گئی ہے۔ کیا میں اسے فروخت کر کے قربانی کے لئے مزید جانور خریدوں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی نہیں تم اسے ہی ذبح کرو۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس کا اشعار کر چکے تھے۔

بَابُ مَنْ بَعَثَ بِهَدْيِهِ وَأَقَامَ

باب: جو شخص قربانی کے جانور (مکہ) بھجوا دے اور خود (اپنے شہر میں) مقیم رہے

1757 - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ، حَدَّثَنَا أَفْلَحُ بْنُ حُمَيْدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: فَتَلْتُ قَلَائِدَ بُدْنِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِي، ثُمَّ أَشْعَرَهَا، وَقَلَّدَهَا، ثُمَّ بَعَثَ بِهَا إِلَى الْبَيْتِ وَأَقَامَ بِالْمَدِينَةِ فَمَا حَرُمَ عَلَيْهِ شَيْءٌ كَانَ لَهُ حِلًّا۔

⊛⊛ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے اپنے دونوں ہاتھوں کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قربانی کے جانوروں کے لئے ہار تیار کئے پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اشعار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہار پہنائے پھر انہیں بیت اللہ کی طرف روانہ کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود مدینہ منورہ میں مقیم رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسی کوئی چیز حرام قرار نہیں دی گئی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حلال تھی (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حالت احرام کی پابندیاں عائد نہیں ہوئیں)

1758 - حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدٍ الرَّمْلِيُّ الْهَمْدَانِيُّ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَنَّ اللَّيْثَ بْنَ سَعْدٍ، حَدَّثَهُمْ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، وَعَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهْدِي مِنَ الْمَدِينَةِ فَأَفْتِلُ قَلَائِدَ هَدْيِهِ، ثُمَّ لَا يَجْتَنِبُ شَيْئًا مِمَّا يَجْتَنِبُ الْمُحْرِمُ

⊛⊛ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے قربانی کے جانور بھجوائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کے جانوروں کے لئے ہار میں نے خود تیار کئے پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کسی چیز سے اجتناب نہیں کیا' جس سے احرام والا شخص اجتناب کرتا ہے۔

1759 - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، وَعَنْ إِبْرَاهِيمَ، زَعَمَ أَنَّهُ سَمِعَهُ مِنْهُمَا جَمِيعًا وَلَمْ يَحْفَظْ حَدِيثَ هٰذَا مِنْ حَدِيثِ هٰذَا، وَلَا حَدِيثَ هٰذَا مِنْ حَدِيثِ هٰذَا، قَالَا: قَالَتْ أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ: بَعَثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْهَدْيِ فَأَنَا فَتَلْتُ قَلَائِدَهَا بِيَدِي، مِنْ عِهْنٍ كَانَ عِنْدَنَا، ثُمَّ أَصْبَحَ فِينَا حَلَالًا يَأْتِي مَا يَأْتِي الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِهِ

⊛⊛ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے وہ بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانور بھجوائے۔ میں نے ان کے لئے ہار تیار کئے تھے' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں اسی طرح حالت احرام کے بغیر رہے' جس طرح پہلے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دوران اپنی اہلیہ کے ساتھ وظیفۂ زوجیت ادا کرتے تھے' جس طرح کوئی شخص ادا کرتا ہے۔

بَابٌ فِيْ رُكُوبِ الْبُدْنِ

باب: قربانی کے جانور پر سوار ہونا

1760 - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا يَسُوقُ بَدَنَةً، فَقَالَ: ارْكَبْهَا، قَالَ: إِنَّهَا بَدَنَةٌ، فَقَالَ: ارْكَبْهَا وَيْلَكَ - فِي الثَّانِيَةِ أَوْ فِي الثَّالِثَةِ -

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو قربانی کے جانور کو ہانک کر لے جارہا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس پر سوار ہو جاؤ۔ اس نے عرض کی: یہ قربانی کا جانور ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس پر سوار ہو جاؤ۔ دوسری یا تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا ستیاناس ہو۔

شرح

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لکم فیھا منافع** یعنی تمہارے لیے اونٹوں میں منافع ہیں سوار ہونا، دودھ حاصل کرنا، نسل بڑھانا، اون حاصل کرنا وغیرہ جب ان کا مالک ان کو بطور ہدی نہ بھیجے۔ جب وہ انہیں بطور ہدی بھیجے تو اس کے لیے مدت متعین ہے ؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: جب اونٹ بطور ہدی بھی ہو جائیں تو ضرورت کے وقت ان پر سوار ہونا اور اس کے بچے سے جو دودھ بچے اس کے لیے منافع ہیں۔

صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اونٹ لے جاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: "اس پر سوار ہوجا" اس نے عرض کی: حضور! یہ بدنہ ہے۔ فرمایا: "سوار ہوجا" اس نے پھر کہا: حضور! یہ بدنہ ہے۔ فرمایا: "سوار ہوجا تیرے لیے ہلاکت ہو" یہ دوسری یا تیسری مرتبہ فرمایا:

(3) حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے اور ہدی پر سوار ہونے کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "جب تمہیں ضرورت ہو تو معروف طریقہ پر اس سوار ہو حتیٰ کہ تم دوسری سواری پالو" الاجل المسمی سے مراد اس قول کی بنا پر ان کو نحر کرنا ہے۔ یہ عطاء بن ابی رباح کا قول ہے۔

قربانی کے جانور پر سوار ہونے میں فقہاء کے اقوال کا بیان

بعض علماء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: "تو اس پر سوار ہوجا" کی وجہ سے بدنہ کی سواری کے وجوب کی طرف گئے اور جنہوں نے اس ارشاد کے ظاہر کو لیا ہے ان میں امام مالک بغیر مجبوری کے اس پر سواری نہیں کرتے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے کیونکہ وہ مقید ہے اور مقید، مطلق پر غالب ہوتا ہے۔ اسی طرح امام شافعی اور امام ابوحنیفہ نے بھی کہا ہے، اور پھر جب ضرورت کی وجہ سے سوار ہوگا تو ضرورت پوری ہونے پر اتر جائے گا؛ یہ اسماعیل قاضی کا قول ہے۔ یہی وہ بات ہے جس پر امام مالک کا مذہب دلالت کرتا ہے۔ یہ اس کے برعکس ہے جو ابن قاسم نے ذکر کیا ہے کہ اس پر اترنا لازم نہیں اور ان کی دلیل نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کی سواری کو مباح قرار دینا ہے۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: اذا لجئت الیھا حتی تجد ظھرا۔ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے قول کی حجت پر دلالت کرتا ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی طرح جو اسماعیل قاضی نے امام مالک کا مذہب بیان کیا ہے اس کی صحت پر دال ہے اور صراحتہ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی کو فرمایا: ''تو سوار ہو'' امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے فرمایا: مباح سوار ہونا بھی اس کی کمی ونقصان کا باعث ہو تو اس پر اس کی قیمت ہے اور اسے صدقہ کرے۔

1761 - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا يَحْيٰى بْنُ سَعِيْدٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، اَخْبَرَنِيْ اَبُو الزُّبَيْرِ، سَاَلْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ رُكُوْبِ الْهَدْيِ، فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: ارْكَبْهَا بِالْمَعْرُوْفِ، اِذَا اُلْجِئْتَ اِلَيْهَا حَتّٰى تَجِدَ ظَهْرًا

❀❀ ابوزبیر بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے قربانی کے جانور پر سوار ہونے کے بارے میں دریافت کیا' تو انہوں نے بتایا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے۔

''مجبوری کے عالم میں تم اس پر سوار ہو سکتے ہو یہاں تک کہ جب تمہیں سواری مل جائے (تو تم اس پر سوار نہ ہو)''

ھدی پر سوار ہونے کے متعلق فقہی مذاہب اربعہ کا بیان

الحج: ۳۳ میں فرمایا: تمہارے لئے ان مویشیوں میں مدت معین تک فوائد ہیں پھر ان کو ذبح کرنے کا مقام قدیم گھر کی طرف ہے۔

ان مویشیوں کے فوائد سے مراد ہے اونٹوں پر سوار ہونا، اونٹنیوں کا دودھ پینا، ان کی نسل بڑھانا اور ان کے اون اور بالوں کو کام میں لانا بہ شرطیکہ ان مویشیوں کے مالک نے ان کو ھدی (قربانی جانور) نہ قرار دیا ہو۔ حج یا عمرہ کرنے الاجس جانور کو اپنے ساتھ اس نیت سے لے جائے کہ اس کو حرم میں ذبح کیا جائے گا تو اس کو ھدی کہتے ہیں۔ جب کسی جانور کو ھدی کے لئے نامزد کر دیا جائے تو پھر بغیر کسی مجبوری کے اس جانور سے کسی قسم کا نفع اٹھانا جائز نہیں ہے مثلاً اونٹ کو ھدی بنا کر ساتھ لیا اور خود پیدل چل رہا ہے، سواری کے لئے کوئی اور جانور نہیں اور پیدل چلنا اس پر دشوار ہو تو مجبوراً اور ضرورت کی وجہ سے اس ھدی پر اس کا سوار ہونا جائز ہے۔

حضرت ابن عباس اور مجاہد نے فرمایا اونٹ یا اونٹنی کو بدنہ اور ھدی قرار دینے کے بعد اس کا دودھ پینے، اس پر سوار ہونے اور دیگر فوائد ختم ہو جاتے ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث:19019,19۔19,20۔12922,21)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ایک شخص بدنہ کو کھینچ کر لے جا رہا تھا، آپ نے اس سے فرمایا، اس پر سوار ہو جاؤ اس نے کہا یہ بدنہ (قربانی کا اونٹ) ہے آپ نے دو یا تین بار فرمایا تم پر افسوس ہے اس پر سوار ہو جاؤ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث 1689 صحیح مسلم رقم الحدیث:1322 سنن ابوداؤد رقم الحدیث:1760، سنن نسائی رقم الحدیث:2799)

امام مالک، امام احمد اور غیر مقلدین کا مذہب یہ ہے کہ بغیر ضرورت کے بھی بدنہ اور ھدی پر سوار ہو سکتا ہے بہ شرطیکہ اس کو ضرر نہ ہو، اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ بغیر ضرورت کے ھدی پر سوار نہ ہو ان کی دلیل حسب

ذیل حدیث ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ھدی پر سوار ہونے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: تم مجبوری کی حالت میں اس پر سوار ہو سکتے ہو حتیٰ کہ تمہیں کوئی اور سواری مل جائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: 1324 سنن ابوداؤد رقم الحدیث: 1761 سنن النسائی رقم الحدیث: 2802)

بَابٌ فِي الْهَدْيِ إِذَا عَطِبَ قَبْلَ أَنْ يَبْلُغَ

باب: قربانی کا جانور جب اپنی منزل پر پہنچنے سے پہلے تھک جائے

1762 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ نَاجِيَةَ الْأَسْلَمِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مَعَهُ بِهَدْيٍ فَقَالَ: إِنْ عَطِبَ مِنْهَا شَيْءٌ فَانْحَرْهُ، ثُمَّ اصْبُغْ نَعْلَهُ فِي دَمِهِ، ثُمَّ خَلِّ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ

٭٭ حضرت ناجیہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہمراہ قربانی کا جانور بھجوایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر ان میں سے کوئی تھک جائے (اور ہلاک ہونے کے قریب ہو) تو تم اسے قربان کر دینا پھر اس کے جوتے، اس کے خون میں لت پت کر کے اسے لوگوں کے لئے چھوڑ دینا"۔

1763 - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، وَمُسَدَّدٌ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، ح وحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، وَهَذَا حَدِيثُ مُسَدَّدٍ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، عَنْ مُوسَى بْنِ سَلَمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فُلَانًا الْأَسْلَمِيَّ، وَبَعَثَ مَعَهُ بِثَمَانِ عَشْرَةَ بَدَنَةً، فَقَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ أُزْحِفَ عَلَيَّ مِنْهَا شَيْءٌ قَالَ: تَنْحَرُهَا، ثُمَّ تَصْبُغُ نَعْلَهَا فِي دَمِهَا، ثُمَّ اضْرِبْهَا عَلَى صَفْحَتِهَا، وَلَا تَأْكُلْ مِنْهَا أَنْتَ وَلَا أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِكَ - أَوْ قَالَ - مِنْ أَهْلِ رُفْقَتِكَ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: الَّذِي تَفَرَّدَ بِهِ مِنْ هَذَا الْحَدِيثِ قَوْلُهُ وَلَا تَأْكُلْ مِنْهَا أَنْتَ وَلَا أَحَدٌ مِنْ رُفْقَتِكَ وَقَالَ: فِي حَدِيثِ عَبْدِ الْوَارِثِ، ثُمَّ اجْعَلْهُ عَلَى صَفْحَتِهَا مَكَانَ اضْرِبْهَا.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ يَقُولُ: إِذَا أَقَمْتَ الْإِسْنَادَ وَالْمَعْنَى كَفَاكَ

٭٭ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں اسلمی کو بھجوایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ قربانی کے اٹھارہ جانور بھجوائے۔ اس شخص نے عرض کی: اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا رائے ہے؟ اگر ان میں سے کوئی آگے جانے کے قابل نہ رہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو تم اسے قربان کر دینا اور اس کے جوتوں کو اس کے خون میں لت پت کر کے اس کی کوہان پر نشان لگا دینا البتہ تم اور تمہارے ساتھیوں میں سے کوئی شخص اس کا گوشت نہ کھائے"۔ (یہاں ایک لفظ کے بارے میں راوی کو شک ہے)

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس روایت کے ان الفاظ کو نقل کرنے میں یہ راوی منفرد ہے۔ ''تم اور تمہارے ساتھیوں میں سے کوئی بھی اسے نہ کھائے''۔

عبدالوارث کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''تم اسے (یعنی اس کے جوتے کو) اس کے پہلو پر لگانا''۔

ایک روایت الفاظ کچھ مختلف ہیں۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ابوسلمہ کہتے ہیں: جب سند اور مفہوم درست ہوں' تو تمہارے لئے یہ کافی ہے۔

قربانی کے دن کی فضیلت کا بیان

1764 - حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، وَيَعْلَى ابْنَا عُبَيْدٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: لَمَّا نَحَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُدْنَهُ فَنَحَرَ ثَلَاثِينَ بِيَدِهِ، وَأَمَرَنِي فَنَحَرْتُ سَائِرَهَا

⊛⊛ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قربانی کے جانور قربان کئے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس اونٹ اپنے دست مبارک کے ذریعے قربان کئے اور باقی کے بارے میں مجھے ہدایت کی تو میں نے انہیں قربان کر دیا۔

1765 - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى الرَّازِيُّ، أَخْبَرَنَا عِيسَى، ح وحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، أَخْبَرَنَا عِيسَى، وَهٰذَا لَفْظُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ ثَوْرٍ، عَنْ رَاشِدِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ لُحَيٍّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قُرْطٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ أَعْظَمَ الْأَيَّامِ عِنْدَ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَوْمُ النَّحْرِ، ثُمَّ يَوْمُ الْقَرِّ. قَالَ عِيسَى، قَالَ ثَوْرٌ: وَهُوَ الْيَوْمُ الثَّانِي، وَقَالَ: وَقُرِّبَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَنَاتٌ خَمْسٌ أَوْ سِتٌّ فَطَفِقْنَ يَزْدَلِفْنَ إِلَيْهِ بِأَيَّتِهِنَّ يَبْدَأُ، فَلَمَّا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا، قَالَ: فَتَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ خَفِيَّةٍ لَمْ أَفْهَمْهَا، فَقُلْتُ: مَا قَالَ؟ قَالَ: مَنْ شَاءَ اقْتَطَعَ

⊛⊛ حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عظمت والا دن قربانی کا دن ہے اور اس سے اگلا دن ہے''۔

عیسیٰ نامی راوی کہتے ہیں: ثور نے یہ بات بیان کی ہے۔ اس سے مراد (قربانی سے) اگلا دن ہے۔

راوی بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قربانی کی پانچ یا چھ اونٹنیاں پیش کی گئیں' تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آنے کے لئے ایک دوسرے سے آگے آنے کی کوشش کرنے لگیں۔ جب وہ سب پہلو کے بل گر پڑیں (یعنی قربان ہو گئیں) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پست آواز میں کچھ ارشاد فرمایا: جو مجھے سمجھ نہیں آیا۔ میں نے دریافت کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص چاہے ان کا گوشت کاٹ کر لے جائے۔

1766 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ حَرْمَلَةَ بْنِ عِمْرَانَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ الْأَزْدِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ غُرْفَةَ بْنَ

الْحَارِثِ الْكِنْدِيِّ، قَالَ: شَهِدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَأُتِيَ بِالْبُدْنِ فَقَالَ: ادْعُوا لِي أَبَا حَسَنٍ فَدُعِيَ لَهُ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ. فَقَالَ لَهُ: خُذْ بِأَسْفَلِ الْحَرْبَةِ وَأَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَعْلَاهَا. ثُمَّ طَعَنَا بِهَا فِي الْبُدْنِ فَلَمَّا فَرَغَ رَكِبَ بَغْلَتَهُ وَأَرْدَفَ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت عرفہ بن حارث کندی ﷺ بیان کرتے ہیں: حجۃ الوداع کے موقع پر میں نبی اکرم ﷺ کے پاس موجود تھا۔ آپ ﷺ کے پاس قربانی کے جانور لائے گئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابوالحسن (یعنی حضرت علی ﷺ) کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔ حضرت علی ﷺ کو بلوایا گیا۔ تو نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: تم نیزے کو نیچے کی طرف سے پکڑو۔ راوی کہتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے اسے اوپر کی طرف سے پکڑا پھر ان دونوں حضرات نے ان اونٹوں کو اس کے ذریعے نحر کیا۔ جب آپ ﷺ اس سے فارغ ہوئے تو اپنے خچر پر سوار ہوئے اور حضرت علی ﷺ کو اپنے پیچھے بٹھالیا۔

شرح

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کے خون اور ان کے گوشت اللہ کے پاس ہرگز نہیں پہنچتے لیکن تمہارا تقویٰ اس کے پاس پہنچتا ہے، اسی طرح اس نے ان مویشیوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے تاکہ تم اللہ کی ہدایات کے مطابق اس کی بڑائی بیان کرو اور نیکی کرنے والوں کو بشارت دیجیے۔ بے شک اللہ ایمان والوں کی مدافعت کرتا ہے، بے شک اللہ کسی خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔ (الحج 37-38)

آیت مذکورہ کا شان نزول

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی المتوفی 597ھ لکھتے ہیں: اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مشرکین جب کسی جانور کو ذبح کرتے تھے تو اس کا خون کعبہ کی دیواروں پر چھڑکتے تھے، ان کو دیکھ کر مسلمانوں نے بھی اس طرح کرنے کا ارادہ کیا تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کو ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ مفسرین نے اس آیت کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس قربانی کے جانوروں کا خون اور گوشت نہیں پہنچایا جاتا، اس کے پاس صرف تقویٰ پہنچایا جاتا ہے اور جس عمل سے صرف اللہ کی رضا کا ارادہ کیا جائے اور اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ اگر اللہ کا تقویٰ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کسی جانور کے خون اور گوشت کو قبول نہیں فرماتا اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ جب کسی عمل کی نیت صحیح نہ ہو تو اس عمل کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(زادالمسیر ج ۵ ص 434 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، 1407ھ)

قربانی کی دعا ذبح سے پہلے یا ذبح کے بعد مانگی جائے نہ کہ ذبح کرنے کی حالت میں

اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا چاہئے اور اس کی تکبیر پڑھنا چاہیے۔

حضرت جندب بجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عیدالاضحیٰ کے موقع پر حاضر ہوا آپ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا اور فرمایا جس نے نماز سے پہلے ذبح کرلیا وہ دوبارہ ذبح کرے اور جس نے ابھی تک ذبح نہیں کیا وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: 1960)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم الاضحیٰ کو دو سینگوں والے سرمئی رنگ کے خصی مینڈھے ذبح کئے جب آپ نے ان کا منہ قبلہ کی طرف کر کے ان کو لٹا دیا تو یہ دعا پڑھی:

انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض علی ملة ابراهیم حنیفا وما انا من المشرکین ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی الله رب العلمین لاشریك له و بذالك امرت و انا من المسلمین اللهم منك ولك عن محمد و امته بسم الله والله اکبر. میں اپنا رخ اس ذات کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ میں ابراہیم کی ملت پر ہوں درآں حالیکہ میں باطل مذاہب سے اعراض کرنے والا ہوں اور میں مشرکین سے نہیں ہوں۔ بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ رب العلمین کے لئے ہے۔ (اے اللہ!) تیرا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ اے اللہ! یہ قربانی تیری توفیق سے اور تیرے لئے ہے محمد اور اس کی امت کی طرف سے اللہ کے نام سے اور اللہ سب سے بڑا ہے۔

یہ دعا پڑھنے کے بعد آپ نے ان کو ذبح کر دیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:2795 سنن الترمذی رقم الحدیث:1521 سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:1321)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ نے ذبح کرنے سے پہلے اپنی اور امت کی طرف سے قربانی کے مقبول ہونے کی دعا کی۔

عروۃ بن الزبیر حضرت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سینگوں والے مینڈھے کو لانے کا حکم دیا جس کی ٹانگیں سیاہ ہوں اور اس کا پچھلا حصہ سیاہ ہو اور اس کی آنکھیں سیاہ ہوں، آپ کے پاس وہ مینڈھا قربانی کے لئے لایا گیا پھر آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا چھری لاؤ پھر فرمایا اس کو پتھر سے تیز کرو۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: پس میں نے ایسا کیا پھر آپ نے چھری لی اور مینڈھے کو پکڑ کر لٹایا پھر اس کو ذبح کیا پھر یہ دعا کی:

باسم الله اللهم تقبل من محمد وال محمد ومن امة محمد۔ اللہ کے نام سے، اے اللہ اس قربانی کو محمد اور آل محمد اور امت محمد کی طرف سے قبول فرما۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:1967، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:2792)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ نے ذبح کرنے کے بعد اپنے اور اہل بیت اور امت کی طرف سے قربانی کے قبول ہونے کی دعا کی۔

علامہ ابوعبداللہ مالکی قرطبی نے لکھا ہے کہ ذبح کرنے والے کا یہ کہنا اللهم تقبل منی جائز ہے اور امام ابوحنیفہ نے اس کو مکروہ کہا ہے اور ان کے خلاف وہ حدیث حجت ہے جو صحیح مسلم میں ہے، آپ نے فرمایا بسم الله اللهم تقبل من محمد وال محمد و من امة محمد۔ (الجامع لاحکام القرآن جز۱۲ ص63 مطبوعہ دارالفکر بیروت، 1415ھ)

اسی طرح علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی 676ھ نے صحیح مسلم کی اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ذبح کرنے والا، ذبح کرنے کے حال میں بسم اللہ اللہ اکبر کے ساتھ کہے: اللهم تقبل منی اے اللہ میری طرف سے

قبول فرما اور یہ ہمارے اور حسن کے نزدیک مستحب ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے اس کو مکروہ کہا ہے اور کہا ہے کہ یہ بدعت ہے۔(شرح مسلم للنواوی ج۹ ص5394 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ،1417ھ)

علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ علامہ قرطبی اور علامہ نووی نے صحیح نہیں لکھا۔ کوئی مسلمان بھی اللہ سے دعا کرنے کو مکروہ نہیں کہہ سکتا چہ جائیکہ امام اعظم ابوحنیفہ اللہ سے دعا کرنے کو مکروہ کہیں اور حدیث میں یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مینڈھے کو ذبح کیا اور اس کے بعد اپنے اور اہل بیت اور امت کے لئے دعا کی، اور امام ابوحنیفہ نے ذبح کرتے وقت داع سے اس لئے منع کیا ہے کہ جانور غیر اللہ کے نام پر ذبح نہ ہو جائے جب وہ ذبح کرتے وقت یہ دعا کرے گا اے اللہ! اس کو میری طرف سے میرے گھر والوں کی طرف سے اور تمام امت کی طرف سے قبول فرما تو ذبیحہ پر اللہ کے ساتھ غیر اللہ کا نام بھی بولا جائے گا۔ البتہ اگر چھری پھیرنے سے پہلے دعا کرے یا چھری پھیرنے کے بعد دعا کرے تو پھر یہ جائز ہے۔(تفسیر تبیان القرآن، سورہ حج، لاہور)

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی 1088ھ لکھتے ہیں: بسم اللہ پڑھنے میں یہ شرط ہے کہ ذکر خالص ہو اور اس میں دعا کی آمیزش نہ ہو(الی قولہ) اور اگر اس نے اللہ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کو ملا کر ذکر کیا مثلاً بسم الله اللهم تقبل من فلان تو یہ مکروہ ہے۔(الی قولہ) اور اگر اس نے فصل کر لیا۔ مثلاً ذبح کرنے سے پہلے دعا کر لی یا ذبح کرنے کے بعد دعا کر لی تو اب صحیح ہے کیونکہ اب ذبح کے وقت اللہ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کے نام کا اتصال نہیں ہوا۔

(الدر المختار مع رد المختار ج۹ ص364,362 دار احیاء التراث العربی بیروت،1417ھ)

اور علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی 1252ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر اس نے ذبح کے وقت اللہ کا نام لینے اور اپنا یا کسی اور کا نام لینے میں صورۃً یا معنیً فصل کر لیا تو یہ جائز ہے۔ مثلاً اس نے جانور کو لٹایا پھر بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر جانور ذبح کیا پھر دعا کی یا پہلے دعا کی پھر بسم اللہ پڑھ کر جانور کو ذبح کیا تو یہ جائز ہے اور حدیث میں ہے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر مینڈھا ذبح کیا پھر دعا کی۔

(رد المختار ج۹ ص363۔364 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت،1417ھ)

بَابُ كَيْفَ تُنْحَرُ الْبُدْنُ

باب: اونٹوں کو کس طرح نحر کیا جائے گا

1767 - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، وَأَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَابِطٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابَهُ كَانُوا يَنْحَرُونَ الْبَدَنَةَ مَعْقُولَةَ الْيُسْرَى قَائِمَةً عَلَى مَا بَقِيَ مِنْ قَوَائِمِهَا

1767- صحيح لغيره، وهذا اسناد يرويه ابن جريج، عن ابى الزبير، عن جابر موصولاً، الا ان ابن جريج وابا الزبير موصوفان بالتدليس وقد عنعنا. ورواية ابن جريج عن عبد الرحمن بن سابط مرسلة. واخرجه البيهقي في "سننه" 2375/ من طريق ابي داود، بهذا الاسناد.

حضرت عبدالرحمن بن سابط رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ اوران کے اصحاب اپنے قربانی کے اونٹوں کو یوں نحر کرتے تھے کہ ان کا بایاں پاؤں باندھا ہوا ہوتا تھا اور وہ باقی پاؤں پر کھڑا ہوتا تھا۔

1768 - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، أَخْبَرَنَا يُونُسُ، أَخْبَرَنِي زِيَادُ بْنُ جُبَيْرٍ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ بِمِنًى فَمَرَّ بِرَجُلٍ وَهُوَ يَنْحَرُ بَدَنَتَهُ وَهِيَ بَارِكَةٌ. فَقَالَ: ابْعَثْهَا قِيَامًا مُقَيَّدَةً سُنَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

زیاد بن جبیر بیان کرتے ہیں: میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ منٰی میں موجود تھا وہ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو اپنے قربانی کے اونٹ کو ایسی حالت میں نحر کرنے لگا تھا کہ وہ جانور بیٹھا ہوا تھا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اسے کھڑا کر کے باندھ کر (قربان کرنا) حضرت محمد ﷺ کی سنت ہے۔

البدن کا معنی

الحج:36 میں فرمایا: اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کی نشانیوں میں سے قرار دیا ہے۔

قربانی کے اونٹ کے لیے اس آیت میں البدن کا لفظ ہے۔ بدن کا معنی ہے جسم لیکن جثہ کے اعتبار سے جسم کو بدن کہا جاتا ہے اور رنگ کے اعتبار سے جسم کو جسد کہا جاتا ہے۔ جس عورت کا بدن بھاری ہو اس کو بادن اور بدین کہتے ہیں کہ رسول اللہ تعالیٰ نے فرمایا رکوع اور سجود میں مجھ پر سبقت نہ کرو کیونکہ میں اگر تم سے پہلے رکوع کروں تو تم مجھے پالو گے اور اسی طرح جب میں سر اٹھاؤں فانی قد بدنت کیونکہ اب میرا جسم بھاری ہو گیا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث :619، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث :963) اور قرآن مجید میں ہے: والبدن جعلنها لكم من شعائر الله. (الحج:36) اس آیت میں البدن بدنہ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے وہ اونٹ جن کو قربانی کے لئے روانہ کیا جائے۔ (المفردات ج۱ ص50، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ، 1418ھ)

آیا البدن میں گائے شامل ہے یا نہیں؟

اس میں اختلاف ہے کہ البدن کا اطلاق اونٹوں کے علاوہ گایوں پر بھی کیا جاتا ہے یا نہیں۔ حضرت ابن مسعود عطا اور امام شافعی کے نزدیک اس کا اطلاق گایوں پر نہیں کیا جاتا اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا اطلاق گایوں پر بھی کیا جاتا ہے۔ ثمرہ اختلاف یہ ہے کہ کسی شخص نے بدنہ کی نذر مانی اور اس کو اونٹ نہیں ملے تو اب وہ اونٹوں کی جگہ گایوں کی قربانی کر سکتا ہے یا نہیں؟ امام شافعی کے نزدیک وہ گایوں کی قربانی نہیں کر سکتا، اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ اونٹوں کی جگہ گایوں کی قربانی کر سکتا ہے اور اس کی نذر پوری ہو جائے گی۔ حدیث سے امام شافعی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص پہلی ساعت میں جمعہ کی نماز کے لئے گیا اس نے گویا بدنہ کو صدقہ کیا اور جو دوسری ساعت میں گیا اس نے گویا بقرۃ (گائے) کو صدقہ کیا۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث :881، صحیح مسلم رقم الحدیث :850)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدنہ اور بقرۃ کو الگ الگ ذکر فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بدنہ صرف اونٹ کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق گائے پر نہیں ہوتا۔

نیز اس آیت میں ہے فاذا وجبت جنوبھا یعنی جب نحر کرتے وقت اونٹوں کو کھڑا کر کے ان کے سینہ کے بالائی حصہ پر نیزہ مارا جائے اور وہ اس کی ضرب سے پہلو کے بل گر کر ٹھنڈے ہو جائیں اور یہ وصف اونٹوں کا ہے، ان ہی کو کھڑا کر کے نحر کیا جاتا ہے، گایوں کا یہ وصف نہیں ہے کیونکہ ان کو زمین پر گرا کر ذبح کیا جاتا ہے نحر نہیں کیا جاتا، اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ اونٹوں کو بدنہ ان کی ضخامت کی وجہ سے کہا جاتا ہے اور ضخامت اونٹوں اور گایوں دونوں میں پائی جاتی ہے۔ نیز خون بہا کر اللہ کا تقرب حاصل کرنے میں گائیں، اونٹوں کی مثل ہیں حتیٰ کہ گایوں اور اونٹوں دونوں میں قربانی کے سات حصے کئے جاسکتے ہیں اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گائے کی قربانی سات کی طرف سے ہو سکتی ہے اور اونٹ کی قربانی سات کی طرف سے ہوسکتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:2808)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات آدمیوں کی طرف سے اونٹ کی قربانی دی اور سات آدمیوں کی طرف سے گائے کی قربانی دی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:2809)

بدن اور ھدی میں یہ فرق ہے کہ بدن صرف اونٹوں کو کہتے ہیں جن کو قربانی کے لئے کعبہ کی طرف روانہ کیا جاتا ہے اور ھدی عام ہے، اونٹ، گائے اور بکری میں سے جس کو بھی قربانی کے لئے کعبہ کی طرف روانہ کیا جائے، وہ ھدی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج۱۲ ص ۵۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1415ھ)

قربانی کھالوں کو تقسیم کرنے کا بیان

1769 - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ يَعْنِي ابْنَ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ الْجَزَرِيِّ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَقُومَ عَلَى بُدْنِهِ وَأَقْسِمَ جُلُودَهَا وَجِلَالَهَا، وَأَمَرَنِي أَنْ لَا أُعْطِيَ الْجَزَّارَ مِنْهَا شَيْئًا، وَقَالَ: نَحْنُ نُعْطِيهِ مِنْ عِنْدِنَا

❁❁ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قربانی کے اونٹوں کی قربانی کروں اور میں ان کے اوپر ڈالے جانے والے کپڑے اور ان کی کھالیں تقسیم کردوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں ان میں سے کوئی بھی چیز قصاب کو (معاوضے کے طور پر) نہ دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم یہ (معاوضہ) اپنی طرف سے ادا کریں گے۔

قربانی کی کھالوں کو اجرت میں دینے کی ممانعت کا بیان

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہدایت فرمائی کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کی خبر گیری کروں، ان کے گوشت کو خیرات کردوں اور ان کی کھالیں اور جھولیں بھی صدقہ کردوں، اور یہ کہ قصائی کو ان میں سے کوئی چیز (بطور مزدوری) نہ دوں، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (مزدوری) ہم اپنے پاس سے دیں گے۔ (بخاری ومسلم)

اونٹوں سے مراد وہ اونٹ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں بطور ہدی مکہ مکرمہ لے گئے تھے اور جن کی تعداد سو تھی، اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

ہدی کے جانور کی کھال، جھول اور مہار وغیرہ بھی خیرات کر دینی چاہئے، ان چیزوں کو قصائی کو مزدوری میں نہ دینا چاہئے ہاں اگر قصائی کو احساناً دیا جائے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔

چاہے تو کھال ہی کسی کو صدقہ وخیرات کر دی جائے اور اگر اس کو فروخت کر کے جو قیمت ملے وہ صدقہ کر دی جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

ہدی کا دودھ نہ نکالنا چاہئے بلکہ اس کے تھنوں پر ٹھنڈا پانی چھڑک دیا جائے تاکہ اس کا دودھ اترنا موقوف ہو جائے اور اگر دودھ نہ نکالنے سے جانور کو تکلیف ہو تو پھر دودھ نکال لیا جائے اور اسے خیرات کر دیا جائے۔

قربانی اللہ کی رضا کی لیے دی جاتی ہے اس لیے اس کی کھال اور گوشت وغیرہ بطور اجرت قصاب کو دینا منع ہے۔ اسی طرح کھال کو فروخت کر کے اس کے پیسے خود استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہاں کھال کا مشکیزہ وغیرہ بنا کر اس کو اپنے استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔

امام حاکم علیہ الرحمہ روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قربانی کی کھال فروخت کی اس کی کوئی قربانی نہیں۔ (حاکم، المستدرک، ج ۲، ص ۳۸۹)

اس روایت کے مطابق کھال کو فروخت کر کے اپنے استعمال میں لانے کی ممانعت ہے۔ اسی طرح قصاب کی اس سے اجرت بھی جائز نہیں۔ سو قربانی کی کھال کو فروخت کرنا سخت ناپسند کیا گیا۔

آج کل بعض لوگ قربانی پر کثیر رقم خرچ کرتے ہیں مگر قصاب یا کسی شخص کو اجرت کے طور پر اس کی کھال یا گوشت دیتے ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ سو قصاب کو اجرت اپنے پاس سے ادا کرنی چاہیے اور کھال یا اس کی قیمت کو مساکین وفقراء یا فلاحی کاموں میں خرچ کرنا چاہیے۔

قربانی کی کھالوں کو صدقہ کرنے میں فقہی احکام کا بیان

جہاں تک قربانی کے گوشت کا تعلق ہے، اس کا ذکر تو خود قرآن ہی میں موجود ہے کہ اس کو کھاؤ، کھلاؤ اور غریبوں کو دو:

فَكُلُوا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ. (الحج ۲۸:۲۲) پھر اس میں سے خود بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ فقیر کو بھی کھلاؤ۔"

اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ یہ نکتہ ملحوظ رکھنے کا ہے کہ اس میں فقیر کو دینے کا ذکر 'اٰتُوا' یا 'تَصَدَّقُوا' کے الفاظ کے ساتھ نہیں آیا ہے، بلکہ 'اَطْعِمُوا' کے لفظ کے ساتھ آیا ہے۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ فرض کر لیا جائے کہ 'ایتاء' اور 'تصدق' کے الفاظ تملیک شخصی کے مفہوم کے لیے آتے ہیں، جیسا کہ دعویٰ کیا جاتا ہے تو کیا اطعام' کا لفظ بھی تملیک شخصی کے مفہوم کا حامل ہے؟ اگر ایک شخص اپنا قربانی کا گوشت پکا کر بہت سے غریبوں کو بلا کر ایک دعوت عام کی صورت میں کھلا دے تو کیا یہ اطعام نہ ہوگا؟ حالانکہ "فتح القدیر" کی تصریح کے مطابق اس صورت میں تملیک نہیں پائی گئی جس کو صدقات وزکوٰۃ کی شرط لازم قرار دیا گیا ہے۔

قربانی کی کھالوں کو ذاتی تصرف میں لانے والوں کا مؤقف وجواب

جو حکم قربانی کے گوشت کا ہے، احادیث اور فقہا کی تصریحات سے ثابت ہے کہ بعینہ وہی حکم قربانی کی کھالوں کا بھی ہے، یعنی ایک شخص اپنی قربانی کی کھال خود اپنے کسی ذاتی مصرف میں بھی لاسکتا ہے، کسی کو ہبہ بھی کرسکتا ہے اور کسی محتاج اور غریب کو صدقہ بھی کرسکتا ہے۔ پس یہ بات ناجائز ہے کہ خسیسوں اور لئیموں کی طرح اس کو سرمایہ بنانے کی کوشش کرے۔

حضرت قتادہ بن نعمان سے روایت ہے کہ:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قام فقال انی کنت امرتکم ان لا تاکلوا لحوم الاضاحی فوق ثلاثة ایام لیسعکم. وانی احله لکم فکلوا ما شئتم ولا تبیعوا لحوم الهدی والاضاحی وکلوا وتصدقوا واستمتعوا بجلودها ولا تبیعوها.

(نیل الاوطار ۵/ ۱۴۷)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور آپ نے خطبہ دیا کہ میں نے تم کو یہ حکم دیا تھا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھ چھوڑا کرو، یہ حکم اس لیے دیا تھا کہ وہ تم سب کے لیے کافی ہوسکے۔ اب میں اس کو تمھارے لیے جائز کرتا ہوں۔ پس تم اس کو جس طرح چاہو برتو، البتہ نذر یا قربانی کا گوشت بیچو نہیں۔ کھاؤ، خیرات کرو اور ان کی کھالوں سے فائدہ اٹھاؤ، البتہ ان کو بیچو نہیں۔"

اس حدیث سے واضح ہے کہ قربانی کے گوشت اور اس کی کھال کے مصرف میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص چاہتا ہے تو اس کو اپنے کسی ذاتی مصرف میں بھی لاسکتا ہے، لیکن اس کو سرمایہ بنانے کا ذریعہ نہ بنائے، بلکہ اس کو صدقہ کردے۔

فقہا کی تصریحات بھی اس کے متعلق یہی ہیں۔

امام شوکانی مذکورہ حدیث کے تحت فرماتے ہیں: اور اس حدیث سے بیچے بغیر ان کھالوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نکلتی ہے۔ محمد بن حسن سے مروی ہے کہ اس کھال کے بدلہ میں آدمی گھر کے لیے چھلنی یا اس طرح کی گھریلو چیزوں میں سے کوئی چیز حاصل کرسکتا ہے، البتہ کھانے پینے کی کوئی چیز اس کے بدلہ میں نہ حاصل کرے۔ امام ثوری کہتے ہیں کہ اس کو بیچے نہیں، گھر کے لیے ڈول یا مشکیزہ بنالے۔"

حنفی فقہا کی تصریحات اس بارے میں یہ ہیں:

ولما جاز الاکل منها دل علی جواز الانتفاع بجلودها من غیر جهة البیع ولذالک قال اصحابنا یجوز الانتفاع بجلد الاضحیة وروی ذالک عن عمر وابن عباس وعائشة وقال الشعبی کان مسروق یتخذ مسک اضحیته مصلی ویصلی علیه. (احکام القرآن، ابوبکر جصاص ۳/ ۲۹۳)

"جب قربانی کا گوشت کھانا جائز ہوا تو یہ بات اس کی دلیل ہے کہ اس کی کھالوں سے آدمی فائدہ بھی اٹھا سکتا ہے، بشرطیکہ اس سے سرمایہ بنانے کی کوشش نہ کرے۔ اسی وجہ سے ہمارے علما کا مذہب یہ ہے کہ قربانی کی کھال سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ یہی بات حضرت عمر، حضرت ابن عباس، اور حضرت عائشہ سے بھی مروی ہے۔ شعبی کہتے ہیں کہ مسروق اپنی قربانی کی کھال کی جائے نماز بنالیا کرتے اور اس پر نماز پڑھا کرتے۔"

غور فرمائیے کہ زکوۃ وصدقات کی تمام معروف اقسام میں سے ہے کوئی قسم ایسی جس میں آدمی کے لیے یہ سارے تصرفات جائز ہوں کہ وہ اس سے خود بھی فائدہ اٹھا سکے اور بلا امتیاز امیر وغریب، سید وغیر سید، کسی دوسرے کو بھی دے سکے اور اس کو صدقہ بھی کر سکے؟ اگر اس سوال کا جواب نفی میں ہے تو آخر یہ بات کس طرح صحیح ہو سکتی ہے کہ وہ ساری شرطیں جو صدقات واجبہ کے لیے مقرر ہیں، وہ اس پر بھی لا کر چسپاں کر دی جائیں؟ ہم نے تھوڑی دیر کے لیے فرض کیا کہ تملیک ادائیگی زکوۃ کے لیے رکن کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن کیا قربانی کی کھال زکوۃ اور صدقہ ہے کہ اس پر سارے احکام صدقہ اور زکوۃ کے عائد کیے جائیں؟

میں نے تو مذکورہ بالا احادیث واقوال کی روشنی میں جو کچھ سمجھا ہے، وہ یہ ہے کہ قربانی کے گوشت اور اس کی کھالوں کا معاملہ صدقات وزکوۃ کے سلسلہ سے تعلق رکھنے کے بجائے مکارم اخلاق، فیاضی اور احسان وتبرع سے تعلق رکھتا ہے، آدمی ان کو کھائے، کھلائے، خود برتے اور دوسروں کو ہدیے، تحفے اور صدقے کے طور پر دے۔ بس ان کو سینت کر رکھنے یا بیچ کر سرمایہ بنانے کی فکر نہ کرے۔ غربا اور محتاجوں کو اس میں سے پوری فیاضی کے ساتھ دے، بلکہ فضیلت یہی ہے کہ اگر خود ضرورت محسوس نہیں کرتا تو سب کچھ صدقہ کر دے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے واضح ہوتا ہے:

عن علی ابن ابی طالب قال امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اقوم علی بدنہ وان اتصدق بلحومھا وجلودھا واجلتھا. (سنن النسائی الکبریٰ، رقم ۴۱۴۵)

"حضرت علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ آپ کے قربانی کے اونٹوں کی قربانی کراؤں اور ان کے گوشت، ان کی کھالیں، یہاں تک کہ ان کے جھول سب صدقہ کر دوں۔"

قربانی کی کھالوں کے بارے میں حتمی حکم کا بیان

قربانی کھالوں کے بارے میں حدیث صدقہ ہی اس حکم کے لئے اصل ثابت ہوئی اور اسی حدیث کے پیش نظر ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اونٹوں کو نحر کرنے کا طریقہ

اس آیت میں فرمایا: پس تم ان کو قطار میں کھڑا کر کے (ان کو نحر کرنے کے وقت) اللہ کا نام لو۔ (الحج)

ابن ابی ذئب کہتے ہیں کہ میں نے ابن شہاب سے الصواف (صف میں کھڑے ہوئے) کا معنی دریافت کیا۔ انہوں نے کہا پہلے تم اونٹوں کو باندھو پھر ان کو صف بہ صف کھڑا کرو، اور امام مالک نے بھی اسی طرح کہا اور باقی فقہاء کا بھی یہی مذہب ہے سوا امام ابوحنیفہ کے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اونٹوں کو بٹھا کر اور کھڑا کر کے ہر طرح نحر کرنا جائز ہے (لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی اونٹ کو کھڑا کر کے نحر کرنا مستحب ہے۔ جیسا کہ عنقریب آئے گا۔) جمہور کی دلیل یہ آیت ہے کیونکہ اس میں فرمایا ہے جب اونٹ پہلو کے بل گر جائیں اور گرنا اسی وقت ہوگا جب پہلے اونٹ کھڑے ہوئے ہوں۔

زیاد بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر ایک شخص کے پاس گئے، وہ اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا۔ حضرت ابن عمر نے کہا

اس اونٹ کو کھڑا کرو اور یہ بندھا ہوا ہو پھر نحر کرو یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:1713، صحیح مسلم رقم الحدیث:1320، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:1368)

ابوالزبیر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے عبدالرحمٰن بن سابط رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اونٹ کو اس حال میں نحر کرتے تھے کہ اس کا الٹا پیر بندھا ہوا ہوتا تھا اور وہ اپنے باقی پیروں پر کھڑا ہوا ہوتا تھا۔(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:1767)

امام مالک نے کہا اگر انسان کمزور ہو یا اس کو خطرہ ہو کہ اونٹ بھاگ جائے گا تو اس کو باندھ کر نحر کرنے میں کوئی حرج نہیں اور مختار یہ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے بغیر باندھے نحر کیا جائے اگر خطرہ ہو تو اونٹ کو باندھ دیا جائے اور کھڑا کرنے کے لئے اس کی کونچیں نہ اٹھائی جائیں۔ الا یہ کہ اس کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اس پر قوت نہیں پائے گا اور اس کی کونچیں اٹھا کر کھڑا کرنے سے افضل یہ ہے کہ اس کو بٹھا کر نحر کیا جائے۔ حضرت ابن عمر جب جوان تھے تو اس کے سینہ میں نیزہ مار کر اس کے کوہان سے نکال دیتے تھے اور جب ان کی عمر زیادہ ہوگئی تو وہ اونٹ کو بٹھا کر نحر کرتے تھے۔ ایک آدمی ان کے ساتھ نیزہ پکڑے ہوئے ہوتا تھا اور دوسرا آدمی اس کی نکیل پکڑے ہوئے ہوتا تھا اور گائے اور بکری کو لٹا کر ذبح کیا جاتا ہے۔(الجامع لاحکام القرآن جز۱۲ ص59-60 مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1415ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی 1088ھ لکھتے ہیں: اونٹوں کی گردن کے نچلے حصے میں نحر کرنا مستحب ہے اور ان کو ذبح کرنا مکروہ ہے۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی 1252ھ لکھتے ہیں: شتر مرغ، زرافہ، انٹ اور ہر لمبی گردن والے جانور کو ذبح کیا جائے گا۔ المضمرات میں مذکور ہے کہ سنت یہ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے نحر کیا جائے اور گائے اور بکری کو لٹا کر ذبح کیا جائے۔
(الدرالمختار وردالمحتار ج۹ ص362، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت 1419ھ)

بَابٌ فِيْ وَقْتِ الْإِحْرَامِ

باب: احرام باندھنے کا وقت

1770 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَنْصُورٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ يَعْنِي ابْنَ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا أَبِي، عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ، قَالَ: حَدَّثَنِي خُصَيْفُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْجَزَرِيُّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ: قُلْتُ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ: يَا أَبَا الْعَبَّاسِ، عَجِبْتُ لِاخْتِلَافِ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِهْلَالِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أَوْجَبَ. فَقَالَ: إِنِّي لَأَعْلَمُ النَّاسِ بِذٰلِكَ إِنَّهَا إِنَّمَا كَانَتْ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّةً وَاحِدَةً، فَمِنْ هُنَاكَ اخْتَلَفُوا. خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجًّا فَلَمَّا صَلَّى فِي مَسْجِدِهِ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْهِ أَوْجَبَ فِي مَجْلِسِهِ. فَأَهَلَّ بِالْحَجِّ حِينَ فَرَغَ مِنْ رَكْعَتَيْهِ. فَسَمِعَ ذٰلِكَ مِنْهُ أَقْوَامٌ فَحَفِظْتُهُ عَنْهُ. ثُمَّ رَكِبَ فَلَمَّا اسْتَقَلَّتْ بِهِ نَاقَتُهُ أَهَلَّ.

وَاَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنْهُ اَقْوَامٌ، وَذٰلِكَ اَنَّ النَّاسَ اِنَّمَا كَانُوْا يَاْتُوْنَ اَرْسَالًا، فَسَمِعُوْهُ حِيْنَ اسْتَقَلَّتْ بِهٖ نَاقَتُهٗ يُهِلُّ، فَقَالُوْا: اِنَّمَا اَهَلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ اسْتَقَلَّتْ بِهٖ نَاقَتُهٗ، ثُمَّ مَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا عَلَا عَلٰى شَرَفِ الْبَيْدَاءِ اَهَلَّ، وَاَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنْهُ اَقْوَامٌ، فَقَالُوْا: اِنَّمَا اَهَلَّ حِيْنَ عَلَا عَلٰى شَرَفِ الْبَيْدَاءِ وَايْمُ اللّٰهِ لَقَدْ اَوْجَبَ فِيْ مُصَلَّاهُ، وَاَهَلَّ حِيْنَ اسْتَقَلَّتْ بِهٖ نَاقَتُهٗ، وَاَهَلَّ حِيْنَ عَلَا عَلٰى شَرَفِ الْبَيْدَاءِ. قَالَ سَعِيْدٌ: فَمَنْ اَخَذَ بِقَوْلِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَهَلَّ فِيْ مُصَلَّاهُ اِذَا فَرَغَ مِنْ رَكْعَتَيْهِ

✿✿ سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: اے ابوعباس رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے اصحاب کے نبی اکرم ﷺ کے احرام باندھنے کے بارے میں اختلاف پر مجھے حیرت ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کس وقت احرام باندھا تھا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں اس بارے میں سب سے زیادہ علم رکھتا ہوں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے صرف ایک مرتبہ حج کیا تھا اسی وجہ سے ان لوگوں کے درمیان اختلاف ہوا ہے۔ نبی اکرم ﷺ حج کرنے کے لئے روانہ ہوئے جب آپ ﷺ نے ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز ادا کر لی تو آپ ﷺ نے اسی محفل میں (حج کو) اپنے اوپر واجب کر لیا۔ (یعنی حج کرنے کی نیت کر لی یا اس کا تلبیہ پڑھا) آپ ﷺ نے دو رکعت سے فارغ ہونے کے بعد حج کا تلبیہ پڑھا جب لوگوں نے اسے سنا تو انہوں نے آپ ﷺ کی زبانی سن کر اسے یاد کیا۔ پھر آپ ﷺ سوار ہوئے۔ جب آپ ﷺ کی اونٹنی کھڑی ہوئی تو آپ ﷺ نے پھر تلبیہ پڑھنا شروع کیا کچھ لوگوں نے اس صورتحال کو پایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ مختلف گروہوں کی شکل میں (وقفے وقفے سے) آرہے تھے۔ تو جن لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کو اس وقت تلبیہ پڑھتے ہوئے سنا جب آپ ﷺ کی اونٹنی کھڑی ہوئی تھی انہوں نے یہ کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس وقت تلبیہ پڑھنا شروع کیا تھا جب آپ ﷺ کی اونٹنی کھڑی ہوئی تھی۔ پھر نبی اکرم ﷺ روانہ ہوئے جب آپ ﷺ مقام بیداء کے بلندی پر پہنچے تو اس وقت بھی آپ ﷺ نے تلبیہ پڑھا۔ کچھ لوگوں نے آپ ﷺ کو ایسی صورت حال میں پایا تو انہوں نے یہ بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس وقت تلبیہ پڑھنا شروع کیا جب آپ ﷺ میدان بیداء کے بلند حصے پر چڑھے تھے۔

سعید نامی راوی کہتے ہیں: اللہ کی قسم! انہوں نے اپنی جائے نماز پر ہی حج کی نیت کر لی تھی اور اس وقت تلبیہ پڑھا تھا جب آپ ﷺ کی اونٹنی کھڑی ہوئی تھی اور اس وقت تلبیہ پڑھا تھا جب آپ ﷺ بیداء کی بلندی پر پہنچے تھے۔

سعید نامی راوی کہتے ہیں: جو شخص حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر فتویٰ دیتا ہے تو وہ اپنی جائے نماز پر ہی دو رکعت سے فارغ ہونے کے بعد تلبیہ پڑھنا شروع کر دے گا۔

احرام باندھتے وقت غسل یا وضو کی فضیلت کا بیان

اور جب وہ احرام باندھنے کا قصد کرے تو وہ غسل کرے یا وضو کرے البتہ غسل کرنا افضل ہے۔ کیونکہ روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے احرام کے لئے کیا ہے۔ (ترمذی، طبرانی، دار قطنی) لیکن یہ پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے ہے۔ یہاں تک کہ

حائض کو حکم دیا جائے گا چاہے اس سے فرض واقع نہ ہو۔ لہٰذا وضو اس غسل کے قائم مقام ہو جائے گا جس طرح جمعہ میں ہوتا ہے۔ لیکن غسل کرنا افضل ہے کیونکہ صحیح معنوں میں پاکیزگی کا مفہوم غسل میں ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار کیا ہے۔

جمہور فقہاء کے نزدیک غسل احرام کے استحباب کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ امام طبرانی نے اپنی معجم میں اور امام دارقطنی نے اپنی سنن میں حدیث نقل فرمائی ہے اور ان دونوں روایات میں یہ لفظ ہے کہ احرام کے لئے غسل کیا جائے گا۔ اور مسئلہ میں تمام احادیث قولی ہیں فعلی کوئی حدیث نہیں ہے لہٰذا ان احادیث کی مطابقت صاحب ہدایہ والی روایت کے ساتھ نہیں ہے۔

امام ترمذی علیہ الرحمہ کی روایت کردہ حدیث کے مطابق ہے اور اس میں یہ ہے کہ غسل صفائی کو زیادہ کرتا ہے۔ اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ غسل واجب نہیں ہے جبکہ داؤد ظاہری نے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک واجب ہے۔

امام حسن بصری علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر وہ یہ غسل بھول جائے تو جب اس کو یاد آئے وہ کرے۔ اور بعض اہل مدینہ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ اس کے ترک پر دم واجب ہے۔ جمہور فقہاء کا موقف یہ ہے کہ یہ غسل احرام کے لئے مستحب ہے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۳۵، حقانیہ ملتان)

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسلمہ، مالک، زید بن اسلم، ابراہیم بن عبداللہ بن حسنین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (محرم کے سر دھونے کے متعلق) مقام ابواء میں عبداللہ بن عباس اور مسور بن مخرمہ کے درمیان اختلاف ہوا ابن عباس کا کہنا تھا کہ محرم اپنا سر دھو سکتا ہے اور مسور کہتے ہیں کہ محرم سر نہیں دھو سکتا پس مسئلہ دریافت کرنے کے لیے عبداللہ نے عبداللہ بن حسنین کو حضرت ایوب انصاری کے پاس بھیجا عبداللہ بن حسنین نے ابوایوب انصاری کو کنوئیں پر لگی ہوئی دو لکڑیوں کے بیچ میں ایک کپڑے کی آڑ میں غسل کرتے ہوئے پایا عبداللہ بن حسنین کہتے ہیں کہ میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے پوچھا یہ کون ہے؟ میں نے کہا میں عبداللہ بن حسنین ہیں مجھے عبداللہ بن عباس نے آپ سے یہ دریافت کرنے کے لیے بھیجا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت میں اپنا سر کس طرح دھوتے تھے؟ (یہ سن کر) ابوایوب نے کپڑے پر ہاتھ رکھا اور سر اٹھایا یہاں تک کہ مجھے ان کا سر نظر آنے لگا پھر انہوں نے اسی شخص سے جوان پر پانی ڈال رہا تھا کہا تو پانی ڈال پس اس نے ان کے سر پر پانی ڈالا اور انہوں نے اپنے سر کو ہاتھوں سے ملا اور ہاتھ آگے سے پیچھے کی طرف اور پیچھے سے آگے کی طرف لائے پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (سنن ابوداؤد)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حج کا احرام باندھتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا۔

(جامع الترمذی، أبواب الحج، باب ماجاء فی الاغتسال عند الاحرام، الحدیث ۸۳۱)

احرام میں استعمال ہونے والے کپڑوں کا بیان

اور وہ دو نئے کپڑے یا دھلے ہوئے پہنے، (۱) ازار (۲) چادر۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے احرام کے وقت ازار پہنا اور ایک چادر اوڑھی۔ (بخاری) کیونکہ احرام والے کو سلے ہوئے کپڑوں سے منع کیا گیا ہے۔ ستر کو چھپانا اور گرمی و سردی سے بچنا ضروری

ہے اوراس کا حصول اسی تعین سے ہوگا۔البتہ نئے کپڑے پہننا افضل ہے کیونکہ پاکیزگی کے زیادہ قریب یہی ہے۔

احرام باندھنے کا مستحب طریقہ

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ احرام کا مسنون ومستحب طریقہ یہ ہے کہ غسل کرے، بدن سے میل اتارے، ناخن ترشوائے، خط بنوائے، موئے بغل وزیر ناف دُور کرے، سرمُنڈانے کی عادت ہوتو منڈائے ورنہ کنگھی کرے، تیل ڈالے، بدن میں خوشبو لگائے، پھر جامہ احرام پہن کر دو رکعت نماز بہ نیت سنت احرام پڑھے۔ پھر وہیں قبلہ رو بیٹھا دل وزبان سے نیت کرے۔ب آواز تین بار لبیک کہے۔آسانی وقبول کی دعا مانگے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔(فتاوی رضویہ، کتاب الحج، ج۱۰)

کندھے سے چادر باندھنے پر محرم کے فدیے میں فقہی مذاہب کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ محرم چادر اپنے کندھے سے نہ باندھے اور اگر اس نے اس طرح کیا ہے تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔اور علامہ قرطبی علیہ الرحمہ نے کہا ہے امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک اس پر فدیہ واجب ہے۔ابونصر عراقی نے کہا ہے مکروہ ہے لیکن اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔اسی طرح ابوثور، ابن منذر نے کہا ہے۔

علامہ نووی شافعی نے کہا ہے کہ ان کا قول شاذ ہے لہٰذا اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔کیونکہ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایک محرم کو دیکھا جس نے کپڑا باندھا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو ہلاک ہو رسی کو اتار۔لیکن آپ ﷺ نے فدیے کا حکم نہیں دیا۔(البنائیہ شرح الہدایہ، ج۵، ص۷۳، حقانیہ ملتان)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے احرام کے لیے سلہ ہوا لباس اتارا اور غسل کیا۔(ترمذی، دارمی)

لباس اتارنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلے ہوئے کپڑے اپنے بدن سے اتار دیئے اور تہبند باندھ کر چادر اوڑھ لی جو احرام کے کپڑے ہیں چنانچہ احرام کی حالت میں سلا ہوا کپڑا مثلاً کرتا، پائجامہ، ٹوپی عبا، قبا اور موزہ وغیرہ پہننا منع ہے۔جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوا احرام کے لئے غسل کرنا مسنون وافضل ہے، اگر غسل نہ ہو سکے تو پھر وضو پر اکتفا بھی جائز ہے حیض ونفاس والی عورت اور نابالغ بچوں کے لئے بھی غسل مسنون ہے۔

احرام کی وجہ تسمیہ

احرام کے معنی ہیں حرام کر دینا چونکہ حج کرنے والے پر کئی چیزیں حرام ہو جاتی ہیں لہٰذا اس اظہار کے واسطے کہ اس وقت یہ چیزیں حرام ہوگئی ہیں ایک لباس جو صرف ایک چادر اور تہبند ہوتا ہے۔بہ نیت حج یا عمرہ باندھا جاتا ہے جس کو احرام کہتے ہیں۔

حج اور عمرے کے لیے احرام باندھنا ضروری ہے۔مرد کے لیے احرام کا لباس دو چادریں ہیں، وہ احرام کی حالت میں شلوار، قمیص نہیں پہن سکتا۔اسی طرح اس کا سر بھی ننگا رہنا ضروری ہے۔تاہم وہ ہر طرح کی جوتی اور موزے پہن سکتا ہے، اور

موزوں کو ٹخنوں کے نیچے تک کاٹ لے گا، جیسا کہ صحیح بخاری، حدیث: 1542 میں ہے۔ عورت کے احرام کے لیے مذکورہ چیزوں کی پابندی نہیں ہے وہ اپنے عام لباس ہی میں احرام باندھے گی، اس کے لیے سر کا اور ٹخنوں کا ننگا رکھنا بھی ضروری نہیں ہے بلکہ وہ عام حالات کی طرح اس حالت میں بھی سر اور ٹخنے اور جسم کے سارے حصوں کو ڈھک کر رکھے گی۔ البتہ احرام کی حالت میں اسے چہرے پر نقاب ڈالنے سے اور ہاتھوں میں دستانے پہننے سے منع کیا گیا ہے لیکن یہ حالت اس وقت ہوگی جب مردوں کا سامنا نہ ہو۔ اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب ہمارا سامنا مردوں سے ہوتا تو ہم اپنے چہروں کو چھپالیتیں۔

(سنن ابی داؤد، المناسک)

احرام باندھتے وقت خوشبو لگانے کا بیان

اور اگر اس کے ہاں مہیا ہو تو خوشبو لگائے۔ اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ اس کے لئے خوشبو لگانا مکروہ ہے کیونکہ اس کی ذات احرام کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی علیہما الرحمہ کا قول بھی یہی ہے۔ کیونکہ وہ شخص احرام کے بعد بھی اس خوشبو سے فائدہ حاصل کرنے والا ہے۔ اس قول مشہور کی دلیل حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک کو خوشبو لگاتی تھی اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام باندھنے سے پہلے لگایا کرتی تھی۔ (بخاری و مسلم) اور جس سے روکا گیا ہے وہ احرام کے بعد خوشبو لگانا ہے۔ البتہ بقیہ اس کے تابع ہونے کی طرح ہیں۔ کیونکہ بدن تو ملا ہوا ہوتا ہے بہ خلاف کپڑے کے کہ وہ ملا ہوا نہیں ہوتا۔

احرام میں خوشبو لگانے سے متعلق مذاہب اربعہ کا بیان

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام کے لیے احرام باندھنے سے پہلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام سے نکلنے کے لیے طواف کعبہ سے پہلے خوشبو لگاتی تھی اور ایسی خوشبو لگتی تھی جس میں مشک ہوتا تھا گویا میں اب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم احرام باندھے ہوئے ہیں یعنی وہ چمک گویا میری آنکھوں تلے پھرتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب احرام کا ارادہ کرتے تو احرام باندھنے سے پہلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگاتی اور وہ خوشبو ایسی ہوتی جس میں مشک بھی ہوتا تھا۔ لہٰذا اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر خوشبو احرام سے پہلے لگائی جائے اور اس کا اثر احرام کے بعد بھی باقی رہے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ خوشبو کا احرام کے بعد استعمال کرنا ممنوعات احرام سے ہے نہ کہ احرام سے پہلے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے کہ احرام کے بعد خوشبو استعمال کرنا ممنوع ہے احرام سے پہلے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی کے ہاں احرام سے پہلے بھی ایسی خوشبو لگانا مکروہ ہے جس کا اثر احرام باندھنے کے بعد بھی باقی رہے۔ ولحلہ قبل ان یطوف بالبیت (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام سے نکلنے کے لئے الخ) کا مفہوم سمجھنے سے

پہلے یہ تفصیل جان لینی چاہیے کہ بقرعید کے روز (یعنی دسویں ذی الحجہ کو) حاجی مزدلفہ سے منیٰ میں آتے ہیں اور وہاں رمی جمرہ عقبہ (جمرہ عقبہ پر کنکر مارنے) کے بعد احرام سے نکل آتے ہیں یعنی وہ تمام باتیں جو حالت احرام میں منع تھیں اب جائز ہو جاتی ہیں البتہ رفث (جماع کرنا یا عورت کے سامنے جماع کا ذکر اور شہوت انگیز باتیں کرنا) جائز نہیں ہوتا یہاں تک کہ جب مکہ واپس آتے ہیں اور طواف افاضہ کر لیتے ہیں تو رفث بھی جائز ہو جاتا ہے۔ لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس جملہ کی مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب احرام سے نکل آتے یعنی مزدلفہ سے منیٰ آ کر رمی جمرہ عقبہ سے فارغ ہو جاتے لیکن ابھی تک مکہ آ کر طواف افاضہ نہ کر چکے ہوتے تو میں اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگاتی تھی۔

احرام کی دو رکعات کا بیان

اور دو رکعات پڑھے کیونکہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں حالت احرام میں دو رکعات نماز پڑھی۔ (مسلم) صاحب قدوری نے فرمایا ہے کہ وہ شخص یہ کہے اے اللہ! میں حج کا ارادہ کرتا ہوں تو اس کو میرے لئے آسان فرما دے اور میری طرف اس کو قبول فرما۔ کیونکہ حج کی ادائیگی مختلف زمانوں میں اور مختلف جگہوں میں ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ عام طور پر مشقت سے خالی نہیں ہوگا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے اس میں آسانی کے لئے دعا مانگنی چاہیے۔ جبکہ نماز میں اس طرح کی دعا کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ اس کا وقت آسان ہے اور عام طور پر اس کی آدائیگی آسان ہے۔ اور صاحب قدوری نے کہا ہے پھر وہ اپنی نماز کے بعد تلبیہ کہے کیونکہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد تلبیہ کہا۔ (ترمذی، نسائی) اور اگر وہ اپنی سواری کو صحیح کرنے کے بعد تلبیہ کہے تب بھی درست ہے۔ لیکن فضیلت پہلے طریقے کو ہے اسی حدیث کے پیش نظر جو ہم روایت کر چکے ہیں۔

احرام کے لئے دو رکعت نماز پڑھنا مسنون ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (احرام باندھتے وقت) ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز پڑھتے اور پھر جب ذوالحلیفہ کی مسجد کے قریب اونٹنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر کھڑی ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات کو (یعنی لبیک کے مشہور کلمات کو جو پہلے گزر چکے ہیں) بآواز بلند کہتے اور (پھر) یہ کلمات (مزید) کہتے **لبیک اللھم لبیک لبیک وسعدیک والخیر فی یدیک لبیک والرغباء الیک والعمل**۔ حاضر ہوں تیری خدمت میں اے اللہ! میں تیری خدمت میں حاضر ہوں، حاضر ہوں تیری خدمت میں اور نیک بختی حاصل کرتا ہوں تیری خدمت میں اور بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے حاضر ہوں تیری خدمت میں اور رغبت و توجہ تیری طرف ہے اور عمل تیرے ہی لئے ہے۔ اس روایت کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے لیکن الفاظ مسلم کے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ پہنچتے تو وہاں پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت نماز بہ نیت نفل پڑھتے جو احرام کے لئے مسنون ہے اور ان دونوں رکعتوں میں آیت (قل یا ایھا الکافرون) اور (قل ھو اللہ احد) کی قرأت کرتے پھر نیت کرتے اس کے بعد لبیک کہتے اور پھر جب آپ مسجد ذوالحلیفہ کے پاس اونٹنی پر سوار ہوتے اور اونٹنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے

کرکھڑی ہوتی تو اس وقت بھی پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کلمات کے ذریعہ تلبیہ کرتے جو مشہور ہیں اور پھر لبیک کے مزید وہ کلمات کہتے جو حدیث میں نقل کیے گئے ہیں۔

1771 - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: بَيْدَاؤُكُمْ هٰذِهِ الَّتِي تُكَذِّبُونَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا مَا أَهَلَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِلَّا مِنْ عِنْدِ الْمَسْجِدِ يَعْنِي مَسْجِدَ ذِي الْحُلَيْفَةِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: بیداء کا مقام وہ جگہ ہے' جس کے بارے میں تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے غلط بات منسوب کرتے ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے پاس ہی تلبیہ پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ ان کی مراد ذوالحلیفہ کی مسجد تھی۔

1772 - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ جُرَيْجٍ أَنَّهُ، قَالَ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، رَأَيْتُكَ تَصْنَعُ أَرْبَعًا لَمْ أَرَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِكَ يَصْنَعُهَا، قَالَ: مَا هُنَّ يَا ابْنَ جُرَيْجٍ، قَالَ: رَأَيْتُكَ لَا تَمَسُّ مِنَ الْأَرْكَانِ إِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ، وَرَأَيْتُكَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ، وَرَأَيْتُكَ تَصْبُغُ بِالصُّفْرَةِ، وَرَأَيْتُكَ إِذَا كُنْتَ بِمَكَّةَ أَهَلَّ النَّاسُ إِذَا رَأَوُا الْهِلَالَ، وَلَمْ تُهِلَّ أَنْتَ حَتَّى كَانَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ، فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ: أَمَّا الْأَرْكَانُ فَإِنِّي لَمْ أَرَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمَسُّ إِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ، وَأَمَّا النِّعَالُ السِّبْتِيَّةُ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِي لَيْسَ فِيهَا شَعْرٌ وَيَتَوَضَّأُ فِيهَا، فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَلْبَسَهَا، وَأَمَّا الصُّفْرَةُ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْبُغُ بِهَا، فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَصْبُغَ بِهَا، وَأَمَّا الْإِهْلَالُ فَإِنِّي لَمْ أَرَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهِلُّ حَتَّى تَنْبَعِثَ بِهِ رَاحِلَتُهُ

عبید بن جریج بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: اے ابوعبدالرحمن! میں نے آپ کو چار کام کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں نے آپ کے ساتھیوں میں سے اور کسی کو یہ کرتے نہیں دیکھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے دریافت کیا: اے ابن جریج وہ کون سے کام ہیں' تو انہوں نے کہا: میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ صرف دو یمانی ارکان کا استلام کرتے ہیں اور میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ سبتی جوتے پہنتے ہیں اور میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ زرد رنگ استعمال کرتے ہیں اور میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ جب آپ مکہ میں موجود ہوں' تو لوگ پہلی کا چاند دیکھنے کے ساتھ ہی تلبیہ پڑھنا شروع کر دیتے ہیں لیکن آپ ترویہ کے دن تلبیہ پڑھنا شروع کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جہاں تک (خانہ کعبہ کے) ارکان کا تعلق ہے' تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف دو یمانی ارکان کا استلام کرتے دیکھا ہے جہاں تک سبتی جوتوں کا تعلق ہے' تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے جوتے بھی پہنے دیکھا ہے

1772- اسناده صحيح. وهو عند مالك في "الموطا" 1/ 333، ومن طريقه اخرجه البخاري (166) و (5851)، ومسلم (1187)، والنسائي في "الكبرى" (117) و (3726) و (3917). ورواية بعضهم مختصرة. واخرجه مقطعاً ابن ماجه (3626)، والنسائي في "الكبرى" (117) و (3726) و (3917) من طرق عن سعيد بن ابي سعيد المقبري، به.

جن میں بال نہیں ہوتے آپ ﷺ انہیں پہن کر ہی وضو کر لیتے تھے اور میں ایسی بات پسند کرتا ہوں کہ میں ایسے جوتے پہنوں۔ جہاں تک زرد رنگ کا تعلق ہے تو میں نے نبی اکرم ﷺ کو زرد رنگ استعمال کرتے ہوئے دیکھا ہے تو مجھے پسند ہے کہ میں اس رنگ کو استعمال کروں۔ جہاں تک تلبیہ پڑھنے کا تعلق ہے تو میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ ﷺ نے اس وقت تلبیہ پڑھنا شروع کیا تھا جب آپ ﷺ کی سواری کھڑی ہوگئی تھی۔

1773 - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ بِالْمَدِينَةِ أَرْبَعًا، وَصَلَّى الْعَصْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ بَاتَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ حَتَّى أَصْبَحَ، فَلَمَّا رَكِبَ رَاحِلَتَهُ وَاسْتَوَتْ بِهِ أَهَلَّ

❁❁ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں ظہر کی نماز کی چار رکعت ادا کیں اور ذوالحلیفہ میں عصر کی دو رکعت ادا کیں' پھر آپ ﷺ نے ذوالحلیفہ میں رات بسر کی یہاں تک کہ صبح ہوگئی پھر آپ ﷺ کی سواری کھڑی ہوئی اور بالکل تیار ہوگئی تو آپ ﷺ نے تلبیہ پڑھنا شروع کیا۔

جب تلبیہ پڑھا تو محرم ہوگیا

جب وہ تلبیہ کہے اور احرام باندھ لے تو وہ نیت کرے کیونکہ نیت کے بغیر عبادت کی ادائیگی نہیں ہوتی۔ لیکن صاحب قدوری نے نیت کا ذکر نہیں کیا کیونکہ نیت کی جانب اس کا یہ قول "اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ" بطور اشارہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور وہ صرف نیت سے احرام باندھنے والا نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ وہ تلبیہ نہ پڑھ لے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے کیونکہ احرام ان کے نزدیک ایک عقد کا نام ہے لہٰذا اس کی ادا پر ذکر کرنا ضروری ہے۔ جس طرح نماز میں تکبیر تحریمہ ہے۔ اور ایسے ذکر سے ابتداء کرنے والا ہوگا جس سے تعظیم کا قصد ہو۔ سوائے تلبیہ کے خواہ وہ تلبیہ فارسی میں یا عربی میں ہو۔ ہمارے اصحاب سے یہی مشہور ہے۔ صاحبین کی دلیل کے مطابق نماز اور حج میں فرق یہ ہے کہ حج کا باب نماز کے باب سے بہت زیادہ وسعت والا ہے لہٰذا غیر ذکر ذکر کے قائم مقام ہوگیا۔ جس طرح بدنہ کے گلے میں قلادہ ڈالنا ہے ہے پس اسی طرح ہی تلبیہ اور وہ عربی کے سوا ہے۔ (ہدایہ، کتاب حج، لاہور)

تلبیہ کی ابتداء کرنے کے معنی ومفہوم کا بیان

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حضرت سیّدنا عبید بن جریج سے روایت ہے کہ انہوں نے سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ اے ابوعبدالرحمن! میں نے تمہیں چار ایسے کام کرتے ہوئے دیکھا ہے جو تمہارے ساتھیوں میں سے کسی کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ اے جریج کے بیٹے! وہ کونسے کام ہیں؟ انہوں نے کہا کہ اوّل یہ کہ میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم کعبہ کے کونوں میں سے (طواف کے وقت) ہاتھ نہیں لگاتے ہو مگر دو کونوں کو جو یمن کی طرف ہیں۔ دوسرے یہ کہ تم سبتی جوتے پہنتے ہو۔ تیسرے یہ کہ (زعفران وورس وغیرہ سے داڑھی) رنگتے ہو۔ چوتھے یہ کہ جب تم مکہ میں ہوتے تھے، تو لوگوں نے چاند دیکھتے ہی لبیک پکارنا شروع کر دی تھی مگر آپ نے آٹھ ذی الحجہ کو پکاری۔ پس سیّدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ (سنو!)

ارکان تو میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چھوتے ہوں سوا ان کے جو یمن کی طرف ہیں اور سبتی جوتے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ بھی ایسے جوتے پہنتے تھے جس میں بال نہ ہوں اور اسی میں وضو کرتے تھے (یعنی وضو کر کے گیلے پیر میں اس کو پہن لیتے تھے) پس میں بھی اس کو دوست رکھتا ہوں کہ میں بھی اسی کو پہنوں۔ رہی زردی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ وہ بھی اس سے رنگتے تھے (یعنی بالوں کو یا کپڑوں کو) تو میں بھی پسند کرتا ہوں کہ اس سے رنگوں اور لبیک، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لبیک پکارا ہو مگر جب اونٹنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سوار کر کے اٹھی (یعنی مسجد ذوالحلیفہ کے پاس)۔ (صحیح مسلم کتاب الحج، قدیمی کتب خانہ کراچی)

تلبیہ کی ابتداء کے بارے میں مذاہب اربعہ کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے پاؤں رکاب میں ڈالے اور اونٹنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر کھڑی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ کی مسجد کے قریب تلبیہ کیا (یعنی بآواز بلند لبیک کہی)

(بخاری ومسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر رخت سفر باندھا اور ظہر کی نماز مدینہ میں پڑھ کر روانہ ہوئے۔ عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھی جو اہل مدینہ کے لئے میقات ہے رات وہیں گزاری اور پھر صبح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا۔

اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھ کر اور اونٹ کے کھڑے ہو جانے کے بعد لبیک کہی جب ایک دوسری روایت میں یہ منقول ہے کہ احرام کے لیے بہ نیت نفل دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد لبیک کہی نیز ایک روایت یہ بتاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیداء پہنچ کر جو ایک بلند جگہ کا نام ہے لبیک کہی اس طرح لبیک کہنے کے وقت کے سلسلہ میں تین طرح کی روایتیں منقول ہیں۔

چنانچہ حضرت امام شافعی نے تو پہلی روایت پر کہ جو یہاں نقل کی گئی ہے عمل کرتے ہوئے کہا کہ اونٹ پر (یا جو بھی سواری ہو اس پر) بیٹھ کر لبیک کہی جائے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد نے دوسری روایت کو اختیار کیا ہے۔ لہٰذا ان تینوں ائمہ کے ہاں مستحب یہ ہے کہ دو رکعت نماز نفل پڑھنے کے بعد احرام کی نیت کی جائے اور پھر وہیں مصلی پر بیٹھے ہی ہوئے لبیک کہے تو یہ جائز ہے لیکن نماز کے بعد ہی لبیک کہنا افضل ہے۔

اب ان تینوں روایتوں کے تضاد کو اس تطبیق کے ساتھ دور کیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ کر مصلی پر بیٹھے ہوئے لبیک کہی پھر جب اونٹنی پر بیٹھے تو اس وقت بھی لبیک کہی اور اس کے بعد جب مقام بیداء پر پہنچے تو وہاں بھی لبیک کہی چنانچہ علماء نے اسی لیے لکھا ہے کہ حالت وقت اور جگہ کے تغیرات کے وقت لبیک کی تکرار مستحب ہے۔

بہرکیف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح تین مرتبہ لبیک کہی اور جس راوی نے جہاں لبیک کہتے سنا وہ یہ سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں سے لبیک کہنی شروع کی ہے اس لئے ہر ایک راوی نے اپنے سننے کے مطابق ذکر کر دیا۔ اس تطبیق و توجیہ کی بنیاد

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ روایت ہے جسے شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں شرح کتاب خرقی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

حلالی کے تلبیہ پڑھنے میں مذاہب اربعہ کا بیان

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی لکھتے ہیں۔ کہ حضرت امام حسن، امام نخعی، عطاء بن سائب، حضرت امام شافعی، حضرت ابوثور، ابن منذر اور اصحاب رائے نے کہا ہے کہ حلالی شخص کے لئے تلبیہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ جبکہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ (المغنی، ج ۳، ص ۲۵۶، بیروت)

ولا بأس أن يلبي الحلال وبه قال الحسن و النخعي و عطاء بن السائب و الشافعي و أبو ثور و ابن المنذر وأصحاب الرأي وكرهه مالك۔ (المغنی)

بیداء کے ٹیلے سے تلبیہ شروع کرنے کا بیان

1774 - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا رَوْحٌ، حَدَّثَنَا اَشْعَثُ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ، ثُمَّ رَكِبَ رَاحِلَتَهُ فَلَمَّا عَلَا عَلٰى جَبَلِ الْبَيْدَاءِ اَهَلَّ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز ادا کی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر سوار ہوئے جب وہ بیداء کے رتیلے ٹیلے کی بلندی پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ پڑھنا شروع کیا۔

1775 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا وَهْبٌ يَعْنِي ابْنَ جَرِيرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اَبِي، قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْحَاقَ، يُحَدِّثُ عَنْ اَبِي الزِّنَادِ، عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ سَعْدِ بْنِ اَبِي وَقَّاصٍ، قَالَتْ: قَالَ سَعْدُ بْنُ اَبِي وَقَّاصٍ: كَانَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَخَذَ طَرِيقَ الْفُرْعِ اَهَلَّ اِذَا اسْتَقَلَّتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ، وَاِذَا اَخَذَ طَرِيقَ اُحُدٍ اَهَلَّ اِذَا اَشْرَفَ عَلٰى جَبَلِ الْبَيْدَاءِ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ''فرع'' والے راستے کو اختیار کیا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تلبیہ پڑھنا شروع کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری سیدھی کھڑی ہوگئی' اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''احد'' کے راستے کو اختیار کیا تو اس وقت تلبیہ پڑھنا شروع کیا' جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیداء کے ٹیلے کی بلندی پر پہنچے۔

علاقہ فرع کا بیان

حضرت ربیعہ بن ابی عبدالرحمن (تابعی) بہت سے صحابہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال بن حارث مزنی کو نواح فرع میں قبل کی کانیں بطور جاگیر عطا فرما دیں تھیں چنانچہ ان کانوں میں سے اب تک صرف زکوۃ لی جاتی ہے۔ (ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 309)

قبلیہ قبل کی طرف منسوب ہے جو نواح فرع میں ایک جگہ کا نام ہے اور فرع مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک علاقہ ہے قبل میں جو کانیں تھیں انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دی تھیں تاکہ وہ ان کانوں میں سے جو کچھ برآمد کریں اس سے اپنی گزر بسر کا کام چلائیں۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ان کانوں میں سے زکوۃ یعنی چالیسواں حصہ لیا جاتا ہے گویا کہ خمس نہیں لیا جاتا جیسا کہ کانوں کے متعلق حکم ہے، چنانچہ حضرت امام مالک اور ایک قول کے مطابق حضرت امام شافعی کا مسلک یہی ہے کہ کانوں میں بھی چالیسواں حصہ واجب نہیں ہوتا حضرت امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔

حضرت امام شافعی کا ایک تیسرا قول یہ بھی ہے کہ اگر کان سے برآمد ہونے والی چیز بڑی محنت اور مشقت کے نتیجے میں حاصل ہوتو چالیسواں حصہ واجب ہوگا ورنہ بصورت دیگر خمس ہی واجب ہوگا۔ بہر حال حدیث چونکہ حنفیہ کے مسلک کے خلاف ہے اس لئے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حدیث کے مفہوم سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ ان کانوں میں سے خمس کے بجائے چالیسواں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کے مطابق لیا جاتا ہو بلکہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت کے حکام کے اپنے ذاتی اجتہاد سے ان کانوں میں سے بجائے خمس کے چالیسواں حصہ نکالنا ضروری قرار دیا ہوگا اور ظاہر ہے کہ ہمارے مسلک کی بنیاد کتاب اللہ، سنت صحیحہ اور قیاس پر ہے ملا علی قاری نے مرقات میں اس بات کو بڑی تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے اہل علم اس کتاب سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

بَابُ الِاشْتِرَاطِ فِي الْحَجِّ

باب: حج میں شرط عائد کرنا

1776 - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ، عَنْ هِلَالِ بْنِ خَبَّابٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ ضُبَاعَةَ بِنْتَ الزُّبَيْرِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، أَتَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ أَشْتَرِطُ. قَالَ: نَعَمْ. قَالَتْ: فَكَيْفَ أَقُولُ؟. قَالَ: قُولِي لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، وَمَحِلِّي مِنَ الْأَرْضِ حَيْثُ حَبَسْتَنِي

❁❁ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: سیدہ ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! میں حج کا ارادہ رکھتی ہوں' تو کیا میں شرط عائد کرلوں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جی ہاں۔ انہوں نے عرض کی: میں کیا پڑھوں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم یہ پڑھو۔

''میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں اور میں اس جگہ پر احرام کھول دوں گی جہاں' تو مجھے روک دے گا''۔

بَابٌ فِي إِفْرَادِ الْحَجِّ

باب: حج افراد کرنا

حج افراد یا تمتع میں سے ہر ایک کی فضیلت میں فقہی مذاہب اربعہ کا بیان

علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ تمتع جائز ہے جیسا کہ تفصیل آگے آئے گی اور حج افراد جائز ہے اور حج قرآن بھی جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صورتوں کو پسند فرمایا اور کسی صحابی کے حج کی کون سی صورت کا احرام باندھا تھا اور حج کی

ان صورتوں میں افضل صورت کیا ہے؟ کیونکہ اس کے متعلق وارداحادیث مختلف ہیں، بعض علماء نے فرمایا: جن میں سے امام مالک بھی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج مفرد کیا تھا اور حج افراد، حج قرآن سے افضل ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرمایا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو تم میں سے حج اور عمرہ کا احرام باندھنا ہے وہ ایسا کرے اور جو صرف حج کا احرام باندھنا چاہے وہ حج کا احرام باندھنا چاہے وہ حج کا احرام باندھ لے اور جو عمرہ کا احرام باندھنا چاہے وہ عمر کا احرام باندھ لے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا اور آپ کے ساتھ دوسرے لوگوں نے بھی احرام باندھا، اور بعض لوگوں نے عمرہ اور حج دونوں کا احرام باندھا، بعض نے صرف عمرہ کا احرام باندھا اور میں ان لوگوں میں سے تھی جنہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔

اس حدیث کو ایک جماعت نے ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا کے سلسلہ سے روایت کیا ہے۔ بعض نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے حج کا احرام باندھا ہے۔ یہ اختلاف کے مقام پر نص ہے یہ ان علماء کی حجت ہے جنہوں نے حج افراد کا قول کیا اور اس کو افضل فرمایا، امام محمد بن حسن نے امام مالک سے روایت کیا ہے، فرمایا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مختلف احادیث مروی ہوں اور ہمیں خبر پہنچے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے ان میں سے ایک حدیث پر عمل کیا اور دوسری کو ترک کیا تو اس میں دلالت ہے کہ حق وہ ہے جس پر ان دونوں نے عمل کیا۔ اور ابو ثور نے افراد کو پسند کیا اور اسے حج تمتع اور حج قرآن پر فضیلت دی۔

یہ امام شافعی کا مشہور قول ہے اور دوسرے علماء نے حج تمتع افضل ہے یہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن زبیر کا مذہب ہے اور یہی امام احمد کا قول ہے۔ یہ امام شافعی کا قول ہے۔

دارقطنی نے کہا: امام شافعی نے کہا: میں نے افراد کو پسند کیا۔ تمتع بھی اچھا ہے ہم اسے ناپسند نہیں کرتے اور جنہوں نے حج تمتع کو فضیلت دی انہوں نے مسلم کی حضرت عمران بن حصین سے مروی حدیث سے حجت پکڑی ہے۔ انہوں نے فرمایا: تمتع کی آیت کتاب اللہ میں نازل ہوئی (یعنی حج تمتع کے بارے میں آیت) ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا پھر کوئی آیت نازل نہ ہوئی جس نے متعۃ الحج کی آیت کو منسوخ کر دیا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ پھر ایک شخص نے اپنی رائے سے کہا جو کہا۔ ترمذی نے روایت کیا ہے کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے بتایا انہوں نے مالک بن انس سے انہوں نے ابن شہاب سے انہوں نے محمد بن عبداللہ بن حارث بن نوفل سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے سعید بن ابی وقاص، ضحاک بن قیس سے معاویہ بن ابی سفیان کے حج کرنے کے سال سنا ان دونوں نے حج تمتع کا ذکر کیا۔ ضحاک بن قیس نے کہا: حج تمتع نہیں کرے گا مگر وہ جو اللہ کے حکم سے جاہل ہو گا۔ سعد نے کہا: اے میرے بھتیجے! تو نے میری بات کی۔ ضحاک نے کہا: حضرت عمر بن حطاب اس سے منع کرتے ہیں۔

حضرت سعد نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج تمتع کیا تھا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ حج تمتع کیا تھا، یہ حدیث صحیح

ہے۔ ابن اسحاق نے زہری اور انہوں نے سالم سے روایت کیا ہے، فرمایا: میں حضرت ابن عمر کے ساتھ مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شامی شخص آپ کے پاس آیا اس نے حج تمتع کے بارے میں پوچھا۔ حضرت ابن عمر نے کہا: خوبصورت عمل ہے۔ اس شخص نے کہا: تمہارا باپ اس سے منع کرتا ہے۔ حضرت ابن عمر نے کہا: تجھ پر افسوس میرا باپ اس سے اگر منع کرتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج تمتع کیا تھا اور اس کا حکم بھی فرمایا تھا۔ میں اپنے باپ کے قول پر عمل کروں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کروں؟ تو مجھ سے اٹھ جا۔ اس روایت کو دارقطنی نے نقل کیا ہے۔ یہ حدیث ابوعیسیٰ ترمذی نے صالح بن کیسان عن شھاب عن سالم کے سلسلہ سے نقل کی ہے۔ لیث عن طاؤس ابن عباس کے سلسلہ سے روایت کی ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر، حضرت عثمان نے حج تمتع کیا تھا سب سے پہلے حج تمتع سے حضرت معاویہ نے منع کیا تھا۔ یہ حدیث حسن ہے۔ ابوعمر نے کہا: لیث بن ابی سلیم ضعیف ہے۔

حضرت عمر اور حضرت عثمان سے مشہور ہے کہ وہ دونوں حج تمتع سے منع کرتے تھے اگرچہ اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ وہ تمتع جس سے حضرت عمر نے منع کیا تھا اور جس پر مارا تھا وہ حج کو فسخ کر کے عمرہ کرنا ہے۔ رہا پہلے عمرہ کرنا اور پھر حج کرنا اس سے حضرت عمر منع نہیں کرتے تھے اور جنہوں نے حضرت عمر کے حج تمتع سے منع کرنے کو صحیح کہا ہے ان کا خیال ہے کہ آپ حج تمتع سے اس لئے منع فرماتے تھے تاکہ بیت اللہ میں لوگ سال میں دو یا زیادہ مرتبہ آئیں تاکہ موسم حج کے علاوہ بھی زائرین کی اس میں کثرت رہے۔ آپ نے اہل حرم پر رفق و مہربانی داخل کرنے کا ارادہ کیا تھا تاکہ حضرت ابراہیم کی دعا ثابت ہو جائے فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم۔ (ابراہیم:37)

دوسرے کئی علماء نے فرمایا: حضرت عمر نے حج تمتع سے اس منع فرمایا تھا کیونکہ آپ نے دیکھا کہ لوگ آسانی اور رخصت کی وجہ سے حج تمتع کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ پس آپ کو حج افراد اور حج قرآن کے ضیاع کا اندیشہ ہوا جبکہ وہ دونوں حج کی وجہ سے حج تمتع کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ پس آپ کو حج افراد اور حج قرآن کے ضیاع کا اندیشہ ہوا جبکہ دو دونوں حج بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہیں۔ امام احمد نے حج تمتع کے اختیار پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے حجت پکڑی ہے "اگر مجھے اپنے معاملہ کا پہلے علم ہوتا جس کا مجھے بعد میں علم ہوا تو میں ہدی ساتھ نہ لے آتا اور حج کے احرام کو عمرہ بنا دیتا۔ اس حدیث کو ائمہ نے نقل کیا ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: حج قرآن افضل ہے، ان میں امام ابوحنیفہ اور ثوری ہیں۔ یہی قول مزنی کا ہے۔ انہوں نے فرمایا: کیونکہ اس میں انسان دو فرض اکٹھے ادا کرنے والا ہوتا ہے۔

یہ اسحاق کا قول ہے، اسحاق نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج قرآن کرنے والے تھے۔ یہ حضرت علی بن ابی طالب کا قول بھی ہے اور حضرت علی نے حج قرآن کو پسند کیا ہے اور اس کو فضیلت دی ہے۔ انہوں نے اس روایت سے حجت پکڑی ہے جو بخاری نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، فرمایا: میں نے وادی عقیق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا" اس رات میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا اس نے کہا: اس مبارک وادی میں نماز پڑھو اور حج و عمرہ کرو۔" ترمذی نے حضرت انس سے روایت کیا ہے، فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: لبیک بعمرۃ وحجۃ۔ یعنی آپ نے عمرہ اور حج کی

نیت سے تلبیہ کہا۔امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ابو عمر نے کہا: ان شاء اللہ حج افراد افضل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج مفرد کرنے والے تھے۔اسی وجہ سے ہم نے کہا: حج افراد افضل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج افراد کے متعلق ہوتا ہے۔ابو جعفر نحاس نے کہا: حج افراد کرنے والے کو متمتع سے زیادہ تھکاوٹ ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنے احرام پر باقی رہتا ہے۔اس لئے اس میں ثواب زیادہ ہے اور احادیث کے اتفاق کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حج تمتع اور قرآن کا حکم دیا تو یہ کہنا جائز ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج تمتع اور قران کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **نادی فرعون فی قومہ** (زخرف:51)

حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا: ہم نے رجم کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا حکم فرمایا تھا

میں کہتا ہوں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج میں ظاہر حج قرآن ہے آپ قرآن کرنے والے تھے اس کی وجہ حضرت عمر اور حضرت انس کی مذکرہ احادیث ہیں اور صحیح مسلم میں بکر سے انہوں نے حضرت انس سے روایت کیا ہے، فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حج اور عمرہ کا اکٹھا تلبیہ کہتے ہوئے سنا۔ بکر نے کہا میں نے انہیں حضرت ابن عمر کا قول بیان کیا۔حضرت انس نے کہا: تم ہمیں شمار نہیں کرتے مگر بچے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا اور صحابہ کرام نے حج کا احرام باندھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام نہ کھولا اور ان صحابہ نے بھی احرام نہ کھولا جنہوں نے ہدی ساتھ لائی تھی اور باقی لوگوں نے احرام کھول دیا تھا۔بعض اہل علم نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج قران کرنے والے تھے۔۔جب آپ قران کرنے والے تھے تو آپ نے حج اور عمرہ کیا تھا۔اس طرح احادیث متفق ہوگئیں۔نحاس نے کہا: سب سے بہتر وہ ہے جو کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔جس نے آپ کو دیکھا اس نے کہا: آپ نے عمرہ کیا پھر حج کا احرام باندھا،بعض نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے افراد کیا پھر کہا: لبیک بحجۃ وعمرۃ جس نے آپ سے یہ سنا اس نے کہا: آپ نے قران کیا۔پس احادیث متفق ہوگئیں اور اس پر دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے یہ روایت نہیں کیا کہ آپ نے فرمایا ہو میں نے حج مفرد کیا اور تمتع نہیں کیا اور آپ سے یہ صحیح مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے حج قران کیا۔جیسا کہ نسائی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھ سے پوچھا تو نے کیسا احرام باندھا؟ میں نے عرض کی: میں نے آپ کے احرام جیسا باندھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہدی ساتھ لایا ہوں اور حج قران کا احرام باندھا ہے۔حضرت علی نے فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا: اگر مجھے اپنے معاملہ کا پہلے علم ہوتا جس کا مجھے بعد میں علم ہوا تو میں بھی ایسا کرتا جیسا تم نے کیا ہے لیکن میں ہدی ساتھ لایا ہوں اور میں نے حج قران کا احرام باندھا ہے۔حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے، فرمایا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کیا ہے کہ انہوں نے اپنے عمرہ کا احرام کھول دیا ہے اور آپ نے احرام نہیں کھولا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے سر پر گوند لگائی ہوئی ہے اور میں ہدی ساتھ لایا ہوں میں احرام نہیں کھولوں گا حتیٰ کہ میں قربانی کرلوں گا۔یہ حدیث بیان کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حج قران

کرنے والے تھے، اگر آپ حج تمتع یا حج مفرد کرنے والے ہوتے تو آپ ہدی کے نحر کی وجہ سے نہ رو کتے۔

میں کہتا ہوں: نحاس نے جو یہ کہا ہے کہ کسی سے یہ مروی نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ میں نے حج افراد کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت گزر چکی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں حج کا احرام باندھتا ہوں اور مسلم کی حضرت ابن عمر سے روایت ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے عمرہ کیا پھر حج کا احرام باندھا تو میں حج کا احرام باندھتا ہوں کے ارشاد میں حج مفرد پر دلیل باقی نہ رہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ میں نے حج قران کیا باقی رہا اور حضرت انس جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لبیک بحجۃ وعمرۃ معا کہتے ہوئے سنا۔ یہ جملہ حق قران پر نص صریح ہے کسی تاویل کا احتمال نہیں رکھتا۔ دراقطنی نے عبداللہ بن ابی قتادہ سے انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اور عمرہ کو جمع کیا کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ اس کے بعد آپ دوبارہ حج کرنے والے نہیں۔

حج مفرد، تمتع اور قران میں سے ہر ایک کے بالاجماع جائز ہونے کا بیان

جب حج مفرد، تمتع اور قران کے بارے قول گزر چکا ہے کہ یہ سب بالاجماع جائز ہیں اور حج تمتع کی علماء کے نزدیک چار صورتیں ہیں: ایک صورت ایسی ہے جس پر اجماع ہے اور تین صورتیں مختلف فیہا ہیں۔ رہی وہ صورت جو مجتمع علیہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر من الھدی۔

یعنی انسان حج کے مہینوں میں میں عمرہ احرام باندھے۔ اس کا بیان آگے آئے گا اور وہ شخص آفاق ہو، مکہ مکرمہ میں آیا ہو، عمرہ سے فارغ ہو گیا ہو پھر مکہ میں اسی حج شروع کرنے تک بغیر احرام کے رہا ہو، اپنے گھر کی طرف واپس نہ گیا ہو یا باہر سے آنے والوں کے میقات کی طرف جانے سے پہلے اسی کیفیت میں رہا ہو۔ جب وہ اس طرح کرے گا تو وہ متمتع ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وہ واجب کیا ہے جو متمتع پر واجب کیا ہے اور یہ میسر ہدی ہے۔ وہ اس ہدی کو ذبح کرے گا اور منیٰ یا مکہ کے مساکین کو کھلائے گا۔ اگر ہدی نہ پائے تو تین روزے رکھے گا اور سات روزے اپنے شہر واپس آ کر رکھے گا۔ جیسا کہ آگے آئے گا اور مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اس پر دسویں کا روزہ نہیں ہے اور ایام تشریق کے روزوں کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس حج تمتع پر علماء متقدمین ومتاخرین کا اجماع ہے۔ اس کی آٹھ شروط ہیں: (1) حج وعمرہ کا جمع کرنا (2) ایک سفر میں ہونا (3) ایک سال میں ہونا (4) حج کے مہینوں میں ہونا (5) عمرہ کا پہلے کرنا (6) دونوں کو یہ ملانا بلکہ عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنا (7) عمرہ اور حج ایک شخص کی طرف سے ہونا (8) اہل مکہ کے علاوہ سے ہونا۔ ان شروط میں غور کر جو ہم نے تمتع کے حکم میں بیان کی ہیں تو ان کو پالے گا۔

دوسری وجہ حج قران ہے وہ یہ ہے کہ ایک احرام میں حج اور عمرہ کو جمع کرنا، وہ دونوں کا اکٹھا احرام حج کے مہینے میں باندھے یا کسی اور مہینے میں باندھے اور وہ کہے: لبیک بحجۃ وعمرۃ معا (میں نے حج وعمرہ کا اکٹھا احرام باندھا) جب مکہ شریف میں آئے تو حج و عمرہ کے لئے ایک طواف کرے اور ایک سعی کرے۔ یہ امام مالک، امام شافعی، ان کے اصحاب، اسحاق اور ابو ثور کی رائے ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عطا بن ابی رباح، حسن، مجاہد اور طاؤس کا مذہب ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے، فرمایا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع کے لئے نکلے ہم نے عمرہ کا احرام باندھا۔۔۔ الحدیث

اس حدیث میں ہے جنہوں نے حج وعمرہ کو جمع کیا تھا، انہوں نے ایک طواف کیا تھا۔ یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ سے جانے کے دن فرمایا جبکہ حضرت عائشہ نے بیت اللہ کا طواف نہیں کیا تھا کیونکہ آپ کو حیض آ گیا تھا: تیرا طواف تیرے حج اور عمرہ کی طرف سے ہوگا۔ ایک روایت میں: تیرا صفا و مروہ کا طواف تیرے حج اور عمرہ کی طرف سے ہوگا۔ اس کو مسلم نے روایت کیا ہے یا مکہ پہنچ کر دو طواف اور دو سعی کرے۔ یہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب م ثوری، اوزاعی، حسن بن صالح اور ابن ابی لیلیٰ کا نظریہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث سے حجت پکڑی ہے کہ انہوں نے حج اور عمرہ کو جمع کیا اور دونوں کے لئے دو طواف اور دو سعی کیں پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کرتے دیکھا ہے۔ دار قطنی نے اپنی سنن میں یہ احادیث روایت کی ہیں اور تمام کو ضعیف قرار دیا ہے اور حج قران کو تمتع کے باب سے بتایا ہے کیونکہ قارن ایک مرتبہ عمرہ اور ایک حج کے سفر کی مشقت کو ترک کرنے کے ساتھ متمتع ہوتا ہے اور دونوں سے اکٹھا متمتع ہوتا ہے اور ہر ایک کے لئے میقات سے علیحدہ احرام نہیں باندھتا اور حج کو عمرہ کے ساتھ ملاتا ہے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت داخل ہے: **فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر من الھدی**۔ یہ تمتع کی ایک صورت ہے اس کے جواز میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں اور اہل مدینہ حج اور عمرہ جمع کرنے کی اجازت صرف اس صورت میں دیتے ہیں جبکہ حاجی ہدی ساتھ لایا ہو۔ اور ان کے نزدیک اس صورت میں اونٹ دینا ہوگا اس سے کم نہیں۔ قران کے تمتع ہونے پر دلیل حضرت ابن عمر کا قول ہے۔ قران کو انہوں نے اہل آفاق کے لئے بنایا ہے اور پھر یہ آیت پڑھی۔ **ذلک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام**

پس جو مسجد حرام والوں سے ہو اور وہ حج تمتع یا حج قران کرے تو اس پر قران اور تمتع کا دم (بکری) نہیں ہے۔ امام مالک نے فرمایا: میں نے نہیں سنا کہ کسی مکی نے حج قران کیا ہو اگر وہ کرے گا تو اس پر نہ ہدی ہے اور نہ روزہ ہے اور امام مالک کے قول پر جمہور فقہاء کا نظریہ ہے۔ عبدالملک بن ماجشون نے کہا: جب مکی حج، عمرہ کے ساتھ کرے گا تو اس پر قران کا دم (بکری) ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ سے خون اور روزہ کو تمتع میں ساقط کیا ہے۔

تیسری وجہ تمتع کی یہ ہے جس پر حضرت عمر نے دھمکی دی تھی۔ آپ نے فرمایا: دو متعے ایسے ہیں جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھے اور میں ان سے منع کرتا ہوں اور ان پر سزا دیتا ہوں۔ ایک عورتوں کا متعہ اور دوسرا متعۃ الحج۔ اس کے جواز میں علماء کا ابھی تک جھگڑا ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ آدمی حج کا احرام باندھے حتیٰ کہ جب مکہ میں داخل ہو تو حج کے احرام کو عمرہ میں تبدیل کر دے۔ پھر احرام کھول دے پھر بغیر احرام کے ٹھہرا رہے حتیٰ کہ آٹھویں کے دن حج کا احرام باندھے۔ یہ وہ وجہ ہے جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آثار وارد ہیں۔ اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج میں صحابہ کرام کو حکم دیا کہ جس کے پاس ہدی نہیں ہے اور وہ ہدی ساتھ نہیں لایا ہے اور وہ حج کا احرام باندھ چکا تھا تو وہ اسے عمرہ کا احرام باندھے اور ان آثار کی تصحیح پر بھی علماء کا اجماع ہے۔ ان میں سے کسی اثر کو نہیں چھوڑا ہے لیکن اس کے متعلق قول اور علل کی وجہ سے عمل میں

اختلاف ہے۔ جمہور علماء نے اس پر عمل ترک کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور آپ کے صحابہ کے ساتھ خاص تھا اور اسی حج کے متعلق تھا۔

حضرت ابوذر نے کہا: حج میں تمتع ہمارے لئے خاص تھا۔ یہ مسلم نے نقل کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے۔ حضرت ابوذر نے کہا: دو متعے صرف ہمارے ساتھ خاص تھے۔ عورتوں کے ساتھ متعہ اور متعۃ الحج۔ خصوصیت کی علت اور اس میں فائدہ وہ ہے جو حضرت ابن عباس نے بیان فرمایا ہے لوگ یہ نظریہ رکھتے تھے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا زمین پر بہت بڑا گناہ ہے اور وہ خود محرم کو صفر بنا دیتے تھے اور وہ کہتے تھے جب اونٹ کا زخم ٹھیک ہو جائے گا، اثر مٹ جائے گا اور صفر کا مہینہ گزر جائے گا تو عمرہ کرنے والے کے لئے عمرہ حلال ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب چار ذی الحجہ کو حج کو احرام باندھے ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کو عمرہ بنانے کا حکم دیا۔ یہ حکم صحابہ کو بڑا عظیم لگا۔ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ احرام کھولنا کیسا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر پابندی سے حلالی ہو گئے ہو۔ یہ حدیث مسلم نے نقل فرمائی ہے۔ مسند صحیح ابو حاتم میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے فرمایا: اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو ذی الحجہ میں اس لئے عمرہ کرایا تھا کہ اہل شرک کے نظریہ کا قلع قمع ہو جائے۔ قبیلہ قریش اور جو ان کے دین کے پیروکار تھے وہ کہتے تھے: جب اونٹ سے اثر ختم ہو جائے گا اور اس کا زخم ٹھیک ہو جائے گا اور صفر کا مہینہ گزر جائے گا تو عمرہ کرنے والے کے لئے عمرہ حلال ہو جائے گا، وہ عمرہ کرنا حرام سمجھتے تھے حتی کہ ذوالحجہ گزر جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نظریہ کو غلط ثابت کرنے کے لئے عمرہ کرایا تھا۔ اس میں دلیل ہے کہ رسول اللہ نے حج کو عمرہ میں اس لئے تبدیل کیا تھا تا کہ آپ انہیں دکھائیں کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے ساتھ خاص تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو حج اور عمرہ مکمل کرنے کا حکم مطلق دیا جو بھی ان میں داخل ہوا اور ظاہر کتاب اللہ کی مخالفت کرنا ثابت نہیں مگر ناسخ کتاب یا سنت مبینہ کی طرف رجوع ضروری ہے جس میں کوئی اشکال نہ ہو۔ اور ان علماء نے حضرت ابوذر کے قول اور حضرت حارث بن بلال کی حدیث سے حجت پکڑی ہے۔ حارث اپنے باپ سے روایت فرماتے ہیں، انہوں نے فرمایا: ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! حج کا فسخ کرنا ہمارے ساتھ خاص ہے یا تمام لوگوں کے لئے ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے ساتھ خاص ہے۔ اور فقہاء حجاز، عراق اور شام کا یہ نظریہ ہے مگر ایک چیز حضرت ابن عباس، حسن اور سدی سے مروی ہے اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ امام احمد نے فرمایا: میں ان صحیح متواتر آثار کو جو حج کو عمرہ میں فسخ کرنے کے متعلق وارد ہیں حضرت حارث بن بلال عن ابیہ کی حدیث سے اور حضرت ابوذر کے قول سے رد نہیں کرتا۔ امام احمد نے فرمایا: جو حضرت ابوذر نے کہا ہے اس پر اجماع نہیں ہے اگر اجماع ہوتا تو حجت ہوتا۔ فرمایا: حضرت ابن عباس نے حضرت ابوذر کی مخالفت کی ہے اور اس کو خصوصیت نہیں بنایا ہے۔

امام احمد نے حضرت جابر کی صحیح حدیث سے حجت پکڑی ہے جو حج کے بارے میں ہے۔ اس میں ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مجھے اپنے معاملہ کا پہلے علم ہوتا جس کا مجھے بعد میں علم ہوا تو میں ہدی ساتھ نہ لاتا اور اسے عمرہ بناتا۔ حضرت سراقہ بن مالک بن جعشم اٹھے اور عرض کی: یا رسول اللہ! یہ ہمارے اس سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کیا اور فرمایا: عمرہ حج میں داخل ہوا۔ یہ دو مرتبہ فرمایا: نہیں بلکہ یہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ یہ مسلم کے لفظ ہیں اور امام بخاری کا میلان بھی اسی طرف ہے کیونکہ انہوں نے یہ باب باندھا ہے، جس نے حج کا تلبیہ کہا اور اس کا نام لیا۔ پھر حضرت جابر کی حدیث ذکر کی، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے اور ہم نے حج کا احرام باندھا ہوا تھا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے احرام کو عمرہ کا احرام بنانے کا حکم دیا۔

بعض علماء نے فرمایا: احرام کھولنے کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم دیا تھا وہ دوسری وجہ سے تھا۔ مجاہد نے وہ وجہ ذکر کی ہے وہ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے پہلے حج کو فرض نہیں کیا تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مطلقاً احرام باندھنے اور نئے حکم کا انتظار کرنے کا حکم دیا تھا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے مطلق احرام باندھا تھا۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا احرام تھا اور اس پر دلیل یہ ارشاد ہے اگر مجھے اپنے معاملہ کا پہلے علم ہوتا جس کا مجھے بعد میں علم ہوا تو میں ہدی ساتھ نہ لاتا اور اس احرام کو عمرہ کا احرام بنا دیتا۔ گویا آپ حکم کے منتظر ہو کر نکلے تھے اور صحابہ کو بھی اسی کا حکم دیا تھا۔ اس پر دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: "میرے پاس میرے رب کی طرف سے آنے والا اس مبارک وادی میں آیا اور کہا: تم کہو میں حج کو عمرہ میں بدلتا ہوں"۔ متعہ کی چوتھی وجہ محصر اور جس کو بیت اللہ سے روکا گیا ہو اس کا متعہ ہے۔ یعقوب بن شیبہ نے ذکر کیا ہے، فرمایا: ہمیں ابو سلمہ تبوذکی نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں وہب نے بتایا انہوں نے کہا: ہمیں اسحاق بن سوید نے بتایا فرمایا: میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر کو یہ خطبہ دیتے ہوئے سنا: اے لوگو! اللہ کی قسم! حج تمتع اس طرح نہیں ہے جس طرح تم کرتے ہو تمتع یہ ہے کہ ایک شخص حج کے ارادہ سے نکلے پھر دشمن یا کوئی عذر اسے روک لے حتیٰ کہ ایام حج گزر جائیں پھر وہ بیت اللہ کے پاس آئے طواف کرے صفا و مروہ کی سعی کرے پھر آئندہ سال تک حلال ہونے کے ساتھ متمتع ہو، پھر حج کرے اور ہدی دے۔ محصر کا حکم اور اس کے متعلق علماء کی آراء واضح طور پر گزر چکی ہیں۔ والحمد للہ۔ اور ان (حضرت عبداللہ بن زبیر) کے مذہب سے یہ تھا کہ محصر احرام نہ کھولے بلکہ وہ اپنے احرام پر باقی رہے حتیٰ کہ دسویں کے دن اس کی طرف سے ہدی ذبح کی جائے پھر وہ حلق کرائے اور اپنے احرام پر باقی رہے حتیٰ کہ وہ مکہ میں آئے پھر عمرہ کے عمل سے اپنے حج سے حلال ہو۔ اور حضرت ابن زبیر نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے عموم کے خلاف ہے۔ **فان احصرتم فما استیسر من الهدی**۔ اس کے بعد فرمایا: **واتموا الحج والعمرة لله** (اللہ کے لئے حج اور عمرہ مکمل کرو) احصار کے حکم میں حج اور عمرہ کے درمیان کوئی فرق بیان نہیں کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ جب حدیبیہ میں روکے گئے تو صحابہ نے احرام کھولا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی احرام کھولا اور صحابہ کرام کو احرام کھولنے کا حکم دیا۔

علماء کا اختلاف ہے کہ متمتع کو متمتع کیوں کہا جاتا ہے۔ ابن قاسم نے کہا: کیونکہ وہ ہر اس چیز سے متمتع ہوتا ہے جس کا کرنا محرم کے لئے عمرہ سے حلال ہونے کے وقت سے حج شروع کرنے کے وقت تک جائز نہیں ہوتا۔ دوسرے علماء نے کہا: اس کو متمتع کہا جاتا ہے کیونکہ وہ دو سفروں میں سے ایک کے ساقط کرنے کے ساتھ متمتع ہوا کیونکہ عمرہ کا حق ہے کہ تو اس کے لئے سفر کا قصد کرے اور حج کے لئے بھی اسی طرح حق ہے جب ایک کے ساقط کرنے کے ساتھ متمتع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ہدی کو لازم کیا جیسے قارن پر لازم

کیا جس نے ایک سفر میں حج اور عمرہ کو جمع کیا۔ پہلی وجہ اعم ہے کیونکہ وہ ہر اس چیز سے متمتع ہوتا ہے جو حلال کے لئے کرنا جائز ہوتا ہے اور اس سے اپنے شہر سے حج کرنے کے لئے سفر ساقط ہوتا ہے جو حلالی کے لئے کرنا جائز ہوتا ہے اور اس سے اپنے شہر سے حج کرنے کے لئے سفر ساقط ہوا اور میقات سے حج کا احرام باندھنا بھی ساقط ہوا۔ اس وجہ سے حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود نے حج تمتع کو ناپسند کیا۔ ان دونوں حضرات نے یا ان میں سے ایک نے فرمایا: تم میں سے کوئی منٰی میں آئے گا جبکہ اس کے ذکر سے منی کے قطرے گر رہے ہوں گے جبکہ حج تمتع پر مسلمان کا اجماع ہے۔

علماء کی ایک جماعت نے کہا: حضرت عمر نے اس کو ناپسند کیا کیونکہ وہ پسند کرتے تھے کہ بیت اللہ کی سال میں دو مرتبہ زیارت کی جائے۔ ایک دفعہ حج کے لئے ایک دفعہ عمرہ کے لئے۔ حضرت عمر حج مفرد کو افضل سمجھتے تھے اور وہ حج مفرد کا حکم دیتے تھے، اس کی طرف ان کا میلان تھا اور استحباب کے طور پر حج تمتع اور قران سے منع کرتے تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے کہا: اپنے حج اور اپنے عمرہ کو علیحدہ علیحدہ کرو۔ یہی تمہارے لئے حج کا اتمام ہے۔ حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کا احرام باندھنا، عمرہ کا اتمام ہے۔

حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کا بیان

جو شخص حج کے مہینوں میں عمرہ کرے پھر اپنے شہر کو واپس آجائے اور پھر اسی سال حج کرے، اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ وہ متمتع نہیں ہے اس پر نہ ہدی ہے اور نہ روزہ ہے۔ حسن بصری نے کہا: وہ متمتع ہے اگر چہ وہ گھر کی طرف لوٹ بھی آئے خواہ اس نے حج کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ انہوں نے فرمایا: کیونکہ کہا جاتا ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ متعہ ہے۔ یہ ہشیم نے یونس سے انہوں نے حسن سے روایت کیا ہے۔ یونس نے حسن سے روایت کیا ہے کہ اس پر ہدی نہیں ہے، پہلا قول صحیح ہے اسی طرح ابوعمر نے ذکر کیا ہے، اس نے حج کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اس کو ابن منذر نے ذکر نہیں کیا۔ ابن منذر نے کہا: ان کی حجت کتاب اللہ کا ظاہر ہے ارشاد ہے: **فمن تمتع بالعمرة الی الحج**۔ اس آیت میں کوئی استثناء نہیں ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹنے والا ہو یا نہ ہو۔ اگر یہ اللہ تعالیٰ کا مراد ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں یا اپنے رسول کی زبان پر بیان کر دیتا۔ سعید بن مسیب سے حسن کے قول کی طرح مروی ہے۔ ابوعمر نے کہا: حسن سے اس مسئلہ میں ایسا قول مروی ہے جس کی متابعت نہیں کی گئی اور اہل علم میں سے کسی کا یہ نظریہ نہیں ہے۔ انہوں نے فرمایا: جس نے دسویں ذی الحجۃ کے دن کے بعد عمرہ کیا وہ متعہ ہے۔ طاؤس سے دو قول مروی ہیں، دونوں زیادہ شاذ قول ہیں۔ اس سے بھی جو ہم نے حسن سے ذکر کیا ہے، ایک یہ ہے کہ جس نے حج کے مہینوں کے علاوہ کسی مہینہ میں عمرہ کیا پھر وہ ٹھہرا رہا حتیٰ کہ حج کا وقت داخل ہو گیا، پھر اس نے اسی سال حج کیا تو وہ متمتع ہے۔ یہ طاؤس کے علاوہ کسی عالم نے نہیں کہا ہے اور فقہاء امصار میں سے کسی کا یہ نظریہ نہیں۔ یہ اس لئے کہ حج کے مہینے عمرہ کی نسبت حج کا زیادہ حق رکھتے ہیں کیونکہ عمرہ پورے سال میں سنت ہے اور حج کے لئے معلوم مہینے ہیں۔ جب کسی نے حج کے مہینوں میں عمرہ کیا تو اس نے ایسے وقت میں عمرہ کیا جس میں حج اولیٰ تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر متمتع اور قران کرنے والے کے لئے حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کی رخصت دی ہے اور اس کے لئے جو عمرہ کو علیحدہ کرے۔ یہ اس کی طرف سے رحمت ہے اور اس میں میسر ہدی کو اس میں مقرر کیا ہے۔ دوسری وجہ وہ ہے جو مکی نے بیان کی ہے جو کسی شہر سے حج تمتع کرے اس پر ہدی ہے۔ یہ ظاہر

قرآن کے مطابق نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام۔ تمتع علماء کے نزدیک ان شرائط کے ساتھ جائز ہے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

علماء کا اجماع ہے کہ ایک ایسا شخص جو اہل مکہ سے نہ ہو اگر وہ حج کے مہینوں میں مکہ میں ٹھہرانے کے ارادہ سے عمرہ کرتے ہوئے آئے پھر اسی سال حج کرے تو وہ متمتع ہے۔ اس پر وہی کچھ ہے جو متمتع پر ہے اور مکی کے بارے میں اجماع ہے کہ وہ میقات کے پیچھے سے عمرہ کا احرام باندھتے ہوئے آئے پھر مکہ سے حج شروع کرے جبکہ اس کے گھر والے مکہ میں ہوں اور وہ مکہ کے علاوہ کسی جگہ نہ ٹھہرے تو اس پر بکری نہیں ہے۔ اسی طرح کا حکم ہے جب وہ مکہ کے علاوہ کسی جگہ ٹھہرے یا مکہ میں ٹھہرے جبکہ مکہ میں اس کے اہل ہوں اور مکہ کے علاوہ کسی شہر میں بھی اس کے اہل ہوں۔ علماء کا اجماع ہے کہ اگر وہ مکہ سے اپنے اہل کے ساتھ منتقل ہو گیا پھر وہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرتے ہوئے آیا پھر مکہ میں ٹھہرا رہا حتیٰ کہ اسی سال حج کیا تو وہ متمتع ہے۔

متمتع کے طواف میں مذاہب اربعہ کا بیان

امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ، ان کے اصحاب، ثوری اور ابوثور کا اتفاق ہے۔ متمتع عمرہ کے لئے بیت اللہ کا طواف کرے گا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے گا تو اس پر اس کے بعد حج کے لئے دوسرا طواف اور دوسری صفا و مروہ کے درمیان سعی ہوگی۔ عطا اور طاؤس سے مروی ہے کہ ایک سعی کافی ہے۔ پہلا قول مشہور ہے وہی جمہور کا نظریہ ہے اور قارن کے طواف کے متعلق اختلاف گزر چکا ہے۔

اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جو حج کے مہینوں کے علاوہ کسی مہینہ میں عمرہ شروع کرے پھر حج کے مہینوں میں عمرہ کا عمل کرے۔ امام مالک نے فرمایا: اس کا عمرہ اس مہینہ میں ہوا جس میں وہ حلالی ہوا تھا اگر وہ حج کے مہینوں کے علاوہ کسی مہینہ میں اس سے حلالی ہونا چاہتا ہے تو وہ متمتع نہیں ہے۔ اگر وہ حج کے مہینوں میں عمرہ سے حلالی ہوا ہے تو وہ متمتع ہے اگر اسی سال حج کرے۔ امام شافعی نے فرمایا: جب عمرہ کے لئے حرمت والے مہینوں میں بیت اللہ کا طواف کرے تو وہ متمتع ہے اگر اسی سال حج کرے کیونکہ عمرہ بیت اللہ کے طواف کے ساتھ مکمل ہوتا ہے اور اس کے کمال کی طرف دیکھا جاتا ہے یہ حسن بصری، حکم بن عیینہ، ابن شبرمہ اور سفیان ثوری کا قول ہے اور قتادہ، احمد اور اسحٰق نے کہا: عمرہ اس مہینہ کے لئے ہے جس میں اس نے احرام باندھا۔ یہی معنی حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے۔ طاؤس نے کہا: اس کا عمرہ اس مہینہ کے لئے ہے جس میں وہ حرم میں داخل ہوا۔ اصحاب رائے کا قول ہے: اگر اس نے رمضان میں تین چکر لگائے اور چار چکر شوال میں لگائے پھر اسی سال حج کیا تو وہ متمتع ہے۔ اگر رمضان میں چار چکر لگائے اور شوال میں تین چکر لگائے تو وہ متمتع نہیں ہوگا۔ ابوثور نے کہا: جب حج کے مہینوں کے علاوہ کسی مہینہ میں عمرہ میں داخل ہو تو برابر ہے اس نے رمضان میں طواف کیا ہو یا شوال میں طواف کیا ہو وہ اس عمرہ کی وجہ سے متمتع نہیں ہوگا۔

یہ امام احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ اس کا عمرہ اس مہینہ کے لئے ہے جس میں اس نے احرام باندھا۔

قارن شمار ہونے میں اہل علم کے اجماع کا بیان

اہل علم کا اجماع ہے کہ جس نے حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھا اس پر حج کو داخل کر دیا جب تک کہ بیت اللہ کا طواف

ابھی شروع نہیں کیا تھا تو وہ قارن شمار ہوگا۔ اس پر وہ لازم ہوگا جو اس قارن پر لازم ہوتا ہے جو حج اور عمرہ کی اکٹھی نیت کرتا ہے۔ اور عمرہ کا طواف شروع کرنے کے بعد عمرہ پر حج کو داخل کرنے میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے فرمایا: اس پر یہ لازم ہے اور جب تک عمرہ کا طواف مکمل نہ کیا ہو وہ قارن شمار ہوگا۔ اس کی مثل امام ابوحنیفہ سے مروی ہے۔ اور امام ابوحنیفہ سے مشہور یہ ہے کہ اس کے لئے یہ جائز نہیں مگر طواف میں شروع ہونے سے پہلے نیت کرلے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کے لئے جائز ہے کہ وہ عمرہ پر حج کو داخل کرے جب تک طواف کی دو رکعتیں نہ پڑھی ہوں۔ یہ تمام امام مالک اور ان کے اصحاب کے قول ہیں۔ جب عمرہ کرنے والے نے عمرہ کے طواف کا ایک چکر لگالیا ہو پھر اس نے حج کا احرام باندھا ہو تو وہ قارن ہوگا اور اس سے باقی عمرہ ساقط ہوجائے گا اور قران کا دم اس پر لازم ہوگا اسی طرح جس نے حج کا احرام باندھا اپنے عمرہ کے طواف کے نصف میں یا اس سے فارغ ہونے کے بعد رکوع سے پہلے تو اس کا یہی حکم ہے۔ بعض نے فرمایا: جب تک صفا و مروہ کے درمیاں سعی مکمل نہ کی ہو اس کے لئے حج کو عمرہ پر داخل کرنا جائز ہے۔ ابوعمر نے کہا: یہ تمام اقوال اہل علم کے نزدیک شاذ ہیں۔ اشہب نے کہا: جب عمرہ کے طواف کا ایک چکر لگالیا ہو تو اس پر حج کا احرام لازم نہیں اور وہ قارن نہ ہوگا۔ وہ اپنے عمرہ کو جاری رکھے حتیٰ کہ اسے مکمل کرے پھر حج کا احرام باندھے۔ یہ امام شافعی اور عطا کا قول ہے اور یہی ابوثور کا قول ہے۔

حج کو عمرہ میں داخل کرنے میں فقہی مذاہب اربعہ کا بیان

حج کو عمرہ میں داخل کرنے میں اختلاف ہے۔ امام مالک، ابوثور اور اسحاق نے کہا: عمرہ حج پر داخل نہ ہوگا اور جس نے عمرہ کو حج کے ساتھ ملایا تو عمرہ کسی چیز کے ساتھ نہیں۔ یہ امام مالک اور امام شافعی کا ایک قول ہے اور مصر میں ان سے یہی مشہور ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام شافعی کا قدیم قول یہ ہے کہ وہ قارن ہوجائے گا اور اس پر وہی ہوگا جو قارن پر ہوتا ہے جب تک کہ اس نے حج کے طواف کا ایک چکر بھی نہ لگایا ہو۔ اگر طواف کرلیا ہو تو اس پر لازم ہوگا کیونکہ اس نے حج میں عمل کیا۔ ابن منذر نے کہا: اس مسئلہ میں امام مالک کے قول کے مطابق کہتا ہوں۔

متمتع کے لیے دوسری ہدی سے متعلق مذاہب اربعہ کا بیان

امام مالک نے فرمایا: جس نے عمرہ کے لئے ہدی دی دراں حالیکہ وہ متمتع ہے تو اس کے لئے یہ کافی نہیں اور اس پر متعہ کے لئے دوسری ہدی ہے کیونکہ وہ متمتع ہوجائے گا جب عمرہ سے حلال ہونے کے بعد حج شروع کرے گا اس وقت اس پر ہدی واجب ہوگی۔ امام ابوحنیفہ، ابوثور اور اسحاق نے کہا: وہ ہدی کو نحر نہ کرے مگر دسویں کے دن۔ امام احمد نے فرمایا: اگر متمتع دس دنوں سے پہلے آئے تو طواف کرے، سعی کرے اور اپنی ہدی کو نحر کردے اور دس دنوں میں آئے تو دسویں کے دن نحر کرے۔ یہ عطا کا قول ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: جب طواف اور سعی کرلے تو وہ عمرہ کا احرام کھول دے خواہ ہدی لایا ہو یا نہ لایا ہو۔

فوت ہونے والے متمتع سے متعلق فقہی مذاہب کا بیان

امام مالک اور امام شافعی کا اس متمتع کے بارے میں اختلاف ہے جو مرجائے۔ امام شافعی نے فرمایا: جب حج کا احرام باندھ لیا تھا تو اس پر متعہ کا دم (بکری) ہے جبکہ وہ اس کو پانے والا ہو۔ زعفرانی نے امام شافعی سے یہ حکایت کیا ہے۔ ابن وہب نے امام

مالک سے روایت کیا ہے کہ ان سے اس متمتع کے بارے پوچھا گیا جو حج کا احرام باندھنے کے بعد عرفہ یا اس کے علاوہ کسی جگہ فوت ہوجاتا ہے، کیا اس پر ہدی ہے؟ امام مالک نے فرمایا: جو جمرہ عقبہ پر رمی جمار کرنے سے پہلے مرجائے تو اس پر ہدی نہیں ہے اور جس نے رمی جمار کرلیا تھا پھر مرگیا تو اس پر ہدی ہے۔ امام مالک سے پوچھا گیا کل مال سے ہدی دی جائے گی یا تہائی مال سے۔ امام مالک نے فرمایا: کل مال سے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فمن لم یجد فصیام ثلثة ایام فی الحج و سبعة اذا رجعتم تلک عشرة کاملة ذلک لمن لم یکن اهله حاضری المسجد الحرام واتقوا الله واعلموا ان الله شدید العقاب۔**

روزوں سے متعلق فقہی مذاہب کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فمن لم یجد یعنی جو ہدی نہ پائے مال نہ ہونے کی وجہ سے یا حیوان نہ ہونے کی وجہ سے تو وہ حج کے دنوں میں تین روزے رکھے اور سات روزے اپنے شہر میں واپس آ کر رکھے اور حج کے تین روزے اس طرح رکھے کہ آخری روزہ نویں ذی الحجہ کا ہو۔ یہ طاؤس کا قول ہے۔ شعبی، عطا، مجاہد، حسن بصری، نخعی، سعید بن جبیر، علقمہ، عمرو بن دینار اور اصحاب رائے سے مروی ہے۔ ابن منذر نے اس کو حکایت کیا ہے۔ ابوثور نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے، وہ اپنے عمرہ کے احرام میں روزے رکھے کیونکہ وہ تمتع کا ایک احرام ہے۔ پس اس میں ان دنوں کا روزہ جائز ہے جس طرح حج کے احرام میں جائز ہے۔

امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے کہ وہ آٹھویں کے دن سے پہلے ایک دن روزہ رکھے پھر آٹھویں اور عرفہ کے دن کا روزہ رکھے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت مالک بن انس نے کہا: اس کے لئے ہے کہ وہ روزہ رکھے جب سے اس نے حج کا احرام باندھا ہے دسویں کے دن تک کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حج میں تین روزے رکھے۔ جب عمرہ میں روزہ رکھے تو وہ اپنے وقت سے پہلے ادا کرنے والا ہوگا تو وہ جائز نہیں۔ امام شافعی، امام احمد بن حنبل نے کہا: حج کا احرام باندھنے اور نویں ذی الحجہ کے درمیان روزے رکھے۔ یہ حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے۔ یہ امام مالک سے مروی ہے، مؤطا میں ان کے قول کا یہی مقتضا ہے تا کہ وہ عرفہ کے دن افطار کرنے والا ہو۔ اس میں سنت کی اتباع ہے اور عبادت پر زیادہ قوت دینے والا ہے۔ امام احمد سے مروی ہے، جائز ہے کہ وہ احرام باندھنے سے پہلے تین روزے رکھے۔ ثوری اور اوزاعی نے کہا: ذی الحجہ کے دس دنوں کے آغاز سے روزے رکھے۔ یہ عطا کا قول ہے۔ عروہ نے کہا: ایام منیٰ میں مکہ میں وہ روزے رکھے۔ یہ الفاظ حج تمتع کا احرام باندھنے کے وقت سے عرفہ کے دن تک روزہ کی صحت کی تقاضا کرتے ہیں۔ یہ آغاز کا وقت ہے کیونکہ یہ ادائیگی کا وقت ہے اور اس کے بعد ایام منیٰ قضا کا وقت ہے۔

جیسا کہ امام شافعی کے اصحاب کا قول ہے اور دسویں کے دن سے پہلے روزے رکھنا ذمہ سے بری ہونا ہے اور اسی کا حکم دیا گیا ہے۔ مذہب یہ ہے کہ ادا کے طور پر ہیں اگر چہ ایام منیٰ سے پہلے روزے رکھنا افضل ہے جس طرح نماز کا وقت ہے اس میں ادائیگی کی وسعت ہے اگر چہ پہلا وقت آخری وقت سے افضل ہے۔ یہ صحیح ہے اور یہ ادا ہے قضا نہیں ہے کیونکہ ایام فی الحج کے کلمات یہ احتمال رکھتے ہیں کہ اس سے مراد حج کی جگہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ ایام حج مراد ہوں۔ اگر ایام حج مراد ہوں تو یہ قول صحیح ہے کیونکہ آخری

دن ایام حج کا دسویں کا دن ہے اور یہ احتمال ہے کہ آخری دن رمی جمار کے دن ہوں کیونکہ رمی جمار کرنا خالص حج کے عمل سے ہے اگر چہ اس کے ارکان سے نہیں ہے۔ اگر حج کی جگہ مراد ہو تو وہ ایام منیٰ میں جب تک مکہ میں ہے روزے رکھ لے جیسا کہ عروہ نے کہا ہے۔ یہ بہت قوی ہے۔ بعض علماء نے کہا: وہ روزوں کو ایام تشریق تک مؤخر کرے، کیونکہ اس پر روزہ واجب نہیں ہے مگر یہ کہ دسویں کے دن ہدی نہ پائے۔

ایام تشریق میں روزوں کے عدم جواز کے متعلق فقہی مذاہب کا بیان

اگر کہا جائے کہ اہل مدینہ کی ایک جماعت اور امام شافعی کا جدید قول یہ ہے کہ امام شافعی کے اکثر اصحاب کا یہ نظریہ ہے کہ ایام تشریق کا روزہ جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام منیٰ کے روزوں سے منع فرمایا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر نہی ثابت ہو تو یہ عام ہوگا، اس سے متمتع خاص ہوگا اس روایت سے جو بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان دنوں میں روزہ رکھتی تھیں۔ حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرمایا: ایام تشریق میں روزہ رکھنے کی رخصت نہیں ہے مگر اس شخص کے لئے جو ہدی نہ پائے۔ دار قطنی نے کہا: اس کی سند صحیح ہے۔ اس کو حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تین طرف سے مرفوع روایت کیا ہے اور تینوں طرف کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ان دنوں میں روزہ رکھنے کی رخصت دی گئی ہے کیونکہ حج کے ایام میں سے باقی صرف یہی مقدار رہ گئی ہے۔ اسی وجہ سے روزے کا وجوب متحقق ہو جاتا ہے، ہدی کے نہ پائے جانے کی وجہ سے۔ ابن منذر نے کہا: ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرمایا: جب روزہ فوت ہو جاتا ہے تو ایام تشریق کے بعد روزہ رکھے گا۔ یہ حسن اور عطا کا قول ہے۔ ابن منذر نے کہا: اسی طرح ہم کہتے ہیں، ایک طائفہ نے کہا: جب دس دنوں میں روزہ نہ رکھے تو پھر ہدی کے سوا کوئی چیز یاد نہیں۔ یہ حضرت ابن عباس، حضرت سعید بن جبیر، طاؤس اور مجاہد سے مروی ہے۔ امام ابو عمر نے امام ابو حنیفہ سے اور آپ کے اصحاب سے روایت کیا ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ بقرہ، بیروت)

لوٹنے کے بعد سات روزوں سے متعلق مذاہب اربعہ کا بیان

اور سات جب تم لوٹو) یعنی سات روزے رکھو جب لوٹو یعنی جس وقت اعمال حج سے فارغ ہو جاؤ۔ رجعتم کی یہ تفسیر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور امام مالک اور ایک قول امام شافعی کا یہ ہے کہ جب مکہ سے اپنے وطن کو لوٹنے کے ارادہ سے چلو۔ مشہور مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے اور ایک روایت امام احمد سے بھی یہی ہے کہ جب تم اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹو یعنی اپنے وطنوں میں جا پہنچو۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ لوٹنا تو یہی ہے کہ اپنے گھر واپس آجائے اس سے پہلے یہ روزے جائز نہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مکہ سے بقصد وطن نکلا تو اس پر رجوع کا لفظ صادق آگیا اس لیے اس کو وطن پہنچنے سے پہلے ہی یہ روزے رکھنے جائز ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رجوع کے معنی حج سے فارغ ہونا ہیں دیکھتے نہیں کہ جس نے بعد حج کے مکہ میں رہنا اختیار کر لیا یا اس کا کوئی وطن نہ ہو اس کے لیے سب کے نزدیک مکہ میں روزے رکھنا جائز ہیں پس اسی طرح جس کا وطن مکہ کے سوا اور کوئی ہو اس کو بھی حج سے فراغت کے بعد یہ روزے رکھنا جائز ہیں ورنہ حقیقت اور مجاز کا جمع ہونا لازم آجائے گا اور یہ باطل ہے۔ (تفسیر مظہری، سورہ بقرہ، لاہور)

1777 - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ، حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْرَدَ الْحَجَّ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج افراد کیا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمروں کا بیان

قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار مرتبہ عمرہ کیا، صرف وہ عمرہ جو آپ نے حج کے ساتھ کیا ہے اس کے علاوہ باقی سب عمرے ذی القعدہ میں تھے۔

ایک عمرہ تو حدیبیہ سے، یا حدیبیہ کے زمانے میں ذی القعدہ کے مہینہ میں، اور ایک عمرہ آئندہ برس ذی القعدہ میں، اور ایک عمرہ جعرانہ سے یہ بھی ذی القعدہ میں تھا جب کہ آپ نے مال غنیمت بھی تقسیم فرمایا۔

(صحیح بخاری حدیث نمبر الحج (1654) صحیح مسلم حدیث نمبر (الحج 1253)

حافظ ابن قیم کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ھجرت کے بعد چار عمرے کیے جو سب کے سب ذی القعدہ کے مہینہ میں تھے۔

پہلا:

عمرہ حدیبیہ: یہ سب سے پہلا عمرہ ہے جو کہ چھ ھجری میں کیا تو مشرکین مکہ میں انہیں روک دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے اونٹ وہیں ذبح کر دیے اور خود اور صحابہ کرام نے اپنے سر منڈوا کر اپنے احرام سے حلال ہو گیے اور اس سال مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

دوسرا:

عمرہ قضاء: حدیبیہ کے بعد والے سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے اور وہاں تین دن قیام فرمایا اور عمرہ مکمل کرنے کے بعد وہاں سے واپس تشریف لائے۔

تیسرا:

وہ عمرہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے ساتھ کیا تھا۔

چوتھا:

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حنین کی جانب نکلے اور مکہ واپسی پر جعرانہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ داخل ہو۔

حافظ ابن قیم کا کہنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرے چار سے زائد نہیں ہیں۔ دیکھیں: زاد المعاد (2/90-93)۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں:

علماء کرام کا کہنا ہے کہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمرے ذی القعدہ کی فضیلت اور دور جاھلیت کی مخالفت کی بنا پر اس مہینہ میں کیا، اس لیے کہ اہل جاہلیت کا یہ خیال تھا کہ ذی القعدہ میں عمرہ کرنا بہت بڑے فجور کا کام ہے جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا

ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کئی بار اس لیے کیا تا کہ لوگوں کے لیے اچھی طرح بیان ہو جائے کہ اس مہینہ میں عمرہ کرنا جائز ہے، اور جو کچھ اہل جاہلیت کرتے تھے وہ باطل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ دیکھیں شرح مسلم (235/8)۔

1778 - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، ح وحَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ، ح وحَدَّثَنَا مُوسَى، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُوَافِينَ هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ فَلَمَّا كَانَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ قَالَ: مَنْ شَاءَ أَنْ يُهِلَّ بِحَجٍّ فَلْيُهِلَّ، وَمَنْ شَاءَ أَنْ يُهِلَّ بِعُمْرَةٍ فَلْيُهِلَّ بِعُمْرَةٍ. قَالَ مُوسَى: فِي حَدِيثِ وُهَيْبٍ، فَإِنِّي لَوْلَا أَنِّي أَهْدَيْتُ لَأَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ، وَقَالَ: فِي حَدِيثِ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ. وَأَمَّا أَنَا فَأُهِلُّ بِالْحَجِّ فَإِنَّ مَعِي الْهَدْيَ. ثُمَّ اتَّفَقُوا فَكُنْتُ فِيمَنْ. أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ فَلَمَّا كَانَ فِي بَعْضِ الطَّرِيقِ حِضْتُ فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبْكِي، فَقَالَ: مَا يُبْكِيكِ؟، قُلْتُ: وَدِدْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ خَرَجْتُ الْعَامَ. قَالَ: ارْفِضِي عُمْرَتَكِ وَانْقُضِي رَأْسَكِ وَامْتَشِطِي. قَالَ مُوسَى: وَأَهِلِّي بِالْحَجِّ وَقَالَ سُلَيْمَانُ: وَاصْنَعِي مَا يَصْنَعُ الْمُسْلِمُونَ فِي حَجِّهِمْ فَلَمَّا كَانَ لَيْلَةُ الصَّدَرِ أَمَرَ يَعْنِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَ الرَّحْمَنِ فَذَهَبَ بِهَا إِلَى التَّنْعِيمِ زَادَ مُوسَى فَأَهَلَّتْ بِعُمْرَةٍ مَكَانَ عُمْرَتِهَا وَطَافَتْ بِالْبَيْتِ فَقَضَى اللَّهُ عُمْرَتَهَا وَحَجَّهَا. قَالَ هِشَامٌ وَلَمْ يَكُنْ فِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ هَدْيٌ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: زَادَ مُوسَى فِي حَدِيثِ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ فَلَمَّا كَانَتْ لَيْلَةُ الْبَطْحَاءِ طَهُرَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا

❁❁ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ذوالحج کا چاند نظر آنے والا تھا جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص حج کا تلبیہ پڑھنا چاہتا ہو وہ حج کا تلبیہ پڑھ لے اور جو صرف عمرہ کا تلبیہ پڑھنا چاہتا ہو وہ عمرہ کا تلبیہ پڑھ لے۔

موسیٰ نامی راوی نے وہیب کی نقل کردہ روایت کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

''اگر میں نے قربانی کا جانور ساتھ نہ لیا ہوتا تو میں بھی عمرہ کا تلبیہ پڑھتا۔''

حماد بن سلمہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

''جہاں تک میرا تعلق ہے' تو میں' تو حج کا تلبیہ پڑھ رہا ہوں کیونکہ میرے ساتھ قربانی کا جانور ہے''۔

اس کے بعد تمام راوی اس بات کو نقل کرنے میں متفق ہیں (سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں): میں ان لوگوں میں شامل تھی جنہوں نے عمرہ کا تلبیہ پڑھا تھا۔ راستے میں کسی جگہ مجھے حیض آ گیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے' تو میں رو رہی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: تم کیوں رو رہی ہو؟ تو میں نے عرض کی: مجھے اندیشہ ہے کہ میں اس سال حج نہیں کر سکوں گی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم عمرے کو رہنے دو۔ اپنے سر (کے بال) کھول دو اور ان میں کنگھی کر لو۔

موسیٰ نامی راوی نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: "تم حج کا تلبیہ پڑھنا شروع کردو"۔

سلیمان نامی راوی نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: تم وہ کام کرو جو مسلمان حج میں کرتے ہیں۔

(سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:) جب واپسی کی رات آئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن (بن ابوبکر رضی اللہ عنہما) کو حکم دیا وہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر تنعیم گئے۔

موسیٰ نامی راوی نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: وہاں سے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ کا احرام باندھا جو ان کے سابقہ عمرہ کی جگہ تھا۔ انہوں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور یوں اللہ تعالیٰ نے ان کا عمرہ اور حج مکمل کروا دیئے۔

ہشام نامی راوی کہتے ہیں: انہیں کسی قسم کی ہدی (قربانی) نہیں کرنا پڑی۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) موسیٰ نامی راوی نے حماد بن سلمہ کی روایت میں یہ الفاظ زائد نقل کئے ہیں:

"جب بطحاء کی رات آئی تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پاک ہو گئیں"۔

شرح

بطحاء" اور" ابطح" اس کشادہ نالہ کو کہتے ہیں جس سے پانی گزرتا ہے اور جس میں ریب اور سنگریزے جمع ہو جاتے ہیں۔ مکہ کے سنگریزوں کو سونا بنانے سے مراد یہ تھی کہ مکہ کے اطراف میں جو نالے اور پانی کے نکاس کے راستے ہیں ان سب کو سونے سے بھر دیا جائے یا یہ کہ ان نالوں میں جو سنگریزے ہیں ان کو سونے میں تبدیل کر دیا جائے اور یہ دوسری مراد زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ ایک دوسری حدیث میں یوں فرمایا گیا ہے کہ (اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں تو اللہ تعالیٰ) مکہ کے پہاڑوں کو سونے میں تبدیل کر دے۔ حدیث کے آخری جملوں کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے لئے دنیاوی وسعت وفراخی اور خوشحالی کی پیش کش کے باوجود میں نے دنیا کے مال وزر کو ٹھکرا دیا اور فقر کو اختیار کر لیا کہ اگر ایک روز شکم سیر رہوں تو دوسرے روز بھوکا رہو اور اس طرح صبر اور شکر دونوں کی فضیلت پاؤں۔

اس ارشاد گرامی کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا امت کو تعلیم وتلقین فرمائی کہ اگرچہ دولتمندی بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے لیکن اس کی آفات بھی بہت ہیں اور انسان دولتمندی کی حالت میں زیادہ گمراہ ہوتا ہے لہٰذا فقر وقناعت کو اختیار کرنا زیادہ موزوں ہے اس لئے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ غنا یعنی دولتمندی کے مقابلہ میں فقر افضل ہے۔

1779 - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اَبِي الْاَسْوَدِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ نَوْفَلٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ، وَمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ وَعُمْرَةٍ، وَمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِالْحَجِّ، وَاَهَلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَجِّ، فَاَمَّا مَنْ اَهَلَّ بِالْحَجِّ اَوْ جَمَعَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، فَلَمْ يُحِلُّوا حَتّٰى كَانَ يَوْمَ النَّحْرِ.

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: حجۃ الوداع کے موقع پر ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ہم

میں سے کچھ لوگوں نے عمرہ کا تلبیہ پڑھا۔ کچھ نے حج اور عمرہ دونوں کا تلبیہ پڑھا اور کچھ نے صرف حج کا تلبیہ پڑھا۔ نبی اکرم ﷺ نے صرف حج کا تلبیہ پڑھا تھا۔ جس شخص نے حج کا تلبیہ پڑھا تھا یا جس نے حج اور عمرہ کو اکٹھا کر لیا تھا۔ اس نے اس وقت تک احرام نہیں کھولا جب تک قربانی کا دن نہیں آ گیا۔

1780 - حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ، بِإِسْنَادِهِ مِثْلَهُ زَادَ فَأَمَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ فَأَحَلَّ

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے تاہم اس میں یہ الفاظ زائد ہیں:
''جو شخص عمرہ کا تلبیہ پڑھ رہا تھا اس نے احرام کھول دیا''۔

1781 - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَأَهْلَلْنَا بِعُمْرَةٍ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ فَلْيُهِلَّ بِالْحَجِّ مَعَ الْعُمْرَةِ، ثُمَّ لَا يَحِلُّ حَتَّى يَحِلَّ مِنْهُمَا جَمِيعًا فَقَدِمْتُ مَكَّةَ وَأَنَا حَائِضٌ وَلَمْ أَطُفْ بِالْبَيْتِ، وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَشَكَوْتُ ذَلِكَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: انْقُضِي رَأْسَكِ وَامْتَشِطِي وَأَهِلِّي بِالْحَجِّ، وَدَعِي الْعُمْرَةَ، قَالَتْ: فَفَعَلْتُ فَلَمَّا قَضَيْنَا الْحَجَّ أَرْسَلَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ إِلَى التَّنْعِيمِ فَاعْتَمَرْتُ، فَقَالَ: هَذِهِ مَكَانُ عُمْرَتِكِ قَالَتْ: فَطَافَ الَّذِينَ أَهَلُّوا بِالْعُمْرَةِ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ حَلُّوا، ثُمَّ طَافُوا طَوَافًا آخَرَ بَعْدَ أَنْ رَجَعُوا مِنْ مِنًى لِحَجِّهِمْ، وَأَمَّا الَّذِينَ كَانُوا جَمَعُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَإِنَّمَا طَافُوا طَوَافًا وَاحِدًا.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، وَمَعْمَرٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، نَحْوَهُ لَمْ يَذْكُرُوا طَوَافَ الَّذِينَ أَهَلُّوا بِعُمْرَةٍ وَطَوَافَ الَّذِينَ جَمَعُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ہم حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے ہم نے عمرہ کا تلبیہ پڑھنا شروع کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے ساتھ قربانی کا جانور موجود ہو وہ عمرہ کے ساتھ حج کا بھی تلبیہ پڑھے پھر وہ اس وقت تک احرام نہیں کھولے گا' جب تک وہ ان دونوں سے فارغ نہیں ہو جاتا۔ (سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:) میں مکہ آئی تو مجھے حیض آ چکا تھا۔ میں نے بیت اللہ کا طواف بھی نہیں کیا اور صفا و مروہ کی سعی بھی نہیں کی۔ میں نے اس بات کی شکایت نبی اکرم ﷺ سے کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے بال کھول کر کنگھی کر لو اور حج کا احرام باندھ لو اور عمرہ چھوڑ دو۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے ایسا ہی کیا۔ جب ہم نے حج مکمل کر لیا تو نبی اکرم ﷺ نے مجھے عبدالرحمن کے ہمراہ تنعیم بھیجا میں نے پھر وہاں سے عمرہ کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ تمہارے عمرہ کی جگہ ہو گیا۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: جن لوگوں نے عمرہ کا تلبیہ پڑھا تھا ان لوگوں نے بیت اللہ کا طواف کرنے اور صفا و مروہ کی

سعی کرنے کے بعد احرام کھول دیا پھر انہوں نے منیٰ سے واپس آنے پر اپنے حج کے لئے دوسری مرتبہ طواف کیا لیکن جن لوگوں نے حج اور عمرہ کو جمع کر لیا تھا انہوں نے صرف ایک بار طواف کیا۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ابراہیم بن سعد اور معمر نے ابن شہاب کے حوالے سے اس کی مانند روایت نقل کی ہے انہوں نے اس طواف کا ذکر نہیں کیا جو ان لوگوں نے کیا تھا جنہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا' اور اس طواف کا ذکر بھی نہیں کیا تھا جو ان لوگوں نے کیا تھا جنہوں نے حج اور عمرہ کو جمع کر لیا تھا۔

احرام باندھنے کا مستحب طریقہ

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ احرام کا مسنون و مستحب طریقہ یہ ہے کہ غسل کرے، بدن سے میل اتارے، ناخن ترشوائے، خط بنوائے، موئے بغل وزیر ناف دُور کرے، سر مُنڈانے کی عادت ہو تو منڈائے ورنہ کنگھی کرے، تیل ڈالے، بدن میں خوشبو لگائے، پھر جامہ احرام پہن کر دو رکعت نماز بہ نیت سنت احرام پڑھے۔ پھر وہیں قبلہ رو بیٹھا دل وزبان سے نیت کرے۔ ب آواز تین بار لبیک کہے۔ آسانی وقبول کی دعا مانگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔ (فتاویٰ رضویہ، کتاب الحج، ج ۱۰)

1782 - حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: لَبَّيْنَا بِالْحَجِّ حَتّٰى إِذَا كُنَّا بِسَرِفَ حِضْتُ فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبْكِي، فَقَالَ: مَا يُبْكِيكِ يَا عَائِشَةُ؟، فَقُلْتُ: حِضْتُ لَيْتَنِي لَمْ أَكُنْ حَجَجْتُ، فَقَالَ: سُبْحَانَ اللهِ إِنَّمَا ذٰلِكَ شَيْءٌ كَتَبَهُ اللهُ عَلٰى بَنَاتِ آدَمَ. فَقَالَ: انْسُكِي الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ. فَلَمَّا دَخَلْنَا مَكَّةَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ شَاءَ أَنْ يَجْعَلَهَا عُمْرَةً فَلْيَجْعَلْهَا عُمْرَةً، إِلَّا مَنْ كَانَ مَعَهُ الْهَدْيُ. قَالَتْ: وَذَبَحَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نِسَائِهِ الْبَقَرَ يَوْمَ النَّحْرِ. فَلَمَّا كَانَتْ لَيْلَةُ الْبَطْحَاءِ وَطَهُرَتْ عَائِشَةُ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَتَرْجِعُ صَوَاحِبِي بِحَجٍّ وَعُمْرَةٍ وَأَرْجِعُ أَنَا بِالْحَجِّ. فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ، فَذَهَبَ بِهَا إِلَى التَّنْعِيمِ فَلَبَّتْ بِالْعُمْرَةِ

❁❁ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ہم نے حج کا تلبیہ پڑھنا شروع کیا یہاں تک جب ہم سرف کے مقام پر پہنچے تو مجھے حیض آ گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس پہنچے' تو میں رو رہی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: تم کیوں رو رہی ہو؟ میں نے عرض کی: مجھے حیض آ گیا ہے۔ کاش میں نے حج (کی نیت یا سفر) نہ کیا ہوتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ! یہ وہ چیز ہے' جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں کا مقدر کر دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم تمام مناسک ادا کرو' البتہ تم بیت اللہ کا طواف نہ کرنا۔ جب ہم مکہ میں داخل ہوئے' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص اسے عمرہ بنانا چاہے وہ اسے عمرہ بنا لے البتہ جس کے ساتھ قربانی کا جانور ہو (اسے اس کی اجازت نہیں ہے)''

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: قربانی کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کی طرف سے گائے کی قربانی دی۔ جب بطحاء کی رات آئی اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت تک پاک ہوچکی تھیں' تو انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا دیگر خواتین حج اور عمرہ کر کے واپس جائیں گی اور میں صرف حج کر کے جاؤں گی؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا وہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر تنعیم گئے' تو وہاں سے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ کا تلبیہ پڑھا (یعنی وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کیا)

1783 - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ اِبْرَاهِيْمَ، عَنِ الْاَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نُرٰى اِلَّا اَنَّهُ الْحَجُّ، فَلَمَّا قَدِمْنَا تَطَوَّفْنَا بِالْبَيْتِ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يَكُنْ سَاقَ الْهَدْیَ اَنْ يَّحِلَّ، فَاَحَلَّ مَنْ لَّمْ يَكُنْ سَاقَ الْهَدْیَ

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ہمارا مقصد صرف حج کرنا تھا۔ ہم لوگ آئے اور جب ہم نے بیت اللہ کا طواف کر لیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے ساتھ قربانی کا جانور نہیں ہے وہ احرام کھول دے تو ہر اس شخص نے احرام کھول دیا جس کے ساتھ قربانی کا جانور نہیں تھا۔

1784 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى بْنِ فَارِسٍ الذُّهْلِیُّ، حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، اَخْبَرَنَا يُوْنُسُ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِیْ مَا اسْتَدْبَرْتُ، لَمَا سُقْتُ الْهَدْیَ، قَالَ مُحَمَّدٌ: اَحْسَبُهُ قَالَ: وَلَحَلَلْتُ مَعَ الَّذِيْنَ اَحَلُّوْا مِنَ الْعُمْرَةِ، قَالَ: اَرَادَ اَنْ يَّكُوْنَ اَمْرُ النَّاسِ وَاحِدًا

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے بعد میں جس چیز کا خیال آیا اگر اس کا خیال پہلے آجاتا' تو میں قربانی کا جانور ساتھ نہ لاتا۔

محمد نامی راوی کہتے ہیں: میرا خیال ہے روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: میں بھی ان لوگوں کی طرح احرام کھول دیتا' جنہوں نے عمرہ کے بعد احرام کھول دیا تھا۔

راوی بیان کرتے ہیں: اس کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی: تمام لوگوں کی صورتحال ایک ہوجاتی۔

1785 - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ اَبِی الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: اَقْبَلْنَا مُهِلِّيْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَجِّ مُفْرَدًا، وَاَقْبَلَتْ عَائِشَةُ مُهِلَّةً بِعُمْرَةٍ حَتّٰى اِذَا كَانَتْ بِسَرِفَ عَرَكَتْ حَتّٰى اِذَا قَدِمْنَا طُفْنَا بِالْكَعْبَةِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَاَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

1783 - اسناده صحيح. جرير: هو ابن عبد الحميد الضبي، ومنصور: هو ابن المعتمر السلمي، وابراهيم: هو ابن يزيد النخعي، والاسود: هو ابن يزيد النخعي. واخرجه البخاري (1561) و (1762)، ومسلم (1211) وبالر (1328)، والنسائي في "الكبرى" (3771) و (3684) من طريق منصور بن المعتمر، بهذا الاسناد. واخرجه مسلم (1211) من طريق الاعمش، عن ابراهيم، به ولم يسق لفظه. وهو في "مسند احمد" (24906).

وَسَلَّمَ اَنْ يُحِلَّ مِنَّا مَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ هَدْيٌ، قَالَ: فَقُلْنَا: حِلُّ مَاذَا؟ فَقَالَ الْحِلُّ كُلُّهُ فَوَاقَعْنَا النِّسَاءَ، وَتَطَيَّبْنَا بِالطِّيبِ، وَلَبِسْنَا ثِيَابَنَا، وَلَيْسَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ عَرَفَةَ اِلَّا اَرْبَعُ لَيَالٍ. ثُمَّ اَهْلَلْنَا يَوْمَ التَّرْوِيَةِ. ثُمَّ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى عَائِشَةَ فَوَجَدَهَا تَبْكِي فَقَالَ: مَا شَاْنُكِ؟ قَالَتْ: شَاْنِيْ اَنِّيْ قَدْ حِضْتُ، وَقَدْ حَلَّ النَّاسُ وَلَمْ اَحْلُلْ، وَلَمْ اَطُفْ بِالْبَيْتِ وَالنَّاسُ يَذْهَبُوْنَ اِلَى الْحَجِّ الْآنَ. فَقَالَ: اِنَّ هٰذَا اَمْرٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ آدَمَ فَاغْتَسِلِيْ، ثُمَّ اَهِلِّيْ بِالْحَجِّ فَفَعَلَتْ. وَوَقَفَتِ الْمَوَاقِفَ حَتّٰى اِذَا طَهُرَتْ طَافَتْ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ. ثُمَّ قَالَ: قَدْ حَلَلْتِ مِنْ حَجِّكِ وَعُمْرَتِكِ جَمِيْعًا قَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اِنِّيْ اَجِدُ فِيْ نَفْسِيْ اَنِّيْ لَمْ اَطُفْ بِالْبَيْتِ حِيْنَ حَجَجْتُ قَالَ: فَاذْهَبْ بِهَا يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ فَاَعْمِرْهَا مِنَ التَّنْعِيْمِ وَذٰلِكَ لَيْلَةَ الْحَصْبَةِ.

⊛⊛ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حج کے موقع پر ہم لوگ حج افراد کی نیت کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے' جبکہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ کا احرام باندھا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ جب وہ سرف کے مقام پر پہنچیں' تو انہیں حیض آ گیا۔ جب ہم (مکہ) آئے' تو ہم نے خانہ کعبہ کا اور صفا و مروہ کا طواف کیا' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ جس شخص کے ساتھ قربانی کا جانور نہیں ہے وہ احرام کھول دے۔ راوی کہتے ہیں: ہم نے دریافت کیا: کس حد تک؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکمل طور پر (احرام کے احکام ختم کردو) راوی کہتے ہیں: ہم نے اپنی بیویوں کے ساتھ صحبت کی، خوشبو لگائی، سلے ہوئے کپڑے پہنے حالانکہ اس وقت ہمارے اور عرفات کے درمیان صرف چار دن باقی رہ گئے تھے' پھر ہم نے ترویہ کے دن احرام باندھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے، تو انہیں روتے ہوئے پایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: تمہیں کیا ہوا ہے؟ انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! میرا مسئلہ یہ ہے مجھے حیض آ گیا ہے۔ لوگوں نے احرام کھول دیا ہے مگر میں نے احرام نہیں کھولا۔ میں بیت اللہ کا طواف نہیں کرسکتی اور اب لوگ حج کی طرف روانہ ہونے لگے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ (حیض) ایسی چیز ہے' جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں کا مقدر کردی ہے۔ تم (اسے) دھو کر پھر حج کا احرام باندھ لو۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا' یہاں تک کہ جب تمام مناسک سے وہ فارغ ہوگئیں' تو وہ پاک ہوگئیں۔ انہوں نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ صفا و مروہ کی سعی کی۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب تم نے اپنے حج اور عمرہ کی پابندیوں کو ختم کردیا ہے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! میرے ذہن میں الجھن ہے۔ جب میں نے حج کیا تھا تو اس وقت بیت اللہ کا طواف نہیں کرسکتی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبدالرحمٰن! اسے ساتھ لے جاؤ اور اسے تنعیم سے عمرہ کروادو۔ (راوی کہتے ہیں:) یہ حصبہ (میں قیام) کی رات کا واقعہ ہے۔

حالت حیض میں طواف و نماز کی ممانعت کا بیان

1786 - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى بْنُ سَعِيْدٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: اَخْبَرَنِيْ اَبُو الزُّبَيْرِ، اَنَّهُ سَمِعَ جَابِرًا، قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى عَائِشَةَ بِبَعْضِ هٰذِهِ الْقِصَّةِ

قَالَ: عِنْدَ قَوْلِهِ وَاَهِلِّي بِالْحَجِّ. ثُمَّ حُجِّي وَاصْنَعِي مَا يَصْنَعُ الْحَاجُّ غَيْرَ اَنْ لَّا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ وَلَا تُصَلِّي

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے۔ اس کے بعد راوی نے اس واقعے کا کچھ حصہ بیان کیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں: "تم حج کا احرام باندھ لو اور حج کرو اور پھر وہ تمام کام کرو جو حاجی کرتے ہیں البتہ تم بیت اللہ کا طواف نہ کرنا اور نماز نہ پڑھنا"۔

1787 - حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ الْوَلِيدِ بْنِ مَزْيَدٍ، اَخْبَرَنِي اَبِي، حَدَّثَنِي الْاَوْزَاعِيُّ، حَدَّثَنِي مَنْ، سَمِعَ عَطَاءَ بْنَ اَبِي رَبَاحٍ، حَدَّثَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: اَهْلَلْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَجِّ خَالِصًا، لَا يُخَالِطُهُ شَيْءٌ فَقَدِمْنَا مَكَّةَ لِاَرْبَعِ لَيَالٍ خَلَوْنَ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ فَطُفْنَا وَسَعَيْنَا ثُمَّ اَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نُحِلَّ، وَقَالَ: لَوْلَا هَدْيِي لَحَلَلْتُ. ثُمَّ قَامَ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكٍ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، اَرَاَيْتَ مُتْعَتَنَا هٰذِهِ اَلِعَامِنَا هٰذَا اَمْ لِلْاَبَدِ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَلْ هِيَ لِلْاَبَدِ. قَالَ الْاَوْزَاعِيُّ: سَمِعْتُ عَطَاءَ بْنَ اَبِي رَبَاحٍ، يُحَدِّثُ بِهٰذَا فَلَمْ اَحْفَظْهُ حَتّٰى لَقِيتُ ابْنَ جُرَيْجٍ فَاَثْبَتَهُ لِي

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف حج کے احرام کی نیت کی۔ اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں ملائی۔ ذوالحج کے چار دن گزرنے کے بعد ہم مکہ پہنچے۔ ہم نے طواف کیا، سعی کی پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں احرام کھولنے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر میرے ساتھ قربانی کا جانور نہ ہوتا تو میں بھی احرام کھول دیتا۔ پھر حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا خیال ہے یہ سہولت ہمارے لئے صرف اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلکہ یہ ہمیشہ کے لئے ہے۔

امام اوزاعی بیان کرتے ہیں: میں نے عطاء بن ابی رباح کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے مگر میں اسے یاد نہیں رکھ سکا۔ یہاں تک کہ میری ملاقات ابن جریج سے ہوئی تو انہوں نے مجھے یہ روایت یاد کروائی۔

صفا و مروہ کے درمیان سعی سے متعلق احادیث کا بیان

(۱) امام مالک نے موطا میں امام احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن جریر، ابن ابی داؤد، ابن الانباری نے مصاحف میں، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے سنن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ عروہ نے (جو ان کے بھانجے تھے) ان سے پوچھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اس قول لفظ آیت "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما" کے بارے میں بتائیے میرا خیال یہ ہے کہ جو آدمی ان کا طواف نہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں کیا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے میرے بھانجے تو نے غلط کہا ہے اگر یہ مطلب ہوتا جو تو نے بیان کیا ہے تو عبارت اس طرح ہوتی "فلا جناح علیہ ان لا یطوف بھما" لیکن یہ آیت نازل ہوئی جب انصار اسلام لانے سے پہلے مناۃ بت کے لئے احرام باندھتے تھے جس کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اور جو اس بت کے لئے احرام باندھتا تھا وہ صفا مروہ کی سعی کرنے سے اجتناب کرتا تھا۔ اس بارے میں ہم

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اور عرض کیا یا رسول اللہ! کہ ہم زمانہ جاہلیت میں صفا ومروہ کی سعی کرنے سے اجتناب کرتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) نازل فرمائی لفظ آیت ''ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ'' (الآیہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا ومروہ کی سعی کی سنت بنا دیا اب کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ صفا مروہ کی سعی کو چھوڑے۔

(۲) عبد بن حمید، بخاری، ترمذی، ابن جریر، ابن ابی داؤد فی المصاحف، ابن ابی حاتم، ابن السکن اور بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ان سے صفا مروہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم اس کو جاہلیت کے کام میں سے خیال کرتے تھے لیکن جب اسلام آیا تو ہم اس سے رک گئے پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت) نازل فرمائی لفظ آیت ''ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ''۔

(۳) امام حاکم (انہوں نے اسے صحیح کہا ہے) اور ابن مردویہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا فرماتی ہیں یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی زمانہ جاہلیت میں جب وہ لوگ احرام باندھتے تھے تو صفا مروہ کے درمیان طواف کرنا ان کے لئے حلال نہ تھا جب ہم (مدینہ منورہ) آئے تو انہوں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی۔ تو (اس پر) اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) نازل فرمائی لفظ آیت ''ان الصفا والمرۃ من شعائر اللہ''۔

صفا مروہ کے درمیان سعی واجب ہے

(٤) ابن جریر، ابن ابی داؤد، فی المصاحف، ابن ابی حاتم اور حاکم نے (انہوں نے اسے صحیح کہا ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ زمانہ جاہلیت میں شیاطین صفا مروہ کے درمیان ساری رات جمع ہو کر ہجو یہ اشعار پڑھتے تھے صفا مروہ میں بت تھے جن کو وہ خدا سمجھتے تھے۔ جب اسلام آیا تو مسلمانوں نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم صفا مروہ کا طواف نہ کریں کیونکہ یہ ایک ایسا کام تھا جس کو ہم زمانہ جاہلیت میں کرتے تھے تو (اس پر) اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) اتاری لفظ آیت ''فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بہما'' فرمایا کہ (صفا مروہ کا طواف کرنے میں) اس پر کوئی گناہ نہیں بلکہ اس کے لئے اجر ہے۔

(٥) امام طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ انصار (صحابہ) نے عرض کیا کہ صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا جاہلیت کے کاموں میں سے ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) اتاری لفظ آیت ''ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ''۔

(٦) ابن جریر نے عمرو بن حبیش رحمہ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے لفظ آیت ''ان الصفا والمروۃ الآیہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو وہ زیادہ جاننے والے ہیں جو کچھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا۔ میں ان کے پاس آیا اور ان سے (اس بارے میں) پوچھا تو انہوں نے فرمایا ان (دونوں پہاڑوں پر) بت رکھے ہوئے تھے۔ (اس لئے) جب وہ لوگ اسلام لائے تو ان دونوں کے درمیان سعی کرنے سے رک گئے یہاں تک کہ (یہ آیت) ''ان الصفا والمروۃ'' نازل ہوئی۔

(۷) ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ لفظ آیت ''ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ لوگ صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے سے رک گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ بتایا کہ دونوں اللہ تعالیٰ کے شعائر میں سے ہے۔ اوران دونوں کے درمیان سعی کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہے اب ان دونوں کے درمیان سعی کرنے کی سنت قائم ہوگئی۔

(۸) سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر نے عامر شعبی رحمہ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ صفا پر ایک بت تھا جس کو اساف کہتے تھے اور مروہ پر ایک بت تھا جس کو نائلہ کہتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں جب بیت اللہ کا طواف کرتے تھے تو صفا مروہ کے درمیان بھی سعی کرتے ہوئے بتوں کو ہاتھ لگاتے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم بتوں کی وجہ سے صفا مروہ کی سعی کرتے تھے اور ان کے درمیان سعی کرنا شعائر میں نہیں ہے (اس پر) اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا لفظ آیت ''ان الصفا والمروۃ'' (الآیہ) اور لفظ آیت ''الصفا'' کو مذکر فرمایا کیونکہ اس پر جو بت تھا وہ مذکر تھا۔ اور مروہ کو مؤنث ذکر فرمایا کیونکہ اس پر جو بت تھا وہ مؤنث تھا۔

(۹) سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن جریر نے مجاہد رحمہ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ انصار نے کہا کہ ان پتھروں (یعنی صفا مروہ) کے درمیان سعی کرنا جاہلیت والوں کے کام میں سے ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا لفظ آیت ''ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ'' فرمایا کہ یہ عمل خیر میں سے ہے جس کے بارے میں، میں نے تم کو بتایا ہے اس پر کوئی حرج نہیں جو ان دونوں (کے درمیان) سعی نہ کرے لفظ آیت ''ومن تطوع خیرا فھو خیر لہ'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بطور نفل کے کیا پس یہ سنن میں سے ہے۔ عطاء رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو اس کی جگہ کو ستر کعبہ کے ساتھ بدل دیتے۔

(۱۰) ابن جریر نے قتادہ رحمہ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ زمانہ جاہلیت میں تھامہ کے لوگ صفا و مروہ کے درمیان سعی نہیں کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا لفظ آیت ''ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ'' اوران کے درمیان سعی کرنا ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی سنت ہے۔

مشرکین صفاء مروہ پر بتوں کو پوجتے تھے

(۱۱) عبد بن حمید، مسلم، ترمذی، ابن جریر، ابن مردویہ، بیہقی نے اپنی سنن میں زہری کے طریق سے عروہ رحمہ اللہ سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا انصار میں سے کچھ لوگ مناۃ (بت) کے لئے زمانہ جاہلیت میں احرام باندھتے تھے اور مناۃ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بت تھا انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! کہ ہم مناۃ کی تعظیم کرتے ہوئے صفا مروہ کی سعی کرتے تھے اب ہم پر سعی میں کوئی حرج ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی لفظ آیت ''ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ'' عروہ رحمہ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ مجھے کچھ پرواہ نہیں اگر میں صفا مروہ کے درمیان سعی نہ کروں (کیونکہ) اللہ نے فرمایا لفظ آیت ''فلا جناح علیہ ان یطوف بھما'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے میرے بھانجے! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لفظ آیت ''ان الصفا

والمروۃ من شعائر اللہ"۔ زہری رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ بات میں نے ابوبکر بن عبدالرحمن بن الحرث بن ہشام کو بتائی تو انہوں نے کہا یہ علم ہے (اور) ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اہل علم لوگوں کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جب اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کے بارے میں (حکم) نازل فرمایا اور صفا مروہ کے درمیان طواف کا (حکم) نازل فرمایا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ہم زمانہ جاہلیت میں صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا تو ذکر فرمایا ہے اور صفا مروہ کے درمیان سعی نہ کریں تو اس پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا لفظ آیت "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ" (الآیہ) ابوبکر نے فرمایا کہ یہ آیت دونوں فریقوں کے بارے میں نازل ہوئی ان کے بارے میں بھی جنہوں نے سعی کی اور ان کے بارے میں بھی جنہوں نے سعی نہ کی۔

(۱۲) امام وکیع، عبدالرزاق، عبد بن حمید، مسلم، ابن ماجہ اور ابن جریر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ قسم ہے میری عمر کی اللہ تعالیٰ اس کے حج اور عمرہ کو پورا نہیں فرمائیں گے جو شخص صفا و مروہ کے درمیان سعی نہ کرے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لفظ آیت "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ"۔

(۱۳) عبد بن حمید اور مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انصار صفا مروہ کے درمیان سعی کو ناپسند کرتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی لفظ آیت "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ" پس ان کے درمیان سعی کرنا نفل ہے۔

(۱٤) ابوعبید نے فضائل میں، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی داؤد نے المصاحف میں، ابن المنذر اور ابن الانباری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ وہ اس آیت لفظ آیت "فلا جناح علیہ ان لا یطوف بہما" کو اس طرح پڑھتے تھے۔

(۱۵) عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر نے عطار رحمہ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں اس طرح سے ہے۔ لفظ آیت "فلا جناح علیہ ان لا یطوف بہما"۔

(۱٦) حماد رحمہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں نے والد کے مصحف میں (یوں) پایا لفظ آیت "فلا جناح علیہ ان لا یطوف بہما"

(۱۷) ابن ابی داؤد نے مجاہد رحمہ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ وہ لفظ آیت "فلا جناح علیہ ان لا یطوف بہما" پڑھتے تھے۔

(۱۸) امام طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ وہ یوں پڑھتے تھے لفظ آیت "فلا جناح علیہ ان لا یطوف بہما" تشدید کے ساتھ پس جس نے اس کو چھوڑ دیا تو اس پر کوئی حرج نہیں۔

(۱۹) سعید بن منصور اور حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ میں مروہ سے پہلے صفا سے شروع کرتا ہوں طواف کرنے سے پہلے نماز پڑھ لیتا ہوں یا نماز سے پہلے طواف کرتا ہوں اور ذبح کرنے

سے پہلے حلق کرتا ہوں یا حلق کرانے کے بعد ذبح کرتا ہوں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ باتیں اللہ کی کتاب میں سے لے لو وہ یاد کرنے کے قابل ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا لفظ آیت ''ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ'' (اس میں) صفا (کا حکم) ہے مروہ سے پہلے اور فرمایا لفظ آیت ''لا تحلقوا رؤوسکم حتی یبلغ الھدی محلہ'' یعنی ذبح ہے حلق سے پہلے اور فرمایا لفظ آیت ''وطھر بیتی للطایفین والقائمین والرکع السجود (۲۶)'' (الحج آیت ۲۶) اور اس آیت میں نماز سے پہلے طواف ہے۔

(۲۰) امام وکیع نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ (سعی) مروہ سے پہلے صفا سے کیوں شروع کی جاتی ہے؟ انہوں نے فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لفظ آیت ''ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ'' (یعنی مروہ سے پہلے صفا کا ذکر فرمایا)۔

(۲۱) امام مسلم، ترمذی، ابن جریر اور بیہقی نے سنن میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حج میں صفا کے قریب تشریف لے گئے تو آپ نے فرمایا لفظ آیت ''ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ'' میں پس اللہ تعالیٰ نے کلام کو جس سے شروع فرمایا ہے تم بھی اس سے شروع کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعی صفا سے شروع فرمائی اور اس پر چڑھ گئے۔

(۲۲) امام شافعی، ابن سعد، احمد، ابن المنذر، ابن قانع اور بیہقی نے حبیبہ بنت ابی بحران رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے دیکھا لوگ آپ کے آگے تھے اور آپ ان کے پیچھے سعی فرما رہے تھے یہاں تک کہ میں نے تیز سعی کی وجہ سے آپ کے گھٹنے دیکھے آپ اپنی چادر مبارک لپیٹے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے کہ سعی کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی فرض فرما دی ہے۔

(۲۳) امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (کسی نے) پوچھا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی فرض کی ہے پس تم سعی کرو۔

(۲۴) امام وکیع نے ابوفصیل عامر بن واثلہ رحمہ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سعی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے سعی کی تھی۔

(۲۵) امام طبرانی اور بیہقی نے ابوطفیل رحمہ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ آپ کی قوم یہ گمان کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا و مروہ کے درمیان سعی کی تھی اور یہ سنت میں سے ہے آپ نے فرمایا انہوں نے سچ کہا جب ابراہیم (علیہ السلام) کو حج کے احکام کا حکم دیا گیا تو سعی کی جگہ کے درمیان شیطان نے ان کے سامنے اور ان کے آگے جانے کی کوشش کی مگر ابراہیم (علیہ السلام) اس سے آگے نکل گئے۔

(۲۶) امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ انہوں نے لوگوں کو صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے دیکھا اور فرمایا یہ ان کاموں میں سے ہے جس کا تم کو اسماعیل (علیہ السلام) کی والدہ نے وارث بنایا۔

حضرت ہاجرہ واسماعیل (علیہ السلام) برکت

(۲۷) الخطیب نے التلخیص میں سعید بن جبیر رحمہ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ ابراہیم (علیہ السلام) تشریف لائے ان کے ساتھ ہاجرہ (ان کی بیوی) اور اسماعیل (ان کے بیٹے) بھی تھے ان دونوں (یعنی ہاجرہ اور اسماعیل (علیہ السلام) کو بیت اللہ کے پاس بٹھایا ان کی بیوی نے پوچھا کیا اس کام کا اللہ نے آپ کو حکم فرمایا ہے فرمایا ہاں! (پھر) بچے کو پیاس لگی حضرت ہاجرہ نے ادھر ادھر دیکھا پہاڑوں میں سب سے زیادہ قریب صفا کی پہاڑی تھی اس پر جا کر دیکھا تو کوئی چیز نظر نہ آئی یہ صفا مروہ کے درمیان پہلی سعی تھی۔ وہ واپس آئیں تو اپنے آگے ایک ہلکی سی آواز سنی اور فرمایا میں نے سن لیا ہے اگر تیرے پاس کوئی مدد ہے تو لے آ اچانک اس کے آگے جبرئیل (علیہ السلام) تھے جو اپنی ایڑھی کو زم زم پر مار رہے تھے تو پانی ابل آیا۔ وہ کوئی چیز لے آئیں تا کہ اس میں پانی کو جمع کریں۔ جبرئیل (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا کیا تو پیاس سے ڈرتی ہے یہ اللہ تعالیٰ کے مہمانوں کا شہر ہے تم پیاس سے نہ ڈرو۔

(۲۸) ابن ابی شیبہ، ابوداؤد، ترمذی، حاکم (انہوں نے اسے صحیح کہا ہے) اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کے درمیان سعی۔ اور شیاطین کو کنکری مارنا اللہ کے ذکر کو قائم کرنے کے لئے مقرر کئے گئے ہیں ان کی اور کوئی غرض نہیں۔

(۲۹) الازرقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ صفا مروہ میں سعی کرنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ صفا سے اترے پھر چلتے ہوئے گزرگاہ کے بطن میں پہنچ جائے جب اس جگہ میں آئے تو دوڑے حتی کہ یہاں سے پار ہو جائے پھر (اپنی رفتار پر چلے حتی کہ مروہ پر آ جائے)۔

(۳۰) الازرقی نے مسروق کے طریق سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ صفا کی طرف نکلے پھر صدع (یعنی صفا کی چوڑائی) پر کھڑے ہو کر لبیک پڑھا میں نے ان سے کہا کہ لوگ یہاں ہلال (یعنی تلبیہ کہنے) سے منع کرتے ہیں انہوں نے فرمایا لیکن میں تم کو اس کا حکم کرتا ہوں کیا تو جانتا ہے اہلال کیا ہے؟ یہ وہ دعا ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنے رب کے ہاں قبولیت ہے۔ جب آپ (نیچے) وادی میں آئے تو رمل کیا اور (یہ دعا) مانگی "رب اغفر وارحم انك انت الاعز الاكرم" (اے میرے رب بخش دے اور رحم فرما بے شک تو بہت عزت والا اور بہت اکرام والا ہے۔

(۳۱) طبرانی اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صدع (مقام) پر کھڑے ہوئے جو صفا میں ہے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ وہ مقام ہے جس پر سورۃ بقرہ نازل ہوئی۔

وما قوله تعالیٰ: ومن تطوع خیرا:

(۳۲) ابن ابی داؤد نے المصاحف میں الاعمش رحمہ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قرأت میں لفظ آیت "ومن تطوع خیرا" ہے۔

(۳۳) سعید بن منصور نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ وہ صفا مروہ پر یہ دعا کرتے تھے تین مرتبہ (یعنی اللہ

اکبر) کہتے تھے اور سات مرتبہ یہ دعا پڑھتے تھے:

''لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر لا الہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکفرون''۔

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود (نہیں) اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لئے ملک ہے اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہم کسی کی عبادت نہیں کرتے مگر اسی کی اس کے دین کے لئے خالص ہو کر اگرچہ کافر اس کو ناپسند کریں۔

اور بہت سی دعائیں کرتے تھے یہاں تک کہ ہم تھک جاتے اگرچہ ہم جوان لوگ تھے اور ان کی دعا میں سے ایک یہ دعا بھی تھی:۔

" اللھم اجعلنی ممن یحبك ویحب ملائکتك والی رسلك والی عبادك الصالحین اللھم حببنی الیك والی ملائکتك والی رسلك والی عبادك الصالحین"

ترجمہ: اے اللہ مجھے بنا دے ان لوگوں میں سے جو تجھ سے اور تیرے فرشتوں سے اور تیرے رسولوں سے محبت کرتے ہیں اور تیرے نیک بندوں سے محبت کرتے ہیں۔ اور اے اللہ! مجھے اپنا اپنے فرشتوں، رسولوں اور نیک بندوں کا محبوب بنادے۔

" اللھم یسر لی للیسری وجنبنی للعسری واغفرلی فی الاخرۃ والاولی واجعلنی من الائمۃ المتقین ومن ورثۃ جنۃ النعیم واغفرلی یوم الدین اللھم انك قلت (ادعونی استجب لکم) وانك لا تخلف المیعاد"۔

ترجمہ: اے اللہ! آسانی کردے میرے لئے آسانی کو اور بچا دے مجھے تنگی سے اور بخش دے مجھ کو دنیا میں اور آخرت میں اور مجھے متقین کے اماموں میں سے بنادے اور جنت النعیم کے ورثا میں سے بنادے اور میری خطاؤں کو قیامت کے دن بخش دے اے اللہ بے شک آپ نے فرمایا ہے مجھ سے دعا کرو اور میں تمہاری دعاؤں کو قبول کرونگا اور بلا شبہ آپ وعدہ خلافی نہیں فرماتے۔

" اللھم اذھدیتنی للاسلام فلا تنزعہ منی ولا تنزعنی منہ حتی توفان علی الاسلام وقد رضیت عنی"

ترجمہ: اے اللہ جب آپ نے مجھ کو السلام کی ہدایت دی اس کو مجھ سے نہ چھین لینا اور مجھے اس سے جدا نہ کر لینا اور مجھ سے راضی ہو جایئے۔

" اللھم لا تقدمنی للعذاب ولا تؤخرنی لسیء الفتن"

ترجمہ: اے اللہ مجھے عذاب کے لئے پیش نہ کرنا اور مجھے برے فتنوں کے لئے پیچھے نہ چھوڑ دینا۔

(۳٤) سعید بن منصور، ابن ابی شیبہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جو شخص تم میں سے حج کے لئے آئے تو اس کو چاہئے کہ بیت اللہ کے طواف سے شروع کرے اور سات چکر لگائے پھر مقام ابراہیم کے پاس دو رکعتیں پڑھے پھر

صفا پر آئے اور اس پر قبلہ رخ کھڑا ہو جائے پھر سات مرتبہ تکبیریں کہے دو تکبیروں کے درمیان اللہ کی حمد اور اس کی ثنا بیان کرے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور اپنے لئے دعا کرے اور اسی طرح مروہ پر بھی کرے۔

(۳۵) ابن ابی شیبہ نے المصنف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ سات جگہوں میں ہاتھ بلند کئے جاتے ہیں جب نماز کی طرف کھڑے ہو، بیت اللہ کو دیکھو، صفا مروہ پر، عرفات میں، مزدلفہ میں، شیاطین کو کنکری مارتے وقت۔

(۳۶) امام شافعی نے الام میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاتھوں کو بلند کیا جائے نماز میں، جب بیت اللہ کو دیکھو، صفا مروہ پر، عرفات میں، مزدلفہ میں اور جمروں کے پاس اور میت پر۔

وأما قوله: فان الله شاكر عليه:

(۳۷) ابن ابی حاتم نے قتادہ رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی قدردان نہیں اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ خیر کی کوئی جزا دینے والا نہیں۔ (تفسیر درمنثور، سورہ بقرہ، بیروت)

ذوالحج کے چار دن بعد میں آنے والوں کا بیان

1788 - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ لِأَرْبَعِ لَيَالٍ خَلَوْنَ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ، فَلَمَّا طَافُوا بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اجْعَلُوهَا عُمْرَةً إِلَّا مَنْ كَانَ مَعَهُ الْهَدْيُ. فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ أَهَلُّوا بِالْحَجِّ. فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ النَّحْرِ قَدِمُوا فَطَافُوا بِالْبَيْتِ، وَلَمْ يَطُوفُوا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ذوالحج کے چار دن گزرنے کے بعد (مکہ) آگئے جب ان حضرات نے بیت اللہ کا طواف کرلیا اور صفا و مروہ کی سعی کرلی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگ اسے عمرہ میں تبدیل کرلو البتہ جس شخص کے ساتھ قربانی کا جانور موجود ہو (اس کا حکم مختلف ہے) جب ترویہ کا دن آیا تو ان لوگوں نے حج کا احرام باندھ لیا جب قربانی کا دن آیا تو وہ لوگ آئے انہوں نے بیت اللہ کا طواف کیا لیکن انہوں نے صفا و مروہ کی سعی نہیں کی۔

صفا اور مروہ کی سعی اور فقہی مذاہب اربعہ کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضرت عروہ دریافت کرتے ہیں کہ اس آیت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طواف نہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں آپ نے فرمایا بھتیجے تم صحیح نہیں سمجھے اگر یہ بیان مدنظر ہوتا تو ان لایطوف بھما ہوتا۔ سنو آیت شریف کا شان نزول یہ ہے کہ مشلل (ایک جگہ کا نام ہے) کے پاس مناۃ بت تھا اسلام سے پہلے انصار اسے پوجتے تھے اور جو اس کے نام لبیک پکار لیتا وہ صفا مروہ کے طواف کرنے میں حرج سمجھتا تھا، اب بعد از اسلام ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صفا مروہ کے طواف کے حرج کے بارے میں سوال کیا تو یہ آیت اتری کہ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اسی کے بعد حضور علیہ السلام نے صفا

مروہ کا طواف کیا اس لئے مسنون ہو گیا اور کسی کو اس کے ترک کرنے کا جواز نہ رہا۔ (بخاری مسلم)

ابو بکر بن عبدالرحمن نے جب یہ روایت سنی تو وہ کہنے لگے کہ بیشک یہ علمی بات ہے میں نے تو اس سے پہلے سنی ہی نہ تھی بعض اہل علم فرمایا کرتے تھے کہ انصار نے کہا تھا کہ ہمیں بیت اللہ کے طواف کا حکم ہے صفا مروہ کے طواف کو جاہلیت کا کام جانتے تھے اور اسلام کی حالت میں اس سے بچتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی،

ابن عباس سے مروی ہے کہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان بہت سے بت تھے اور شیاطین رات بھر اس کے درمیان گھومتے رہتے تھے اسلام کے بعد لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں کے طواف کی بابت تھے اور شیاطین رات بھر اس کے درمیان گھومتے رہتے تھے اسلام کے بعد لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں کے طواف کی بابت مسئلہ دریافت کیا جس پر یہ آیت اتری" اساف" بت صفا پر تھا اور" نائلہ" مروہ پر، مشرک لوگ انہیں چھوتے اور چومتے تھے اسلام کے بعد لوگ اس سے الگ ہو گئے لیکن یہ آیت اتری جس سے یہاں کا طواف ثابت ہوا، سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ" اساف" اور" نائلہ" دو مرد وعورت تھے ان بدکاروں نے کعبہ میں زنا کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں پتھر بنا دیا، قریش نے انہیں کعبہ کے باہر رکھ دیا تا کہ لوگوں کو عبرت ہو لیکن کچھ زمانہ کے بعد ان کی عبادت شروع ہوگئی اور صفا مروہ پر لا کر نصب کر دیئے گئے اور ان کا طواف شروع ہو گیا، صحیح مسلم کی ایک لمبی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت اللہ شریف کا طواف کر چکے تو رکن کو چھو کر باب الصفا سے نکلے اور آیت تلاوت فرما رہے تھے پھر فرمایا میں بھی شروع کروں گا اس سے جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تم شروع کرو اس سے جس سے اللہ نے شروع کیا یعنی صفا سے چل کر مروہ جاؤ۔ حضرت حبیبہ بنت تجزاۃ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صفا مروہ کا طواف کرتے تھے لوگ آپ کے آگے آگے تھے اور آپ ان کے پیچھے تھے آپ قدرے دوڑ لگا رہے تھے اور اس کی وجہ سے آپ کا تہبند آپ کے ٹخنوں کے درمیان ادھر ادھر ہو رہا تھا اور زبان سے فرماتے جاتے تھے لوگوں دوڑ کر چلو اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی لکھ دی ہے۔ (مسند احمد)

اسی کی ہم معنی ایک روایت اور بھی ہے۔ یہ حدیث دلیل ہے ان لوگوں کی جو صفا مروہ کی سعی کو حج کا رکن جانتے ہیں جیسے حضرت امام شافعی اور ان کے موافقین کا مذہب ہے، امام احمد سے بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے۔

امام مالک کا مشہور مذہب بھی یہی ہے، بعض اسے واجب تو کہتے ہیں لیکن حج کا رکن نہیں کہتے اگر عمداً یا سہواً کوئی شخص اسے چھوڑ دے تو ایک جانور ذبح کرنا پڑے گا۔ امام احمد سے ایک روایت اسی طرح مروی ہے اور ایک اور جماعت بھی یہی کہتی ہے اور ایک قول میں یہ مستحب ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ، ثوری، شعبی، ابن سیرین یہی کہتے ہیں۔ حضرت انس ابن عمر اور ابن عباس سے یہی مروی ہے امام مالک سے عتبیہ کی بھی روایت ہے، ان کی دلیل آیت (فمن تطوع خیرا) ہے، لیکن پہلا قول ہی زیادہ راجح ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا مروہ کا طواف کیا اور فرمایا احکام حج مجھ سے لو، پس آپ نے اپنے اس حج میں جو کچھ کیا وہ واجب ہو گیا اس کا کرنا ضروری ہے، اگر کوئی کام کسی خاص دلیل سے وجوب سے ہٹ جائے تو اور بات ہے۔

سعی کے وجوب اور تقدیم کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اگر وہ طواف زیارت سے پہلے صفا مروہ کی سعی کر چکا ہے تو اب وہ طواف زیارت میں رمل نہیں کرے گا کیونکہ سعی دو بار مشروع نہیں ہے اور اسی طرح رمل بھی بار بار مشروع نہیں ہے۔ اور یہاں پر اصل یہ ہے کہ سعی واجب ہے اور اس کا مقام طواف زیارت کے بعد ہے کیونکہ طواف زیارت حج کا رکن ہے۔ لہٰذا جو اس کے تابع ہوا وہ بھی واجب ہوا۔ جبکہ طواف قدوم میں ایسا نہ ہوگا کیونکہ طواف قدوم سنت ہے لہٰذا اس کے تابع ہونے والا عمل واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ واجب سنت سے بڑا ہوتا ہے لہٰذا واجب کا سنت کی اتباع کرنا صحیح نہیں ہے۔ البتہ سعی کو مقدم کرنا یعنی طواف قدوم کے ساتھ کر لینا یہ جائز ہے کیونکہ اس میں آسانی ہے۔ اور یہ سہولت کے پیش نظر مباح ہے۔

حج کا احرام باندھ کر عمرہ بنانے کا بیان

1789 - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، حَدَّثَنَا حَبِيبٌ يَعْنِي الْمُعَلِّمَ، عَنْ عَطَاءٍ، حَدَّثَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَهَلَّ هُوَ وَاَصْحَابُهُ بِالْحَجِّ وَلَيْسَ مَعَ اَحَدٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ هَدْيٌ اِلَّا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطَلْحَةَ وَكَانَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَدِمَ مِنَ الْيَمَنِ وَمَعَهُ الْهَدْيُ فَقَالَ: اَهْلَلْتُ بِمَا اَهَلَّ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ اَصْحَابَهُ اَنْ يَجْعَلُوْهَا عُمْرَةً يَطُوفُوا، ثُمَّ يُقَصِّرُوا وَيُحِلُّوا اِلَّا مَنْ كَانَ مَعَهُ الْهَدْيُ فَقَالُوْا: اَنَنْطَلِقُ اِلٰى مِنًى وَذُكُوْرُنَا تَقْطُرُ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: لَوْ اَنِّي اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا اَهْدَيْتُ، وَلَوْلَا اَنَّ مَعِيَ الْهَدْيَ لَاَحْلَلْتُ

❁❁ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے حج کا احرام باندھا اس دن ان میں سے کسی کے ساتھ بھی قربانی کا جانور نہ تھا صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے آئے تو ان کے ساتھ قربانی کے جانور تھے۔ انہوں نے عرض کی: میں نے وہی نیت کی ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ اسے عمرہ بنالیں۔ وہ طواف کرنے کے بعد بال چھوٹے کروادیں اور احرام کھول دیں البتہ جس کے ساتھ قربانی کا جانور ہو اس کا حکم مختلف ہے۔ اس پر کچھ لوگوں نے کہا۔ کیا ہم ایسی حالت میں منیٰ جائیں گے کہ ہمارے اعضائے تناسل سے منی کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے؟ اس کی اطلاع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے بعد میں جس چیز کا خیال آیا اگر پہلے خیال آجاتا' تو میں اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہ لاتا' اور اگر میرے ساتھ قربانی کا جانور نہ ہوتا تو میں بھی احرام ختم کر دیتا۔

حنابلہ و اہل ظواہر کے نزدیک فسخ حج کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ صاحب ہدایہ نے حالت احرام میں مکہ میں ٹھہرنے کا بیان اس لئے کیا ہے کہ اس طرح محرم پہ حج حلال نہ ہوگا۔ جبکہ اس میں حنابلہ اور اہل ظواہر اور عام اہل حدیث نے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ حج کا فسخ

مانتے ہیں کہ جب کوئی شخص عمرے کی طرف سے طواف قدوم کرلے۔اور یہ ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک یہ واجب ہے۔

اور بعض حنابلہ نے کہا ہے کہ ہم اللہ کے ہاں حاضر ہیں اور بے شک اگر ہم حج کے ساتھ محرم ہوئے تو پس اس کو عمرے کی طرف فسخ کرنا تا کہ فدیہ ادا کریں اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب نکلے تو ہم نے حج کا احرام باندھا پس جب ہم مکہ میں آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا؛تم اس کو عمرہ بنالو۔تو لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہم نے حج کا احرام باندھا ہے اس کو عمرہ کس طرح بنائیں۔تو آپ ﷺ نے فرمایا اس میں غور کرو جو میں نے تم حکم دیا ہے۔تو انہوں نے اسی طرح کیا۔اور جو اس قول پر لوٹے تو آپ نے ناراضگی کا اظہار کیا اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو انہوں نے آپ ﷺ کے چہرے پر ناراضگی کے آثر دیکھے تو کہا جس نے آپ کو ناراض کیا اس کو اللہ ناراض کرے۔

حج فسخ کر کے عمرہ کرنے کے بیان میں اختلاف

جو کوئی بھی حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے اور تلبیہ کہہ لے اس پر وہ حج اور عمرہ مکمل کرنا واجب ہو جاتا ہے چاہے وہ حج اور عمرہ نفلی ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:(اور اللہ تعالیٰ کے لیے حج اور عمرہ مکمل کرو)۔

اور جس نے بھی احرام کی نیت کرلی اور بغیر کسی شرعی عذر کے حج یا عمرہ مکمل نہ کیا وہ ایک ممنوعہ کام کا مرتکب ہوا ہے۔

ہے:جب کسی نے احرام کی چادریں پہن لیں لیکن حج یا عمرہ کی نیت نہیں کی اور تلبیہ نہیں کہا اسے اختیار ہے چاہے تو وہ حج یا عمرہ کی نیت کرلے اور اگر چاہے تو اسے منسوخ کردے،اور اگر وہ فریضہ حج یا فرضی عمرہ ادا کر چکا ہے تو اس پر کوئی حرج نہیں،لیکن اگر اس نے حج یا عمرہ کی نیت کرلی اور تلبیہ کہہ لیا ہو تو پھر اسے فسخ کرنے کا حق نہیں رہتا بلکہ اس نے جس چیز کا بھی احرام باندھا ہے اسے شرعی طریقہ پر مکمل کرنا واجب ہوگا۔

کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:(اور اللہ تعالیٰ کے لیے حج اور عمرہ مکمل کرو)۔اور اس طرح آپ کے لیے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ:

جب مسلمان شخص نیت کر کے حج یا عمرہ کے احرام میں داخل ہو جائے تو اسے ختم کرنے کا حق نہیں بلکہ جس چیز کو شروع کر چکا ہے اسی مندرجہ بالا آیت کی بنا پر مکمل کرنا واجب ہے،لیکن اگر اس نے احرام باندھتے وقت شرط لگائی ہو اور اسے کوئی مانع پیش آجائے جس کا اسے خدشہ تھا تو پھر وہ احرام سے حلال ہو سکتا ہے۔

کیونکہ جب ضباعۃ بنت زبیر رضی اللہ عنہ نے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اے اللہ تعالیٰ کیر سول صلی اللہ علیہ وسلم میں حج کرنا چاہتی ہوں لیکن بیمار ہوں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا:

تم حج کا احرام باندھ لو اور یہ شرط رکھو کہ جہاں میں روک دی جاؤں وہیں میرے حلال ہونے کی جگہ ہے۔اسے امام بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

تو اس بنا پر آپ نے جو عمرہ ادا کیا ہے وہ اس عمرہ کے بدلے میں ہوگا جس کا احرام آپ نے پہلی بار باندھا تھا۔

اور آپ نے جو کچھ ان ایام میں احرام کے ممنوعہ کام کیے ہیں وہ معاف ہیں کیونکہ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ آپ کو یہ علم نہیں کہ عمرہ کی نیت کرنے کے بعد اسے فسخ کرنا حرام ہے۔

اس کا یہ عمل صحیح نہیں، کیونکہ جب انسان عمرہ یا حج میں داخل ہو جائے تو اس پر کسی شرعی سبب کے بغیر فسخ کرنا حرام ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: (اور تم اللہ تعالیٰ کے لیے حج اور عمرہ مکمل کرو، اور اگر تم روک دیے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو) فدیہ دو تو اس عورت پر لازم ہے کہ وہ اپنے کیے پر اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرے، اور اس کا عمرہ صحیح ہے اگرچہ اس نے عمرہ فسخ کر دیا تھا لیکن عمرہ فسخ نہیں ہوتا، بلکہ یہ حج کے خصائص میں سے ہے، اور حج کے عجیب وغریب خصائص ہیں جو کسی دوسری چیز میں نہیں پائے جاتے، لہٰذا جب حج کو باطل اور ترک کرنے کی نیت کریں تو وہ باطل نہیں ہوتا، لیکن جب آپ دوسری عبادات کو چھوڑنے کی نیت کریں تو وہ باطل ہو جاتی ہیں۔

لہٰذا اگر کوئی روزے دار شخص روزہ چھوڑنے کی نیت کرتا ہے تو اس کا روزہ باطل ہو جاتا ہے، اور اگر کوئی شخص وضوء کے درمیان وضوء باطل کرنے کی نیت کرتا ہے تو اس کا وضوء باطل ہو جائے گا۔

اور اگر کوئی عمرہ ادا کرنے والا شخص عمرہ کی نیت کرنے کے بعد عمرہ باطل کرنے کی نیت کرتا ہے تو وہ باطل نہیں ہوتا، یا پھر کوئی شخص حج شروع کرنے کے بعد حج کو باطل کرنے کی نیت کرے تو اس کا حج باطل نہیں ہوگا۔

اسی لیے علماء کرام کا کہنا ہے کہ: نسک (حج اور عمرہ) چھوڑنے سے نہیں چھوٹتا۔ تو اس بنا پر ہم یہ کہیں گے کہ: اس عورت نے جب احرام کی نیت کر لی تھی تو عمرہ مکمل کرنے تک یہ احرام کی حالت میں ہی تھی، اور اس کا نیت کو فسخ کرنا مؤثر نہیں ہوگا، بلکہ وہ اپنی نیت پر ہی باقی رہے گی۔

اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ: عورت کے بارہ میں ہم یہ کہیں گے: اس کا عمرہ صحیح ہے، اور اسے چاہیے کہ وہ آئندہ احرام کو چھوڑنے والا کام دوبارہ نہ کرے، کیونکہ اگر اس نے احرام کو چھوڑا تو وہ اس سے خلاصی نہیں پا سکے گی۔

اور اس نے جو احرام کے ممنوعہ کام کا ارتکاب کیا ہے مثلاً ہم فرض کرتے ہیں کہ اس کے خاوند نے اس سے مجامعت کر لی تو حج یا عمرہ میں جماع کرنا سب سے بڑی ممنوعہ چیز ہے، اور اس عورت کے ذمہ کچھ لازم نہیں آئے گا کیونکہ وہ اس سے جاہل تھی، اور جہالت کی بنا پر یا بھول کر یا جس پر جبر کیا گیا ہو اس کا کسی ممنوعہ چیز کا ارتکاب کرنے والے شخص پر کچھ لازم نہیں آتا۔

حج فسخ کر کے عمرہ کرنے کے بارے میں احادیث کا بیان

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے ایک روایت میں ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے چلے اور ہمیں صرف حج کا خیال تھا (یعنی حج کا احرام باندھا تھا) پھر جب ہم مکہ پہنچے اور کعبہ کا طواف کر چکے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جس کے ساتھ قربانی نہیں وہ (حج کے) احرام سے باہر ہو جائے پس جن لوگوں کے پاس قربانی نہیں تھی وہ احرام سے باہر ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے پاس بھی قربانی نہیں تھی لہٰذا وہ احرام سے باہر ہو گئیں۔ اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حائضہ ہو جانے کی وجہ سے بیت اللہ کا طواف نہ کر سکی جب

محصب کی رات آئی تو میں نے کہا یارسول اللہ! لوگ تو عمرہ اور حج دونوں کر کے لوٹیں گے اور میں صرف حج کر کے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تو جب مکہ آئی تھی تو طواف نہیں کیا تھا؟ میں نے کہا نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تو اپنے بھائی کے ساتھ تنعیم تک جا، وہاں سے عمرے کا احرام باندھ لے پھر عمرے سے فارغ ہو کر فلاں جگہ پر ہمیں ملنا۔ اُمّ المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں اپنے آپ کو تم سب کا روکنے والا سمجھتی ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : بانجھ، کیا تم نے قربانی والے دن طواف نہیں کیا؟ صفیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کی ہاں کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر کچھ حرج نہیں چلو۔

(حدیث نمبر:791 حدیث نمبر:792)

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حجۃ الوداع کے سال (مکہ کی طرف) چلے تو ہم میں سے بعض لوگوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا اور بعض لوگوں نے عمرہ اور حج دونوں کا احرام باندھا تھا اور بعض لوگوں نے صرف حج کا احرام باندھا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا تھا پس جس نے حج کا احرام باندھا تھا یا حج وعمرہ دونوں کا احرام باندھا وہ احرام سے باہر نہیں ہوا، یہاں تک کہ قربانی کا دن آ گیا۔

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ (اپنی خلافت میں) تمتع اور قران (حج اور عمرہ کے اکٹھا) کرنے سے منع کرتے تھے چنانچہ جب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو حج وعمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھا اور کہا لبیك بعمرةٍ و حجةٍ (یعنی قران کیا) اور کہا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کسی کے کہنے سے ترک نہیں کر سکتا۔ حدیث نمبر:793

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ (دور جاہلیت میں) لوگ یہ سمجھتے تھے کہ حج کے دنوں میں عمرہ کرنا تمام دنیا کی برائیوں سے بڑھ کر ہے اور وہ لوگ ماہ محرم کو ماہ صفر قرار دے لیتے تھے اور کہتے تھے کہ جب اونٹ کی پیٹھ کا زخم (جو سفر حج میں اس پر کجاوا باندھنے سے اکثر آ جاتا ہے) اچھا ہو جائے اور نشان بالکل مٹ جائے اور صفر گزر جائے تو اس وقت عمرہ حلال ہے اس شخص کے لیے جو عمرہ کرنا چاہے۔ پس جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ ذی الحجہ کی چوتھی تاریخ کی صبح کو حج کا احرام باندھے ہوئے مکہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ اس احرام کو (توڑ کر اس کی بجائے) عمرہ (کا احرام) کر لیں پس یہ بات ان لوگوں کو بری معلوم ہوئی اور وہ لوگ کہنے لگے کہ یارسول اللہ! کون سی بات احرام سے باہر ہونے کی کریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : سب باتیں۔ (حدیث نمبر:794)

ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کی کہ یارسول اللہ! لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ عمرہ کر کے احرام سے باہر ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کر کے احرام سے باہر نہیں ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : میں نے اپنے سر کے بال جمائے اور اپنی قربانی کے گلے میں ہار ڈال دیا، لہٰذا میں جب تک قربانی نہ کر لوں احرام سے باہر نہیں آ سکتا۔ (حدیث نمبر:795)

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے ان سے تمتع کے بارے میں پوچھا اور کہا کہ لوگوں نے مجھے اس سے منع کیا پس سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے حکم دیا کہ تم اطمینان سے تمتع کرو۔ اس آدمی نے کہا کہ پس میں نے خواب

میں دیکھا کہ گویا کوئی شخص مجھ سے کہہ رہا ہے کہ حج بھی عمدہ ہے اور عمرہ بھی مقبول ہے۔ پس میں نے یہ خواب سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے (شوق سے کرو)۔ حدیث نمبر:796

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج کیا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمراہ قربانی لے گئے تھے اور سب صحابہ نے حج مفرد کا احرام باندھا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم لوگ کعبہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی کر کے احرام سے باہر آ جاؤ اور بال کتروا ڈالو پھر احرام سے باہر ہو کر ٹھہرے رہو یہاں تک کہ جب آٹھویں تاریخ ہو تو تم لوگ حج کا احرام باندھ لینا اور یہ احرام جس کے ساتھ تم آئے ہو اس کو تمتع کر دو۔ صحابہ نے عرض کی کہ ہم اس کو تمتع کر دیں حالانکہ ہم حج کا نام لے چکے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ میں تم کو حکم دیتا ہوں وہی کرو اگر میں قربانی نہ لایا ہوتا تو میں بھی ویسا ہی کرتا جس طرح تم کو حکم دیتا ہوں لیکن اب مجھ سے احرام علیحدہ نہیں ہو سکتا جب کہ قربانی اپنی اپنی قربان گاہ پر نہ پہنچ جائے۔ (بخاری شریف، حدیث نمبر:797 کتاب الحج)

حج فسخ کر کے عمرہ کرنے کی ممانعت کا بیان

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت سلیم بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جس شخص نے حج کی نیت کی اور پھر اس کو فسخ کر کے عمرہ میں بدل دیا تو یہ درست نہ ہوگا بلکہ یہ امر ان لوگوں کے لیے خاص تھا جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا حج کا فسخ کرنا ہمارے لیے خاص ہے یا ہمارے بعد کے لوگوں کے لیے بھی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صرف تم لوگوں کے لیے خاص ہے۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الحج)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اقوال کی توجیہ

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حضرت سیدنا ابوالطفیل کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ آپ کا کیا خیال ہے طواف میں تین بار رمل کرنا اور چار بار چلنا سنت ہے؟ اس لئے کہ تمہارے لوگ کہتے ہیں کہ وہ سنت ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ وہ سچے بھی جھوٹے بھی ہیں۔ میں نے پوچھا اس کا کیا مطلب کہ انہوں نے سچ بولا اور جھوٹ کہا؟ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تشریف لائے تو مشرکوں نے کہا، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بیت اللہ شریف کا طواف ضعف اور لاغری و کمزوری کے سبب نہیں کر سکتے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تین بار رمل کریں اور چار بار عادت کے موافق چلیں۔ پھر میں نے کہا کہ ہمیں صفا اور مروہ کے درمیان میں سوار ہو کر سعی کرنے کے بارے میں بتائیے کہ کیا یہ سنت ہے؟ کیونکہ آپ کے لوگ اسے سنت کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ سچے بھی ہیں اور جھوٹے بھی۔ میں نے کہا کہ اس کا کیا مطلب؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تشریف لائے تو لوگوں کی بھیڑ ایسی ہوئی کہ کنواری عورتیں تک باہر نکل آئیں اور لوگ کہنے لگے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی خوش خلقی ایسی

تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم) کے آگے لوگ مارے نہ جاتے تھے (یعنی ہٹو بچو، جیسے امرائے دنیا کے واسطے ہوتی ہے، ویسی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہ ہوتی تھی) پھر جب لوگوں کی بڑی بھیڑ ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو گئے اور پیدل سعی کرنا افضل ہے۔ (صحیح مسلم، ۲۹۵۱)

اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بیان کردہ الفاظ کے بظاہر تعارض میں فقہاء نے کہا ہے کہ رمل کے سنت ہونے کا معنی یہ ہے جس طرح کفار کو اس وقت دیکھانا مقصود تھا۔ اب کافروں میں وہ دیکھنے کا خیال نہیں ہے۔ تاہم سنت اپنی جگہ پر موجود ہے جس طرح ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مؤقف بیان کر آئے ہیں کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کر دیا وہ ہمارے سنت بن گیا۔

فقہ حنفی کے مطابق ثبوت احصار کے ذرائع کا بیان

فقہ حنفی کے مطابق احصار کی کئی صورتیں ہیں جو اس چیز کی ادائیگی سے کہ جس کا احرام باندھا ہے یعنی حج یا عمرہ، حقیقۃً یا شرعاً مانع ہو جاتی ہیں، ان صورتوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) کسی دشمن کا خوف ہو! دشمن سے مراد عام ہے خواہ کوئی آدمی ہو یا درندہ جانور۔ مثلاً یہ معلوم ہو کہ راستہ میں کوئی دشمن بیٹھا ہے جو حاج کو ستاتا ہے یا لوٹتا ہے یا مارتا ہے آگے نہیں جانے دیتا، یا ایسے ہی کسی جگہ شیر وغیرہ کی موجودگی کا علم ہو۔

(۲) بیماری! احرام باندھنے کے بعد ایسا بیمار ہو جائے کہ اس کی وجہ سے آگے نہ جا سکتا ہو یا آگے جا تو سکتا ہے مگر مرض کے بڑھ جانے کا خوف ہو۔

(۳) عورت کا محرم نہ رہے! احرام باندھنے کے بعد عورت کا محرم یا اس کا خاوند مر جائے، یا کہیں چلا جائے یا آگے جانے سے انکار کر دے۔

(۴) خرچ کم ہو جائے! مثلاً احرام باندھنے کے بعد مال و اسباب چوری ہو جائے، یا پہلے ہی سے خرچ کم لے کر چلا ہو اور اب آگے کی ضروریات کے لئے روپیہ پیسہ نہ رہے۔

(۵) عورت کے لئے عدت! احرام باندھنے کے بعد عورت کا شوہر مر جائے یا طلاق دے دے جس کی وجہ سے وہ پابند عدت ہو جائے تو یہ احصار ہو جائے گا۔ ہاں اگر وہ عورت اس وقت مقیم ہے اور اس کے جاء قیام سے مکہ بقدر مسافت سفر نہیں ہے تو احصار نہیں سمجھا جائے گا۔

(۶) راستہ بھول جائے اور کوئی راہ بتانے والا نہ مل سکے

(۷) عورت کو اس کا شوہر منع کر دے! بشرطیکہ اس نے حج کا احرام اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر باندھا ہو، حج فرض کے روکنے اور حج نفل میں اجازت دینے کے بعد روکنے کا اختیار شوہر کو نہیں ہے۔

(۸) لونڈی یا غلام کو اس کا مالک منع کر دے۔

احصار کی یہ تمام صورتیں حنفیہ کے مسلک کے مطابق ہیں، بقیہ تینوں ائمہ کے ہاں احصار کی صرف ایک ہی صورت یعنی دشمن کا خوف ہے، چنانچہ ان حضرات کے نزدیک دیگر صورتوں میں احصار درست نہیں ہوتا بلکہ احرام کی حالت برقرار رہتی ہے۔

عمرہ کے ذریعے نفع حاصل کرنے کا بیان

1790 - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جَعْفَرٍ، حَدَّثَهُمْ عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: هٰذِهِ عُمْرَةٌ اسْتَمْتَعْنَا بِهَا فَمَنْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ هَدْيٌ فَلْيُحِلَّ الْحِلَّ كُلَّهُ وَقَدْ دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هٰذَا مُنْكَرٌ إِنَّمَا هُوَ قَوْلُ ابْنِ عَبَّاسٍ

⊛⊛ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''یہ عمرہ ہے' جس کے ذریعے ہم نے نفع حاصل کیا ہے' تو جس شخص کے ساتھ قربانی کا جانور نہ ہو' تو وہ مکمل طور پر احرام کی پابندیاں ختم کر دے اور عمرہ قیامت تک کے لئے حج میں شامل ہو گیا ہے''۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ روایت ''منکر'' ہے یہ روایت اصل میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

شرح

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو اگر تم کو (حج یا عمرہ سے) روک دیا جائے تو جو قربانی تم کو آسانی سے حاصل ہو وہ بھیج دو اور جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے اس وقت تک اپنے سروں کو نہ منڈواؤ۔ (البقرہ:۱۹۶)

یعنی اپنے احرام پر برقرار رہو اور حلال نہ ہو۔

احصار (حج یا عمرہ کے سفر میں پیش آنے والی رکاوٹ) کی تعریف میں مذاہب ائمہ

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر دشمن سفر حج پر نہ جانے دے اور راستہ میں کسی جگہ روک لے تو یہ احصار ہے' اب محرم حرم میں قربانی بھیج دے اور جب قربانی ذبح ہو جائے گی تو وہ حلال ہو جائے گا' امام ابوحنیفہ کے نزدیک راستہ میں دشمن کے روکنے کے علاوہ راستہ میں بیمار ہو جانا اور سفر کے قابل نہ رہنا بھی احصار ہے اور لغت میں احصار اسی کو کہتے ہیں اور احادیث بھی اس کی مؤید ہیں' علماء مذاہب کی تصریحات حسب ذیل ہیں:

اگر دشمن حج یا عمرہ کے لیے جانے نہ دے تو یہ احصار (روک دینا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ' حضرت ابن عمر' اور حضرت انس بن مالک کا یہی قول ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ (النکت والعیون ج۱ ص۲۵۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ ابن عربی مالکی لکھتے ہیں:

احصار دشمن کو منع کرنے اور روکنے کے ساتھ خاص ہے' حضرت ابن عباس' حضرت ابن عمر اور حضرت انس بن مالک کا یہی قول ہے اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے' لیکن اکثر علماء لغت کی رائے یہ ہے کہ ''احصر'' کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی شخص کو مرض عارض ہو اور وہ اس کو کسی جگہ جانے سے روک دے۔ (احکام القرآن ج۱ ص۱۷۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

احصار صرف دشمن کے روکنے سے ہوتا ہے مریض کو محصر نہیں کہتے حضرت ابن عمر' حضرت ابن عباس اور حضرت انس کا یہی

قول ہے' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد کا یہی مذہب ہے' لیکن ابن قتیبہ نے یہ کہا ہے کہ جب مرض یا دشمن سفر کرنے سے روک دیں تو یہ احصار ہے۔ (زاد المسیر ج۱ ص۲۰۴' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

کسائی' ابوعبیدہ اور اکثر اہل لغت نے یہ کہا ہے کہ مرض اور زادراہ گم ہو جانے کی وجہ سے جو سفر جاری نہ رہ سکے اس کو احصار کہتے ہیں' اور اگر دشمن سفر نہ کرنے دے تو اس کو حصر کہتے ہیں' حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس میں دشمن اور مرض برابر ہیں۔ ایک دم (ھدی کے قربانی کا جانور) بھیج کر محرم حلال ہو جائے گا جب کہ اس جانور کو حرم میں ذبح کر دیا جائے' امام ابوحنیفہ' امام ابویوسف' امام محمد' امام زفر اور ثوری کا یہی مذہب ہے' علامہ جصاص کہتے ہیں کہ جب لغت سے ثابت ہو گیا کہ احصار کا معنی مرض کا روکنا ہے تو اس آیت کا حقیقی معنی یہی ہے کہ جب کوئی مرض تم کو حج یا عمرہ سے روک دے اور دشمن کا روکنا اس میں حکماً داخل ہے۔ (احکام القرآن ج۱ ص۲۶۸' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

امام ابوحنیفہ کے مؤقف پر ائمہ لغت کی تصریحات

یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ائمہ لغت میں سے ابن قتیبہ' ابوعبیدہ اور کسائی نے یہ کہا ہے کہ سفر میں مرض کا لاحق ہونا احصار ہے' اسی سلسلہ میں مشہور امام لغت فراء لکھتے ہیں:

جو شخص سفر میں خوف یا مرض کے لاحق ہونے کی وجہ سے حج یا عمرہ کو پورا نہ کر سکے اس کے لیے عرب احصار کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ (معانی القرآن ج۱ ص۱۱۷' مطبوعہ بیروت)

علامہ حماد جوہری لکھتے ہیں:

ابن السکیت نے کہا: جب کسی شخص کو مرض سفر سے روک دے تو کہتے ہیں "حصرہ المرض"' اخفش نے کہا: جب کسی شخص کو مرض روک دے تو کہتے ہیں: "احصرنی مرضی"۔ (الصحاح ج۲ ص۶۳۲' مطبوعہ دار العلم' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

امام ابوحنیفہ کے مؤقف پر احادیث سے استدلال

احادیث میں تصریح ہے کہ جب کوئی شخص مرض لاحق ہونے کی وجہ سے حج یا عمرہ کا سفر جاری نہ رکھ سکے تو اگلے سال اس کی قضاء کرے۔ امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت حجاج بن عمرو انصاری کہتے ہیں کہ جس شخص کی ہڈی ٹوٹ گئی یا ٹانگ ٹوٹ گئی تو وہ حلال ہو گیا اور اس پر اگلے سال حج ہے ایک اور سند سے روایت ہے: یا وہ بیمار ہو گیا۔ (سنن ابوداؤد ج۱ ص۲۵۷' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کو امام ترمذی۔ (امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' جامع ترمذی ص۱۰۶' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام ابن ماجہ۔ (امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ' سنن ابن ماجہ ص۲۲۲' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اور امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (امام ابوبکر احمد بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ' المصنف ج۴ ص۱۳۹۔۱۳۸' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

امام بخاری لکھتے ہیں:

عطاء نے کہا: ہر وہ چیز جو حج کرنے سے روک دے وہ احصار ہے۔ (صحیح بخاری ج۱ ص۲۴۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص کو کوئی عذر حج کرنے سے روک دے یا اس کے سوا اور کوئی چیز مانع ہو تو وہ حلال ہو جائے اور رجوع نہ کرے اور جس وقت وہ محصر ہو تو اگر اس کے پاس قربانی ہو اور وہ اس کو حرم میں بھیجنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہیں ذبح کر دے اور اگر وہ اس کو حرم میں بھیجنے کی استطاعت رکھتا ہو تو جب تک وہ قربانی حرم میں ذبح نہیں ہوگی وہ حلال نہیں ہوگا۔ (صحیح بخاری ج۱ ص۲۴۴۔۲۴۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث میں عذر کے لفظ سے استدلال ہے جو عام ہے اور دشمن کے منع کرنے اور بیمار پڑنے دونوں کو شامل ہے۔

امام ابوحنیفہ کے مؤقف پر آثار صحابہ سے استدلال

امام ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس شخص نے حج کا احرام باندھا' پھر وہ بیمار ہو گیا یا کوئی اور رکاوٹ پیش آ گئی تو وہ وہاں ٹھہرا رہے حتیٰ کہ ایام حج گزر جائیں' پھر عمرہ کر کے لوٹ آئے اور اگلے سال حج کرے۔

(المصنف ج۱۔۴ ص۱۴۱ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

عبدالرحمان بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ہم عمرہ کرنے گئے جب ہم ذات السقوف میں پہنچے تو ہمارے ایک ساتھی کو (سانپ یا) بچھو نے ڈس لیا' ہم راستہ میں بیٹھ گئے تاکہ اس کا شرعی حکم معلوم کریں' ناگاہ ایک قافلہ میں حضرت ابن مسعود آ پہنچے ہم نے بتایا کہ ہمارا ساتھی ڈسا گیا ہے' حضرت ابن مسعود نے فرمایا: اس کی طرف سے ایک قربانی حرم میں بھیجو اور ایک دن مقرر کر لو جب وہ ھدی حرم میں ذبح کر دی جائے تو یہ حلال ہو جائے گا۔ (المصنف ج۱۔۴ ص۱۴۱ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

امام ابوحنیفہ کے مؤقف پر اقوال تابعین سے استدلال

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں: جس شخص کو حج یا عمرہ کے سفر میں کوئی رکاوٹ درپیش ہو خواہ مرض ہو یا دشمن وہ احصار ہے۔

(جامع البیان ج۲ ص۱۲۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

عطاء نے کہا: ہر وہ چیز جو سفر سے روک دے وہ احصار ہے۔ (جامع البیان ج۲ ص۱۲۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

قتادہ نے کہا: جب کوئی شخص مرض یا دشمن کی وجہ سے سفر جاری نہ رکھ سکے تو وہ حرم میں ایک قربانی بھیج دے اور جب وہ قربانی ذبح ہو جائے گی تو وہ حلال ہو جائے گا۔ (جامع البیان ج۲ ص۱۲۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

ابراہیم نخعی نے کہا: مرض ہو یا ہڈی ٹوٹ جائے یا دشمن نہ جانے دے' یہ سب احصار ہیں۔

(جامع البیان ج۲ ص۱۲۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام ابوحنیفہ کے مؤقف کی ہمہ گیری اور معقولیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد آثار صحابہ اور اقوال تابعین ائمہ لغت کی تصریحات ان سب سے امام ابوحنیفہ کا مسلک ثابت ہے کہ احصار دشمن کے روکنے اور مرض کے خارج ہونے دونوں کو شامل ہے اور اس میں یسر اور سہولت ہے' اسلام ہر مسئلہ کا حکم پیش کرتا ہے ائمہ ثلاثہ کے مؤقف پر یہ اشکال ہوگا کہ جو شخص حج یا عمرہ کے سفر میں کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو جائے جس کی وجہ سے وہ اپنا سفر جاری نہ رکھ سکے تو اس کے لیے اسلام میں کیا حل ہے؟ ہر چند کہ اب ہوائی جہاز کے ذریعہ بیشتر حجاج کرام حج اور عمرہ کا سفر کرتے ہیں لیکن پھر بھی بہت سے علاقوں سے لوگ سڑک کے ذریعہ سفر کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ٦ ہجری میں اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ عمرہ کے لیے روانہ ہوئے تھے جب آپ مقام حدیبیہ پر پہنچے تو کفار نے آپ کو مکہ جانے سے روک دیا۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر کے دو بیٹے سالم اور عبیداللہ بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں حجاج نے حضرت ابن الزبیر پر مکہ میں حملہ کیا ہوا تھا' ان دنوں میں حضرت ابن عمر نے حج کا ارادہ کیا' ان کے بیٹوں نے منع کیا کہ اس سال آپ حج نہ کریں' ہمیں خدشہ ہے کہ آپ کو بیت اللہ جانے سے روک دیا جائے گا' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان کفار حائل ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانی کی اونٹنی کو نحر کیا اور اپنا سر مونڈ لیا اور میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اپنے اوپر عمرہ لازم کر لیا ہے' میں ان شاء اللہ روانہ ہوں گا' اگر کوئی رکاوٹ نہ ہوئی تو میں عمرہ کروں گا اور اگر کوئی رکاوٹ پیش آئی تو میں طرح کروں گا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا پھر انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا' پھر کچھ دور چل کر کہا: احصار میں عمرہ اور حج دونوں برابر ہیں' میں عمرہ کے ساتھ حج کی نیت کرتا ہوں' پھر یوم نحر کو قربانی کر کے وہ حلال ہو گئے۔ (صحیح بخاری ج ١ ص ٢٤٣ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی ١٣٨١ھ)

ہر چند کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو احصار پیش آیا تھا' وہ دشمن کی وجہ سے تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض کی وجہ سے رکاوٹ کو بھی یہ حل بیان فرمایا ہے اس لیے دلائل شرعیہ کی قوت' یسر' ہمہ گیری اور معقولیت کے اعتبار سے ائمہ ثلاثہ کے مؤقف کی بہ نسبت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک راجح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو اگر تم کو (حج یا عمرہ سے) روک دیا جائے تو جو قربانی تم کو آسانی سے حاصل ہو وہ بھیج دو' اور جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے اس وقت تک اپنے سروں کو نہ منڈواؤ۔ (البقرہ:١٩٦)

محصر کے لیے قربانی کی جگہ کے تعین میں امام ابوحنیفہ کا مسلک

امام ابوحنیفہ کے جو شخص راستہ میں مرض یا دشمن کی وجہ سے رک جائے وہ کسی اور شخص کے ہاتھ قربانی (اونٹ' گائے یا بکری) یا اس کی قیمت بھی دے اور ایک دن مقرر کر لے کہ فلاں دن اس قربانی کو حرم میں ذبح کیا جائے گا اور اس دن وہ اپنا احرام کھول دے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس وقت تک سر نہ منڈواؤ جب تک کہ قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے اور قربانی کی جگہ حرم ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جس جگہ کسی شخص کو رک جانا پڑے وہی قربانی کر کے احرام کھول دے' کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ میں رک

جانا پڑا تھا اور آپ نے حدیبیہ میں ہی قربانی کی اور امام بخاری نے لکھا ہے کہ حدیبیہ حرم سے خارج ہے۔

(صحیح بخاری ج۱ص۲۴۴ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

علامہ بدرالدین عینی اس دلیل کے جواب میں فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کا بعض حصہ حرم سے خارج ہے اور بعض حصہ حرم میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے جس حصہ میں رکے تھے وہ حرم میں تھا' اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ابن ابی شیبہ نے ابوعمیس سے روایت کیا ہے کہ عطاء نے کہا ہے کہ حدیبیہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام حرم میں تھا۔

(عمدۃ القاری ج۱۰ص۱۴۹ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ)

علامہ ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس جگہ روک دیا گیا تھا آپ نے وہیں قربانی کی تھی وہ جگہ حدیبیہ کی ایک طرف تھی جس کا نام الربی ہے اور یہ اسفل مکہ میں ہے اور وہ حرم ہے' زہری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹ کو حرم میں نحر کیا تھا' واقدی نے کہا: حدیبیہ مکہ سے نو میل کے فاصلہ پر طرف حرم میں ہے۔ (البحر المحیط ج۲ص۲۰۷ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حتیٰ کہ قربانی اپنے محل میں پہنچ جائے۔ (البقرہ:۱۹۶)

محصر کے لیے قربانی کی جگہ کے تعین میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

محل کے متعلق دو قول ہیں' ایک یہ کہ اس سے مراد حرم ہے' حضرت ابن مسعود' حسن بصری' عطاء' طاؤس' مجاہد' ابن سیرین' ثوری اور امام ابوحنیفہ کا یہی مذہب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ جگہ ہے جد جگہ محرم کو رکاوٹ پیش آئی وہ اس جگہ قربانی کا جانور ذبح کر کے احرام کھول دے' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد کا یہی مذہب ہے۔

(زادالمسیر ج۱ص۲۰۵ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ماوردی شافعی۔ (علامہ ابوالحسن علی بن حبیب شافعی ماوردی بصری متوفی ۴۵۰ھ النکت والعیون ج۱ص۲۵۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت)

اور علامہ ابن العربی۔ ۲ (علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ' احکام القرآن ج۱ص۱۷۶' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ) مالکی نے بھی یہی لکھا ہے۔

قوت دلائل کے اعتبار سے ابوحنیفہ کا مسلک راجح ہے اور یسر اور سہولت کے اعتبار سے ائمہ ثلاثہ کا مسلک راجح ہے کیونکہ بیمار یا دشمن میں گھرے ہوئے آدمی کے لیے اس وقت تک انتظار کرنا جب تک قربانی حرم میں ذبح ہو بہت مشکل اور دشوار ہوگا اس کے برعکس موضع احصار میں قربانی کر کے احرام کھول دینے میں اس کے لیے بہت آسانی ہے جب کہ اس طریقہ کو محصر کی آسانی ہی کے لیے مشروع کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو وہ اس کے بدلہ میں روزے رکھے یا کچھ

صدقہ دے یا قربانی کرے۔(البقرۃ:۱۹۶)

سعی کے بعد احرام کھولنے کا بیان

1791 - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، حَدَّثَنَا النَّهَّاسُ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَهَلَّ الرَّجُلُ بِالْحَجِّ، ثُمَّ قَدِمَ مَكَّةَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَقَدْ حَلَّ وَهِيَ عُمْرَةٌ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ رَجُلٍ، عَنْ عَطَاءٍ، دَخَلَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُهِلِّينَ بِالْحَجِّ خَالِصًا، فَجَعَلَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمْرَةً

⊛⊛ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''جب کوئی شخص حج کا احرام باندھ کر مکہ آجائے اور پھر بیت اللہ کا طواف کرنے اور صفا و مروہ کی سعی کرنے کے بعد احرام کھول دے تو یہ عمرہ (درست شمار) ہوگا''۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ابن جریج نے ایک شخص کے حوالے سے عطاء کا یہ بیان نقل کیا ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب صرف حج کا تلبیہ کرتے ہوئے (مکہ میں) داخل ہوئے تھے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عمرہ بنوادیا۔

صفا اور مروہ کے درمیان سعی میں فقہی مذاہب اربعہ کا بیان

صفا اور مروہ کے درمیان سات بار سعی کرنا واجب ہے یہ سعی صفا سے شروع ہو کر مروہ پر ختم ہوگی' ائمہ ثلاثہ اور امام شافعی کا صحیح مذہب یہ ہے کہ صفا سے مروہ تک ایک طواف ہے' علامہ نووی نے لکھا ہے کہ یہ جو مشہور ہے کہ امام شافعی کے نزدیک صفا سے مروہ' پھر مروہ سے صفا تک سعی ایک طواف ہے' یہ غلط ہے۔ امام شافعی کا مذہب جمہور کے مطابق ہے۔

(شرح المہذب ج ۸ ص ۷۲-۷۱' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

صفا اور مروہ میں سعی کے متعلق امام احمد کے دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ یہ سعی رکن ہے' اس کے بغیر حج تمام نہیں ہوتا کیونکہ امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جس نے صفا اور مروہ میں طواف نہیں کیا اللہ نے اس کا حج تمام نہیں کیا' سعی کرنا حج اور عمرہ دونوں میں رکن ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سعی سنت ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ اس سعی میں کوئی گناہ نہیں ہے' اس سے معلوم ہوا کہ یہ مباح ہے' لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو شعائر اللہ میں داخل کیا ہے اس لیے اس کا مرتبہ سنت سے کم نہیں ہے۔ (المغنی ج ۳ ص ۱۹۴' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱٤٠٥ھ)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: حج میں صفا اور مروہ میں سعی کرنا رکن ہے' دم دینے سے اس کی تلافی نہیں ہوگی' اور محرم اس کے بغیر حلال نہیں ہوگا۔ (روضۃ الطالبین ج ۲ ص ۳۷۲' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱٤٠٥ھ)

علامہ ابوالعباس رملی شافعی نے لکھا ہے کہ صفا اور مروہ کا طواف کرنا عمرہ کا بھی رکن ہے۔

(نہایۃ المحتاج ج ۳ ص ۳۲۲' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱٤١٤ھ)

علامہ حطاب مالکی لکھتے ہیں: حج اور عمرہ دونوں میں صفا اور مروہ میں سعی کرنا رکن ہے۔

(مواہب الجلیل ج ۳ ص ۸۴، مطبوعہ مکتبۃ النجاح لیبیا)

علامہ المرغینانی حنفی لکھتے ہیں کہ صفا اور مروہ میں طواف کرنا (حج اور عمرہ میں) واجب ہے رکن نہیں ہے امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ یہ رکن ہے کیونکہ رسول اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی فرض کردی پس سعی کرو۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۴۲۱) ہم کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے کہ صفا اور مروہ میں طواف کرنا گناہ نہیں ہے اور یہ مباح ہونے کو مستلزم ہے اور فرضیت کے منافی ہے نیز ہم نے رکن سے وجوب کی طرف اس لیے عدول کیا ہے کہ یہ حدیث خبر واحد ہے اور رکنیت دلیل قطعی سے ثابت ہوتی ہے۔

(ہدایہ اولین ص ۲۴۳ مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک جس نے خوشی سے کوئی (نفلی) نیکی کی تو بے شک اللہ جزا دینے والا اور خوب جاننے والا ہے۔ (البقرہ: ۱۵۸)

امام رازی۔ (امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ ھ)

علامہ قرطبی۔ (علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۸۱ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ ھ)

علامہ ابوالحیان اندلسی۔ (علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف غرناطی متوفی ۷۵۴ ھ البحر المحیط ج ۲ ص ۶۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ ھ)

اور علامہ ماوردی۔ (علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی البصری المتوفی ۴۵۰ ھ النکت والعیون ج ۱ ص ۲۱۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) وغیرہ نے کہا ہے کہ اس نیکی سے مراد نفلی نیکی ہے کیونکہ قرآن اور حدیث کے اطلاقات میں تطوع کا نفل پر اطلاق ہوتا ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جس نے فرض کی ادائیگی کے بعد نفلی طور پر حج یا عمرہ کیا' اور علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ اس سے مراد عام نیکی ہے خواہ فرض ہو یا نفل۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۲۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

لغت میں الصفاء صاف پتھر کو کہتے ہیں۔ مکہ میں یہ ایک معروف پہاڑ ہے اسی طرح مروہ بھی ایک پہاڑی ہے، اسی وجہ سے دونوں کو معرف باللام ذکر کیا۔ الصفا ذکر کیا ہے کیونکہ اس پر حضرت آدم (علیہ السلام) ٹھہرے تھے تو ان کے نام سے اسے موسوم کیا گیا اور حضرت حوا مروہ پر ٹھہری تھیں تو اسے عورت کے اسم سے تعبیر کیا۔ اس وجہ سے اسے مؤنث ذکر کیا۔ شعبی نے کہا: صفا پر ایک بت تھا جس کو اساف کہا جاتا تھا اور مروہ پر ایک بت تھا جس کو نائلہ کہا جاتا تھا، اسی اعتبار سے ان کی تذکیر و تانیث جاری ہوئی۔ مذکر کو مقدم کیا۔ یہ عمدہ ہے کیونکہ احادیث اس معنی پر دلالت کرتی ہیں اور جو لوگ ان میں طواف ناپسند کرتے تھے اس کی وجہ بھی یہی تھی حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں حرج کو اٹھا دیا۔ اہل کتاب کا خیال ہے کہ اساف اور نائلہ نے کعبہ میں زنا کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں پتھروں میں مسخ کر دیا۔ انہیں صفا و مروہ پر رکھا گیا تا کہ لوگ ان سے عبرت حاصل کریں جب عرصہ زیادہ گزر گیا تو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت ہونے لگی۔ واللہ اعلم

الصفا (مقصود ہے) یہ صفاۃ کی جمع ہے اس سے مراد صاف پتھر ہے۔ بعض نے فرمایا: الصفا مفرد اسم ہے اس کی جمع صفی اور اصفاء ہے جیسے ارجاء جمع ہے۔ راجز نے کہا:

کأن متنیه من النفی مواقع الطیر علی الصفی

بعض علماء نے فرمایا: صفا کی شروط میں سے سفیدی اور صلابت ہے اور یہ صفا یصفر سے مشتق ہے یعنی مٹی سے پاک۔ المرو المرد کا واحد ہے، یہ چھوٹے چھوٹے پتھر جن میں نرمی ہوتی ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ سخت پتھر ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ مروہ پتھر ہے۔ شاعر نے کہا:

وتولی الارض خفا ذابلا فاذا ما صادف المرو رضع

شاعر نے مرد کو پتھر کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ ابوذ ویب نے کہا:

حتی کانی للحوادث مروۃ بصفا المشقر کل یوم تقرع

شاعر نے یہاں بھی پتھر کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ کالے پتھر ہیں۔ بعض نے فرمایا: یہ سفید چمکدار پتھر ہیں جن میں آگ ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: من شعائر اللہ یہ عبادت کی جگہوں میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔ یہ شعیرۃ کی جمع ہے۔ الشعائر وہ جگہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے علامات بنایا۔ جیسے موقف، سعی اور نحر۔ شعار کا مطلب علامت ہے۔ کہا جاتا ہے: اشعر الھدی. لوہے کی نوک سے اونٹ کی کوہان میں علامت بنانا، یہ تیرے قول اشعرت سے ہے میں نے علامت بنائی۔ کمیت نے کہا:

نقتلھم جیلا فجیلا تراھم شعائر قربان بھم یتقرب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فمن حج البیت. حج کا معنی قصد ہے الحج کا معنی قصد کرنا ہے۔ شاعر نے کہا:

فاشھد من... حلولا کثیرۃ یحجون سب الزبرقان المزعفرا

السب، یہ مشترک لفظ ہے، ابوعبیدہ نے کہا: السب (کسرہ کے ساتھ) بہت زیادہ گالی دینے والا۔ سبک، جو تجھے گالی دے۔ شاعر نے کہا:

لا تسبننی فلست بسبی ان سبی من الرجال الکریم

السب کا معنی دوپٹہ بھی ہے اسی طرح عمامہ بھی اس کا معنی ہے۔ مخبل سعدی نے کہا:

یحجون سب الزبرقان المزعفر اوہ زعفران سے رنگے ہوئے عمامے باندھے ہوئے حج کرتے ہیں۔

لغت ہذیل میں السب، رسی کو بھی کہتے ہیں۔ ابوذ ویب نے کہا:

تدلی علیھا بین سب وخیطۃ بجرداء مثل الوکف یکبو غرابھا

السبوب، رسیاں۔ روئی کا باریک دھاگہ۔ السبیبۃ اس کی مثل ہے جمع السبوب والسبائب. یہ جوہری کا قول ہے۔ حج الطبیب الشجۃ. جب طبیب سرچو کے ساتھ زخم کی پیمائش کا قصد کرے۔ شاعر نے کہا:

یحج مأمومۃ فی قعرھا لجف

وہ دماغ کے زخم کا علاج کرتا ہے جس کی گہرائی خوفناک ہے۔ اللجف دھنسنے کو کہتے ہیں تلجفت البیر کنویں کا نچلا حصہ دھنس گیا۔ پھر یہ اسم بیت اللہ کی طرف افعال مخصوصہ کے ساتھ قصد کرنے کے لئے خاص ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اواعتمر یعنی زیارت کرنا۔ العمرۃ کا معنی زیارت ہے۔ شاعر نے کہا: لقد سما ابن معمر حين

اعتمر مغزی بعیدا من بعید وضبر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فلا جناح علیه یعنی اس پر گناہ نہیں ہے۔ اس کی اصل جنوح سے ہے۔ اس کا معنی مائل ہونا ہے اسی سے الجوانح ہے۔ اعضاء کو ان کے ٹیڑھے ہونے کی وجہ سے جوانح کہا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تاویل اس آیت کے ضمن میں گزر چکی ہے۔ ابن عربی نے کہا: اس میں قول کی تحقیق یہ ہے کہ کہنے والے کا قول لا جناح علیك ان تفعل کا مطلب کا مباح کرنا ہے اور لا جناح علیك الا تفعل کا مطلب ہے فعل کے ترک کی اباحت۔ جب عروہ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا: فلا جناح علیه ان یطوف بهما۔ فرمایا: یہ دلیل ہے کہ طواف کا ترک کرنا جائز ہے۔ پھر شریعت کو اس پر پایا کہ طواف چھوڑنے میں رخصت نہیں پھر ان دو متعارض کو جمع کرنا طلب کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عروہ سے کہا: فلا جناح علیه ان یطوف بهما۔ طواف کے ترک کی دلیل نہیں ہے۔ یہ ترک کی دلیل تب ہوتا اگر عبارت اس طرح ہوتی: فلا جناح علیه الا یطوف بهما۔

پس یہ لفظ طواف کے ترک کی اباحت کے لئے نہیں آیا، اس میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہ طواف کی اباحت کے افادہ کے لئے آیا ہے اس شخص کے لئے جو جاہلیت میں اجتناب کرتے تھے یا جو جاہلیت میں ان کا طواف کرتے تھے ان بتوں کا قصد کرتے ہوئے جو ان پہاڑوں کے اوپر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ طواف ممنوع نہیں ہے جب طواف کرنے والا باطل کا قصد نہ کرے، اگر کہا جائے کہ عطا نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فلا جناح علیه الا یطوف بهما پڑھا ہے اور یہی حضرت ابن مسعود کی قراءت ہے اور روایت ہے کہ حضرت ابی کے مصحف میں بھی اسی طرح ہے۔ حضرت انس سے اس کی مثل مروی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب اس کے خلاف ہے جو مصحف میں ہے اس لئے ایک قراءت کی وجہ سے اس کو نہیں چھوڑا جا سکتا جو مصحف میں ہے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ قراءت صحیح ہے یا نہیں ہے۔ عطا بغیر سماع کے حضرت ابن عباس سے مرسل روایات نقل کرتے ہیں اور حضرت انس سے جو روایت ہے وہ بھی ثقہ نہیں ہے یا (لا) تاکید کے لئے زائدہ ہوگا۔ جیسا کہ شاعر نے کہا:

وما ألوم البیض الا تسخر الما رأين الشمط القفندرا

اس شعر میں الا تاکید کے لئے زائدہ ہے۔

ترمذی نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں آئے تو بیت اللہ کے سات چکر لگائے اور پھر آیت پڑھی: واتخذوا من مقام ابراهیم مصلی (البقرہ:125) پھر مقام کے پیچھے نماز پڑھی پھر حجر اسود کے پاس آئے اسے استلام کیا پھر فرمایا: ہم وہاں سے شروع کرتے ہیں جہاں سے اللہ تعالیٰ نے آغاز فرمایا آپ نے صفا سے شروع فرمایا اور فرمایا:

صفا اور مروہ شعائر اللہ سے ہیں۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس پر اہل علم کے نزدیک عمل ہے صفا سے آغاز کرے۔ اگر مروہ سے پہلے شروع کیا تو یہ جائز نہ ہوگا پھر صفا سے شروع کرے۔

صفا و مروہ کے درمیان سعی کے وجوب میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے فرمایا: یہ رکن ہے۔ یہ امام مالک کا مشہور مذہب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سعی کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی فرض کی ہے۔ اس حدیث کو دارقطنی نے نقل کیا ہے۔ اور کتب بمعنی اوجب ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **کتاب علیکم الصیام** (البقرہ:183) تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کی ہیں۔ ابن ماجہ نے شیبہ کی اُمِ ولد سے روایت کیا ہے، فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے دیکھا آپ فرما رہے تھے: "درمیانی وادی کو تیز چل کر طے کیا جائے گا"۔ جو سعی کو چھوڑ دے یا ایک چکر بھول کر جان بوجھ کو چھوڑ دے تو وہ اپنے شہر سے لوٹ آئے یا جہاں سے اسے یاد آئے مکہ کی طرف لوٹ آئے طواف کرے اور سعی کرے کیونکہ سعی ہمیشہ طواف کے ساتھ متصل ہوتی ہے۔ امام مالک کے نزدیک یہ برابر ہے خواہ حج میں ہو یا عمرہ میں ہو۔ اگرچہ عمرہ میں فرض نہیں۔ اگر اس نے حقوق زوجیت ادا کر لئے ہوں تو اس پر امام مالک نے نزدیک تمام مناسک پورے کرنے کے باوجود اس پر عمرہ اور ہدی ہوگی۔

امام شافعی نے فرمایا: اس پر ہدی ہوگی عمرہ کا کوئی معنی نہیں جب وہ لوٹ آئے طواف کرے اور سعی کرے۔ امام ابوحنیفہ نے اور ان کے اصحاب، ثوری اور شعبی نے کہا: سعی واجب نہیں ہے اگر کوئی حاجی سعی چھوڑ دے حتیٰ کہ وہ اپنے شہر چلا جائے تو اس کا نقصان دم سے پورا کیا جائے گا کیونکہ سعی حج کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔ یہ امام مالک کا قول العتبیۃ میں ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابن زبیر، حضرت انس بن مالک اور ابن سیرین سے روایت ہے کہ سعی تطوع (نفل) ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **ومن تطوع خیرا** حمزہ اور کسائی نے یطوع مضارع مجزوم پڑھا ہے اسی طرح **فمن تطوع خیرا فھو خیر لہ** میں پڑھا ہے۔ باقی قراء نے ماضی کا صیغہ تطوع پڑھا ہے۔ تطوع سے مراد وہ نیک عمل ہوتا ہے جو مومن اپنی طرف سے کرتا ہے پس جو نوافل ادا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی قدردانی فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بندے کے لئے شکر یہ ہے کہ وہ اسے اپنی اطاعت پر ثابت رکھتا ہے۔ صحیح وہ ہے جو امام شافعی کا نظریہ ہے۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مجھ سے اپنے مناسک (حج) سیکھ لو۔ پس یہ حج کے مجمل کا بیان ہوگیا۔ پس فرض ہونا واجب ہے جس طرح نماز کی رکعات تعداد بیان فرمائی۔ جو اس طرح ہو تو اتفاق نہیں ہوتا کہ سنت ہے یا نفل ہے۔ طلیب نے کہا: حضرت ابن عباس نے ایک قوم کو صفا و مروہ کے درمیان طواف کرتے دیکھا تو فرمایا: یہ تمہیں تمہاری ماں اُمِ اسماعیل نے وراثت میں دیا ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ صحیح بخاری میں ثابت ہے جیسا کہ اس کا بیان سورۃ ابراہیم میں آئے گا۔

عذر کے سبب سوار ہو کر سعی کرنے کا بیان

کسی کے لئے بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی سوار ہو کر نی جائز نہیں مگر عذر ہو تو جائز ہے۔ اگر عذر کی بناء پر سوار ہو کر طواف کیا تو اس پر دم ہوگا اور اگر غیر معذور نے سوار ہو کر طواف کیا تو وہ دوبارہ ادا کرے اگر بیت اللہ کے قریب ہو اور اگر

دور جاچکا ہوتو بدی دے۔ یہ ہم نے اس لئے کہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود طواف کیا اور فرمایا: خذوا عنی مناسکم مجھ سے مناسک حج سیکھ لو۔ اور عذر کی بناء پر ہم نے جائز قرار دیا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر سوار ہوکر کیا تھا اور اپنی کھونٹی سے حجر اسود کو استلام کیا تھا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا: جب انہوں نے اپنی تکلیف کی شکایت کی: لوگوں کے پیچھے طواف کر دراں حالیکہ تو سوار ہو۔

ہمارے اصحاب نے اونٹ پر طواف کرنے اور انسان کی پیٹھ پر طواف کرنے کے درمیان فرق کیا ہے اگر انسان کی پیٹھ پر طواف کرے گا تو جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ اس وقت وہ طواف کرنے والا نہ ہوگا بلکہ اٹھانے والا طواف کرنے والا ہوگا جب اونٹ پر طواف کرے گا تو وہ خود طواف کرنے والا ہوگا۔ ابن خویز منداد نے کہا: یہ اختیار کا تفرقہ ہے۔ رہا کفایت کرنا تو یہ کفایت کر جائے گا۔ جیسے اگر کسی پر غشی طاری ہو اور اسے اٹھا کر طواف کرایا جائے یا اٹھا کر عرفات میں اسے وقوف کرایا گیا تو اس کی طرف سے جائز ہو جائے گا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ بقرہ، بیروت)

1792 - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ شَوْكَرٍ، وَاَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ اَبِيْ زِيَادٍ، قَالَ ابْنُ مَنِيعٍ: اَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ اَبِيْ زِيَادٍ الْمَعْنَى، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: اَهَلَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَجِّ فَلَمَّا قَدِمَ طَافَ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَقَالَ ابْنُ شَوْكَرٍ: وَلَمْ يُقَصِّرْ، ثُمَّ اتَّفَقَا وَلَمْ يُحِلَّ مِنْ اَجْلِ الْهَدْيِ، وَاَمَرَ مَنْ لَّمْ يَكُنْ سَاقَ الْهَدْيَ اَنْ يَطُوفَ وَاَنْ يَسْعَى وَيُقَصِّرَ، ثُمَّ يُحِلَّ زَادَ ابْنُ مَنِيعٍ فِيْ حَدِيثِهِ اَوْ يَحْلِقَ ثُمَّ يُحِلَّ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ) تشریف لائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا و مروہ کا طواف کیا۔ صفا و مروہ کی سعی کی۔ یہاں ابن شوکر نامی راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بال چھوٹے نہیں کروائے اس کے بعد دونوں راوی یہ الفاظ نقل کرتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانور کی وجہ سے احرام نہیں کھولا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ جو شخص قربانی کا جانور ساتھ نہیں لایا وہ طواف اور سعی کرنے کے بعد بال چھوٹے کروا کے احرام کھول دے۔

ابن منیع نامی راوی نے یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں:

''یا وہ سر منڈوا کر احرام کھول دے''۔

سر منڈانے کی فضیلت کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنا سر منڈایا اور صحابہ میں سے کچھ نے تو اپنے سر منڈائے اور کچھ نے اپنے بال کتروائے۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1193)

جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے سر منڈائے انہوں نے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے جذبے اور حصول فضیلت کو پیش نظر رکھا اور جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے بال کتروانے پر اکتفاء کیا (انہوں نے گویا جواز پر عمل کیا کہ بال کتروانا بھی جائز ہے)۔

صحیحین وغیرہما میں یہ منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرۃ القضاء میں سرمنڈانے کی بجائے بال کتروائے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دونوں چیزیں ثابت ہیں لیکن افضل سر منڈانا ہی ہے۔

حضرت یحیٰی بن حصین (تابعی) اپنی دادی محترمہ سے (کہ جن کی کنیت اُمّ الحصین ہے) نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حجۃ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سرمنڈانے والوں کے لئے تین مرتبہ اور بال کتروانے والوں کے لئے آخر میں ایک مرتبہ دعا کرتے سنا۔(مسلم،مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1196)

اس حدیث سے پہلے بخاری ومسلم کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرمنڈانے والوں کے لئے تو دو مرتبہ دعا کی اور تیسری مرتبہ میں بال کتروانے والوں کو بھی شامل فرمایا: نیز بخاری ومسلم ہی کی ایک اور روایت میں یہ منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھی مرتبہ میں بال کتروانے والوں کو شامل فرمایا: جب کہ مسلم کی یہ روایت بتا رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرمنڈانے والوں کے لئے تو تین مرتبہ دعا کی اور بال کتروانے والوں کے لئے ایک مرتبہ،اب چاہے تو ان کو تو تیسری ہی مرتبہ میں شامل کیا ہو، چاہے چوتھی مرتبہ ان کے لئے علیحدہ سے دعا کی۔ بہرکیف ان تمام روایتوں میں مطابقت پیدا کرنے کے لئے علماء لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کئی مجلسوں میں کی ہوگی، چنانچہ کسی مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرمنڈانے والوں کے لئے دو مرتبہ اور تیسری مرتبہ میں بال کتروانے والوں کے لئے دعا کی اور کسی مجلس میں تین مرتبہ سرمنڈانے والوں کے لئے اور چوتھی مرتبہ بال کتروانے والوں کے لئے دعا کی ہوگی، یا پھر یہ کہ جس راوی نے جو سنا اور اس پر جو حقیقت ظاہر ہوئی اس نے اسی کو ذکر کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں آنے کے بعد جمرہ عقبہ کے پاس تشریف لائے اور وہاں کنکریاں ماریں پھر منیٰ میں اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے اور اپنی ہدی کے جانوروں کو ذبح کیا، اس کے بعد سر مونڈنے والے کو (جس کا نام معمر بن عبداللہ تھا) بلایا اور اپنے سر کا دایاں حصہ اس کے سامنے کیا، چنانچہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر (کے اس داہنے حصہ) کو مونڈا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کو اپنے وہ مونڈے ہوئے بال دیئے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کا بایاں حصہ مونڈنے والے کی طرف کر کے فرمایا کہ اب اسے مونڈو، چنانچہ اس نے مونڈ دیا، یہ بال بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو دے دیئے اور فرمایا کہ یہ بال لوگوں میں تقسیم کردو۔(بخاری ومسلم،مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1197)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سرمنڈانے میں دائیں طرف سے ابتداء کرنا سنت ہے، نیز اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دائیں طرف میں منڈوانے والے کا اعتبار ہے کہ وہ اپنے سر کو دائیں طرف سے منڈوانا شروع کرے، جب کہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ مونڈنے والے کی دائیں طرف کا اعتبار ہے یعنی مونڈنے والا اپنی دائیں طرف سے سر مونڈنا شروع کرے۔

حج اور عمرے کو ملانے کا بیان

1793 - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي حَيْوَةُ، أَخْبَرَنِي أَبُو عِيسَى

الْخُرَاسَانِيُّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، اَنَّ رَجُلًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اَتَى عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَشَهِدَ عِنْدَهُ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي قُبِضَ فِيْهِ يَنْهَى عَنِ الْعُمْرَةِ قَبْلَ الْحَجِّ

❁❁ سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کے اصحاب میں سے ایک صاحب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے اس بات کی گواہی دی کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو بیماری کے دوران جس بیماری میں آپ ﷺ کا وصال ہوا، حج سے پہلے عمرہ کرنے سے منع کرتے ہوئے سنا ہے۔

1794 - حَدَّثَنَا مُوْسٰى اَبُوْ سَلَمَةَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ اَبِيْ شَيْخٍ الْهُنَائِيِّ خَيْوَانَ بْنِ خَلْدَةَ، مِمَّنْ قَرَاَ عَلٰى اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ، مِنْ اَهْلِ الْبَصْرَةِ، اَنَّ مُعَاوِيَةَ بْنَ اَبِيْ سُفْيَانَ، قَالَ لِاَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ كَذَا وَكَذَا، وَعَنْ رُكُوْبِ جُلُوْدِ النُّمُوْرِ؟ قَالُوْا: نَعَمْ. قَالَ: فَتَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ نَهٰى اَنْ يُقْرَنَ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، فَقَالُوْا: اَمَّا هٰذَا فَلَا. فَقَالَ: اَمَا اِنَّهَا مَعَهُنَّ وَلٰكِنَّكُمْ نَسِيْتُمْ

❁❁ خیوان بن خلدہ بیان کرتے ہیں: حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے اصحاب سے کہا: کیا آپ لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اس اس چیز سے اور درندوں کی کھال پر سوار ہونے (یعنی بیٹھنے) سے منع کیا ہے' تو ان لوگوں نے جواب دیا: جی ہاں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا آپ لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے کہ حج اور عمرے کو ملا دیا جائے۔ ان لوگوں نے کہا: جہاں تک اس چیز کا تعلق ہے' تو ایسا نہیں ہے' تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ بھی ان چیزوں کے ہمراہ (ممنوع) ہے لیکن آپ لوگ بھول گئے ہیں۔

بَابٌ فِي الْاِقْرَانِ

باب: حج قران

حج تمتع کی تعریف وطریقہ

حج تمتع یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں صرف عمرہ کا احرام باندھا جائے (شوال، ذوالقعدہ، اور ذوالحجہ حج کے مہینے ہیں۔ لہٰذا جب حاجی مکہ پہنچے اور عمرہ کا طواف اور سعی کر کے سر منڈا لے یا پھر بال چھوٹے کروالے تو وہ احرام کھول دے اور جب یوم ترویہ یعنی آٹھ

1794- اسناده حسن من اجل ابی شیخ الهنائی حیوان بن خلدة فانه حسن الحدیث. حماد: هو ابن سلمة البصری، وقتادة: هو ابن دعامة السدوسی. واخرجه عبد الرزاق فی "مصنفه" (217) و (19927)، واحمد فی "مسنده" (16833) و (16864) و (16909)، وعبد بن حمید فی "المنتخب" (419)، والطحاوی فی "شرح مشکل الآثار" (3250)، والطبرانی فی "المعجم الکبیر" 82419/ و 827 و 828 من طرق عن قتادة، بهذا الاسناد. وبعضهم یختصره. وروایة عبد الرزاق الثانیة، واحمد (16864)، والطبرانی 82419/ بلفظ: "نهی عن متعة الحج." واخرجه الطبرانی فی "المعجم الکبیر" 82919/ من طریق بیهس بن فهدان، عن ابی شیخ، به. مختصراً

ذوالحجہ والے دن صرف حج کا احرام باندھے اور حج کے سب اعمال مکمل کرے گا، یعنی حج تمتع کرنے والا عمرہ بھی مکمل کرے گا اور اسی طرح حج بھی۔

حج افراد کی تعریف وطریقہ

حج افراد یہ ہے کہ صرف اکیلے حج کا احرام باندھا جائے اور جب مکہ مکرمہ پہنچے تو طواف قدوم اور حج کی سعی کرلے نہ تو اپنے سر کو منڈائے اور نہ ہی بال چھوٹے کروائے اور نہ ہی احرام کھولے گا بلکہ وہ عید کے دن جمرہ عقبہ کو رمی کرنے تک اپنے اسی احرام میں رہے گا۔ اور اگر وہ حج کی سعی کو طواف حج یعنی طواف افاضہ کے بعد تک مؤخر کرنا چاہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں وہ ایسا کرسکتا ہے۔

حج قران کی تعریف وطریقہ

قران کی لغوی واصطلاحی تعریف: قران کے لغوی معنی: دو چیزوں کو جمع کرنا، قران کے اصطلاحی معنی: میقات سے حج اور عمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھنا ہمارے یہاں قران تمتع سے افضل ہے، اور تمتع افراد سے افضل ہے۔ قارن کو اس طرح کے الفاظ کہنا مسنون ہے" اَللّٰھُمَّ اِنِّی اُرِیْدُ الْعُمْرَۃَ وَالْحَجَّ فَیَسِّرْھُمَا لِیْ وَتَقَبَّلْھُمَا مِنِّیْ" اے اللہ میں حج اور عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں اور دونوں کو میرے لئے آسان فرما۔ اور ان دونوں کو مجھ سے قبول فرما۔ پھر تلبیہ کہے۔

جب قارن مکہ آئے تو عمرہ کے طواف مع سات چکروں سے شروعات کرے صرف پہلے تین چکروں میں رمل کرے، پھر طواف کی دو رکعت نماز پڑھے، پھر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے اور میلین اخضرین کے درمیان تیزی سے چلے اور سات چکر پورے کرے، یہ عمرہ کے افعال ہیں، پھر اعمال حج کی شروعات کرے، حج کے لئے طواف قدوم کرے، پھر حج کے اعمال پورے کرے جس طرح اس کی تفصیل گزر چکی۔

حج قران یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا جائے یا پھر پہلے عمرہ کا احرام باندھے اور پھر بعد میں عمرہ کا طواف کرنے سے قبل اس پر حج کو بھی داخل کردے (وہ اس طرح کہ وہ اپنے طواف اور سعی کو حج اور عمرہ کی سعی کرنے کی نیت کرے)۔

حج قران اور حج افراد کرنے والے شخص کے اعمال حج ایک جیسے ہی ہیں صرف فرق یہ ہے کہ حج قران کرنے والے پر قربانی ہے اور حج افراد کرنے والے پر قربانی نہیں۔

ان تینوں اقسام میں افضل قسم حج تمتع ہے اور یہی وہ قسم ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو جس کا حکم دیا اور اس پر انہیں ابھارا، حتی کہ اگر کوئی انسان حج قران یا حج افراد کا احرام باندھے تو اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنے احرام کو عمرہ کا احرام بنالے اور عمرہ کرنے کے بعد احرام کھول کر حلال ہوجائے تاکہ وہ حج تمتع کرسکے اگرچہ وہ طواف قدوم اور سعی کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔

اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے سال جب طواف اور سعی کرلی اور آپ کیساتھ صحابہ کرام بھی تھے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے ساتھ بھی قربانی نہ تھی اسے حکم دیا کہ وہ اپنے احرام کو عمرہ کیا احرام میں بدل لے اور بال

چھوٹے کروا کر حلال ہو جائے اور فرمایا: اگر میں اپنے ساتھ قربانی نہ لاتا تو میں بھی وہی کام کرتا جس کا تمہیں حکم دے رہا ہوں۔

حج مفرد، قران وتمتع میں سے افضل ہونے میں مذاہب اربعہ

علامہ شرف الدین نووی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ تمام ائمہ وفقہاء کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ حج افراد، تمتع اور قران کرنا جائز ہے۔ لیکن ان میں فضیلت کس کو حاصل ہے اس میں اختلاف ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، سفیان ثور، اسحاق بن رہویہ، مزنی، ابن منذر اور ابواسحاق مروزی علیہم الرحمہ کے نزدیک حج قران افضل ہے۔

حضرت امام شافعی، امام مالک اور داؤد بن علی اصفہانی (منکر تقلید) کے نزدیک حج افراد افضل ہے۔ جبکہ حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک تمتع افضل ہے اور امام ابویوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک تمتع اور قران یہ دونوں حج مفرد سے افضل ہیں۔

(شرح مہذب، ج ۷، ص ۱۵۰، بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں سواری پر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا اور اکثر صحابہ دونوں چیزوں یعنی حج وعمرہ کے لئے چلاتے تھے۔ (یعنی بآواز بلند کہتے تھے) (بخاری)

اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قران افضل ہے چنانچہ حنفیہ کا یہی مسلک ہے۔ اس حدیث کو متدل قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عمل کرنا کب گوارا کر سکتے تھے۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قران کیا ہوگا اس لئے اکثر صحابہ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہی میں قران کیا۔

مکی کے لئے عدم قران وتمتع میں مذاہب اربعہ کا بیان

علامہ علی بن سلطان حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ وہ اہل مکہ خاص ہیں اور امام شافعی نے کہا کہ وہ اہل مکہ خاص تو ہیں اور اس میں وہ بھی ہیں جن کا گھر اتنے فاصلے پر ہو اس پر قصر کرنا جائز نہ ہو۔ تو وہ صرف مفرد کریں اور وہ تمتع قران نہ کریں۔ کیونکہ اہل مکہ کے لئے تمتع وقران نہیں ہے۔ اور اگر ان میں سے کسی تمتع یا قران کیا تو درست ہوگا۔ اگرچہ ایسا کرنے والا برا ہوگا اور اس پر اس کے بدلے میں دم ہوگا۔ اور اس دم کو حکم اس لئے کہ اس نے اس کا قائم مقام روزہ نہیں رکھا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ مکی تمتع اور قران کر سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔" (فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ "لہٰذا یہ حکم مکی کو ا رح شامل ہے جس طرح غیر مکی کو شامل ہے۔

ہمارے نزدیک یہ آیت غیر مکی کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ اس میں تمتع کا اشارہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ہے۔ لہٰذا اس میں ہدی وصوم نہیں ہے جس طرح امام شافعی نے کہ ہے۔ (شرح الوقایہ، ج ۲، ص ۳۰۰، بیروت)

عمرے اور حج کی ایک ساتھ نیت کرنے کا بیان

1795 - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ، وَعَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ، وَحُمَيْدٌ الطَّوِيلُ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُمْ سَمِعُوهُ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُلَبِّي بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ جَمِيعًا، يَقُوْلُ: لَبَّيْكَ عُمْرَةً وَحَجًّا، لَبَّيْكَ عُمْرَةً وَحَجًّا

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حج اور عمرہ کا ایک ساتھ تلبیہ پڑھتے ہوئے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہہ رہے تھے۔

''میں عمرہ اور حج ساتھ کرنے کے لیے حاضر ہوں۔ میں عمرہ اور حج کرنے کے لیے حاضر ہوں''۔

1796 - حَدَّثَنَا اَبُوْ سَلَمَةَ مُوْسَى بْنُ اِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، حَدَّثَنَا اَيُّوْبُ، عَنْ اَبِيْ قِلَابَةَ، عَنْ اَنَسٍ، اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَاتَ بِهَا يَعْنِيْ بِذِي الْحُلَيْفَةِ حَتّٰى اَصْبَحَ، ثُمَّ رَكِبَ حَتّٰى اِذَا اسْتَوَتْ بِهِ عَلَى الْبَيْدَاءِ حَمِدَ اللّٰهَ وَسَبَّحَ وَكَبَّرَ، ثُمَّ اَهَلَّ بِحَجٍّ وَعُمْرَةٍ وَاَهَلَّ النَّاسُ بِهِمَا، فَلَمَّا قَدِمْنَا اَمَرَ النَّاسَ فَحَلُّوْا حَتّٰى اِذَا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ اَهَلُّوْا بِالْحَجِّ، وَنَحَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ بَدَنَاتٍ بِيَدِهِ قِيَامًا.

قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ: الَّذِي تَفَرَّدَ بِهِ يَعْنِيْ اَنَسًا مِنْ هٰذَا الْحَدِيثِ اَنَّهُ بَدَاَ بِالْحَمْدِ وَالتَّسْبِيحِ وَالتَّكْبِيرِ ثُمَّ اَهَلَّ بِالْحَجِّ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں رات بسر کی یعنی ذوالحلیفہ میں۔ یہاں تک کہ جب صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری میدان میں کھڑی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد بیان کی۔ اس کی پاکی بیان کی اس کی کبریائی بیان کی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اور عمرہ کا تلبیہ پڑھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ لوگوں نے بھی ان دونوں کا تلبیہ پڑھا۔ جب ہم لوگ (مکہ) آئے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو یہ حکم دیا یہاں تک کہ انہوں نے احرام ختم کر دیا۔ یہاں تک کہ جب ترویہ کا دن آیا تو انہوں نے حج کا احرام باندھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کے ذریعے قربانی کے سات اونٹ کھڑے کر کے نحر کیے۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس روایت کو نقل کرنے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ منفرد ہیں یعنی یہ بات کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حمد پڑھی پھر تسبیح پڑھی پھر تکبیر پڑھی پھر حج کا تلبیہ پڑھا۔

1797 - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، حَدَّثَنَا يُوْنُسُ، عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ عَلِيٍّ حِيْنَ اَمَّرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْيَمَنِ قَالَ: فَاَصَبْتُ مَعَهُ اَوَاقِيَ فَلَمَّا قَدِمَ عَلِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَجَدْتُ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَدْ لَبِسَتْ ثِيَابًا صَبِيغًا وَقَدْ نَضَحَتِ الْبَيْتَ بِنَضُوْحٍ فَقَالَتْ: مَا لَكَ؟ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَمَرَ اَصْحَابَهُ فَاَحَلُّوْا قَالَ: قُلْتُ لَهَا: اِنِّيْ اَهْلَلْتُ بِاِهْلَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ: فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِيْ: كَيْفَ صَنَعْتَ؟، فَقَالَ: قُلْتُ: اَهْلَلْتُ بِاِهْلَالِ النَّبِيِّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ: فَإِنِّي قَدْ سُقْتُ الْهَدْيَ وَقَرَنْتُ قَالَ: فَقَالَ لِي: انْحَرْ مِنَ الْبُدْنِ سَبْعًا وَسِتِّينَ أَوْ سِتًّا وَسِتِّينَ، وَأَمْسِكْ لِنَفْسِكَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، أَوْ أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ، وَأَمْسِكْ لِي مِنْ كُلِّ بَدَنَةٍ مِنْهَا بَضْعَةً

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امیر بنا کر یمن بھیجا تھا۔ راوی کہتے ہیں: مجھے ان کے ہمراہ کچھ اوقیہ (چاندی) ملی۔ راوی بیان کرتے ہیں: جب حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ بیان کرتے ہیں: میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو (مکہ) میں پایا کہ انہوں نے رنگین کپڑے پہنے ہوئے تھے اور پورے گھر میں خوشبو مہک رہی تھی۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا: آپ رضی اللہ عنہ کو کیا ہوا ہے۔ (یعنی آپ رضی اللہ عنہ کس بات پر حیران ہو رہے ہیں) جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو حکم دیا ہے تو انہوں نے احرام ختم کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے ان سے کہا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تلبیہ کے مطابق احرام کی نیت کی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت کیا: تم نے کیا کیا ہے (یعنی کیا نیت کی ہے؟) میں نے عرض کی: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام کے مطابق احرام باندھنے کی نیت کی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قربانی کا جانور ساتھ لایا ہوں اور میں نے حج قران کرنا ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا (یعنی قربانی کے دن فرمایا:) تم 67 اونٹ نحر کر دو اور 33 (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں:) 34 اونٹ روک کے رکھنا۔ تم میرے لئے ہر اونٹ میں سے کچھ حصہ رکھ لینا۔

1798 - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ. حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ: قَالَ الصُّبَيُّ بْنُ مَعْبَدٍ: أَهْلَلْتُ بِهِمَا مَعًا. فَقَالَ عُمَرُ: هُدِيتَ لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

صبی بن معبد بیان کرتے ہیں: میں نے ان دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہاری تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔

1799 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قُدَامَةَ بْنِ أَعْيَنَ، وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ الْمَعْنَى، قَالَا: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ: قَالَ الصُّبَيُّ بْنُ مَعْبَدٍ: كُنْتُ رَجُلًا أَعْرَابِيًّا نَصْرَانِيًّا فَأَسْلَمْتُ. فَأَتَيْتُ رَجُلًا مِنْ عَشِيرَتِي يُقَالُ لَهُ هُذَيْمُ بْنُ ثُرْمُلَةَ. فَقُلْتُ لَهُ: يَا هَنَاهُ إِنِّي حَرِيصٌ عَلَى الْجِهَادِ وَإِنِّي وَجَدْتُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ مَكْتُوبَيْنِ عَلَيَّ فَكَيْفَ لِي بِأَنْ أَجْمَعَهُمَا؟. قَالَ: اجْمَعْهُمَا وَاذْبَحْ مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَأَهْلَلْتُ بِهِمَا مَعًا. فَلَمَّا أَتَيْتُ الْعُذَيْبَ لَقِيَنِي سَلْمَانُ بْنُ رَبِيعَةَ، وَزَيْدُ بْنُ صُوحَانَ وَأَنَا أُهِلُّ بِهِمَا جَمِيعًا. فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِلْآخَرِ: مَا هٰذَا بِأَفْقَهَ مِنْ بَعِيرِهِ. قَالَ: فَكَأَنَّمَا أُلْقِيَ عَلَيَّ جَبَلٌ حَتَّى أَتَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ. فَقُلْتُ لَهُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، إِنِّي كُنْتُ رَجُلًا أَعْرَابِيًّا نَصْرَانِيًّا

وَإِنِّي أَسْلَمْتُ، وَأَنَا حَرِيصٌ عَلَى الْجِهَادِ وَإِنِّي وَجَدْتُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ مَكْتُوبَيْنِ عَلَيَّ فَأَتَيْتُ رَجُلًا مِنْ قَوْمِي فَقَالَ لِي: اجْمَعْهُمَا وَاذْبَحْ مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ، وَإِنِّي أَهْلَلْتُ بِهِمَا مَعًا. فَقَالَ لِي: عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ هُدِيتَ لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

صبی بن معبد بیان کرتے ہیں: میں ایک عیسائی دیہاتی تھا میں نے اسلام قبول کرلیا۔ میں اپنے خاندان کے ایک فرد کے پاس آیا جس کا نام ہذیم بن ثرملہ تھا۔ میں نے اس سے کہا: اے نوجوان میں جہاد کرنے کا شدید خواہشمند ہوں اور میں نے یہ صورتحال بھی پائی ہے کہ مجھ پر حج اور عمرہ لازم ہو چکے ہیں' تو میں اب ان دونوں کو کیسے جمع کرلوں۔ تو اس نے کہا: آپ ان دونوں کو ایک ساتھ کرلیں اور جو قربانی میسر ہو' تو سے کرلیجئے گا' تو میں نے ان دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھ لیا جب میں عذیب کے مقام پر پہنچا تو سلیمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان کی مجھ سے ملاقات ہوئی۔ میں اس وقت ان دونوں کا تلبیہ پڑھ رہا تھا۔ ان دونوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: یہ شخص اپنے اونٹ سے زیادہ سمجھ دار نہیں ہے۔ صبی بن معبد کہتے ہیں: گویا مجھ پر پہاڑ ڈال دیا گیا۔ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے ان سے کہا: اے امیر المومنین! میں ایک ایسا شخص ہوں جو دیہاتی بھی ہے اور پہلے عیسائی تھا۔ میں نے اسلام قبول کرلیا مجھے جہاد کی شدید خواہش تھی' لیکن میں نے یہ پایا کہ مجھ پر حج اور عمرہ لازم ہو چکے ہیں' تو میں اپنے خاندان کے ایک فرد کے پاس آیا اس نے مجھ سے کہا: تم ان دونوں کو ایک ساتھ کرلو اور جو قربانی میسر ہو اسے ذبح کرلینا تو میں نے ان دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھ لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: تمہاری تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف رہنمائی کی گئی۔

وادی عقیق مبارک وادی ہے

1800 - حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا مِسْكِينٌ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، يَقُولُ: حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتٍ مِنْ عِنْدِ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ، قَالَ: وَهُوَ بِالْعَقِيقِ وَقَالَ: صَلِّ فِي هَذَا الْوَادِي الْمُبَارَكِ، وَقَالَ: عُمْرَةٌ فِي حَجَّةٍ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْوَاحِدِ فِي هَذَا الْحَدِيثِ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ وَقُلْ عُمْرَةٌ. فِي حَجَّةٍ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَكَذَا رَوَاهُ عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ فِي هَذَا الْحَدِيثِ وَقَالَ: وَقُلْ عُمْرَةٌ فِي حَجَّةٍ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا۔

''گزشتہ رات میرے پاس میرے پروردگار کی طرف سے ایک (فرشتہ) آیا''۔
راوی کہتے ہیں: نبی اکرم ﷺ اس وقت وادی عقیق میں موجود تھے۔ (نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں)
''فرشتے نے کہا: آپ ﷺ اس مبارک وادی میں نماز ادا کیجئے اور اس فرشتے نے کہا: عمرہ حج میں شامل ہو چکا ہے''۔
(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ امام اوزاعی کے حوالے سے منقول ہے' جس میں یہ الفاظ ہیں: ''آپ ﷺ فرما دیجئے کہ عمرہ حج میں شامل ہو چکا ہے''۔
(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) علی بن مبارک نے یحییٰ بن ابوکثیر کے حوالے سے اس روایت میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں:
''آپ ﷺ یہ فرما دیجئے عمرہ حج میں شامل ہو چکا ہے''۔

شرح

پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ عربی قواعد کے مطابق لفظ "قول" فعل کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے، لہٰذا حدیث کے آخری جملہ قل عمرۃ فی حجۃ کے معنی ہیں" اور اس نماز کو وہ عمرہ شمار کیجئے جو حج کے ساتھ ہوتا ہے" گویا اس جملہ کے ذریعہ وادی عقیق میں ادا کی جانے والی نماز کی فضیلت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ وادی عقیق میں جو نماز پڑھی جاتی ہے اس کا ثواب اس عمرہ کے برابر ہے جو حج کے ساتھ کیا جاتا ہے، اسی طرح دوسری روایت کے الفاظ وقل عمرۃ وحجۃ کا مطلب یہ ہے کہ وادی عقیق میں پڑھی جانے والی نماز عمرہ و حج کے برابر ہے۔ مدینہ منورہ کے کچھ اور فضائل علماء نے لکھا ہے کہ حکیم مطلق اللہ جل شانہ نے اس شہر پاک کی خاک پاک اور وہاں کے میوہ جات میں تاثیر شفا ودیعت فرمائی ہے۔

اکثر احادیث میں منقول ہے کہ" مدینہ کے غبار میں ہر قسم کے مرض کی شفا ہے" بعض دوسرے طرق سے منقول احادیث میں ہے کہ" مدینہ کے غبار میں جذام اور برص کی شفا ہے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم فرمایا تھا کہ وہ بخار کا علاج اس کی خاک پاک سے کریں۔ چنانچہ نہ صرف مدینہ ہی میں اس حکم پر عمل ہوتا رہا ہے بلکہ اس خاک پاک کو بطور دوا لے جانے کے سلسلہ میں بھی کتنے ہی آثار منقول ہیں اور بعض علماء نے تو اس معالجہ کا تجربہ بھی کیا ہے۔

حضرت شیخ مجدالدین فیروز آبادی کا بیان ہے کہ میں نے خود اس کا تجربہ کیا ہے کہ میرا ایک خدمت گار مسلسل ایک سال سے بخار کے مرض میں مبتلا تھا میں نے مدینہ کی وہ تھوڑی سی خاک پاک پانی میں گھول کر اس خدمت گار کو پلا دی اور وہ اسی دن صحت یاب ہو گیا۔ حضرت شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ مدینہ کی خاک پاک سے معالجہ کا تجربہ مجھے بھی ہوا ہے وہ اس طرح کہ جن دنوں میں مدینہ منورہ میں مقیم تھا میرے پاؤں میں ایک سخت مرض پیدا ہو گیا جس کے بارہ میں تمام اطباء کا یہ متفقہ فیصلہ تھا کہ اس کا آخری درجہ موت ہے اور اب صحت دشوار ہے۔ میں نے اسی خاک پاک سے اپنا علاج کیا، تھوڑے ہی دنوں میں بہت آسانی سے صحت حاصل ہو گئی۔ اسی قسم کی خاصیتیں وہاں کی کھجور کے بارہ میں بھی منقول ہیں چنانچہ صحیح احادیث میں وارد ہے کہ اگر کوئی شخص سات عجوہ کھجوریں (عجوہ مدینہ کی کھجور کی ایک قسم ہے) نہار منہ کھا لیا کرے تو کوئی زہر اور کوئی سحر اس پر اثر نہیں کرے گا۔ فضائل مدینہ کے

سلسلہ میں یہ بات بھی بطور خاص قابل لحاظ ہے کہ اس مقدس شہر کی عظمت و بزرگی ہی کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس شہر کے رہنے والوں کی تعظیم و تکریم کی یہ وصیت کی تھی کہ میری امت کے لوگوں کو چاہئے کہ وہ میرے ہمسایوں یعنی اہل مدینہ کے احترام کو ہمیشہ پیش ملحوظ رکھیں، ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں، ان سے اگر کوئی لغزش ہو جائے تو اس پر مواخذہ نہ کریں اور اس وقت تک ان کی خطاؤں سے درگزر کریں جب تک کہ وہ کبائر سے اجتناب کریں (یعنی اگر وہ کبائر کے مرتکب ہوں تو پھر رعایت اور درگزر کا کوئی سوال نہیں ہے بلکہ اللہ اور بندوں کے حقوق کے سلسلے میں شریعت کا جو حکم ہو اسے جاری کرے) یاد رکھو، جو شخص ان کے احترام کو ہمیشہ ملحوظ رکھے گا میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور شفاعت کرنے والا ہوں گا اور جو شخص اہل مدینہ کے احترام و حرمت کو ملحوظ نہیں رکھے گا اسے طینۃ الخبال کا سیال پلایا جائے گا (واضح رہے کہ "طینۃ الخبال" دوزخ کے ایک حوض کا نام ہے جس میں دوزخیوں کی پیپ اور لہو جمع ہوتا ہے) ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ" ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دست دعا بلند کئے اور یوں گویا ہوئے" خداوندا! جو شخص میرے اور میرے شہر والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اس کو جلد ہی ہلاک کر دے" نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ" جس شخص نے اہل مدینہ کو ڈرایا اس نے گویا مجھے ڈرایا" نسائی کی روایت میں یہ ہے کہ" جس شخص نے اہل مدینہ کو اپنے ظلم کے خوف میں مبتلا کیا اسے (اللہ تعالیٰ خوف میں مبتلا کرے گا اور اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہوگی" اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ" ایسے شخص کا کوئی بھی عمل بارگاہ الٰہی میں مقبول نہیں ہوگا خواہ فرض ہو یا نفل"۔

حج میں چار چیزیں فرض ہیں۔ (۱) احرام۔ (۲) عرفہ کے دن وقوف عرفات (۳) طواف الزیارت (٤) ان فرائض میں ترتیب کا لحاظ یعنی احرام کو وقوف عرفات پر وقوف عرفات کو طواف الزیارت پر مقدم کرنا۔ واجبات حج یہ ہیں، وقوف مزدلفہ، صفا مروہ کے درمیاں سعی، رمی جمار، آفاقی کے لئے طواف قدوم، حلق یا تقصیر، احرام میقات سے باندھنا، غروب آفتاب تک وقوف عرفات، طواف حجر اسود سے شروع کرنا (بعض علماء نے اسے سنت کہا ہے) طواف کی ابتداء دائیں طرف سے کرنا، طواف پیادہ پا کرنا بشرطیکہ کوئی عذر لاحق نہ ہو، طواف باطہارت کرنا، طواف میں ستر ڈھانکنا، سعی کی ابتداء صفا سے کرنا، سعی پا پیادہ کرنا بشرطیکہ کوئی عذر نہ ہو، قارن اور متمتع کو بکری یا اس کی مانند جانور ذبح کرنا، ہر سات شوط یعنی ایک طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا، رمی حلق اور قربانی میں ترتیب کا لحاظ رکھنا بایں طور کہ پہلے رمی کی جائے پھر قربانی پھر حلق اور پھر طواف زیارت کی جائے، طواف الزیارۃ ایام نحر میں کرنا، طواف اس طرح کرنا کہ حطیم طواف کے اندر آ جائے، سعی طواف کے بعد کرنا، حلق حرم اور ایام نحر میں کرنا، وقوف عرفہ کے بعد ممنوعات احرام مثلاً جماع وغیرہ سے اجتناب، نیز وہ چیزیں بھی واجبات حج میں شامل ہیں، جن کو ترک کرنے سے دم لازم آتا ہے، ان چیزوں کے علاوہ اور سب حج کے مستحبات اور آداب میں سے ہیں۔ غنی کا حج فقیر کے حج سے افضل ہے، والدین کی فرمانبرداری سے حج فرض تو اولیٰ ہے لیکن حج نفل اولیٰ نہیں ہے۔

بلکہ والدین کی فرمانبرداری ہی حج نفل سے افضل ہے۔ سرائے بنانا حج نفل سے افضل ہے۔ البتہ صدقہ کے بارے میں

اختلافی اقوال ہیں کہ بعض تو صدقہ کو افضل کہتے ہیں۔ اور بعض نے حج نفل کو افضل کہا ہے، تاہم بزازیہ میں ہے کہ حج نفل کی فضیلت ہی کو ترجیح دی گئی ہے، کیونکہ حج میں مال بھی خرچ ہوتا ہے اور جسمانی مشقت بھی ہوتی ہے جب کہ صدقہ میں صرف مال خرچ ہوتا ہے جس حج میں وقوف عرفات جمعہ کے دن ہو وہ حج ستر حجوں پر فضیلت رکھتا ہے اور اس حج میں ہر شخص کی بلا واسطہ مغفرت ہوتی ہے، اس بارہ میں اختلافی اقوال ہیں کہ آیا حج کی وجہ سے کبیرہ گناہ ساقط ہو جاتے ہیں یا نہیں؟

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ساقط ہو جاتے ہیں جس طرح کہ جب کوئی حربی کافر اسلام قبول کرتا ہے تو اس کے سب گناہ ساقط ہو جاتے ہیں لیکن بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ حج کی وجہ سے حقوق اللہ تو معاف ہو جاتے ہیں لیکن حقوق العباد معاف نہیں ہوتے جس طرح کہ جب کوئی ذمی کافر، اسلام قبول کر لیتا ہے تو اس کے ذمہ سے حقوق اللہ تو ساقط ہو جاتے ہیں لیکن حقوق العباد ساقط نہیں ہوتے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ تمام علماء اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ کبیرہ گناہ صرف توبہ ہی سے ساقط ہوتے ہیں، محض حج کی وجہ سے بھی ساقط نہیں ہوتے، نیز کوئی بھی عالم حج کی وجہ سے دین (قرض) کے ساقط ہونے کا بھی قائل نہیں ہے۔ خواہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ ہی سے ہو جیسے نماز و زکوۃ، ہاں ادائیگی قرض یا ادائیگی نماز وغیرہ میں تاخیر کا گناہ ضرور ساقط ہو جاتا ہے لہذا جو علماء کبیرہ گناہ کے ساقط ہو جانے کے قائل ہیں ان کی مراد بھی یہی ہے۔ خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونا مستحب ہے بشرطیکہ خود اس کو یا کسی اور کو اس سے تکلیف نہ پہنچے، خانہ کعبہ کا غلاف اور پردہ بنی شیبہ سے خریدنا جائز نہیں ہے ہاں امام سے یا اس کے نائب سے لینا جائز ہے، خانہ کعبہ کے غلاف و پردہ کو لباس میں استعمال کرنا جائز ہے اگرچہ جنبی (ناپاک) یا حائضہ ہی کیوں نہ ہو، اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر کے حرم میں پناہ لے لے تو اس کو بطور قصاص قتل کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ حرم میں رہے، ہاں اگر قاتل نے حرم ہی میں قتل کا ارتکاب کیا ہو تو اس کو بھی حرم میں مار ڈالنا جائز ہے لیکن خانہ کعبہ کے اندر قاتل کو اس صورت میں بھی قتل کرنا جائز نہیں ہے جب کہ اس نے خانہ کعبہ کے اندر ہی قتل کا ارتکاب کیا ہو۔

آب زمزم سے استنجا کرنا تو مکروہ ہے لیکن نہانا مکروہ نہیں ہے۔ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ سے افضل ہے لیکن مدینہ منورہ کی زمین کا وہ قطعہ پاک جس پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں مطلقاً افضل ہے حتیٰ کہ کعبہ اور عرش و کرسی سے بھی افضل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کی زیارت کرنا مستحب ہے بلکہ بعض علماء تو یہ کہتے ہیں کہ اس شخص کے لئے واجب ہے جسے فراغت میسر ہو! حج فرض کی ادائیگی کی صورت میں حج روضہ اطہر کی زیارت سے پہلے کرنا چاہئے ہاں نفل کی صورت میں اختیار ہے کہ چاہے تو پہلے کیا جائے چاہے پہلے زیارت کی جائے بشرطیکہ مدینہ راستہ میں نہ پڑتا ہو۔ اگر مکہ کا راستہ مدینہ سے ہو کر گزرتا ہو تو پھر پہلے روضہ اطہر کی زیارت کرنا ضروری ہے، روضہ اطہر کی زیارت کے ساتھ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت بھی کرنی چاہئے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مسجد نبوی میں ادا کی جانے والی ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ دوسری مساجد میں ادا کی جانے والی ہزار نمازوں سے بہتر ہے، مسجد حرام کا استثناء اس لئے ہے کہ اس میں ادا کی جانے والی ایک نماز کا ثواب دس لاکھ نمازوں کے ثواب کے برابر ہوتا ہے) حج کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ جس خوش نصیب کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم

سے حج کی سعادت عظمیٰ کی توفیق بخشے اور وہ حج کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ پہلے وہ اپنی نیت کو درست کرے کہ اس کے پیش نظر محض اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور ادائیگی فرض ہو، کوئی دنیاوی غرض یا نام ونمود کا کوئی ہلکا سا تصور بھی نہ ہو ورنہ سب محنت اکارت جائے گی، پھر اپنے ماں باپ سے اجازت لے کر، اعزہ واحباب سے رخصت ہو کر، سب سے معافی تلافی کر کے اپنے وطن سے کم از کم ایسے وقت روانہ ہو کہ مکہ مکرمہ میں ساتویں ذی الحجہ سے پہلے پہنچ جائے اور ساتویں تاریخ کا خطبہ سن سکے، جب میقات پر پہنچے (برصغیر پاک وہند کی میقات یلملم ہے) تو احرام باندھے۔

اگر مفرد ہو تو صرف حج، کا قارن ہو تو حج وعمرہ دونوں کا اور متمتع وہ تو صرف عمرہ کا احرام باندھے، مستحب یہ ہے کہ احرام باندھنے سے پہلے ہاتھ پاؤں کے ناخن کٹوائے، زیر ناف اور بغل کے بال صاف کرے، حجامت بنوائے، اگر سر منڈانے کی عادت ہو تو سر منڈائے ورنہ بال درست کرائے اور ان میں کنگھی کرے، اگر بیوی ہمراہ ہو تو صحبت کرے، پھر وضو کرے یا نہائے لیکن نہانا افضل ہے اس کے بعد احرام کا لباس پہنے یعنی ایک لنگی باندھے اور ایک چادر اس طرح اوڑھے کہ سر کھلا رہے، یہ دونوں کپڑے نئے ہوں تو افضل ہے ورنہ صاف دھلے ہوئے ہونے چاہئیں، اگر کسی کے پاس دو کپڑے میسر نہ ہوں تو ایک ایسا کپڑا لپیٹ لینا بھی جائز ہے جس سے ستر پوشی ہو جائے پھر خوشبو لگائے، اس کے بعد نیت کرے، اگر قران کا ارادہ ہو تو اس طرح کہے۔ دعا (اللھم انی ارید الحج والعمرۃ فیسر ھمالی وتقبلھما منی)۔ اگر تمتع کا ارادہ ہو تو یوں کہے۔ دعا (اللھم انی ارید العمرۃ فیسر ہالی وتقبلھا منی)۔ اور اگر افراد کا ارادہ رکھتا ہو تو اس طرح کہے دعا (اللھم انی ارید الحج فیسرہ لی وتقبلہ منی۔ اگر نیت کے مذکورہ بالا الفاظ زبان سے ادا نہ کئے جائیں بلکہ دل ہی میں نیت کر لی جائے تو بھی جائز ہے، نیت کے بعد لبیک کہے حج یا عمرہ کی نیت کے ساتھ لبیک کہتے ہی محرم ہو جائے گا، لبیک کے الفاظ یہ ہیں۔ لبیک اللھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لاشریک لک۔ ان الفاظ میں کمی نہ کی جائے ہاں زیادتی جائز ہے چنانچہ یہ الفاظ بھی منقول ہیں جن کے اضافہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لبیک وسعدیک والخیر بیدیک لبیک والرغباء الیک والعمل لبیک الہ الخلق لبیک۔ بعد ازاں اکثر اوقات آواز بلند لبیک کہتا رہے خصوصا نماز کے بعد خواہ فرض ہو خواہ نفل نماز، صبح کے وقت، باہم ملاقات کے، بلندی پر چڑھتے یا نشیب میں اترتے وقت، غرضیکہ یہ سفر حج چونکہ نماز کے حکم میں ہے کہ جس طرح نماز میں ہر حالت کی تبدیلی پر تکبیر کہی جاتی ہے۔

اس طرح اس سفر میں ہر حالت کی تبدیلی کے وقت لبیک کہنی چاہئے! احرام باندھ لینے کے بعد ان تمام چیزوں سے اجتناب کرنا ضروری ہے جو حالت احرام میں ممنوع ہیں مثلاً سلے ہوئے کپڑے جیسے کرتہ، انگرکھا، پاجامہ، فرغل، جبہ، قبا، بارانی موزہ، دستانہ اور ٹوپی وغیرہ نہ پہنے جائیں، جو کپڑے رنگدار خوشبو جیسے زعفران وغیرہ میں رنگے ہوئے ہوں وہ بھی استعمال نہ کئے جائیں ہاں دھلنے کے بعد کہ جس سے خوشبو نہ آتی ہو استعمال کرنا جائز ہے، سر اور منہ کسی چیز سے نہ ڈھانکا جائے، جوئیں نہ ماری جائیں، بیوی سے نہ تو صحبت کی جائے اور نہ ان چیزوں کا ارتکاب کیا جائے جو جماع کا باعث بنتی ہیں مثلاً بوسہ لینا، شہوت کے ساتھ عورت کو ہاتھ لگانا یا اس کے سامنے فحش باتیں یا جماع کا ذکر کرنا وغیرہ وغیرہ۔

فسق وفجور سے پرہیز کیا جائے کسی کے ساتھ جنگ وجدل سے گریز کیا جائے، صحرائی وحشی جانوروں کا شکار نہ کیا جائے حتی کہ کوئی محرم نہ تو شکار کی طرف اشارہ کرے اور نہ شکار میں کسی کی اعانت کرے، ہاں دریائی جانوروں مثلاً مچھلی کا شکار درست ہے۔ خوشبو کا استعمال نہ کیا جائے، ناخن نہ کٹوائے جائیں، سر داڑھی بلکہ تمام بدن کے بال نہ کتروائے جائیں نہ منڈوائے جائیں اور نہ اکھاڑے جائیں، سر وداڑھی کے بالوں کو خطمی سے نہ دھویا جائے البتہ محرم نہا سکتا ہے، حمام میں داخل ہو سکتا ہے، گھر اور کجاوہ کے سایہ میں بیٹھ سکتا ہے، ہمیانی (یعنی روپیہ رکھنے والی تھیلی) کمر میں باندھ سکتا ہے اور اپنے دشمن سے دفاعی لڑائی لڑ سکتا ہے۔ احرام کی حالت میں جن جانوروں کو مارنا جائز ہے اور جن کے مارنے کی وجہ سے بطور جزاء نہ دم لازم ہوتا ہے نہ صدقہ وہ یہ ہیں۔ کوا، چیل، سانپ، بچھو، چوہا، چچڑی، کچھوا، بھیڑیا، گیدڑ، پتنگا، مکھی، چیونٹی، گرگٹ، بھڑ، مچھر، حملہ آور درندہ اور موذی جانور۔ جب مکہ مکرمہ کے قریب آجائے تو غسل کرے کہ یہ مستحب ہے پھر دن میں کسی وقت باب المعلی سے مکہ میں داخل ہو اور اپنی قیام گاہ پر سامان وغیرہ رکھ کر سب سے پہلے مسجد حرام کی زیارت کرے۔

مستحب یہ ہے کہ مسجد حرام میں لبیک کہتا ہوا اور باب السلام سے داخل ہو اور اس وقت نہایت خشوع وخضوع کی حالت اپنے اوپر طاری کرے اور اس مقدس مقام کی عظمت وجلالت کا تصور دل میں رکھے اور کعبہ کے جمال دلربا پر نظر پڑتے ہی جو کچھ دل چاہے اپنے پروردگار سے طلب کرے پھر تکبیر وتہلیل کرتا ہوا حمد وصلوۃ پڑھتا ہوا حجر اسود کے سامنے آئے اور اس کو بوسہ دے اور بوسہ کے وقت اپنے دونوں ہاتھ کو اس طرح اٹھائے جس طرح تکبیر تحریمہ کے وقت اٹھاتے ہیں، اگر اژدحام کی وجہ سے بوسہ نہ دے سکے تو حجر اسود کو ہاتھ لگا کر ہاتھ کو چوم لے اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو کسی لکڑی سے حجر اسود کو چھو کر چومے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو پھر دونوں ہتھیلیوں سے حجر اسود کی طرف اشارہ کر کے ہتھیلیوں کو چوم لے، حجر اسود کے استلام کے بعد حجر اسود کے پاس ہی سے اپنی داہنی جانب سے طواف قدوم شروع کرے، طواف میں سات شوط (چکر) کرے اور ہر شوط کو حجر اسود ہی پر ختم کرتے اور ہر شوط ختم کرنے کے بعد مذکورہ بالا طریقے سے حجر اسود کا استلام اور تکبیر وتہلیل کرے طواف میں حطیم کو بھی شامل کرے، طواف میں اضطباع کرے اور پہلے تین شوطوں میں رمل کرے نیز ہر شوط میں رکن یمانی کا بھی استلام کرے مگر اس کے استلام میں اس کو چومنا نہیں چاہئے طواف ختم کرنے کے بعد دو رکعت نماز طواف مقام ابراہیم کے قریب پڑھے۔

یہ نماز حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، اگر اژدحام وغیرہ کی وجہ سے اس نماز کو مقام ابراہیم کے قریب پڑھنا ممکن نہ ہو تو پھر مسجد حرام میں جہاں بھی چاہے پڑھ لے، اس نماز کی پہلی رکعت میں سورت فاتحہ کے بعد سورت قل یا ایہا الکافرون اور دوسری رکعت میں قل ھو اللہ کی قرأت کرے اور دعا میں جو چاہے اللہ سے مانگے، اس کے بعد چاہ زمزم پر آئے اور زمزم کا پانی پیٹ بھر کر پئے پھر مقام ملتزم میں آئے اور ہاتھ اٹھا کر اپنے مقصد کے لئے دعا مانگے پھر صفا سے مروہ کی طرف اپنی چال کے ساتھ چلے مگر جب وادی بطن پہنچے، تو میلین اخضرین کے درمیان تیز تیز چلے اور پھر جب مروہ پر چڑھے تو وہی کچھ یعنی تکبیر وتہلیل وغیرہ کرے جو صفا پر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح صفا ومروہ کے درمیان سات شوط کرے، ہر شوط کی ابتداء صفا سے ہو اور انتہا مروہ پر اور ہر شوط میں میلین اخضرین

کے درمیان تیز تیز چلے، یہ بات ذہن میں رہے کہ سعی سے پہلے طواف کرنا ضروری ہے اگر کسی نے طواف سے پہلے سعی کرلی تو اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ طواف کے بعد پھر دوبارہ سعی کرے۔

یہ بھی معلوم رہنا چاہئے کہ اس سعی، وقوف عرفات، وقوف مزدلفہ اور رمی جمار کے لئے طہارت (پاکی) شرط نہیں ہے لیکن اولیٰ ضرور ہے جب کہ طواف کے لئے طہارت شرط ہے۔ نیز طواف و سعی کے وقت ٹھہرا رہے اور اس کے دوران نفل طواف جس قدر ہو سکے کرتا رہے، مگر نفل طواف کے درمیان رمل اور اس کے بعد سعی نہ کرے، پھر ساتویں ذی الحجہ کو مسجد حرام میں خطبہ سنے، اس خطبہ میں جو ظہر کی نماز کے بعد ہوتا ہے امام حج کے احکام و مسائل بیان کرتا ہے، پھر اگر احرام کھول چکا ہو تو آٹھ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ کر طلوع آفتاب کے بعد منیٰ روانہ ہو جائے، اگر ظہر کی نماز پڑھ کر منیٰ میں پہنچے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں، رات منیٰ میں گزارے اور عرفہ کے روز یعنی نویں تاریخ کو فجر کی نماز اول وقت اندھیرے میں پڑھ کر طلوع آفتاب کے بعد عرفات جائے اگر کوئی آٹھویں تاریخ کو منیٰ میں نہ جائے بلکہ نویں کو عرفات میں پہنچ جائے تو بھی جائز ہے مگر یہ خلاف سنت ہے۔

عرفات میں بطن عرنہ کے علاوہ جس جگہ چاہے اترے لیکن جبل عرفات کے نزدیک اترنا افضل ہے پھر اسی دن زوال آفتاب کے بعد غسل کرے (جو سنت ہے) اور عرفات میں وقوف کرے (جو فرض ہے اور جس کے بغیر حج ہوتا ہی نہیں) امام جو خطبہ دے اسے سنے اور امام کے ساتھ بشرط احرام ظہر و عصر کی نماز ایک وقت میں پڑھے اور جبل رحمت کے پاس کھڑا ہو کر نہایت خشوع و خضوع اور تذلل و اخلاص کے ساتھ تکبیر و تہلیل کرے، تسبیح پڑھے، اللہ کی ثنا کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور اپنے تمام اعزہ و احباب کے لئے استغفار کرے اور تمام مقاصد دینی و دنیوی کے لئے دعا مانگے، پھر غروب آفتاب کے بعد امام کے ہمراہ مزدلفہ کی طرف روانہ ہو جائے اور راستہ میں استغفار، لبیک، حمد و صلوٰۃ اور اذکار میں مشغول رہے مزدلفہ پہنچ کر امام کے ہمراہ مغرب و عشاء کی نماز ایک ساتھ پڑھے اور رات میں وہیں رہے کیونکہ رات میں وہاں رہنا واجب ہے، نیز اس پوری رات میں نماز، تلاوت قرآن اور ذکر و دعا میں مشغول رہنا مستحب ہے۔

جب صبح ہو جائے تو (یعنی دسویں ذی الحجہ کو) فجر کی نماز اول وقت اندھیرے میں پڑھے اور وہاں وقوف کرے، مزدلفہ میں سوائے بطن محسر کے جہاں چاہے وقوف کر سکتا ہے، اس وقوف کی حالت میں نہایت الحاح و زاری کے ساتھ اپنے دینی و دنیاوی مقصد کے لئے خداوند والم سے دعا مانگے، آفتاب نکلنے سے کچھ پہلے وقوف ختم کر لیا جائے، پھر جب روشنی خوب پھیل جائے تو آفتاب سے پہلے منیٰ واپس پہنچ کر جمرۃ العقبہ پر سات کنکریاں مارے اور پہلی کنکری مارتے ہی تلبیہ موقوف کردے، اس کے بعد قربانی کرے پھر سر منڈوائے یا بال کتروائے، اس کے بعد وہ تمام چیزیں جو حالت احرام میں ممنوع تھیں، سوائے رفث کے، جائز ہو جائیں گی، پھر عید کی نماز منیٰ ہی میں پڑھ کر اسی دن مکہ آجائے اور طواف زیارت کرے، اس طواف کے بعد سعی نہ کرے ہاں اگر پہلے سعی نہ کر چکا ہو تو وہ پھر اس طواف کے بعد سعی کرے، اس کے بعد رفث بھی جائز ہو جائے گا طواف زیارت سے فارغ ہو کر پھر منیٰ واپس آجائے اور رات میں وہاں قیام کرے۔

گیارہویں تاریخ کو تینوں جمرات کی رمی کرے بایں طور کہ پہلے تو اس جمرہ پر سات کنکریاں مارے جو مسجد خیف کے قریب ہے اور جس کو جمرۃ اولیٰ کہتے ہیں اس کے بعد اس جمرہ پر جو اس کے قریب ہے اور جس کو جمرۃ وسطیٰ کہتے ہیں سات کنکریاں مارے اور پھر سوار ہو کر یا پیادہ ہی جمرۂ عقبہ پر سات کنکریاں مارے اور ہر کنکری مارتے وقت تکبیر کہتا رہے، اسی طرح بارہویں تاریخ ہی کو منیٰ سے رخصت ہو گیا تو پھر اس پر تیرہویں تاریخ کو واجب نہیں ہوگی۔ گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں تاریخوں میں رمی کا وقت زوال آفتاب کے بعد ہے لیکن تیرہویں تاریخ کو اگر طلوع فجر کے بعد اور زوال آفتاب سے پہلے بھی رمی کرے تو جائز ہے مگر مسنون زوال آفتاب کے بعد ہی ہے جب کہ گیارہویں اور بارہویں تاریخوں میں زوال آفتاب سے پہلے رمی جائز نہیں ہے۔

آخری دن رمی سے فارغ ہو کر مکہ روانہ ہو جائے اور راستہ میں تھوڑی دیر کے لئے محصب میں اترے، پھر جب مکہ مکرمہ سے وطن کے لئے روانہ ہونے لگے طواف وداع کرے اس طواف میں بھی رمل اور اس کے بعد سعی نہ کرے طواف کے بعد دو رکعت پڑھ کر زمزم کا مبارک پانی گھونٹ گھونٹ کر کے پیے اور ہر مرتبہ کعبہ مکرمہ کی طرف دیکھ کر حسرت سے آہ سرد بھرے نیز اس مبارک پانی کو منہ، سر اور بدن پر ملے پھر خانہ کعبہ کی طرف آئے۔

اگر ممکن ہو بیت اللہ کے اندر داخل ہو اگر اندر نہ جا سکے تو اس کی مقدس چوکھٹ کو بوسہ دے اور اپنا سینہ اور منہ ملتزم پر رکھ دے اور کعبہ مکرمہ کے پردوں کو پکڑ پکڑ کر دعا کرے اور روئے اور اس وقت بھی تکبیر و تہلیل، حمد و ثنا اور دعاء استغفار میں مشغول رہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے مقاصد کی تکمیل طلب کرے۔ اس کے بعد پچھلے پیروں یعنی کعبہ مکرمہ کی طرف پشت نہ کر کے مسجد حرام سے باہر نکل آئے حج تمام افعال ختم ہو گئے۔ (مرقات شرح مشکوۃ، کتاب حج، لاہور)

1801 - حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ زَائِدَةَ، اَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ، حَدَّثَنِي الرَّبِيعُ بْنُ سَبْرَةَ، عَنْ اَبِيْهِ، قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَتّٰى اِذَا كَانَ بِعُسْفَانَ، قَالَ لَهُ: سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكِ الْمُدْلَجِيُّ، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: اقْضِ لَنَا قَضَاءَ قَوْمٍ كَاَنَّمَا وُلِدُوا الْيَوْمَ، فَقَالَ: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ اَدْخَلَ عَلَيْكُمْ فِيْ حَجِّكُمْ هٰذَا عُمْرَةً، فَاِذَا قَدِمْتُمْ فَمَنْ تَطَوَّفَ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَقَدْ حَلَّ اِلَّا مَنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ

ربیع بن سبرہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ روانہ ہوئے یہاں تک کہ جب ہم عسفان میں تھے' تو حضرت سراقہ بن مالک مدلجی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کی: یارسول اللہ! آج آپ ﷺ ہمارے درمیان واضح فیصلہ بیان کر دیجئے۔ آپ ﷺ ہمیں یوں سمجھے کہ گویا ہم آج ہی پیدا ہوئے ہیں' تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لیے عمرے کو اس حج میں شامل کر دیا ہے۔ جب تم (مکہ) آ جاؤ اور جو شخص بیت اللہ کا طواف کر لے اور صفا و مروہ کی سعی کر لے وہ احرام کھول دے' البتہ جس کے ساتھ قربانی کا جانور موجود ہو (اس کا حکم مختلف ہے)

1802 - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ نَجْدَةَ، حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ اِسْحَاقَ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، وَحَدَّثَنَا اَبُو

بَكْرِ بْنِ خَلَّادٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى الْمَعْنَى، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ، أَخْبَرَهُ قَالَ: قَصَّرْتُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِشْقَصٍ عَلَى الْمَرْوَةِ أَوْ رَأَيْتُهُ يُقَصِّرُ عَنْهُ عَلَى الْمَرْوَةِ بِمِشْقَصٍ. قَالَ: ابْنُ خَلَّادٍ، إِنَّ مُعَاوِيَةَ لَمْ يَذْكُرْ أَخْبَرَهُ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ میں نے مروہ (پہاڑی) پر قینچی کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال چھوٹے کیے تھے (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں:) میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ مروہ پہاڑی میں قینچی کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال چھوٹے کیے گئے۔

ابن خلاد نامی راوی نے یہ الفاظ نقل نہیں کیے: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں خبر دی۔

1803 - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، وَمَخْلَدُ بْنُ خَالِدٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى الْمَعْنَى قَالُوا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ مُعَاوِيَةَ، قَالَ لَهُ: أَمَا عَلِمْتَ أَنِّي قَصَّرْتُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِشْقَصِ أَعْرَابِيٍّ عَلَى الْمَرْوَةِ. زَادَ الْحَسَنُ فِي حَدِيثِهِ لِحَجَّتِهِ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: کیا تم یہ بات جانتے ہو کہ میں نے مروہ پہاڑی پر ایک تیر کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال چھوٹے کیے تھے۔

حسن نامی راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: "حج کے موقع پر"۔

1804 - حَدَّثَنَا ابْنُ مُعَاذٍ، أَخْبَرَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مُسْلِمٍ الْقُرِّيِّ، سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ، يَقُولُ: أَهَلَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعُمْرَةٍ، وَأَهَلَّ أَصْحَابُهُ بِحَجٍّ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا تلبیہ پڑھا تھا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے حج کا تلبیہ پڑھا تھا۔

1805 - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ جَدِّي، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ، قَالَ: تَمَتَّعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَأَهْدَى وَسَاقَ مَعَهُ الْهَدْيَ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ، وَبَدَأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ، ثُمَّ أَهَلَّ بِالْحَجِّ وَتَمَتَّعَ النَّاسُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَكَانَ مِنَ النَّاسِ مَنْ أَهْدَى وَسَاقَ الْهَدْيَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ يُهْدِ فَلَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ قَالَ لِلنَّاسِ: مَنْ كَانَ مِنْكُمْ أَهْدَى فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ لَهُ مِنْ شَيْءٍ

حَرُمَ مِنْهُ حَتّٰى يَقْضِيَ حَجَّهُ. وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ مِنْكُمْ اَهْدٰى فَلْيَطُفْ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَلْيُقَصِّرْ وَلْيَحْلِلْ. ثُمَّ لِيُهِلَّ بِالْحَجِّ. وَلْيُهْدِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ هَدْيًا فَلْيَصُمْ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ. وَسَبْعَةً اِذَا رَجَعَ اِلٰى اَهْلِهٖ وَطَافَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ قَدِمَ مَكَّةَ فَاسْتَلَمَ الرُّكْنَ اَوَّلَ شَيْءٍ. ثُمَّ خَبَّ ثَلَاثَةَ اَطْوَافٍ مِنَ السَّبْعِ وَمَشٰى اَرْبَعَةَ اَطْوَافٍ. ثُمَّ رَكَعَ حِيْنَ قَضٰى طَوَافَهُ بِالْبَيْتِ عِنْدَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ. ثُمَّ سَلَّمَ فَانْصَرَفَ فَاَتَى الصَّفَا فَطَافَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ سَبْعَةَ اَطْوَافٍ. ثُمَّ لَمْ يُحْلِلْ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتّٰى قَضٰى حَجَّهُ وَنَحَرَ هَدْيَهُ يَوْمَ النَّحْرِ. وَاَفَاضَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ. ثُمَّ حَلَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ وَفَعَلَ النَّاسُ مِثْلَ مَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَهْدٰى وَسَاقَ الْهَدْيَ مِنَ النَّاسِ.

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فائدہ حاصل کرتے ہوئے عمرے کو حج کے ساتھ ملا دیا۔ آپ ﷺ قربانی کا جانور ساتھ لائے تھے۔ آپ ﷺ ذوالحلیفہ سے قربانی کا جانور ساتھ لائے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے پہلے عمرہ کا تلبیہ پڑھا پھر آپ ﷺ نے حج کا تلبیہ پڑھا۔ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ لوگوں نے بھی نفع حاصل کرتے ہوئے عمرے کو حج کے ساتھ ملا دیا' تو کچھ لوگ قربانی کا جانور ساتھ لے کر آئے تھے' اور کچھ لوگوں کے ساتھ قربانی کا جانور نہیں تھا۔ جب نبی اکرم ﷺ مکہ تشریف لائے' تو آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: تم میں سے جس کے ساتھ قربانی کا جانور ہے اس کے لیے وہ چیزیں حرام ہیں جو اس وقت تک حلال نہیں ہوں گی جب تک وہ اپنا حج مکمل نہیں کر لیتا اور تم میں سے جن کے ساتھ قربانی کا جانور نہیں ہے وہ بیت اللہ کا طواف کرنے اور صفا و مروہ کی سعی کرنے کے بعد بال چھوٹے کروا کے احرام کھول دے۔ پھر وہ حج کے لیے احرام باندھے اور قربانی کا جانور ساتھ لے کر جائے' جسے قربانی کا جانور نہیں ملتا وہ حج کے موقع پر تین روزے رکھے اور جب اپنے گھر واپس چلا جائے' تو سات روزے رکھے۔

نبی اکرم ﷺ جب مکہ تشریف لائے۔ تو آپ ﷺ نے طواف کرتے ہوئے سب سے پہلے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ پھر آپ ﷺ سات میں سے تین چکروں میں تیز رفتاری سے چلے (جو دوڑنے کے قریب تھا) اور چار چکروں میں عام رفتار سے چلے۔ جب آپ ﷺ نے بیت اللہ کا طواف مکمل کر لیا تو آپ ﷺ نے مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت ادا کیں' پھر آپ ﷺ نے سلام پھیرا۔ آپ ﷺ وہاں سے اٹھے اور صفا پہاڑی کے پاس تشریف لائے آپ ﷺ نے صفا و مروہ کے سات چکر لگائے۔ پھر آپ ﷺ نے احرام ختم نہیں کیا۔ یہاں تک کہ جب آپ ﷺ نے اپنا حج مکمل کر لیا اور قربانی کے دن اپنے قربانی کے جانور کو قربان کر لیا' اور واپس تشریف لا کر بیت اللہ کا طواف کر لیا تو پھر آپ ﷺ ہر اس چیز کے لیے حلال ہو گئے جو آپ ﷺ کے لیے (احرام کی حالت میں) ممنوع تھیں۔ لوگوں میں سے جس کے پاس قربانی کا جانور تھا' اور وہ اپنے ساتھ قربانی کا جانور لایا تھا اس نے بھی ویسا ہی کیا' جس طرح نبی اکرم ﷺ نے کیا تھا۔

حج کی سنتوں کا بیان

علامہ ابوالحسن شرمبلالی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اور حج کی سنتیں یہ ہیں۔ (۱) جب وہ احرام کا ارادہ کرے تو غسل کرنا اگرچہ حائض ونفاس والی عورت ہی ہو یا وضو کرلے۔ (۲) احرام کے لئے دو نئی چادریں پہن لے جن کو ازار اور رداء کہا جاتا ہے۔ (۳) خوشبو لگائے۔ (۴) دو رکعات نفل پڑھے۔ (۵) احرام باندھ لینے کے بعد بلند آواز سے کثرت سے تلبیہ کہے۔ یعنی جب وہ نماز پڑھے یا بلندی پر چڑھے یا وادی میں اترے یا سواروں سے ملے اور سحری کے وقت بھی تلبیہ کہے۔

(۶) جب بھی وہ تلبیہ پڑھے تو وہ بار بار پڑھتا رہے۔ (۷) درود شریف کی کثرت کرے۔ (۸) اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرے (۹) نیک لوگوں کی صحبت کا سوال کرے۔ (۱۰) جہنم کی آگ سے پناہ مانگے (۱۱) مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے غسل کرے (۱۲) مکہ مکرمہ میں دن کے وقت داخل ہو اور باب معلیٰ سے جائے۔ (۱۳) مکہ شریف میں جب بیت اللہ کے سامنے پہنچے تو اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کا ورد کرتا رہے۔ (۱۴) بیت اللہ شریف پر جب پہلی نظر پڑے تو جو چاہے وہاں دعا مانگے تو وہ دعا قبول ہوگی۔ (۱۵) طواف قدوم کرے اگرچہ حج کے مہینے نہ ہوں۔ اضطباع کی حالت میں طواف کرے۔ (۱۷) اور رمل کرے سعی کرنے کے بعد جب وہ حج کے مہینے ہوں۔ (۱۸) مردوں کے لئے دو سبز میلوں کے درمیان تیز تیز چل کر سعی کرنا سنت ہے۔ (۱۹) بقیہ سعی میں آرام کے ساتھ چلے۔ (۲۰) مکہ شریف میں رہتے ہوئے کثرت سے طواف کرنا کیونکہ آفاقی کے لئے طواف کرنا یہ نفلی نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

(۲۱) مکہ مکرمہ میں سات ذوالحج کو نماز ظہر کے بعد خطبہ دینا سنت ہے۔ اور یہ بغیر کسی جلوس کے ایک خطبہ ہوگا جس میں مناسک حج سکھائے جائیں۔ (۲۲) آٹھ ذوالحج کو طلوع آفتاب کے بعد مکہ سے منیٰ کی جانب روانہ ہو جائے۔ (۲۳) منیٰ میں جا کر رات بسر کرے اور ۹ ذوالحج کو طلوع آفتاب کے بعد وہاں سے میدان عرفات کی جانب چل پڑے۔ جہاں پر امام زوال کے بعد نماز ظہر سے پہلے دو خطبے دیں گے۔ اور ان کے درمیان بیٹھے۔ اور ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر دونوں نمازیں ایک ساتھ ادا کی جائیں گی (۲۴) وہاں پر خشوع وخضوع میں زیادہ کوشش کرے۔ اور روتے ہوئے اپنے لئے اور اپنے والدین اور جملہ مسلمان بھائیوں کے لئے دنیا وآخرت کی بھلائی کی دعا مانگے۔

(۲۵) ۹ ذوالحج کو غروب آفتاب کے بعد سکون کے ساتھ میدان عرفات سے مزدلفہ کی جانب چل پڑے۔ (۲۶) مزدلفہ میں جبل قزح کے قریب وادی کے نشیب سے ہٹ کر بلند جگہ پر الگ ہو جائے۔ (۲۷) دسویں ذوالحج کی رات وہاں ہی بسر کرے۔

(۲۸) ایام منیٰ کے دوران تمام راتیں وہاں منیٰ میں ہی گزارے۔ اور اپنا سامان اپنے پاس رکھے۔ اور سامان مکہ کی جانب پہلے منتقل کر دینا مکروہ ہے۔ اور رمی جمار کے پاس وقوف کی حالت میں منیٰ اس کی دائیں جانب اور مکہ بائیں جانب ہونا چاہیے۔ (۲۹) جمرہ عقبہ کو سوار ہو کر کنکریاں مارنا سنت ہے۔ (۳۰) جمرہ اولیٰ اور وسطیٰ کو پیدل کنکریاں مارے (۳۱) کنکریاں مارنے کے وقت وہ وادی کے نشیب میں ہو۔ (۳۲) پہلے دن طلوع آفتاب کے بعد اور زوال کے درمیان کے وقت میں کنکریاں مارے جبکہ

بقیہ دنوں میں زوال اور غروب آفتاب کے درمیان کے وقت میں کنکریاں مارے۔

اور پہلے دن ہی رمی کرنا مکروہ ہے اور چوتھے دن طلوع آفتاب اور طلوع فجر کے درمیان مکروہ ہے اور راتوں کو رمی کرنا مکروہ ہے۔ جبکہ صحیح یہ ہے کہ راتوں کو رمی کرنا درست ہے کیونکہ وہ دنوں کے تابع ہیں۔ کیونکہ وہ بعد والے دنوں سے ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ اس میں وقوف عرفات درست ہے وہ عید کی رات ہے۔ اور وہ تین راتیں ہیں کیونکہ وہ اپنے ماقبل کے تابع ہیں۔ یا پھر پہلے دن زوال کے بعد غروب آفتاب تک رمی کرنا مباح ہے۔ کیونکہ یہ سارے اوقات رمی کے جواز کے ہیں یا کراہت کے ہیں اور استحباب کے ہیں۔

(۳۳) حج مفرد کرنے والے کے لئے قربانی کرنا سنت ہے۔ (۳۴) حج مفرد والے اور نفلی قربانی کرنے والے اور تمتع وقران والوں کو اپنی قربانی کے گوشت سے کھانا سنت ہے۔ (۳۵) دسویں ذوالحج کا خطبہ بھی سنت ہے۔ اور یہ خطبہ حج کی طرح ہوتا ہے جس میں بقیہ مناسک حج سکھائے جاتے ہیں۔ اور یہ حج کا تیسرا خطبہ ہے۔ (۳۶) اور ذوالحج کی بارہ تاریخ کو غروب آفتاب سے پہلے مکہ کی جانب روانہ ہو جائے۔ جب وہ غروب تک ٹھہر چکا ہے اور اس کے بعد روانہ ہوا تو وہ گناہگار ہوگا۔ لیکن اس پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی۔ اور جب وہ چوتھے دن طلوع فجر تک ٹھہرا ہے تو چوتھے دن کی کنکریاں مارنا لازم ہو جائے گا۔

(۳۷) جب منیٰ سے مکہ کی جانب جائے تو کچھ دیر محصب میں ٹھہرے۔ (۳۸) آب زم زم نوش کرے (۳۹) خوب جی بھر کر پیئے (۴۰) قبلہ کی جانب منہ کر کے نوش کرے (۴۱) کھڑے ہو کر پی لے اور نظر کعبہ پر ہو۔ (۴۲) سر پر بھی ڈالے اور بقیہ جسم پر بھی بہائے اور جب اس نے پی لیا ہے تو دنیا و آخرت کے مقاصد حاصل ہوں گے۔ (۴۳) ملتزم پر سینہ اور چہرہ رکھ کر چمٹ جائے (۴۴) کچھ دیر کے لئے غلاف کعبہ سے لپٹ کر جو چاہے دعا مانگے (۴۵) کعبہ شریف کی دہلیز کو بوسہ دے (۴۶) اس کے بعد ادب واحترام سے کعبہ شریف کے اندر داخل ہو جائے۔ (نور الایضاح، کتاب حج، لاہور)

قربانی کرنے تک احرام کھولنے میں تاخیر کرنے کا بیان

1806 - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ حَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَا شَأْنُ النَّاسِ قَدْ حَلُّوا وَلَمْ تُحْلِلْ أَنْتَ مِنْ عُمْرَتِكَ. فَقَالَ: إِنِّي لَبَّدْتُ رَأْسِي وَقَلَّدْتُ هَدْيِي فَلَا أُحِلُّ حَتَّى أَنْحَرَ الْهَدْيَ

❀❀ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا وجہ ہے کہ لوگوں نے احرام کھول دیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے بعد احرام نہیں کھولا۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے بالوں کو چپکایا ہوا ہے اپنی قربانی کے جانور کے گلے میں ہار ڈالے ہوئے ہیں اس لیے میں اس وقت تک احرام نہیں کھولوں گا' جب تک میں قربانی کے جانور کو قربان نہیں کر لیتا۔

محض محصر کے رکنے کے سبب حلال ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف کا بیان

اس میں اختلاف ہے کہ جب کوئی حج یا عمرہ سے روکا گیا تو آیا محض اس رکنے ہی سے وہ حلال ہو گیا یا حلال ہونے کی نیت کے

ساتھ ذبح کرلینا بھی ضروری ہے یا نیت اور ذبح اور سرمنڈانا تینوں لازم ہیں تیسرا قول امام شافعی اور جمہور کا ہے ان کی دلیل یہ ہے
کہ روکے جانے سے حج کے افعال ساقط ہوگئے احرام کے افعال باقی ہیں حلق (سرمنڈانا) شرع میں محلل (حلال کرنے والا) قرار
دیا گیا ہے اس لیے بغیر حلق کے حلال نہ ہوگا اور حلق کا بحیثیت محلل ہونے کے حرم کے ساتھ مقید ہونا ثابت نہیں حلق (سرمنڈانا) یا
قصر (کتروانا) کے واجب ہونے اور حلق کے اولیٰ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حدیبیہ کے دن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
اللہ سرمنڈانے والوں پر رحم فرمائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کترنے والوں پر بھی آپ صلی اللہ علیہ
وسلم نے پھر فرمایا منڈانے والوں پر اللہ رحمت فرمائے صحابہ نے پھر عرض کیا کترانے والوں پر بھی تیسری مرتبہ میں حضور صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا کہ کترانے والوں پر بھی اس حدیث کو طحاوی نے ابن عباس اور ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر حرم میں روکا گیا تو حلق واجب ہے اور اگر حل میں روکا گیا تو
واجب نہیں کیونکہ حلق کا عبادت ہونا خاص زمانہ یا مکان کے ساتھ مخصوص ہے کافی میں اسی طرح ہے اور ہدایہ میں ہے کہ امام ابو
حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد کے نزدیک حلق واجب نہیں ذبح ہی سے حلال ہوجاتا ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک
حلق لازم ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال اس کا حکم فرمایا تھا لیکن اگر حلق نہ کیا تب بھی کچھ حرج نہیں۔ (یعنی دم
وغیرہ اس کے ذمے واجب نہیں) فقط ذبح ہی سے حلال ہوجائے گا۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف حصار سے حلت احرام ہوجاتی ہے ذبح واجب نہیں۔ یہ آیت امام مالک کے
خلاف حجت ہے دلیل امام مالک کی یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن ہم سے رسول اللہ نے فرمایا کہ
ایک ہدی کے اندر سات تک شریک ہوجائیں۔ اس حدیث کو دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور شیخین نے جابر رضی اللہ عنہ
سے اس طرح روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ٦ ھ میں عمرہ کا احرام باندھا۔ آپ کے ہمراہ ایک ہزار چار سو آدمی تھے۔
اب ان دونوں حدیثوں کے ملانے سے یہ امر معلوم ہوا کہ ہدی ہر محصر پر واجب نہیں اور صرف نیت سے احرام کھل جاتا ہے ذبح کی
ضرورت نہیں کیونکہ ستر اونٹ پانسو آدمیوں کو بھی کافی نہیں تو اور باقی آدمی بغیر ہدی کے رہ گئے۔

محصر پر قضاء یا عدم قضاء میں مذاہب اربعہ کا بیان

اس میں اختلاف ہے کہ جس شخص کا حج یا عمرہ کا احرام ہو اور وہ محصر ہوجائے اور ذبح سے حلال ہوجائے تو آیا اس پر قضا
واجب ہے یا نہیں۔ امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قضا واجب نہیں اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ
اگر حج سے حلال ہوا ہے تو ایک حج اور ایک عمرہ اور اگر عمرہ سے حلال ہوا ہے تو ایک عمرہ اور اگر قران سے حلال ہوا ہے تو ایک حج اور دو
عمرے بطور قضا کے واجب ہیں۔

علامہ بیضاوی نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے جو صرف ہدی پر اکتفا فرمایا ہے اور آگے اور کچھ قضا وغیرہ کا ذکر نہیں فرمایا یہ دلیل اس
امر کی ہے کہ قضا واجب نہیں۔ ابن جوزی نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ نے ٦ ھ میں عمرہ کا احرام باندھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

ہمراہ ایک ہزار چار سو آدمی تھے پھر دوسرے سال آپ تشریف لائے اور آپ کے ہمراہ تھوڑی سی جماعت تھی اگر قضا واجب ہوتی تو ضرور آپ ان کو متنبہ فرماتے اور وہ سب قضا کرنے آتے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے متواتر احادیث سے معلوم کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرۃ القضا کا ارادہ فرمایا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم بغیر ضرورت کے الگ ہو گئے اگر قضا ان پر لازم ہوتی تو ضرور آپ ان کو ہمراہی کا حکم فرماتے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اگر قضا واجب نہ ہوتی تو اس عمرہ کا نام عمرۃ القضا کیوں رکھا گیا۔

جواب اسکا یہ ہے کہ عمرۃ القضا اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ قضا کے معنے فیصلہ کرنے کے ہیں تو چونکہ قریش سے اس زمانہ میں فیصلہ ہوا تھا اس لئے اس عمرہ کا نام عمرۃ القضا رکھا گیا۔ واقدی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ عمرۃ قضا (فیصلہ) نہ تھا صرف یہ شرط ہوگئی تھی کہ اگلے سال مسلمان اسی ماہ میں عمرہ کریں گے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حج یا عمرہ شروع کر لینے کے بعد پورا کرنا بالاتفاق واجب ہے اور دلیل اس کی آیت: و اتموا الحج و العمرۃ للہ ہے قضا کے واجب ہونے کے لئے نئی دلیل کی حاجت نہیں اور آیت: فان احصر تم الخصر ف اس پر دلالت کرتی ہے کہ عذر احصار سے تحلل جائز ہے اس پر دال نہیں کہ قضا ساقط ہوگئی اس لیے قضا ساقط نہ ہوگی۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب دو طرح سے ہوسکتا ہے کہ اوّل یہ ہے کہ ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ دوسرے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھوڑے سے آدمی تھے اور نہ اس کو ہم مانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قضا کا حکم نہیں فرمایا چنانچہ واقدی نے مغازی میں اپنے مشائخ کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ جب ۷ ھ میں ذوالقعدہ کا مہینہ آیا تو جناب رسول اللہ نے حکم فرمایا کہ جس عمرہ سے روکے گئے تھے ان کے علاوہ باقی سب آپ کے ہمراہ تھے اور بعض لوگ ایسے بھی آئے جو حدیبیہ میں نہیں آئے تھے اور تمام مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اس وقت دو ہزار تھے اور واقدی کی روایت مغازی کے باب میں اگر روایات صحیحہ کی معارض نہ ہو تو مقبول ہے دوسرے یہ کہ امام شافعی کا یہ فرمانا کہ بہت سے آدمی بلا عذر الگ رہ گئے اس کی بنا راوی کے زعم پر ہے اور نفی پر شہادت مقبول نہیں ہوتی (کما ہو مسلم) پس جو الگ رہ گیا تو ممکن ہے اس کو کوئی عذر ہو اور بعد میں اس نے قضا کی ہو۔ نیز ہماری دلیل یہ ہے کہ حجاج بن عمر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ جو لنگڑا ہو گیا یا اس کا کوئی عضو ٹوٹ گیا تو وہ حلال ہو گیا اور سال آئندہ اس کے ذمہ حج ہے واللہ اعلم۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ (پھر جو کوئی تم میں بیمار ہو یا اس کو تکلیف ہو سر کی تو اس پر بدلہ لازم ہے روزے یا خیرات یا قربانی) منکم میں خطاب احرام ولوں کو ہے مریضا سے ایسا مرض مراد ہے کہ جس میں سر منڈانے کی احتیاج ہو۔ او اذیً من راسہ...... (یا اس کو تکلیف ہو سر میں) مثلاً کوئی زخم ہو یا جوئیں ہوں اور ان سے سر منڈا لیا تو اس کے ذمہ فدیہ واجب ہے اسی طرح جو شخص کسی عذر سے خوشبو لگائے یا سلا کپڑا پہنے اس کا بھی یہی حکم ہے من صیام سے تین روزے مراد ہیں کیونکہ تین ادنیٰ فرد جمع کا ہے اور ان روزوں کو پے در پے رکھنا ضروری نہیں کیونکہ نص اس بارے میں مطلق ہے او صدقۃ صدقہ بیان نہیں فرمایا کیونکہ یہ مجمل ہے حدیث نے اس کی تعیین کردی ہے چنانچہ امام بخاری نے کعب

بن عجرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے ان کو دیکھا کہ منہ تک جوئیں آ رہی ہیں فرمایا اس نے تجھ کو ستا رکھا ہے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے شک ستا رکھا ہے آپ نے ان کو سر منڈانے کا حکم فرمایا اس وقت آپ حدیبیہ میں تشریف رکھتے تھے اور اب تک یہ امر ظاہر نہ ہوا تھا کہ سب یہاں حلال ہوں گے بلکہ مکہ جانے کے ارادہ سے بیٹھے تھے پھر اس وقت اللہ تعالیٰ نے فدیہ کا حکم نازل فرمایا پس حضور نے کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ یا تو ایک فرق (۲) (ایک پیمانہ کا نام ہے) غلہ چھ مساکین کو تقسیم کر دیں یا ایک بکری ذبح کریں یا تین روز کے روزے رکھیں۔

فَإِذَآ أَمِنتُمْ فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ (پھر جب تمہاری خاطر جمع ہو جائے تو جو شخص نفع اٹھانا چاہے عمرہ کو حج سے ملا کر) فاذا امنتم یعنی جب تم احصار سے امن میں ہو مثلاً دشمن کا خوف جاتا رہے یا مریض تھے تندرست ہو گئے اور اب تک اپنے احرام سے حلال نہیں ہوئے یا یہ کہ پہلے ہی سے امن میں تھے۔ فمن تمتع۔ یعنی جو شخص حج کے مہینوں میں عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر متمتع ہو۔ اس تفسیر سے قرآن کے الفاظ قران اور تمتع دونوں کو شامل ہو جائیں گے بعض مفسرین نے کہا ہے معنی یہ ہیں کہ جو شخص اپنے عمرہ سے حلال ہو کر احرام میں جو چیزیں ممنوع ہو گئیں تھیں ان سے احرام حج تک متمتع ہو اس تفسیر پر قران کا ذکر نہ آئے گا اور نیز اس تقدیر پر بالعمرۃ کی با کے کچھ معنی نہ ہوں گے کیونکہ تمتع ؟۔ تو احرام کی ممنوعات سے حاصل ہوا عمرہ سے کہاں حاصل ہوا پس اس لیے پہلی تفسیر لفظاً اور معناً دونوں طرح اولیٰ ہے لفظاً تو اس لیے کہ با کے معنی بن جاتے ہیں اور معناً اس واسطے کہ قارن پر ہدی بالاجماع لازم ہے۔

فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ (تو جو کچھ میسر ہو قربانی کرے) یعنی ایسے شخص پر تمتع کی نعمت کا شکر ادا کرنے کے واسطے جیسی ہدی میسر ہو واجب ہے اور ادنیٰ درجہ اس کا بکری ہے یہ تفسیر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ شکر کا دم ہے اسلیے اس کا کھانا خود ہی جائز ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دم جبر ہے اس لئے خود کھانا جائز نہیں ہے کھانے کے جائز ہونے کی دلیل میں بہت سی احادیث وارد ہیں منجملہ ان کے یہ ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث طویل میں ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ہر اونٹ سے ایک ایک ٹکڑا کاٹنے کا حکم فرمایا اور سب ٹکڑوں کو ایک ہنڈیا میں ڈال کر پکایا گیا اور جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس میں سے گوشت بھی کھایا اور شوربا بھی پیا۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ حضور قارن تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اونٹ کا ایک ٹکڑا کاٹنے کا حکم فرمایا پھر اسے کھایا تو قران کی ہدی سے کھانا آپ کا ثابت ہوا بلکہ کھانے کا استحباب ثابت ہوا ورنہ ہر اونٹ کے ٹکڑے کا حکم نہ فرماتے۔

علامہ ابن جوزی نے فرمایا ہے دوسری دلیل جواز اکل کی عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھ کو جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے کھانے کے مقدار کے ہدی تمتع کے گوشت کو صدقہ کرنے کا حکم فرمایا یہ اور بھی زیادہ صریح ہے کہ کھانا جائز ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو ہدی واجب ہے اس سے خود کھانا حرام ہے دلیل ان کی یہ ہے کہ ناجیہ خزاعی رضی اللہ عنہ کے پاس جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے اونٹ تھے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض

کیا یارسول اللہ! اللہ اگر کوئی اونٹ ہلاک ہونے لگے تو کیا کروں؟ فرمایا اس کونحر کردے اور نعل کو اس کے خون میں رنگ کر اسکے پہلوں پر چھاپہ لگادے اور لوگوں کے کھانے کے لیے اس کو چھوڑ دے اس حدیث کو امام مالک اور احمد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے واقدی کی روایت میں اس قدر اور زیادہ ہے کہ یہ بھی فرمایا کہ تو اور تیرا کوئی رفیق اس میں سے نہ کھائے ایسے ہی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے سولہ اونٹ ایک شخص کے ہمراہ بھیجے اور اس کو امیر بنایا اور فرمایا کہ اس میں سے تو اور تیرا کوئی رفیق مت کھانا۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے اور ذویب سے بھی اسی مضمون کی حدیث مروی ہے میں کہتا ہوں کہ ان احادیث کو قران اور تمتع سے کیا تعلق ہے کیونکہ یہ احادیث حج الوداع میں نہیں ہیں بلکہ یا تو حدیبیہ کا قصہ ہے یا اور کوئی اور جناب رسول اللہ نے بعد ہجرت کے سوائے حجۃ الوداع کے اور کوئی حج ہی نہیں کیا پھر یہ ہدایا جو ان احادیث میں مذکور ہیں ہدی تمتع کیسے ہوجائیں گے بلکہ یقیناً ہدی نفل کا ذکر ہے اور ہم خود قائل ہیں کہ نفل ہدی اگر راہ میں ہلاک ہونے لگے اور اس کو ذبح کیا جائے تو اس سے خود کھانا جائز نہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور شافعی اور احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہدی تمتع کو یوم نحر یعنی دسویں تاریخ سے پہلے ذبح کرنا جائز نہیں بلکہ بعد رمی کے ذبح کرنا چاہئے۔ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ پہلے بھی جائز ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے جناب رسول اللہ سے پوچھا: یارسول اللہ! آپ ہمارے ساتھ کیوں نہ حلال ہوئے فرمایا میں ہدی روانہ کر چکا ہوں اور سر کو چپکا چکا ہوں اب میں ہدی کے نحر ہونے تک حلال نہ ہوں گا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں ہدی نہ لاتا تو حلال ہوجاتا یہ دونوں حدیثیں اوّل گذر بھی چکی ہیں اگر حدی قران کو یوم نحر سے قبل ذبح کرنا جائز ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہدی لانے کو حلال نہ ہونے کا عذر بیان فرمانا صحیح نہ ہوتا۔ (تفسیر مظہری، سورہ بقرہ، لاہور)

رمی، ذبح اور حلق کی ترتیب میں وجوب وعدم وجوب کا بیان

رمی ذبح اور حلق میں ترتیب امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہے اور باقی تمام حضرات کے نزدیک سنت لہٰذا تمام حجاج کے لئے ضروری ہے کہ وہ حتی الامکان اس ترتیب کا پورا لحاظ رکھیں بالخصوص ذبح سے پہلے حلق نہ کریں کیونکہ نص قرآنی:

ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الهدی محله

اس کو بالکل ناجائز قرار دیتی ہے اور اس غرض کے لئے حج کے گروپس کو تاکید کی جائے کہ وہ اپنے گروپ کے لوگوں کے لئے قربانی کا انتظام کریں، تاکہ قربانی یقینی طور پر حلق سے پہلے ہو تاہم اگر کسی شخص سے ناواقفیت یا کسی شدید عذر کے تحت مذکورہ بالا ترتیب کی مخالفت (ہو) تو وہ توبہ واستغفار کرے اور صاحب وسعت ہو تو دم بھی دے البتہ جو غریب حاجی اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو اس کے لئے صاحبین اور جمہور کے مذہب پر عمل کی گنجائش ہے۔

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! سر منڈانے والوں کو بخش دے۔ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اور بال کترانے والوں کو بھی آپ

نے فرمایا: اے اللہ حلق کرانے والوں کو بخش دیجئے تین بار یہی فرمایا صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! بال کترانے والوں کو بھی۔ آپ نے فرمایا اور بال کترانے والوں کو بھی۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الحج، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حلق و تقصیر کے نسک ہونے میں مذاہب اربعہ کا بیان

قال العلامة ابن قدامة المقدسی الحنبلی فی کتاب المغنی والحلق والتقصیر نسک فی الحج والعمرة فی ظاهر مذهب أحمد وقول الخرقی وهو قول مالک وأبی حنیفة والشافعی وعن أحمد أنه لیس بنسک وإنما هو إطلاق من محظور کان محرما علیه بالاحرام فأطلق فیه عند الحل کاللباس والطیب وسائر محظورات الاحرام فعلی هذه روایة لا شیء علی تارکه ویحصل الحل بدونه ووجهها أن النبی صلی الله علیه وسلم أمر بالحل من العمرة قبله ف (روی أبو موسی قال: قدمت علی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال لی: بم أهللت؟ قلت: لبیک باهلال کإهلال رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: أحسنت فأمرنی فطفت بالبیت بین الصفا والمروة ثم قال لی: أحل) متفق علیه (المغنی، ۳، ص ۲۶۵، بیروت)

شرح سنن ابو داؤد جلد ثالث کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! شرح سنن ابو داؤد کی تیسری جلد مکمل ہو چکی ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے۔ کہ وہ نبی کریم ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے میرے اس کام کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمالے اور میرے صغیرہ وکبیرہ، سہوا، عمدا ہر قسم کے گناہوں کو معاف کر دے اور مجھے دنیا وآخرت میں ہر قسم کی پریشانیوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

محمد لیاقت علی رضوی بن محمد صادق

جامعہ انوار مدینہ لاہور

سلیس اُردو ترجمہ اور موضوعاتی فہرستوں سے مزین

امام طبرانی کی مرویات کا ایسا مجموعہ جس میں امام طبرانی کے ہر شیخ کی ایک منفرد روایت درج ہے۔

امام سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی الشامی

ابو القاسم الطبرانی (المتوفی ۳۶۰ ھ)

الشیخ الحافظ ابی الفضل محمد شفیق الرحمن القادری الرضوی

شبیر برادرز®

۴۰۔ اردو بازار لاہور

فون: 042-37246006

shabbirbrother786@gmail.com

شرح حدائق بخشش

فی

مدح خیر الخلائق

مکمل 2 جلدیں

کلام

امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ العزیز

مطالب و تشریح

صوفی محمد عبد الستار طاہر مسعودی

شاکر پبلی کیشنز

اردو بازار لاہور

فون: 042-37240084

خوشخبری

مسلک اہلسنت و جماعت کے عقائد و نظریات۔۔۔

بد مذہبوں کے باطلہ عقائد اور ان کے رد۔۔۔

اہلسنت پر کئے جانے والے اعتراضات کے جوابات پر مشتمل کتب و رسائل، آڈیو ویڈیو بیانات اور والپیپر حاصل کرنے کے لئے تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن کریں

https://t.me/tehqiqat